تفسیر، حدیث، فقہ، تصوّف اور اسرار شریعت کا حسین مجموعہ

ایک عظیم انسائیکلوپیڈیا

جلد دوم

اَحیاءُ عُلُومُ الدِّین

جدید اور با محاورہ سلیس ترجمہ

مَذاقُ العَارِفِین

مُصنّف

حجۃ الاسلام امام ابو حامد محمد الغزالی

جدید ترجمہ: مولانا ندیم الواجدی فاضل دیوبند

دارالاشاعت

اردو بازار، کراچی ۱ فون ۲۶۳۱۸۶۱

باہتمام: خلیل اشرف عثمانی
طباعت: شکیل پرنٹنگ پریس
ناشر: دارالاشاعت کراچی ۱
ضخامت: صفحات

باسمہ تعالیٰ

میں ندیم الواجدی ولد مولانا واجد حسین ساکن دیوبند ضلع سہارنپور یوپی بھارت نے احیاء علوم الدین اصل تصنیف عربی میں ہے جس کے مصنف امام غزالیؒ ہیں کا ترجمہ اردو میں جدید انداز سے کیا ہے، اور دیوبند سے چھ جلدوں میں شائع کیا ہے۔ میں اس کے کاپی رائٹ پاکستان کے لئے خلیل اشرف عثمانی مالک دارالاشاعت اردو بازار کراچی کو بلا شرط دیتا ہوں کہ وہ اسے کمپیوٹر کتابت سے آراستہ کرکے جدید اور معیاری انداز سے شائع کریں گے

Ownership of copyright خلیل اشرف عثمانی کے پاس ہوں گے، اور پاکستان میں وہ چاہیں تو کاپی رائٹ آنر ہونے کی حیثیت سے اپنے نام و مسلک کر سکتے ہیں مجھے کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔

ندیم الواجدی
مترجم احیاء العلوم و مالک دارالکتاب دیوبند
یوپی۔ انڈیا

ملنے کے پتے

بیت القرآن اردو بازار کراچی ۱
ادارۃ القرآن گارڈن ایسٹ لسبیلہ کراچی ۵
ادارۃ المعارف کورنگی کراچی ۱۴
مکتبہ دارالعلوم دارالعلوم کورنگی کراچی ۱۴
ادارۂ اسلامیات ۱۹۰۔ انارکلی۔ لاہور
بیت العلوم ۲۶ نابھہ روڈ انارکلی لاہور

کشمیر بکڈپو، چنیوٹ بازار فیصل آباد
مکتبہ سید احمد شہید، اردو بازار لاہور
مکتبہ رحمانیہ، ۱۸۔ اردو بازار لاہور
کتب خانہ رشیدیہ، راجہ بازار راولپنڈی
یونیورسٹی بک ایجنسی، خیبر بازار پشاور
مکتبہ امدادیہ، ٹی بی ہسپتال روڈ ملتان

فہرست مضامین

جلد دوم

کتاب الالفۃ والاخوۃ

کتاب آداب السماع والوجد

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کتاب آداب الاکل

کھانے کے آداب کا بیان

ارباب عقل و دانش کا مقصد حیات یہ ہے کہ وہ جنت میں اللہ تعالیٰ کے دیدار کا شرف حاصل کریں، لیکن اس شرف کے حصول کا ذریعہ علم و عمل کا مجموعہ ہے۔ علم کی تحصیل، اور عمل کی مداومت جسمانی قوت و طاقت اور سلامتی کے بغیر ممکن نہیں ہے، اور جسم کی سلامتی کے لیے ضروری ہے کہ انسان بھوک کے وقت، ضرورت کے مطابق غذا استعمال کرے، اسی لیے کسی بزرگ کا قول ہے کہ کھانا بھی دین کا ایک جز ہے۔ پروردگار عالم نے بھی غذا کی اہمیت سے آگاہ فرمایا ہے، ارشاد ہے:

كُلُوا مِنَ الطَّيِّبَاتِ وَاعْمَلُوا صَالِحًا (پ ۱۸ ر ۴ آیت ۵۱)

تم (اور تمہاری امتیں) نفیس چیزیں کھاؤ اور نیک کام (عبادت) کرو۔

جو شخص علم، عمل اور تقویٰ پر قدرت حاصل کرنے کے لیے کھانا کھائے تو اسے چاہیئے کہ وہ اپنے نفس کو قابو میں رکھے، جانوروں کی طرح جگالی نہ کرے، کھانا کیونکہ دین کا جزء ہے اور علم و عمل کا واحد ذریعہ ہے اس لیے ضروری ہے کہ اس عمل میں بھی دین کے انوار ظاہر ہوں، دین کے انوار سے ہماری مراد کھانے کے آداب و سنتیں ہیں، کھانے والے کو چاہیئے کہ وہ ان آداب و سنن کی رعایت کرے، تاکہ نفس بے مُہار نہ ہو، کھانے کا عمل شریعت کی حدود سے تجاوز نہ کرے، ہمیں یقین ہے کہ آداب و سنن کی رعایت کے ساتھ کھانے کا استعمال نہ صرف یہ کہ اجر و ثواب کا باعث ہو گا بلکہ اس کے ذریعہ گناہوں سے بچنے کی توفیق بھی ہو گی۔ روایات سے ثابت ہے کہ بندہ کو اس لقمے کا ثواب بھی دیا جاتا ہے جو وہ اپنی بیوی کے منھ میں دے۔ (بخاری۔ سعد ابن ابی وقاصؓ)۔ یہ اجر و ثواب اس صورت میں ہے کہ انسان محض دین کی خاطر، اور دین کے بتلائے ہوئے طریقے کے مطابق یہ لقمہ کھلائے۔ ذیل کے ابواب میں ہم کھانے پینے کے آداب بیان کرتے ہیں۔

پہلا باب

کھانے کے آداب کھانا چار طریقوں پر کھایا جاتا ہے، ایک یہ کہ تنہا کھائے، دوسرا طریقہ یہ ہے کہ مجمع کے ساتھ کھائے، تیسرا طریقہ یہ ہے کہ آنے والے مہمانوں کے سامنے کھانا پیش کرے، چوتھا طریقہ یہ ہے کہ دعوت وغیرہ کی تخصیص ہو جائے، ذیل میں ہم ان چار طریقوں کے آداب الگ الگ بیان کرتے ہیں۔

تنہا کھانے کے آداب ان میں سے کچھ آداب کھانا کھانے سے پہلے ہیں، کچھ کا تعلق کھانے کے وقت سے ہے، اور کچھ فراغت کے بعد سے متعلق ہیں، کھانے سے پہلے درج ذیل سات آداب ملحوظ رہنے چاہئیں۔

پہلا ادب یہ ہے کہ کھانا حلال ہو، پاک و طاہر ہو، اور جائز طریقے سے شریعت اور تقویٰ کے تقاضوں کے مطابق حاصل کیا گیا ہو، حصولِ رزق کی خاطر نہ دین میں مداہنت کی جائے، نہ خواہشات نفسانی کا اتباع کیا جائے، اور نہ وہ ذرائع استعمال کئے جائیں جو شریعت کی نظر میں ناپسندیدہ ہوں، حلال اور حرام سے متعلق ابواب میں ہم حلال و طیب رزق کی تعریف بیان کریں گے۔ اللہ تعالیٰ نے حلال و طیب رزق کھانے کا حکم دیا ہے، اور باطل طریقے پر مال کھانے سے منع کیا ہے، یہ ممانعت قتل کی ممانعت پر مقدم ہے،

اس سے اکلِ حلال کی اہمیت' اور اکل حرام کی قباحت کا بخوبی اندازہ ہو جاتا ہے' فرمایا:۔

یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا لَا تَاْکُلُوْا اَمْوَالَکُمْ بَیْنَکُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّا اَنْ تَکُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْکُمْ وَلَا تَقْتُلُوْا اَنْفُسَکُمْ (پ ۵ ر ۲ آیت ۲۹)

اے ایمان والو! آپس میں ایک دوسرے کے مال ناحق طور پر مت کھاؤ' لیکن کوئی تجارت ہو جو باہمی رضا مندی سے ہو تو کوئی حرج نہیں ہے اور تم ایک دوسرے کو قتل بھی مت کرو۔

اکلِ حلال کا تعلق دین کے فرائض اور مبادیات سے ہے۔

دوسرا ادب یہ ہے کہ کھانے سے پہلے دونوں ہاتھ دھوئے' سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:۔

الوضوء قبل الطعام ینفی الفقر وبعدہ ینفی اللمم (۱)

(مسند الشہاب۔ موسیٰ الرضا)

کھانے سے پہلے ہاتھ دھونا غربت دور کرتا ہے' اور کھانے کے بعد ہاتھ دھونا رنج دور کرتا ہے۔

ہاتھ دھونے کی ضرورت اس لیے بھی ہے کہ کام کرنے سے ہاتھ گرد آلود ہو جاتے ہیں' نظافت کا تقاضہ یہ ہے کہ دسترخوان پر بیٹھنے سے پہلے انھیں دھولیا جائے' کھانا عبادت ہے' اس لیے کہ کھانے سے جسم میں قوت آتی ہے' اور فرائض ادا کرنے پر مدد ملتی ہے' جس طرح نماز عبادت ہے اور اس سے پہلے وضو کی جاتی ہے' اسی طرح کھانا بھی عبادت ہے' اس سے پہلے بھی ہاتھ دھونے چاہئیں۔

تیسرا ادب یہ ہے کہ کھانا اس دسترخوان پر رکھا جائے جو زمین پر بچھا ہوا ہو' اونچا دسترخوان رکھنے کی بہ نسبت یہ فعل رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوہ مبارک سے زیادہ قریب ہے' چنانچہ روایات میں ہے۔

کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا اتی بطعام وضعہ علی الارض (احمد۔ عن حسن مرسلاً)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول یہ تھا کہ جب آپ کی خدمت میں کھانا لایا جاتا تو آپ اسے زمین پر رکھتے۔

زمین پر رکھ کر کھانا تواضع اور انکساری کے تقاضوں کے مطابق ہے' اگر یہ ممکن نہ ہو تو دسترخوان پر رکھے' عربی میں دسترخوان کو سُفرہ کہتے ہیں' یہ نام اس لیے رکھا گیا تاکہ کھانے والے کو آخرت کا سفر یاد آئے' اور اس سفر کے لیے وہ زادِ راہ یعنی تقویٰ مہیا کرسکے' حضرت انس ابن مالکؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خوان اور کشتی پر کبھی کھانا نہیں کھایا' لوگوں نے عرض کیا: پھر آپ لوگ کس چیز پر کھانا کھاتے تھے؟ فرمایا: دسترخوان پر (بخاری) کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد چار چیزیں نئی پیدا ہوئی ہیں' اونچے دسترخوان' چھلنیاں' اشنان اور شکم سیر ہو کر کھانا۔ یہاں یہ بات واضح کردینی چاہیے کہ دسترخوان پر کھانا بہتر ہے' مگر اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اونچے دسترخوان پر کھانا ناجائز یا مکروہ ہے' اس سلسلے میں کوئی ممانعت ثابت نہیں ہے۔ ان چیزوں کو نو ایجاد کہا گیا ہے' اس کا جواب یہ ہے کہ ہر نو ایجاد چیز بدعت نہیں ہے' بلکہ بدعت وہ ہے جس کے مقابل کوئی سنت ہو' اور اس سے شریعت کے کسی حکم کی نفی ہو رہی ہو' بلکہ بعض حالات میں اسباب کے تغیر اور تبدیلی کی وجہ سے بدعت

---

(۱) طبرانی میں ابن عباس کی روایت ہے "الوضوء قبل الطعام وبعدہ مما ینفی الفقر" ابوداؤد اور ترمذی میں سلیمانؓ کی حدیث ہے "برکۃ الطعام الوضوء قبلہ وبعدہ۔"

کا ایجاد کرنا واجب ہو جاتا ہے' اونچے دستر خوان میں صرف یہ مصلحت ہے کہ کھانا زمین سے بلند رہے' اور کھانے میں سہولت ہو' اس طرح کی کوئی مصلحت خلاف شریعت نہیں ہے' اور نہ اس میں کسی طرح کی کوئی کراہت ہے وہ چار امور جنھیں بدعت قرار دیا گیا ہے حکم میں یکساں نہیں ہیں' بلکہ ان میں اشنان سب سے بہتر ہے' نظافت کے لیے ہاتھوں کو دھونا مستحب قرار دیا گیا ہے اور اشنان سے یہ نظافت اچھی طرح حاصل ہوتی ہے۔ پہلے زمانے میں اشنان نہیں ملتا تھا' اور جن علاقوں میں دستیاب تھا وہاں کے لوگ اس کے استعمال کے عادی نہیں تھے' وہ لوگ اشنان سے نظافت حاصل کرنے میں وقت لگانے کے بجائے اس سے زیادہ اہم کاموں میں مشغول رہتے تھے' اور یہ مشغولیت اتنی زیادہ ہوتی تھی کہ بسا اوقات ہاتھ بھی نہ دھوتے تھے' بلکہ پاؤں کے تلووں سے صاف کرلیا کرتے تھے۔ چھلنی کی ایجاد غذا صاف کرنے کے لیے ہوئی' یہ بھی ایک مباح اور جائز امر ہے' بشرطیکہ زیادہ آسائش طلبی کی نوبت نہ آئے۔ اونچا دستر خوان کھانے کے عمل میں آسانی پیدا کرنے کے لیے ایجاد ہوا۔ اگر غرور' تکبر' اور شیخی کی نیت نہ ہو تو اونچے دستر خوان پر کھانا بھی بلا کراہت جائز ہے' جہاں تک شکم سیری کا تعلق ہے یہ واقعی بدعت ہے' بلکہ اسے سخت ترین بدعت کہنا چاہیے' کیونکہ شکم سیری سے شہوتوں کو تحریک ملتی ہے' اور بدن میں طرح طرح کی بیماریاں جنم لیتی ہیں۔

چوتھا ادب یہ ہے کہ دستر خوان پر مسنون طریقے کے مطابق بیٹھے اور آخر تک اسی طرح بیٹھا رہے' چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کبھی دو زانو ہو کر اپنے دونوں پاؤں کی پشت پر بیٹھتے' اور کبھی دایاں پاؤں کھڑا کرلیتے اور بائیں پاؤں پر بیٹھتے اور کھانا تناول فرماتے۔ (۱) یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ میں تکیہ لگا کر کھانا نہیں کھاتا (بخاری۔ ابو جحیفہؓ) میں تو ایک بندہ ہوں اور بندوں کی طرح کھاتا ہوں اور بندوں کی طرح بیٹھتا ہوں۔ (۲) تکیہ لگا کر پانی پینا معدہ کے لیے مضر ہے' تکیہ لگا کر یا لیٹ کر کھانا کھانا مکروہ ہے' اور صحت کے لیے بھی نقصان دہ ہے' ہاں چنے وغیرہ لیٹ کر کھائے جاسکتے ہیں۔ جیسا کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے چت لیٹ کر' اور ایک روایت کے مطابق پیٹ کے بل لیٹ کر اس طرح کی چیزیں کھائی ہیں۔

پانچواں ادب یہ ہے کہ کھانے میں لذت' آرام طلبی' اور عیش کوشی کی نیت نہ کرے بلکہ یہ نیت کرے کہ کھانے سے اللہ تعالیٰ کی عبادت پر قدرت حاصل ہوگی' بندہ کا کھانا بھی اطاعت ہی ہونا چاہیے۔ ابراہیم ابن شیبان کہتے ہیں کہ میں نے اسی برس سے کوئی چیز اپنی خواہش پوری کرنے کے لیے نہیں کھائی' کم کھانے کی بھی نیت کرے' کیونکہ عبادت کی نیت اسی وقت معتبر ہوگی جب کم کھانے کا ارادہ ہوگا' شکم سیر ہو کر کھانا عبادت کے لیے مانع ہے' اس نیت کا تقاضا یہ ہے کہ شہوت کا قلع قمع ہو' اور کم پر قناعت کی جائے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:۔

ماملأ آدمی وعاء شرا من بطنه حسب ابن آدم لقیمات یقمن صلبه فان لم یفعل فثلث طعام وثلث شراب وثلث للنفس

(ترمذی' نسائی' ابن ماجہ۔ مقداد ابن معد یکربؓ)

آدمی نے کوئی برتن اپنے پیٹ سے زیادہ برا نہیں بھرا' ابن آدم کے لئے چند ایسے لقمے کافی ہیں جو اس کی پشت سیدھی کردیں' اگر وہ چند لقموں پر اکتفا نہ کرسکے تو ایسا کرے کہ ایک تہائی کھانا کھائے' ایک تہائی پانی پئے اور ایک تہائی (جگہ) سانس کے لیے رہنے دے۔

---

(۱) دو زانو بیٹھ کر کھانے کی روایت ابوداؤد میں عبداللہ ابن بشر سے منقول ہے اور بائیں پاؤں پر بیٹھ کر کھانے کی روایت ابوالحسن ابن المقری نے شمائل میں نقل کی ہے۔ اسی حدیث میں یہ الفاظ ہیں "انما انا عبد آکل کما یاکل العبد وافعل کما یفعل العبد" (۲) یہ روایت حاشیہ نمبر ۱ میں گذری ہے۔

اس نیت کا تقاضا یہ بھی ہے کہ کھانے کی طرف اسی وقت ہاتھ بڑھائے جب بھوک محسوس کرے، بھوک کا وجود ان امور میں شامل ہے جو کھانا کھانے سے پہلے ہونے چاہئیں، اس کے بعد یہ ضروری ہے کہ شکم سیر ہونے سے پہلے کھانے سے ہاتھ کھینچ لے، جو شخص بھوک کے وقت کھانا کھائے گا، اور کم کھائے گا وہ کبھی ڈاکٹر کا محتاج نہیں ہوگا، جلد سوم کے باب کسر شھوۃ الطعام (کھانے کی شہوت ختم کرنے کا باب) میں ہم کم کھانے کے فوائد، اور رفتہ رفتہ غذا کم کرنے کی تدبیریں بیان کریں گے۔

چھٹا ادب یہ ہے کہ جو کھانا موجود ہو اسی پر خوش رہے، لذت کام و دہن کی خاطر زیادہ کی جستجو نہ کرے، اگر دستر خوان پر صرف روٹی ہو تو اس کی تعظیم کا تقاضا یہ ہے کہ سالن کا انتظار نہ کیا جائے، روٹی کی تعظیم کا یہ حکم احادیث میں ہے۔(۱) وہ کھانا اچھا ہے جس سے جسم سلامت رہے، اور عبادت پر قوت حاصل ہو، کھانے کو حقیر نہ سمجھنا چاہیے، بلکہ شریعت کا حکم تو یہ ہے کہ اگر نماز کا وقت آجائے اور وقتِ ادا میں گنجائش ہو، تو پہلے کھانا کھالے، چنانچہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

اذا حضر العِشاء والعَشاء فابدءوا بالعَشاء (۲)

اگر رات کا کھانا اور عشاء کی نماز دونوں آجائیں تو پہلے کھانا کھالو۔

حضرت ابن عمرؓ بعض اوقات امام کی قرأت کی آواز سنتے، اور اپنے رات کے کھانے سے نہ اٹھتے۔ اگر کھانے کی خواہش نہ ہو، اور تاخیر میں کسی قسم کے نقصان کا اندیشہ نہ ہو تو بہتر یہ ہے کہ پہلے نماز پڑھ لے، بعد میں کھانا کھائے، ہاں اگر کھانا سامنے آجائے، اور واپسی میں کھانے کے ٹھنڈا ہوجانے کا اندیشہ ہو تو پہلے کھانا کھالینا چاہیے، بشرطیکہ وقت میں گنجائش ہو، اس سلسلے میں خواہش ہونے یا نہ ہونے کی قید نہیں ہے، بلکہ یہ حکم عام ہے، کیونکہ حدیث بھی عام ہے، نماز پر کھانے کی تقدیم میں ایک حکمت یہ بھی ہے کہ نماز میں دلجمعی رہے گی، دھیان نہیں بٹے گا، اگرچہ بھوک غالب نہ ہو، مگر پھر بھی کھانے کی طرف طبیعت کا التفات رہتا ہے، بھوک غالب ہو تو نماز پڑھنا بھی دشوار ہوجاتا ہے۔

ساتواں ادب یہ ہے کہ زیادہ سے زیادہ لوگوں کو اپنے ساتھ کھلانے کی کوشش کرے، خواہ اپنے بچوں کو ساتھ بٹھا کر کھلائے، سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

اجتمعوا علی طعامکم یبارک لکم فیہ (ابوداؤد، ابن ماجہ۔ وحشی ابن حرب)

اپنے کھانے پر جمع رہو یعنی مل کر کھاؤ، اس سے تمہارے کھانے میں برکت ہوگی۔

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول یہ تھا کہ آپ کھانا تنہا تناول نہ فرماتے تھے (خرائطی فی مکارم الاخلاق) ایک حدیث میں سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کیا گیا ہے:

خیر الطعام ما کثرت علیہ الایدی

بہترین کھانا وہ ہے جس پر ہاتھ زیادہ ہوں۔

ذیل میں وہ آداب بیان کئے جارہے ہیں جن کا تعلق عین کھانے کی حالت سے ہے، پہلا ادب یہ ہے کہ بسم اللہ سے ابتدا کرے، اور آخر میں الحمد للہ کہے، اگر ہر لقمے کے ساتھ بسم اللہ کہے تو زیادہ بہتر ہے، تاکہ یہ ثابت ہو کہ کھانے کی ہوس نے اللہ تعالیٰ کی یاد سے غافل نہیں کیا ہے، پہلے لقمے پر بسم اللہ کہے دوسرے لقمے پر بسم اللہ الرحمٰن کہے اور تیسرے لقمے پر بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کہے، اس موقعہ پر بلند آواز سے بسم اللہ کہنا اچھا ہے، تاکہ دوسرے لوگوں کو بھی اس کی توفیق ہوجائے، اور وہ بھی یہ سعادت

---

(۱) بزار، طبرانی اور ابن قانع نے عبداللہ ابن ام حرام سے یہ روایت نقل کی ہے "اکرموا الخبز" ابن جوزی نے اس روایت کو موضوع قرار دیا ہے۔ (۲) یہ روایت کتاب الصلوٰۃ میں گذر چکی ہے۔

حاصل کرسکیں' دائیں ہاتھ سے کھانا کھائے' نمکین چیز سے شروع کرے' اور آخر میں بھی نمکین چیز کھائے' لقمہ چھوٹا ہونا چاہیے' کھانا اچھی طرح چبا کر کھائے' جب تک پہلا لقمہ ختم نہ ہو دوسرے لقمہ کی طرف ہاتھ نہ بڑھائے' منہ کا کھانا ختم کئے بغیر کھانے کی طرف ہاتھ بڑھانا عجلت پسندی پر دلالت کرتا ہے' اس سے پرہیز کرے' کسی کھانے کی برائی نہ کرے' سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کسی کھانے کی برائی نہ کرتے تھے' بلکہ آپ کا معمول یہ تھا کہ اگر کھانا پسند ہوتا تو تناول فرمالیتے' ناپسند ہوتا تو چھوڑ دیتے (بخاری مسلم- ابو ہریرہؓ) کھانا ہمیشہ اپنے سامنے سے کھانا چاہیے' ہاں اگر پھل' خشک میوے یا مٹھائی وغیرہ ہو تو دوسری طرف سے اٹھا کر کھانے میں بھی کوئی حرج نہیں ہے' ارشاد نبوی ہے:۔

کل ممایلیک (بخاری ومسلم- عمر بن ابی سلمہؓ)

کھانا اس طرف سے کھاؤ جو تمہارے قریب ہو۔

ایک طرف یہ ہدایت تھی' دوسری طرف یہ معمول تھا کہ میوے وغیرہ ادھر ادھر سے اٹھا کر تناول فرماتے لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ اپنے سامنے سے کھانے کا حکم فرماتے ہیں؟ ارشاد فرمایا :۔

لیس ھو نوعا واحدا (ترمذی' ابن ماجہ- کراش ابن دویبؓ)

یہ میوے ایک نوع کے نہیں ہیں۔

پیالے یا پلیٹ کے درمیان سے مت کھائے' روٹی بھی درمیان سے نہیں کھانی چاہیے- مثلاً اس طرح کہ درمیانی حصہ کھالے' اور کنارے چھوڑ دے' اگر روٹی توڑنے کی ضرورت پیش آئے تو ٹکڑا توڑ لے' لیکن چھری وغیرہ سے نہ کاٹے (ابن حبان- ابو ہریرہؓ) پکا ہوا گوشت بھی چھری سے نہ کاٹے' بلکہ دانتوں سے کاٹ کر کھائے' حدیث میں چھری وغیرہ کے ذریعہ گوشت کاٹنے سے منع فرمایا گیا ہے' بلکہ حکم یہ ہے کہ دانتوں سے گوشت جدا کرو (ابن ماجہ- صفوان ابن امیہؓ' ترمذی' ابن ماجہ- عائشہؓ)- پیالہ وغیرہ روٹی پر نہ رکھنا چاہیے' البتہ روٹی پر سالن رکھا جاسکتا ہے' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں :۔

اکرموا الخبز فان اللہ تعالی انزلہ من برکات السماء (حاکم- عائشہؓ)

روٹی کی تعظیم کرو' اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے آسمان کی برکتوں کے ضمن میں روٹی نازل کی ہے۔

روٹی سے ہاتھ صاف کرنا بھی بے ادبی ہے' ارشاد نبوی ہے:۔

اذا وقعت لقمة احدکم فلیا خذھا فلیمط ما کان بھا من اذی ولا یدعھا للشیطان ولا یمسح یدہ بالمندیل حتی یلعق اصابعہ فانہ لا یدری فی ای طعامہ برکۃ (مسلم- انسؓ' جابرؓ)

اگر تم میں سے کسی کا لقمہ گر جائے تو اسے اٹھالے' اور جو مٹی وغیرہ لگ گئی ہو وہ صاف کرلے' اس لقمے کو شیطان کے لیے نہ چھوڑے' جب تک کھانے کے بعد انگلیاں نہ چاٹ لے رومال سے صاف نہ کرے' اسے کیا معلوم کہ برکت کس کھانے میں ہے۔

گرم کھانے کو پھونک مار کر ٹھنڈا کرنا بھی مکروہ ہے' بلکہ اگر کھانا گرم ہو تو تھوڑی دیر صبر کرے- چھوارے کھجور اور میوے وغیرہ طاق کھائے' یعنی سات' گیارہ' اکیس یا اس سے زیادہ گنجائش کے مطابق' بہرحال طاق عدد کا خیال رکھے' کھجور اور گٹھلی ایک برتن میں جمع نہ کرے نہ ہاتھ میں رکھے' بلکہ منہ سے گٹھلی نکال کر ہاتھ کی پشت پر رکھے' اور نیچے ڈال دے' ہر اس چیز کا جس میں گٹھلی یا بیج وغیرہ ہو یہی حال ہے' ہڈی وغیرہ چیزوں کو کھانے کے برتن میں نہ رکھے' بلکہ الگ ڈال دے' کھانے کے دوران زیادہ پانی نہ پیئے' اگر حلق میں کوئی ٹکڑا وغیرہ پھنس جائے تو زیادہ پانی پینے میں بھی کوئی حرج نہیں ہے' اطباء کہتے ہیں کہ کھانے کے دوران زیادہ پانی پینے سے معدہ کو نقصان پہنچتا ہے۔

پانی پینے کے آداب یہ ہیں کہ گلاس یا کٹورے وغیرہ کو دائیں ہاتھ میں لے بسم اللہ پڑھ کر پیئے' آہستہ آہستہ چھوٹے چھوٹے گھونٹ لیکر پیئے' بڑے بڑے گھونٹ نہ لے اور نہ پینے میں جلدی کرے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں :۔

مصوا الماء مصا ولا تعبوه عبا فان الکباد من العب (ابو منصور دیلمی۔ انس)

پانی چوس کر پیو' بڑے گھونٹ لگا تار مت پیو' اس سے جگر کی بیماری پیدا ہوتی ہے۔

کھڑے ہو کر اور لیٹ کر پانی نہیں پینا چاہیے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کھڑے ہو کر پانی پینے سے منع فرمایا ہے۔ (مسلم۔ انس' ابو سعید' ابو ہریرۃ) ایک روایت میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کھڑے ہو کر پانی پیا ہے۔ غالباً یہ کسی عذر کی وجہ سے ہوگا۔ جس برتن میں پانی پیئے اس کے زیریں حصے کو اچھی طرح دیکھ لے کہ کہیں سے پانی تو نہیں ٹپک رہا ہے' پینے سے پہلے پانی پر نظر ڈال لے' ایسا نہ ہو کہ کوئی کیڑا وغیرہ پانی میں ہو' اور بے خیالی میں پانی کے ساتھ منہ میں چلا جائے' پانی پیتے ہوئے ڈکار نہ لے' نہ سانس لے' بلکہ ضرورت ہو تو برتن منہ سے الگ کردے' پھر سانس لے' اور الحمد للہ کہے' پیاس باقی ہو تو بسم اللہ کہہ کر دوبارہ شروع کرے' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پانی پینے کے بعد حسب ذیل کلمات ارشاد فرماتے تھے :۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ جَعَلَهُ عَذْبًا فُرَاتًا بِرَحْمَتِهٖ وَلَمْ یَجْعَلْهُ مِلْحًا اُجَاجًا بِذُنُوْبِنَا
(طبرانی۔ امام جعفر مرسلاً)

تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں جس نے پانی کو شیریں اور پیاس بجھانے والا بنایا اور اسے ہمارے گناہوں کی وجہ سے کھارا اور کڑوا نہیں کیا۔

اگر بہت سے لوگ ایک وقت میں ایک ہی برتن سے پانی پئیں تو دائیں جانب سے آغاز کرنا چاہیے روایات میں ہے کہ ایک مرتبہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے دودھ نوش فرمایا' اس وقت حضرت ابو بکرؓ آپ کی دائیں جانب تھے' بائیں طرف ایک اعرابی تھا۔ حضرت عمر ایک گوشے میں بیٹھے ہوئے تھے' حضرت عمرؓ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! باقی ماندہ دودھ ابو بکرؓ کو عطا فرمادیجئے آپ نے اعرابی کی طرف پیالہ بڑھا دیا' اور ارشاد فرمایا کہ دائیں جانب والا شخص اس کا زیادہ مستحق ہے پانی تین سانس میں پیئے' ابتداء میں بسم اللہ اور آخر میں الحمد للہ کہے' بلکہ بہتر یہ ہے کہ بسم اللہ کہہ کر شروع کرے' پہلے سانس پر الحمد للہ' دوسرے سانس پر الحمد للہ رب العالمین اور تیسرے سانس پر الحمد للہ رب العالمین الرحمٰن الرحیم کہے۔

کھانے کے بعد کے آداب یہ ہیں کہ پیٹ بھرنے سے پہلے ہاتھ روک لے' انگلیاں چاٹے' انھیں رومال سے صاف کرے' پھر پانی سے دھوئے' دسترخوان پر پڑے ہوئے ریزے اٹھا کر کھالے' سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں :۔

من اکل مایسقط من المائدۃ عاش فی سعۃ وامن من الفقر والبرص والجذام وصرف عن ولدۃ الحمق (کتاب الثواب۔ جابرؓ)

جو شخص دسترخوان سے ریزے اٹھا کر کھائے گا اسے رزق میں وسعت حاصل ہوگی' اور وہ فقر و تنگ دستی' برص اور جذام سے محفوظ رہے گا اور اسے بیوقوف اولاد نہیں دی جائے گی۔

کھانے کے بعد خلال کرے' خلال کرنے سے جو ریزے وغیرہ نکلیں انھیں تھوک دے' البتہ جیب کی نوک سے جو ریزے نکلیں انھیں کھانے میں کوئی حرج نہیں ہے' خلال کے بعد کلی کرے' اس سلسلے میں اہل بیت رضوان اللہ علیہم اجمعین سے ایک اثر بھی منقول ہے' برتن میں لگا ہوا سالن چاٹ لے اور اس کا دھوون پی لے۔ اسے ایک غلام آزاد کرنے کا ثواب ملے گا۔ دسترخوان کے ریزے چن کر کھانا جنت کی حوروں کا مہر ہے۔ دل میں اللہ تعالیٰ کے اس انعام کا شکر ادا کرے کہ اس نے کھانا کھلایا اور بہترین رزق عطا کیا۔ حلال غذا کھانے کے بعد یہ دعا پڑھے :۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ بِنِعْمَتِهٖ تَتِمُّ الصَّالِحَاتُ وَتَنْزِلُ الْبَرَکَاتُ اَللّٰهُمَّ اَطْعِمْنَا طَیِّبًا

وَاسْتَعْمِلْنَا صَالِحًا

تمام تعریفیں خدائے پاک کے لیے ہیں جس کی نعمت سے اچھائیاں تکمیل پاتی ہیں' اور برکتیں نازل ہوتی ہیں' اے اللہ! ہمیں پاک غذا کھلا۔ اور ہم سے نیک کام لے۔

اگر کھانے میں کسی قسم کا کوئی شبہ ہو تو فراغت کے بعد یہ الفاظ کہے:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰى كُلِّ حَالٍ اَللّٰهُمَّ لَا تَجْعَلْهُ قُوَّةً لَنَا عَلٰى مَعْصِيَتِكَ

ہر حال میں تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں' اے اللہ! اس کھانے کو ہمارے لیے اپنی نافرمانی پر قوت کا ذریعہ نہ بنایئے۔

کھانے کے بعد قل ہو اللہ احد اور لایلاف قریش کی تلاوت کرے۔ جب تک دسترخوان نہ اٹھا لیا جائے اپنی جگہ سے نہ اٹھے' اگر کسی دوسرے شخص کے دسترخوان پر کھانا کھائے تو میزبان کے حق میں بھی دعائے خیر کرے۔

اَللّٰهُمَّ اَكْثِرْ خَيْرَهُ وَبَارِكْ لَهُ فِيْمَا رَزَقْتَهُ وَيَسِّرْ لَهُ اَنْ يَفْعَلَ فِيْهِ خَيْرًا وَقَنِّعْهُ بِمَا اَعْطَيْتَهُ وَاجْعَلْنَا وَاِيَّاهُ مِنَ الشَّاكِرِيْنَ

اے اللہ اس کا مال زیادہ کر' جو کچھ تو نے اسے عطا کیا ہے اس میں برکت پیدا فرما' اور اس کے لیے یہ بات آسان کردے کہ وہ اس مال میں سے خیرات کر سکے' اسے اپنی عطا پر قانع بنا' ہمیں اور اسے شکر گذاروں میں سے کر۔

کسی کے یہاں روزہ افطار کرے تو افطار کرانے والے کے لیے یہ دعا کرے:

اَفْطَرَ عِنْدَكُمُ الصَّائِمُوْنَ وَاَكَلَ طَعَامَكُمُ الْاَبْرَارُ وَصَلَّتْ عَلَيْكُمُ الْمَلَائِكَةُ

تمہارے پاس روزہ دار افطار کریں' تمہارا کھانا نیک لوگ کھائیں' تمہارے لئے فرشتے رحمت کی دعا کریں۔

اگر کوئی مشتبہ غذا کھالے تو کثرت سے استغفار کرے' اور اظہارِ غم کے طور پر آنسو بہائے' تاکہ آنسوؤں کے پانی سے اس آگ کی حرارت کم ہو جائے جو مشتبہ مال کھانے سے معدہ میں پیدا ہو گئی ہے' مالِ حرام کے متعلق سخت ترین وعیدیں موجود ہیں' ایک حدیث میں ہے:

کل لحم نبت من حرام فالنار اولی به (بیہقی۔ کعب ابن عجرہؓ)

جو گوشت حرام غذا سے پیدا ہو آگ اس کی زیادہ مستحق ہے۔

دودھ پینے کے بعد یہ دعا کرے:

اَللّٰهُمَّ بَارِكْ لَنَا فِيْمَا رَزَقْتَنَا وَزِدْنَا مِنْهُ

اے اللہ! ہمیں اپنے عطا کردہ رزق میں برکت دے' اور اس میں سے ہمیں مزید عنایت فرما۔

دودھ کے علاوہ دوسری چیزوں کے لیے زدنا منه کی جگہ وَارْزُقْنَا خَيْرًا مِنْهُ کہے' اس لیے کہ یہ دعا سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے خاص طور پر دودھ ہی کے لیے فرمائی تھی (ابوداؤد' ترمذی' ابن ماجہ۔ ابن عباسؓ) کھانے کے بعد یہ دعا کرنا بھی مستحب ہے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِىْ اَطْعَمَنَا وَسَقَانَا وَكَفَانَا وَاٰوَانَا سَيِّدَنَا وَمَوْلَانَا يَا كَافِيَ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ وَلَا يَكْفِىْ مِنْهُ شَيْءٌ اَطْعَمْتَ مِنْ جُوْعٍ وَاٰمَنْتَ مِنْ خَوْفٍ فَلَكَ الْحَمْدُ اٰوَيْتَ مِنْ يُتْمٍ وَهَدَيْتَ مِنْ ضَلَالَةٍ وَاَغْنَيْتَ مِنْ عَيْلَةٍ فَلَكَ الْحَمْدُ حَمْدًا كَثِيْرًا دَائِمًا طَيِّبًا نَافِعًا مُبَارَكًا فِيْهِ كَمَا اَنْتَ اَهْلُهُ وَمُسْتَحِقُّهُ اَللّٰهُمَّ اَطْعَمْتَنَا طَيِّبًا

فَاسْتَعْمِلْنَا صَالِحًا، فَاجْعَلْهُ عَوْنًا لَنَا عَلٰی طَاعَتِکَ وَنَعُوْذُبِکَ اَنْ نَسْتَعِیْنَ بِہٖ عَلٰی مَعْصِیَتِکَ

تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں جس نے ہمیں کھانا کھلایا اور پانی پلایا اور جو ہمیں کافی ہوا، اور جس نے ہمیں پناہ دی، اے ہمارے آقا! اے ہمارے مولیٰ! اے ہر چیز کی کفایت کرنے والے! کوئی چیز اس سے کافی نہیں ہے۔ تو نے ہمیں بھوک کے وقت کھانا کھلایا، خوف سے مامون کیا، تیرے لیے تمام تعریفیں ہیں، تو نے یتیمی پر ٹھکانہ دیا، گمراہی سے ہٹا کر ہدایت دی، مفلسی سے غنی کیا، تمام تعریفیں ہیں تیرے لیے دائمی، پاک، نافع اور مبارک جیسا کہ تو ان کا مستحق ہے، اے اللہ! تو نے ہمیں پاک غذا کھلائی، تو ہم سے نیک کام لے، اور اس غذا کو ہمارے لیے اپنی اطاعت پر معین اور مددگار بنا، ہم اس بات سے تیری پناہ چاہتے ہیں کہ تیری نافرمانی پر اس غذا سے مدد لیں۔

اُشنان سے ہاتھ دھونے کا طریقہ یہ ہے کہ بائیں ہاتھ میں اُشنان لے، اور دائیں ہاتھ کی تین انگلیاں دھوئے اور انھیں خشک اشنان پر رکھے، ہونٹوں پہ ملے، دانت اچھی طرح صاف کرے، زبان اور تالو ملے، اس کے بعد انگلیاں دھولے، کچھ خشک اشنان انگلیوں کے بیرونی اور اندرونی حصوں پر ملے، اب ہاتھ دھونے کی ضرورت نہیں ہے۔

اجتماعی طور پر کھانے کے آداب

یہ آداب ان آداب کے علاوہ ہیں جو تنہا کھانے میں ملحوظ رہنے چاہئیں۔

پہلا ادب یہ ہے کہ اگر مجمع میں کوئی شخص عمر یا علم و فضل میں سب سے بڑا ہو تو کھانے کی ابتدا نہ کرے، بلکہ بڑوں کا انتظار کرے، لیکن اگر خود مقتدیٰ ہو تو کھانے والوں کے جمع ہوجانے کے بعد شروع کردے، لوگوں کو زیادہ انتظار کی زحمت نہ دے۔

دوسرا ادب یہ ہے کہ کھانے کے وقت خاموش نہ رہیں۔ عجمیوں کا طریقہ یہ تھا کہ وہ دستر خوان پر بیٹھنے کے بعد ایک دوسرے سے گفتگو نہیں کرتے تھے، مسلمانوں کو ان کی عادت اختیار نہ کرنی چاہیے، بلکہ کھانے کے وقت اچھی باتیں کریں، سلفِ صالحین کے وہ قصے اور اقوال بیان کریں جو کھانے وغیرہ سے متعلق منقول ہیں۔

تیسرا ادب یہ ہے کہ اپنے اس رفیق کے ساتھ نرمی کا معاملہ کرے جو کھانے میں اس کا شریک ہے، یعنی اس سے زیادہ کھانے کا ارادہ نہ کرے اگر شریکِ طعام کی مرضی یہ ہو کہ اس کا رفیق کم کھائے تو زیادہ کھانا حرام ہوجاتا ہے، بہتر یہ ہے کہ آدمی اپنے شریکِ طعام کے لئے ایثار کرے، ایک مرتبہ میں دو کھجوریں نہ کھائے، ہاں اگر دوسرے لوگ بھی دو دو کھا رہے ہوں تو ایسا کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے، لیکن اگر دوسرے لوگ ایک ایک کھجور کھا رہے ہوں تو اجازت کے بغیر زیادہ کھانا صحیح نہیں ہوگا۔ اگر شریکِ طعام کم کھا رہا ہو تو اسے کھانے کی ترغیب دے اور کھانے کے لیے کہے، تین مرتبہ سے زیادہ نہ کہے، تین مرتبہ سے زیادہ کہنا اصرار اور افراط میں داخل ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کوئی سوال تین مرتبہ سے زیادہ پیش نہیں کیا جاتا تھا (احمد۔ جابرؓ، ابو حدردؓ) سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم بھی ایک بات تین مرتبہ سے زیادہ نہیں فرمایا کرتے تھے (بخاری۔ انسؓ) تین مرتبہ سے زیادہ کہنا حسنِ ادب کے خلاف ہے، کھانے کے لیے قسم دینا بھی صحیح نہیں ہے، حسن ابن علیؓ فرماتے ہیں کہ کھانا اس بات سے زیادہ سہل ہے کہ اس پر قسم دی جائے۔

چوتھا ادب یہ ہے کہ اس طرح کھائے کہ شریکِ طعام کو کہنے کی ضرورت پیش نہ آئے، ایک عالم فرماتے ہیں کہ بہترین کھانے

والا وہ ہے جس کے ساتھی کو کہنے کی زحمت نہ اٹھانی پڑے یہ بھی مناسب نہیں ہے کہ لوگوں کے دیکھنے کی وجہ سے وہ چیز چھوڑ دے جس کی خواہش ہو۔ یہ تکلف ہے' اس طرح کے تکلفات کو پسند نہیں کیا گیا ہے' بلکہ دستر خوان پر بیٹھنے کے بعد وہی عمل کرنا چاہیے جس کا تنہائی میں عادی ہو' اس کا مطلب یہ ہے کہ تنہائی میں بھی آداب کی رعایت ہونی چاہیے تاکہ مجمع میں تکلف نہ ہو' تاہم اگر مجمع میں اس خیال سے کم کھائے کہ دوسرے لوگ زیادہ کھالیں' یا یہ نقطہ نظر ہو کہ صاحب خانہ کو کفایت ہو تو کوئی حرج نہیں ہے' اسی طرح اگر دوسرے لوگوں کا ساتھ دینے کے خیال سے زیادہ کھالے تو اس میں بھی کوئی مضائقہ نہیں ہے' بلکہ یہ دونوں عمل مستحسن ہیں۔ حضرت ابن مبارکؒ کا دستور یہ تھا کہ اپنے دوستوں کے سامنے عمدہ عمدہ کھجوریں رکھتے جاتے اور فرماتے کہ جو شخص زیادہ کھجوریں کھائے گا اسے ایک گٹھلی کے بدلے میں ایک درہم دوں گا۔ چنانچہ کھانے کے بعد گٹھلیاں گنی جاتیں اور زیادہ کھانے والے کو انعام دیا جاتا۔ ابن مبارکؒ کا یہ طریقہ کار حجاب دور کرنے اور نشاط و رغبت پیدا کرنے میں بڑا مؤثر ہے۔ جعفر ابن محمدؒ فرماتے ہیں کہ مجھے دوستوں میں سب سے زیادہ محبت اس شخص سے ہے جو سب سے زیادہ کھائے' اور بڑے بڑے لقمے اٹھائے' وہ شخص میرے لئے بوجھ بن جاتا ہے جو کھانے کے دوران اپنی خبرگیری کرائے' یہ تمام اقوال اس حقیقت پر دلالت کرتے ہیں کہ کھانے کے باب میں اپنی عادت کے مطابق عمل کرے' تصنع اور تکلف سے کام نہ لے۔ جعفر ابن محمدؒ یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ دوستوں کی محبت کی پہچان یہ ہے کہ وہ اس کے گھر آکر اچھی طرح کھائیں۔

پانچواں ادب سلفچی میں ہاتھ دھونے کو برا نہیں سمجھا گیا ہے' اس میں تھوک بھی سکتا ہے اور کلی بھی کر سکتا ہے' لیکن مجمع عام میں ایسا نہ کرنا چاہیئے اگر کوئی شخص تعظیم کے خیال سے سلفچی پیش کرے تو قبول کرلے' انسؓ ابن مالکؓ اور ثابت بنانیؒ ایک دعوت میں شریک ہوئے' حضرت انسؓ نے سلفچی ثابت بنانیؒ کی طرف بڑھائی' انھوں نے ہاتھ نہیں دھوئے' انسؓ نے کہا: اے ثابت! جب تمہارا بھائی تمہاری تعظیم کرے تو اسے قبول کرلو' انکار مت کرو' اس لئے کہ تعظیم اللہ تعالیٰ کراتا ہے' خود نہیں ہوتی۔ روایت ہے کہ ہارون رشید نے ابو معاویہ نابینا کی دعوت کی' اور ان کے ہاتھ خود دھلوائے' بعد میں ان سے پوچھا: ابو معاویہ! تمہیں معلوم ہے کہ اس وقت تمہارے ہاتھ کس نے دھلائے ہیں۔ ابو معاویہ نے کہا مجھے نہیں معلوم! لوگوں نے بتلایا تمہارے ہاتھ امیر المؤمنین نے دھلوائے ہیں۔ ابو معاویہ نے فرمایا کہ اے امیر المؤمنین تم نے علم کی تعظیم و توقیر کی' اللہ تعالیٰ تمہاری تعظیم و توقیر کریں گے۔ ایک سلفچی میں متعدد لوگ بیک وقت ہاتھ دھو سکتے ہیں' بلکہ یہی صورت تواضع سے زیادہ قریب ہے' اس میں طول انتظار کی مشقت بھی نہیں' اگر ایسا نہ کریں تو باری باری دھولیں' لیکن یہ ہرگز نہ ہونا چاہیئے کہ ایک شخص کے دھونے کے بعد پانی پھینک دیا جائے' پھر دوسرا شخص دھوئے اور اس کا دھوون پھینکنے کے بعد تیسرا دھوئے' بلکہ سلفچی میں پانی اکٹھا ہونا افضل ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:۔

اجمعوا وضوءکم جمع اللہ شملکم (قضاعی فی مسند الشہاب۔ ابو ہریرہؓ)

اپنے وضو کا پانی جمع رکھو اللہ تعالیٰ تمہارا شیرازہ مجتمع رکھے گا۔

بعض لوگوں نے وضو سے کھانے کے لیے ہاتھ دھونے کا پانی مراد لیا ہے' حضرت عمر ابن عبدالعزیزؒ نے اپنے گورنروں کو لکھا کہ لوگوں کے درمیان سے سلفچیاں بھرنے کے بعد اٹھائی جائیں' اس سلسلے میں عجمیوں کے ساتھ مشابہت اختیار نہ کی جائے۔ حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ ایک طشت میں سب مل کر ہاتھ دھویا کرو' عجمیوں کی عادت اختیار مت کرو۔ بعض لوگوں نے ہاتھ دھلوانے والے شخص کا کھڑا ہونا مکروہ قرار دیا ہے اور بیٹھ کر پانی ڈالنے کو بہتر سمجھا ہے' ان کے خیال میں بیٹھ کر ہاتھ دھلوانے میں تواضع زیادہ ہے' بعض دوسرے حضرات نے بیٹھنے کو مکروہ سمجھا ہے' چنانچہ ایک خادم نے کسی بزرگ کے ہاتھوں پر بیٹھ کر پانی ڈالا' وہ بزرگ کھڑے ہوگئے' کسی نے پوچھا کہ آپ کھڑے کیوں ہوگئے' فرمایا: ہم دونوں میں سے ایک کا کھڑا ہونا ضروری ہے۔ ہمارے خیال میں کھڑے ہو کر ہاتھ دھلانا زیادہ بہتر ہے۔ اس طرح پانی ڈالنے میں بھی سہولت ہوتی ہے' اور ہاتھ دھلوانے والے کی تواضع کا

اظہار بھی ہوتا ہے۔ اگر ہاتھ دھلوانے والے کی نیت تواضع ہو تو پھر اس خدمت کو کھڑے ہو کر انجام دینے میں کوئی حرج نہیں ہے' کیونکہ قدیم سے یہی طریقہ رائج چلا آرہا ہے' یہ ادب سات آداب پر مبنی ہے۔ اول سلفچی میں نہ تھوکے' دوم امیر جماعت یا پیشوا کے سامنے سلفچی بڑھائے لیکن اگر کوئی شخص تعظیماً کسی کے سامنے سلفچی رکھ دے تو انکار نہ کرے بلکہ ہاتھ دھولے' سوم سلفچی کی گردش دائیں جانب سے ہو چہارم کئی افراد بیک وقت ہاتھ دھولیں' پنجم سلفچی میں دھوون اکٹھا رہے' ششم ہاتھ دھلوانے والا کھڑا رہے' ہفتم کلی آہستہ سے کرے' ہاتھ بھی آہستہ آہستہ دھوئے تاکہ پانی کے چھینٹے دوسرے لوگوں پر نہ اڑیں' اور نہ پانی فرش پر گرے' صاحب خانہ کو چاہیے کہ وہ اپنے مہمانوں کے ہاتھ خود دھلوائے۔ حضرت امام شافعی پہلی مرتبہ حضرت امام مالک کے دولت کدے پر بحیثیت مہمان تشریف لے گئے تو امام مالک نے ان کے ہاتھ خود دھلوائے اور فرمایا کہ تم میرے اس طرز عمل سے گھبرانا نہیں' اس لئے کہ مہمان کی خدمت فرض ہے۔

چھٹا ادب یہ ہے کہ ساتھ کھانے والوں کو نہ تکے اور نہ ان کے کھانے پر نظر رکھے' بلکہ نگاہیں نیچی رکھے اور کھانے میں مشغول رہے اگر یہ اندیشہ ہو کہ اس کے کھانے کے بعد لوگ ہاتھ روک لیں گے' اور کھانے سے گریز کریں گے تو ہاتھ نہ روکے' بلکہ آہستہ آہستہ کھاتا رہے' تاکہ دوسرے لوگ اطمینان کے ساتھ فارغ ہو جائیں' اگر کوئی شخص کم خوراک ہے تو وہ ابتدا میں توقف کرے' اور تھوڑا تھوڑا کھائے' جب وہ یہ دیکھے کہ لوگ فارغ ہونے والے ہیں تو جلدی جلدی کھا کر شکم سیر ہو جائے۔ بہت سے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے ایسا کیا ہے' اگر کسی وجہ سے کھانے کی خواہش نہ ہو تو معذرت کردے تاکہ لوگ بدستور کھانے میں مشغول رہیں۔

ساتواں ادب یہ ہے کہ کوئی ایسا کام نہ کرے جو دوسروں کو برا معلوم ہو مثلاً یہ کہ پیالہ میں ہاتھ نہ جھاڑے نہ لقمہ اٹھاتے ہوئے کھانے کے برتنوں پر اپنا سر جھکائے' اگر منہ میں سے کوئی چیز نکال کر پھینکنی ہو تو کھانے والوں کی طرف سے رخ پھیر کر بائیں ہاتھ سے نکالے' چکنائی سے آلودہ لقمے کو سرکہ میں نہ ڈبوئے اور نہ سرکہ سے تر لقمے کو چکنائی کے برتن میں ڈالے' دانت سے کاٹا ہوا ٹکڑا شوربے یا سرکے وغیرہ میں نہ ڈالے' گندی اور طبیعت مکدر کرنے والی باتوں سے بھی اجتناب کرے۔

مہمانوں کے سامنے کھانا پیش کرنے کے آداب

مہمانوں کے سامنے کھانا پیش کرنے کے بڑے فضائل ہیں۔ جعفر ابن محمدؒ کہتے ہیں کہ جب تم اپنے بھائیوں کے ساتھ دسترخوان پر بیٹھو تو دیر تک بیٹھے رہو' اس لیے کہ یہ گھڑی تمہاری عمر میں محسوب نہیں ہوگی' حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ آدمی اپنی ذات پر ماں باپ' اہل و عیال اور دوسرے رشتہ داروں پر جو کچھ خرچ کرتا ہے اس کا حساب لیا جائے گا' لیکن جو خرچ برادران اسلام کو کھانا کھلانے میں ہوتا ہے اس کا محاسبہ نہیں ہو گا' اللہ تعالیٰ کو اس سلسلے میں حساب لینے سے شرم آئے گی کھانا کھلانے کے سلسلے میں متعدد روایات بھی سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

لا تزال الملائكة تصلي على احدكم مادامت مائدته موضوعة بين يديه حتى ترفع (طبرانی فی الاوسط۔ عائشہؓ)

فرشتے تم میں سے ایک شخص کے لیے رحمت کی دعا میں مشغول رہتے ہیں جب تک کہ اس کا دسترخوان اس کے سامنے بچھا رہے اور اٹھ نہ جائے۔

خراسان کے بعض علماء کے متعلق منقول ہے کہ وہ اپنے ملنے والوں کے سامنے اتنا کھانا رکھتے تھے کہ ان سے کھایا نہیں جاتا تھا' فرمایا کرتے تھے کہ ہمیں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد مبارک کا علم ہے کہ جب بھائی کھانے سے ہاتھ روک لیں تو جو شخص ان کا بچا ہوا کھانا کھائے گا اس کا محاسبہ نہیں ہو گا۔ (۱) اسی لئے ہم مہمانوں کی خدمت میں زیادہ سے زیادہ کھانا حاضر کرنے کی کوشش کرتے ہیں تاکہ ہم ان کا بچا ہوا کھانا کھائیں اور احتساب سے محفوظ رہیں۔ ایک روایت میں ہے کہ جو شخص اپنے دینی بھائیوں کے ساتھ کھانا کھاتا ہے اس کھانے کا حساب نہیں ہو گا۔ (۲) اسی لئے بعض بزرگ مجمع کے ساتھ زیادہ کھاتے تھے' اور تنہائی میں کم کھایا کرتے

تھے۔ ایک حدیث میں ہے کہ بندہ سے تین کھانوں کا حساب نہیں لیا جائے گا۔ ایک سحر کا کھانا' دوسرا افطار کا کھانا' تیسرا وہ کھانا جو مہمانوں کے ساتھ کھائے۔ (۲) حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ اگر میں اپنے بھائیوں کو ایک صاع کے بقدر کھانے پر مدعو کروں تو یہ عمل میرے نزدیک ایک غلام آزاد کرنے سے بہتر ہے۔ حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ سفر میں بہترین زادِ راہ رکھنا' اور دوستوں کی خاطر خرچ کرنا بڑائی کی علامت ہے' ایک صحابیؓ فرماتے ہیں کہ کھانے پر جمع ہونا مکارمِ اخلاق میں سے ہے' عہد صحابہؓ میں یہ بھی دستور تھا کہ لوگ قرآن کریم کی تلاوت کے لئے جمع ہوتے اور کچھ نہ کچھ کھا کر رخصت ہوتے کہتے ہیں کہ محبت اور اخلاص کے ساتھ بھائیوں کا اجتماع دنیاوی عمل نہیں ہے بلکہ دینی عبادت ہے' ایک روایت میں ہے :۔

يقول الله للعبد يوم القيامة يا ابن آدم استطعمتك فلم تطعمني فيقول كيف اطعمك وانت رب العالمين فيقول جاع اخوك المسلم فلم تطعمه ولو اطعمته كنت اطعمتني (مسلم۔ ابوہریرہؓ)

قیامت کے روز بندے سے اللہ تعالیٰ فرمائیں گے' اے ابن آدم! میں نے تجھ سے کھانا مانگا تھا تو نے مجھے کھانا نہیں کھلایا' بندہ کہے گا: یا اللہ! میں تجھے کھانا کس طرح کھلا سکتا تھا' تو تو پروردگار عالم ہے' اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ تیرا مسلمان بھائی بھوکا تھا تو نے اسے کھانا نہیں کھلایا۔ اگر تو اسے کھانا کھلاتا تو گویا مجھے کھلاتا۔

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:۔

اذا جاء كم الزائر فاكرموه (۴)

جب تمہارے پاس کوئی ملنے والا آئے تو اس کی عزت کرو۔

کچھ ارشادات حسب ذیل ہیں :۔

ان في الجنة غرفا يرى باطنها من ظاهرها وظاهرها من باطنها وهي لمن الان الكلام واطعم الطعام وصلى بالليل والناس نيام (ترمذی۔ علیؓ)

جنت میں کچھ کمرے ایسے ہیں کہ ان کے باہر سے اندر کا منظر اور اندر سے باہر کا منظر نظر آتا ہے۔ یہ کمرے ان لوگوں کے لئے ہیں جو نرم گفتگو کریں' کھانا کھلائیں' اور رات کو جب لوگ محوِ خواب ہوں نماز پڑھیں۔

خيركم من اطعم الطعام (احمد' حاکم۔ صہیبؓ)

تم میں سے بہتر وہ ہے جو کھانا کھلائے۔

من اطعم اخاه حتى يشبعه وسقاه حتى يرويه بعده الله من النار سبع خنادق مابين كل خندقين مسيرة خمسمائة عام (۵) (طبرانی۔ عبداللہ ابن عمرؓ)

جو شخص اپنے بھائی کو اتنا کھلا دے کہ وہ شکم سیر ہو جائے اور اتنا پانی پلا دے کہ اس کی پیاس باقی نہ رہے تو اللہ تعالیٰ اسے دوزخ سے سات خندقیں دور کر دے گا' اور وہ خندقیں ایسی ہوں گی کہ ہر دو خندقوں کے درمیان پانچ سو برس کا فاصلہ ہو گا۔

---

(۱) یہ حدیث مجھے نہیں ملی (۲) اس مضمون پر مشتمل ایک روایت چند سطروں کے بعد ذکر کی جا رہی ہے۔ (۳) ازدی نے کتاب الضعفاء میں معمولی اختلاف کے ساتھ یہ روایت حضرت جابرؓ سے نقل کی ہے۔ (۴) الخرائطی فی مکارم الاخلاق من انسؓ وھو حدیث منکر۔ (۵) قال ابن حبان لیس من حدیث النبی صلی اللہ علیہ وسلم' وقال الذہبی غریب منکر۔

مہمانوں سے متعلق آداب یہ طریقہ مسنون نہیں ہے کہ کسی کے پاس بلا اطلاع کھانے کا وقت ملحوظ رکھ کر پہنچے' یہ اچانک آنے میں داخل ہے' قرآن کریم نے اس کی ممانعت فرمائی ہے' ارشاد ہے:۔

لَا تَدْخُلُوا بُيُوتَ النَّبِيِّ إِلَّا أَنْ يُؤْذَنَ لَكُمْ إِلَىٰ طَعَامٍ غَيْرَ نَاظِرِينَ إِنَاهُ

(پ ۲۲ ر ۴ آیت ۵۳)

نبی کے گھروں میں (بے بلائے) مت جاؤ مگر جس وقت تم کو کھانے کے لیے اجازت دی جائے ایسے طور پر کہ اس کی تیاری کے منتظر نہ رہو۔

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:۔

من مشی الی طعام لم یدع الیہ مشی فاسقا واکل حراما (۱) (بیہقی نحوہ۔ عائشہؓ)

جو شخص ایسے کھانے کے لئے جائے جس کے لئے اسے دعوت نہ دی گئی ہو وہ جانے کی حالت میں فاسق ہوگا اور حرام کھائے گا۔

اگر کوئی شخص اچانک کھانے کے وقت پہنچا' لیکن اس کا مقصد کھانا نہیں تھا تو اس کے لئے مناسب یہ ہے کہ جب تک صاحبِ خانہ اجازت نہ دے کھانے میں شریک نہ ہو' صاحبِ خانہ کھانے کے لئے کہے تو کھانے میں تأمل کرے اور عذر کردے' ہاں اگر یہ دیکھے کہ صاحبِ خانہ براہ محبت کھانے کے لئے بلا رہا ہے' اور دل سے اس کی شرکت کا متمنی ہے تو شریک ہوجائے۔ اگر کوئی شخص بھوکا ہو' اور اپنے کسی بھائی کے پاس کھانے کے وقت کا لحاظ کئے بغیر اس غرض سے جائے کہ وہ اسے کھانا کھلادے گا تو اس میں کوئی قباحت نہیں ہے۔ چنانچہ روایات میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم' اور حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ بھوکے تھے' اسی حالت میں تینوں حضرات ابو الہیثم ابن التیہانؓ اور ابو ایوب انصاریؓ کے گھر تشریف لے گئے' مقصد یہی تھا کہ ان کے گھر کھانا کھائیں گے۔ (۲) بھوک کی حالت میں کسی مسلمان بھائی کے گھر جانا صاحبِ خانہ کے حق میں طلبِ خیر پر اعانت کے مساوی ہے' اکابر سلف کی عادت بھی یہی تھی عون ابن عبد اللہ مسعودی کے تین سو ساٹھ دوست تھے' وہ سال میں ایک ایک دن سب دوستوں کے یہاں قیام کیا کرتے تھے' ایک بزرگ کے تیس دوست تھے' وہ ہر روز ایک دوست کے یہاں مقیم رہتے' اس طرح مہینہ پورا ہوجاتا۔ ایک بزرگ کے دوستوں کی تعداد سات تھی وہ ہفتہ کا ایک دن ایک دوست کے یہاں گذارتے تھے' دوسرا دن دوسرے دوست کے یہاں' اسی طرح سات دن پورے ہوجاتے تھے۔ ان بزرگانِ دین کے دوستوں کی آمدنی حلال تھی' وہ اسی آمدنی میں سے ان بزرگوں پر خرچ کرتے تھے' اور برکت کے لئے اپنے گھروں میں ٹھہرایا کرتے تھے۔ اگر یہ یقین ہو کہ صاحبِ خانہ اس کا بہترین دوست ہے وہ اس کی آمد سے اور کھانے سے خوش ہوتا ہے' تو اس کی اجازت کے بغیر بھی کھا سکتا ہے کیونکہ اجازت کا مقصد رضا ہے' اور صورتِ حال مستقل رضامندی پر دلالت کرتی ہے خاص طور پر کھانے کے سلسلے میں کھانے کے معاملے میں لوگوں کا طرزِ عمل توسع پر مبنی ہے بعض لوگ مہمانوں کو کھانے کے لئے قسم دے کر مجبور کرتے ہیں' اور صریح طور پر اجازت دے دیتے ہیں لیکن دل میں رضامندی کا شائبہ تک نہیں ہوتا۔ ایسے لوگوں کا کھانا اجازت کے باوجود مکروہ ہے' بعض لوگ گھر پر موجود نہیں ہوتے اور نہ صراحتاً اجازت دیتے ہیں لیکن دل میں وہ مہمانوں کے آنے اور ان کے کھانے سے خوشی محسوس کرتے ہیں ایسے لوگوں کا کھانا اچھا ہے۔ قرآن کریم میں بھی دوستوں کے یہاں کھانے کی اجازت دی گئی ہے۔

أَوْ صَدِيقِكُمْ (پ ۱۸ ر ۱۴ آیت ۶۱)

یا اپنے دوستوں کے گھروں سے۔

---

(۱) ابوداؤد میں ابن عمرؓ کی روایت ہے "من دخل علی غیر دعوۃ دخل سارقا وخرج مغیرا۔" (۲) ترمذی' ابوہریرہؓ مسلم میں ابو الہیثم کا نام نہیں ہے۔ صرف رجل من الانصار ہے۔ ابو ایوب کے گھر جانے کی روایت طبرانی نے معجم صغیر میں ابن عباس سے نقل کی ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت بریرہؓ کے مکان پر تشریف لے گئے، بریرہ اس وقت کہیں گئی ہوئی تھیں، آپ نے ان کا کھانا تناول فرمایا۔ وہ کھانا کسی نے بریرہؓ کو صدقہ کیا تھا آپ نے ارشاد فرمایا:۔

بلغت الصدقۃ محلھا (۱) (بخاری و مسلم۔ عائشہ)

صدقہ اپنے ٹھکانے لگ گیا۔

آپ نے حضرت بریرہؓ کا کھانا ان کی اجازت کے بغیر اسی لئے تناول فرمایا کہ آپ جانتے تھے کہ جب بریرہ کو معلوم ہوگا تو وہ بے حد خوش ہوں گی۔ یہی وجہ ہے کہ اگر کسی شخص کو یہ معلوم ہو کہ صاحب خانہ اس کو آنے کی اجازت ضرور دے گا تو اس کے لئے بلا اجازت داخل ہونا بھی جائز ہے۔ اگر اجازت کا یقین نہ ہو تو بلا اجازت داخل ہونا جائز نہیں ہے بلکہ اجازت حاصل کرنا ضروری ہے۔ محمد ابن واسعؒ اور ان کے رفقاء حضرت حسن بصریؒ کے گھر میں چلے جاتے اور کھانے کی جو چیز انھیں ملتی بلا اجازت کھا لیتے، اس دوران اگر حسن تشریف لے آتے تو یہ صورت حال دیکھ کر بہت خوش ہوتے اور فرماتے کہ ہم یہی کہا کرتے تھے حضرت حسن بصری کا واقعہ ہے کہ ایک مرتبہ آپ بازار تشریف لے گئے، ایک میوہ فروش کی دکان پر ٹھہرے اور اس کا میوہ کھانے لگے، ابن ہشام نے کہا کہ اے ابو سعید! تمہارا تقویٰ کہاں چلا گیا، دکاندار کی اجازت کے بغیر اس کا مال کھا رہے ہو، آپ نے فرمایا کہ کھانے کے سلسلے میں وارد قرآن پاک کی ایک آیت مجھے سناؤ، ہشام نے سورۂ نور کی آیت تلاوت کی، جب صَدِیْقِکُمْ تک پہنچے تو ہشام نے عرض کیا: اے ابو سعید! صدیق سے یہاں کون لوگ مراد ہیں، فرمایا: صدیق سے مراد وہ لوگ ہیں جن سے طبیعت کو سکون اور راحت حاصل ہو۔ کچھ دوست احباب حضرت سفیان ثوری کے دولت کدے پر گئے، آپ وہاں موجود نہیں تھے، آنے والوں نے دروازہ کھولا، اندر پہنچے، اور دستر خوان نکال کر کھانے لگے، اتنے میں سفیان ثوریؒ تشریف لے آئے، دوستوں کو کھانے میں مشغول دیکھ کر فرمایا کہ تم لوگوں نے مجھے اکابرین سلف کا اخلاق یاد دلا دیا، وہ حضرات بھی اسی طرح کیا کرتے تھے۔ اسی طرح کا ایک واقعہ یہ ہے کہ کچھ لوگ ایک تابعی سے ملاقات کے لئے حاضر ہوئے، اس وقت ان کے پاس ضیافت کے لئے کوئی چیز بھی نہ تھی، بہت پریشان ہوئے، اچانک کچھ خیال آیا، اٹھے اور اپنے ایک دوست کے گھر پہنچے، دوست موجود نہیں تھے، لیکن کھانا تیار تھا، آپ نے ان کا انتظار نہیں کیا، بلکہ کھانا اٹھا کر گھر لے آئے، اور مہمانوں کو کھلا دیا، جب وہ دوست گھر پہنچے تو انھیں کھانا نہیں ملا، استفسار کرنے پر لوگوں نے بتلایا کہ فلاں صاحب آئے تھے وہ لے گئے ہیں، یہ سن کر بہت خوش ہوئے، بعد میں جب اپنے تابعی دوست سے ملے تو اپنی خوشی کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ اگر پھر بھی تمہارے پاس مہمان آئیں تو کسی تکلف کے بغیر میرے یہاں سے کھانا لے جانا۔

کھانا پیش کرنے کے آداب

پہلا ادب یہ ہے کہ کھانے وغیرہ کی تیاری میں کسی قسم کا کوئی تکلف نہ کرے بلکہ جو کچھ گھر میں موجود ہو پیش کر دے۔ اگر گھر میں کچھ نہ ہو، اور نہ اتنا روپیہ پاس ہو کہ انتظام کر سکے تو قرض لے کر اپنے آپ کو پریشانی میں مبتلا کرنے کی ضرورت نہیں ہے، اگر کھانا موجود ہے لیکن ضرورت سے زائد نہیں ہے، طبیعت اس کی اجازت نہیں دیتی کہ وہ کھانا مہمانوں کے سامنے پیش کیا جائے تو پیش نہ کرے بلکہ اپنی ضرورت پوری کرے، اور مہمانوں سے معذرت کر دے۔ ایک بزرگ اپنے بزرگ دوست کے پاس گئے، وہ بزرگ اس وقت کھانا کھا

---

(۱) بخاری و مسلم میں یہ واقعہ بریرہؓ کے سلسلے میں حضرت عائشہؓ سے مروی ہے۔ فرماتی ہیں "اھدی لبریرۃ لحم فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم ھو لھا صدقۃ و لنا ھدیۃ" آپ کا یہ ارشاد "بلغت محلھا" نسیبہؓ کے سلسلے میں منقول ہے کہ ان کے پاس کہیں سے بکری صدقہ میں آئی تھی۔ یہ واقعہ بھی بخاری و مسلم میں ہے، ام عطیہؓ اس کی راوی ہیں۔

رہے تھے، فرمانے لگے کہ اگر میں نے یہ کھانا قرض نہ لیا ہوتا تو تمہیں ضرور کھلاتا۔ بعض علماء نے تکلف کے معنی یہ بیان کئے ہیں کہ اپنے دوستوں کو وہ چیز کھلائے جو خود نہ کھائے، یعنی معیار سے عمدہ اور قیمتی کھانا انہیں کھلائے۔ فضیل ابن عیاضؒ فرمایا کرتے تھے کہ تکلف کی وجہ سے لوگوں کا ملنا جلنا کم ہوگیا ہے ایک شخص اپنے بھائی کی دعوت کرتا ہے اور اس کے لئے تکلف کرتا ہے، وہ بھائی دوبارہ اس کے پاس نہیں آتا ایک بزرگ کہتے ہیں کہ مجھے دوستوں کی آمد سے پریشانی نہیں ہوتی، جو لوگ میرے پاس آتے ہیں میں ان کے لئے تکلف نہیں کرتا، بلکہ جو کچھ موجود ہوتا ہے سامنے رکھ دیتا ہوں، اگر تکلف کرتا تو ان کی آمد ناگوار گذرتی، اور دل میں تکدر بھی ہوتا۔ ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ میں ایک دوست کے پاس جایا کرتا تھا، وہ میرے لئے تکلف کرتے اور کھانے میں زبردست اہتمام کرتے، ایک مرتبہ میں نے ان سے کہا کہ تنہائی میں نہ تم ایسا کھانا کھاتے ہو اور نہ میں کھاتا ہوں، پھر اس تکلف اور اہتمام کی کیا ضرورت ہے، اب صرف دو راستے ہیں یا تو تم اس تکلف کو بالائے طاق رکھ دو یا میں آنا موقوف کردوں، میرے دوست نے تکلف ختم کردیا، اس بے تکلفی کی بنا پر ہم ہمیشہ ساتھ رہے اور کبھی کسی قسم کی کدورت پیدا نہیں ہوئی۔ تکلف کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ گھر میں جو کچھ موجود ہو سب مہمانوں کے سامنے لاکر رکھ دے، بیوی بچوں کے لئے کچھ نہ چھوڑے اور انہیں تکلیف پہنچائے۔ ایک شخص نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی دعوت کی، حضرت علیؓ نے فرمایا کہ میں حسب ذیل تین شرطوں پر تمہاری دعوت قبول کرتا ہوں ایک یہ کہ بازار سے میرے لئے کچھ نہ لانا، دوسری یہ کہ جو کچھ گھر میں ہو اسے اٹھا کر مت رکھنا، تیسری یہ کہ بیوی بچوں کے لئے تنگی پیدا مت کرنا۔ بعض اکابرین گھر میں موجود انواع واقسام کے کھانوں میں سے تھوڑا تھوڑا لاکر مہمانوں کے سامنے رکھ دیا کرتے تھے۔ ایک بزرگ کہتے ہیں کہ ہم جابر ابن عبداللہ کی خدمت میں حاضر ہوئے، آپ نے ہمارے سامنے روٹی اور سرکہ رکھا، اور فرمایا کہ اگر ہمیں تکلف سے منع نہ کیا گیا ہوتا تو میں تمہارے لئے تکلف کرتا، (۱) ایک بزرگ کا ارشاد ہے کہ تمہارے پاس کوئی شخص از خود آئے تو جو کچھ گھر میں ہو پیش کردو، اور اگر تم کسی شخص کو دعوت دو تو جو کچھ تم سے ہوسکے اس میں کوتاہی نہ کرو۔ حضرت سلمان فارسیؓ روایت کرتے ہیں کہ ہمیں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا ہے کہ ہم مہمانوں کے لئے اس چیز کا تکلف نہ کریں جو ہمارے پاس نہ ہو، اور جو چیز موجود ہو اسے سامنے رکھ دیں۔ (۲) حضرت یونس علیہ السلام کے سلسلے میں روایت ہے کہ ان کے دوست احباب ملاقات کے لئے آئے، آپ نے روٹی کے ٹکڑے اور اپنے کھیت کی سبزی ان کے سامنے رکھ دی اور فرمایا کھاؤ، اگر اللہ نے تکلف کرنے والوں پر لعنت نہ کی ہوتی تو میں تمہارے لئے تکلف کرتا حضرت انس ابن مالکؓ اور دوسرے صحابہ کرامؓ کا معمول یہ تھا کہ وہ اپنے مہمانوں کے سامنے خشک روٹی کے ٹکڑے اور خشک خرما رکھ دیا کرتے تھے، اور فرمایا کرتے تھے کہ ہمیں نہیں معلوم کہ ان دو شخصوں میں سے کون زیادہ گنہگار ہے، ایک وہ شخص جو اپنے سامنے رکھے ہوئے کھانے کو حقیر سمجھے، اور دوسرا وہ شخص جو گھر میں موجود کھانے کو حقیر سمجھے اور اسے مہمانوں کے سامنے رکھنے سے گریز کرے۔

دوسرا ادب آنے والے کے لیے ہے کہ وہ اپنے میزبان سے کسی متعین چیز کی فرمائش نہ کرے، بعض اوقات اس کی خواہش کی تکمیل دشوار ہوتی ہے، اگر میزبان اپنے مہمان کو کھانے کی تجویز کا اختیار دے دے تو وہ کھانا تجویز کرے جس کا حصول آسان ہو اور جس کی تیاری میں میزبان کو کسی قسم کی پریشانی کا سامنا نہ کرنا پڑے۔ یہی مسنون طریقہ ہے، چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جب بھی دو چیزوں کے درمیان اختیار دیا گیا تو آپ نے وہی چیز پسند فرمائی جو سہل الحصول تھی۔ (۳) اعمش ابووائل سے روایت کرتے ہیں کہ میں اپنے ایک دوست کے ساتھ حضرت سلمان فارسی کی خدمت میں حاضر ہوا۔ سلمانؓ نے ہمارے سامنے جَو کی روٹی اور کچھ بے مزہ نمک رکھ دیا۔ میرے ساتھی نے کہا کہ اگر اس نمک میں پودینہ ہوتا تو کھانا لذیذ ہوجاتا۔ حضرت سلمان باہر گئے، اور اپنے وضو کا لوٹا رہن رکھ کر پودینہ لے آئے، جب ہم کھانا کھاچکے تو میرے ساتھی نے کہا کہ رب العالمین کا شکر ہے کہ اس نے ہمیں عطا کردہ رزق پر قانع بنایا۔ سلمانؓ

---

(۱) مگر اس میں "لولا انا نہینا" کے الفاظ نہیں ہیں۔ روایت ضعیف ہے، بخاری میں عمر ابن الخطاب کی روایت ہے "نہینا عن التکلف۔"
(۲) خرائطی مکارم الاخلاق، احمد، طبرانی۔ (۳) بخاری ومسلم، عائشہؓ

نے فرمایا : کہ اگر تم باری تعالیٰ کے عطا کردہ رزق پر قانع ہوتے تو میرا گوشت میں نہ رکھا جاتا۔ فرمائش نہ کرنے کی صورت اس وقت ہے جب یہ خیال ہو کہ اس کا بھائی متعین اور حسبِ خواہش کھانا تیار کرانے سے قاصر ہے' لیکن اگر یہ معلوم ہو کہ وہ فرمائش سے خوش ہوگا' اور فرمائش کی تکمیل بھی اس کے لئے دشواری کا باعث نہ ہوگی تو متعین چیز مانگ سکتا ہے۔ حضرت امام شافعیؒ بغداد میں زعفرانی کے پاس قیام پذیر تھے۔ زعفرانی کا معمول یہ تھا کہ وہ ایک کاغذ پر اس روز تیار کئے جانے والے کھانوں کے نام لکھ کر باندی کے ذریعہ امام شافعی کی خدمت میں بھیج دیا کرتے تھے' ایک دن وہ فہرست امام صاحب کی خدمت میں پیش ہوئی تو آپ نے اپنی طرف سے ایک کھانے کا اضافہ کردیا' جب دستر خوان بچھا تو زعفرانی یہ دیکھ کر متحیر ہوئے کہ دستر خوان پر ایک کھانا ایسا بھی پکایا گیا ہے جو انھوں نے تجویز نہیں کیا تھا' نوکروں سے دریافت کیا گیا' انھوں نے کھانوں کی فہرست پیش کردی' زعفرانی نے امام صاحب کی تحریر پہچان لی' اس فرمائش پر اس قدر خوش ہوئے کہ باندی کو آزادی کا پروانہ دے دیا۔ ابوبکر الکتانیؒ کہتے ہیں کہ میں سری سقطیؒ کے پاس گیا' وہ روٹی کے چند ٹکڑے لے کر آئے اور آدھے ٹکڑے پیالے میں رکھے ہوئے سالن میں ڈال دیئے' میں نے عرض کیا : آپ نے یہ کیا کیا؟ میں تو ایک ہی دفعہ میں یہ سالن پی جاتا۔ سریؒ نے فرمایا: حجت کرنے کے بجائے تمہارے لئے یہ زیادہ بہتر ہے جو میں کر رہا ہوں ایک عالم فرماتے ہیں کہ کھانے کی تین قسمیں ہیں' فقراء کے ساتھ کھانے میں ایثار کا جذبہ ہونا چاہیے' دوستوں کے ساتھ کھل کر کھانا چاہیے' اور دنیا پرست امیروں کے ساتھ ادب کے ساتھ کھانا چاہیے۔

تیسرا ادب یہ ہے کہ میزبان اپنے مہمان کو کھانے پر آمادہ کرے اور اس کی خواہش دریافت کرے' مگر شرط یہ ہے کہ میزبان کی طبیعت اس فرمائش کی تکمیل کے لئے آمادہ ہو' اس سلسلے میں دل پر جبر کرنا صحیح نہیں ہے' مہمان کی خدمت اس جذبے کے ساتھ ہونی چاہیے کہ اس میں بڑا اجر و ثواب ہے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:۔

من صادف من اخیہ شھوۃ غفر اللہ لہ ومن سر اخاہ المؤمن فقد سر اللہ تعالیٰ
(۱) (بزار۔ ابوالدرداءؓ)

جو شخص اپنے بھائی کی کوئی خواہش پوری کرے اس کی مغفرت ہوگی' اور جو اپنے مسلمان بھائی کو خوش کرے گویا اس نے اللہ تعالیٰ کو خوش کیا۔

جابر ابن عبد اللہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل فرماتے ہیں:۔

من لذذ اخاہ بما یشتھی کتب اللہ لہ الف الف حسنۃ ومحا عنہ الف الف سیئۃ ورفع لہ الف الف درجۃ واطعمہ اللہ من ثلاث جنات جنۃ الفردوس وجنۃ عدن وجنۃ الخلد (۲)

جو شخص اپنے بھائی کو وہ چیز کھلا دے جس کی اسے خواہش ہو تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے دس لاکھ نیکیاں لکھیں گے اور دس لاکھ گناہ معاف کردیں گے' اس کے دس لاکھ درجات بلند کریں گے' اور اسے تین جنتوں کا فردوس' عدن اور خلد کا کھانا کھلائیں گے۔

چوتھا ادب یہ ہے کہ آنے والے سے یہ مت دریافت کرے کہ آپ کے لئے کھانا لاؤں؟ گھر میں جو کچھ پکا ہوا ہو لا کر سامنے رکھ دے' ثوریؒ فرماتے ہیں کہ جب تمہارا کوئی بھائی تم سے ملنے کے لئے آئے تو اس سے یہ مت پوچھو کہ کیا آپ کھائیں گے؟ یا میں کھانا لاؤں؟ بلکہ تم کھانا لے آؤ' اگر وہ کھالے تو بہتر ہے' ورنہ واپس لے جاؤ۔ اگر کھانا کھلانے کا ارادہ نہ ہو تو اس طرح کے سوالات کرکے اپنی

---

(۱) ابن الجوزی نے اس روایت کو موضوع قرار دیا ہے (۲) ابن الجوزی نے یہ روایت الموضوعات میں نقل کی ہے۔

جھوٹی خواہش کے اظہار کی ضرورت نہیں ہے' ثوریؒ فرماتے ہیں کہ اگر گھر والوں کو کوئی چیز کھلانے کا ارادہ نہ ہو تو ان کے سامنے اس چیز کا ذکر مت کرو اور نہ انھیں دکھلاؤ' بعض صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ اگر تم سے فقراء ملنے کے لئے آئیں تو انھیں کھانا کھلاؤ' علماء آئیں تو ان سے مسائل دریافت کرو' قاری آئیں تو جائے نماز تک ان کی رہنمائی کرو۔

ضیافت کے آداب و فضائل

ضیافت کی فضیلت

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:۔

لا تتکلفوا للضیف فتبغضوہ' فانہ من ابغض الضیف فقد ابغض اللہ ومن ابغض اللہ ابغضہ اللہ (ابوبکر بن لال فی مکارم الاخلاق۔ سلمانؓ)

مہمانوں کے لئے تکلف مت کرو' اگر تکلف کرو گے تو انھیں برا سمجھو گے' اور جو شخص مہمانوں کو برا سمجھتا ہے وہ اللہ کو برا سمجھتا ہے' اور جو اللہ کو برا سمجھتا ہے اللہ اسے برا سمجھتا ہے۔

ایک حدیث میں ہے:۔

لا خیر فیمن لا یضیف (احمد۔ عقبہ ابن عامرؓ)

جو شخص مہمان کی ضیافت نہ کرے اس میں کوئی خیر نہیں ہے۔

ایک مرتبہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم ایک ایسے شخص کے مکان پر تشریف لے گئے جس کے یہاں بے شمار اونٹ اور گائیں تھیں' لیکن اس شخص نے آپ کی ضیافت نہیں کی' اس کے بعد آپ ایک عورت کے پاس تشریف لے گئے' اس کے گھر میں چند بکریاں تھیں' وہ عورت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے بے حد خوش ہوئی' اور اس نے ایک بکری ذبح کر کے آپ کی ضیافت کا اہتمام کیا' آپ نے صحابہ کرامؓ سے فرمایا کہ ان دونوں کی حالت کا فرق دیکھو' یہ اخلاق اللہ تعالیٰ کے قبضے میں ہیں' جس کو نیک عادت دینا چاہتا ہے دے دیتا ہے۔ (۱) ابو رافع روایت کرتے ہیں کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے دولت کدے پر ایک مہمان آیا' آپ نے مجھ سے کہا کہ فلاں یہودی سے کہو کہ میرے یہاں ایک مہمان آیا ہے مجھے رجب تک کے لئے تھوڑا سا آٹا بطور قرض دے دے' یہودی نے کہا خدا کی قسم میں کوئی چیز رہن رکھے بغیر آٹا نہیں دوں گا' میں نے واپس آکر یہودی کی شرط بیان کردی آپ نے ارشاد فرمایا: اللہ کی قسم! میں آسمان میں بھی امین ہوں اور زمین میں بھی' اگر وہ مجھے قرض دے دیتا تو میں اس کی ادائیگی ضرور کرتا' جاؤ میری زرہ لے جاؤ اور اسے گروی رکھ کر آٹا لے آؤ۔ (۲) ابراہیم علیہ السلام کا معمول یہ تھا کہ کھانے کے لئے بیٹھنے سے پہلے ایسے لوگوں کی تلاش میں جاتے جو کھانے پر آپ کا ساتھ دے سکیں' اس مقصد کے لئے بعض اوقات ایک دو میل باہر چلے جاتے' اسی لئے حضرت ابراہیم کی کنیت ابو الضیفان (مہمانوں کے والد) مشہور ہو گئی تھی۔ یہ اس عظیم پیغمبر کے اخلاص اور صدق نیت کی واضح دلیل ہے کہ آج تک ان کے وطن میں یہ سنت جاری ہے' کوئی رات ایسی نہیں گذرتی کہ اس جگہ تین سے دس تک اور بعض اوقات سو افراد کھانا نہیں کھاتے' وہاں کے منتظمین کا کہنا یہ ہے کہ اب تک کوئی رات مہمانوں سے خالی نہیں گذری۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کسی نے عرض کیا: یا رسول اللہ! ایمان کیا ہے' آپ نے ارشاد فرمایا:۔

اطعام الطعام وبذل السلام (۳)

---

(۱) خرائطی مکارم الاخلاق' ابو المنہال' مرسلاً (۲) رواہ اسحاق ابن راھویہ فی مسندہ والخرائطی فی مکارم الاخلاق' وابن مردویہ باسناد ضعیف (۳) بخاری و مسلم میں عبداللہ ابن عمرؓ کی روایت کے الفاظ یہ ہیں: ای الاسلام خیر قال تطعم الطعام وتقری السلام علی من عرفت ومن لم تعرف

کھانا کھلانا اور سلام کرنا۔
گناہوں کے کفارے اور درجات کی بلندی کے سلسلے میں آپ نے ارشاد فرمایا کہ کھانا کھلانے، اور رات کو جب لوگ سو رہے ہوں نماز پڑھنے سے گناہ معاف ہوتے ہیں اور درجات بلند ہوتے ہیں (ترمذی، حاکم۔ معاذؓ)۔ کسی شخص نے حج مقبول کے سلسلے میں سوال کیا، ارشاد فرمایا :۔

اطعام الطعام و طیب الکلام (۱)
کھانا کھلانا اور خوش کلامی حج مقبول ہے۔

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ جس گھر میں مہمان نہیں آتے اس گھر میں فرشتے بھی داخل نہیں ہوتے۔ ضیافت اور مہمان نوازی اور کھانا کھلانے کے سلسلے میں بے شمار فضائل وارد ہیں، مذکورہ بالا سطور میں طوالت کے خوف سے صرف چند روایات اور آثار پر اکتفا کیا گیا ہے۔ ذیل میں ضیافت کے آداب بیان کئے جاتے ہیں :۔

ضیافت کے آداب

پہلا ادب دعوت کرنے والے کو چاہیے کہ وہ فُسّاق و فُجّار کی دعوت نہ کرے، بلکہ نیک اور پرہیزگار لوگوں کو مدعو کرے، کسی شخص نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کی تو آپ نے اس کے حق میں یہ دعا فرمائی :۔

اکل طعامک الابرار (ابوداؤد۔ انسؓ)
تیرا کھانا نیک لوگ کھائیں۔

ایک مرتبہ آپ نے ارشاد فرمایا :۔

لاتاکل الاطعام تقی ولا یاکل طعامک الاتقی (۲)
متقی کے علاوہ کسی کا کھانا مت کھاؤ اور تمہارا کھانا متقی کے علاوہ کوئی نہ کھائے۔

دوسرا ادب یہ ہے کہ فقراء کی دعوت کرے خاص طور پر مالداروں کو مدعو نہ کرے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں :۔

شر الطعام طعام الولیمۃ یدعی الیہا الاغنیاء دون الفقراء (بخاری و مسلم۔ ابو ہریرہؓ)
بدترین کھانا اس ولیمے کا کھانا ہے جس میں مالداروں کو دعوت دی جائے، فقراء کو نہ بلایا جائے۔

تیسرا ادب یہ ہے کہ دعوتوں میں اپنے اعزہ و اقرباء کو ضرور بلائے، انھیں مدعو نہ کرنا قطع رحمی کے مرادف ہے، دوستوں اور جان پہچان کے لوگوں کی دعوت میں ترتیب ملحوظ رکھے، ایسا نہ ہو کہ بعض لوگوں کی دعوت سے بعض دوسرے لوگوں کو شکایت کا موقع ملے، اور انھیں تکلیف ہو۔

چوتھا ادب یہ ہے کہ دعوت سے فخر و مباہات، اور نام و نمود کی نیت نہ کرے، بلکہ داعی کی نیت یہ ہونی چاہیے کہ وہ اس کے ذریعہ اپنے بھائیوں کے دل اپنی طرف مائل کر رہا ہے۔ اور کھانا کھلانے اور مؤمنین کے دلوں کو خوش کرنے کے سلسلے میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت مبارکہ کی اتباع کر رہا ہے۔

پانچواں ادب یہ ہے کہ ان لوگوں کی دعوت سے گریز کرے جس کے بارے میں یہ علم ہو کہ وہ اپنے اعذار کے باعث شریک نہ ہو سکیں

(۱) یہ روایت کتاب الحج میں گذری ہے۔ (۲) یہ روایت کتاب الزکوٰۃ میں گذری ہے۔

گے' یا یہ کہ اس طرح کی دعوتیں ان کے مزاج کے خلاف ہیں' وہ آبھی گئے تو حاضرین کی موجودگی ان کے لئے زحمت اور پریشانی کا باعث ہوگی۔

چھٹا ادب یہ ہے کہ دعوت صرف ان لوگوں کی کرے جن کی قبولیت کا دل سے خواہش مند ہو' سفیان ثوریؒ فرماتے ہیں کہ اگر کسی ایسے شخص کی دعوت کی جائے کہ دل سے اس کی آمد ناپسند ہو تو داعی پر ایک گناہ ہوگا' اور اگر مدعو نے دعوت قبول کرلی تو داعی پر دو گناہ ہوں گے' کیونکہ اس شخص نے مدعو کو برا جاننے کے باوجود کھانے پر آمادہ کیا' اگر اسے یہ معلوم ہوتا کہ داعی دل سے اس کی آمد پر متفق نہیں ہے تو وہ کبھی نہ آتا۔

متقی کو کھانا کھلانے سے تقویٰ پر اور فاسق کو کھانا کھلانے سے فسق پر اعانت ہوتی ہے' ایک درزی نے حضرت عبداللہ ابن مبارکؒ سے دریافت کیا کہ میں بادشاہوں کے کپڑے سیتا ہوں' کیا میرا یہ عمل ظلم کی اعانت کے مترادف ہے' ابن مبارک نے جواب دیا ظلم کی اعانت تو وہ لوگ کرتے ہیں جن سے تم سوئی اور دھاگا خریدتے ہو' جہاں تک تمہارا تعلق ہے تم ظلم کی اعانت کرنے کے بجائے نفس ظلم کا ارتکاب کررہے ہو۔

دعوت قبول کرنے کے آداب

دعوت قبول کرنا سنتِ مؤکدہ ہے۔ بعض علماء نے اسے واجب بھی کہا ہے' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں :-

لو دعیت الی کراع لاجبت' ولو اهدی الی ذراع لقبلت (بخاری۔ ابوہریرہؓ)

اگر مجھے کوئی بکری کی نلی کھانے کے لئے بلائے تو میں اس کی دعوت قبول کرلوں اگر کوئی مجھے بکری کی ذراع ہدیہ کرے تو میں یہ ہدیہ قبول کرلوں۔

دعوت قبول کرنے کے پانچ آداب ہیں۔

پہلا ادب یہ ہے کہ مالدار اور غریب کا فرق نہ کرے کہ اگر کسی مالدار کے یہاں دعوت ہو تو منظور کرلے اور غریب کے یہاں ہو تو انکار کردے۔ اس طرح کا امتیاز تکبر کے دائرے میں آتا ہے' اسی تکبر کی بنا پر بعض لوگوں نے دعوت قبول کرنے کا سلسلہ ہی ختم کردیا' ایک متکبر کہتا ہے کہ شوربے کا انتظار کرنا ذلت ہے' دوسرا متکبر کہتا ہے کہ جب میں نے کسی غیر کے دسترخوان سے لقمہ اٹھایا تو میری گردن جھک گئی' بعض متکبرین دولت مندوں کی دعوت خوشی خوشی قبول کرتے ہیں اور غریبوں کی دعوت رد کردیتے ہیں۔ ان کا یہ فعل خلافِ سنت ہے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم غلام اور مسکین سب کی دعوت قبول فرمالیا کرتے تھے (ترمذی' ابن ماجہ۔ انسؓ) ایک مرتبہ حضرت امام حسنؓ کچھ فقراء اور مساکین کے پاس سے گذرے یہ وہ لوگ تھے جو راستوں پر بیٹھ کر لوگوں کے سامنے دستِ سوال دراز کرتے ہیں' ان لوگوں نے روٹی کے چند ٹکڑے ریت پر پھیلا رکھے تھے امام حسنؓ خچر پر تشریف لے جارہے تھے کہ کسی فقیر نے انھیں روک کر کہا اے نواسۂ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائیے اور ہمارے ساتھ کھانا تناول فرمائیے' آپ خچر سے اترے' اور یہ کہتے ہوئے ان کے ساتھ بیٹھ گئے کہ اللہ تعالیٰ متکبرین کو محبوب نہیں رکھتا' ان کے ساتھ کھانا کھایا' اور سلام کرکے خچر پر سوار ہوگئے اور فرمایا کہ میں نے تمہاری دعوت منظور کی' اب تم میری دعوت قبول کرو' انھوں نے کہا : آپ کی دعوت سر آنکھوں پر ہم ضرور حاضر ہوں گے' امام حسنؓ نے انھیں دعوت کا وقت بتلایا' جب وہ لوگ آپ کے دولت کدے پر حاضر ہوئے تو آپ نے ان کی خاطر مدارت کی بہترین کھانے کھلائے اور خود بھی ان کے پاس بیٹھ کر کھانا کھایا۔ کہنے والوں کا یہ کہنا کہ دوسروں کے دسترخوان پر کھانا ذلت کی دلیل ہے تو یہ قول خلافِ سنت بھی ہے' اور خلافِ واقعہ بھی ہے' کیونکہ دعوت کا منظور کرنا اس صورت میں ذلت ہے جب داعی کو دعوت دے کر خوشی نہ ہو' بلکہ وہ مجبوراً رسم و رواج نبھانے کے لئے دعوت کرے۔ اور آنے والوں کا احسان مند نہ ہو' بلکہ یہ سمجھے کہ میں نے دعوت کرکے ان لوگوں پر احسان

عظیم کیا ہے' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دعوتوں میں اس لئے تشریف لے جاتے تھے کہ آپ کو دعوت کرنے والوں کی طبیعتوں کا اندازہ تھا' آپ یہ جانتے تھے کہ یہ لوگ آپ کی تشریف آوری سے خوش ہوں گے' اس کو اپنے لئے دارین کی سعادت کا باعث سمجھیں گے' اور آپ کا احسان مانیں گے خلاصہ کلام یہ ہے کہ دعوت قبول کرنا ہر حالت میں ضروری نہیں ہے بلکہ احوال کے اختلاف سے اس کا حکم بھی مختلف ہوجاتا ہے۔ اگر کسی شخص کا یہ خیال ہو کہ دعوت کرنے والا اس دعوت کو ذریعہ فخر و مباہات سمجھ رہا ہے یا کھانا کھلانا اس کے لئے گرانباری کا باعث ہے تو اس کی دعوت قبول کرنا مسنون نہیں ہے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح کے لوگوں کی دعوت قبول کرنے سے منع فرمایا ہے (ابوداؤد) اس صورت میں عذر کردینا بہتر ہے' ایک صوفی فرماتے ہیں کہ دعوت صرف اس شخص کی قبول کرو جو یہ سمجھے کہ تم اپنا رزق کھا رہے ہو اور وہ اس دعوت کی صورت میں اس امانت کو تمہارے حوالے کررہا ہے جو اس کے پاس تھی اس امانت کے بار گراں سے سبکدوش ہوجانے کے بعد وہ تمہارا شکر گزار بھی ہو' سری سقطیؒ فرماتے ہیں کہ میں ایسے لقمے کا طالب ہوں جس میں نہ باری تعالیٰ کی نافرمانی کا شائبہ ہو' اور نہ کسی مخلوق کا احسان۔ اگر مدعو کو یہ معلوم ہو کہ داعی کی نیت صاف ہے اور وہ احسان کرنے کے ارادے سے دعوت نہیں دے رہا ہے تو پھر کسی عذر یا حیلے بہانے کی ضرورت نہیں ہے' بلکہ ایسی دعوت قبول کرلنی چاہیے۔ ابو تراب نخشبیؒ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میرے سامنے کھانا آیا' میں نے کھانے سے انکار کردیا اس واقعے کے بعد مجھے چودہ دن تک بھوکا رہنا پڑا' اس وقت یہ بات سمجھ میں آئی کہ کھانے سے انکار کرنا جرم ہے حضرت معروف کرخیؒ سے کسی نے عرض کیا کہ آپ کسی کی دعوت رد نہیں کرتے ہر جگہ چلے جاتے ہیں فرمایا کہ میں تو باری تعالیٰ کا مہمان ہوں وہ جہاں مجھے اتارتے ہیں وہاں اتر جاتا ہوں۔

دوسرا ادب یہ ہے کہ دعوت قبول کرنے سے محض اس لئے انکار نہ کرے کہ داعی کا گھر فاصلے پر واقع ہے' جس طرح اس صورت میں دعوت مسترد کرنا ٹھیک نہیں ہے کہ دعوت کرنے والا تنگ دست ہو اور وجاہت نہ رکھتا ہو' بلکہ اگر فاصلہ اتنا ہو کہ عادتاً اس کا طے کرنا دشوار نہ ہو تو دعوت قبول کرلے' دوری کے عذر سے انکار نہ کرے۔ توراۃ یا کسی دوسری آسمانی کتاب میں اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے کہ ایک میل چل کر مریض کی عیادت کرو' دو میل چل کر جنازہ کی مشایعت کرو' تین میل چل کر دعوت میں شرکت کرو' اور چار میل چل کر اس بھائی سے ملاقات کرو جو تم سے اللہ کے لئے محبت رکھتا ہے۔ دعوت میں شرکت' اور بھائی سے ملاقات کو اس لئے فوقیت دی گئی کہ ان دونوں کا تعلق زندہ لوگوں کے حقوق سے ہے' مردہ کے حقوق کے مقابلے میں زندہ کے حقوق بہرحال مقدم ہیں۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:۔

لو دعیت الی کراع بالغمیم لاجبت (۱)

اگر مجھے کراع غمیم میں مدعو کیا جائے تو میں دعوت قبول کرلوں۔

کراع غمیم مدینہ منورہ سے چند میل کے فاصلے پر ایک جگہ کا نام ہے' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یہاں رمضان المبارک میں اپنے سفر کے دوران تشریف لائے تھے' اور روزہ افطار کیا تھا (۲)۔ اسی جگہ آپ نے نماز قصر بھی ادا فرمائی تھی۔ (۳)

تیسرا ادب یہ ہے کہ روزے کی وجہ سے انکار نہ کرے بلکہ دعوت میں جائے اگر مدعو یہ محسوس کرے کہ داعی کی خوشی روزہ افطار کرنے میں ہے تو روزہ افطار کرلے' اور نیت یہ کرے کہ میں اپنے اس عمل کے ذریعہ ایک مسلمان بھائی کے دل کو خوشی سے ہم کنار کرنا چاہتا ہوں۔ افطار کا تعلق نفلی روزے سے ہے فرض روزے سے نہیں ہے' اگر داعی کے دل کا حال معلوم نہ ہو تو ظاہری حال پر اعتماد کرتے ہوئے افطار کرلینا چاہیے' لیکن اگر یہ ثابت ہو کہ وہ بتکلف دعوت کررہا ہے' اور افطار کرنے سے اسے کوئی خوشی نہیں ہوگی تو عذر کردے' افطار نہ کرے ایک شخص نے روزہ کے عذر سے دعوت قبول نہیں کی تھی' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص سے فرمایا :۔

---

(۱) لفظ کراع غمیم کی حدیث میں نہیں ہے۔ ترمذی میں حضرت انسؓ سے غمیم کے حذف کے ساتھ مروی ہے۔ (۲) مسلم' جابر ابن عبداللہؓ (۳) کراع غمیم میں نماز قصر کی ادائیگی کسی صحیح حدیث سے ثابت نہیں ہے' طبرانی صغیر میں ابن عمر کی روایت ہے کہ آپ نے نماز قصر مقام عقیق میں ادا فرمائی تھی' عقیق مدینہ منورہ سے تین میل کے فاصلے پر ہے اور کراع الغمیم مکہ مکرمہ اور عسفان کے درمیان ایک جگہ کا نام ہے۔

دعاکم اخوکم و تکلف لکم و تقول انی صائم (بیہقی۔ ابو سعید الخدریؓ)
تمہارے بھائی نے دعوت دی' اور تمہارے لئے تکلف کیا اور تم کہتے ہو کہ میں روزے سے ہوں۔

حضرت عبداللہ ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ اپنے ہم نشینوں کی خاطر روزہ افطار کرنا بہترین نیکی ہے۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ داعی کا دل خوش کرنے کی نیت سے افطار کرنا عبادت بھی ہے' اور خوش خلقی کا مظہر بھی۔ اس کا ثواب روزے کے ثواب سے زیادہ ہے' اگر کوئی شخص افطار نہ کرے لیکن داعی کے گھر آجائے تو اس کی ضیافت یہ ہے کہ اسے خوشبو پیش کی جائے' اس کے سامنے (سردی کے زمانے میں) انگیٹھی رکھی جائے' اور اس سے عمدہ گفتگو کی جائے' یہ مقولہ بھی مشہور ہے کہ سرمہ اور تیل پیش کرنا بھی دو ضیافتوں میں سے ایک ہے۔

چوتھا ادب دعوت قبول کرنا ہر حالت میں ضروری نہیں ہے' بلکہ بعض صورتوں میں دعوت مسترد بھی کی جاسکتی ہے' مثلاً یہ کہ کھانا مشتبہ ہو' وہ جگہ جہاں کھانا کھلایا جارہا ہو' یا وہ فرش جس پر بیٹھ کر لوگ کھانا کھا رہے ہوں ناجائز طریقہ سے حاصل کیا گیا ہو' یا اس جگہ میں کوئی برائی ہو' مثلاً ریشمی فرش' چاندی کے برتن' دیواروں اور چھتوں پر جاندار کی تصویریں ہوں' گانا بجانا ہو رہا ہو' لوگ لہو و لعب' غیبت' چغلی' بہتان تراشی' جھوٹ اور فریب کی باتوں میں مشغول ہوں' یا اسی طرح کی دوسری بدعتیں ہوں تو دعوت قبول کرنے کا استحباب باقی نہیں رہتا' بلکہ یہ امور قبول دعوت کی حرمت اور کراہت کے موجب ہوتے ہیں' اگر داعی ظالم' بدعتی' فاسق' شرپسند' متکبر' اور شیخی خور ہو تو اس کی دعوت بھی رد کی جاسکتی ہے۔

پانچواں ادب یہ ہے کہ دعوت قبول کرنے سے ایک وقت پیٹ بھر کھانے کی نیت نہ کرے' اگر یہ نیت کرے گا تو قبول دعوت دنیا کا عمل قرار پائے گا' بلکہ نیت صحیح ہونی چاہیے تاکہ قبول دعوت آخرت کا عمل محسوب ہو' اور اس کی صورت یہ ہے کہ دعوت قبول کرنے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کی نیت کرے' سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:۔

لو دعیت الی کراع لاجبت (۱)
اگر مجھے بکری کی سری پائے کے لئے بلایا جائے تو میں دعوت قبول کرلوں۔

یہ بھی نیت کرے کہ اگر دعوت قبول کروں گا تو میرا یہ عمل اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہوگا' کیونکہ ارشاد نبوی ہے :۔

من لم یجب الداعی فقد عصی اللّٰہ و رسولہ (بخاری و مسلم۔ ابو ہریرہؓ)
جس شخص نے داعی کی دعوت قبول نہیں کی اس نے اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کی۔

یہ بھی نیت کرے کہ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کے بموجب دعوت کے ذریعہ اپنے مسلمان بھائی کی تکریم کررہا ہوں' اور اسے خوشی سے ہم کنار کرنے کی سعادت حاصل کررہا ہوں۔

من اکرم اخاہ المؤمن فکانما یکرم اللّٰہ (الاصفہانی فی الترغیب والترہیب۔ جابرؓ)
جو شخص اپنے مسلمان بھائی کا اکرام کرے گویا وہ اللہ تعالیٰ کا اکرام کرتا ہے۔

من سر مؤمنا فقد سر اللّٰہ (۲)
جس نے کسی مسلمان کو خوش کیا اس نے اللہ تعالیٰ کو خوش کیا۔

یہ نیت بھی ہونی چاہیے کہ دعوت میں شرکت کے ذریعہ مجھے اپنے بھائی سے ملنے کا موقع بھی ملے گا' اس طرح مدعوان لوگوں میں شمار ہوگا جو اللہ تعالیٰ کے لئے ایک دوسرے سے محبت رکھتے ہیں' ایک روایت میں ہے :۔

وجبت محبتی للمتزاورین فی والمتباذلین فی (مسلم۔ ابو ہریرہؓ)
میری محبت میرے لئے آپس میں ملاقات کرنے والوں اور میرے لئے آپس میں خرچ کرنے والوں کے لئے واجب ہے۔

(۱ و ۲) یہ دونوں روایتیں اسی باب کے پچھلے صفحات میں گذری ہیں۔

دعوت میں بذل و انفاق پہلے سے موجود ہے' اس کا تعلق داعی سے ہے' اب مدعو کو چاہیے کہ وہ زیارت و ملاقات کی نیت کر کے دوسرا پہلو بھی مکمل کر دے۔ ایک نیت یہ ہونی چاہیے کہ میں یہ دعوت اس لئے قبول کر رہا ہوں تاکہ لوگ میرے متعلق بدگمانی میں مبتلا نہ ہوں' متکبر' بد مزاج اور بد خو کے خطابات سے نہ نوازیں' یا یہ خیال نہ کریں کہ دعوت مسترد کر کے میں نے مسلمان بھائی کی تحقیر کی ہے۔ یہ چھ نیتیں ہیں اگر کوئی شخص دعوت قبول کرتے وقت یہ تمام نیتیں کرے تو اس کے اجر و ثواب کا کیا ٹھکانہ' لیکن اگر ان میں سے ایک نیت بھی کی تو انشاء اللہ قربت کا باعث ہوگی' ایک بزرگ فرماتے تھے کہ میں چاہتا ہوں کہ ہر عمل میں میری ایک نیت ہو' یہاں تک کہ میں کھانے اور پینے میں بھی نیت کروں' نیت کے سلسلے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ملاحظہ کیجئے :۔

انما الاعمال بالنیات وانما لکل امری مانوی' فمن کانت ھجرتہ الی اللہ و رسولہ فھجرتہ الی اللہ ورسولہ' ومن کانت ھجرتہ الی الدنیا یصیبھا او امرأۃ یتزوجھا فھجرتہ الی ماھاجر الیہ (بخاری و مسلم۔ عمر فاروقؓ)

اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے' ہر شخص کو وہی ملے گا جس کی اس نے نیت کی ہوگی' جس شخص کی ہجرت اللہ اور رسول کی طرف ہوگی اس کی ہجرت اللہ اور اس کے رسول کی طرف ہوگی' اور جس شخص کی ہجرت دنیا حاصل کرنے یا کسی عورت سے نکاح کرنے کے لئے ہوگی تو اس کی ہجرت اسی امر کے لئے ہے' جس کی طرف اس نے ہجرت کی۔

یہاں یہ بات بھی یاد رکھنی چاہیے کہ نیت صرف مباح امور اور طاعات میں مؤثر ہوتی ہے' ان امور میں مؤثر نہیں ہوتی جن سے منع کیا گیا ہے مثلاً اگر کوئی شخص اپنے دوستوں کے ساتھ مل کر شراب پئے یا کسی امر حرام کا ارتکاب کرے اور یہ کہے کہ میں نے یہ عمل دوستوں کو خوش کرنے کی نیت سے کیا ہے تو یہ نیت قطعاً" غیر مفید ہوگی' اور نہ یہ کہنا صحیح ہوگا کہ اعمال کا دارومدار نیت پر ہے' اور میری نیت صحیح ہے' اس لئے میرا عمل بھی صحیح ہے۔ یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ نیت کے فساد سے طاعت بھی فاسد ہو جاتی ہے' اور نیت کی صحت سے مباح کام بھی طاعت کے زمرے میں آجاتا ہے' مثلاً کوئی شخص فخر و مباہات اور حصول مال کے لئے جہاد میں شریک ہو تو اس کا یہ عمل اطاعت شمار نہیں ہوگا' یہی حال امر مباح کا ہے کہ اگر نیت درست رکھی جائے تو مباح کام کو اطاعت کا درجہ مل جائے گا' اور اگر نیت صحیح نہ ہو تو مباح کام معصیت سے ملحق ہو جائے گا خلاصہ گفتگو یہ ہے کہ نیت عمل کی صرف دو قسموں مباح اور طاعت میں مؤثر ہوتی ہے' کسی تیسری قسم میں مؤثر نہیں ہوتی۔

دعوت میں شرکت کرنے کے آداب

پہلا ادب یہ ہے کہ جب داعی کے گھر پہنچے تو صدر مقام یا کسی نمایاں جگہ پر نہ بیٹھے' بلکہ تواضع اور انکساری کے اظہار کے لئے کسی معمولی جگہ بیٹھنے کی کوشش کرے۔

دوسرا ادب یہ ہے کہ آنے میں تاخیر نہ کرے' اس سے خواہ مخواہ دوسرے شرکاء کو یا خود صاحب خانہ کو انتظار کی زحمت ہوگی اور نہ آنے میں اتنی جلدی کرے کہ صاحب خانہ پریشان ہو جائے اور دعوت کی تیاری کے بجائے اسے آنے والوں کے استقبال میں مصروف ہونا پڑے۔

تیسرا ادب یہ ہے کہ اگر مجمع زیادہ ہو تو گھس کر نہ بیٹھے' نہ دوسروں کے لئے تنگی پیدا کرے' اگر صاحب خانہ کسی جگہ بیٹھنے کے لئے کہے تو وہاں تردد وہاں بیٹھ جائے کیونکہ بعض اوقات میزبان بیٹھنے والوں کی ترتیب قائم کر لیتے ہیں۔ اب اگر آنے والے اس کی ترتیب کے خلاف بیٹھیں گے تو اسے بلاوجہ زحمت ہوگی' اور وہ دل ہی دل میں اس بد نظمی پر کڑھے گا۔ لیکن اگر شرکاء میں سے کچھ لوگ کسی اونچی اور نمایاں جگہ بیٹھنے کے لئے کہیں تو تواضع کرے اور معذرت کر دے۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں :۔

ان من التواضع للّٰہ الرضا بالدون من المجلس (مکارم الاخلاق۔ طلحہ ابن عبیدؓ)
اللہ کے لئے تواضع یہ بھی ہے کہ معمولی جگہ پر بیٹھنے کے لئے راضی ہو جائے۔

چوتھا ادب یہ ہے کہ جس کمرے میں عورتیں بیٹھی ہوئی ہوں' یا کسی بڑے کمرے کا کوئی گوشہ ان کے لئے پردہ ڈال کر مخصوص کر لیا گیا ہو تو اس کے سامنے مت بیٹھے۔

پانچواں ادب یہ ہے کہ جس دروازے سے کھانا آرہا ہو ادھر نہ دیکھے' یہ بے صبری اور حرص و ہوس کی علامت ہے۔

چھٹا ادب یہ ہے کہ برابر میں بیٹھے ہوئے شخص کو سلام کرے' اس کی مزاج پرسی کرے' میزبان کو چاہیے کہ وہ اپنے مہمانوں کو قبلہ کی سمت' وضو اور پاخانے پیشاب کی جگہ ضرور بتلادے۔ حضرت امام مالکؒ نے امام شافعیؒ کے ساتھ ایسا ہی کیا تھا۔ امام مالکؒ نے مہمانوں کے ہاتھ دھلوانے سے پہلے خود ہاتھ دھوئے اور فرمایا کہ کھانے سے پہلے میزبان کو ہاتھ دھونے میں پہل کرنی چاہیے' کھانے سے فراغت کے بعد آخر میں ہاتھ دھوئے' اس خیال سے کہ شاید کوئی مہمان رہ گیا ہو' اگر وہ آجائے تو اس کے ساتھ کھانے میں شرکت ہو سکے۔

ساتواں ادب یہ ہے کہ میزبان کے گھر میں داخل ہونے کے بعد اگر کسی خلاف شرع چیز پر نظر پڑے تو اسے دور کردے بشرطیکہ دور کرنے پر قادر ہو' ورنہ زبان سے اپنی ناپسندیدگی ظاہر کرے اور واپس چلا آئے' خلافِ شرع امور یہ ہیں' مثلاً فرش ریشم و دیباج کا ہو' چاندی سونے کے برتن استعمال کئے جارہے ہوں' دیواروں یا چھتوں پر جانداروں کی تصویریں آویزاں ہوں' گانا بجانا ہو رہا ہو' عورتیں بے پردہ پھر رہی ہیں' یا اور کسی امرِ حرام کا ارتکاب ہو رہا ہو۔ امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ اگر کھانے کے دوران کسی ایسی سرمہ دانی پر نظر پڑے جس کے بلائی حصے پر چاندی لگی ہوئی ہو تو وہاں سے اٹھ کر صحن میں آجائے اس کمرے میں بیٹھ کر کھانا نہ کھائے۔ امام احمد یہ بھی فرماتے ہیں کہ اگر گھر میں باریک کپڑے کی مچھردانی ہو تو بھی وہاں نہ ٹھہرے' کیونکہ مچھردانی کا استعمال بلاوجہ کا تکلف ہے' نہ اس سے گرمی دور ہوتی' نہ سردی رکتی ہے' اور نہ کسی چیز کو پوشیدہ کرنے کے لئے استعمال کیا جاسکتا ہے۔ اسی طرح اگر گھر کی دیواروں پر غلافِ کعبہ کی طرح ریشمی پردے آویزاں کئے گئے ہوں تب بھی باہر چلا جائے۔ امام احمد کا ایک قول یہ بھی ہے کہ اگر کوئی شخص کرایہ پر مکان لے' اس مکان کی دیواروں پر تصویریں بنی ہوئی ہوں' یا حمام میں جائے' اور وہاں تصویر ہو تو ہاتھ سے مٹادے' لیکن اگر اس کی طاقت نہ ہو تو باہر چلا جائے' اسے استعمال نہ کرے۔ امام احمدؒ کی یہ تمام آراء صحیح ہیں' لیکن مچھردانی کے استعمال' اور دیواروں پر ریشمی پردے لٹکانے کے سلسلے میں ان کی رائے محلِ نظر ہے' ہمارے خیال میں ان چیزوں کے استعمال میں حرمت نہیں ہے' کیونکہ ریشم کی حرمت مردوں کے لئے ہے' سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں :۔

ھذا حرام علی ذکور امتی وحل لاناثہا (ابوداؤد' نسائی' ابن ماجہ۔ علیؓ)
یہ میری امت کے مردوں پر حرام ہے' اور امت کی عورتوں کے لئے جائز ہے۔

دیواروں پر آویزاں کئے جانے والے پردے مردوں کی طرف منسوب نہیں ہیں' اگر دیواروں پر ریشمی پردے لٹکانا حرام ہے تو کعبہ کے لئے بھی یہ حرمت ہوگی' ہمارے خیال میں اس طرح کی زینت مباح ہے' اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔

قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِیْنَۃَ اللّٰہِ الَّتِیْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِہٖ (پ ۸ ر ۱۱ آیت ۳۲)
آپ فرمائیے کہ اللہ تعالیٰ کے پیدا کئے ہوئے کپڑوں کو جن کو اس نے اپنے بندوں کے لئے بنایا ہے کسی شخص نے حرام کیا ہے۔

اس صورت میں ریشمی پردوں کا استعمال خاص طور پر جائز ہونا چاہیے جب کہ اس سے زینت اور آرائش مقصود ہو۔ تفاخر اور بڑائی کا اظہار مقصود نہ ہو' یہاں یہ حقیقت بھی قابلِ غور ہے کہ اگر عورتیں ریشمی کپڑے پہنے ہوئے ہوں تو مردوں کے لئے ان کو دیکھنا حرام نہیں

ہے' اسی طرح اگر دیواروں کو ریشمی کپڑوں سے مزین کیا گیا ہو تو مردوں کے لئے ان پر نظر ڈالنا بھی جائز ہے۔

کھانا لانے کے آداب

پہلا ادب یہ ہے کہ کھانا پیش کرنے میں عجلت کرے' کیونکہ اس میں مہمانوں کی تعظیم ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں :۔ من کان یؤمن باللہ والیوم الاخر فلیکرم ضیفہ (بخاری و مسلم۔ ابو شریح)

جو شخص اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہو وہ اپنے مہمانوں کی تعظیم کرے۔

اگر اکثر لوگ آجائیں' مدعوئین میں دو چار آدمی مقررہ وقت پر نہ پہنچ سکے ہوں تو حاضرین کی خدمت میں کھانا پیش کرنا اس سے بہتر ہے کہ تاخیر سے آنے والوں کا انتظار کیا جائے' اور جو لوگ آچکے ہوں انھیں انتظار کی زحمت دی جائے' اور ان کا وقت ضائع کیا جائے۔ ہاں اگر کوئی غریب شخص وقت مقررہ پر نہ پہنچ سکا ہو' یا کوئی ایسا شخص رہ گیا ہو جس کے بارے میں یہ گمان ہو کہ کھانا شروع کردینے سے اس کی دل شکنی ہوگی تو انتظار میں بھی کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مہمانوں کے متعلق اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :۔

هَلْ أَتَاكَ حَدِيثُ ضَيْفِ إِبْرَاهِيمَ الْمُكْرَمِينَ (پ ۲۶ ر ۱۹ آیت ۲۴)

کیا ابراہیم کے معزز مہمانوں کی حکایت آپ تک پہنچی ہے۔

اس آیت کے ایک معنی یہ بھی ہیں کہ ان کی تعظیم اس طرح کی گئی تھی کہ انھیں کھانا جلد کھلایا گیا تھا چنانچہ دوسری آیت اس معنی پر دلالت کرتی ہے۔ فَمَا لَبِثَ أَنْ جَاءَ بِعِجْلٍ حَنِيذٍ (پ ۱۲ ر ۷ آیت ۶۹)

پھر دیر نہیں لگائی کہ ایک تلا ہوا بچھڑا لائے۔

ایک جگہ فرمایا :۔ فَرَاغَ إِلَى أَهْلِهِ فَجَاءَ بِعِجْلٍ سَمِينٍ (پ ۲۶ ر ۱۹ آیت ۲۶)

پھر اپنے گھر کی طرف چلے اور ایک فربہ بچھڑا (تلا ہوا) لائے۔

روغان کے معنیٰ ہیں تیزی کے ساتھ جانا لوگوں نے خفیہ (چھپ کر) جانے کے معنیٰ مراد لئے ہیں' روایت ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے مہمانوں کے لئے ران کا گوشت لے کر آئے تھے' اس گوشت کا نام عجل اس لئے رکھا گیا کہ لانے میں عجلت کی گئی تھی۔ حاتم اصمؒ فرماتے ہیں کہ جلدی کرنا شیطان کا کام ہے' لیکن پانچ مواقع ایسے ہیں کہ ان میں جلدی کرنا سنت ہے' مہمانوں کو کھانا کھلانا' مردے کی تجہیز و تکفین کرنا' بالغ ہونے کے بعد لڑکی کی شادی کرنا' قرض ادا کرنا' گناہ سے توبہ کرنا[1]' ولیمے میں بھی جلدی کرنا مستحب ہے' کہتے ہیں کہ پہلے روز ولیمہ کرنا مسنون ہے' دوسرے روز کا معروف یعنی حسنِ سلوک ہے' تیسرے روز کا نمود ہے۔

دوسرا ادب یہ ہے کہ کھانے کی مختلف قسموں کو مہمانوں کے سامنے رکھنے میں ترتیب کا لحاظ رکھے' اگر پھل اور میوے وغیرہ بھی کھانے کے پروگرام میں شامل ہوں تو پہلے یہی چیزیں پیش کرے' کیونکہ از روئے طب یہ امر مناسب ہے' اس طرح کی چیزیں جلد ہضم ہوجاتی ہیں' معدہ میں سب سے پہلے ان کا پہنچنا مفید ہے۔ قرآن مجید میں بھی فواکہ کو مقدم رکھنے پر تنبیہہ کی گئی ہے' ارشاد ہے :۔

وَفَاكِهَةٍ مِمَّا يَتَخَيَّرُونَ (پ ۲۷ ر ۱۴ آیت ۲۰)

اور میوے جن کو وہ پسند کریں گے۔

اس کے بعد فرمایا :۔

---

(۱) ترمذی میں سہل ابن سعد کی روایت ہے "الاناۃ من اللہ والعجلۃ من الشیطان" پانچ مواقع کا استثناء کسی ایک روایت میں نہیں ہے۔ ابو داؤد میں سعد ابن ابی وقاصؓ کی روایت کے الفاظ ہیں "التؤدۃ فی کل شئی الا فی عمل الآخرۃ" مزّی نے تہذیب میں محمد بن موسیٰ بن نفیع عن مشیخۃ من قومہ کی سند کے ساتھ یہ روایت نقل کی ہے "الاناۃ فی کل شئی الا فی ثلاث اذا صیح فی خیل اللہ واذا نودی بالصلاۃ واذا کانت الجنازۃ" ترمذی میں حضرت علیؓ کی روایت ہے ثلاثۃ لا تؤخرھا الصلوۃ اذا أتت، والجنازۃ اذا حضرت والایم اذا وجدت کفوا۔

وَلَحْمِ طَيْرٍ مِّمَّا يَشْتَهُوْنَ (پ ۲۷ ر ۱۴ آیت ۲۱)

اور پرندوں کا گوشت جوان کو مرغوب ہوگا۔

فواکہ کے بعد ثرید پیش کرے (ثرید عربوں کی مرغوب ترین غذا ہے گوشت میں روٹی چور کر یہ غذا تیار کی جاتی ہے) ثرید کے متعلق سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:۔

فضل عائشة على النساء كفضل الثريد على سائر الطعام (شمائل ترمذی۔ انس)

عورتوں پر عائشہ کی فضیلت ایسی ہے جیسے تمام کھانوں پر ثرید کی فضیلت۔

اگر دستر خوان پر کوئی میٹھی چیز بھی موجود ہو تو یہ ایک عمدہ اور مکمل ترین دعوت ہے مہمانوں کے سامنے گوشت رکھنا بھی اعزاز و اکرام کی دلیل ہے' ابراہیم علیہ السلام کے قصے میں مذکور ہے۔

فَمَا لَبِثَ أَنْ جَاءَ بِعِجْلٍ حَنِيذٍ (پ ۱۲ ر ۷ آیت ۶۹)

پھر دیر نہیں لگائی کہ ایک تلا ہوا بچھڑا لے کر آئے۔

حنیذ اس گوشت کو کہتے ہیں جو خوب پکا ہوا ہو' اگر فواکہ وغیرہ نہ ہوں تو گوشت کی تقدیم افضل ہے' عمدہ کھانوں کے متعلق باری تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔

وَأَنْزَلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰى (پ ۱ ر ۶ آیت ۵۷)

اور پہنچایا ہم نے تمہارے پاس ترنجبین اور بٹیریں۔

مَن شہد کو کہتے ہیں' اور سلویٰ گوشت کو گوشت کو سلویٰ اس لئے کہا گیا کہ اس کی موجودگی سے تسلی ہوتی ہے اور دوسرے سالنوں کی ضرورت باقی نہیں رہتی' یہ ایک ایسا سالن ہے کہ کوئی دوسرا سالن اس کے قائم مقام نہیں ہوسکتا۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:۔

سيد الادام اللحم (ابن ماجہ۔ ابو الدرداءؓ)

گوشت سالنوں کا سردار ہے۔

مذکورہ بالا آیت کریمہ کے بعد باری تعالیٰ نے فرمایا:۔

كُلُوْا مِنْ طَيِّبَاتِ مَا رَزَقْنَاكُمْ (پ ۱ ر ۶ آیت ۵۷)

کھاؤ نفیس چیزوں سے جو ہم نے تم کو دی ہیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ گوشت اور شہد دونوں عمدہ غذائیں ہیں۔ ابو سلیمان دارانی کہتے ہیں کہ پاکیزہ اور عمدہ چیزوں کا کھانا رضاء الٰہی کا باعث ہے' اور پاکیزہ و عمدہ کھانے کا تتمہ یہ ہے کہ ٹھنڈا پانی پیا جائے اور نیم گرم پانی سے ہاتھ دھوئے جائیں' مامون نے کہا ہے کہ برف سے ٹھنڈا کیا ہوا پانی پینے کا تقاضہ یہ ہے کہ اخلاص کے ساتھ باری تعالیٰ کا شکر ادا کیا جائے۔ ایک عالم فرماتے ہیں کہ اگر تم نے اپنے بھائیوں کی دعوت کی انہیں باادام کا حلوہ اور بورانی کھلا کر ٹھنڈا پانی پلا دیا تو یہ سمجھو کہ تمہاری دعوت مکمل ہوگئی کسی شخص نے دوستوں کی دعوت کی' اور انواع و اقسام کے کھانے تیار کرائے' ایک حکمت شناس نے کہا کہ اس قدر اخراجات کی ضرورت نہیں تھی' اگر تم بہترین روٹی' عمدہ سرکہ اور ٹھنڈا پانی دستر خوان پر رکھ دیتے تو یہ ایک بہترین دعوت ہوتی ایک دانشور کہتے ہیں کہ دستر خوان پر میٹھی چیز کا ہونا انواع و اقسام کے کھانوں سے بہتر ہے' اور تمام حاضرین کو کھانا مل جانا اس سے بہتر ہے کہ کئی طرح کا کھانا ہو' کسی کے سامنے کچھ ہو' اور کسی کے سامنے کچھ۔ کہتے ہیں کہ جس دستر خوان پر بقولات (ساگ سبزی) ہوتی ہیں اس پر فرشتے آتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ دستر خوان پر سبزیوں کا ہونا بھی مستحب ہے سبزیوں سے دستر خوان کی زینت بھی ہے۔ روایات میں ہے کہ بنی اسرائیل پر جو دستر خوان آسمان سے اترا تھا اس میں گراث (۱) کے علاوہ تمام سبزیاں تھیں ایک مچھلی تھی جس کے سر کے پاس سرکہ اور دُم کے پاس نمک تھا سات روٹیاں تھیں ہر

روٹی پر روغن زیتون ملا ہوا تھا اور انار دانہ رکھا ہوا تھا اگر یہ تمام چیزیں دسترخوان پر جمع ہو جائیں تو یہ بہترین موافقت ہوگی۔

تیسرا ادب یہ ہے کہ لذیذ اور پسندیدہ کھانے پہلے پیش کئے جائیں، تاکہ لوگ حسب خواہش کھالیں بعض لوگ یہ کرتے ہیں کہ پہلے کثیف اور نسبتاً غیر لذیذ غذائیں سامنے رکھتے ہیں جب لوگ پیٹ بھر کھالیتے ہیں تو پسندیدہ غذائیں لاتے ہیں، اس سے یہ نقصان ہوتا ہے کہ شکم سیر ہونے کے باوجود لوگ زیادہ کھالیتے ہیں یہ طریقہ خلاف سنت ہے، پہلے زمانے میں لوگوں کا طریقہ یہ تھا کہ تمام کھانے ایک ساتھ دسترخوان پر رکھ دیتے تھے اور کھانے کے برتن بھی ترتیب سے لگادیتے تھے تاکہ ہر شخص وہی کھانا کھائے جس کی اُسے خواہش ہو، اگر کسی شخص کے دسترخوان پر کھانے کی ایک ہی قسم ہوتی تو وہ بلا تکلف اس کا اظہار کردیتا تاکہ لوگ اس سے بہتر کھانے کا انتظار نہ کریں، اسی کھانے سے پیٹ بھرلیں، بعض و متعدد قسم کے لوگوں کا دستور یہ تھا کہ وہ کھانا چُننے سے پہلے کھانے کی فہرست مہمانوں کے سامنے پیش کردیتے، ایک عالم اپنا واقعہ نقل کرتے ہیں کہ میں شام گیا، وہاں میرے ایک شناسا عالم نے مجھے کھانے پر مدعو کیا، اور دسترخوان پر کھانے کی ایک قسم رکھی، میں نے ان سے کہا کہ ہمارے یہاں عراق میں یہ قسم کھانے کے آخر میں پیش کی جاتی ہے، میرے میزبان کہنے لگے کہ ہمارے یہاں بھی یہی دستور ہے وہ عالم کہتے ہیں کہ مجھے ان کا جواب سن کر سخت ندامت ہوئی، اور اس وقت یہ احساس ہوا کہ ان کے گھر میں کھانے کی دوسری اقسام تیار نہیں ہیں۔ ایک شخص کہتے ہیں کہ ہم چند ساتھی ایک جگہ مدعو تھے میزبان نے ہمارے سامنے بکری کے بھنے ہوئے سر اور شوربالا کر رکھ دیا، دیر تک ہم لوگ اس انتظار میں بیٹھے رہے تو میزبان اندر گئے اور ہاتھ دھونے کیلئے سلفچی لے آئے اس وقت ہمیں احساس ہوا اور ہم ایک دوسرے کا منہ دیکھنے لگے، ہمارے ایک ساتھی پُر لطف آدمی تھے جب دسترخوان اٹھنے لگا تو انھوں نے کہا خدا کی قدرت ہے کہ جسموں کے بغیر سر پیدا ہوگئے، راوی کہتے ہیں کہ اس رات ہم بھوکے رہے۔ اس لئے بہتر یہ ہے کہ کھانے کی تمام قسمیں دسترخوان پر رکھ دے، ورنہ ایسا کرے کہ تیار شدہ قسموں کی اطلاع دیدے تاکہ مہمان انتظار نہ کریں۔

چوتھا ادب یہ ہے کہ جب تک لوگ اچھی طرح فارغ نہ ہوجائیں اور ہاتھ نہ روک لیں، اس وقت تک دسترخوان نہ اٹھائے، ممکن ہے بعض لوگ اپنی پسندیدہ غذا آخر میں کھانا چاہتے ہوں یا ابھی وہ شکم سیر نہ ہوئے ہوں، دسترخوان سمیٹنے میں جلدی کرنے سے انھیں تکدر ہوگا، دسترخوان پر متعدد اقسام کے کھانے رکھنے سے بہتر یہ ہے کہ لوگوں کو کھانے پر تمکن حاصل ہو، تمکن کا مطلب یہ ہے کہ دسترخوان اٹھانے میں جلدی نہ کی جائے یہ بھی مطلب ہوسکتا ہے کہ کھانے کی جگہ کشادہ ہو، تاکہ لوگ کسی تنگی کے بغیر بیٹھ سکیں، ایک صوفی تھے ستوری، انھیں مزاج کا بہترین ذوق تھا، کسی نے ان کا یہ واقعہ بیان کیا ہے کہ ایک دنیادار شخص نے ان کی دعوت کی، کچھ اور لوگ بھی مدعو تھے، دسترخوان پر بھنا ہوا بکرا رکھا گیا، فطرتاً یہ شخص بخیل تھا، جب اس نے دیکھا کہ مہمانوں نے بکرے کے ساتھ دست درازی شروع کردی تو بڑا گھبرایا نوکروں کو آواز دی، اور حکم دیا کہ یہ باقی ماندہ بکرا گھر میں بچوں کے لئے لے جائیں جب نوکر بکرا اٹھا کر لے چلے تو ستوری بھی ان کے پیچھے پیچھے چل دیئے، لوگوں نے دریافت کیا کہ آپ کہاں چلے! کہنے لگے کہ گھر میں جارہا ہوں، بچوں کے ساتھ کھاؤں گا، میزبان یہ سن کر نادم ہوئے، نوکروں سے کہا کہ وہ یہ گوشت دسترخوان پر رہنے دیں۔ ادب کا تقاضا یہ ہے کہ میزبان مہمانوں سے پہلے اپنا ہاتھ نہ روکے، بلکہ جب سب لوگ فارغ ہوجائیں تو کھانا موقوف کرے، درمیان میں توقف کرنے سے مہمان شرمائیں گے اور ضرورت کے باوجود ہاتھ روک لیں گے عرب کے ایک سخی کا دستور یہ تھا کہ وہ کھانے کی تمام قسمیں پہلے بیان کردیتے، جب لوگ کھانے لگتے اور یہ اندازہ ہوجاتا کہ اب فارغ ہونے ہی والے ہیں تو ہاتھ دھو کر شریک ہوجاتے اور لوگوں سے درخواست کرتے کہ وہ میرا ساتھ دیں، انھیں کھانے کی ترغیب دیتے، لوگوں کو ان کا یہ طریقہ بے حد پسند تھا۔

پانچواں ادب یہ ہے کہ اتنا کھانا پیش کرے، جو مدعوئین کو کافی ہوجائے، کم ہونے کی صورت میں مہمان نوازی پر حرف آئے گا، زیادہ

---

(۱) کراث ۔ گیند نما ایک بدبودار قسم کی ترکاری ہے جس کی بعض قسمیں پیاز اور بعض لسن کے مشابہ ہیں۔ بعض کے سرے نہیں ہوتے۔ مترجم

ہونے میں نام و نمود اور ریا کاری کا گمان ہو گا' اس لئے اتنا کھانا تیار کیا جائے جو آسانی کے ساتھ سب کو پورا ہو جائے۔ ہاں اگر اس خیال سے زیادہ کھانا پیش کرے کہ لوگ زیادہ کھائیں تو یہ صورت مستحسن ہے' اب اگر وہ لوگ تمام کھانا کھا جائیں تو خوش ہو اور کچھ بچ جائے تو اسے باعثِ برکت سمجھے' حدیث شریف میں ہے کہ مہمانوں کے سامنے رکھے جانے والے کھانے کا حساب نہیں ہو گا (۱) حضرت ابراہیم ابن ادہمؒ نے کچھ لوگوں کی دعوت کی اور دستر خوان پر کھانے کی زیادہ مقدار رکھی۔ سفیان ثوریؒ نے ان سے کہا : ابو اسحاق کیا تمہیں اس کا ڈر نہیں کہ کھانے کی یہ زیادتی اسراف کہلائے گی۔ انھوں نے جواب دیا کھانے میں اسراف نہیں ہے۔ اس تفصیل کا حاصل یہ نکلا کہ اگر نام و نمود کی نیت نہ ہو تو یہ تکثیر مستحسن ہے ورنہ اسراف اور تکلف ہے' حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ ہمیں ایسے لوگوں کی دعوت قبول کرنے سے منع کیا گیا ہے' جو نام و نمود اور طلبِ شہرت کے لیے کھانا کھلائیں' بہت سے صحابہ کھانے میں تکثیر کو (اگر وہ فخر و مباہات کے خیال سے ہو) ناپسند کرتے تھے' چنانچہ جب بھی کسی صحابی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کی تو دستر خوان سے بچا ہوا کھانا نہیں اٹھایا گیا' کیونکہ وہ لوگ بقدرِ کفایت کھانا پیش کیا کرتے تھے' اور خوب شکم سیر ہو کر نہیں کھاتے تھے' اس لیے صحابہ کے دور میں مقدارِ کفایت اتنی کم تھی کہ دستر خوان پر کھانا بچنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ اس سلسلے میں بہتر یہ ہے کہ پہلے گھر والوں کا حصہ الگ کر دیا جائے' تاکہ وہ بچے ہوئے کھانے کے منتظر نہ رہیں' اگر ان کا حصہ الگ نہ کیا گیا اور وہ کھانے کی واپسی کا انتظار کرتے رہے' اتفاق سے کھانا نہ بچا تو وہ لوگ بد دل ہوں گے' اور مہمانوں کو بُرے القاب سے یاد کریں گے۔ دوسروں کی حق تلفی کر کے ضیافت کرنا ایک طرح کی خیانت ہے' اگر دستر خوان پر کھانا بچ جائے تو مہمانوں کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ بچا ہوا کھانا اپنے ساتھ لے جائیں' صوفیوں کی اصطلاح میں اس کھانے کو زلّہ کہا جاتا ہے' ہاں اگر صاحبِ خانہ بطیبِ خاطر اجازت دیدے' یا قرائن سے یہ معلوم ہو کہ اس فعل سے صاحبِ خانہ خوش ہو گا تو بچا ہوا کھانا ساتھ لے جانے میں بھی کوئی مضائقہ نہیں ہے' لیکن اگر یہ خیال ہو کہ بلا اجازت کھانا لے جانے سے میزبان ناراض ہو گا یا وہ بادلِ ناخواستہ اجازت دے گا تو کھانا لے جانا صحیح نہیں ہے' اجازت کی صورت میں بھی عدل و انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ دوسرے رفقاء کی حق تلفی نہ کرے' یعنی صرف وہ کھانا ساتھ لے جائے جو اس کے سامنے بچا ہو' اپنے ساتھی کے سامنے کا کھانا بھی لے جا سکتا ہے' بشرطیکہ وہ راضی ہو' اور لے جانے کی صراحتاً اجازت دے۔

مہمان کی واپسی کے آداب

پہلا ادب یہ ہے کہ گھر کے دروازے تک مہمان کے ساتھ آئے' یہ طریقہ مسنون ہے' اس سے مہمان کی تعظیم و تکریم ہوتی ہے' مہمانوں کی تعظیم کا حکم حدیث میں موجود ہے۔ ارشاد نبوی ہے :۔

من كان يؤمن بالله واليوم الآخر فليكرم ضيفه (بخاری و مسلم۔ ابو شریحؓ)

جو شخص اللہ اور یوم آخرت پر یقین رکھتا ہو وہ اپنے مہمان کی تعظیم کرے۔

ایک مرتبہ ارشاد فرمایا :۔

ان من سنة الضيف ان يشيع الى باب الدار (ابن ماجہ۔ ابو ہریرہؓ)

مہمان کی تعظیم یہ ہے کہ گھر کے دروازے تک اس کی مشایعت (ہمراہی) کی جائے۔

ابو قتادہ فرماتے ہیں کہ شاہِ حبش نجاشی کا بھیجا ہوا وفد جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے بنفسِ نفیس وفد کے اراکین کی خدمت کی' صحابہ کرامؓ نے عرض کیا : یا رسول اللہ ! آپ زحمت نہ فرمائیں' ہم لوگ ان کی خدمت کے

---

(۱) یہ حدیث چند صفحات پہلے گزری ہے

لئے کافی ہیں' فرمایا : ایسا نہیں ہو سکتا' یہ وہ لوگ ہیں جنھوں نے میرے رفقاء کی تعظیم کی تھی جب وہ لوگ حبشہ گئے تھے' میں چاہتا ہوں کہ ان کے اس حُسنِ سلوک کی مکافات کروں۔ مہمان کا کمالِ اکرام یہ ہے کہ اس سے خندہ روئی کے ساتھ ملے' آنے جانے کے وقت' دستر خوان پر کھانے سے پہلے یا بعد میں جب بھی موقع ہو اچھی طرح گفتگو کرے۔ اوزاعی سے کسی نے دریافت کیا کہ مہمان کی تعظیم کیا ہے؟ فرمایا : خندہ روئی اور خوش گفتاری۔ یزید ابن ابی زیاد کہتے ہیں کہ ہم جب بھی عبد الرحمٰن ابن لیلیٰ کی خدمت میں حاضر ہوئے انھوں نے ہمیں کھانا کھلایا' اچھی گفتگو کی۔

دوسرا ادب یہ ہے کہ مہمان اپنے میزبان کے گھر سے خوش دلی کے ساتھ رخصت ہو' اگرچہ اس کی خاطر تواضع میں کوتاہی ہوئی ہو' خوش دلی کے ساتھ رخصت ہونا اس بات کی علامت ہے کہ وہ شخص خوش اخلاق بھی ہے' اور متواضع بھی' معمولی معمولی باتیں اس کی طبعی خوش خلقی اور منکسر المزاجی پر اثر انداز نہیں ہوتیں' ایک بزرگ کا قصہ ہے کہ انھیں کسی نے کھانے پر مدعو کیا اور ایک شخص کو بلانے کے لئے بھیجا' وہ بزرگ اس وقت گھر پر موجود نہیں تھے' جب واپس آئے تو معلوم ہوا کہ فلاں شخص کے یہاں دعوت ہے' اس کا قاصد بلانے کے لئے آیا تھا۔ اسی وقت پہنچے' معلوم ہوا کہ تمام مدعوئین رخصت ہو چکے ہیں' دستر خوان اٹھایا جاچکا ہے' آواز دی' صاحبِ خانہ باہر آئے اور عرض کیا کہ آپ تاخیر سے تشریف لائے' سب لوگ کھا کر چلے گئے ہیں۔ پوچھا کچھ بچا ہے؟ عرض کیا کچھ بھی نہیں بچا' فرمایا : کیا ایک ٹکڑا بھی نہیں بچا؟ اس نے جواب دیا : افسوس ایک ٹکڑا بھی نہیں بچا' کہا : ہانڈی لے آؤ' میں اسے ہی صاف کرلوں گا' صاحبِ خانہ نے عرض کیا : حضور وہ بھی دھودی گئی ہے' یہ سن کر انھوں نے خدا کا شکر ادا کیا اور خوشی خوشی گھر تشریف لے آئے' لوگوں نے عرض کیا اس خوشی کا کیا موقع ہے' اس نے آپ کو دعوت دی تھی' پھر بغیر کھلائے واپس کردیا' فرمایا : اس نے ہمیں اچھی نیت کے ساتھ بلایا تھا اور اچھی نیت کے ساتھ واپس کیا ہے۔ حقیقت میں تواضع اور حُسنِ اخلاق کے یہی معنیٰ ہیں۔ روایت ہے کہ استاذ ابو القاسم جنیدؒ کو ایک لڑکا چار مرتبہ یہ کہہ کرلے گیا کہ میرے ابا آپ کو کھانے کے لئے بلا رہے ہیں' جب آپ گھر پہنچے تو لڑکے کا باپ صاف کہہ دیتا کہ میں نے ہرگز نہیں بلایا۔ یہ وہ قدسی صفت نفوس تھے جنھوں نے اللہ کے لئے تواضع میں اپنے آپ کو فنا کردیا تھا۔ ان پر ذلت و رسوائی کا کوئی جذبہ اثر انداز نہیں ہوتا تھا' باری تعالیٰ کا ذکر ان کی متاعِ حیات تھی' چنانچہ ایک بزرگ کہا کرتے تھے کہ میں دعوت اس لئے منظور کرتا ہوں کہ مجھے جنت کا کھانا یاد آجاتا ہے' یعنی وہ بھی ایسا ہی کھانا ہوگا کہ نہ اس میں مشقت ہوگی' نہ اس کے حصول میں دشواری ہوگی اور نہ اس کا حساب و کتاب ہوگا۔

تیسرا ادب یہ ہے کہ صاحبِ خانہ کی اجازت لے کر رخصت ہو' جتنی دیر وہاں ٹھہرے اس کے حقوق کی رعایت کرے' تین دن سے زیادہ قیام نہ کرے' یہ ممکن ہے کہ میزبان اپنے مہمان کے طویل قیام سے اکتا جائے' اور مجبور ہو کر مزید قیام سے معذرت کردے' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں :-

الضیافة ثلاثة ایام فیما زاد فصدقة (بخاری و مسلم۔ ابو شریحؓ)

مہمان داری تین دن کی ہے' تین دن کے بعد صدقہ ہے۔

لیکن اگر صاحبِ خانہ خلوصِ دل کے ساتھ مزید قیام پر اصرار کرے تو تین دن سے زیادہ ٹھہرنا بھی جائز ہے۔ ہر گھر میں ایک بستر مہمانوں کے لئے بھی ہونا چاہیے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں :

فراش للرجل' وفراش للمرأة وفراش للضیف والرابع للشیطان (مسلم۔ جابرؓ)

ایک بستر مرد کے لئے ہے' ایک بستر عورت کے لئے ہے' ایک بستر مہمان کے لئے اور چوتھا بستر شیطان کے لئے ہے۔

کھانے کے طبعی اور شرعی آداب۔ اوامرونواہی

پہلا ادب (شرعی) ابراہیم نخعیؒ فرماتے ہیں کہ بازار میں کھانا کمینہ پن ہے۔ انہوں نے یہ قول سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کیا ہے۔ (۱) اس سے مختلف ایک روایت حضرت عبداللہ ابن عمرؓ سے منقول ہے' فرماتے ہیں کہ ہم لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں چلتے پھرتے کھاپی لیتے تھے (ترمذی' ابن ماجہ' ابن حبان) کچھ لوگوں نے ایک مشہور بزرگ کو بازار میں کھاتے ہوئے دیکھا تو اس سلسلے میں ان سے دریافت کیا' فرمایا : کیا خوب ! بھوک مجھے بازار میں لگ رہی ہے اور کھانا گھر جاکر کھاؤں۔ لوگوں نے کہا : اگر بھوک اتنی ہی سخت تھی تو مسجد میں لے جاتے' فرمایا : مجھے شرم آئی کہ کھانے کے لئے اللہ کے گھر میں جاؤں۔ ان مختلف روایات و واقعات میں مطابقت کی صورت یہ ہے کہ بعض لوگوں کے حق میں بازار میں کھانا تواضع اور بے تکلفی ہے' اس لئے اگر وہ بازار میں کھانے پینے کا شغل کریں تو کوئی حرج نہیں ہے اور بعض لوگوں کے حق میں بے غیرتی ہے' اس لئے ان کا کھانا مکروہ ہے۔ اگر کسی شخص کے تمام اعمال ایسے نہ ہوں گے تو بازار میں کھانا اس کے حق میں بے غیرتی اور حرص و ہوس کی زیادتی پر دلالت کرے گا۔ لیکن اگر کسی شخص کے تمام حالات تواضع اور بے تکلفی کا مظہر ہوں تو اس کا بازار میں کھانا بھی بے تکلفی اور تواضع شمار ہوگا۔

دوسرا ادب (طبی) حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ جو شخص نمک سے اپنے کھانے کی ابتدا کرے اللہ تعالیٰ اس کو ستر قسم کی بلاؤں سے حفاظت فرمائے گا۔ جو شخص روزانہ عجوہ کھجور کے سات دانے کھائے اس کے پیٹ کے تمام کیڑے ختم ہوجائیں گے' جو شخص ہر روز کشمش کے اکیس دانے کھائے اس کے بدن میں کوئی خرابی پیدا نہیں ہوگی۔ گوشت کھانے سے گوشت زیادہ ہوتا ہے' حلوے کھانے سے پیٹ پھول جاتا ہے' خصیتین لٹک جاتے ہیں' گائے کا گوشت مرض ہے' اس کا دودھ شفا ہے' اس کا گھی دوا ہے اور اس کی چربی اپنے برابر مرض دور کرتی ہے' نفاس والی عورتوں کی لئے تر کھجوروں سے بہتر کوئی دوا نہیں ہے' مچھلی سے جسم پگھل جاتا ہے' قرآن کریم کی تلاوت اور مسواک کرنے سے بلغم دور ہوتا ہے' جو شخص طویل زندگی کا خواہشمند ہو اسے چاہیے کہ صبح کا کھانا سویرے کھائے' شام کی غذا میں کمی کرے' جوتا پہنے' گھی کا استعمال بھی لوگوں کے حق میں بڑا مفید ہے' عورتوں کے پاس کم سے کم جائے اور اپنے ذمے کم سے کم قرض کرے۔

تیسرا ادب (طبی) حجاج نے کسی طبیب سے کہا کہ میرے لئے کوئی مناسب' مفید اور مستقل طور پر استعمال کیا جانے والا نسخہ تجویز کردو' طبیب نے یہ نسخہ لکھ دیا "صرف جوان عورتوں سے شادی کرنا' جوان جانوروں کا گوشت کھانا' پکنے والی چیز جب تک اچھی طرح نہ پک جائے استعمال مت کرنا' بیماری کے بغیر دوا نہ کھانا' کچے پھل اور میوے ہرگز مت کھانا' ہر چیز اچھی طرح چبا کر کھانا' وہ غذا استعمال کرنا جس کی خواہش ہو' کھانے کے بعد پانی مت پینا اور اگر پانی پی لو تو اس کے بعد کھانے سے اجتناب کرنا' پیشاب پاخانہ مت روکنا' رات کا کھانا کھانے کے بعد چہل قدمی کرنا اور دن کا کھانا کھانے کے بعد قیلولہ کرنا"۔ عربی کا ایک مشہور مقولہ ہے "تغد تمدد تعش تمش" دن کا کھانا کھاکر لیٹے ہوجاؤ یعنی آرام کرو اور رات کا کھانا کھاکر چلو پھرو۔ اطباء کہتے ہیں کہ جس طرح بہتی نہر کے پانی پر بند لگانے سے ارد گرد کی چیزیں خراب ہوجاتی ہیں اسی طرح پیشاب کو روکنے سے تمام جسم میں خرابیاں پیدا ہوجاتی ہیں۔

چوتھا ادب (طبی) رگوں کے تاننے سے مرض پیدا ہوتا ہے اور رات کو نہ کھانے سے بڑھاپا جلد آتا ہے' (۲) اہل عرب کہتے

---

(۱) طبرانی۔ ابوامامہؓ ابن عدی فی الکامل۔ ابوامامہؓ ابوہریرہؓ۔ (۲) حدیث کا پہلا جز ابن عدی نے عبداللہ ابن جراد سے اور دوسرا جز ترمذی نے حضرت انسؓ سے روایت کیا ہے' دونوں روایتیں ضعیف ہیں۔ دوسرا جز ابن ماجہ نے بھی حضرت جابرؓ سے نقل کیا ہے۔

ہیں کہ صبح کا کھانا چھوڑ دینے سے کولہوں کی چربی پگھل جاتی ہے۔ ایک حکیم نے اپنے لڑکے سے کہا کہ جب تک اپنی عقل ساتھ نہ لے لو گھر سے باہر مت نکلنا' مطلب یہ ہے کہ کچھ کھائے پئے بغیر گھر سے باہر مت جاؤ' کھانے کو عقل اس لیے کہا کہ اس سے غصہ دور ہوتا ہے' حلم باقی رہتا ہے' بازار کی چیزوں کو دیکھ کر منہ میں پانی نہیں آتا۔ کسی شخص نے ایک موٹے شخص کو دیکھ کر کہا کہ میں تمہارے جسم پر تمہارے دانتوں کا بنا ہوا لباس دیکھ رہا ہوں' آخر یہ کیسے ہوا' موٹے نے جواب دیا کہ گیہوں کا چھنا ہوا آٹا اور چھوٹے دنبوں کا گوشت کھاتا ہوں' بنفشہ کا تیل جسم پر ملتا ہوں اور سوتی کپڑا پہنتا ہوں۔

پانچواں ادب (طبی) تندرست کے لئے پرہیز کرنا اتنا ہی مضر ہے جتنا بیمار کے لئے پرہیز نہ کرنا۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ جو شخص پرہیز کرتا ہے گویا اسے بیماری کا یقین ہے' اور صحت میں شک ہے صحت کے سلسلے میں اس طرح کی احتیاط بہتر ہے۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے صہیب رومیؓ کو دیکھا کہ کھجوریں کھا رہے ہیں' اور ان کی آنکھ دکھ رہی ہے آپ نے فرمایا : صہیب تمہاری ایک آنکھ دکھ رہی ہے اور تم کھجوریں کھا رہے ہو' عرض کیا : یا رسول اللہ میں اپنی تندرست آنکھ کی طرف سے کھا رہا ہوں' یہ سن کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مسکرا دیئے (ابن ماجہ۔ صہیبؓ)

چھٹا ادب (شرعی) جس گھر میں میت ہو جائے اس کے مکینوں کے لئے کھانا بھیجنا مستحب ہے۔ حضرت جعفر ابن ابی طالبؓ کی وفات ہوئی تو آپ نے فرمایا کہ جعفر کے گھر والے میت کی تجہیز و تکفین کی مصروفیت اور غم واندوہ کی وجہ سے کھانا تیار نہیں کر سکیں گے اس لئے ان کے کھانے کے لئے کچھ لے جاؤ۔ اس سے معلوم ہوا کہ میت کے گھر والوں کے لئے کھانے کا نظم کرنا مسنون ہے' اگر اس طرح کا کھانا مجمع میں آئے تو حاضرین اسے کھا سکتے ہیں' ان کے لئے حرام نہیں ہے' لیکن اگر کسی نے نوحہ کرنے والی عورتوں کے لئے بھیجا ہو تو یہ کھانا نہ کھائے۔

ساتواں ادب (شرعی) ظالم کا کھانا نہ کھائے لیکن اگر وہ مجبور کرے اور انکار میں نقصان پہنچنے کا خوف ہو تو تھوڑا سا کھا لے' اگر دستر خوان پر عمدہ کھانا بھی موجود ہو تو اسے ہاتھ نہ لگائے' ایک مزکّی نے اس شخص کی شہادت قبول نہیں کی تھی جس نے ظالم بادشاہ کا کھانا کھایا تھا' اس شخص نے یہ عذر پیش کیا کہ مجھے کھانے کے لئے مجبور کیا گیا تھا' مزکّی نے یہ عذر بھی قبول نہیں کیا اور اسے بتلایا کہ تم اچھے اچھے کھانے کھا رہے تھے اور بڑے بڑے لقمے اٹھا رہے تھے دستر خوان پر بیٹھنے کے بعد تو کوئی جبر نہیں تھا۔ کہتے ہیں کہ اس ظالم بادشاہ نے مزکّی کو بھی دعوت میں شرکت کے لئے مجبور کیا تھا' لیکن اس نے یہ کہہ کر معذرت کر دی کہ اگر میں بادشاہ کا کھانا کھاؤں گا تو لوگوں کا تزکیہ نہ کر سکوں گا۔ کیونکہ تزکیہ ضروری عمل تھا اور اس ذمہ داری کے لئے مذکورہ مزکّی سے بہتر کوئی شخص نہیں تھا تو بادشاہ نے مجبوراً" یہ معذرت قبول کی اور دعوت میں اس کی عدم شرکت پر راضی ہوا۔ ذوالنون مصریؒ کا واقعہ بیان کیا جاتا ہے کہ جب انھیں قید کی سزا ملی تو کئی روز تک کھانا نہیں کھایا۔ ان کی ایک دینی بہن تھیں جب انھیں یہ معلوم ہوا کہ ذوالنون مصری جیل کا کھانا نہیں کھا رہے ہیں تو انھوں نے الگ سے کھانا پکا کر داروغہ زندان کے ذریعہ اندر بھیجوایا' انھوں نے یہ کھانا بھی نہیں لیا' بہن کو پتہ چلا تو بہت ناراض ہوئیں' ذوالنون نے کہا کہ میں تمہارا بھیجا ہوا کھانا ضرور کھا لیتا مگر یہ ظالم داروغہ زندان کے ذریعہ مجھے ملا تھا یہ ورع و تقویٰ کا انتہائی درجہ ہے۔

آٹھواں ادب فتح موصلیؒ کے متعلق بیان کیا جاتا ہے کہ وہ بشر حافی کی خدمت میں بغرضِ ملاقات حاضر ہوئے بشر نے اپنے خادم احمد جلاء کو کچھ درہم دیئے اور کہا کہ بازار سے بہترین قسم کی روٹی اور سالن خرید لاؤ' احمد کہتے ہیں کہ میں نے صاف ستھری روٹی خریدی' اور یہ خیال کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف دودھ کے متعلق یہ کلمات ارشاد فرمائے ہیں۔

اَللّٰھُمَّ بَارِکْ لَنَا فِیْہِ وَزِدْنَا مِنْہُ

اے اللہ اس میں ہمیں برکت دے اور زیادہ عطا کر۔

چنانچہ میں نے دودھ اور کچھ عمدہ کھجوریں خریدیں اور فتح موصلی کے سامنے لاکر رکھ دیں' انھوں نے کھانا کھایا اور باقی اپنے ساتھ لے گئے' بشر حافی نے مجھ سے کہا : کیا تم جانتے ہو کہ میں نے اچھا کھانا لانے کے لئے کیوں کہا تھا' ہم نے عرض کیا : نہیں ! فرمایا : اچھا کھانا کھا کر آدمی خلوصِ دل کے ساتھ شکریہ ادا کرتا ہے' کیا تمہیں معلوم ہے کہ فتح موصلی نے مجھ سے کھانا کھانے کے لئے کیوں نہیں کہا؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ مہمان کے لئے ضروری نہیں ہے کہ وہ میزبان کو کھانے کے لئے کہے اور کیا تم جانتے ہو کہ فتح موصلیؒ بچا ہوا کھانا اپنے ساتھ کیوں لے گئے' اس کی وجہ یہ ہے کہ جب آدمی کا توکل صحیح ہوتا ہے تو اپنے ساتھ زادِ راہ رکھنا اس کے لئے مضر نہیں ہوتا۔ ابو علیؒ روذباری کے بارے میں مشہور ہے کہ انھوں نے کچھ لوگوں کی ضیافت کی' اور اس قدر اہتمام کیا کہ جس جگہ کھانا کھلانا تھا وہاں ایک ہزار چراغ روشن کئے ایک شخص نے یہ شان و شوکت دیکھ کر اعتراض کیا اور صاحبِ خانہ سے کہا کہ تم بیجا اسراف کر رہے ہو' میزبان نے کہا کہ ان ایک ہزار چراغوں میں ایک چراغ بھی ایسا ہو جو میں نے اللہ تعالیٰ کے لئے روشن نہ کیا ہو تو اندر جا کر اسے بجھا دو' معترض اندر گیا' چراغ بجھانے کی کوشش کی' لیکن ناکام واپس نکلا۔ ابو علی روذباری نے شکر کے کئی بورے خریدے اور حلوائیوں سے کہا کہ وہ شکر کی دیوار کھڑی کریں دیوار میں محرابیں بھی ہوں کنگورے اور منقش مینارے بھی بنائے جائیں' جب دیوار مکمل ہو گئی تو صوفیائے کرام کو دعوت دی' لوگ آئے اور دیوار گرا کر کھا گئے۔

نواں ادب (طبی) امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ کھانے کے چار طریقے ہیں' ایک انگلی سے کھانا' یہ طریقہ باری تعالیٰ کی خفگی کا باعث ہے۔ دو انگلیوں سے کھانا' یہ تکبر کی علامت ہے۔ تین انگلیوں سے کھانا' یہ طریقہ مسنون ہے۔ (۱) چار انگلیوں سے کھانا' یہ طریقہ شدتِ حرص پر دلالت کرتا ہے۔ چار چیزیں بدن کو طاقتور بناتی ہیں' گوشت کھانا' خوشبو سونگھنا' بغیر جماع کے نہانا' سوتی کپڑا پہننا۔ چار چیزیں جسم کو کمزور کر دیتی ہیں' زیادہ صحبت کرنا' زیادہ غمگین رہنا' نہار منہ زیادہ پانی پینا' کھٹائی زیادہ کھانا۔ چار چیزوں سے بینائی بڑھتی ہے قبلہ کی طرف رُخ کر کے بیٹھنا' سوتے وقت سُرمہ لگانا' سبزہ کی طرف دیکھنا' صاف ستھرے کپڑے پہننا۔ چار چیزوں سے نگاہ کمزور ہوتی ہے۔ نجاست دیکھنا' سُولی دیئے ہوئے شخص کو دیکھنا' عورت کی شرمگاہ کو دیکھنا' قبلہ کی طرف پشت کر کے بیٹھنا۔ چار چیزیں قوتِ جماع میں اضافہ کرتی ہیں' چڑیوں کا گوشت کھانا' اطریفل اکبر استعمال کرنا' پستہ کھانا' جرجیر (پانی میں پیدا ہونے والی ایک ترکاری) کھانا۔ سونے کے چار طریقے ہیں۔ چت لیٹ کر سونا انبیاء کرام کا طریقہ ہے' کیونکہ یہ لوگ زمین و آسمان کی تخلیق میں غور و فکر کرتے ہیں' دائیں کروٹ سے سونا علماء اور عابدین کا طریقہ ہے' بائیں کروٹ سے سونا بادشاہوں کا طریقہ ہے تاکہ کھانا ہضم ہو جائے' پیٹ کے بل سونا شیاطین کا طریقہ ہے' چار چیزوں سے عقل بڑھتی ہے' لایعنی گفتگو ترک کرنا' مسواک کرنا' علماء اور صلحاء کی مجلسوں میں بیٹھنا' چار چیزیں عبادت میں شمار ہوتی ہیں' وضو کر کے چلنا' بکثرت سجدے کرنا' مسجد میں بیٹھنا' قرآن مجید کی تلاوت کرنا۔ امام شافعی فرماتے ہیں کہ مجھے اس شخص پر حیرت ہے جو حمام میں نہائے اور نکلنے کے بعد تاخیر سے کھانا کھائے کہ وہ زندہ کس طرح ہے' مجھے اس شخص پر بھی تعجب ہوتا ہے جو پچھنے لگوائے اور اسی وقت کھانا کھالے' آخر وہ مرتا کیوں نہیں ہے' یہ بھی فرمایا کہ وبائی امراض میں مفید ترین چیز بنفشہ کا تیل ہے' اسے پینا بھی چاہیے اور جسم پر ملنا بھی چاہیے۔

کتاب آداب النکاح ..... نکاح کے آداب کا بیان

نکاح سے دین پر مدد ملتی ہے' شیطان ذلیل و رسوا ہوتا ہے اللہ کے دشمنوں کے مکر و فریب سے بچنے کیلئے یہ ایک مضبوط حصار ہے

---

(۱) مسلم شریف میں کعب ابن مالک کی روایت ہے "نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تین انگلیوں سے کھانا تناول فرمایا کرتے تھے" ابن الجوزی نے کتاب العلل میں ابن عباسؓ کی موقوف روایت نقل کی ہے کہ "تین انگلیوں سے کھانا سنت ہے۔"

نکاح کے ذریعہ امت کے افراد میں اضافہ ہوتا ہے سرورِ کونین سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم قیامت کے روز اپنی امت کی کثرت پر فخر کریں گے اس لحاظ سے نکاح کے آداب کا علم بہت زیادہ ضروری ہے' ذیل کے تین ابواب میں نکاح کے مقاصد' اقسام اور احکام بیان کئے جارہے ہیں۔

نکاح کی ترغیب اور اس سے اعراض پر وعید

پہلا باب

نکاح کی فضیلت کے سلسلے میں علماء کے مختلف خیالات ہیں۔ بعض لوگوں نے اس حد تک مبالغہ کیا ہے کہ نکاح کو عبادتِ الٰہی کے لئے تنہائی اختیار کرنے سے بہتر قرار دے دیا' بعض لوگ نکاح کی فضیلت کا اعتراف کرتے ہیں' لیکن اسے عبادت کے لئے عزلت نشینی کے عمل پر ترجیح نہیں دیتے' بشرطیکہ نفس میں خواہشات کا اس قدر ہیجان نہ ہو کہ طبیعت پریشان ہو اور دل میں زنا کی رغبت ہو بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ اس زمانے میں ترکِ نکاح افضل ہے۔ نکاح کی فضیلت ماضی میں تھی' اس وقت آمدنی اور کمائی کے ذرائع حرام نہ تھے' اور عورتوں کی عادتیں بھی خراب نہیں تھیں' آج جب کہ صورتِ حال برعکس ہے نکاح نہ کرنا بہتر ہے۔ یہ علماء کے اقوال ہیں' ان میں صحیح اور حق بات کیا ہے؟ یہ جاننے کے لئے ہم پہلے نکاح کی ترغیب' اور نکاح سے اعراض پر توبیب و وعید کے سلسلے میں آیات' احادیث اور آثار پیش کرتے ہیں' اس کے بعد نکاح کے فوائد اور نقصانات کی تفصیل عرض کریں گے۔

آیات: اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں :-

وَاَنْكِحُوا الْاَيَامٰى مِنْكُمْ (پ ۱۸' ر ۱۰' آیت ۳۲)

اور تم میں جو بے نکاح ہوں ان کا نکاح کر دیا کرو۔

اس آیت میں امر کا صیغہ لایا گیا ہے جو وجوب پر دلالت کرتا ہے۔

فَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ اَنْ يَّنْكِحْنَ اَزْوَاجَهُنَّ (پ ۲ ر ۱۴ آیت ۲۳۲)

اس امر سے مت روکو کہ وہ اپنے شوہروں سے نکاح کرلیں۔

اس میں عورتوں کو نکاح کرنے سے منع کرنے اور روکنے کی ممانعت ہے۔ انبیاء کرام کی مدح کے ضمن میں ارشاد فرمایا :

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ قَبْلِكَ وَجَعَلْنَا لَهُمْ اَزْوَاجًا وَّذُرِّيَّةً (پ ۱۳ ر ۱۲ آیت ۳۸)

اور ہم نے یقیناً آپ سے پہلے بہت سے رسول بھیجے اور ہم نے ان کو بیویاں اور بچے بھی دیئے۔

اولیاء اللہ اور نیک بندوں کی یہ تعریف کی گئی ہے کہ وہ ہم سے اولاد کی درخواست کرتے ہیں :-

وَالَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَذُرِّيّٰتِنَا قُرَّةَ اَعْيُنٍ وَّاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا (پ ۱۹ ر ۴ آیت ۷۴)

اور وہ ایسے ہیں کہ دعا کرتے رہتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار ہم کو ہماری بیویوں اور ہماری اولاد کی طرف سے آنکھوں کی ٹھنڈک (یعنی راحت) عطا فرما' اور ہم کو متقیوں کا امام بنادے۔

کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں حضرت یحییٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام کے علاوہ صرف ان انبیاء کرام کا تذکرہ فرمایا ہے جو شادی شدہ تھے' جہاں تک حضرت یحییٰ علیہ السلام کا تعلق ہے انہوں نے نکاح کی فضیلت حاصل کرنے کے لئے' یا نگاہ نیچی رکھنے کے لئے شادی کی تھی' لیکن مجامعت کا اتفاق نہیں ہوا' حضرت عیسیٰ علیہ السلام جب دوبارہ زمین پر تشریف لائیں گے' اس وقت نکاح کریں گے'

اور ان کے یہاں اولاد بھی ہوگی۔

احادیث : سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں :

اَلنِّکَاحُ سُنَّتِیْ فَمَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِیْ فَقَدْ رَغِبَ عَنِّیْ (ابو یعلی۔ ابن عباسؓ)

نکاح میری سنت ہے' جس نے میری سنت سے اعراض کیا اس نے مجھ سے اعراض کیا۔

النکاح سنتی فمن احب فطرتی فلیستن بسنتی (ابو یعلی' ابن عباسؓ۔ باختلاف یسیر)

نکاح میری سنت ہے' جو شخص میرے دین سے محبت رکھے اسے چاہیے کہ وہ میرے طریقے پر چلے۔

تناکحوا تکثروا فانی اباھی بکم الامم یوم القیامة حتی بالقسط (بیہقی فی المعرفة عن الشافعی' ابن مردویہ۔ ابن عمرؓ)

نکاح کرو اور بہت ہو جاؤ میں قیامت کے روز تمہاری کثرت پر فخر کروں گا' یہاں تک کہ ضائع ہو جانے والے ناقص بچے پر بھی۔

من رغب عن سنتی فلیس منی وان من سنتی النکاح فمن احبنی فلیستن بسنتی (۱)

جو شخص میری سنت سے اعراض کرے وہ مجھ سے نہیں ہے' میری سنت میں سے نکاح کرنا بھی ہے' جو شخص مجھ سے محبت رکھے اسے چاہیے کہ وہ میری سنت کی پیروی کرے۔

من ترک التزویج مخافة العیلة فلیس منا (ابو منصور دیلمی۔ ابو سعیدؓ)

جو شخص مفلسی کے خوف سے نکاح نہ کرے وہ ہم میں سے نہیں ہے۔

اس حدیث میں اصل نکاح کے ترک کی بُرائی نہیں ہے' بلکہ نکاح نہ کرنے کے سبب کی مذمت کی گئی ہے۔

من کان ذا طول فلیتزوج (ابن ماجہ۔ عائشہؓ)

جو شخص قدرت رکھتا ہو اسے نکاح کرنا چاہیے۔

من استطاع منکم الباءة فلیتزوج فانه اغض لبصر واحصن للفرج ومن لا فلیصم فان الصوم لہ وجاء (بخاری و مسلم۔ عبداللہ ابن مسعودؓ)

تم میں سے جو شخص گھرستی کا بوجھ اٹھانے کی ہمت رکھتا ہو اسے نکاح کر لینا چاہیے کیونکہ وہ نگاہ نیچی کرنے والا ہے اور شرمگاہ کو بچانے والا ہے اور جو شخص طاقت نہ رکھتا ہے اسے روزہ رکھنا چاہیے کیونکہ روزہ اس کے حق میں خصی ہونا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ نکاح کی ترغیب کا اصل سبب یہ ہے کہ نگاہ اور شرمگاہ فساد میں مبتلا نہ ہوں۔ وجاء کے معنیٰ لغت میں نر کے خصیتین ملنے کے ہیں تاکہ اس کے نر ہونے کی صفت باقی نہ رہے۔ حدیث میں معنیٰ یہ ہیں کہ روزہ رکھنے کی وجہ سے جماع کی خواہش اور قوت کم ہو جائے۔

اذا جاء کم من ترضون دینه وامانته فزوجوه الا تفعلوا تکن فتنة فی الارض وفساد کبیر (ترمذی۔ ابو ہریرہؓ)

---

(۱) فلیس منی تک عبارت بخاری و مسلم میں حضرت انسؓ سے مروی ہے' باقی الفاظ ابو یعلی کے حوالے سے ابھی نقل کئے گئے ہیں۔

اگر تمہارے پاس کوئی ایسا شخص آئے جس کی دیانت اور امانت تمہیں پسند ہو تو اس کی شادی کردو' اگر ایسا نہ کرو گے تو یہ زمین میں بڑے فتنے' اور عظیم فساد کا باعث ہوگا۔

اس حدیث میں بھی ترغیب کی علت فساد کا خوف اور فتنے کا اندیشہ ہے۔

من اعطی للّٰہ واحب للّٰہ' وابغض للّٰہ' وانکح للّٰہ فقد استکمل ایمانہ (احمد۔ معاذ بن انس)

جس شخص نے اللہ کے لئے دیا' اللہ کے لئے محبت کی' اور اللہ کے لئے نکاح کیا گویا اس نے اپنا ایمان مکمل کرلیا۔

من تزوج فقد احرز شطر دینہ فلیتق اللّٰہ فی الشطر الآخر (۱)

جس شخص نے نکاح کیا اس نے اپنا آدھا دین لے لیا اب وہ دوسرے آدھے میں اللہ سے ڈرے۔

مذکورہ حدیث میں بھی اس حقیقت کی طرف اشارہ ہے کہ نکاح کی فضیلت کا سبب یہ ہے کہ اس سے آدمی احکام الٰہی کی مخالفت اور فساد سے محفوظ رہتا ہے' آدمی کے دین کو فاسد کرنے والی دو ہی چیزیں ہیں' شرمگاہ اور پیٹ۔ شادی کرنے کے بعد شرمگاہ کی آفت سے حفاظت ہوجاتی ہے' اب پیٹ کا مسئلہ باقی رہ گیا' اس میں بھی باری تعالیٰ سے ڈرتا رہے اور کوئی کام خلاف شرع نہ کرے۔

کل عمل ابن آدم ینقطع إلا ثلاثۃ (فذکر فیہ) ولد صالح یدعو لہ الخ (مسلم۔ ابو ہریرہؓ)

مرنے کے بعد ابن آدم کے تمام اعمال کا سلسلہ منقطع ہوجاتا ہے صرف تین عمل باقی رہتے ہیں (ان میں سے ایک یہ ہے کہ) نیک اولاد جو اس کے لئے دعائے خیر کرے (آخر تک)۔

ظاہر ہے کہ نیک اور صالح اولاد کی پیدائش نکاح پر موقوف ہے' اس سے بھی نکاح کی اہمیت اور ضرورت پر روشنی پڑتی ہے۔

آثار : حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ آدمی محض دو وجہوں سے نکاح نہیں کرپاتا یا تو اپنی نامردی کے باعث' یا بدکاری کے باعث۔ مطلب یہ ہے کہ دینداری نکاح کے لئے رکاوٹ نہیں ہے بلکہ صرف یہ دو مذموم اور ناپسندیدہ امور نکاح کے لئے مانع بنتے ہیں۔ حضرت عبداللہ ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ عابد کی عبادت نکاح کے بغیر مکمل نہیں ہوتی' اس کا ایک مطلب یہ ہے کہ نکاح عبادت کا تتمہ ہے' اور دوسرا مطلب یہ ہے کہ آدمی پر شہوت غالب رہتی ہے' اس صورت میں دل کی سلامتی نکاح کے بغیر ممکن نہیں ہے' اور عبادت اس وقت تک مکمل نہیں قرار دی جاسکتی جب تک دل اس کے لئے پوری طرح فارغ نہ ہو یہی وجہ ہے کہ جب آپ کے غلام عکرمہ اور کریب وغیرہ بالغ ہوئے تو ابن عباسؓ نے انہیں بلا کر کہا کہ اگر تم چاہو تو میں تمہاری شادی کردوں' اس لئے کہ بندہ جب زنا کرتا ہے تو اس کے دل سے ایمان نکل جاتا ہے۔ حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ فرماتے تھے کہ اگر میری زندگی کے صرف دس روز باقی رہ جائیں تو میں نکاح کرنا بہتر سمجھوں تاکہ خدا تعالیٰ کے سامنے مجرد نہ جاؤں' حضرت معاذ ابن جبلؓ کی دو بیویاں تھیں' طاعون کی وبا میں دونوں کا انتقال ہوگیا' خود بھی اسی وبائی مرض میں مبتلا تھے مگر اپنے عزیزوں سے فرمایا کہ میرا نکاح کردو' مجھے یہ اچھا نہیں معلوم ہوتا کہ خدا تعالیٰ کے سامنے مجرد کی حالت میں میری پیشی ہو۔ یہ دونوں اثر نفس نکاح کی فضیلت پر دلالت کرتے ہیں' نکاح محض شہوت کی گرفت سے آزاد ہونے ہی کے لئے افضل نہیں ہے بلکہ نفس نکاح بھی فضیلت سے خالی نہیں ہے' حضرت عمر فاروقؓ بکثرت نکاح کرتے تھے' اور فرمایا کرتے تھے کہ میں صرف اولاد کے لئے نکاح کرتا ہوں۔ ایک صحابی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کیا کرتے تھے رات کو بھی سرکار دو عالم کے مکان پر رہتے تاکہ اگر کوئی ضرورت پیش آئے تو فوری طور پر انجام دے سکیں' ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا : تم شادی کیوں

---

(۱) ابن الجوزی نے کتاب العلل میں انسؓ سے یہ الفاظ نقل کیے ہیں' طبرانی اوسط کے الفاظ یہ ہیں "فقد استکمل نصف الایمان" مستدرک حاکم کی روایت یہ ہے "من رزقہ اللّٰہ امراۃ صالحۃ فقد اعانہ علی شطر دینہ"

نہیں کرلیتے؟ انھوں نے عرض کیا : یا رسول اللہ ! میں ایک مفلس اور قلاش آدمی ہوں دوسری بات یہ ہے کہ شادی کرکے میں آپ کی خدمت سے علیحدہ ہوجاؤں گا۔ آپ خاموش ہوگئے' اس کے بعد دوبارہ یہی فرمایا' انھوں نے وہی عذر پیش کئے۔ صحابی کہتے ہیں کہ دوسری مرتبہ کی گفتگو کے بعد میں نے دل میں سوچا کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم اچھی طرح واقف ہیں کہ میرے حق میں کیا چیز بہتر ہے اور یہ کہ کون سا عمل مجھے خدا تعالیٰ سے قریب کرے گا' اگر تیسری مرتبہ آپ نے مجھ سے شادی کے لئے کہا تو میں رضامندی ظاہر کروں گا۔ چنانچہ تیسری مرتبہ آپ نے ان کو بلایا اور شادی کرنے کے لئے کہا' صحابی نے عرض کیا : یا رسول اللہ! آپ میری شادی کرادیجئے۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ فلاں قبیلہ میں جاکر کہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اپنی لڑکی سے میرا نکاح کردو' انھوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! میرے پاس کچھ نہیں ہے؟ آپ نے صحابہ کرام سے فرمایا کہ اپنے بھائی کے لئے گٹھلی کے برابر سونا جمع کردو' حکم کی تعمیل کی گئی اور ان صحابی کو شادی کے لئے قبیلہ میں لے جایا گیا' شادی کے بعد آپ نے فرمایا : ولیمہ بھی کرو' صحابی نے عرض کیا : یا رسول اللہ! ولیمہ کرنے کے لئے میرے پاس کچھ بھی نہیں ہے' آپ کے حکم پر ایک بکری لائی گئی اور ولیمہ کیا گیا۔ نکاح کے لئے یہ اصرار نفس نکاح کی فضیلت پر دلالت کرتا ہے۔ (۱) پچھلی امتوں میں سے کسی امت کے ایک عبادت گذار شخص کا قصہ ہے کہ وہ عبادت کے سلسلے میں اپنے ہم عصروں پر فائق تھا اس کی کثرتِ عبادت کا ذکر اس وقت کے پیغمبر کے سامنے کیا گیا' انھوں نے فرمایا کہ وہ اچھا شخص تھا بشرطیکہ ایک سنت ترک نہ کرتا' عابد کو جب یہ معلوم ہوا تو وہ پیغمبر کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ مجھے بتلایئے میں نے کون سی سنت ترک کی ہے' پیغمبر نے فرمایا : تم نے نکاح نہیں کیا' عابد نے عرض کیا : میں نکاح ضرور کرتا لیکن میری مفلسی اور تنگ دستی کی وجہ سے کوئی شخص اپنی لڑکی دینا پسند نہیں کرتا۔ پیغمبر نے کہا کہ اگر یہ بات ہے تو میں تیرا نکاح اپنی لڑکی سے کرتا ہوں۔ بشر ابن حارث کہتے ہیں کہ احمد ابن حنبل تین باتوں میں مجھ سے افضل ہیں' ایک یہ کہ وہ رزق حلال اپنے لئے اور اپنے غیر (اہل وعیال) کے لئے تلاش کرتے ہیں اور میں صرف اپنے لئے' دوسری بات یہ ہے کہ ان کے لئے نکاح کی گنجائش ہے' مجھ میں اس کی وسعت نہیں ہے' تیسری بات یہ ہے کہ وہ اہلِ دنیا کے امام ہیں۔ کہتے ہیں کہ امام احمد ابن حنبل نے اپنی اہلیہ کی وفات کے دوسرے روز نکاح کرلیا' اور فرمایا مجھے یہ بات اچھی نہیں لگتی کہ رات تجرّد کی حالت میں گذاروں۔ بشر ابن حارثؒ سے کسی نے کہا کہ آپ شادی کیوں نہیں کرلیتے' لوگ طرح طرح کی باتیں کرتے ہیں اور آپ کو تارکِ سنت سمجھتے ہیں' فرمایا ان سے کہہ دو کہ میں فرض کی مشغولیت کی وجہ سے سنت کا تارک ہوں' ترکِ نکاح کے سلسلے میں جب آپ پر زیادہ اعتراضات کئے جانے لگے تو فرمایا میرے لئے یہ آیت نکاح سے مانع ہے :

وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِي عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ (پ ۲ ر ۱۲ آیت ۲۲۸)

اور عورتوں کے بھی حقوق ہیں جو کہ مثل ان ہی کے حقوق کے ہیں جو ان عورتوں پر ہیں قاعدہ (شرعی) کے مطابق۔

ان کا یہ جواب امام احمد کے سامنے نقل کیا گیا فرمایا : بشر سے کیا مقابلہ؟ وہ تو تلوار کی نوک پر بیٹھے ہوئے ہیں۔ روایت ہے کہ جب بشر ابن حارث کا انتقال ہوا تو کسی نے خواب میں ان کی زیارت کی اور دریافت کیا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے ساتھ کیا سلوک کیا ہے؟ فرمایا : جنت میں میرے درجے بلند کردیئے گئے ہیں' انبیاء کے مقامات تک مجھے دکھلادیئے گئے ہیں مگر شادی شدہ لوگوں کے درجات تک پہنچنا نصیب نہیں ہوا۔ ایک روایت کے مطابق بشر نے جواب دیا کہ باری تعالیٰ نے مجھ سے فرمایا : ہمیں تیرا مجرّد آنا پسند نہیں تھا۔ راوی کہتے ہیں کہ میں نے ابو نصر تمّار کے متعلق دریافت کیا تو انھوں نے بتلایا کہ وہ مجھ سے ستّر درجے زیادہ ہیں میں نے عرض کیا : اس کی کیا وجہ ہے دنیا میں تو آپ ان سے زیادہ تھے بشر نے جواب دیا : اس کی وجہ یہ ہوئی کہ وہ اپنے اہل وعیال کی کثرت پر صابر وشاکر تھے سفیان ابن عیینہ کہتے ہیں کہ بیویوں کی کثرت دنیاوی عمل نہیں ہے' حضرت علیؓ سے زیادہ عبادت گذار کون ہوسکتا تھا' آپ کی چار بیویاں اور

---

(۱) یہ روایت مسند احمد میں ربیعۃ الاسلمیؓ سے منقول ہے' راوی صاحب قصہ بھی ہیں۔

نو حرم تھیں' ابراہیم ابن ادہمؒ سے ایک شخص نے کہا : واقعی آپ خوش نصیب انسان ہیں' اپنے تجرد کے باعث آپ عبادت کے لئے اچھی طرح فارغ ہیں۔ فرمایا : تم اپنے اہل و عیال کی بناء پر مجھ سے افضل ہو' اس شخص نے عرض کیا : پھر آپ نکاح کیوں نہیں کرلیتے؟ فرمایا کہ مجھے عورت کی ضرورت نہیں ہے اور نہ مجھے یہ منظور ہے کہ میری طرف کسی عورت کی نسبت کی جائے۔ کہتے ہیں کہ شادی شدہ آدمی کو مجرد شخص پر اتنی فضیلت ہے جتنی فضیلت جہاد کے لئے جانے والے کو اس شخص پر ہے جو جہاد میں شریک نہ ہو۔ بیوی والے کی ایک رکعت مجرد کی ستر رکعتوں سے بہتر ہے۔

نکاح سے اعراض کرنا سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں :

خیر الناس بعد المائتین خفیف الحاذ الذی لا اھل لہ ولا ولد (ابو یعلی۔ حذیفہؓ)

دو سو سال کے بعد لوگوں میں سب سے بہتر وہ ہوگا جو کم مایہ ہو اور اہل و عیال نہ رکھتا ہو۔

ایک مرتبہ ارشاد فرمایا کہ لوگوں پر ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ آدمی کی تباہی اس کی بیوی' والدین اور بچوں کے ہاتھوں ہوگی' وہ اسے مفلسی اور غربت کا طعنہ دیں گے اور اسے ایسی بات کی تکلیف دیں گے جو اس کی طاقت سے باہر ہو' چنانچہ وہ ایسی راہوں پر چلے گا جو اسے اس کے دین سے بیگانہ کردیں گی' اس لئے وہ تباہ و برباد ہوگا (خطابی فی العزلۃ ابن مسعودؓ' بیہقی نحوہ۔ ابو ہریرہؓ) حدیث میں ہے :

قلۃ العیال احد الیسارین و کثرتھا احد الفقرین۔

(مسند الشہاب۔ علیؓ۔ ابو منصور دیلمی۔ عبد اللہ ابن عمرؓ)

عیال کا کم ہونا دو مالداریوں میں سے ایک ہے اور عیال کا زیادہ ہونا دو مفلسیوں میں سے ایک ہے۔

ابو سلیمان دارانیؒ سے نکاح کے متعلق پوچھا گیا' فرمایا : عورتوں کے نہ ہونے پر صبر کرنا ان کی حرکات پر صبر کرنے سے بہتر ہے اور ان کی حرکتوں پر صبر کرنا آگ پر صبر کرنے سے بہتر ہے۔ یہ بھی فرمایا کہ تنہا شخص کو عمل کی لذت اور طبیعت کا سکون بیوی بچوں والے شخص سے زیادہ ملتا ہے۔ ایک مرتبہ فرمایا کہ ہم نے اپنے بہت سے دوست دیکھے' شادی سے پہلے وہ جس مرتبہ پر تھے شادی کے بعد اس مرتبہ پر نہیں رہے۔ یہ بھی ابو سلیمان دارانیؒ کا قول ہے کہ تین باتیں ایسی ہیں جو شخص ان میں مشغول ہوا اس نے دنیاداری کی ابتداء کی' اول یہ کہ تلاش معاش کے لئے نکلے' دوم یہ کہ نکاح کرے' سوم یہ کہ حدیث لکھے۔ حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ اپنے کسی بندے کو خیر سے وابستہ دیکھنا چاہتے ہیں تو اسے بیوی بچوں کے چکر میں نہیں پھنساتے۔ ابن ابی الحواری فرماتے ہیں کہ نکاح کرنے نہ کرنے کے سلسلے میں کچھ لوگوں کے درمیان مناظرہ ہوا۔ آخر میں یہ طے پایا کہ اس کے معنی یہ نہیں کہ آدمی کے اہل و عیال نہ ہوں' بلکہ ہوں' مگر ایسے نہ ہوں کہ اسے دین سے روک دیں۔ ابو سلیمان دارانیؒ کے اس قول کا مطلب بھی یہی ہے کہ اگر ماں' بیوی اور بچے تجھے اللہ سے روک دیں تو یہ سب چیزیں تیرے لئے نحوست کا باعث ہیں۔ حاصل یہ ہے کہ اکابرین سلف نے نکاح سے مطلقاً منع نہیں کیا بلکہ ایک شرط کے ساتھ منع کیا ہے' نکاح کی ترغیب مطلق بھی مذکور ہے' اور شرط کے ساتھ بھی مذکور ہے۔ ذیل میں ہم نکاح کے فوائد اور نقصانات پر گفتگو کریں گے۔

نکاح کے فوائد نکاح کے پانچ فائدے ہیں' اولاد' شہوت کا خاتمہ' گھر کے نظم کا قیام' افرادِ خاندان کی کثرت۔ عورتوں کے ساتھ رہنے میں نفس پر مجاہدہ کرنا۔ ذیل میں ہم ان پانچوں فوائد کی تفصیل الگ الگ کرتے ہیں۔

پہلا فائدہ : اولاد ہونا۔ یہی فائدہ اصل ہے۔ نکاح بھی اسی لئے وضع ہوا ہے۔ کیونکہ نکاح کا مقصد یہ ہے کہ نسلِ انسانی کا تسلسل برقرار رہے اور دنیا کبھی جنس انسان سے خالی نہ رہے مردوں اور عورتوں میں شہوت کا وجود اولاد پیدا کرنے پر انھیں آمادہ کرنے کی ایک مؤثر اور لطیف تدبیر ہے' جس طرح جانور کو قبضہ میں کرنے کے لئے دانہ ڈالا جاتا ہے یا پرندوں کو پھنسانے کے لئے جال پھیلایا جاتا ہے اسی طرح دنیا کو آباد رکھنے کے لئے بھی شہوت پیدا کی گئی۔ باری تعالیٰ بلاشبہ اس پر قادر تھے کہ انسان کی تخلیق مرد و عورت کے اختلاط کے بغیر

کر سکیں لیکن حکمتِ الٰہی کا تقاضا یہ ہوا کہ مسببات کا وجود اسباب پر منحصر کیا جائے اگرچہ وہ اسباب سے بے نیاز ہے لیکن اپنی قدرت کے اظہار اپنی تخلیق کے عجائبات کی تکمیل اور اس مشیت کی تحقیق کے لئے جس کا فیصلہ ازل میں ہو چکا تھا یہ صورت اختیار کی گئی اولاد کی پیدائش چار وجہوں سے اجر و ثواب کا باعث ہے۔ اول : نسلِ انسانی باقی رکھنے میں رضاءِ الٰہی کی موافقت ہے۔ دوم : اس میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت بھی ہے کیونکہ اولاد کی کثرت سرکار دو عالم کے لئے قیامت کے روز باعث افتخار ہوگی۔ سوم : اگر بچے نیک ہوگئے تو مرنے کے بعد اپنے والدین کے لئے دعا کریں گے۔ چہارم : اگر بچے صغر سنی میں فوت ہوگئے تو وہ قیامت کے روز ماں باپ کی سفارش کریں گے۔

پہلی وجہ : رضاءِ الٰہی کی موافقت

ان چاروں وجوہات میں یہ وجہ سب سے اہم اور دقیق ہے عام لوگ اس حقیقت کا ادراک کرنے سے قاصر ہیں لیکن وہ لوگ جو باری تعالیٰ کے عجائب صنعت میں غور و فکر کرتے ہیں اور اس کے بحرِ حکمت کے غواص ہیں وہ اس وجہ کو سمجھتے ہیں۔ اس اجمال کی تفصیل ہم ایک مثال کے ذریعہ پیش کرتے ہیں فرض کیجئے کوئی آقا اپنے غلام کو کاشت کے لئے زمین دے اور اس کے لئے کھیتی سے متعلق تمام وسائل مہیا کرے نگرانی کے لئے ایک گماشتہ بھی مقرر کردے وہ غلام کھیتی کا فن بھی جانتا ہو اور بہمہ وجوہ اس عمل پر قادر ہو تو اس کے لئے آقا کے حکم کی تعمیل ضروری ہے اب اگر وہ غلام آقا کا حکم نہ مانے کھیتی کے آلات استعمال نہ کرے زمین پڑی رہنے دے بیج ضائع کردے اور نگراں کو کسی بہانے سے رخصت کردے تو کون نہیں جانتا کہ یہ غلام کتنی بڑی سزا کا مستحق ہے۔ اس مثال کی روشنی میں دیکھنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے جوڑے بنائے مرد کے لئے آلہ تناسل اور خصیتین پیدا کئے ریڑھ کی ہڈی کو منی کا مستقر قرار دیا اور رگوں کا ایسا نظام پھیلایا کہ خاص حالات میں وہ باہر نکل سکے۔ عورت کے پیٹ میں رحم بنایا جہاں مرد کی منی ٹھہرتی ہے اور حمل استقرار پاتا ہے مرد اور عورت دونوں پر شہوت غالب کی دونوں کے لئے ایک دوسرے میں جنسی کشش رکھی۔ یہ جسمانی نظام انسان کے یہ فطری تقاضے آلات اور افعال بزبانِ حال باری تعالیٰ کی منشاء و مراد پر شاہد عدل کی حیثیت رکھتے ہیں اور ارباب عقل و دانش کو بتلاتے ہیں کہ ہماری تخلیق کا مقصد کیا ہے صرف یہی نہیں کہ جسمانی نظام بنا کر چھوڑ دیا گیا بلکہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی اس نظام کے استعمال کی ہدایت بھی کی گئی اس کے اصول اور طریقے بھی بتلائے گئے۔ ارشاد فرمایا :

تناکحوا تناسلوا

نکاح کرو اور نسل چلاؤ۔

اس تفصیل سے ثابت ہوا کہ جو شخص نکاح سے اعراض کرے گا وہ یقیناً اس غلام کی طرح باری تعالیٰ کے عتاب کا مستحق قرار پائے گا جس نے اپنے آقا کے حکم کی نافرمانی کی اور قدرت کے باوجود کھیتی سے اعراض کیا۔ اس نے بھی فطرت کے مقصود کی خلاف ورزی کی اور اس حکمت سے سرتابی کی جرأت کی جو تخلیق کے نظام سے سمجھ میں آتی ہے اور جس کی تفصیل انسان کے اعضاء پر خطِ الٰہی سے لکھی ہوئی ہے یہ خط حروف اور آواز کی قیود سے آزاد ہے یہ تحریر وہی لوگ پڑھ سکتے ہیں جن کی خداداد بصیرت باری تعالیٰ کی حکمتِ ازلی کے دقیق معانی سمجھ سکتی ہو یہی وجہ ہے کہ شریعت نے اولاد کو قتل کرنے اور زندہ در گور کرنے کے عمل کو سخت ترین جرم قرار دیا اور اس جرم کے مرتکب کے لئے بد ترین عذاب کی سزا سنائی بعض لوگوں نے یہاں تک کہہ دیا ہے کہ جماع میں انزال کے وقت آلۂ تناسل کو حمل ٹھہر جانے کے خوف سے باہر نکال لینا بھی اولاد کو زندہ در گور کرنے کے مترادف ہے۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ نکاح کرنے والا اس امر کی تکمیل میں مصروف ہے جو باری تعالیٰ کو پسند ہے اور نکاح نہ کرنے والا اس چیز کو ضائع کر رہا ہے جس کا ضائع کرنا اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہے۔ کیونکہ باری تعالیٰ کو جانوں کا اتلاف اور ضیاع پسند نہیں ہے اس لئے کھانے کھلانے کا حکم دیا اس کی ترغیب دی اس عمل کو قرض سے تعبیر فرمایا۔ ارشاد ہے :

مَنْ ذَا الَّذِیْ یُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا (پ ۲ ر ۱۶ آیت ۲۴۴)

کون شخص ہے (ایسا) جو اللہ تعالیٰ کو قرض دے اچھے طور پر قرض دینا۔

ایک اعتراض کا جواب

یہاں ایک اعتراض یہ ہو سکتا ہے کہ تمہارے اس قول سے کہ باری تعالیٰ کو نسلِ انسانی کی بقا محبوب ہے یہ لازم آتا ہے کہ اس کا فنا کرنا محبوب نہیں ہے اس کا مطلب یہ ہوا کہ کائنات میں ہر چیز کا ظہور باری تعالیٰ کے ارادے اور مشیّت کے تابع ہے لیکن موت و حیات اس کے ارادے اور مشیّت کے تابع نہیں ہیں کیونکہ اگر موت اس کے ارادے کے تابع ہوتی تو اسے ناپسند کیوں ہوتی ہے' حالانکہ یہ بات واضح ہے کہ دنیا کی دوسری چیزوں کی طرح موت اور حیات بھی باری تعالیٰ کی مشیّت کے تابع ہیں' وہ ہر چیز سے بے نیاز ہے' اس کے نزدیک موت و حیات' اور بقا و فنا میں کوئی فرق نہیں ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ آپ کے اعتراض کی تقریر بظاہر صحیح ہے' لیکن معنیٰ باطل ہیں' ہم نے گذشتہ سطور میں جو کچھ عرض کیا ہے وہ اس مسلّمہ حقیقت کے ہرگز منافی نہیں ہے کہ خیر و شر' نفع و نقصان اور دنیا کی تمام چیزیں باری تعالیٰ کے ارادے اور مشیّت سے منسوب ہیں' جہاں تک محبت اور کراہت کا تعلق ہے یہ دونوں ایک دوسرے کی ضد ہیں' ارادے کی ضد نہیں ہیں' بعض اوقات ارادے کی چیز مکروہ ہوتی ہے۔ اور بعض اوقات محبوب ہوتی ہے' مثلاً گناہ مکروہ ہے' مگر اس کا ارتکاب بھی باری تعالیٰ کے ارادے سے ہے' اسی طرح اطاعت محبوب ہے' مگر یہ بھی ارادے سے ہے' کفر و شرک محبوب و پسندیدہ چیز نہیں ہے جیسا کہ قرآن کریم میں ہے :

وَلَا يَرْضٰى لِعِبَادِهِ الْكُفْرَ (پ ۲۳ ر ۱۵ آیت ۷)

اور وہ اپنے بندوں کے لئے کفر کو پسند نہیں کرتا۔

لیکن کون کہہ سکتا ہے کہ کفر مشیّتِ ایزدی کے بغیر واقع ہو جاتا ہے' یہی حال فنا اور بقاء کا ہے بقا سے محبت کا یہ مطلب نہیں ہے کہ فنا سے نفرت ہوگی' اور نفرت کے باوجود فنا کا واقع ہونا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ یہ امر اللہ تعالیٰ کے ارادے سے نہیں ہوا۔ جہاں تک موت کا تعلق ہے ایک حدیث قُدسی میں باری تعالیٰ کا یہ ارشاد نقل کیا گیا ہے :

ماتر ددت فی شیئ کتر ددی فی قبض روح عبدی المسلم یکرہ الموت وانا اکرہ مساءتہ ولابد لہ (بخاری۔ ابوہریرہؓ)

مجھے کسی چیز میں اتنا تردد نہیں ہوتا جتنا اپنے مسلمان بندے کی روح قبض کرنے میں ہوتا ہے کہ وہ موت کو ناپسند کرتا ہے' اور مجھے اس کی بُرائی ناپسند ہے' لیکن موت اس کے لئے ضروری ہے۔

موت کو بندے کے لئے ضروری کہہ کر باری تعالیٰ نے اس حقیقت کی طرف اشارہ کیا ہے کہ موت بھی تقدیرِ ازلی' اور مشیّت کے تابع ہے' قرآن پاک میں فرمایا گیا :

نَحْنُ قَدَّرْنَا بَيْنَكُمُ الْمَوْتَ (پ ۲۷ ر ۱۵ آیت ۶۰)

ہم ہی نے تمہارے درمیان موت کو (معین وقت پر) ٹھہرا رکھا ہے۔

خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيَاةَ (پ ۲۹ ر ۱ آیت ۲)

(جس نے) موت اور حیات کو پیدا کیا۔

پہلی آیت' اور حدیثِ قُدسی کے الفاظ کہ مجھے اس کی بُرائی ناپسند ہے میں کوئی منافات نہیں ہے' امرِ حق کی وضاحت کے لیے ہم نے ارادے' محبت اور کراہت کے معنیٰ بیان کئے ہیں اس لئے کہ ان الفاظ سے بظاہر یہی سمجھ میں آتا ہے کہ باری تعالیٰ کا ارادہ' محبت اور کراہت مخلوق کے ارادے اور محبت و کراہت کی طرح ہیں' حالانکہ ایسا نہیں ہے' بلکہ اللہ تعالیٰ کی صفات اور بندوں کی صفات میں اس قدر فرق ہے جس قدر فرق اللہ تعالیٰ کی ذات اور بندوں کی ذات کے درمیان ہے' مخلوق کی ذاتیں جوہر اور عرض ہیں' باری تعالیٰ کی ذات جوہر اور عرض ہونے سے مُنزّہ ہے' جو چیز خود جوہر و عرض نہ ہو وہ جوہر و عرض کے مُشابہ بھی نہیں ہو سکتی' اسی طرح خدا تعالیٰ کی صفات

مخلوق کی صفات کے مشابہ نہیں ہوسکتیں۔ کیونکہ یہ حقائق و معارف علم مکاشفہ سے تعلق رکھتے ہیں، اس لئے ہم ان کی تفصیل میں نہیں جانا چاہتے اور اسی فرق پر اکتفا کرتے ہیں جو ہم نے ابھی واضح کیا ہے کہ نکاح نہ کرنے والا اس نسل کو ضائع کرتا ہے جسے اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام سے اس شخص کے وجود تک باقی رکھا تھا، وہ خود ہی یہ تدبیر کر رہا ہے کہ مرنے کے بعد اس کے اولاد اس کی جانشین نہ ہو۔ اس سے معلوم ہوا کہ نکاح افزائشِ نسل کے لئے ہوتا ہے محض شہوت کے لئے نہیں ہوتا، اگر دفعِ شہوت کے لئے ہوتا تو حضرت معاذ طاعون کی حالت میں یہ نہ کہتے کہ میرا نکاح کردو، میں باری تعالیٰ کے حضور مجرد نہیں جانا چاہتا۔

حضرت معاذؓ کے نکاح پر اعتراض

اس پر یہ اعتراض کیا جاسکتا ہے کہ اگر نکاح کا مقصد افزائشِ نسل ہے تو اس حالت میں اولاد کی توقع کہاں کی جاسکتی تھی جس حالت میں حضرت معاذؓ نے نکاح کیا تھا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اولاد صحبت سے ہوتی ہے اور صحبت کا محرک شہوت ہے، شہوت بندہ کے اختیار میں نہیں ہے بندے کے اختیار میں صرف اسی قدر ہے کہ محرکِ شہوت بہم پہنچالے اور یہ ہر حال میں ہوسکتا ہے، خواہ آدمی تندرست ہو، یا بیمار، جو کام اس کے ذمے تھا وہ ادا کرے، آگے کا کام خالق کا ہے، وہ چاہے تو شہوت پیدا کرکے صحبت کے لائق بنادے، اور چاہے تو اس کے حال پر چھوڑ دے، یہی وجہ ہے کہ نامرد کے لئے بھی نکاح کرنا مستحب ہے، کیونکہ بعض اوقات آدمی کو یہ معلوم نہیں ہوتا کہ اس کے اندر شہوت موجود ہے یا نہیں؟ یہاں تک کہ وہ شخص بھی نکاح کرسکتا ہے جس کے خصیتین بالکل مسلے گئے ہوں، اور مادہ تولید بننے کی کوئی گنجائش نہ ہو، اور نہ اولاد کی کوئی توقع ہو، جس طرح حج کے دوران گنجے کے لئے سر پر استرہ پھروانا بال والے لوگوں کی مشابہت کی غرض سے، اور سلف کی اتباع کے طور پر مستحب ہے، یا جس طرح طواف کے دوران اضطباع اور رَمل آج بھی مستحب ہیں حالانکہ ان کا حکم اہل اسلام کی شجاعت اور بہادری کے اظہار کے لئے دیا گیا تھا اسی طرح اس شخص کے حق میں بھی نکاح مستحب ہے جسے اولاد کی توقع نہ ہو۔ لیکن اگر ان دونوں شخصوں کے نکاح کو اس پہلو سے دیکھا جائے کہ یہ لوگ صحبت پر قادر نہیں ہیں تو ان کے حق میں نکاح کا استحباب ضعیف ہوجاتا ہے، اور یہ ضعف اس وقت اور زیادہ ہوجاتا ہے جب یہ احساس ہوتا ہے کہ ان کے نکاح سے عورت کی صلاحیت ضائع جارہی ہے، اگر اس کا نکاح کسی مرد سے ہوتا تو اس کی صلاحیت کام آتی، نامرد سے نکاح کرنے میں نہ اس کی ضرورت پوری ہوتی ہے، اور نہ وہ بچہ پیدا کرسکتی ہے، اس لحاظ سے اس طرح کے نکاح مفاسد کا سبب بھی بن سکتے ہیں، اب اگر بعض لوگ نامردی، یا کم شہوتی کے باعث نکاح سے انکار کریں تو ان کا یہ عذر صحیح ہے۔

دوسری وجہ : رسولِ اکرم کی محبت : نکاح رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کی علامت، اور آپ کی رضامندی کے حصول کا ذریعہ بھی ہے، کیونکہ قیامت کے روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دوسرے انبیاء پر اس لیے فخر فرمائیں گے کہ آپ کی امت زیادہ ہوگی، صحیح روایت میں اس کی صراحت موجود ہے۔ نکاح کا مقصد افزائشِ نسل ہونا چاہیے، اس پر حضرت عمرؓ کا یہ ارشاد بھی دلالت کرتا ہے کہ میں نکاح اس لیے کرتا ہوں کہ بچے پیدا ہوں۔ ایک حدیث میں بانجھ عورت کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا :

لحصیرۃ فی ناحیۃ البیت خیر من امراۃ لاتلد (۱)

گھر کے کونے میں پڑا ہوا بوریا بانجھ عورت سے بہتر ہے۔

بچے پیدا کرنے والی عورت کی تعریف میں ارشاد فرمایا :

خیر نسائکم الولود۔ (بیہقی۔ ابن ابی ادیۃ الصدفیؓ)

---

(۱) ابو عمر التوقانی فی کتاب معاشرۃ الاھلین موقوفاً علی عمر بن الخطابؓ

تمہاری بہترین بیویاں وہ ہیں جو بچے پیدا کریں اور محبت کریں۔

سوداءولود خیر من حسناء لا تلد (ابن حبان۔ بہز ابن حکیم عن ابیہ عن جدہ)

بچے پیدا کرنے والی سیاہ فام عورت اس خوبصورت عورت سے بہتر ہے جو بانجھ ہو۔

ذروا الحسناء العقیم وعلیکم بالسوداء الولود فانی مکاثر بکم الامم (ابو یعلی۔ عبداللہ ابن عمرؓ)

خوبصورت بانجھ عورت کو چھوڑو' سیاہ فام بچے پیدا کرنے والی عورت سے شادی کرو کہ میں قیامت کے روز دوسری امتوں پر تمہاری کثرت سے فخر کروں گا۔

ان تمام روایات کا حاصل یہ ہے کہ نکاح کی فضیلت حاصل کرنے میں شہوت کا جوش دبانے کی بہ نسبت اولاد کی طلب کو بڑا دخل ہے۔ چنانچہ سیاہ فام اور بد صورت عورت کو خوبصورت عورت پر ترجیح دی گئی ہے' حالانکہ خوبصورت عورت مرد کی پناہ گاہ ہے' اس کی پارسائی کی نگہبان اور محافظ ہے' اس سے شہوت دور رہتی ہے' اور نگاہیں غیر عورتوں کی طرف نہیں اٹھتیں۔

تیسری وجہ : نیک اور صالح اولاد : اگر بچے نیک اور صالح ہوئے تو باپ کے انتقال کے بعد وہ اس کے حق میں خیر کی دعا کریں گے' چنانچہ حدیث میں ہے کہ مرنے کے بعد تمام دنیاوی اعمال کا سلسلہ منقطع ہو جاتا ہے مگر تین چیزوں کا سلسلہ ختم نہیں ہوتا' ان میں سے ایک صالح اولاد کی دعا بھی ہے' اس کا نفع مرنے کے بعد بھی حاصل ہوتا ہے' روایات میں یہ بھی ہے کہ یہ دعائیں نور کے طباق میں سجا کر مرنے والے شخص کے سامنے پیش کی جاتی ہیں۔ یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ بعض اوقات اولاد نیک نہیں ہوتی' اس صورت میں اس کی دعائیں باپ کے حق میں کیا مفید ہوں گی' اس لئے کہ دیندار مسلمانوں کے بچے عموماً" نیک ہی ہوتے ہیں' خاص طور پر اس صورت میں جب کہ ماں باپ ان کی صحیح تربیت کا انتظام کریں اور انھیں سیدھے راستے پر چلانے کی کوشش کریں۔ مؤمن کی دعا والدین کے حق میں مفید ہی ہوتی ہے چاہے وہ نیک ہو' یا بد۔ اگر لڑکا نیک عمل کرے گا تو باپ کو اس کا ثواب ملے گا' کیونکہ یہ اسی کی تربیت کا ثمرہ ہے' اور اگر بد عملی کا مرتکب ہو گا تو باپ سے باز پرس نہیں ہوگی' کیونکہ ہر شخص اپنے عمل کے لئے خود جواب دہ ہے۔

وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى (پ۱۵ ر۲ آیت ۱۵)

اور کوئی شخص کسی (کے گناہ) کا بوجھ نہ اٹھائے گا۔

یہی مضمون قرآن پاک کی دوسری آیت میں اس طرح ہے :

اَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَمَا اَلَتْنٰهُمْ مِّنْ عَمَلِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ (پ۲۷ ر۳ آیت ۲۱)

ہم ان کی اولاد کو بھی (درجہ میں) ان کے ساتھ شامل کر دیں گے اور ان کے عمل میں سے کوئی چیز کم نہیں کریں گے۔

چوتھی وجہ : کم سن بچوں کی سفارش : اگر بچہ کم سنی میں مر جائے تو وہ قیامت کے روز اس کے حق میں سفارش کرے گا۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا :

السقط یجر ابویہ الی الجنۃ (ابن ماجہ۔ علیؓ)

ضائع ہو جانے والا بچہ اپنے والدین کو جنت کی طرف کھینچے گا۔

انہ یاخذ بثوبہ کما انا الان آخذ بثوبک (مسلم۔ ابو ہریرہؓ)

بچہ اپنے باپ کا دامن اس طرح پکڑے گا جس طرح میں تمہارا کپڑا پکڑے ہوئے ہوں۔

ایک حدیث میں ہے کہ بچے سے جنت میں جانے کے لئے کہا جائے گا' وہ اندر جانے کے بجائے جنت کے دروازے پر ٹھہر جائے گا اور

غصیلی آواز میں کہے گا کہ میں اس وقت تک جنت میں داخل نہیں ہوں گا جب تک میرے باپ میرے ساتھ نہ ہوں (ابن حبان۔ بہزابن حکیم عن ابیہ عن جدہ)۔ ایک طویل روایت میں ہے کہ قیامت کے دن بچے اس میدان میں جمع ہوں گے جہاں حساب ہو رہا ہو گا فرشتوں سے کہا جائے گا کہ ان بچوں کو جنت میں لے جاؤ' بچے جنت کے دروازے پر ٹھہر جائیں گے وہاں متعین فرشتے بچوں سے کہیں گے' مسلمانوں کے بچو! خوش آمدید! جنت میں آجاؤ' تم سے کوئی حساب کتاب نہیں ہے۔ بچے کہیں گے کہ ہمارے ماں باپ کہاں ہیں؟ انھیں بتلایا جائے گا کہ تمہارے ماں باپ تم جیسے نہیں ہیں۔ ان کے ذمے کچھ گناہ ہیں' ان سے بازپرس کی جائے گی' یہ سن کر بچے چیخیں گے اور سب مل کر بیک وقت آہ وزاری کریں گے' اللہ تعالیٰ باوجودیکہ ان کے حال سے واقف ہوں گے۔ فرشتوں سے دریافت کریں گے کہ یہ کس طرح کا شور ہے؟ عرض کیا جائے گا : خداوندا ! مسلمانوں کے بچوں کا شور ہے' ان کا کہنا یہ ہے کہ ہم اپنے ماں باپ کے ساتھ جنت میں جائیں گے' ورنہ نہیں! اللہ تعالیٰ فرشتوں کو حکم دیں گے کہ اس مجمع میں گھس جاؤ اور ان بچوں کے والدین کا ہاتھ پکڑ کر جنت میں لے جاؤ۔ (۱) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں :

من مات لہ اثنان من الولد فقد احتظر بحظار من النار (بزار' طبرانی۔ زہیر ابن ابی علقمہؓ)

جس شخص کے دو بچے مرگئے دوزخ کی آگ سے اس کے لئے ایک رکاوٹ بن گئی۔

من مات لہ ثلثۃ لم یبلغوا الحنث ادخلہ اللہ الجنۃ بفضل رحمتہ ایاھم قیل: یا رسول اللہ! واثنان' قال: واثنان (۲)

جس شخص کے تین نابالغ بچے مرجائیں اللہ تعالیٰ ان بچوں پر اپنی رحمت کے صدقے میں اس شخص کو جنت میں داخل کردے گا عرض کیا گیا : یا رسول اللہ! اور دو بچوں کے متعلق کیا حکم ہے' فرمایا دو بچوں کا حکم بھی یہی ہے۔

ایک بزرگ کا قصہ ہے کہ لوگ ان سے نکاح کرنے کے لئے کہا کرتے تھے اور وہ انکار کردیا کرتے تھے ایک روز سو کر اٹھے تو کہنے لگے کہ میرا نکاح کردو' لوگوں نے نکاح کردیا اور ارادہ تبدیل ہونے کی وجہ دریافت کی' فرمایا کہ میں اس لئے شادی کرنا چاہتا ہوں کہ شاید اللہ تعالیٰ مجھے اولاد سے نوازے اور وہ صغر سنی میں فوت ہوجائے تو آخرت میں میرے کام آئے' اس کے بعد نکاح کے ارادے کی وجہ بیان کی کہ میں نے خواب میں قیامت کا منظر دیکھا' لوگوں کے ساتھ میں بھی حشر کے میدان میں کھڑا ہوا ہو۔ پیاس اور تکلیف کی وجہ سے سب لوگ سخت مضطرب اور بے چین ہیں' اسی اثناء میں میں نے دیکھا کہ کچھ بچے صفوں کو چیرتے ہوئے ادھر سے ادھر پھر رہے ہیں' ان کے کاندھوں پر نور کی چادریں پڑی ہوئی ہیں اور ہاتھوں میں چاندی کے جگ اور سونے کے گلاس ہیں' وہ بچے ایک ایک شخص کو پانی پلاتے ہیں اور کچھ لوگوں کو چھوڑتے ہوئے آگے بڑھ جاتے ہیں' ایک بچے سے میں نے پانی مانگا تو وہ کہنے لگا کہ ہم میں تمہارا کوئی بچہ نہیں ہے' ہم تو اپنے ماں باپ کو پانی پلارہے ہیں میں نے پوچھا تم کون ہو؟ اس نے جواب دیا : ہم مسلمانوں کے بچے ہیں' ہمیں صغر سنی میں اٹھالیا گیا تھا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

وَقَدِّمُوا لِاَنْفُسِكُمْ (پ ۲ ر ۱۲ آیت ۲۲۳)

اور آئندہ کے لئے بھی اپنے لئے کچھ کرتے رہو۔

بعض علماء نے کہا ہے کہ اس سے مراد بچوں کو آخرت میں آگے بھیجنا ہے۔

دوسرا فائدہ : شہوت کا خاتمہ : نکاح کے ذریعہ شیطان سے حفاظت ہوتی ہے' شہوت کا جوش اور ہیجان رفع ہوتا ہے' نگاہیں نیچی رہتی ہیں' شرمگاہیں بدکاری سے محفوظ رہتی ہیں۔ ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا منشاء یہی ہے :

من نکح فقد حصن نصف دینہ فلیتق اللہ فی الشطر الاخر (۳)

---

(۱) یہ روایت مجھے نہیں ملی۔ (۲) بخاری' انس' مگر اس میں دو کا ذکر نہیں ہے' یہ زیادتی مسند احمد میں ہے۔ (۳) یہ روایت پہلے باب میں گذر چکی ہے۔

جس شخص نے نکاح کیا اس نے اپنا آدھا دین محفوظ کرلیا اب دوسرے نصف دین میں اللہ سے ڈرے۔

پچھلے صفحات میں جو آثار' اخبار اور روایات ہم نے لکھی ہیں ان سب سے اس مضمون کی طرف اشارہ ہوتا ہے۔ یہ فائدہ پہلے فائدے کی بہ نسبت کم اہمیت کا حامل ہے۔ اس لئے کہ شہوت اولاد کے حصول کا تقاضا پورا کرنے کے لئے مسلط کی گئی ہے' شہوت کی آفت سے بچنے' اور اس کے تسلط کے شر سے محفوظ رہنے کے لئے نکاح کافی ہے' لیکن جو شخص اپنے آقا کے حکم کی تعمیل محض اس کی رضاجوئی کے لئے کرے یقیناً" درجے میں اس شخص سے بڑا ہے جو نگراں کے خوف سے اپنے آقا کا حکم مانے۔ دفع شہوت کے لئے نکاح کرنے والے اور حصول اولاد کے لئے نکاح کرنے والے میں یہی فرق ہے' پہلا شخص باری تعالیٰ کی رضاجوئی کے لئے نکاح کررہا ہے' دوسرا شخص اپنا نفسانی ہیجان فرو کرنے کے لئے اس فرض کی ادائیگی کررہا ہے یہ دونوں یقیناً" برابر نہیں ہیں' بلکہ فضیلت پہلے ہی شخص کو حاصل ہے۔ شہوت اور اولاد دونوں کا تعلق تقدیر سے ہے' اور دونوں باہم مربوط ہیں' لیکن یہ کہنا صحیح نہیں ہوگا کہ نکاح کا مقصد لذّت ہے اور اولاد اس کا لازمی عمل ہے' جیسے کھانا کھانے سے پاخانہ لازم آتا ہے لیکن پاخانہ مقصود بالذّات نہیں ہوتا۔ حقیقت یہ ہے کہ فطرت' مشیّت اور حکمتِ الٰہی کی رو سے اولاد مقصد ہے' شہوت کی حیثیت اولاد کے لئے ترغیب دینے والے کی ہے' ہاں شہوت میں ایک اور حکمت ہے' اور وہ یہ ہے کہ شہوت ایک ایسی لذت سے عبارت ہے کہ دنیا کی کوئی لذت اس کے برابر نہیں ہوسکتی اگر اس کو دوام حاصل ہوجائے۔ یہ لذت دراصل ان لذتوں کی خبر دیتی ہے جن کا وعدہ اہلِ جنت سے کیا گیا ہے۔ دنیا میں اس کے وجود کا سبب یہ ہے کہ لوگ جنت میں اس کے وجود کی خواہش کریں۔ کسی ایسی لذت کی ترغیب دینا لا حاصل تھا جس کا ذائقہ معلوم نہ ہو' مثلاً اگر نامرد کو جماع کی لذت کی ترغیب دی جائے یا بچے کو ملک و سلطنت اور اقتدار کی خواہش کے لئے آمادہ کیا جائے تو یہ مفید نہیں ہے' انسان میں شہوت اس لئے پیدا کی گئی' اور اس کے ذائقے سے اس لئے آشنا کرایا گیا تاکہ دنیا میں اس کے مزے سے واقف ہوکر آخرت میں بھی اس کی خواہش کرے' اور اس کی بقا کا آرزو مند ہو' جنت میں اس کا حصول اور بقا اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اطاعت پر موقوف ہے۔ اللہ تعالیٰ کی حکمت اور رحمت پر نظر ڈالئے کہ اس نے ایک شہوت کے ضمن میں دو زندگیاں رکھیں' ایک ظاہری زندگی اور ایک باطنی زندگی۔ ظاہری زندگی یہ ہے کہ اس کے ذریعہ انسان کی نسل باقی رہتی ہے' یہ بھی انسان کا دوام ہے' اور باطنی زندگی آخرت کی زندگی سے عبارت ہے۔ جب انسان یہ دیکھتا ہے کہ یہ لذت جلد زائل ہوجانے والی چیز ہے تو وہ یہ خواہش کرتا ہے کہ یہ لذت زیادہ مکمل طریقہ پر ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اسے حاصل ہو' یہی خواہش اسے عبادت پر آمادہ کرتی ہے' انسان کے جسم میں کوئی ظاہری یا باطنی عضو ایسا نہیں ہے' بلکہ آسمان اور زمین کے ملکوت میں کوئی ذرّہ ایسا نہیں ہے جو باری تعالیٰ کے عجائبات اور حکمتوں سے خالی ہو' انسانی عقلیں ان عجائبات کا ادراک نہیں کرسکتیں' اور نہ وہ باری تعالیٰ کی حکمتوں کو سمجھنے پر قادر ہیں' بلکہ قدسی صفت دلوں پر یہ اسرار اس قدر منکشف ہوتے ہیں جتنے وہ پاک و صاف ہوں دنیا سے اعراض کرنے والے ہوں اور اس کے فریب سے آگاہ ہوں' حاصل کلام یہ ہے کہ شہوت کا ہیجان ختم کرنے کے لئے نکاح کرنا بھی دینی نقطۂ نظر سے بڑا اہم ہے' بشرطیکہ نکاح کرنے والا مرد ہو اور جماع پر قادر ہو' اس کے اہم ہونے کی وجہ یہ ہے کہ شہوت جب غالب ہوتی ہے تو آدمی برائیوں میں مبتلا ہوجاتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کریم کی ایک آیت سے اس حقیقت کی طرف اشارہ فرمایا :(۱)

اِلَّا تَفْعَلُوْهُ تَكُنْ فِتْنَةٌ فِي الْاَرْضِ وَفَسَادٌ كَبِيْرٌ (پ ۱۰ ر ۶ آیت ۷۳)

اگر تم اس (حکمِ مذکور) پر عمل نہ کروگے تو دنیا میں بڑا فتنہ فساد پھیلے گا۔

اگر غلبۂ شہوت کے ساتھ ساتھ تقویٰ بھی ہو تو اس صورت میں آدمی اپنے ظاہری اعضاء کو شہوت سے روک لے گا یعنی آنکھیں نیچی رکھے گا' شرمگاہ کی حفاظت کرے گا' لیکن وسوسوں' اور پریشان خیالیوں سے دل کی حفاظت کرنا اس کے دائرۂ اختیار میں نہیں ہے' تقویٰ کے باوجود اس کا نفس ہمیشہ کشمکش میں مبتلا ہوگا' جماع کی خواہش ابھرے گی' شیطان اس موقع سے فائدہ اٹھائے گا' اور اس کے دل میں

---

(۱) یہ حدیث پچھلے صفحات میں گذری ہے۔

وسوسے ڈالتا رہے گا' بعض اوقات یہ صورت حال نماز میں پیش آئے گی' اور جماع کے سلسلے میں ایسے ایسے خیالات دل میں گذریں گے کہ معمولی سے معمولی شخص کے سامنے بھی ان کا اظہار نہیں کیا جاسکتا' اللہ تعالیٰ دل کے حال سے باخبر ہے' دل کا حال اس کے سامنے ایسا ہے جیسا زبان کا حال مخلوق کے سامنے' راہِ آخرت کے سالک کا اصل سرمایہ اس کا دل ہے۔ اگر دل وسوسوں میں مبتلا ہے تو وہ یہ سمجھے کہ اس کا اصل سرمایہ ضائع جارہا ہے۔ مسلسل روزے بھی نکاح کا بدل نہیں ہیں' کیونکہ اکثر لوگوں کے وسوسے روزوں سے دور نہیں ہوتے' اور نہ شہوت ہی فنا ہوتی ہے' ہاں اگر جسم کمزور ہوجائے' یا مزاج میں بگاڑ پیدا ہوجائے تو یہ ممکن ہے کہ شہوت کا جوش ختم ہوجائے' اور وسوسے باقی نہ رہیں' اسی لئے حضرت عبداللہ ابن عباسؓ ارشاد فرماتے ہیں کہ عابد کی عبادت نکاح سے مکمل ہوتی ہے۔

غلبہ شہوت ایک عام مصیبت ہے' بہت کم لوگ ایسے ہوں گے جو اس مصیبت میں مبتلا نہ ہوں' حضرت قتادہؓ ذیل کی آیت کریمہ کی تفسیر میں ارشاد فرماتے ہیں کہ اس سے مراد جوش شہوت ہے۔

وَلَا تُحَمِّلْنَا مَالَا طَاقَةَ لَنَا بِهِ (پ ۳ر ۸ آیت ۲۸۶)

اور ہم پر کوئی ایسا بار نہ ڈالئے جس کی ہم کو سہار نہ ہو۔

قرآن کریم میں فرمایا گیا ہے:

وَخُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِيفًا (پ ۵ ر ۲ آیت ۲۸)

اور آدمی کو کمزور پیدا کیا گیا ہے۔

عکرمہ اور مجاہد فرماتے ہیں کہ ضعف سے مراد یہ ہے کہ انسان عورتوں سے صبر نہیں کرسکتا' فیاض ابن نجیح فرماتے ہیں کہ جب آدمی کا آلۂ تناسل کھڑا ہوتا ہے تو اس کی دو تہائی عقل جاتی رہتی ہے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ اس کا تہائی دین رخصت ہوجاتا ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَمِنْ شَرِّ غَاسِقٍ اِذَا وَقَبَ (پ ۳۰ ر ۳۸ آیت ۳)

اور اندھیری رات کے شر سے جب وہ رات آجائے۔

نوادر التفسیر میں حضرت ابن عباسؓ کا یہ ارشاد منقول ہے کہ مذکورہ بالا آیت میں آلہ تناسل کا انتشار مراد ہے۔ یہ وہ مصیبت ہے کہ جب غالب آتی ہے تو نہ عقل اس کا مقابلہ کرسکتی ہے اور نہ دین۔ اگرچہ اس میں ظاہری و باطنی دنیاوی اور اخروی زندگیوں کا راز پنہاں ہے لیکن شیطان کا یہ ایک زبردست ہتھیار بھی ہے' اسی کے ذریعہ وہ بنی نوع انسان کو بہکاتا ہے' حدیث شریف میں فرمایا گیا:

ما رأيت من ناقصات عقل و دين اغلب لذوى الالباب (مسلم۔ ابن عمرؓ)

ناقص عقل اور دین والیوں سے زیادہ کسی چیز کو میں نے عقل والوں پر غالب تر نہیں پایا۔

روایات میں ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا فرمایا کرتے تھے:

اَللّٰهُمَّ اِنِّي اَعُوذُبِكَ مِنْ شَرِّ سَمْعِي وَبَصَرِي وَقَلْبِي وَشَرِّ مَنِيِّي (۱)

اے اللہ میں تیری پناہ چاہتا ہوں اپنے کان' آنکھ اور دل کے شر سے اور اپنی منی کے شر سے۔

یہ دعا بھی فرماتے:

اَسْاَلُكَ اَنْ تُطَهِّرَ قَلْبِي وَتَحْفَظَ فَرْجِي (بیہقی۔ ام سلمہؓ)

میں درخواست کرتا ہوں کہ میرے دل کو پاک کر اور میری شرمگاہ کی حفاظت فرما۔

قابل غور بات یہ ہے کہ جس چیز سے عالم پناہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پناہ مانگ رہے ہوں اس میں دوسرے لوگوں کے لئے تساہل

---

(۱) یہ دعا کتاب الدعوات میں گذر چکی ہے۔

کی کب گنجائش ہے۔ ایک بزرگ نکاح بہت زیادہ کیا کرتے تھے، کبھی ایسا نہیں ہوا کہ ان کے گھر میں دو یا تین بیویاں نہ ہوں، بعض صوفیائے کرام نے ان بزرگ کی اس عادت کو بُرا سمجھا اور عیش کوشی پر محمول کیا، انہوں نے کہا کہ تم میں کوئی ایسا شخص ہے جس کے دل پر خدا کے حضور بیٹھنے یا کھڑے ہونے کی حالت میں شہوت کا وسوسہ نہ گذرا ہو، معترضین نے جواب دیا کہ یہ صورت تو ہمارے ساتھ اکثر پیش آتی ہے، ان بزرگ نے فرمایا کہ جو حال تمہیں پیش آتا ہے وہ حال اگر مجھے زندگی میں ایک مرتبہ بھی پیش آتا اور میں اسے اچھا سمجھتا تو کبھی نکاح نہ کرتا، لیکن میں ان وسوسوں کو اچھا نہیں سمجھتا، جب جب میرے دل میں شہوت کا کوئی جذبہ ابھرا تو میں نے اسے دبانے کی کوشش نہیں کی، بلکہ پہلے اس جذبے کی تکمیل کی، بعد میں اپنے کام کی طرف واپس آیا، یہی وجہ ہے کہ چالیس برس سے میرے دل میں گناہ کا تصور بھی نہیں آیا۔ کسی شخص نے صوفیائے کرام پر اعتراض کیا، ایک دیندار شخص نے معترض سے دریافت کیا کہ تمہیں صوفیاء کی کون سی عادت ناپسند ہے، جس کی وجہ سے تم انھیں ہدفِ طعن بناتے رہتے ہو، کہنے لگا کہ یہ لوگ کھاتے زیادہ ہیں، اس شخص نے جواب دیا اگر تم بھی ان کی طرح بھوکے رہنے لگو تو زیادہ کھاؤ، معترض نے کہا یہ لوگ نکاح بھی زیادہ کرتے ہیں، اس شخص نے جواب دیا کہ اگر تم بھی ان کی طرح نگاہ اور شرمگاہ کو محفوظ رکھو تو نکاح زیادہ کرو حضرت جنید بغدادیؒ فرمایا کرتے تھے کہ مجھے جماع کی اتنی ہی ضرورت ہے جتنی غذا کی، حقیقت بھی یہی ہے کہ بیوی جسم کی غذا ہے، اور دل کی تطہیر کا ذریعہ ہے، روایات میں ہے کہ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کو جس کی نظر کسی اجنبی عورت پر پڑ جائے، اور دل اس کی طرف مُلتفت ہو یہ حکم دیا ہے کہ وہ اپنی بیوی سے صحبت کرلے، اس کا یہ عمل دل کے وسوسوں کا ازالہ کردے گا (۱) حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر ایک عورت پر پڑی، آپ حضرت زینب کے پاس تشریف لے گئے، ضرورت پوری کی، باہر تشریف لائے اور ارشاد فرمایا:

إن المرأة اذا اقبلت اقبلت بصورة شيطان فاذا رأى احدكم امرأة فاعجبته فليأت اهله فان معها مثل الذى معها (مسلم۔ ترمذی)

عورت جب سامنے آتی ہے تو شیطان کی صورت میں آتی ہے، اگر تم میں سے کوئی شخص کسی عورت کو دیکھے اور وہ اسے اچھی لگے تو اسے چاہیے کہ اپنی بیوی کے پاس آئے، اس کے پاس بھی وہی ہے جو دوسری کے پاس ہے۔

ایک روایت میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

لا تدخلوا على المغيبات فان الشيطان يجرى من احدكم مجرى الدم قلنا ومنك قال ومنى ولكن الله اعاننى عليه فاسلم (ترمذی۔ جابرؓ)

جن عورتوں کے شوہر موجود نہ ہوں ان کے پاس تنہا نہ جاؤ اس لئے کہ شیطان تمہارے اندر خون کی جگہ میں پھرتا ہے، صحابہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! آپ کے خون کی جگہ میں بھی شیطان گردش کرتا ہے، فرمایا: ہاں مگر اللہ نے مجھ کو اس پر غالب کردیا ہے اس لئے میں اس کے کید سے محفوظ رہتا ہوں۔

سفیان ابن عیینہؒ فرماتے ہیں کہ لفظ اسلم صیغہ مضارع متکلم ہے ماضی غائب نہیں ہے، جس کے معنیٰ یہ ہیں کہ وہ شیطان مسلمان ہو گیا، بلکہ معنیٰ یہ ہیں کہ میں شیطان کے شر سے بچا رہتا ہوں۔ ماضی کا صیغہ مراد لینا اس لئے صحیح نہیں ہے کہ شیطان مسلمان نہیں ہوتا۔ حضرت ابن عمرؓ بڑے عبادت گذار اور صاحبِ علم و فضل صحابی تھے، ان کے بارے میں منقول ہے کہ وہ صحبت سے روزہ افطار کیا کرتے تھے اس کے بعد کھانا تناول فرماتے تھے، بعض اوقات مغرب کی نماز پڑھنے سے پہلے ہم بستری کرتے، بعد میں نماز پڑھتے، تاکہ دل اللہ کی عبادت کے لئے فارغ ہوجائے اور شیطان کے وسوسے نکل جائیں، کہتے ہیں کہ رمضان المبارک میں عشاء کی نماز سے پہلے انہوں نے اپنی تین تین باندیوں سے صحبت کی ہے۔ حضرت عبداللہ ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ اس امت کا بہترین شخص وہ ہے جس کی بیویاں زیادہ ہوں۔

---

(۱) احمد۔ ابو کبشہ الانماریؓ

حضرت ابن عباس کی مراد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی تھی جیسا کہ بخاری کی روایت میں اس کی صراحت موجود ہے۔
کیونکہ اہلِ عرب کے مزاج پر شہوت غالب تھی۔ اس لئے نیک لوگ نکاح کے ذریعہ اس شہوت کے تقاضے پورے کیا کرتے تھے' اگر زنا کا خوف ہو اور دل فارغ نہ ہو تو باندیوں سے بھی ہم بستری کی اجازت دی گئی ہے' اگرچہ باندی کے ساتھ جماع کرنے میں اولاد کو غلام بنانا ہے' جو ایک طرح کی ہلاکت ہے' یہی وجہ ہے کہ جو لوگ آزاد عورت سے نکاح کرنے پر قادر ہوں' انھیں باندیوں سے نکاح کی اجازت نہیں دی گئی۔ لیکن اولاد کو غلام بنانا دین کو تباہ و برباد کرنے کی بہ نسبت زیادہ آسان ہے۔ غلام بنانے میں صرف یہ خرابی ہے کہ لڑکے کی چند روزہ دنیاوی زندگی خراب گذرے گی' لیکن زنا کے ارتکاب سے ابدی زندگی کی تباہی ہے' آخرت کی زندگی کا ایک دن دنیا کے طویل ترین زمانوں کے برابر ہے۔ ایک روز حضرت ابن عباسؓ کی مجلس کا وقت ختم ہوا تو سب لوگ چلے گئے' صرف ایک شخص بیٹھا رہا۔ آپ نے اس کی وجہ دریافت کی' عرض کیا کہ مجھے ایک مسئلہ دریافت کرنا ہے' پہلے لوگوں کی شرم مانع تھی' اور اب آپ کی عظمت اور ہیبت مانع ہے' ابن عباسؓ نے فرمایا کہ مسئلہ پوچھنے میں شرم نہ کرو' عالم کی حیثیت باپ کی سی ہے' نوجوان نے عرض کیا کہ میں بیوی سے محروم ہوں' شہوت کے وقت ہاتھ سے ضرورت پوری کرلیتا ہوں' کیا میرا یہ عمل گناہ ہے۔ حضرت ابن عباس نے اس نوجوان کی طرف سے منہ پھیر لیا' اور فرمایا: توبہ توبہ! اس صورت میں باندی سے نکاح کرنا بہتر ہے' اس روایت سے معلوم ہوا کہ وہ مجرّد شخص جو شہوت کے جذبات سے مغلوب ہو تین خرابیوں میں سے ایک میں ضرور مبتلا ہوگا۔ ان میں سب سے کم درجے کی خرابی باندی سے نکاح کرنا ہے' اس میں اپنی اولاد کو دوسرے کا غلام بنانا ہے' اس سے زیادہ خرابی ہاتھ سے منی نکالنے میں ہے' اور سب سے زیادہ خرابی زنا میں ہے۔ حضرت عبداللہ ابن عباس نے ان میں سے کسی بھی امر کو مطلق جائز قرار نہیں دیا۔ بلکہ اول کے دونوں امر بھی ممنوع ہیں' لیکن ان کا سہارا اس وقت لیا جاسکتا ہے جب اس سے زیادہ برائی میں مبتلا ہونے کا اندیشہ ہو' مثلاً مردار کھانا حرام ہے' لیکن اگر ہلاکت کا خوف ہو تو بقدرِ ضرورت استعمال کی اجازت دے دی گئی ہے۔ حضرت ابن عباس نے ایک خرابی کو دوسری خرابی سے بہتر فرمایا اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ وہ خرابی مطلقاً مباح ہے' یا مطلق بہتر ہے بلکہ ان کے قول کا منشاء یہ ہے کہ ضرورت اور اضطرار کے وقت اس برائی کو اختیار کیا جاسکتا ہے' مثلاً سڑا ہوا ہاتھ کاٹنا بہتر نہیں ہے' لیکن پورے جسم کی ہلاکت کے خوف سے اس کی اجازت دی گئی ہے۔ اس تفصیل کا حاصل یہ نکلا کہ نکاح کرنے میں ایک فضیلت یہ بھی ہے کہ آدمی ان تین برائیوں سے محفوظ رہتا ہے۔ لیکن فضیلت کی یہ بنیاد تمام لوگوں کے حق میں یکساں نہیں ہے۔ بلکہ اکثر لوگوں کے حق میں یہ فضیلت ہے۔ بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو اپنے مرض' یا کبر سنی کی وجہ سے مغلوبُ الشہوت نہیں رہے ان کے حق میں نکاح کی فضیلت کے یہ معنیٰ نہیں پائے جائیں گے۔ ہاں اگر ایسے لوگ اولاد کی امید میں نکاح کریں تو ان کے لئے بھی یہ فضیلت ہے۔ کیونکہ اولاد کی توقع کے سلسلے میں تمام لوگوں کا حال یکساں ہے۔ نامرد اس فضیلت سے بھی مستثنیٰ ہیں' مگر نامردی عام نہیں ہے' بہت کم لوگ اس دائرے میں آتے ہیں۔

بعض لوگوں پر شہوت کا غلبہ زیادہ ہوتا ہے۔ ایک عورت ان کے لئے کافی نہیں ہوتی' ایسے لوگ ایک سے زیادہ نکاح کرسکتے ہیں' مگر یہ تعداد چار سے تجاوز نہ کرنی چاہیے جن لوگوں پر اللہ تعالیٰ اپنا انعام فرمائیں' اور ان کے مزاجوں کو بیویوں کے مزاجوں سے ہم آہنگ کردیں تو وہ چار پر اکتفا کریں' لیکن اگر مزاج کی ہم آہنگی نہ ہو تو انھیں طلاق دے کر دوسری عورتوں سے بھی نکاح کیا جاسکتا ہے حضرت امام حسنؓ نے بہت زیادہ نکاح کئے' بعض لوگوں نے ان کی بیویوں کی تعداد سو تک بتلائی ہے' بعض اوقات ایک ہی مجلس میں چار عورتوں کو طلاق دے کر دوسری چار عورتوں سے نکاح کرنے کے واقعات بھی آپ سے منقول ہیں' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے امام حسنؓ سے ارشاد فرمایا:

اشبہت خلقی و خلقی' حسن منی و حسین من علی (۱) (احمد۔ مقداد ابن معدیکربؓ)

(۱) مشہور یہ ہے کہ آپ نے یہ جملہ جعفر ابن ابی طالبؓ کو مخاطب کرکے فرمایا تھا' جیسا کہ بخاری و مسلم میں براء ابن عازبؓ کی روایت ہے لیکن حسن بھی آپ کی صورت و سیرت سے بہت زیادہ مشابہ تھے۔ بخاری و مسلم میں ابو جحیفہؓ کی روایت' ترمذی اور حبان میں انسؓ کی روایت سے اس کا ثبوت ملتا ہے۔

تو میری صورت اور سیرت کے مشابہ ہے۔ حسن مجھ سے ہیں اور حسین علی سے ہیں۔

ان ارشادات سے لوگوں نے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ امام حسن کا بکثرت نکاح کرنا بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت کے مشابہ ہے۔ مغیرہ ابن شعبہؓ نے ایسی عورتوں سے نکاح کیا تھا' بعض صحابہ کے گھر میں تین تین چار چار بیویاں تھیں' دو بیویاں بے شمار صحابہ کے یہاں تھیں۔ یہاں یہ نکتہ بھی قابل غور ہے کہ جس وقت سبب معلوم ہو جائے تو علاج سبب کی مقدار کو پیش نظر رکھ کر کرے' کیونکہ نکاح کی کثرت مقصود نہیں ہے' بلکہ نفس کی تسکین مقصود ہے۔

تیسرا فائدہ : حصولِ راحت و انس : نکاح کے ذریعہ دل کو سکون ملتا ہے' بیوی کے پاس بیٹھنا' اس کے رخِ زیبا کی زیارت کرنا اور اس کے ساتھ دل لگی کرنا ایک ایسی تفریح ہے جس سے عبادت پر تقویت ملتی ہے' دل جسم کا ایک نرم و نازک اور حساس حصہ ہے' یہ بہت جلد اکتا جاتا ہے' مشقت سے گھبراتا ہے' کیونکہ حق کی اطاعت میں جسم و جاں کی مشقت ہے اس لئے دل حق سے اعراض کرتا ہے۔ اگر دل کو ہر وقت مشقت کے کاموں میں لگایا جائے اور اس کام پر مجبور کیا جائے جس کے لئے وہ آمادہ نہ ہو تو یہ اس کے جذبہ سرکشی کو تحریک دے گا لیکن اگر کبھی کبھی لذتوں سے راحت میسر ہوتی رہے تو اسے تقویت ملے گی' نشاط حاصل ہو گا عورتوں کے ساتھ دل بہلانے سے غم دور ہوتا ہے اور خوشی حاصل ہوتی ہے' اسی لئے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا لِيَسْكُنَ إِلَيْهَا

(پ ۹ ر ۱۴ آیت ۱۸۹)

وہ (اللہ ایسا قادر منعم) ہے جس نے تم کو تنِ واحد (آدم) سے پیدا کیا' اور اسی سے اس کا جوڑا حوا بنایا تاکہ وہ اس سے انس حاصل کرے۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ اپنے دلوں کو راحت اور سکون پہنچاؤ چاہے چند لمحوں کے لئے کیوں نہ ہو' دلوں سے زبردستی کام نہ لینا چاہیے۔ جب دلوں پر جبر کیا جاتا ہے تو وہ اندھے ہو جاتے ہیں ایک روایت میں ہے کہ صاحبِ عقل کو چاہیے کہ وہ اپنے اوقات کو تین حصوں میں تقسیم کرلے' ایک حصے میں اپنے رب کے حضور مناجات کرے' دوسرے حصے میں اپنے نفس کا احتساب کرے' اور ایک حصے میں کھانا کھائے۔ آخری حصے کے عمل سے پہلے دو حصوں کے اعمال پر مدد ملتی ہے۔ (۱) ایک روایت میں ہے کہ عقلمند تین باتوں کے علاوہ کسی چیز کا حریص نہیں ہوتا۔ ایک یہ کہ وہ آخرت کے لئے زاد راہ تیار کرتا ہے' دوسرے یہ کہ تلاشِ معاش میں مشغول ہوتا ہے تیسرے یہ کہ جائز حدود کے اندر لذت حاصل کرتا ہے۔ (۲) ایک روایت میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ الفاظ نقل کئے گئے ہیں :

لکل عامل شرة ولکل شرة فترة فمن کانت فترته الی سنتی فقد اهتدی

(احمد' طبرانی۔ عبداللہ ابن عمر۔ ترمذی۔ ابو ہریرہؓ)

ہر کام کرنے والے آدمی کے لئے ایک مشقت ہے' اور ہر محنت کے لئے استراحت کا ایک وقفہ ہے جس کی راحت میری سنت کے مطابق ہوگی وہ راہ یاب ہو گا۔

حضرت ابو الدرداءؓ فرماتے ہیں کہ میں اپنے دل کو گاہے بگاہے بہلاتا رہتا ہوں تاکہ امرِ حق پر ثابت قدم رہنے کی قوت حاصل کر سکوں۔ ایک روایت میں ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبرائیل علیہ السلام سے ضُعفِ باہ کی شکایت کی' جبرائیل نے اس کے لئے ہریسہ (۳) تجویز کیا۔ (۴) اگر یہ روایت صحیح ہے تو ضُعفِ باہ کا ازالہ نفس کی راحت کے لئے مقصود ہے تاکہ عبادت کی قوت

(۱' ۲) یہ دونوں روایتیں ابوذرؓ کی طویل حدیث کے دو ٹکڑے ہیں۔ ابن حبان نے اس کی تخریج کی ہے۔ ابوذرؓ کے بقول یہ حدیث صحف ابراہیم سے ماخوذ ہے۔ (۳) یہ ایک قسم کا کھانا ہے جو گیہوں' گوشت وغیرہ سے ملا کر بنایا جاتا ہے۔ (۴) یہ روایت ابن عدی نے حذیفہؓ اور ابن عباسؓ سے' عقیلی نے معاذؓ اور جابر بن سمرہؓ سے' ابن حبان نے کتاب الضعفاء میں حذیفہؓ سے' ازدی نے کتاب الضعفاء میں ابو ہریرہؓ سے نقل کی ہے۔ اس روایت کے حسب طرق ضعیف ہیں۔

حاصل ہوسکے۔ دفع شہوت اس کی علت نہیں ہوسکتی کیونکہ اس صورت میں شہوت کے لئے مشورہ لینا لازم آتا ہے۔ ایک حدیث میں ہے:

حبب الی من دنیاکم ثلاث الطیب والنساء وقرة عینی فی الصلاة (نسائی، حاکم۔ انسؓ)

تمہاری دنیا کی تین چیزیں میرے لئے محبوب کردی گئی ہیں خوشبو، عورتیں اور نماز۔ نماز میں میری آنکھ کی ٹھنڈک ہے۔

جس شخص نے فکر، ذکر اور عمل کی مشقتوں کا تجربہ کیا ہے وہ اس فائدے کا انکار نہیں کرسکتا کہ عورتوں کی ہم نشینی اور قربت سے دل کو سکون ملتا ہے یہ فائدہ دوسرے دو فائدوں سے الگ ہے، اس کا تعلق مردوں سے بھی ہے، اور ان لوگوں سے بھی جن کی شہوت ختم ہوچکی ہے، یا شروع سے موجود ہی نہیں ہے۔ لیکن اس اعتبار سے نکاح کی فضیلت اسی وقت حاصل ہوگی جب نکاح کرنے میں اس فائدے کی نیت کی جائے لوگ حصولِ اولاد اور دفعِ شہوت کی نیت تو کرتے ہیں لیکن حصولِ انس و راحت کی نیت نہیں کرتے۔ اس دنیا میں ایسے لوگ بھی ہیں جو قدرتی مناظر سے دل بہلا لیتے ہیں، وہ عورتوں کی قربت کو راحت جاں نہیں سمجھتے۔ ان کا حال دوسرے لوگوں سے مختلف ہے اس لئے ان کا حکم بھی مختلف ہوگا۔

چوتھا فائدہ: گھریلو ذمہ داریوں سے فراغت: نکاح کا ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ مرد کو گھر کی ذمہ داریوں سے نجات مل جاتی ہے۔ اگر انسان تنہا زندگی گذار رہا ہو تو اس کی ذمہ داری بہت بڑی ہے، گھر کی صفائی سے لے کر کھانا پکانے تک ہر کام اسے خود کرنا ہے۔ گھر کے متعلق کام اتنے گوناگوں اور وسیع ہیں کہ اگر آدمی ان میں لگ جائے تو علم و عمل کے لئے کوئی وقت خالی نہ بچے، اس لحاظ سے وہ عورت جو نیک ہو، اور گھر کا نظم باقی رکھنے میں ماہر ہو دین کی معین و مددگار ہے۔ اس نے اپنے شوہر کے قیمتی اوقات کو علم و عمل کے لئے فارغ کیا، حضرت ابوسلیمان دارانیؒ فرماتے ہیں کہ نیک عورت دنیا میں سے نہیں ہے، وہ اپنے شوہر کو آخرت کے اعمال کے لئے موقع فراہم کرتی ہے، اسے امورِ خانہ داری سے بے فکر بناتی ہے، اور اس کی جنسی ضرورت کی تکمیل کرتی ہے، محمد ابن کعب قرظیؒ فرماتے ہیں کہ قرآن کریم کی اس آیت میں دنیا کی بھلائی سے مراد نیک عورت ہے۔

رَبَّنَا اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَةً وَّفِی الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً (پ ۲ ر ۹ آیت ۲۰۱)

اے ہمارے پروردگار! ہم کو دنیا میں بھی بہتری عنایت کیجئے اور آخرت میں بھی بہتری دیجئے۔

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:۔

لیتخذ احدکم قلبا شاکرا ولسانا ذاکرا وزوجة مؤمنة تعینه علی آخرته

(ترمذی، ابن ماجہ۔ ثوبانؓ)

تم میں سے ہر شخص کو چاہیے کہ وہ شکر کرنے والا دل، ذکر کرنے والی زبان بنائے اور ایسی بیوی حاصل کرے جو مؤمنہ ہو اور آخرت پر اس کی مدد کرنے والی ہو۔

غور فرمایئے آپ نے شکر اور ذکر جیسی نعمتوں کے ساتھ نیک اور صاحبِ ایمان بیوی کا تذکرہ فرمایا۔ قرآن پاک میں ہے:۔

فَلَنُحْیِیَنَّهٗ حَیٰوةً طَیِّبَةً (پ ۱۴ ر ۱۹ آیت ۹۷)

تو ہم اس کو بالطف زندگی دیں گے۔

بعض علماء نے اس آیت کریمہ کی تفسیر میں لکھا ہے کہ حیاۃِ طیبہ سے مراد وہ زندگی ہے جو نیک و صالح بیوی کے ساتھ گذرے حضرت عمر ابن الخطابؓ فرمایا کرتے تھے کہ ایمان کے بعد بندے کو نیک بیوی سے بہتر کوئی نعمت حاصل نہیں ہوتی، ان میں سے بعض عورتیں اتنی اچھی ہوتی ہیں کہ دنیا کی کوئی چیز ان کا بدل نہیں بن سکتی اور بعض گردن کا طوق ہوتی ہیں، کسی بھی فدیہ کے عوض ان سے رہائی نصیب

نہیں ہوتی، سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے :

فضلت علی آدم صلی اللہ علیہ وسلم بخصلتین کانت زوجتہ عونالہ علی المعصیۃ وازواجی اعوان لی علی الطاعۃ وکان شیطانہ کافرا و شیطانی مسلم لا یامر الا بالخیر (۱)

مجھے آدم علیہ السلام پر دو باتوں سے فضیلت حاصل ہے ایک یہ کہ ان کی بیوی معصیت پر ان کی مددگار تھی اور میری بیویاں اطاعت پر میری مددگار ہیں، دوسری یہ کہ ان کا شیطان کافر تھا میرا شیطان مسلمان ہے جو خیر کے علاوہ کوئی امر نہیں کرتا۔

اس حدیث میں اطاعت پر بیوی کی اعانت کو باعث فضیلت قرار دیا گیا ہے۔ اس تفصیل سے ثابت ہوا کہ یہ فائدہ بھی بڑی اہمیت کا حامل ہے، اللہ کے نیک بندے اس فائدے کے حصول کی غرض سے بھی نکاح کی سنت ادا کرتے ہیں۔ مگر اس فائدے کا تعلق صرف ان لوگوں سے ہے جن کا کوئی کفیل نہ ہو، اور جن کے گھر کی ذمہ داریوں کو ادا کرنے والا کوئی دوسرا شخص نہ ہو۔ نیز اس فائدے کو مد نظر رکھ کر نکاح کرنے والوں کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ دو بیویاں نہ ہوں کیونکہ ایک سے زائد نکاح کرنے سے عام طور پر یہ مقصد فوت ہو جاتا ہے اور گھر کا نظم قائم ہونے کے بجائے بگڑ جاتا ہے اس فائدے کے ذیل میں یہ بات بھی آتی ہے کہ نکاح کے وقت افراد خاندان کی کثرت اور قوت کی نیت بھی کرلے کہ اس کے افراد خاندان اور بیوی کے عزیز و اقارب مل کر ایک طاقت بنیں گے، سلامتی حاصل کرنے اور شر کا قلع قمع کرنے کے لئے کبھی اس قوت کی ضرورت پڑتی ہے۔ اسی لئے عرب کہتے ہیں ذل من لا ناصر ہ (جس کا کوئی مددگار نہیں وہ ذلیل ہے)۔ کسی شخص کو اگر کچھ لوگ ایسے مل جائیں جو شر سے اس کا دفاع کر سکیں تو سلامتی کے نقطہ نظر سے یہ بات بڑی اہم ہے۔ اس طرح کا اس وقت خیر کے کام میں زیادہ لگے گا اور دل عبادت کے لئے فارغ ہو سکے گا۔ ذلت دل کو پریشان اور مضطرب کرتی ہے، گروہ کی قوت سے عزت ملتی ہے اور ذلت و رسوائی کا خاتمہ ہوتا ہے۔

پانچواں فائدہ۔ نفس کا مجاہدہ نکاح مجاہدہ نفس کا عظیم ترین ذریعہ ہے گھر کی دیکھ بھال، اہل خانہ کے حقوق کی ادائیگی، بیوی کی عادتوں پر صبر، ان کی اصلاح، اور دین کی طرف ان کی رہنمائی کی کوشش، حلال رزق کے لئے جدوجہد، اور اولاد کی تربیت وغیرہ کام اتنے اہم اور پُر مشقت ہیں کہ ان سے نفس کی خوب تربیت ہوتی ہے، یہ تمام امور بڑی فضیلت رکھتے ہیں۔ ان کا تعلق رعایت اور ولایت سے ہے، اہلِ خانہ رَعِیّت ہیں، رعایا کی حفاظت، نگرانی اور دیکھ بھال کی فضیلت میں کیا شبہ ہو سکتا ہے۔ صرف وہی لوگ اس اہم منصب سے دامن بچاتے ہیں جو ان امور کی ادائیگی میں اپنے عجز کے معترف ہیں، ورنہ اس سلسلے میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی تو یہ ہے۔

یوم من وال عادل افضل من عبادۃ سبعین سنۃ (طبرانی، بیہقی۔ ابن عباسؓ)

حاکم عادل کا ایک دن ستر برس کی عبادت سے افضل ہے۔

ایک مرتبہ ارشاد فرمایا۔

الا کلکم راع و کلکم مسئول عن رعیتہ (بخاری و مسلم۔ ابن عمرؓ)

سن لو تم سب راعی ہو، اور تم میں سے ہر شخص سے اس کی رعایا کے متعلق باز پرس ہوگی۔

جو شخص اپنے نفس کے ساتھ ساتھ دوسرے لوگوں کی اصلاح و تربیت میں بھی مشغول ہو یقیناً وہ اس شخص سے بہتر ہے جسے صرف اپنی فکر ہو

---

(۱) یہ روایت خطیب بغدادیؒ نے اپنی تاریخ میں ابن عمر سے نقل کی ہے۔ اس کی سند میں محمد ابن ولید ابن ابان ابن قلانس ہے۔ ابن عدی نے اس کے بارے میں لکھا ہے کہ یہ شخص احادیث وضع کیا کرتا تھا۔ حدیث کے دوسرے جزء کی تائید مسلم میں ابن مسعود کی روایت سے ہوتی ہے۔ یہ حدیث تیسرے فائدے کے ضمن میں گذر چکی ہے۔

اور اس کی مشغولیت کا محور خود اس کی اپنی ذات ہو اسی طرح وہ شخص جو تکلیفیں برداشت کرے' دوسروں کی راحت و آرام کی خاطر جدوجہد کرے اس شخص سے بدرجہا بہتر ہے جو صرف اپنی راحت اور آرام کے لئے جدوجہد کرے' بیوی بچوں کا فکر کرنا' اور ان کے راحت و آرام کے لئے جدوجہد کرنا راہِ خدا میں جہاد کرنے کے برابر ہے' اسی لئے بشر حافی نے یہ کہا تھا کہ امام احمد کو مجھ پر تین امور کی وجہ سے فوقیت حاصل ہے' ان میں سے ایک یہ ہے کہ وہ اپنے لئے بھی جدوجہد کرتے ہیں' اور اپنے علاوہ دوسرے لوگوں کے لئے بھی جب کہ مجھے سرف اپنی فکر ہے۔ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

مهما انفقت فهو لک صدقة حتّى اللقمة التى ترفعها الى فى امراتک (بخاری و مسلم۔ سعد ابن ابی وقاصؓ)

جو کچھ تم اپنے گھر والوں پر خرچ کرتے ہو وہ تمہارے حق میں صدقہ ہے۔ یہاں تک کہ وہ لقمہ بھی صدقہ ہے جو تم اپنی بیوی کے منہ میں دیتے ہو۔

ایک عالم سے کسی بزرگ نے بطور تحدیثِ نعمت کہا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے ہر عمل میں سے کچھ نہ کچھ حصہ دیا ہے' یہاں تک کہ مجھے حج کی سعادت بھی میسر آئی' جہاد میں بھی شریک ہونے کا موقع ملا۔ عالم نے کہا کہ یہ سب اعمال اپنی جگہ ہیں لیکن تمہیں اَبدال کا عمل ابھی تک نصیب نہیں ہوا۔ بزرگ نے پوچھا اَبدال کا عمل کیا ہے؟ فرمایا: حلال آمدنی کے لئے کام کرنا' اور اہل و عیال کا خرچ اٹھانا۔ ابن مبارک جنگ میں شریک تھے' ایک روز انھوں نے اپنے رفقاء سے دریافت فرمایا: کیا تم اس عمل سے واقف ہو جو ہمارے اس جہاد سے افضل ہے' رفقاء نے اپنی لاعلمی کا اظہار کیا' فرمایا میں جانتا ہوں۔ انھوں نے دریافت کیا وہ کیا ہے؟ فرمایا: جو شخص عیال دار ہو' اور ان کی پرورش کے لئے کسی کے سامنے دست سوال دراز نہ کرتا ہو' وہ رات کو اٹھ کر دیکھے کہ اس کے بچے کھلے پڑے ہیں تو ان پر کپڑا ڈال دے تو اس کا یہ عمل ہمارے جہاد سے افضل ہے۔ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے کثیر العیال شخص کے متعلق ارشاد فرمایا:

من حسنت صلاته و کثر عیاله و قل ماله ولم یغتب المسلمین کان معی فی الجنة کهاتین (ابو یعلی۔ ابو سعید الخدریؓ)

جس شخص کی نماز اچھی ہو' اہل و عیال زیادہ ہوں' اور مال تھوڑا کم ہو وہ مسلمانوں کی غیبت نہ کرتا ہو تو وہ جنت میں میرے ساتھ اس طرح ہوگا (جس طرح یہ دو انگلیاں برابر برابر ہیں)۔

ایک حدیث میں ہے:

ان اللّٰه یحب الفقیر المتعفف بالعیال (ابن ماجہ۔ عمران ابن حصینؓ)

اللہ تعالیٰ اس مفلس صاحبِ اولاد کو محبوب رکھتا ہے جو دستِ سوال دراز نہ کرے۔

ایک مرتبہ ارشاد فرمایا:

اذا کثرت ذنوب العبد ابتلاه اللّٰه بهم (العیال) لیکفرها (احمد۔ عائشہؓ)

جب بندے کے گناہ زیادہ ہو جاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ اسے اولاد کی فکر میں مبتلا کر دیتا ہے تاکہ گناہوں کا کفارہ ہو جائے۔

اکابرینِ سلف فرماتے ہیں کہ بعض گناہ ایسے ہیں کہ ان کا کفارہ اولاد کی فکر کے علاوہ کچھ نہیں ہے۔ ذیل کی حدیث سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔

من الذنوب ذنوب لا یکفرها الا الهم بطلب المعیشة (۱)

---

(۱) الطبرانی فی الاوسط' ابو نعیم فی الحلیة' والخطیب فی تلخیص المتشابہ۔ ابو ہریرۃؓ

بعض گناہ ایسے ہیں جو طلبِ معیشت کے فکر کے علاوہ کسی چیز سے دور نہیں ہوتے۔

لڑکیوں کی تربیت کرنے والے شخص کے متعلق خاص طور پر ارشاد فرمایا :

من کان لہ ثلاث بنات فانفق علیھن و احسن الیھن حتّٰی یغنیھن اللّٰہ عنہ اوجب اللّٰہ لہ الجنۃ البتۃ الا ان یعمل عملاً لا یغفر لہ (١)

(الخرائطی فی مکارم الاخلاق۔ ابن عباسؓ)

جس شخص کی تین بیٹیاں ہوں' اور وہ ان کا خرچ اٹھائے اور ان کے ساتھ اچھا سلوک کرے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اسے ان لڑکیوں کی فکر سے آزاد کردے تو اللہ تعالیٰ یقینی طور پر اس کے لئے جنت واجب کریں گے' مگر یہ کہ وہ شخص ناقابلِ معافی گناہ (مثلاً شرک) کا ارتکاب کرے تو بات دوسری ہے۔

حضرت ابن عباسؓ جب یہ حدیث بیان کرتے تو فرماتے واللہ یہ عجیب و غریب' اور بہترین حدیث ہے۔

ایک عابد کی حکایت : ایک عبادت گزار شخص کا قصہ ہے کہ وہ اپنی بیوی کے ساتھ اچھا سلوک کیا کرتے تھے' اور یہ کوشش کرتے تھے کہ کسی بھی صورت میں اس کی حق تلفی نہ ہو' چند سال کے بعد بیوی کا انتقال ہوگیا' لوگوں نے نکاح کی تجویز پیش کی' مگر انھوں نے یہ کہتے ہوئے انکار کردیا کہ میرے دل کی راحت اور سکون کے لئے ایک ہی بیوی کافی ہے' میں اسی کے تصور سے اپنا دل بہلا لیا کروں گا' لوگ خاموش ہوگئے' ہفتہ بھر بعد انھوں نے خواب میں دیکھا کہ آسمان کے دروازے کھلے ہوئے ہیں' اور کچھ لوگ یکے بعد دیگرے ان دروازوں کے راستے آسمان سے باہر آرہے ہیں۔ جب بھی ان میں سے کسی شخص کی نظر ان بزرگ پر پڑتی ہے وہ دوسرے سے کہتا ہے یہی ہے وہ منحوس اور بدبخت انسان! بزرگ کہتے ہیں کہ ان لوگوں کی بات سن کر مجھے بہت زیادہ ڈر لگا۔ لیکن یہ پوچھنے کی ہمت نہیں ہوئی کہ وہ کس شخص کو اس خطاب سے نواز رہے ہیں۔ آخر میں ایک لڑکا نیچے آیا' میں نے اس سے دریافت کیا کہ آخر تمہاری مراد کس شخص سے ہے؟ اس لڑکے نے جواب دیا وہ منحوس تم ہی تو ہو' ہم تمہارے اعمال ان لوگوں کے ساتھ ساتھ آسمان پر لے جایا کرتے تھے جو راہِ خدا میں جہاد کرتے ہیں لیکن چند روز سے ہمیں یہ حکم ملا کہ اس کو ان لوگوں کے ساتھ شمار کرو جو دشمنانِ دین سے جہاد کرنے سے پہلو تہی کرتے ہیں' ہمیں نہیں معلوم تم نے کون سا قصور کیا ہے' جس کی باری تعالیٰ نے یہ سزا تجویز کی ہے' وہ بزرگ کہتے ہیں کہ صبح جب میری آنکھ کھلی تو میں نے اپنے احباب کو بلایا اور ان سے یہ کہا کہ میرا نکاح کردو۔ اس واقعہ کے بعد انھوں نے ایک وقت میں دو تین نکاح بھی کئے۔ حضرت یونس علیہ السلام کے حالات میں بیان کیا جاتا ہے کہ کچھ لوگ ان کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ انھوں نے آنے والوں کی ضیافت کی۔ لیکن وہ لوگ یہ دیکھ کر سخت حیرت زدہ ہوئے کہ حضرت یونسؑ کی اہلیہ بڑی بدزبان ہیں اور اپنے شوہر کو بڑی تکلیف پہنچاتی ہیں' لیکن اللہ کے یہ نیک پیغمبر حرفِ شکایت زبان پر لانے کے بجائے صبر کرتے ہیں' اور خاموشی سے اپنی بیوی کی تمام ہفوات سنتے ہیں۔ مہمانوں نے صورتحال کی وضاحت چاہی۔ حضرت یونس نے جواب دیا کہ اس میں حیرت کی کوئی بات نہیں ہے' میں نے اللہ عزّوجل سے درخواست کی تھی کہ جو سزا آپ مجھے آخرت میں دینا چاہتے ہیں وہ دنیا ہی میں دے دیں' اس پر مجھے اس لڑکی سے نکاح کرنے کا حکم دیا گیا۔ میں نے حکم کی تعمیل کی۔ اس وقت سے میں اپنی بیوی کی عادتوں پر صبر کررہا ہوں۔

اس میں شک نہیں کہ بیوی کی عادتوں پر' اس کی تلخ کلامی' فضول خرچی اور بدسلیقگی پر صبر کرنے میں نفس کی جفاکشی بھی ہے اور اس کی اصلاح بھی' اس جفاکشی سے غصہ ختم ہوتا ہے' عادتیں صحیح ہوتی ہیں۔ ان لوگوں کے عیوب اور باطن کی خباثتیں ظاہر نہیں ہو پاتیں جو تنہا زندگی گذارنے کے عادی ہیں یا خوش اخلاق لوگوں کے ساتھ رہتے ہیں۔ اسی لئے راہِ آخرت کے سالکین کے لئے ضروری ہے کہ وہ اس طرح کی اُلجھنوں کے ذریعہ اپنے نفس کی آزمائش کریں اور اسے صبر و تحمل کا عادی بنائیں تاکہ ان کے اخلاق میں اعتدال

---

(١) اسی مضمون کی ایک روایت ابوداؤد اور ترمذی میں ابوسعید الخدریؓ سے بھی منقول ہے۔

آجائے، نفس کی اصلاح ہوجائے، اور باطن ناپسندیدہ صفات کی گرفت سے آزاد ہوجائے۔ نکاح کا یہ فائدہ بھی بڑا اہم ہے، مگر اس سے صرف دو ہی شخص مستفید ہوسکتے ہیں، ایک وہ شخص جو سلوک کی خاردار اور دشوار گذار وادی میں قدم رکھ رہا ہو، اور نکاح کے ذریعہ مجاہدہ نفس، تربیت، اور اصلاح کا خواہشمند ہو، عجب نہیں کہ وہ یہ طریقہ اختیار کرکے اپنا مقصد حاصل کرلے۔ دوسرا وہ عابد جو ظاہری اعضاء کے عمل کو ترجیح دیتا ہو، باطن اس کی نظروں سے اوجھل ہو، اور فکر و دل کی حرکت سے بے نیاز وہ نفلی نماز، روزے اور حج میں مشغول ہو، ایسے شخص کے لئے نکاح کرنا، اہل و عیال کے لئے حلال رزق کمانا، اور اپنے اہلِ خانہ کی تربیت کرنا ان ظاہری اعمال کی بہ نسبت افضل ہے۔ اس لئے کہ ان عبادات کا نفع دوسروں کو نہیں پہنچتا خود اس کی ذات تک محدود رہتا ہے۔ لیکن اس شخص کے لئے جو فطری طور پر یا مجاہدے کے ذریعہ اپنے نفس، اور اخلاق کی اصلاح کرچکا ہو اس فائدے کو پیشِ نظر رکھ کر نکاح کرنا ضروری نہیں ہے۔ جہاں تک ریاضت کا تعلق ہے وہ اسے حاصل ہے۔ اہل و عیال کے لئے کمانے کی عبادت کی اسے خاص ضرورت نہیں ہے۔ اس سے بہتر تو یہ ہے کہ وہ علم میں لگ جائے۔ اس لئے کہ علم کا فائدہ لامحدود ہے، اس سے صرف خاندان کے چند افراد ہی فائدہ نہیں اٹھاتے بلکہ بیشمار لوگ اپنے اور غیر سب ہی مستفید ہوتے ہیں۔

نکاح کی آفتیں

پہلی آفت : کسبِ حلال سے محرومی : یہ سب سے بڑی آفت ہے حلال رزق ہر شخص کو حاصل نہیں ہوتا۔ خاص طور پر اس زمانے میں جب کہ معیشت کا معیار خراب ہوگیا ہے اور حلال و حرام کی تمیز اُٹھ گئی ہے، جب کوئی آدمی نکاح کرے گا تو اہل و عیال کے اخراجات کے لئے مال کی طلب بھی ہوگی، یہ بھی ہوسکتا ہے کہ وہ بیوی بچوں کا پیٹ بھرنے کے لئے ناجائز ذرائع اختیار کرے، اس طرح خود بھی ہلاک ہو، اور انھیں بھی ہلاکت میں مبتلا کرے، مجرّد آدمی اس ہلاکت سے محفوظ ہے، شادی شدہ لوگ عام طور پر برائیوں میں پھنس جاتے ہیں اور طلبِ معاش کے لئے وہ راستے اختیار کرتے ہیں جو جائز نہ ہوں، اس طرح وہ بیوی کی خواہشات کی پیروی کرتے ہوئے دنیا کے بدلے میں اپنا دین فروخت کرنے کے جرم کا ارتکاب کرتے ہیں۔ ایک حدیث میں ہے کہ قیامت کے روز بندے کو میزانِ اعمال کے سامنے کھڑا کیا جائے گا، اس کے پاس پہاڑوں کے برابر نیکیاں ہوں گے، اس سے اہل خانہ کی دیکھ بھال اور ان کے حقوق کی ادائیگی کے متعلق سوالات کئے جائیں گے، اسی ضمن میں اس سے مال کے سلسلے میں بھی بازپُرس کی جائے گی کہ کہاں سے کمایا؟ کہاں سے حاصل کیا؟ کہاں خرچ کیا؟ اس سے مال کے سلسلے میں جو مطالبات اس پر ہوں گے وہ اس کی تمام نیکیوں پر حاوی ہوجائیں گے، یہاں تک کہ ایک نیکی بھی باقی نہیں رہے گی، اس وقت فرشتے کہیں گے کہ یہ وہ شخص ہے کہ اس کے اہل و عیال نے اس کی نیکیوں کو کھالیا، اور اب وہ خود اپنے اعمال کی گرفت میں ہے۔ (۱) کہتے ہیں کہ قیامت کے دن سب سے پہلے جو لوگ آدمی سے آکر لپٹیں گے وہ اس کے بیوی بچے ہوں گے، وہ لوگ اسے باری تعالیٰ کے سامنے پیش کریں گے اور عرض کریں گے یا اللہ! یہ وہ شخص ہے جس نے ہمیں اندھیرے میں رکھا اور حرام غذا سے ہمارا پیٹ بھرا، اس سے ہمارا بدلہ لے۔ چنانچہ اس شخص سے بدلہ لیا جائے گا۔ بعض اکابرینِ سلف فرماتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ کسی بندے سے برائی کا ظہور چاہتا ہے تو دنیا میں اس پر ڈنک مارنے والے (یعنی اہل و عیال) مُسلط کردیتا ہے۔ یہ اسے ڈنک مارتے رہتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں :

لا یلقی اللّٰہ احد بذنب اعظم من جھالة اھله (مسند الفردوس۔ ابوسعیدؓ)

اللہ تعالیٰ کے سامنے کوئی شخص اپنے اہل و عیال کو جاہل رکھنے کے گناہ سے بڑھ کر کوئی گناہ لے کر نہیں جائے گا۔

بہرحال یہ ایک ایسی آفت ہے جس کی زد میں آنے سے بہت کم لوگ بچے ہوں گے، ہاں وہ لوگ یقیناً اس سے مستثنیٰ ہیں جن کے پاس

---

(۱) مجھے یہ روایت نہیں ملی۔

موروثی مال و جائداد ہو' یا جائز ذرائع آمدنی ہوں' اور وہ بقدرِ کفایت پر قانع بھی ہوں' یا وہ لوگ جو پیشہ ور ہوں اور حلال رزق کمانے پر قادر ہوں' مثلاً لکڑیاں جمع کرنے والے' اور شکاری وغیرہ۔ یا وہ لوگ جو کسی ایسی صنعت یا حرفت سے متعلق نہ ہوں جن میں سلاطین کا عمل دخل ہو' بلکہ ان کا تجارتی تعلق ان لوگوں سے ہو جو اہلِ خیر ہوں' ابن سالمؒ سے کسی نے نکاح کرنے یا نہ کرنے کے بارے میں سوال کیا۔ انھوں نے جواب دیا کہ اس زمانے میں نکاح کرنا اس شخص کے حق میں افضل ہے جو گدھے کی طرح مغلوبُ الشہوت ہو کہ گدھی کو دیکھ کر بے قابو ہو جائے اور ڈنڈے کھانے کے باوجود اپنی حرکت سے باز نہ آئے۔ لیکن اگر نفس پر اختیار ہو تو نکاح نہ کرنا بہتر ہے۔

دوسری آفت : ادائے حقوق میں کوتاہی : نکاح کرنے میں دوسری آفت یہ ہے کہ وہ شخص اپنی بیوی کے حقوق ادا کرنے سے قاصر ہو' ان کی ایذاء اور تند تلخ باتوں پر تحمل نہ کر سکتا ہو' یہ آفت پہلی آفت سے نسبتاً کم خطرناک ہے۔ کیونکہ حقوق کی ادائیگی پر قدرت اور عورتوں کے ساتھ حسنِ سلوک کی صلاحیت اکثر لوگوں میں ہوتی ہے اور یہ طلبِ حلال کی بہ نسبت آسان بھی ہے' لیکن بہرحال خطرے سے خالی نہیں ہے کیونکہ شوہر راعی ہے' بیوی بچے رعایا ہیں' ہر شخص سے قیامت کے روز اس کی رعایا کے سلسلے میں بازپرس ہوگی جیسا کہ اس مضمون کی حدیث پچھلے صفحات میں گذری ہے۔ ذیل کی روایت سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے:

كفى بالمرء اثماً أن يضيع من يعول (۱)

آدمی کے لئے یہی گناہ کافی ہے کہ اپنے عیال کو ضائع کردے۔

ایک عالم فرماتے ہیں کہ جو شخص اپنے اہل و عیال کی پرورش اور تربیت کے خوف سے راہِ فرار اختیار کرے وہ بھاگے ہوئے غلام کی طرح ہے' جب تک وہ واپس نہ آجائے اس کی نماز' روزہ اور دیگر عبادتیں مقبول نہیں ہیں۔ اسی طرح وہ شخص بھی بھگوڑے غلام سے کم نہیں جو اہل و عیال کے ساتھ ہو' مگر ان کے حقوق کی ادائیگی سے قاصر ہو۔ خداوند قدوس کا ارشاد ہے:

قُوْا أَنْفُسَكُمْ وَأَهْلِيكُمْ نَاراً (پ۲۸ ر۱۹ آیت ۶)

تم اپنے کو اور اپنے گھر والوں کو (دوزخ کی) اس آگ سے بچاؤ۔

اس میں ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ جس طرح ہم خود کو آگ سے بچاتے ہیں اسی طرح اپنے عیال کو بھی آگ سے بچائیں۔

کبھی کبھی انسان اپنی ذات سے متعلق حقوق بھی ادا نہیں کرپاتا۔ اس صورت میں شادی کرنے سے حقوق بڑھ جاتے ہیں' ذمہ داریوں میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ اس کے نفس کے ساتھ دوسرا نفس بھی شامل ہو جاتا ہے' کیونکہ نفس بدی کا حکم کرتا ہے' اس لئے غالب گمان یہی ہے کہ ایک سے دو ہو جانے کی صورت میں بدی بڑھے گی یہی وجہ ہے کہ کسی بزرگ نے یہ کہہ کر نکاح سے معذرت کردی کہ میں خود اپنے نفس کی کوتاہی کا شکار ہوں دوسرے نفس کا اضافہ کیسے کروں؟ ایک شاعر کہتا ہے۔

لن يسع الفارة جحرها علقت المكنس في دبرها

(چوہے کے لئے اس کا بل کافی نہیں ہے' کیونکہ جھاڑو اس کی دم میں بندھی ہوئی ہے)

ابراہیم ابن ادہمؒ نے بھی شادی کرنے سے یہ کہہ کر عذر کیا تھا کہ میں اپنے نفس کی وجہ سے کسی عورت کو دھوکا نہیں دینا چاہتا' میں ان کے حقوق کی ادائیگی' ان کی حفاظت' اور انھیں فائدہ پہنچانے سے قاصر ہوں۔ بشرؒ سے جب لوگوں نے شادی کے لئے کہا تو انھوں نے یہ جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد میرے پاؤں کی زنجیر ہے:

وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِي عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ (پ ر آیت)

سفیان ابن عیینہؒ بادشاہ کے دروازے پر دیکھے گئے تو لوگوں نے حیرت کا اظہار کیا' اور پوچھا' آپ اس جگہ کیسے؟ فرمایا: بھائی عیالدار آدمی اس کے علاوہ اور کہاں ہو سکتا ہے۔ سفیان ابن عینیہؒ یہ اشعار بھی پڑھا کرتے تھے۔

---

(۱) ابوداؤد اور نسائی میں من یعول کی جگہ من یقوت ہے۔ مسلم میں بھی اس مضمون کی روایت ہے۔

یاحبذا الغربة والمفتاح - ومسکن تخرقه الریاح - لاصخب فیه ولا صیاح
(کتنی عمدہ ہے یہ بات کہ تنہائی ہو گھر کی چابی اپنے پاس ہو گھر ایسا ہو جس سے ہوائیں کھیلتی ہوں نہ وہاں شور ہو نہ ہنگامہ)

یہ آفت بھی عام ہے' اگرچہ اس کا عموم پہلی آفت کی بہ نسبت کم ہے' اس آفت سے وہی لوگ محفوظ رہ سکتے ہیں جو حُسنِ اخلاق کے زیور سے آراستہ ہوں' عورتوں کی عادتوں سے اچھی طرح واقف ہوں' ان کی زبان کی تلخی برداشت کرنے کی ہمت رکھتے ہوں' ان کی خواہشات کی پیروی نہ کرتے ہوں' ان کے حقوق ادا کرنے کی خواہش رکھتے ہوں' ان کی کوتاہیوں اور لغزشوں سے صَرفِ نظر کرتے ہوں۔ اس زمانے میں اکثر لوگوں کی حالت یہ ہے کہ عقل سے محروم ہیں' سخت گوئی' سخت گیری' بداخلاقی اور بد مزاجی جیسی مذموم صفات اپنائے ہوئے ہیں' کمزوروں کے ساتھ انصاف کے تقاضے پورے نہیں کرتے اور اپنے لئے انصاف طلب کرتے ہیں' ہمارے خیال میں ایسے لوگوں کو شادی نہ کرنی چاہیے' ان کے حق میں تجرّد کی زندگی بہتر ہے' ورنہ مزاج کی یہ خرابیاں کم ہونے کے بجائے روز بروز بڑھیں گی۔

تیسری آفت:۔ یادِ الٰہی سے دوری۔ یہ آفت پہلی دو آفتوں سے کم عام ہے۔ اس کا حاصل یہ ہے کہ بیوی بچے اسے اللہ تعالیٰ کی یاد سے غافل کردیں' اور اس کی تمام تر توجہات کا محور' اور جدوجہد کا مرکز دنیا کو بنادیں۔ ایسے شخص کو یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ وہ تمام چیزیں جو انسان کو اللہ تعالیٰ کے ذکر سے غافل کردیں خواہ اہل و عیال ہوں' یا مال و دولت سب منحوس ہیں۔ سب چیزیں اصلاً ممنوع نہیں ہیں۔ اور نہ مال دولت حاصل کرنا اگر وہ جائز طریقے سے ہو گناہ ہے' بلکہ ہوتا یہ ہے کہ لوگ دولت سے غلط فائدہ اٹھاتے ہیں' عیش و عشرت میں مبتلا ہوجاتے ہیں' عورتوں سے دل لگی میں اپنا تمام وقت ضائع کردیتے ہیں۔ صبح سے شام اور شام سے صبح ہوجاتی ہے لیکن انھیں آخرت کی تیاری کے لئے فرصت نہیں ملتی۔ ایسے ہی لوگوں کے متعلق حضرت ابراہیم ابن ادہمؒ فرمایا کرتے تھے کہ جو لوگ بیویوں کے گھٹنے سے لگ کر بیٹھے رہنے کے عادی ہوچکے ہیں ان سے کسی خیر کی توقع مت رکھو۔ ابو سلیمان دارانیؒ کہتے ہیں کہ جس شخص نے شادی کی وہ دنیا کا ہوگیا۔ مطلب یہ ہے کہ نکاح کرنا دنیا کی طرف میلان کا باعث ہوتا ہے۔

نکاح کا معیار: کسی بھی شخص کے متعلق یہ نہیں کہا جاسکتا کہ نکاح اس کے حق میں علی الاطلاق بہتر ہے' یا مجرد رہنا بہتر ہے بلکہ اس سلسلے میں صحیح بات یہ ہوگی کہ ہر شخص نکاح سے پہلے ان فوائد اور نقصانات پر نظر ڈالے جو ابھی ہم نے بیان کئے ہیں' پھر ہر فائدے اور نقصان کا اپنی ذات پر انطباق کرے گویا یہ فوائد اور نقصانات معیار ہیں' کسوٹی ہیں' یہ شخص اپنی شخصیت کو اس کسوٹی پر رکھ کر دیکھ سکتا ہے کہ وہ نکاح کا اہل ہے یا نہیں ہے۔ اب اگر وہ یہ دیکھے کہ نکاح کے تمام فوائد اس پر منطبق ہورہے ہیں مثلاً یہ کہ وہ جائز آمدنی رکھتا ہے خوش اخلاق ہے' متدیّن ہے' دین میں اس قدر پختہ ہے کہ شادی سے اللہ تعالیٰ کی یاد میں کوئی فرق نہیں پڑے گا' شہوت کا جوش ہے' اور اسے دبانے کی ضرورت بھی محسوس کرتا ہے' تنہائی کی وجہ سے امورِ خانہ داری کے نظم کی ضرورت رکھتا ہے' اسے یقین ہے کہ اہل و عیال کی کثرت سے اس کی پارسائی پر حرف نہیں آئے گا۔ ایسے شخص کے لئے بہرحال نکاح افضل ہے۔ لیکن اگر فوائد نہ ہوں' بلکہ آفتیں موجود ہوں تو اس کے لئے مجرد رہنا افضل ہے' اگر فوائد اور آفات دونوں خلط ملط ہوں جیسا کہ آج کل یہ صورت عام ہے تو پوری دیانت اور امانت کے ساتھ دونوں پہلوؤں کا تقابل کرے' اور یہ دیکھے کہ فوائد سے اس کے دین میں اضافے کی کس قدر توقع ہے' اور آفات سے کمی کا کس قدر اندیشہ ہے' جو پہلو بھی راجح ہو وہی اختیار کرے۔ مثال کے طور پر اہم ترین فائدے دو ہیں افزائشِ نسل' اور ازالۂ شہوت۔ آفات میں بھی یہ دو آفتیں زیادہ خطرناک ہیں طلب حرام کی ضرورت' اور یادِ الٰہی سے غفلت۔ ان چاروں امور کو ایک دوسرے کے مقابل فرض کیجئے۔ مثلاً اگر کوئی شخص شہوت کی اذیت ہی نہ رکھتا ہو' نکاح محض افزائشِ نسل کے لئے کرنا چاہتا ہے' اور وہ دونوں آفتیں موجود ہیں تو اس کے حق میں مجرد رہنا ہی افضل ہے۔ کیونکہ جو چیز اللہ کی یاد سے غافل کرنے والی ہو اس میں بہتری کی توقع نہیں کی جاسکتی' اور نہ طلبِ حرام ہی کوئی امرِ خیر ہے۔ افزائشِ نسل سے ان دونوں آفتوں سے لاحق ہونے والے نقصان کا تدارک نہیں ہوسکتا۔ اولاد کا پیدا ہونا ایک موہوم امر ہے' لیکن دونوں آفتوں سے دین کی تباہی یقینی ہے' ہمارے خیال میں دین کی حفاظت کرنا' اور دائمی ہلاکت سے اپنے آپ کو

بچانا اولاد کے لئے کوشش کرنے سے زیادہ اہم ہے۔ اصل نفع یہی ہے کہ دین محفوظ رہے' دین انسان کا سرمایۂ حیات اور رأس المال ہے' یہی ضائع ہو جائے تو آخرت کے لئے کیا بچتا ہے۔ ہاں اگر افزائشِ نسل کے ساتھ شہوت کا ہیجان بھی ہو' اور اس کے خاتمے کے لئے نکاح کرنا چاہتا ہو تو یہ دیکھے کہ وہ اس شہوت پر قابو پا سکتا ہے یا نہیں؟ اگر زنا کا خوف ہو تو نکاح کرنا افضل ہے' کیونکہ اب وہ دونوں طرف سے برائیوں میں گھر گیا ہے' ایک طرف زنا کا خوف ہے' دوسری طرف طلبِ حرام ہے۔ ان دونوں برائیوں میں طلبِ حرام زنا سے کم درجہ کا گناہ ہے' اس لئے نکاح کو ترجیح دی جائے گی۔ لیکن اگر زنا کا خوف نہ ہو محض یہ اندیشہ ہو کہ نکاح نہ کرنے کی صورت میں غضِّ بصر نہ ہو سکے گا تو اس صورت میں نکاح نہ کرنا بہتر ہے۔ اگرچہ اجنبی عورت کو دیکھنا اور ناجائز طریقہ پر دولت کمانا دونوں گناہ ہیں لیکن ان دونوں میں ایک فرق بھی ہے اور وہ یہ ہے کہ حرام کا سلسلہ چند روز میں ختم نہیں ہو جاتا' بلکہ آخر تک باقی رہتا ہے' دوسرے یہ کہ حرام مال کا گناہ خود کمانے والے کو بھی ہوتا ہے' اور اس کے گھر والوں کو بھی' جب کہ حرام نظر کبھی ہوتی ہے' اور عمر کے ساتھ اس کا سلسلہ منقطع بھی ہو جاتا ہے' دوسرے یہ کہ حرام نظر کا گناہ صرف دیکھنے والے کو ہوتا ہے' متعلقین اس کے اوبار سے محفوظ رہتے ہیں۔ اگرچہ حرام نظر آنکھ کا زنا ہے۔ لیکن اگر شرمگاہ سے اس زنا کی تاکید نہ ہو تو امید یہی ہے کہ مالِ حرام کمانے کی بہ نسبت وہ شخص غضِّ بصر (نگاہ نیچی رکھنے) پر قادر ہو مگر قلب پر وارد ہونے والے افکار و خیالات کو دور کرنے پر قادر نہ ہو' اس صورت میں بھی نکاح نہ کرنا بہتر ہے۔ کیونکہ دل کے یہ خیالات جب تک عملی شکل اختیار نہ کرلیں قابل مؤاخذہ نہیں ہوتے۔ پھر حرام آمدنی' اور گندے خیالات سے دل کی آلودگی میں ایک فرق یہ بھی ہے کہ دل کی فراغت عبادت کے لئے مقصود ہے' اگر حرام کمائی ہو تو وہ عبادت ہی مکمل نہ ہوگی' اس کے لئے دل کے فراغ کی ضرورت ہی کیا ہے۔ نکاح کرنے کے سلسلے میں فوائد اور آفات کا جائزہ اسی معیار کے مطابق لینا چاہیے۔ جو شخص اس معیار سے واقف ہے۔ اور اس کے محاسن پر مطلع ہے' وہ یہ جانتا ہے کہ اکابرینِ سلف سے نکاح کی ترغیب اور اعراض کے سلسلے میں جو مختلف اقوال اور واقعات منقول ہیں وہ حالات کے اختلاف پر مبنی ہیں۔

آفات سے محفوظ شخص : یہاں یہ سوال کیا جا سکتا ہے کہ اگر کوئی شخص ان تمام آفات سے محفوظ ہو' اور نکاح کرنے میں بظاہر کوئی خطرہ نہ ہو اس کا کیا حکم ہے؟ وہ عبادت الٰہی کے لئے مجرد رہے یا نکاح کرے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ وہ شخص نکاح بھی کرے اور باری تعالیٰ کی عبادت بھی کرے۔ ہمارے خیال میں نکاح عقد ہونے کی حیثیت سے عبادت کے لئے مانع نہیں ہے۔ اگر وہ شخص نکاح سے مرتب ہونے والے خطرات سے محفوظ ہے اور حلال ذرائع آمدنی رکھتا ہے تو اس کے لئے نکاح کرنا افضل ہے۔ اس لئے کہ بظاہر یہ ممکن نہیں ہے کہ آدمی آرام کئے بغیر رات دن عبادت میں مشغول رہے' اور اگر یہ فرض کیا جائے کہ وہ عبادت کے مخصوص اوقات کے علاوہ اپنے تمام وقت مال کمانے میں گذارتا ہے تو یہ دیکھنا چاہیے کہ وہ کن لوگوں میں سے ہے اگر اس کا شمار ان لوگوں میں ہوتا ہے جو نفلی عبادات کے ذریعہ آخرت کا راستہ طے کرنا چاہتے ہیں تو اس کے لئے بھی نکاح افضل ہے کیونکہ جائز طریقے سے مال حاصل کرنا' بیوی بچوں کا خرچ اٹھانا' اولاد حاصل کرنے کے لئے کوشش کرنا' اور عورتوں کی عادتوں پر صبر کرنا بھی نفلی عبادات سے کم نہیں ہے لیکن اگر وہ شخص ان لوگوں میں سے ہے جو علم اور فکر کے ذریعہ سیر باطن کرتے ہیں اور مال کمانے کی مشغولیت ان کی عبادت میں حارج ہے تو اس شخص کے لئے نکاح نہ کرنا بہتر ہے۔

دو پیغمبر ... دو حالتیں : یہاں یہ سوال کیا جا سکتا ہے کہ اگر نکاح افضل ہے تو حضرت عیسٰی علیہ السلام نے یہ فضیلت کیوں نہیں حاصل کی' اور اگر اللہ کی عبادت میں لگنا بہتر ہے تو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے زیادہ نکاح کیوں فرمائے۔ (۱) اس کا جواب یہ ہے کہ جو شخص عالی ہمت' بلند حوصلہ ہو' قوت اور قدرت رکھتا ہو' بظاہر اسے اللہ کی یاد سے غافل کرنے والا کوئی مانع نہ ہو' اس کے حق میں

---

(۱) بخاری میں حضرت انس کی دو روایتیں ہیں۔ ایک میں ازواجِ مطہرات کی تعداد نو بتائی گئی ہے اور دوسری میں گیارہ۔

نکاح بھی افضل ہے' اور عبادت بھی افضل ہے۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو مبدأ فیاض سے یہ تمام محاسن اور خوبیاں ملی تھیں اس لئے آپ نے نکاح اور عبادت دونوں فضیلتیں حاصل فرمائیں۔ اگرچہ آپ نے نو نکاح کئے۔ لیکن عبادت میں بھی کمی نہیں ہوئی۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں نکاح کی کثرت کسی بھی چیز کے لئے مانع نہیں ہوئی' جس طرح ملکی اور قومی انتظام کرنے والے بہت سے بڑے بڑے لوگ قضائے حاجت کے لحات میں بھی اپنے متعلقہ مسائل کی گتھیاں سلجھانے میں مصروف رہتے ہیں' بظاہر وہ قضائے حاجت کررہے ہیں لیکن ان کے دل اپنے مقاصد میں منہمک ہیں۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی علوِ مرتبت' اور رفعتِ شان کا تقاضا یہی تھا کہ آپ کا دل ہر وقت اور ہر لمحہ باری تعالیٰ کے ساتھ حاضر رہے' اور دنیا کا کوئی کام اس سلسلے میں مزاحم نہ ہو۔ یہی وجہ ہے کہ آپ پر وحی اس وقت بھی نازل ہوا کرتی تھی جب آپ اپنی کسی بیوی کے بستر پر آرام فرمارہے ہوتے۔ (۱) اگر کسی دوسرے شخص کے لئے بھی یہ مرتبہ فرض کیا جائے تو ایسا ممکن ہے مگر یہ بات بھی یاد رکھنی چاہیے کہ نالیاں پانی کی ذرا کثرت سے چھلک پڑتی ہیں' جب کہ سمندر میں ایسی باتوں سے کوئی تبدیلی نہیں ہوتی' اس لئے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی پر دوسروں کو قیاس نہ کرنا چاہیے۔ جہاں تک حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا تعلق ہے تو شاید آپ نے احتیاط کا راستہ اختیار کیا تھا۔ شاید آپ کو خانہ داری کی مشغولیتوں کا خطرہ ہو' یا شاید آپ نے طلبِ حلال میں دشواری محسوس کی ہو' یا آپ کا خیال یہ ہو کہ نکاح اور عبادت ایک دوسرے کے ساتھ جمع نہیں ہوسکتے۔ اس لئے آپ نے عبادت ہی کو ترجیح دی' انبیاء علیہم السلام اپنے حالات کے اسرار' اور اپنے زمانے کی نزاکتوں سے زیادہ واقف تھے' وہ اپنے زمانے کی عورتوں کی عادتوں سے بھی لاعلم نہیں تھے' وہ یہ بھی جانتے تھے کہ نکاح کے فوائد کیا ہیں' اور نقصانات کیا ہیں' کون سا عمل کب نفع دے گا وہ اس راز سے بھی واقف تھے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے نکاح نہیں کیا تو اس کی وجہ یہی تھی کہ ان کے حق میں نکاح نہ کرنا افضل تھا۔ ہمارے لئے بہتر یہی ہے کہ ہم انبیاء علیہم السلام کے تمام اعمال و افعال کو افضلیت پر محمول کریں۔

دوسرا باب

عقدِ نکاح کی شرائط اور منکوحہ کی صفات

عقد کی شرائط : وہ شرائط جن سے عقد تام ہوتا ہے اور عورت مرد کے لئے حلال ہوجاتی ہے چار ہیں۔ (۲)

پہلی شرط : ولی کی اجازت عقد کی صحت کے لئے ضروری ہے۔ (۳) اگر عورت کا ولی نہ ہو تو بادشاہ کی اجازت ولی کی اجازت کے قائم مقام ہوگی۔

دوسری شرط : عورت کی رضامندی۔ بشرطیکہ وہ بالغ ہو' یا ثیبہ ہو اس سے پہلے کہیں نکاح ہوچکا ہو اب طلاق یا شوہر کی وفات کی وجہ سے دوبارہ نکاح کررہی یا کنواری ہی ہو لیکن باپ اور دادا کے علاوہ کوئی دوسرا شخص اس کے عقد کا متولی ہو۔

تیسری شرط : ایسے دو گواہوں کی موجودگی جو بظاہر عادل ہوں' یا دو ایسے شخص گواہ ہوں جن کے بارے میں کچھ معلوم نہ ہو' ایسے

---

(۱) بخاری میں حضرت انس کی روایت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ یہ ہیں "یاام سلمۃ لاتؤذینی فی عائشۃ فانہ واللہ ما نزل علی الوحی وانا فی لحاف امرأۃ منکن غیرھا۔" (۲) نکاح کی شرائط' ولایت اور گواہی وغیرہ کے متعلق احناف اور شوافع کے یہاں کچھ اختلافات ہیں۔ قارئین اس کے لیے فقہ حنفی کی مستند کتابوں کی طرف رجوع فرمائیں۔ (۳) احناف کے یہاں نابالغ' مجنون اور غلام کے لیے اولیاء کی اجازت شرط ہے۔ بالغہ کے لیے شرط نہیں ہوگا لیکن اگر بالغہ عورت غیر کفو میں نکاح کرلے تو ولی کی رضامندی شرط ہے۔ ولی راضی نہ ہوگا تو نکاح صحیح نہ ہوگا (کنزالدقائق صفحہ ۱۰۲)

لوگوں کی گواہی سے نکاح صحیح ہوجاتا ہے کیونکہ ضرورت اس کی صحت کا تقاضا کرتی ہے۔(۱)

چوتھی شرط : ایجاب و قبول کا ہونا' ایجاب کی صورت یہ ہے کہ بلفظ انکاح یا تزویج یا کوئی اور لفظ ہو جو اس معنیٰ کے لئے استعمال کیا جاتا ہو' قبول کی بھی یہی صورت ہے کہ قبلت یا کوئی ہم معنیٰ لفظ استعمال کیا جائے۔ ایجاب و قبول میں دو بالغ عاقل مردوں کا ہونا ضروری ہے عورت نہ ہو' مردوں میں خود شوہر بھی ہو سکتا ہے یا شوہر کا ولی ہو' یا دونوں کے وکیل ہوں۔(۲)

عقد کے آداب

پہلا ادب : یہ ہے کہ نکاح سے پہلے پیغام بھیجا جائے' لڑکے والے لڑکی کے ولی سے اور لڑکی والے لڑکے کے ولی سے اپنے اپنے شہر کے دستور اور طریقے کے مطابق گفتگو کریں۔

دوسرا ادب : یہ ہے کہ عقد نکاح میں پہلے ایجاب و قبول کے ساتھ باری تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان کی جائے۔ مثلاً ولی عقد یہ کہے "الحمدللہ والصلاۃ علی رسول اللہ زوجتک ابنتی فلانۃ" (حمد و صلاۃ کے بعد میں اپنی بیٹی فلاں کی شادی تجھ سے کرتا ہوں) اور شوہر یہ الفاظ کہے "الحمدللہ والصلاۃ علی رسول اللہ قبلت نکاحھا" (حمد و صلاۃ کے بعد میں نے اس کا نکاح قبول کیا)۔ مہر کی وضاحت بھی ہونی چاہیے۔ مہر معین ہو اور کم ہو' حمد و صلاۃ خطبہ سے پہلے بھی مستحب ہے۔

تیسرا ادب : یہ ہے کہ لڑکی کو اس کے ہونے والے شوہر کے متعلق بتلا دینا چاہیے' اگرچہ وہ کنواری ہی کیوں نہ ہو' الفت و محبت قائم رکھنے اور ازدواجی رشتہ کی استواری کے لئے ایسا کرنا مناسب ہے یہی وجہ ہے کہ شریعت نے نکاح سے پہلے لڑکی کو دیکھ لینے کی اجازت دی ہے۔ بلکہ مستحب قرار دیا ہے۔

چوتھا ادب : یہ ہے کہ نکاح کے وقت ان گواہوں کے علاوہ جن کا وجود نکاح کی صحت کے لئے ضروری ہے کچھ اور اہل علم و فضل بھی موجود ہوں۔

پانچواں ادب : یہ ہے کہ نکاح سے یہ نیت کرے کہ میں سنت کی اتباع' عفت و عصمت کی حفاظت' افزائشِ نسل اور ان تمام فوائد کے حصول کے لئے نکاح کر رہا ہوں جو نکاح سے مقصود ہونے چاہئیں۔ میرا یہ نکاح محض خواہش نفس کی پیروی کے لئے نہیں ہے۔ اور نہ کوئی دنیاوی فائدہ پیشِ نظر ہے۔ اگرچہ بغیر نیت کے نکاح خواہشِ نفس اور دنیاوی ضرورت کی تکمیل کا ذریعہ بن جاتا ہے' پھر کیا ضروری ہے کہ ہم اس طرح کی نیت کر کے اپنا ثواب ضائع کریں۔ اکثر امور حق خواہش نفس کے موافق ہوتے ہیں۔ حضرت عمر ابن عبدالعزیزؒ کے الفاظ میں امر حق اور خواہش نفس کی مطابقت سونے پر سہاگہ ہے۔ اور یہ کوئی محال یا تعجب خیز بات بھی نہیں کہ دین کا حق' اور نفس کی خواہش دونوں ہی کسی امر کی علت قرار پائیں۔

چھٹا ادب : یہ ہے کہ نکاح مسجد میں منعقد ہو' اس نیک کام کے لئے شوال کا مہینہ زیادہ بہتر ہے۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے عقد بھی شوال میں کیا' اور خلوت بھی اسی مہینے میں فرمائی (مسلم شریف)

---

(۱) احناف کے یہاں گواہی کے لیے اسلام شرط ہے۔ خواہ گواہ پرہیزگار ہوں یا فاسق۔ ان کا فسق کھلا ہوا ہو یا چھپا ہوا۔ البتہ دونوں گواہ مرد ہوں یا ایک مرد اور دو عورتیں ہوں۔ دونوں کا آزاد بالغ اور عاقل ہونا بھی ضروری ہے۔ (شرح وقایہ ج ۲ صفحہ ۹) (۲) احناف کے یہاں عورت کے الفاظ سے بھی نکاح ہوجاتا ہے۔ (شرح وقایہ ج ۲ صفحہ ۶)

منکوحہ کے احوال و صفات

شادی کے لئے لڑکی کے انتخاب سے پہلے دو پہلو پیشِ نظر رہنے چاہئیں' ایک یہ کہ اس لڑکی سے ازروئے شرع نکاح جائز ہے یا نہیں؟ دوم یہ کہ اس لڑکی کے ساتھ زندگی اچھی طرح گذر سکتی ہے یا نہیں؟ جہاں تک لڑکی کے انتخاب میں شرعی پہلو مدّ نظر رکھنے کا تعلق ہے تو اس کی حقیقت یہ ہے کہ وہ لڑکی نکاح کے تمام موانع سے خالی ہو' نکاح کے انیس مانع ہیں۔ ذیل میں ہم ان کی الگ الگ تفصیل عرض کرتے ہیں۔ (۱) یہ کہ کسی دوسرے شخص کی منکوحہ نہ ہو (۲) یہ کہ کسی دوسرے شوہر کی عدت میں نہ ہو' چاہے وفات کی عدت ہو' یا طلاق کی' یا شبہ سے وطی ہونے کی وجہ سے استبراءِ رحم کے لئے وقت گذار رہی ہو' یہی حکم اس باندی کا ہے جو کسی کی ملک میں ہو اور آقا کے حمل سے اس کی برأت منظور ہو' (۳) یہ کہ کوئی کلمہ کفر زبان سے نکل جانے کی وجہ سے مرتد نہ ہوگئی ہو (۴) یہ کہ مجوسی نہ ہو (۵) یہ کہ بت پرست اور زندیقیہ نہ ہو' کسی غیر آسمانی کتاب یا پیغمبر کو ماننے والی نہ ہو' اسی میں وہ عورتیں بھی داخل ہیں جو اباحت پسند ہیں یعنی اس فرقے میں شامل ہیں جو حرام کو حلال سمجھتا ہے' یا ایسے امور کا اعتقاد رکھتی ہیں جن کا اعتقاد شریعت کی نظر میں کفر ہے' ایسی تمام عورتوں کے ساتھ نکاح جائز نہیں ہے (۶) یہ کہ ایسی کتابیہ نہ ہو جس نے اہلِ کتاب کا دین تحریف و تبدیل کے بعد اختیار کیا ہو' یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد اختیار کیا ہو' اور نسباً بنی اسرائیل میں سے نہ ہو' اگر یہ دونوں خصلتیں کسی عورت میں پائی جائیں گی تو اس کا نکاح صحیح نہیں ہوگا' لیکن اگر صرف بنی اسرائیل میں سے نہ ہو تو اس میں علماء کا اختلاف ہے(۱) (۷) یہ کہ لونڈی نہ ہو' لیکن اس میں تفصیل یہ ہے کہ نکاح کرنے والا آزاد' زنا کے خوف سے مامون' اور آزاد عورت سے نکاح کرنے پر قادر ہو' ہاں اگر ان میں سے پہلی شرط یا آخری دو شرطیں مفقود ہوں تو باندی سے نکاح کرنا جائز ہوگا۔(۲) (۸) یہ ہے کہ شوہر کی ملکِ یمین منکوحہ پر ثابت نہ ہو' نہ اس کے جزء پر اور نہ کل پر (۹) یہ کہ منکوحہ ان عزیزوں میں سے نہ ہو جن سے نکاح کرنا حرام ہے' مثلاً ماں' نانی' دادی' بیٹی' پوتی' نواسی' بہن' بھتیجی' بھانجی اور ان سب کی اولاد' پھوپھی اور خالہ۔ لیکن مؤخر الذکر دونوں کی اولاد سے نکاح جائز ہے (۱۰) یہ کہ کسی عورت سے رضاعت کی بنا پر حرمت ثابت نہ ہو' جو رشتے نسب کی وجہ سے حرام ہیں وہی رضاعت کی وجہ سے بھی حرام ہیں۔ لیکن رضاعت کی حرمت اس وقت ثابت ہوتی ہے جب پانچ بار دودھ پئے۔ پانچ سے کم میں امام شافعیؒ کے نزدیک حرمت ثابت نہیں ہوتی۔(۳) (۱۱) یہ کہ اسی عورت سے حرمتِ مصاہرت (دامادی) نہ ہو' مثلاً یہ کہ شوہر نے منکوحہ کی بیٹی یا پوتی یا نواسی وغیرہ سے نکاح کرلیا ہو' یا شبہ عقد میں ان سے وطی کرچکا ہو' یا اس کی ماں' دادی یا نانی سے نکاح کرلیا ہو۔ یا شبہ عقد میں ان سے وطی کرلی ہو' محض عقد کرلینے سے اس عورت کی ماں حرام ہو جاتی ہے' اور اگر عقد کے ساتھ ساتھ وطی بھی کرلی ہو تو اس کی اولاد بھی حرام ہو جاتی ہے۔(۴) یا یہ کہ اس سے پہلے شوہر کے باپ' یا بیٹے نے اس عورت سے نکاح کیا ہو (۱۲) یہ کہ وہ عورت جس سے نکاح کرنے کا ارادہ ہے پانچویں نہ ہو' مطلب یہ ہے کہ اگر اس کے نکاح میں پہلے چار عورتیں موجود ہیں تو اب پانچویں سے نکاح جائز نہیں ہے' ہاں اگر ان چار میں سے ایک مرجائے یا اسے طلاق دے دے تو اب اس سے نکاح کرسکتا ہے (۱۳) یہ کہ اس عورت کو نکاح کرنے والے نے پہلے تین طلاقیں نہ دی ہوں' اگر یہ صورت پیش آئی ہو تو جب تک

---

(۱) احناف کا مسلک کچھ مختلف ہے۔ اگر وہ عورت کتابیہ ہونے سے پہلے مسلمان تھی تو اس کا نکاح ناجائز ہوگا لانہا تکون مرتدۃ حینئذ اور اگر کتابیہ ہونے سے پہلے غیر مسلمہ تھی تو اس سے نکاح جائز ہے۔ مگر غیر مستحسن ہے۔ اس لئے منع کیا جاتا ہے اور نسب کے فرق سے حکم میں کوئی فرق نہیں آتا۔ (ہدایہ کتاب النکاح ص ۲۹) (۲) احناف کے نزدیک آزاد مرد غیر کی لونڈی سے نکاح کرسکتا ہے لیکن آزاد عورت پر لونڈی لانا جائز نہیں ہے۔ ہاں اس کے برعکس ہوسکتا ہے۔ (ہدایہ کتاب النکاح صفحہ ۲۹)

(۳) احناف کا مسلک یہ ہے کہ جب بچے کے منہ میں دودھ چلا گیا تو رضاعت ثابت ہوگئی چاہے تھوڑا دودھ گیا ہو یا بہت۔ اسی طرح اگر بچے نے چھاتی سے دودھ پیا ہو یا چھاتی سے نکال کر اس کے حلق میں ڈال دیا ہو تب بھی رضاعت ثابت ہوجاتی ہے۔ (فتاویٰ عالمگیری ج ۲ صفحہ ۳۵۶) (۴) سوتیلی اولاد سے نکاح درست نہیں ہے چاہے بیوی اس کے پاس رہ چکی ہو یا نہ رہی ہو ہر طرح نکاح حرام ہے۔ (در مختار ج ۲ صفحہ ۱۴)

کوئی دوسرا مرد نکاح صحیح کے بعد اس سے صحبت نہ کرے اس وقت تک پہلے شوہر سے دوبارہ نکاح جائز نہیں ہوگا۔ (۱۴) یہ کہ وہ عورت یا مرد نکاح کا احرام باندھے ہوئے نہ ہوں۔ نکاح احرام سے آزاد ہونے کے بعد ہی صحیح ہوتا ہے۔ (۱) (۱۵) یہ کہ شوہر کے نکاح میں اس عورت کی بہن' پھوپھی' یا خالہ پہلے سے نہ ہوں' کیونکہ ایسی عورتوں سے ایک ساتھ نکاح کرنا حرام ہے جن میں اس طرح کی قرابت ہو کہ ان میں سے ایک کو مرد فرض کریں تو دوسری سے اس کا نکاح صحیح نہ ہو۔ (۱۶) یہ کہ شوہر نے اس سے لعان نہ کیا ہو' کیونکہ ایسی عورت لعان کے بعد شوہر پر ہمیشہ ہمیشہ کے لئے حرام ہو جاتی ہے۔ (۱۷) یہ کہ عورت ثیبہ صغیرہ نہ ہو' کیونکہ اس کا نکاح اب بلوغ کے بعد ہی ہو سکتا ہے۔ (۲) (۱۸) یہ کہ یتیم نہ ہو' کیونکہ یتیم بچی کا نکاح بھی بلوغ کے بعد صحیح ہوتا ہے۔ (۳) (۱۹) یہ کہ وہ ازواجِ مطہرات رضوان اللہ علیہم اجمعین میں سے نہ ہو۔ کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواجِ مطہرات تمام اہلِ ایمان کی مائیں ہیں۔ یہ آخری اور انتیسویں صورت صرف دورِ صحابہ میں تھی' ہمارے زمانے میں مفقود ہے..... یہ ان موانع کی تفصیل تھی جن میں سے کسی ایک یا سب کی موجودگی میں کسی عورت سے نکاح کرنا جائز نہیں ہے۔ ذیل کی سطروں میں ہم ان بہترین خصلتوں کا ذکر کریں گے جنھیں نکاح میں ملحوظ رکھنا چاہیے' تاکہ ازدواجی زندگی پائدار ہو' اور سکون و اطمینان سے بھرپور ہو' اور ان مقاصد کی صحیح طریقہ پر تکمیل ہو سکے جو نکاح سے مطلوب ہیں۔

پہلی صفت ... دینداری : عورت میں پہلی صفت یہ ہونی چاہیے کہ وہ نیک اور ایمان دار ہو' یہ صفت باقی تمام اوصاف کی بنیاد ہے' شادی کے لئے عورت کے انتخاب کے وقت یہی وصف پہلے تلاش کرنا چاہیے' اس لئے کہ اگر وہ دین میں کمزور ہوئی' یا اپنی عصمت و عفت کی حفاظت پوری طرح نہ کر سکی تو شوہر کے لئے ذلت اور رُسوائی کا باعث ہوگی' شوہر کی آبرو پر حرف آئے گا وہ بے غیرت اور بے شرم کہلائے گا' اور معاشرے میں کہیں منہ دکھانے کے قابل نہ رہے گا۔ زندگی بے مزہ ہو کر رہ جائے گی' گھر کا نظام درہم برہم ہو جائے گا' اب اگر شوہر میں غیرت اور دینی حمیت ہوگی تو وہ یہ کوشش کرے گا کہ کسی طرح اس کی اصلاح ہو جائے' اس کے لئے وہ تمام مصیبتیں برداشت کرے گا' بے غیرت ہوگا تو دین میں سستی کرنے والا اور آبرو باختہ کہلائے گا' اگر خدانخواستہ وہ عورت خوبصورت بھی ہوئی تو شوہر کو یہ ہمت بھی نہ ہو سکے گی کہ وہ اسے طلاق دے دے۔ اس طرح ایک بداطوار' اور بد دین عورت کے ساتھ اسے زندگی کے دن گذارنے ہوں گے۔ ایک شخص سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا' اور عرض کیا یا رسول اللہ! میری ایک بیوی ہے' لیکن میں اتنا بے اختیار ہوں کہ اسے کوئی شخص بھی ہاتھ لگانے میں روک نہیں سکتا۔ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے مشورہ دیا کہ ایسی عورت کو طلاق دے دو' اس نے عرض کیا یا رسول اللہ طلاق کیسے دوں؟ مجھے اس سے محبت بھی ہے' آپ نے فرمایا اگر تجھے محبت ہے تو ڈالے رکھ۔ (۴) آپ نے طلاق کا مشورہ اس لئے واپس لے لیا کہ طلاق دینے میں شوہر کے بگڑنے کا خطرہ تھا۔ اس کی والہانہ فریفتگی کا تقاضا یہ ہوتا کہ وہ طلاق کے بعد بھی اس کی جستجو میں رہتا' اور اس طرح گناہ میں ملوّث ہوتا۔ آپ نے یہی بہتر سمجھا کہ نکاح باقی رہے' اور کسی دوسری تدبیر سے یہ خرابی دور ہو۔ اور اگر عورت فضول خرچ ہے' اور اپنے شوہر کا مال معصیت میں خرچ کر رہی ہے تب بھی ازدواجی زندگی اچھی نہیں کہی جا سکتی۔ کیونکہ اگر مرد اس کی حرکتوں پر خاموش رہے گا تو یہ اس کی معصیت میں شریک کہلائے گا' ساتھ ہی باری تعالیٰ کے حکم کی نافرمانی کا مرتکب بھی ہوگا۔ کیونکہ حکم یہ ہے:۔

وَقُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا (پ ۲۸ ر ۱۹ آیت ۶)

اور اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو (دوزخ کی) آگ سے بچاؤ۔

---

(۱) حالت احرام میں حنفیہ کے نزدیک نکاح صحیح ہے۔ شب باشی سے منع کیا جاتا ہے۔ (ہدایہ کتاب النکاح صفحہ ۲۹۰) (۲) احناف کے نزدیک ثیبہ صغیرہ کا نکاح بلوغ سے پہلے صحیح ہے بشرطیکہ اس کے ولی کروائیں ورنہ ولی کی اجازت پر موقوف رہے گا (ہدایہ کتاب النکاح صفحہ ۲۹۵-۲۹۶) (۳) یتیم بچی کا نکاح بھی بلوغ سے پہلے صحیح ہے۔ اگر اس کے اولیاء کرائیں۔ غیروں کے کرانے کی صورت میں ولی کی اجازت پر موقوف رہے گا (ہدایہ صفحہ ۲۹۶) (۴) ابوداؤد' نسائی۔ ابن عباسؓ۔ نسائی نے اس کے متعلق کہا ہے "لیس بثابت" احمد نے منکر اور ابن الجوزی نے اسے موضوع قرار دیا ہے۔

اور اگر منع کرے گا تو ناچاقی پیدا ہوگی، گھر کے حالات خراب ہوں گے۔ غالباً سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے دیندار عورت سے شادی کرنے کے لئے اسی لئے تاکید فرمائی ہے۔ ارشاد ہے:

تنکح المرأة لمالها وجمالها وحسبها ودینها فعلیک بذات الدین تربت یداک (بخاری ومسلم۔ ابوہریرہؓ)

عورت سے اس کے مال، اس کے حسن، اس کے حسب ونسب اور اس کے دین کی وجہ سے نکاح کیا جاتا ہے، تیرے ہاتھ خاک آلود ہوں تو اس کے دین کی وجہ سے نکاح کر۔

ایک مرتبہ ارشاد فرمایا:

من تزوج امرأة لعزها لم یزدہ اللہ إلا ذلا ومن تزوجها لمالها لم یزدہ اللہ إلا فقرا ومن تزوجها لحسبها لم یزدہ اللہ إلا دناءة ومن تزوج امرأة لم یرد بها إلا أن یغض بصرہ ویحصن فرجه او یصل رحمه بارک اللہ له فیها وبارک لها فیه (الطبرانی فی الاوسط۔ انسؓ)

جو شخص کسی عورت سے اس کی عزت کی بنا پر شادی کرے تو اللہ تعالیٰ اس شخص کی ذلت میں اضافہ کرے گا اور جو شخص کسی عورت سے اس کے مال کی وجہ سے شادی کرے تو اللہ اس کی تنگ دستی زیادہ کرے گا اور جو شخص کسی عورت سے اس کے حسب ونسب کی وجہ سے شادی کرے تو اللہ اس شخص کی دنائت میں اضافہ کرے گا اور جو شخص کسی عورت سے غضِ بصر، حفاظتِ فرج اور صلہ رحمی کے خیال سے شادی کرے تو اللہ تعالیٰ اس شخص کے لئے اس کی بیوی میں، اور بیوی کے لئے اس کے شوہر میں برکت عطا کرے گا۔

ایک حدیث میں یہ الفاظ نقل کئے گئے ہیں:

لا تنکح المرأة لجمالها فلعل جمالها یردیها ولا لمالها فلعل مالها یطغیها وانکح المرأة لدینها (ابن ماجہ۔ عبداللہ ابن عمرؓ)

عورت سے اس کے حسن کی وجہ سے شادی نہ کرو کہ شاید اس کا حسن اسے ہلاک نہ کردے، اور نہ اس کے مال کی بنا پر شادی کرو، شاید اس کا مال اسے سرکش نہ بنادے، عورت سے اس کی دینداری کی وجہ سے شادی کرو۔

آپ نے دینداری کی ترغیب اس لئے دی کہ دیندار عورت شوہر کے لئے دینی نقطۂ نظر سے مددگار ثابت ہوتی ہے، اگر متدین نہ ہوئی تو خود بھی گمراہ ہوگی، اور شوہر کو بھی صراطِ مستقیم پر چلنے نہیں دے گی۔

دوسری صفت ... خوش اخلاق: یہ اہم ترین وصف ہے جو تدین کے بعد عورت میں مطلوب ہونا چاہیے، گھریلو الجھنوں سے نجات، فارغ البالی، دین پر استقامت وغیرہ کی بنیاد عورت کی خوش خلقی ہی ہے۔ اگر عورت زبان دراز، بداخلاق، اور کفرانِ نعمت کرنے والی ہوئی تو اس سے نفع کم ہوگا نقصان زیادہ ہوگا۔ یوں بھی عورتوں کی عادتوں پر صبر کرنا ایک آزمائش ہے، اللہ کے بہت سے نیک بندے اس طرح کی آزمائشوں سے دوچار ہوتے ہیں۔ اہل عرب کہتے ہیں کہ چھ طرح کی عورتوں سے شادی مت کرو۔ (۱) انانۃ۔ یہ وہ عورت ہے جو ہر وقت روتی چلاتی ہے، ہر لمحہ شکوے اس کی زبان پر رہیں، دائم المریض ہو، یا بتکلف مریض بنی رہتی ہو، ایسی عورت میں کوئی خیر وبرکت نہیں ہے۔ (۲) منانۃ۔ یہ وہ عورت ہے جو اپنے شوہر پر احسان جتلاتی ہو کہ میں نے تیرے لئے یہ کیا، وہ کیا۔ (۳) حنانۃ۔ یہ وہ عورت ہے جو اپنے پہلے شوہر، یا پہلے شوہر کی اولاد سے محبت رکھتی ہو، ایسی عورت سے بھی اجتناب رکھنا چاہیے۔ (۴) حداقۃ۔ یہ وہ عورت ہے جو ہر چیز کو للچائی ہوئی نظروں سے دیکھے اور شوہر کو خریدنے پر مجبور کرے۔ (۵) برّاقۃ۔ اس کے دو معنی ہیں۔ اہل عرب کے محاورے کے مطابق اس سے وہ عورت مراد ہے جو صبح وشام بناؤ سنگھار میں مصروف رہے۔ اہل یمن اس سے وہ

عورت مراد لیتے ہیں جو کھانے کے وقت ناراض ہو جائے اور ہزار خوشامد کے باوجود سب کے ساتھ مل کر کھانا نہ کھائے جب سب لوگ کھالیں تو تنہا پیٹ بھر لے اور ہر چیز میں سے اپنا پورا پورا حصہ الگ کرلے۔ متشدقہ۔ اس سے مراد وہ عورت ہے جو ہر وقت بک بک کرتی رہے' ایک لمحے کے لئے بھی خاموش نہ رہے' حدیث شریف میں مُتشدّقین کی مذمت کی گئی ہے :

ان ابغضکم إلی وابعدکم منی یوم القیامة الثرثارون والمتشدقون و المتفیقھون (ترمذی۔ جابرؓ)

قیامت کے روز میرے نزدیک مبغوض ترین اور مجھ سے دور تر وہ لوگ ہوں گے جو بکواس کرنے والے ہوں' زیادہ بولنے والے ہوں' اور خود ساختہ فقیہ ہوں۔

کہتے ہیں کہ ازدی نامی ایک سیاح گھومتا پھرتا جب حضرت الیاس علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے اسے مجرّد رہنے سے منع کیا اور شادی شدہ زندگی گذارنے کی نصیحت کی۔ یہ بھی فرمایا کہ چار طرح کی عورتوں سے نکاح مت کرنا ایک اس عورت سے جو ہر وقت بغیر کسی وجہ کے خُلع کا مطالبہ کرتی رہے' دوسری وہ عورت جو شیخی بگھارنے میں ماہر ہو اور دنیاوی مال و دولت کی بنیاد پر اپنی ہم عصر عورتوں پر یا خود شوہر پر اکڑ جائے' تیسری وہ عورت جو بد چلن ہو اور لوگوں سے گندے تعلقات رکھنے میں مشہور ہو۔ اس طرح کی عورتوں کے متعلق اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

وَلَا مُتَّخِذَاتِ اَخْدَانٍ (پ۵ ر۱ آیت ۲۵)

اور نہ خفیہ آشنائی کرنے والی ہوں۔

چوتھی وہ عورت جو شوہر کی نافرمان ہو اور اس پر بالادستی قائم کرنا چاہتی ہو' حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ جو عادتیں مردوں کے حق میں بری سمجھی جاتی ہیں وہ عورتوں کے حق میں اچھی ہیں' مثلاً بخل' تکبر اور بزدلی' اس لئے کہ عورت بخیل ہوگی تو اپنے اور شوہر کے مال کی حفاظت کرے گی اور موقع بے موقع خرچ کرکے ضائع کرنے سے گریز کرے گی' مغرور ہوگی تو دوسرے لوگوں کو اپنی نرم اور شیریں گفتاری سے متأثر نہ کرسکے گی' بزدل ہوگی تو شوہر کے خوف سے لرزاں رہے گی' اس کی اجازت کے بغیر گھر سے باہر قدم نہ رکھے گی اور تہمت کی جگہوں سے بچنے کی کوشش کرے گی۔

تیسری صفت ... حسن و جمال : عورت میں حسن و جمال بھی مطلوب ہے' کیونکہ حسین بیوی مل جانے کے بعد مرد زنا اور اس کے لوازمات سے محفوظ رہتا ہے۔ طبعی طور پر انسان خوبصورتی کا دلدادہ ہوتا ہے' بدصورت عورت ملے تو یہ ممکن ہے کہ وہ دوسری خوبصورت عورتوں کی تلاش میں رہے' اور موقع ملنے پر ان کے ساتھ ملوّث ہوجائے۔ حسن صورت کی طلب اس لئے بھی ہوتی ہے کہ عموماً جس کی صورت اچھی ہوگی اس کی سیرت بھی اچھی ہوگی' گذشتہ صفحات میں ہم نے اس پہلو پر خاص طور پر زور دیا ہے کہ شادی کے لئے لڑکی کے انتخاب میں تدیّن کا لحاظ رہنا چاہیے' اور یہ حدیث بھی نقل کی ہے کہ کسی عورت سے اس کے حسن و جمال کے لئے شادی مت کرو' ان آثار و اقوال کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ حسن و جمال شجرِ ممنوعہ ہیں' بلکہ مقصد یہ ہے کہ اگر عورت صرف خوبصورت ہو دیندار نہ ہو تو محض اس کی خوبصورتی سے متأثر ہو کر نکاح نہ کرنا چاہیے' کیونکہ تنہا حسن نکاح کے مقاصد کی تکمیل نہیں کرتا۔ بلکہ اس کے لئے دینداری زیادہ اہم ہے۔ خوبصورتی کی رعایت اس لئے بھی کی جاتی ہے کہ اس کی وجہ سے میاں بیوی میں عام طور پر رشتہ محبت زیادہ استوار ہوتا ہے' شریعت نے محبت کے اسباب کو بھی اہمیت دی ہے' یہی وجہ ہے کہ شارع علیہ السلام نے نکاح سے پہلے منسوبہ کو دیکھ لینے کی نہ صرف یہ کہ اجازت دی ہے بلکہ اس عمل کو مستحسن قرار دیا ہے۔ حدیث میں ہے :

اذا وقع اللہ فی نفس احدکم من امراۃ فلینظر الیھا فانہ احری ان یودم بینھما (۱)

---

(۱) ابن ماجہ۔ محمد ابن سلمہؓ۔ سند ضعیف۔ مگر "فانہ احری ان یودم بینھما" کے الفاظ ترمذی' نسائی' ابن ماجہ کی روایت میں ہیں۔ جس کے راوی مغیرہ ابن شعبہؓ ہیں۔

تم میں سے کسی کے دل میں اگر اللہ تعالیٰ کسی عورت سے شادی کی خواہش پیدا کرے تو اسے دیکھ لینا چاہیے۔
کیونکہ دیکھ لینے سے طرفین میں محبت پیدا ہوتی ہے۔

یو دم لفظ ادمہ سے مشتق ہے' یہ لفظ جلد کے اس باطنی حصے کے لئے بولا جاتا ہے جو گوشت سے متصل ہو' مطلب یہ ہے کہ جس طرح جلد کا اندرونی حصہ اور گوشت ایک دوسرے سے ملے ہوئے ہیں میاں بیوی میں بھی اسی طرح کا حسن اتصال قائم ہوگا۔ یہ لفظ طرفین کی محبت کے لئے ایک بلیغ تعبیر ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ آپ نے انصاری عورتوں کے متعلق ارشاد فرمایا:۔

ان فی اعین الانصار شیئا فاذا اراد احدکم ان یتزوج منهن فلینظر الیهن (مسلم۔ ابو ہریرہؓ)

انصار کی آنکھوں میں کچھ ہوتا ہے۔ جب تم میں سے کوئی کسی انصاری خاتون سے شادی کرنے کا ارادہ کرے تو اسے دیکھ لے۔

کہتے ہیں کہ انصار کی آنکھیں چھوٹی تھیں' بعض لوگوں نے کہا ہے کہ ان میں چندھیاہٹ تھی' بہرحال یہ دونوں ہی چیزیں چہرے کی خوبصورتی کو متاثر کرتی ہیں' اسی لئے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو ان دونوں عیبوں سے آگاہ بھی فرمایا' اور دیکھنے کی اجازت بھی مرحمت فرمائی تاکہ بعد میں رنجش نہ ہو۔ ماضی میں بعض نیک اور متقی پرہیزگار لوگوں کے متعلق بیان کیا جاتا ہے کہ وہ شرفاء کی بیٹیوں کو بھی دیکھے بغیر شادی نہیں کرتے تھے تاکہ دھوکے سے محفوظ رہیں۔ اعمشؒ فرماتے ہیں کہ جو شادی دیکھے بغیر ہوتی ہے اس کا خاتمہ رنج والم پر ہوتا ہے۔ یہ بات اچھی طرح معلوم ہے کہ ایک نظر دیکھ لینے سے محض ظاہری حسن و جمال ہی کا علم ہو سکتا ہے' سیرت و کردار' اور اخلاق و دیانت کا اس مختصر وقفے میں کیا اندازہ ہوگا۔ اس سے یہ بات ظاہر ہوئی کہ شریعت نے حسن و جمال کی رعایت بھی کی ہے۔ روایات میں ہے کہ حضرت عمرؓ کے زمانۂ خلافت میں ایک شخص نے خضاب کرکے کسی جوان لڑکی سے شادی رچالی تھی' چند دن بعد خضاب اترا تو سفیدی ظاہر ہوئی' لڑکی کے گھر والے حضرت عمرؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ ہم نے تو اس شخص کو جوان سمجھ کر شادی کی تھی' حضرت عمرؓ نے اس شخص کو بلایا اور قرار واقعی سزا دی۔ حضرت بلال حبشیؓ اور حضرت صہیبؓ کے متعلق بیان کیا جاتا ہے کہ یہ دونوں حضرات کسی قبیلے میں گئے' اور لوگوں سے کہا کہ میں بلال ہوں' اور یہ میرے بھائی صہیب ہیں۔ ہم گمراہ تھے اللہ نے ہمیں ہدایت سے نوازا' ہم غلام تھے اللہ نے ہمیں آزاد کیا' ہم مفلوک الحال تھے اللہ نے ہمیں فارغ البالی عطا فرمائی۔ اگر تم اپنی لڑکیوں سے ہماری شادی کردو تو الحمد للہ' اور نہ کرو تو سبحان اللہ۔ ہم واپس چلے جائیں گے۔ قبیلہ والوں نے کہا: آپ واپس نہ جائیں ہم اپنی لڑکیوں سے آپ کی شادی کرنے کے لئے تیار ہیں۔ بعد میں صہیبؓ نے بلالؓ سے کہا کہ اگر آپ اپنے اور میرے تعارف میں ان قربانیوں کا ذکر بھی کردیتے جو ہم نے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خاطر دی ہیں تو بڑا اچھا ہوتا۔ بلالؓ نے فرمایا: چپ رہو' صہیب! تم نے سچ بولا' یہی سچائی تمہاری شادی کرا رہی ہے۔

جہاں تک فریب کا تعلق ہے وہ ظاہری شکل و صورت میں بھی ہو سکتا ہے' اور باطنی سیرت و کردار میں بھی۔ ظاہر کا فریب دیکھ لینے سے دور ہو سکتا ہے' اور باطن کا فریب دور کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ کسی ایسے شخص سے جو عقلمند' راست گو' اور ظاہر و باطن کے احوال سے واقف ہو حالات معلوم کئے جائیں' ایسے شخص کا غیر جانبدار ہونا بھی ضروری ہے' تاکہ نہ وہ عورت کی تعریف میں مبالغہ کرے اور نہ اس کی طرف غلط باتیں منسوب کرے۔ یہ بات ہم اس لئے کہہ رہے ہیں کہ آج کل شادی بیاہ کے معاملات میں لوگوں کی طبیعتوں میں افراط و تفریط زیادہ ہے' اس سلسلے میں سچ بولنے والے لوگ بہت کم ہیں' فریب دہی اور مغالطہ انگیزی کی کوششیں زیادہ ہونے لگی ہیں۔ بہرحال جو شخص اپنے نفس پر قابو نہ رکھتا ہو' اور اسے یہ ڈر ہو کہ بدصورت یا معمولی شکل و صورت رکھنے والی بیوی اسے اجنبی عورتوں کو دیکھنے اور ان کے پیچھے دوڑنے سے نہ روک سکے گی تو اس سلسلے میں اس احتیاط سے کام لینا چاہیے۔ ہاں اگر کوئی شخص ادائے سنت حصول اولاد اور گھریلو نظم کے لئے نکاح چاہتا ہو تو اسے حسن و جمال کی ضرورت نہیں ہے' اور یہ بات زہد و تقویٰ سے قریب تر بھی ہے کیونکہ حسن و

جمال بہرحال دنیاوی چیزیں ہیں اور عارضی ہیں۔ یہ اور بات ہے کہ بعض اوقات حسن و جمال سے دین پر مدد ملتی ہے، حضرت ابو سلیمان دارانیؒ فرماتے ہیں کہ زہد ہر چیز میں ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ اس بوڑھی عورت میں بھی ہوتا ہے جس سے کوئی شخص دنیا میں زہد اختیار کرنے کے لئے شادی کرلے۔ مالک ابن دینارؒ فرماتے ہیں۔ تم لوگ یتیم اور مفلس لڑکی سے شادی نہیں کرتے، حالانکہ اسے اپنانے میں اجر و ثواب کے علاوہ دنیاوی نقطۂ نظر سے بھی بڑی سہولت ہے، اگر تم اسے معمولی کھانا کھلادو، معمولی کپڑے پہنادو تو وہ کوئی شکایت نہیں کرے گی۔ اس کے برعکس تم دنیادار امراء اور ذی حیثیت لوگوں کی بیٹیوں سے شادی کرتے ہو، حالانکہ وہ تمہیں اپنی خواہشات کے بوجھ میں دبادیتی ہیں اور نئے سے نئے کپڑے اور اچھے سے اچھے کھانے کی فرمائش کرکے تمہارا ناطقہ بند کردیتی ہیں۔ امام احمدؒ نے دو حقیقی بہنوں کے متعلق دریافت فرمایا کہ ان میں عقلمند کون سی ہے، لوگوں نے عرض کیا : فلاں لڑکی عقلمند ہے، لیکن بدقسمتی سے آنکھوں سے محروم ہے، فرمایا: میرا نکاح اسی اندھی لڑکی سے کردو۔ یہ ان لوگوں کا اسوہ ہے جو ضرورت کی تکمیل کے لئے شادی کرتے ہیں، لذت کے لئے نہیں کرتے۔ لیکن وہ لوگ جو لذت کے بغیر اپنے دین کی حفاظت نہ کرسکیں انھیں جمال بھی طلب کرنا چاہیے۔ کیونکہ مباح ذرائع سے لذت حاصل کرنا دین کا ایک مضبوط قلعہ ہے، کہا جاتا ہے کہ اگر عورت خوبصورت ہو، خوش اخلاق ہو، اس کے گیسو سیاہ اور دراز ہوں۔ اس کی آنکھیں روشن، کشادہ اور سیاہ ہوں اس کا رنگ سفید ہو، شوہر کو ٹوٹ کر چاہتی ہو تو وہ دنیا میں جنت کی حوروں کا نمونہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جنت کے حوروں کے یہی اوصاف بیان فرمائے ہیں۔ خَيْرَاتٌ حِسَانٌ (پ ۲۷ ر ۱۳ آیت ۷۹) قَاصِرَاتُ الطَّرْفِ (پ ۲۳ ر ۱۳ آیت ۵۲) عُرُبًا أَتْرَابًا (پ ۲۷ ر ۱۴ آیت ۳۶) حُورٌ عِينٌ (پ ۲۷ ر ۱۴ آیت ۲۲) ان آیات میں خیرات سے مراد خوش اخلاق اور حسان سے مراد خوبصورت عورتیں ہیں۔ قاصراتُ الطرف سے وہ عورتیں مراد ہیں جو صرف شوہر کو مرکز نظر بنائیں، عرب جمع عروب کی ہے، اس سے مراد وہ عورتیں ہیں جو اپنے شوہروں کی عاشق ہوں، ان سے ہم بستری کی خواہش رکھتی ہوں، یہی صفت کمال بھی ہے جو مطلوب ہونی چاہیے۔ حور اس عورت کو کہتے ہیں جس کی آنکھ میں سفیدی بھی زیادہ ہو اور سیاہی بھی زیادہ اور عیناء اس عورت کو کہتے ہیں جس کی آنکھیں بڑی بڑی ہوں۔ صحیح معنی میں عورت میں وہ صفتیں ہونی چاہیں جن کی نشاندہی سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی ہے :

خير نسائكم التي اذا نظر اليها زوجها سرته وان امرها اطاعته واذا غاب عنها حفظته في نفسها وماله (نسائی۔ ابو ہریرہؓ)

تمہاری بہترین عورت وہ ہے کہ جب شوہر اس کی طرف دیکھے تو وہ اسے خوشی بخشے، جب کوئی حکم دے تو اس کی تعمیل کرے، جب اس کے پاس نہ ہو تو اپنے نفس اور اس کے مال کی حفاظت کرے۔

ہمارے خیال میں مرد اپنی بیوی کو دیکھ کر اسی وقت خوش ہوگا جب وہ اس سے محبت کی باتیں کرے گی۔

چوتھی صفت ... مہر کم ہونا : رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں :

خير هن ايسر هن صداقا (ابن حبان۔ ابن عباسؓ)

بہترین عورتیں وہ ہیں جن کے مہر ہلکے پھلکے ہوں۔

ایک روایت کے مطابق آپ نے زیادہ مہر مقرر کرنے سے منع فرمایا ہے (سنن اربعہ۔ موقوفاً علی عمر ابن الخطابؓ) آپ نے حضرت ام سلمہؓ سے دس درہم اور گھر کے سامان (جو ہاتھ کی چکی، گھڑے، کھجور کی چھال بھرے ہوئے گدے پر مشتمل تھا) کے عوض نکاح فرمایا۔ (ابوداؤد، طیالسی، بزار۔ انسؓ) نہ صرف یہ کہ مہر متعین کرنے میں آپ نے اعتدال کا پہلو ملحوظ رکھا بلکہ ولیمہ کی تقریب بھی زیادہ اہتمام اور شان و شوکت سے نہیں منائی، ایک زوجہ مطہرہ کے ولیمے میں جو کی روٹی تھی، ایک کے ولیمے میں کھجوریں کھلائی گئیں، اور ایک کے ولیمے میں ستو سے مہمانوں کی ضیافت کی گئی۔ (۱) حضرت عمرؓ کو بھی مہر کی کثرت ناپسند تھی، فرمایا کرتے تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے

---

(۱) جو کی روایت بخاری میں عائشہؓ سے ہے اور کھجور اور ستو کی روایت انسؓ سے مسلم میں منقول ہے۔

نہ اپنا مہر چار سو درہم سے زیادہ بندھوایا' اور نہ ہی اپنی کسی صاحبزادی کا مہر اس سے زیادہ رکھا' اگر مہر میں زیادتی مستحسن ہوتی تو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم اسے ضرور اختیار فرماتے (سنن اربعہ۔ عمرؓ موقوفاً) بعض صحابہ کرام۔ مثلاً عبدالرحمٰن ابن عوفؓ نے پانچ درہم کے برابر سونے کی مقدار پر نکاح کیا (بخاری و مسلم۔ انسؓ)۔ حضرت سعید ابن المسیبؒ نے اپنی صاحبزادی کا نکاح حضرت ابو ہریرہؓ سے دو درہم کے عوض میں کیا' منقول ہے کہ آپ بنفس نفیس اپنی صاحبزادی کو ابو ہریرہؓ کے مکان پر لے گئے اور انھیں اندر بھیج کر واپس تشریف لائے' اس کے بعد سات روز تک اپنی بیٹی سے نہیں ملے۔ اگر اس خیال سے دس درہم مہر مقرر کئے جائیں کہ تمام علماء کے نزدیک نکاح صحیح ہو جائے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ (۱) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

من یمن المرأة أن تتیسر خطبتها وأن یتیسر صداقها وأن یتیسر رحمها
(احمد' بیہقی۔ عائشہؓ)

عورت کا مبارک ہونا یہ ہے کہ اس کی منگنی کا پیغام جلد آئے' اس کا مہر کم ہو اور اس کے بچہ جلد پیدا ہو۔

ان اعظم النساء برکة أیسرھن صداقا (احمد' بیہقی۔ عائشہؓ)

عورتوں میں زیادہ برکت والی وہ ہے جس کا مہر سب سے کم ہو۔

جس طرح عورت کی جانب سے مہر کی زیادتی ناپسند ہے' اسی طرح یہ بھی ناپسند ہے کہ مرد عورتوں کی دولت پر نظر رکھیں' اور زیادہ جہیز کی حرص کریں۔ سفیان ثوریؒ فرماتے ہیں کہ جب کوئی نکاح کرنے والا شخص یہ معلوم کرے کہ اس کی بیوی کیا لائی ہے؟ تو یہ سمجھ لو کہ وہ شخص چور ہے۔ اگر مرد اپنی سسرال میں کوئی تحفہ وغیرہ بھیجے تو یہ نیت نہ کرے کہ وہ لوگ بھی اس کے بدلے میں کچھ نہ کچھ بھیجیں گے' اسی طرح بیٹی والے بھی اپنی بیٹی کو کچھ دے کر واپسی کی نیت نہ رکھیں۔ ہدیہ بھیجنا مستحب ہے' سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے' جب بھی طرفین میں سے کوئی ہدیہ بھیجے تو اس کی نیت یہی ہونی چاہیے کہ وہ سرکار دو عالم کی سنت پر عمل کر رہا ہے۔ ارشاد نبوی ہے:

تھادوا تحابوا (البخاری فی الادب المفرد۔ ابو ہریرہؓ)

آپس میں ہدیہ دو اور محبت پیدا کرو۔

حرص و ہوس اور دے کر لینے کی نیت کی مذمت قرآن پاک کے الفاظ میں اس طرح کی گئی ہے:

وَلَا تَمْنُنْ تَسْتَكْثِرُ (پ۲۹ر۱۵ آیت ۶)

اور کسی کو اس غرض سے مت دو کہ (دوسرے وقت) زیادہ معاوضہ چاہو۔

زیادتی طلب کی نیت سے دینے والے لوگوں پر اس آیت کریمہ کا مضمون صادق آتا ہے:

وَمَا آتَيْتُمْ مِنْ رِبًا لِيَرْبُوَ فِي أَمْوَالِ النَّاسِ (پ۲۱ر۷ آیت ۳۹)

اور جو چیز تم اس غرض سے دو گے کہ وہ لوگوں کے مال میں پہنچ کر زیادہ ہو جائے (تو یہ خدا کے نزدیک نہیں بڑھتا)

ربا کے معنی ہی زیادتی کے ہیں' اس صورت میں بھی زیادتی کی طلب پائی جاتی ہے' اگرچہ یہ ان چیزوں میں سے نہیں ہے جن میں ربوا (سود) ہوتا ہے۔ بہرحال یہ سب امور بدعت ہیں' نکاح نکاح ہونا چاہیے' نہ کہ تجارت اور جوا۔ مہر کی زیادتی سے بھی نکاح کے مقاصد مجروح ہوتے ہیں اور عورت سے شوہر کے مطالبۂ زر سے بھی۔

---

(۱) یاد رہے کہ شافعیہ کے نزدیک دس درہم سے کم مہر بھی درست ہے کیونکہ بعض روایات میں اس سے کم مہر کا ذکر ہے۔ احناف کہتے ہیں کہ اس طرح کی تمام روایات ضعیف ہیں۔ صرف ایک روایت صحیح ہے۔ جس میں لوہے کی انگوٹھی کا ذکر ہے لیکن اس میں بھی بہت سے احتمالات ہیں۔ ممکن ہے آپ نے مہر کی کم سے کم مقدار پوری کرنے کے لیے یہ انگوٹھی تلاش کرائی ہو۔ احناف بیہقی کی اس روایت سے استدلال کرتے ہیں۔ "لا مہر اقل من عشرۃ دراھم" (دس درہم سے کم مہر نہیں ہے)

پانچویں صفت ... عورت کا بانجھ نہ ہونا : یہ بھی ایک قابل لحاظ صفت ہے' اگر یہ بات معلوم ہو جائے کہ فلاں عورت بچے پیدا نہیں کر سکتی تو اس سے شادی نہ کرے۔ ارشاد نبوی ہے :

تزوجوا الولود الودود (ابوداؤد' نسائی۔ معقل ابن یسارؓ)

ایسی عورت سے شادی کرو جس کے اولاد ہو اور وہ شوہر سے محبت کرنے والی ہو۔

اگر کسی کنواری لڑکی سے شادی کرنے کا ارادہ ہو تو یہ دیکھ لینا چاہیے کہ وہ تندرست اور جوان ہے یا نہیں؟ اگر یہ دونوں باتیں کسی عورت میں پائی جائیں تو گمان غالب یہی ہے کہ اس کے اولاد ہوگی۔

چھٹی صفت ... کنواری ہونا : حضرت جابرؓ نے ایک عمر رسیدہ شادی شدہ عورت سے نکاح کر لیا تھا۔ جب وہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے ان سے ارشاد فرمایا :

ھلا بکرا تلاعبھا و تلاعبک (بخاری و مسلم۔ جابرؓ)

کنواری لڑکی سے شادی کیوں نہ کی وہ تم سے کھیلتی تم اس سے کھیلتے۔

کنواری لڑکی سے شادی کرنے میں تین فائدے ہیں۔ ایک فائدہ تو یہ ہے کہ کنواری لڑکی اپنے شوہر سے زیادہ محبت کرتی ہے' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد گرامی کی عملی طور پر تائید و تصدیق بھی کنواری لڑکی سے شادی کرنے ہی سے ہوتی ہے کہ تم محبت کرنے والی عورت سے شادی کرو۔ اصل بات یہ ہے کہ انسانی طبیعت سے پہلی محبت کا اثر دیر میں زائل ہوتا ہے' بلکہ بعض اوقات یہ اثر اتنا دیرپا ہوتا ہے کہ زائل ہی نہیں ہوتا۔ مرد آزمودہ اور جہاندیدہ عورت سے شادی کرنے میں اس خطرے کا امکان ہے کہ وہ اپنے پہلے شوہر کی محبت سے آزاد نہ ہو پائے اور دوسرے شوہر سے محبت نہ کر سکے۔ دوسرا فائدہ یہ ہے کہ شوہر بھی اپنی بیوی سے حقیقی اور بے پناہ محبت کرتا ہے۔ یہ ایک فطری بات ہے۔ شوہر کبھی نہیں چاہے گا کہ اس کی بیوی کو کسی نے ہاتھ لگایا ہو۔ جب اسے اپنی بیوی کے پہلے شوہر کا خیال آئے گا تو یقیناً گراں باری ہوگی اور ذہن پر غلط اثرات مرتب ہوں گے۔ بعض لوگ تو اس سلسلے میں کچھ زیادہ ہی حساس واقع ہوئے ہیں۔ تیسرا فائدہ یہ ہے کہ کنواری لڑکی اپنے سابقہ شوہر کے ساتھ گذری ہوئی زندگی یاد نہیں کرتی' شادی شدہ عورت کو کبھی نہ کبھی پہلے شوہر کا خیال آئے گا اور اس طرح موجودہ شوہر کے ساتھ بدمزگی پیدا ہوگی۔

ساتویں صفت ... حسب و نسب والی ہونا : یعنی ایسے خاندان کی چشم و چراغ ہو جس میں دینداری اور تقویٰ ہو۔ خاندان کے اثرات لڑکی پر ضرور مرتب ہوں گے' بلکہ ایسے گھرانے اپنی بیٹیوں کی تربیت اچھے ڈھنگ سے کرتے ہیں' اگر لڑکی کسی بے دین گھرانے سے ہوئی تو وہ نہ خود تربیت یافتہ ہوگی اور نہ اپنی اولاد کی تربیت اچھی طرح کر سکے گی' اسی لئے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ سے فرمایا :

ایاکم و خضراء الدمن' فقیل: وما خضراء الدمن! قال: المراة الحسناء فی المنبت السوء (دار قطنی۔ ابو سعید الخدریؓ)

غلاظت کے ڈھیر پر اگی ہوئی سبزی سے بچو' عرض کیا گیا: یا رسول اللہ! خضراء و دمن سے آپ کی مراد کیا ہے' فرمایا: برے خاندان کی خوبصورت لڑکی۔

ایک مرتبہ ارشاد فرمایا :

تخیروا لنطفکم فان العرق دساس (۱) (ابن ماجہ۔ عائشہؓ)

---

(۱) مگر عائشہؓ کی روایت میں فان العرق دساس کے الفاظ نہیں ہیں۔ یہ الفاظ دیلمی نے انسؓ سے اور ابو موسیٰ المدینی نے عبداللہ ابن عمرؓ سے نقل کیے ہیں۔

اپنے نطفے کے لئے اچھا انتخاب کرو' اس لئے کہ قرابت داری کی رگیں آباء و اجداد سے اولاد کے جسموں میں منتقل ہوتی ہیں۔

مطلب یہ ہے کہ بڑوں کے اخلاق و کردار کا اثر چھوٹوں پر بھی مرتب ہوتا ہے' اس لئے نیک اور صالح بیوی کا انتخاب کرنا چاہیے تاکہ اولاد بھی نیک اور صالح ہو۔

آٹھویں صفت ... قریبی رشتہ دار نہ ہو : زیادہ قریب کی رشتہ داری میں برائی یہ ہے کہ اس سے شہوت میں کمی آجاتی ہے۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے :

لاتنکحوا القرابة القریبة فان الولد یخلق ضاویا (۱)

قریبی عزیزہ سے شادی مت کرو' اس لئے کہ بچہ کمزور پیدا ہوتا ہے۔

بچے کے کمزور ہونے کی وجہ یہ ہے کہ قریبی رشتہ رکھنے والی عورت کے سلسلے میں جنسی شہوت میں وہ ہیجان نہیں ہوتا جو اجنبی عورت سے شادی کرنے میں ہوتا ہے۔ شہوت دیکھنے اور چھونے سے پیدا ہوتی ہے' جو عورت مسلسل نظروں میں رہی ہو تو اسے دیکھتے دیکھتے نگاہیں عادی ہوجاتی ہیں اور شادی کے بعد جب اسے دیکھا جائے تو اس میں بظاہر کوئی نیا پن نہیں ہوتا۔ یہی وجہ ہے کہ شہوت پوری طرح نہیں ابھرتی۔ شہوت کا ضعف ہی بچے میں کمزوری کا سبب بنتا ہے۔

یہ چند اوصاف ہیں جو نکاح کے سلسلے میں ملحوظ رہنے چاہئیں۔ والدین اور سرپرستوں کو بھی چاہیے کہ وہ اپنی لختِ جگر کے لئے موزوں شوہر کا انتخاب کریں' شادی سے پہلے لڑکے کو اچھی طرح دیکھ لیں' انھیں اس کے اخلاق' کردار' جسمانی نظام اور مالی حیثیت ان تمام امور کا بنظرِ غائر مطالعہ کرنا چاہیے۔ ایسا نہ ہو کہ وہ کسی ایسے شخص کو اپنی عزیز از جاں بیٹی سپرد کردیں جو اس کے حقوق ادا نہ کرسکے یا نسب وغیرہ کے معاملے میں اس کا ہم پلّہ نہ ہو۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں :

النکاح رق فلینظر احدکم این یضع کریمته (۲)

نکاح عورت کو کنیز بناتا ہے' اس لئے یہ دیکھ لیا کرو کہ تم اپنی بیٹی کو کہاں دے رہے ہو۔

لڑکی کے حق میں احتیاط بے حد ضروری ہے۔ اس لئے کہ لڑکی ہر حال میں اپنے شوہر کی قیدی ہے' اس قید سے نجات حاصل کرنا اس کے بس سے باہر ہے۔ شوہر کو طلاق کا اختیار حاصل ہے' وہ کسی بھی وقت کنارہ کش ہوسکتا ہے' اور اسے زندگی کے صحرا میں بے یار و مددگار چھوڑ سکتا ہے۔ دانستہ طور پر اپنی لڑکی کو کسی ظالم و جابر' فاسق' مُبتدِع یا شرابی کے سپرد کرنے والا شخص مجرم ہے' وہ باری تعالیٰ کے غیض و غضب کا مستحق ہے' کیونکہ اس نے قطع رحمی' اور سوءِ انتخاب کی بدترین مثال قائم کی ہے۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں :

من زوج کریمته من فاسق فقد قطع رحمها (ابن حبان فی الضعفاء۔ انس)

جس شخص نے کسی فاسق سے اپنی بیٹی کی شادی کی اس نے قطع رحمی کی۔

ایک شخص نے حضرت حسن بصریؒ سے عرض کیا۔ میری لڑکی کے لئے بہت سے رشتے آئے ہیں' آپ کے خیال میں لڑکا کیسا ہونا چاہیے۔ فرمایا: اس لڑکے کا انتخاب کرو جس کے دل میں خدا کا خوف ہو' جو تمہاری بیٹی سے محبت کرے تو اس کی محبت میں تعظیم کا پہلو نمایاں ہو اور اگر کسی وجہ سے ناراض ہو تو ظلم نہ کرے۔

---

(۱) ابن الصلاح نے اس حدیث کا انکار کیا ہے۔ حافظ عراقی کہتے ہیں کہ یہ حضرت عمرؓ کا قول ہے۔ آپ نے آل سائب سے ارشاد فرمایا تھا "قد اضویتم فانکحوا فی النوابغ" ابراہیم الحربی نے یہ قول غریب الحدیث میں نقل کیا ہے۔ (۲) یہ روایت ابو عمر التوقانیؒ نے "معاشرۃ الاھلین" میں اسماء بنت ابی بکرؓ اور عائشہؓ سے موقوفاً نقل کی ہے۔ بیہقی کہتے ہیں کہ یہ روایت مرفوع بھی نقل ہوئی ہے۔ مگر موقوف زیادہ صحیح ہے۔

تیسرا باب

آدابِ زندگی

شوہر کے فرائض : شوہر کے فرائض میں بارہ چیزیں شامل ہیں۔ ان میں سے ہر ایک میں اعتدال اور حسن ادب کی رعایت بہت ضروری ہے۔ ذیل میں ہم ان سب کی الگ الگ تفصیل کرتے ہیں۔

ولیمہ : ولیمہ مستحب ہے۔ حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے عبدالرحمٰن ابن عوف کے کپڑوں پر زردی کے نشانات دیکھ کر فرمایا: عبدالرحمٰن! یہ کیسے نشانات ہیں؟ عرض کیا: یا رسول اللہ! میں نے کھجور کی گٹھلی کے برابر سونے کی مقدار پر ایک عورت سے نکاح کیا ہے۔ آپ نے ارشاد فرمایا:

بارک اللہ لک اولم ولو بشاۃ (بخاری و مسلم)

اللہ برکت دے۔ ولیمہ کرو اگرچہ اس میں ایک بکری ہی کیوں نہ ذبح کرو۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت صفیہؓ سے نکاح کے بعد کھجوروں اور ستو سے مہمانوں کی ضیافت کی' ایک حدیث میں ہے :

طعام اول یوم حق' و طعام الثانی سنۃ و طعام الثالث سمعۃ و من سمع سمع اللہ به (ترمذی۔ ابن مسعودؓ)

پہلے دن کا کھانا حق ہے' دوسرے دن کا کھانا سنت ہے' اور تیسرے دن کا کھانا نام و نمود ہے' جو شخص نام و نمود کے لئے کام کرے گا اللہ اسے رسوا کرے گا۔

یہ حدیث غریب ہے' زیاد ابن عبداللہ کے علاوہ کسی نے بھی اسے مرفوع نہیں بیان کیا۔ مستحب یہ ہے کہ نکاح کے بعد دولہا سے ملاقات کے وقت یہ دعائیہ الفاظ کہے جائیں:

بَارَكَ اللّٰهُ لَكَ وَبَارَكَ عَلَيْكَ وَجَمَعَ بَيْنَكُمَا فِي خَيْرٍ

(ابوداؤد' ترمذی' ابن ماجہ۔ ابو ہریرہؓ)

خدا تمہیں (یہ رشتہ) مبارک کرے' تمہیں برکت عطا کرے' اور تمہارے درمیان خیر کے ساتھ اتفاق قائم کرے۔

نکاح کا اظہار و اعلان مستحب ہے۔ روایات سے بھی اس کا ثبوت ملتا ہے۔ ارشاد فرماتے ہیں:

فصل ما بین الحلال و الحرام الدف و الصوت (ترمذی' نسائی' ابن ماجہ۔ محمد ابن حاطبؓ)

حلال و حرام کے درمیان فرق دَف بجانا اور آوازیں ہیں۔

اعلنوا ھذا النکاح واجعلوہ فی المساجد واضربوا علیہ بالدف

(ترمذی' بیہقی۔ عائشہؓ)

اس نکاح کا اعلان کرو' اسے مسجد میں انجام دو اور اس موقعہ پر دف بجاؤ۔

ربیع بنت معوذؓ فرماتی ہیں کہ میری شادی ہوئی' شبِ زفاف کی صبح کو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس تشریف لائے اور میرے بستر پر بیٹھے' اس وقت لونڈیاں دَف بجا رہی تھیں اور کچھ ایسے گیت گا رہی تھیں جن میں میرے ان بزرگوں کا ذکر تھا جو بدر کی جنگ

جنگ میں شہید ہوگئے تھے۔ انھوں نے یہ مصرع بھی پڑھا ع وفینا نبی یعلم مافی غد۔ آپ نے ان لڑکیوں سے فرمایا یہ شعر رہنے دو، وہی پڑھو جو تم اس سے پہلے پڑھ رہی تھیں۔ (بخاری)

حسن اخلاق کا معاملہ : مرد کے فرائض میں یہ بات بھی شامل ہے کہ عورتوں کے ساتھ خوش اخلاقی سے پیش آئے۔ ان کی کم عقلی کے پیش نظر عفو و درگذر سے کام لے اور جو تکلیف وہ پہنچائیں اس پر صبر کرے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں :

وَعَاشِرُوهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ (پ ۴ ر ۱۴ آیت ۱۹)

اور ان عورتوں کے ساتھ خوبی کے ساتھ گذران کیا کرو۔

ان کی تعظیم کے حق کے متعلق ارشاد فرمایا:

وَأَخَذْنَ مِنكُم مِّيثَاقًا غَلِيظًا (پ ۴ ر ۱۴ آیت ۲۱)

اور وہ عورتیں تم سے ایک گاڑھا اقرار لے چکی ہیں۔

ایک جگہ ارشاد فرمایا :

وَالصَّاحِبِ بِالْجَنبِ (پ ۵ ر ۳ آیت ۳۶)

اور ہم مجلس (بیوی) کے ساتھ بھی (اچھا معاملہ کرو)۔

کہتے ہیں کہ اس سے بیوی مراد ہے۔ روایات میں ہے کہ مرض الوفات میں آپ نے تین وصیتیں فرمائیں۔ یہ وصیتیں بیان کرتے کرتے آپ کی آواز دھیمی پڑ گئی، فرمایا :

الصلاة الصلاة، وما ملكت ايمانكم، لا تكلفوهم مالا يطيقون، الله الله في النساء، فانهن اعوان في ايديكم اخذتموهن بعهد الله، واستحللتم فروجهن بكلمة الله (۱)

نماز نماز، اور جن کے تم مالک ہو، انھیں ان کی طاقت سے زیادہ کسی چیز کا مکلف مت کرو، عورتوں کے معاملے میں اللہ سے ڈرو، اس لئے کہ عورتیں تمہارے ہاتھوں میں اسیر ہیں، تم نے ان کو اللہ تعالیٰ کے عہد سے حاصل کیا ہے اور ان کی شرمگاہوں کو اللہ تعالیٰ کے کلمے سے حلال کیا ہے۔

ایک حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کیا گیا ہے کہ جس شخص نے اپنی بیوی کی بد مزاجی پر صبر کیا اللہ تعالیٰ اسے اتنا اجر دے گا جتنا حضرت ایوب علیہ السلام کو ان کے صبر کرنے پر دیا ہے اور جس عورت نے اپنے شوہر کی بد اخلاقی پر صبر کیا اسے اتنا ثواب ملے گا جتنا ثواب فرعون کی بیوی حضرت آسیہ کو عطا ہوا ہے۔ (۲) یہ بات بھی یاد رکھنی چاہیے کہ بیوی کے ساتھ خوش اخلاقی سے پیش آنے کے یہ معنیٰ نہیں ہیں کہ اسے کوئی تکلیف نہ پہنچائی جائے، بلکہ یہ معنیٰ ہیں کہ اگر وہ تکلیف پہنچائے تو اس پر صبر کیا جائے اور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوہ پر عمل کرتے ہوئے عفو و درگذر سے کام لیا جائے۔ بعض ازواج مطہرات آپ کو جواب دے دیا کرتی تھیں اور بعض ایک دن رات کے لئے بولنا چھوڑ دیتی تھیں، ازواج مطہرات کے اس طرز عمل پر آپ خفگی کا اظہار نہ فرماتے اور نہ ان پر کسی قسم کی سختی کرتے (بخاری و مسلم۔ عمرؓ)۔ حضرت عمرؓ کی اہلیہ محترمہ نے ایک مرتبہ اپنے شوہر کی کسی بات کا جواب دے دیا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا: گستاخ! تو مجھے جواب دیتی ہے، ان کی بیوی نے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات کا حوالہ دیا کہ وہ آپ کو جواب

---

(۱) نسائی نے سنن کبریٰ میں اور ابن ماجہ نے اپنی سنن میں ام سلمہؓ سے اس روایت کے ابتدائی دو جملے نقل کیے ہیں۔ عورتوں کے سلسلے میں آپ کی وصیت کا تعلق حجۃ الوداع سے ہے۔ مسلم میں بروایت جابر اس کی تفصیل موجود ہے۔ الفاظ یہ ہیں "فاتقوا الله في النساء فانكم اخذتموهن بامانة الله"

(۲) مجھے اس کی اصل نہیں ملی۔

دے دیتی ہیں، حالانکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تم سے کہیں عالی مرتبہ ہیں۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا: اگر ان میں حفصہؓ بھی ہے تو وہ بڑے گھاٹے میں رہے گی۔ اس کے بعد حفصہؓ سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ ابو قحافہ کی پوتی (عائشہؓ) کی حرص مت کرنا وہ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بے حد عزیز ہیں، تم اگر جواب دوگی تو نقصان اٹھاؤگی۔ ایک روایت میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی زوجہ مطہرہ نے آپ کے سینہ مبارک پر ہاتھ رکھ کر پیچھے کی طرف دھکا دیا۔ ماں نے اپنی بیٹی کی اس حرکت پر ڈانٹ پلائی، سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی خوشدامن صاحبہ سے فرمایا: رہنے دو! بیویاں تو اس سے بھی زیادہ حرکتیں کرتی ہیں۔ (۱) ایک مرتبہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور عائشہ صدیقہؓ کے درمیان کسی موضوع پر اختلاف ہوا تو دونوں نے حضرت ابوبکرؓ کو اپنا حکم اور فیصل مقرر کیا جب حضرت ابوبکر آگئے تو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہؓ سے دریافت فرمایا: تم پہلے کہوگی یا میں پہلے بیان کروں؟ حضرت عائشہؓ نے کہا: آپ پہلے ارشاد فرمائیں، لیکن سچ سچ کہیں۔ حضرت ابوبکرؓ نے یہ جملہ سنا تو اپنی بیٹی کے منہ پر اتنی زور سے طمانچہ مارا کہ منہ سے خون بہنے لگا اور فرمایا: اے دشمن جاں! کیا رسول اللہ بھی کذب بیانی فرمائیں گے؟ حضرت عائشہؓ کو اس قدر خوف محسوس ہوا کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے جا چھپیں، آپ نے حضرت ابوبکرؓ سے ارشاد فرمایا: ہم نے تمہیں اس کام کے لئے نہیں بلایا تھا اور نہ یہ ہمارا مقصد تھا۔ (۲) ایک مرتبہ کسی بات پر خفا ہو کر حضرت عائشہؓ نے سرکار دو عالم صلی اللہ سے ارشاد فرمایا: آپ ہی کہتے ہیں کہ میں اللہ کا نبی ہوں۔ آپ مسکرا کر رہ گئے۔ (۳) سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہ صدیقہؓ سے فرمایا کرتے تھے کہ اے عائشہ! میں تمہاری خفگی بھی پہچان لیتا ہوں اور رضامندی بھی۔ حضرت عائشہ نے عرض کیا: آپ کیسے پہچان لیتے ہیں؟ فرمایا: جب تم راضی ہوتی ہو تو یہ کہتی ہو "واللہ محمد" (محمد کے رب کی قسم) اور جب ناراض ہوتی ہو تو یہ کہتی ہو "والابراهیم" (ابراہیم کے رب کی قسم) عائشہؓ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! آپ کا اندازہ صحیح ہے، غصہ کی حالت میں میں صرف آپ کا نام ترک کرتی ہوں۔ (بخاری و مسلم۔ عائشہؓ) کہتے ہیں کہ اسلام کی پہلی محبت حضرت عائشہؓ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت تھی۔ (۴) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ میں تمہارے لئے ایسا ہوں جیسا ام ذرع کے لئے ابو ذرع تھا لیکن مجھ میں اور اس میں فرق یہ ہے کہ اس نے ام ذرع کو طلاق دے دی تھی، میں نہیں دوں گا۔ (۵) ایک مرتبہ آپ نے کسی زوجہ مطہرہ سے ارشاد فرمایا:

لاتؤذونی فی عائشة فانه واللہ ما نزل الوحی وانا فی لحاف امرأة منکن غیرھا۔ (بخاری۔ عائشہؓ)

عائشہ کے سلسلے میں مجھ کو ایذاء مت پہنچاؤ۔ خدا کی قسم اس کے علاوہ تم میں سے کسی کے لحاف میں بھی مجھ پر وحی نازل نہیں ہوئی۔

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم عورتوں اور بچوں پر بہت زیادہ شفیق اور مہربان تھے (مسلم)۔

مزاح اور دل لگی: حسن معاشرت کے لئے مزاح اور دل لگی بھی ضروری ہے، کیونکہ اس طرح عورتوں کا دل خوش ہو جاتا ہے، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ازواج مطہرات کے ساتھ مزاح بھی فرمایا کرتے تھے، اور اپنے اعمال و اخلاق میں ان کے معیار عقل کی رعایت رکھتے تھے۔ روایت میں ہے کہ آپ حضرت عائشہ کے ساتھ دوڑ بھی لگایا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ حضرت عائشہ دوڑ میں آگے نکل

---

(۱) اس واقعے کی اصل بھی مجھے نہیں ملی۔ (۲) الطبرانی فی الاوسط، والخطیب فی التاریخ عن عائشہؓ بسند ضعیف۔ (۳) ابو یعلی فی مسندہ وابوالشیخ فی کتاب الامثال من حدیث عائشہؓ "وفیہ ابن اسحاق وقد عنعنه" (۴) بخاری و مسلم میں حضرت عمرو ابن العاصؓ کی روایت یہ ہے "أی الناس احب الیک یا رسول اللہ، قال: عائشة" اسلام کی اولین محبت کا ذکر ابن جوزی نے انسؓ سے موضوعات میں کیا ہے لیکن غالباً" اس سے مراد مدینہ کی محبت ہے۔ ورنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت خدیجہؓ سے جس قدر والہانہ تعلق تھا اس پر صحیح روایات دلالت کرتی ہیں۔ (۵) بخاری و مسلم بروایت عائشہؓ لیکن استثناء زبیر ابن بکارؓ اور خطیبؓ نے روایت کیا ہے۔

گئیں، پھر کسی روز مقابلہ ہوا تو آپ آگے نکل گئے، آپ نے ارشاد فرمایا:۔

هذه بتلك (ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ۔ عائشہؓ)

یہ اس روز کا بدلہ ہے۔

انسؓ فرماتے ہیں کہ آپ اپنی ازواج مطہرات کے ساتھ دوسرے لوگوں کی بہ نسبت زیادہ مزاح فرمایا کرتے تھے۔ (۱) حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ حبشہ سے کچھ لوگ مدینہ منورہ میں آئے عاشوراء کے دن وہ لوگ اپنے کھیل دکھلا رہے تھے۔ میں نے بھی ان کی آوازیں سنی۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے ارشاد فرمایا: کیا تم بھی ان لوگوں کا کھیل دیکھنا پسند کروگی۔ میں نے عرض کیا: جی ہاں! آپ نے ان کھلاڑیوں کو بلایا، وہ لوگ حاضر ہوگئے آپ دونوں کواڑوں کے درمیان میں کھڑے ہوگئے، اور اپنا ہاتھ ایک کواڑ پر رکھ لیا، میں آپ کے دست مبارک پر اپنی ٹھوڑی رکھ کر کھڑی ہوگئی، وہ لوگ کھیل دکھلاتے رہے، اور میں دیکھتی رہی، وقفے وقفے سے آپ مجھ سے فرماتے: بس کافی ہے؟ میں عرض کرتی ذرا چپ رہیے، آپ پھر یہی سوال فرماتے اور میں یہی جواب دیتی، دو تین مرتبہ کے بعد آپ نے ارشاد فرمایا: عائشہ! بس کرو، میں نے عرض کیا: بہت اچھا! آپ نے کھیلنے والوں کو اشارہ کیا، وہ لوگ واپس چلے گئے۔ (۲) ایک حدیث میں یہ الفاظ روایت کئے گئے ہیں :

اکمل المؤمنین ایمانا احسنهم خلقا والطفهم باهله (ترمذی، نسائی، حاکم)

مؤمنین میں کامل تر ایمان اور بہترین اخلاق کا حامل وہ شخص ہے جو اپنی بیوی کے ساتھ زیادہ نرمی کا معاملہ کرے۔

ایک مرتبہ ارشاد فرمایا:۔

خیرکم خیرکم لنسائه وانا خیرکم (ترمذی۔ ابوہریرہؓ)

تم میں سب سے بہتر وہ ہے جو اپنی عورتوں کے ساتھ زیادہ اچھا ہو، اور میں تم میں زیادہ اچھا ہوں۔

حضرت عمرؓ اپنی مزاج کی سختی کے باوجود ارشاد فرماتے ہیں کہ مرد کو چاہیے کہ وہ اپنے گھر میں بچوں کی طرح رہے اور جب بھی مردانہ ضرورت پیش آئے تو مرد بن جائے۔ حضرت لقمانؑ کا قول ہے کہ عقلمند کو اپنے گھر میں بچے کی طرح اور اپنی قوم میں مرد کی طرح رہنا چاہیے۔ ایک حدیث میں تند مزاج اور متکبر شخص کی ان الفاظ میں مذمت کی گئی ہے :

ان اللہ یبغض الجعظری الجواظ (۳)

اللہ تعالیٰ بد مزاج متکبر بخیل کو ناپسند رکھتا ہے۔

اس حدیث میں جعظری سے مراد وہ شخص ہے جو اپنے اہل و عیال کے ساتھ سختی کا برتاؤ کرے۔ قرآن پاک میں لفظ عُتُلّ آیا ہے۔ اس سے مراد بھی ایسا ہی شخص ہے جس کی زبان تلخ ہو اور دل پتھر کا ہو، یعنی اہل و عیال کے ساتھ بے رحمانہ سلوک کرے۔ حضرت جابرؓ سے جو آپ نے یہ فرمایا تھا کہ باکرہ سے شادی کیوں نہ کی تو اس کی وجہ بھی یہی تھی کہ باکرہ کے ساتھ دل لگی کرنے میں زیادہ لطف آتا ہے۔ ایک بدوی عورت کے شوہر کا انتقال ہوگیا، اس نے ان الفاظ میں اپنے شوہر کی تعریف کی "بخدا وہ جب گھر میں آتا تو ہنستا ہوا آتا۔ باہر جاتا تو خاموش جاتا۔ جو چیز مل جاتی اسی سے پیٹ بھر لیتا، اگر کوئی چیز مجھ سے گم ہو جاتی تو باز پرس نہ کرتا۔"

<u>کثرت مزاح سے اجتناب</u> : (حسن تدبیر) مزاح، حسنِ اخلاق، اور عورتوں کی خواہشات کی اتباع میں اس حد تک آگے بڑھنا کہ

مسند الحسن بن سفیان، انس، بزار اور طبرانی نے بھی یہ روایت نقل کی ہے مگر اس میں عورتوں کے بجائے بچوں کا ذکر ہے۔ (۲) بخاری و مسلم۔ مگر اس میں یوم عاشوراء کی بجائے یوم عید کا ذکر ہے۔ اس میں لفظ "اسکت" بھی نہیں ہے بلکہ نسائی میں اس لفظ کی بجائے "لا تعجل" ہے۔ (۳) یہ روایت ان الفاظ میں ابوبکر بن لال نے مکارم الاخلاق میں ابوہریرہؓ سے نقل کی ہے۔ بخاری و مسلم میں جاریہ ابن وہب الخزاعی کے الفاظ یہ ہیں "الا اخبرکم باهل النار کل عتل جواظ مستکبر" ابوداؤد میں ہے "لا یدخل الجنة الجواظ ولا الجعظری"۔

بیوی کے اخلاق متأثر ہوں اور اس کی ہیبت دل سے نکل جائے حسنِ معاشرت کے لئے بہت زیادہ مضر ہے بلکہ ان امور میں بھی اعتدال ضروری ہے۔ اس طرح کہ جب بھی کوئی غیر شرعی حرکت دیکھے تو ناراض ہو جائے۔ ورنہ منکرات پر اعانت کا دروازہ کھل جائے گا۔ حضرت حسن بصریؒ ارشاد فرماتے ہیں کہ جو شخص اپنی بیوی کا اس قدر مطیع ہو کہ اس کے چشم و ابرو کے اشاروں کا منتظر رہے تو اللہ اسے دوزخ میں اوندھا گرادیں گے۔ حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ عورتوں کی مرضی کے خلاف کیا کرو کہ اس میں برکت ہے' کسی دانشور کا یہ قول بھی نقل کیا گیا ہے کہ عورتوں سے مشورہ لو اور جو کچھ وہ کہیں اس کے خلاف عمل کرو۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے :

تعس عبدالزوجة (۱)

بیوی کا غلام بدبخت ہوا۔

یہ اس لئے فرمایا کہ اس شخص نے اپنی بیوی کی بیجا تابعداری کی اور اس کی خواہشات کی حد سے زیادہ اتباع نے اسے بیوی کا غلام بنادیا۔ اس شخص کی بدقسمتی میں کیا شبہ ہے جسے اللہ نے مالک بنایا ہو اور وہ اپنے عمل سے مملوک بن گیا ہو۔ اپنے اس عمل سے اس نے شیطان کی اتباع بھی کی ہے جیسا کہ قرآن کریم میں شیطان کا یہ قول نقل کیا گیا ہے:

وَلَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَيُغَيِّرُنَّ خَلْقَ اللّٰهِ (پ۵ر۱۵ آیت ۱۱۹)

اور میں ان کو تعلیم دوں گا جس سے وہ اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی صورت کو بگاڑا کریں گے۔

مرد کا حق یہ تھا کہ اس کی اتباع کی جائے نہ یہ کہ وہ عورت کا تابع بنے اللہ تعالیٰ نے مردوں کو عورتوں پر حاکم مقرر فرمایا ہے:

اَلرِّجَالُ قَوَّامُوْنَ عَلَى النِّسَاءِ (پ۵ر۳ آیت ۳۴)

مرد حاکم ہیں عورتوں پر۔

ایک آیت میں شوہر کے لئے لفظ "سید" (آقا) استعمال کیا گیا ہے:

وَاَلْفَيَا سَيِّدَهَا لَدَى الْبَابِ (پ۱۲ر۱۳ آیت ۲۵)

اور دونوں نے عورت کے شوہر کو دروازے کے پاس پایا۔

اپنے آپ کو سید سے غلام اور متبوع سے تابع بنانے کا مطلب یہ ہے کہ گویا اس نے باری تعالیٰ کی نعمت کی ناقدری کی۔ عورت نفس کی طرح ہے۔ اگر تم اس کی لگام ڈھیلی کرو تو وہ شوخی کرے اور تمہیں گھسیٹ لے جائے اور اگر لگام سختی سے پکڑے رکھو تو قابو میں رہے۔ حضرت امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ تین چیزیں ایسی ہیں کہ اگر تم ان کا اکرام کرو تو وہ تمہیں ذلیل کریں گی اور ذلیل کرو تو وہ تمہاری عزت کریں گی۔ عورت' نوکر اور بنطی۔ مطلب یہ ہے کہ صرف نرمی اور اکرام کافی نہیں ہے بلکہ کبھی کبھی سختی اور ڈانٹ ڈپٹ بھی ہونی چاہیے تاکہ توازن برقرار رہے۔ عرب کی عورتیں اپنی بیٹیوں کو شوہروں کی جرأت کی آزمائش کا یہ طریقہ بتلایا کرتی تھیں کہ اس کے نیزہ کی انی توڑ دینا' اگر اس پر وہ خاموش رہے تو اس کی ڈھال پر گوشت کاٹنا' اس پر بھی نہ بولے تو اس کی تلوار سے ہڈیاں توڑنا' اگر وہ تمہاری ان تمام حرکتوں پر خاموش رہے تو یہ سمجھو کہ وہ تمہارا گدھا ہے' اس پر پالان رکھو اور خوب سواری کرو۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ زمین و آسمان سب اعتدال کے ساتھ قائم ہیں' اگر ذرا بھی اعتدال سے انحراف کریں تو زیر و زبر ہو جائیں' عقلمند کو چاہیے کہ وہ عورت کی موافقت اور مخالفت میں اعتدال کی راہ اپنائے رہے اور ہر بات میں حق کی اتباع کرے تاکہ عورتوں کے شر سے محفوظ رہے۔ ان کا شر واضح ہے اور فریب میں یہ شیطان کا مقابلہ کرتی ہیں۔ عام طور پر عورتوں کے مزاج میں بد خلقی اور کم عقلی کے عناصر زیادہ پائے جاتے ہیں' اس لئے ان کے سلسلے میں لطف و مروّت کے ساتھ تدبیر و سیاست کی بھی ضرورت ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں :

مثل المرأة الصالحة في النساء كمثل الغراب الأعصم من مائة غراب (طبرانی۔ ابو امامہؓ)

---

(۱) یہ روایت ان الفاظ میں نہیں ملی۔ بخاری میں ابو ہریرہؓ کی روایت یہ ہے "تعس عبدالدينار و عبدالدرهم"

نیک عورت ایسی ہے جیسے سو کوّوں میں سفید پیٹ کا کوّا۔

حضرت لقمان علیہ السلام نے اپنے بیٹے کو جو نصیحتیں فرمائی تھیں ان میں یہ نصیحت بھی تھی کہ بیٹے! بری عورتوں سے بچتے رہنا' وہ تجھے وقت سے پہلے بوڑھا کردیں گی' شریر عورتوں سے بھی اجتناب کرنا' وہ تجھے خیر کی طرف نہیں بلائیں گی' نیک عورتوں سے ڈرتے رہنا۔ ایک حدیث میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام سے ارشاد فرمایا کہ تین بلاؤں سے پناہ مانگو' ان میں سے ایک بری عورت ہے۔ اس کی وجہ یہ بیان فرمائی:۔

فانها المشيبة قبل الشيب (ابو منصور دیلمی۔ ابو ہریرہ)

کہ وہ وقت سے پہلے بوڑھا کردیتی ہے۔

ایک حدیث میں بری عورت کی یہ تعریف کی گئی ہے:۔

ان حضرت آذتك وان غبت عنها خانتك (طبرانی۔ فضالہ ابن عبیدؓ)

جب تو اس کے پاس ہو تو تجھے تکلیف پہنچائے اور جب تو اس کے پاس نہ ہو تو وہ تیری خیانت کرے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک واقعہ کی بنا پر اپنی ازواج مطہرات سے ارشاد فرمایا:۔

انكن صواحبات يوسف

تم یوسفؑ کے ساتھ والیاں ہو۔

یعنی تم ابو بکرؓ کو امامت سے منع کررہی ہو' تمہارا یہ منع کرنا حق سے اعراض' اور خواہش نفس کی اتباع کرنے کے مترادف ہے۔ (۱) (بخاری و مسلم۔ عائشہؓ) جب ازواج مطہرات میں سے حضرت عائشہؓ اور حضرت حفصہؓ نے آپ کا راز فاش کردیا تو قرآن پاک نے اس سلسلے میں سخت موقف اختیار کیا اور یہ ہدایت فرمائی (۲) :

اِنْ تَتُوْبَا اِلَى اللّٰهِ فَقَدْ صَغَتْ قُلُوْبُكُمَا (پ۲۸ ر۱۹ آیت ۴)

اے (پیغمبر کی) دونوں بیبیو! اگر تم اللہ کے سامنے توبہ کرلو تو تمہارے دل مائل ہو رہے ہیں۔

ایک حدیث میں ہے:۔

لا يفلح قوم تملكهم امراة (بخاری نحوہ۔ عن ابی بکرؓ)

وہ قوم فلاح یاب نہیں ہوسکتی جس کی زمام کار عورت کے ہاتھ میں ہو۔

حضرت عمرؓ کی اہلیہ نے جب انھیں کسی بات پر جواب دیا تو آپ نے ان سے فرمایا کہ تم گھر کے کونے میں ایک کھلونے کی طرح ہو' اگر ہمیں تمہاری ضرورت ہوئی تو ہم کھیلیں گے ورنہ تم خاموش بیٹھی رہا کرو۔ اس پوری تفصیل کا ماحصل یہ ہے کہ عورتوں میں شر بھی ہے'

---

(۱) واقعہ یہ پیش آیا تھا کہ جب سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم مرض الوفات میں مبتلا ہوئے تو آپ نے حضرت ابو بکرؓ سے امامت کے لیے فرمایا۔ اس پر حضرت عائشہؓ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! میرے والد بہت کمزور دل رکھتے ہیں۔ وہ جب آپ کی جگہ خالی دیکھیں گے تو بے تاب ہو جائیں گے۔ اس پر آپ نے یہ بات ارشاد فرمائی تھی۔ (۲) اس واقعہ کی تفصیل بھی بخاری وغیرہ میں اس طرح منقول ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول یہ تھا کہ عصر کے بعد کھڑے کھڑے ازواج مطہرات کے پاس تشریف لے جاتے تھے۔ ایک روز تشریف لے گئے تو حضرت زینبؓ کے پاس معمول سے کچھ زیادہ ٹھہرے۔ حضرت زینبؓ نے شہد پیش کیا۔ آپ نے نوش فرمایا۔ عائشہؓ فرماتی ہیں کہ مجھے اس پر رشک آیا۔ میں نے حفصہ سے کہا کہ ہم میں سے جس کے پاس بھی آپ تشریف لائیں تو وہ یہ کہے کہ آپ نے مغافیر نوش فرمایا ہے۔ (مغافیر ایک گوند ہے جس میں بہت زیادہ بدبو ہوتی ہے۔) چنانچہ آپ تشریف لائے۔ آپ نے فرمایا: میں نے تو شہد پیا ہے۔ اس پر میں نے عرض کیا شاید کوئی مکھی اس کے درخت پر بیٹھ گئی ہو اور اس کا رس چوس لیا ہو۔ آپ نے قسم کھائی اور ارشاد فرمایا کہ میں اب شہد نہ پیوں گا اور اس خیال سے حضرت زینبؓ کو تکلیف نہ ہو یہ تاکید بھی فرمائی کہ اس واقعہ کا اظہار نہ کرنا مگر انہوں نے دوسروں سے کہہ دیا۔ باری تعالیٰ نے بذریعہ وحی آپ کو مطلع فرمایا۔

اور کمزوری بھی ہے شر کا علاج یہ ہے کہ ان کے ساتھ سختی کا معاملہ کیا جائے' اور کمزوری کا تقاضا یہ ہے کہ ان کے ساتھ نرمی کا برتاؤ کیا جائے۔ اسی کے ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ جتنا مرض ہو' اسی قدر علاج کیا جائے۔ طبیب حاذق مرض کے مطابق علاج تجویز کرتا ہے' مرد بھی عورت کے حق میں طبیبِ حاذق ہے' اسے چاہیے کہ پہلے عورت کے امراض کی صحیح تشخیص کرے' اور اس کے لئے دوا کی اتنی ہی مقدار تجویز کرے' جو اس کے حق میں بہتر' اور اس کے مرض کے لئے مفید ہو۔

غیرت میں اعتدال : مطلب یہ ہے کہ جن امور میں فساد کا اندیشہ ہو انھیں پہلے ہی روز ختم کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ اس طرح کے معاملات میں غفلت کرنا کسی بھی طرح مناسب نہیں ہے لیکن اس کے یہ معنیٰ بھی نہیں کہ عورتوں سے خواہ مخواہ بدگمانی رکھی جائے اور ان کے باطنی امور کی جستجو کی جائے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کے مخفی امور سے درپے ہونے سے منع فرمایا ہے۔ (۱) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک مرتبہ اپنے کسی سفر سے واپس تشریف لائے تو مدینہ منورہ میں داخل ہونے سے پہلے ارشاد فرمایا کہ رات میں دروازہ مت کھٹکھٹاؤ۔ دو شخصوں نے اس حکم کی مخالفت کی اور آگے بڑھ گئے' گھر پہنچے تو ناپسندیدہ حالات دیکھے (احمد۔ ابن عمرؓ) ایک حدیث میں عورتوں کو پسلی کی ہڈی سے تشبیہ دی گئی ہے۔ حدیث کے الفاظ یہ ہیں :

المرأة كالضلع ان اردت ان تقيمه كسرته فدعه تستمتع به على عرج
(بخاری و مسلم۔ ابو ہریرہؓ)

عورت پسلی کی طرح ہے' اگر تم اسے سیدھا کرنے کا ارادہ کرو گے تو یہ ٹوٹ جائے گی' اسے چھوڑ دو' اور اس سے ٹیڑھ پن کی حالت ہی میں فائدہ اٹھاؤ۔

یہ روایت عورتوں کے اخلاق کی اصلاح و تہذیب سے متعلق ہے۔ ایک مرتبہ ارشاد فرمایا:

ان من الغيرة غيرة يبغضها الله عزوجل وهي غيرة الرجل على اهله من غير ريبة (ابوداؤد' نسائی' ابن حبان۔ جابر ابن عتیکؓ)

ایک غیرت وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں ہے اور وہ بیوی پر بلا کسی شبہ کے شوہر کی غیرت ہے۔

اس طرح کی غیرت کا تعلق بدگمانی سے ہے۔ قرآن پاک میں بدگمانی کو گناہ قرار دیا گیا ہے۔ حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ اپنی بیوی کے سلسلے میں زیادہ غیرت کا مظاہرہ نہ کرو' ایسا نہ ہو کہ تمہاری وجہ سے وہ بدنام ہو جائے۔ اگر غیرت کا موقع ہو تو پھر بزدل بننے کی ضرورت نہیں ہے۔ اس طرح کی غیرت لائق تعریف ہے۔ چنانچہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

الله يغار' والمؤمن يغار' وغيرة الله ان ياتي الرجل المؤمن ماحرم الله عليه (۲) (بخاری و مسلم۔ ابو ہریرہؓ)

اللہ تعالیٰ غیرت کرتا ہے اور صاحب ایمان بھی غیرت کرتا ہے' اللہ تعالیٰ کی ایک غیرت یہ ہے کہ بندۂ مؤمن کسی ایسے امر کا ارتکاب کرے جسے اللہ نے اس کے لئے حرام قرار دے دیا ہو۔

ایک طویل حدیث میں باری تعالیٰ کی غیرت کی وضاحت ان الفاظ میں کی گئی ہے۔

أتعجبون من غيرة سعد' أنا والله اغير منه' والله اغير مني ولا جل غيرة الله تعالى حرم الفواحش ماظهر و مابطن' ولا أحد أحب اليه العذر من الله ولذلك بعث المنذرين والمبشرين ولا أحد أحب اليه المدح من الله ولا جل ذلك وعد الجنة (بخاری و مسلم۔ مغیرہ ابن شعبہؓ)

---

(۱) طبرانی اوسط میں جابرؓ کے الفاظ ہیں "نهى ان تتطلب عثرات النساء" (۲) بخاری میں "المؤمن يغار" نہیں ہے۔

کیا تم سعد کی غیرت پر حیرت کر رہے ہو، اللہ کی قسم میں سعد سے زیادہ غیور ہوں، اور اللہ مجھ سے زیادہ غیور ہے یہ اللہ تعالیٰ کی غیرت ہی تو ہے کہ اس نے ظاہر و باطن کی برائیوں کو حرام فرمایا۔ اللہ تعالیٰ کی بہ نسبت کوئی ایسا نہیں جسے عذر زیادہ پسند ہو یہی وجہ ہے کہ اس نے ڈرانے والے اور خوشخبری دینے والے بھیجے، اور نہ اللہ سے زیادہ کسی کو تعریف پسند ہے اور اسی لئے اس نے جنت کا وعدہ فرمایا۔

ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام سے خواب کا واقعہ بیان فرمایا کہ میں نے شبِ معراج میں جنت کا ایک محل دیکھا، اس کے صحن میں ایک لونڈی تھی، میں نے دریافت کیا: یہ محل کس کا ہے؟ مجھے بتلایا گیا کہ یہ محل عمرؓ کا ہے، میرا ارادہ ہوا کہ محل کے اندر جھانک کر دیکھ لوں، لیکن مجھے عمرؓ کی غیرت یاد آگئی (کہ شاید انھیں میرا یہ فعل برا لگے)۔ یہ سن کر حضرت عمرؓ رونے لگے، اور عرض کیا: یا رسول اللہ! کیا میں آپ پر بھی غیرت کر سکتا ہوں۔ (۱) حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ لوگو! کیا تمھاری غیرت یہ گوارا کرتی ہے کہ تمھاری بیویاں بازاروں میں کافروں کے جسم سے اپنا جسم رگڑ کر چلیں۔ خدا اس شخص کا برا کرے جس کے پاس غیرت نہ ہو۔ ایک حدیث میں محمود و مذموم غیرتوں کی تفصیل اس طرح کی گئی ہے:

ان من الغيرة مايحبه الله ومنها ما يبغضه ومن الخيلاء مايحبه الله ومنها ما يبغضه الله فاما الغيرة التي يحبها الله فالغيرة في الريبة والغيرة التي يبغضها الله فالغيرة في غير ريبة والاختيال الذي يحبه الله اختيال الرجل بنفسه عند القتال وعند الصدمة والاختيال الذي يبغضه الله الاختيال في الباطل

(ابوداؤد، نسائی، ابن حبان۔ جابر ابن عتیک)

ایک غیرت وہ ہے جسے اللہ تعالیٰ پسند فرماتے ہیں اور ایک وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہے ایک تکبر وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کو محبوب ہے، اور ایک وہ ہے جو اللہ کو پسند نہیں ہے۔ وہ غیرت جو اللہ کو پسند ہے وہ ہے جو کسی شک پر مبنی ہو اور وہ غیرت جسے اللہ تعالیٰ پسند نہیں فرماتے وہ ہے جو بغیر شک کے ہو اور جس تکبر کو اللہ پسند فرماتے ہیں وہ ہے جو قتال اور صدمہ کے وقت ہو، اور جس تکبر کو اللہ تعالیٰ پسند نہیں فرماتے وہ ہے امرِ باطل کے سلسلے میں ہو۔

ایک روایت میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کیا گیا ہے:

انی لغیور ومامن امری لا یغار الا منکوس القلب (۲)

میں غیرت مند ہوں، اور جو شخص غیرت نہ رکھتا ہو وہ اندھے دل کا آدمی ہے۔

غیرت نہ ہونے کی سبیل یہ ہے کہ عورت کے پاس مرد نہ آئیں اور نہ وہ گھر سے باہر نکلے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی صاحبزادی حضرت فاطمہؓ سے پوچھا کہ عورت کے لئے کیا چیز بہتر ہے؟ حضرت فاطمہؓ نے عرض کیا: یہ کہ نہ وہ مردوں کو دیکھے اور نہ مرد اس کے پاس آئیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ جواب سنا تو انھیں اپنے سینے سے لگا لیا اور فرمایا آخر کس باپ کی بیٹی ہے؟ (بزار، دار قطنی۔ علیؓ) صحابہ کرامؓ روشندان اور دیواروں کے سوراخ وغیرہ بند کردیا کرتے تھے تاکہ عورتیں مردوں کو نہ جھانکیں، حضرت معاذؓ نے اپنی ایک بیوی کو تانک جھانک کرتے ہوئے دیکھا تو اسے سخت سزا دی۔ ایک مرتبہ اس بات پر اپنی بیوی کو مارا کہ انھوں نے سیب منہ سے کاٹ کر کھایا اور بچا ہوا ٹکڑا غلام کو دے دیا۔ حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ عورتوں کو خوش پوشاکی کی عادت نہ ڈالو گھر میں پڑی رہیں گی،

---

(۱) بخاری و مسلم میں یہ روایت جابرؓ سے مروی ہے لیکن اس میں نہ شب معراج کا ذکر ہے اور نہ لونڈی کا البتہ لونڈی کا ذکر ابو ہریرہؓ کی متفق علیہ روایت میں ہے۔ اس روایت کی ابتداء ان الفاظ سے ہوتی ہے۔ "بینما انا نائم رایتنی فی الجنة" (۲) اس کا پہلا جز ابھی گذرا ہے اور دوسرا جز ابو عمر التوقانی نے کتاب الاہلین میں عبداللہ ابن محمد سے مرسلاً روایت کیا ہے۔

یہ اس لئے فرمایا کہ عورتیں خراب کپڑے پہن کر باہر نہیں نکلتیں بلکہ جب بھی نکلتی ہیں اچھے کپڑے پہن کر نکلتی ہیں کیونکہ مقصود نمائش ہے۔ یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ اپنی بیویوں کو گھروں میں رہنے کی عادت ڈالو۔ یہ صحیح ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کو مسجد میں جانے کی اجازت دی تھی۔ (۱) لیکن اب بہتر یہ ہے کہ اس اجازت کا دائرہ محدود کردیا جائے اور بوڑھی عورتوں کے علاوہ کسی کو مسجد میں جانے کی اجازت نہ دی جائے۔ یہ بات دور صحابہ ہی میں طے پاچکی تھی' چنانچہ حضرت عائشہؓ فرمایا کرتی تھیں کہ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ باتیں معلوم ہوتیں جو آپ کے بعد عورتوں نے ایجاد کی ہیں تو بلاشبہ آپ انھیں گھر سے باہر نکلنے سے منع فرمادیتے۔ اسی طرح ایک روایت میں ہے کہ حضرت ابن عمرؓ نے یہ حدیث بیان فرمائی :

لا تمنعوا اماء اللہ مساجد اللہ (بخاری و مسلم)

اللہ تعالیٰ کی کنیزوں کو اس کی مسجدوں میں جانے سے مت روکو۔

آپ کے کسی صاحبزادے نے کہا کہ ہم تو اپنی عورتوں کو مسجد میں جانے نہیں دیں گے۔ حضرت ابن عمرؓ یہ سن کر بے حد خفا ہوئے اور اس کو سزا دی اور فرمایا کہ تو نے نہیں سنا میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کررہا ہوں؟ حضرت ابن عمرؓ کے صاحبزادے نے اختلاف کی جرأت اس لئے کی انھیں زمانے کے حالات کا علم تھا' اور وہ عورتوں کے مسجد میں جانے کے ضرر سے واقف تھے' حضرت ابن عمرؓ نے اس اختلاف پر اپنی ناراضگی کا اظہار اس لئے فرمایا کہ ان کے بیٹے نے حدیث کی مخالفت کا لفظ بلا کسی مناسب عذر کے زبان سے نکالا تھا۔ اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کو عید کے موقع پر عید گاہ جانے کی اجازت بھی مرحمت فرمائی تھی' لیکن یہ اجازت شوہروں کی اجازت کے ساتھ مشروط تھی۔ (۲) اس زمانے میں بھی پارسا اور عفت مآب عورت باہر نکل سکتی ہے لیکن اس وقت جب شوہر اس کی اجازت دے' مگر نہ نکلنے میں احتیاط زیادہ ہے۔ (۳) عورتوں کے لئے مناسب یہ ہے کہ وہ صرف اہم ضرورتوں کے لئے نکلیں' اس لئے کہ محض سیر سپاٹے کے لئے یا غیر ضروری کاموں کے لئے باہر نکلنا شرافت کے خلاف ہے' بعض اوقات اس بے احتیاطی سے کام بگڑ جاتے ہیں' اگر نکلنا ضروری ہی ہو تو عورتوں کو چاہیے کہ وہ مردوں کی طرف نہ دیکھیں بلکہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں' ہم یہ نہیں کہتے کہ مرد کا چہرہ عورت کے حق میں ایسا ہی ہے جیسا کہ عورت کا چہرہ مرد کے حق میں' بلکہ عورت کے حق میں مرد کا چہرہ ایسا ہے جیسا مرد کا چہرہ مرد کے حق میں' اگر فتنے کا خوف ہو مرد کے لئے امرد کا چہرہ دیکھنا جائز نہیں ہے' اسی طرح یہاں بھی اگر فتنے کا خوف ہو تو عورت کے لئے جائز نہیں کہ وہ مرد کا چہرہ دیکھے۔ لیکن اگر فتنے کا خوف نہ ہو تو دیکھنے میں بھی کوئی حرج نہیں ہے' پہلے بھی لوگ اپنے چہرے کھلے رکھ کر پھرا کرتے تھے اور آج بھی یہی حال ہے۔ اگر مردوں کے چہرے عورتوں کے حق میں مطلقاً" داخل ستر ہوتے تو یقیناً" انھیں نقاب پہننے کا حکم دیا جاتا یا عورتوں سے کہا جاتا کہ وہ باہر نہ نکلیں۔

اخراجات میں میانہ روی : اخراجات کے سلسلے میں شریعت کا حکم یہ ہے کہ نہ تنگی کی جائے اور نہ فضول خرچی سے کام لیا جائے۔ بلکہ میانہ روی اختیار کی جائے' اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں :

كُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا (پ ۸ ر ۱۰ آیت ۳۱)

اور (خوب) کھاؤ پیو اور حد سے مت نکلو۔

وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُوْلَةً اِلٰى عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ (پ ۱۵ ر ۴ آیت ۳۱)

اور نہ تو اپنا ہاتھ گردن ہی سے باندھ لینا چاہیے اور نہ بالکل ہی کھول دینا چاہیے۔

---

(۱) بخاری و مسلم میں ابن عمر کی روایت ہے "ائذنوا للنساء باللیل الی المساجد" (۲) عورتوں کے لیے عید گاہ جانے کی اجازت ام عطیہ سے بخاری و مسلم میں ہے۔ (۳) احناف نے عورتوں کو جماعت و جمعہ و عیدین اور وعظ کی مجالس میں شامل ہونے کو مکروہ فرمایا ہے۔ مفتی بہ مذہب کے مطابق بوڑھی عورت کے لیے بھی یہی حکم ہے۔ (الدر المختار علی ہامش رد المحتار باب الامامۃ ج ۱ صفحہ ۵۲۹)

اخراجات کے سلسلے میں یہ بات پیش نظر رہنی چاہیے کہ بیویوں پر خرچ کرنے والا مال بھی راہ خدا میں خرچ کئے جانے والے مال کی طرح اجر و ثواب کا باعث ہوتا ہے۔ سرکار عالم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

دینار انفقتہ فی سبیل اللّٰہ و دینار انفقتہ فی رقبتہ' و دینار تصدقت بہ علی مسکین' و دینار انفقتہ علی اھلک اعظمھا اجر الذی انفقتہ علی اھلک۔

وہ ایک دینار جس کو تم راہ خدا میں خرچ کرتے ہو' اور وہ ایک دینار جسے تم کوئی غلام آزاد کرنے میں خرچ کرتے ہو' اور وہ ایک دینار جسے تم کسی مسکین پر صدقہ کرتے ہو اور وہ ایک دینار جسے تم اپنے اہل و عیال پر خرچ کرتے ہو ان میں زیادہ اجر اس دینار کا ہوگا جسے تم اپنے اہل و عیال پر خرچ کرتے ہو۔ (مسلم۔ ابو ہریرہؓ)

کہتے ہیں کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی چار بیویاں تھیں' آپ ان میں سے ہر ایک کے لئے ہر چوتھے روز چار درہم کا گوشت خریدا کرتے تھے۔ حضرت حسن بصریؒ ارشاد فرماتے ہیں کے پچھلے زمانے کے لوگ مردوں میں فراخ دل' اور خانگی لوازمات' اور کپڑوں وغیرہ کے سلسلے میں میانہ رو تھے ابن سیرین کہتے ہیں کہ مرد کو چاہیے کہ وہ ہفتے میں ایک بار فالودہ یا حلوہ وغیرہ پکوالیا کرے' اگرچہ یہ چیزیں ضروری نہیں ہیں' لیکن انہیں کلی طور پر ترک کردینا بھی مناسب نہیں ہے۔ اس سے بخل کا الزام آتا ہے۔ مرد کو چاہیے کہ وہ اپنی بیوی کو بچا ہوا کھانا' اور وہ چیزیں جو رکھنے سے خراب ہو جائیں خیرات کرنے کی ہدایت کردے' یہ خیرات کا ادنیٰ درجہ ہے۔ ہمارے خیال میں عورت کو یہ حق پہنچتا ہے کہ وہ اس قسم کی خیرات اپنے شوہر کی صریح اجازت کے بغیر بھی کردیا کرے۔ مرد کے لئے مناسب نہیں کہ خود اچھے کھانے کھائے اور اہل خانہ کو سادہ کھانا کھلائے اس سے دلوں میں کینہ پیدا ہوتا ہے' اور گھریلو زندگی خراب ہوتی ہے۔ اگر وہ اچھے کھانے کھائے بغیر نہ رہ سکے اور گھر والوں کو کھلانے پر قادر نہ ہو تو پوشیدہ طور پر کھائے۔ گھر والوں کو اس کی خبر نہ ہونی چاہیے۔ یہ مناسب نہیں کہ گھر والوں کے سامنے کسی ایسے کھانے کا تذکرہ کیا جائے جس کھلانے کا ارادہ نہ ہو۔ حُسنِ معاشرت کا تقاضا یہ ہے کہ جب کھانا کھانے کے لئے بیٹھے تو اپنے بیوی بچوں کو دستر خوان پر ساتھ بٹھائے' سفیان ثوری فرماتے ہیں کہ ہم نے ایسا سنا ہے کہ اللہ عزوجل اور اس کے فرشتے اس خاندان کے لئے رحمت کی دعا کرتے ہیں جو ساتھ بیٹھ کر کھانا کھاتے ہیں۔ نفقے کے سلسلے میں یہ بات بڑی اہم ہے کہ حلال ذرائع آمدنی اختیار کرے۔ اگر اخراجات زیادہ ہو جائیں تو دوسری تدابیر اختیار کرے' ناجائز ذرائع اختیار نہ کرے۔

عورتوں کے مسائل کا علم اور تعلیم : مرد کو حیض کے مسائل' اور اوقات حیض میں ممنوعہ امور کا علم ہونا چاہئے۔ اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ شوہر اپنی بیوی کو نماز کے احکام اور دوسری دینی ضرورتوں کی تعلیم دے۔ قرآن کریم میں مردوں کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ وہ اپنی بیویوں کو دوزخ کی آگ سے بچائیں:

قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا (پ۲۸ ر۱۹ آیت ۶)

اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو (دوزخ کی) آگ سے بچاؤ۔

اس لئے مرد کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنی بیوی کو اہل سنت کے عقائد سکھلائے' اگر وہ بدعت کی طرف مائل ہے تو اسے صحیح راستے پر لائے' اگر وہ دین کے معاملات میں سستی برتتی ہو یا کوتاہی کرتی ہو تو اسے اللہ سے ڈرائے' اسے حیض اور استحاضے کے ضروری احکام بھی بتلائے۔ خاص طور پر ان نمازوں کے متعلق ضرور بتلائے جن کی قضا ضروری ہے۔ مثال کے طور پر اگر کسی عورت کا سلسلۂ حیض مغرب سے کچھ دیر پہلے اس وقت بند ہوا ہو جب کہ وہ ایک رکعت نماز پڑھ سکتی تھی تو اس پر ظہر اور عصر دو نمازوں کی قضا واجب ہے' اور اگر صبح سے پہلے اس وقت حیض بند ہوا ہے جب کہ وہ ایک رکعت پڑھ سکتی تھی تو اسے مغرب اور عشاء کی نمازیں قضا پڑھنی چاہئیں۔ عورتیں عام طور پر ان امور کی رعایت نہیں کرتیں۔ (۱) اگر کسی عورت کا شوہر اس کی تعلیم کا کفیل ہو تو اس کے لئے جائز نہیں کہ وہ مسائل معلوم کرنے کے لئے علماء کے پاس جائے۔ اگر شوہر عالم نہ ہو لیکن وہ علماء سے معلوم کرکے بتلانے کی اہلیت رکھتا ہو تب بھی اس کے لئے باہر نکلنا درست نہیں ہے' ہاں اگر شوہر اس قابل بھی نہ ہو تو نکلنا نہ صرف یہ کہ مناسب ہے بلکہ واجب ہے۔ اگر شوہر منع کرے گا تو

گنہگار ہوگا۔ فرائض کا علم حاصل کرنے کے بعد اب مزید تعلیم کے لئے علماء کی مجلسوں میں جانے کے لئے شوہر کی اجازت حاصل کرنا ضروری ہے' اگر عورت نے حیض وغیرہ سے متعلق احکامات کا علم حاصل نہ کیا۔ اور اس کے شوہر نے اس سلسلے میں اپنی ذمہ داری پوری نہیں کی تو گناہ میں دونوں شریک ہوں گے۔

عدل و انصاف : اگر کئی بیویاں ہوں تو سب کے درمیان عدل ہونا چاہیے' یہ مناسب نہیں کہ کسی ایک کو ترجیح دی جائے۔ اگر سفر درپیش ہو اور کسی ایک بیوی کو لے جانے کا ارادہ ہو تو قرعہ ڈالے اور جس کا نام نکل آئے اس کو ساتھ لیجائے۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت مبارکہ یہی تھی۔ (بخاری و مسلم۔ عائشہؓ) اگر کسی بیوی کی باری چھوڑ کر دوسری کے پاس چلا گیا تو اس کی قضا کرے' باری کی قضا کرنا واجب ہے۔ ایک سے زیادہ بیوی رکھنے کی صورت میں عدل کے احکامات سے واقفیت حاصل کرنا ضروری ہے۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں :

من كان له امرأتان و مال إلى احداهما دون الاخرى (وفى لفظ) لم يعدل بينهما جاء يوم القيامة واحد شقيه مائل (۲)

جس شخص کی دو بیویاں ہوں اور وہ ایک کی طرف مائل ہو (اور ایک حدیث میں یہ ہے کہ) جس نے ان دونوں کے مابین عدل سے کام نہیں لیا تو وہ قیامت کے روز اس طرح آئے گا کہ اس کا ایک پہلو جھکا ہوا ہوگا۔

عدل کا تعلق نان نفقے' اور رات کے قیام سے ہے' محبت اور صحبت میں عدل واجب نہیں ہے' اس لئے کہ محبت اور صحبت آدمی کے دائرہ اختیار سے باہر ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

وَلَنْ تَسْتَطِيْعُوْا اَنْ تَعْدِلُوْا بَيْنَ النِّسَاءِ وَلَوْ حَرَصْتُمْ (پ۵ ر۱۶ آیت ۱۲۹)

اور تم سے یہ تو کبھی نہ ہو سکے گا کہ سب بیویوں میں برابری رکھو گو تمہارا کتنا ہی جی چاہے۔

یعنی تم دل کی خواہش' اور نفس کے میلان میں عدل نہیں کر سکتے۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نان نفقہ اور رات کے قیام کے سلسلے میں عدل کرنے کے باوجود یہ دعا فرماتے تھے :

اللّٰهم هذا جهدى فيما املك ولا طاقة لى فيما تملك ولا املك

(اصحاب سنن' ابن حبان۔ عائشہؓ)

اے اللہ جس چیز پر میں قادر ہوں اس میں یہ میری کوشش ہے اور جس چیز کا تو مالک ہے اس کی مجھے طاقت نہیں۔

ازواج مطہرات میں حضرت عائشہؓ سے آپ کو زیادہ محبت تھی۔ (۳) اور یہ بات آپ کی تمام ازواج مطہرات جانتی تھیں۔ چنانچہ مرض الوفات میں آپ کو ہر روز ان زوجہ مطہرہ کے گھر میں پہنچا دیا جاتا تھا جن کی باری ہوتی تھی' آپ رات کو قیام فرماتے اور یہ پوچھتے کہ میں صبح کو کس کے یہاں رہوں گا' کسی زوجہ مطہرہ نے یہ اندازہ لگا لیا کہ آپ حضرت عائشہؓ کی باری کے منتظر ہیں۔ اس لئے باقی ازواج مطہرات نے متفقہ طور پر عرض کیا' یا رسول اللہ! ہماری اجازت ہے کہ آپ حضرت عائشہؓ کے گھر میں قیام فرمائیں۔ ہر رات ادھر سے ادھر لے جانے میں آپ کو تکلیف ہوتی ہے۔ آپ نے فرمایا' کیا تمام ازواج اس پر راضی ہیں۔ عرض کیا' ہم سب راضی ہیں۔ فرمایا' مجھے

---

(۱) احناف کا مسلک اس سلسلے میں یہ ہے کہ اگر کسی عورت کو دس دن سے کم حیض آیا' اور ایسے وقت خون بند ہوا کہ نماز کا وقت اس قدر تنگ ہے کہ اگر نہانے میں جلدی کرے تو بھی صرف تکبیر تحریمہ کا وقت باقی بچے گا تب بھی اس وقت کی نماز واجب ہو جائے گی' اور قضا پڑھنی ہوگی لیکن اگر وقت اس سے بھی کم ہو تو نماز معاف ہے اس کی قضا واجب نہیں ہے' اور اگر پورے دس دن رات حیض آیا اور ایسے وقت خون بند ہوا کہ صرف تکبیر تحریمہ کہہ کر نیت باندھ سکتی ہے' نہانے کی بھی گنجائش نہیں تو بھی نماز واجب ہو جاتی ہے' اس کی قضا پڑھنی چاہئے (بحر الرائق ۲۰۳ و ۲۰۴)۔ (۲) اصحاب سنن' ابن حبان' ابو ہریرہؓ' ابوداؤد اور ابن حبان میں "مع احداهما" اور ترمذی میں "فلم يعدل بينهما" ہے۔ (۳) بخاری و مسلم' عمرو ابن العاصؓ

عائشہؓ کے گھر لے چلو۔ (۱) اگر کوئی عورت اپنی باری دوسری بیوی کو دیدے اور شوہر بھی اس پر رضامند ہو تو دوسری بیوی کا حق ثابت ہوجاتا ہے۔ اب یہ رات اس کے پاس گذارنی چاہیے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی تمام ازواج مطہرات کے درمیان راتوں کی تقسیم فرمایا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ آپ نے یہ ارادہ فرمایا کہ ام المؤمنین حضرت سودہؓ کو ان کے کبرسنی کی وجہ سے طلاق دیدیں تو انہوں نے اپنی باری حضرت عائشہؓ کو دیدی اور یہ عرض کیا کہ مجھے طلاق نہ دیں میں حشر کے دن آپ کی ازواج کے زمرہ میں اٹھنا چاہتی ہوں۔ چنانچہ آپ نے ان کو طلاق دینے کا ارادہ ملتوی فرمادیا۔ لیکن ان کی باری ختم فرمادی' اس کے بعد آپ حضرت عائشہؓ کے یہاں دو راتیں اور باقی تمام بیویوں کے یہاں ایک ایک رات گذارا کرتے تھے۔ (۲) لیکن اگر کسی رات ایسا ہوتا کہ آپ ان زوجہ مطہرہ کے پاس تشریف لے جاتے جن کی باری نہ ہوتی تو اپنے حُسنِ عدل اور قوت کے باعث محبت میں بھی عدل فرماتے اور باقی تمام بیویوں کے پاس بھی اسی رات جاتے تھے۔ جیسا کہ حضرت عائشہؓ کی روایت میں ہے کہ آپ ایک رات میں اپنی تمام ازواج مطہرات کے پاس تشریف لے گئے (بخاری و مسلم) حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ آپ ایک دن دوپہر میں اپنی نو ازواج مطہرات کے پاس تشریف لے گئے۔ (۳)

نافرمانی پر سزا : اگر میاں بیوی میں اختلاف پیدا ہوجائے اور اتفاق کی صورت باقی نہ رہے تو خدا ترس لوگوں کو اصلاح حال کی کوشش کرنی چاہیے۔ اگر عدم موافقت کی ذمہ داری میاں بیوی دونوں پر برابر برابر ہو' یا صرف شوہر اس کا ذمہ دار ہو تو ان دونوں صورتوں میں نہ مرد کو عورت کی اصلاح کا اور نہ عورت کو مرد کی اصلاح کا اختیار ہے۔ اس لئے دو حکموں کا ہونا ضروری ہے۔ ایک حکم شوہر کے خاندان سے ہو' اور ایک بیوی کے خاندان سے' یہ دونوں حکم حالات کا جائزہ لیں' اور اصلاح حال کی کوشش کریں۔ حضرت عمرؓ نے ایک شخص کو کسی گھریلو جھگڑے میں حکم بنا کر بھیجا' وہ شخص کچھ دیر بعد غالباً" مایوس ہو کر واپس آگیا۔ حضرت عمرؓ نے دُرّے سے اس کی خبر لی اور فرمایا کہ تم بغیر اصلاح کئے واپس چلے آئے حالانکہ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے :

اِنْ يُّرِيْدَآ اِصْلَاحًا يُّوَفِّقِ اللّٰهُ بَيْنَهُمَا (پ ۵ ر ۳ آیت ۳۵)

اگر ان دونوں آدمیوں کی اصلاح منظور ہوگی تو اللہ تعالیٰ ان میاں بی بی کے درمیان اتفاق فرمائیں گے۔

تمہاری واپسی کا مطلب یہ ہے کہ تم نے اصلاح کی نیت ہی نہیں کی' ورنہ اللہ تعالیٰ ضرور صلح فرمادیتے۔ وہ شخص پھر گیا اور حُسنِ نیت کے ساتھ دوبارہ گفتگو کی اور دونوں کے ساتھ نرمی سے پیش آیا۔ اللہ تعالیٰ نے توفیق دی اور دونوں میں صلح ہوگئی۔ یہ اس صورت میں ہے جب کہ نزاع کا تعلق دونوں سے ہو یا صرف شوہر کی ذات سے ہو۔ لیکن اگر بیوی نافرمانی کرے تو اس صورت میں شوہر اپنی قوامیت کی وجہ سے صاحب اختیار ہے۔ اس لئے اسے اپنی بیوی کی تادیب و تہذیب کا حق حاصل ہے۔ وہ اسے زبردستی اپنی اطاعت پر مجبور کرسکتا ہے۔ اسی طرح اگر کوئی عورت نماز نہ پڑھتی ہو تو مرد کو چاہیے کہ وہ اس سے زبردستی نماز پڑھوائے لیکن اس سلسلے میں بتدریج سختی ہونی چاہیے۔ مثلاً" اس طرح کے پہلے نصیحت کرے اور اسے باری تعالیٰ کے عذاب اور اپنی ناراضگی اور سزا سے ڈرائے' اس میں کامیابی نہ ہو تو بیوی کی طرف سے پشت پھیر کر لیٹے یا اپنا بستر الگ کرلے مگر ایک ہی گھر میں رہے اور تین راتوں تک یہی معاملہ کرے۔ اس میں بھی کامیابی نہ ہو تو ایسی مار مارے کہ تکلیف تو پہنچے لیکن جسم پر زخم نہ آئے اور نہ کوئی ہڈی وغیرہ ٹوٹے' چہرے پر بھی نہ مارے' سرکار دو عالم صلی اللہ وسلم نے چہرے پر مارنے سے منع فرمایا ہے۔ ایک مرتبہ صحابہ کرام نے عرض کیا' یارسول اللہ! مرد پر عورت کا کیا حق ہے؟ فرمایا :

يطعمها اذا طعم ويكسوها اذا اكتسى ولا يقبح الوجه ولا يضرب الا ضربا غير مبرح ولا يهجرها الا في البيت (ابوداؤد' نسائی ابن ماجہ' معاویہ ابن حیدہؓ)

مرد پر عورت کا حق یہ ہے کہ جب خود کھائے تو بیوی کو بھی کھلائے' جب خود پہنے تو بیوی کو بھی پہنائے' اسے یوں

(۱) یہ روایت مختلف طرق کے ساتھ بخاری و مسلم میں حضرت عائشہؓ سے اور سعد ابن طبقات میں محمد ابن علی ابن الحسین سے مروی ہے۔ (۲) بخاری' ابوداؤد' طبرانی' عائشہؓ مختلف الفاظ کے ساتھ (۳) ابن عدی فی الکامل' بخاری میں یہ واقعہ رات کا بیان کیا گیا ہے۔

نہ کہے کہ خدا تیرا چہرہ بگاڑے، جب مارے تو ہلکی مار مارے، اگر الگ سونے کی ضرورت پیش آئے تو گھر چھوڑ کر نہ جائے بلکہ اسی گھر میں رہے۔

شوہر کو اس بات کا حق حاصل ہے کہ اگر بیوی کی طرف سے کسی دینی معاملے میں کوئی کوتاہی دیکھے تو اپنی خفگی کے اظہار کے لئے دس، بیس دن یا مہینہ بھر تک پاس نہ سوئے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ایک ماہ کے لئے ازواجِ مطہرات سے دوری اختیار کرلی تھی۔ واقعہ یہ پیش آیا تھا کہ آپ نے اپنی زوجہ مطہرہ حضرت زینبؓ کو کوئی تحفہ بھیجا۔ حضرت زینبؓ نے وہ تحفہ واپس کردیا، ان زوجہ مطہرہ نے جن کے گھر میں آپ اس وقت قیام فرماتے تحفے کی واپسی کے متعلق یہ خیال ظاہر کیا کہ زینب نے تحفہ واپس کرکے آپ کی بے قدری کی ہے۔ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، تم اللہ کے نزدیک اس بات سے زیادہ ذلیل ہو کہ میری ناقدری کرو۔ اس کے بعد آپ اپنی تمام ازواجِ مطہرات پر اس قدر خفا ہوئے کہ مہینہ بھر تک کسی کے پاس تشریف نہیں لے گئے۔ (۱)

جماع کے آداب: مستحب یہ ہے کہ بسم اللہ سے اس عمل کی ابتداء کرے۔ پہلے سورۂ اخلاص (قل ھو اللہ) کی تلاوت کرے۔ پھر تکبیر و تہلیل کہے اور یہ دعا کرے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْهَا ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً اِنْ كُنْتَ قَدَّرْتَ اَنْ تَخْرُجَ ذٰلِكَ مِنْ صُلْبِيْ۔

شروع کرتا ہوں اللہ عظیم و برتر کے نام سے۔ اے اللہ! اگر تو نے میری تقدیر میں لکھا ہے کہ میری پشت سے اولاد پیدا ہو تو اس نطفے کو اچھی اولاد بنا دینا۔

اس سلسلے کی ایک دعا یہ ہے۔ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں۔

لو ان احدکم اذا اتی اھلہ قال، اَللّٰهُمَّ جَنِّبْنِي الشَّيْطَانَ وَجَنِّبِ الشَّيْطَانَ مَا رَزَقْتَنَا فان کان بینھما ولد لم یضرہ الشیطان (بخاری و مسلم۔ ابن عباسؓ)

اگر تم میں سے کوئی اپنی بیوی سے ہمبستری کرے تو یہ دعا کرے "اے اللہ! مجھ کو شیطان سے دور رکھ اور اس چیز سے دور رکھ جو تو نے ہمیں عطا فرمائی" اگر ان دونوں کے یہاں کوئی بچہ پیدا ہوگا تو شیطان اسے نقصان نہیں پہنچائے گا۔

جب انزال قریب ہو تو دل ہی دل میں یہ الفاظ کہے، ہونٹوں کو حرکت نہ دے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ خَلَقَ مِنَ الْمَاءِ بَشَرًا فَجَعَلَهٗ نَسَبًا وَّصِهْرًا

تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جس نے پانی سے انسان کی تخلیق فرمائی اور اسے نسبی اور سسرالی رشتہ بنایا۔

بعض اصحابِ حدیث اس موقعہ پر اس قدر بلند آواز سے اللہ اکبر کہتے کہ گھر کے دوسرے افراد ان کی تکبیر کے الفاظ سن لیتے تھے، جماع کے وقت قبلہ کی جانب رُخ نہ کرے بلکہ اس کی عظمت کا تقاضا یہ ہے کہ کسی اور جانب رُخ رکھے۔ اپنا اور اپنی بیوی کا جسم کھلا نہ رکھے بلکہ کسی کپڑے سے ڈھانپ لے۔ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم چہرے پر کپڑا ڈال لیا کرتے تھے، آواز پست کرلیتے تھے اور بیوی سے فرماتے کہ سکون کے ساتھ رہو۔ (خطیب۔ ام سلمہؓ) ایک حدیث میں ہے۔

اذا جامع احدکم امرأتہ فلا یتجردا تجرد العیرین۔ (ابن ماجہ۔ عتبہ ابن عبد)

جب تم میں سے کوئی اپنی بیوی سے جماع کرے تو ان دونوں کو چاہیے کہ گدھوں کی طرح ننگے نہ ہو۔

---

(۱) یہ روایت ابن جوزی نے کتاب الوفاء میں بلا سند نقل کی ہے، بخاری و مسلم میں حضرت عمرؓ کی روایت ہے کہ آپ نے تمام ازواجِ مطہرات پر خفا ہوکر یہ قسم کھائی تھی کہ ایک مہینے تک ان کے پاس نہیں جائیں گے۔

صحبت سے پہلے محبت آمیز گفتگو ہونی چاہیے اور بوسہ وغیرہ سے آغاز کرنا چاہئے۔ ارشاد نبوی ہے:

لا یقعن احدکم علی امراتہ کما تقع البھیمۃ ولیکن بینھما رسول قیل: وما الرسول یارسول اللہ؟ قال: القبلۃ والکلام (۱)

تم میں سے کوئی اپنی بیوی پر اس طرح نہ جاپڑے جس طرح چوپائے پڑتے ہیں' بلکہ دونوں کے درمیان اولاً پیغامبر ہونا چاہیے۔ لوگوں نے عرض کیا تا یارسول اللہ! پیغامبر سے آپ کی مراد کیا ہے' فرمایا: بوسہ اور گفتگو۔

ایک حدیث میں ہے کہ تین باتیں مرد کے عجز اور عدم قدرت پر دلالت کرتی ہیں' ایک یہ کہ کوئی شخص کسی سے تعارف کا متمنی ہو' اور وہ نام و نسب بتلانے سے قبل ہی جدا ہوجائے۔ دوسری یہ کہ کوئی شخص اس کی تعظیم کے خیال سے ہدیہ پیش کرے اور وہ اسے واپس کردے' تیسری بات یہ کہ کوئی شخص اپنی بیوی یا باندی کے پاس جائے' اور ان سے گفتگو کرنے سے قبل ہی صحبت میں مشغول ہوجائے اپنی ضرورت پوری کرلے ان کی ضرورت پوری نہ ہونے دے۔ (۲)

تین راتوں میں جماع کرنا مکروہ ہے۔ مہینے کی پہلی رات' آخری رات اور پندرہویں رات میں کہتے ہیں کہ ان راتوں میں صحبت کے وقت شیطان موجود رہتے ہیں۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ ان راتوں میں شیاطین صحبت کیا کرتے ہیں۔ ان راتوں کی کراہت حضرت علیؓ حضرت معاویہؓ اور حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے۔ بعض علماء جمعہ کے دن یا شبِ جمعہ میں صحبت کو مستحب قرار دیتے ہیں کیونکہ مندرجہ ذیل حدیث کا ایک مطلب یہ بھی ہے:

رحم اللہ من غسل واغتسل یوم الجمعۃ (۳)

اللہ تعالیٰ اس شخص پر رحم فرمائے جو جمعہ کے دن غسل کرائے اور غسل کرے۔

اِنزال کے بعد مرد کو کچھ دیر اسی حالت میں ٹھہرے رہنا چاہیے' کیونکہ بعض اوقات عورت کو دیر میں اِنزال ہوتا ہے' اب اگر مرد اپنی ضرورت کی تکمیل کے بعد فوری طور پر ہٹ جائے اور عورت کو تشنہ رہنے دے تو یہ بات باہمی نفرت کا سبب بن جاتی ہے۔ یہ اس صورت میں ہے جب کہ مرد کو پہلے انزال ہوجائے۔ اِنزال کا ایک ساتھ ہونا زیادہ لذّت کا باعث بھی ہوتا ہے' اور عورت بھی یہی صورت پسند کرتی ہے' کیونکہ اگر مرد پہلے فارغ ہوجائے تو اس کی حیا ضرورت کے اظہار سے مانع رہتی ہے۔ مناسب یہ ہے کہ ہر چوتھے روز اپنی بیوی کے پاس آئے عدل کا تقاضا بھی یہی ہے' کیونکہ بیویوں کی زیادہ سے زیادہ تعداد چار ہوسکتی ہے۔ اس لئے اس حد تک تاخیر جائز ہے۔ ہاں اگر ضرورت ہو تو یہ مدت کم بھی کرسکتا ہے اور زیادہ بھی۔ لیکن اس میں عورت کی ضرورت پیشِ نظر رکھنی چاہیے۔ کیونکہ عورت کی عفّت اور پارسائی کی حفاظت مرد کی ذمہ داری ہے۔

ایامِ حیض میں وطی نہ کرے۔ نصِ قرآن سے اس کی حرمت ثابت ہے۔ کہتے ہیں کہ حیض کی حالت میں جماع کرنے سے اولاد کوڑھی پیدا ہوتی ہے۔ حائضہ کے باقی جسم سے فائدہ حاصل کرنا اس حالت میں بھی جائز ہے۔ پاخانے کے مقام میں صحبت کرنا جائز نہیں ہے۔ حیض کے دنوں میں صحبت کی حرمت گندگی کی وجہ سے حرام ہوئی' اور پاخانے کے مقام میں ہر وقت گندگی رہتی ہے اس لئے اس کی حرمت حالت حیض میں صحبت کرنے کی حرمت سے زیادہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

فَأْتُوا حَرْثَكُمْ أَنَّىٰ شِئْتُمْ (پ۲ ر۱۲ آیت ۲۲۳)

سو اپنے کھیت میں جس طرف ہو کر چاہو آؤ۔

اس کا مطلب یہ نہیں کہ جس طرف سے چاہو صحبت کرو' بلکہ مطلب یہ ہے کہ جس وقت دل چاہے صحبت کرو۔ مرد کے لئے جائز ہے

---

(۱) ابو منصور الدیلمی فی مسند الفردوس "وھو من حدیث انسؓ وھو منکر" (۲) ابو منصور دیلمی نے انسؓ سے اس کا اختصار روایت کیا ہے۔ یہ پچھلی روایت کا ایک حصہ ہے۔ (۳) کتاب الصلوٰۃ کے پانچویں باب میں یہ روایت گذر چکی ہے۔

کہ وہ حیض کے دنوں میں عورت کے ہاتھوں سے اپنی منی نکلوادے' اور مقام صحبت کے علاوہ ہر جگہ سے استفادہ کرے۔ عورت کے لئے مستحب یہ ہے کہ وہ ان ایام میں ناف سے گھٹنوں تک ایک کپڑا باندھے رکھے۔ حیض کے ایام میں عورت کے ساتھ کھانا کھانا' ایک بستر میں سونا وغیرامور جائز ہیں۔ اگر ایک مرتبہ جماع کرنے کے بعد دوبارہ خواہش ہو تو پہلے اپنی شرمگاہ دھولے' اور اگر احتلام ہو گیا ہو تو مجامعت سے پہلے پیشاب کرلے اور شرمگاہ پر پانی ڈال لے۔ رات کے ابتدائی حصے میں صحبت کرنا اس خیال سے مکروہ قرار دیا گیا ہے کہ ناپاکی کی حالت میں سونا ہوگا۔ اگر جماع کے بعد سونے یا کھانے پینے کی ضرورت محسوس ہو تو پہلے نماز کا وضو کرلے۔ یہ عمل سنت ہے۔ حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ میں نے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا: یا رسول اللہ! ہم میں سے کوئی شخص جنابت کی حالت میں سو سکتا ہے؟ آپ نے ارشاد فرمایا: ہاں اگر وہ شخص وضو کرلے۔ (۱) اس سلسلے میں رخصت کی روایات بھی ہیں' حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم جنابت کی حالت میں پانی کو ہاتھ لگائے بغیر سو جایا کرتے تھے (ابوداؤد' ترمذی' ابن ماجہ) لیٹنے سے قبل بستر جھٹک لے یا ہاتھ وغیرہ پھیر کر صاف کرلے۔ اس لئے کہ اسے کیا پتہ اس کی عدم موجودگی میں بستر پر کیا چیز گر گئی ہے۔ جنابت کی حالت میں سر کے بال کٹوانا' زیرِ ناف بال کاٹنا' ناخن تراشنا' پچھنے لگوانا وغیرہ مناسب نہیں ہے' کیونکہ قیامت کے دن بدن کے تمام اجزاء اس کے پاس آئیں گے' یہ اچھا معلوم نہیں ہوتا کہ وہ اجزاءِ بدن ناپاکی کی حالت میں آکر ملیں' یہ بھی کہتے ہیں کہ قیامت کے روز آدمی کے بال اپنی ناپاکی پر احتجاج کریں گے۔

جماع کے آداب میں یہ بات بھی شامل ہے کہ عزل نہ کرے' یعنی فرج سے باہر انزال نہ کرے' بلکہ کھیتی کی جگہ یعنی رحم میں اپنا پانی پہنچائے۔ عزل سے خدا کے فیصلے تبدیل نہیں ہوتے' بلکہ جیسا کہ ارشادِ نبوی ہے کہ جتنے انسان باری تعالیٰ کو پیدا کرنا منظور ہیں وہ ہر حالت میں پیدا ہوں گے۔ (بخاری و مسلم۔ ابو سعیدؓ) عزل کی اباحت اور کراہت کے سلسلے میں علماءِ اسلام کا اختلاف ہے۔ بعض حضرات اسے مطلقاً" مباح کہتے ہیں' بعض لوگوں کے نزدیک یہ فعل ہر حالت میں حرام ہے۔ بعض لوگوں کی رائے میں اگر عزل عورت کی رضا سے ہو تو جائز ہے ورنہ ناجائز ہے گویا ان لوگوں کے نزدیک باہر انزال کرنا حرام نہیں ہے' عورت کو تکلیف پہنچانا حرام ہے۔ بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ باندی کے ساتھ عزل کیا جاسکتا ہے' آزاد عورت کے ساتھ نہیں کیا جاسکتا۔ ہمارے نزدیک یہ فعل مباح ہے۔ جہاں تک کراہت کا تعلق ہے اس کا اطلاق نہی تحریمی' نہی تنزیہی اور ترک اولیٰ تینوں پر ہوتا ہے۔ صحیح بات یہ ہے کہ عزل میں تیسرے معنیٰ یعنی ترک اولیٰ کی کراہت پائی جاتی ہے۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص یہ کہے کہ مسجد میں بیٹھ کر ذکر و نماز کی مشغولیت اختیار نہ کرنا مکروہ ہے یا اس شخص کے لئے جو مکہ مکرمہ میں مقیم ہو ہر سال حج نہ کرنا مکروہ ہے' عزل میں ترک اولیٰ کی کراہت اولاد کے متعلق وارد فضائل سے بھی ثابت ہوتی ہے اور اس حدیث سے بھی کہ آدمی جب اپنی بیوی سے صحبت کرتا ہے تو اس کے لئے ایسے لڑکے کا ثواب لکھا جاتا ہے جو راہِ خدا میں لڑتا ہوا مارا جائے۔ (۲) آپ نے یہ بات اس لئے فرمائی کہ اگر اس شخص کے ایسا ہی لڑکا پیدا ہوا تو اسے لڑکے کے پیدائش کا سبب بننے پر اجر ملے گا' حالانکہ پیدا کرنے والا اللہ ہے' زندہ رکھنے والا اور جہاد پر قدرت دینے والا بھی اللہ ہی ہے۔ یہ شخص محض سبب بنتا ہے' اور یہ سبب بھی اسی وقت بن سکتا ہے جب آدمی صحبت کرے اور منی کو رحم میں ڈالے۔

ہمارے نزدیک عزل میں کراہت تحریمی یا کراہت تنزیہی نہیں ہے' اس کی وجہ یہ ہے کہ نہی کا ثبوت یا تو نص سے ہوتا ہے یا کسی منصوص پر قیاس کرنے سے۔ نہ یہاں نص ہے اور نہ ایسی کوئی اصل جس پر اسے قیاس کیا جاسکے' بلکہ یہاں ایک اور اصل ہے جس پر اس فعل کی اباحت کو قیاس کیا جاسکتا ہے اور وہ یہ ہے کہ کوئی شخص نکاح ہی نہ کرے یا نکاح کرے تو صحبت نہ کرے یا صحبت کرے تو انزال نہ ہونے دے' ان سب امور کا مرتکب فضیلت کا تارک قرار دیا جاتا ہے نہ کہ کراہت تحریمی یا تنزیہی کا مرتکب۔ ہمارے خیال میں عزل بھی ترکِ نکاح' ترکِ صحبت یا ترکِ انزال جیسی ہی ایک چیز ہے۔ سب جانتے ہیں کہ بچہ رحم میں نطفہ پڑنے سے تخلیق پاتا ہے۔ ظاہر میں

---

(۱) بخاری و مسلم۔ مگر اس میں سوال کرنے والے حضرت عمرؓ ہیں نہ کہ عبداللہ ابن عمرؓ (۲) اس حدیث کی کوئی اصل مجھے نہیں ملی۔

اس کے چار سبب ہیں۔ ا۔ نکاح کرنا ۲۔ صحبت کرنا ۳۔ انزال تک توقف کرنا ۴۔ انزال کے بعد حمل قرار پانا۔ یہ چار اسباب ہیں' ان میں سے بعض اسباب بعض دوسرے اسباب کی بہ نسبت زیادہ قریب ہیں۔ دیکھا جائے تو چوتھے سبب سے رکنا ایسا ہی ہے جیسے تیسرے سبب سے رکنا' اور تیسرے سبب سے رکنا ایسا ہی ہے جیسے دوسرے یا پہلے سبب سے رکنا۔ اسباب کے درجے میں یہ سب امور برابر ہیں' اگر تارکِ نکاح کو تارکِ فضیلت کہا جاسکتا ہے تو پھر عزل کرنے والے کو تارکِ فضیلت کیوں نہیں کہا جائے گا۔ اسے کراہت کا مرتکب کیوں کہا جائے گا؟

عزل کرنا یا پیدائش کے دوسرے اسباب کا ترک کرنا حمل ساقط کرنے یا بچے کو زندہ درگور کرنے کے برابر نہیں ہے۔ کیوں کہ ان دونوں صورتوں میں ایک موجود چیز پر ظلم کیا جاتا ہے پھر اس موجود کے بھی مختلف مراتب اور درجات ہیں' ایک درجہ یہ ہے کہ مرد کی منی عورت کے رحم میں پڑجائے اور عورت کی منی سے مل کر بچہ پیدا کرنے کی صلاحیت حاصل کرلے اس منی کا ضائع کرنا بھی ظلم ہے۔ دوسرا مرتبہ یہ ہے کہ اس نطفہ کو سیال پانی سے گوشت کے لوتھڑے میں تبدیل ہوجانے کے بعد ضائع کیا جائے' اس میں پہلے کی بہ نسبت زیادہ برائی ہے۔ تیسرا مرتبہ یہ ہے کہ تخلیق کا عمل مکمل ہوجائے' جسم میں جان بھی پڑجائے' اس صورت میں ضائع کرنے کا جرم پہلے دو کی بہ نسبت زیادہ سنگین ہے' چوتھا مرتبہ یہ ہے کہ بچہ ماں کے پیٹ سے باہر آجائے یعنی پیدائش کا عمل بھی مکمل ہوجائے' اس مرتبے میں پہنچ کر ضائع کرنا یقیناً" زیادہ بڑا جرم ہے۔

یہاں ہم نے وجود کا پہلا مرتبہ اسے قرار دیا ہے کہ مرد کی منی عورت کے رحم میں پہنچ جائے مرد کی شرمگاہ کے سوراخ سے منی کا خارج ہونا وجود کا پہلا مرتبہ نہیں ہے۔ اس لئے کہ بچہ تنہا مرد کی منی سے پیدا نہیں ہوتا' بلکہ مرد اور عورت دونوں کی منی سے مل کر' یا مرد کی منی اور عورت کے حیض سے مل کر بنتا ہے' اہلِ تشریح کہتے ہیں کہ گوشت کا لوتھڑا بحکم خداوندی حیض سے بنتا ہے' حیض کو لوتھڑے سے وہی نسبت ہے جو دودھ سے دہی کو ہے' مرد کے نطفے سے حیض کا خون منجمد ہوتا ہے' جس طرح جاون سے دودھ دہی کی شکل اختیار کرتا ہے۔ بہرحال ان دونوں میں سے کوئی بھی صورت ہو عورت کا پانی بچے کی پیدائش کے عمل میں رکن کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس طرح مرد اور عورت کے پانی ایجاب و قبول کی طرح دو رکن ہیں' اب اگر کوئی شخص صرف ایجاب کرکے رجوع کرلے دوسری طرف سے قبول متحقق نہ ہو تو یہ نہیں کہا جائے گا کہ اس نے عقد فسخ کرنے کا جرم کیا ہے' یا وہ نقضِ عہد کا مرتکب ہوا ہے۔ ہاں اگر ایجاب و قبول دونوں ہوجائیں تو اب رجوع نہیں ہوسکتا۔ اس صورت میں رجوع کرنا فسخِ عقد یا نقضِ عہد کہلائے گا جس طرح مرد کی صُلب میں منی کے وجود سے بچہ پیدا نہیں ہوتا اسی طرح شرمگاہ کے سوراخ سے منی نکلنا بھی بچے کی پیدائش کا سبب نہیں بنتا' جب تک اس میں عورت کے پانی کا امتزاج نہ ہو۔

عزل پر ایک شبہ اور اس کا جواب: ہماری اس تقریر پر یہ اعتراض کیا جاسکتا ہے کہ ممکن ہے عزل اس اعتبار سے ممنوع نہ ہو کہ اس سے بچے کے وجود میں خلل واقع ہوتا ہے' بلکہ اس نیت کی وجہ سے مکروہ ہو جو عزل کا سبب بنتی ہے' یقیناً یہ نیت فاسد ہی ہوگی' یہ بھی امکان ہے کہ اس میں شرکِ خفی کا شائبہ ہو۔ اس کا جواب یہ ہے کہ مرد مندرجہ ذیل پانچ وجوہات کی بنا پر عزل کرتا ہے۔ پہلی وجہ کا تعلق لونڈیوں سے ہے' یعنی اپنی مملوکہ عورتوں کے ساتھ عزل کرتا ہے تاکہ مِلک ضائع نہ ہو' کیونکہ ماں بننے کے بعد باندی آزادی کی مستحق ہوجائے گی' ہمارے خیال میں اپنی مِلک کو ضائع ہونے سے بچانے کی کوشش کرنا ممنوع نہ ہونا چاہیے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ عورت کا حسن و جمال باقی رہے' اور صحت برقرار رہے' بچے کی پیدائش ایک تکلیف دہ عمل ہے اس میں بعض اوقات عورت کی جان کو خطرہ لاحق ہوجاتا ہے' اور وہ اپنی صحت اور اپنا حسن و جمال کھو بیٹھتی ہے۔ یہ وجہ بھی ممنوع نہیں ہے۔ تیسری وجہ یہ ہے کہ بچے زیادہ نہ ہوں بچوں کی کثرت سے بہت سی پریشانیاں لاحق ہوتی ہیں' کمانے کے لئے زیادہ محنت کرنی پڑتی ہے' بعض اوقات حلال ذرائع آمدنی کافی نہیں ہوتے تو ناجائز ذرائع معاش اختیار کرنے پڑتے ہیں' یہ نیت بھی فاسد نہیں کہلائی جاسکتی۔ اس لئے کہ پریشانیوں کی کمی سے دین پر مدد ملتی ہے' اور باری تعالیٰ کی عبادت و اطاعت کا زیادہ موقع ملتا ہے۔ ہم یہ بھی تسلیم کرتے ہیں کہ کمالِ فضل یہی ہے کہ انسان باری تعالیٰ کے وعدہ رزق کا

اعتبار کرے، اور مندرجہ ذیل آیت کریمہ کے معنیٰ و مفہوم پر پورا یقین رکھے۔

وَمَا مِنْ دَابَّةٍ فِي الْأَرْضِ إِلَّا عَلَى اللَّهِ رِزْقُهَا (پ ۱۲ر۱ آیت ۶)

اور کوئی جانور روئے زمین پر چلنے والا ایسا نہیں کہ اس کی روزی اللہ تعالیٰ کے ذمہ نہ ہو۔

یقیناً" اس نیت کے ساتھ عزل کرنا انسان کو یقین کے اعلیٰ مرتبے سے گرا دیتا ہے، لیکن انجام پر نظر رکھنا، مال جمع کرنا وغیرہ امور خلافِ توکل ضرور ہیں ممنوع نہیں ہیں۔ چوتھی وجہ یہ ہے کہ اس خوف سے عزل کرے کہ اگر لڑکیاں پیدا ہوئیں تو ان کی شادی کرنی ہوگی اور پیشانی پر دامادی کا کلنک لگے گا۔ عربوں کا یہی دستور تھا کہ ان کے یہاں جب کوئی لڑکی پیدا ہوتی تو وہ اسے قتل کر دیتے یا زندہ دفن کر دیتے، بلاشبہ یہ ایک خراب اور فاسد نیت ہے، اگر کوئی شخص اس خیال سے شادی نہ کرے یا شادی کرے تو صحبت نہ کرے یا صحبت کرے تو عزل کرے تو یقیناً" وہ شخص گنہگار ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت (نکاح اور لڑکیوں کی پیدائش) کو اس طرح معیوب سمجھنا اعتقاد کی خرابی پر دلالت کرتا ہے، اس سے بچنا چاہیے۔ بعض عورتیں بھی اس بدبختی میں مبتلا ہوتی ہیں اور وہ اس لئے نکاح نہیں کرتیں کہ مردوں کی حاکمیت یا قوامیت انھیں گوارا نہیں ہے۔ ایسی عورتیں بالواسطہ طور پر قانونِ فطرت کے خلاف ورزی کے جرم کا ارتکاب کرتی ہیں اس لئے وہ بھی گناہ گار ہیں۔ پانچویں وجہ یہ ہے کہ عورت خود عزل کی خواہش کرے، بعض عورتیں خود کو معزز سمجھتی ہیں، وہ یہ نہیں چاہتیں کہ ان کے بچے پیدا ہوں، نفاس آئے، دردِ زہ میں مبتلا ہوں، بچوں کو دودھ پلانا پڑے، ان کی پرورش اور دیکھ بھال کرنی پڑے۔ خارجی عورتوں کی یہ عادت تھی کہ وہ پانی بکثرت استعمال کیا کرتی تھیں، حیض کے دنوں کی نمازیں بھی قضا پڑھتی تھیں اور بیت الخلاء میں ننگے جسم جایا کرتی تھیں، یہ عادتیں بدعت میں داخل ہیں۔ فرقۂ خارجیہ کی ایک عورت حضرت عائشہؓ سے ملنے کے لئے آئی تو آپ نے اس کی ان غلط عادات کی بناء پر ملنے سے انکار فرما دیا۔ بہرحال یہ نیت بھی فاسد ہے۔ اس تفصیل کا حاصل یہ نکلا کہ بچوں کی پیدائش روکنے کے لئے عزل کرنا صحیح ہے، اس میں کوئی خرابی نہیں ہے۔

عزل کی روایات : سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں :

من ترک النکاح مخافة العیال فلیس منا ثلاثا (۱)

اس سے معلوم ہوا کہ عزل کرنے والا بھی اس وعید کا مستحق ہے کیونکہ اس میں بھی عیال کا خوف پایا جاتا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں لیس منا سے مراد یہ ہے کہ وہ ہماری سنت اور ہمارے طریقے پر نہیں ہے، ہمارا طریقہ افضل پر عمل کرنا ہے، نہ کہ افضل کو ترک کرنا۔ اگر آپ یہ کہیں کہ سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک جگہ عزل کے متعلق ارشاد فرمایا :

ذاک الوأد الخفی وقرا: وإذا الموءودة سئلت (مسلم۔ جذامۃ بنت وہب)

یہ پوشیدہ طور پر زندہ درگور کرنا ہے۔ اس کے بعد آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی: اور جب زندہ گاڑی ہوئی لڑکی سے پوچھا جائے گا۔

جو شخص عیال کے خوف سے نکاح ترک کرے وہ ہم میں سے نہیں ہے (آپ نے یہ بات تین مرتبہ فرمائی)۔

تو ہم اس کا جواب یہ دیں گے کہ صحیح روایات سے عزل کی اباحت بھی ثابت ہے۔ (۲) پھر یہاں قابلِ غور بات یہ بھی ہے کہ آپ نے

---

(۱) یہ روایت کتاب النکاح کے شروع میں گزری ہے۔ (۲) مثلاً" مسلم میں ابو سعید الخدری کی روایت ہے کہ صحابہ نے عزل کے متعلق دریافت کیا تو فرمایا کہ اگر تم یہ نہ کرو تو کوئی حرج نہیں ہے۔ نسائی نے بھی یہ روایت ابو صرمہؓ سے نقل کی ہے۔ صحیحین میں حضرت جابرؓ کی روایت ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں عزل کیا کرتے تھے۔ مسلم نے اس میں اضافہ کیا ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ہمارے اس فعل کی اطلاع ہوئی تو آپ نے منع نہیں فرمایا۔ نسائی میں ابو ہریرہؓ کی روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عزل کے متعلق دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ یہود کا خیال ہے کہ عزل وأد صغیر ہے۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ یہود کا خیال غلط ہے۔ بیہقی کہتے ہیں کہ عزل کی اباحت کے راوی تعداد میں بھی زیادہ ہیں اور قوت حافظہ میں بھی۔

عزل کو واد خفی فرمایا' جو شرک خفی کے مشابہ ہے۔ اس اعتبار سے اس میں کراہت ضرور ہے لیکن حرمت نہیں ہے۔ یہاں حضرت ابن عباسؓ کے اس قول سے بھی عزل کی حرمت پر استدلال کیا جاسکتا ہے کہ آپ نے عزل کو "واد صغیر" (چھوٹا زندہ در گور کرنا) قرار دیا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت ابن عباس نے بطریق قیاس عزل کے متعلق یہ رائے قائم کی ہے' یہ قیاس ضعیف ہے' یہی وجہ ہے کہ جب حضرت علیؓ کو عبداللہ ابن عباسؓ کی رائے کا علم ہوا تو آپ نے اسے تسلیم کرنے سے انکار کردیا اور فرمایا کہ واد (زندہ دفن کرنا) اس وقت تک اپنے حقیقی معنوں میں نہیں پایا جاسکتا جب تک کہ نطفہ تخلیق کے سات مرحلوں سے نہ گذرے اس کے بعد آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی جس میں تخلیق کے ان تمام مرحلوں کا ذکر ہے :

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنسَانَ مِن سُلَالَةٍ مِّن طِينٍ ثُمَّ جَعَلْنَاهُ نُطْفَةً فِي قَرَارٍ مَّكِينٍ ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظَامًا فَكَسَوْنَا الْعِظَامَ لَحْمًا ثُمَّ اَنشَاْنَاهُ خَلْقًا آخَرَ (پ۱۸ر۱ آیت ۱۲-۱۴)

اور ہم نے انسان کو مٹی کے خلاصے (غذا) سے بنایا' پھر ہم نے اس کو نطفے سے بنایا جو کہ (ایک مدّت معیّنہ تک) ایک محفوظ مقام (یعنی رحم) میں رہا' پھر ہم نے اس نطفے کو خون کا لوتھڑا بنادیا' پھر ہم نے اس خون کے لوتھڑے کو (گوشت کی) بوٹی بنادیا' پھر ہم نے اس بوٹی (کے بعض اجزاء) کو ہڈیاں بنادیا' پھر ہم نے ان ہڈیوں پر گوشت چڑھادیا' پھر ہم نے (اس میں روح ڈال کر) اس کو ایک دوسری ہی (طرح کی) مخلوق بنادیا۔

اس کے بعد آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی:۔

وَاِذَا الْمَوْءُدَةُ سُئِلَتْ (پ۳۰ر۶ آیت ۸)

اور جب زندہ گاڑی ہوئی لڑکی سے پوچھا جائے گا۔

قیاس اور نصوص سے نتائج اخذ کرنے کے سلسلے میں حضرت ابن عباسؓ اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے درمیان جو فرق ہے وہ عزل کے متعلق دونوں حضرات کے خیالات سے واضح ہوجاتا ہے۔

عزل کے سلسلے میں حضرت عبداللہ ابن عباسؓ کی رائے اس لئے بھی محلِ نظر ہے کہ صحیح روایات سے عزل کا ثبوت ملتا ہے' حضرت جابر ابن عبداللہ فرماتے ہیں کہ ہم سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں عزل کیا کرتے تھے' اور یہ وہ دور تھا جب کہ قرآن پاک نازل ہورہا تھا۔ ایک روایت میں یہ ہے کہ جب آپ کو ہمارے عزل کی اطلاع ہوئی تو آپ نے ہمیں منع نہیں فرمایا (بخاری و مسلم)۔ حضرت جابرؓ ہی کی ایک روایت ہے کہ ایک شخص سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا: یا رسول اللہ! میری ایک باندی ہے' یہ باندی ہماری گھریلو خادمہ بھی ہے اور ہمارے باغ میں پانی بھی دیتی ہے' میں اس سے صحبت بھی کرتا ہوں' لیکن میں یہ پسند نہیں کرتا کہ وہ حاملہ ہو' آپ نے فرمایا: اگر چاہو تو عزل کرلیا کرو' ہوگا وہی جو اللہ نے قسمت میں لکھ دیا ہے۔ جابر کہتے ہیں کہ کچھ عرصے کے بعد وہ شخص دوبارہ آیا اور عرض کیا: یا رسول اللہ میری باندی کو حمل ٹھہر گیا ہے' آپ نے فرمایا: میں نے کہہ دیا تھا کہ جو اللہ نے قسمت میں لکھ دیا ہے وہی ہوگا (مسلم)

<u>ولادت کے آداب</u> : اس سلسلے میں پانچ آداب کی رعایت ضروری ہے۔

<u>پہلا ادب</u> : یہ ہے کہ لڑکے کی پیدائش پر زیادہ خوش نہ ہو' اور نہ لڑکی کی پیدائش پر غمگین ہو' اسے کیا معلوم کہ اس کے حق میں دنیا و آخرت کے لحاظ سے لڑکا بہتر ہے یا لڑکی' بہت سے لڑکے والے تمنا کرتے دیکھے گئے ہیں کہ کاش ہمارے یہاں لڑکی پیدا ہوئی ہوتی' یا ہم بے اولاد ہی رہتے تو اچھا تھا۔ غور کیا جائے تو لڑکیاں اتنی تکلیف نہیں پہنچاتی جتنی تکلیف لڑکے پہنچاتے ہیں' اس کے برعکس لڑکیوں میں خدمت گذاری کا جذبہ زیادہ ہوتا ہے وہ جب تک باپ کے یہاں رہتی ہیں باپ کی خدمت کرتی ہیں اور جب شوہر کے گھر جاتی ہیں تو شوہر

کی خدمت کرتی ہیں' ان کی تربیت کی بڑی فضیلت ہے۔ ارشاد نبوی ہے:

من كانت له ابنة فادبها واحسن ادبها وغذاها فاحسن غذاءها واسبغ عليها من النعمة التى اسبغ الله عليه كانت له ميمنة و ميسرة من النار الى الجنة (طبرانی کبیر۔ ابن مسعودؓ)

جس شخص کے ایک لڑکی ہو اور وہ اس کو اچھا ادب سکھلائے اور اچھا کھانا کھلائے' اور جو نعمت اللہ نے اسے عطا کی ہے اس نعمت میں سے لڑکی کو بھی دے تو وہ لڑکی اس کے لئے دوزخ سے دائیں بائیں آڑ بن جائے گی' اور اسے جنت میں لے جائے گی۔

حضرت عبداللہ ابن عباسؓ کی روایت میں ہے:

ما من احد يدرك ابنتين فيحسن اليهما ما صحبتاه الا ادخلتاه الجنة (ابن ماجہ' حاکم)

جس شخص نے دو لڑکیاں پائیں اور ان کے ساتھ جب تک وہ اس کے پاس رہیں حُسنِ سلوک کیا تو وہ اسے جنت میں داخل کریں گی۔

اسی مضمون کی ایک حدیث حضرت انسؓ سے ان الفاظ میں منقول ہے:

من كانت له ابنتان او اختان فاحسن اليهما ما صحبتاه كنت انا وهو فى الجنة كهاتين (۱) (الخرائطی فی مکارم الاخلاق)

جس شخص کے دو بیٹیاں یا دو بہنیں ہوں اور وہ ان کے ساتھ اس وقت تک حسن سلوک کرتا رہے جب تک وہ اس کے پاس رہیں تو میں اور وہ شخص ان دو انگلیوں کی طرح (انتہائی قریب) ہوں گے۔

حضرت انسؓ کی ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں:

من خرج الى سوق من اسواق المسلمين فاشترى شيئا فحمله الى بيته فخص به الاناث دون الذكور نظر الله اليه ومن نظر الله اليه لم يعذبه (الخرائطی۔ سند ضعیف)

جو شخص مسلمانوں کے کسی بازار میں جائے' وہاں سے کوئی چیز خرید کر گھر لائے' اور صرف لڑکیوں کو دے لڑکوں کو نہ دے تو اللہ تعالیٰ اس پر نظرِ عنایت فرمائیں گے' اور اللہ جس پر نظرِ عنایت فرمائیں اسے عذاب نہیں دیتے۔

ایک حدیث میں ہے:

من حمل طرفة من السوق الى عياله فكانما حمل اليهم صدقة حتى يضعها فيهم' وليبدا بالاناث قبل الذكور' فانه من فرح انثى فكانما بكى من خشية الله ومن بكى من خشيته حرم الله بدنه على النار (۲)

جو شخص بازار سے کوئی اچھی چیز اپنے اہل و عیال کے لئے لائے تو گویا وہ ان کے لئے صدقہ لے کر آیا ہے' یہاں تک کہ وہ چیز ان کو دے دے' (اگر کبھی ایسا ہو) تو لڑکیوں سے ابتدا کرنی چاہیے اس لئے کہ جو شخص لڑکی کا دل

---

(۱) یہ روایت ترمذی نے ان الفاظ میں نقل کی ہے "من عال جاريتين" (۲) الخرائطی۔ سند ضعیف جدا' وابن عدی فی الکامل' "وقال ابن الجوزی حدیث موضوع۔"

خوش کرتا ہے گویا وہ خدا تعالیٰ کے خوف سے روتا ہے' اور جو اللہ کے خوف سے روتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے جسم پر دوزخ کی آگ حرام فرمادیتے ہیں۔

حضرت ابو ہریرہؓ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کرتے ہیں:۔

من کانت له ثلاث بنات او اخوات فصبر علی لاواٰئهن وضراءهن ادخله الله الجنة بفضل رحمته اياهن' فقال رجل: وثنتان يارسول الله! قال: وثنتان! فقال رجل: او واحدة: فقال: وواحدة (۱)

جس شخص کی تین بیٹیاں یا تین بہنیں ہوں' اور وہ ان کی مصیبت اور سختی پر صبر کرے تو اللہ تعالیٰ اسے ان لڑکیوں پر اپنی رحمت کے صدقہ میں جنت میں داخل کرے گا۔ ایک شخص نے عرض کیا: یا رسول اللہ! اگر دو ہوں! فرمایا: دو کا حکم بھی یہی ہے' ایک شخص نے عرض کیا: اگر ایک ہو' فرمایا: ایک کا بھی یہی حکم ہے۔

دوسرا ادب : یہ ہے کہ پیدائش کے بعد بچے کے دائیں کان میں اذان دے اور بائیں کان میں تکبیر کہے۔ حضرت رافعؓ اپنے والد خدیجؓ سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ نے حضرت حسینؓ کے کان میں اذان دی۔ (احمد' ابوداؤد' ترمذی)۔ ایک روایت میں ہے:۔

من ولدله مولود واذن في اذنه اليمنى و اقام في اذنه اليسرى رفعت عنه ام الصبيان (ابو یعلی' ابن السنی' بیہقی۔ حسین بن علیؓ)

جس شخص کے کوئی بچہ پیدا ہو اور وہ اس کے دائیں کان میں اذان دے اور بائیں کان میں تکبیر کہے تو اس بچے کو ام الصبیان کی بیماری نہیں ہوگی۔

مستحب یہ ہے کہ جب بچہ بولنے لگے تو سب سے پہلے اسے کلمہ لا الٰہ الا اللہ سکھلایا جائے' تاکہ یہ پاکیزہ کلمہ اس کی پہلی گفتگو ہو' پیدائش کے ساتویں دن بچے کی ختنہ کرادینی چاہیے۔ اس سلسلے میں روایات بھی ہیں۔

تیسرا ادب : یہ ہے کہ بچے کا بامعنی اور بہترین نام رکھا جائے۔ اچھا نام رکھنا بچے کا حق ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں :

اذا سميتم فعبدوا (۲)

جب تم نام رکھو تو اس میں باری تعالیٰ کی عبودیت کا اظہار کرو۔

اس اجمال کی تفصیل کے لئے ذیل کی روایت ملاحظہ کیجئے:

احب الاسماء الى الله عبدالله و عبدالرحمن (مسلم۔ ابن عمرؓ)

اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے پیارے نام عبداللہ اور عبدالرحمن ہیں۔

ایک مرتبہ ارشاد فرمایا:۔

سموا باسمي ولا تكنوا بكنيتي (بخاری و مسلم۔ جابرؓ)

میرے نام پر اپنے نام رکھو' لیکن میری کنیت پر اپنی کنیت مت رکھو۔

---

(۱) خرائطی نے مکارم الاخلاق میں یہ الفاظ نقل کیے ہیں۔ حاکم میں بھی یہ روایت ہے مگر اس میں بہنوں کا ذکر نہیں ہے۔ (۲) طبرانی میں یہ روایت عبدالمالک نے اپنے والد زہیر سے اور انہوں نے اپنے دادا معاذؓ سے نقل کی ہے اور بیہقی میں حضرت عائشہؓ سے مروی ہے۔

علماء کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کنیت پر کنیت رکھنے کی ممانعت آپ کی حیات میں تھی' آپ کو لوگ یا ابا القاسم (اے ابو القاسم) کہہ کر پکارتے تھے۔ آپ کی کنیت استعمال کرنے سے شبہ ہو جاتا اس لئے منع کر دیا گیا۔ اب جب کہ آپ ہمارے درمیان نہیں ہیں یہ کنیت اختیار کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے البتہ آپ کا اسم گرامی اور کنیت دونوں کو ایک شخص کے لئے جمع کرنے سے منع کیا گیا ہے۔ حدیث میں بھی یہ ممانعت وارد ہے۔ لاتجمعوا بین اسمی و کنیتی (۱) میرے نام اور کنیت کو جمع مت کرو۔

کہا جاتا ہے کہ یہ ممانعت بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں تھی۔ ایک شخص کا نام ابو عیسیٰ تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص سے کہا کہ عیسیٰ علیہ السلام کے تو والد نہیں تھے۔ (۲) جو بچہ پیدا ہو کر مر جائے' یا مرا ہوا پیدا ہو' یا متعینہ وقت سے پہلے ضائع ہو جائے اس کا نام بھی رکھنا چاہیے۔ عبد الرحمٰن ابن یزید ابن معاویہ کہتے ہیں کہ میں نے سنا ہے کہ بے نام بچہ قیامت کے دن اپنے باپ کے پیچھے پیچھے پھرے گا اور یہ کہے گا کہ تو نے مجھے ضائع کر دیا' مجھے بے نام چھوڑ دیا۔ حضرت عمر ابن عبد العزیز نے دریافت کیا کہ ضائع ہو جانے والے بچے کا نام کیسے رکھا جا سکتا ہے' باپ کو کیا معلوم کہ وہ لڑکی تھی یا لڑکا تھا۔ عبد الرحمٰن ابن یزید نے جواب دیا کہ ایسے نام بھی ہیں جو مرد اور عورت دونوں کے لئے مشترک ہیں مثلاً "حمزہ' عمارہ' طلحہ' عتبہ۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:۔

انکم تدعون یوم القیامة باسمائکم و اسماء آبائکم فاحسنوا اسمائکم (ابو داؤد۔ ابو الدرداءؓ)

تم لوگ قیامت کے روز اپنے ناموں اور اپنے آباء کے ناموں سے پکارے جاؤ گے' اس لئے اچھے اچھے نام رکھو۔

اگر کسی شخص کے والدین نے اپنی جہالت یا محبت کی وجہ سے اس کا کوئی ناپسندیدہ نام رکھ دیا ہو تو اسے تبدیل کرنا مستحب ہے۔ روایت سے بھی ناموں کی تبدیلی کا ثبوت ملتا ہے۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے عاص کا نام بدل کر عبد اللہ رکھ دیا تھا (بیہقی۔ عبد اللہ ابن الحرث)۔ حضرت زینب کا نام بَرّہ تھا' سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: اس نام کا مطلب یہ ہے کہ تم اپنے آپ کو اچھا کہتی ہو۔ اس کے بعد آپ نے ان کا نام زینب رکھا۔ روایات میں اَفلح' یَسار' نافع اور برکت نام رکھنے سے بھی منع کیا گیا ہے' قباحت یہ ہے کہ اگر کوئی شخص پوچھے بھئی یہاں برکت ہے' بالفرض وہ اگر وہاں نہ ہو تو کہنا پڑے گا۔ برکت نہیں ہے۔ (۳)

<u>چوتھا ادب</u>: یہ ہے کہ عقیقہ کرے' لڑکے کی طرف سے دو بکریاں اور لڑکی کی طرف سے ایک بکری ذبح کی جائے' جانور کے نر یا مادہ ہونے سے کوئی فرق نہیں پڑتا' حضرت عائشہؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کرتی ہیں کہ لڑکے کے عقیقے میں برابر کی دو بکریاں اور لڑکی کے عقیقے میں ایک بکری ذبح کی جائے (ترمذی) ایک حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت امام حسنؓ کے عقیقے میں ایک بکری ذبح کی' اس سے یہ بات بھی ثابت ہوئی کہ ایک بکری پر بھی اکتفا کیا جا سکتا ہے۔ ایک حدیث میں لڑکے کے عقیقے کے متعلق ارشاد فرمایا گیا۔ مع الغلام عقیقة فاھرقوا عنہ دما و امیطوا عنہ الاذی (بخاری۔ سلمان ابن عامرؓ)

لڑکے کے ساتھ عقیقہ ہے' اس کی طرف سے جانور ذبح کرو اور اس سے آلودگی دور کرو۔

---

(۱) احمد' ابن حبان' ابو ہریرہؓ' ابو داؤد اور ترمذی میں حضرت جابر کی روایت کے الفاظ یہ ہیں۔ "من سمی باسمی فلا یتکنی بکنیتی و من تکنی بکنیتی فلا یتسمی باسمی۔"

(۲) ابو عمر التوقانی نے یہ روایت حضرت ابن عمرؓ سے کتاب معاشرۃ الاھلین میں ضعیف سند کے ساتھ نقل کی ہے۔ ابو داؤد میں ہے کہ حضرت عمرؓ نے اپنے ایک غلام کو مارا۔ جس کی کنیت ابو عیسیٰ تھی' انہوں نے مغیرہ ابن شعبہ کی کنیت ابو عیسیٰ پر بھی اعتراض کیا۔ انہوں نے جواب دیا کہ میری یہ کنیت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے رکھی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ابو عیسیٰ کنیت رکھنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

(۳) منع کی روایت سمرہ ابن جندب سے مسلم میں ہے۔ مگر اس میں برکت کی جگہ رباح ہے۔ برکت کا ذکر مسلم کی ایک حدیث میں ہے' جابرؓ روایت کرتے ہیں "اراد النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان ینھی ان یسمی بیعلی و برکة۔"

(۴) ترمذی' بروایت علیؓ ترمذی نے اسے غیر متصل الاسناد کہا ہے۔ حاکم میں یہ روایت متصل ہے مگر اس میں امام حسن کی بجائے امام حسین کا نام ہے۔ ابو داؤد میں ابن عباس کی روایت ہے لیکن وہ بکری کی بجائے مینڈھے کا ذکر کر رہے ہیں۔

بچے کے بالوں کے برابر سونا چاندی خیرات کرنا مسنون ہے۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے امام حسینؓ کی پیدائش کے ساتویں روز حضرت فاطمہؓ سے ارشاد فرمایا کہ ان کے بال منڈوا کر بالوں کے برابر چاندی خیرات کردو (حاکم۔ علیؓ احمد۔ ابو رافعؓ)۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ عقیقہ کے جانور کی ہڈی نہ توڑی جائے (یعنی اسے عیب دار نہ کیا جائے)۔

پانچواں ادب : یہ ہے کہ بچے کے تالو میں چھوارہ یا کوئی دوسری میٹھی چیز مل دی جائے۔ شریعت کی اصطلاح میں اس عمل کو تحنیک کہتے ہیں' حضرت صدیق اکبرؓ کی صاحبزادی حضرت اسماءؓ فرماتی ہیں کہ قبا میں میرے یہاں عبداللہ ابن الزبیرؓ پیدا ہوئے' میں انھیں لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی' اور آپ کی گود میں لٹادیا' آپ نے ایک چھوارہ منگوایا اور اسے چبا کر اپنا لعاب مبارک ابن الزبیر کے منھ میں ڈالا' بچے کے پیٹ میں سب سے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا لعاب مبارک گیا۔ اس کے بعد آپ نے چھوارہ ابن الزبیر کے تالو میں ملا اور ان کے لئے برکت کی دعا فرمائی۔ ابن الزبیر اسلام میں سب سے پہلے بچے تھے' اس لئے ان کی پیدائش پر مسلمان بہت خوش ہوئے' یہ خوشی اس لئے بھی زیادہ تھی کہ دشمنان اسلام مسلمانوں کو یہ کہہ کر ورغلا رہے تھے کہ علمائے یہود نے تم پر جادو کردیا ہے' تم لوگ اولاد سے محروم رہوگے۔ ابن الزبیرؓ کی پیدائش گویا اس دعوے کی کھلی تردید تھی (بخاری و مسلم)۔

طلاق :۔ طلاق مباح ہے' لیکن حدیث میں اسے اَبْغَضُ المباحات عنداللہ کہا گیا ہے' یعنی جتنی چیزیں مباح ہیں ان میں سب سے زیادہ ناپسندیدہ چیز یہی ہے اور مباح بھی اس وقت ہے جب کہ عورت کو ناحق ایذا پہنچانے کا ذریعہ نہ بنایا جائے۔ ناحق طلاق دے گا تو عورت کو تکلیف ضرور پہنچے گی' ہاں اگر عورت غلطی پر ہو' یا مرد کی کوئی ایسی مجبوری ہو جس سے طلاق اشد ضرورت بن کر سامنے آئے تو اس حق کو استعمال کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

فَاِنْ اَطَعْنَكُمْ فَلَا تَبْغُوْا عَلَيْهِنَّ سَبِيْلًا (پ۵ر۳ آیت ۳۴)

پھر اگر وہ تمہاری اطاعت کرنا شروع کردیں تو ان پر بہانہ مت ڈھونڈو۔

اگر شوہر کا باپ اس عورت کو ناپسند کرے تو طلاق دیدینی چاہیے۔ حضرت عبداللہ ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ میرے نکاح میں ایک عورت تھی۔ لیکن میرے والد (حضرت عمرؓ) اسے پسند نہیں کرتے تھے' ان کا حکم یہ تھا کہ اس عورت کو طلاق دیدوں' اس سلسلے میں میں نے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف رجوع کیا اور آپ کی رائے معلوم کی۔ آپ نے فرمایا' اے ابن عمرؓ! اپنی بیوی کو طلاق دیدو' اس حدیث سے معلوم ہوا کہ والد کا حق مقدم ہے' لیکن یہ اسی صورت میں ہے جب کہ والد کی ناپسندیدگی کسی فاسد غرض پر مبنی نہ ہو' جہاں تک اس واقعے کا تعلق ہے یہ توقع ہی نہیں کی جاسکتی کہ حضرت عمرؓ جیسے جلیل القدر صحابی بھی کسی غلط مقصد کے لئے طلاق کا حکم دے سکتے تھے۔ (۱) عورت کو طلاق دینے کا یہ سبب ہو سکتا ہے کہ وہ شوہر کو یا اس کے گھر والوں کو تکلیف پہنچائے' انہیں برا بھلا کہے' بد اخلاق ہو' بد دین ہو' اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وَلَا يَخْرُجْنَ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ (پ۲۸ر۱۸ آیت ۱)

اور نہ وہ عورتیں خود نکلیں ہاں اگر کوئی کھلی بے حیائی کریں تو اور بات ہے۔

حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ عورت کے فاحشہ ہونے کی یہ تفسیر کرتے ہیں کہ وہ اپنے شوہر کو تکلیف پہنچائے اور اس کے گھر والوں کو برا کہے۔ اگرچہ مذکورہ آیت کریمہ کا تعلق عدت سے ہے' مگر ابن مسعودؓ نے اس مفہوم کو طلاق پر بھی محمول کیا ہے۔ اگر شوہر اپنی بیوی کو تکلیف پہنچائے تو شریعت نے اسے بھی حق دیا ہے کہ شوہر کو کچھ مال دے کر طلاق حاصل کرلے' شریعت میں اسے خلع کہتے ہیں' شوہر

---

(۱) جہاں تک احناف کا تعلق ہے وہ اس کو امر استحبابی محمول کرتے ہیں' یعنی اگر باپ کے کہنے پر طلاق دیدے تو اچھا ہے ورنہ کوئی مؤاخذہ نہیں' مگر یہ اسی وقت ہے جب کہ والد کی نیت میں خیر ہو' فساد نہ ہو۔

کے لئے یہ مناسب نہیں ہے کہ وہ بھاری بدلِ خُلع کا مطالبہ کرے، اور طلاق کی اتنی قیمت لے جو اس کی حدِ استطاعت سے باہر ہو، عورت کی طرف سے مال دینا اس آیت سے ثابت ہے۔

فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيمَا افْتَدَتْ بِهِ (پ ۲ ر ۱۳ آیت ۲۲۹)

تو دونوں پر کوئی گناہ نہ ہو گا اس (مال کے لینے دینے) میں جس کو دے کر عورت اپنی جان چھڑا لے۔

کسی معقول وجہ کے بغیر طلاق کا مطالبہ کرنے والی عورت گناہ گار ہے۔ ارشاد نبوی ہے:۔

ایما امراة سالت زوجها طلاقها من غیر باس لم ترح رائحة الجنة

(ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ۔ ثوبانؓ)

جو عورت اپنے شوہر سے کسی وجہ کے بغیر طلاق کا مطالبہ کرے وہ جنت کی خوشبو نہیں سونگھے گی۔

ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں فالجنة علیها حرام (اس پر جنت حرام ہے)۔

ایک حدیث میں خُلع کرنے میں عورتوں کو نفاق میں مبتلا قرار دیا گیا ہے (نسائی۔ ابوہریرہؓ) شوہر کو چاہیے کہ وہ طلاق کے سلسلے میں حسب ذیل چار آداب کی پابندی کرے:۔

پہلا ادب:۔ یہ ہے کہ طلاق ایسے طُہر میں دے جس میں اس نے وطی نہ کی ہو، حیض کی حالت میں طلاق دینا، یا اس طُہر میں طلاق دینا جس میں وطی کرلی ہو بدعت اور حرام ہے۔ اگرچہ طلاق واقع ہو جائے گی، مگر طلاق دینے والا گنہگار ہو گا۔ ممانعت کی وجہ یہ ہے کہ اس طرح طلاق دینے سے عورت کی عدّت طویل ہو جاتی ہے، اگر کسی وجہ سے ایسا ہو جائے تو رجوع کرلے، اور طُہر کی حالت میں دوبارہ طلاق دے۔ حضرت عبداللہ ابن عمرؓ نے حیض کی حالت میں اپنی بیوی کو طلاق دیدی تھی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی اطلاع ملی تو آپ نے ان کے والد حضرت عمرؓ سے فرمایا کہ اس سے رجوع کرنے کے لئے کہو یہاں تک کہ ایک طُہر آئے، پھر حائضہ ہو، پھر طُہر آئے، اس کے بعد چاہے تو طلاق دے اور چاہے نہ دے۔ دو طُہر تک انتظار کرنے کے لئے اس لئے کہا تاکہ یہ ظاہر نہ ہو کہ رجعت محض طلاق کے لئے کی گئی تھی۔

دوسرا ادب:۔ یہ ہے کہ ایک طلاق دے، تین طلاقیں نہ دے۔ ایک طلاق سے بھی اس مقصد کی تکمیل ہو جاتی ہے جس کے لئے تین طلاقیں دی گئیں تھیں، یعنی عورت نکاح سے نکل جاتی ہے، ایک طلاق دینے میں دو فائدے اور بھی ہیں، ایک تو یہ کہ اگر عدت کے دوران اس حادثے پر ندامت ہو تو رجوع بھی ہو سکتا ہے، تین طلاقیں دینے کے بعد یہ سہولت باقی نہیں رہتی، دوسرا فائدہ یہ ہے کہ عدت کے بعد تجدیدِ نکاح کی اجازت بھی ہے۔ تجدید نکاح کی اجازت تین طلاقوں میں بھی ہے۔ مگر اس کے لئے حلالے کی شرط ہے، یعنی اپنے سابقہ شوہر سے نکاح کرنے سے پہلے ضروری ہے کہ کسی اور سے نکاح کیا جائے۔ پھر وہ طلاق دے، عدت پوری ہو، اس کے بعد پہلے شوہر سے نکاح کرے۔ عقدِ حلالہ کو شریعت نے پسند نہیں کیا ہے۔ (دارمی۔ ابن مسعودؓ، ابن ماجہ۔ علیؓ، ابن عباسؓ) تین طلاقیں دینے کے بعد نکاح کرنے میں کئی خرابیاں ہیں، ایک تو یہ ہے کہ طویل مدّت تک صبر کرنا ہو گا دوسری خرابی یہ ہے کہ دوسرے کی بیوی میں نیت لگی رہے گی، اور یہ انتظار رہے گا کہ کب اس کا شوہر اسے طلاق دے، کب اس کی عدت پوری ہو، اور کب وہ میرے نکاح میں آئے۔ ایک خرابی یہ ہے کہ دوسرے شوہر کے پاس رہنے کے بعد یہ ممکن ہے کہ پہلے شوہر کے دل میں محبت کا وہ جذبہ باقی نہ رہے جس نے اسے تجدید نکاح کے لئے مجبور کیا تھا۔ اس سے مزید اختلافات پیدا ہوں گے، اور نتیجہ پہلے سے مختلف نہ ہو گا۔ ایک طلاق سے مقصد بھی پورا ہو جاتا ہے، اور اس طرح کی کوئی خرابی بھی پیدا نہیں ہوتی۔ ہم یہ نہیں کہتے کہ تین طلاقیں ایک ساتھ دینا حرام ہے۔ لیکن ان خرابیوں کی وجہ سے جن کی طرف ابھی ہم نے اشارہ کیا ہے یہ صورت مکروہ ہے، وجہ کراہت یہ ہے کہ اس میں اپنے مفاد کا لحاظ نہیں رہتا۔

تیسرا ادب:۔ یہ ہے کہ تحقیر آمیز طریقے پر طلاق نہ دے، اور نہ کوئی الزام رکھ کر چھوڑے، بلکہ لطائف الحیل سے کام لے، یعنی بھلا

پُھسلا کر طلاق پر آمادہ کرے، اور اس کو خوش کرنے کے لئے کوئی ہدیہ وغیرہ یا مُتعہ دیدے، تاکہ جُدائی کے رنج میں تخفیف ہو، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وَمَتِّعُوْهُنَّ (پ۲ ر۱۵ آیت ۲۳۶)

اور ان کو (لباس کا) ایک جوڑا دے دو۔

جن عورتوں کے مہر کی تعیین نہ ہوئی ہو ان کو مُتعہ دینا واجب ہے۔ (۱) حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ نکاح بھی زیادہ کرتے تھے، اور طلاق بھی زیادہ دیتے تھے، ایک دن انہوں نے اپنے کسی دوست کو اختیار دیا کہ وہ ان کی دو بیویوں کو طلاق دیدے۔ انہوں نے اپنی دونوں بیویوں کو دس دس ہزار درہم بھی بھجوائے۔ اس شخص نے حکم کی تعمیل کی، واپس آیا تو امام حسن نے ان بیویوں کی کیفیت دریافت کی، اس شخص نے عرض کیا! ایک نے طلاق کا لفظ سن کر گردن جُھکالی، دوسری اس اس قدر روئی کہ آسمان سر پر اٹھالیا۔ اسی حالت میں اس نے یہ بھی کہا کہ یہ درہم جدائی کے غم کے مقابلے میں بہت حقیر ہیں۔ حضرت حسنؓ کو اس عورت کی حالت پر بڑا رحم آیا، فرمایا اگر میں طلاق دینے کے بعد رجوع کرتا تو اسی عورت سے کرتا۔ ایک مرتبہ حضرت حسن مدینہ کے حاکم اور مشہور فقیہہ عبد الرحمٰن ابن الحرث ابن ہشام کے گھر گئے، عبد الرحمٰن ابن الحرث کی فقاہت کی بڑی شُہرت تھی، دور دور تک ان کا کوئی نظیر نہیں تھا۔ یہ وہ شخص ہیں کہ انھیں حضرت عائشہؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یادگار قرار دیا تھا، حضرت حسنؓ تشریف لائے تو عبد الرحمٰن ابن الحرث نے ان کی بڑی تعظیم کی، انھیں اپنی مسند پر بٹھایا، اور عرض کیا کہ آپ نے تشریف آوری کے لئے خواہ مخواہ زحمت فرمائی، آپ کسی شخص کو بھیج کر مجھے بلوالیتے، حضرت حسنؓ نے فرمایا: ضرورت میری تھی، اس لئے میں نے خود آنا بہتر سمجھا، ابن الحرث نے ضرورت دریافت کی، فرمایا: ہم تمہاری صاحبزادی سے اپنا پیغام لے کر آئے ہیں، عبد الرحمٰن کچھ دیر خاموش رہے، اس کے بعد عرض کیا: روئے زمین پر آپ مجھے سب سے زیادہ عزیز ہیں لیکن آپ جانتے ہیں کہ مجھے اپنی بیٹی سے بڑی محبت ہے، اس کی خوشی سے میں خوش ہوتا ہوں، اس کی تکلیف مجھے مُضطرب اور بے چین کر دیتی ہے، آپ طلاق بہت دیتے ہیں، اگر آپ نے میری بیٹی کو طلاق دے دی تو مجھے یہ اندیشہ ہے کہ جو محبت آج میرے دل میں آپ کے لئے ہے اس میں کمی نہ آجائے۔ میں نہیں چاہتا کہ جگر گوشۂ رسول کے ساتھ میرے تعلق اور میری محبت میں کسی قسم کی کمی واقع ہو، اگر آپ طلاق نہ دینے کا وعدہ کریں تو میں یہ پیغام قبول کرتا ہوں، حضرت حسنؓ یہ سن کر کھڑے ہوگئے، ان کے بعض رشتہ داروں کے بقول واپسی کے بعد انھوں نے فرمایا کہ عبد الرحمٰن ابن الحرث اپنی بیٹی کو میرے گلے کا طوق بنادینا چاہتے ہیں۔ حضرت علیؓ اپنے صاحبزادے کی اس عادت سے سخت نالاں تھے، اور برسرِ منبر لوگوں سے کہا کرتے تھے کہ حسن طلاق بہت دیتے ہیں، تم لوگ اپنی بیٹیاں انھیں نہ دو، ایک روز ہمدان کے کسی شخص نے حضرت علیؓ کی تقریر کے جواب میں عرض کیا "اے امیر المؤمنین! خدا کی قسم! جب تک حسن چاہیں گے ہم اپنی بیٹیوں کی شادی ان سے کرتے رہیں گے چاہے وہ انھیں رکھیں اور چاہے طلاق دے دیں" حضرت علیؓ اس جواب سے بے حد خوش ہوئے۔ اور یہ شعر پڑھا۔

لو کنت بوابا علی باب الجنة لقلت لهمدان ادخلی بسلام

(اگر میں جنت کے دروازے پر دربان ہوتا تو ہمدان کے لوگوں سے کہتا کہ سلامتی کے ساتھ اندر چلے آؤ)۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے طرزِ عمل سے ثابت ہوا کہ اگر کسی شخص میں کوئی عیب ہو اور لوگ اس عیب کی مذمت کریں، تو اس کا

---

(۱) متعہ دینا اس وقت واجب ہے جبکہ طلاق خلوتِ صحیحہ سے پہلے ہوجائے اور مہر متعین نہ ہو، آیت کا تعلق بھی ایسی ہی عورت سے ہے، یوں بطور استحباب دوسری عورتوں کو بھی متعہ دیا جاسکتا ہے، مگر ان کو صرف متعہ دینا کافی نہیں ہے بلکہ مہر یا مہر مثل دینا بھی ضروری ہے۔ متعہ کا جوڑا مرد کی مالی حیثیت کے مطابق ہوگا۔ اگر غریب ہے تو معمولی اور مالدار ہے تو بہترین مگر اس میں بھی یہ شرط ہے کہ جوڑے کی قیمت مہر مثل کے نصف سے نہ بڑھے، متعہ میں ایک کرتا، ایک پاجامہ، ایک دوپٹہ اور ایک چادر واجب ہے اس سے زیادہ کوئی چیز واجب نہیں ہے۔ (کنز الدقائق۔ کتاب الطلاق ۱۰۴)

دفاع محض اس لئے نہ کرے کہ وہ شخص اس کا عزیز ہے بلکہ خود بھی اس کی نکتہ چینی کرنی چاہیے۔ اسی سے ضمیر مطمئن ہوتا ہے' اور اس سے باطن کے مرض کا علاج ہوتا ہے۔ حضرت حسن کے واقعات سے مقصود یہ ہے کہ طلاق مباح ہے۔ اللہ تعالیٰ نے نکاح اور نکاح کے بعد افتراق دونوں حالتوں میں غنی کرنے کا وعدہ فرمایا ہے۔ نکاح کے سلسلے میں ارشاد فرماتے ہیں:۔

وَأَنكِحُوا الْأَيَامَىٰ مِنكُمْ وَالصَّالِحِينَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَإِمَائِكُمْ إِن يَكُونُوا فُقَرَاءَ يُغْنِهِمُ اللَّهُ مِن فَضْلِهِ (پ۱۸ ر۱۰ آیت ۳۲)

اور تم میں جو بے نکاح ہوں تم ان کا نکاح کردیا کرو اور (اسی طرح) تمہارے غلاموں اور لونڈیوں میں جو اس (نکاح کے) لائق ہو اس کا بھی۔ اگر وہ لوگ مفلس ہوں گے تو خدا تعالیٰ (اگر چاہے گا) ان کو اپنے فضل سے غنی کردے گا۔

افتراق کے سلسلے میں ارشاد ہے:۔

وَإِن يَتَفَرَّقَا يُغْنِ اللَّهُ كُلًّا مِّن سَعَتِهِ (پ۵ ر۱۶ آیت ۱۳۰)

اور اگر وہ دونوں میاں بیوی جدا ہو جائیں تو اللہ تعالیٰ اپنی وسعت سے ہر ایک کو بے احتیاج کردے گا۔

چوتھا ادب:۔ یہ ہے کہ عورت کا کوئی راز افشا نہ کرے' نہ طلاق کے بعد اور نہ نکاح کی حالت میں' صحیح روایات میں بیویوں کے راز ظاہر کرنے والوں کے سلسلے میں سخت وعیدیں موجود ہیں۔ (۱) ایک بزرگ نے اپنی بیوی کو طلاق دینے کا ارادہ کیا تو لوگوں نے ان سے اس کی وجہ دریافت کی' فرمایا: عقلمند اپنی بیوی کے عیب نہیں بتلاتا' جب انہوں نے طلاق دے دی تو لوگوں نے یہ دریافت کیا کہ آپ نے بیوی کو طلاق کیوں دی ہے' فرمایا: اب وہ عورت میرے لئے اجنبی ہے' میں اس کے متعلق کوئی بات نہیں کر سکتا' نکاح کے آداب و شرائط کے سلسلے میں اب تک جو کچھ لکھا گیا ہے اس کا تعلق شوہر کے فرائض' اور میاں پر بیوی کے حقوق سے تھا۔ اب ہم ان حقوق کی تفصیل عرض کرتے ہیں' جو شوہر کے سلسلے میں بیوی پر واجب ہیں۔

بیوی کے فرائض:۔ اس سلسلے میں مختصر سی بات یہ ہے کہ نکاح ایک طرح کی غلامی ہے' ایجاب و قبول کی تکمیل کا مطلب ہی یہ ہے کہ عورت نے اپنے آپ کو مکمل طور پر اپنے شوہر کے سپرد کردیا ہے' اب اس کا فرض یہ ہو جاتا ہے کہ وہ شوہر کے ہر ایسے حکم کی تعمیل کرے جس میں خدا تعالیٰ کی معصیت نہ ہو' شوہر کے حقوق کے سلسلے میں بہت سی روایات ہیں' عورت کے لئے اس کے شوہر کی ذات اتنی اہم اور مقدس ہے کہ ارشاد فرمایا گیا:۔

ایما امراۃ ماتت وزوجھا عنھا راض دخلت الجنۃ (ترمذی' ابن ماجہ۔ ام سلمہؓ)

جو عورت اس حالت میں مرے کہ اس کا شوہر اس سے خوش ہو وہ جنت میں داخل ہوگی۔

حضرت انسؓ روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص سفر میں گیا تو اپنی بیوی سے یہ کہہ گیا کہ میری واپسی تک مکان کی بالائی منزل سے نیچے ہرگز نہ آنا۔ اس عورت کے والد نیچے کے مکان میں رہتے تھے' اتفاق ایسا ہوا کہ شوہر کی واپسی سے پہلے والد بیمار ہوگئے۔ اس عورت نے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کسی شخص کو بھیج کر دریافت کیا کہ میں باپ کی عیادت کے لئے نیچے اتروں یا شوہر کے حکم کی تعمیل میں اوپر ہی رہوں' آپ نے خاوند کی اطاعت کا حکم فرمایا۔ وہ بیماری جان لیوا ثابت ہوئی مگر وہ عورت شوہر کی ہدایت پر عمل پیرا رہی' نیچے نہیں اتری' سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی شخص کی معرفت اسے یہ خوشخبری سنائی کہ شوہر کی اطاعت سے یہ اجر ملا ہے کہ اس

---

(۱) مثال کے طور پر مسلم میں حضرت ابو سعید الخدریؓ کی یہ روایت ہے "ان اعظم الامانۃ عند اللہ یوم القیامۃ الرجل یفضی الی امراتہ وتفضی الیہ ثم یفشی سرھا۔"

کے مرحوم باپ کی مغفرت ہوگئی ہے۔ (طبرانی اوسط۔ سند ضعیف)۔ ایک مرتبہ پیغمبرِ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔

اذا صلت المراة خمسها وصامت شهرها وحفظت فرجها واطاعت زوجها دخلت جنة ربها (ابن حبان۔ ابو ہریرہؓ)

اگر عورت پانچ وقت کی نماز پڑھے، رمضان کے روزے رکھے، اپنی شرمگاہ کی حفاظت کرے اور اپنے شوہر کی اطاعت کرے تو وہ اپنے رب کی جنت میں داخل ہوگی۔

اس حدیث میں اسلام کے بنیادی ارکان نماز، روزہ وغیرہ کے ساتھ شوہر کی اطاعت کا ذکر بھی فرمایا۔ ایک مرتبہ عورتوں کا ذکر ہوا تو یہ ارشاد فرمایا:۔

حاملات والدات مرضعات رحيمات باولادهن لو لا ما يأتين الى ازواجهن دخل مصليا تهن الجنة (طبرانی صغیر، ابن ماجہ، حاکم۔ ابو امامہؓ)

حاملہ، بچے جننے والی، دودھ پلانے والی، اور اپنے بچوں سے محبت کرنے والی عورتیں اگر اپنے شوہروں کے ساتھ بدسلوکی نہ کرتیں تو ان میں سے نمازی عورتیں جنت میں داخل ہوتیں۔

اس موضوع سے متعلق کچھ روایت یہ ہیں:۔

اطلعت في النار فاذا اكثر اهلها النساء فقلن لم يا رسول الله؟ قال: يكثرن اللعن ويكفرن العشير (بخاری و مسلم۔ ابن عباسؓ)

میں نے دوزخ میں جھانک کر دیکھا تو اس میں اکثریت عورتوں کی تھی، عورتوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! ایسا کیوں؟ فرمایا: اس لئے کہ وہ لعن طعن زیادہ کرتی ہیں، اور اپنے شوہروں کی ناشکری کرتی ہیں۔

اطلعت في الجنة فاذا اقل اهلها النساء فقلت: اين النساء قال: شغلهن الا حمران الذهب والحرير (احمد۔ ابو امامہؓ) (۱)

میں نے جنت میں جھانک کر دیکھا تو اس میں عورتیں بہت کم تھیں میں عرض کیا: عورتیں کہاں تھیں؟ فرمایا: انھیں دو سرخ چیزوں سونے اور ریشم نے روک رکھا تھا۔

مطلب یہ ہے کہ وہ زیور، اور ریشمی کپڑوں کی بیحد دلدادہ ہیں، ان چیزوں کے لئے شوہروں کو پریشان کرتی ہیں، اور اسے حرام کمائی کی ترغیب دیتی ہیں۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ ایک لڑکی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی، اور عرض کیا یا رسول اللہ! میں جوان ہوں، لوگ مجھ سے شادی کے پیغامات بھیجتے ہیں لیکن مجھے شادی پسند نہیں ہے۔ مجھے یہ بتلا دیجئے کہ عورت پر شوہر کا کیا حق ہے؟ فرمایا: اگر شوہر کا جسم سر تا بہ قدم پیپ سے سڑ رہا ہو اور بیوی اپنی زبان سے اسے چاٹے تب بھی اس کا حق ادا نہیں ہو سکتا۔ اس نے عرض کیا: کیا میں شادی کر لوں؟ فرمایا: ضرور کرو، کیونکہ شادی کرنے ہی میں خیر ہے۔ (۲) حضرت عبد اللہ ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ قبیلہ خثعم کی ایک عورت سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی، اور عرض کیا: یا رسول اللہ! میں غیر شادی شدہ ہوں، اب شادی کرنا چاہتی ہوں، مجھے شوہر کے حقوق بتلا دیجئے۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ شوہر کے بہت سے حقوق ہیں، اس کا ایک حق تو یہ ہے کہ اگر وہ اونٹ پر سوار ہو اور صحبت کرنا چاہے تو تم انکار نہ کرو، (مطلب یہ ہے کہ جس وقت بھی اور جس حالت میں بھی وہ اس کی خواہش کرے تمہیں انکار نہ کرنا چاہیے)۔ ایک حق یہ ہے کہ شوہر کے گھر کی کوئی چیز اس کی اجازت کے بغیر نہ دو، اگر دو گی تو خود تو گنہگار ہوگی، لیکن شوہر کو

---

(۱) مسلم میں نمرۃ الاشجعیہ کی روایت ہے "ويل للنساء من الاحمرين الذهب والزعفران۔" (۲) یہ روایت حاکم میں حضرت ابو ہریرہؓ سے ہے لیکن اس میں آخر کے دو جملے نہیں ہیں۔

ثواب ملے گا' ایک حق یہ ہے کہ نفلی روزے اس کی اجازت کے بغیر نہ رکھو' اگر اجازت کے بغیر نفلی روزہ رکھا تو وہ لاحاصل ہوگا' ایک حق یہ ہے کہ شوہر کی اجازت کے بغیر گھر سے باہر نہ جاؤ' اگر ایسا کرو گی تو فرشتے اس وقت تک لعنت بھیجتے رہیں گے جب تک تم واپس آکر توبہ نہ کرلوگی' ایک مرتبہ آپ نے شوہر کی عظمت کا اظہار اس طرح فرمایا:۔

لو امرت احداً ان یسجد لاحد لأمرت المرأة أن تسجد لزوجها (ترمذی۔ ابوہریرہؓ)

اگر میں کسی کو کسی دوسرے کے سامنے سجدہ کرنے کا حکم دیتا تو عورت کو اپنے شوہر کے سامنے سجدہ کرنے کا حکم دیتا۔

گھر سے عورت کی وابستگی کے لئے ذیل کی روایت ملاحظہ فرمائیں:۔

اقرب ماتکون المرأة من وجه ربها اذا کانت فی قعر بیتها' وان صلاتها فی صحن دارها افضل من صلاتها فی المسجد' وصلاتها فی بیتها افضل من صلاتها فی صحن دارها وصلاتها فی مخدعها افضل من صلاتها فی بیتها (۱)

عورت اپنے رب سے زیادہ قریب اس وقت ہوتی ہے جب اپنے گھر کے اندر ہو' اور گھر کے صحن میں نماز پڑھنا اس کے لئے مسجد میں نماز پڑھنے سے بہتر ہے' اور گھر کے اندر نماز پڑھنا اس کے لئے گھر کے صحن میں نماز پڑھنے سے بہتر ہے' اور کوٹھری میں نماز پڑھنا اس کے لئے گھر کے اندر نماز پڑھنے سے بہتر ہے۔

مخدع ایسے کمرے کو کہتے ہیں جو کسی کمرے کے اندر بنا ہوا ہو' یہ کمرہ عموماً" تاریک ہوتا ہے۔ اس حدیث سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ عورت کے لئے ستر (پردہ) ضروری ہے اور پردہ جتنا زیادہ ہو اتنا ہی اچھا ہے۔ اسی لئے آپ نے ارشاد فرمایا:۔

المرأة عورة فاذا خرجت استشرفها الشیطان (ترمذی' ابن حبان۔ ابن مسعودؓ)

عورت پردے کی چیز ہے جب وہ باہر نکلتی ہے تو شیطان اسے جھانکتا ہے۔

ایک حدیث میں ہے:۔

للمرأة عشر عورات فاذا تزوجت ستر الزوج عورة وحدة' واذا ماتت ستر القبر العشر عورات (۲)

عورت کی دس چیزیں پوشیدگی کے قابل ہیں' جب وہ شادی کرلیتی ہے تو اس کی ایک برہنگی کو شوہر ڈھانپ لیتا ہے اور جب وہ مرجاتی ہے تو قبر اس کی دس برہنگیوں کو ڈھانپ لیتی ہے۔

بیوی پر شوہر کے بہت سے حقوق ہیں' ان میں زیادہ اہم تین ہیں' حفاظت' ضرورت سے زیادہ مطالبہ کرنے سے گریز اور شوہر کی حرام کمائی سے اجتناب۔ پرانے زمانے کی عورتیں ان حقوق کا لحاظ رکھتی تھیں' چنانچہ جب کوئی شخص کمانے کے لئے گھر سے جاتا تو اس کی بیوی اسے یہ نصیحت کرتی کہ حرام کمائی سے بچنا اور یہ یقین دلاتی کہ ہم بھوک پر صبر کرلیں گے' تنگ دستی سے ہمیں کوئی خوف نہیں ہے لیکن دوزخ کی آگ ہمارے لئے ناقابلِ برداشت ہوگی' ایک شخص نے کہیں جانے کے لئے رختِ سفر باندھا تو بیوی کے علاوہ تمام لوگوں نے اس کے سفر کی مخالفت کی اور بیوی کے رویّے پر اظہار حیرت کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ تم اس سفر کے لئے کس طرح رضامند ہوگئی

---

(۱) اس روایت کا پہلا جزء ابن حبان میں حضرت ابن مسعودؓ سے منقول ہے اور دوسرا جزء ابوداؤد میں مختصراً" نقل ہوا ہے۔ اس میں صحن دار کا ذکر نہیں ہے۔ بیہقی میں حضرت عائشہؓ کی روایت کے الفاظ یہ ہیں "ولان تصلی فی الدار خیر لها من ان تصلی فی المسجد۔" (۲) یہ روایت حافظ ابوبکر محمد ابن عمر جعابی نے تاریخ الطالبین میں حضرت علی سے نقل کی ہے۔ طبرانی میں ابن عباس کی روایت یہ ہے "للمرأة ستران الزوج والقبر۔"

ہو' وہ تمہارے اخراجات کے لئے کچھ بھی چھوڑ کر نہیں جارہا ہے۔ بیوی نے جواب دیا: میرا شوہر کمانے والا ہے' رازق نہیں ہے' رابعہ بنت اسماعیل نے احمد ابن ابی الحواری کو شادی کا پیغام بھجوایا۔ احمد الحواری نیک اور عبادت گذار انسان تھے انھیں یہ تجویز پسند نہیں آئی اور پیغام کے جواب میں یہ کہہ کر معذرت کردی کہ مجھے عورتوں کی خواہش نہیں ہے' میں اپنے کام (عبادت اور ذکر الٰہی) میں مشغول ہوں۔ رابعہ جواب دیا کہ بخدا میں تم سے زیادہ ان کاموں میں مشغول ہوں اور مجھے خود مردوں کی خواہش نہیں ہے لیکن بات یہ ہے کہ میرے شوہر نے کافی کچھ دولت چھوڑی ہے' میں یہ چاہتی تھی کہ آپ سے نکاح کرلوں اور آپ میری دولت کا کچھ حصہ اپنے نیک دوستوں پر خرچ کریں تاکہ مجھے بھی نیک لوگوں سے مناسبت ہوجائے اور اللہ کے راستے پر چلنے میں آسانی ہو' احمد الحواری نے جواب دیا کہ میں اپنے استاذ سے مشورہ کروں گا اگر انھوں نے اجازت دی تو میں تمہاری پیشکش ضرور قبول کرلوں گا' وہ ابو سلیمان دارانی کے پاس آئے اور اس سلسلے میں ان کی رائے معلوم کی' اس سے پہلے وہ احمد الحواری کو شادی سے منع کرچکے تھے لیکن جب انھیں رابعہ کی تجویز کا سبب معلوم ہوا تو فرمایا: اس عورت سے شادی کرلو' وہ ولی اللہ ہے' اس کے کلام پر صدیقین کے کلام کا شبہ ہوتا ہے۔ احمد الحواری کہتے ہیں کہ میں نے رابعہ سے شادی کرلی' وہ اس قدر مہمان نواز ثابت ہوئی کہ ہمارے گھر میں گچ کا ایک حوض بنا ہوا تھا' ہاتھ دھونے والوں کی کثرت سے خراب ہوگیا' حوض میں صرف وہ لوگ ہاتھ دھویا کرتے تھے جنہیں واپسی کی جلدی ہوتی تھی' صابون وغیرہ سے ہاتھ دھونے والے ان کے علاوہ تھے۔ میں نے رابعہ کے بعد تین عورتوں سے نکاح کیا' وہ ناراض ہونے کی بجائے خوش ہوتی اور مجھے اچھی اچھی چیزیں کھلاکر کہتی کہ اب تم اپنی بیویوں کے پاس جاؤ۔ یہ رابعہ شام میں ایسی تھیں جیسے بصرہ میں رابعہ عدویہ۔

عورت کے فرائض میں یہ بات بھی شامل ہے کہ شوہر کا مال فضول خرچ نہ کرے' بلکہ کم سے کم خرچ کرے' اس کے مال کی حفاظت کرے' سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

لا یحل لها ان تطعم من بیته الا باذنه الا الرطب من الطعام' و لا تعطی من بیته شیئا الا باذنه فان فعلت ذلک کان له الاجر و علیها الوزر (ابوداؤد الطیالسی' بیہقی۔ ابن عمرؓ)

عورت کے لئے جائز نہیں ہے کہ وہ اپنے شوہر کا مال اس کی اجازت کے بغیر کھلائے' ہاں تر کھانا کھلادینے کی اجازت ہے اور نہ یہ جائز ہے کہ وہ شوہر کے گھر سے کوئی چیز اس کی اجازت کے بغیر کسی کو دے' اگر دے گی تو شوہر کو اس کا اجر ملے گا' وہ خود گنہگار ہوگی۔

والدین کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنی بیٹی کو صحیح تربیت کریں' اسے زیور تعلیم سے آراستہ کریں' اور یہ بتلائیں کہ اسے شوہر اور سسرالی رشتہ داروں کے ساتھ کس طرح زندگی گذارنی چاہیے۔ اسماء بنت خارجہ الفزاری نے اپنی بیٹی کو شوہر کے گھر رخصت کرتے ہوئے کہا کہ "بیٹی! اب تم اس گھر سے رخصت ہورہی ہو جہاں تم نے بچپن کے دن گذارے اور جوانی کی دہلیز پر قدم رکھا اب تم ایسے بستر کی زینت بنوگی جس کی خوشبو تمہارے لئے اجنبی ہے اور ایسے رفیق سفر کے ساتھ قدم بہ قدم چلوگی جس سے تم مانوس نہیں ہو' بیٹی! تم اپنے رفیق زندگی کے لئے زمین بن جانا تاکہ وہ تمہارے لئے آسمان بن جائے' تم اس کے لئے گہوارہ بن جانا تاکہ وہ تمہارا سہارا بن جائے' اگر تم اس کی باندی بن گئیں تو وہ تمہارا غلام ثابت ہوگا تم خود سے اس کے پاس نہ جانا ایسا نہ ہو کہ وہ تم سے نفرت کرنے لگے اور نہ اتنی دوری اختیار کرنا کہ وہ تمہیں فراموش کردے' تم اس کی ناک' کان اور آنکھ کا خیال رکھنا' یعنی وہ تمہارے جسم اور کپڑوں میں خوشبو سونگھے' تم سے اچھی گفتگو سنے اور تمہیں اچھی حالت میں دیکھے۔" ایک شوہر نے اپنی بیوی کو یہ نصیحتیں کیں:

خذا العفو منی تستدیمی مودتی ... ولا تنطقی فی سورتی حین اغضب
ولا تنقرینی نقرک الدف مرة ... فانک لا تدرین کیف المغیب
ولا تکثری الشکوی فتذهب بالهوی ... ویأباک قلبی والقلوب تقلب

فانی رایت الحب فی القلب والاذی اذا اجتمعا لم یلبث الحب یذھب

(ترجمہ۔ کبھی غلطی ہو تو درگذر سے کام لینا تاکہ تیری محبت جاوداں رہے اور جب میں غصے میں ہوں تو جواب مت دینا۔ مجھے اس طرح مت بجانا جس طرح تو ڈھول بجاتی ہے، تجھے کیا معلوم کہ اس میں کیسی آواز نکلے، شکوے شکایتوں کی کثرت بھی نہ ہو، اس سے محبت ختم ہو جاتی ہی، اگر تو بھی اس میں مبتلا ہوئی تو میرا دل تجھ سے نفرت کرنے لگے گا اور دلوں کو بدلنے میں دیر نہیں لگتی، میں نے تو یہ دیکھا ہے کہ اگر محبت اور اذیت دونوں یکجا ہو جائیں تو محبت کافور ہو جاتی ہے)۔

اب ہم مزید تفصیل میں جائے بغیر عرض کرتے ہیں کہ نیک، صالح، سگھڑ اور گھریلو خاتون کے لئے ضروری ہے کہ وہ گھر میں رہے، چرخہ کاتنے یا سینے پرونے کے کام میں مشغول رہے، چھتوں پر چڑھنا، دیواروں اور کھڑکیوں سے نیچے جھانکنا شریف خاندان کی عورتوں کو زیب نہیں دیتا، ہمسایوں سے بات کم کرے، بلا ضرورت ان کے گھر نہ جائے، شوہر کی موجودگی اور عدم موجودگی میں اس کے آرام و راحت کا خیال رکھے، ہر کام میں اس کی خوشی کو اصل مقصد قرار دے، نہ اپنی ذات میں اس کے ساتھ خیانت کرے اور نہ اس کے مال میں۔ اس کی اجازت کے بغیر گھر سے باہر قدم نہ رکھے، اگر وہ جانے کی اجازت دے تو معمولی اور سادہ لباس میں پردے کے تمام تقاضوں کی تکمیل کے بعد جائے اور بھری پری سڑکوں اور بازاروں کے بجائے ایسے راستوں کا انتخاب کرے جہاں سے لوگوں کی آمد و رفت کم سے کم ہو، کسی اجنبی سے متعارف ہونے، اسے اپنی آواز سنانے اور اپنے وجود سے واقف کرانے کی کوشش نہ کرے اگر کسی ایسے شخص سے کام پیش آئے جو اس کے شوہر کا دوست یا جاننے والا ہو تو آواز بدل کر گفتگو کرے، ایسا نہ ہو کہ وہ آواز پہچان جائے۔ اپنے گھر کی تعمیر اور اپنے مال کی اصلاح میں مصروف رہے، نماز، روزے کی پابندی کرے، اگر شوہر کا کوئی دوست اس کی عدم موجودگی میں آئے تو شرم و حیا اور غیرت کا تقاضا یہ ہے کہ اس سے کوئی کلام نہ کرے، شوہر کی حلال آمدنی پر اگرچہ کم ہی کیوں نہ ہو قناعت کرے، بیوی کے ذہن میں یہ بات بھی رہنی چاہیے کہ شوہر کا حق، خود اس کے شخصی حقوق اور اس کے تمام اعزہ و اقرباء کے حقوق پر مقدم ہے، گھر میں بھی جسم اور لباس کی نظافت کا خیال رکھنا بے حد ضروری ہے نہ معلوم کس وقت شوہر اس کی قربت کا ارادہ کرلے، بچوں کے لئے شفیق اور مہربان ہو، انھیں برا بھلا نہ کہتی ہو، ان کے عیوب کی پردہ پوش ہو، سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:۔

انا وامرأة سفعاء الخدین کھاتین فی الجنة امرأة آمت من زوجھا وحبست نفسھا علی بناتھا حتی ثابوا او ماتوا (ابوداؤد۔ ابومالک الاشجعیؓ)

میں اور وہ عورت جس کے رخساروں کا رنگ سیاہ مائل ہو گیا ہو جنت میں اتنے قریب ہوں گے جتنی قریب یہ دو انگلیاں ہیں، وہ عورت جس کے اپنے شوہر سے اولاد ہوئی ہو، اور اس نے بیٹیوں کے لئے اپنی زندگی کو وقف کردیا ہو یہاں تک کہ وہ بالغ ہو گئے ہوں یا مر گئے ہوں۔

ایک روایت میں آپ کا یہ ارشاد نقل کیا گیا ہے:۔

حرم اللہ علی کل آدمی الجنة یدخلھا قبلی غیر انی انظر عن یمینی فاذا امرأة تبادرنی الی باب الجنة، فاقول: مالھذہ تبادرنی، فیقال لی: یا محمد! ھذہ امرأة کانت حسناء جمیلة وکان عندھا یتامی لھا فصبرت علیھن حتی بلغ امرھن الذی بلغ فشکر اللہ لھا ذلک (خرائطی مکارم الاخلاق۔ ابوہریرہؓ۔ سند ضعیف)

اللہ تعالیٰ نے یہ بات حرام قرار دی ہے کہ کوئی شخص مجھ سے پہلے جنت میں داخل ہو، مگر میں قیامت کے روز اپنی دائیں جانب دیکھوں گا کہ ایک عورت جنت کے دروازے کی جانب مجھ سے آگے جارہی ہے، میں کہوں گا: یہ کیوں آگے جارہی ہے؟ مجھ سے کہا جائے گا کہ یہ عورت دنیا میں حسین اور خوبصورت تھی، اس کے پاس چند یتیم بچے تھے، اس نے ان کی موجودگی پر صبر کیا، یہاں تک کہ ان کے ساتھ وہ معاملہ ہوا جو ہونا تھا (یعنی مر گئے یا بالغ ہو گئے)

اللہ تعالیٰ نے اس کے صبر کا یہ صلہ عطا فرمایا ہے۔

اگر عورت خوبصورت ہے تو شوہر کے سامنے اپنی خوبصورتی پر نازاں نہ ہو اور نہ شوہر کو اس کی بدصورتی کی وجہ سے حقیر سمجھے' اصمعیؒ کہتے ہیں کہ میں ایک گاؤں میں گیا' مجھے یہ دیکھ کر بڑی حیرت ہوئی کہ ایک حسین ترین عورت ایک ایسے مرد کی شریک زندگی تھی جو انتہائی بدصورت تھا۔ میں نے اس عورت کے سامنے بھی اظہارِ حیرت کی اور پوچھا کہ کیا تم اس جیسے شخص کی بیوی بننے پر خوش ہو' اس عورت نے مجھے ڈانٹ کر خاموش کردیا اور کہنے لگی: تم غلطی پر ہو' میں تو یہ سمجھتی ہوں کہ اس شخص نے کوئی نیک کام کیا تھا جس کا صلہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اس کی بیوی بنا کر عطا فرمایا اور میں نے کوئی عظیم گناہ کیا جس کی سزا مجھے دنیا ہی میں مل رہی ہے کہ میں اس کی بیوی ہوں' اس کا مطلب یہ ہے کہ ہماری رفاقت میں اللہ کی مرضی شامل ہے بھلا جو چیز اللہ نے میرے لئے پسند فرمائی میں اس پر راضی کیوں نہ رہوں۔

اصمعیؒ نے ایک واقعہ یہ بھی بیان کیا ہے کہ میں نے ایک عورت کو دیکھا کہ اس کے جسم پر ریشمی لباس ہے اس کے ہاتھوں میں مہندی رچی ہوئی ہے اور تسبیح پڑھ رہی ہے۔ میں نے اس عورت سے پوچھا کہ عبادت کے ساتھ زیب و زینت کا کیا جوڑ ہے؟ کہنے لگی۔

وللّٰہ منی جانب لا اضیعہ وللھو منی والبطالۃ جانب

(مطلب یہ ہے کہ مجھ پر اللہ کا حق بھی ہے اور لہو ولعب کا حق بھی ہے' میں ان دونوں حقوق کی حفاظت کرتی ہوں' انھیں ضائع نہیں کرتی) اصمعیؒ کہتے ہیں کہ اس کے شعر سے یہ سمجھا کہ وہ ایک نیک عورت ہے اور اپنے شوہر کے لئے آرائش کئے ہوئے ہے۔

ایک ادب یہ ہے کہ جب شوہر موجود نہ ہو تو زیادہ سے زیادہ وقت عبادت میں لگائے اور ایسی رہے جیسے دل نہ لگ رہا ہو' شوہر کی یاد سے مضطرب اور پریشان ہو' جب وہ واپس آئے تو کھل اٹھے اور جائز تفریحات میں حصہ لے۔ شوہر کو کسی بھی حال میں ستانا مناسب نہیں ہے۔ ارشاد نبوی ہے:۔

لا تؤذی امرأۃ زوجھا فی الدنیا الا قالت زوجتہ من الحور العین لا تؤذیہ قاتلک اللّٰہ فانما ھو عندک دخیل یوشک ان یفارقک الینا (ترمذی' ابن ماجہ)

جب کوئی عورت دنیا میں اپنے شوہر کو ستاتی ہے تو جنت کی حوروں میں سے اس شخص کی بیوی یہ کہتی ہے کہ اے عورت! اللہ تجھے ہلاک کرے' اسے کیوں ستاتی ہے' یہ تو تیرے پاس بطور مہمان ہے' بہت جلد تجھ سے جدا ہو کر ہمارے پاس چلا آئے گا۔

ایک ادب یہ ہے کہ گھر سے متعلق ہر ممکن خدمت انجام دے' گھر کے نظم و نسق کا دارومدار عورت پر ہے' اسے کسی بھی ایسے کام سے گریز نہ کرنا چاہیے جو اس کے بس میں ہو' حضرت ابوبکر کی صاحبزادی حضرت اسماءؓ فرماتی ہیں کہ جب میری شادی زبیرؓ سے ہوئی تو ان کے پاس نہ زمین جائیداد تھی' نہ مال و دولت اور نہ باندی غلام۔ صرف ایک گھوڑا تھا اور ایک اونٹ تھا جو پانی لانے کے کام میں استعمال ہوتا تھا' میں گھوڑے کو گھاس دانہ دیتی' پانی پلاتی' اس کا جسم مَلتی اور ہر متعلقہ خدمت انجام دیتی۔ اونٹ کے لئے کھجوروں کی گٹھلیاں کوٹتی اور اسے کھلاتی' پانی بھر کر لاتی' ڈول سیتی' آٹا گوندھتی' روٹی پکاتی' میلوں کی مسافت طے کرکے گٹھلیاں سر پر رکھ کر لاتی' یہ حالت دیکھ کر میرے والد حضرت ابوبکرؓ نے میرے لئے ایک باندی بھیج دی' گھوڑے کی خدمت اس کے سپرد ہوئی' باندی کے آنے کے بعد مجھے ایسا محسوس ہوا گویا میں قید میں تھی اب آزاد ہوگئی ہوں۔ ایک دن میں سر پر گٹھلیاں رکھ کر لا رہی تھی کہ راستے میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات ہوئی آپ کے ساتھ کچھ اور لوگ بھی تھے۔ آپ نے اپنی اونٹنی کو بیٹھنے کا اشارہ کیا تاکہ میں اپنے بوجھ سمیت آپ کے پیچھے اس پر سوار ہوجاؤں' مگر زبیر کی غیرت اور میری حیا مانع تھی اور میں سوار نہ ہوسکی' آپ صورت حال سمجھ گئے اور اپنے صحابہ سمیت تشریف لے گئے' گھر آکر میں نے زبیر سے اس واقعہ کا ذکر کیا' زبیر کہنے لگے خدا کی قسم! آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سوار ہو کر آنے کے مقابلے میں میرے لئے زیادہ تکلیف وہ بات یہ ہے کہ تم اس قدر بوجھ اٹھا کر لاتی ہو۔

مرنے کے بعد شوہر کا حق:۔ شوہر مرجائے تو چار مہینے دس دن سے زیادہ سوگ نہ کرے' اس عرصے میں نہ خوشبو لگائے اور نہ زیب و

زینت کرے، زینب بنت ابی سلمہؓ کہتی ہیں کہ میں اُمّ المؤمنین حضرت اُمّ حبیبہؓ کی خدمت میں ان کے والد کی وفات کے بعد حاضر ہوئی، انھوں نے زعفران کی زردی ملا ہوا کوئی مُعطّر محلول منگوایا، ایک باندی نے وہ خوشبو آپ کے کپڑوں پر لگائی، آپ نے خود بھی اپنے رُخساروں پر ملی، اس کے بعد فرمایا کہ مجھے خوشبو لگانے کی ضرورت نہ تھی مگر میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے۔

ولا یحل لامرأة تؤمن باللّٰہ والیوم الاخر ان تحد علی میت اکثر من ثلاثة ایام الاعلی زوج اربعة اشھر وعشرا (بخاری مسلم)

کسی ایسی عورت کے لئے جو اللہ پر، اور یومِ آخرت پر ایمان رکھتی ہو یہ جائز نہیں ہے کہ وہ میت پر تین دن سے زیادہ سوگ کرے، ہاں شوہر پر چار مہینے دس دن تک سوگ کرنا چاہیے۔

عدّت کے آخر تک اسی گھر میں رہنا ضروری ہے جہاں شوہر نے وفات پائی تھی، عدّت کے دوران شدید ضرورت کے بغیر گھر سے باہر نکلنا جائز نہیں ہے۔

کتاب آداب الکسب والمعاش
آدابِ معیشت

تعریف و تقدیس کے لائق صرف اللہ کریم کی ذات و صفات ہے جس کی وحدانیت کے سامنے ہر چیز ہیچ ہے، اور جس کے تقدّس کے آگے ہر شے سرنگوں ہے، آسمانوں اور زمین کے رہنے والے تمام ذی نفس مل کر بھی ایک مکھی یا مچھر پیدا کرنے پر قادر نہیں ہیں، ہم اس خدائے ذوالجلال کا لاکھ لاکھ بار شکر ادا کرتے ہیں جس نے اپنے بندوں کے لئے آسمانوں کو کھلی چھت، اور زمین کو بستر بنایا، جس نے رات کو پردے کی چیز اور دن کو معاش کا وقت بنایا، تاکہ لوگ رات میں آرام کریں، اور سورج طلوع ہو تو اللہ کی وسیع تر زمین میں اس کا فضل (حلال رزق) حاصل کرنے کے لئے پھیل جائیں۔ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے پاکباز اصحاب پر اللہ کی رحمت نازل ہو۔ حمد و صلاۃ کے بعد عرض یہ ہے کہ ربِ کریم مُسَبِّبُ الاسباب مُنعِمِ حقیقی نے آخرت کو دارُ الجزاء اور دنیا کو دارُ المحن قرار دیا ہے، دنیا میں انسان محنت کرتا ہے، اس کی جزاء آخرت میں ملتی ہے، دنیا کی محنت صرف یہی نہیں ہے کہ آدمی نماز روزے کے علاوہ کچھ نہ کرے، بلکہ یہ بھی آخرت کے اعمال کا اہم ترین جزء ہے کہ زندگی گذارنے کے لئے کمائے اسی لئے کہا جاتا ہے کہ الدنیا مزرعة الاٰخرة (دنیا آخرت کی کھیتی ہے)۔

<u>لوگوں کی تین قسمیں</u>:۔ معاش کے اعتبار سے لوگوں کی تین قسمیں کی جاسکتی ہیں، ایک وہ شخص ہے جو معاش کی مشغولیتوں میں معاد کو بھول گیا ہو، یہ شخص ہلاکت کے راستے پر گامزن ہے، دوسرا وہ شخص ہے جو معاد کی مشغولیت کی وجہ سے معاش سے بے نیاز ہو گیا ہو، یہ ان لوگوں کا درجہ ہے جو قربِ خداوندی کی انتہائی منزلیں طے کر چکے ہیں، تیسرا وہ شخص ہے جو معاد کے لئے معاش میں مشغول ہو، یہ شخص راہِ اعتدال پر ہے۔ لیکن اعتدال کا یہ درجہ اس وقت تک حاصل نہیں ہو سکتا جب تک وہ شخص معاش کے سلسلے میں شریعت کے بتلائے ہوئے طریقے پر نہ چلے، ذیل میں ہم معیشت کے شرعی آداب بیان کر رہے ہیں، ان آداب کی روشنی میں معیشت کے شرعی نہج کی تعیین ہو سکتی ہے۔ یہ آداب پانچ مختلف ابواب میں بیان ہوں گے۔

پہلا باب

کمانے کے فضائل

آیات:

وَجَعَلْنَا النَّهَارَ مَعَاشًا (پ۳۰ر۱ آیت ۱۱)

اور ہم ہی نے دن کو معاش کا وقت بنایا۔

اسے معرض امتنان یعنی موقع احسان میں ذکر فرمایا ہے۔ ذیل کی آیت کریمہ میں معاش کو نعمت قرار دیا گیا ہے اور پھر اس نعمت پر ادائے شکر کا مطالبہ کیا گیا ہے:

وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيهَا مَعَايِشَ قَلِيلًا مَّا تَشْكُرُونَ (پ۸ر۸ آیت ۱۰)

اور ہم نے تمہارے لئے اس میں (زمین میں) سامان زندگی پیدا کیا۔ تم لوگ بہت ہی کم شکر کرتے ہو۔

وَآخَرُونَ يَضْرِبُونَ فِي الْأَرْضِ يَبْتَغُونَ مِن فَضْلِ اللَّهِ

(پ۲۹ر۱۴ آیت ۲۰)

اور بعضے تلاش معاش کے لئے زمین میں سفر کریں گے۔

فَانتَشِرُوا فِي الْأَرْضِ وَابْتَغُوا مِن فَضْلِ اللَّهِ (پ۲۸ر۱۲ آیت ۱۰)

(تب) تم زمین میں چلو پھرو اور خدا کی روزی تلاش کرو۔

احادیث:

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

من الذنوب ذنوب لا یکفرھا الا الھم فی طلب المعیشه (۱)

بعض گناہ ایسے ہیں کہ طلبِ معیشت کی فکر کے سوا کوئی چیز ان کا کفارہ نہیں بنتی۔

التاجر الصدوق یحشر یوم القیامة مع الصدیقین والشھداء

(ترمذی، حاکم۔ ابو سعید الخدریؓ)

سچا تاجر قیامت کے دن صدیقین اور شہداء کے ساتھ اٹھایا جائے گا۔

من طلب الدنیا حلالا تعففا عن المسئلة وسعیا علی عیاله وتعطفا علی جاره لقی اللّٰه ووجهه کالقمر لیلة البدر (بیہقی شعب الایمان۔ ابو ہریرہؓ)

جو شخص حلال طریقے پر مانگنے سے بچتے ہوئے، اپنے اہل و عیال کے لئے جدوجہد اور اپنے پڑوسی پر مہربانی کے نقطۂ نظر سے دنیا طلب کرے تو وہ چودھویں رات کے چاند کی طرح حسین چہرے کے ساتھ باری تعالیٰ سے ملاقات کرے گا۔

ایک دن سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اصحاب کے ساتھ تشریف فرما تھے، اچانک ان کی نظر ایک ہٹے کٹے جوان پر پڑی جو طلب

---

(۱) یہ روایت کتاب النکاح میں گذری ہے۔

معاش کے لئے محنت کرنے میں مصروف تھا' بعض صحابہ نے کہا: افسوس صد افسوس! یہ اس کام میں مشغول ہے' کاش! اس کی جوانی اور طاقت راہِ خدا میں کام آتی' سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایسا مت کہو۔ یہ شخص اگر دستِ سوال دراز کرنے کی ذلت سے بچنے کے لئے' اور لوگوں سے بے نیاز ہونے کے لیے محنت کر رہا ہے تو راہِ خدا میں ہے' اور اگر یہ شخص اپنے ضعیف و ناتواں والدین' اور بیکس و مجبور بچوں کے لئے محنت میں مصروف ہے تو راہِ خدا میں ہے ہاں اگر وہ مال کی کثرت اور دوسروں پر مفاخرت کے لئے محنت کر رہا ہے تو راہِ خدا میں نہیں ہے' بلکہ شیطانی کی راہ پر چل رہا ہے۔ (الطبرانی فی المعاجم الثلاثہ۔ کعب ابن عجرہؓ)

ان اللہ یحب العبد یتخذ المھنة لیستغنی بھا عن الناس و یبغض العبد یتعلم العلم یتخذہ مھنة (۱)

اللہ تعالیٰ اس بندہ کو محبوب رکھتا ہے جو لوگوں سے بے نیاز ہونے کے لئے کوئی پیشہ اختیار کرے اور اس شخص کو ناپسند کرتا ہے جو علم حاصل کرے اور اسے بطور پیشہ اختیار کرے۔

ان اللہ یحب المؤمن المحترف (طبرانی' ابن عدی۔ ابن عمرؓ)

اللہ تعالیٰ پیشہ ور مؤمن کو محبوب رکھتا ہے۔

قیل یا رسول اللہ ای الکسب اطیب قال عمل الرجل بیدہ و کل عمل مبرور (۲)

صحابہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ کون سی کمائی زیادہ پاک ہے۔ فرمایا: اپنے ہاتھ سے کام کرنا اور ہر جائز عمل۔

خیر الکسب کسب العامل اذا نصح (احمد' ابو ہریرہؓ)

بہترین کمائی کاریگر کی کمائی ہے اگر وہ خیر خواہی اختیار کرے۔

علیکم بالتجارة فان فیھا تسعة اعشار الرزق

(ابراہیم الحربی فی غریب الحدیث۔ نعیم ابن عبد الرحمٰن)

تجارت کرو' اس لئے کہ اس میں رزق کے دس حصوں میں سے نو حصے ہیں۔

حضرت عیسیٰ السلام نے ایک شخص سے دریافت کیا کہ تم کیا کرتے ہو؟ اس شخص نے عرض کیا کہ میں عبادت کرتا ہوں' حضرت عیسیٰ نے دریافت فرمایا کہ اگر تم عبادت کرتے ہو تو تمہاری کفالت کون کرتا ہے؟ عرض کیا کہ میرا بھائی میرا کفیل ہے' فرمایا تمہارا بھائی تم سے زیادہ عبادت گذار ہے۔ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:۔

انی لا اعلم شیئا یقربکم من الجنة و یبعدکم من النار الا امرتکم بہ' وانی لا اعلم شیئا یبعدکم من الجنة و یقربکم من النار الا نھیتکم عنہ وان الروح الامین نفث فی روعی ان نفسا لن تموت حتّٰی تستوفی رزقھا وان ابطا عنھا' فاتقوا اللہ واجملوا فی الطلب ولا یحملنکم استبطا شی من الرزق علی ان تطلبوہ بمعصیة اللہ تعالی فان اللہ لا ینال ما عندہ بمعصیة

(ابن ابی الدنیا فی القناعة' حاکم۔ ابن مسعودؓ)

مجھے جو چیز ایسی معلوم تھی جو تمہیں جنت سے قریب اور دوزخ سے دور کرے میں نے تمہیں اس کا حکم دیا اور جو چیز بھی ایسی میرے علم میں تھی جو تمہیں دوزخ سے قریب اور جنت سے دور کرے میں نے تمہیں اس سے منع کیا'

---

(۱) یہ حدیث ان الفاظ میں کہیں نہیں ملی' البتہ ابو المنصور الدیلمی نے مسند الفردوس میں حضرت علیؓ سے یہ الفاظ نقل کیے ہیں۔ "ان اللہ یحب ان یری عبدہ تعبا فی طلب الحلال۔" (۲) احمد' رافع ابن خدیجؓ' بزار' حاکم' سعید ابن عمر عن عمہ۔

روح الامین (جبرائیل) نے میرے دل میں یہ بات ڈالی ہے کہ کوئی ذی نفس اس وقت تک موت سے ہم کنار نہیں ہو سکتا جب تک اپنے رزق کی متعین مقدار پوری نہ کرلے اگرچہ وہ رزق اس کے پاس تاخیر سے پہنچے۔ اس لئے اللہ سے ڈرتے رہو اور رزق کے سلسلے میں حسن طلب سے کام لو۔ رزق میں تاخیر ہونے کا یہ مطلب نہیں کہ تم اللہ تعالیٰ کی معصیت میں مبتلا ہو کر رزق حاصل کرو۔ اللہ تعالیٰ کے پاس جو چیز ہے وہ اس کی نافرمانی کرکے حاصل نہیں کی جاسکتی۔

اس روایت میں حسنِ طلب کا حکم ہے ترکِ طلب کا نہیں۔

لان یاخذ احدکم حبلہ فیحتطب علی ظہرہ خیر لہ من ان یاتی رجلا اعطاہ اللہ من فضلہ فیسالہ اعطاہ او منعہ (بخاری و مسلم۔ ابو ہریرہؓ)

کوئی شخص رسّی لے کر اپنی پشت پر لکڑیاں لادے یہ عمل اس شخص کے لئے اس سے بہتر ہے کہ کسی ایسے شخص کے پاس جائے جسے اللہ نے اپنی نعمتوں سے نوازا ہو اور اس کے سامنے دستِ طلب دراز کرے، وہ اس کو دے یا منع کردے۔

من فتح علی نفسہ بابا من السوال فتح اللہ علیہ سبعین بابا من الفقر (ترمذی۔ ابو کبشتہ الانماریؓ)

جو شخص اپنے نفس پر سوال کا ایک دروازہ کھولتا ہے اللہ تعالیٰ اس پر فقر کے ستّر دروازے کھول دیتے ہیں۔

آثار:۔ حضرت لقمان نے اپنے بیٹے سے فرمایا کہ اے بیٹے! حلال کمائی کے ذریعہ افلاس سے نجات حاصل کرنا، جو شخص گرفتار فقر ہو اس میں تین باتیں پیدا ہو جاتی ہیں، دین میں نرمی آجاتی ہے، عقل میں فتور آجاتا ہے، مروّت اور لحاظ ختم ہو جاتا ہے، سب سے بڑھ کر یہ کہ لوگ اسے حقیر سمجھنے لگتے ہیں۔ حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ یہ ہرگز مناسب نہیں ہے کہ کوئی شخص طلبِ رزق کے لئے ہاتھ پیر چلائے بغیر یہ دعا کرتا رہے کہ "اے اللہ مجھے رزق عطا کر" اسے معلوم ہونا چاہیے کہ آسمان سے سونا چاندی نہیں برستا۔ زید ابن مسلمہ اپنی زمین میں شجر کاری کررہے تھے، حضرت عمرؓ ادھر سے گذرے تو فرمایا کہ زید! اپنے دین کی حفاظت، اور لوگوں سے بے نیاز ہونے کے لئے یہ بہترین کام ہے جس میں تم مشغول ہو، اس میں یہ فائدہ بھی ہے جس کی طرف شاعر احیحہ نے اشارہ کیا ہے۔

فلن ازال علی الزوراء اغمرھا ان الکریم علی الاخوان ذوالمال

(میں اپنے باغ زوراء کی خدمت میں اس لئے ہمہ تن مصروف ہوں کہ دوستوں کے لئے صاحبِ مال ہی کریم ہوتا ہے)

حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ مجھے بیکاری پسند نہیں ہے، میں اس شخص پر حیرت زدہ ہوں جو نہ دنیا کے کام میں مصروف ہو اور نہ دین میں لگا ہوا ہو۔ ابراہیم نخعیؒ سے کسی شخص نے یہ پوچھا کہ آپ کو امانت دار تاجر پسند ہے یا وہ شخص جس نے اپنے آپ کو عبادت کے لئے فارغ کرلیا ہو، فرمایا مجھے امانت دار تاجر زیادہ پسند ہے۔ اس لئے کہ وہ جہاد کررہا ہے، شیطان اسے ناپنے تولنے میں، لینے دینے میں، اور خریدنے بیچنے میں راہِ حق سے ہٹانا چاہتا ہے لیکن وہ اس کی اطاعت نہیں کرتا بلکہ اس کا مقابلہ کرتا ہے۔ حضرت حسن بصریؒ نے عبادت کے لئے فارغ شخص کو ترجیح دی۔ حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ میں اپنے مرنے کے لئے سب سے زیادہ اس جگہ کو پسند کروں گا جہاں میں اپنے اہل و عیال کے لئے خرید و فروخت کرتا ہوں، ہیثمؒ کہتے ہیں کہ کبھی کبھی مجھے یہ اطلاع ملتی ہے کہ فلاں شخص میری برائی کرتا ہے، جب مجھے یہ بات یاد آتی ہے کہ میں اس کا محتاج نہیں ہوں تو اس کی برائی کی میرے نزدیک کوئی اہمیت باقی نہیں رہتی۔ ایوب کہتے ہیں کہ کوئی پیشہ اختیار کرنا جس سے کچھ مل جائے لوگوں کے سامنے دستِ طلب دراز کرنے سے بدرجہا بہتر ہے۔ ایک مرتبہ سمندر میں طوفان آیا، حضرت ابراہیم ابن ادہمؒ کچھ لوگوں کے ساتھ کشتی میں سوار تھے، لوگوں نے عرض کیا دیکھئے طوفان میں کتنی شدت ہے، فرمایا: یہ شدت نہیں ہے، شدت تو یہ ہے کہ آدمی کسی کا دستِ نگر ہو۔ حضرت ایوب فرماتے ہیں کہ ابو قلابہ نے مجھ سے فرمایا کہ بازار کا پیچھا

مت چھوڑنا' بازار سے دولت حاصل ہوتی ہے اور دولت سلامتی کا بڑا ذریعہ ہے' امام احمدؒ سے کسی نے اس شخص کے متعلق ان کی رائے جانی چاہی جو مسجد میں جا کر بیٹھ جائے اور یہ کہے کہ میں کچھ نہ کروں گا' میرا رزق مجھے ملنا چاہیے۔ فرمایا یہ شخص جہالت میں مبتلا ہے۔ کیا اسے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد گرامی کا علم نہیں ہے کہ:

جعل رزقی تحت ظل رمحی (احمد۔ ابن عمرؓ)

میرا رزق میرے نیزے کے سائے میں رکھا گیا ہے۔

ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پرندوں کے متعلق ارشاد فرمایا:

تغدو خماصا و تروح بطانا (ترمذی' ابن ماجہ۔ عمرؓ)

صبح کو خالی پیٹ جاتے ہیں اور شام کو پیٹ بھر کر واپس آتے ہیں۔

حدیث کا منشاء و مراد یہ ہے کہ پرندے تک طلبِ رزق کے لئے نکلتے ہیں۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین تجارت کے لئے بحرو بر کا سفر کرتے' ملکوں ملکوں گھومتے اور اپنے باغوں میں کام کرتے۔ ابو قلابہؒ نے ایک شخص سے فرمایا کہ مسجد کے کسی کونے میں مصروف عبادت ہونے سے بہتر یہ ہے کہ طلبِ معاش میں لگو۔ کہتے ہیں کہ اوزاعی کی ملاقات ابراہیم ابن ادہم سے اس حالت میں ہوئی کہ ان کے سر پر لکڑیوں کا ایک گٹھر رکھا ہوا تھا' اوزاعی نے کہا کہ اے ابو اسحاق! تم کیوں اس قدر مشقت برداشت کرتے ہو' تمہاری کفالت کے لئے تمہارے بھائی کافی ہیں' فرمایا: اے ابو عمرو! طلبِ حلال کے لئے جو شخص ذلت کے کام کرتا ہے اس کے لئے جنت واجب کردی جاتی ہے' اس لئے تم مجھے لکڑیاں اٹھانے سے مت روکو۔ ابو سلیمان دارانیؒ کہتے ہیں کہ ہمارے نزدیک عبادت اس کا نام نہیں کہ اپاہج بن کر بیٹھ جاؤ' دوسرے لوگ تمہیں کھانا کھلائیں' روٹی کی فکر کرنا عبادت کا پہلا مرحلہ ہے۔ پہلے روٹی کی فکر کرو پھر عبادت کرو۔ حضرت معاذ ابن جبلؓ فرماتے ہیں کہ قیامت کے دن اعلان کیا جائے گا کہ وہ لوگ کہاں ہیں جو دنیا میں اللہ کے مبغوض تھے' یہ سن کر وہ لوگ کھڑے ہو جائیں گے جو مسجدوں میں مانگا کرتے تھے۔

طلبِ معاش کی فضیلت۔ ایک سوال اور اس کا جواب

گزشتہ صفحات میں طلب معاش کے متعلق آیات' احادیث اور صحابہ و تابعین کے اقوال و آثار پیش کئے گئے ہیں۔ یہاں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد بطور اعتراض نقل کیا جاسکتا ہے:

ما اوحی الی ان اجمع المال و کن من التاجرین و لکن اوحی الی ان سَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَكُنْ مِّنَ السَّاجِدِينَ وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَأْتِيَكَ الْيَقِيْنُ

(ابن مردویہ فی التفسیر۔ ابن مسعودؓ)

مجھ پر وحی نازل نہیں ہوئی ہے کہ مال جمع کرو' اور تاجر بن جاؤ' بلکہ یہ وحی نازل ہوئی ہے کہ اپنے رب کی خوبیاں بیان کرو اور (اسے) سجدہ کرنے والوں میں سے ہو جاؤ اور اپنے رب کی عبادت کرو یہاں تک تمہیں یقین حاصل ہو جائے۔

حضرت سلمان فارسیؓ سے کسی نے عرض کیا کہ ہمیں کوئی وصیت فرمادیجئے' فرمایا کہ اگر کسی کے لئے ممکن ہو تو وہ یہ کرے کہ حج کی حالت میں' یا میدان جہاد میں کفار سے جنگ کرتے ہوئے' یا مسجد میں خداوند قدوس کی عبادت کرتے ہوئے اس کی موت آئے' یہ نہ ہو کہ تجارت کرتے کرتے' یا لوگوں کے مال میں خیانت کرتے کرتے چل بسے۔ حدیث شریف اور حضرت سلمان فارسیؓ کے اثر سے معلوم ہوتا ہے کہ تجارت کو شریعت نے اتنی اہمیت نہیں دی ہے' جو آپ کے بیان سے ثابت ہوتی ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ ان مختلف احادیث اور آثار کی مطابقت کے لئے ہمیں لوگوں کے حالات کے اختلاف پر بھی نظر رکھنی چاہیے۔ ہم نے تجارت کو علی الاطلاق ہر چیز سے افضل قرار نہیں دیا ہے' بلکہ ہم نے صرف اس تجارت کی فضیلت پر بحث کی ہے جو شریعت کی

حدود میں رہ کر کی جائے' اور جس سے بقدر کفایت مال حاصل کرنا مقصود ہو' اور اگر ضرورت سے زائد مال حاصل کرنے کا ارادہ بھی ہو تو اس سے متعلق شرعی حقوق کی ادائیگی لازم سمجھی جائے۔ اگر زیادہ سے زیادہ دولت سمیٹنا مقصود ہو' اور خیرات و صدقات کا کوئی ارادہ نہ ہو تو یہ تجارت مذموم ہے' ایسی تجارت کو دنیا کمانے کا ذریعہ قرار دیا جائے گا۔ دنیا کی محبت تمام گناہوں کی جڑ ہے۔ اگر اس تجارت میں خیانت کے عناصر بھی ہوں گے تو یہ تاجر ظلم اور فسق کا مرتکب بھی قرار دیا جائے گا۔ حضرت سلمانؓ نے بھی دراصل ایسے ہی تاجروں کی مذمت فرمائی ہے۔ جہاں تک اس تجارت کا تعلق ہے جس سے اپنے لئے' اور اپنے اہل و عیال کے لئے ضرورت کے بقدر کمانا مقصود ہو تو مانگنے کے مقابلے میں یہ بہرحال افضل ہے' بلکہ اگر لوگ اسے بلا مانگے دیدیتے ہوں تب بھی اسے کوئی نہ کوئی ذریعہ آمدنی اختیار کرنا چاہیے' کیونکہ ایسے لوگ بالعموم دینے والوں کی نظروں سے گر جاتے ہیں' وہ اگرچہ زبان سے خاموش ہے' لیکن زبانِ حال سے وہ مسلسل اپنی ضرورت کے اظہار و اعلان میں مصروف ہے۔ ذریعہ آمدنی اختیار نہ کرنا اس کی کھلی دلیل ہے۔ ہمارے نزدیک سوال سے بچنا' اور اپنی ضرورت کے لئے کمانا بدنی عبادات (نفل) میں مشغول ہونے سے بھی افضل ہے۔

ترکِ کسب کن لوگوں کے لئے افضل ہے:۔ چار طرح کے لوگ کمانے کی فضیلت سے مستثنیٰ قرار دئے جاسکتے ہیں' ان کے لئے زیادہ افضل کام وہ ہے جس میں وہ لوگ مشغول ہیں۔ ایک وہ شخص جو بدنی عبادات کا عابد ہو' اور ہمہ وقت عبادت میں لگا رہے' دوسرا وہ شخص جو سیرباطن میں مشغول ہو' اور اسے احوال و مکاشفات کے علوم میں قلب کا عمل میسر ہو' تیسرا وہ شخص جو اپنے ظاہری علوم سے لوگوں کو دینی نفع پہنچا رہا ہو' مثلاً مفتی' مفسر' اور محدث وغیرہ۔ چوتھا وہ شخص جو مسلمانوں کے مفادات کا نگہبان ہو' اور ان کے معاملات کا متکفل ہو۔ جیسے بادشاہ اور قاضی وغیرہ۔ اگر یہ لوگ بیت المال میں سے' یا علماء اور فقراء کے لئے موقوفہ املاک کی آمدنی میں سے ضرورت کے بقدر لیتے رہیں تو ان کے لئے افضل یہی ہے کہ وہ کسب کے بجائے اپنے متعلقہ فرائض کی ادائیگی میں مصروف رہیں۔ اسی لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو رب کی تسبیح کرنے اور اس کی عبادت کرنے کا حکم دیا گیا' تجارت کا حکم نہیں دیا گیا' کیونکہ آپ ان چاروں معانی کے نہ صرف یہ کہ جامع تھے' بلکہ ان سے متعلق بیشمار اوصاف بھی آپ میں موجود تھے' جب حضرت ابوبکرؓ منصبِ خلافت پر فائز ہوئے تو صحابہ کرام نے آپ کو مشورہ دیا کہ تجارت ترک کردیں' اور یکسو ہو کر مسلمانوں کی قیادت فرمائیں۔ چنانچہ آپ نے بیت المال سے اتنی رقم لینی منظور کرلی جو آپ کے گھر والوں کے لئے کافی ہو' پھر جب وفات کا وقت قریب آیا تو آپ نے یہ وصیت فرمائی کہ اب تک میں نے بیت المال سے جو کچھ وصول کیا ہے وہ واپس کردیا جائے۔ شرعاً یہ واپسی ضروری نہیں تھی۔ اس سلسلے میں ایک شکل یہ بھی ہے کہ بیت المال سے یا وقف سے وظائف نہ ملیں بلکہ لوگ اپنی آمدنی میں سے ہدیہ کے طور پر' یا صدقات اور زکوٰۃ کی رقم ان کے مانگے بغیر اخراجات کے لئے دے دیں' اس صورت میں بھی ترکِ کسب افضل ہے کیونکہ اس میں لوگوں کو خیرات کرنے کی ترغیب اور اعانت بھی ہے اور جو حق ان پر واجب ہے اسے قبول کرنا بھی ہے۔ ہاں اگر سوال کی ضرورت پیش آئے تو بقدرِ ضرورت کمانے کی فکر کرنی چاہیے۔ کیونکہ سوال کرنے سے منع کیا گیا ہے' سوال کی مذمت میں جس قدر روایات اور آثار ہم نے لکھے ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ سوال سے بچنا بہتر ہے۔

معیار کیا ہے؟ اس سلسلے میں لوگوں کے حالات مختلف ہیں' اس لئے ہم کسب یا ترکِ کسب کو مطلقاً کسی ایک کے حق میں افضل یا کسی دوسرے کے حق میں غیر افضل قرار نہیں دے سکتے' بلکہ ہمارے خیال میں اس کا تعلق اجتہاد سے ہے۔ ہر شخص کو اپنے حالات کا جائزہ لے کر یہ دیکھنا چاہیے کہ اس کے حق میں کون سی صورت بہتر ہے۔ مثلاً کوئی شخص عالم ہے' اسے چاہیے کہ وہ علم اور سوال میں موازنہ کرے' ایک طرف سوال کی ذلت ہے' یہ ننگ شرافت بھی ہے' دوسرے کے سامنے اپنی ضرورت ظاہر کرنی پڑتی ہے' اگر وہ دے دے تو عمر بھر کے لئے اس کے احسان کا بوجھ اٹھانا پڑتا ہے' دوسری طرف علم کا وقار ہے۔ اس کی مشغولیت کا نفع خود اس کی ذات تک محدود نہیں ہے' بلکہ دوسرے لوگ بھی اس سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ اب یہ دیکھنا' متعلقہ شخص کی ذمہ داری ہے کہ اس کے لئے علم کی مشغولیت بہتر

ہے' اس میں اگرچہ سوال کرنے کی ضرورت بھی پیش آسکتی ہے یا کسبِ معاش کی مشغولیت بہتر ہے کہ اس میں علم کا ضیاع ضرور ہے مگر سوال کی ذلت نہیں ہے' بعض علماء اور صلحاء شہرت پاجاتے ہیں اور لوگ ان کے مانگے بغیر دے دیتے ہیں' اگر کبھی مانگنے کی ضرورت پیش بھی آتی ہے تو ادنیٰ اشارہ یا معمولی کنایہ کافی ہوجاتا ہے۔ بہرحال اس معاملے کا تعلق بھی ان امور سے ہے جس میں ہر سالک کو اپنے دل سے فتویٰ لینا چاہیے' مفتی کچھ بھی حکم لگائیں فتاویٰ میں مطلق احکام ہوتے ہیں وہ مسائل کے دقیق پہلوؤں کو محیط نہیں ہوتے۔

ایک بزرگ کے تین سو ساٹھ دوست تھے' وہ سال بھر میں ایک ایک دن کے لئے اپنے تمام دوستوں کے ہاں مہمان ہوتے' ایک بزرگ کے تیس دوست تھے' وہ مہینے کا ایک دن اپنے ایک دوست کے یہاں گذارتے' فکرِ معاش سے آزاد علم و عمل میں مشغول رہتے۔ اس لئے کہ وہ یہ جانتے تھے کہ جن لوگوں کے یہاں ہم مقیم ہیں وہ اس خدمت کو اپنے احسان کے بجائے ہمارا احسان سمجھتے ہیں' اور ان لمحات کو جو ہم ان کے گھروں میں گذارتے ہیں اپنے لئے باعثِ سعادت تصوّر کرتے ہیں۔ اس طرح کے لوگوں کا صدقہ قبول کرنا بھی عبادت کی طرح ایک کارِ خیر ہے' لینے والے کو دینے والے کے برابر ثواب ملتا ہے' اگر وہ اس مال سے دین پر مدد لے' اور دینے والا خوشی سے دے۔ اس معیار کی روشنی میں طالبانِ حق اپنا جائزہ لے سکتے ہیں' اور اپنے لئے بہتر راستہ متعین کرسکتے ہیں۔ طلبِ معاش کی فضیلت کی سلسلے میں یہ ایک مختصر گفتگو تھی۔ ذیل میں ہم کسب کے دیگر پہلوؤں پر روشنی ڈالتے ہیں' اس سلسلے میں چار پہلو زیادہ اہم ہیں۔ معاملات کی صحت' عدل' احسان' دین کا خوف۔ ذیل کے چار ابواب میں یہی چار پہلو ہماری توجہ کا مرکز ہیں۔

دوسرا باب

مختلف عقود اور ان کی صحت کی شرائط

یہ بات اچھی طرح جان لینی چاہیے کہ اس باب میں جو کچھ ہم بیان کررہے ہیں اس کا جاننا ہر پیشہ ور مسلمان کے لئے فرض ہے۔ حدیث شریف میں طلب علم کو ہر مسلمان کے لئے فرض قرار دیا گیا ہے' اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ہر مسلمان کے لئے ہر علم ضروری ہے' بلکہ جس علم کی اسے ضرورت ہو اس کا سیکھنا فرض ہے۔ پیشہ ور کے لئے اپنے پیشہ سے متعلق مسائل کی ضرورت پیش آتی ہے اس لئے ان مسائل کا جاننا اس کے لئے ضروری ہے۔ ان مسائل سے واقف ہونے کے بعد ہی ان امور سے بچنا ممکن ہے جو معاملات (بیع وغیرہ) کو فاسد کردیں' جہاں تک جزئیات کا تعلق ہے اگر کبھی ضرورت پیش آئے تو یہ عزم کرلینا چاہیے کہ جب تک اہلِ علم سے دریافت نہ کرلوں گا اس وقت تک توقف کروں گا۔ بنیادی مسائل کا علم بہرحال ضروری ہے۔ کیونکہ جب تک ان کا علم نہ ہوگا یہ بھی معلوم نہیں ہوگا کہ کہاں توقف کرنا چاہیے اور کہاں علماء سے دریافت کرنا چاہیے۔ اگر کوئی شخص یہ کہے کہ میں تو اسی وقت کسی خاص مسئلے کا علم حاصل کروں گا جب مجھے اس کی ضرورت پیش آئے گی' اس سے پوچھا جائے گا کہ تمہیں یہ بات کس طرح معلوم ہوگی کہ فلاں واقعے کے سلسلے میں شریعت کا حکم دریافت کرنا چاہیے۔ تم تو اپنے معاملات میں مشغول رہو گے اور یہ سمجھتے رہو گے کہ جو کچھ میں کررہا ہوں وہ جائز ہے' حالانکہ یہ ممکن ہے کہ وہ جائز نہ ہو' اس لئے تجارت کے سلسلے میں مباح اور غیر مباح کا جاننا بے حد ضروری ہے۔ حضرت عمرؓ کے بارے میں روایت ہے کہ وہ اپنے دورِ خلافت میں بازار کا گشت لگاتے' اور بعض جاہل تاجروں کے دُرّے لگاتے۔ فرمایا کرتے تھے کہ ہمارے بازار میں صرف وہی لوگ خرید و فروخت کریں جنھیں تجارت کے شرعی احکام کا علم ہو' ورنہ ان کے معاملات سود ہوں گے خواہ وہ مانیں یا نہ مانیں۔ معاملات و عقود بہت سے ہیں' لیکن ہم چھ معاملات (بیع' سود' سلم' اجارہ' قرض اور شرکت) کے شرعی احکام بیان کرتے ہیں' کیونکہ بالعموم لوگوں کو ان چھ معاملات ہی کی ضرورت پیش آتی ہے۔

بیع (خرید و فروخت):۔ بیع کو اللہ تعالیٰ نے جائز قرار دیا ہے۔ اس کے تین رکن ہیں' عاقد (خرید و فروخت کرنے والا) معقود علیہ (جس چیز کی خرید و فروخت کی جائے)۔ لفظ (وہ الفاظ جو خرید و فروخت کے لئے استعمال کئے جائیں)۔

پہلا رکن (عاقد):- تاجر کو چاہیے کہ وہ بچے' مجنون' غلام' اور اندھے سے خرید و فروخت کا معاملہ نہ کرے۔ بچہ اور مجنوں دونوں غیر مکلف ہیں' اس لئے ان دونوں کی بیع باطل ہے' بچے کو اگر اس کا ولی اجازت دے دے تب بھی امام شافعیؒ کے نزدیک اس کی بیع صحیح نہیں ہوگی' بچے یا مجنون سے جو چیز لی جائے گی اس کے ضائع ہوجانے پر تاوان لازم ہوگا' اور جو چیز یہ دونوں لیں گے اس کے تلف ہونے سے تاوان لازم نہیں آئے گا بلکہ وہ چیز ضائع سمجھی جائے گی۔ عاقل غلام کی بیع اس کے آقا کی اجازت سے صحیح ہوگی۔ سبزی فروش' نانبائی' اور قصائی وغیرہ پیشہ وروں کو چاہیے کہ وہ غلاموں سے اس وقت تک معاملات نہ کریں جب تک ان کے آقا انھیں اجازت نہ دے دیں' اجازت کا علم اس طرح بھی ہوسکتا ہے کہ معاملہ کرنے والا بذاتِ خود آقا کی اجازت صریح الفاظ میں سُنے' یا شہر میں یہ بات مشہور ہوجائے کہ فلاں غلام اپنے آقا کی طرف سے معاملات کرنے کا مجاز ہے۔ اس سلسلے میں کسی معتبر آدمی کی شہادت سے بھی کام چل سکتا ہے' اگر کسی شخص نے آقا کی اجازت کے بغیر کسی غلام سے بیع کی' تو یہ بیع باطل سمجھی جائے گی' اور غلام سے لی ہوئی چیز ضائع ہوجانے کی صورت میں تاوان ادا کرنا پڑے گا' لیکن اگر غلام سے وہ چیز ضائع ہوجائے جس کی بیع کی گئی تھی تو آقا اور غلام دونوں تاوان کی ذمہ داری سے بری ہیں ہاں اگر غلام آزاد ہوجائے تو بلاشبہ اس سے تاوان کا مطالبہ کیا جاسکتا ہے۔ اندھے شخص کی بیع اس لئے صحیح نہیں کہ وہ دیکھے بغیر خریدنے یا فروخت کرنے پر مجبور ہے۔ اسے چاہیے کہ وہ کسی ایسے شخص کو جو ایسے معاملات سے واقف ہو' اور نگاہِ دیدہ رکھتا ہو خرید و فروخت کے لئے اپنا وکیل بنادے۔ اگر تاجر نے وکیل کی وساطت کے بغیر کسی نابینا شخص سے معاملہ کیا تو وہ فاسد ہوگا۔ اس سے لی ہوئی چیز ضائع ہوجانے کی صورت میں تاوان دینا پڑے گا۔ اور اگر اندھے کے پاس سے ضائع ہوجائے گی تو بازار کے نرخ سے اس کی قیمت ملے گی وہ قیمت نہیں ملے گی جس پر معاملہ کیا گیا تھا۔

کافر کے ساتھ خرید و فروخت کا معاملہ درست ہے۔ لیکن انھیں قرآن پاک اور مسلمان غلام باندی فروخت نہ کئے جائیں' اگر وہ کافر حربی ہوں تو انھیں ہتھیار بھی نہیں بیچنے چاہئیں' اس طرح کے معاملات صحیح نہیں ہوں گے' اور معاملہ کرنے والا اپنے رب کی نافرمانی کا مرتکب قرار دیا جائے گا۔ ترک سپاہی' یا ترکستان کے فوجی' عرب بدو' کُرد' چور' خائن' سود خوار اور ظالم کی کوئی چیز اپنی ملکیت میں نہ لی جائے' کیونکہ ان کا بیشتر مال حرام ہے' اور ناجائز ذرائع سے حاصل کیا ہوا ہے۔ اگر کسی مخصوص چیز کے متعلق یہ معلوم ہوجائے کہ وہ جائز طریقے سے حاصل کی گئی ہے تو اس کا معاملہ کیا جاسکتا ہے۔ حرام و حلال کی بحث میں اس موضوع پر مزید گفتگو کی جائے گی۔ انشاء اللہ۔

دوسرا رکن (مبیع یا ثمن) یعنی وہ مال جو ایک دوسرے کے پاس منتقل ہوتا ہے' چاہے وہ ثمن (قیمت) ہو یا مبیع (وہ چیز جو خریدی جائے) اس دوسرے رکن کے سلسلے میں چھ شرائط کا اعتبار کیا جائے گا۔

پہلی شرط:- یہ ہے کہ وہ مال اپنی ذات سے نجس نہ ہو' اگر نجس ہوگا تو بیع صحیح نہیں ہوگی۔ اس سے ثابت ہوا کہ کتے' خنزیر' گوبر اور پاخانے وغیرہ کی بیع جائز نہیں ہے۔ ہاتھی دانت اور اس سے بنی ہوئی چیزوں (مثلاً برتن' اور آرائش کا سامان وغیرہ) کی بیع بھی جائز نہیں ہے۔ کیونکہ ہڈی موت کی وجہ سے ناپاک ہوجاتی ہے۔ ہاتھی ذبح کرنے سے پاک نہیں ہوتا' اور نہ اس کی ہڈی پاک ہوتی ہے شراب' اور ان جانوروں کی چربی کی بیع بھی ناجائز ہے جن کا گوشت کھایا نہیں جاتا۔ اگرچہ یہ چربی چراغ میں جلانے اور کشتیوں پر پھیرنے میں کام آسکتی ہے۔ اگر پاک تیل میں کوئی نجاست گر جائے' یا چوہا گر کر مرجائے تو اس کی بیع میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اس لئے کہ کھانے کے علاوہ دوسری چیزوں میں اس کا استعمال ہوسکتا ہے۔ اس تیل میں بیرونی نجاست کا اثر ہے' اس کی ذات نجس نہیں ہے۔ ریشم کے کیڑوں کے انڈے بھی بیچے یا خریدے جاسکتے ہیں' کیونکہ یہ ایک کار آمد جاندار کی اصل ہیں' میرے نزدیک ریشم کے کیڑوں کے انڈوں کو پرندوں کے انڈوں سے تشبیہ دینا زیادہ بہتر ہے' بجائے اس کے کہ انھیں گوبر اور لید سے تشبیہ دی جائے۔ مشک کے نافہ کی بیع درست ہے اگر وہ ہرن سے اس کی زندگی میں جدا ہوا ہے تو اسے پاک کرنا چاہیے۔

دوسری شرط:- یہ ہے کہ وہ چیز جس کی بیع کی جارہی ہے قابلِ انتفاع ہو' اسی لئے حشرات الارض چوہوں اور سانپوں کی بیع جائز نہیں'

مداری کا تماشا دکھانے میں سانپوں سے فائدہ اٹھانا قابلِ لحاظ نہیں ہے۔ بلی اور شہد کی مکھی کی بیع جائز ہے' چیتے' شیر اور ان جانوروں کی بیع جو شکار کی اہلیت رکھتے ہیں' یا ان جانوروں کی بیع جن کا چمڑا استعمال کیا جاتا ہے جائز ہے۔ بوجھ اٹھانے اور سواری کرنے کے لئے ہاتھی کی بیع بھی جائز ہے' طوطا' مینا' مور اور اسی طرح کے دوسرے خوبصورت پرندوں کی بیع بھی جائز ہے کیونکہ انھیں دیکھ کر اور ان کی آواز سن کر دل بہلتا ہے اور طبیعت خوش ہوتی ہے۔ کتے کی بیع جائز نہیں ہے اگرچہ وہ خوبصورت ہی کیوں نہ ہو۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے گھروں میں کتے رکھنے سے منع فرمایا۔ (۱) ڈھول' یا طبلے' بین اور سارنگی' چنگ و رُباب کی بیع بھی جائز نہیں ہے' کیونکہ شرعاً ان میں کسی قسم کا کوئی نفع نہیں ہے۔ بچوں کے کھیلنے کے لئے مٹی کے کھیل کھلونوں کی بیع بھی جائز نہیں' یہ کھیل کھلونے عید کے اجتماعات اور میلوں ٹھیلوں میں فروخت ہوتے ہیں' شریعت نے ان کے توڑنے کا حکم دیا ہے۔ اگر یہ کھلونے جاندار کی تصویروں کی شکل میں نہ ہوں تو ان کی بیع کی جاسکتی ہے۔ ان کپڑوں اور برتنوں کی بیع جائز ہے جن پہ جاندار کی تصویریں بنی ہوئی ہوں' مصور پردوں کا حکم بھی یہی ہے۔ لیکن پردوں کا استعمال رکھ کر درست ہے' ٹانگ کر درست نہیں ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا ہی ایک پردہ لٹکا ہوا دیکھ کر حضرت عائشہؓ سے فرمایا تھا کہ اس کا بچھونا بنالو۔ (بخاری و مسلم۔ عائشہؓ)

تیسری شرط:۔ یہ ہے کہ بیع کرنے والا اس چیز کا مالک ہو' یا مالک کی طرف سے اجازت یافتہ ہو جس کی وہ بیع کر رہا ہے۔ غیر مالک سے مالک کی اجازت کی امید میں خریدنا جائز نہیں ہے۔ بلکہ اگر بعد میں مالک اجازت دے دے تب بھی از سرِ نو بیع کرنا ضروری ہے۔ بیوی سے شوہر کا مال' شوہر سے بیوی کا مال' باپ سے بیٹے کا مال اور بیٹے سے باپ کا مال اس امید پر نہ خریدے کہ صاحبِ مال کو اس بیع کا علم ہو گا تو وہ اس کی اجازت دے دے گا۔ قاعدہ یہ ہے کہ اگر بیع سے پہلے رضامندی نہ پائی جائے تو وہ بیع صحیح نہیں ہے۔ بازاروں میں اس طرح کے سودے ہوتے رہتے ہیں' دین کا خوف رکھنے والے لوگوں کو ان سے بچنا چاہیے۔

چوتھی شرط:۔ یہ ہے کہ جس چیز کی بیع کی جارہی ہو وہ شرعی اور حسّی طور پر سپرد کی جاسکتی ہو۔ جو چیز حسّی طور پر سپرد نہ کی جاسکے گی اس کی بیع صحیح نہیں ہوگی' مثلاً بھاگے ہوئے غلام کی بیع' پانی کے اندر مچھلی کی اور پیٹ میں بچے کی بیع' نر کو مادہ پر ڈالنے کی بیع' اسی طرح بھیڑ کی پشت پر اون' اور بھینس کے تھنوں میں دودھ فروخت نہیں کیا جاسکتا۔ اس میں مبیع اور غیر مبیع ایک دوسرے سے ملے ہوئے ہیں بیچنے والا جدا کئے بغیر مبیع کو سپرد کرنے پر قادر نہیں ہے۔ شرعی طور پر قدرت نہ ہونے کی مثال یہ ہے کہ رہن رکھی ہوئی' یا وقف کی ہوئی چیز فروخت کی جائے' یا امّ ولد کی بیع کی جائے۔ ماں کو اس کے بچے سے جدا کرکے' یا بچے کو اس کی ماں سے جدا کرکے بیچنا بھی شرعی طور پر جائز نہیں ہے' کیونکہ ان دونوں صورتوں میں جدائی واقع ہوگی' ماں اور بچے کو ایک دوسرے سے جدا کرنا حرام ہے۔

پانچویں شرط:۔ یہ ہے کہ مبیع متعین ہو' اس کی مقدار اور وصف دونوں معلوم ہوں۔ تعیین مبیع کی صورت یہ ہے کہ جس چیز کی بیع کی جائے اس کی طرف اشارہ کرکے کہہ دیا جائے کہ میں اس چیز کی بیع کرتا ہوں۔ اگر بائع یہ کہے کہ میں نے تیرے ہاتھ اس گلّے کی ایک بکری فروخت کی ہے اپنی مرضی سے لے لے' یا ان تھانوں میں سے جو تیرے سامنے رکھے ہوئے ہیں ایک تھان فروخت کیا جو تھان پسند آئے اٹھالے' یا اس تھان کا ایک گز فروخت کیا' جس طرف سے چاہے لے لے' یا اس قطعہ میں سے ایک گز زمین فروخت کی جس طرف سے چاہے ناپ لے' ان تمام صورتوں میں بیع باطل ہوگی۔ دین میں سستی برتنے والے لوگ اس طرح کی خرید و فروخت کے عادی ہیں۔ ہاں اگر کوئی چیز یہ کہہ کر فروخت کرے کہ میں اس کا آدھا' تہائی یا چوتھائی حصہ فروخت کرتا ہوں تو یہ بیع جائز ہوگی' مبیع کی مقدار کا علم تولنے' ناپنے' یا دیکھنے سے ہوتا ہے۔ اگر بائع یہ کہے کہ میں تیرے ہاتھ یہ کپڑا اسی مقدار میں فروخت کرتا ہوں جس مقدار میں فلاں شخص نے بیچا تھا۔ حال یہ ہے کہ بائع اور مشتری دونوں اس مقدار سے ناواقف ہیں' یہ بیع بھی باطل ہوگی' اسی طرح اگر کوئی شخص یہ کہے کہ میں اس پتھر کے وزن کے برابر فروخت کرتا ہوں' اگر پتھر کا وزن معلوم نہ ہو تو بیع باطل ہے۔ گیہوں کا ڈھیر وزن اور قیمت کی تعیین کے بغیر

---

(۱) بخاری و مسلم میں حضرت عبداللہ ابن عمر کی روایت ہے "من اقتنى كلبا الا كلب ماشية او ضاريا نقص من عمله كل يوم قيراطان۔"

بھی بیچنا درست نہیں ہے۔ ہاں اگر کوئی شخص یہ کہے کہ میں گیہوں کا یہ ڈھیر تیرے ان درہم کے عوض فروخت کرتا ہوں یا سونے کے اس ٹکڑے کے بدلے میں فروخت کرتا ہوں۔ اگر مشتری ان چیزوں کو دیکھ رہا ہے تو بیع صحیح ہوگی' مقدار کی تعیین کے لئے دیکھنا کافی ہے۔ اشیاء میں وصف کا علم دیکھنے سے ہوتا ہے اگر کوئی چیز غائب ہے تو اس کی بیع باطل ہے' ہاں اگر کوئی چیز اتنے عرصے پہلے دیکھی ہو کہ عادتاً اس میں کسی تغیر کا امکان نہ ہو تو اس کی بیع درست ہے۔ کپڑے کی بیع کرگہ (کپڑا بننے کی مشین) میں' اور گیہوں کی بیع اس کی بالی میں ناجائز ہے۔ اس چھلکے کے اندر چاول کی بیع جائز ہے جس میں اسے ذخیرہ کیا جاتا ہے۔ بادام اور اخروٹ کی بیع بھی ان کے اندرونی چھلکوں میں جائز ہے' بیرونی چھلکوں میں جائز نہیں ہے۔ ترباقلاء (ایک قسم کی ترکاری) کی بیع اس کے اندرونی اور بیرونی چھلکوں میں ضرورت کی وجہ سے جائز ہے۔ فقاع (ایک قسم کی سبزی) کی بیع میں سلف کے معمول کی وجہ سے تسامح اختیار کیا جاتا ہے' ممکن ہے تسامح کی وجہ یہ بھی ہو کہ چھلکا اتارنے سے انار کی طرح اس کے خراب ہوجانے کا خطرہ ہو نیز جو چیزیں خلقۃً پوشیدہ ہوتی ہیں فقاع کا بھی ان ہی میں شمار کیا جاتا ہو۔ قیاس کا تقاضا یہی ہے کہ یہ بیع باطل ہو کیونکہ فقاع خلقۃً پوشیدہ نہیں ہے۔

<u>چھٹی شرط:</u> یہ ہے کہ جس چیز پر ملکیت معاوضہ کی شکل میں ہوئی ہو تو وہ بائع کے قبضے میں آجانی چاہیے۔ قبضہ سے پہلے خریدنا یا بیچنا باطل ہے' منقول اشیاء کا قبضہ منتقلی سے' اور غیر منقول جائداد (زمین' مکان وغیرہ) کا قبضہ سابقہ مالک کے انخلاء سے ثابت ہوجاتا ہے' جس غلے کو وزن کی شرط پر خریدا ہو اس کا قبضہ اس وقت تک مکمل نہیں ہوگا جب تک قبضہ نہ کرلیا جائے ترکہ اور وصیت وغیرہ کے ذریعہ جو مال حاصل ہو اس کی بیع میں قبضہ شرط نہیں ہے۔

<u>تیسرا رکن (بیع کے الفاظ)</u> عقد بیع کے لئے ضروری ہے کہ ایسے الفاظ میں ایجاب اور قبول ہو جن سے مقصود پر صراحتاً یا کنایتہً دلالت ہوتی ہو' مثلاً کوئی شخص "میں نے تیرے ہاتھ یہ چیز اتنے میں بیچی" کے بجائے یہ کہے کہ "میں نے یہ چیز تجھے اس کے عوض میں دی" اور دوسرا "میں نے خریدی" کے بجائے "میں نے لی" کہے تو بیع صحیح ہوگی' اور اگر دونوں کی نیت خرید و فروخت کی ہے تو ان الفاظ کے استعمال میں کوئی حرج نہیں ہے۔ بظاہر یہ الفاظ عاریت پر دلالت کرتے ہیں' نیت سے عاریت کا احتمال ختم ہوجاتا ہے۔ کنائے کے الفاظ بلک اور حلت کے باب میں کافی ہیں۔ لیکن صریح الفاظ کا استعمال زیادہ بہتر ہے۔ کیونکہ اس میں جھگڑے کا احتمال نہیں رہتا' بیع میں اس طرح کی شرط لگانا مناسب نہیں ہے جو مقتضائے عقد کے خلاف ہو' مثلاً زیادتی مبیع کی شرط لگانا' یا یہ شرط عائد کرنا کہ مبیع ہمارے گھر پہنچائی جائے' ہاں اگر اس طرح کے نقل و حمل کے لئے الگ سے اُجرت متعین ہوگئی ہو تو کوئی حرج نہیں ہے۔ اگر بائع اور مشتری کے درمیان زبان سے کچھ کہے سنے بغیر لین دین ہوگیا تو امام شافعیؒ کے نزدیک اس طرح کی بیع کالعدم سمجھی جائے گی' امام ابو حنیفہ "معمولی چیزوں میں اس صورت کو جائز قرار دیتے ہیں۔ ہمارے خیال میں معمولی چیزوں کی تعیین ایک دشوار گزار عمل ہے' اس لئے امام شافعیؒ کی رائے ہی زیادہ بہتر معلوم ہوتی ہے۔ اگر "خاموش بیع" کی اجازت دے دی جائے تو لوگ معمولی چیزوں سے آگے بڑھ کر عمدہ چیزوں میں بھی یہ صورت اختیار کریں گے' مثلاً ایک دلال بزاز کے پاس آتا ہے' اور دیباج کا ایک تھان جس کی قیمت دس دینار ہے لے کر مشتری کے پاس جاتا ہے' اور واپس آکر کہتا ہے کہ مشتری دس دینار پر راضی ہے' بزاز اس سے دس دینار منگوا کر تصرف کرلیتا ہے' اور مشتری اس تھان میں قطع برید کرلیتا ہے' حالانکہ دونوں میں ایجاب و قبول بالکل نہیں ہوا۔ اسی طرح چند لوگ ایک شخص کی دکان پر جمع ہوتے ہیں' وہ شخص سو روپے کی کوئی چیز نیلام کررہا ہے۔ ایک شخص نے اس کی قیمت نوّے دوسرے نے پچانوے تیسرے نے سو لگائی ہے' بائع مؤخر الذکر سے کہتا ہے کہ لاؤ دو' وہ سو روپیہ دیتا ہے اور مبیع لے کر چلا جاتا ہے' حالانکہ ان میں ایجاب و قبول نہیں ہوا' ایجاب و قبول کے بغیر اس طرح کی بیع کرنا لوگوں کی عادت میں داخل ہوگیا ہے۔ اور اب یہ مرض لاعلاج بن چکا ہے۔ ہمارے خیال میں یہاں تین احتمالات ہوسکتے ہیں۔ ایک یہ کہ معمولی اور غیر معمولی ہر چیز میں ایجاب و قبول کے بغیر بیع ہوجائے لیکن یہ صورت محال ہے کیونکہ اس میں ملک کا انتقال کسی ایسے الفاظ کے بغیر ہورہا ہے جو اس کی منتقلی پر دلالت کرے' اللہ تعالیٰ نے بیع کو جائز قرار دیا ہے اور بیع ایجاب و قبول کے

مجموعے کا نام ہے محض لین دین کے فعل کو بیع نہیں کہا جاتا۔ اور نہ محض لینے دینے سے کوئی چیز کسی کی ملکیت میں آتی ہے۔ خاص طور پر زمین جائداد' غلام باندی' اور بہترین جانوروں کی بیع میں اس احتیاط کی زیادہ ضرورت ہے' یہ چیزیں زیادہ قیمت کی ہوتی ہیں' اور نزاع کا احتمال رہتا ہے' یہ ممکن ہے کہ بائع کی نیت خراب ہوجائے اور وہ یہ کہہ دے کہ میں نے اپنی چیز فروخت نہیں کی ہے بلکہ مجھ سے صرف دینے کا فعل سرزد ہوا ہے اور دینے سے کسی چیز کا بیچنا لازم نہیں آتا۔ دوسرا احتمال یہ ہے کہ اس بیع کو مطلقاً ممنوع قرار دے دیا جائے جیسا کہ امام شافعی رحمۃ اللہ نے اس بیع کے بطلان کا حکم فرمایا ہے لیکن اس میں دو اشکال ہیں' ایک اشکال کی بنیاد یہ خیال ہے کہ ممکن ہے کہ دور صحابہ میں لوگ معمولی چیزوں میں خاموش بیع کرتے ہوں اور یہ بات ان کی عادت میں داخل ہو' سبزی فروش' نانبائی اور قصائی کے ساتھ روز مرّہ کی ضروریات میں باضابطہ ایجاب و قبول کرنا یقیناً" تکلّف کا باعث ہے' صحابہ کے لیے بھی اس میں تکلف تھا۔ چنانچہ ان کی یہ عادت بطریق تواتر نقل ہوئی ہے' اور بعد کے زمانوں میں بھی لوگوں نے ان حضرات کی تقلید کی ہے۔ دوسرا اشکال یہ ہے کہ عام طور پر لوگ جب کھانا وغیرہ خریدتے ہیں' یا روز مرّہ کی ضروریات سے متعلق کوئی خرید و فروخت کرتے ہیں تو انھیں معلوم ہوتا ہے کہ یہ محض رسمی لین دین نہیں ہے بلکہ بائع نے انھیں مالک بنادیا ہے۔ جب صورت حال یہ ہو تو عقد کے رسمی الفاظ استعمال کرنے سے کیا فائدہ۔ تیسرا احتمال یہ ہے کہ معمولی اور غیر معمولی چیزوں میں فرق کیا جائے جیسا کہ امام ابو حنیفہ کی رائے ہے' لیکن یہاں ایک دشواری یہ ہے کہ معمولی اور غیر معمولی چیزوں میں فرق کرنا آسان نہیں ہے۔ اور دوسری دشواری یہ ہے کہ اس میں کسی ایسے لفظ کے بغیر ملِک بدل جاتی ہے جو اس تبدیلی پر دلالت کرے۔ اس کے باوجود ابنِ سُریج نے امام ابو حنیفہ کے قول کے مطابق فتویٰ دیا ہے۔ اور یہ قول واقعتاً درجہ اعتدال سے قریب تر ہے۔ کیونکہ اس بیع کی ضرورت زیادہ ہے' اور عام لوگوں میں اس کا رواج بھی ہے۔ اور غالب خیال یہی ہے کہ زمانہ صحابہ میں بھی بیع کا یہ طریقہ مروّج تھا' اس اعتبار سے اگر آج کے دور میں بھی اس کی اجازت دے دی جائے تو کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ جہاں تک ان دو دشواریوں کا تعلق ہے جن کی طرف ابھی ہم نے اشارہ کیا ہے اس سلسلے میں عرض یہ ہے کہ ہمارے لئے یہ ضروری نہیں ہے کہ ہم معمولی اور حقیر چیزوں کی تعیین میں کسی تکلف سے کام لیں' بلکہ عام رواج کو دیکھیں کہ لوگ کن چیزوں کو معمولی سمجھتے ہیں' اور کن چیزوں کو نفیس اور عمدہ قرار دیتے ہیں۔ مثلاً ایک شخص سبزی' کچھ پھل' روٹی اور گوشت خریدتا ہے تو عام طور پر ان چیزوں کی بیع ایجاب و قبول کے بغیر ہوجاتی ہے۔ اس سلسلے میں ایجاب و قبول کا مطالبہ کرنے والا' اور ناپ تول کرنے والا شخص کنجوس قرار دیا جاتا ہے۔ اور لوگ اسے برا سمجھتے ہیں۔ یہ معمولی چیزوں کا معاملہ ہے۔ دوسری طرف بہترین چیزیں ہیں۔ سواری کے جانور' غلام' زمینیں' اور نفیس کپڑے وغیرہ۔ ان میں ایجاب و قبول کے بغیر بیع کا رواج نہیں ہے۔ آسان طریقہ یہ ہے کہ قیاس سے کام لے' اور رواج پر نظر رکھے' ان دونوں کے درمیان جو چیزیں ہیں ان میں دیندار شخص کو احتیاط سے کام لینا چاہیے۔ کیونکہ درمیانی امور میں اشتباہ ہوتا ہے' ان میں احتیاط ہی زیادہ بہتر اور تقویٰ سے قریب تر ہے۔ دوسری دشواری کا حل یہ ہے کہ ہاتھ سے لینے دینے کو زبانی ایجاب و قبول کا قائم مقام ٹھہرایا جائے۔ کیونکہ لفظ بھی بذات خود ملک کی تبدیلی کا سبب نہیں ہے' بلکہ لفظ کی دلالت اس کا سبب ہے' ہاتھ سے لین دین میں بھی مقصود پر دلالت ہوتی ہے۔ ضرورت' اور سلف کی عادت اس دلالت کی مؤید ہیں۔ یہاں یہ امر بھی قابل غور ہے کہ عادتاً" لوگ ایجاب و قبول کے بغیر ہدایا قبول کرتے ہیں حالانکہ ہدیہ میں بھی ملک کی تبدیلی ہے۔ بظاہر اس میں کوئی فرق معلوم نہیں ہوتا کہ اگر مقابلے میں عوض ہو تو ملِک کی تبدیلی کے لئے ایجاب و قبول ضروری ہے اور عوض نہ ہو تو اس کی ضرورت نہیں رہتی۔ حالانکہ ملِک کی تبدیلی دونوں میں ہے بیع میں بھی' ہدیہ اور ہبہ میں بھی۔ فرق صرف اتنا ہے کہ پچھلے لوگ عمدہ اور غیر عمدہ دونوں طرح کے ہدایا ایجاب و قبول کے بغیر قبول کرلیا کرتے تھے۔ جب کہ خرید و فروخت کے سلسلے میں ان کا معمول یہ تھا کہ معمولی چیزوں میں ایجاب و قبول کی ضرورت نہ سمجھتے اور عمدہ چیزوں میں ایجاب و قبول کے بغیر بیع کو مناسب نہ سمجھتے۔ ہمارے نزدیک امام ابو حنیفہؒ کی رائے زیادہ بہتر ہے متقی پرہیزگار کے لئے مناسب یہ ہے کہ وہ ایجاب و قبول ترک نہ کرے تاکہ شبہ خلاف سے بری ہوجائے۔ ایجاب و قبول سے رکنا اس لئے بھی مناسب نہیں ہے کہ بائع اس چیز کا مالک ایجاب و قبول کے بغیر بنا ہے۔ اس لئے کہ مشتری کو اس کی تحقیق نہیں ہے۔ کیا عجب ہے کہ اس نے وہ چیز ایجاب و قبول ہی سے حاصل

کی ہو' ہاں اگر بائع نے وہ چیز خود اس کے سامنے حاصل کی ہو یا بائع نے اس کا اقرار کیا ہو کہ میں نے یہ چیز بلا ایجاب و قبول حاصل کی ہے تو اس سے نہ خریدے' کسی اور سے لے لے۔ مستقبل میں بائع کے ساتھ اختلاف کا راستہ بند کرنے کی تدبیر یہی ہے کہ نہ صرف یہ کہ عمدہ اور اہم چیزوں میں بلکہ معمولی سی معمولی چیزوں میں بھی زبان سے ایجاب و قبول کرلینا چاہیے۔ اگر ایجاب و قبول میں واضح اور صریح الفاظ استعمال کئے گئے تو عقد سے رجوع کرنا ممکن نہیں رہے گا۔ اور آئندہ کوئی اختلاف رونما نہیں ہوگا۔

ضیافت اور مہمانداری:۔ یہاں یہ سوال کیا جاسکتا ہے کہ بیع میں تو یہ صورت ممکن ہے کہ ایجاب و قبول کے بغیر حاصل کی ہوئی چیز نہ لے' اور کسی دوسرے بائع سے رابطہ قائم کرے' لیکن ضیافت اور مہمانداری کے سلسلے میں کیا کیا جائے۔ ایک شخص دستر خوان پر موجود ہے' اسے علم ہے کہ میزبان زبانی ایجاب و قبول کرکے لین دین کا عادی ہے' یا اس نے اس کی اس عادت کے متعلق کسی دوسرے شخص سے سنا ہے' یا خود اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے کیا اس کے لئے دستر خوان سے اٹھ جانا واجب ہے یا وہ اس حقیقت کے علم کے باوجود کھانا کھا سکتا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ خرید و فروخت سے رکنا بلاشبہ ضروری ہے بشرطیکہ اس کا تعلق نفیس چیزوں سے ہو' لیکن کھانے کا معاملہ دوسرا ہے۔ اگر ہم بائع کے فعل (دینے) کو ملک کی تبدیلی پر دلالت قرار دینے میں تردد کریں تو اباحت پر دلالت میں تردد کی کیا گنجائش ہے۔ اباحت کے معاملے میں وسعت اور ملک کے معاملے میں تنگی ہوتی ہے۔ ایک شخص کھانے پینے کی ان چیزوں میں بیع کرتا ہے جن میں لین دین کے ذریعے بیع کا رواج تک ہے۔ بائع ان چیزوں کو ایجاب و قبول کے بغیر مشتری کے سپرد کردیتا ہے' اس کا یہ سپرد کرنا کھانے کی اجازت ہے' جو قرینہ حالیہ سے سمجھ میں آتی ہے' جس طرح حمام میں داخلے کے لئے حمامی کی صراحتاً اجازت ضروری نہیں ہے' بلکہ قرینہ حال سے بھی یہ اجازت ہوسکتی ہے' اور ضرورت مند کے لئے حمام سے استفادہ کرنا جائز ہوسکتا ہے بائع کا مشتری کو مبیع دینا اس جملے کے قائم مقام ہے کہ "میں نے تیرے لئے یہ چیز مباح کردی چاہے تو خود کھائے اور چاہے تو دوسرے کو کھلائے" دوسرے کو کھلانے کے لئے کسی صریح اجازت کی ضرورت نہیں ہے۔ ہاں اگر بائع نے دیتے ہوئے یہ وضاحت کی تھی کہ تم یہ چیز کھالو بعد میں اس کا معاوضہ دے دینا" اس صورت میں بھی کھانا حلال ہوجائے گا۔ لیکن کھانے کے بعد تاوان دینا ہوگا۔ میرے نزدیک یہ ایک فقہی قیاس ہے۔ یہاں اس کی وضاحت بھی ضروری ہے کہ مشتری نے بائع کی ملک کھائی ہے اور اسے ضائع کیا ہے' اب اس پر تاوان ہونا چاہیے' لیکن خاموش بیع کے وقت جو قیمت مشتری نے بائع کو دی تھی اگر وہ مبیع کی قیمت کے برابر ہے تب تو بائع حاصل کرچکا ہے۔ اب اگر بائع مشتری سے مبیع کی قیمت کا مطالبہ کرنے سے عاجز ہے تو اس میں مالکانہ تصرف کرسکتا ہے' لیکن اگر مطالبے پر قادر ہے تو مالکانہ تصرف نہ کرے' اس لئے کہ یہ ممکن ہے کہ مشتری اس قیمت کو بطور قرض دینے پر راضی نہ ہو' اس صورت میں بائع کو چاہیے کہ وہ مشتری سے اپنی قیمت کا مطالبہ کرے۔ لیکن کیونکہ "خاموش بیع" میں قرینہ حال کو طرفین کی رضامندی کی دلیل ٹھہرایا گیا ہے اس لئے اگر بائع مشتری کی دی ہوئی رقم میں سے اپنا واجب حق وصول کرے تو یہ امر کچھ بعید نہیں ہے۔ بہرحال بائع کا پہلو زیادہ کمزور ہے کیونکہ وہ مشتری کی دی ہوئی قیمت میں اس وقت تک مالکانہ تصرف نہیں کرسکتا جب تک کہ وہ مشتری کے پاس ضائع نہ ہوجائے۔ مشتری کبھی تو بائع کو از سرِ نو مالک بنانے کا ارادہ کرتا ہے' کبھی محض فعل (لینے دینے) سے مالک بنادیتا ہے جہاں تک مشتری کا تعلق ہے اسے اتنی الجھن سے دوچار ہونا نہیں پڑتا' بائع نے اپنی چیز اسے کھانے کے لئے دی ہے' اسے تصرف کا حق ہے اور یہ اختیار بھی کہ اسے اپنے حال پر رہنے دے اور کسی قسم کا تصرف نہ کرے۔ یہاں ایک صورت یہ ہوسکتی ہے کہ اگر مشتری بائع کی دی ہوئی چیز مہمان کو کھلادے تو تاوان کی ذمہ داری میزبان کے بجائے مہمان پر ہو۔ اب اگر بائع مشتری کی دی ہوئی رقم سے اپنی چیز کی قیمت وصول کرلے تو مہمان کے ذمہ سے تاوان ساقط ہوجائے گا گویا میزبان نے مہمان کا قرض ادا کیا ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ "خاموش بیع" میں بہت سی فقہی مشکلات ہیں فتویٰ دینے والے شخص کو چاہیے کہ وہ ان تمام احتمالات پر نظر رکھ کر فتویٰ دے' دیندار اور متقی پرہیزگار شخص کو ہماری نصیحت یہ ہے کہ وہ اپنے دل سے فتویٰ لے' اور شبہ کے مواقع سے اجتناب کرے۔

سود:۔ اللہ تعالیٰ نے سود کو حرام قرار دیا ہے اور اس سلسلے میں انتہائی شدت اختیار فرمائی ہے اس لئے چاندی سونے کا کاروبار کرنے

والے صرّاف' اور غلّہ کی تجارت کرنے والوں کو چاہیے کہ وہ سود سے بچیں۔ سود صرف دو چیزوں میں ہوتا ہے' ایک نقد میں' دوم غلے میں۔ صرّاف کو چاہیے کہ وہ ادھار اور زیادتی سے بچے' ادھار سے بچنے کے معنیٰ یہ ہیں کہ چاندی یا سونے کی کوئی چیز سونے یا چاندی کی کسی چیز کے بدلے میں فروخت کرے تو "اس ہاتھ لے اور اس ہاتھ دے" والا معاملہ ہونا چاہیے۔ نقد معاملے کی صورت یہ ہے کہ بائع ثمن پر اور مشتری مبیع پر اسی مجلس میں قبضہ کرلیں جس میں بیع ہوئی ہو' یہی وجہ ہے کہ اگر صرّاف سونے کے ٹکڑے ٹکسال میں دیں اور بعد میں ان کے عوض گھڑے ہوئے دینار حاصل کریں تو ادھار ہونے کی وجہ سے یہ صورت سود میں داخل ہوگی حرمت کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ دینار بن جانے کے بعد سونے کی وہ مقدار باقی نہیں رہتی جو اس سے پہلے تھی۔ زیادتی سے بچنے کے معنیٰ یہ ہیں کہ تین امور سے احتراز کرے' ایک یہ کہ کھوٹے سکے کو کھرے سکے کے بدلے میں فروخت نہ کرے ہاں اگر دونوں کی مقدار برابر ہو تو جائز ہے۔ زیادہ کھوٹے سکے دے کر اچھے سکوں کی کم مقدار لینا سود ہے۔ یہ حرمت اس وقت پائی جائے گی جب چاندی چاندی کے بدلے میں اور سونا سونے کے بدلے میں فروخت کیا جائے۔ اگر دونوں (ثمن و مبیع) کی جنس بدل جائے مثلاً چاندی کے بدلے میں سونا فروخت کیا جائے تو کمی بیشی میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ مرکب چیزوں کا حکم ان دونوں سے مختلف ہے' مثلاً اشرفیاں اگر سونے اور چاندی سے بنائی گئی ہوں اور سونے کی مقدار نامعلوم ہو تو سونے کے تبادلے میں اس کی بیع صحیح نہیں ہوگی' ہاں اگر وہ شہر میں بطورِ سکّہ رائج ہوں تو معاملے کی صحت کا حکم دیا جائے گا بشرطیکہ نقد (سونے) کے عوض معاملہ نہ ہو' یہی حکم ان دراہم کا ہے جن میں تانبا ملا ہوا ہو۔ اگر ان میں چاندی کی مقدار کا علم نہ ہو تو چاندی کے عوض ان کی بیع صحیح نہیں ہے۔ ہاں اگر شہر میں رائج ہوں تو ضرورت کی وجہ سے معاملہ کرنے کی اجازت دی جائے گی' بشرطیکہ مقابلے میں نقد (چاندی) نہ ہو۔ جو زیور سونے اور چاندی سے مل کر بنا ہو اس کی بیع بھی جائز نہیں ہے نہ سونے کے عوض نہ چاندی کے عوض' بلکہ اگر زیور میں سونے کی مقدار معلوم ہو تو کسی دوسرے سامان کے عوض میں خریدنے کی اجازت دی جائے گی۔ ہاں اگر چاندی کے زیور پر سونے کا مُلمّع اس طرح کیا گیا ہو کہ آگ پر رکھنے سے سونا علیحدہ نہ کیا جاسکے تو ایسے زیور کی بیع ہم وزن چاندی سے بھی ہوسکتی ہے' اور چاندی کے علاوہ چیزوں سے بھی۔ صرّاف کے لئے یہ بھی جائز نہیں کہ وہ کوئی ایسا ہار سونے کے عوض میں خریدے جس میں سونا اور موتی دونوں ہو' نہ ایسے ہار کو سونے کے عوض فروخت کیا جاسکتا ہے۔ چاندی کے عوض خریدنا اور فروخت کرنا دونوں جائز ہیں بشرطیکہ اس میں چاندی نہ ہو' اور خرید و فروخت یداً بید ہو' یعنی مجلس بیع ہی میں مبیع اور ثمن پر قبض مکمل ہوجائے۔ جو کپڑا سونے کے تاروں سے بنا ہوا ہو' اور جلانے سے سونے کی علیحدگی ممکن ہو تو اس کو سونے کے عوض خریدنا جائز نہیں' چاندی وغیرہ کے بدلے میں جائز ہے۔

غلہ وغیرہ بیچنے والوں کو چاہیے کہ مبیع اور ثمن دونوں ایک ہی جنس سے ہوں یا مختلف جنسوں سے ہر صورت میں مجلس بیع ہی میں ان پر قبضہ مکمل کرلیں۔ مثلاً گیہوں کے بدلے میں گیہوں کی یا گیہوں کے بدلے میں چنے کی بیع کی جائے تو معاملہ نقد ہونا چاہیے۔ اور اگر مبیع اور ثمن دونوں ایک ہی جنس سے ہوں تو نقد معاملے کے علاوہ یہ بھی ضروری ہے کہ دونوں چیزیں برابر ہوں' اس طرح کے بہت سے معاملات لوگوں میں رائج ہیں' جن پر سود کا اطلاق ہوتا ہے' لیکن لوگ اس کی حرمت کی پروا کئے بغیر مصروف تجارت ہیں۔ مثلاً بعض لوگ قصائی کو زندہ بکری دیتے ہیں اور اس کے عوض ادھار یا نقد گوشت لیتے ہیں۔ حالانکہ یہ بیع حرام ہے۔ بعض لوگ نانبائی کو گیہوں دے کر اس کے عوض میں نقد یا ادھار روٹی لیتے ہیں' تیلی کو سرسوں' زیتون' ناریل اور تل دے کر ان کے بدلے میں تیل وصول کرتے ہیں' اسیطرح کچھ لوگ دودھ والے کو دودھ دے کر اس سے بنی ہوئی اشیاء مثلاً پنیر' گھی' مکھن وغیرہ خریدتے ہیں' بیع کی یہ تمام صورتیں حرام ہیں۔ خوردنی اشیاء سے بنائی ہوئی چیزوں کی بیع اصل کے عوض درست نہیں ہے خواہ دونوں برابر ہوں یا کم و بیش' چنانچہ گیہوں کے عوض میں آٹا' روٹی اور ستو' انگور کے بدلے میں اس کا سِرکہ' شیرہ' اور عرق' دودھ کے عوض میں گھی' مکھن' چھاچھ' پنیر اور کھویا وغیرہ کی بیع درست نہیں ہے۔ ہم جنس اشیاء خردنی میں مبیع اور ثمن کی برابری اسی وقت مفید ہے جب وہ اشیاء ذخیرہ اندوزی کی صلاحیت رکھتی ہوں اور اگر ان کا ذخیرہ کرنا ناممکن ہو یعنی وہ ایک حال پر نہ رہتی ہوں تو ایک جنس کی دو چیزوں کی بیع کسی بھی حالت میں جائز نہ ہوگی چاہے وہ مقدار میں برابر ہوں یا کم و بیش۔ مثلاً کھجوروں کی بیع کھجوروں سے' یا انگوروں کی بیع انگوروں سے۔

یہ چند سطور ان مواقع کی تفصیل کے لئے عرض کی گئی ہیں جن سے واقفیت حاصل کرنا ایک دیندار مسلمان تاجر کے لئے ضروری ہے۔ اگر کہیں شک پیش آئے تو اہل علم سے دریافت کرلینا چاہیے اگر وہ ان تفصیلات کا علم بھی حاصل نہ کرسکا جو ابھی ہم نے عرض کی ہیں تو ہمارے خیال میں وہ شک اور سوال کے مواقع پر بھی مطلع نہ ہوسکے گا' اور نادانستہ طور پر سودی معاملات میں ملوث ہو گا۔

بیع سَلَم :- بیع سلم کے سلسلے میں تاجر کو حسب ذیل دس شرائط کی رعایت کرنی چاہیے۔

پہلی شرط :- یہ ہے کہ رأسُ المال جو بائع سلم کو پہلے دیا جائے معلوم ہونا چاہیے تاکہ اگر فریق آخر مُسلم فیہ (جس میں بیع سلم کی گئی ہو) نہ دے سکے تو پہلے فریق کے لئے اپنا مال واپس لینا ممکن ہو' رأسُ المال کے مجہول ہونے کی صورت میں یہ رجوع دشوار ہو گا' اور نزاع کا اندیشہ رہے گا' مثلاً ایک شخص نے اندازہ سے کچھ سکے اٹھا کردئے اور یہ کہا کہ ان سکوں کے عوض فلاں مال دے دینا۔ ایک روایت کے مطابق بیع کی یہ صورت صحیح نہیں ہے۔

دوسری شرط : یہ ہے کہ رأسُ المال مجلسِ عقد (معاملہ) میں سپرد کردیا جائے' اگر دوسرا شخص رأسُ المال پر قبضہ نہ کرسکا' اور مجلسِ عقد ختم ہو گئی تو بیع فسخ ہوجائے گی۔

تیسری شرط : یہ ہے کہ مُسلم فیہ ایسی چیز ہو جس کے اوصاف بیان کئے جائیں۔ جیسے غلّہ' جانور' کانوں سے نکالی جانے والی چیزیں' روئی' اُون' ریشم' دودھ' گوشت اور مفرد دوائیں۔ معجونات اور مرکبات کی بیع سلم درست نہیں ہے' کیونکہ ان کے اجزاء مختلف ہوتے ہیں۔ تیر کمان' موزے' اور جوتے جن کے اجزاء بھی مختلف ہوں اور ساخت ایک دوسرے سے جداگانہ ہو' جانوروں کے چمڑے یہ سب چیزیں معجونات اور مرکبات کے حکم میں ہیں یعنی ان چیزوں میں بھی بیع سلم جائز نہیں ہے۔ روٹی میں بیع سلم جائز ہے۔ نمک اور پانی کی کمی بیشی معاف ہے۔ فقہاء نے اس طرح کی چیزوں سے چشم پوشی کا حکم دیا ہے۔

چوتھی شرط : یہ ہے کہ مُسلم فیہ کے تمام اوصاف بیان کردیئے جائیں۔ کوئی وصف بھی ایسا باقی نہ رہنا چاہیے جس کے ہونے یا نہ ہونے سے مبیع کی قیمت میں اتنا فرق ہوجائے جسے لوگ ناگوار سمجھیں' اور بیع کرلینے کی صورت میں نقصان برداشت کرنے پر مجبور ہوں یاد رکھنا چاہیے کہ بیع سلم میں اوصاف کا بیان عام بیع میں مبیع دیکھنے کے قائم مقام ہے۔

پانچویں شرط : یہ ہے کہ اگر بیع سلم میں مدّت مقرر کی جائے تو یہ مدت معلوم ہونی چاہیے مدت کے بیان میں سال' مہینے اور دن کی تعیین ضروری ہے' یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ ہم کھیتی کٹنے تک' یا پھل پکنے تک بیع سلم کرتے ہیں۔ اس لئے کہ یہ مدت مجہول ہے' کبھی کھیتی جلد تیار ہوجاتی ہے اور کبھی تاخیر ہوجاتی ہے' پھل بھی کبھی دیر میں پکتے ہیں' اور کبھی متعین وقت یا اس سے پہلے پک جاتے ہیں۔

چھٹی شرط : یہ ہے کہ مسلم فیہ ایسی چیز ہونی چاہیے جو مقررہ وقت میں مشتری کو حوالہ کی جاسکے' اور غالب خیال یہی ہو کہ مقررہ وقت تک وہ چیز تیار ہوجائے گی' مثلاً یہ مناسب نہیں کہ انگوروں کی بیع کے لئے وہ مدت متعین کی جائے جس میں وہ پک تیار نہ ہوں۔ ہاں اگر ایسی مدت مقرر کی تھی جس میں کاشت کے اصولوں کے مطابق مسلم فیہ کا تیار ہونا ناگزیر تھا' لیکن کسی سماوی آفت کی بنا پر تاخیر ہو گئی تو اب مشتری کو اختیار ہے کہ وہ چاہے تو اس مدت میں اضافہ کردے اور چاہے تو اپنا مال واپس لے کر معاملہ فسخ کردے۔

ساتویں شرط : یہ ہے کہ جس جگہ میں مسلم فیہ کا لینا یا دینا مقصود ہو تو معاملے کے دوران اس کی تعیین کردی جائے۔ بسااوقات تعیین نہ کرنے کی صورت میں بہت سے جھگڑے کھڑے ہوجاتے ہیں۔

آٹھویں شرط : یہ ہے کہ مسلم فیہ کو کسی معین چیز سے متعلق نہ کرے مثلاً یہ نہ کہے کہ میں اس کھیت کا گیہوں یا اس باغ کا پھل لوں

گا' ہاں شہر کی تعیین کرنا جائز ہے کہ میں فلاں شہر کا گیہوں لوں گا' یا کسی بڑے شہر کا پھل لوں گا۔

نویں شرط : یہ ہے کہ مُسلم فیہ کوئی ایسی چیز نہ ہو جو نادر و نایاب یا کم یاب ہو' مثلاً موتی کے ایسے اوصاف بیان کئے جائیں جس کا ملنا دشوار ہو' یا خوبصورت باندی میں بیع سلم کی جائے اور یہ بھی کہہ دیا جائے کہ بچہ بھی اس کے ساتھ ہوگا۔

دسویں شرط : یہ ہے کہ اگر راس المال کھانے کی جنس سے ہو تو مسلم فیہ کسی دوسری جنس سے ہونی چاہیے چاہے راس المال اور مسلم فیہ کی جنس ایک ہو یا مختلف۔ اسی طرح اگر راس المال نقد ہو تو مسلم فیہ کا نقد کی جنس سے ہونا جائز نہیں۔ سود کے بیان میں ہم اس کی تفصیل عرض کرچکے ہیں۔

عقدِ اجارہ (اجرت پر لینا) :۔ اس میں نوکری' مزدوری' کرایہ پر لینا دینا اور ٹھیکہ وغیرہ داخل ہیں۔ عقد اجارہ کے دو رکن ہیں۔ اول اجرت' دوم منفعت' عقد کرنے والے اور عقد کے الفاظ کے سلسلے میں وہی شرائط معتبر ہوں گی جو ہم بیع کے سلسلے میں ذکر کرچکے ہیں۔ عقد اجارہ میں اجرت ثمن (قیمت) کی طرح ہے۔ اس لئے بیع کے بیان میں ثمن کے متعلق جو تفصیلات ہم لکھ آئے ہیں وہی عقد اجارہ میں بھی معتبر ہوں گی یعنی اگر اجرت نقد ہو تو اس کا معلوم و موصوف ہونا ضروری ہے اگر دین ہو تو اس کی صفت اور مقدار معلوم ہونی چاہیے۔ عقدِ اجارہ میں ان امور سے اجتناب کرنا چاہیے جن کے لوگ عادی ہوچکے ہیں' حالانکہ شریعت میں ان کی کوئی اصل نہیں ہے۔ مثلاً ایک شخص تعمیر کے عوض میں گھر کرایہ پر دیتا ہے حالانکہ اس میں تعمیر کی مقدار مجہول ہے۔ اگر کسی نے کرایہ کے روپے متعین کئے لیکن یہ شرط لگادی کہ ان روپوں کو گھر کی تعمیر میں صرف کردینا' یہ صورت بھی جائز نہیں کیونکہ یہاں تعمیر میں روپیہ لگانے کا عمل مجہول ہے۔ کھال کے عوض میں جانور ذبح کرانا اور اس کی کھال اتروانا' مردہ جانور اٹھاکر پھینکنے کے عوض میں اس کی کھال دے دینا' بھوس کو اجرت ٹھہرا کر آٹا پسوانا یا بعد میں کچھ آٹا دے دینا۔ یہ سب معاملات باطل ہیں۔ ہر ایسی اجرت کا یہی حکم ہے جو مزدور کے عمل سے حاصل ہو' بعض لوگ مکان اور دکانوں کا کرایہ تو مقرر کردیتے ہیں لیکن مدت اجارہ کی تعیین نہیں کرتے' اس طرح کے اجارے منعقد نہیں ہوتے۔ یہ عقد اجارہ کے پہلے رکن اجرت کی تفصیل تھی' دوسرا رکن وہ منفعت ہے جو اجارہ سے حاصل کی جاتی ہے' اجارہ کا مقصود ہی دراصل یہ منفعت ہے' اس میں وہ عمل بھی شامل ہے جو مباح ہو' معلوم ہو' اور عامل کو اس میں کسی قسم کی محنت کرنی پڑتی ہو۔ اجارے کے تمام فروع اسی ایک قاعدہ کلیّہ میں موجود ہیں' ہم ان فروع کی تفصیل میں نہیں جانا چاہتے۔ فقہی کتابوں میں اس موضوع پر ہم بہت لکھ چکے ہیں۔ ذیل میں ہم صرف ان امور پر گفتگو کرنا چاہتے ہیں جن میں عام طور پر لوگ مبتلا ہیں۔ یہ امور پانچ ہیں۔

اول : یہ ہے کہ اس کام کی کچھ قیمت ہو' یعنی اس میں کام کرنے والے کو کچھ تعب اٹھانا پڑے اور کچھ محنت کرنی پڑے۔ اس اصول کی روشنی میں یہ ثابت ہوا کہ اگر کسی شخص نے کھانے کی اشیاء اپنی دکان کی آرائش کے لئے لیں یا کپڑے سکھانے کے لئے درخت کرائے پر لئے یا دکان سجانے کے لئے دراہم اور دینار کرائے پر حاصل کئے تو اجارے کی یہ تمام صورتیں ناجائز ہیں' کیونکہ یہ منافع حقیر ہیں' ان منافع کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی تل یا گیہوں کا ایک دانہ خریدے۔ فقہاء نے اس بیع کو ناجائز قرار دیا ہے' دوسرے کے آئینے میں دیکھنے کی قیمت' کسی کے کنویں سے پانی پینے کی اجرت' کسی کی دیوار سے سایہ حاصل کرنے کا کرایہ' اور کسی کی آگ سے ہاتھ سینکنے یا شعلہ لینے کا معاوضہ ان منافع کی طرح ہیں جن کا ہم نے ابھی ذکر کیا ہے۔ کسی بیچنے والے کو یہ کہہ کر اجرت پر لیا کہ تم صرف ایک لفظ کہہ دو اس سے میرے مال کی ترویج ہوگی اور لوگ تمہارے کہنے سے اسے خرید لیں گے' اجرت کی یہ شکل بھی ممنوع ہے۔ بعض صاحبِ حیثیت لوگ محض اس بات کا معاوضہ لیتے ہیں کہ بازار میں ان کے قول کی بڑی قیمت ہے وہ اگر کسی مال کے حق میں فتویٰ دے دیں تو وہ ہاتھوں ہاتھ اٹھ جائے' ان کا یہ عمل صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ انھوں نے اپنے اس عمل میں کوئی کلفت برداشت نہیں کی' محض ایک مرتبہ زبان ہلانے کی کوئی قیمت نہیں ہے۔ یہ اجرت اس وقت جائز ہوگی جب کہ پبلسٹی کے دوران ادھر ادھر جانا پڑے اور بار بار بولنا پڑے اس کے باوجود یہ

لوگ اجرت مثل کے مستحق ہوں گے یعنی جتنی محنت کی ہو اسی کے مطابق اجرت پائیں گے۔ ہمارے زمانے کے تاجروں نے اپنے اتحاد سے کچھ ایسا اصول بنالیا ہے کہ کم محنت کا زیادہ معاوضہ لیتے ہیں' اور چھوٹے تاجروں پر زیادتی کرتے ہیں' انھیں یاد رکھنا چاہیے کہ ان کے لئے یہ معاوضہ حلال نہیں ہے' بلکہ ظلم اور زیادتی کی وجہ سے حرام ہے۔

دوم : یہ ہے کہ اجارہ میں نفع کے علاوہ کوئی مقصود بالذات شے کرایہ دار کی ملک میں آئے۔ چنانچہ انگور کی بیل اس لئے اجرت پر لینا جائز نہیں ہے کہ اس کی پیداوار کا مالک کرایہ دار ہوگا۔ دودھ حاصل کرنے کے لئے جانور اور پھل حاصل کرنے کے لئے باغات کرایہ پر لینے کا حکم بھی یہی ہے دودھ پلانے والی عورت کو اجرت پر حاصل کرنا صحیح ہے' اس صورت میں دودھ عورت کے تابع ہوگا' کیونکہ اسے علیحدہ سے فروخت کرنا ممکن نہیں ہے۔ کاتب کی رُوشنائی کاتب کے اور درزی کا سُوئی دھاگا درزی کے تابع ہوگا' کیونکہ روشنائی اور سُوئی دھاگا الگ سے مقصود نہیں ہوتے۔ اس لئے فقہاء نے ان دونوں کو بھی دودھ پلانے والی عورت کے حکم میں رکھا ہے۔

سوم : وہ عمل جس کے لئے مزدور کو اجرت دی جائے ایسا ہو کہ حسی اور شرعی طور پر مالک کے سپرد کیا جاسکے' چنانچہ کسی کمزور وناتواں شخص سے ایسا کام لینا صحیح نہیں ہے جو اس کی طاقت سے باہر ہو گونگے کو ایسی تعلیم کے لئے متعین کرنا بھی صحیح نہیں ہے جس میں زبان سے بولنا ضروری ہو۔ جو کام شرعی طور پر ممنوع ہو اس کے لئے بھی اجرت پر کسی شخص کو متعین کرنا جائز نہیں ہے۔ مثلاً کسی شخص کو اس کام کی مزدوری دینا کہ اس کا صحیح سالم دانت اکھاڑ ڈالے یا کسی عضو کو کاٹ ڈالے حالانکہ شریعت نے اس کی اجازت نہیں دی ہے۔ یا مسجد میں جھاڑو دینے کے لیے حائضہ کو متعین کرنا یا جادو ٹونکے اور فواحش و منکرات سکھلانے کے لیے کسی شخص کو بطور استاذ نوکر رکھنا یا کسی عورت کو رضاعت کے لئے اس کے شوہر کی اجازت کے بغیر اجرت پر متعین کرنا یا مصوّر کو جانداروں کی تصویریں بنانے کے لئے نوکر رکھنا یا سُنار کو چاندی سونے کے برتن بنانے کے لئے اجرت دینا وغیرہ۔

چہارم : یہ ہے کہ اس کا تعلق ان امور سے نہ ہو جو پہلے ہی سے مزدور پر واجب ہیں' اور نہ ان امور سے ہو کہ مالک کے لئے بذات خود ان کا کرنا ضروری ہو' اس کے لئے جائز نہ ہو کہ وہ کسی شخص کو اپنا نائب مقرر کرسکے۔ چنانچہ جہاد پر اجرت لینا جائز نہیں ہے کسی شخص کو اپنی طرف سے نماز روزہ وغیرہ عبادتیں ادا کرنے کے لئے اجرت دینا بھی ناجائز ہے کیونکہ ان عبادات میں نیابت نہیں چلتی۔ البتہ کسی کی طرف سے حج کرنے' میت کو غسل دینے' قبر کھودنے' دفنانے اور جنازہ اٹھانے پر اجرت لی جاسکتی ہے' تراویح کی نماز' اذان' تدریس و تعلیم قرآن پر اجرت لینے کے متعلق اختلاف ہے۔ ہاں کسی شخص کو کوئی خاص مسئلہ سکھلا دینے کی یا کوئی خاص سورت یاد کرانے کی اجرت لینی جائز ہے۔

پنجم : یہ ہے کہ کام اور منفعت معلوم ہو' مثلاً درزی کو یہ معلوم ہو کہ اسے کتنا کپڑا سینا ہے' مُعلّم کو یہ بتلادیا جائے کہ اسے فلاں سورت کی کتنی آیتیں سکھلانی ہیں' جانور کرایہ پر لینے کی صورت میں یہ وضاحت ضروری ہے کہ اس پر کتنا سامان لادا جائے گا' اور یہ کہ وہ سامان کہاں تک لے جانا ہوگا۔ اس امر کی وضاحت ضروری ہے جس کے مجہول رہنے سے جھگڑے کا اندیشہ ہو' اس طرح کے امور بہت سے ہیں' ہم نے محض اشاروں پر اکتفا کیا ہے تاکہ بنیادی مسائل معلوم ہوجائیں اور شک کے مواقع سے واقفیت حاصل ہوجائے اور ضرورت پڑنے پر اہل علم سے دریافت کرنا ممکن ہو' تمام مسائل کا جاننا مفتی کے لئے ضروری ہے' عوام کے لئے ضروری نہیں ہے۔

شرکتِ مضاربت :۔ شرکت مضاربت کے تین رکن ہیں۔

پہلا رکن :۔ راسُ المال۔ راس المال کے سلسلے میں شرط یہ ہے کہ نقد ہو' معلوم ہو اور مضارب (عامل تجارت) کو دے دیا گیا ہو پہلی قید (نقد ہو) کا منشاء یہ ہے کہ اگر راس المال پیسے یا سامان ہوگا تو مضاربت صحیح نہ ہوگی کیونکہ اس طرح کے راس المال سے تجارت کا

دائرہ تنگ ہو جاتا ہے۔ دوسری قید (معلوم ہو) کا مقصد یہ ہے کہ راس المال کی مقدار بیان کردی جائے' چنانچہ اگر مالک نے روپیوں کی ایک تھیلی رقم گنے بغیر مضارب کو دے دی تو یہ شرکت صحیح نہ ہوگی کیونکہ اس میں نفع کی مقدار مجہول رہے گی۔ راس المال مضارب کو دے دینے کی شرط سے یہ فائدہ ہوا کہ اگر مالک نے راس المال اپنے قبضے میں رکھا تو مضارب کے لئے تجارت کرنا دشوار ہو جائے گا۔

دوسرا رکن:۔ نفع۔ نفع کے سلسلے میں شرط یہ ہے کہ اس کی مقدار متعین اور معلوم ہو' مثلاً مضاربت کے لئے تہائی' آدھا یا چوتھائی حصہ مقرر کردیا جائے۔ کسی رقم کا علی الاطلاق ذکر نہ کیا جائے یہ ممکن ہے کہ کل نفع وہی رقم ہو جو متعین کی گئی تھی' اس صورت میں اختلاف کا اندیشہ ہے۔

تیسرا رکن:۔ تجارت کا عمل۔ اس کا تعلق مضارب سے ہے' عمل کے سلسلے میں شرط یہ ہے کہ تجارت کا دائرہ معین وقت اور مخصوص مال کی قید لگا کر تنگ نہ کیا جائے۔ مثلاً اگر کسی صاحب مال نے یہ شرط لگائی کہ جو مال میں تمہیں دے رہا ہوں اس سے جانور خریدنا' ان کی افزائش نسل کرنا' یا گیہوں خریدنا' اور اس کی روٹی پکانا' روٹی پکا کر اور افزائش نسل کر کے فروخت کرنے کے بعد جو نفع حاصل ہوگا اسے آپس میں تقسیم کرلیں گے تو یہ عقد صحیح نہ ہوگا' اس لئے کہ مضاربت کی اجازت تجارت میں دی گئی ہے' اور تجارت خرید و فروخت اور اس کے متعلقہ امور کو کہتے ہیں' روٹی پکانا' اور جانوروں کی دیکھ بھال کرنا تجارت نہیں ہے' بلکہ پیشے ہیں۔ اور اگر تجارت کا دائرہ اس طرح کی شرط لگا کر محدود کیا جائے کہ صرف فلاں شخص سے خریدنا' یا صرف سرخ ریشم کی تجارت کرنا تو بھی عقد مضاربت فاسد ہو جائے گا۔

اگر دو شخصوں کے درمیان مضاربت کا عقد مکمل ہو جائے تو مضارب وکیل کی حیثیت اختیار کرلے گا جس طرح وکیل مال میں تصرف کرتا ہے اسی طرح مضارب کو تصرف کا حق حاصل ہوگا۔ مالک کو اختیار حاصل ہوگا کہ وہ جس وقت چاہے عقد فسخ کردے۔ فسخ کرنے کے وقت اگر مال بصورت نقد ہے تو نفع کی تقسیم میں کوئی دشواری نہیں ہے۔ اور اگر سامان کی صورت میں ہے تو سامان مالک کو لوٹا دیا جائے گا' یہ اس صورت میں ہے جب کہ نفع نہ ہوا ہو۔ مالک کو مضارب سے یہ مطالبہ کرنے کا اختیار نہیں ہے کہ وہ اس سامان کو نقد بنا کردے۔ کیونکہ عقد فسخ ہو چکا ہے' اور مضارب کے ذمے سامان کے علاوہ کوئی چیز واجب نہیں ہے۔ ہاں اگر مضارب خود ہی یہ پیش کش کرے کہ میں سامان فروخت کر کے نقد ادا کروں گا تو مالک کی رائے معتبر ہوگی' اگر مالک چاہے تو یہ پیش کش قبول کرے اور چاہے تو مسترد کردے۔ تاہم اگر کوئی ایسا خریدار موجود ہو جسے بیچنے کی صورت میں نفع کی توقع ہو تو مالک کی رائے معتبر نہ ہوگی بلکہ مضارب کا قول تسلیم کیا جائے گا۔ اور اگر راس المال میں نفع بھی ہوا' اور تمام سامان موجود ہے تو مضارب کو چاہیے کہ وہ راس المال کے اس حصے کو جس میں نفع ہوا ہے راس المال کی جنس سے فروخت کردے تاکہ نفع واضح ہو جائے۔ اس نفع میں صاحب مال اور مضارب دونوں شریک رہیں گے۔ شروع سال میں مالک اور مضارب کو زکوٰۃ کے لئے مال کی قیمت کا اندازہ کرنا چاہیے اگر نفع ظاہر ہو تو قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ مضارب کے نفع کے حصے سے بھی زکوٰۃ نکالی جائے کیونکہ نفع ظاہر ہونے پر مضارب اپنے حصے کے نفع کا مالک ہو جاتا ہے۔ مضارب کے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ مالک کی اجازت اور رضامندی کے بغیر مال لے کر سفر کرے۔ اگر ایسا کیا تو مال میں تصرف کرنا صحیح ہوگا لیکن ضائع ہو جانے کی صورت میں سامان اور نقد دونوں کا تاوان دینا ہوگا۔ کیونکہ مالک کی اجازت کے بغیر مال لے کر باہر جانا مضارب کی تعدّی کے مترادف ہے۔ البتہ اجازت لے کر جانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اس صورت میں مال کی حفاظت اور نقل و حمل کے تمام مصارف مضاربت کے مال سے ادا کئے جائیں گے کیونکہ تاجر حضرات اس طرح کے کام خود نہیں کرتے لیکن کپڑے کے تھان کھولنے اور لپیٹنے کے کام معمولی ہیں' اور عام طور پر تاجر یہ کام خود کرتے ہیں اس لئے ان پر الگ سے اخراجات کا حق مضارب کو نہیں ہے۔ جب تک مضارب اس شہر میں مقیم رہے جہاں عقد مضاربت ہوئی اس کے شخصی اور رہائشی اخراجات خود اس کے ذمے ہوں گے۔ البتہ دکان کا کرایہ مال مضاربت میں سے ادا کیا جائے گا۔ لیکن اگر خاص طور پر مضاربت کے سلسلے میں سفر کرے' تو اس کے اخراجات مضاربت کے مال سے ادا کئے

جائیں گے۔ مضارب کو چاہیے کہ سفر سے واپسی کے بعد وہ تمام چیزیں جو سفر کی ضرورت سے خریدی گئیں تھیں مال مضاربت میں شامل کردے۔

شرکت:۔ شرکت کی چار قسمیں ہیں' ان میں سے تین باطل ہیں ایک صحیح ہے۔ اول' شرکت مفاوضہ:۔ شرکت مفاوضہ یہ ہے کہ دو شخصوں کے مال الگ الگ ہوں اور وہ دونوں آپس میں یہ طے کرلیں کہ ہم نفع و نقصان میں شریک ہیں۔ یہ صورت باطل ہے۔ دوم' شرکت ابدان:۔ شرکت ابدان یہ ہے کہ دو شخص الگ الگ جسمانی محنت کریں' اور آپس میں یہ طے کرلیں کہ ہم میں سے ہر ایک کو جتنی اجرت ملے گی اس میں دونوں شریک ہوں گے۔ یہ شرکت بھی باطل ہے۔ سوم' شرکت وجوہ:۔ شرکت وجوہ یہ ہے کہ ایک شخص بازار میں اعتماد رکھتا ہے' لوگ اس کی بات مانتے ہیں' وہ کسی دوسرے شخص کو تجارت کا مال دلوادے' دوسرا شخص تجارت کرے اور نفع میں دونوں شریک ہوں۔ یہ شرکت بھی باطل ہے۔ چہارم' شرکتِ عنان:۔ شرکت کی صرف یہی ایک قسم صحیح ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ دو شخص اپنا اپنا مال ایک دوسرے میں اس طرح ملادیں کہ تقسیم کے بغیر ان کی تمیز دشوار ہو۔ اور ہر شخص دوسرے کو تصرف کی اجازت دے دے۔ شرکتِ عنان کا حکم یہ ہے کہ نفع نقصان کی تقسیم دونوں حصوں کے مطابق ہو' اگر دونوں کا مال برابر ہو تو برابر کم و بیش ہو تو کم و بیش۔ اگر ایک شریک معزول کردیا جائے تو اسے تصرف کا اختیار باقی نہیں رہے گا۔ تقسیم سے ایک دوسرے کی ملک علیٰحدہ ہوجاتی ہے' شرکتِ عنان مشترک طور پر خریدے ہوئے مال تجارت میں بھی صحیح ہوجاتی ہے۔ اس میں مضاربت کی طرح نقد کی شرط نہیں ہے۔

خرید و فروخت کے سلسلے میں ان مختصر فقہی مسائل کا علم حاصل کرنا ہر پیشہ ور کے لئے ضروری ہے ورنہ وہ اپنی لاعلمی اور جہالت کی وجہ سے نادانستہ طور پر حرام امور میں مبتلا ہوگا' قصائی' نانبائی اور سبزی فروش جیسے روز مرہ کی ضروریات فروخت کرنے والے تاجروں سے ہر شخص کا سابقہ پڑتا ہے۔ ان کے ساتھ کئے جانے والے معاملات میں تین وجوہات کی بنا پر خرابی پیدا ہوتی ہے۔ (۱) بیع کی شرائط ترک کرنا (۲) سلم کی شرطوں کا لحاظ نہ کرنا (۳) تعاطی (خاموشی بیع) پر انحصار کرنا ہمارے زمانے میں لوگ ایسا کرتے ہیں کہ اپنی روزمرہ کی ضروریات کا پرچہ بنا کر ان تاجروں کے پاس بھیج دیتے ہیں' کچھ روز (ہفتہ عشرہ یا ایک ماہ) کے بعد حساب کرلیا جاتا ہے' اور اشیاء کی وہ قیمت لگائی جاتی ہے جس پر دونوں فریق راضی ہوں۔ حاجت کی وجہ سے بیع کا یہ طریقہ مباح قرار دیا گیا ہے۔ اور یہ تسلیم کرلیا گیا ہے کہ مشتری کو اپنا مال دے دینے کا مطلب یہ ہے کہ تاجر نے اسے کھانے یا استعمال کرنے کے لئے مباح کردیا ہے۔ لیکن کھانے کے بعد ضمان لازم ہوگا' اور اور جو چیز کھائی اس کی قیمتِ مثل دینی پڑے گی' اب اگر طرفین کسی قیمت پر اتفاق کرلیں تو مطلق برات کی تحریر لکھوالینی چاہیے' تاکہ قیمت میں تفاوت ہونے پر کسی قسم کی مزید دشواری پیدا نہ ہو۔ بہرحال ان معاملات میں بیع کی یہ صورت صحیح قرار دی گئی ہے' کیونکہ روزمرہ کی ضروریات میں بار بار قیمت دینے میں بہت زیادہ دشواری ہے۔ اس سے زیادہ دشواری اس میں ہے کہ ہر ادنیٰ ضرورت کے لئے ایجاب و قبول کیا جائے۔

تیسرا باب

معاملات میں ظلم سے اجتناب اور عدل

بعض معاملات ایسے ہوتے ہیں کہ مفتی ان کی صحت کا حکم لگاتا ہے' لیکن در حقیقت وہ ظلم پر مشتمل ہوتے ہیں' اور اس ظلم کی وجہ سے ان معاملات کا انجام دینے والا باری تعالیٰ کے غضب کا مستحق قرار پاتا ہے' ظلم سے ہماری مراد یہ ہے کہ کسی دوسرے کو نقصان پہنچایا جائے۔ یہ نقصان کبھی عام ہوتا ہے' اور کبھی صرف اس شخص کی ذات تک محدود رہتا ہے جو معاملے میں اس کا فریق ہو۔

عام نقصان کی قسمیں:۔ عام نقصان کی چند قسمیں ہیں' یہاں صرف دو قسموں پر گفتگو کی جائے گی۔

پہلی قسم:۔ ذخیرہ اندوزی بعض لوگ گرانی کی امید میں غلے وغیرہ کی ذخیرہ اندوزی کرلیتے ہیں' اور لوگوں کی ضرورت کا خیال نہیں

رکھتے' یہ فعل عمومی ظلم کے مترادف ہے' شریعت نے ذخیرہ اندوزی کرنے والے کی مذمت فرمائی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:من احتکر الطعام اربعین یوما ثم تصدق بہ لم تکن صدقتہ کفارۃ لاحتکارہ
(دیلمی۔ علیؓ)

جس شخص نے چالیس روز تک غلے کو روکے رکھا' اس کے بعد وہ غلہ صدقہ کردیا تو یہ صدقہ اس گناہ کا کفارہ نہیں بنے گا جو اس نے ذخیرہ اندوزی کی صورت میں کیا ہے۔

حضرت ابن عمرؓ نے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کیا ہے:

من احتکر الطعام اربعین یوما فقد بری من اللہ وبری اللہ منہ (احمد' حاکم۔ ابن عمرؓ)

جس شخص نے چالیس روز تک غلہ کی ذخیرہ اندوزی کی تو وہ اللہ تعالیٰ سے بری ہوا اور اللہ اس سے بری ہوا (یعنی خدا کا اس سے کوئی تعلق نہیں ہے)۔

بعض روایات میں فقد بری من اللہ کے بجائے یہ الفاظ ہیں۔فکأنما قتل نفسا (گویا اس نے ایک انسان کو قتل کیا) حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ جو شخص چالیس دن تک غلہ کی ذخیرہ اندوزی کرے اس کا دل سخت ہوجاتا ہے یعنی لوگوں کی ضرورت اور پریشانی کا احساس اس کے دل سے ختم ہوجاتا ہے۔ حضرت علیؓ کے متعلق یہ بھی منقول ہے کہ انہوں نے ذخیرہ کیا ہوا غلہ نذر آتش کردیا تھا۔ ذخیرہ اندوزی نہ کرنے کی فضیلت کے لئے حسب ذیل روایت ملاحظہ فرمائیے' ارشاد نبوی ہے:

من جلب طعاما فباعہ بسعر یومہ فکأنما تصدق بہ (وفی لفظ آخر) فکأنما اعتق رقبۃ (۱)

جو شخص باہر سے غلہ خرید کرلائے اور اسی روز کی قیمت پر فروخت کردے تو گویا اس نے وہ غلہ خیرات کردیا (دوسری روایت میں ہے) گویا اس نے ایک غلام آزاد کردیا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَمَن يُرِدْ فِيهِ بِإِلْحَادٍ بِظُلْمٍ نُذِقْهُ مِنْ عَذَابٍ أَلِيمٍ (پ ۱۷ ر ۱۰ آیت ۲۵)

اور جو شخص اس میں (حرم میں) کوئی خلاف دین کام قصداً ظلم کے ساتھ کرے گا تو ہم اس کو دردناک عذاب کا مزہ چکھائیں گے۔

بعض علماء نے غلہ کی ذخیرہ اندوزی کو بھی ظلم کہا ہے' اور اس ظلم کو بھی عذاب الیم کی وعید میں شامل کیا ہے۔ ایک بزرگ سوداگر کا واقعہ ہے کہ وہ واسط میں رہائش پذیر تھے' وہاں سے انہوں نے گیہوں کی ایک کشتی بصرہ میں اپنے وکیل کو روانہ کی' اور اسے یہ ہدایت کی کہ جس روز یہ کشتی بصرہ پہنچے اسی دن کی قیمت پر گیہوں فروخت کردینا۔ اتفاق ایسا ہوا کہ ان دنوں غلے کی قیمت کم تھی' بعض ہمدرد تاجروں نے وکیل کو ایک ہفتہ تاخیر کا مشورہ دیا' انہوں نے نفع کے خیال سے بیچنے میں تاخیر کردی' بہت زیادہ نفع ہوا' وکیل نے اپنے مؤکل کو یہ خوشخبری لکھ کر بھیجی کہ تمہارا مال کئی گنا قیمت پر فروخت ہوا ہے' بزرگ نے اس کے جواب میں لکھا کہ یہ تم نے کیا حرکت کی؟ میری ہدایت تو یہ تھی کہ اسے موجودہ نرخ پر بیچ دینا' لیکن تم نے میری ہدایت پر عمل نہیں کیا' ہمیں ہرگز یہ خواہش نہیں تھی کہ دین کی قیمت پر زیادہ نفع کمائیں' ہم دین کی سلامتی کے ساتھ نفع کی قلت پر قانع تھے۔ تم سے جو غلطی سرزد ہوئی اس کے تدارک کی یہی صورت ہے کہ میرا خط ملتے ہی تمام مال بصرہ کے فقراء کو صدقہ کردو۔ اس صدقے کا مجھے ثواب ملے یا نہ ملے لیکن یہ ممکن ہے کہ غلہ کی ذخیرہ اندوزی کی صورت میں جو گناہ ہوا ہے اس کی سزا سے بچ جاؤں۔

---

(۱) یہ روایت دوسرے الفاظ میں ابن مردویہ نے اپنی تفسیر میں حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ سے نقل کی ہے۔ اس سلسلے میں حاکم نے بھی ملیح ابن مغیرہ سے ایک مرسل روایت نقل کی ہے۔

جنس اور وقت کا اختلاف:۔ غلے کے سلسلے میں وارد ممانعت مطلق ہے۔ لیکن اس میں وقت اور جنس کا اختلاف بھی ملحوظ رکھنا چاہیے۔ جنس کا لحاظ رکھنے کے معنی یہ ہیں کہ ذخیرہ اندوزی کی ممانعت کا تعلق محض غلے ہی سے نہیں ہے بلکہ یہ غذا کی تمام اجناس کو عام ہے۔ وہ چیزیں اس حکم میں داخل نہیں ہیں جنھیں نہ غذا کی حیثیت حاصل ہے اور نہ وہ غذا کے معاون کے طور پر استعمال کی جاتی ہیں جیسے زعفران' دوائیں' بوٹی وغیرہ۔ وہ چیزیں جو غذا کی مددگار کی حیثیت سے کھائی جاتی ہیں جیسے گوشت اور میوے وغیرہ' یا وہ چیزیں جو ہمیشہ غذا کے طور پر استعمال نہیں کی جاتیں لیکن کبھی کبھی غذا کے قائم مقام ہو جاتی ہیں جیسے گھی' شہد' شیرہ' پنیر اور زیتون وغیرہ محل نظر ہیں۔ بعض علماء نے ان تمام چیزوں کی ذخیرہ اندوزی کو حرام قرار دیا ہے۔ اور بعض دیگر علماء کے نزدیک ان چیزوں کو روکنے میں کوئی بُرائی نہیں ہے۔ جہاں تک وقت کی رعایت کا تعلق ہے تو حدیث کے الفاظ عام ہیں مذکورہ بالا واقعہ سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے کیونکہ بصرہ میں جب غلہ پہنچا تو نرخ ارزاں تھا۔ یہ بھی احتمال ہے کہ ممانعت کا تعلق صرف ان اوقات سے ہو جن میں غلہ کم پایا جائے' اور لوگ ضرورت مند ہوں۔ ایسے مواقع پر غلہ روکنا' یا بیچنے میں تاخیر کرنا لوگوں کے نقصان کا باعث ہے۔ ہاں اگر غلہ بکثرت موجود ہو اور اس کثرت کی وجہ سے نرخ ارزاں ہو تو مالک کو تاخیر کی اجازت ہے۔ قحط کے زمانے میں گھی' شہد اور پنیر وغیرہ کی ذخیرہ اندوزی بھی حرام ہے' کیونکہ ان کی قلت سے بھی لوگ پریشانی میں مبتلا ہوں گے۔ اس تفصیل سے ثابت ہوا کہ حرمت اور عدم حرمت کا مدار ضرر ہے۔ غلے کی تخصیص سے بھی یہ بات سمجھ میں آجاتی ہے کہ شریعت نے ذخیرہ اندوزی کی ممانعت کے سلسلے میں عام لوگوں کے نقصان اور پریشانی کو مدِ نظر رکھا ہے لیکن اگر ضرر نہ ہو تو ذخیرہ اندوزی اس وقت بھی کراہت سے خالی نہیں ہے۔ اس لئے کہ اگرچہ وہ فی الحال ضرر نہیں پہنچا رہا ہے۔ لیکن مستقبل میں پہنچانا چاہتا ہے کیونکہ وہ گرانی کا منتظر ہے۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ جس طرح ضرر رسانی ممنوع ہے اسی طرح وہ امر بھی ممنوع ہے جو ضرر رسانی کا آغاز اور تمہید قرار پائے خلاصہ یہ ہے کہ جس معیار کا ضرر ہو گا اسی درج کی حرمت اور کراہت ہوگی۔

غذائی اجناس کی تجارت مستحسن نہیں ہے' تجارت میں فائدہ مطلوب ہوتا ہے' اور غذائیں انسانی نشوونما کے لئے ناگزیر حیثیت رکھتی ہیں۔ کیونکہ فائدہ اصل چیز پر زیادتی کو کہتے ہیں' اس لئے یہ ان چیزوں میں ہونا چاہیے جو مخلوق کی اصل ضرورت میں داخل ہوں۔ چنانچہ ایک تابعیؒ نے کسی شخص کو نصیحت کی کہ اپنے لڑکے کو دو چیزوں کی تجارت مت کرانا' غلے اور کفن کی' غلہ کا تاجر گرانی کی خواہش کرتا ہے' اور کفن کا تاجر لوگوں کی موت کا متمنی رہتا ہے' اور نہ اسے دو پیشے اختیار کرنے دینا' ایک قصائی کا پیشہ' دوسرا زرگری کا پیشہ' قصائی کا دل سخت ہو جاتا ہے' اور زرگر سونے چاندی سے دنیا کو زینت دیتا ہے۔

دوسری قسم کھوٹے سکوں کی ترویج:۔ نقد کی تجارت میں کھوٹے دراہم کو رواج دینا بھی عام ضرر سے تعلق رکھتا ہے' اور یہ بھی ظلم کے ہم معنیٰ ہے۔ کیونکہ اس سے معاملہ کا دوسرا فریق اپنی واقفیت کی بنا پر نقصان اٹھائے گا' اور اگر وہ واقف ہوا تو دوسرے لوگوں میں انھیں رواج دے گا' اس طرح یہ ضرر عام ہو گا' اور فساد پھیلے گا۔ اس فساد اور ضرر کی تمام تر ذمہ داری اس شخص پر عائد ہوگی جس نے کھوٹے سکوں کو پہلے پہل رواج دیا۔ وہی اس طریقے کا موجد قرار پائے گا۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:۔

من سن سنة سيئة فعمل بها من بعده كان عليه وزرها ووزر من عمل بها لا ينقص من اوزارهم شئى (مسلم۔ جریرؓ۔ باختلاف یسیر)

جس شخص نے کوئی برا طریقہ نکالا' اس کے بعد کسی نے اس پر عمل کیا تو اس (موجد) پر خود اس کا گناہ بھی ہو گا اور اس شخص کا گناہ بھی جس نے بعد میں اس طریقے پر عمل کیا۔ اور ان کے گناہوں میں سے کچھ کم نہ ہو گا۔

ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ سو درہم چرانے کے مقابلے میں ایک کھوٹا سکہ رائج کرنے کا گناہ زیادہ ہے۔ اس لئے کہ چوری ایک معصیت ہے' ایک دفعہ ہوئی ختم ہو گئی' اور کھوٹے سکے کی ترویج ایک ایسا گناہ ہے جس کا سلسلہ موت پر بھی ختم نہیں ہوتا' بلکہ اگر بعد کے لوگ بھی اس کے طریقے پر چلنے لگیں تو یہ سلسلہ صدیوں تک طول کھینچ سکتا ہے' صدیوں تک طول پکڑنے والا یہ گناہ اس شخص کے نامۂ اعمال میں لکھا جائے گا جس نے کھوٹا سکہ چلانے کی غیر ذمہ دارانہ مثال قائم کی تھی۔ وہ شخص یقیناً نیک بخت ہے جس کے گناہوں کا

سلسلہ اس کی موت پر ختم ہو جائے۔ اس شخص کی بد بختی میں کیا شبہ ہو سکتا ہے کہ مرنے کے بعد بھی اس کے گناہوں کا سلسلہ ختم نہ ہو' اور ان گناہوں کی وجہ سے وہ عذاب میں مبتلا رہے۔ تاوقتیکہ وہ گناہ منقطع نہ ہو جائیں۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:۔

وَنَكْتُبُ مَا قَدَّمُوْا وَ آثَارَهُمْ (پ ۲۲ ر ۱۸ آیت ۲)

اور ہم لکھتے جاتے ہیں وہ اعمال بھی جن کو لوگ آگے بھیجتے جاتے ہیں۔

یعنی ہم ان کے وہ اعمال بھی لکھیں گے جو انھوں نے اپنی زندگی میں کئے' اور وہ اعمال بھی لکھیں گے جو انھوں نے اپنے پیچھے چھوڑے ہیں۔ ایک جگہ ارشاد فرمایا:۔

يُنَبَّؤُا الْإِنْسَانُ بِمَا قَدَّمَ وَ أَخَّرَ (پ ۲۹ ر ۱۷ آیت ۲)

اس دن انسان کو اس کا اگلا پچھلا کیا ہوا بتلا دیا جائے گا۔

بما اخر سے وہی اعمال اور آثار مراد ہیں جو غلط طریقے پر رائج کرنے کی صورت میں ظاہر ہوئے' اور دوسروں کی تقلید کی وجہ سے مرنے کے بعد بھی موجود ہیں۔

کھوٹے سکّے کا کیا کرے:۔ کھوٹے سکّے کے سلسلے میں درج ذیل پانچ ہدایتوں پر عمل کرنا چاہیے۔ اول یہ کہ اگر کوئی شخص دیندار تاجر کو اس طرح کا سکّہ دے دے تو اسے چاہیے کہ وہ اپنے خریداروں یا تاجروں کو دینے کے بجائے کنویں میں ڈال دے' تاکہ کسی کے ہاتھ نہ آئے۔ اگر کنویں میں ڈالنے کے بجائے توڑ ڈالے کہ اس سے تجارت میں لین دین ممکن نہ ہو تو یہ صورت بھی جائز ہے۔ دوم یہ کہ تاجر کو کھرے اور کھوٹے سکوں کو پرکھنے کا فن حاصل کرنا چاہیے۔ اس طرح نہ صرف یہ کہ وہ خود بھی محفوظ رہے گا بلکہ دوسرے مسلمان بھائی بھی اس کے ذریعہ نقصان اٹھانے سے محفوظ و مامون ہو جائیں گے۔ اگر اس نے نادانستہ طور پر کھوٹا سکّہ لے کر کسی مسلمان بھائی کو دے دیا تو اسے اس قدر گناہ ضرور ہو گا کہ اس نے پرکھنے کا فن حاصل نہیں کیا۔ حالانکہ جس عمل کے ساتھ کوئی ایسا علم وابستہ ہے جس کے سیکھنے میں مسلمانوں کی خیر خواہی ہو تو اس علم کا حاصل کرنا واجب ہے۔ چنانچہ اکابرین سلف کھرے اور کھوٹے سکوں کی علامات کا علم رکھتے تھے تاکہ دینداری پر حرف نہ آئے' دنیا کے نقصان کا انھیں کوئی ملال نہیں تھا۔ سوم یہ کہ بتلا کر بھی کھوٹا سکہ کسی کو نہ دے۔ اس طرح دینے سے بھی گناہ گار ہو گا۔ کیونکہ جو شخص کھوٹا سکہ لے رہا ہے اس شخص کی نیت اس کے علاوہ کچھ نہیں ہے کہ وہ کسی دوسرے کو اس کی بے خبری میں یہ سکہ دے دے گا۔ اگر اس کا یہ ارادہ نہ ہوتا تو وہ ہرگز کھوٹا سکہ نہ لیتا۔ بتلا کر دینے میں عام ضرر کا گناہ ضرور ہو گا۔ تاہم صاحبِ معاملہ کو جو نقصان پہنچنے والا تھا اس کے گناہ سے بچ جائے گا۔ چہارم یہ کہ اگر کھوٹا سکّہ لے تو نیت یہ رکھے کہ میں اس طرح خرید و فروخت کے معاملات میں آسانی پیدا کر رہا ہوں۔ اگر کسی شخص نے یہ نیت کی تو وہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس دعا کی برکات سے محروم نہیں رہے گا انشاء اللہ۔

رحم اللّٰه عبدا سهل البيع' سهل الشراء' سهل القضاء' سهل الاقتضاء (بخاری۔ جابرؓ)

اللہ تعالیٰ اس شخص پر رحمت نازل کرے جو خرید و فروخت میں' قرض دینے اور قرض کی واپسی کا مطالبہ کرنے میں نرمی اختیار کرے۔

لیکن شرط یہ ہے کہ وہ کھوٹے سکّوں کی ترویج کے لئے ایسا نہ کرے' بلکہ اس نیت کے ساتھ ہی یہ عزم بھی کرے میں ان سکّوں کو کسی کنویں یا دریا وغیرہ میں ڈال دوں گا' یا انھیں توڑ کر نا قابل استعمال بنا دوں گا۔ پنجم یہ کہ "کھوٹے سکّے" سے ہماری مراد وہ درہم یا اشرفی ہے جس میں چاندی یا سونا نہ ہو' محض چاندی سونے کا ملمع کر دیا گیا ہو۔ اگر کوئی کھوٹا سکہ ایسا ہے جس میں چاندی کے علاوہ بھی کوئی چیز ملی ہوئی ہو تو علماء اس کے ذریعے معاملات کرنے میں اختلاف رکھتے ہیں' ہماری رائے یہ ہے کہ اگر شہر میں اس کا رواج ہے تو معاملہ کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے' چاہے چاندی کی مقدار معلوم ہو' یا معلوم نہ ہو' ہاں اگر وہ سکہ شہر میں رائج نہ ہو تو اس کے ذریعہ معاملہ اسی وقت درست

ہو گا جب کہ اس کی چاندی کی مقدار معلوم ہو۔ چنانچہ اگر کسی ایسے سکّے سے معاملہ کرنے کی ضرورت پیش آئے تو تاجر کو چاہیے کہ وہ اپنے خریداروں کو چاندی کی مقدار بتلادے تاکہ وہ نقصان نہ اٹھائیں' تاجر کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ اس طرح کے سکوں کے ذریعہ ان لوگوں سے معاملہ نہ کرے جن کے بارے میں یہ توقع ہو کہ وہ دوسروں کو فریب دیں گے' اور ان سکوں کو زیادہ قیمت پر چلانے کی کوشش کریں گے۔ اگر کسی ایسے شخص کو وہ سکہ دے دیا تو یہ فساد کا موجب ہو گا۔ اور اس کی مثال ایسی ہوگی جیسے کسی کے ہاتھ یہ جاننے کے باوجود انگور فروخت کئے کہ وہ ان کی شراب بنائے گا۔ حالانکہ اس طرح کی بیع ممنوع ہے' کیونکہ اس سے حرام کام پر اعانت ہوتی ہے۔

تجارت میں ان امور کی رعایت کرنا نوافل کی مُواظبت سے افضل ہے۔ ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ سچا تاجر اللہ تعالیٰ کے نزدیک شب زندہ دار عابد سے افضل ہے۔ اکابرین سلف تجارت وغیرہ معاملات میں بہت زیادہ احتیاط کرتے تھے۔ چنانچہ ایک مجاہد کا واقعہ خود ان کی زبانی نقل کیا جاتا ہے کہ میں گھوڑے پر سوار جہاد میں شریک تھا' اچانک ایک کافر میرے سامنے آیا' میں نے اس پر گھوڑا چڑھا کر حملہ کرنے کی کوشش کی' لیکن گھوڑے نے ساتھ نہیں دیا اور وار خالی گیا' دوسری اور تیسری مرتبہ کے حملے میں بھی ایسا ہی ہوا۔ اس شکست سے مجھے بڑا قلق ہوا۔ سارے دن یہی خیال رہا کہ آج گھوڑے نے خلافِ توقع بزدلی کا ثبوت دیا ہے اور میرے حکم کی کی خلاف ورزی کی ہے' خیمے میں واپس آنے کے بعد بھی یہی سوچتا رہا۔ اسی پریشانی کے عالم میں اور حُزن وملال کی کیفیت کے ساتھ میں خیمے کی لکڑی پر سر رکھ کر لیٹ گیا' خواب میں میں نے دیکھا کہ گھوڑا مجھ سے مخاطب ہے اور اس شکست کے حوالے سے کہہ رہا ہے کہ تم نے تین بار حملہ کیا' لیکن تینوں مرتبہ تمہیں میری وجہ سے ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا۔ کل کی بات یاد کرو کہ تم نے میرے لئے چارہ خریدا تو گھسیارے کو ایک درہم کھوٹا دے دیا۔ حرام غذا کھلا کر مجھ سے اطاعت کی توقع کیسے کی جاسکتی ہے۔ اس خواب کے بعد میری آنکھ کھل گئی' دل خوف سے لرزاں تھا' فوراً گھاس والے کے پاس پہنچا' اور اس سے اپنا کھوٹا سکہ واپس لے کر کھرا سکہ دیا۔ عام ضرر کی یہ دو مثالیں لکھی گئی ہیں ان پر ضرر کی دوسری قسموں کو قیاس کیا جاسکتا ہے۔

دوسری قسم:۔ خاص ضرر یہ وہ ضرر ہے جس کا نشانہ خاص طور پر صاحبِ معاملہ ہو' ضرر کی یہ قسم بھی ظلم ہے۔ عدل کا تقاضا یہ ہے کہ کوئی شخص اپنے مسلمان بھائی کو نقصان نہ پہنچائے۔ اس سلسلے میں یہ قاعدہ کلیہ یاد رکھنا چاہیے کہ اپنے بھائی کے لئے وہی بات پسند کرے جو خود اپنے لئے پسند ہو' اگر معاملہ کی کوئی نوعیت ایسی ہو کہ وہ اس معاملہ میں فریق ہوتا تو قلب پر گرانی ہوتی' اور یہ معاملہ کرنے کو دل نہ چاہتا تو ایسا معاملہ دوسرے کے ساتھ بھی نہ کرنا چاہیے۔ بلکہ اپنے اور دوسرے کے مال کو مساوی سمجھنا چاہیے۔ ایک عالم فرماتے ہیں کہ اگر کسی شخص نے اپنے بھائی کو ایک درہم میں کوئی چیز فروخت کی' اور وہ چیز ایسی ہے کہ اگر بیچنے والا اسے کسی سے خریدتا تو ایک درہم سے کم میں لینا پسند کرتا تو یہ سوءِ معاملہ ہے' اور خیر خواہی کے شرعی حکم کی خلاف ورزی ہے۔ عدل کا اجمال یہ ہے اس کی تفصیل ہم حسبِ ذیل چار عنوانات کے ضمن میں کرتے ہیں:۔

جھوٹی تعریف:۔ عدل کا اولین تقاضا یہ ہے کہ مبیع کے وہ اوصاف بیان نہ کرے جن سے وہ محروم ہے' اگر ایسا کیا تو یہ کذب بیانی ہوگی' مشتری کے قبول کرلینے کی صورت میں کذب کے ساتھ ساتھ تلبیس کا گناہ بھی بائع کی گردن پر ہوگا' دوسری صورت یہ ہے کہ بائع مشتری کے سامنے اپنے مبیع کے وہ اوصاف بیان کردے جو اس میں موجود ہیں' اس صورت میں یہ کلام لغو' لاحاصل اور بے فائدہ ہے۔ قیامت کے روز اسے ہر ہر لفظ کا حساب دینا ہے۔ اس لئے بلا ضرورت بولنے سے اجتناب کرنا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔

مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ إِلَّا لَدَيْهِ رَقِيبٌ عَتِيدٌ (پ۲۶ر۱۵ آیت ۱۷)

وہ کوئی لفظ منہ سے نکالنے نہیں پاتا مگر اس کے پاس ہی ایک تاک لگانے والا تیار ہے۔

ہاں اگر یہ خیال ہو کہ مشتری بتلائے بغیر ان اوصاف سے واقف نہ ہوسکے گا جو مبیع میں موجود ہیں تو بتلانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ مثلاً باندی غلام اور جانوروں وغیرہ کی بہت سی باتیں ایسی ہوسکتی ہیں جو ایک مرتبہ دیکھنے سے سمجھ میں نہیں آتیں' جب تک ان کی تفصیل نہ کی جائے۔ لیکن اس میں بھی شرط یہ ہے کہ کسی وصف کے بیان میں مبالغہ نہ کیا جائے۔ بلکہ بیان اوصاف کا مقصد یہ ہونا چاہیے کہ اس

کا مسلمان بھائی اپنی ضرورت کی چیز سے واقف ہونے کے بعد خریدے' اور فریب سے محفوظ رہے۔ کسی بات کو مؤکد کرنے کے لیے قسم بھی نہ کھائے کیونکہ اگر جھوٹی قسم کھائے گا تو یہ یمینِ غموس ہوگی اور یہ ان بدترین گناہوں میں سے ہے جن کے ارتکاب سے شہر کے شہر فنا ہوجاتے ہیں' اور اگر قسم سچی ہوئی تو اس کا گناہ ضرور ملے گا کہ اس نے دنیا کے معمولی مقاصد کے لئے باری تعالیٰ کے عظیم و کریم نام کا استعمال کرنے کی جسارت کی حدیث شریف میں ہے۔

ویل للتاجر من بلی واللہ! ولا واللہ' ویل للصانع من غد وبعد غد (۱)

ہلاکت ہے تاجر کے لئے ان کلمات سے "کیوں نہیں' اللہ کی قسم' نہیں اللہ کی قسم" اور ہلاکت ہے صانع کے لئے کل اور پرسوں پر کام کو ٹالنے سے۔

تجارت میں جھوٹی قسم کے متعلق ارشاد نبوی ہے:۔

الیمین الکاذبۃ منفقۃ للسلعۃ' ممحقۃ للبرکۃ (بخاری و مسلم' بیہقی۔ ابو ہریرہؓ)

جھوٹی قسم سامان تجارت کو رواج دینے والی ہے' اور کسبِ حلال کی برکت کو ختم کرنے والی ہے۔

حضرت ابو ہریرہؓ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد گرامی نقل فرماتے ہیں:۔

ثلاثۃ لا ینظر اللہ الیھم یوم القیامۃ عائل متکبر و منان بعطیتہ و منفق سلعتہ بیمینہ۔ (مسلم)

تین آدمی ایسے ہیں کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ان پر نگاہ کرم نہیں فرمائیں گے' متکبر عیال دار' دے کر احسان جتلانے والا اور اپنا سامان تجارت کو قسم کھا کر رواج دینے والا۔

قسم کے سلسلے میں شدّت پر اس پہلو سے بھی نظر کرنی چاہیے کہ شریعت نے بلا ضرورت مبیع کی تعریف کو بھی ناپسند کیا ہے۔ یونس ابن عبید ریشم کے تاجر تھے' کسی نے ان سے ریشم دکھلانے کے لیے کہا' خادم نے ریشم کے گولے لا کر رکھ دیئے' اور ان کو پھیلا کر یہ الفاظ کہے کہ "اے اللہ ہمیں جنت عطا کیجئے" ابن عبید نے خادم سے کہا کہ یہ مال اپنی جگہ رکھ آؤ' اور خریدار سے معذرت کردی۔ خوف یہ تھا کہیں یہ جملہ جو بطور دعا غلام کی زبان سے نکل گیا تھا مبیع کی تعریف کا کنایہ نہ ہو۔ یہ حضرت وہ تھے جنھوں نے دنیا میں تجارت بھی کی' اور دین کو ضائع ہونے سے بھی بچایا' وہ اس حقیقت پر ایمان رکھتے تھے کہ آخرت کا نفع دنیا کی منفعتوں کے مقابلے میں زیادہ بہتر' اور دائمی ہے۔

<u>عیوب کی پردہ پوشی:۔</u> مبیع کے عیوب کی پردہ پوشی بھی عدل کے تقاضوں کے منافی ہے۔ تمام چھوٹے بڑے عیوب سے خریدار کو آگاہ کرنا واجب ہے' اگر آگاہ نہ کیا تو ظالم اور دھوکے باز اور معاملات میں خیر خواہی کا تارک کہلائے گا حالانکہ دھوکا دینا حرام ہے' اور خیر خواہی واجب ہے۔ اگر یہ صورت اختیار کی کہ کپڑے کے اس وصف کا اظہار کیا جو دوسرے اوصاف کی بہ نسبت زیادہ وجہ ترجیح ہو سکتا ہے اور دوسرے اوصاف کی پردہ پوشی کی تو اسے بھی دھوکا بازی سمجھا جائے گا۔ اسی طرح اگر کپڑے وغیرہ نسبتاً" تاریک جگہ رکھ کر دکھلائے' یا جوتوں اور موزوں کے جوڑوں میں سے وہ جوتا یا موزہ دکھلا دیا جو دوسرے سے اچھی حالت میں ہو تو اسے بھی فریب کہا جائے گا۔ دھوکا بازی کی حرمت پر حسبِ ذیل روایت دلالت کرتی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک شخص کے پاس سے گذرے وہ غلّہ فروخت کر رہا تھا۔ آپ کو وہ غلہ پسند آیا' مگر ڈھیر کے اندر ہاتھ ڈال کر دیکھا تو وہ بھیگا ہوا ملا' دریافت فرمایا کہ یہ غلّہ اندر سے کیوں بھیگ رہا ہے؟ اس شخص نے عرض کیا کہ بارش سے بھیگ گیا۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ اگر ایسا تھا تو یہ بھیگا ہوا غلّہ اوپر کی طرف رکھتے' اس کے بعد ارشاد فرمایا:۔

من غشنا فلیس منا۔ (مسلم۔ ابو ہریرہؓ)

جو ہمیں دھوکا دے وہ ہم میں سے نہیں ہے۔

خیر خواہی کا وجوب اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جریرؓ سے اسلام کی اتباع کا عہد لیا اور وہ

---

(۱) اس کی اصل مجھے نہیں ملی البتہ مسند الفردوس میں اسی مضمون کی ایک روایت حضرت انسؓ سے بلا سند نقل کی گئی ہے۔

عہد سے فارغ ہو کر واپس ہونے لگے تو آپ نے ان کا کپڑا پکڑ کر اپنی طرف کھینچا' اور اس عہد کی تکمیل کے لیے یہ شرط بھی لگائی کہ ہر مسلمان کے لیے خیر خواہی اختیار کرنا۔ چنانچہ حضرت جریرؓ کا معمول یہ تھا کہ جب کوئی چیز فروخت کرتے تو خریدار کو اس کا ہر عیب بتلا دیتے' اس کے بعد اختیار دیتے کہ چاہے لو یا نہ لو۔ لوگوں نے ان سے کہا کہ اگر تم ایسا کرو گے تو یہ تجارت کیسے چلے گی۔ فرمایا کہ ہم نے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے دستِ مبارک پر یہ عہد کیا ہے کہ ہر مسلمان کے ساتھ خیر خواہی کا معاملہ کریں گے۔ واثلہ ابن الاسقع کسی جگہ کھڑے ہوئے تھے' ایک شخص اپنی اونٹنی فروخت کر رہا تھا' خریدار آیا' اونٹنی دیکھی' بائع کی بتلائی ہوئی قیمت تین سو درہم ادا کیے اور اونٹنی لے کر چل دیا' واثلہ اس دوران کسی اور خیال میں مستغرق تھے' انھیں بیع کی تفصیلات کا علم نہ تھا' جب انہوں نے یہ دیکھا کہ خریدار اونٹنی لے کر جا رہا ہے تو اس کے پیچھے دوڑتے ہوئے گئے' اور روک کر دریافت کیا کہ تم نے یہ اونٹنی گوشت کے لئے لی ہے یا سواری کے لیے؟ اس شخص نے بتلایا کہ میں نے سواری کے لیے یہ جانور خریدا ہے۔ واثلہ نے کہا کہ اس صورت میں یہ اونٹنی گراں قیمت ہے' میں نے اس کے پاؤں میں زخم دیکھا ہے' شاید سفر میں یہ تمہارا مسلسل ساتھ نہ دے سکے' خریدار واپس آیا' بائع کو سو درہم کم کرنے پڑے' جب خریدار چلا گیا تو بائع نے واثلہ سے کہا کہ تم نے میرا نقصان کرا دیا ہے۔ فرمایا کہ ہم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دستِ مبارک پر یہ عہد کیا تھا کہ ہم ہر مسلمان کے ساتھ خیر خواہی کریں گے۔ اس کے بعد آپ نے یہ حدیث بیان فرمائی:۔

لا یحل لاحد یبیع بیعا الا ان یبین آفتہ ولا یحل لمن یعلم ذلک الا بینہ۔ (حاکم' بیہقی)

کسی شخص کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ کوئی چیز اس کا عیب بتلائے بغیر فروخت کرے' اور نہ اس شخص کے لیے جو اس عیب سے واقف ہو خاموش رہنا جائز ہے۔

اکابرین سلف نے ان روایات و احادیث سے یہی بات سمجھی تھی کہ مسلمانوں کے ساتھ خیر خواہی کرنی چاہیے اور خیر خواہی یہ ہے کہ جو چیز اپنے لیے پسند کرے وہی دوسروں کے لیے بھی پسند کرے' اور جو چیز اپنے لیے ناپسند کرے وہی دوسروں کے لیے بھی ناپسند کرے۔ ان حضرات کے نزدیک خیر خواہی کو فضائل کی حیثیت حاصل نہیں تھی' اور نہ وہ یہ سمجھتے تھے کہ یہ رفعت مقام کی ایک منزل ہے' بلکہ ان کا خیال یہ تھا کہ اسلام کی دیگر شرائط کی طرح خیر خواہی بھی ایک شرط ہے۔ اسی لیے تو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے خیر خواہی پر بھی بیعت لی تھی۔ کیونکہ خیر خواہی کے تمام تقاضوں سے انصاف کرنا ہر ایک کے بس کی بات نہیں اس لیے اکابرین سلف عموماً گوشہ نشینی کو ترجیح دیا کرتے تھے۔ لوگوں میں مل جل کر' ان کے ساتھ معاملہ کرتے ہوئے باری تعالیٰ کے حقوق کی ادائیگی ایک زبردست مجاہدہ ہے' اس ذمہ داری سے وہی لوگ بریُ الذمہ ہو سکتے ہیں' جو صدیقین کے عظیم مرتبے پر فائز ہیں۔ خیر خواہی کے فریضے کی ادائیگی کے لیے یہ ضروری ہے کہ انسان ان دو حقیقتوں کا یقین رکھے' ایک یہ کہ عیوب کی پردہ پوشی کرکے کوئی چیز فروخت کرنے سے رزق میں اضافہ نہیں ہوگا۔ بلکہ اس کی برکت ختم ہو جائے گی' اور فریب دہی کے یہ چھوٹے چھوٹے واقعات ایک روز تمام جمع پونجی پر پانی پھیر دیں گے۔

ایک گوالے کا واقعہ ہے کہ وہ اپنی گائے کے دودھ میں پانی ملا کر بیچا کرتا تھا۔ ایک مرتبہ سیلاب آیا اور گائے بہہ گئی' گوالے کے لڑکے نے کہا کہ وہ متفرق پانی جو ہم دودھ میں ملایا کرتے تھے سیلاب کی صورت اختیار کر گیا اور ہمارا سرمایہ حیات بہا کر لے گیا۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:۔

البیعان اذا صدقا و نصحا بورک لہما فی بیعہما و اذا کتما و کذبا نزعت برکۃ بیعہما۔ (بخاری و مسلم۔ حکیم ابن حزامؓ)

جب بائع اور مشتری سچ بولتے ہیں' اور ایک دوسرے کی خیر خواہی کرتے ہیں تو انہیں ان کی بیع میں برکت عطا کی جاتی ہے' اور جب جھوٹ بولتے ہیں' اور عیوب چھپاتے ہیں تو برکت سلب کرلی جاتی ہے۔

ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں:۔

ید اللہ علی الشریکین مالم یتخاونا فاذا تخاونا رفع یدہ عنہما۔ (ابوداؤد' حاکم۔ ابوہریرہؓ)

اللہ تعالیٰ کا ہاتھ دونوں شریکوں پر ہے جب تک وہ آپس میں خیانت نہ کریں اور جب وہ خیانت کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان پر سے اپنا ہاتھ اٹھالیتا ہے۔

یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ جس طرح زکوٰۃ اور صدقات کی ادائیگی سے مال کم نہیں ہوتا اسی طرح خیانت اور کذب بیانی سے مال نہیں بڑھتا۔ جو لوگ کمی اور زیادتی کو وزن کی کمی یا زیادتی کے معیار سے سمجھتے ہیں وہ اس حدیث کی تصدیق نہیں کریں گے۔ لیکن وہ لوگ اس کا یقیناً "اعتراف کریں گے جو اس حقیقت سے واقف ہیں کہ بعض اوقات ایک درہم انسانی زندگی کی سعادت اور خوشحالی کا ذریعہ بن جاتا ہے' اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ لاکھوں اور کروڑں کی دولت بھی مالک کو تباہی کے راستے پر چلنے سے نہیں روک پاتی' حتیٰ کہ وہ یہ تمنا کرنے لگتا ہے کہ کاش میرے پاس یہ سرمایہ نہ ہوتا' اور میں غربت کی زندگی کا لطف اٹھاتا۔ دوسری حقیقت یہ ہے کہ دنیا کا نفع آخرت کے نفع کے مقابلے میں نہایت معمولی اور بیحد ناپائیدار ہے۔ دنیا کی دولت کے تمام تر فائدے موت کے وقت تمام ہو جاتے ہیں۔ مرنے کے بعد آدمی اپنی کروڑوں کی دولت سے فائدہ اٹھانے کا اہل نہیں رہتا۔ البتہ دولت کے تمام تاریک گوشے' دولت کے ذریعہ کمائے ہوئے تمام گناہ موت کے بعد بھی ان کی رفاقت کا فرض انجام دیتے ہیں۔ اس صورت میں کون عقلمند یہ چاہے گا کہ وہ ادنیٰ چیز کے عوض اعلیٰ چیز فروخت کردے۔ دین کی سلامتی بہرحال اعلیٰ وارفع چیز ہے۔ آخرت کو ترجیح نہ دینے سے یہ سلامتی باقی نہیں رہتی۔ چنانچہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:۔

لا تزال لا الہ الا اللہ تدفع عن الخلق سخط اللہ مالم یوثر واصفقة دنیاہم علی اخراھم (ابو یعلیٰ' بیہقی۔ انسؓ)

کلمہ لا الہ الا اللہ مخلوق سے باری تعالیٰ کا غضب دور کرتا ہے' تاوقتیکہ وہ لوگ دنیا کے معاملات کو آخرت پر ترجیح نہ دیں۔

روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ جب تک وہ یہ فکر نہ کریں کہ دین کی سلامتی کے عوض میں ان کی دنیا سے کیا کم ہوا ہے' اور جب وہ لوگ ایسا کرتے ہیں اور لا الہ الا اللہ کہتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:۔

کذبتم لستم بھا صادقین۔ (حکیم ترمذی فی النوادر۔ انسؓ)

تم نے جھوٹ بولا ہے' تم یہ کلمہ کہنے میں سچے نہیں ہو۔

ایک مرتبہ ارشاد فرمایا:۔

من قال لا الہ الا اللہ مخلصا دخل الجنة قیل وما اخلاصھا قال تحجزہ عما حرم اللہ۔ (طبرانی کبیر۔ زید ابن ارقمؓ)

جو شخص اخلاص کے ساتھ لا الہ الا اللہ کہے وہ جنت میں داخل ہوگا' عرض کیا گیا' کلمہ کو اخلاص کے ساتھ ادا کرنے کا کیا مطلب ہے' فرمایا اخلاص یہ ہے کہ کلمہ اللہ کی حرام کردہ چیزوں سے اسے روکے۔

ایک حدیث میں یہ الفاظ ہیں:۔

ما امن بالقرآن من استحل محارمہ

جو شخص محرّمات کو حلال سمجھے وہ قرآن کریم پر ایمان نہیں رکھتا۔

جو شخص ان حقائق پر نظر رکھے گا اور یہ جان لے گا کہ خیانت' فریب اور کذب بیانی وغیرہ امور ایمان کو مجروح کرتے ہیں اور یہ کہ ایمان آخرت کی تجارت کے لیے راس المال کی حیثیت رکھتا ہے وہ یقیناً "اپنی چند روزہ زندگی کے لیے اپنا قیمتی سرمایہ ضائع کرنا پسند نہیں کرے گا۔ ایک تابعی کہتے ہیں کہ اگر میں جامع مسجد داخل ہوں' اور وہاں عبادت گذاروں کا ہجوم دیکھوں' اور لوگ مجھ سے یہ دریافت کریں کہ ان میں بزرگ تر کون ہے تو میں یہ کہوں گا کہ ان میں سب سے بہتر وہ شخص ہے جو خیر خواہی میں سب سے آگے ہو' اب اگر لوگ کسی خاص شخص کی طرف اشارہ کرکے یہ کہیں کہ فلاں شخص زیادہ خیر خواہی کا ثبوت دیتا ہے تو میں کہوں گا یہی شخص سب سے اچھا

ہے اسی طرح اگر لوگ مجھ سے بدترین شخص کے متعلق استفسار کریں تو میں جواب دوں گا کہ بدترین شخص وہ ہے جو لوگوں کو فریب دے۔ اگر کسی شخص نے بتلایا کہ فلاں شخص میں فریب دینے کی عادت ہے میں کہوں گا یہی بدترین شخص ہے فریب ہر معاملہ میں حرام ہے خرید و فروخت میں بھی اور کاریگری میں بھی کاریگر کو چاہیے کہ وہ اپنے کام میں زیادہ سے زیادہ حسن اور پائداری پیدا کرے اگر اس کی بنائی ہوئی چیز میں کوئی کمی یا خامی رہ گئی ہو تو اسے صاف صاف بیان کردے' چھپانے کی کوشش نہ کرے اس طرح آخرت کے مؤاخذہ سے محفوظ رہے گا ایک موچی نے ابن سالم سے پوچھا کہ میں نے جوتوں میں بیع سلم کی ہے' آپ بتلائیے کہ میں کیسے جوتے بنا کر دوں فرمایا کہ جوتے کے دونوں جانب برابر بنانا' ایک جوتے کو دوسرے جوتے پر ترجیح مت دینا اندرونی حصہ جس چیز سے بھرو وہ صحیح و سالم ہو' ٹکڑے ٹکڑے نہ ہو سیون قریب قریب رکھنا۔ اسی طرح کا ایک سوال کسی شخص نے حضرت امام احمد ابن حنبلؒ سے کیا تھا کہ ایک کپڑے میں رفو نظر نہیں آتا' اس کی بیع کیسی ہے' فرمایا بائع کے لئے چھپانا جائز نہیں ہے ہاں اگر وہ یہ سمجھے کہ دوسرا شخص خریدنے کے لئے نہیں بلکہ رفو دیکھنے کے لئے کپڑا طلب کررہا ہے تو اظہار کی ضرورت نہیں ہے۔

یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ عیوب کے اظہار سے تجارت نہیں چل سکتی اور آپ اسے واجب کہتے ہیں؟ کیونکہ بائع کو چاہیے کہ وہ اچھا مال رکھے' اگر بالاتفاق کوئی چیز خراب ہوجائے تو اسے اپنے استعمال کے لئے رکھ لے یا عیب ظاہر کرکے کم نفع پر فروخت کردے کم پر قناعت بڑی چیز ہے اللہ تعالیٰ اس میں برکت دیں گے نفع حاصل کرنے کے لئے دھوکا دینے کی ضرورت نہیں ہوگی عیوب کا اظہار اس لئے دشوار ہے کہ لوگ کم پر قناعت نہیں کرنا چاہتے اور زیادہ فریب کے بغیر نہیں ملتا۔ ابن سیرین نے ایک بکری فروخت کی اور خریدنے والے سے کہہ دیا کہ اس میں ایک عیب ہے اور وہ یہ کہ پاؤں سے چارہ کا برتن الٹا کردیتی ہے حسن ابن صالح نے اپنی ایک باندی فروخت کی' اور مشتری سے بتلایا کہ ایک بار اس جاریہ کی ناک سے خون نکلا تھا بہرحال دیندار لوگوں کے یہ معاملات تھے' جو شخص ان کے اسوہ پر چلنے کی قدرت نہ رکھتا ہو اسے معاملات ہی نہ کرنے چاہیے' اور معاملات کرے تو اسے آخرت کے عذاب کے لئے تیار رہنا چاہیے۔

<u>مقدار چھپانا:</u۔ مقدار چھپانا بھی بڑا عیب ہے مقدار اچھی طرح تولنے' اور وزن میں احتیاط کرنے سے ظاہر ہوتی ہے۔ بائع کو چاہیے کہ وہ اپنے خریدار کو اسی طرح ٹھیک ٹھیک تول کردے' جس طرح کسی سے لے۔ خداوند قدوس نے قرآن کریم میں ارشاد فرمایا ہے:۔

وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِيْنَ الَّذِيْنَ اِذَا اكْتَالُوْا عَلَى النَّاسِ يَسْتَوْفُوْنَ وَاِذَا كَالُوْهُمْ اَوْ وَّزَنُوْهُمْ يُخْسِرُوْنَ (پ۳۰ر۷ آیت۱)

بڑی خرابی ہے ناپ تول میں کمی کرنے والوں کی کہ جب لوگوں سے (اپنا حق) ناپ کرلیں تو پورا لیں اور جب ان کو ناپ کریا تول کردیں تو گھٹا کردیں

احتیاط کی صورت یہی ہے کہ خود کم لے اور دوسرے کو زیادہ دے اس لئے کہ ٹھیک برابری بہت کم مقصود ہوتی ہے پورا حق حاصل کرنے میں اندیشہ یہ ہے کہ فریق ثانی کے حصے میں کم نہ چلا جائے۔ مذکورہ بالا تدبیر ہی سے اس اندیشے کا خاتمہ ممکن ہے۔ ایک بزرگ فرمایا کرتے تھے کہ میں ایک رتی کے عوض ہلاکت کیوں خریدوں چنانچہ جب وہ کسی سے کوئی چیز لیتے تو آدھی رتی کم لیتے' اور کسی کو دیتے تو ایک رتی زیادہ دیتے' یہ بھی فرماتے کہ اس شخص کی ہلاکت میں کیا شبہ ہے جو ایک رتی کے عوض میں جنت فروخت کردے جس کی چوڑائی آسمانوں اور زمین کے برابر ہے' وہ شخص کتنے زبردست نقصان سے دوچار ہے جو طوبیٰ بیچ کر ہلاکت خریدے۔ یہ بزرگان دین اس طرح کے معاملات میں احتیاط اس لئے بھی کرتے تھے کہ ذرا سی بے احتیاطی بھی لوگوں کی حق تلفی ہے اور حق تلفی ان گناہوں میں سے ہے جن کی توبہ قبول نہیں ہوتی اس کا امکان بھی کم ہے کہ ان لوگوں سے معافی مانگ لی جائے جن کی حق تلفی کی ہو۔ کیونکہ دکاندار جب حق تلفی پر آمادہ ہوتا ہے تو وہ یہ نہیں دیکھتا کہ اس کی زد میں کون کون لوگ ہیں' اب کس کس سے معافی مانگنے جائے گا۔ سرور کائنات حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک چیز خریدی' اور قیمت وزن کرنے والے سے فرمایا کہ جھکتا ہوا تولنا (اصحاب سنن' حاکم۔ سوید ابن قیس)۔ فضیل ابن عیاض نے اپنے صاحبزادے کو دیکھا کہ وہ ایک دینار دھو رہے ہیں معلوم کرنے پر انہوں نے بتلایا کہ میں اسے بھنانا چاہتا ہوں' دھونے

کی ضرورت اس لئے پیش آئی تاکہ میل کچیل کی وجہ سے دینار کا وزن زیادہ نہ ہو۔ فضیل نے فرمایا: بیٹے! تمہارا یہ عمل دو حج اور بیس عمروں سے افضل ہے۔ ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ مجھے حیرت ہوتی ہے کہ تاجر کی نجات کیسے ہوگی یہ شخص تولتا ہے' دن کو قسمیں کھاتا ہے' رات کو نیند کے مزے لوٹتا ہے حضرت سلیمان علیہ السلام نے اپنے بیٹے سے فرمایا کہ جس طرح دو پتھروں کے درمیان دانہ گھس جاتا ہے اسی طرح دو خرید و فروخت کرنے والوں کے درمیان برائی بھی اپنی جگہ بنالیتی ہے ایک بزرگ نے کسی مخنث کی نماز جنازہ پڑھائی لوگوں نے عرض کیا کہ یہ شخص بدکار تھا۔ فرمایا: کیا تمہارا مقصد یہ ہے کہ اس شخص کے پاس دو ترازوئیں یا دو باٹ تھے کہ ایک سے لیتا تھا دوسرے سے دیتا تھا مطلب یہ ہے کہ اگر وہ ایسا تھا تب تو واقعی اس کی بدکاری میں کوئی شبہ نہیں ہے' اور اس کا تعلق بندوں کے حقوق سے ہے، جس کا معاف ہونا مشکل ہے ہاں اگر وہ اللہ کے حقوق تلف کرتا تھا تو یہ اس کا اور اس کے معبود کا معاملہ ہے وہ خود نمٹ لے گا۔ حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ نے سورہ رحمٰن کی ایک آیت محذوفات نکال کر اس طرح پڑھی ہے۔

لَا تَطْغَوْا فِي الْمِيزَانِ وَأَقِيمُوا الْوَزْنَ بِاللِّسَانِ وَلَا تُخْسِرُوا الْمِيزَانَ

ترازو میں زیادتی مت کرو' اور وزن کو زبان سے برابر کرو' اور تولنے میں کمی مت کرو۔

مطلب یہ ہے کہ ترازو کے زبانہ کو سیدھا رکھو کہ تولنے میں کمی بیشی زبانہ کے ادھر ادھر ہو جانے سے ہو جاتی ہے۔ بہرحال وہ شخص جو اپنا حق پوری طرح وصول کرے چاہے وہ ایک کلمہ ہی کیوں نہ ہو اور دوسرے کا حق اس طرح ادا نہ کرے تو وہ ان آیات کے مضمون میں داخل ہے (وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِينَ الخ) اگرچہ ان آیات میں کیل اور وزن میں کمی بیشی کرنے والوں کا ذکر ہے مگر اس کا تعلق تمام اعمال سے ہے' کسی بھی کام میں عدل و انصاف کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑنا چاہیے۔ جو شخص اپنے قول و فعل میں انصاف کے تقاضوں کو پامال کرے گا اس کے لئے ویل ضرور ہوگا۔ اگر عدل دشوار اور محال نہ ہوتا تو باری تعالیٰ یہ نہ فرماتے۔

وَإِن مِّنكُمْ إِلَّا وَارِدُهَا كَانَ عَلَىٰ رَبِّكَ حَتْمًا مَّقْضِيًّا (پ۱۶ر۸ آیت ۷۱)

اور تم میں سے کوئی بھی نہیں جس کا اس پر سے گذر نہ ہو یہ آپ کے رب کے اعتبار سے (بطور) لازم (کے) ہے جو (ضرور) پورا ہوگا۔

اس سے معلوم ہوا کہ کسی بھی شخص میں حقیقی استقامت نہیں پائی جاتی۔ یہی وجہ ہے کہ سب لوگ اپنی اپنی ناانصافیوں کے بقدر دوزخ میں ٹھہریں گے۔ بعض لوگ صرف اس قدر ٹھہریں گے کہ باری تعالیٰ کی قسم پوری ہو جائے' اور بعض لوگ ہزاروں برس رہیں گے ہم خداوند کریم سے دعا کرتے ہیں کہ وہ ہمیں استقامت سے قریب کردے۔ کیونکہ ٹھیک صراطِ مستقیم کی طمع نہ کرنی چاہیے یہ صراطِ مستقیم بال سے زیادہ باریک اور تلوار سے زیادہ تیز ہے۔ اور جہنم کی پشت پر بنی ہوئی ہے۔ جو شخص دنیا میں صراطِ مستقیم سے جتنا قریب ہوگا' اسی قدر قیامت کے دن صراط مستقیم پر چلنے میں سہولت ہوگی۔

جو شخص غلے میں مٹی یا کنکری وغیرہ ملا کر فروخت کرے گا وہ مُطَفِّفِين فی الکیل (کم تولنے والوں) میں شمار ہوگا۔ اگر قصائی نے معمول کے برخلاف گوشت میں ہڈیاں زیادہ تولیں' تو وہ بھی کم تولنے والا ہے' اسی پر باقی امور قیاس کئے جاسکتے ہیں۔ چنانچہ جب بزاز کپڑا خریدتا ہے تو ناپتے ہوئے کپڑے کو ڈھیلا چھوڑ دیتا ہے' اور جب فروخت کرتا ہے تو خوب کھینچ کر پیمائش کرتا ہے' یہ بھی تطفیف ہے' اور ایسے تمام لوگ ویل کی وعید میں داخل ہیں۔

بازار کا نرخ چھپانا:- بائع کو چاہیے کہ وہ بازار کا نرخ نہ چھپائے' بلکہ سچ سچ بیان کردے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تلقی رُکبان اور نجش سے منع فرمایا ہے۔ تلقی رکبان یہ ہے کہ جب کوئی قافلہ باہر سے مال لے کر آئے تو لوگ باہر نکل کر خرید و فروخت شروع کردیں' اور شہر کے نرخ کے سلسلے میں غلط بیانی سے کام لیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تلقی رکبان کے سلسلے میں ارشاد فرمایا:-

لا تتلقوا الركبان ومن تلقاها فصاحب السلعة بالخيار بعد ان يقدم السوق

(بخاری و مسلم۔ ابو ہریرہؓ)

قافلوں سے باہر جاکر مت خریدو' اور جو شخص ایسا کرے تو مال والے کو بازار میں آنے کے بعد بیع فسخ کرنے کا اختیار ہوگا۔
حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ بیع ہو جائے گی' لیکن اگر لینے والے نے نرخ کے معاملے میں کذب بیانی کی تھی اور مال والے کو بازار میں آنے کے بعد اس کا علم ہوا تو یہ بیع فسخ ہو سکتی ہے' بائع کو اس کے سلسلے میں فقہاء کا اختلاف ہے۔ بعض علماء حدیث کے عموم کے پیش نظر اختیار کے حق میں ہیں اور بعض دوسرے اس کے حق میں نہیں ہیں کیونکہ بائع کو بظاہر کوئی دھوکا نہیں دیا گیا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بدوی کے لئے شہری کی بیع سے بھی منع فرمایا ہے (۱) اس کی صورت یہ ہے کہ گاؤں کا کوئی شخص اپنا مال تجارت لے کر شہر میں آئے' اس کی خواہش یہ ہو کہ وہ اپنا مال جلد از جلد فروخت کردے شہر کا کوئی تاجر اسے بازار نہ جانے دے اور یہ کہے کہ مال اپنے یہاں رکھوالے کہ بازار میں تیزی آجانے کے بعد میں تمہارا مال اچھی قیمت پر بکوادوں گا۔ غذائی اجناس کے سلسلے میں ایسا کرنا حرام ہے' دوسری چیزوں میں اختلاف کیا جاتا ہے۔ بظاہر ان میں بھی حرمت ہی ہونی چاہیے کیونکہ نہی عام ہے شہری کے اس عمل سے لوگوں کو تنگی ہوتی ہے صاحب مال کا مال بھی دیر میں نکلتا ہے' اور خود اسے کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بخش سے بھی منع فرمایا ہے (بخاری و مسلم۔ ابن عمرؓ' ابو ہریرہؓ) بخش یہ ہے کہ کوئی شخص کسی چیز کی قیمت زیادہ لگادے' حالانکہ اس کی نیت خریدنے کی نہ ہو' وہ قیمت اس لئے زیادہ لگاتا ہے تاکہ خریدار اس میں زیادہ دلچسپی لیں۔ اگر اس شخص نے از خود ایسا کیا ہے تو یہ فعل حرام ہے۔ اور اگر بائع کی سازش سے کیا ہے تو حرمت اس صورت میں بھی ہے بیع بھی منعقد ہو جاتی ہے لیکن مشتری کو خیار ملتا ہے۔ بعض علماء نے اس سے اختلاف بھی کیا ہے۔ بہتر یہی ہے کہ مشتری کو خیار حاصل ہو کیونکہ یہ بھی ایک طرح کا دھوکا ہے۔
ان روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ بائع اور مشتری سے بازار کا وہ نرخ چھپانا کہ اگر انھیں معلوم ہو تو ہرگز معاملہ نہ کریں ناجائز اور حرام ہے' اور مسلمانوں کے ساتھ خیر خواہی کے منافی ہے' بصرہ کے ایک تابعی تاجر کا قصہ ہے کہ وہ اپنے غلام کے پاس شکر خرید کر بھیج دیتے تھے غلام سُوس میں رہائش پذیر تھا' ایک مرتبہ اس نے لکھا کہ اس سال گنے پر آفت آنے والی ہے آپ زیادہ سے زیادہ چینی خرید لیں' انھوں نے غلام کے کہنے پر کافی چینی خرید لی' جب فروخت کا وقت آیا تو تیس ہزار درہم کا نفع ہوا۔ نفع لے کر گھر واپس آئے تو رات بھر مضطرب اور بے قرار رہے' اور یہ سوچتے رہے کہ میں نے تیس ہزار درہم کمالئے ہیں لیکن ایک مسلمان کے ساتھ خیر خواہی نہ کرنے کا گناہ بھی کمالیا ہے۔ جب صبح ہوئی تو اس شخص کے پاس گئے جس سے شکر خریدی تھی اسے دس ہزار درہم دئے اور کہا کہ اللہ تمہیں اس مال میں برکت عطا کرے بائع نے کہا کہ آپ یہ رقم مجھے کیوں دے رہے ہیں' یہ میری نہیں ہے۔ انھوں نے جواب دیا کہ میں نے تم سے حقیقت چھپائی تھی جس وقت تم نے میرے ہاتھ شکر فروخت کی اس کے دام بڑھ چکے تھے' لیکن میں نے تمہیں بتلائے بغیر یہ شکر خرید لی' اب میں اپنی حرکت پر نادم ہوں' اور تمہیں یہ درہم دینے آیا ہوں اس شخص نے عرض کیا کہ اللہ آپ پر رحم فرمائے' مجھے آپ نے اب بتلایا ہے۔ خیر میں بطیب خاطر یہ رقم آپ کو دیتا ہوں' بائع کے اصرار پر رقم لے کر واپس چلے آئے' لیکن رات بھر پریشان اور متفکر رہے اور یہ خیال ستاتا رہا کہ کہیں بائع نے شرم کی وجہ سے تو رقم نہیں لی صبح کو پھر اس کے پاس گئے اور اسے رقم لینے کے لئے مجبور کیا' اور کہا کہ میری دلی خواہش یہی ہے کہ تم یہ رقم لے لو۔ ان واقعات سے پتہ چلتا ہے کہ مسلمان کو موقع کی تلاش میں نہیں رہنا چاہیے اور نہ صاحبِ مال کی غفلت سے فائدہ اٹھانا چاہیے کہ بائع کو قیمتوں کے اضافے سے اور مشتری کو کمی سے مطلع نہ کرے۔ اگر ایسا کیا تو یہ عدل کے خلاف بھی ہوگا' اور مسلمانوں کے ساتھ بدخواہی کے مرادف ہوگا مسلمان تاجر کو چاہیے کہ اگر وہ کوئی چیز نفع پر فروخت کرے تو مشتری کو خرید کردہ قیمت سے آگاہ کردے' نیز اگر عقد کے بعد مبیع میں کوئی عیب یا نقص پیدا ہو گیا ہو تو اسے بھی بیان کردے۔ ادھار خریدنے کی صورت میں یہ بھی بتلادے کہ میں نے یہ چیز ادھار خریدی ہے۔ اگر اس نے اپنے کسی دوست یا عزیز رشتہ دار سے محض ان کے تعلق کی بنا پر کوئی چیز زیادہ قیمت پر خریدلی ہو تو یہ بات بھی بتلادے۔ اس لئے کہ مشتری بائع پر اعتماد کرکے آتا ہے اور وہ سمجھتا ہے کہ جس سے میں معاملہ کررہا ہوں اس نے اس چیز کے خریدنے میں کوئی کوتاہی نہیں کی ہوگی۔ اس لئے وہ خریدنے کے وقت زیادہ چھان بین سے کام نہیں لیتا۔

---

(۱) بخاری و مسلم۔ ابن عباسؓ' ابو ہریرہؓ' انسؓ

بائع کو چاہیے کہ وہ اپنا اعتماد مجروح نہ ہونے دے اور اسے بتلادے کہ مبیع میں فلاں عیب ہے۔

چوتھا باب

معاملات میں احسان

اللہ تعالیٰ نے عدل کے ساتھ احسان کا حکم بھی دیا ہے۔

اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ (پ ۱۴ر ۱۹ آیت ۹۰)

بیشک اللہ تعالیٰ اعتدال اور احسان کا حکم فرماتے ہیں۔

عدل محض نجات کا ذریعہ ہے ترقی درجات کا وسیلہ نہیں ہے' جس طرح تجارت میں نفع نہ ہو' راسُ المال محفوظ رہ جائے' اسی طرح عدل سے راس المال (ایمان) ضائع نہیں ہوتا' البتہ نفع بھی ہاتھ نہیں لگتا' احسان آخرت کا نفع ہے دنیا کے معاملات میں اگر کوئی شخص راس المال کی حفاظت پر قناعت کرے اور نفع نہ کمائے تو وہ شخص عقلمند شمار نہیں کیا جاتا۔ یہی آخرت کا حال ہے کوئی شخص نفع یعنی اخروی سعادت حاصل کئے بغیر اپنا اصل سرمایہ بچالے جائے تو یہی کہا جائے گا کہ اس نے نادانی کا ثبوت دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے احسان کے سلسلے میں ارشاد فرمایا ہے۔

احسن کما احسن اللّٰہ الیک (پ ۲ر ۱۱ آیت ۲۶)

جس طرح خدا تعالیٰ نے تیرے ساتھ احسان کیا ہے تو بھی (بندوں کے ساتھ) احسان کیا کر۔

اِنَّ رَحْمَتَ اللّٰہِ قَرِیْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِیْنَ (پ ۸ر ۱۴ آیت ۵۵)

بیشک اللہ تعالیٰ کی رحمت نزدیک ہے نیک کام (احسان) کرنے والوں سے۔

احسان سے ہماری مراد یہ ہے کہ انسان وہ کام کرے جس سے معاملہ کرنے والے کو نفع ہو' ایسا کرنا اس پر واجب نہیں ہے' لیکن اگر کرے تو یہ اس کے حسنِ سلوک کا مظہر ہوگا' احسان استحباب کی درجے میں ہے' جب کہ عدل اور ترکِ ظلم کا تعلق واجبات سے ہے۔ حسب ذیل چھ امور میں سے کسی ایک امر پر عمل کرنے سے احسان کا درجہ حاصل ہوجاتا ہے۔

زیادہ نفع لینے سے گریز:۔ پہلا امر یہ ہے کہ کسی کو اتنا نقصان نہ پہنچائے جو عادتاً نہ پہنچایا جاتا ہو تھوڑا بہت نقصان پہنچانے کی اجازت ہے کیونکہ تجارت بہرحال نفع کے لئے ہوتی ہے۔ اور نفع لینے میں مشتری کا کچھ نہ کچھ نقصان ضرور ہوگا۔ لیکن نفع زیادہ نہ ہونا چاہیے۔ اور نفع کی زیادتی وہ ہے عادتاً جس کا معمول نہ ہو۔ مشتری جب کسی چیز کو زیادہ نفع پر خریدتا ہے تو وہ دو حال سے خالی نہیں ہوتا' یا تو اسے اس چیز کی خواہش زیادہ ہوتی ہے یا ضرورت زیادہ ہوتی ہے ان دونوں صورتوں میں بائع جانتا ہے کہ مشتری اس کی بتلائی ہوئی قیمت پر ہر حالت میں خریدنے کی کوشش کرے گا۔ اب اگر بائع اسے کم قیمت بتلائے' اور اپنے نفع کی زیادتی کے بجائے اس کی خواہش یا ضرورت کی رعایت کرے تو یہ احسان ہے۔ بعض علماء کی رائے ہے کہ تہائی قیمت سے زائد نفع لینے کی صورت میں مشتری کو معاملہ فسخ کرنے کی اجازت ہوگی۔ لیکن ہم اس رائے سے اختلاف رکھتے ہیں' ہمارا نقطہ نظر یہ ہے کہ زیادہ نفع لینا ظلم نہیں ہے' لیکن کم نفع لینا احسان ہے۔

یونس ابن عبید کی دکان میں مختلف قسم کی پوشاکیں برائے فروخت رہا کرتی تھیں' بعض کی قیمت دو سو درہم تھی' اور بعض کی چار سو درہم۔ ایک مرتبہ وہ اپنے بھتیجے کو دکان پر بٹھا کر نماز کے لئے چلے گئے' ایک اعرابی آیا' اور اس نے چار سو درہم کی پوشاک طلب کی' لڑکے نے چار سو کی بجائے دو سو درہم والی پوشاک دکھلائی' اعرابی نے خوشی خوشی قیمت ادا کی' اور پوشاک لے کر چلا گیا یونس ابن عبید نماز پڑھ کر واپس آرہے تھے' اعرابی کے ہاتھ میں پوشاک دیکھی تو سمجھ گئے کہ وہ اس کی دکان سے آرہا ہے۔ قیمت معلوم کی۔ اس نے بتلایا کہ میں یہ پوشاک چار سو درہم میں خرید کرلا رہا ہوں' یونس ابن عبید نے کہا کہ اس کی قیمت دو سو درہم سے زیادہ نہیں ہے۔ اس لئے تم واپس جاؤ اور اپنے دو سو درہم وصول کرو۔ اعرابی نے کہا اول تو یہ پوشاک ہمارے شہر میں پانچ سو درہم سے کم کی نہیں ملتی' دوسری بات یہ کہ میں اس

قیمت پر راضی ہوں، یونس نے کہا بھائی بحث نہ کرو۔ میں تمہاری بھلائی کے لئے کہہ رہا ہوں دین میں خیر خواہی دنیا و مافیہا سے بہتر ہے۔ بالآخر اس کو دکان پر واپس لے گئے، اور دو سو درہم واپس کئے، بعد میں اپنے بھتیجے کو ڈانٹا کہ تمہیں شرم نہیں آئی اتنا زیادہ نفع لیتے ہوئے تم نے اللہ کا خوف محسوس نہیں کیا۔ لڑکے نے کہا: چچا جان! اس نے یہ قیمت اپنی مرضی سے دی ہے، میں نے جبر نہیں کیا تھا۔ یونس نے جواب دیا: اس کے باوجود تمہیں خیر خواہی کرنی تھی، تمہیں اس کے ساتھ وہی سلوک کرنا چاہیے تھا جو تم خود اپنے لئے پسند کرتے ہو۔ اگر یہ چار سو درہم پوشاک کی اصل قیمت چھپا کر لئے جاتے تو یہ ظلم ہوتا۔ ہم اس ظلم کے متعلق پچھلے صفحات میں تفصیلی گفتگو کر چکے ہیں۔
ایک حدیث میں ہے:

غبن المسترسل حرام (طبرانی۔ ابو امامہؓ، بیہقی۔ جابرؓ)
جو شخص تم پر اعتماد کرے اسے دھوکا دینا حرام ہے

مطلب یہی ہے کہ کوئی شخص تم سے کوئی چیز خریدے، اور اسے پورا اعتماد ہو کہ اس دکان پر میں دھوکا نہیں کھاؤں گا، بلکہ مجھے میری مطلوبہ چیز صحیح قیمت پر ملے گی تو اس کے اعتماد کو مجروح کرنا بدترین گناہ ہے۔ زبیر ابن عدیؒ کہتے ہیں کہ میں نے اٹھارہ صحابہؓ ایسے دیکھے ہیں جن کے لئے اپنی سادہ لوحی کی وجہ سے ایک درہم کا گوشت خریدنا بھی مشکل تھا۔ ایسے معصوم اور سیدھے سادے لوگوں کو دھوکا دینا بہرحال ظلم ہے۔ اگر دھوکا نہ ہو تو یہ عدل ہے، لیکن احسان نہیں ہے۔ احسان کا صحیح سبق حضرت سری سقطیؒ کے واقعے سے ملتا ہے کہ انھوں نے ساٹھ دینار میں بادام کی ایک بوری خریدی، اور اپنے حساب کے رجسٹر میں اس کا نفع دس دینار میں نصف دینار کے حساب سے تین دینار لکھ لیا، اچانک بادام گراں ہو گیا، اور ساٹھ دینار کی بوری نوے دینار میں ملنے لگی۔ اسی دوران ایک دلّال ان کی دکان پر آیا اور بادام کی قیمت معلوم کی۔ سری سقطی نے تریسٹھ دینار بتلائی، دلّال نے کہا اب بادام گراں ہو گیا ہے، بازار میں اس کی قیمت نوّے دینار ہے، سقطی نے کہا کہ میں نے تو تریسٹھ دینار میں بیچنے کا عہد کر رکھا ہے، اس لئے اس سے زیادہ ایک دینار بھی قبول نہ کروں گا۔ دلال نے کہا کہ میں نوّے سے کم پر ہرگز نہیں لوں گا۔ میں نے اللہ تعالیٰ سے عہد کیا ہے کہ کسی مسلمان کو نقصان نہیں پہنچاؤں گا۔ راوی کہتا ہے کہ وہ بادام نہ دلال نے تریسٹھ میں خریدے اور نہ سری سقطیؒ نے نوّے میں فروخت کئے۔ یہ احسان تھا، جس کا ثبوت دلال اور سری سقطی دونوں دے رہے تھے۔ محمد ابن المنکدر کے پاس کچھ چوغے برائے فروخت تھے بعض کی قیمت پانچ درہم تھی، اور بعض کی دس درہم۔ ایک دن ان کی عدم موجودگی میں غلام نے پانچ درہم کی قیمت کا ایک چوغہ دس درہم میں فروخت کر دیا، واپس آئے تو غلام کی اس حرکت پر سخت نالاں ہوئے، اور اس شخص کی تلاش میں نکل گئے جس نے یہ چوغہ خریدا تھا، دن بھر کی تلاش کے بعد وہ شخص ہاتھ آیا، صورت حال بیان کی، خریدار نے کہا آپ خواہ مخواہ پریشان ہوتے ہیں میں نے اتنی قیمت اپنی مرضی سے دی ہے، ابن المنکدرؒ نے جواب دیا کہ تم تو راضی ہو لیکن ہم تمہارے لئے وہی بات پسند کریں گے جو ہم اپنے لئے پسند کرتے ہیں۔ اس لئے اب تم یا تو دس درہم والا چوغہ خریدو، یا پانچ والا رکھو اور پانچ درہم ہم سے واپس لے لو، یا ہمارا چوغہ ہمیں لوٹا دو ہم تمہیں تمہارے درہم واپس کر دیں گے۔ اس نے دوسری صورت قبول کرلی، جب ابن المنکدر چلے گئے تو خریدار نے لوگوں سے دریافت کیا کہ یہ بزرگ کون ہیں، لوگوں نے بتلایا کہ ان کا نام محمد ابن المنکدر ہے خریدار نے کہا لا الہ الا اللہ یہی وہ لوگ ہیں جن کی بدولت ہمیں قحط سالی میں پانی عطا کیا جاتا ہے۔

غرضیکہ احسان یہ ہے کہ جس شہر میں جس چیز پر جتنا نفع لیا جاتا ہو اتنا ہی نفع لے، زیادہ ہرگز نہ لے جو لوگ کم نفع پر قناعت کرتے ہیں ان کی طرف لوگوں کا رجوع زیادہ ہوتا ہے، اور مال بھی زیادہ فروخت ہوتا ہے، اسی لئے تجارت میں برکت بھی نظر آتی ہے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ درّہ ہاتھ میں لے کر کوفہ کے بازاروں میں گشت لگایا کرتے تھے، اور فرمایا کرتے تھے کہ اے تاجرو! اپنا حق لو، اپنا حق لینے ہی میں سلامتی ہے، کم نفع نہ ٹھکراؤ، ایسا نہ ہو کہ تم زیادہ سے محروم کر دیئے جاؤ۔ حضرت عبدالرحمٰن ابن عوف سے کسی نے دریافت کیا کہ آپ کی مالداری کا سبب کیا ہے، فرمایا کہ تین باتوں نے میری دولت میں اضافہ کیا ہے، ایک یہ کہ میں نفع کی قلت کی پرواہ نہیں کرتا۔ اگر کسی چیز پر معمولی نفع بھی ملے تو بیچنے میں تاخیر نہیں کرتا۔ تیسرے یہ کہ میں ادھار فروخت کرنے کا قائل نہیں ہوں۔ ایک مرتبہ آپ نے

ایک ہزار اونٹنیاں خریدی ہوئی قیمت پر فروخت کردیں نفع میں ان کی رسّیاں باقی بچیں 'ایک رسّی کی قیمت ایک درہم تھی 'اس حساب سے ایک ہزار درہم کا نفع ہوا 'ایک ہزار درہم اس طرح بچ گئے کہ جس دن اونٹنیاں فروخت ہوئیں اس دن انھیں کھلانا نہیں پڑا۔

نقصان اٹھانا:۔ کسی کو فائدہ پہنچانے کے لئے خود نقصان برداشت کرنا بھی احسان کا ایک درجہ ہے اس کی صورت یہ ہو سکتی ہے مثلاً کوئی شخص بائع سے اس کے افلاس اور ضعف کے باعث زیادہ قیمت پر چیز لے 'حالانکہ بازار میں وہ کم قیمت پر ملتی ہے۔ ایسا کرنے سے مشتری حسب ذیل حدیث کے مضمون کا صحیح مصداق بنے گا۔

رحم اللہ عبدا سھل البیع وسھل الشراء

اللہ تعالیٰ اس شخص پر رحم فرمائے جو خرید و فروخت میں آسانی پیدا کرے۔

لیکن اگر کسی صاحبِ حیثیت تاجر سے خرید و فروخت کرے 'اور وہ زیادہ نفع مانگے تو نقصان اٹھانا پسندیدہ نہیں ہے 'بلکہ اس میں بلاوجہ مال کی اضاعت ہے جسے ہرگز قابل تعریف نہیں کہا جاسکتا 'اہل بیت کے واسطے سے منقول ایک روایت میں ہے:۔

المغبون فی الشراء لا محمود ولا ماجور (ابو یعلی۔ حسین ابن علیؓ)

خریدنے میں دھوکا کھانے والا نہ قابل تعریف ہے اور نہ لائق اجر و ثواب

بصرہ کے قاضی ایاس ابن معاویہ ابن قرہ جن کا شمار باشعور تابعین میں ہوا کرتا تھا فرماتے ہیں کہ میں مکّار نہیں ہوں 'لیکن ایسا بھی نہیں ہوں کہ کوئی مکّار مجھے اپنے فریب کے دام میں الجھا سکے۔ ابن سیرین بھی میری طرح دھوکے اور نقصان سے محفوظ رہتے ہیں 'لیکن حسن بصری 'اور میرے والد بزرگوار معاویہ ابن قرہ نقصان اٹھا جاتے ہیں۔ کمالِ دیانت اور ذہانت یہ ہے کہ آدمی نہ خود فریب کھائے اور نہ کسی دوسرے کو فریب دے۔ بعض لوگوں نے حضرت عمرؓ کی یہ تعریف کی ہے کہ آپ کی رفعت شان کا تقاضا یہ تھا کہ دوسروں کو فریب نہ دیں 'اور ذہانت کا تقاضا یہ تھا کہ دوسروں کے فریب میں مبتلا نہ ہوں۔ حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ اور دوسرے بزرگانِ دین جب کوئی چیز خریدنے جاتے تو بائع سے اپنی چیز پوری پوری لیتے 'اور معمولی معمولی چیزوں میں بھی یہ موقف اختیار کرتے لیکن جب کوئی چیز فروخت کرتے تو زیادہ دیتے ان بزرگوں میں سے کسی نے دریافت کیا کہ آخر یہ کیا معاملہ ہے 'لینے میں اتنی کنجوسی اور دینے میں اتنی سخاوت؟ فرمایا کہ دینے والا احسان اور حسنِ سلوک 'اور جود و عطا کے فضائل حاصل کرنے کے لئے زیادہ دیتا ہے اور کم لینے والا اپنی کم عقلی کی بنا پر کم لیتا ہے 'ایک بزرگ کہتے ہیں کہ میں اپنی عقل اور بصیرت کو خود فریب دینا پسند کرتا ہوں 'لیکن مجھے یہ پسند نہیں کہ کوئی دوسرا شخص مجھے فریب دے 'جب میں دیتا ہوں تو اللہ کے لئے دیتا ہوں 'اور اس سے کچھ زیادہ نہیں مانگتا۔

قیمت اور قرض وصول کرنا:۔ مبیع کی قیمت اور قرض وصول کرنے میں بھی احسان کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑنا چاہیے۔ اس سلسلے میں مختلف صورتیں ہیں 'ایک صورت یہ ہے کہ کچھ رقم معاف کردے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ مدت میں رعایت دے دے۔ تیسری صورت یہ ہے کہ کھرے سکوں کے سلسلے میں سہولت دے۔ یہ تمام صورتیں مستحب ہیں 'شریعت نے ان امور کی ترغیب دی ہے۔ چنانچہ حدیث شریف میں ہے کہ اللہ تعالیٰ اس شخص پر رحم فرمائے جو خرید و فروخت میں آسانی اپنائے۔ قرض دینے میں نرمی اختیار کرے 'اور قرض کی واپسی کا مطالبہ کرنے میں سہولت برتے۔(۱) ایک حدیث میں ہے:۔

اسمح یسمح لک (طبرانی۔ ابن عباسؓ)

درگذر کر کہ تم بھی درگذر کئے جاؤ گے

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:۔

من انظر معسرا او ترک لہ حاسبہ اللہ حسابا یسیرا (وفی لفظ آخر) اظلہ اللہ تحت ظل عرشہ یوم لا ظل الا ظلہ (مسلم باللفظ الثانی۔ ابو الیسر کعب ابن عمروؓ)

جو شخص کسی تنگ دست کو مہلت دے' یا (اس کی تنگ دستی کی پیش نظر) اپنا قرض معاف کردے تو قیامت کے روز اس کا بہت ہلکا پھلکا حساب ہوگا۔ (دوسرے الفاظ میں ہے) اللہ تعالیٰ اسے اپنے عرش کے سائے میں اس دن جگہ دیں گے جس دن اس کے سائے کے علاوہ کوئی سایہ نہ ہوگا۔

ایک مرتبہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ایسے شخص کا ذکر فرمایا جو گنہگار تھا۔ جب اس کا محاسبہ ہوا تو نامۂ اعمال گناہوں سے تر تھا۔ اس سے پوچھا گیا کہ تم نے کبھی کوئی اچھا کام بھی کیا ہے۔ اس شخص نے عرض کیا کہ میں نے کوئی اچھا کام تو نہیں کیا البتہ میں لوگوں کو قرض دیا کرتا تھا۔ اور اپنے نوکروں سے کہہ دیا کرتا تھا کہ مالداروں سے چشم پوشی کرو' اور غریبوں کو مہلت دو۔ ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ غریبوں سے درگذر کرو۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ تیری بہ نسبت یہ باتیں ہماری زیادہ شایانِ شان ہیں' چنانچہ اس کی مغفرت کردی گئی' اور تمام گناہ معاف فرمادیئے گئے۔ ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔

من انظر معسرا کان لہ مثلہ کل یوم صدقۃ ومن انظرہ بعد اجلہ کان لہ مثلہ فی کل یوم صدقۃ (احمد' حاکم' ابن ماجہ۔ بریدہ)

جس شخص نے کسی تنگ دست کو مہلت دی تو اسے ہر روز خیرات کا ثواب ملے گا اور جس شخص نے متعین مدت گذرنے کے بعد مہلت دی اسے قرض کے برابر صدقے کا ثواب ملے گا۔

روایات میں آپ کا یہ ارشاد بھی نقل کیا گیا ہے:۔

رایت علی باب الجنۃ مکتوبا الصدقۃ بعشر امثالھا والقرض بثمان عشرۃ (ابن ماجہ۔ انس)

میں نے جنت کے دروازے پر لکھا ہوا دیکھا کہ صدقہ کا ثواب دس گنا ہوگا' اور قرض کا ثواب اٹھارہ گنا۔

بعض علماء نے اس کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ صدقہ محتاج اور غیر محتاج دونوں کو مل جاتا ہے' جب کہ قرض مانگنے کی ذلت مُفلس ضرورت مند کے علاوہ کوئی دوسرا برداشت نہیں کرتا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو قرض کی واپسی کا مطالبہ کرنے میں حد سے تجاوز کرتے ہوئے دیکھا تو آپ نے قرض خواہ کو اشارہ کیا کہ وہ آدھا قرض معاف کردے' اس نے حکم کی تعمیل کی' اس کے بعد آپ نے مقروض سے کہا کہ اب وہ جائے' اور فوری طور پر باقی ماندہ قرض ادا کرنے کی کوشش کرے۔ وہ شخص بھی صاحبِ قرض کی طرح ہے جو کسی کے ہاتھ کوئی چیز فروخت کرنے کے بعد اس کی قیمت وصول کرنے میں تقاضا نہ کرے۔ روایت ہے کہ حضرت حسن بصری نے چار سو درہم میں ایک خچر فروخت کیا۔ جب بیع مکمل ہوگئی اور مشتری کے ذمّے قیمت واجب ہوگئی تو اس نے رعایت کی درخواست کی۔ حسن بصری نے سو درہم کم کردیئے۔ اس نے پھر کہا کہ یہ تو رعایت ہے اب آپ احسان فرمایئے۔ آپ نے سو درہم اور کم کردیئے' اس نے پھر کہا کہ یہ تو رعایت ہے اب آپ احسان فرمایئے۔ آپ نے سو درہم اور کم کردیئے' اور دو سو درہم لے لئے' کسی نے عرض کیا آپ نے بھی قیمت کم کرنے میں حد کردی' کہاں چار سو درہم اور کہاں اس قیمت کا نصف؟ فرمایا کہ احسان ہو تو اتنا ہو ورنہ نہ ہو۔ ایک حدیث میں ہے:۔

خذحقک فی کفاف و عفاف واف او غیر واف یحاسبک اللہ حسابا یسیرا (ابن ماجہ۔ ابو ہریرۃ)

اپنا حق حد کے اندر رہتے ہوئے پاکدامنی کے ساتھ وصول کرو چاہے وہ پورا ہو یا نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ تم سے ہلکا پھلکا حساب لیں گے۔

قرض ادا کرنے میں احسان:۔ قرض ادا کرنے میں احسان کی صورت یہ ہے کہ اس کے آداب کی رعایت کی جائے۔ مثلاً یہ کہ

---

(۱) یہ روایت اس سے پہلے باب میں گذر چکی ہے

صاحب قرض کے پاس خود جائے اور اس کا قرض ادا کرے، یہ نہ ہو کہ اسے آنے کی زحمت دے۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:۔

خیرکم احسنکم قضاء (بخاری و مسلم۔ ابو ہریرہؓ)

تم میں سے بہتر شخص وہ ہے جو قرض ادا کرنے میں اچھا ہو۔

قرض ادا کرنے پر قدرت حاصل ہو جانے کے بعد ادائیگی میں عجلت کرنی چاہیے۔ اگر موقع ہو تو وقت سے پہلے ادا کر دینا مستحسن ہے۔ جس طرح کا مال دینے کی شرط لگائی گئی ہو اس سے اچھا دینا چاہیے اگر کسی وجہ سے بروقت انتظام نہ ہو سکے تو دینے کی نیت ضرور رکھے۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:۔

مامن عبد کانت لہ نیۃ فی اداء دینہ الا کان معہ من اللہ عون و حافظ (احمد۔ عائشہؓ)

جس شخص کی نیت قرض ادا کرنے کی ہو اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی جانب سے ایک مددگار اور ایک محافظ ہوتا ہے۔

بعض بزرگانِ دین اس حدیث کی بنا پر بلا ضرورت بھی قرض لے لیا کرتے تھے۔ اگر صاحبِ حق اپنا حق مانگنے کے لئے سخت سُست بھی کہے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت مبارکہ پر عمل پیرا ہوتے ہوئے اس کی ہربات گوارا کرے، اور سختی کے جواب میں نرمی سے پیش آئے۔ روایات میں ہے کہ ایک قرضخواہ متعین مدت گذر جانے کے بعد اپنا قرض مانگنے کے لئے آیا، آپ اس وقت تک قرض ادا نہ فرما سکے تھے، اس نے سخت الفاظ کے ساتھ اپنے حق کا مطالبہ کیا بعض صحابہ کرام کو اس کا رویّہ ناپسند آیا، اور یہ ارادہ کیا کہ اسے تنبیہہ کریں۔ لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

دعوہ فان لصاحب الحق مقالا (بخاری و مسلم۔ ابو ہریرہؓ)

جانے دو، صاحبِ حق اسی طرح کہا کرتا ہے۔

اگر قرض خواہ اور قرض دار کے مابین اختلاف پیدا ہو جائے تو لوگوں کو چاہیے کہ وہ قرض دار کی حمایت کریں، اس لئے کہ وہ اپنی حاجت کی وجہ سے ان کی حمایت اور ہمدردی کا زیادہ مستحق ہے۔ عام طور پر قرض خواہ اپنی ضرورت سے زیادہ مال قرض دیتے ہیں۔ اس لئے بظاہر وہ اس ہمدردی کے مستحق نہیں ہیں جس کا مستحق وہ شخص ہے جو اپنی کسی ناگزیر ضرورت کی بنا پر قرض مانگنے کی رُسوائی مول لے۔ اسی طرح بائع اور مشتری کے درمیان نزاع کی صورت میں بھی مشتری کا ساتھ دینا چاہیے کیونکہ بائع کا عمل اس پر دلالت کرتا ہے کہ اسے مبیع کی ضرورت نہیں ہے، جب کہ مشتری اپنے عمل سے ضرورتمند معلوم ہوتا ہے، ہاں اگر مقروض اور مشتری قرض اور قیمت ادا کرنے میں حد سے تجاوز کر جائیں تو اب ان کے ساتھ ہمدردی کا تقاضا یہ ہے کہ انھیں ان کے ظلم سے روکا جائے اور مظلوم کی اعانت کی جائے۔ رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:۔

انصر اخاک ظالما او مظلوما فقیل کیف ننصرہ ظالما؟ فقال منعک ایاہ من الظلم نصرۃ لہ (بخاری و مسلم۔ انسؓ)

اپنے بھائی کی مدد کرو خواہ وہ ظالم ہو یا مظلوم ہو، عرض کیا گیا یا رسول اللہ! بھائی اگر ظالم ہو تو اس کی مدد کیسے کریں؟ فرمایا: اسے ظلم سے منع کرنا مدد ہے۔

بیع فسخ کرنا:۔ یہ بھی احسان ہی کی ایک صورت ہے کہ اگر کوئی شخص بیع فسخ کرنے آئے تو اسے واپس نہ کرے بلکہ اپنی مبیع لے کر اس کی قیمت واپس دے دے۔ بیع صرف وہی شخص منسوخ کرے گا جو اس بیع سے نادم ہو گا اور اسے اپنے حق میں نقصان دہ تصوّر کرے گا۔ خیر خواہی کا تقاضا یہ ہے کہ اس کے نقصان کی تلافی کی جائے، اور بیع فسخ کرنے کے علاوہ اس کے نقصان کی تلافی کی کوئی دوسری شکل نہیں ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:۔

من اقال نادما صفقتہ اقالہ اللہ عثرتہ یوم القیامۃ (ابوداؤد' حاکم- ابوہریرہؓ)
جو شخص کسی نادم کا معاملہ فسخ کرے اللہ تعالیٰ قیامت کے روز اس کی لغزش معاف فرمائیں گے۔

ادھار دینا:- ادھار دینے میں احسان یہ ہے کہ غریبوں اور تنگ دستوں کے ساتھ ادھار کا معاملہ کرے اور یہ نیت بھی رکھے کہ اگر یہ لوگ کسی وجہ سے ادا نہ کرسکے تو میں ادائیگی کا مطالبہ نہیں کروں گا۔ ایک بزرگ نے حساب کے دو رجسٹر بنا رکھے تھے۔ ایک میں ان غریب اور بے مایہ لوگوں کے نام لکھ لیتے تھے جو ادھار کوئی چیز لے گئے۔ چنانچہ ان کا دستور یہ تھا کہ جب کوئی غریب آدمی ان کی دکان پر آتا' اور غلے یا میوے وغیرہ کی ضرورت کا اظہار کرتا تو وہ اس سے کہتے کہ جتنی ضرورت ہو لے جاؤ' اگر توفیق ہو تو ادا کردینا' ورنہ معاف ہے۔ اور اس کا نام اپنے رجسٹر میں درج کرلیتے۔ بلکہ اس زمانہ میں ایسے لوگوں کو بھی بزرگی کے اعلیٰ معیار سے کم تر سمجھا جاتا تھا جو غریبوں کے نام اپنے رجسٹروں میں لکھ لیں' بلکہ وہ لوگ نیک تصور کئے جاتے تھے جو کسی غریب آدمی کا نام لکھے بغیر اس سے یہ کہہ دیتے کہ جس قدر ضرورت ہو لے جاؤ۔ ممکن ہو تو دے دینا' ورنہ نہیں۔ ماضی میں ہمارے بزرگوں کی تجارت کا یہ اسلوب تھا۔ اب یہ باتیں کہاں؟ تمام نقوش مٹ گئے۔

تجارت۔ ایک کسوٹی:- مردوں کے حق میں تجارت ایک کسوٹی ہے' انھیں جانچنے اور پرکھنے کا ایک معیار ہے۔ ایک شاعر کہتا ہے:-

لا یغرنک من المرء قمیص رقعہ   او ازار فوق کعب الساق منہ رفعہ
او جبین لاح فیہ اثر قد قلعہ   ولدی الدرہم فانظر غیہ او ورعہ

(ترجمہ۔ آدمی کی قمیص میں لگے ہوئے پیوند سے' یا پنڈلی تک اٹھے ہوئے پاجامے سے' یا پیشانی کے نشان سے دھوکے میں مت آنا۔ جب تک مال کے سلسلے میں اس کی گمراہی یا تقویٰ کا امتحان نہ لے لو)۔

اسی لئے یہ کہا گیا ہے کہ اگر کسی شخص کی حضر میں اس کے پڑوسی' سفر میں اس کے رفقائے سفر' اور بازاروں میں اس کے ساتھ معاملہ کرنے والے تعریف کریں تو اس کی نیکی میں شبہ مت کرو۔ کسی معاملے میں حضرت عمرؓ کے سامنے ایک گواہ پیش ہوا' آپ نے اس سے فرمایا کہ کسی ایسے شخص کو لے کر آؤ جو تمہیں جانتا ہو۔ چنانچہ وہ ایک شخص کو ساتھ لے کر آیا' اس نے گواہ مذکور کی بہت زیادہ تعریف کی' حضرت عمرؓ نے اس شخص سے دریافت کیا: کیا تم اس کے قریب ترین پڑوسی ہو' اور اس کے گھر اور باہر کے حالات سے واقف ہو۔ اس نے عرض کیا: نہیں! میں اس کا پڑوسی نہیں ہوں۔ آپ نے دریافت فرمایا کہ کیا تم اس کے رفیق سفر رہ چکے ہو' سفر ہی سے حسنِ اخلاق اور بد خلقی کا صحیح اور مکمل علم ہوتا ہے۔ اس نے عرض کیا نہیں' میں نے اس کے ساتھ کبھی سفر نہیں کیا' اس کے بعد آپ نے یہ پوچھا کہ تم نے اس کے ساتھ خرید و فروخت کے معاملات کئے ہیں۔ دینار و درہم بھی کسی شخص کو جانچنے کا بہترین معیار ہیں۔ اس شخص نے اس کی بھی نفی کی۔ آپ نے فرمایا کہ میرا خیال یہ ہے کہ تم نے اس شخص کو مسجد میں نماز پڑھتے ہوئے' قرآن کریم کی تلاوت کرتے ہوئے اور باری تعالیٰ کا ذکر کرتے ہوئے دیکھا ہے' اس نے کہا: جی ہاں' یہی بات ہے۔ فرمایا: تو واپس جاؤ' تم اس سے اچھی طرح واقف نہیں ہو' اس کے بعد گواہ سے کہا کہ وہ کسی دوسرے شخص کو بلا کر لائے۔

پانچواں باب

تجارت میں دین کا خوف

تاجر کے لئے مناسب نہیں کہ وہ معاش میں مشغول ہو کر معاد سے غافل ہو جائے۔ اپنی عمر ضائع کرے' اور آخرت کے سلسلے میں

نقصان اٹھائے۔ آخرت کے نقصان کی تلافی دنیا کی قیمتی سے قیمتی چیز بھی نہیں کر سکتی' وہ شخص جو دنیا کی خاطر آخرت کو فراموش کر دے۔ دنیا کی ناپائدار زندگی کو آخرت کی ابدی زندگی کے عوض خریدنے والے کی طرح ہے۔ عقلمند وہ ہے جو اپنی زندگی کے ساتھ رحم اور شفقت کا معاملہ کرے یعنی وہ اپنا راس المال دین' اور اس سے حاصل ہونے والی منفعت اعمال کی حفاظت کرے۔ ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ صاحبِ عقل کے شایانِ شان یہ ہے کہ وہ اس چیز کو فوقیت دے جس کی اسے زیادہ ضرورت ہو' اور ہر انسان کی اولین ضرورت اس کے علاوہ کچھ نہیں کہ اس کا انجام خوبصورت ہو۔ حضرت معاذ ابن جبلؓ نے اپنی وصیت میں تحریر فرمایا کہ اگرچہ تمہیں دنیا کی بھی ضرورت ہے مگر آخرت کی ضرورت دنیا کی ضرورت کے مقابلے میں زیادہ ہے' اس لئے آخرت کے اعمال سے اپنی جدوجہد کا آغاز کرو' آخرت حاصل کرلو گے تو دنیا خود بخود تمہارے قدموں میں سمٹ آئے گی' اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَلَا تَنْسَ نَصِيْبَكَ مِنَ الدُّنْيَا (پ۲۰ر۱۱ آیت ۲۶)

اور دنیا سے اپنا حصہ فراموش مت کر۔

یعنی دنیا میں سے اپنی آخرت کا حصہ مت فراموش کرو۔ اس لئے کہ دنیا آخرت کی کھیتی ہے' جو کچھ ہم یہاں کماتے ہیں اس کا بدلہ آخرت میں دیا جائے گا۔ تجارت پیشہ لوگ حسبِ ذیل چھ اُمور کی رعایت سے اپنے دین کی حفاظت کر سکتے ہیں۔

نیت کی اصلاح:۔ تجارت شروع کرنے سے پہلے نیت اور عقیدے کی اصلاح بہت ضروری ہے' نیت کے سلسلے میں تاجر کو چاہیے کہ وہ تجارت کو ذریعہ فخر و مباہات نہ سمجھے' بلکہ یہ نیت کرے میں لوگوں کے سامنے دستِ سوال دراز کرنے سے بچنے کے لئے' حلال رزق کی خاطر مال کے ذریعہ دین پر استقامت حاصل کرنے کے لئے' اور بیوی بچوں کے حقوق کی ادائیگی کے لئے تجارت کر رہا ہوں۔ مسلمانوں کے لئے خیر خواہی کی نیت بھی رکھے' اور تمام انسانوں کے لئے وہی چیز پسند کرے جو اپنے لئے پسند کرتا ہو' اور ہر معاملہ میں عدل اور احسان کے تقاضوں کی تکمیل کرے۔ بازار میں اس کی حیثیت امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فرض ادا کرنے والے کی ہونی چاہیے۔ اگر اس نے اپنی نیت کی اصلاح میں کامیابی حاصل کرلی اور اس کے مطابق عمل بھی کیا تو وہ راہِ آخرت کا مسافر ہے۔ کامیاب ہوا تو دنیا کا نفع بھی ملے گا' اور آخرت کا نفع بھی' ناکام ہوا تو یہ ایک عارضی ناکامی ہوگی' آخرت کی فلاح اور سُرخروئی اس کا مقدر بنے گی۔

فرض کفایہ ادا کرنے کی نیت:۔ صنعت ہو یا تجارت ہر صورت میں یہ نیت ضرور کرنی چاہیے کہ میں اپنے اس عمل سے فرض کفایہ ادا کر رہا ہوں تجارت اور صنعت معاش کے بنیادی ذرائع ہیں اگر یہ ختم ہو جائیں تو نظام معیشت درہم برہم ہو جائے' اور لوگ ہلاک ہو جائیں' دنیا کا نظام باہمی تعاون سے چلتا ہے ہر فریق کی الگ ذمہ داری ہے' اگر سب ایک ہی پیشے میں لگ جائیں یا ایک ہی طرح کی تجارت اختیار کرلیں تو باقی تجارتیں اور پیشے سب فنا ہو جائیں گے اور لوگ بھی ہلاکت کا نشانہ بنیں گے۔ بعض لوگوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد مبارک کو انہی معنوں پر محمول کیا ہے۔

اختلاف امتی رحمة

میری امت کا اختلاف رحمت ہے۔

بہ سبیل تذکرہ ہم یہ بات بھی عرض کردیں کہ بعض صنعتیں نہایت ضروری اور مفید ہیں اور بعض ایسی ہیں کہ ان سے محض آرام طلبی' اور دنیاوی زیب و زینت مقصود ہوتی ہے۔ اس لئے انسان کو چاہیے کہ وہ کسی ایسی صنعت میں لگے جس میں مسلمانوں کا فائدہ ہو اور جو دینی نقطہ نظر سے بھی اہم ہو۔ نقش کاری' زرگری' اور چونہ اور گچ وغیرہ سے عمارتوں کو پختہ بنانے کے پیشے کو بعض متدین لوگوں نے مکروہ قرار دیا ہے۔ اسی طرح لہو و لعب کے ان آلات کی صنعت بھی اختیار نہ کرنی چاہیے جن کا استعمال کرنا حرام ہے۔ مردوں کے لئے ریشم کی قبا سینے' اور سونے کی زیورات گھڑنے کا حکم بھی یہی ہے' کیونکہ مردوں کے لئے ریشم اور زیورات کا استعمال جائز نہیں ہے۔ اسی لئے ہم ایسے زیورات پر جو مردوں کے لئے بنائے گئے ہوں زکوٰۃ کو واجب کہتے ہیں' حالانکہ ہمارے نزدیک زیورات پر زکوٰۃ نہیں ہے۔ اگر انھیں

عورتوں کے لئے بنایا جائے۔ یہ بات ہم پہلے بیان کرچکے ہیں کہ غلے اور کفن کی بیع مکروہ ہے' کیونکہ غلہ فروش کو قیمت کی گرانی کا انتظار رہتا ہے' اور کفن فروش کو لوگوں کی موت کی جستجو رہتی ہے۔ قصائی کا پیشہ بھی مکروہ ہے کیونکہ اس سے دلوں میں قساوت اور سختی پیدا ہوجاتی ہے' ناپاکی کے ساتھ مسلسل اختلاط کی بنا پر پاخانہ اٹھانے کا پیشہ بھی پسندیدہ نہیں ہے۔ ابن سیرین نے دلالی کو اور حضرت قتادہؓ نے دلال کی اُجرت کو مکروہ قرار دیا ہے غالباً اس کراہت کی وجہ یہ ہے کہ دلال عام طور پر جھوٹ اور فریب سے محفوظ نہیں رہتے' وہ کسی بھی چیز کی ترویج کے لئے حد سے زیادہ مبالغہ آمیز تعریف کرنے پر مجبور ہیں۔ اس پیشے میں ایک خرابی یہ ہے کہ کام کی کوئی حد یا مقدار متعین نہیں ہے' بعض اوقات زیادہ کام کرنا پڑتا ہے' اور بعض اوقات کم۔ پھر اجرت کا معاملہ کام کی نوعیت پر موقوف نہیں ہے' بلکہ فروخت شدہ چیز کی قیمت پر موقوف ہے' اگر وہ اچھی رقم پر فروخت ہوئی ہے تو اجرت زیادہ مل جائے گی' عرف عام میں اسے کمیشن کہتے ہیں۔ یہ ایک طرح کا ظلم ہے' اجرت کی تعیین میں کام کی مقدار ملحوظ رہنی چاہیے۔ بعض لوگوں کے نزدیک جانوروں کی تجارت بھی کراہت سے خالی نہیں ہے' اس کی وجہ یہ ہے کہ مشتری حکم الٰہی کو ناپسند کرتا ہے' یعنی اسے یہ پسند نہیں ہوتا کہ اس کا جانور مرجائے' صرافی بھی مکروہ ہے۔ اس لئے کہ اس پیشے میں سود کی باریکیوں سے بچنا دشوار ہے' اور بعض ایسی چیزوں کی صفات تلاش کرنی پڑتی ہیں جن کی ذات مقصود نہیں ہوتی' بلکہ ان کی ترویج مقصود ہوتی ہے' صراف کو عموماً نفع اس صورت میں ملتا ہے جب کہ معاملہ کرنے والا سکوں کی باریکیوں اور نزاکتوں سے واقف نہ ہو' صراف کا احتیاط کے باوجود سلامت رہنا مشکل ہے۔ صراف وغیرہ کے لئے صحیح و سالم سکوں کو توڑنا یا گلانا بھی مکروہ ہے۔(۱) ہاں اگر کھوٹے سکے ہوں تو گلانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اگر کسی وجہ سے توڑنے یا گلانے کی ضرورت پیش آئے تو ان سکوں کے بدلے میں سونا یا چاندی توڑ کر اپنی ضرورت پوری کرلینی چاہیے۔ کپڑے کی تجارت مستحب ہے حضرت سعید ابن المسیبؒ فرماتے ہیں کہ کپڑے کی تجارت سے زیادہ مجھے کوئی دوسری تجارت پسند نہیں ہے لیکن شرط یہ ہے کہ تجارت میں قسمیں نہ ہوں۔ روایات میں ہے:

خیر تجارتکم البزو خیر صناعتکم الخرز (مسند الفردوس۔ علی ابن ابی طالبؓ)
تمہاری بہترین تجارت کپڑے کی تجارت ہے' اور بہترین پیشہ موزہ بننے کا پیشہ ہے۔

ایک حدیث میں ہے:

لو اتجر اهل الجنة لا تجروا فی البز ولو اتجر اهل النار لا تجروا فی الصرف
(مسند الفردوس۔ ابو سعیدؓ)
اگر اہل جنت تجارت کریں تو کپڑے کی تجارت کریں' اور اہل دوزخ یہ مشغلہ اپنائیں تو صرافی کی تجارت کریں۔

ماضی کے بزرگانِ دین عموماً حسبِ ذیل دس ذرائع آمدنی میں سے کوئی ایک ذریعہ اختیار کرلیتے تھے' موزے بنانا' تجارت' باربرداری' سینا پرونا' جوتا بنانا' کپڑے دھونا' لوہے کا کام کرنا' سُوت کاتنا' بحروبر میں شکار کرنا' اور کتابت کرنا۔ عبدالوہاب وراق کہتے ہیں کہ مجھ سے امام احمد ابن حنبلؒ نے دریافت کیا کہ تمہارا پیشہ کیا ہے' میں نے عرض کیا کہ میں کتابت کرتا ہوں۔ فرمایا: کتابت بہترین پیشہ ہے۔ اگر میں بھی اپنے ہاتھ سے کام کرتا تو یہی پیشہ اختیار کرتا پھر فرمایا کہ جب لکھو تو نہ بہت زیادہ خفی لکھو اور نہ بہت زیادہ جلی۔ بلکہ متوسط قلم ہونا چاہیے دونوں طرف حاشیہ چھوڑو۔ اور اجزاء کی پشت پر کچھ مت لکھو۔ چار طرح کے پیشہ ور لوگوں میں کم عقل مشہور ہیں۔ جولاہے' روئی دھننے والے' سُوت کاتنے والے' اور بچوں کو پڑھانے والے۔ اس کی وجہ غالباً یہ ہے کہ اس طرح کے پیشے رکھنے والے عموماً عورتوں' اور بچوں

(۱) نہی کی روایت ابو داؤد' ترمذی' ابن ماجہ اور حاکم میں علقمہ ابن عبداللہ عن ابیہ سے منقول ہے الفاظ حدیث یہ ہیں "نهی رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم ان تکسر سکة المسلمین الجائزة بینهم الا من باس۔" حاکم میں یہ الفاظ زائد ہیں "ان یکسر الدرهم فیجعل فضةو یکسر الدینا فیجعل ذهبا۔"

سے میل جول رکھتے ہیں' اور یہ قاعدہ ہے کہ جس طرح عقلمندوں کی صحبت عقل میں اضافہ کرتی ہے اسی طرح بے وقوفوں کی ہم نشینی سے عقل میں ضعف پیدا ہوتا ہے حضرت مجاہد فرماتے ہیں کہ حضرت مریم علیہا السلام اپنے بیٹے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تلاش میں نکلیں' راستے میں جولاہے ملے' انھوں نے حضرت عیسیٰ کے متعلق دریافت کیا' جولاہوں نے انھیں غلط راستے پر ڈال دیا۔ جب حقیقت کھلی تو آپ نے ان کے لئے یہ بد دعا فرمائی کہ اے اللہ! ان کی کمائی سے برکت سلب کرلے' اور انھیں تنگ دستی کی حالت میں موت دے اور انھیں لوگوں کی نظروں میں ذلیل و خوار رکھنا۔ اکابر علماء نے عبادات اور فروض کفایہ پر اجرت لینے سے منع کیا ہے' مثلاً مردوں کو نہلانا ان کی تکفین و تدفین کرنا آذان دینا اور نماز تراویح پڑھانا وغیرہ۔ قرآن کریم' اور شریعت کی تعلیم پر اجرت لینا بھی پسندیدہ نہیں ہے' کیونکہ ان اعمال کا حق یہی ہے کہ ان کے ذریعہ آخرت کی تجارت کی جائے' جو لوگ ان کاموں پر اجرت قبول کرتے ہیں وہ دین کے بدلے میں دنیا لینے والے ہیں۔ اور یہ بات یقیناً ناپسندیدہ ہونی چاہیے کہ آخرت جیسی ابدی حقیقت کو دنیا جیسی بے حقیقت چیز کے عوض میں فروخت کردیا جائے۔

اول و آخر عبادت:۔ یہ مناسب نہیں کہ دنیا کا بازار انسان کو آخرت کے بازار سے غافل کردے۔ آخرت کے بازار مسجد ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

رِجَالٌ لَّا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَإِقَامِ الصَّلٰوةِ وَإِيْتَاءِ الزَّكٰوةِ (پ ۱۸ ر ۱۱ آیت ۳۷)

وہ مرد کہ نہیں غافل ہوتے سودا کرنے میں اور بیچنے میں اللہ کی یاد سے اور نماز قائم رکھنے سے اور زکوٰۃ دینے سے۔

ایک آیت میں فرمایا گیا۔

فِيْ بُيُوْتٍ أَذِنَ اللّٰهُ أَنْ تُرْفَعَ وَيُذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهُ يُسَبِّحُ لَهُ فِيْهَا بِالْغُدُوِّ وَالْآصَالِ (پ ۱۸ ر ۱۱ آیت ۳۶)

ان گھروں میں کہ اللہ نے حکم دیا ان کو بلند کرنے کا اور وہاں اس کا نام پڑھنے کا۔ یاد کرتے ہیں اس کی وہاں صبح و شام۔

بہتر یہ ہے کہ تاجر بازار جانے سے پہلے اپنے دن کا ابتدائی حصہ آخرت کے لئے وقف کردے مسجد میں موجود رہے' اور وظائف و اوراد کا التزام کرے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ تاجروں سے فرمایا کرتے تھے کہ اپنے دن کے ابتدائی وقت کو آخرت کے لئے اور بعد کے اوقات کو دنیا کے لئے استعمال کرو۔ بزرگانِ دین اپنے دن کے ابتدائی اور انتہائی اوقات کو عبادت میں صرف کرتے تھے اور صرف درمیانی وقت میں تجارت کے لئے بازار جاتے تھے چنانچہ صبح کے وقت ہریسہ اور نہاری وغیرہ چیزیں بچے یا ذمی فروخت کیا کرتے تھے۔ اور دکاندار مسجدوں میں مصروف عبادت رہا کرتے تھے۔ ایک حدیث میں ہے:۔

ان الملائکة اذا صعدت بصحیفة العبد وفیها فی اول النهار و آخره خیر کفر اللّٰه ما بینهما من سیی الاعمال (ابو یعلی۔ انس)

فرشتے جب کسی شخص کا نامہ اعمال اوپر لے کر جاتے ہیں اور اس میں دن کے ابتدائی اور آخری اوقات میں اللہ کا ذکر ملتا ہے تو اللہ تعالیٰ درمیانی وقت کے گناہ معاف کردیتے ہیں۔

ایک طویل حدیث میں ہے:۔

یتعاقبون فیکم ملائکة باللیل و ملائکة بالنهار و یجتمعون فی صلاة الغداة وصلاة العصر' فیقول اللّٰه تعالی وهوا علمه بهم کیف ترکتم عبادی' فیقولون ترکنا هم وهم یصلون و جئنا هم و هم یصلون' فیقول اللّٰه سبحانه

وتعالٰی: اشهدکم انی قد غفرت لهم۔ (بخاری ومسلم۔ ابو ہریرہؓ)

دن کے فرشتے اور رات کے فرشتے تمہاری ٹوہ میں رہتے ہیں وہ فجر اور عصر کے وقت باری تعالیٰ کی بارگاہ میں جمع ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ ان سے دریافت فرماتے ہیں حالانکہ وہ اپنے بندوں کے حالات سے زیادہ باخبر ہیں کہ تم نے میرے بندوں کو کس حالت میں چھوڑا' فرشتے عرض کرتے ہیں کہ ہم نے نماز پڑھتے ہوئے چھوڑا' جب ہم ان کے پاس گئے تھے وہ نماز پڑھ رہے تھے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ فرمائیں گے گواہ رہنا' میں نے ان بندوں کی مغفرت کردی ہے۔

تجارت کی مشغولیت کے دوران دن کے درمیانی وقت میں ظہر اور عصر کی اذان سنے تو تمام کام چھوڑ کر کھڑا ہو جائے' پہلے مسجد جائے' اور نماز ادا کرے یاد رکھنا چاہیے کہ امام کے ساتھ تکبیر اولیٰ اول وقت میں نہ ملی تو اس فضیلت کا تدارک دنیا ومافیہا سے بھی ممکن نہیں ہے۔ بعض علماء کے نزدیک وہ شخص گنہگار ہے جو اذان کی آواز سن کر تمام امور تجارت سے کنارہ کش نہ ہو جائے' اور نماز باجماعت ادا نہ کرے سلفِ صالحین اذان کی آواز سنتے ہی مسجدوں میں چلے جاتے تھے' اور بازار بچوں اور ذمیوں کے لئے خالی چھوڑ دیا کرتے تھے۔ ایسا بھی ہوتا کہ بعض مُتدیّن حضرات صرف نماز کے اوقات میں دکان کی نگرانی اور حفاظت کے لئے کسی بچے یا ذمی کو اجرت پر رکھتے۔ آیت کریمہ "رِجَالٌ لَّا تُلْهِیهِمْ" کی تفسیر میں بعض مفسرین نے "رِجَالٌ" کی تخصیص کی ہے' ان کے نزدیک یہ لوہار اور موتی بیندھنے والے تھے' کہ اگر لوہار کے ہاتھ میں ہتھوڑا ہوتا اور وہ لوہے پر چوٹ مارنے کے لئے اسے اوپر اٹھائے ہوئے ہوتا یا موتی بیندھنے والے کے ہاتھ میں برما ہوتا اور وہ موتی میں سوراخ کر رہا ہوتا اور اذان کی آواز آجاتی تو لوہار ہتھوڑا پھینک کر' اور موتی بیندھنے والا برما اور ستاری رکھ کر کھڑے ہو جاتے' اور نماز کے لئے مسجد میں حاضر ہوتے۔

ذکر اللہ کی مواظبت:۔ صرف یہی کافی نہیں ہے کہ نماز کے مخصوص اوقات میں کاروبار سے کنارہ کش ہو جائے' بلکہ تجارت کے اوقات میں بھی اللہ تعالیٰ کے ذکر کی پابندی رکھے' تہلیل وتسبیح میں مشغول رہے بازار میں غافلوں کا اجتماع رہتا ہے' وہ لوگ جو اللہ کے ذکر سے اپنی زبان اور قلب کو جلا بخشتے ہیں یقیناً غافلوں کے اس گروہ سے افضل ہیں جنھوں نے تجارت ہی کو سب کچھ سمجھ لیا ہے' اور وہ آخرت کے نفع کے مقابلے میں دنیاوی نفع پر قناعت کر بیٹھے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:۔

ذاکر اللہ فی الغافلین کالمقاتل خلف الفارین وکالحی بین الاموات (وفی لفظ آخر) کالشجرة الخضراء بین الهشیم (۱)

غافلوں میں اللہ کا ذکر کرنے والا ایسا ہے جیسا بھاگنے والوں کے پیچھے جہاد کرنے والا اور مردوں کے درمیان زندہ۔ (دوسری روایت میں ہے) جیسے سوکھے درختوں کے درمیان سبز درخت۔

ایک حدیث میں ہے:۔

من دخل السوق فقال لا اله الا الله وحده لا شریک له له الملک وله الحمد یحیی ویمیت وهو حیّ لا یموت بیده الخیر وهو علی کل شئی قدیر کتب الله له الف الف حسنة (۲)

جو شخص بازار جائے اور یہ الفاظ کہے "اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے' اس کا کوئی شریک نہیں ہے' اسی کے لئے تمام تعریفیں ہیں وہ زندہ ہے مرتا نہیں ہے' اس کے ہاتھ میں تمام خیر ہے' اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔" تو

---

(۱) یہ روایت کتاب الاذکار میں گذر چکی ہے۔

(۲) یہ روایت کتاب الاذکار میں گذر چکی ہے۔

اس کے لئے اللہ تعالی دس لاکھ نیکیاں لکھیں گے۔

حضرت عبداللہ ابن عمرؓ سالم ابن عبداللہ اور محمد ابن واسع وغیرہ حضرات صرف اسی ذکر کی فضیلت حاصل کرنے کے لئے بازار تشریف لے جایا کرتے تھے حضرت حسن بصری فرماتے ہیں کہ بازار میں اللہ تعالی کا ذکر کرنے والا قیامت کے روز اس حال میں آئے گا کہ اس کا چہرہ چاند کی طرح دمکتا ہوا ہوگا' اور اس کی جحت آفتاب کی طرح روشن اور عیاں ہوگی' اور جو شخص بازار میں استغفار کرے گا اس کے لئے اہل بازار کی تعداد کے مطابق مغفرت لکھی جائے گی۔ حضرت عمرؓ جب بازار میں داخل ہوتے تو یہ دعا پڑھتے:۔

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ مِنَ الْکُفْرِ وَالْفُسُوْقِ وَمِنْ شَرِّ مَا اَحَاطَتْ بِہِ السُّوْقُ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ مِنْ یَمِیْنٍ فَاجِرَۃٍ وَصَفْقَۃٍ خَاسِرَۃٍ

اے اللہ! میں تیری پناہ چاہتا ہوں' کفر اور فسق سے' اور اس چیز کے شر سے جس کا بازار احاطہ کئے ہوئے ہو' اے اللہ! میں تیری پناہ چاہتا ہوں جھوٹی قسم اور نقصان دہ معاملے سے۔

ابو جعفر فرغانی کہتے ہیں کہ ہم حضرت جنید بغدادی کی خدمت میں حاضر تھے' مجلس میں ایسے لوگوں کا ذکر ہوا جو صوفیاء کی مشابہت اختیار کرنے کے لئے مسجدوں میں بیٹھتے ہیں اور مسجدوں کے حقوق کی ادائیگی سے عاجز و درماندہ ہیں' اور بازار میں جانے والوں کو برا سمجھتے ہیں جنیدؒ نے فرمایا کہ بہت سے بازار میں آمدورفت رکھنے والے ایسے بھی ہیں کہ اگر مسجدوں میں چلے جائیں تو ان معنوی صوفیوں کے کان پکڑ کر باہر کردیں اور خود ان کی جگہ بیٹھ جائیں' میں ایک ایسے شخص سے ذاتی طور پر واقف ہوں جو بازار جاتا ہے اور ہر روز تین سو رکعتیں' اور تیس ہزار تسبیحات پڑھنا اس کا معمول ہے۔ ابو جعفر فرغانیؒ فرماتے ہیں کہ اس موقعہ پر میرے دل میں یہ خیال آیا کہ جنیدؒ نے غالباً یہ اپنا حال بیان کیا ہے۔ بہرحال یہ ان لوگوں کا طریقہ تھا جو دنیاوی امور میں کفایت کی طلب کے لئے تجارت کیا کرتے تھے نہ کہ عیش و عشرت کے لئے جو شخص اس مقصد کے پیش نظر دنیا کا طالب ہوگا کہ اس سے آخرت پر مدد ہوتی ہے تو وہ ہرگز آخرت کی منفعت پر دنیا کی منفعت کو ترجیح نہیں دے گا۔ اس سلسلے میں بازار' مسجد اور گھر سب کا ایک ہی حکم ہے۔ اور نجات کا واحد ذریعہ تقوی ہے۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:۔

اتق اللہ حیث کنت (ترمذی۔ ابوذرؓ)

جہاں بھی ہو اللہ سے ڈرو۔

تقوی ان لوگوں کا شعار ہے جنہیں نے اپنی زندگی کو دین کے لئے وقف کردیا ہے۔ کوئی بھی حالت کیوں نہ ہو وہ تقوی کو اپنا وظیفۂ حیات سمجھتے ہیں' اسی وظیفے کی ادائیگی میں ان کی زندگی کا لطف ہے' وہ اپنی تجارت اور منفعت سب کچھ تقوی ہی میں سمجھتے ہیں۔ عربوں کی ایک مثل مشہور ہے:۔

من احب الآخرۃ عاش' ومن احب الدنیا طاش' والاحمق یغلو ویروح فی لاش' والعاقل عن عیوب نفسہ فتاش

جو شخص آخرت سے محبت رکھتا ہے وہ عیش کرتا ہے اور جو دنیا سے محبت رکھتا ہے وہ نا سمجھی کرتا ہے' بے وقوف آدمی احمقانہ باتوں میں صبح و شام کرتا ہے' اور عقلمند آدمی اپنے عیوب کی جستجو میں رہتا ہے۔

زیادتی طلب سے اجتناب:۔ دیندار تاجر کو چاہیے کہ وہ تجارت اور بازار کے معاملات میں زیادہ حرص و ہوس کا مظاہرہ نہ کرے' مثلاً یہ کہ بازار میں سب سے پہلے پہنچ جائے' یا سب سے آخر میں واپس آئے' یا تجارتی مقاصد کے لئے سمندری سفر کرے۔ یہ سب امور مکروہ ہیں۔ بعض علماء فرماتے ہیں کہ تجارت کے لئے سمندری سفر کرنا زیادتی ہوس پر دلالت کرتا ہے۔ ایک حدیث میں ہے:۔

لا ترکب البحر الا لحجۃ او عمرۃ او غزو (ابوداؤد۔ عبداللہ ابن عمرؓ)

حج، عمرہ اور جہاد کے علاوہ کسی اور مقصد کے لئے سمندر کا سفر مت کرو۔

حضرت عبداللہ ابن عمرو ابن العاص فرماتے ہیں کہ بازار میں پہلے جانے والوں اور آخر میں آنے والوں میں سے مت ہو، اس لئے کہ بازار شیطان کا گھر ہے وہ وہاں اپنے انڈے بچے دیتا ہے۔ معاذ ابن جبل اور ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ شیطان اپنے لڑکے زلنبور سے کہتا ہے کہ تو اپنا لشکر لے کر بازاروں میں جا، اور وہاں حکومت کر۔ بازار میں مشغول لوگوں کے سامنے جھوٹ، جھوٹی قسم، دھوکا، مکر اور خیانت جیسے عیوب کو سجا کر پیش کر، اور اس شخص کے ساتھ رہ جو بازار میں سب سے پہلے آئے اور سب کے بعد واپس جائے۔ ایک حدیث میں ہے:۔

شر البقاع الا سواق و شر اھلھا اولھم دخولا و آخرھم خروجا (طبرانی۔ ام عبداللہؓ)

جگہوں میں بدترین جگہ بازار ہے، اور اہلِ بازار میں سے بدترین شخص وہ ہے جو سب سے پہلے بازار میں جائے اور سب کے آخر میں بازار سے نکلے۔

زیادتی طلب سے اجتناب کی صرف ایک ہی صورت ہے اور وہ یہ ہے کہ آدمی اپنے اخراجات کی مقدار متعین کرلے۔ اور یہ عزم کرلے کہ جب اسے اخراجات کے بقدر مال حاصل ہوجائے گا وہ بازار سے چلا جائے گا۔ اللہ کے نیک بندوں کا یہی دستور تھا۔ ایک بزرگ کو اگر درہم کا ساتواں حصہ بھی حاصل ہوجاتا بازار سے چلے جاتے اور آخرت کی تجارت میں مشغول ہوجاتے۔ حماد ابن سلمہؒ ریشمی کپڑوں کے تاجر تھے، وہ بازار جاتے اور صندوق کھول کر بیٹھ جاتے۔ دو حبّے بھی نفع حاصل ہوجاتا تو صندوق اٹھا کر گھر چلے آتے۔ اور اسی بقدر کفایت نفع پر قناعت کرتے۔ ابراہیم ابن بشارؒ کہتے ہیں کہ میں نے ابراہیم ابن ادہمؒ کی خدمت میں عرض کیا کہ آج میں گارے مٹی کا کام کروں گا۔ فرمایا: اے ابراہیم تم مطلوب بھی ہو، اور طالب بھی، تم ایسی چیز کے طالب ہو جو تمہیں حاصل ہو کر رہے گی، اور تمہیں وہ طلب کررہا ہے جس سے تم بچ نہ سکو گے۔ پھر فرمایا کہ تم نے نہیں دیکھا کہ کمزوروں کو رزق مل جاتا ہے، اور حریص محروم کردئے جاتے ہیں۔ ابراہیم کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ فلاں سبزی فروش کے ذمے میرا ایک دانق (سکہ) باقی ہے۔ فرمایا: تب تو طلبِ رزق کے لئے تمہاری حرص اور بھی مذموم ہے۔ ماضی میں کچھ نیک نفوس ایسے بھی تھے جنھوں نے حلال رزق کمانے کے لئے ظہر بعد یا عصر بعد کا وقت متعین کررکھا تھا۔ بعض لوگ ہفتہ میں ایک یا دو روز کام کرکے ضرورت کے بقدر کما لیا کرتے تھے۔

<u>مشتبہات سے حفاظت:۔</u> صرف حرام سے بچنا ہی کافی نہیں ہے، بلکہ مواقعِ شبہات سے اجتناب بھی ضروری ہے۔ اس سلسلے میں فتاویٰ اور علماء کی آراء کو حجت بنانے کے بجائے مبتلا کو چاہیے کہ وہ اپنے دل سے فتویٰ لے۔ اگر دل میں کسی قسم کی خلش اور کراہت کا احساس ہو تو اس کام سے اجتناب کرے۔ مواقعِ شبہات سے بچنے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ جب اس کے پاس کوئی مال یا سامان وغیرہ آئے لوگوں سے اس کے متعلق دریافت کرلے، اگر دریافت نہ کیا تو مشتبہ مال استعمال کرے گا۔ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں دودھ پیش کیا گیا تو آپ نے لوگوں سے دریافت کیا کہ تمہارے پاس یہ دودھ کہاں سے آیا ہے، کسی نے عرض کیا: یا رسول اللہ! بکریوں کے تھنوں سے۔ فرمایا وہ بکری کہاں سے آئی تھی جس کا یہ دودھ ہے۔ عرض کیا گیا کہ بکری فلاں جگہ سے آئی تھی۔ اس سوال وجواب کے بعد آپ نے دودھ پیا، اور لوگوں سے ارشاد فرمایا:۔

انا معاشر الانبیاء امرنا ان لا تاکل الا طیبا ولا نعمل الا صالحا (طبرانی۔ ام عبداللہؓ)

ہم انبیاء کے گروہ کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ حلال کے علاوہ کچھ نہ کھائیں۔ اور نیک کام کے علاوہ کچھ نہ کریں۔

اس حکم کا تعلق صرف انبیائے کرام کی جماعت ہی سے نہیں ہے، بلکہ اس حدیث شریف کی رو سے تمام مسلمانوں کے لئے بھی

یہی حکم ہے۔ فرمایا:۔

ان اللہ تعالٰی امر المومنین بما امر بہ المرسلین (مسلم۔ ابوہریرہ)

اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو بھی وہی حکم دیا ہے جو انبیاء کو دیا ہے۔

اس کی تفصیل کے لئے حسبِ ذیل دو آیتیں ملاحظہ کیجئے۔ پہلی آیت سے عام مؤمنین کو خطاب ہے' اور دوسری آیت کے مخاطب انبیاء کرام ہیں۔

یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُلُوْا مِنْ طَیِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰکُمْ (پ ۲ ر ۵ آیت ۱۷۲)

اے ایمان والو شرع کی رو سے جو پاک چیزیں ہم نے تم کو مرحمت فرمائی ہیں ان میں سے (جو چاہو) کھاؤ۔

یٰاَیُّھَا الرُّسُلُ کُلُوْا مِنَ الطَّیِّبٰتِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا (پ ۱۸ ر ۴ آیت ۵۱)

اے پیغمبر' تم (اور تمہاری امتیں) نفیس چیزیں کھاؤ اور نیک کام کرو۔

دودھ کے واقعے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دودھ کی اصل بکری کے متعلق دریافت فرمایا کہ وہ کہاں سے آئی' کس کی ہے' اس کی علاوہ کوئی اور بات دریافت نہیں فرمائی۔ کیونکہ اس سے زیادہ میں دشواری ہے۔ حلال و حرام کی بحث میں ہم بتلائیں گے کہ کن کن مواقع میں سوال کرنا ضروری ہے' اور کہاں غیر ضروری ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہر اس چیز کے متعلق جو آپ کی خدمت میں لائی جاتی تھی سوال نہیں فرمایا کرتے تھے۔ بلکہ خاص چیزوں میں اور خاص مواقع پر دریافت حال کے لئے اس طرح کے سوالات کرلیا کرتے تھے آپ کے اس معمول سے پتہ چلتا ہے کہ ہر جگہ سوال کرنا اور تحقیق کرنا ضروری نہیں ہے۔ تاجر کے لئے ضروری ہے کہ وہ معاملے کے دوسرے فریق کے متعلق یہ معلومات کرلے کہ وہ ظالم' خائن' چور یا سود خوار تو نہیں ہے۔ اگر ایسا ہو تو اس شخص سے ہرگز معاملہ نہ کرے۔ لشکریوں سے بھی معاملہ نہ کرے' عموماً یہ لوگ لوٹ مار کرتے ہیں' اور لوٹا ہوا مال فروخت کردیتے ہیں' اس طرح کے لوگوں سے معاملہ کرنا ظلم' چوری' خیانت' سود خوری' اور لوٹ مار پر ان کی اعانت کے مترادف ہے۔ ایک بزرگ کا قصہ ہے کہ انھیں کسی سرحد پر دیوار تعمیر کرنے کی ملازمت ملی۔ انھیں یہ ملازمت قبول کرنے میں کچھ تردد ہوا۔ اگرچہ یہ ایک کارِ خیر تھا' بلکہ یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ اسے اسلامی فریضے کی حیثیت حاصل تھی' لیکن کیونکہ جس امیر نے اس ملازمت پر ان کا تقرر کیا تھا وہ ظالم تھا' اس لئے انھیں تردد ہوا' اور وہ مشورے کے لئے حضرت سفیان ثوری کی خدمت میں پہنچے۔ سفیان ثوری نے فرمایا کہ تمہیں ان ظالموں کی نہ کم پر مدد کرنی چاہیے اور نہ زیادہ پر۔ سائل نے عرض کیا کہ یہ کام مسلمانوں کے مفاد میں ہے' اور اللہ کے لئے ہے۔ سفیان نے جواب دیا کہ تمہاری بات صحیح ہے کہ سرحد پر تعمیر کا کام مسلمانوں کا کام ہے۔ لیکن اس میں ایک خرابی یہ ہے کہ تم اپنی تنخواہ کی خاطر یہ چاہو گے کہ جس امیر نے تمہیں اس کام پر متعین کیا وہ زندہ رہے۔ اس طرح تم ایک ظالم و جابر شخص کی زندگی کے متمنی رہو گے۔ حالانکہ حدیث میں ہے:۔

من دعا لظالم بالبقاء فقد احب ان یعصی اللہ فی ارضہ

جس شخص نے کسی ظالم کے لئے زندگی کی دعا کی اس نے یہ پسند کیا کہ وہ اللہ کی زمین میں اس کی نافرمانی کرے۔

ایک روایت میں ہے:۔

ان اللہ لیغضب اذا مدح الفاسق (ابن عدی' بیہقی۔ انس)

اللہ تعالیٰ فاسق کی تعریف کرنے سے ناراض ہوتے ہیں۔

(مجھے یہ روایت مرفوع نہیں ملی' البتہ ابن ابی الدنیا نے کتاب الصمت میں اسے حسن بصریؒ کے قول کے طور پر ذکر کیا ہے۔)

ایک حدیث میں یہ الفاظ ہیں:۔

من اکرم فاسقا فقد اعان علی ھدم الاسلام

جس شخص نے کسی فاسق کی تعظیم کی اس نے اسلام کی تباہی پر مدد کی۔

ایک مرتبہ سفیان ثوریؒ خلیفہ مہدی کے پاس گئے' خلیفہ کے ہاتھ میں اس وقت ایک سفید کاغذ تھا انھوں نے سفیان سے کہا کہ مجھے دوات اٹھا دیجئے کچھ لکھنا ہے' فرمایا کہ پہلے یہ بتلاؤ کیا لکھو گے' اگر وہ بات حق ہوئی تو میں دوات دوں گا ورنہ نہیں دوں گا۔ ایک حاکم نے کسی عالم کو جو اس کے پاس قید کی زندگی گذار رہے تھے بلایا اور خط پر مہر لگانے کے لئے مٹی گھولنے کے لئے کہا' عالم نے کہا مٹی گھولنے سے پہلے میں یہ خط دیکھنا چاہتا ہوں۔ اگر خط میں حق بات ہوگی تو تیرا حکم مانوں گا' ورنہ انکار کردوں گا۔ ان واقعات سے ثابت ہوا کہ اکابرین سلف ظالم کی اعانت سے بہت زیادہ اجتناب کرتے تھے۔ معاملات میں اعانت علی الظلم کے زیادہ امکانات ہیں۔ اس لئے دین دار تاجروں کو احتیاط کی زیادہ ضرورت ہے۔ ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ ایک زمانہ ایسا تھا کہ آدمی بازار جاتا' اور کسی تردد کے بغیر جس سے چاہتا معاملہ کرلیتا' سب لوگ متقی' دیندار' اور احتیاط پسند تھے' پھر ایک زمانہ ایسا آیا کہ لوگ کسی ایک شخص کے متعلق بتلا دیتے کہ اس سے معاملہ مت کرنا' اور جس سے چاہے معاملہ کرلیتا۔ اس کے بعد وہ زمانہ آیا کہ لوگ ان افراد کی تعیین کرنے لگے جن سے معاملات کئے جاسکتے ہیں مجھے ڈر ہے کہ آئندہ یہ صورت بھی ختم ہو جائے اور معاملات ایسے لوگوں کے ہاتھوں میں آجائیں جو تقوی' تدین اور احتیاط سے عاری ہوں۔

احتساب نفس:۔ تاجر کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ اپنے تمام معاملات میں اپنے تمام احوال کا احتساب کرتا رہے۔ اس لئے کہ قیامت کے روز اس کے ہر قول' عمل' اور ہر حال کا محاسبہ ہوگا۔ کہتے ہیں کہ قیامت کے دن تاجروں کے ساتھ ان تمام لوگوں کو بھی کھڑا کیا جائے گا جن سے اس نے معاملہ کیا ہوگا' ایک بزرگ کہتے ہیں کہ میں نے ایک تاجر کو اس کے مرنے کے بعد خواب میں دیکھا' اور دریافت کیا کہ اللہ تعالی نے تمہارے ساتھ کیا سلوک کیا ہے کہنے لگا کہ جب میری پیشی ہوئی تو میرے سامنے پچاس ہزار نامہ اعمال کھول کر رکھ دئے گئے' میں نے عرض کیا کہ کیا یہ تمام نامۂ اعمال میرے گناہوں سے لبریز ہیں۔ فرمایا کہ ان میں تیرے معاملات لکھے ہوئے ہیں' ہر اس شخص کا جس کے ساتھ تو نے معاملہ کیا حساب و کتاب الگ نامۂ اعمال میں درج ہے۔ یہ باب تمام ہوا۔ اب ہم حلال و حرام کے موضوع پر گفتگو کریں گے۔ انشاء اللہ۔

(یہ روایت ان الفاظ میں نہیں ملی۔ البتہ ابن عدی نے حضرت عائشہ سے طبرانی نے اوسط میں اور ابو نعیم نے حلیہ میں عبداللہ ابن بشر سے یہ الفاظ نقل کئے ہیں "من وقر صاحب بدعة الخ")

کتاب الحلال والحرام
حلال اور حرام کا بیان

طلبِ حلال کے سلسلے میں حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ نے سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کیا ہے:۔

طلب الحلال فریضۃ علی کل مسلم

حلال کا طلب کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے۔

دوسرے فرائض کی بہ نسبت اس فریضہ کا سمجھنا بھی دشوار ہے اور اس پر عمل کرنا بھی مشکل ہے یہی وجہ ہے کہ اس فریضے کا علم بھی مٹ گیا' اور عمل کا باب بھی بند ہو گیا جاہل لوگ یہ سمجھنے لگے کہ حلال چیز مفقود ہے' اور حلال تک پہنچنے کا راستہ مسدود ہے۔ اور یہ گمان کرنے لگے کہ اب پاکیزہ و طیب چیزوں میں صرف نہروں کا پانی' اور غیر مملوکہ زمینوں کی سبزی باقی رہ گئی ہے۔ ان کے علاوہ جو چیزیں ہیں ظالموں نے انھیں اپنے غیر شرعی معاملات کی وجہ سے خراب کر دیا ہے۔ اور اب اس کے علاوہ کوئی صورت باقی نہیں رہ گئی ہے کہ محرمات کا استعمال کیا جائے' کیونکہ یہ ممکن نہیں کہ صرف پانی اور غیر مملوکہ زمین کی اگی ہوئی گھاس پر قناعت کی جاسکے۔ جہلاء نے اپنی اس غلط فہمی' لاعلمی' اور ناسمجھی کی بنا پر علم حلال کو بالائے طاق رکھ دیا ہے۔ حالانکہ حلال اور حرام دونوں ایک دوسرے سے الگ اور ممتاز ہیں' ان دونوں کے درمیان مشتبہ چیزیں ہیں کیوں کہ حلال اور حرام اور مشابہات اتنے قریب ہیں کہ ایک عام آدمی ان تینوں میں امتیاز نہیں کر سکتا' اس لئے ہم چاہیں گے ان تینوں کا فرق واضح کر دیا جائے۔ تاکہ اس بدعت کا قلع قمع ہو سکے جو حلال و حرام کے نام پر دین میں نیا نیا وارد ہوا ہے' اور ہم سات ابواب میں اس بحث کو مکمل کریں گے۔

پہلا باب

حلال کی فضیلت اور حرام کی مذمت۔ اقسام اور درجات

آیات:۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔

كُلُوا مِنَ الطَّيِّبَاتِ وَاعْمَلُوا صَالِحًا (پ ۱۸ ر ۳ آیت ۵۱)

نفیس چیزیں کھاؤ اور نیک کام کرو۔

لَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ (پ ۵ ر ۲ آیت ۲۹)

اے ایمان والو آپس میں ایک دوسرے کے مال ناحق طور پر مت کھاؤ۔

إِنَّ الَّذِينَ يَأْكُلُونَ أَمْوَالَ الْيَتَامَىٰ ظُلْمًا إِنَّمَا يَأْكُلُونَ فِي بُطُونِهِمْ نَارًا (پ ۴ ر ۱۲ آیت ۱۰)

بلاشبہ جو لوگ یتیموں کا مال بلا استحقاق کھاتے ہیں اور کچھ نہیں اپنے شکم میں آگ بھر رہے ہیں۔

یہ روایت کتاب الزکوۃ میں گذری ہے طبرانی نے اوسط میں انسؓ سے یہ روایت نقل کی ہے۔ اس میں یہ الفاظ ہیں "طلب الحلال واجب علی کل مسلم" اس روایت کی سند ضعیف ہے

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَذَرُوا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبَوا إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ (ثم قال) فَإِنْ لَّمْ تَفْعَلُوا فَأْذَنُوا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُولِهِ (ثم قال) وَإِنْ تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوسُ أَمْوَالِكُمْ (قال قبله) وَمَنْ عَادَ فَأُولٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ (پ ۳ ر ۶ آیت ۲۷۸ و ۲۷۹ و ۲۷۵)

اے ایمان والو اللہ سے ڈرو' اور جو کچھ سود کا بقایا ہے اس کو چھوڑ دو اگر تم ایمان والے ہو (پھر فرمایا) پھر اگر تم اس پر عمل نہ کرو گے تو اعلان سن لو جنگ کا اللہ کی طرف سے اور اس کے رسول کی طرف سے اور اگر تم توبہ کرلو گے تو تم کو تمہارے اصل اموال مل جاویں گے (اس سے پہلے فرمایا) اور جو شخص پھر عود کرے تو یہ لوگ دوزخ میں جائیں گے اور اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

احادیث:۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:۔

طلب الحلال فريضة على كل مسلم (۱)

حلال کا طلب کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے۔

ایک روایت میں طلبِ علم کو ہر صاحبِ ایمان کا فریضہ قرار دیا گیا ہے۔ بعض علماء کی رائے میں اس علم سے مراد حلال اور حرام کا علم ہے۔ ارشاد فرمایا:۔

من سعى على عياله ففي سبيل الله' ومن طلب الدنيا في عفاف كان في درجة الشهداء (طبرانی اوسط۔ ابو ہریرہؓ)

جو شخص اپنے اہل و عیال کے لئے حلال کمانے کی جدوجہد کرے وہ اللہ کے راستے میں ہے' اور جو شخص پارسائی کے ساتھ دنیا طلب کرے وہ شہداء کے درجے میں ہے۔

من أكل الحلال اربعين يوما نور الله قلبه واجرى ينابيع الحكمة من قلبه على لسانه (ابونعیم۔ ابوایوبؓ ابن عدی نحوہ۔ ابو موسیٰؓ)

جو شخص چالیس دن تک حلال کھانا کھائے اللہ اس کے دل کو نور سے بھر دیتے ہیں' اور اس کے دل سے زبان پر حکمت کے چشمے جاری فرمادیتے ہیں۔

حضرت سعدؓ نے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا: یا رسول اللہ! میرے لئے دعا فرما دیجئے تاکہ میں مُستجابُ الدّعوات بن جاؤں' اور باری تعالیٰ میری کوئی دعا رد نہ فرمائیں ارشاد فرمایا:۔

اطب طعمتك تستجب دعوتك (طبرانی اوسط۔ ابن عباسؓ)

حلال کھانا کھایا کرو' تمہاری دعا قبول کی جائے گی۔

ایک موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا کے حریصوں کی مذمت میں یہ کلمات ارشاد فرمائے۔

رب اشعث اغبر مشرد في الاسفار' مطعمه حرام' وملبسه حرام' وغذى بالحرام يرفع يديه فيقول يارب يارب' فانى يستجاب لذلك (مسلم ابوہریرہؓ)

بہت سے پراگندہ بدحال' غبار آلود' سفر میں گم کردہ منزل کہ ان کا کھانا حرام ہوگا' ان کا لباس حرام ہوگا' حرام غذا سے پلے ہوں گے' اپنے دونوں ہاتھ اٹھا کر کہیں گے اے پروردگار! اے پروردگار! تو ایسے لوگوں کی دعا

(۱) (یہ روایت ابھی گذری ہے)

کس طرح قبول کی جائے گی۔
حضرت عبداللہ ابن عباسؓ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کرتے ہیں:۔

ان اللہ ملکا علی بیت المقدس ینادی کل لیلۃ من اکل حراما لم یقبل منہ صرف ولا عدل (۱)

بیت المقدس میں اللہ کا ایک فرشتہ متعین ہے جو ہر رات یہ اعلان کرتا ہے کہ جو شخص حرام کھائے گا اس کی نہ فرض عبادت قبول ہوگی اور نہ نفلی عبادت۔

اسی مضمون کی چند روایت یہ ہیں:۔

من اشتری ثوبا بعشرۃ دراھم وفیہ درھم حرام لم یقبل اللہ صلاتہ مادام علیہ منہ شئی (احمد۔ ابن عمرؓ)

جو شخص دس درہم میں کپڑا خریدے اور ان میں ایک درہم حرام ہو تو جب تک اس کپڑے کا کوئی حصہ اس کے جسم پر رہے گا اس کی نماز قبول نہیں کی جائے گی۔

کل لحم نبت من حرام فالنار اولی بہ (ترمذی۔ کعب ابن عجرۃؓ)

جو گوشت حرام غذا سے بنے دوزخ اس کی زیادہ مستحق ہے۔

من لم یبال من این اکتسب المال لم یبال اللہ من این ادخلہ النار (۲)

جو شخص یہ پرواہ نہ کرے کہ اس نے مال کہاں سے کمایا ہے تو اللہ تعالیٰ یہ پرواہ نہیں کریں گے کہ کہاں سے اس کو دوزخ میں داخل کرے

(دیلمی۔ ابن عمرؓ)

العبادۃ عشرۃ اجزاء فتسعۃ منھا فی طلب الحلال (۳) (دیلمی۔ انسؓ)

عبادت کے دس جزء ہیں۔ ان میں سے نو کا تعلق حلال رزق سے ہے۔

من امسی وانیا من طلب الحلال بات مغفورا لہ واصبح واللہ عنہ راض (۴)

جو شخص حلال رزق کمانے میں تھک کر شام کرے وہ اس حال میں رات گزارے گا کہ اس کے تمام گناہ بخش دیئے جائیں گے، اور اس حال میں صبح کرے گا کہ اللہ تعالیٰ اس سے راضی ہوں گے۔

من اصاب مالا من ماثم فوصل بہ رحما او تصدق بہ او انفقہ فی سبیل اللہ جمع اللہ لک جمیعا ثم قذفہ فی النار (ابوداؤد فی المراسیل۔ قاسم ابن مخیمرہؒ)

جو شخص گناہ کے ذریعے مال حاصل کرے پھر اس مال سے صلہ رحمی کرے، یا صدقہ میں دے دے، یا اللہ

---

(۱) مجھے اس کی اصل نہیں ملی۔ البتہ ابو منصور الدیلمی مسند الفردوس میں ابن مسعودؓ سے یہ الفاظ نقل کئے ہیں "من اکل لقمۃ من حرام لم تقبل منہ صلاۃ اربعین لیلۃ"

(۲) ابن العربی نے عارضۃ الاحوذی شرح ترمذی میں اس حدیث کو باطل قرار دیا ہے۔

(۳) مگر دیلمی کی روایت میں یہ الفاظ ہیں "فتسعۃ منھا فی الصمت والعاشرۃ کسب الید من الحلال"

(۴) طبرانی اوسط۔ ابن عباسؓ مگر الفاظ روایت یہ ہیں "من امسی کالا من عمل یدیہ امسی مغفورا لہ" وفیہ ضعف۔

کی راہ میں خرچ کردے، اللہ تعالیٰ ان سب کو جمع کرکے دوزخ میں ڈال دے گا۔

خیر دینکم الورع (۱)

تمہارا بہترین دین تقویٰ ہے۔

من لقی اللہ ورعا اعطاہ ثواب الاسلام کلہ (۲)

جو شخص ورع کی حالت میں اللہ سے ملاقات کرے گا اللہ تعالیٰ اسے تمام اسلام کا ثواب مرحمت فرمائیں گے۔

درھم من ربا اشد عند اللہ من ستۃ و ثلاثین زینۃ فی الاسلام (احمد دار قطنی۔ عبداللہ ابن حنظلہؓ)

سود کا ایک درہم اللہ کے نزدیک حالت اسلام میں چھتیس بار کے زنا سے زیادہ سخت ہے۔

حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ہے کہ "معدہ بدن کا حوض ہے، جسم کی تمام رگوں کا رُخ اسی حوض کی طرف ہے، اگر معدہ صحیح ہوگا تو تمام رگیں صحیح حالت میں نکلیں گی، اور اگر معدہ فاسد ہوگا تو تمام رگیں اس فساد سے متأثر ہوں گی، دین میں کھانے کو وہی حیثیت حاصل ہے جو تعمیر میں بنیاد کو ہے، اگر بنیاد مضبوط و مستحکم ہے تو عمارت بھی سیدھی اور بلند ہوگی، اور اگر بنیاد کمزور اور ٹیڑھی ہوئی تو عمارت زمین بوس ہو جائے گی۔ (۳) اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:۔

أَفَمَنْ أَسَّسَ بُنْيَانَهُ عَلَىٰ تَقْوَىٰ مِنَ اللَّهِ وَرِضْوَانٍ خَيْرٌ أَم مَّنْ أَسَّسَ بُنْيَانَهُ عَلَىٰ شَفَا جُرُفٍ هَارٍ فَانْهَارَ بِهِ فِي نَارِ جَهَنَّمَ (پ ۱۱ ر ۲ آیت ۱۰۹)

پھر آیا ایسا شخص بہتر ہے جس نے اپنی عمارت یعنی مسجد کی بنیاد خدا سے ڈرنے پر اور اس کی خوشنودی پر رکھی ہو یا وہ شخص جس نے اپنی عمارت کی بنیاد کسی گھاٹی یعنی غار کے کنارے پر جو کہ گرنے ہی کو ہو رکھی پھر وہ عمارت اس بانی کو لے کر آتش دوزخ میں گر پڑے۔

ایک حدیث میں ہے:۔

من اکتسب مالا من حرام فان تصدق بہ لم یقبل منہ وان ترکہ وراءہ کان زادہ الی النار (احمد۔ ابن مسعودؓ)

جو شخص حرام مال کمائے، اور اسے صدقہ کرلے تو اس کا صدقہ قبول نہیں کیا جائے گا اور اگر چھوڑ کر مرجائے تو دوزخ کے سفر کا توشہ بنے گا۔

کتاب الکسب میں ہم نے حلال آمدنی سے متعلق کچھ احادیث لکھی ہیں۔ یہاں ان کا اضافہ بھی کرلیا جائے۔

آثار:۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے ایک مرتبہ اپنے غلام کالایا ہوا دودھ نوش فرمالیا۔ اس کے بعد دریافت فرمایا کہ تم یہ دودھ کہاں سے لائے تھے۔ اس نے عرض کیا کہ میں نے ایک قوم میں کہانت کی تھی اس کے عوض میں انھوں نے یہ دودھ دیا ہے۔ آپ نے اسی وقت حلق میں انگلی ڈال کر قے کردی، راوی کہتے ہیں کہ وہ دیر تک قے کرتے رہے، یہاں تک کہ مجھے یہ محسوس ہوا کہ غالباً آپ کا دم نکل جائے گا۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ اے اللہ میں تیرے سامنے عذر کرتا ہوں اس دودھ کا جو رگوں میں پھیل گیا

---

(۱) یہ روایت کتاب العلم میں گذری ہے

(۲) اس روایت کی اصل مجھے نہیں ملی

(۳) یہ روایت طبرانی نے اوسط میں اور عقیلی نے کتاب الضعفاء میں نقل کی ہے۔ عقیلی نے اسے بے اصل اور باطل قرار دیا ہے

ہے' اور آنتوں میں خلط ملط ہو گیا ہے۔ روایات میں ہے کہ جب اس واقعے کی خبر سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہوئی تو آپ نے ارشاد فرمایا:۔

اَوَماعلمتم اَن الصدیق لا یدخل جوفہ الا طیبا (بخاری۔ عائشہؓ)

کیا تم نہیں جانتے کہ صدیق اپنے پیٹ میں پاک غذا کے علاوہ کچھ نہیں رکھتا۔

اسی طرح کا ایک واقعہ حضرت عمرؓ سے منقول ہے کہ انھوں نے لاعلمی میں زکوٰۃ کی اونٹنی کا دودھ پی لیا تھا' معلوم ہونے پر حلق میں انگلی ڈال کر قے کردی۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ تم لوگ افضل ترین عبادت وَرع سے غافل ہو جس کے معنیٰ ہیں حرام سے بچنا۔ حضرت عبداللہ ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ اگر تم اتنی نمازیں پڑھو کہ کمان کی طرح تمہاری کمر جھک جائے' اور اتنے روزے رکھو کہ تانت کی طرح باریک (کمزور) ہو جاؤ تو تمہاری یہ نمازیں اور روزے قبول نہیں ہوں گے جب تک کہ تم حرام امور سے اجتناب نہ کرو۔ حضرت ابراہیم ابن ادہم کا مقولہ ہے کہ اگر کسی نے کچھ حاصل کیا ہے تو اسی طرح حاصل کیا ہے کہ جو کچھ پیٹ میں ڈالا ہے سمجھ کر ڈالا۔ فضیل ابن عیاضؒ کہتے ہیں کہ جو شخص دیکھ بھال کر کھاتا ہے اللہ تعالیٰ اسے صدّیقیت کا درجہ مرحمت فرماتا ہے' اس لئے اے مسکین! افطار کرنے سے پہلے یہ دیکھ لیا کرو کہ کہاں افطار کر رہے ہو؟ ابراہیم ابن ادہمؒ سے کسی شخص نے دریافت کیا کہ تم زمزم کا پانی کیوں نہیں پیتے' فرمایا کہ اگر میرے پاس اپنا ڈول ہوتا تو ضرور پیتا۔ سفیان ثوری نے فرمایا کہ اللہ کے راستے میں حرام مال خرچ کرنے والا ایسا ہے جیسے کوئی شخص کپڑے پر لگی ہوئی نجاست کو پیشاب سے دھوئے۔ جس طرح کپڑے کی طہارت کے لئے پاک پانی ضروری ہے اسی طرح گناہوں کے کفارے کے لئے حلال مال ضروری ہے۔ یحیٰ ابن معاذ فرماتے ہیں کہ اطاعت اللہ تعالیٰ کے خزانوں میں سے ایک خزانہ ہے اس خزانے کی کنجی دعا ہے' اور کنجی کے دندانے حلال غذا کے لقمے ہیں۔ حضرت عبداللہ ابن عباسؓ کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ اس شخص کی نماز قبول نہیں کرتا جس کے پیٹ میں حرام غذا ہو۔ سہیل تستریؒ کہتے ہیں کہ بندہ ایمان کی حقیقت تک نہیں پہنچ سکتا۔ جب تک اس میں چار خصلتیں نہ ہوں۔ ا۔ سنّتوں کے ساتھ فرائض ادا کرنا۔ ۲۔ وَرع کے ساتھ حلال غذا کھانا' ۳۔ ظاہر و باطن کی مَنہیات سے اجتناب کرنا' ۴۔ ان تینوں خصلتوں کی زندگی کی آخری سانس تک پابندی کرنا۔ ایک مرتبہ فرمایا کہ جو شخص یہ چاہے کہ اس پر صدّیقیت کی علامتیں واضح ہو جائیں تو وہ حلال غذا کے علاوہ کوئی چیز نہ کھائے' اور سنت اور فرض کے علاوہ کوئی کام نہ کرے۔ کسی بزرگ کی طرف یہ قول منسوب ہے کہ جو شخص چالیس دن تک حرام غذا کھاتا ہے اس کا دل تاریک ہو جاتا ہے قرآن کریم کی اس آیت کا مفہوم بھی یہی ہے۔

كَلَّا بَلْ رَانَ عَلَىٰ قُلُوبِهِم مَّا كَانُوا يَكْسِبُونَ (پ ۳۰ ر ۸ آیت ۱۴)

ہرگز (ایسا) نہیں بلکہ (اصل وجہ یہ ہے کہ ان کے دلوں پر ان کے اعمال (بد) کا زنگ بیٹھ گیا ہے۔

حضرت عبداللہ ابن مبارک کا ارشاد ہے کہ ایک مشتبہ درہم کا واپس کردینا میرے نزدیک ایک لاکھ سے چھ لاکھ درہم تک خیرات کرنے سے بہتر ہے۔ ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ جب بندہ کوئی نوالہ کھاتا ہے تو اس کا دل چمڑے کی طرح بگڑ جاتا ہے' اور کبھی اپنی اصل حالت پر واپس نہیں آتا۔ سہیل تستریؒ فرماتے ہیں کہ جو شخص حلال غذا کھاتا ہے اس کے اعضاء باری تعالیٰ کی نافرمانی کرتے ہیں خواہ وہ چاہے یا نہ چاہے خواہ اسے علم ہو یا نہ ہو۔ اور جو شخص حلال غذا کھاتا ہے اس کے اعضاء باری تعالیٰ کی اطاعت کرتے ہیں' اور انھیں خیر کی توفیق عطا کی جاتی ہے۔ ایک بزرگ کا قول ہے کہ آدمی جب حلال غذا کا پہلا لقمہ کھاتا ہے تو اس کے پچھلے گناہ معاف کردئے جاتے ہیں' اور جو شخص حلال رزق کمانے کے لئے اپنے آپ کو ذلیل و خوار کرتا ہے اس کے تمام گناہ اس طرح جھڑ جاتے ہیں جس طرح پت جھڑ کے موسم میں درخت سے پتے گرتے ہیں۔ اکابرینِ سلف فرمایا کرتے تھے کہ جب کوئی واعظ وعظ کہنے کے لئے بیٹھے تو اس میں تین باتیں دیکھو' اگر وہ مُبتدعانہ خیالات رکھتا ہو تو اس کے پاس مت بیٹھو' اس لئے کہ بدعتی شیطان کی زبان سے بولتا ہے۔ اور اگر بری غذا استعمال کرتا ہے تو بھی اس سے کنارہ کشی اختیار کرو کیوں کہ ایسا شخص خواہشاتِ نفسانی کے زیرِ

اثر خطاب کرتا ہے' اگر اس کے شعور میں پختگی نہ ہو تب بھی اس کی بات مت سنو اس لئے کہ ایسا شخص اصلاح کے بجائے بگاڑ اور فساد کا بیج بوتا ہے۔ حضرت علیؓ کی ایک مشہور روایت میں ہے کہ دنیا کے حلال میں حساب ہے اور حرام میں عذاب ہے' اور مشتبہ چیزوں میں عتاب ہے۔ کسی بزرگ نے ایک اَبدال کو کھانے کے لئے کچھ پیش آیا' انھوں نے کھانے سے انکار کردیا' اور فرمایا کہ ہم لوگ حلال غذا کے علاوہ کچھ استعمال نہیں کرتے یہی وجہ ہے کہ ہمارے دل مستقیم رہتے ہیں' حالت یکساں رہتی ہے' ہم پر ملکوت کے سربستہ راز منکشف ہوتے ہیں' اور ہم آخرت کے احوال کا مشاہدہ کرتے ہیں۔ اگر ہم لوگ تین دن بھی وہ غذا استعمال کرلیں جو تم لوگ استعمال کرتے ہو تو جو کچھ علم یقین ہمیں حاصل ہے وہ سب سلب ہوجائے' اور خوف و مشاہدہ احوال کی قوت ہمارے دل میں باقی نہ رہے ایک شخص نے کہا کہ میں ایک مہینہ میں تیس قرآن پاک ختم کرتا ہو۔ ابدال نے کہا کہ تمہارے اس عمل سے میرا وہ شربت بہتر ہے جو میں نے رات پیا تھا۔ راوی کہتے ہیں کہ ابدال نے رات کے وقت جنگلی ہرن کا دودھ پیا تھا۔ امام احمد ابن حنبلؒ اور یحیٰ ابن معینؒ کے درمیان بہت زیادہ قریبی تعلق تھا۔ امام احمد نے ایک مرتبہ یحیٰ ابن معین کی زبانی یہ بات سن کر دوستی ختم کردی کہ میں کسی کے سامنے دستِ سوال دراز نہیں کرتا لیکن اگر بادشاہ مجھے کچھ دے دے تو لینے سے انکار نہ کروں۔ بعد میں یحیٰ ابن معین نے عذر کیا اور کہنے لگے کہ میں تو یہ بات ازراہِ مذاق کہہ رہا تھا' فرمایا کہ کیا دین ہی مذاق کے لئے رہ گیا ہے کیا تم نہیں جانتے کہ کھانے پینے کے معاملات کا تعلق بھی دین سے ہے' اللہ تعالیٰ نے كُلُوا مِنَ الطَّيِّبَاتِ وَاعْمَلُوا صَالِحًا میں کھانے کو عملِ صالح پر مقدم کیا ہے حضرت علیؓ سے مروی ہے کہ انھوں نے حضرت عثمانؓ کے قتل اور دار الخلافت کی تباہی کے بعد یہ معمول بنالیا تھا کہ کھانے سے پہلے یہ دیکھ لیا کرتے تھے کہ اس پر ان کی مہر لگی ہوئی ہے یا نہیں اگر مہر لگی ہوتی تو استعمال کرتے یہ معمول انھوں نے اس لئے بنایا تاکہ شبہ سے محفوظ رہیں فضیل ابن عیاض' ابن عُیینہ' اور عبد اللہ ابن المبارک مکہ مکرمہ میں وُہیب ابن الورد کے گھر پر جمع ہوئے بات کھجوروں کی چل پڑی۔ وہیب کہنے لگے کہ مجھے کھجور بہت پسند ہے' لیکن میں اس لئے نہیں کھاتا کہ ادھر کے باغات کی کھجوریں زبیدہ کی کھجوروں میں خلط ملط ہوگئی ہیں' ابن المبارک کہنے لگے کہ اگر تم نے ان باریکیوں کا لحاظ کیا تو روٹی کھانا بھی تمہارے لئے دشوار ہوجائے گا۔ پوچھا وہ کیوں؟ فرمایا اس لئے کہ جس طرح باغات میں اختلاط ہوگیا ہے اسی طرح زمینیں بھی ایک دوسرے میں مل گئی ہیں۔ راوی کہتے ہیں کہ یہ سنتے ہی وہیب کی حالت خراب ہوگئی' اور بے ہوش ہو کر گر پڑے۔ سفیان ثوری نے ابن المبارک سے کہا کہ تم نے انھیں قتل کردیا ہے' ابن المبارک معذرت کرنے لگے کہ میرا مقصد محض یہ تھا کہ وہ دشواریوں میں نہ پڑیں' وہیب جب ہوش میں آئے تو انھوں نے قسم کھائی کہ میں مرتے دم تک روٹی نہیں کھاؤں گا چنانچہ انھوں نے روٹی چھوڑ دی اور دودھ پینا شروع کردیا۔ ایک دن ان کی والدہ دودھ لے کر آئیں' آپ نے پوچھا کہ یہ دودھ کہاں کا ہے؟ انھوں نے کہا کہ یہ فلاں شخص کی بکری کا دودھ ہے۔ پوچھا کہ اس کے پاس یہ بکری کہاں سے آئی تھی' والدہ محترمہ نے اس سلسلے میں بھی ان کی تشفی کردی۔ جب دودھ کا پیالہ منہ کے پاس لے گئے تو یکلخت خیال آیا کہ ایک سوال اور باقی رہ گیا ہے۔ پیالہ الگ رکھ کر والدہ سے دریافت کیا کہ یہ بکری کس زمین میں چرا کرتی ہے' والدہ خاموش رہی کیونکہ وہ زمین مشکوک تھی جہاں وہ چرنے کے لئے جاتی تھی' آپ نے پیالہ واپس کردیا' والدہ نے کہا بھی کہ پی لو' اللہ تعالیٰ درگذر فرمانے والے ہیں۔ فرمایا کہ مجھے شرم آتی ہے کہ پہلے اس کی نافرمانی کروں پھر اس کی مغفرت کی امید رکھوں۔ بشر حافی کا شمار بھی متقی پرہیزگار لوگوں میں ہوتا تھا۔ ان سے کسی نے دریافت کیا کہ آپ کہاں سے کھاتے ہیں فرمایا کہ جہاں سے تم کھاتے ہو' لیکن میں کھا کر ہنستا نہیں ہوں' بلکہ روتا ہوں دوسروں کی بہ نسبت میرے لقمے بہت چھوٹے ہیں مطلب یہ ہے کہ ضرورت کے مطابق کھاتا ہوں لذت کے لئے نہیں کھاتا۔ بہرحال یہ اولیاء اللہ تھے جو مُشتبہات سے بھی بچتے تھے۔

حلال اور حرام کی قسمیں

حلال اور حرام کی بحث کتب فقہ میں تفصیل کے ساتھ ملتی ہے' سالک اگر یہ طے کرلے کہ وہ کوئی متعین غذا استعمال کرے گا اور اس میں یہ لحاظ رکھے گا کہ فتویٰ کی رُو سے وہ غذا حلال ہو تو اسے ان طویل بحثوں کی ضرورت نہیں ہے لیکن وہ لوگ جن کی غذاؤں میں تنوّع ہے حلال اور حرام کے موضوع پر تفصیلی مباحث کے محتاج ہیں' فقہی کتابوں میں ہم نے یہ مباحث مفصّل طور پر لکھے ہیں' ان صفحات میں جو کچھ بھی بیان کریں گے اس میں اجمال ہوگا۔ ذیل میں ہم مالِ حرام کی تقسیم کرتے ہیں۔ مال یا تو اپنی ذات سے حرام ہوتا ہے یا اس طرح کہ اس کے حاصل کرنے میں کسی امرِ حرام کا ارتکاب کیا گیا ہو۔

پہلی قسم:۔ یعنی وہ چیزیں جو اپنی ذات سے حرام ہوتی ہیں جیسے شراب' اور خنزیر وغیرہ۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ روئے زمین پر جو چیزیں کھائی جاتی ہیں وہ تین طرح کی ہیں اول معدنیات جیسے نمک اور مٹی وغیرہ' دوم نباتات' سوم حیوانات' معدنیات وہ ہیں جو زمین کے اندر سے نکلتی ہیں' معدنیات کا کھانا حرام ہے' بعض چیزوں کی حرمت اس لئے ہے کہ ان کے کھانے سے کھانے والوں کو ضرر ہوتا ہے' اور بعض اس لئے کہ وہ زہر کی طرح ہیں۔ بہرحال معدنیات میں حرمت کی بنیاد ضرر ہے۔ اگر روٹی میں بھی ضرر ہوتا تو اس کا کھانا بھی حرام ہوتا۔ اس سے یہ بات بھی سمجھ میں آئی کہ اگر کوئی معدنی چیز مثلاً تانبا وغیرہ شوربے یا کسی سیّال چیز میں گر جائے تو وہ خراب نہیں ہوگی' کیونکہ معدنیات میں حرمت ذاتی نہیں ہے۔ نباتات میں صرف وہ سبزیاں حرام ہیں جو عقل' زندگی یا صحت زائل کرنے والی ہوں عقل نشہ آور چیزوں سے زائل ہوتی ہے زندگی کو زہریلی سبزیوں سے خطرہ ہے' اور صحت زائل کرنے والی وہ دوائیں ہیں جو بے وقت اور بلا ضرورت استعمال کی جائیں۔ غرضیکہ نشہ آور چیزوں کے علاوہ سب میں حرمت کی علت ضرر ہے' نشہ آور چیزوں میں تھوڑی بھی حرام ہے چاہے نشہ نہ کرے' زہریلی چیزوں میں اگر ان کی صفت زہریلا پن کسی دوسری چیز کے ملانے سے یا قلت سے باقی نہ رہے تو وہ حرام نہ ہوں گی۔ حیوانات دو طرح کے ہیں' ماکول یعنی وہ جانور شریعت نے جن کا گوشت استعمال کرنے کی اجازت دی ہے اور غیر ماکول یعنی وہ جانور خاص طور پر پرندے اتنے زیادہ اور مختلف قسم کے ہیں کہ ان سب کا نام لکھنا بہت زیادہ تفصیل طلب ہے جن جانوروں کا گوشت کھانا جائز ہے شریعت نے اس کا طریقہ بھی متعین کردیا ہے کہ جانور کو شرعی طور پر ذبح کیا جائے یعنی ذبح کرنے والے' آلہ ذبح' اور مقام ذبح کے سلسلے میں تمام شروط کی رعایت کی جائے کتاب الصید والذبائح میں ان تمام شرطوں کی تفصیل مذکور ہے جو جانور شرعی طور پر ذبح نہ کیے جائیں یا اپنی موت مرجائیں تو ٹڈی اور مچھلی کے علاوہ کسی کا گوشت استعمال نہیں کیا جاسکتا ٹڈی اور مچھلی ہی کے حکم میں وہ کیڑے ہیں جو غذا کا جزو بن جاتے ہیں' مثلاً سیب' سِرکہ' گُولر' اور پنیر کے کیڑے کہ ان سے احتراز کرنا ممکن نہیں ہے' ہاں اگر ان کیڑوں مکوڑوں کو علیحدہ کرکے کھایا جائے تو یہ ناجائز ہے' اور ان کا حکم وہی ہے جو مکھی' گوبریلے' اور بچھو وغیرہ کا ہے۔ ان جانوروں میں حرمت کا ظاہر سبب خون رواں نہیں ہے' اس سے معلوم ہوا کہ ان کی کراہت طبعی ہے اگر کراہت طبعی نہ ہوتی تو یہ جانور مکروہ نہ ہوتے۔ اگر کوئی شخص اپنی افتادِ طبع کے لحاظ سے ایسا ہو کہ ان جانوروں کے کھانے میں کراہت نہ سمجھے تو باقی لوگوں کو اس پر قیاس نہیں کیا جائے گا' کیونکہ عام طور پر طبیعتیں اس طرح کے جانوروں سے نفرت کرتی ہیں۔ جس طرح کوئی شخص تھوک یا ناک کی ریزش جمع کرکے کھالے تو اس کا یہ فعل مکروہ ہے حالانکہ یہاں کراہت کا سبب نجاست نہیں ہے مکھی وغیرہ جانوروں کے متعلق صحیح بات یہی ہے کہ ان کے مرنے سے چیزیں ناپاک نہیں ہوتی چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ مکھی اگر کھانے میں گر جائے تو اسے غوطہ دے کر باہر نکال دو۔ (بخاری۔ ابو ہریرۃ) بعض اوقات کھانا گرم ہوتا ہے مکھی اس میں گرتے ہی مرجاتی ہے بعض مرتبہ مکھی' یا چیونٹی وغیرہ جانوروں کے دیگچی میں گرتے ہی ٹکڑے ٹکڑے ہوجاتے ہیں' اس صورت میں دیگچی کا سالن پھینکنا ضروری نہیں ہے' کیونکہ مکروہ صرف ان کا

جسم ہے' اور وہ ناپاک نہیں ہے' اگر ناپاک ہوتا تو بلاشبہ دیگچی کا سالن ناپاک ہو جاتا۔ اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ ان چیزوں کی حرمت کا سبب طبعی کراہت ہے' نجاست نہیں ہے۔ اسی لئے ہم کہتے ہیں کہ اگر مردہ آدمی کے جسم کا کوئی ٹکڑا سالن میں گر جائے اگرچہ وہ ٹکڑا بہت ہی چھوٹا کیوں نہ ہو تو سالن حرام ہو جائے گا۔ اس کی وجہ یہ نہیں کہ وہ سالن نجاست کی وجہ سے حرام ہوا ہے' کیونکہ آدمی مرنے سے ناپاک نہیں ہوتا' بلکہ اس کی حرمت اس کی عظمت کی وجہ سے ہے'

جو جانور کھائے جاتے ہیں ذبح سے ان کے تمام اجزاء پاک اور لائقِ استعمال نہیں ہوتے بلکہ خون اور بول و براز وغیرہ غلیظ چیزوں کی نجاست اس وقت بھی رہتی ہے۔ اور نجاست کا کھانا مطلقاً حرام ہے۔ نجس عین حیوانات میں سے ہیں یا نباتات میں سے وہ چیزیں جو مسکر ہیں جن چیزوں سے نشہ نہیں ہوتا محض عقل زائل ہوتی ہے وہ نجس نہیں ہیں۔ اگر کھانے میں یا تیل وغیرہ میں سیال نجاست کا ایک قطرہ' یا بستہ نجاست کا کوئی ٹکڑا گر جائے تو وہ کھانا حرام ہو جائے گا۔ البتہ کھانے کے علاوہ دوسری چیزوں میں ان کا استعمال جائز ہے۔ مثلاً چراغوں میں نجس تیل جلایا جاسکتا ہے یا کشتیوں پر اور جانوروں کے جسم پر ملنے کے لئے اس کا استعمال کیا جاسکتا ہے۔

دوسری قسم :- یعنی وہ چیزیں جن کی حرمت ذاتی نہ ہو بلکہ کسی بیرونی سبب کی وجہ سے ہو یہ ایک وسیع بحث ہے' اور اس کے متعدد پہلو ہیں ان تمام پہلوؤں کا اجمالی خاکہ یہ ہے کہ مال کا حاصل کرنا کبھی تو مالک کے اختیار سے ہوتا ہے اور کبھی بلا اختیار کے' ثانی الذکر کی مثال وراثت کا مال ہے کہ وارث کے اختیار کے بغیر اس کی ملک میں آجاتا ہے اختیار کے ذریعہ مالک بننے میں بھی دو صورتیں ہیں یا تو وہ مال کسی مالک کے پاس سے اس کی مِلک میں آیا ہو گا یا اس کا سابق میں کوئی مالک نہ ہو گا ثانی الذکر کی مثال کان کا ملنا ہے' اور اسے کھود کر مال حاصل کرنا ہے' کسی مالک کے پاس اس کی ملکیت میں آنے کی بھی دو صورتیں ہیں یا تو وہ مالک کی رضامندی سے آیا' یا زبردستی۔ زبردستی کی مثال مالِ غنیمت ہے جو دشمنوں سے لڑ کر حاصل کیا جاتا ہے ان لوگوں سے زکوٰۃ وصول کرنا ہے جن پر واجب ہو جائے اور وہ ادا نہ کریں' اور واجب نفقات کے نہ دینے والوں سے مال حاصل کرنا بھی زبردستی کی مثالیں ہیں۔ رضامندی سے مال حاصل کرنے کی بھی دو صورتیں ہیں' یا تو وہ مال عوض میں حاصل کیا جائے جیسے بیع' مہر' اور اجرت وغیرہ یا بلا عوض حاصل کیا جائے جیسے ہبہ' اور وصیت۔ اس اجمالی خاکہ سے حصول مال کی چھ قسمیں ہوتی ہیں۔ اب ہم ہر قسم کی الگ الگ تفصیل کرتے ہیں۔ اول۔ یہ وہ مال ہے جو غیر مالک سے حاصل کیا جائے' جیسے کان میں سے کچھ نکالنا' لاوارث بنجر زمین کو آباد کرنا' شکار کرنا' لکڑیاں جمع کر کے لانا' نہروں یا ندیوں میں سے پانی لینا' گھاس کھود کر لانا۔ یہ سب امور جائز ہیں' ان ذرائع سے مال حاصل کرنے والے کی ملکیت ثابت ہو جاتی ہے بشرطیکہ ان میں کسی دوسرے کے مِلک کی تخصیص نہ ہو۔ دوم وہ مال جو ان لوگوں سے زبردستی لیا جائے شرعی طور پر جن کی کوئی حرمت نہیں ہے۔ مثلاً مالِ فَیْ جو لڑائی کے بغیر کفار سے ملے' فَیْ غنیمت اور کفار محاربین کے دوسرے اموال اس صورت میں حلال ہوتے ہیں جب کہ مسلمان ان میں سے خُمس (پانچواں حصہ) نکال کر مستحقین میں انصاف کے ساتھ تقسیم کر دیں' اور کسی ایسے کافر سے نہ لیں جس سے امن دینے کا معاہدہ کیا جاچکا ہو۔ محارب اور ذمّی کفار کی تفصیل' اور فَیْ و غنیمت کے اموال کی بحث کتاب السیر کے متعلقہ ابواب میں ملتی ہے۔ سوم اس قسم میں وہ مال شامل ہے جو واجب حقوق ادا نہ کرنے والوں سے ان کی رضامندی کے بغیر چھینا جائے یہ مال بھی جائز ہو گا مگر شرط یہ ہے کہ استحقاق کا سبب معلوم اور مکمل ہو مستحق میں بھی استحقاق کا وصف مکمل طور پر موجود ہو' مقدار واجب پر اکتفا کرے اس سے زیادہ حاصل نہ کرے' اور لینے والا مستحق' قاضی یا بادشاہ ہو۔ اس مال کی تفصیلات صدقات کی تقسیم' وقف اور نفقات کے ابواب میں موجود ہیں۔ چہارم وہ مال جو معاوضہ دے کر مالک کی رضامندی سے حاصل کیا جائے۔ اگر عوض' عاقدین' اور ایجاب و قبول کے الفاظ کے سلسلے میں وارد شرعی حدود کی رعایت کی جائے' اور جن امور کو شارع علیہ السلام نے مُفسد قرار دیا ہے ان سے اجتناب کیا جائے تو یہ مال حلال ہو گا معاوضہ کے معاملات' بیع' سلم' اجارہ' حوالہ' ضمان' مضاربت' شرکت' مُساقاۃ' شفعہ' صُلح' خُلع' کتابت اور مہر ہیں۔ ان سب کی

تفصیل فقہی کتابوں کے متعلقہ ابواب میں ملاحظہ کرلی جائے۔ پنجم یہ وہ مال ہے جو مالک کے کسی وارث وغیرہ کو نقصان نہ پہنچا ہو ہبہ ' وصیت اور صدقات کے ابواب میں اس کی بحث ملتی ہے۔ ششم۔ یہ وہ مال ہے جو اختیار کے بغیر حاصل ہو' جیسے مورث کا مال وراثت' لیکن اس کی شرط یہ ہے کہ مورث نے وہ مال مذکورہ بالا پانچ صورتوں میں سے کسی ایک صورت سے حاصل کیا ہو' نیز مذکورہ ترکہ سے مورث کا قرض ادا ہوچکا ہو' اور اس کی وصیتیں نافذ ہوچکی ہوں' وارثوں کے حصے انصاف کے ساتھ ادا کردیئے گئے ہوں' اور کتابُ الفرائض میں اس کی تفصیلات موجود ہیں۔

بہرحال حصولِ مال کی یہ چند صورتیں ہیں جن کا ہم نے مُجملاً ذکر کیا ہے تاکہ اس طالب حق کو جس کی غذا کسی ایک ذریعہ کے بجائے مختلف ذرائع سے ہے یہ معلوم ہوجائے کہ اس کے لئے ان تمام ذرائع کی تفصیلات کا جاننا ضروری ہے۔ جب بھی اسے کسی ذریعہ سے غذا ملے تو وہ اہل علم سے شرعی حکم ضرور دریافت کرلے' شرعی حکم جانے بغیر استعمال کی جرأت نہ کرے قیامت کے روز جس طرح عالم سے یہ پوچھا جائے گا کہ تو نے اپنے علم کے خلاف کیوں کیا اسی طرح جاہل سے بھی سوال ہوگا کہ تو نے علماء سے دریافت کیوں نہیں کیا' اور تو اپنی جہالت پر کس لئے جما رہا۔ جب کہ تجھے سرور کائنات فخر دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد معلوم ہوچکا تھا کہ "علم کا طلب کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے"۔

حلال اور حرام کے درجات

جاننا چاہیے کہ تمام حرام چیزیں خبیث ہیں' لیکن بعض کی خباثت زیادہ ہے' اور بعض کی کم' اسی طرح تمام حلال چیزیں پاک و صاف ہیں' لیکن بعض چیزیں زیادہ اچھی ہیں اور بعض نسبتاً کم۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی طبیب یہ کہے کہ تمام مٹھائیاں گرم ہیں لیکن بعض پہلے درجے میں گرم ہیں جیسے' شکر' اور بعض دوسرے درجے میں جیسے گڑ' بعض کو حرارت کا تیسرا درجہ حاصل ہے جیسے کھجور یا انگور کا شیرہ' اور بعض چیزیں چوتھے درجے میں گرم ہیں جیسے شہد۔ اسی طرح حرام اور حلال میں بھی یہ درجات ہیں' فالحال طبیب کی اتباع کرتے ہوئے ہم بھی حرام سے اجتناب (یعنی وَرع) کے چار ہی درجے کرتے ہیں' درجے تخمینی ہیں' تحقیق کی جائے تو یہ درجات چار سے زیادہ ہوسکتے ہیں۔ مثلاً شکر ہی کو لیجئے' بعض جگہ کی شکر میں حرارت زیادہ ہوتی ہے' اور بعض میں کم۔ یہی حال دوسری چیزوں کا ہے۔

پہلا درجہ عادلین کا وَرع ہے۔ اس کا تقاضا یہ ہے کہ آدمی ہر اس چیز سے اجتناب کرے کہ اگر اس میں مبتلا ہو تو فاسق کہلائے' عدالت ساقط ہوجائے گناہگاروں کی فہرست میں نام لکھا جائے اور دخولِ نار کا مستحق ہو' ورع کا یہ درجہ اس وقت حاصل ہوتا ہے کہ فقہاء نے جن چیزوں کو حرام قرار دے دیا ہے ان سے اجتناب کرے۔ دوسرا درجہ صالحین کا ورع' اس کا حاصل یہ ہے کہ انسان مُشتبہ چیزوں سے بھی پرہیز کرے۔ تیسرا درجہ مُتقین کا ورع۔ اس ورع کا ماحصل یہ ہے کہ کوئی چیز نہ ازروئے فتویٰ حرام ہو' اور نہ اس کی حرمت میں کسی قسم کا شبہ ہو' محض اس لئے بچا جائے کہ کہیں نوبت حرام کے ارتکاب تک نہ پہنچ جائے۔ جن چیزوں میں حرمت کا اندیشہ نہ ہو انھیں اندیشہ کی بنیاد پر چھوڑ دینا ہی مُتقین کا ورع ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:-

لا یبلغ العبد درجة المتقین حتیٰ یدع مالا بأس به مخافة مما به بأس (ابن ماجہ۔)

بندہ مُتقین کے درجے کو اس وقت تک نہیں پہنچ سکتا جب تک بے اندیشہ کو اندیشہ والی چیزوں کے خوف سے نہ چھوڑ دے۔

چوتھا درجہ مُتقین کا ورع۔ اس ورع کا خلاصہ یہ ہے کہ نہ کسی چیز میں اندیشہ ہو' اور نہ یہ خوف ہو کہ اس کے استعمال سے

حرام تک نوبت پہنچے گی' اس کے باوجود وہ تمام چیزیں ترک کردے جو اللہ کے نام پر اس کی عبادت کی نیت سے حاصل نہ کی گئی ہوں یا ان کے حصول کا کوئی سبب ایسا ہو جو کراہت سے خالی نہ ہو۔

یہ حلال کے چاروں درجات کا اجمالی تذکرہ تھا پہلے درجے میں ہم نے جس حرام کا ذکر کیا ہے اس سے عدالت مجروح ہوتی ہے' فسق کا بدنما داغ لگتا ہے اس حرام کے بھی خباثت میں کئی درجے ہیں' مثلاً جن چیزوں میں خاموش بیع حرام ہے اگر کسی نے ان کی بیع ایجاب و قبول کے بغیر کرلی تو یہ چیزیں حرام ہوں گی' لیکن ان کی حرمت ان چیزوں کے مقابلے میں کم ہوگی جو کسی سے زبردستی چھین لی جائیں' اس لئے کہ چھیننے میں شریعت کی نافرمانی کے ساتھ ساتھ دوسروں کو ایذاء پہنچانے کا گناہ جرم بھی ہے جب کہ خاموش بیع میں صرف شریعت کے حکم کی خلاف ورزی ہے پھر خاموش بیع میں شریعت کے حکم کی خلاف ورزی اتنی سنگین نہیں جتنا سنگین یہ جرم ہے کہ سودی کاروبار کے ذریعے مال حاصل کیا جائے۔ یہ فرق اس طرح بآسانی کیا جاسکتا ہے کہ شریعت نے جن ممنوعات میں زیادہ تشدد و وعید اور تاکید سے کام لیا ہے ان میں زیادہ حرمت ہے' اور ان کا ارتکاب سخت گناہ کا باعث ہے' اور جن میں تشدد کم ہے ان میں حرمت بھی کم ہے اور ان کا گناہ بھی زیادہ نہیں ہے کبیرہ اور صغیرہ گناہوں کے درمیان فرق کی وضاحت ہم کتاب التوبہ میں کریں گے اسی طرح اگر کسی نے نیک و صالح فقیر یا یتیم سے کوئی چیز زبردستی چھینی اس کا گناہ بہرحال اس شخص سے زیادہ ہوگا جس نے کسی طاقت ور' مال دار یا فاسق سے کوئی چیز جبراً حاصل کی ہو' ایذا کے درجات موذی (جسے ایذاء دی جائے) کے اختلاف سے مختلف ہیں' حرام چیزوں میں بھی یہ باریکیاں ہیں' راہِ آخرت کے سالک کو چاہیے کہ وہ ان باریکیوں کو نظرانداز نہ کرے یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ اگر نافرمانوں کے مختلف درجات نہ ہوتے تو دوزخ میں بھی مختلف طبقے نہ ہوتے۔

بہرحال جب یہ بات معلوم ہوگئی کہ خباثت کا مدار شریعت کی نکیر' اور تشدید و وعید پر ہے تو اسے تین یا چار درجات میں منحصر کرنا زبردستی کا عمل ہے خبث میں حرام کے درجات کا اختلاف ممنوعہ امور کے تعارض کے وقت بخوبی واضح ہوتا ہے۔ اس کی تفصیل آئندہ صفحات میں آئے گی' انشاء اللہ۔

ورع کے چاروں درجات کے شواہد اور مثالیں

پہلے درجے یعنی عادلین کے ورع کے سلسلے میں یہ عرض کرنا ہے کہ جو چیزیں فتویٰ کی رو سے حرام ہیں' ان کا ارتکاب مطلق حرام ہے' اور مرتکب فاسق و گنہگار ہے۔ یہ درجہ بالکل واضح ہے اس سلسلے میں شواہد اور مثالوں کی چنداں ضرورت نہیں ہے دوسرے درجے کی مثال میں وہ مشتبہ چیزیں پیش کی جاسکتی ہیں جن سے اجتناب واجب نہیں بلکہ مستحب ہے' کتاب الشبہات میں ہم بتلائیں گے کہ بعض شبہات ایسے بھی ہیں جن سے اجتناب واجب ہے۔ اس طرح کے شبہات حرام میں داخل ہیں اور بعض شبہات وہ ہیں جن سے اجتناب کرنا مکروہ ہوتا ہے' یہ شبہات وہ ہیں جو وہمیوں کے دل میں پیدا ہوتے ہیں مثلاً اس خوف سے کسی جانور کا شکار نہ کرنا کہ کہیں یہ جانور کسی کے قبضہ سے نکل کر نہ آیا ہو' شکار کرنے سے یہ میرے قبضے میں آجائے گا' اس طرح غیر ملک پر قبضہ کرنا ہوگا یہ وسوسہ ہے بعض شبہات ایسے ہیں کہ ان سے اجتناب کرنا مستحب ہے' واجب نہیں ہے اس حدیث میں ایسے ہی شبہات مراد لئے گئے ہیں۔

دع مایریبک الی مالا یریبک (نسائی' ترمذی' حاکم۔ حسن)
اس چیز کو چھوڑ کر جو تمہیں شک میں ڈالے اس چیز کو اختیار کرو جو تمہیں شک میں نہ ڈالے۔

ہم اس نہی کو تنزیہی کہتے ہیں۔ اسی طرح یہ حدیث ہے:

کل ما اصمیت ودع ما انمیت (طبرانی اوسط۔ ابن عباس)
جس شکار پر تیر لگے اور آنکھوں کے سامنے مرجائے اسے کھالو' اور جس پر تیر لگے اور وہ زخمی ہو کر غائب

ہو جائے پھر مردہ ملے تو اسے مت کھاؤ۔

اس صورت میں ہمارے نزدیک مختار و پسندیدہ بات یہی ہے کہ یہ شکار حرام نہیں ہے۔ اسے کھایا جاسکتا ہے' تاہم اس کا نہ کھانا دوم درجہ کا ورع ہے۔ اور دع یعنی صیغۂ امر فرمان نبوی صلی اللہ علیہ وسلم امر تنزیہی ہے۔ کیونکہ ﷺ روایات میں صریح طور پر اس شکار کے کھانے کی اجازت دی گئی ہے جو زخمی ہو کر غائب ہو جائے لیکن شرط یہ ہے کہ اس میں تمہارے تیر کے علاوہ بھی کوئی ایسی علامت پائی جائے جو تم نے متعین کی ہو اسی طرح سگِ مُعلّم (سُدھائے ہوئے کتے) کے سلسلے میں آپ نے عدی ابن حاتم سے فرمایا کہ۔

وان اکل فلا تاکل فانی اخاف ان یکون انما امسک علی نفسہ (بخاری و مسلم۔ عدی ابن حاتم)

اور اگر کتا شکار میں سے کھالے تو تم اسے مت کھاؤ اس لئے کہ مجھے ڈر ہے کہ اس نے اسے اپنے لئے نہ پکڑا ہو۔

آپ کا یہ ارشاد بھی نہی تنزیہی ہے کیونکہ ایک طرف آپ کا یہ حکم ہے' دوسری طرف آپ نے ابو ثعلبہ خُشنی کو واضح طور پر ایسے شکار کے استعمال کی اجازت دی ہے:

کل منہ فقال وان اکل منہ' فقال وان اکل (ابوداؤد۔ عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ)

اس میں سے کھالو' ابو ثعلبہ نے عرض کیا کہ اگرچہ کتے نے اس میں کھالیا ہو آپ نے فرمایا اگرچہ کھالیا ہو۔

روایات کے اس اختلاف سے سمجھ میں آتا ہے کہ ازروئے فتویٰ ایسے شکار کے استعمال کی اجازت ہے البتہ احتیاط بہتر ہے' کیونکہ ابو ثعلبہ ایک نادار اور پیشہ ور شخص تھے' ان کی حالت کا تقاضا یہ تھا کہ وہ اس شکار کو استعمال کرلیں جب کہ عدی ابن حاتم خوشحال تھے وہ اس طرح کا شکار چھوڑ بھی سکتے تھے۔ ابن سیرین کے متعلق بیان کیا جاتا ہے کہ انھوں نے اپنے ایک شریک سے چار ہزار درہم محض اس لئے نہیں لئے کہ انھیں ان دراہم کے جواز میں کچھ شک تھا' حالانکہ اس وقت کے تمام علماء نے بالاتفاق جواز کا فتویٰ دے دیا تھا اس کے باوجود آپ نے نہ لینا ہی مناسب خیال کیا' اس ورع کے اس درجے کی کچھ مثالیں ہم شبہات کے درجات کے بیان میں کریں گے' فی الوقت اتنا سمجھ لینا کافی ہے کہ یہ ان شبہات کی مثال ہے جن سے بچنا واجب نہیں ہے دوسرے درجے میں متقین کا ورع تھا۔ اس کی دلیل سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ ارشاد ہے جو ابھی نقل کیا گیا ہے "لا یبلغ العبد درجۃ المتقین حتیٰ یدع مالا باس بہ مخافۃ مما بہ باس" حضرت عمرؓ ارشاد فرماتے ہیں کہ ہم لوگ حرام میں مبتلا ہونے کے خوف سے حلال کے نو حصے چھوڑ دیا کرتے تھے' ابوالدرداءؓ کہتے ہیں کہ اصل تقویٰ یہ ہے کہ بندہ ذرہ برابر چیز میں بھی اللہ سے ڈرے' اور بعض حلال چیزیں محض اس لئے چھوڑ دے کہ کہیں حرام میں مبتلا نہ ہو جائے۔ اگر وہ ایسا کرے گا تو یقین کیا جاسکتا ہے کہ یہ احتیاط قیامت کے روز اس کے اور دوزخ کی آگ کے درمیان زبردست رکاوٹ ہوگی کسی شخص کے ذمے ایک بزرگ کے سو درہم تھے' جب وہ ان کی رقم لے کر آیا تو انھوں نے ننانوے درہم لئے' ایک درہم نہیں لیا کہ زیادہ نہ ہو جائے۔ بعض حضرات لیتے وقت ایک حبّہ کم اور دیتے وقت ایک حبّہ زیادہ دیا کرتے تھے تاکہ یہ احتیاط دوزخ سے مانع بن جائے۔ جن امور میں لوگ تساہل اور چشم پوشی سے کام لیتے ہیں ان میں احتیاط کرنا بھی اسی درجے کا ورع ہے۔ ازروئے فتویٰ اگرچہ ان امور کی اجازت ہے' لیکن یہ اندیشہ بہرحال موجود ہے کہ کہیں یہ تساہل حرام کے ارتکاب کا سبب نہ بن جائے۔ اس احتیاط کی مثال میں مشہور بزرگ علی ابن معبد کا یہ واقعہ پیش کیا جاسکتا ہے' کہتے ہیں کہ میں کرایہ کے ایک مکان میں رہا کرتا تھا' ایک روز میں نے ایک خط لکھا' کاغذ پر روشنائی پھیلی تو اسے خشک کرنے کے لئے یہ ارادہ کیا کہ مکان کی دیوار سے مٹی لے کر خشک کرلوں خیال ہوا کہ دیوار میری ملکیت نہیں ہے' پھر سوچا کہ مٹی ایک معمولی اور بے حقیقت چیز ہے' چنانچہ میں نے مٹی لے کر روشنائی خشک کرلی' رات کو

سویا تو خواب میں دیکھا کہ ایک شخص کہہ رہا ہے کہ اے علی ابن معبد! جو شخص مٹی کو بے حقیقت بتلا رہا ہے اسے اپنے قول کی حقیقت کل معلوم ہوگی' غالباً کہنے والے کا منشاء یہ تھا کہ قیامت کے روز تمہیں وہ مرتبہ نہیں ملے گا جو متقین کے لئے متعین ہے۔ اس تہدید کا یہ مطلب نہ تھا کہ اس پر تمہیں کوئی سزا دی جائے گی۔ اسی نوعیت کا ایک واقعہ حضرت عمرؓ کے حالات میں ملتا ہے' ایک مرتبہ بحرین سے کچھ مُشک آیا' آپ نے فرمایا کہ میری خواہش یہ ہے کہ کوئی عورت اسے تول دے اور میں مسلمانوں میں اسے تقسیم کردوں' آپ کی اہلیہ عاتکہ نے عرض کیا کہ میں یہ کام بخوبی کرسکتی ہوں لائیے مجھے دیجئے' آپ یہ سن کر خاموش رہے' اس کے بعد اپنی خواہش کا دوبارہ اظہار کیا عاتکہ نے بھی دوبارہ اپنی خدمات پیش کی' فرمایا میں نہیں چاہتا کہ تم یہ مُشک ترازو کے پلڑے میں رکھو اور وہ غبار جو ترازو میں لگا رہ جائے اسے اپنی گردن پر مل لو' اور میرے حصے میں دوسرے مسلمانوں کی بہ نسبت زیادہ مشک آجائے' حضرت عمر ابن عبدالعزیز کے سامنے ایک مرتبہ بیت المال کا مشک تل رہا تھا۔ آپ نے اپنی ناک بند کرلی تاکہ مشک کی خوشبو نہ پہنچے' وہاں موجود لوگوں کو یہ بات عجیب محسوس ہوئی' فرمایا کہ مشک سے خوشبو کے علاوہ بھی کوئی دوسرا فائدہ ہے پھر میں کیوں اس سے زیادہ فائدہ حاصل کروں۔ ایک مرتبہ حضرت حسنؓ نے صدقہ کی کھجوروں میں سے ایک کھجور اٹھالی حضرت حسنؓ اس وقت بچے تھے' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "توبہ توبہ یہ کھجور مت لو" (بخاری۔ ابوہریرہؓ) ایک بزرگ کی وفات رات کے کسی حصے میں ہوئی جب نزع کا عالم طاری ہوا تو تیمارداروں سے فرمایا کہ چراغ گُل کردو اب اس میں ورثاء کا حق متعلق ہوگیا ہے سلیمان تیمیؒ نعیمہ عطارہؓ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمرؓ بیت المال کی خوشبو (مشک وغیرہ) فروخت کرنے کے لئے اپنی اہلیہ کو دے دیا کرتے تھے ایک مرتبہ میں خریدنے کے لئے ان کی اہلیہ کے پاس گئی گھٹانے بڑھانے میں کچھ خوشبو ان کی انگلی پر لگ گئی جسے انہوں نے اپنے دوپٹہ سے پونچھ لیا' اسی دوران حضرت عمرؓ تشریف لے آئے دریافت فرمایا کہ یہ خوشبو کیسی آرہی ہے؟ انہوں نے صحیح بات بیان کردی' فرمایا کہ یہ خوشبو مسلمانوں کی امانت ہے اس کے بعد اپنی بیوی کے سر سے دوپٹہ اتارا' ایک لوٹا لیا' اور دوپٹہ میں خوشبو کی جگہ پر پانی ڈال کر اچھی طرح ملا' اور سونگھ کر دیکھا کہ خوشبو کا اثر باقی ہے یا زائل ہوگیا کئی مرتبہ رگڑ کر دھونے سے خوشبو کے تمام اثرات ختم ہوگئے' نعیمہ عطارہ کہتی ہیں کہ اس واقعہ کے بعد ایک مرتبہ میں پھر خوشبو خریدنے کے لئے گئی' اس مرتبہ آپ کی اہلیہ نے انگلی کپڑے سے پونچھنے کے بجائے منہ میں ڈال کر مٹی میں رگڑ دی' یہ واقعہ حضرت عمرؓ کے ورع پر دلالت کرتا ہے' دوپٹہ کو اس لئے دھویا کہ اس طرح کے واقعات میں نرمی سے زیادہ تک بھی نوبت پہنچ سکتی ہے' بظاہر دوپٹہ کو دھونے سے مسلمانوں کو کوئی فائدہ نہیں پہنچا' اور نہ بیت المال کی ملکیت میں اضافہ ہوا۔ امام احمد ابن حنبلؒ سے اس شخص کے متعلق دریافت کیا گیا جو مسجد میں موجود ہو' اور کسی بادشاہ کی آمد پر شاہی انگیٹھی سے مسجد میں عُود کی خوشبو بسائی جائے' فرمایا اس شخص کو مسجد میں نہ ٹھہرنا چاہیے' اس لئے کہ عود کا نفع خوشبو ہی ہے۔ یہ صورت کبھی حرام ہوجاتی ہے' اس لئے کہ بعض اوقات اس کے کپڑوں میں اتنی خوشبو بس سکتی ہے جس کی مالک کی طرف سے اجازت نہ ہو ایک مرتبہ امام احمد ابن حنبلؒ سے یہ دریافت کیا گیا کہ ایک شخص کی جیب سے پرچہ گر پڑا' اس میں حدیثیں لکھی ہوئی ہیں' کیا پانے والے کے لئے جائز ہے کہ وہ حدیثیں نقل کرکے پرچہ واپس کردے فرمایا کہ نہیں اسے مالک کی اجازت حاصل کرنی چاہیے کیونکہ اس میں شک ہے کہ مالک اجازت دے گا یا نہیں' اگر اجازت نہ دی تو نقل کرنا حرام ہوگا تیسرے درجے کے ورع میں یہ بات شامل ہے کہ زینت کی حدود سے تجاوز کرکے منہیات کا ارتکاب کرنے لگے۔ امام احمد ابن حنبلؒ سے ایک مرتبہ نوک دار جوتوں کے متعلق استفسار کیا گیا فرمایا میں انہیں نہیں پہنتا' اگر یہ جوتے کیچڑ وغیرہ سے بچنے کے لئے پہنے جائیں تو کوئی مضائقہ بھی نہیں ہے البتہ زینت کے لئے نہ پہننے چاہئیں۔ حضرت عمرؓ جب مسلمانوں کے خلیفہ مقرر ہوئے تو آپ نے اپنی اس بیوی کو طلاق دے دی جس سے آپ کو بہت زیادہ محبت تھی' اندیشہ یہ تھا کہ کہیں وہ کسی کی سفارش نہ کر بیٹھے اور میں جوش محبت میں اس کی سفارش تسلیم نہ کرلوں۔ تیسرے درجہ کا حاصل یہ ہے کہ خطرناک چیزوں کے ڈر سے ان چیزوں کو چھوڑ دیا جائے جن میں کوئی خطرہ نہ ہو۔ اکثر مباح اور جائز چیزیں ممنوعہ امور کی دعوت دیتی ہیں مثلاً زیادہ کھانے سے اور

مجرد ہونے کی حالت میں عطر لگانے سے شہوت کو تحریک ملتی ہے شہوت فکر پیدا کرتی ہے اور فکر نظربد کا باعث ہوتی ہے اور نظر سے دیگر خرافات جنم لیتی ہیں' اسی طرح مالداروں کے محلوں اور ان کی زیب و زینت کو دیکھنا مباح ہے' مگر اس سے حرص جنم لیتی ہے اور یہ خواہش پیدا ہوتی ہے کہ ہمیں بھی اسی طرح کے محل اور تجمل کے ذرائع حاصل ہوں یہ خواہش بسا اوقات حرام چیزوں کے حصول کا داعیہ پیدا کرتی ہے اسی طرح اگر مباح چیزیں ضرورت کے وقت اور ضرورت کے مطابق نہ لی جائیں' اور ان کی آفتوں کی معرفت اور ان سے بچنے کی تدابیر کا علم حاصل نہ کیا جائے تو خطرناک بن جاتی ہیں۔ امام احمد ابن حنبلؒ نے دیواروں پر چونے (یا سیمنٹ وغیرہ مترجم) کا پلاسٹر کرنے سے منع فرمایا ہے' ان کے خیال میں زمین پر فرش کرنے سے تو یہ فائدہ ہے کہ غبار نہ اڑے دیواروں پر پلاسٹر سے زینت کے علاوہ کیا فائدہ ہے حتیٰ کہ آپ نے مسجدوں کی استرکاری کو بھی بنظر استحسان نہیں دیکھا' دلیل میں یہ روایت پیش فرماتے ہیں کہ کسی نے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ مسجدوں میں روغن کیا جاسکتا ہے آپ نے فرمایا کہ عرش موسیٰ کی عرش کے برابر نہیں' آپ کا مطلب یہ تھا کہ مسجد کا عرش (صرف سایہ دار) ہونا کافی ہے (دار قطنی۔ ابوالدرداءؓ) اکابرین سلف نے باریک کپڑے پہننے کو بھی پسند نہیں فرمایا' ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ جس کا کپڑا باریک ہے اس کا دین بھی پتلا (کمزور) ہے۔ ان تمام مباح امور سے منع کرنے کا باعث یہ ہے کہ کہیں لوگ مباحات سے تجاوز کرکے شہوات کی اتباع نہ کرنے لگیں' نفس ایک ہے' مباح اور ناجائز دونوں کے سلسلے میں نفس کی خواہش یکساں ہوتی ہے' اگر مباح میں تساہل برتنے کی اجازت دے دی جائے تو اس کا قوی امکان موجود ہے کہ وہ ناجائز میں مبتلا نہ ہوجائے چوتھے درجے میں صدیقین کا ورع ہے' ان کے نزدیک صرف وہ مال حلال و جائز ہے جس کے حصول میں کسی معصیت کا ارتکاب نہ ہوا ہو' اور نہ اس مال کے ذریعہ کسی معصیت پر مدد لینے کا ارادہ ہو اور نہ صاحب مال کا مقصد یہ ہو کہ وہ فی الحال یا آئندہ کبھی اس مال کے ذریعہ اپنی کسی ضرورت کی تکمیل کرے گا بلکہ وہ صرف اللہ کے لیے اس کی عبادت پر قوت حاصل کرنے کی غرض سے اور اس کی خاطر جینے کے لئے مال حاصل کرے صدیقین وہ لوگ ہیں جن کے نزدیک ہر وہ چیز حرام ہے جو اللہ کے لئے نہ ہو' وہ اس آیت پر عمل کرتے ہیں۔

قُلِ اللّٰهُ ثُمَّ ذَرْهُمْ فِيْ خَوْضِهِمْ يَلْعَبُوْنَ (پ ۷ ر ۱۷ آیت ۹۲)

کہہ دیجئے کہ اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا ہے پھر ان کو ان کی مشغلہ میں بیہودگی کے ساتھ لگا رہنے دیجئے

یہ ان لوگوں کا درجہ ہے جو موحد ہیں' نفسانی لذتوں کی قید سے آزاد ہیں' اور اپنے ارادہ و عمل ہر اعتبار سے اللہ کے لئے خاص ہیں۔ اس میں کوئی شک بھی نہیں کہ وہ شخص ایسے مال سے پرہیز کرے گا جو کسی معصیت کا باعث ہو' یا اس سے کسی معصیت پر اعانت ہوتی ہو وہ ان اعمال سے بھی اجتناب کرے گا جن میں کسی معصیت کی آمیزش ہو یحییٰ ابن یحییٰ سے مروی ہے کہ انہوں نے دوا پی' اہلیہ نے عرض کیا کہ آپ نے دوا پی ہے اگر کچھ دیر گھر میں ٹہل لیں تو بہتر ہوگا' فرمایا کہ میں تیس برس سے اپنے نفس کا احتساب کررہا ہوں' مجھے نہیں معلوم کہ یہ ٹہلنا دین میں ہے؟ گویا اس خیال سے انہوں نے ٹہلنے کی جرأت نہیں کہ یہ ٹہلنا کہیں غیر دینی فعل نہ ہوجائے سری سقطیؒ فرماتے ہیں کہ ایک دن میں نے پہاڑ پر اگی ہوئی گھاس کھائی اور اس چشمہ سے پانی پیا جو پہاڑ کے پہلو سے نکل رہا تھا' اور دل میں کہا کہ اگر میں نے کسی دن حلال و طیب غذا کھائی ہے تو شاید وہ یہی دن ہے۔ اسی وقت ایک آواز آئی کہ جس قوت سے تو یہاں تک پہنچا وہ کیسی تھی؟ کہاں سے حاصل ہوئی؟ اس آواز کے ساتھ ہی مجھے اپنی غلطی کا احساس ہوا' اور نادم ہوکر میں نے اپنے خیال سے رجوع کیا' اسی نوعیت کا ایک واقعہ ذوالنون مصری سے منقول ہے کہ وہ بھوکے پیاسے قید کے دن کاٹ رہے تھے ایک نیک خاتون کے علم میں جب یہ صورت حال آئی تو انہوں نے داروغہ زنداں کے ذریعہ کھانا بھجوایا لیکن ذوالنون مصریؒ نے یہ کہہ کر کھانا لینے سے انکار کردیا کہ مجھے یہ کھانا ایک ظالم کے ذریعہ ملا ہے۔ یہ ورع کا اعلیٰ ترین مقام ہے بشر حافیؒ ان نہروں سے پانی نہیں پیا کرتے تھے جو امراء اور سلطان نے کھدوائیں تھیں' پانی بذات خود مباح تھا' لیکن وہ جس ذریعہ سے ان تک پہنچ رہا تھا وہ ان کے نزدیک مال حرام سے بنایا گیا تھا' بعض اکابرین نے انگور کھانے چھوڑ دیئے' اور باغبانوں سے کہہ دیا کہ تم نے

اپنے باغوں کو خراب کرلیا ہے' تم ظالم اور بددین امراء کی کھدوائی ہوئی نہروں سے انہیں سیراب کرتے ہو' یہ ورع پانی نہ پینے کے ورع سے بھی اعلیٰ تر ہے بعض بزرگان دین حج کے راستے میں واقع ان کنوؤں اور چشموں سے پانی نہ پیتے تھے جو ظالموں نے بنائے ہیں' حالانکہ پانی کی اباحت میں کوئی شبہ نہ تھا لیکن کیونکہ وہ حرام پیسے سے بنائے ہوئے چشموں میں محفوظ رہتا تھا۔ اس لئے وہ لوگ پانی لینے سے گریز کیا کرتے تھے ذوالنون مصری کا واقعہ ورع کا اعلیٰ ترین درجہ ہے کہ انہوں نے داروغہ زنداں کے ذریعہ بھیجا گیا کھانا لینے سے انکار کردیا' حالانکہ داروغہ کا ہاتھ حرام نہیں تھا' اگر کسی غصب کئے ہوئے برتن میں کھانا پہنچتا تو بلاشبہ کہہ سکتے تھے کہ یہ کھانا حرام برتن میں رکھ کر پہنچا ہے مگر انہوں نے اس لئے انکار کردیا کہ کھانا اس قوت کے ذریعہ سے پہنچا تھا جو حرام غذا سے پرورش پارہی تھی حضرت ابوبکر صدیق نے دودھ پی کر قے کردی تھی' محض اس خوف سے کہ کہیں یہ حرام نہ ہو' حالانکہ انہوں نے لاعلمی میں دودھ پیا تھا' پینے کے بعد ہرگز ضروری نہیں تھا کہ اسے باہر نکالا جائے' لیکن کیونکہ حضرت ابوبکر صدیق تھے' اور صدیقین کا ورع یہ ہیکہ پیٹ ہر طرح کی خبیث اور ناجائز چیزوں سے پاک و صاف ہو۔ مسجد میں بیٹھ کر کپڑے سینے والے درزی کی کمائی سے احتیاط بھی اسی قبیل سے ہے' اگرچہ درزی کا پیشہ جائز ہے' مگر بقول امام احمد ابن حنبل اس کا مسجد میں بیٹھ کر سینا کراہت سے خالی نہیں ہے۔ کسی شخص نے دریافت کیا کہ اگر سوت کاتنے والا بارش سے بچنے کے لئے کسی مقبرہ میں بیٹھ جائے تو صحیح ہے؟ فرمایا کہ مقبرے آخرت کے لئے ہوتے ہیں اس لئے ایسی جگہوں پر اس کا بیٹھنا مکروہ ہے ایک بزرگ نے یہ معلوم ہونے کے بعد چراغ گل کردیا کہ ان کا غلام ایسے لوگوں کے چراغ سے یہ چراغ جلا کر لایا ہے جن کا مال مکروہ ہے۔ ایک بزرگ نے اس تنور کی چنگاری سے آگ روشن نہیں کی جس میں حرام لکڑی جلائی گئی تھی۔ ایک بزرگ نے شاہی مشعلوں کی روشنی میں کوئی کام کرنے حتیٰ کہ جوتوں کے تسمے باندھنے تک سے پرہیز کیا۔

راہِ آخرت کے سالکین کے لئے ورع کی یہ باریکیاں بڑی اہمیت رکھتی ہیں یہاں بطور خلاصہ یہ بات سمجھ لینی چاہیے کہ ورع کی ایک ابتدا ہے اور ایک انتہا ہے ابتدا یہ ہے کہ جو چیزیں فتویٰ کی رو سے ممنوع ہیں ان سے اجتناب کیا جائے یہ عادلین کا ورع ہے انتہا یہ ہے کہ ان تمام چیزوں سے بچے جو خدا کے لئے حاصل نہ کی گئی ہوں جن کا مقصد معصیت یا شہوت ہو' جو مکروہ ذرائع سے ملی ہوں' یا ان کی وجہ سے کوئی کراہت ہوئی ہو یہ صدیقین کا ورع ہے۔ درمیان میں احتیاط و ورع کے بہت سے درجات ہیں درجات کے اس تفاوت سے پتہ چلتا ہے کہ قیامت کے روز آدمی جس قدر احتیاط کرے گا اسی قدر گناہوں کے بوجھ سے آزاد ہوگا اسی قدر آسانی سہولت نرم روی اور تیز گامی کے ساتھ پل صراط عبور کرے گا۔ نیکیوں کا پلڑا اسی قدر جھکے گا۔ آخرت کے درجات میں ورع کے درجات کے لحاظ سے فرق ہوگا۔ اس تنبیہہ کے بعد اب تمہیں اختیار ہے کہ احتیاط کرو یا نہ کرو' زیادہ کرو یا کم جو کرو گے اپنے لئے کرو گے احتیاط کا فائدہ تمہیں پہنچے گا اور تساہل کا نقصان بھی تمہیں اٹھانا ہوگا۔

دوسرا باب

شبہات کے مراتب حلال اور حرام کی تمیز

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں۔

الحلال بین والحرام بین وبینهما امور مشتبهات لا یعلمها کثیر من الناس فمن اتقی الشبهات فقد استبرا العرضه و دینه ومن وقع الشبهات واقع الحرام کالراعی حول الحمی یوشک ان یقع فیه (بخاری و مسلم - نعمان ابن بشیرؓ)

حلال واضح ہے اور حرام بھی واضح ہے حلال اور حرام کے درمیان کچھ مشتبہ امور ہیں جن سے اکثر لوگ واقف نہیں ہیں جو شخص مشتبہات سے بچا اس نے اپنی عزت اور دین کو محفوظ رکھا' اور جو شبہات میں پڑا وہ

حرام میں مبتلا ہو گیا، جیسے حفاظت گاہ کے گرد چرنے والا قریب ہے کہ اس میں جا پڑے۔

اس حدیث میں تین قسموں حلال اور حرام اور مشتبہات کی صراحت ہے، جہاں تک حلال اور حرام کا تعلق ہے یہ دونوں قسمیں واضح اور سہل الفہم ہے، مشکل قسم تیسری ہے، اکثر لوگ اس قسم سے واقف نہیں ہیں اس باب میں ہم تیسری قسم کے متعلق خاص طور پر گفتگو کریں گے۔ حلال مطلق وہ ہے جس کی ذات میں حرمت کی صفات نہ ہوں، اور نہ اس کے اسباب میں حرمت اور کراہت کا شائبہ ہو، اس کی مثال یہ ہے کہ کوئی شخص آسمان سے برستے ہوئے پانی کو اپنی زمین میں کھڑے ہو کر یا کسی مباح زمین میں کھڑے ہو کر کسی کی مِلک میں جانے سے پہلے جمع کر لے۔ حرام مطلق وہ ہے کہ جس کی ذات میں تحریم کی کوئی صفت پائی جائے جیسے شراب میں سُرور کی شدت پیدا کرنے والی صفت یا پیشاب میں نجاست وغیرہ یا یہ کہ وہ چیز کسی ایسے ذریعہ سے حاصل کی گئی ہو جس کی ممانعت قطعی الثبوت ہو، مثلاً یہ کہ وہ چیز ظلم، اور سود وغیرہ کے ذریعہ حاصل کی جائے۔ بہرحال یہ دونوں پہلو۔ حلال اور حرام۔ بالکل واضح اور ظاہر ہیں، ان دونوں پہلوؤں کے ساتھ وہ امور بھی ملحق ہیں جن کے بارے میں یہ معلوم ہے کہ وہ حلال ہیں مگر ساتھ ہی یہ شبہ بھی ہے کہ حلال نہ ہوں، اور اس شبہ کی کوئی دلیل بھی نہیں ہے، مثلاً بحر و بر کے شکار مباح ہیں، ایک شخص ہرن پکڑتا ہے، اس میں یہ احتمال موجود ہے کہ ممکن ہے یہ ہرن کسی دوسرے شکاری کے قبضے سے نکل کر آیا ہو، اسی طرح ایک شخص مچھلی کا شکار کرتا ہے اس میں بھی یہ احتمال کیا جاسکتا ہے کہ کسی دوسرے شخص نے یہ مچھلی پکڑی ہو بعد میں اس کے ہاتھ سے چھٹ کر پھر پانی میں جا پڑی ہو ہمارے نزدیک اسی طرح کے احتمالات وسوسوں کے دائرے میں آتے ہیں کیونکہ یہاں بظاہر کوئی ایسا قرینہ یا دلیل موجود نہیں ہے جس سے اس احتمال کی صحت تسلیم کی جاسکے ہاں اگر کوئی قطعی دلیل ہوتی مثلاً یہ کہ مچھلی کے کان میں بالی وغیرہ پڑی ہوتی یا ظنی دلیل ہوتی مثلاً ہرن کے جسم پر زخم ہوتا تو یہ احتمال موجود تھا کہ مچھلی کسی دوسرے کی ملکیت ہے اور اس کے ہاتھ سے گر کر پانی میں بہہ آئی ہے یا ہرن کسی دوسرے شخص نے شکار کرلیا تھا، اس سے چھٹ کر آگیا ہے، اس طرح کی صورتوں میں ورع و احتیاط بجا تھی، لیکن اگر کسی طرح کی کوئی دلالت موجود ہو نہ قطعی اور نہ ظنی تو کہا جائے گا کہ یہاں کسی طرح کا کوئی احتمال نہیں، ہرن کے جسم پر لگے ہوئے زخم کی دلالت کو ہم نے ظنی اس لئے کہا کہ یہ کسی شکاری کے تیر کا نشان بھی ہو سکتا ہے اور قدرتی زخم بھی۔ بہرحال اس طرح کے امور میں احتمالات پیدا کرنا وہم ہے یہ ورع وہمیوں کا ورع تو ہو سکتا ہے اہل تقویٰ کا ورع نہیں ہو سکتا، اسی نوع کی ایک مثال یہ ہے کہ کوئی شخص کسی دوسرے شخص سے عاریۃً مکان لے، اور مالک مکان کہیں چلا جائے، عاریت پر رہنے والا شخص مالکِ مکان کی وفات کے احتمال سے مکان چھوڑ کر باہر آجائے، اور کہنے لگے کہ اب اس میں وارثوں کا حق متعلق ہو گیا ہے۔ یہ بھی وہم ہے کیونکہ مالک مکان کی موت کا نہ یہاں کوئی قطعی ثبوت موجود ہے اور نہ ظنی۔

کونسا شبہ ممنوع ہے:۔ ممنوع شبہ وہ ہے جو شک سے پیدا ہو، اور شک کا مطلب یہ ہے کہ دل میں دو طرح کے متضاد خیالات دو مختلف اسباب کی بنیاد پر پیدا ہوں وسوسوں میں یہ صورت نہیں ہوتی، جس بات کا کوئی سبب ہی نہ ہو دل میں اس کا اعتقاد کیسے ہو گا اور وہ کسی دوسرے اعتقاد کے مخالف کس طرح ہو سکے گا۔ چنانچہ اسی لئے ہم کہتے ہیں کہ اگر کسی شخص کو یہ شبہ ہو جائے کہ اس نے تین رکعتیں پڑھی ہیں یا چار تو وہ تین کو اختیار کرے، کیونکہ چوتھی رکعت کی اصل معدوم ہے، اور اگر کسی شخص سے یہ پوچھا جائے کہ تم نے آج سے دس برس پہلے فلاں دن ظہر کی نماز میں تین رکعتیں پڑھیں تھیں یا چار تو اس کو یقیناً یاد نہ ہو گا کہ چار ہی رکعتیں پڑھیں تھیں۔ اور جب یہ یقین نہ ہو تو یہ خیال بھی ہو گا کہ ممکن ہے تین ہی پڑھی ہوں۔ اس طرح کا خیال وہم کہلائے گا شک نہیں کیونکہ شک کے سبب کا وجود ضروری ہے جب کہ یہاں اس کا کوئی سبب نہیں ہے کہ اس روز تین ہی رکعتیں پڑھیں تھیں بہرحال شک اور وہم دو الگ الگ چیزیں ہیں دونوں کی حقیقت اچھی طرح سمجھ لینی چاہیے۔ یہاں یہ بات بھی جان لینی ضروری ہے کہ جن اشیاء میں صرف وہم پایا جائے حرمت کی کوئی وجہ نہ ہو تو وہ حلال مطلق میں داخل ہیں، اسی طرح اگر کسی چیز کی حرمت قطعیت کے ساتھ ثابت ہو، حلت محض وہم کی بنیاد پر ہو تو وہ حرام مطلق ہے مثلاً یہ کہ اس کے قبضہ میں اپنے مُورث کی کوئی چیز ہو، اور اس کے

علاوہ کوئی دوسرا شخص وارث نہ ہو' اتفاقاً مورث کہیں چلا گیا تو اس وارث نے سوچا کہ ممکن ہے وہ مرگیا ہو' اس خیال کے ساتھ ہی وہ مقبوضہ چیز میں تصرف شروع کردے۔ اس کا یہ تصرف حرام ہے کیونکہ اس کے خیال کی وہم سے زیادہ حقیقت نہیں ہے۔ اس طرح کے معاملات کو شبہات کے دائرے میں نہ رکھنا چاہیے مشتبہات وہ امور ہیں جن کا حال ہم پر مشتبہ ہو جائے' اس طرح کہ کسی معاملے میں دو مختلف اعتقاد دو متضاد اسباب کی بنا پر پیدا ہوں اور ان دونوں میں ترجیح نہ ہو سکے۔

شبہ کے مقامات

شک چار مقامات میں پیدا ہوتا ہے۔

پہلا مقام:۔ حلت اور حرمت کے سبب میں شک یہ مقام دو حال سے خالی نہیں یا دونوں احتمال برابر ہوں گے کسی ایک کو دوسرے پر ترجیح نہ ہوگی' یا ایک احتمال غالب ہوگا' اگر دونوں احتمال برابر ہوئے تو وہی حکم لیا جائے گا جو پہلے سے معلوم ہے شک کی وجہ سے حکم میں تبدیلی نہیں کی جائے گی اور اگر کوئی ایک احتمال غالب ہو' اور یہ غلبہ کسی وہم کی وجہ سے نہیں بلکہ معتبر دلالت کی بنیاد پر ہوا ہو تو غالب پر حکم لگایا جائے گا۔ یہ مقام مثالوں کے بغیر واضح نہیں ہوگا اس لئے ہم اس کی وضاحت کے لئے چار قسمیں کرتے ہیں۔ پہلی قسم یہ ہے کہ کسی چیز کی حرمت پہلے سے معلوم ہو' پھر اس سبب میں شک واقع ہو جائے جس سے وہ چیز حلال ہوئی تھی ایسے شبہ سے احتراز کرنا ضروری ہے اور اس پر اقدام کرنا حرام ہے۔ اس کی مثال یہ ہے کہ کسی شخص نے شکار پر تیر چلایا وہ زخمی ہو کر پانی میں گر پڑا اور شکاری کو مردہ حالت میں ملا' شکار کے متعلق یہ بات یقین سے نہیں کہی جاسکتی کہ وہ تیر سے زخمی ہو کر مرا ہے یا پانی میں ڈوب کر ایسا شکار کھانا حرام ہے' کیونکہ اس جانور میں اصل حرمت ہی تھی محض ایک معین سبب ایسا تھا جس سے جانور حلال ہو جاتا' اور اسی سبب میں شک واقع ہو گیا تو یقین کو شک کی وجہ سے نہیں چھوڑا جائے گا جس طرح کہ حدث' نجاست اور نماز کی رکعات میں بھی یقین پر عمل کیا جاتا ہے عدی ابن حاتم سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک بھی اسی معنیٰ پر محمول ہے کہ اس شکار کو مت کھانا شاید اسے تیرے کتے کے علاوہ کسی اور نے قتل کیا ہو۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جب کوئی چیز پیش کی جاتی' اور اس کا حال آپ پر مشتبہ ہوتا یعنی یہ معلوم نہ ہوتا کہ یہ صدقہ ہے یا ہدیہ تو آپ اسے دریافت فرمالیتے۔ (بخاری۔ ابو ہریرہؓ) اس سے معلوم ہوا کہ مشتبہ چیزوں میں دریافت کرلینا ضروری ہے۔ روایات میں ہے کہ ایک رات آپ جاگتے رہے کسی زوجہ مطہرہ نے عرض کیا کہ آپ رات بھر جاگیں گے؟ فرمایا کہ ہاں مجھے ایک کھجور ملی تھی میں نے وہ کھجور کھالی' بعد میں یہ ڈر ہوا کہ کہیں وہ صدقہ کی نہ ہو (احمد۔ عمرو ابن شعیب عن ابیہ عن جدہ) اسی قسم کی احتیاط کا ایک اور واقعہ کسی صحابی رسول سے مروی ہے' فرماتے ہیں کہ ہم رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کسی سفر میں تھے' ہمیں بھوک لگی' جس جگہ ہم نے قیام کیا وہاں گوہ بہت تھے' چنانچہ ہم نے گوہ ذبح کئے اور گوشت آگ پر پکنے کے لئے رکھ دیا جس وقت ہانڈیاں اُبل رہی تھیں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بنی اسرائیل میں ایک امت مسخ کردی گئی تھی۔ مجھے ڈر ہے کہ یہ وہی نہ ہوں ہم نے یہ سن کر ہانڈیاں پھینک دیں۔ بعد میں بذریعہ وحی آپ کو مطلع کیا گیا کہ ہم نے کسی امت کو اس طرح مسخ نہیں کیا کہ اس کی نسل باقی رکھی ہو (۱) اولاً" آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے گوہ کھانے سے اس لئے منع فرمایا کہ اصل اس جانور میں حرمت تھی' ذبح سے یہ حرمت دور ہوئی' لیکن محل ذبح میں شک واقع ہوگیا۔ دوسری قسم یہ ہے کہ کوئی چیز حلال ہو' اور حرمت میں شک واقع ہو جائے' اس طرح کی چیزوں میں اصل حکم حلت ہی کا رہے گا۔ مثلاً دو شادی شدہ مردوں نے ایک اُڑتے ہوئے پرندے کو دیکھ کر ایک دوسرے کی بیوی کو طلاق دینے کی شرط لگائی مثلاً ایک شخص نے کہا کہ اگر یہ پرندہ کوا ہوا تو میری بیوی پر طلاق' دوسرے نے

---

(۱) ابن حبان' بیہقی' عبدالرحمان' ابوداؤد' نسائی' ابن ماجہ۔ ثابت ابن ودیعہؓ

کہا کہ اگر یہ پرندہ کوا نہ ہوا تو میری بیوی پر طلاق۔ پرندہ اڑتا ہوا چلا گیا‘ صحیح معلوم نہ ہوسکا کہ وہ کوا تھا‘ یا کوے کے علاوہ کوئی دوسرا جانور تھا یہاں کسی بھی شخص کی بیوی پر طلاق واقع نہیں ہوگی‘ اور نہ ان مردوں میں سے کسی کے لئے اپنی بیوی سے اجتناب کرنا ضروری ہوگا۔ لیکن ورع کا تقاضا یہ ہے کہ وہ اجتناب کریں‘ اور اپنی بیویوں کو طلاق دے دیں تاکہ دوسروں کے لئے ان سے نکاح کرنا جائز ہوسکے۔ مکحولؒ کی رائے میں تو اس صورت میں اجتناب کرنا واجب ہے شعبیؒ سے ایک مرتبہ دو ایسے مردوں کے متعلق دریافت کیا گیا جو ایک دوسرے کو حسد کے سلسلے میں متہم کرنے لگے ایک نے دوسرے کو بڑا حاسد قرار دیا دوسرے نے کہا کہ ہم میں سے جس شخص میں جذبہ حسد زیادہ ہو اس کی بیوی پر طلاق ہے“ دوسرے نے اس کی رائے تسلیم کی لیکن یہ اندازہ لگانا دشوار ہوگیا کہ کس شخص میں حسد زیادہ ہے‘ امام شعبیؒ نے یہ فتویٰ دیا کہ دونوں شخص اپنی بیویوں سے اجتناب کریں۔ اگر شعبیؒ اور مکحولؒ نے اجتناب کا حکم فتویٰ کی رو سے نہیں بلکہ ورع کے پیش نظر دیا ہے تب تو یہ بات درست ہے‘ اور ہمارے قول کے مطابق ہے لیکن اگر ان کی مراد یہ ہے کہ ان دونوں صورتوں میں حرمت ثابت ہوگئی تو ہمیں تسلیم نہیں اس لئے کہ حرمت کی کوئی وجہ نہیں ہے‘ پانی‘ نجاست‘ حدث‘ اور نماز وغیرہ کے مسائل میں شک کی وجہ سے یقین ترک نہیں کیا جاتا یہاں بھی یقینی چیز حلت ہے‘ حرمت کا معاملہ مشکوک ہے اس لئے اس کا حکم بھی وہی ہوگا۔

مسئلہ طلاق اور طہارت کی مناسبت:۔ یہاں یہ سوال کیا جاسکتا ہے کہ طلاق کے مذکورہ بالا دونوں مسئلوں میں اور طہارت کے مسائل میں کیا مناسبت ہے؟ بظاہر تو کوئی مناسبت نظر نہیں آتی‘ حالانکہ آپ نے ایک دوسرے پر قیاس کرکے ایک ہی حکم لگا دیا ہے۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ یہاں مناسبت کی ضرورت نہیں ہے‘ بعض صورتوں میں کسی مناسبت کے بغیر بھی یہ حکم ثابت ہوسکتا ہے‘ مثلاً کسی شخص کو پانی کی طہارت کا یقین ہو‘ پھر اس پانی میں نجاست کا احتمال پیدا ہوجائے تو اس صورت میں مذکورہ پانی سے وضو کرنا جائز ہے‘ جب وضو کرجائز ہے تو پینا بھی جائز ہوگا‘ اس سے ثابت ہوا کہ یقین شک سے زائل نہیں ہوتا۔ تاہم یہاں یہ کہا جاسکتا ہے کہ طلاق کے مسئلے میں پانی کی نظیر سامنے رکھ کر کوئی حکم لگانا اس وقت صحیح ہوتا ہے جب کہ کسی شخص کو یہ شک ہو کہ میں نے اپنی بیوی کو طلاق دی ہے یا نہیں دی ہے۔ اس صورت میں کہا جاتا کہ اس نے طلاق نہیں دی‘ جس طرح پانی میں شک واقع ہونے پر طہارت کا حکم لگایا جاتا ہے پرندے کی نظیر پانی کے مسئلے پر منطبق نہیں ہوتی۔ اس کی نظیر یہ ہوسکتی تھی کہ دو برتنوں میں پانی ہو‘ ان میں سے ایک یقینی طور پر نجس ہو‘ لیکن یہ معلوم نہ ہو کہ وہ برتن کون سا ہے اس صورت میں ان دونوں برتنوں میں سے کسی ایک کا استعمال بھی اجتہاد کے بغیر جائز نہیں ہے۔ اسی طرح پرندے کے مسئلے میں بھی دو عورتیں ہیں ایک کی طلاق یقینی ہے‘ لیکن وہ عورت متعین نہیں ہے‘ پانی کے مسئلے پر قیاس کرتے ہوئے یہاں بھی یہ حکم لگایا جائے گا کہ دونوں عورتیں حرام ہوگئیں‘ کسی ایک سے نکاح باقی نہیں رہا۔ اس نظیر کے جواب میں ہم یہ کہتے ہیں کہ دو برتنوں والے مسئلے میں شوافع کے تین قول ہیں۔ بعض حضرات یہ فرماتے ہیں کہ اجتہاد کے بغیر کسی ایک برتن سے وضو درست ہے۔ بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ یہاں نجاست کا یقین طہارت کے یقین کے مقابلے میں ہے اس لئے دونوں سے اجتناب کرنا چاہیے اجتہاد سے یہاں کوئی فائدہ نہ ہوگا‘ ایک تیسرا گروہ یہ کہتا ہے کہ اجتہاد کرکے ایک برتن کے پانی کا استعمال جائز ہے‘ اس گروہ کی رائے معتدل بھی ہے اور صحیح بھی‘ شوافع کا مسلک بیان کرنے کے بعد ہم نظیر کے دوسرے پہلو پر گفتگو کرتے ہیں یہ نظیر اس وقت صحیح طور پر پرندے کے مسئلے پر منطبق ہوسکتی ہے جب کہ کسی شخص کی دو بیویاں ہوں‘ اور وہ آسمان میں اڑتے ہوئے پرندے کو دیکھ کر یہ کہے کہ اگر یہ پرندہ کوا ہوا تو زینب کو طلاق‘ اور کوا نہ ہوا تو عمرہ کو طلاق۔ اس صورت میں لامحالہ دونوں سے اجتناب کرنا ہوگا‘ اور استصحاب کی رو سے دونوں سے صحبت ناجائز ہوگی یہاں اجتہاد کی بھی کوئی گنجائش نہیں اس لئے کہ اجتہاد وہاں ہوتا ہے جہاں کوئی علامت ہو ہم دونوں عورتوں کو اس کے لئے حرام کہتے ہیں اگر وہ ان دونوں سے ہمبستری کرے گا تو امرِ حرام کا مرتکب ہوگا‘ اور کسی ایک کو ترجیح دے گا تو ترجیح بلا مُرجّح لازم آئے گی۔ اس تفصیل

سے ظاہر ہے کہ پرندے کے مسئلے میں ایک شخص اور دو شخصوں کا حکم الگ الگ ہے' ایک شخص کی صورت میں حرمت کا تعلق ایک سے ہے اور وہ یقین ہے دو شخصوں میں حرمت ضرور ہے لیکن کسی ایک کی بھی حرمت یقینی نہیں ہے بلکہ مشکوک ہے۔

اب اگر یہ کہا جائے کہ دو شخصوں کے دو برتن رکھے ہوئے ہوں' اور ان میں سے ایک میں نجاست گر جائے' لیکن یہ معلوم نہ ہو کہ نجاست کس کے برتن میں گری ہے تو دونوں اپنے اپنے برتن کا پانی استعمال کرسکتے ہیں' اس لئے کہ دونوں کی طہارت یقینی اور نجاست مُشتبہ ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ فقہ کی رُو سے تو یہی احتمال صحیح ہے' لیکن میری اپنی رائے میں ان دونوں کو وضو نہ کرنا چاہیے' پانی کی صورت میں دو شخصوں اور ایک شخص کا حکم یکساں ہے' اس لئے کہ وضو کی صحت اس بات کی متقضی نہیں ہے کہ پانی وضو کرنے والے کی ملک بھی ہو۔ بلکہ اگر کسی شخص نے رفع حدث کے لئے کسی غیر کے پانی سے وضو کیا تو ایسا ہی ہوگا جیسے کسی نے اپنے پانی سے وضو کیا پانی کی ملکیت کا اتحاد اور اختلاف وضو پر اثر انداز نہیں ہوتا' برخلاف اس کے کہ دوسرے کی بیوی سے جماع کیا جائے' یہ بہرحال حرام ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ نجاستوں کے سلسلے میں علامات کو بھی دخل ہے' اور علامات کی بنیاد پر اجتہاد کی بھی گنجائش ہے' جب کہ طلاق کے سلسلے میں ایسا نہیں ہے۔ استصحابات اور ترجیحات کی قسمیں ہم نے فقہی کتابوں میں مکمل طور پر بیان کردی ہیں' یہاں ہمارا مقصود تفصیل نہیں' بلکہ محض بنیادی امور پر تنبیہہ کرنا تھا۔

تیسری قسم یہ ہے کہ کسی چیز میں اصل حرمت ہو' لیکن اس پر کوئی ایسی چیز طاری ہوجائے جو ظن غالب کی رو سے اس کی حلت کا باعث ہو' ایسی چیز مشکوک ہوتی ہے' اس سلسلے میں یہ دیکھنا ہوگا کہ وہ ظن غالب کسی ایسے سبب کی بنیاد پر ہے یا نہیں جو شرعاً معتبر ہو' اگر ایسا ہے تو راجح یہی ہے کہ وہ چیز حلال ہوگی' البتہ اگر کوئی شخص اس سے اجتناب کرے تو یہ ورع کی صورت ہوگی۔ مثلاً کوئی شخص شکار پر تیر چلائے' وہ زخمی ہوکر غائب ہوجائے' پھر مردہ حالت میں پڑا ہوا ملے اور اس کے جسم پر شکاری کے لگائے ہوئے زخم کے علاوہ کوئی دوسرا نشان نہ ہو' لیکن ساتھ ہی یہ احتمال بھی موجود ہو کہ شکار کا جانور زخمی ہوکر مرنے کے بجائے گر کر مرا ہو' اگر جانور کے جسم پر کسی دوسرے زخم کا نشان ہو' یا کوئی ایسی علامت ہو جس سے گر کر مرنے پر دلالت ہوتی ہو تو وہ پہلی قسم کے ساتھ ملحق ہوگا' لیکن اگر کوئی دوسرا نشان موجود نہ ہو تو امام شافعیؒ کے اس میں دو قول ہیں' مختار قول کے مطابق وہ جانور حلال ہوگا' اس لئے کہ تیر کا زخم ایک ظاہری اور یقینی سبب ہے' اور بظاہر یہاں ایسی کوئی علامت موجود نہیں ہے جس سے موت کا دوسرا سبب معلوم ہوسکے' اگر موت کا کوئی دوسرا سبب ہے بھی تو وہ مشکوک ہے' اور یقین شک سے زائل نہیں ہوتا۔ اب اگر کوئی شخص حسبِ ذیل تین روایات پیش کرے ایک یہ کہ ابن عباسؓ نے فرمایا تھا۔

کل ما اصمیت ودع ما انمیت

جو شکار تمہاری نظروں کے سامنے آجائے اسے کھالو' اور جو نظروں سے دور ہوکر گرے اسے مت کھاؤ۔

دوسری روایت حضرت عائشہؓ کی ہے کہ ایک شخص سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک مردہ خرگوش لے کر حاضر ہوا اور عرض کیا یا رسول اللہ! اس خرگوش پر میں نے تیر چلایا تھا' جب یہ گر پڑا تو میں نے اپنا تیر پہچان لیا' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ یہ خرگوش تیر لگنے کے بعد تیرے سامنے ہی گر گیا تھا یا نظروں سے غائب ہوکر کہیں گرا تھا' اس نے عرض کیا کہ نظروں سے غائب ہوکر گرا تھا' آپ نے ارشاد فرمایا کہ رات اللہ تعالیٰ کی ایک مخلوق ہے' اس کی حقیقت کا علم اسی کو ہے جو اس کا خالق ہے' اس لئے تم اسے مت کھاؤ ممکن ہے کہ اس کے قتل پر تمہارے تیر کے علاوہ بھی کسی چیز نے اعانت کی ہو (ابوداؤد' بیہقی)۔ تیسری روایت وہ ہے جس میں عدی ابن حاتم کے سکھلائے ہوئے کتے کے شکار کا واقعہ مذکور ہے' آپ نے عدی ابن حاتم سے فرمایا کہ اگر کتے نے تمہارے شکار کا کچھ گوشت کھالیا ہو تو تم اسے مت کھانا' مجھے ڈر ہے کہ کہیں اس نے اپنے ہی

لئے یہ شکار نہ پکڑا ہو" (۱) حالانکہ سکھلائے ہوئے کتوں کے بارے میں غالب گمان یہی ہے کہ وہ اپنے مالکان کے لئے شکار کرتے ہیں مگر ایک مشتبہ امر کی بنیاد پر آپ نے کھانے سے منع فرمایا۔ ان روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ کسی چیز کی حلت اس وقت متحقق ہوتی ہے جب حلت کا سبب مکمل ہو' اور سبب کی تکمیل کا مطلب یہ ہے کہ موت کا باعث وہی سبب بنے' سبب میں شک واقع ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ نامکمل ہے' اس سے یہ شبہ ہوتا ہے کہ اس کی موت حلت پر ہوئی یا حرمت پر۔ اس استدلال کا جواب یہ ہے کہ ابن عباسؓ اور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی نہی ورع اور کراہت تنزیہی پر محمول ہے اور اس دعویٰ کا ثبوت وہ روایت ہے جس میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد گرامی نقل کیا گیا ہے:

کل منہ وان غاب عنک مالم تجد فیہ اثر سہم غیرک (بخاری و مسلم۔ عدی ابن حاتم)

اس میں سے کھالو اگرچہ وہ تمہاری نظروں سے اوجھل ہو گیا ہے۔ لیکن شرط یہ ہے کہ تمہارے تیر کے علاوہ کوئی دوسرا نشان موجود نہ ہو۔

یہ روایت اسی مضمون کی تائید کرتی ہے جو ہم نے ابھی بیان کیا ہے' معترض کا ایک اعتراض یہ بھی تھا کہ یہ بات یقینی طور پر متحقق نہیں ہے کہ شکار کی موت اسی وقت حلت پر ہوتی ہے اس طرح سبب میں شک واقع ہو گیا ہم یہ کہتے ہیں کہ صورت حال یہ نہیں ہے' بلکہ موت کا سبب یعنی تیر کا زخم یقینی ہے' البتہ یہ بات مشکوک ہے کہ اس کے علاوہ بھی کوئی دوسرا سبب ہے یا نہیں؟ اس کا مطلب یہ ہے کہ شک یقینی سبب میں نہیں ہوا' بلکہ دوسرے سبب کے طاری ہونے یا نہ ہونے میں واقع ہوا' ہمارے دعویٰ کی صحت کے لئے مسئلہ قصاص میں علماء اور فقہاء کے اجماع کی دلالت کافی ہے صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کوئی شخص زخمی ہو کر غائب ہو جائے اور پھر وہ حالت میں ملے تو تمام علماء کا اتفاق ہے کہ زخمی کرنے والے پر قصاص لازم ہوگا۔ حالانکہ معترض کے قول کے مطابق اس صورت میں قصاص کا وجوب بے معنیٰ ہے' بلکہ اگر وہ زخمی ہو کر غائب بھی نہ ہو بلکہ زخمی کرنے والے کے سامنے دم توڑ دے تب بھی قصاص واجب نہ ہونا چاہیے کیونکہ یہ ممکن ہے کہ اس کی موت کا سبب باطنی اخلاط ہیجان ہو' جس طرح کوئی شخص اچانک مرجاتا ہے اسی طرح کا حکم اس زخمی کی موت پر بھی لگایا جائے اگر معترض کا اعتراض تسلیم کر لیا جائے تو یہ لازم آئے گا کہ صرف اس صورت میں قصاص ہونا چاہیے جب کوئی شخص کسی کی گردن جسم سے جدا کر دے یا کوئی ایسا سخت زخم لگائے کہ کسی تاخیر کے بغیر مرجائے۔ حالانکہ قصاص محض شبہ کی بنیاد پر ساقط ہو جاتا ہے' لیکن یہاں کوئی بھی مفتی یا فقیہ اس طرح کے احتمالات کے پیش نظر قصاص ساقط نہیں کرتا۔ زکوٰۃ جنین کے مسئلے کی نوعیت بھی یہی ہے' اس کی تفصیل یہ ہے کہ اگر کسی ذبح شدہ جانور کے پیٹ سے مرا ہوا بچہ برآمد ہوا تو وہ حلال ہوتا ہے حالانکہ یہاں پر امکان موجود ہے کہ وہ بچہ ذبح سے پہلے ہی ماں کے پیٹ میں مر گیا ہو' یا اس میں ابھی روح ہی نہ ڈالی گئی ہو کہ موت و زندگی کا مسئلہ پیش آئے' لیکن ان احتمالات کی بنیاد پر کوئی بھی شخص جنین کی حرمت کا قائل نہیں ہے' سب یہی کہتے ہیں کہ ماں کی طرح جنین بھی حلال ہے' اسی طرح اگر کوئی شخص حاملہ عورت کو تکلیف پہنچائے' اور اس تکلیف کی وجہ سے بچہ مرجائے تو تکلیف پہنچانے والے پر لازم ہوگا کہ وہ ایک غلام آزاد کرے۔ حالانکہ یہاں بچہ کی موت کا سبب تکلیف کے علاوہ بھی ہو سکتا ہے مثلاً یہ بچہ خود بخود مر گیا ہو' یا اپنی تخلیق کے روز اول سے ہی مردہ ہو۔ ان تمام صورتوں میں ظاہری اسباب پر ہی عمل کیا جاتا ہے' دوسرے احتمالات اگر کسی معتبر دلیل سے مؤیّد نہ ہوں تو ان کی بنیاد پر کوئی فیصلہ نہیں کیا جاتا' بلکہ انہیں وہم اور وسوسہ کہا جاتا ہے۔

رہا کلب معلم کے سلسلے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد کہ "مجھے ڈر ہے کہ کہیں اس نے اپنے لئے نہ پکڑا ہو" تو اس سلسلے میں امام شافعیؒ کے دو قول ہیں ہمارے نزدیک حرمت کا قول مختار و پسندیدہ ہے سُدھایا ہوا کتا آلہ اور وکیل کی حیثیت رکھتا ہے'

---

(۱) یہ دونوں روایتیں اسی باب کے آغاز میں گزر چکی ہیں

اگر وہ اپنے مالک کے لئے شکار پکڑے تو حلال ہے' اور پکڑ کر چھوڑ دے' پھر اپنے لئے اٹھالے تو حرام ہے' مالک کے اشارے پر دوڑ کر پکڑنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس نے مالک کے لئے پکڑا ہے' پھر اس میں سے کھانے کا مطلب یہ ہے کہ اس نے اپنے لئے شکار کیا ہے۔ اس طرح یہاں دو متعارض احتمالات پیدا ہو گئے' اصل کیونکہ تحریم ہی ہے' اس لئے حرمت کے پہلو کو ترجیح حاصل ہوگی۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص کسی کو باندی خریدنے میں اپنا نائب مقرر کرے' وکیل باندی کی خریداری مکمل کرتے ہی بغیر کچھ کہے مرجائے تو مُؤکل کے لئے اس سے وطی کرنا جائز نہ ہوگا' اس لئے کہ وکیل کو اپنے لئے خریدنے پر بھی قدرت حاصل تھی' اور یہاں کوئی ایسی دلیل موجود نہیں ہے جس سے ثابت ہو سکے کہ اس نے مُؤکل کے لئے باندی خریدی تھی کیونکہ حرمت ہی اصل ہے اس لئے اسی کا اعتبار ہوگا' اس طرح کی صورت پہلی قسم کے ساتھ ملحق ہے نہ کہ تیسری قسم کے ساتھ۔

چوتھی قسم یہ ہے کہ پہلے سے کسی چیز کی حلت کا علم ہو' بعد میں کوئی معتبر شرعی وجہ ایسی سامنے آئے جس سے غالبِ ظن کے مطابق حرمت ثابت ہو رہی ہو' اس صورت میں حرمت کا حکم لگایا جائے گا کیونکہ غلبہ ظن اور معتبر شرعی سبب سے یہ بات معلوم ہوئی کہ استصحاب کی وجہ ضعیف ہے' اس کی مثال میں وہی دو برتنوں والا سابقہ مسئلہ پیش کیا جا سکتا ہے کہ اگر دو برتنوں میں سے ایک میں نجاست گری ہو' اور اجتہاد کے ذریعہ کسی ایسی علامت کا علم ہو جائے جو ظنِّ غالب کی موجب ہو' اور اس علامت سے یہ ظاہر ہو کہ فلاں برتن نجاست کا محل ہے تو اس پانی کا پینا اور اس سے وضو کرنا دونوں حرام ہوں گے' اسی طرح اگر کوئی شخص یہ کہے کہ اگر زید عمرو کو قتل کرے یا فلاں شکار کو ہلاک کرڈالے تو میری بیوی پر طلاق ہے۔ اب اگر زید عمرو کو تنہا قتل کردے یا مطلوبہ شکار کو ہلاک کرڈالے تو مدعی کی بیوی پر طلاق واقع ہو جائے گی۔ لیکن اگر ایسا ہو کہ زید نے عمرو کو یا شکار کے جانور کو تنہا مجروح کیا' اس وقت وہ دونوں بھاگ گئے بعد میں مردہ حالت میں ملے تب بھی مدعی کی بیوی پر طلاق واقع ہو جائے گی۔ اس لئے کہ ظاہر حال سے پتا چل رہا ہے کہ عمرو کا قتل یا شکار کی ہلاکت تنہا زید کے ہاتھوں ہوئی ہے اگر کوئی شخص تالاب میں پانی کا رنگ بدلا ہوا پائے تو دو احتمال میں یہ بھی ممکن ہے کہ زیادہ دن گذرنے کی وجہ سے پانی کا رنگ بدل گیا ہو' اور نجاست کے گرنے سے بھی رنگ کی تبدیلی کا امکان موجود ہے' لیکن اگر اس شخص نے ہرن وغیرہ جانور کو تالاب کے پانی میں پیشاب کرتے ہوئے دیکھا اور پھر رنگ بدلا ہوا پایا تو نجاست اور طولِ مدّت کے احتمالات کے باوجود نجاست کا احتمال راجح ہوگا' کیونکہ پیشاب کا مشاہدہ احتمال نجاست کے غلبے پر دلیل ہے۔ اور یہ صورت اس غلبہ ظن کی ہے جو اس شے میں موجود کسی علامت سے متعلق ہو جو غلبہ ظن اس طرح کی علامت سے متعلق نہ ہوگا تو اس کے بارے میں امام شافعیؒ کا اختلاف ہے کہ اصل حلت اس طرح کے ظن غالب سے باقی رہے گی یا نہیں؟۔ شوافع نے اس مسئلے کے لئے یہ عنوان اختیار کیا ہے "اگر اصل اور غلبہ ظن میں تعارض ہو جائے تو ترجیح کسے دی جائے گی" چنانچہ مشرکین' اور عادی شراب نوشوں کے برتنوں سے وضو' کھلی ہوئی قبروں میں نماز' اور کیچڑ لگ جانے کی صورت میں (بشرطیکہ وہ اس مقدار سے زیادہ لگے جس سے بچنا دشوار ہے) نماز کے مسائل میں شوافع کے اقوال مختلف ہیں' میرے نزدیک مختار و پسندیدہ بات یہ ہے کہ اصل کا اعتبار ہوگا' اور جب تک علامت کسی چیز کی ذات سے متعلق نہ ہوگی اصل کا حکم برقرار رہے گا۔ اس کی تفصیل شبہ کے دوسرے مقام کے ضمن میں آئے گی۔

بہرحال اس تقریر سے اس حلال کا حکم معلوم ہو گیا جس میں وجہ حرمت کا شک یا ظن غالب ہے' اسی طرح اس حرام کا حکم بھی معلوم ہو گیا جس میں حرمت کی وجہ طاری ہونے کا ظن یا شک ہوا ہو۔ اس تقریر کے ضمن میں یہ بات بھی آگئی کہ اگر ظن کسی ایسی علامت سے متعلق ہو جو چیز کی ذات میں پائی جائے تو اس کا حکم الگ ہے اور اگر کسی ایسی علامت سے متعلق نہ ہو تو اس کا حکم دوسرا ہے۔ ان چاروں قسموں میں ہم نے جن چیزوں کو حلال کیا ہے وہ اول درجہ میں حلال ہیں' مطلب یہ ہے کہ ان کے ترک کرنے میں احتیاط ہے' ان حلال چیزوں پر اقدام کرنے والا متقین اور صلحاء کے زمرہ میں شمار نہیں ہوگا بلکہ اسے عادلوں کی صف میں جگہ ملے گی' یہ وہ لوگ ہیں کہ شریعت ان کے فسق' نافرمانی' اور استحقاق عقوبت کا حکم نہیں لگاتی۔ البتہ جن چیزوں کو ہم نے

وہم اور وسوسہ کہا ہے ان سے بچنا ورع نہیں ہے۔

دوسرا مقام:۔ حلال اور حرام کا اختلاط۔ اس مقام کا حاصل یہ ہے کہ حرام آپس میں اس طرح مل جائیں کہ معاملہ مشتبہ ہو جائے اور یہ تمیز دشوار ہو جائے کہ حرام کون سا ہے اور حلال کون سا ہے؟ یہ اختلاط یا تو اس لئے ہوتا ہے کہ حلال اور حرام کی دونوں طرف لامحدود تعداد ہو' یا صرف ایک جانب ہو' یا تعداد محدود ہو لیکن اختلاط امتزاج کے ساتھ ہو اس طرح کہ حلال و حرام اشارہ سے ممتاز نہ ہو سکیں جیسے سَیال چیزوں کا اختلاط یا یہ اختلاط ابہام کے ساتھ ہو' اس طرح کہ حلال و حرام کے افراد میں تمیز ہو سکے جیسے غلاموں' گھروں' اور گھوڑوں وغیرہ کا اختلاط۔ اس دوسری صورت (اختلاط ابہام کے ساتھ) میں بھی دو صورتیں ہیں' ایک یہ کہ جو چیزیں مختلط ہوئی ہیں وہ مقصود بالذات ہوں جیسے سامان دوسرے یہ کہ وہ مقصود بالذات نہ ہوں جیسے نقود۔ اس اجمال سے اندازہ ہوتا ہے کہ حلال و حرام کے اختلاط کی بہت سی قسمیں ہیں۔

پہلی قسم یہ ہے کہ کوئی چیز چند محصور و معدود چیزوں میں خلط ملط ہو جائے' مثلاً ایک مردہ جانور (بکری وغیرہ) دس ذبح شدہ جانوروں میں مل جائے' یا ایک ذبح شدہ جانور میں مل جائے' یا ایک رضاعی بہن دس عورتوں میں مل جائے' یا دو بہنوں میں سے ایک کے ساتھ نکاح کیا لیکن عورت کی تعیین مشتبہ ہو گئی' اس طرح کے شبہات سے بالاجماع احتراز کرنا واجب ہے' اس لئے کہ ان صورتوں میں نہ اجتہاد کو دخل ہے اور نہ علامات کو' جب کوئی چیز محدود و محصور چیزوں میں ملتی ہے تو وہ سب مل کر ایک کے حکم میں ہو جاتی ہیں۔ ان صورتوں میں حلت کا یقین بھی ہے اور حرمت کا یقین بھی' دونوں یقین متعارض ہیں' اور ترجیح کی کوئی صورت نہیں ہے' اس لیے احتراز کا حکم دیا جائے گا۔ اس صورت میں کہ پہلے حلت تھی' پر حرمت کا اختلاط طاری ہوا جیسے پرندہ کے مسئلے میں دو میں سے ایک کی بیوی پر طلاق کا مسئلہ اور اس صورت میں کہ حلت طاری ہونے سے پہلے ہی حرمت کا اختلاط ہو گیا' جیسے رضاعی بہن اور اجنبی عورت مختلط ہو جائیں' اور حلت کے لئے کسی ایک کی تمیز دشوار ہو کوئی فرق نہیں ہے' دونوں کا ایک ہی حکم ہے' اور کبھی کبھی حرمت کے طاری ہونے کے سلسلے میں اشکال نظر آتا ہے۔ مثلاً پرندے کے سلسلے میں دو عورتوں میں سے ایک پر طلاق کا مسئلہ' لیکن ہم نے اس اشکال کا جواب بھی دیدیا تھا کہ یہاں حرمت کا یقین بھی ہے اور حلت کا یقین بھی' شریعت کی نظر خطرے کے پہلو پر زیادہ ہوتی ہے' اس لئے ترجیح حرمت کو حاصل ہوگی' بہرحال یہ حرمت اس صورت میں ہے جب کہ محصور حرام محصور حلال میں مل جائے' لیکن اگر محصور حلال غیر محصور حرام میں ملا تو اجتناب کرنا بدرجہ اولیٰ ضروری ہے۔

دوسری قسم یہ ہے کہ حرام محصور ہو' اور حلال غیر محصور' مثلاً ایک رضاعی بہن یا دس رضاعی بہنیں کسی بڑے شہر کی عورتوں میں مل جائیں' اس صورت میں مذکورہ شہر کی عورتوں سے نکاح کرنے میں اجتناب کرنا ضروری نہیں ہے' بلکہ اس کے لئے اجازت ہے کہ وہ شہر کی عورتوں میں سے جس سے چاہے ازدواجی رشتہ قائم کرے۔ اس کی وجہ یہ نہیں کہ حلال کثیر ہے اس لئے قلیل حرام کی پرواہ نہیں کی گئی' کیوں کہ اگر یہ وجہ ہو تو پھر یہ بھی لازم آئے گا کہ ایک محرم اگر دس نامحرموں میں مل جائے تو جس سے چاہئے نکاح کرلے' حالانکہ کوئی شخص بھی اس کا قائل نہیں ہے' یہاں علت کثرت بھی ہے' اور ضرورت بھی' بھلا یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ اگر کسی شخص کا دودھ شریک یا کوئی دوسرا محرم گم ہو جائے تو اس پر نکاح کا دروازہ بند کر دیا جائے۔ اسی طرح جس شخص کو یہ معلوم ہو کہ دنیاوی مال میں حرام کا اختلاط ہے تو اس سے ہرگز یہ نہیں کہا جائے گا کہ وہ خریدنا' فروخت کرنا اور کھانا پینا چھوڑ دے۔ کیونکہ اس میں دشوار اور تنگی نہیں ہے' حالانکہ دین میں تنگی نہیں ہے' ہمارے اس دعوئی کی دلیل وہ روایت ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ایک ڈھال' اور مالِ غنیمت میں سے ایک عبا چوری ہو گئی تھی۔(۱) لیکن اس چوری کے باوجود کسی نے

---

(۱) ڈھال کی چوری کی روایت بخاری و مسلم میں اور عباء کی چوری کی روایت بخاری میں ہے' دونوں کے راوی عبداللہ ابن عمرؓ ہیں۔

ڈھال اور عباء کی خرید و فروخت بند نہیں کی' یہی حال دوسری چیزوں کی چوریوں کا ہے۔ اسی طرح سب لوگ یہ جانتے تھے کہ بعض تاجر دراہم و دنانیر کا استعمال ترک نہیں کیا۔ کاروبار کے لئے ان نقود کا استعمال عام تھا۔ دنیا حرام سے اس وقت محفوظ رہ سکتی ہے جب سب لوگ معاصی سے اجتناب کرنے لگیں اور یہ محال ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ جب دنیا میں اس اجتناب کی شرط نہیں ہے تو شہر میں بھی نہ ہونی چاہیے ہاں اگر محصور اور محدود میں حرام کا وقوع ہو تو بلاشبہ اجتناب کرنا ضروری ہوگا۔ لامحدود' اور غیر محصور میں اجتناب کرنا وہمیوں کا ورع ہے۔ نہ یہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے نہ کسی صحابی سے' اور نہ کسی امت میں یا کسی زمانے میں اس طرح کے اجتناب کا تصور کیا جاسکتا ہے۔

محصور اور غیر محصور کا معیار:۔ یہاں یہ کہا جاسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ہر عدد محصور اور محدود ہے' آپ کے نزدیک محصور اور غیر محصور کی حدود کیا ہیں نیز ہم یہ جانتے ہیں کہ اگر کوئی شخص چاہے تو وہ شہر بھر کے لوگوں کی تعداد شمار کرسکتا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ان امور کی قطعی تحدید ممکن نہیں ہے' محض اندازے ہی سے کوئی تحدید ہوسکتی ہے ہماری رائے میں غیر محصور کی حد یہ ہے کہ اگر کسی میدان میں سب لوگ جمع ہوجائیں تو دیکھنے والا محض دیکھ کر ان کا شمار نہ کرسکے جیسے ہزار دو ہزار کا عدد غیر محصور ہے' اگر ہزار دو ہزار آدمی کہیں موجود ہوں تو محض دیکھنے سے ان کی تعداد معلوم نہیں کی جاسکتی۔ ہاں اگر اتنی تعداد ہو کہ آسانی سے گن لی جائے جیسے دس بیس تو یہ محصور عدد ہے۔ درمیان کے اعداد اوساط متشابہ ہیں ظن غالب کی بنیاد پر دونوں (محصور' غیر محصور) میں سے کسی ایک کے ساتھ ملادئے جاتے ہیں۔ اگر کسی عدد میں شک واقع ہو تو دل سے فتویٰ حاصل کرو اس لئے کہ گناہ دل میں چوکے لگاتا رہتا ہے اسی طرح کے مواقع کے لئے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت وابصہؓ نے ارشاد فرمایا تھا:۔

استفت قلبک وان افتوک وافتوک (۱)

اپنے دل سے فتویٰ لو' اگرچہ وہ تمہیں فتویٰ دیں وہ تمہیں فتویٰ دیں' وہ تمہیں فتویٰ دیں۔

مقام اول میں جو چار قسمیں ہم نے بیان کی ہیں ان میں سے حلت و حرمت کے باب میں بعض اطراف واضح اور ظاہر ہیں اور ان اطراف کے درمیان متشابہات بھی ہیں۔ اس طرح کے متشابہات کا حکم بھی یہی ہے کہ اپنے دل سے فتویٰ حاصل کیا جائے مفتی ان معاملات میں ظن غالب کی بنیاد فتویٰ دیا کرتے ہیں اگر مفتی سے دریافت کیا' اور دل میں خلش رہی تو یہ ماہینہ و بین اللہ گناہ ہوگا۔ مفتی ظاہر پر حکم لگاتا ہے' جب کہ اللہ تعالیٰ پر باطن بھی عیاں ہے' اس لئے مفتی کا فتویٰ آخرت کی پکڑ سے محفوظ نہیں رہ سکتا۔

تیسری قسم یہ ہے کہ حرام غیر محصور سے مختلط ہوجائے جیسا کہ آج کل کے زمانے میں مال و دولت کا حال ہے جو لوگ ظاہر حال سے احکام مستنبط کرتے ہیں ان کے خیال میں حرام غیر محصور اور حلال غیر محصور میں وہی نسبت ہے جو حرام محصور اور حلال محصور میں ہے۔ کیونکہ ہم پہلے لکھ چکے ہیں کہ حلال محصور اگر حرام محصور میں مل جائے تو حرمت کا حکم لگایا جائے گا۔ اسی طرح یہاں بھی حرمت کا حکم لگنا چاہیے حالانکہ معاملہ برعکس ہے' ہمارے خیال میں غیر محصور سے غیر محصور کے مختلط ہونے کی صورت میں کوئی ایسی متعین و مخصوص چیز حرام نہیں ہوتی جس میں حرمت و حلت دونوں کا احتمال ہو' اگر اس کی ذات میں کوئی ایسی علامت پائی جائے جس سے یہ معلوم ہو کہ یہ چیز حرام میں سے ہے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے لیکن اگر علامت نہ ہو تو اس چیز کا لینا دینا حلال ہے اور ترک کرنا ورع ہے ایسی چیز کا استعمال کرنے والا فاسق نہیں کہلائے گا۔ مثلاً ایک علامت یہ ہوسکتی ہے کہ کوئی چیز ظالم بادشاہ کے ہاتھ سے پہنچے' بعض علامات عنقریب بیان کی جائیں گی ہمارے اس دعویٰ کی دلیل ایک اثر بھی ہے اور قیاس بھی اثر یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں اور آپ کے خلفاء راشدین کے دور میں سود اور شراب کی رقم ذمیوں کے ہاتھوں سے نکل کر مسلمانوں کے اموال میں مل جایا کرتی تھی' مال غنیمت میں خیانت کا بھی یہی حال تھا کہ وہ بھی صحیح مال میں مختلط ہوجاتی

---

(۱) یہ روایت پہلے بھی گذر چکی ہے

تھی' جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو یہ اطلاع دی کہ اللہ عزّوجل نے سود حرام کردیا ہے اور یہ اعلان فرمایا کہ سب سے پہلے میں ابن عباس کا سود ختم کرتا ہوں (مسلم۔ جابرؓ) تو تمام لوگوں نے سودی لین دین ترک نہیں کیا تھا اسی طرح شراب نوشی اور دوسرے گناہ بھی یکلخت ترک نہیں کئے گئے تھے بلکہ کچھ نہ کچھ لوگ ان گناہوں کے مرتکب ہوتے رہتے تھے اور ان پر شریعت کی حد جاری کی جاتی تھی۔ ایک صحابی نے شراب فروخت کی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فلاں شخص پر لعنت فرمائے کہ وہ پہلا شخص ہے جس نے شراب فروخت کرنے کا طریقہ جاری کیا ہے۔ اس بیع کی وجہ یہ تھی کہ بعض لوگوں نے شراب کی تحریم سے پینے کی حرمت سمجھی' وہ لوگ یہ نہیں سمجھے کہ شراب بیچنا اور اس کی قیمت دونوں حرام ہیں۔ ایک شخص کے متعلق سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

ان فلانا فی النار یجر عباءة قد غلها (بخاری۔ ابن عمرؓ)

فلاں شخص دوزخ میں وہ عبا گھسیٹ رہا ہے جو اس نے ازراہ خیانت لے لی تھی۔

ایک شخص قتل کردیا گیا' جب اس کے سامان کی تلاشی لی گئی تو اس میں سے یہود کے مُہروں میں سے دو مُہرے ملے جن کی قیمت دو درہم سے زیادہ نہ تھی' اس شخص نے براہ خیانت یہ دو مہرے تبعناً لئے تھے' صحابہ کرام نے ظالم حکمرانوں کا دور پایا ہے' انہی دنوں یزید کی فوجوں نے مدینہ منورہ پر حملہ کیا تھا' اور لوٹ مار کا بازار گرم رکھا تھا' اس ہنگامے میں بہت سا مال و دولت لوٹا گیا' لیکن صحابہ کرام بازار کی خرید و فروخت سے نہیں رکے' حالانکہ انہیں معلوم تھا کہ بازار میں مدینہ منورہ سے لوٹا ہوا مال موجود ہے' انہوں نے اس اختلاط کو مانع نہیں سمجھا' بعض لوگوں نے بطور ورع کنارہ کشی بھی اختیار کی۔ لیکن ایسے لوگ بہت کم تھے۔

اب اگر کوئی شخص اپنے اوپر وہ بات لازم کرلے سلف صالحین جس کے وجوب کے قائل نہیں تھے اور یہ گمان رکھے کہ میں شریعت کے مطالب و معانی اور حقائق سے سلف کے مقابلے میں زیادہ واقفیت رکھتا ہوں تو وہ وہمی' اور احمق ہے' اگر وہ اس طرح کے مسائل میں سلف کے خلاف کرسکتا ہے تو ان مسائل میں بھی اس سے خلاف متوقع ہے جن پر اجماع امت کے علاوہ کوئی دلیل شرعی نہیں ہے مثلاً یہ کہ حرمت میں دادی کا وہی حکم ہے جو ماں کا ہے' پوتا بھی بیٹے کی طرح ہے' خنزیر کے بال اور چربی اس کے گوشت کی طرح حرام ہیں' خنزیر کے گوشت کی حرمت کا ذکر قرآن پاک میں ہے' سود ان چھ چیزوں کے علاوہ چیزوں میں بھی ہے جو روایات میں مذکور ہیں۔ ان مسائل میں خلاف کرنا باطل ہے' اور یہ بات محال ہے کہ اس عقل و فہم کا کوئی شخص شریعت کے ادراک میں سلف سے آگے بڑھ جائے۔ یہ اثر کی تفصیل تھی۔

قیاس یہ ہے کہ اگر اس طرح کے احتیاط کی اجازت دے دی جائے' اور دنیا کے اموال سے کنارہ کشی اختیار کرلی جائے تو تمام تصرفات کا دروازہ بند کرنا ہوگا' اور اس طرح دنیا تخریب کے راستے پر چل پڑے گی کیونکہ لوگوں میں فسق و فجور کا غلبہ ہے' اور اسی بدکاری کی بنا پر وہ معاملات میں شرع کی مقرر کردہ حدود و شرائط کی پابندی سے گریز کرتے ہیں' ان کا یہ عمل جائز اور ناجائز مال کے اختلاط کا سبب بنتا ہے۔ اب اگر کوئی شخص یہ کہے کہ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے محض اس احتمال کی وجہ سے کہ کہیں یہ جانور بنی اسرائیل کی مسخ شدہ امت میں سے نہ ہو گوہ کھانے سے منع فرمایا تھا' اور صحابہ کو پکی ہوئی ہانڈیاں پھینکنی پڑیں تھی۔ حالانکہ یہ بھی غیر محصور کا اختلاط تھا۔ ہم کہتے ہیں کہ آپ کا منع فرمانا تنزہ اور تورع پر محمول ہے۔ یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ گوہ کی شکل ہی عجیب ہے' ایسا لگتا ہے کہ یہ مسخ شدہ شکل ہو' اس صورت میں آپ کا منع فرمانا اس لئے تھا کہ خود گوہ میں حرمت کی علامت موجود تھی' ایک اعتراض یہ کیا جاسکتا ہے کہ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کے زمانے میں سود' چوری' لوٹ مار' اور خباثت کے ذرائع سے حاصل کیا جانے والا مال بہت کم تھا' اور حلال مال کی کثرت تھی ہمارے زمانے میں صورت حال بالکل برعکس ہے' اب حلال مال کم' اور معاملات میں شریعت کی حدود پر عمل نہ کرنے کی وجہ سے' سود کی کثرت اور ظالم بادشاہوں کی لوٹ مار کی بنا پر حرام مال زیادہ ہے اس زمانے میں جواز کی وجہ سمجھ میں آتی ہے' اس زمانے میں سمجھ میں نہیں آتی۔ اس کا جواب یہ ہے کہ

معترض کا یہ دعویٰ کہ ہمارے زمانے کے اکثر اموال حرام ہیں غلط اور بے بنیاد ہے' ایسا لگتا ہے کہ معترض اکثر اور کثیر کے فرق سے واقف نہیں ہے۔ اکثر لوگ بلکہ اکثر فقہاء تک اس غلط فہمی کے شکار ہیں کہ جو چیز نادر و کم یاب نہیں وہ اکثر ہے' اور یہ خیال کرتے ہیں کہ اکثر و کثیر دو متقابل قسمیں ہیں' ان کے درمیان تیسری کوئی قسم نہیں ہے' حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ اشیاء کی کل تین قسمیں ہیں قلیل یعنی نادر بھی ہے' کثیر اور اکثر۔ ان تینوں قسموں کی مثال یہ ہے کہ مخلوق میں مخنث کا وجود نادر ہے' اور مخنث کی بہ نسبت مریض کثیر ہیں' اسی طرح مسافر بھی مخنث کی بہ نسبت کثیر ہیں۔ چنانچہ کہا جاتا ہے کہ سفر اور مرض عذر عام ہیں' اور استحاضہ عذر نادر ہے۔ اس مثال سے ظاہر ہوا کہ مرض نہ نادر ہے اور نہ اکثر ہے بلکہ کثیر ہے' فقہاء آسانی کے لئے کہہ دیتے ہیں کہ مرض اور سفر عام اعذار ہیں' اور غالب ہیں۔ اس سے ان کی مراد یہ ہوتی ہے کہ سفر اور مرض نادر نہیں ہیں' یہ مراد نہیں ہوتا کہ یہ اکثر ہیں' اگر یہ مراد ہو تو باطل ہے' کیوں کہ اکثر لوگ تو مقیم ہیں' اور تندرست ہیں' مسافر اور مریض کثیر ہیں' خنثیٰ اور مستحاضہ نادر ہیں۔

اس وضاحت کے بعد ہم عرض کریں گے کہ معترض کا یہ دعویٰ کہ اکثر مال حرام ہے' باطل ہے معترض اپنے دعوے کو مدلل کرنے کے لئے یا تو ظالموں اور سپاہیوں کی کثرت کی بنیاد بنائے گا یا سود کا سہارا لے گا' یا یہ کہے گا کہ فاسد معاملات زیادہ ہو رہے ہیں' یا یہ کہ اسلام کے آغاز سے اب تک ملکیتیں بدلتی رہی ہیں' اور یہ ممکن ہے کہ کسی موجودہ چیز کی اصل میں کوئی خرابی یا فساد پیدا ہوا ہو۔ اب ہم ان تمام وجوہات کا الگ الگ جائزہ لیں گے پہلی وجہ اس لئے باطل ہے کہ ظالم کثیر ہو سکتے ہیں' اکثر نہیں ہو سکتے عموماً ظلم کرنے والے بادشاہ اور سپاہی ہوتے ہیں کیونکہ ظلم کی ناؤ قوت اور شوکت کے بغیر چلنی مشکل ہے۔ تصور کیجئے کہ دنیا میں سپاہی اور حکمراں کتنے ہیں' سپاہی زیادہ سے زیادہ یعنی دنیا کی تمام آبادی کا زیادہ سے زیادہ دسواں حصہ ہو سکتے ہیں' اگر کوئی بادشاہ ایک لاکھ فوج اکٹھی کرے تو اس کی رعایا کی تعداد کم از کم دس لاکھ ہونی ضروری ہے' بعض دفعہ اس کے ملک کے ایک شہر کے باشندوں کی تعداد اس کی فوج کی مجموعی تعداد سے زیادہ ہوتی ہے' یہ فوجیوں کا حال ہے بادشاہوں کی قلت صاف ظاہر ہے' اگر ان کی تعداد رعایا کی تعداد سے زیادہ ہو جائے تو دنیا کی قسمت میں امن و سکون کا ایک دن بھی نہ ہو۔ کم از کم دس افراد تو بادشاہ کی خدمت کے لئے ہونے چاہئیں' حالانکہ بعض اوقات ہزار خدمتگار بھی کم رہ جاتے ہیں' یہی حال چوروں کا ہے شہر میں ان کی تعداد بھی کم ہوتی ہے۔

دوسری اور تیسری وجہ بھی باطل ہے اس لئے کہ سود اور معاملات فاسدہ کثیر ہو سکتے ہیں اکثر نہیں ہو سکتے' کیونکہ اکثر مسلمان شریعت کی شرائط کے مطابق معاملات کرتے ہیں شریعت کے مطابق معاملات کرنے والوں کی تعداد ان لوگوں سے زیادہ ہے جو معاملات کے فساد میں مبتلا ہیں' پھر فاسد معاملات کرنے والے صحیح معاملات بھی کرتے ہیں' اگر ایسے لوگوں کے فاسد اور صحیح معاملات کے درمیان موازنہ کیا جائے تو صحیح معاملات کی تعداد فاسد معاملات کے مقابلے میں زیادہ ہو۔ ایسا خبیث بددین اور خائن شخص شہر میں کم ہی ملے گا جس کے اکثر معاملات فاسد ہوں۔ بہرحال ادنیٰ تامل سے یہ بات سمجھ میں آسکتی ہے لیکن کیونکہ دلوں میں فاسد معاملات کی برائی' اور ہیبت زیادہ ہے اس لئے اگر فاسد کم بھی ہو تو زیادہ محسوس ہوتا ہے' کبھی کبھی ایسا لگتا ہے کہ مال حرام کی طرح زنا اور شراب نوشی کی کثرت بھی ہوگی' اور اس احساس کے ساتھ ہی یہ تصور ہوتا ہے کہ زانی اور شراب اکثر ہوں گے' حالانکہ یہ تصور غلط ہے۔ اس طرح کے لوگ کم ہیں اگرچہ یہ کمی بھی کثرت کے ساتھ ہے۔

چوتھی وجہ قرین قیاس ہو سکتی ہے' اس وجہ کی تفصیل یہ ہے کہ مال تین طرح حاصل کیا جاتا ہے معادن (کانوں) سے' نباتات اور حیوانات سے۔ نباتات اور حیوان سے مال نسل کی افزائش کے ذریعہ حاصل ہوتا ہے۔ مثلاً ایک بکری لیجئے۔ بکری ایک سال میں بچہ دیتی ہے' دیکھا جائے تو ایک بکری کے (ماں' نانی وغیرہ) سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے سے ہمارے زمانے تک تقریباً پانچ سو ہوں گے (اور ہمارے زمانے تک تقریباً چودہ سو۔ مترجم)۔ اتنی طویل نسل کے متعلق یقین کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ اس کے سلسلے سے غصب یا فاسد معاملہ کا تعلق ضرور ہوگا۔ اسی طرح غلوں اور پھلوں کا معاملہ ہے' ان کی اصلیں بھی ہزار پانچ سو سے کیا کم ہوں گی' ہمارے زمانے کے غلے' سبزیاں' اور پھل پھول اسی وقت حلال ہو سکتے ہیں جب کہ ان کی تمام اصلیں زمانہ نبوت تک

حلال ہوں۔ اب معادن کو لیجئے' معادن میں بعض چیزیں وہ ہیں جو آزادانہ نکالی جاسکتی ہیں، لیکن ایسی چیزیں کم ہیں' زیادہ استعمال دراہم و دنانیر کا ہے۔ چاندی' سونا کانوں سے نکالا جاتا ہے' کانیں عموماً ظالموں کے قبضہ تصرف میں ہیں' عام لوگوں کو ان سے روکا جاتا ہے' غریب مزدوروں سے زبردستی کانیں کھدوائی جاتی ہیں' اور چاندی سونا ان سے چھین لیا جاتا ہے۔ پھر ان سے ٹکسال میں سکے گھڑے جاتے ہیں' ٹکسال بھی ظالموں کی ملکیت ہیں۔ دیکھا جائے تو کوئی ایک درہم یا دینار بھی ایسا نہ ہوگا جس کے ذریعہ ظلم یا عقد فاسد نہ ہوا ہو۔ جب صورت حال یہ ہے تو اب شکار' لاوارث زمین' جنگل کی گھاس اور لکڑی کے علاوہ کوئی چیز حلال و جائز نہیں رہی' لیکن اگر کوئی شخص یہ چیزیں یا ان میں سے کوئی ایک چیز حاصل بھی کرلے تو تنہا اسے استعمال کرنے پر قادر نہیں ہے' بلکہ اس کے ذریعہ غلہ وغیرہ ضرور خریدے گا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ حلال مال دے کر حرام مال خریدے گا۔

اس طویل اعتراض کا جواب یہ ہے کہ حرمت کا یہ غلبہ اس لئے نہیں کہ حرام کثیر حلال کثیر میں مختلط ہوگیا ہے۔ حالانکہ زیر بحث موضوع حرام کثیر کے حلال کثیر میں اختلاط سے تعلق رکھتا ہے' اس کا مطلب یہ ہے کہ غلبہ حرمت کا تعلق اس موضوع سے الگ ہے' اور اس صورت سے ملحق ہے جس کی تفصیل ہم پہلے کرچکے ہیں' یعنی اصل اور ظن غالب کا تعارض۔ اموال میں اصل یہ ہے کہ وہ تصرفات کو قبول کریں' اور طرفین کی تراضی ان پر ثابت و متحقق ہوجائے۔ اس اصل سے متعارض ایک احتمال غالب ہے' یہ احتمال اس شئی کی اصل صلاحیت۔ یعنی تصرف اور تراضی طرفین کی قبولیت دور کرتا ہے۔ اصل اور غالب احتمال کے تعارض کی چند مثالیں پیش کی جارہی ہیں' ان مثالوں پر ہم مال کے مسئلے کو قیاس کریں گے۔

پہلی مثال نجاست کی ہے' اس سلسلے میں امام شافعیؒ کے دو قول ہیں' ہمارے نزدیک صحیح یہی ہے کہ اگر راستوں میں نجاست کا اثر اور نشان نہ ہو تو اس پر نماز پڑھنی جائز ہے' کیونکہ راستے کی مٹی پاک ہوتی ہے۔ مشرکین کے برتنوں سے وضو کرنا جائز ہے' اور کھدی ہوئی قبروں میں نماز پڑھنا بھی ممنوع نہیں ہے۔ مسئلہ وضو کی دلیل یہ ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مشرکہ کے آبخورے سے وضو فرمایا تھا' اسی طرح حضرت عمرؓ نے بھی ایک نصرانی کے برتن سے وضو کیا تھا۔ حالانکہ یہ لوگ شراب پیتے ہیں' خنزیر کھاتے ہیں' اور غلاظتوں سے محفوظ نہیں رہتے۔ جب حال یہ ہو تو کیسے ممکن ہے کہ ان کے برتن پاک و صاف ہوں گے۔ اس کے باوجود حضرت عمرؓ کا وضو کرنا اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ اصل اور احتمال غالب کے تعارض کی صورت میں اصل کو ترجیح دی جاتی ہے' بشرطیکہ اصل کی ذات میں حرمت کی کوئی علامت موجود نہ ہو۔ اکابرین سلف دباغت دیا ہوا پوستین' رنگے ہوئے اور دھوئے ہوئے کپڑے پہنا کرتے تھے' سب لوگ جانتے ہیں کہ دباغ' دھوبی' اور رنگریز نجاست کے باب میں احتیاط نہیں کرتے' بلکہ حقیقت یہ ہے کہ ان کے یہاں کپڑے کا پاک رہنا محال ہے یا محال نہیں تو نادر ضرور ہے۔ علاوہ ازیں ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ اکابرین سلف گیہوں اور جو کی روٹی کھایا کرتے تھے۔ اور غلے کو دھوتے نہیں تھے حالانکہ کھلیانوں میں بیل اور گائے وغیرہ جانور کاٹتے وقت پیشاب اور گوبر کردیتے ہیں' ایسا غلہ کم ہوگا جو اس کیفیت سے دوچار نہ ہو۔ اسی طرح وہ حضرات جانوروں پر سواری بھی کیا کرتے تھے' جانوروں کے جسم سے پسینہ نکلتا تھا' لیکن وہ سوار ہونے سے پہلے دھونے کی ضرورت محسوس نہیں کرتے تھے۔ حالانکہ یہ جانور عموماً نجاستوں میں لوٹا کرتے ہیں۔ بلکہ جانور کا بچہ جب اپنی ماں کے جسم سے باہر ہوتا ہے تو اس کے جسم پر لگی ہوئی نجس رطوبتیں کبھی تو بارش کے پانی سے دھل جاتی ہیں' اور کبھی اپنی جگہ باقی رہتی ہیں مگر اس کے باوجود ان سے اجتناب نہیں کیا جاتا۔ یہ حضرات اکابر سڑکوں پر ننگے پاؤں اور جوتے پہن کر چلتے تھے' اور پیر دھوئے بغیر نماز پڑھ لیا کرتے تھے' مٹی پر بیٹھ جاتے' کیچ گارے سے گذر کر نکلتے' حالانکہ راستوں کا نجاستوں سے صاف رہنا ممکن نہیں' کتے' گھوڑے اور دوسرے چوپائے اپنی نجاستیں چھوڑتے ہوئے گذرتے ہیں۔ اس سلسلے میں ہمارے زمانے اور اس زمانے میں کوئی فرق نہیں ہے' یہ گمان نہ ہونا چاہیے کہ اکابر کے زمانے میں سڑکیں دھلتی ہوں گی' یا جانوروں کے گذرنے کے لئے عام راستوں سے الگ راستے بنائے جاتے ہوں گے۔ نہ ایسا تھا' اور نہ یہ ممکن ہے۔ اس سے ظاہر ہوا کہ ان حضرات نے اسی نجاست سے احتراز کیا ہے جو ظاہر ہو یا جس کے وجود پر کوئی علامت دلالت

کرتی ہو' اس احتمال غالب کا اعتبار نہیں کیا جو حالات کے وہم سے پیدا ہوتا ہے۔ امام شافعیؒ کی رائے یہی ہے' ان کے نزدیک ماءِ قلیل (تھوڑا پانی) اوصاف کے تبدیلی و تغیر کے بغیر ناپاک نہیں ہوتا۔ صحابہ کرام عموماً حماموں میں جاتے حوض کے پانی سے وضو کرتے' حالانکہ ان میں پانی زیادہ نہیں ہوتا تھا گندے اور ناپاک ہاتھ پڑتے لیکن پانی کی طہارت میں کسی طرح کا شبہ نہیں کیا جاتا۔ حضرت عمرؓ کے عمل سے ثابت ہوا کہ نصرانی کے گھڑے سے وضو کرنا جائز ہے' یہ اس بات کی دلیل بھی ہے کہ نصرانی کے برتن سے پانی بھی پیا جاسکتا ہے۔

حلت کا قیاس طہارت پر۔ یہاں یہ اعتراض کیا جاسکتا کہ طہارت پر حلت کو قیاس نہیں کیا جاسکتا کیونکہ طہارت میں سلف کا عمل توسع پر مبنی ہے' حرام کے شبہات سے وہ غایت درجہ احتراز کرتے ہیں' اس لئے حلت کو طہارت پر قیاس نہیں کیا جاسکتا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اگر توسع کا مطلب آپ کے نزدیک یہ ہے کہ وہ نجاست کے باوجود نماز پڑھ لیتے تھے' ہم سمجھتے ہیں کہ یہ بزرگان دین کے ساتھ بدگمانی ہے' کیونکہ ناپاکی کی حالت میں' ناپاک کپڑوں کے ساتھ نماز پڑھنا معصیت ہے' نماز دین کا ستون ہے بھلا یہ کیسے ممکن ہے کہ ان حضرات سے اس طرح کی معصیت خاص طور پر نماز کے معاملے میں سرزد ہو۔ ان بزرگوں کے سلسلے میں ہمارا اعتقاد یہ ہونا چاہیے کہ انھوں نے ہر اس نجاست سے احتراز کیا ہے جس سے احتراز کرنا واجب تھا' اور ہر اس نجاست سے تسامح اختیار کیا ہے جہاں اجتناب کرنا واجب نہیں تھا۔ ان کے تسامح اور توسع کا ایک محل یہ صورت بھی تھا جو زیر بحث ہے۔ یعنی اصل اور احتمال غالب میں تعارض۔ جہاں تک مشتبہات سے ان کے ورع کا تعلق ہے تو یہ تقوی کے طور پر تھا ورع کے معنی ہی یہ ہیں کہ ان چیزوں کو جن سے خوف نہ ہو ان چیزوں کے ڈر سے چھوڑ دینا جن میں خوف ہو۔ مال میں خطرہ زیادہ ہے اگر نفس پر قیدو بند کی سختی نہ ہو تو مال کی طرف اس کا میلان شدت اختیار کرلیتا ہے' اس لئے یہاں احتیاط کی زیادہ ضرورت ہے' جب کہ طہارت کا معاملہ ایسا نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ایک بزرگ نے مشتبہات ہی نہیں حلال چیزیں بھی چھوڑ دی تھی اس ڈر سے کہ کہیں دل غیراللہ میں مشغول نہ ہو جائے۔ ایک بزرگ سمندر کے پانی سے بھی وضو نہیں کرتے تھے' حالانکہ سمندر کا پانی طاہر مطلق ہے' اس کی طہارت میں کیے شبہ ہو سکتا ہے بہرحال اس سلسلے میں اختلاف کا ہونا ہمارے منشاء و مراد کے لئے مُضر نہیں ہے۔

اس وجہ کا ایک جواب ہم اس طرح بھی دے سکتے ہیں جس طرح پہلی وجہ کا دیا ہے۔ یعنی ہم نہیں مانتے کہ اکثر مال حرام ہے' اس لئے کہ مال کے اصول اگرچہ بہت ہوں لیکن یہ ضروری نہیں ہے کہ ان میں سے کسی اصل میں حرمت بھی رہی ہو' اس زمانے میں جو مال موجود ہیں ان میں بعض ایسے بھی ہوسکتے ہیں جن کی کسی اصل میں فساد ہو' لیکن علی الاطلاق سب کے متعلق ایک رائے قائم نہیں کی جاسکتی۔ مثلاً جس طرح ہمارے زمانے میں غصب اور چوری کا مال اس مال کی بہ نسبت کم ہے جس میں غصب اور چوری نہ ہو اسی طرح پہلے بھی غصب اور چوری کے مال صحیح مال کے مقابلے میں کم ہوا کرتے تھے' یہ صورت ہر زمانے میں ہوتی ہے پھر یہ بھی معلوم نہیں کہ فلاں معین فرع مال کی کون سی قسم میں سے ہے' آیا اس قسم میں سے جس کے اصول میں فساد تھا' یا اس قسم میں سے جس کی اصل حرمت کے شائبہ سے بھی پاک ہے۔ جب یہ معلوم نہیں تو کسی مال کے متعلق حرمت کے احتمال غالب کا حکم کیسے لگایا جاسکتا ہے۔ اور نہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ اکثر اموال حرام ہیں۔ اکثر اموال حرام اس لئے نہیں ہوسکتے کہ جس طرح غصب اور چوری کیا ہوا مال (حرام) نسل در نسل بڑھتا ہے' اسی طرح حلال و طاہر مال بھی بڑھتا ہے بلکہ حق بات تو یہ ہے کہ حرام مال کی افزائش میں شبہ کیا جاسکتا ہے کیونکہ عموماً چوری یا غصب کا اقدام کھانے کے لئے کیا جاتا ہے' حاصل شدہ مال کی نسل نہیں بڑھائی جاتی۔ راہ آخرت کے سالک کو اس مضمون سے اکثر کی معرفت کا طریقہ سمجھ لینا چاہیے۔ یہ پھسلنے کی جگہ ہے عوام تو پھر عوام ہیں علماء تک اس کے سمجھنے میں غلطی کرجاتے ہیں۔ یہ نباتات اور حیوانات کی تفصیل تھی۔ اب ہم معادن کے متعلق کچھ گفتگو کرتے ہیں۔

ترک ممالک میں معادن خالی پڑے رہتے ہیں' ہر شخص کو ان میں سے کھود کر نکالنے کا اختیار حاصل ہے' البتہ بادشاہ اور حکام

بھی ان لوگوں سے کچھ لے لیتے ہیں جو معادن سے دھاتیں وغیرہ نکالتے ہیں۔ جو کچھ حکام لیتے ہیں وہ یقیناً اس سے کم ہوتا ہے جو عام لوگوں کے پاس رہ جاتا ہے۔ بعض علاقوں میں معادن پر سلاطین قابض ہیں ان کا ظلم یہ ہو سکتا ہے کہ وہ لوگوں کو کان کنی سے منع کرتے ہیں لینے والے سلاطین کو قیمت ادا کرکے لیتے ہیں۔ اگر یہ صورت ہو تو شرعی طور پر اس میں بھی کوئی قباحت نہیں ہے اور نہ سلاطین کی ملکیت میں کوئی شک ہے کیونکہ مباحات پر ملک قبضہ کرلینے سے ثابت ہو جاتی ہے یہ بھی ضروری نہیں کہ مالک خود ہی قبضہ کرے' بلکہ اس کے وکیل یا اجرت پر طے کئے ہوئے مزدور بھی قبضہ کرسکتے ہیں۔ چنانچہ پانی لانے پر مقرر مزدور پانی جمع کرلیتا ہے تو اس شخص کو ملکیت پانی پر ثابت ہو جاتی ہے جس کی طرف سے مزدور رکھا گیا ہو۔ اگر ہم معادن کے سلسلے میں سلاطین کے عمل کو پانی کے مسئلے پر قیاس کریں تو نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ جس طرح پانی پر ملکیت ثابت ہو جاتی ہے' اسی طرح سونے یا چاندی یا دیگر معدنیات بھی بادشاہوں کی ملکیت میں آجاتے ہیں۔ اب زیادہ سے زیادہ ان کا ظلم یہ ہو سکتا ہے کہ وہ مزدوروں کو ان کے کام کی اجرت کم دیں۔ اول تو ایسا کم ہوتا ہے کہ کام زیادہ لیا جائے اور اجرتیں کم دی جائیں' دوسرے اگر ایسا ہو بھی تو اس سے نقدین (چاندی اور سونے) کی ذات میں کوئی خرابی واقع نہیں ہوتی۔ بلکہ وہ لوگ محض اس لئے ظالم ٹھہرے کہ انہوں نے کام کی اجرت کم دی ہے۔

ٹکسال (سکے ڈھلنے کا کارخانہ) سے جو سونا سکوں کی صورت میں ڈھل کر باہر آتا ہے وہ تنہا سلاطین و حکام کا نہیں ہوتا کہ اس پر شبہ ہو کہ انہوں نے ظلم اور غصب کے ذریعہ لیا ہوگا۔ لیکن تاجر سونے کے ٹکڑے اور خراب سکے ٹکسال میں دے دیتے ہیں تاکہ نئے سکے بن سکیں' سکے ڈھالنے کی اجرت مقرر کرلی جاتی ہے یہ اجرت ٹکسال والے تاجروں کے سونے سے لے لیتے ہیں' یہ صورت بھی جائز ہے۔ اور اگر یہ فرض کیا جائے کہ ٹکسال میں بادشاہ کے سونے سے سکے گھڑے جاتے ہیں تب بھی تاجروں کے مال و دولت کے مقابلے میں وہ سکے یقیناً کم ہوں گے' ہاں بادشاہ کو اس لئے ظالم کہا جاسکتا ہے کہ وہ سکے جاری کرتا ہے' اور لوگوں سے سکے ڈھالنے کی اجرت لیتا ہے' نیز اس نے چند مخصوص لوگوں کو منتخب کرلیا ہے' ٹکسال میں رہنے کی وجہ سے ان کے پاس مال و دولت کی فراوانی ہو گئی ہے خود بادشاہ بھی لوگوں سے جو کچھ لیتا ہے وہ اپنی وجاہت و حشمت کی وجہ سے لیتا ہے۔ یہ سب ظلم کی صورتیں ہیں۔ اگر ٹکسال والوں کی اجرت ناجائز بھی سمجھی جائے تب بھی یہ مقدار زیادہ نہیں ہوتی زیادہ سے زیادہ لوگ سو اشرفیوں پر ایک اشرفی لیتے ہوں گے یہ مقدار اکثر نہیں ہوسکتی۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ اکثر مال کی حرمت کی غلط فہمی عام طور پر لوگوں کے دلوں میں پیدا ہو گئی ہے یہ وہم ہے' بعض ضعیفُ الاعتقاد تفریط میں مبتلا ہوئے اور انہوں نے ورع کو وہم قرار دیا۔ ان کے نزدیک ورع کوئی چیز نہیں تمام اموال حلال ہیں' یہ لوگ حلال و حرام کی تفریق کرنے والوں کو اچھی نظر سے نہیں دیکھتے ہمارے خیال میں اگر پہلی صورت وہم ہے تو یہ صورت بدعت اور گمراہی ہے۔ یہاں ایک سوال یہ کیا جاسکتا ہے کہ اگر حرام مال کو حلال مال پر غلبہ حاصل ہو' اور صورت یہ ہو کہ غیر محصور' غیر محصور میں ملا ہوا ہو تو کیا صورت اختیار کی جائے گی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ایسے مال کو استعمال نہ کرنا ورع ہے۔ لیکن لینا یا استعمال کرنا حرام نہیں ہے۔ اس لئے کہ اشیاء میں اصل حلت ہے' اور یہ علت اس وقت تک دور نہیں ہوتی جب تک حرمت پر دلالت کرنے والی کوئی علامت نہ پائی جائے جیسا کہ سڑکوں کے کیچڑ کا مسئلہ ہے۔ اس کی نظیریں بیشمار ہیں' گذشتہ صفحات میں کچھ نظیریں پیش کی جاچکی ہیں۔ بلکہ میں تو یہاں تک کہتا ہوں کہ اگر دنیا حرام مال سے بھر جائے اور ہمارے علم و یقین کے مطابق کوئی جائز و مباح مال دنیا میں باقی نہ رہے تو ایسی صورت میں حرمت کی شرائط از سرِ نو مُدوّن و مُرتب کی جائیں گی۔ اصل میں جب کوئی چیز اپنی حد سے بڑھ جاتی ہے تو معاملہ برعکس ہو جاتا ہے اس صورت میں تمام چیزیں حلال ہو جائیں گی اس کی تفصیل یہ ہے کہ جب یہ صورت پیش آئے تو پانچ احتمالات ہو سکتے ہیں۔ ایک یہ کہ تمام لوگ کھانا پینا چھوڑ دیں' اور ہلاک ہو جائیں۔ دوسرا احتمال یہ ہے کہ بقدر ضرورت پر اکتفا کریں' اور سد رمق پر قناعت کرکے زندگی کے دن پورے کریں۔ تیسرا احتمال یہ ہے کہ لوگ بقدر ضرورت جس طریقے سے چاہیں حاصل کریں' چوری' غصب اور ظلم و زیادتی سے بھی گریز نہ کریں۔ ان کے نزدیک جائز اور ناجائز طریقے سے

لینے میں کوئی فرق نہ ہو' چوتھا احتمال یہ ہے کہ شرعی شرائط کی اتباع کریں' اور اس کے قواعد پر از سر نو عمل کریں' اور قدر ضرورت پر اکتفا نہ کریں پانچواں احتمال یہ ہے کہ شرعی قواعد کی پابندی کے ساتھ ساتھ قدر ضرورت پر اکتفا بھی ہو۔

جہاں تک پہلے احتمال کا تعلق ہے اس کا باطل ہونا بالکل واضح اور ظاہر ہے۔ دوسرا احتمال بھی باطل ہے۔ اس لئے کہ اگر لوگ سد رمق پر اکتفا کرنے لگے اور کمزوری کی حالت میں زندگی کے دن گزارنے لگے تو وہ زندہ کب رہ سکیں گے۔ سد رمق پر زندگی گزارنے سے دنیا کے تمام کام معطل ہو کر رہ جائیں گے' صنعت و حرفت کا دروازہ بند ہو جائے گا' دنیا بالکلیہ طور پر تباہ و برباد ہو جائے گی۔ دنیا تباہ ہوگی تو دین میں بھی بگاڑ پیدا ہوگا۔ اس لئے کہ دنیا آخرت کی کھیتی ہے یہی وجہ ہے کہ خلافت' قضاء' اور سیاست کے احکام بلکہ اکثر فقہی مسائل کا تعلق دنیاوی مصالح سے ہے' دنیاوی مصلحتوں کی حفاظت ہوگی تو دین بھی محفوظ و مکمل رہے گا۔

تیسرے احتمال میں بھی یہ خرابی ہے کہ اس طرح مفسدین شریعت کی ہر پابندی سے آزاد ہو جائیں گی۔ لوٹ مار کریں گے چوری کریں گے' اور طرح طرح کے مظالم کا سہارا لیں گے' اور انھیں منع کرنا ممکن نہ ہوگا' اس لئے کہ اگر انھیں منع کیا گیا تو وہ یہ جواب دیں گے کہ قابض جس طرح اس چیز کا مستحق ہے اسی طرح ہم بھی مستحق ہیں' یہ چیز اس کے لئے بھی حرام ہے اور ہمارے لئے بھی جس طرح وہ اس کا ضرورت مند ہے ہم بھی ضرورت مند ہیں۔ اگر ہم نے اپنی ضرورت سے زیادہ مال اس سے زبردستی حاصل کیا ہے تو اس میں کیا حرج ہے؟ خود اس کے پاس بھی یہ مال اس کے ایک روز کی ضرورت سے زیادہ تھا۔ بہر حال اگر اس احتمال کو عملی جامہ پہنایا گیا تو شریعت کی سیاسیات عملاً بیکار ہو کر رہ جائیں گی۔ اب چوتھا اور پانچواں احتمال باقی رہ جاتا ہے۔ چوتھا احتمال یہ ہے کہ جس کے قبضے میں جو چیز ہے وہی اس کا زیادہ مستحق ہے۔ اس سے غصب اور چوری کے ذریعہ لینا جائز نہیں ہے' بلکہ رضامندی سے لینا چاہیے۔ تراضی ہی شریعت کا اصل طریقہ ہے لیکن مطلق تراضی کافی نہیں ہے بلکہ وہ تراضی ضروری ہے جس میں شرعی مصالح کی رعایت ہو۔ اب صرف پانچواں احتمال باقی رہ جاتا ہے' اور وہ یہ ہے کہ شریعت کے طریقے کے مطابق ضرورت کے بقدر مال حاصل کیا جائے' اور اس پر قناعت کی جائے۔ راہ آخرت کے سالکین کے ورع و تقویٰ کے مناسب حال ہم اسی احتمال کو سمجھتے ہیں لیکن تمام لوگوں کو اس کا مکلف قرار نہیں دیا جا سکتا' اور نہ عام فتاویٰ میں اسے شامل کیا جا سکتا ہے اس لئے کہ اگر بقدر ضرورت کی قید لگا دی گئی تو ظالموں کو دست درازی کا موقع ملے گا' چوروں کے ہاتھ بڑھیں گے جسے بھی ذرا سا غلبہ حاصل ہوگا وہی لوٹ کرے گا جسے بھی موقع ملے گا وہ ہاتھ صاف کرنے سے باز نہیں آئے گا' اور دلیل یہ دے گا کہ جس شخص سے میں چھین رہا ہوں اسے ضرورت سے زائد مال رکھنے کا حق حاصل نہیں ہے۔ جب کہ میں محتاج اور ضرورت مند ہوں۔ دوسری صورت یہ ہے کہ حکام مالکان سے زائد از ضرورت مال لے کر اہل حاجت میں تقسیم کر دیں اور ایسے تمام لوگوں کے لئے یومیہ' ماہانہ یا سالانہ وظائف مقرر کر دیں۔ اس صورت میں بے پناہ تکلیف بھی ہے اور مال کا اتلاف بھی۔ تکلیف ظاہر ہے بادشاہ یا حکام کے لئے یہ کس طرح ممکن ہے کہ وہ زائد از ضرورت مال کا پتہ لگائیں' اور اہل ضرورت کا انتخاب کر کے حاصل شدہ مال ان میں تقسیم کریں۔ مال کی اضاعت یہ ہے کہ میوہ' غلہ اور گوشت وغیرہ چیزیں سمندر میں پھینکی پڑیں گی' کیونکہ یہ چیزیں اللہ تعالیٰ نہ صرف یہ کہ بقدر ضرورت پیدا فرماتے ہیں' بلکہ اس کثرت سے پیدا کرتے ہیں کہ اگر پوری دنیا بھی بوسعت تمام استعمال کرے تو باقی بچ جائیں۔ لوگوں کے پاس بقدر ضرورت مال باقی رہنے میں ایک خرابی یہ ہے کہ اس طرح ان کے ذمے سے حج' زکوٰۃ' مالی کفارے' اور دیگر مالی عبادتیں ساقط ہو جائیں گی۔ یہ ایک نہایت بری بات ہوگی۔ بلکہ میں تو یہ کہتا ہوں کہ اگر بالفرض ایسے حالات میں کوئی نبی مبعوث ہو تو اسے معاملات کا از سر نو آغاز کرنا ہوگا' اور یہ ضروری ہوگا کہ وہ ملکیت کے اسباب کی تعیین و تفصیل کرے' اور وہ کام کرے جو وہ تمام مال کے حلال ہونے کی صورت میں کرتا' لیکن یہ اس صورت میں ہے جب کہ نبی کی بعثت لوگوں کی دین اور دنیا کی بھلائی کے لئے ہو' اور بہتری یہ نہیں ہے کہ مخلوق کو قدر ضرورت کا مکلف کر دیا جائے' اس لئے ان حالات میں بھلائی کی صورت ہی یہ ہوگی کہ ملکیت کے اسباب از سر نو مفصل و مدون ہوں۔ اگر نبی کی بعثت دین و دنیا کی بہتری کے لئے نہ ہو تو اس پر یہ امر واجب بھی نہیں ہوگا۔ ہمارے خیال میں اس کا

امکان بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ کوئی ایسا سبب پیدا فرمادیں جس سے تمام مخلوق ہلاک ہوجائیں دنیا بھی ہاتھ سے جائے' اور دین میں بھی گمراہی ہاتھ لگے' اس لئے کہ گمراہی اور ہدایت' موت اور زندگی سب اللہ تعالیٰ کے قبضہ قدرت میں ہیں' لیکن کیونکہ سنت اللہ اسی طرح جاری ہے کہ جب حالات حد سے زیادہ بگڑ جاتے ہیں تو اصلاح کے لئے انبیاء مبعوث کئے جاتے ہیں۔ اس لئے ہم نے اس طرح کا مفروضہ قائم کیا ہے۔

پھر اس مفروضہ کی ضرورت بھی باقی نہیں رہ جاتی۔ اس لئے کہ ہمارے رسول حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ایسے ہی حالات میں ہوئی ہے' جب آپ مبعوث ہوئے تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شریعت پر چھ سو برس گذر چکے تھے' کچھ لوگ اس شریعت کی کھلم کھلا تکذیب کررہے تھے جیسے یہودی اور بت پرست' کچھ لوگ اس شریعت پر ایمان کے دعویدار ضرور تھے لیکن ان میں فسق کی بیماری عام تھی۔ جیسے ہمارے زمانے میں عام ہوگئی ہے۔ فروع شریعت کے مخاطب کفار بھی ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت سے پہلے مال شریعت عیسوی کے ماننے والوں اور نہ ماننے والوں دونوں گروہوں میں تھا۔ نہ ماننے والے بھی تساہل برتتے تھے' جیسا کہ اب مسلمان برتتے ہیں حالانکہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر زیادہ عرصہ نہیں گذرا ہے بہرحال جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہوئی تو تمام اموال حرام و ناجائز تھے' یا یہ کہنا چاہیے کہ اکثر یا کثیر مال حرام تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے گذشتہ معاملات کی عام معافی کا اعلان فرمایا' اور قابضین کو مال کا مالک قرار دے کر شرعی قواعد اور ضابطے مقرر فرمائے۔ حالانکہ شریعت میں جس چیز کی حرمت ثابت ہوچکی ہو وہ کسی رسول کی بعثت سے حلال ہوتی ہے اور نہ اس طرح کہ کوئی شخص اپنے قبضہ کا حرام مال دے دے۔ چنانچہ جزیہ میں ہم ذمیوں سے وہ مال قبول نہیں کرتے جس کے بارے میں ہمیں معلوم ہو کہ یہ شراب کی قیمت ہے یا سود کا مال ہے۔ بہرحال پچھلے لوگوں کے مال بھی ایسے ہی تھے جیسے آج کل ہمارے مال ہیں' بلکہ عربوں کے مال کی حالت ہم سے کہیں زیادہ خراب تھی کیونکہ ان میں لوٹ کھسوٹ اور قتل و غارت گری عام تھی۔ اس تفصیل سے واضح ہوا کہ چوتھا احتمال متعین ہے۔ اسی کے مطابق فتویٰ دیا جائے کا پانچواں احتمال ورع کا طریقہ ہے' بلکہ اسے ورع کامل کہنا چاہیے کیونکہ اس احتمال کی رو سے انسان مباح چیزوں میں بھی بقدر ضرورت پر اکتفا کرتا ہے اور دنیاوی امور میں توسع سے کلی طور پر کنارہ کشی اختیار کرلیتا ہے' یہ آخرت کا طریق ہے جب کہ ہماری بحث کا موضوع وہ فقہ ہے جس کا تعلق مخلوق کی صلاح و فلاح سے ہو ظاہری فتاویٰ کا جو اسلوب اور انداز ہے وہ مخلوق کی دنیاوی مصالح کے تقاضوں سے زیادہ ہم آہنگ ہے راہ آخرت پر چلنے والے لوگ کم ہوتے ہیں' بلکہ کہنا چاہیے کہ ایسے لوگوں کی تعداد انگلیوں پر گنی جاسکتی ہے۔ اگر ساری دنیا اس راستے پر چلنے لگے تو عالم کا نظام درہم برہم ہوجائے۔ طریق آخرت پر چلنے کا مطلب ہے کہ طالب آخرت کی سلطنت اور اقتدار کا خواہاں ہے' آخرت کی سلطنت کو دنیا کی سلطنت پر قیاس کرنا چاہیے کہ اگر سب لوگ اس کی خواہش کرنے لگیں' اس کے حصول کے لئے تگ و دو شروع کردیں' معمولی پیشوں' صنعتوں اور دوسرے انتظامی ذمہ داریوں کو بالائے طاق رکھ دیں تو دنیا کا نظام باطل ہوگا یا نہیں جب نظام خراب ہوگا تو سلطنت ہی کب باقی رہے گی۔ دنیا میں پیشہ ور اور ماہرین اپنے اپنے پیشوں اور اپنی اپنی صنعتوں میں مشغول رہنے پر اس لئے مجبور ہیں تاکہ بادشاہوں کے لئے ملک کا نظم برقرار رہے۔ اسی طرح دنیا پسند لوگ اپنی دنیا میں اس لئے ہمہ تن منہمک رہنے پر مجبور ہیں کہ دین کا راستہ اہل دین کے لئے ہموار رہے۔ اور آخرت کے طالبین کے نظام میں خلل واقع نہ ہو۔ یہ تقسیم کار ہے' تقدیر ازلی نے ہر شخص کا کام متعین کردیا ہے' اس تقسیم کی طرف آیت ذیل میں اشارہ کیا گیا ہے۔

نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُمْ مَعِيشَتَهُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَرَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجَاتٍ لِيَتَّخِذَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا سُخْرِيًّا (پ۲۵ ر۹ آیت ۳۱)

دنیاوی زندگی میں (تو) ان کی روزی ہم (ہی) نے تقسیم کر رکھی ہے اور ہم نے ایک کو دوسرے پر رفعت دے رکھی ہے' تاکہ ایک دوسرے سے کام لیتا رہے' (اور عالم کا انتظام قائم رہے)۔

دلیل یا نظیر معین کا مطالبہ:- بعض لوگ ہماری اس طویل تقریر کے بعد یہ اشکال کرسکتے ہیں کہ حرام کے متعلق اس طرح کے کسی مفروضے کی ضرورت نہیں ہے کہ حلال باقی ہی نہ رہے۔ اس لئے کہ یہ مفروضہ خلاف واقعہ ہے۔ اس میں شک نہیں کہ بعض مال حرام ہیں' لیکن وہ بعض کم ہیں یا زیادہ اس کے متعلق یقین کے ساتھ کچھ نہیں کہا جاسکتا' اس صورت میں تمہارا یہ دعویٰ محتاج دلیل ہے کہ وہ بعض کل کے اعتبار سے انتہائی کم ہیں۔ تم نے اس سلسلے میں حرام و حلال کی جس قدر تقسیمیں کی ہیں وہ سب مصالح مُرسلہ کے دائرے میں آتی ہیں۔ اس لئے کسی قطعی دلیل' یا معین نظیر کی بہرحال ضرورت ہے۔ جس پر ان مفروضہ تقسیموں کو قیاس کیا جاسکے' اور تمام علماء بالاتفاق اسے قبول کرسکیں۔ بعض علماء فرضی دلائل تسلیم نہیں کرتے۔

ہمارا جواب یہ ہے کہ اگر حرام کو اقل (کمتر) تسلیم کرلیا جائے تو ہم دلیل میں سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کا دور پیش کرسکتے ہیں اس زمانے میں بھی سود کا رواج باقی تھا' چوری' خیانت' اور لوٹ مار کا وجود بھی تھا مگر اس کے باوجود لین دین جاری تھا' اور اگر حرام کو اکثر تسلیم کیا جائے تو اس کا استعمال کرنا جائز ہے' اس کے جواز کے لئے حسب ذیل تین امور سے استدلال کیا جاسکتا ہے۔

اول وہ تقسیم جو ہم نے بطور حصر بیان کی ہے' اور پانچ میں سے چار قسموں کو رد کرنے کے بعد پانچویں قسم کے اثبات کے لئے بیان کی قوت صرف کی ہے۔ اگر یہ تقسیم اس وقت جاری ہوسکتی ہے جب کہ تمام مال حرام ہو تو اس وقت بطریق اولیٰ جاری ہوگی جب اکثر یا اقل مال حرام ہو' معترض کا یہ کہنا کہ جو صورت ہم نے بیان کی ہے وہ مصلحت مرسل ہے اور ظن و تخمین کی بنیادوں پر استوار ہے' اس کی غلط فہمی پر دال ہے ہمارے خیال میں فرضیات کا تعلق موہوم اور مظنون چیزوں سے ہوتا ہے' جب کہ یہاں کوئی امر مظنون نہیں ہے' بلکہ یقینی ہے کیونکہ یہ حقیقت ہر قسم کے شبہ سے بے نیاز ہے کہ شریعت کا مقصد دین اور دنیا کی مصلحت ہے' یہ حقیقت بداہۃً معلوم ہے ظنی نہیں ہے' نیز اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ اگر تمام لوگوں کو بقدر ضرورت کا مکلف کردیا جائے' یا تمام مال حرام قرار دے کر شکار اور گھاس پر لگادیا جائے تو یہ بات دنیا کی تباہی کا پیش خیمہ ثابت ہوگی' دنیا کی خرابی اور فساد دین کی خرابی اور فساد کا باعث ہوگا۔ اس سے ثابت ہوا کہ جس امر میں کوئی شک نہ ہو اس میں کسی دلیل یا نظیر کی ضرورت نہیں نظائر اور شواہد کا تعلق ان امور سے ہوتا ہے جو ظنی ہوں' اور افراد انسان سے الگ الگ متعلق ہوں۔

دوم یہ کہ اس تقسیم کے لئے جو ہم نے کی ہے کوئی ایسا قیاس بطور علت ذکر کیا جائے جو کسی اصل پر منتہی ہو' اور وہ اصل قیاس کے ہم نوا تمام فقہاء کے نزدیک متفق علیہ ہو' اگرچہ امر کلی کی بہ نسبت ارباب تحصیل کے نزدیک جزئیات بہت ہوتی ہیں۔ چنانچہ ماقبل میں ہم نے امر کلی کی تفصیل کے بعد لکھا ہے کہ اگر حرام عام ہوجائے اور کسی نبی کی بعثت ضروری ہو تو وہ بھی اسی امر کلی کے مطابق احکام جاری کرے گا' اگر اس نے امر کلی کے خلاف کیا تو تمام نظام درہم برہم ہوجائے گا۔ بہرحال یہاں قیاس جزئی کی صورت یہ ہوسکتی ہے اصل اور ظن غالب متعارض ہیں' اور تعارض اس صورت میں ہوا ہے کہ غیر محصور کا غیر محصور سے اختلاط ہے' اور کوئی معین علامت موجود نہیں ہے' اس لئے اصل کے مطابق حکم لگایا جائے گا' اور قیاس راستے کی کیچڑ نصرانیہ کے گھڑے اور مشرکین کے برتنوں پر کیا جائے گا کہ ان میں بھی اصل اور ظن غالب کے تعارض کے وقت جب کوئی متعین علامت نہ ہو یہی حکم لگایا جاتا ہے' صحابہ کرام کے عمل سے ہم اس مسئلے پر اچھی طرح روشنی ڈال چکے ہیں۔ ہم نے علامات معینہ کی قید اس لئے لگائی کہ وہ برتن الگ ہوجائیں جن میں اجتہاد کرکے کوئی حکم لگایا جاسکتا ہے اور غیر محصور کی قید اس لئے عائد کی کہ مردار اور مذبوحہ جانور کے اختلاط' اور دودھ شریک بہن اور اجنبی عورت میں اختلاط کے مسائل نکل جائیں۔ اب اگر یہ کہا جائے کہ پانی ہی ایک ایسی چیز ہے جس کی حلت یقینی ہے اور اصل ہے' یہ کون تسلیم کرتا ہے کہ اموال میں اصل حلت ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اگر وہ اموال ایسے نہیں ہیں جن کی ذات ہی میں حرمت اور خباثت ہوتی ہے جیسے شراب اور خنزیر تو وہ اصلاً حلال ہیں کیونکہ ان میں

تراضی کے ساتھ معاملات قبول کرنے کی صلاحیت رکھی گئی ہے' جس طرح پانی میں طہارت کی صلاحیت ہے یہی صلاحیت مشتبہ ہوتی ہے' اور اس سلسلے میں پانی اور مال میں کوئی فرق نہیں ہے جب مال میں کوئی فساد پیدا ہوتا ہے تو معاملات قبول کرنے کی وہ صلاحیت جو خلقتہً اس میں تھی مفقود ہو جاتی ہے' اسی طرح پانی میں نجاست پڑجانے سے اس کی صلاحیت بھی باقی نہیں رہتی۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ قبضہ ملک کی ظاہری دلیل ہے' اور استصحاب کے قائم مقام بلکہ اس سے قوی تر ہے دلیل یہ ہے کہ شریعت نے استصحاب کو قبضے کے ساتھ لاحق کیا' استصحاب یہ ہے کہ جو حکم پہلے تھا وہی حکم بعد میں بھی باقی رہے۔ چنانچہ اگر کسی شخص پر دین (قرض) کا دعویٰ کیا جائے تو مقروض کا قول معتبر ہوگا' کیونکہ اصل یہی ہے کہ اس پر کوئی دین نہ ہو' اسی طرح اگر کسی شخص نے یہ دعویٰ کیا کہ جو چیز اس کے قبضے میں ہے وہ اس کی ملکیت ہے تو اس کا دعویٰ تسلیم کیا جائے گا' کیونکہ اصل یہی ہے کہ جس کے قبضے میں ہو اسی کی ملکیت بھی ہو' ہاں اگر کوئی معین علامت اس دعویٰ کی نفی کرے تو بات دوسری ہے۔

سوم یہ کہ جو چیز کسی غیر محصور چیز پر دلالت کرتی ہے اور معین پر دلالت نہیں کرتی تو اس کا اعتبار نہیں کیا جاتا اگرچہ وہ دلالت قطعی ہوتی ہو۔ اس سے ثابت ہوا کہ اگر دلالت ظنی ہو تو بطریق اولیٰ اس کا اعتبار نہیں کیا جائے گا مثلاً اگر کسی چیز کے متعلق یہ علم ہو کہ یہ زید کی ملکیت ہے تو اس کا حکم یہ ہے کہ زید کی اجازت کے بغیر اس میں تصرف نہ کیا جائے اور اگر یہ معلوم ہو کہ فلاں چیز کا دنیا میں کوئی مالک یا وارث موجود ہے مگر اس کے متعلق علم نہیں کہ وہ کون ہے تو وہ مال مسلمانوں کے لئے وقف ہوگا' اور مصلحت کے مطابق اس میں تصرف کرنا جائز ہوگا۔ لیکن اگر یہ معلوم ہو کہ فلاں چیز دس یا بیس آدمیوں میں سے کسی ایک کی ملکیت ہے تو اس صورت میں تصرف کی اجازت نہیں دی جائے گی۔ چنانچہ جس چیز کے متعلق یہ شبہ ہو کہ قابض مالک ہے یا نہیں اور جس چیز کے متعلق یہ معلوم ہو کہ اس کا مالک ہے' لیکن اس کی تعیین میں شبہ ہو تو یہ دونوں چیزیں برابر ہیں۔ ایسی چیزوں میں مصلحت کے مطابق تصرف کرنا جائز ہوگا۔ اور مصلحت وہ ہے جس کا ذکر ہم نے پانچ اقسام کے ضمن میں کیا ہے۔ یہ اصل ہمارے دعویٰ کی نظیر ہوگی' اور کیسے نہ ہو اس لئے کہ ہم دیکھتے ہیں کہ بادشاہ اور حکام لاوارث مال مصالح میں صرف کرتے ہیں' مصالح میں فقراء اور مساکین بھی ہیں' اور دوسرے امور بھی۔ بادشاہ اگر ایسا مال کسی فقیر کو دے دے تو وہ اس کا مالک بن جائے گا اور اس کا تصرف نافذ ہوگا' اگر کوئی چور یہ چیز چرالے تو چوری کی حد جاری کی جائے گی' اور اس جرم کے پاداش میں اس کا ہاتھ کاٹا جائے گا۔ ملاحظہ کیجئے کہ کسی غیر کی ملک میں فقیر کا تصرف کس طرح نافذ ہوا؟ اس کی وجہ اس کے علاوہ کچھ نہیں کہ مصلحت کا تقاضا یہ تھا کہ کسی متعین شخص کی ملکیت اس کی طرف رجوع کرے' اور وہ چیز اس کے لئے حلال ہو جائے۔ اب اگر یہ کہا جائے کہ یہ صورت بادشاہ کے تصرف کی ہے عام لوگوں کے تصرف کرنا جائز نہیں ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ بادشاہ کے لئے بھی تو مالک کی اجازت کے بغیر اس کی ملکیت میں تصرف کی نہیں ہے۔ اس کے باوجود بادشاہ نے تصرف کیا تو محض اس لئے کہ مصلحت کا تقاضا یہی تھا۔ اور وہ مصلحت یہ تھی کہ اگر اس چیز کو اپنے حال پر رہنے دیا جاتا تو وہ ضائع ہو جاتی۔ کسی لاوارث چیز کے ملنے کے بعد اب بادشاہ کے سامنے دو صورتیں ہیں' ایک یہ کہ اسے ضائع کردے' یا کسی ضروری کام میں صرف کردے۔ کیونکہ ضروری کام میں صرف کرنا ضائع کرنے سے بہتر ہے اس لئے اسے ہی ترجیح دی جائے گی۔

جس چیز میں یہ شک ہو کہ قابض اس کا مالک ہے یا نہیں تو اس میں مصلحت کا تقاضا یہ ہے کہ قابض اس کا مالک قرار دیا جائے اس لئے کہ محض شک کی بنا پر کسی مقبوض چیز کو قابض کی ملکیت سے نکالنا اور قابض کو قدر حاجت پر اکتفا کرنے کا مکلف بنانا اس ضرر کا باعث ہوگا جس کی تفصیل ہم پہلے کرچکے ہیں۔ مصلحت کے مختلف پہلو ہیں۔ بعض مرتبہ بادشاہ یہ مصلحت سمجھتا ہے کہ اس مال سے پل بنوالیا جائے۔ بعض اوقات فوج کے مصارف میں وہ چیز استعمال کرلی جاتی ہے' کبھی کبھی فقراء کو دے دی جاتی ہے۔ بہرحال جیسی مصلحت ہوتی ہے اسی کے مطابق تصرف ہوتا ہے۔ فتاویٰ بھی مصالح سے متعلق ہوتے ہیں۔ اس تقریر سے ثابت ہوا کہ مخلوق سے ان ظنون کا مواخذہ نہیں ہوتا جو کسی خاص دلالت پر مبنی نہ ہوں جیسا کہ بادشاہوں سے اور ان فقراء سے جو

بادشاہوں سے مال لیتے ہیں مواخذہ نہیں ہے۔ اس سلسلے میں ذات مالک اور ذات املاک میں کوئی فرق نہیں ہے۔
یہ اختلاط میں شبہات کی تفصیل تھی' اب صرف یہ بحث باقی رہ جاتی ہے کہ اگر ایک ہی مالک کے قبضے میں مختلف چیزیں مثلاً مائعات' دراہم اور اسباب وغیرہ مل جائیں تو ان کا کیا حکم ہے۔ اس کا بیان اس فصل میں ہوگا جس میں مظالم سے بچنے کا طریقہ مذکور ہے۔

تیسرا مقام:۔ سبب حلت میں معصیت کا اختلاط۔ شبہ کا تیسرا مقام یہ ہے کہ جس سبب سے چیز حلال ہوئی ہو اس میں کوئی معصیت مل جائے' یہ معصیت کبھی سبب کے قرائن میں ہوگی' کبھی نتائج میں' کبھی مقدمات میں' اور کبھی عوض میں۔ لیکن شرط یہ ہے کہ وہ معصیت ان معاصی میں سے نہ ہو جو فساد عقد کا باعث بنتے ہیں' یا ان کی وجہ سے اسباب حلت میں فساد پیدا ہوتا ہے۔

قرائن میں معصیت:۔ جمعہ کے دن اذان جمعہ کے وقت بیع کرنا' چھینی ہوئی چھری سے جانور ذبح کرنا' یا چھینی ہوئی کلہاڑی سے لکڑیاں کاٹنا' دوسرے کے بیع پر بیع کرنا' دوسرے کی مقرر کردہ قیمت پر اپنی قیمت زیادہ کرنا۔ یہ سب امور قرائن میں معصیت کی مثالیں ہیں۔ ان معاملات میں شریعت کی طرف سے جو ممانعت وارد ہے وہ فساد عقد پر دلالت نہیں کرتی' البتہ اس ممانعت کے پیش نظر مذکورہ معاملات سے بچنا ورع ہے۔ اگر کوئی شخص اس طرح کا معاملہ کرلے تو حرمت کا حکم نہیں لگایا جاسکتا' لیکن اس طرح کے معاملات پر شبہ کا اطلاق کرنا بھی تسامح ہے اس لئے کہ شبہ کا اطلاق عموماً ایسے مواقع پر ہوتا ہے جن میں اشتباہ اور جہل ہو' یہاں اس طرح کا کوئی اشتباہ نہیں ہے' بلکہ صاف معلوم ہے کہ چھینی ہوئی چھری سے ذبح کرنا گناہ ہے' ساتھ ہی یہ بھی معلوم ہے کہ ایسا ذبیحہ کھانا جائز ہے۔ البتہ اگر شبہ کو مشابہت سے مشتق قرار دیا جائے' اور یہ کہا جائے کہ کیوں کہ ان طریقوں سے حاصل کی ہوئی چیز مکروہ ہے' اور کراہت حرام کے مشابہ ہے' اس لئے ان معاملات پر شبہ کا اطلاق کیا گیا ہے۔ بہرحال جب یہ معنیٰ معلوم ہوگئے تو ناموں کے اختلاف سے کوئی فرق نہیں پڑتا' فقہاء کا مزاج یہ ہے کہ الفاظ کے اطلاق میں تسامح سے کام لیتے ہیں۔
یہاں یہ بات بھی جان لینی چاہیے کہ کراہت کے تین درجے ہیں' ایک درجہ حرام سے قریب ہے' اس درجے کی کراہت سے اجتناب کرنا ورع ہے۔ درجہ دوم کی کراہت ایک گونہ مبالغہ پر منتہی ہوتی ہے اس سے بچنا وسوسے کے شکار لوگوں کا ورع ہے۔ ان دونوں کے درمیان دوسرے درجات ہیں بعض کا تعلق پہلے درجے سے ہے' اور بعض کا دوسرے درجے سے۔ مثلاً چھینے ہوئے کتے کے ذریعہ شکار کرنے میں چھینی ہوئی چھری سے ذبح کرنے اور چھینے ہوئے تیر سے شکار کرنے کی بہ نسبت زیادہ کراہت ہے۔ اس لئے کہ کتا صاحب اختیار ہے' اور اس میں بھی اختلاف ہے کہ کتے کے ذریعہ شکار کیا ہوا جانور غاصب شکاری کی ملکیت ہوگا یا کتے کے مالک کی۔ اسی کراہت کے قریب یہ کراہت ہے کہ غصب کی زمین میں بیج بوئے' اگرچہ کھیتی بیج والے کی ملکیت ہوگی لیکن شبہ باقی رہے گا۔ اگر ہم زمین کے مالک کو حق حبس کے بطور زراعت میں سے کچھ دلائیں تو یہ حکم حرام کے قریب تر ہوگا' قیاس کا تقاضا یہی ہے کہ جس ارض کا حق ثابت نہ کیا جائے' جس طرح کوئی شخص چھینی ہوئی چکی میں آٹا پیسے' یا غصب کے جال سے شکار کرے تو چکی کے مالک کے لئے آٹے میں' اور جال کے مالک کے لئے شکار میں کوئی حصہ نہیں ہوتا۔ اسی کے قریب قریب کراہت کی صورت یہ ہے کہ غصب کی کلہاڑی سے لکڑیاں کاٹی جائیں' اس سے کم کراہت اپنا مملوکہ جانور غصب کی چھری سے ذبح کرنے میں ہے' اسی سے ملتی جلتی کراہت یہ ہے کہ اذان جمعہ کے وقت خرید و فروخت کی جائے۔ بعض لوگوں کی رائے میں اس وقت بیع کرنے سے عقد فاسد ہوجاتا ہے' لیکن عام طور پر فقہاء جواز عقد کے قائل ہیں' کیونکہ عقد کے مقصود سے وقت کا تعلق ضعیف ہے۔ نیز اذان کے وقت بیع کرنے میں زیادہ سے زیادہ یہ قباحت ہے کہ ایک شخص واجب کو چھوڑ کر بیع میں مشغول ہے' اگر بیع کا فساد محض اسی بنیاد پر ہے تو پھر یہ بھی ہونا چاہیے کہ اگر کسی شخص کے ذمے زکوٰۃ کا ایک درہم باقی ہو' یا کوئی نماز قضا ہو' یا کسی کا کوئی حق اس کے ذمے ہو تو اس کی بیع فاسد ہوجائے' اس لئے کہ بیع کی مشغولیت اس کے لئے دوسرے واجبات اور فرائض کی ادائیگی میں مانع ہے۔ نوبت

یہاں تک پہنچے گی کہ ظالموں کی اولاد اور ان لوگوں کی اولاد کا نکاح صحیح نہ ہو جن کے ذمے ایک درہم بھی باقی ہے' اس لئے کہ وہ شخص واجب ادا کئے بغیر نکاح میں مشغول ہوا ہے۔ لیکن کیونکہ نہی خاص طور پر جمعہ کے دن اذان جمعہ کے وقت کے سلسلے میں وارد ہے اس لئے اس کی کراہت کچھ زیادہ ہی ہے' اس وقت میں بیع کرنے سے احتراز کرنا بہتر ہے لیکن کبھی کبھی یہ احتیاط وسوسہ بن جاتی ہے' یہاں تک کہ وہ جمعہ کی اذان کے بعد ہونے والے نکاحوں سے احتیاط کرنے لگتے ہیں۔ ایک بزرگ نے کسی شخص سے کوئی چیز خریدی' بعد میں معلوم ہوا کہ وہ چیز جمعہ کے دن خریدی گئی تھی' یہ سن کر فوراً بیع منسوخ کردی' محض اس خوف سے کہ کہیں اس نے خاص جمعہ کی اذان کے وقت نہ خریدی ہو۔ یہ مبالغہ آمیز موقف ہے کہ محض شک کی بنیاد پر بیع فسخ کردی' اگر مناہی اور مفاسد میں وہم کو اس درجہ اہمیت دی گئی تو پھر جمعہ ہی پر کیا منحصر ہے' دوسرے دنوں میں بھی مشکل پیش آئے گی۔ ورع بہترین چیز ہے' مبالغہ کرنا بھی اچھا ہے مگر ورع میں مبالغہ کی بھی کچھ حدود ہیں۔ ان سے تجاوز نہ کرنا چاہیے اگر ہر طرح کا مبالغہ جائز ہوتا تو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم یہ ارشاد نہ فرماتے۔

هلك المتنطعون (مسلم۔ ابن مسعودؓ)

مبالغہ کرنے والے ہلاک ہوئے۔

بہرحال اس طرح کے مبالغوں سے احتراز کرنا چاہیے۔ بسا اوقات مبالغہ کرنے والے کو کوئی نقصان نہیں ہوتا لیکن دیکھنے والے نقصان اٹھا بیٹھتے ہیں۔ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ یہ مبالغہ بھی دین ہی ہے' اور دوسرے اعمال کی طرح ضروری ہے' وہ اپنی کمزوری اور ضعف ہمت کی وجہ سے مبالغہ کرنے سے عاجز رہتا ہے بلکہ اس سے سہل تر پر بھی عمل کرنا اس کے لئے مشکل ہوجاتا ہے' اور وہ ورع واجب بھی ترک کردیتا ہے' چنانچہ ہمارے زمانے میں لوگوں کی عام حالت یہی ہے کہ پہلے مبالغہ آمیزی کے طور کے ذریعہ راہ تنگ کرلیتے ہیں اور جب ہمت جواب دے دیتی ہے تو تھک کر بیٹھ جاتے ہیں۔ مثلاً طہارت میں وہم کرنے والا کبھی طہارت سے عاجز ہو کر اسے چھوڑ بیٹھتے ہیں۔ یہی حال ان لوگوں کا ہے جو حلال کے سلسلے میں وہم کا شکار ہیں' وہ یہ سمجھنے لگے ہیں کہ دنیا کا تمام مال حرام ہے' اس وہم نے حلال و حرام کی تمیز اٹھادی' اور لوگ کھلے بندوں حرام مال استعمال کرنے لگے' یہ بڑی گمراہی کی بات ہے۔

نتائج میں معصیت:۔ ہر وہ تصرف جو مستقبل میں کسی معصیت کا سبب بنے۔ نتائج میں معصیت کی مثال ہے۔ اس ضمن میں زیادہ کراہیت کی صورتیں یہ ہیں کہ شراب بنانے والے کے ہاتھ انگور فروخت کرے' یا اغلام بازی میں مشہور شخص کے ہاتھ امرد غلام بیچے' یا رہزنوں کے ہاتھ تلوار فروخت کرے۔ اس سلسلے میں علماء کا اختلاف ہے کہ یہ تمام تصرفات صحیح ہوں گے یا نہیں' نیز ان سے جو ثمن حاصل ہوگا وہ جائز ہوگا یا نہیں قیاس کی رو سے یہ تمام معاملات صحیح ہونے چاہئیں' اور ثمن بھی حلال ہونا چاہیے۔ البتہ عقد کرنے والا گنہگار ٹھہرے گا' جس طرح غصب کی چھری سے ذبح کرنے والا اپنے ذبح کی حلت کے باوجود گنہگار ہے۔ ان معاملات میں عاقد کا گناہ یہ ہے کہ اس نے معصیت پر اعانت کے جرم کا ارتکاب کیا ہے۔ مگر خاص عقد سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے ثمن کے بارے میں حکم یہ ہے کہ وہ شدید مکروہ ہے حرام نہیں ہے اس ثمن کا نہ لینا ورع کا اہم ترین درجہ ہے۔ اس سے کم درجے کی کراہت یہ ہے کہ کسی ایسے شخص کے ہاتھ شراب فروخت کرے جو پیتا ہو بناتا نہ ہو۔ یا ایسے شخص کو تلوار بیچے جو جہاد بھی کرتا ہے' اور ظلم بھی یہاں دو متعارض احتمالات موجود ہیں' یہ بھی ممکن ہے کہ وہ تلوار کے ذریعے جہاد کرے' اور اس کا امکان بھی ہے کہ اسے اپنے ظلم کا وسیلہ بنائے۔ اکابر سلف نے فتنہ کے وقت تلوار کی فروخت مکروہ قرار دی ہے' اس خوف سے کہ کہیں ظالم نہ خریدلیں' اس صورت میں ورع زیادہ ہے' اور کراہت کم ہے۔ نتائج میں معصیت کی ایک صورت مبالغہ پر مبنی ہے ہم اسے وسوسہ کا نام دیں گے بعض لوگ کہتے ہیں کہ کاشتکاروں کو کھیتی باڑی کے آلات ہل وغیرہ فروخت کرنا جائز نہیں ہے' کیونکہ وہ ان آلات سے کھیتی کرتے ہیں اور پیداوار ظالموں کو بیچ دیتے ہیں اس طرح کی خرید و فروخت سے بچنا ورع نہیں ہے وہم ہے۔ اگر اس طرح کے ورع کی اجازت دے دی گئی تو نوبت یہاں تک پہنچے گی کہ ان کے ہاتھ غلہ فروخت کرنا بھی مکروہ ہوگا کیونکہ وہ غلہ بوئیں

گے' اور پیداوار ظالموں کے ہاتھ فروخت کردیں گے حد تو یہ ہے انہیں کھیتی باڑی کے لئے پانی دینا بھی کراہت سے خالی نہ ہوگا۔ رفتہ رفتہ نوبت اسی مبالغہ تک پہنچے گی جس سے حدیث میں منع فرمایا گیا ہے جو شخص محققانہ علم نہیں رکھتا اور خیر کی نیت سے کوئی عمل کرتا ہے تو وہ مبالغہ آرائی سے ضرور کام لیتا ہے' بلکہ بعض اوقات بدعت میں ملوث ہوجاتا ہے خود بھی نقصان اٹھاتا ہے اور اس کے بعد آنے والے بھی اس کے ضرر کا شکار ہوتے ہیں' حالانکہ وہ یہ سمجھتا ہی کہ میں کار خیر میں مصروف ہوں' اسی وجہ سے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:۔

فضل العالم علی العابد کفضلی علی ادنی رجل من اصحابی (۱)

عابد پر عالم کی فضیلت ایسی ہے جیسے میری فضیلت صحابہ میں سے کسی ادنیٰ شخص پر۔

متنطع (مبالغہ کرنیوالے) وہ ہیں جن کے متعلق اندیشہ یہ ہے کہ ذیل کی آیت کہیں ان ہی لوگوں کے سلسلے میں نازل نہ ہوئی ہو۔

اَلَّذِيْنَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَهُمْ يَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ يُحْسِنُوْنَ صُنْعًا

(پ۱۶ ر۳ آیت ۱۰۴)

یہ وہ لوگ ہیں جن کی دنیا میں کی ہوئی محنت سب ضائع اور اسی خیال میں ہیں کہ وہ اچھا کام کررہے ہیں۔

کسی شخص کے لئے مناسب نہیں ہے کہ وہ ورع کے حقائق میں کسی پختہ کار عالم سے دریافت کئے بغیر مشغول ہو اس لئے کہ اگر اس نے حدود سے تجاوز کیا' اور علم کے بغیر ذہن سے کچھ افعال اختراع کرلئے تو اس کی اصلاح کم ہوگی' فساد زیادہ پھیلے گا۔ سعد ابن ابی وقاصؓ نے اپنے انگوروں کے باغ میں آگ لگادی تھی' اس خوف سے کہ کہیں شراب بنانے والے اس کے انگور نہ خرید لیں۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ اس کا سبب کیا تھا؟ ممکن ہے اس اندیشے کے علاوہ بھی کوئی ایسا سبب موجود ہو جس کی وجہ سے جلانا ضروری ہوگیا ہو' اس لئے کہ محض اس اندیشے کی بناء پر اَجلاّء صحابہ نے بھی اپنے باغوں کو نذر آتش نہیں کیا' پھر اگر ایسا کرنا درست ہو تو زنا کے خوف سے آلۂ تناسل کو' اور جھوٹ بولنے کے خوف سے زبان کو بھی کاٹ دینا چاہیے۔

مقدمات میں معصیت:۔ مقدمات میں معصیت کے تین درجے ہیں۔ سب سے بڑا درجہ جس میں کراہت زیادہ ہے یہ ہے کہ معصیت کا اثر لی ہوئی چیز میں باقی رہے۔ مثلاً کسی ایسی بکری کا گوشت کھائے جس نے غصب کی گھاس کھائی ہو یا جو حرام چراگاہ میں چری ہو' غصب کی گھاس کھلانا اور حرام چراگاہ میں چرانا معصیت ہے' یہی معصیت اس کی بقا کا سبب بنتی ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ بکری کا خون اس کا گوشت اور دوسرے اجزاء اسی گھاس سے بنے ہوں۔ یہ اہم ترین ورع ہے' اگرچہ واجب نہیں ہے۔ سلف کے بہت سے بزرگوں سے اس طرح کا ورع منقول ہے۔ چنانچہ ابو عبداللہ طوسی تروغندی کے پاس ایک بکری تھی' وہ ہر روز اس کا دودھ پیا کرتے تھے' معمول یہ تھا کہ اسے روزانہ جنگل چرانے کے لئے لے جاتے' ایک روز حسب معمول جنگل پہنچے' بکری چرنے لگی' خود نماز میں مشغول ہوگئے' ایک لمحے کے لئے ہی غفلت ہوئی تھی کہ بکری کسی دوسرے کے باغ پہنچ گئی' اور انگور کی بیل کے پتے کھانے لگی' اس واقعہ کے بعد آپ نے بکری کو باغ ہی میں چھوڑ دیا' اور خود گھر چلے آئے' اب اگر یہ کہا جائے کہ حضرت عمرؓ کے دو صاحبزادوں عبید اللہ اور عبداللہ نے اونٹ خریدے' اور چرنے کے لئے رَمنہ میں چھوڑ دیئے کچھ دنوں کے بعد اونٹ موٹے تازے ہوگئے حضرت عمرؓ نے دیکھا تو دریافت فرمایا کہ کیا تم نے یہ اونٹ امنہ میں چرائے ہیں' صاحبزادوں نے عرض کیا: جی ہاں! چنانچہ آپ نے نصف اونٹ ان سے لے لئے۔ اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ کے نزدیک وہ گوشت جو گھاس سے پیدا ہوا گھاس والے کا تھا۔ اس صورت میں گوشت حرام ہونا چاہیے نہ کہ مکروہ۔ اس کا جواب یہ ہے کہ گوشت گھاس والے کا نہیں ہوتا اس لئے کہ گھاس کھانے سے ضائع ہوجاتی ہے۔ گوشت ایک نئی تخلیق ہے' شرعی طور پر گھاس کے مالک کا گوشت میں کوئی حق نہیں

---

(۱) یہ حدیث کتاب العلم میں گذر چکی ہے

ہے۔ حضرت عمرؓ نے اپنے صاحبزادوں سے گھاس کا تاوان لیا تھا، گھاس کی قیمت آپ کے اندازے کے مطابق نصف اونٹوں کی قیمت کے برابر تھی۔ اس لئے آپ نے اجتہاد کیا' اور صاحبزادوں سے نصف اونٹ لے لئے' جس طرح سعد ابن ابی وقاصؓ سے اس وقت نصف مال لے لیا تھا جب وہ کوفہ سے واپس آئے تھے۔ یہی سلوک حضرت ابو ہریرہؓ کے ساتھ بھی کیا تھا۔ حضرت عمر نے دیکھا کہ عامل تمام مال کا مستحق نہیں ہے' بلکہ اسے اس کے عمل کے بقدر اجرت ملنی چاہیے' اجتہاد کے ذریعہ آپ نے نصف مال اجرت ٹھہرائی اور انہیں دے دی۔

دوسرے درجہ کی مثال میں بشر ابن حارث کا واقعہ پیش کیا جاسکتا ہے کہ انھوں نے ظالموں کی کھدوائی ہوئی نہر کا پانی نہیں پیا۔ اس لئے کہ نہر کے ذریعہ پانی ان تک پہنچا تھا' اور کھدوانے والے نے اس نہر کے کھدوانے کے سلسلے میں لوگوں پر ظلم کرکے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی تھی۔ ایک بزرگ نے اس باغ کے انگور نہیں کھائے تھے جس کو ظالموں کی کھودی ہوئی نہر کے پانی سے سینچا گیا تھا۔ یہ مرتبہ پہلے مرتبہ کی بہ نسبت زیادہ ارفع و اعلیٰ ہے' اس میں ورع بھی پہلے کے مقابلے میں زیادہ ہے۔ ایک دوسرے بزرگ نے ان سبیلوں کا پانی نہیں پیا جو راستوں پر بادشاہوں نے تعمیر کرائیں تھیں۔ زیادہ اہم واقعہ ذوالنون مصریؒ کا ہے کہ انھوں نے داروغہ زنداں کے ذریعہ پہنچنے والا حلال رزق کھانے سے منع کردیا تھا' اور اس کی یہ توجیہہ بیان کی تھی کہ کھانا ظالموں کے ہاتھوں سے مجھے ملا ہے۔ بہرحال اس درجے کے بے شمار مراتب ہیں اس مختصر بیان میں ان سب مراتب کا احاطہ دشوار ہے۔

تیسرا درجہ وسوسے اور مبالغے سے قریب ہے اس درجے کا حاصل یہ ہے کہ کوئی شخص وہ حلال رزق نہ کھائے جو کسی گناہگار مثلاً زانی وغیرہ کے ذریعے پہنچے' زانی کی حیثیت وہی ہے جو حرام غذا کھانے والے کی ہے' اس لئے کہ حرام غذا سے قوت پیدا ہوتی ہے' اور اس قوت سے کھانا پہنچانے پر مدد ملتی ہے جب کہ زنا اور قذف وغیرہ گناہوں سے اس طرح کی قوت پیدا نہیں ہوتی۔ ہم تو یہاں تک کہتے ہیں کہ اگر حلال کھانا کافر کے ہاتھوں سے ملے تب بھی بلا کراہت درست ہے' اس سے بچنا وسوسہ ہے' اس لئے کہ کھانا اٹھا کر لانے سے کفر کا کیا تعلق؟ اگر اس طرح کی احتیاط سے کام لیا گیا تو نوبت یہاں تک پہنچے گی کہ جس شخص نے غیبت کی ہو' جھوٹ بولا ہو یا اسی طرح کا کوئی دوسرا گناہ کیا ہو اس کے ذریعہ سے پہنچنے والے کھانے سے بھی احتراز کیا جائے یہ انتہائی درجہ کا غلو ہے' اس طرح کے غلو پسند لوگوں کو بشر ابن حارث اور ذوالنون مصری کے واقعات سے احتیاط و ورع کی حد مقرر کرلینی چاہیے' بشر ابن حارث نے پانی نہیں پیا کہ ظالموں کی کھدوائی ہوئی نہروں سے وہ پانی پہنچا تھا' ذوالنون مصری نے کھانا اس لئے نہیں کھایا کہ حرام غذا سے بنی ہوئی قوت اسے لانے کا ذریعہ بنی تھی۔ اب اگر کوئی شخص کسی آبخورہ سے محض اس لئے پانی نہ پئے کہ اس کے صانع نے ایک دن کسی انسان کو مار کر یا گالی دے کر باری تعالیٰ کی نافرمانی کا ارتکاب کیا تھا تو اسے وہم کے علاوہ اور کیا نام دیا جائے گا' اسی طرح یہ بھی وہم ہے کہ حرام غذا کھانے والے شخص کے ذریعہ ہنکائی گئی بکری کا گوشت نہ کھایا جائے داروغہ زنداں' اور بکریاں ہنکانے والے میں فرق ہے۔ کھانا داروغہ زنداں کی قوت سے پہنچا تھا' جب کہ بکری خود چلتی ہے ہانکنے والے کا کام محض اتنا ہی کہ بکری راستے سے ادھر ادھر نہ ہو' اس سے معلوم ہوا کہ یہ بھی وسوسے کی صورت ہے۔

یہاں یہ بات اچھی طرح سمجھ لینی چاہیے کہ کراہت کے یہ درجات علماء ظاہر کے فتویٰ سے خارج ہیں فقیہہ کا فتویٰ صرف پہلے درجے کے ساتھ مخصوص ہے' کیونکہ عام لوگوں کو اس درجے کا مکلف قرار دیا جاسکتا ہے' اگر تمام لوگ اس کی تعمیل کرنے لگیں تو عالم کا نظام درہم برہم نہ ہو اس کے بعد متقین اور صالحین کا ورع ہے' مفتی عام لوگوں کو اس ورع کا مکلف نہیں کرسکتا' اس باب میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد پر عمل ہو گا جس کے مخاطب حضرت وابصہؓ ہیں:۔

استفت قلبک وان افتوک' وان افتوک' وان افتوک (۱)

---

(۱) یہ روایت پہلے بھی کئی ابواب میں گذر چکی ہے۔

اپنے دل سے فتویٰ لو' اگرچہ لوگ تجھے فتویٰ دیں (یہ جملہ تین مرتبہ ارشاد فرمایا)
اور یہ حقیقت بھی ہے کہ دل بہترین مفتی ہے' چنانچہ روایات میں ہے:۔

الاثم حزاز القلب (۱)
گناہ دلوں میں کھٹکنے والا ہے

اگر مرید کے دل میں کوئی چیز کھٹکے اور وہ اس کے باوجود اس پر اقدام کی جرأت کرے تو اسے نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہے' دل اسی قدر تاریک ہوگا جس قدر دل میں کھٹک ہوگی۔ بلکہ اگر اس نے کسی ایسے امر پر اقدام کیا جو عند اللہ حرام ہو' اور وہ اپنی دانست میں اسے حلال سمجھ رہا ہو تو اس کا یہ اقدام قلب کی قساوت میں مؤثر نہیں ہوگا۔ ہم نے غلو اور مبالغہ سے منع کیا ہے' اس سے ہمارا مقصد یہ ہے کہ صاف دل اور معتدل مزاج آدمی اس طرح کے امور میں۔ جو مبالغے کی مثال میں ہم نے بیان کئے ہیں۔ خلش محسوس نہیں کرتا' اب اگر کوئی وہمی شخص اس طرح کے امور میں خلش محسوس کرے اور دل کی خلش کے باوجود اقدام کی جرأت کرے تو عند اللہ ماخوذ ہوگا۔ اس لئے کہ اس کے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان جو معاملہ ہے اس دل کے فتویٰ کا اعتبار کیا جائے گا۔ یہی وجہ ہے کہ وہمی پر شریعت کی طرف سے تشدد کیا جاتا ہے مثلاً اگر کوئی طہارت کے سلسلے میں یہ وہم کرے کہ تین مرتبہ دھونے سے اعضاء پاک نہیں ہوتے تو اسے چوتھی مرتبہ بھی دھونے کا حکم دیا گیا ہے یہ وہ لوگ ہیں جنھوں نے اپنی ذات پر تشدد کیا تو باری تعالیٰ نے بھی تشدد فرمایا یہی وجہ ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم نے گائے ذبح کرنے کے حکم کے بعد گائے کی کیفیت اور ماہیت سے متعلق بہت سے سوالات کئے تو باری تعالیٰ نے بھی بہت سی قیود لگادیں۔ اگر وہ لوگ لفظ پر قناعت کرلیتے اور کسی بھی گائے کو ذبح کردیتے تو حکم خداوندی کی تعمیل ہوجاتی۔

ہم نے بہت سے دقائق نفی اور اثبات کے اسلوب میں تکرار و اعادے کے ساتھ تفصیل سے بیان کردئے ہیں' سالک آخرت کو چاہیئے کہ وہ ان دقائق کو فراموش نہ کرے' تکرار و اعادہ اور بسط و شرح کی ضرورت اس لئے پیش آئی کہ ان لوگوں سے مقاصد کی دریافت میں لغزش کا اندیشہ تھا جو کلام کی ماہیت پر مطلع نہیں ہیں اور مضامین کی باریکیاں ان کے فہم سے بالاتر ہیں۔

عوض میں معصیت:۔ اس کے بھی مختلف درجات اور مراتب ہیں۔ اعلیٰ درجہ جس میں کراہت زیادہ ہے یہ ہے کہ کوئی چیز خریدے' اور اس کی قیمت مال غصب یا حرام سے ادا کرے۔ اس صورت میں یہ دیکھا جائے گا کہ اگر بائع نے قیمت پر قبضہ کرنے سے پہلے ہی غلّہ وغیرہ (مبیع) بطیب قلب مشتری کو دے دی اور مشتری نے قیمت ادا کرنے سے پہلے کھالی تو یہ جائز ہے' اس کا ترک کرنا بالاجماع واجب نہیں ہے' اور نہ یہ ورع مؤکد میں ہی داخل ہے اگر کھانے کے بعد حرام مال سے قیمت ادا کی تو ایسا ہوگا کہ گویا اس نے ادا ہی نہیں کی ہے اگر بالفرض ادا نہ کرتا تو بائع کا حق اس کے ذمہ میں باقی رہتا' اسی طرح حرام مال سے قیمت ادا کرنے میں باقی رہے گا۔ اگر حرام مال سے قیمت ادا کی اور مشتری نے قیمت کی حرمت کے علم کے باوجود بائع کو بری الذمہ کردیا تو مشتری پر کوئی چیز واجب نہیں رہے گی' تاہم اس کے ذمے یہ گناہ ضرور رہے گا کہ اس نے حرام مال میں تصرف کیا' اور بائع کو بطور عوض بیع ادا کیا لیکن اگر بائع نے یہ سمجھ کر مشتری کی برأت کی کہ اس نے حلال مال سے قیمت چکائی ہے تو مشتری بری نہیں ہوگا۔ کیونکہ بائع اس لئے بری کررہا ہے کہ اس نے اپنا حق وصول کرلیا ہے حالانکہ حرام مال میں انفاء حق کی صلاحیت نہیں ہے۔ یہ اس صورت کی تفصیل تھی کہ بائع نے رضامندی کے ساتھ مبیع مشتری کے حوالے کی تھی۔ اگر بائع راضی نہیں تھا تو مشتری کے لئے مبیع کا استعمال جائز نہیں ہے۔ چاہے وہ حرام مال سے قیمت ادا کرنے سے پہلے استعمال کرے یا بعد میں۔ اس لئے کہ فتویٰ کی رو سے مبیع میں مشتری کا حق اسی وقت ثابت ہوتا ہے جب ثمن میں بائع کی ملکیت قبضہ کرنے سے متعین ہوجاتی ہے۔ جس طرح مشتری کی ملکیت بیع پر قبضہ

---

(۱) کتاب العلم میں یہ حدیث کتاب الاوراد میں ذکر کی جاچکی ہے۔

کرنے سے متعین ہوجاتی ہے۔ ہاں اگر بائع ثمن معاف کردے یا اپنا حق پورا پورا وصول کرلے تو اب مشتری کو مبیع میں تصرف کرنے کی مکمل آزادی مل جائے گی۔ یہاں دونوں میں سے کوئی صورت نہیں ہے' نہ بائع نے معاف کیا ہے' اور نہ اپنا حق وصول کیا ہے۔ اس صورت میں مشتری کا تصرف ناجائز ہونا ہی چاہیے۔ اگرچہ اس نے اپنی ملکیت میں تصرف کیا ہے' مگر یہ تصرف گناہ ہوگا۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص غلہ گروی رکھے اور مرتہن کی اجازت کے بغیر اسے استعمال کرے' اگرچہ وہ بھی اپنی ملکیت استعمال کررہا ہے مگر گنہگار ہے۔ اس صورت میں اور غیر کی ملک کھانے میں فرق ہے' تاہم اصل حرمت دونوں صورتوں میں ہے۔

یہ صورت اس وقت ہے جب کہ ثمن ادا کرنے سے پہلے مبیع پر قبضہ کرلے' خواہ بائع کے دینے پر رضامند ہو یا نہ ہو۔ لیکن اگر پہلے مال حرام سے ثمن ادا کیا پھر مبیع پر قبضہ کیا' اور بائع ثمن کی حرمت سے واقف ہے تو مبیع میں اس کا حق ختم ہوجائے گا' اور مشتری پر ثمن واجب رہے گا' کیونکہ جو کچھ بائع نے لیا ہے وہ ثمن نہیں ہے' ثمن کے باقی رہنے کی وجہ سے مشتری کے لئے مبیع کا استعمال کرنا حرام نہیں ہوگا۔ اگر بائع ثمن کی حرمت سے واقف نہیں ہے۔ اور صورت یہ ہے کہ اگر واقف ہوتا تو ہرگز بیع نہ کرتا تو مبیع میں اس کا حق متعلق رہے گا' اور مشتری کا تصرف مرہون میں راہن کے تصرف کی طرح حرام رہے گا' یہاں تک کہ بائع اسے ثمن سے بری قرار دے دے یا وہ حلال مال سے ثمن ادا کردے' یا بائع حرام ثمن پر راضی ہوجائے حرام ثمن پر بائع کی رضامندی سے مشتری کی ذمہ داری ختم ہوجائے گی لیکن بائع کی رضا صحیح نہ ہوگی۔

اس درجہ کی کراہت سے احتراز بہت زیادہ ضروری ہے' کیونکہ جب معصیت سبب موصل سے اشیاء میں قرار پاجاتی ہے تو کراہت بھی زیادہ ہوجاتی ہے اسباب موصلہ میں قوی ترین سبب ثمن ہے اگر ثمن حرام نہ ہوتا تو بائع مشتری کو مبیع دینے پر ہرگز راضی نہ ہوتا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ بیع میں ثمن زیادہ مؤثر ہے۔ اگر بائع حرام ثمن پر راضی ہوجائے تب بھی کراہت میں تخفیف نہیں ہوگی کیونکہ بائع کی رضامندی سے کراہت اور عدم کراہت کا کوئی فرق پیدا نہیں ہوتا بائع کی رضا کا محض اس حد تک فائدہ ہے کہ اس سے اس کی عدالت ختم نہیں ہوتی تقویٰ اور ورع ضرور متاثر ہوتا ہے۔ اگر کوئی بادشاہ کپڑے کا تھان یا زمین ادھار خریدے اور اس کو بائع کی رضامندی سے قیمت ادا کرنے سے پہلے کسی عالم یا فقیہ کو بطور انعام عطا کردے اور اسے یہ شک ہو کہ نہ معلوم بادشاہ اس زمین کی قیمت حلال مال سے ادا کرے گا یا حرام سے؟ اس طرح کی کراہت معمولی درجے کی ہے۔ اس لئے کہ یہاں اس بات میں شک ہے کہ بادشاہ کے ثمن میں معصیت داخل ہوگی یا نہیں؟ اب اگر کراہت ہوئی بھی تو وہ مال حرام کی کثرت اور قلت پر موقوف ہوگی اگر مال حرام زیادہ ہوا تو کراہت زیادہ ہوگی' کم ہوا تو کراہت کم ہوگی' اس درجے میں بھی مختلف صورتیں ہیں' اور بعض بعض کی بہ نسبت سخت تر ہیں۔ سالک کو اس سلسلے میں بھی اپنے دل کے فتویٰ پر عمل کرنا چاہیے۔

عوض میں معصیت کا درمیانی درجہ یہ ہے کہ ثمن نہ غصب کے مال سے ہو نہ حرام مال سے' لیکن اس سے معصیت پر ترغیب ہوتی ہو' جیسے کسی ایسے شخص کو عوض میں انگور دینا جو شراب پینے والا ہو' یا رہزن کو تلوار دینا۔ اس طرح کے عوض سے خریدی ہوئی چیز حرام نہیں ہوتی بلکہ مکروہ ہوتی ہے پھر یہ کراہت بھی مال غصب یا مال حرام سے عوض دینے کی کراہت کے مقابلے میں معمولی ہے۔ دوسرے درجات کی طرح اس درجے میں بھی بہت سے مراتب ہیں' یہ مراتب اسی قدر متفاوت ہوتے ہیں جس قدر ثمن لینے والے پر معصیت کا غلبہ ظن یا احتمال ہوتا ہے۔ اگر عوض حرام ہو تو اس کا بدل بھی حرام ہوتا ہے لیکن اگر عوض کی حرمت محتمل ہو' اور غلبہ ظن سے اباحت کے معنیٰ پیدا کرلئے جائیں تو اس کے بدل میں حرمت کی جگہ کراہت لے لیتی ہے۔ چنانچہ میرے نزدیک پچھنے لگانے والے کی آمدنی اسی قاعدہ کے بموجب مکروہ ہے۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک پچھنے لگانے والے کو کئی مرتبہ اس آمدنی سے منع فرمایا پھر یہ اجازت مرحمت فرمائی کہ اسے اپنے پانی کے اونٹ کو کھلائے۔ (۱)

---

(۱) ممانعت کی روات ابن ماجہ میں ابو مسعود الانصاری سے اور نسائی میں ابوہریرہؓ سے منقول ہے اور مشروط اجازت کی روایت ابوداؤد' ترمذی اور ابن ماجہ میں ہے۔ محیصہ اس کے راوی ہیں

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ پچھنوں کی کراہت کا سبب یہ ہے کہ اس میں گندگی اور نجاست سے سابقہ رہتا ہے' یہ ایک بے بنیاد اور فاسد خیال ہے' اس لئے کہ اگر نجاست اور غلاظت کے اتصال کو کراہت کا سبب قرار دیا گیا تو یہ بھی لازم آئے گا کہ دباغت اور جاروب کشی کے پیشے بھی مکروہ ہوں' حالانکہ کوئی شخص بھی ان کی کراہت کا قائل نہیں ہے' بلکہ ہم تو یہ کہتے ہیں کہ قصاب کی کمائی میں کراہت زیادہ ہوگی' کیونکہ اس پیشے میں غلاظت اور نجاست کا اتصال حجامت (پچھنے لگانے کا پیشہ) کے مقابلے میں زیادہ ہے' حجام سنگی کے ذریعہ خون نکالتا ہے' اور اسے روئی سے صاف کرتا ہے' جب کہ قصائی غلاظت کے سلسلے میں اتنی احتیاط نہیں کرتا' بعض اوقات ہاتھ سے ہی غلاظت اور نجاست نکال کر پھینک دیتا ہے۔ حجامت کی کراہت کا اصل سبب یہ ہے کہ اس میں آدمی کے جسم سے خون کا اخراج ہوتا ہے اور خون سے انسان کی حیات قائم ہے۔ اس پیشے میں اصل حرمت ہی ہے لیکن ضرورت کی وجہ سے اجازت دے دی گئی ہے ضرورت کی تقدیر و تخمین ظن اور اجتہاد پر موقوف ہے۔ بعض اوقات مفید سمجھ کر خون نکلوایا جاتا ہے لیکن وہ نقصان پہنچاتا ہے' یہی وجہ ہے کہ نابالغ بچے' غلام' اور بے ہوش کے پچھنے لگانا ان کے ولیوں کے اجازت کے بغیر درست نہیں ہے۔ بہرحال حجامت جائز ہے' مگر بکراہت۔ اگر جائز نہ ہوتی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حجام کو اجرت نہ دیتے۔ (۲) اور اگر حرمت کا پہلو نہ ہوتا تو اس پیشے کی کمائی سے منع نہ فرماتے۔ ایک طرف یہ روایت ہے کہ آپ نے حجامت کی اجرت دی ہے' دوسری طرف منع کی روایات ہیں' تطبیق و جمع کی وہی صورت ہے جو ہم نے ابھی بیان کی ہے۔

عوض میں معصیت کا ادنیٰ اور آخری درجہ وہمیوں کا درجہ ہے۔ اس درجے کی مثال یہ ہے کہ کوئی شخص یہ قسم کھائے کہ میں اپنی ماں کا کاتا ہوا سُوت نہیں پہنوں گا' پھر وہ ماں کا کاتا ہوا سوت فروخت کردے اور اس کی قیمت سے دوسرا کپڑا خرید لے۔ اس میں کوئی کراہت نہیں ہے۔ اگر کچھ لوگ اس میں کراہت محسوس کریں تو یہ ان کا وہم اور وسوسہ ہے' چنانچہ حضرت مغیرہؓ نے اس طرح کے حیلے کو ناپسند کیا ہے۔ اور دلیل یہ پیش کی ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود پر اس لئے لعنت فرمائی کہ ان پر شراب حرام کی گئی تھی لیکن انھوں نے شراب فروخت کی' اور اس کی قیمت سے دوسری چیزیں خریدیں (۱) مغیرہؓ کا یہ قیاس درست نہیں ہے۔ اس لئے کہ شراب کی بیع باطل ہے' اور باطل بیع کی قیمت حرام ہوتی ہے جب کہ نہ سوت فروخت کرنا باطل ہے' اور نہ اس کی قیمت میں حرمت کا شائبہ ہے' اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص باندی خریدے اتفاق سے وہ اس کی رضاعی بہن نکل آئے' وہ شخص اس باندی کو دوسری باندی کے عوض میں کسی شخص کو دے دے' کوئی شخص بھی اس بیع کی حرمت کا قائل نہیں ہے' اب اگر کوئی اس باندی سے احتراز کرے تو یہ غلو اور انتہا پسندی ہے۔ شریعت میں اس کا کوئی ثبوت نہیں ہے۔

اب اگر یہاں یہ کہا جائے کہ ایک روایت میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد گرامی نقل کیا گیا ہے:۔

من اشتری ثوبا بعشرة دراهم فیها درهم حرام لم یقبل الله له صلاة ما کان علیه

جو شخص دس درہم سے کوئی کپڑا خریدے' اور ان میں ایک درہم حرام ہو تو اللہ تعالیٰ اس وقت تک اس کی کوئی نماز قبول نہیں کریں گے جب تک وہ کپڑا اس کے جسم پر رہے گا۔

روایات میں ہے کہ جب عبداللہ ابن عمرؓ نے یہ حدیث بیان کی تو اپنی انگلیاں دونوں کانوں میں دے لیں' اور فرمایا کہ اگر میں نے یہ حدیث نہ سنی ہو تو یہ دونوں کان بہرے ہو جائیں۔ (۳) اس کا جواب یہ ہے کہ حدیث میں اس بیع کا ذکر ہے جو معین روپیوں سے ہو' ادھار بیع کا ذکر نہیں ہے' ادھار بیع کی اکثر صورتوں کے متعلق ہم نے حرمت کا حکم لگایا ہے' نہ کہ فساد عقد کا' انہی صورتوں

---

(۱) بخاری و مسلم۔ ابن عباسؓ۔ (۲) شراب کے سلسلے میں یہ روایت مجھے نہیں ملی' البتہ چربی کے سلسلے میں یہ روایت معروف ہے چنانچہ بخاری و مسلم میں ہے کہ جب یہودیوں پر چربی حرام آئی تو انھوں نے چربی پگھلائی اور نام بدل کر بازار میں فروخت کردی۔ (۳) کتاب الحلال والحرام کے شروع میں یہ روایت گذر چکی ہے۔

پر مذکورہ صورت کو بھی قیاس کرنا چاہیے جہاں تک نماز نہ قبول ہونے کی وعید کا تعلق ہے تو بہت سی جگہوں پر یہ وعید آئی ہے' اس کا منشاء یہ ہوتا ہے کہ اس ملک کے اسباب میں معصیت بھی ہے' فساد عقد مراد نہیں ہوتا' مثلاً اذان جمعہ کے وقت خرید و فروخت کرنے کے متعلق بھی یہی وعید ہے' حالانکہ عقد فاسد نہیں ہوتا۔

چوتھا مقام:۔ دلائل میں اختلاف۔ دلائل کا اختلاف بھی اسباب کے اختلاف کی طرح ہے۔ کیونکہ سبب حلت و حرمت کے حکم کا سبب بنتا ہے' اور دلیل حلت و حرمت کی معرفت کا سبب بنتی ہے' اس لئے جب تک بندوں کو دلائل کی معرفت نہ ہو اس وقت تک ان کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔ اگرچہ وہ نفس الامر میں ثابت ہیں' اور اللہ کے علم میں موجود ہیں۔ ان سطور میں ہمیں یہ بیان کرنا ہے کہ دلائل کے اختلاف سے بھی شبہات پیدا ہوتے ہیں کبھی یہ اختلاف شرعی دلائل کے تعارض کی صورت میں رونما ہوتا ہے کبھی علامات دالہ کے تعارض کی وجہ سے' اور کبھی اشباہ و نظائر کے اختلاف سے۔ ہم اختلاف دلائل کی ان تینوں قسموں کو الگ الگ بیان کررہے ہیں۔

پہلی قسم۔ دلائل شرع کا تعارض۔ مثلاً قرآن کریم کی دو عمومی آیتیں' یا دو حدیثیں' یا دو قیاس' یا ایک قیاس اور ایک آیت' یا حدیث میں تعارض ہو۔ تعارض کی یہ تمام صورتیں شبہ کا باعث ہوتی ہیں۔ دلائل کے تعارض کے وقت اگر کوئی ترجیح نہ ہو تو اسی اصل کی طرف رجوع کیا جاتا ہے جو پہلے سے معلوم ہو۔ اور اگر حرمت کے پہلو کو ترجیح ہو تو اسی کا اختیار کرنا واجب ہوتا ہے' اور اگر جانب حلت کو ترجیح ہو تو اس پر عمل کرنا جائز ہے' مگر عمل نہ کرنا ورع ہے' ورع کے سلسلے میں مواضع خلاف سے بچنا مفتی اور مقلد دونوں کے حق میں ضروری ہے۔ اگرچہ مقلد کے لئے اس مفتی کے فتویٰ پر عمل کرنا جائز ہے جسے وہ شہر کے علماء میں افضل سمجھتا ہو۔ مفتی کی افضلیت اور قابلیت معلوم کرنے کے لئے ضروری نہیں ہے کہ مقلد فتاویٰ کا علم بھی رکھتا ہو۔ بلکہ جس طرح شہر کے ماہر اطباء کا علم لوگوں کے بتلانے سے ہوتا ہے اسی طرح سننے سے اور دلائل و قرائن سے یہ بات بھی معلوم ہوسکتی ہے کہ فلاں مفتی زیادہ ماہر اور قابل ہے۔ مستفتی کے لئے جائز نہیں ہے کہ وہ تمام ائمہ کے مذاہب میں سے سہل ترین مذہب تلاش کرے اور اس پر عمل شروع کردے۔ بلکہ اسے چاہیے کہ وہ اولاً تتبع و تلاش کرے اور جس مذہب کو اپنے غالب ظن کے اعتبار سے افضل و بہتر سمجھے اسی کی تقلید کرے اور ہرگز اس کے خلاف پر عمل نہ کرے۔ ہاں اگر کبھی ایسا ہو کہ اس کے امام کا فتویٰ کسی دوسرے امام کے فتویٰ کے مخالف و متعارض ہو تو اسے کوئی ایسی صورت اختیار کرنی چاہیے کہ دونوں فتووں پر عمل ہوجائے' اس خلاف سے بچنا ورع مؤکد میں داخل ہے۔ یہ مقلد کا حکم ہے۔ جانب حلت کو ترجیح حاصل ہونے کی صورت میں مجتہد کے ورع کا تقاضا یہ ہے کہ وہ اس سے اجتناب کرے۔ چنانچہ اکابرین سلف میں بہت سے ایسے مفتی گذرے ہیں جو کسی چیز کی حلت کا حکم دینے کے باوجود ازروئے ورع اس سے اجتناب کرتے تھے تاکہ شبہات سے بچتے رہیں ہم ورع کی اس صورت کو تین مراتب میں تقسیم کرتے ہیں۔

پہلا مرتبہ:۔ یہ ہے کہ کسی مسئلے میں مخالف کی دلیل مضبوط ہو' اور دوسرے مذہب کے لئے کوئی دقیق وجہ ترجیح موجود ہو' اس صورت میں مستحب مؤکد یہ ہے کہ اس سے احتراز کیا جائے' مثلاً اس تعلیم یافتہ کتے کا پکڑا ہوا شکار جو پکڑ کر خود کھانے لگے۔ اس شکار کے استعمال سے بچنا تو ورع میں داخل ہے۔ اگرچہ مفتی اس کے جواز کا فتویٰ دیتے ہیں' لیکن کیونکہ اس سلسلے میں امام شافعیؒ کے دو قول ہیں' ایک قول کے مطابق یہ شکار حلال ہے' اور دوسرے قول کے مطابق جو دقیق قیاس پر مبنی ہے حرام ہے' ہم نے حرمت کے قول ہی کو ترجیح دی ہے۔ اسی طرح اگر امام شافعیؒ کا کوئی قول جدید (قول قدیم کے مخالف) امام ابو حنیفہؒ یا کسی دوسرے امام کے قول کے مطابق پایا جائے تو اس میں بھی ورع کرنا بے حد ضروری ہے۔ اگرچہ مفتی قدیم قول کے مطابق ہی کیوں نہ فتویٰ دے۔ اس جانور سے احتراز کرنا بھی جس پر ذبح کے وقت بسم اللہ نہ کہی گئی ہو اسی قسم سے تعلق رکھتا ہے۔ ذبح کے وقت بسم اللہ

پڑھنے کے سلسلے میں وارد آیت کریمہ سے وجوب سمجھ میں آتا ہے۔ روایات بھی آیت کی مؤید ہیں۔ چنانچہ ایک روایت میں ہے کہ جو شخص شکار کے متعلق دریافت کرتا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس شخص سے ارشاد فرماتے:

اذا ارسلت کلبک المعلم وذکرت علیہ اسم اللہ فکل (بخاری ومسلم۔ عدی ابن حاتمؓ)
جب تم اپنے سکھلائے ہوئے کتے کو چھوڑو اور اس پر اللہ کا نام لو' شکار کھالو۔

ایک روایت میں ہے:

ما انھر الدم وذکر اسم اللہ علیہ فکلوا (بخاری ومسلم۔ رافع ابن خدیجؓ)
جس جانور کا خون بہایا جائے اور اس پر بسم اللہ کہی جائے تو اسے کھالو۔

ان روایت سے ثابت ہوتا ہے کہ ذبیحہ کی صحت کے لئے بوقت ذبح بسم اللہ پڑھنا ضروری ہے۔ لیکن ایک صحیح روایت میں یہ الفاظ ہیں:

المؤمن یذبح علی اسم اللہ سمی أو لم یسم (۱)
مومن اللہ کے نام پر ذبح کرتا ہے چاہے وہ زبان سے بسم اللہ کہے یا نہ کہے۔

اس روایت میں دو احتمال ہیں۔ ایک یہ کہ عام ہو' اور آیات واحادیث کے ظواہر میں بھی اس سے تبدیلی واقع ہو' یعنی اس روایت کی وجہ سے ذبح پر تسمیہ کا وجوب ساقط ہوجائے جو مذکورہ احادیث کا منشاء ہے' دوسرا احتمال یہ ہے کہ یہ حدیث ناسی (بھولنے والے) کے لئے خاص ہو۔ (۲) اس احتمال کی بنا پر آیات اور احادیث کے ظواہر اپنی جگہ پر رہیں گے' ان میں کسی قسم کی کوئی تبدیلی لازم نہیں آئے گی۔ اس احتمال کے ممکن ہونے کی وجہ یہ ہے کہ ناسی معذور ہوتا ہے' لیکن ہم نے پہلے احتمال کو ترجیح دی ہے' اس روایت کو عام رکھا ہے۔ اور دیگر روایات میں تاویل کی ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ کسی مقابل احتمال کو بھی نظرانداز نہیں کیا۔ اس لئے ہم یہ کہتے ہیں کہ جس ذبیحہ پر بسم اللہ نہ کہی جائے اس سے بچنا ضروری ہے۔ اور ورع کے پہلے درجے میں داخل ہے۔

دوسرا مرتبہ:۔ وسوسے اور وہم سے قریب ہے۔ اس کا حاصل یہ ہے کہ کوئی شخص مذبوحہ کے پیٹ سے نکلا ہوا بچہ یا ضَبّ (گوہ) کھانے سے احتراز کرے' حالانکہ صحیح روایات سے جنین (پیٹ کا بچہ) کی حلّت ثابت ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

زکوٰۃ الجنین زکوٰۃ امہ (ابوداؤد' ترمذی' ابن ماجہ۔ ابوسعیدؓ)
بچہ کا ذبح ہونا اس کی ماں کا ذبح ہونا ہے۔

نہ اس روایت کے متن میں کوئی احتمال ہے اور نہ سند میں کوئی ضعیف ہے۔ اسی طرح گوہ کے بارے میں بھی صحیح روایت یہ ہے کہ اس کا گوشت سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے دسترخوان پر کھایا گیا۔ (۳) یہ روایت بخاری ومسلم دونوں میں منقول ہے۔ میرا خیال ہے کہ امام ابوحنیفہ کو یہ روایت نہیں پہنچی تھی' اگر پہنچتی تو وہ ضرور اسی کے مطابق حکم دیتے اگر انصاف سے کام لیتے۔ اور کوئی شخص انصاف نہ کرے تو اس باب میں اس کا خلاف کرنا صحیح نہیں ہے۔ یہ مسئلہ اتنا واضح ہے کہ اس میں سند کی کوئی گنجائش نہیں۔

---

(۱) یہ روایت ان الفاظ میں معروف نہیں ہے۔ البتہ ابوداؤد نے مراسیل میں صلت سے ایک مرفوع روایت نقل کی ہے جس کے الفاظ یہ ہیں "ذبیحۃ المسلم حلال ذکر اسم اللہ أو لم یذکر" (۲) اس کی تائید طبرانی اوسط' دار قطنی' ابن عدی' اور بیہقی کی اس روایت سے بھی ہوتی ہے "قال رجل یا رسول اللہ الرجل منا یذبح وینسی أن یسمی اللہ فقال اسم اللہ علی کل مسلم" اس کے راوی ابوہریرہؓ ہیں۔
(۳) بخاری ومسلم۔ ابن عمرؓ' ابن عباسؓ' خالد ابن الولیدؓ

تیسرا مرتبہ:۔ یہ ہے کہ مسئلہ میں کسی قسم کا کوئی اختلاف معروف نہ ہو، مگر حلت کا غلبہ خبر واحد سے ہوا ہو، اب بعض لوگ خبر واحد کی بنیاد پر اس مسئلے میں بھی ورع کرنے لگیں اور دلیل یہ دیں کہ خبر واحد میں لوگوں کا اختلاف ہے، بعض علماء اسے بطور حجت تسلیم کرتے ہیں، اور بعض اس کی حجیت کا انکار کرتے ہیں اس لئے میں احتیاط کا پہلو مدّ نظر رکھوں گا، اور احتیاط یہی ہے کہ میں منکرین حجیت کا ساتھ دوں، اگر ناقلین روایت عادل اور ثقہ ہیں، لیکن یہ امکان بہرحال موجود ہے کہ ان سے بیان میں غلطی ہو جائے، یا وہ لوگ کسی مخفی مقصد کے لئے جھوٹ بولیں، بعض اوقات ثقہ بھی ضرورتاً جھوٹ بولتے ہیں، پھر یہ بھی ممکن ہے کہ جو کچھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہو اسے سننے میں انہیں وہم ہوا ہو۔ کسی صحابی سے اس قسم کا ورع منقول نہیں ہے۔ حالانکہ ان میں اعلیٰ پائے کی متقین اور متورعین موجود تھے۔ ان کا اصول یہ تھا کہ جب وہ کوئی بات کسی ثقہ سے سنتے تو اس پر یقین کرتے۔ ہاں اگر راوی ہی کسی خاص سبب، یا معین ولالت کی بنا پر متہم ہو تو بلاشبہ توقف کرنا چاہیے۔ اگرچہ وہ ثقہ ہی کیوں نہ ہو۔ لیکن خبر واحد سے بلاوجہ اختلاف کرنا، اور اخبار آحاد سے ثابت شدہ مسائل میں احتیاط و ورع سے کام لینا معتبر نہیں ہے۔ مثلاً نظام اجماع کا مخالف ہے، اس کا کہنا یہ ہے کہ اجماع حجت شرعیہ نہیں ہے۔ اگر اس طرح کے ورع کی اجازت دے دی گئی تو پھر یہ بھی جائز ہونا چاہیے کہ آدمی اپنے دادا کی میراث نہ لے۔ اور یہ کہے کہ قرآن میں پوتے کا ذکر نہیں ہے، صرف بیٹے کا ذکر ہے، حالانکہ اسے یہ معلوم ہونا چاہیے کہ پوتے کے حق میں صحابہ کا اجماع ہے، نظام اس اجماع کا مخالف ہے، اس کے خیال میں صحابہ معصوم نہیں ہیں، ان سے بھی غلطی کا امکان موجود ہے یہ ایک خیال خام ہے۔ اگر اس خیال کو اہمیت دی گئی تو یہ بھی لازم آئے گا کہ قرآن کریم کے عام الفاظ سے جو حقائق اور معانی ہمیں معلوم ہوئے ہیں وہ بھی رد کر دیئے جائیں، کیونکہ بعض متکلمین کی رائے یہ ہے کہ قرآن میں کوئی عموم نہیں ہے، بلکہ جو بات صحابہ کرام نے قرائن اور دلائل کے ذریعہ سمجھی ہے بعد والوں کے لئے وہی حجت ہے۔ اگر صحابہ بھی تہمت سے بری نہیں تو ان کے بتلائے ہوئے معانی کب معتبر ہوں گے؟ بہرحال یہ تیسرا مرتبہ عن وسوسہ ہے، ورع کو اس میں کوئی دخل نہیں ہے۔ اس تفصیل سے یہ بھی ظاہر ہوا کہ شبہات کے اطراف میں مبالغہ اور غلو زیادہ ہوتا ہے، اس لئے ہماری رائے ہے کہ جب اس طرح کی کوئی صورت پیش آئے تو دل کی طرف رجوع کیا جائے۔ اگر دل میں کوئی بات کھٹکے تو اس سے بچنا چاہیے۔ سالک کے لئے ضروری ہے کہ وہ وسوسوں کے دواعی سے اپنے دل کی حفاظت کرے، جب بھی دل میں کوئی بات آئے تو وہ حق ہو، کراہت کے موقع پر خلش ضرور ہو، وسوسے دل کا سکون درہم برہم نہ کریں۔ کیونکہ اس طرح کا دل شاذ و نادر ہی ملتا ہے اسی لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عام لوگوں کو یہ حکم نہیں دیا کہ وہ دل سے فتویٰ لیں، بلکہ صرف وابصہ سے فرمایا کہ "اپنے دل سے فتویٰ لو اگرچہ لوگ تمہیں فتویٰ دیں۔"

دوسری قسم۔ علامات کا تعارض دوسری قسم یہ ہے کہ ان علامات میں تعارض ہو جو کسی چیز کی حلت اور حرمت پر دلالت کریں۔ مثلاً کسی وقت میں کوئی چیز لوٹ لی جائے، بعد میں وہ کسی نیک شخص کے پاس ملے، اور یہ یقین ہو کہ اس جیسی چیز بغیر لوٹے ملنا دشوار ہے۔ تو یہاں حلت اور حرمت دونوں کی علامتیں موجود ہیں۔ اور دونوں متعارض ہیں۔ قابض کی نیکی حلت پر دلالت کرتی ہے، اور یہ بات کہ اس جیسی چیز لوٹ مار کے ذریعہ ہی حاصل کی جاسکتی ہے حرمت کی دلیل ہے۔ اسی طرح کی بعض صورتیں یہ ہیں مثلاً کسی چیز کے متعلق ایک عادل شخص یہ کہے کہ یہ چیز حرام ہے، اسی درجے کا دوسرا عادل اس کی حلت کی گواہی دے۔ یا دو فاسقوں کی گواہی کسی ایک چیز کے متعلق مختلف ہو، یا لڑکے اور بالغ کے قول متعارض ہو جائیں۔ ان تمام صورتوں میں معاملہ مشتبہ رہے گا۔ اگر کسی ایک جانب ترجیح کی شکل موجود ہو تو اسی کا حکم کیا جائے گا۔ حلت کی صورت میں احتیاط بہتر ہے، اگر ترجیح کی کوئی شکل نہ ہو تو توقف ضروری ہو گا۔ تعرف، بحث اور سوال کے ابواب میں اس اجمال کی تفصیل عرض کی جائے گی۔ انشاء اللہ۔

تیسری قسم۔ اشباہ کا تعارض تیسری قسم یہ ہے کہ ان صفات میں اشباہ کا تعارض ہو جائے جن سے احکام متعلق ہیں۔ مثلاً کوئی

شخص یہ وصیت کرے کہ میرا مال فقہاء کو دے دیا جائے۔ اس لفظ سے معلوم ہوتا ہے کہ وصیت کرنے والے کی مراد وہ لوگ ہیں جو فقہ میں ماہر ہوں جن لوگوں نے ایک دو روز یا دو چار ماہ سے اس کوچہ میں قدم رکھا ہے وہ اس وصیت میں داخل نہیں ہیں۔ لیکن ان دونوں ماہر اور مبتدی کے درمیان بے شمار درجات ہیں۔ ان درجات میں جو لوگ ہیں ان کے متعلق فیصلہ کرنا دشوار ہے۔ ایسے موقع پر مفتی کو ظن و اجتہاد سے کام لے کر فیصلہ کرنا پڑتا ہے۔ یہ شبہ کا دقیق ترین مقام ہے یہاں ایسی ایسی باریکیاں موجود ہیں کہ بعض اوقات مفتی کی عقل دنگ رہ جاتی ہے اور وہ کوئی فیصلہ نہیں کرپاتا' مثلاً کوئی موصوف ایسی صفت رکھتا ہو جو دو درجوں کے عین درمیان میں ہو' نہ ادھر اور نہ ادھر' مفتی کے لئے دشوار ہوجاتا ہے کہ وہ ایسے موصوف کو کس جانب میں رکھے۔ بہرحال یہ اشباہ کے اختلاف کی ایک مثال ہے۔

صدقات کے متعلق یہ حکم ہے کہ محتاجوں پر صرف کردیئے جائیں' لیکن محتاجوں میں بھی متعارض اشباہ و نظائر موجود ہیں۔ ایک طرف وہ لوگ ہیں جن کے پاس پھوٹی کوڑی بھی نہیں ہے' ان کے متعلق صاف ظاہر ہے کہ وہ محتاج ہیں۔ دوسری طرف وہ لوگ ہیں جن کے پاس بہت سا مال و متاع ہے' ایسے لوگ یقینی طور پر غنی ہیں اور صدقات کا مصرف نہیں بن سکتے' لیکن ان دونوں کے درمیان بے شمار پیچیدہ مسائل ہیں' لاتعداد درجات ہیں۔ مثلاً ایک شخص وہ ہے جس کے پاس گھر ہے' کچھ سامان' کپڑے اور کتابیں ہیں' اگر یہ چیزیں بقدر حاجت ہیں تو وہ شخص صدقات کا مصرف بن سکتا ہے' اور قدر حاجت سے زائد ہیں تو مصرف نہیں بن سکتا۔ پھر حاجت کی کوئی حد مقرر نہیں ہے' اس کا علم محض اندازے اور ظن و تخمین سے ہوتا ہے۔ پھر اگر کسی شخص کے پاس مکان ہے تو یہ بحث آپڑے گی کہ مکان کسی قدر وسیع ہونا چاہیے وہ شہر کے وسط میں ہو' یا ایک طرف' کیونکہ مکان کی وسعت یا تنگی' تعمیرات کی قلت اور کثرت نیز محل وقوع کے اختلاف سے قیمتوں میں بڑا فرق پڑتا ہے۔ پھر یہ بھی دیکھنا پڑے گا کہ اس شخص کے لئے ایک مکان کافی ہے یا اسے ایک سے زیادہ کی ضرورت ہے۔ اسی طرح اثاث البیت کے متعلق تفصیلات طے ہوں گی' برتن تانبے کے ہیں یا مٹی کے' ان کی تعداد اور قیمت کیا ہے۔ پھر حوائج میں بھی تفصیل ہے۔ بعض چیزیں وہ ہیں جن کی ہر روز ضرورت پڑتی ہے جیسے کھانے پینے کے برتن۔ بعض کی ضرورت سال بھر میں ایک بار پیش آتی ہے جیسے موسم سرما کے کپڑے اور بستر وغیرہ۔ بعض چیزوں کی ضرورت برسوں میں ایک مرتبہ پڑتی ہے۔ بہرحال یہ اتنی پیچیدہ اور دشوار گزار صورتحال ہے کہ اس سے نمٹنے کے لئے ذیل کی حدیث شریف پیش نظر رہنی چاہیے۔

دع مایریبک الی مالا یریبک (۱)

جو چیز تمہیں شک میں مبتلا کرے اسے چھوڑ کر وہ چیز اختیار کرو جو تمہیں شک میں نہ ڈالے۔

یہ سب چیزیں محل ریب ہیں۔ مفتی کے لئے ان میں توقف کے علاوہ کوئی صورت نہیں ہے۔ اگر مفتی ظن و تخمین سے فتویٰ دے بھی دے تو حلت کی صورت میں مستفتی کے لئے ان میں توقف کے علاوہ کوئی صورت نہیں ہے۔

یہ دشواری ان مسائل میں ہے کہ اہل و عیال اور اقرباء کا نفقہ کتنا واجب ہے۔ نیز فقہاء اور علماء کو بیت المال سے کتنا وظیفہ ملنا چاہیے' یہاں بھی دو مقابل پہلو ہیں' ایک کم' دوسرا زائد' ان دونوں کے متعلق معلوم ہے۔ درمیان میں متشابہ امور ہیں' جو افراد و حالات کے اختلاف سے مختلف ہوتے ہیں' جہاں تک اصل حاجات کا تعلق ہے باری تعالیٰ کے علاوہ کوئی ان سے واقف نہیں ہوسکتا' کسی انسان کے لئے ضرورتوں کی حدود سے واقف ہونا ممکن نہیں ہے۔ مثلاً ایک ہٹے کٹے آدمی کی کم سے کم خوراک آدھا سیر (غلہ) ہے' اس سے کم اس کے لئے کمتر ہے' اور ڈیڑھ سیر قدر کفایت سے زیادہ ہے' آدھا سیر اور ڈیڑھ سیر کے درمیان جو درجات ہیں ان کا علم نہیں' بعض لوگوں کی خوراک آدھ سیر سے کم' اور بعض کی اس سے زیادہ' بعض کی ایک سیر یا کم و بیش ہوسکتی ہے۔ یہ

---

(۱) یہ حدیث پہلے بھی کئی بار گزر چکی ہے۔

ایسی صورتحال ہے جس سے نمٹنا آسان نہیں ہے۔ اہل ورع کو چاہیے کہ وہ شبہات کو چھوڑیں اور یقینیات پر عمل کریں، جیسا کہ مذکورہ بالا حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا منشاء ہے۔ اس قاعدے کا تعلق ان تمام احکام سے ہے جو کسی سبب سے متعلق ہوں۔ اور وہ سبب ان الفاظ سے معلوم ہوتا ہے۔ اہل عرب نے اور دوسری زبان والوں نے الفاظ کے معانی کی حدود متعین نہیں کی ہیں۔ بلکہ ایک لفظ اپنے معنیٰ کے تمام افراد کے لئے بولا جاتا ہے خواہ اس میں وہ معنیٰ تمام ہوں، یا ناقص، یا زائد، ایسا کوئی لفظ نہیں جس سے اس کے معنیٰ کے دونوں متقابل طرف جدا ہوجائیں، جیسا کہ علم الحساب میں ہوتا ہے۔ مثلاً چھ کے عدد کے معنیٰ متعین ہیں، یہ لفظ نہ چھ سے کم کے لئے مستعمل ہے اور نہ زائد کے لئے۔ حسابیات میں یہ تحدید ضرور ہے، لیکن لغوی الفاظ میں ایسا نہیں ہے۔ قرآن کریم یا حدیث شریف میں کوئی ایسا لفظ نہیں ہے جس کے مقتضیٰ میں اوساط اور اطراف متقابلہ کا شک پیدا نہ ہو۔ اس لئے وصایا اور اوقاف میں اس فن کا جاننا بے حد ضروری ہے۔ مثلاً اگر کوئی شخص صوفیاء کے لئے کوئی چیز وقف کرے تو ایسا کرنا صحیح ہے، مگر اس لفظ کے تحت کون لوگ آئیں گے؟ اس کا مصداق کیا ہے؟ ان سوالات کا جواب آسان نہیں ہے۔ اسی طرح دوسرے الفاظ کی نزاکتیں ہیں، ہم نے محض تقریب الی الفہم کے لئے صوفیاء کا لفظ ذکر کیا ہے۔

بہر حال دو متقابل طرفوں یا پہلوؤں کے درمیان جو متعارض علامتیں ہوتی ہیں ان سے یہ شبہات پیدا ہوتے ہیں، ان شبہات سے بچنا بے حد ضروری ہے، ہاں اگر غلبہ ظن کی دلالت، یا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد "دع ما یریبک الی ما لا یریبک" پر عمل کرنے سے کوئی ایک پہلو متعین ہوجائے

شبہ کے یہ چار مقامات ہیں، جن کو مفصل طور پر بیان کیا گیا ہے، ان میں ایک دوسرے کی بہ نسبت سختی اور تشدد بھی ہے۔ اور اگر ایک چیز میں مختلف شبہات جمع ہوجائیں تو معاملہ اور بھی پریشان کن بن جاتا ہے۔ مثلاً کوئی شخص مختلف فیہ کھانا خریدے، بائع نے وہ کھانا کسی شراب بنانے والے سے انگوروں کے عوض جمعہ کی اذان کے بعد لیا ہو، اور اس مال میں حرام کا اختلاط بھی ہو، اگرچہ تمام مال حرام نہ ہو مگر حرام اپنی قلت کے باوجود تمام مال کو مشتبہ بنا دینے کے لئے کافی ہے، اس صورت میں کئی شبہات بیک وقت موجود ہیں۔ (۱) مختلف فیہ کھانا خریدنا (۲) شراب بنانے والے سے انگوروں کے عوض حاصل کرنا (۳) جمعہ کی اذان کے بعد خرید و فروخت کرنا (۴) بائع کے مال میں حرام کا اختلاط ہونا۔ شبہات کی کثرت کی وجہ سے اس معاملے میں شدت زیادہ ہوگی۔

بہر حال ہم نے ان شبہات کے مراتب سے واقف ہونے کے طریقے بتلادیئے ہیں۔ کسی انسان کے لئے یہ ممکن نہیں کہ وہ ان تمام مراتب کا حصر کرسکے، اس کا بہت کچھ مدار خود مبتلا بہ پر ہے۔ جب بھی کوئی شبہ پیش آئے ہماری شرح کی روشنی میں شبہات میں اس کا درجہ متعین کرے اور اگر کسی شبہے کا درجہ متعین نہ ہوسکے تب بھی اجتناب کرے گناہ وہی ہے جو دل میں کھٹکے۔

جن مواقع پر ہم نے دل سے فتویٰ لینے کے لئے کہا ہے یہ وہ ہیں جہاں مفتی اباحت کا حکم دیتا ہے جن مسائل میں حرام کا فتویٰ ہو وہاں اجتناب کرنا واجب ہے پھر دل سے فتویٰ لینے کے معاملے میں ہر دل کا اعتبار نہیں ہے۔ بہت سے لوگ وہمی ہوتے ہیں ہر اچھی چیز میں برائی کا پہلو تلاش کرلیتے ہیں بعض لوگ حریص اور لالچی ہوتے ہیں کہ ہر چیز پر اطمینان کرلیتے ہیں، یہ دونوں دل معتبر نہیں ہیں، بلکہ صرف اس توفیق یافتہ عالم کا اعتبار ہے جو حالات کی نزاکتوں سے باخبر ہو، لیکن اس طرح کے دل کمیاب ہیں۔ جس شخص کو اپنے دل پر اعتماد نہ ہو اسے اس صفت کے حامل دل سے فیضان حاصل کرنا چاہیے، اور اپنا واقعہ اس دل کے سامنے رکھنا چاہیے زبور میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے داؤد علیہ السلام پر وحی نازل فرمائی کہ اے داؤد! بنی اسرائیل سے کہہ دو کہ میں نہ تمہاری نمازوں کو دیکھوں گا، اور نہ تمہارے روزوں کو بلکہ میری توجہ کا مستحق وہ شخص ہوگا جس کو کسی معاملے میں شک پیش آئے اور وہ میری خاطر اس سے دست بردار ہوجائے، میں اس شخص پر نظر کرم کروں گا، اپنی نصرت سے اس کی تائید کروں گا، اور اپنے ملائکہ کے مابین اسی پر فخر کروں گا۔

تیسرا باب

حلال کی تلاش و جستجو

واضح ہو کہ جب کوئی شخص تمہیں کوئی ہدیہ دے' یا تمہارے سامنے کھانے کی کوئی چیز رکھے' یا تم کسی شخص سے کوئی چیز خرید و یا ہبہ میں حاصل کرو تو تمہارے لئے ضروری نہیں ہے کہ اس کی حلت و حرمت کی تحقیق کرو' اور دینے والے سے یہ کہو کہ کیونکہ ہمارے نزدیک اس کی حلت ثابت نہیں ہے اس لئے ہم لینے سے معذور ہیں' بلکہ ہم پہلے تحقیق کریں گے' بعد میں لیں گے' یہ بھی مناسب نہیں ہے کہ مطلق تحقیق نہ کرو' اور جن چیزوں کی حرمت یقینی نہ ہو انھیں لے لیا کرو' بلکہ بعض اوقات سوال کرنا واجب ہے' بعض اوقات حرام ہے' بعض اوقات مستحب' اور بعض اوقات مکروہ ہے۔ اس باب میں ہم ایسے تمام مواقع کی وضاحت کریں گے۔ اس سلسلے میں مختصر اور اصولی بات یہ ہے کہ سوال کی ضرورت شبہات کے مواقع میں پیش آتی ہے اور شبہ ان معاملات میں پیدا ہوتا ہے جو مالک سے متعلق ہو یا مال سے ذیل میں ہم ان دونوں کی الگ الگ تفصیل کرتے ہیں۔

مالک کے حالات:۔ تمہارے علم و معرفت کے اعتبار سے مالک کے تین احوال ہو سکتے ہیں' ایک یہ کہ مجہول ہو' دوسرا یہ کہ مشکوک ہو' تیسرا یہ کہ ظن کی دلالت سے معلوم ہو۔

پہلی حالت مجہول:۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ مالک کے ساتھ کوئی ایسا قرینہ موجود نہ ہو جو اس کے فساد یا ظلم پر دلالت کرے مثلاً سپاہیوں کی وردی یا ان کے تمغے' اور نہ کوئی ایسی علامت موجود ہے جو اس کی نیکی یا صلاح پر دلالت کرے مثلاً صوفیا اور اہل علم کا لباس۔ غرض یہ کہ وہ ہر طرح کی علامت سے خالی ہو' ایسے شخص کو مجہولُ الحال کہا جائے گا جیسے تم کسی اجنبی بستی میں پہنچو' وہاں تمہیں کوئی ایسا شخص ملے جس میں نہ صلاح کی علامت ہو اور نہ فساد کی' تم اس کی ہیئت سے اس کے بارے میں صحیح یا قطعی رائے قائم کرنے سے قاصر ہو' ایسے شخص کو تم مجہولُ الحال کہو گے' اسی طرح اگر تم کسی بازار میں جاؤ' وہاں تمہیں قصائی نانبائی یا دوسرے پیشہ ور ملیں' ان میں نہ ایسی کوئی علامت ہو جو خیانت' فریب' یا کذب بیانی پر دلالت کرے' اور نہ ایسی کوئی علامت پائی جائے جس سے معلوم ہو کہ وہ ثقہ' اور قابل اعتماد ہیں تو ایسے لوگوں کے متعلق یہی کہا جائے گا کہ ان کی حالت مجہول (نا معلوم) ہے۔ ان کی حالت کو مشکوک نہیں کہہ سکتے' اس لئے کہ شک کا مطلب یہ ہے کہ ایک معاملے میں دو مختلف متضاد اعتقادات ہوں' اور ان کے اسباب بھی ایک دوسرے کے متقابل ہوں۔ زیر بحث صورت میں نہ کوئی اعتقاد ہے' اور نہ اس کا کوئی سبب' اکثر فقہاء جہل اور شک میں فرق کا لحاظ نہیں رکھتے۔ ہماری گزشتہ تقریر سے تم نے یہ بات بخوبی جان لی ہوگی کہ مجہول میں ورع کا تقاضا ترک و اجتناب ہے۔

یوسف ابن اسباط کہتے ہیں کہ تیس برس سے میرا معمول یہ ہے کہ جس چیز سے میرے دل میں کھٹک پیدا ہوئی میں نے اسے ترک کر دیا۔ کچھ بزرگ آپس میں محو گفتگو تھے' بحث کا موضوع یہ سوال تھا کہ سب سے زیادہ مشکل عمل کون سا ہے؟ اکثر لوگوں کی رائے تھی کہ مشکل ترین عمل ورع ہے۔ حسان ابن سنان نے کہا کہ میرے نزدیک ورع سے آسان عمل کوئی نہیں ہے' جب بھی دل میں کوئی بات کھٹکتی ہے اسے چھوڑ دیتا ہوں۔ یہ ورع کا مقتضیٰ تھا۔ اب ہم مجہول کا ظاہری حکم بیان کرتے ہیں۔ اگر تمہارے سامنے کوئی مجہول الحال شخص کھانا پیش کرے یا کوئی ہدیہ دے یا تم کسی ایسے شخص کی دکان سے کوئی چیز خریدنا چاہو تو یہ ضروری نہیں ہے کہ تم اس کے حالات کی تحقیق کرو' بلکہ اس شخص کا مسلمان ہونا' اور اس چیز پر قابض ہونا جو وہ تمہیں دے رہا ہے اس بات کی علامت ہے کہ وہ چیز جائز ہے اور تم اسے لے سکتے ہو۔ یہ کہنا حماقت ہے کہ کیونکہ ظلم کا دور دورہ ہے' خرابی کا زمانہ ہے' عام طور پر

یہ لوگ بد معاملگی کا شکار ہیں اس لئے یہ شخص بھی ایسا ہی ہوگا یہ وسوسہ ہے' اور کسی بھی مسلمان کے متعلق اس طرح کی بدگمانی کا کوئی جواز نہیں ہے۔ یہ شخص صاحب ایمان ہے' اس کے اسلام کا تقاضا یہ ہے کہ اس کے ساتھ بدظنی روا نہ رکھی جائے۔ اگر تم نے دوسروں پر قیاس کرتے ہوئے اس شخص کے متعلق بھی غلط رائے قائم کی تو تمہارے گناہگار ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہے۔ اگر تم اس کی دی ہوئی چیز لے لیتے تو اس کی حرمت مشکوک ہوتی' اور مشکوک حرمت کی بنا پر سزا بھی مشکوک ہوتی' لیکن بدگمانی مشکوک نہیں یقینی ہے' اس لئے اس کا گناہ بھی یقینی ہے۔

ایسے لوگوں کے ساتھ معاملہ کرنے کے جواز پر صحابہ کرام کا اسوہ واضح دلیل ہے' یہ حضرات غزوات اور اسفار کے دوران بستیوں میں جاتے تو دعوتیں قبول کرلیتے' شہروں میں قیام کرتے تو بازاروں میں خرید و فروخت کرتے۔ حالانکہ ان حضرات کے زمانے میں بھی حرام مال کی کثرت تھی۔ کسی بھی صحابی نے شک کے بغیر تفتیش کی ضرورت محسوس نہیں کی۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں بھی جب کوئی چیز حاضر کی جاتی تو آپ اس کا حال دریافت نہ فرماتے تھے' مدینہ منورہ کی ابتدائی زندگی اس سے مستثنیٰ ہے' ان دنوں جب کوئی چیز پیش کی جاتی تھی تو آپ دریافت فرمالیا کرتے تھے کہ یہ ہدیہ ہے یا صدقہ ہے؟ (احمد' حاکم۔ سلمان الفارسیؓ) اس کی وجہ یہ تھی کہ جو صحابہ مکہ مکرمہ سے ہجرت کرکے مدینہ منورہ میں آئے تھے ان میں سے اکثر مفلس اور مفلوک الحال لوگ تھے' غالب گمان یہی تھا کہ جو کچھ ان لوگوں کو بھیجا جاتا ہے وہ صدقہ ہی ہوگا' نیز کسی شخص کا مسلمان ہونا' اور قابض ہونا اس بات کی دلیل نہیں کہ وہ صدقہ نہیں کرسکتا۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم ضیافت بھی قبول فرمالیا کرتے تھے' اگر کوئی شخص دعوت کرتا تو رد نہ فرماتے اور نہ یہ دریافت فرماتے کہ تمہاری دعوت صدقہ تو نہیں؟ (بخاری و مسلم۔ ابو مسعود الانصاریؓ) اس لئے کہ عام عادت یہی ہے کہ دعوتیں صدقہ نہیں ہوتیں۔ چنانچہ روایت میں ہے کہ اُمّ سُلیمؓ نے آپ کی دعوت کی۔ (بخاری و مسلم۔ انسؓ) انسؓ روایت کرتے ہیں کہ ایک درزی نے آپ کو کھانے پر مدعو کیا اور کدو سے بنا ہوا کھانا پیش کیا۔ (بخاری و مسلم) ایک فارسی نے آپ کی دعوت کی تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ میرے ساتھ عائشہ بھی ہوں گی' اس شخص نے انکار کیا' آپ نے بھی دعوت قبول کرنے سے انکار کردیا' بعد میں وہ شخص راضی ہوگیا' چنانچہ آپ تشریف لے گئے' حضرت عائشہؓ آپ کے پیچھے تھیں' درزی نے دونوں مہمانوں کے سامنے چربی کا سالن رکھا۔ (مسلم۔ انسؓ) ان روایات میں کہیں بھی یہ منقول نہیں ہے کہ آپ نے کھانے کی حلت یا حرمت کے متعلق سوال کیا ہو' یا لوگوں سے داعی کے حالات دریافت فرمائے ہوں۔ حضرت ابوبکرؓ نے اپنے غلام کا لایا ہوا دودھ پی کر دریافت کیا تو اس لئے کہ انھیں شک پیدا ہوگیا تھا کہ کہیں یہ حرام طریقہ سے حاصل نہ کیا گیا ہو۔ حضرت عمرؓ کو ایک شخص نے زکوٰۃ کی اونٹنی کا دودھ پلا دیا تو آپ نے لانے والے سے پوچھا کہ یہ دودھ کہاں سے آیا تھا؟ ان کا استفسار بھی شک کی بنا پر تھا' شک اس لئے پیدا ہوا کہ اس دن دودھ کا ذائقہ بدلا ہوا تھا۔ مجہول الحال شخص کی دعوت اس کے حالات کی تحقیق کئے بغیر قبول کرنے میں کوئی گناہ نہیں ہے۔ بلکہ اگر گھر میں زیب و زینت کا سامان وافر مقدار میں نظر آئے تو مدعو کو یہ کہنے کا حق نہیں ہے کہ داعی کے پاس حرام مال زیادہ ہے۔ ورنہ اتنا بہت سا سامان اس کے پاس کہاں سے آیا؟ ممکن ہے کہ اس شخص کو یہ سب چیزیں وراثت میں ملی ہوں' یا اس کا کوئی جائز ذریعہ آمدنی ایسا بھی ہو جس کا تمہیں علم نہیں ہے۔ بلاشبہ وہ اس بات کا مستحق ہے کہ اس کے ساتھ حسن ظن رکھا جائے۔ بلکہ میں تو یہ کہوں گا کہ اس شخص سے پوچھنا بھی نہ چاہیے' بلکہ اگر کوئی شخص اس درجہ ورع کا پابند ہو کہ بلا تحقیق اپنے پیٹ میں کوئی چیز نہ ڈالنا چاہے تو بہترین طریقہ یہ ہے کہ کھانا چھوڑ دے' سوال کرکے اسے تکلیف پہنچانے کی کیا ضرورت ہے؟ سوال میں ایذاء بھی ہے اور توہین بھی' اور یہ دونوں چیزیں حرام ہیں۔ اگر یہ دلیل دی جائے کہ شاید سوال کرنے سے وہ تکلیف محسوس نہ کرے تو اس دلیل کا جواب یہ ہے کہ اسی "شاید" کے خوف سے تم سوال کررہے ہو' اگر "شاید" ہی پر اکتفا کرلیتے تو اچھا تھا' "شاید" اس کا مال حلال ہی ہوتا۔ سوال کرنے میں جہاں یہ امکان ہے کہ وہ ایذاء محسوس نہ کرے وہاں یہ امکان بھی ہے کہ "شاید" وہ ایذاء محسوس کرے۔ مسلمانوں کو ایذاء پہنچانے کا گناہ مشتبہ اور حرام مال کھانے کے گناہ سے کسی طرح بھی کم

نہیں ہے۔ پھر یہ بھی جائز نہیں کہ کسی دوسرے شخص سے اس کے حالات اس طرح معلوم کئے جائیں کہ وہ بھی واقف ہو جائے۔ اس صورت میں تکلیف زیادہ ہوتی ہے۔ بلکہ اس میں بدگمانی اور توہین کے ساتھ تجسس اور غیبت بھی موجود ہے۔ باری تعالیٰ نے ان تمام امور سے منع فرمایا ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اجْتَنِبُوا كَثِيرًا مِّنَ الظَّنِّ إِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ إِثْمٌ وَلَا تَجَسَّسُوا وَلَا يَغْتَب بَّعْضُكُم بَعْضًا (پ ۲۶ ر ۱۴ آیت ۱)

اے ایمان والو بہت سے گمانوں سے بچا کرو' کیونکہ بعضے گمان گناہ ہوتے ہیں' اور سراغ مت لگایا کرو اور کوئی کسی کی غیبت بھی نہ کیا کرے۔

بعض جاہل عبادت گذار محض اس لئے کہ حلال غلہ کے استعمال اور ورع و تقویٰ میں مشہور ہو جائیں داعی سے سخت لب و لہجہ میں اس کے مال کے متعلق دریافت کرتے ہیں' اور اسے اپنی تلخ گوئی سے وحشت میں مبتلا کر دیتے ہیں۔ شیطان ان کے دل سے اس طرزِ عمل کی برائی نکال دیتا ہے' اگر یہ لوگ دیانت سے کام لیں تو انھیں اس کا زیادہ خوف نہ ہو کہ ان کے پیٹ میں مجہول شئ پہنچ رہی ہے' بلکہ اس کا خوف زیادہ ہو کہ ان کے طرزِ عمل سے مسلمان بھائی سخت تکلیف محسوس کر رہا ہے' ایسے لوگوں کو سوچنا چاہیے کہ ان سے اس چیز کا مؤاخذہ نہیں ہوگا۔ البتہ اس بدگمانی اور توہین مسلم کے متعلق ضرور باز پُرس ہوگی یہاں یہ بات بھی یاد رکھنی چاہیے کہ جس چیز کے متعلق معلوم نہ ہو کہ وہ حلال ہے یا حرام اور اس میں کوئی ایسی علامت یا قرینہ بھی موجود نہ ہو جس سے اس کی حالت میں شبہ واقع ہو تو ورع یہ ہے کہ کھالے اور مسلمانوں کے سلسلے میں حسنِ ظن رکھے۔ صحابہ کرام کا یہی معمول تھا' جو شخص ورع میں ان سے سبقت لے جانے کا مدعی ہو وہ گمراہ ہے' مُبتدع اور فاسق ہے۔ وہ شخص متبعِ شریعت ہرگز نہیں ہے' کوئی شخص بھی ان کی برابری نہیں کر سکتا۔ ذرا سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل دیکھئے۔ آپ نے بریرہؓ کے دستر خوان پر کھانا تناول کیا' عرض کیا گیا یا رسول اللہ یہ صدقہ کا کھانا تھا؟ فرمایا: یہ اس کے لئے صدقہ ہے ہمارے لئے ہدیہ ہے۔ (بخاری و مسلم۔ انسؓ) غور کیجئے آپ نے صدقہ دینے والے کے متعلق دریافت نہیں فرمایا' حالانکہ صدقہ دینے والا مجہول تھا۔

دوسری حالت۔ مشکوک:۔ دوسری حالت یہ ہے کہ مالک میں شک ہو' مطلب یہ ہے کہ کسی سبب کی دلالت نے اس میں شک پیدا کر دیا ہو ذیل میں ہم شک کی صورت اور اس کا بیان کریں گے۔ شک کی صورت یہ ہے کہ جو چیز مالک کے پاس ہے اس کی حرمت پر کوئی دلیل خود مالک کی خلقت' یا لباس یا فعل' اور قول ہو' مثلاً وہ شخص ترکوں' جنگلیوں' ظالموں اور رہزنوں کے طور طریقے اپنائے' اس طرح کی مونچھیں اور سر کے بال رکھے جیسے مفسدہ پردازوں کے ہوتے ہیں۔ قبا اور ٹوپی پہنے ظالم سپاہیوں کی وضع اختیار کرے' اس کے قول و عمل سے ظاہر ہو کہ وہ حرام کے باب میں زیادہ احتیاط پسند نہیں ہے اس طرح کی تمام صورتوں سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ وہ شخص اس طرح کے کسی آدمی سے خرید و فروخت کرنا چاہے یا اس کی دعوت اور ہدیہ قبول کرنے کا ارادہ کرے تو دو احتمال ہو سکتے ہیں۔ ایک یہ کہ مالک کا قابض ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ جو چیز اس کے قبضے میں ہے وہ اس کی ملک ہے' جہاں تک شک کی علامات کا تعلق ہے وہ ضعیف ہیں' اس لئے ایسے شخص سے لین دین کرنا جائز ہے اور نہ کرنا ورع میں داخل ہے۔ دوسرا احتمال یہ ہے کہ قبضہ ملک کی ضعیف دلالت ہے' اس کے مقابلے میں وہ علامات موجود ہیں جن سے شک پیدا ہو گیا ہے اس لئے ایسے شخص سے لین دین کرنا درست نہ ہونا چاہیے ہم اسی دوسرے احتمال کو ترجیح دیتے ہیں' اور اسی پر فتویٰ دیتے ہیں۔ اس لئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:۔

دع ما یریبک الی ما لا یریبک (۱)

---

(۱) یہ حدیث اسی کتاب میں کئی بار گزر چکی ہے

جو چیز تمہیں شک میں ڈالے اسے چھوڑ کر وہ چیز اختیار کرو جو تمہیں شک میں نہ ڈالے۔
اس حدیث میں امر استحبابی بھی ہو سکتا ہے' لیکن ظاہر یہی ہے کہ یہاں امر وجوب کے لئے ہو' نیز ایک حدیث میں ہے:۔

الاثم حزاز القلوب (۱)
گناہ وہ ہے جو دل میں کھٹکے۔

بیان کردہ صورت میں دل پر جو اثر مرتب ہوتا ہے اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ علاوہ ازیں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ دریافت فرمانا کہ یہ کھانا صدقہ ہے یا ہدیہ؟ حضرت ابوبکرؓ کا غلام سے اس کی آمدنی کے متعلق' اور حضرت عمرؓ کا دودھ کے سلسلے میں استفسار کرنا شک کی بنا پر تھا۔ اگرچہ اسے ورع پر بھی محمول کیا جاسکتا ہے' مگر ورع پر محمول کرنے کے لئے قیاس حکمی کی ضرورت ہے' اور قیاس اس کی حلت کی شہادت نہیں دیتا۔ اس لئے کہ یہاں قبضہ اور اسلام کی دلالت مذکورہ بالا دلالتوں سے مزاحم ہے' دلالتوں کے اس تزاحم کی وجہ سے حلت کی کوئی صورت باقی نہ رہی۔ ہاں اگر اس شک کی کوئی علامت نہ ہوتی تو حکم سابق بدستور باقی رہتا۔ مثال کے طور پر ہمیں کسی جگہ متغیّر پانی ملے' اور اس کے متعلق یہ احتمال ہو کہ زیادہ دیر تک ٹھہرے رہنے کی وجہ سے پانی کا رنگ بدل گیا ہے' اسی وقت ہم نے دیکھا کہ ایک ہرن آیا اور پانی میں پیشاب کر کے چلتا بنا' اب اس میں یہ احتمال بھی پیدا ہو گیا ہے کہ پانی کا رنگ ہرن کے پیشاب سے متغیّر ہوا ہے اس لئے سابقہ حکم باقی نہیں رہے گا مفروضہ صورت بھی اس مثال سے کافی حد تک مطابقت رکھتی ہے۔

البتہ یہاں ایک بات اور ذہن میں رکھنی چاہیے اور وہ یہ کہ دلالتوں کے درمیان فرق بھی ہوتا ہے' مثلاً لمبی مونچھیں رکھنا' ظالموں کی ہیئت اختیار کرنا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ وہ شخص مال کے معاملے میں ظلم کا ارتکاب ضرور کرتا ہوگا۔ قول اور فعل اگر شریعت کے مخالف ہوں اور ان کا تعلق مال سے ہو تب بھی یہی کہا جائے گا' مثلاً کسی شخص کو ظلم اور غصب کا حکم دیتے ہوئے سنا' یا سودی کاروبار میں ملوث دیکھا تو یہی خیال ہو گا کہ وہ خود بھی ظلم کرتا ہو گا' اور لوگوں کا مال ناجائز طریقے پر حاصل کرتا ہو گا' اس بنا پر مال کے سلسلے میں حرام ہونے کا شبہ کیا جاسکتا ہے' لیکن اگر کسی شخص کا کردار مال کے سلسلے میں مجروح نہ ہو' بلکہ کسی اور وجہ سے خراب ہو مثلاً یہ کہ وہ غصہ کی حالت میں گالیاں دیتا ہے' یا اجنبی عورتوں کو گھور گھور کر دیکھتا ہے تو کردار کی خرابی سے مال کی حلت پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ اس لئے کہ بہت سے لوگ ایسے ہیں جو مال کے سلسلے میں پاکیزہ خو ہیں' حلال کے علاوہ کچھ نہیں لیتے' لیکن غصہ کی حالت میں انھیں اپنے نفس پر یا زبان پر قابو نہیں رہتا' اور وہ فحش گوئی یا نظربازی جیسے جرم کا ارتکاب کرلیتے ہیں۔ بہرحال دلالتوں میں یہ تفاوت ہے' اس تفاوت کا لحاظ رکھنا بے حد ضروری ہے۔ اس کی کوئی حد مقرر نہیں کی جاسکتی' اس لئے ہر شخص کو چاہیے کہ وہ اپنے دل سے فتویٰ لے۔

پھر اگر اس طرح کی دلالتیں کسی مجہول الحال شخص میں پائی جائیں تو اس کا حکم اور ہے اور کسی ایسے شخص میں پائی جائیں جو ورع میں مشہور ہو' اور نماز روزہ اچھی طرح کرتا ہو تو اس کا حکم دوسرا ہے اس لئے کہ بہت سے لوگ ایسے ہیں جو مال کے سلسلے میں احتیاط سے کام لیتے ہیں' دوسرے معاملات میں احتیاط نہیں کرتے۔ اور بہت سے ایسے ہیں جو نماز' روزہ' طہارت اور تلاوت اچھی طرح کرلیتے ہیں لیکن مال کے سلسلے میں ان کا پہلو کمزور ہوتا ہے۔ ان معاملات میں بھی دل کے میلان کے مطابق اقدام کرنا چاہیے۔ یہ بندے اور اللہ کے درمیان معاملہ ہے' اس لئے بہت ممکن ہے کہ کوئی خاص معاملہ کسی ایسے مخفی سبب سے ہم رشتہ ہو جس کی اطلاع اس بندے اور رب الارباب کے علاوہ کسی کو نہ ہو' دل میں کھٹکنے کے یہی معنیٰ ہیں۔ ایک اہم نکتہ یہاں یہ بھی ہے کہ وہ دلالتیں ایسی ہونی چاہئیں جن سے متعلقہ شخص کے اکثر مال کی حرمت ثابت ہو' مثلاً یہ کہ وہ شخص فوجی ہو' بادشاہ کا کارندہ ہو'

---

(۱) یہ حدیث اسی کتاب میں کئی بار گذر چکی ہے۔

نوحہ گر' یا مغنیہ ہو' اگر کوئی دلالت ایسی نہیں ہے' بلکہ اس سے محض یہ ثابت ہوتا ہے کہ اکثر مال حرام نہیں' بلکہ کچھ حرام ہے تو سوال ضروری نہ ہوگا' بلکہ اس کا تعلق ورع سے ہوگا۔

تیسری حالت۔ معلوم:۔ مالک کی تیسری حالت یہ ہے کہ کسی تجربے وغیرہ کی بنا پر مال کی حرمت یا حلت کے سلسلے میں کوئی رائے قائم کرلی جائے' اور غلبہ ظن سے اس کی تائید ہو جائے۔ مثلاً کسی شخص کی نیکی' تقویٰ' دیانت اور عدالت کا ظاہری علم ہو' اس کا باطن اس کی ظاہری حالت کے خلاف بھی ہو سکتا ہے لیکن ظاہری علم کافی سمجھا جائے گا کہ اس صورت میں سوال کرنا' یا کھوج لگانا ضروری نہیں ہے بلکہ ناجائز ہے' جیسا کہ مجهول الحال کا حکم بھی یہی ہے۔ میں تو یہ کہتا ہوں کہ یہاں بطریق اول ناجائز ہونا چاہیے' کیونکہ مجہول کے سلسلے میں تو شبہ کی کوئی گنجائش نکل بھی سکتی ہے' مگر یہاں تو شبہ کی کوئی صورت ہی نہیں ہے' پھر مجہول کے مال پر اقدام کرنا اگرچہ حرام نہیں مگر ورع سے بعید ضرور ہے' لیکن صلحاء اور نیک لوگوں کا کھانا انبیاء اور اولیاء کا طریقہ ہے۔ جس کی اتباع کرنی چاہیے' چنانچہ فرمان نبوی ہے:۔

لا تاكل الا طعام تقي ولا ياكل طعامك الا تقي (۱)

متقی شخص کے علاوہ کسی کا کھانا مت کھاؤ' اور تمہارا کھانا متقی کے علاوہ کوئی نہ کھائے۔

ہاں اگر تجربے سے اس کا لشکری ہونا گویا یا سود خوار ہونا ثابت ہو اور ظاہری وضع قطع اچھی ہو تو اس تجربے کے سامنے ظاہری وضع' شکل و صورت اور لباس سے استدلال کی ضرورت نہیں' یہاں سوال کرنا' اور مال کی حرمت یا حلت کے متعلق معلومات کرنا ضروری ہے' جیسا کہ شک کے مواقع پر ضروری ہوتا ہے' بلکہ یہاں مواقع شک سے زیادہ ضروری ہے۔

مال کے حالات

شک کا تعلق مال سے بھی ہے اس کی صورت یہ ہے کہ حلال اور حرام مال باہم مخلوط ہو جائیں۔ مثلاً بازار میں غصب کے ذریعہ حاصل کیا ہوا کچھ مال لایا جائے اور بازار والے اسے خرید لیں اب اگر کوئی شخص اس بازار سے یا شہر سے کوئی چیز خریدنے کے لئے آئے تو اس کے لئے ضروری نہیں ہے کہ وہ مبیع کے متعلق تفتیش کرے' ہاں اگر یہ ظاہر ہو جائے کہ بازار میں موجود اکثر مال حرام ہے تو تفتیش واجب ہے' اگر اکثر مال حرام نہ ہو تو تفتیش ضروری نہیں ہے' بلکہ ورع میں داخل ہے' بڑے بازار کا حکم بھی وہی ہے جو شہر کا ہے۔ اکثر مال حرام نہ ہونے کی صورت میں تفتیش کے ضروری نہ ہونے کی دلیل یہ ہے کہ صحابہ کرام نے خرید و فروخت ترک نہیں کی' حالانکہ بازاروں میں سود' اور غنیمت میں خیانت کے ذریعہ حاصل کیا گیا مال موجود تھا' نہ وہ کسی مبیع کے متعلق سوال کیا کرتے تھے' شاذ و نادر ہی ایسا ہوا ہے کہ کسی صحابی نے بازار میں مال کے سلسلے میں معلومات کی ہوں۔ اگر کیں بھی تو شک کے مواقع پر اور مخصوص افراد کے سلسلے میں کیں ہیں۔ بلکہ وہ لوگ کفار سے جو مال غنیمت حاصل کرتے تھے اس میں بھی سوال نہ کرتے' حالانکہ بعض دشمن وہ بھی تھے جو مسلمانوں سے لڑکر مال لے گئے تھے' یہ ممکن تھا کہ اس مال میں مسلمانوں سے چھینا ہوا مال بھی موجود ہو' اس طرح کا کوئی سامان بلا قیمت لینا جائز نہیں ہے امام شافعیؒ کے نزدیک وہ چیز اس حالت میں اصل (مسلمان) مالک کو واپس ملنی چاہیے' امام ابو حنیفہ کی رائے میں اس چیز کو بعینہٖ لوٹانے کی ضرورت نہیں' بلکہ قیمت بھی دی جاسکتی ہے۔

حضرت عمر ابن الخطابؓ نے آذر بائیجان کو خط لکھا تھا کہ تم ایسے ملک میں ہو جہاں مردہ جانوروں کے چمڑے سکھائے جاتے ہیں' اس لئے تم مذبوحہ اور مردہ جانوروں کے سلسلے میں دیکھ بھال کرلیا کرو اس خط میں سوال کی اجازت بھی ہے اور حکم بھی' لیکن انھوں

---

(۱) یہ روایت کتاب الزکوۃ میں گذری ہے۔

نے یہ حکم نہیں دیا کہ مردہ جانوروں کے چمڑے سے جو قیمت حاصل ہوتی ہے اس کی بھی تحقیق کیا کرو۔ اس لئے کہ اکثر مال اس چمڑے کی قیمت نہیں تھا۔ حالانکہ اکثر مردہ جانوروں ہی کا چمڑا فروخت ہوتا تھا۔ اسی طرح عبداللہ ابن مسعودؓ نے اپنے کسی رفیق کو تحریر کیا تھا کہ تم اس ملک میں ہو جہاں کے اکثر قصائی مجوسی ہیں اس لئے حلال و حرام ذبیحہ میں تحقیق کرلیا کرو۔ اس سے معلوم ہوا کہ اکثر کی بنا پر تحقیق کا حکم ہوا کرتا ہے۔

اب ہم چند مسائل اور چند صورتیں بیان کرتے ہیں' اس کے بغیر یہ مضمون واضح نہیں ہوگا۔

مسئلہ: معین مال میں حرام کا اختلاط۔ مثلاً غلّہ فروش کی دکان پر غصب کا غلہ یا لوٹ کا مال بھی فروخت ہوتا ہو' یا کسی قاضی' رئیس' عامل یا فقیہہ کا بادشاہ کے یہاں سے کچھ وظیفہ مقرر ہو' اور ان کا موروثی جائداد' تجارت یا زراعت وغیرہ کی شکل میں کوئی دوسرا ذریعہ آمدنی بھی ہو' یا ایک تاجر اپنے دوسرے معاملات کی صحت کے باوجود سود بھی لیتا ہو' ان تمام صورتوں میں اگر متعلقہ اشخاص کا اکثر مال حرام ہے تو نہ ان کی دعوت کھانا جائز ہے اور نہ ہدیہ اور صدقہ قبول کرنا صحیح ہے' ہاں اگر تحقیق کرنے سے یہ معلوم ہوجائے کہ دعوت حلال پیسے سے کی گئی ہے' یا ہدیہ اور صدقہ اس مال میں سے دیا گیا ہے جس میں ناجائز کا اختلاط نہیں ہے تو دعوت کھانے میں یا ہدیہ اور صدقہ قبول کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ اگر مال حرام کم ہو' اور دعوت یا ہدیہ وغیرہ میں شبہ ہو تو اس میں غور و فکر اور تأمل کی ضرورت ہے' یہ صورت دو صورتوں سے مناسبت رکھتی ہے۔ ایک وہ صورت ہے جس کے متعلق ہم نے لکھا ہے کہ اگر ایک ذبیحہ دس مردار جانوروں میں مل جائے تو تمام جانوروں سے اجتناب کرنا ضروری ہے' ان دونوں صورتوں میں من وجہ مشابہت ہے اور من وجہ مخالفت۔ مشابہت یہ ہے کہ جس طرح ذبیحہ اور مردار جانوروں کے اختلاط میں محصور کا محصور سے اختلاط ہے اسی طرح یہاں بھی محصور کا محصور سے اختلاط ہے' کیونکہ ایک شخص کا مال خاص طور پر اس وقت جب کہ کم ہو بہرحال محصور ہوتا ہے' اور مخالفت کی صورت یہ ہے کہ ذبیحہ اور غیر ذبیحہ میں اختلاط کے معاملے میں مردار کا وجود فی الحال یقینی ہوتا ہے۔ اور مال میں یہ احتمال بھی ہوسکتا ہے کہ ممکن ہے وہ فی الحال اس مال میں موجود نہ ہو۔ چنانچہ اگر مال کم ہو' اور یقینی طور پر یہ بات معلوم ہو کہ اس میں حرام فی الحال موجود ہے تو یہ ذبیحہ اور غیر ذبیحہ کے اختلاط سے مشابہ ہے' اور اگر مال زیادہ ہو' اور حرام کے متعلق یہ امکان موجود ہو کہ وہ ختم ہوگیا ہوگا تو یہ صورت ذبیحہ کی صورت سے مختلف ہوگی اور اس صورت کے مشابہ ہوگی جس میں حرام غیر محصور میں مل جاتا ہے' جیسے بازاروں اور شہروں میں حرام مل جاتا ہے' تاہم پیش نظر صورت محصور کے غیر محصور میں اختلاط کی بہ نسبت زیادہ سخت ہے' کیونکہ یہاں معاملے کا تعلق تنہا ایک شخص سے ہے۔ اس طرح کی صورتوں میں اقدام کرنا حرام تو نہیں لیکن ورع سے بعید تر ضرور ہے۔ لیکن بحث یہ ہے کہ اگر کسی نے اس طرح کی صورتوں میں کھانا وغیرہ کھالیا یا ہدیہ قبول کرلیا تو اس کا یہ عمل فسق' اور خلاف عدل و ثقاہت تو نہیں ہوگا۔ یہ بحث بڑی پیچیدہ ہے' اس میں دونوں طرح کی احتمالات ہیں' نقل سے بھی کوئی ایک احتمال متعین نہیں ہوتا۔ کیونکہ اس طرح کے احتمالات میں صحابہ کرام اور حضرات تابعین سے جو ترک منقول ہے اسے ورع پر محمول کیا جاسکتا ہے۔ حرمت کے سلسلے میں کوئی صراحت موجود نہیں ہے۔ حضرت ابوہریرہؓ کے متعلق روایت ہے کہ انھوں نے حضرت امیر معاویہ کی دعوت قبول کی' اور ان کا کھانا کھایا۔ اگر فرض کیا جائے کہ امیر معاویہؓ کا تمام مال حرام تھا تب بھی یہاں یہ احتمال موجود ہے کہ حضرت ابوہریرہؓ نے اس تحقیق کے بعد کھانا کھایا ہوگا کہ جو کچھ میں کھا رہا ہوں وہ حلال ہے۔ بہرحال صحابہ کرام کے عمل سے کوئی ایک رائے قائم نہیں کی جاسکتی۔ علمائے متأخرین کی آراء بھی اس سلسلے میں مختلف ہیں۔ بعض علماء کہتے ہیں کہ اگر بادشاہ مجھے کوئی چیز دے تو میں اسے قبول کرلوں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ انھوں نے بادشاہ کا اکثر مال حرام ہونے کی صورت میں بھی اباحت کا پہلو اختیار کیا ہے' بشرطیکہ اس خاص چیز کے متعلق جو بادشاہ انھیں دے حلت کا احتمال موجود ہو' ان علماء نے اکابر سلف کے عمل سے استدلال کیا ہے کہ یہ حضرات بادشاہوں کے انعامات اور وظائف لیا کرتے تھے۔ سلاطین کے اموال سے متعلق باب میں ہم اس کی وضاحت کریں گے۔

بہرحال اگر حرام کم ہو' اور یہ احتمال ہو کہ وہ حرام مالک کے پاس اس وقت موجود نہ ہوگا تو اس کی دعوت کھانا یا اس کا ہدیہ قبول کرنا حرام نہ ہوگا۔ لیکن اگر مالک کے پاس حرام کا وجود فی الحال متعین ہو جیسے ذبیحہ اور غیر ذبیحہ میں اختلاط کی صورت میں مردار کا وجود متعین ہوتا ہے تو مجھے نہیں معلوم کہ اس صورت میں کیا کرنا چاہیے۔ یہ مسئلہ ان مشابہات میں سے ہے جہاں مفتی کی عقل حیران رہ جاتی ہے' اور علم و حقیقہ ساتھ چھوڑ دیتے ہیں۔ یہاں یہ فیصلہ کرنا دشوار ہے کہ یہ مسئلہ محصور سے مشابہ ہے یا غیر محصور سے۔

رضاعی بہن اگر کسی ایسے گاؤں میں مشتبہ ہوجائے جس میں دس عورتیں ہوں تو سب سے اجتناب کرنا ضروری ہے' اور اگر کسی ایسے شہر میں مشتبہ ہوجائے جس میں دس ہزار عورتیں رہتی ہوں تو اجتناب کرنا ضروری نہیں۔ اب دس اور دس ہزار کے درمیان اعداد کے درجات ہیں' اور وہ اتنے نوع بہ نوع ہیں کہ اگر فتویٰ پوچھ لیا جائے تو حیران رہ جاتا ہوں اور سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا کہوں۔ علماء نے بہت سے ایسے مسائل میں توقف کیا ہے جو اس مسئلے سے زیادہ واضح اور نسبتاً کم پیچیدہ ہیں چنانچہ امام احمد ابن حنبلؒ سے دریافت کیا گیا کہ اگر کوئی شخص شکار پر تیر چلائے اور وہ اڑ کر کسی دوسرے شخص کی مملوکہ زمین میں جا پڑے تو شکار کس کا ہوگا شکاری کا' یا زمین کے مالک کا؟ امام احمد نے جواب دیا کہ مجھے نہیں معلوم یہ شکار کس کو ملے گا' روایت ہے کہ آپ سے متعدد مرتبہ یہی سوال کیا گیا' آپ نے ہر مرتبہ یہی جواب دیا۔ سلف سے اس طرح کی لاعلمی کے بہت سے واقعات منقول ہیں۔ ہم نے کتاب العلم میں کچھ واقعات قلمبند بھی کئے ہیں' وہاں دیکھ لئے جائیں۔ مفتی کو یہ طمع نہ کرنی چاہیے کہ اسے تمام صورتوں کا علم ہو جائے۔ اب ہم پھر اسی موضوع کی طرف واپس آتے ہیں۔ عبداللہ ابن المبارکؒ سے ان کے کسی بصری شاگرد نے عرض کیا کہ کیا میں ان لوگوں سے معاملہ کرسکتا ہوں جو سلاطین سے معاملات کرتے ہیں؟ فرمایا کرتے کہ اگر وہ لوگ صرف سلاطین سے معاملہ کرتے ہیں تو ان سے معاملہ کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ اس جواب سے ظاہر ہوا کہ کم میں مسامحت کی جاتی ہے' بلکہ اکثر میں بھی اس مسامحت کی گنجائش ہے۔

صحابہ کرام سے یہ کہیں منقول نہیں کہ اگر قصائی' نانبائی' اور دیگر پیشہ ور' یا تاجروں نے کبھی ایک آدھ فاسد معاملہ کیا ہو' یا کسی سلطان سے ایک مرتبہ معاملہ کیا تو انھوں نے ایسے تمام پیشہ وروں اور تاجروں سے کنارہ کشی اختیار کرلی ہو۔ بہرحال اس سلسلے میں معاملات کی تعیین دشوار ہے۔ مسئلہ واقعی پیچیدہ ہے' پیچیدگی اس وقت زیادہ نمایاں نظر آتی ہے' جب ہم صحابہ کرام' اور بعض حضرات فقہاء کے اقوال و اعمال کی روشنی میں اس کا جائزہ لیتے ہیں۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے منقول ہے کہ انھوں نے اس طرح کے معاملات میں رخصت دی ہے' فرماتے ہیں کہ جو کچھ تمہیں بادشاہ دے وہ لے لو' وہ تمہیں حلال مال ہی میں سے دیتا ہے' اس کے پاس حرام سے زیادہ حلال مال ہے۔ حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ سے کسی شخص نے دریافت کیا کہ میرا ایک پڑوسی ہے میں نے اس کے متعلق برائی کے علاوہ نہ کچھ سنا ہے اور نہ دیکھا ہے' وہ ہماری دعوتیں بھی کرتا ہے' اور ہم بوقت ضرورت اس سے قرض بھی لے لیا کرتے ہیں' آپ کی نظر میں ہمارا یہ عمل کیسا ہے؟ فرمایا کہ جب وہ تمہاری دعوت کرے تو قبول کرلیا کرو' اور جب تمہیں قرض کی ضرورت پیش آئے تو لے لیا کرو' تمہارے لئے وہ مال اچھا ہے' مال کی برائی کا ذمہ دار وہ خود ہے۔ سلمان الفارسیؓ نے بھی یہی موقف اختیار کیا تھا۔ حضرت علیؓ نے کثرت کو مدار حکم بنایا۔ اور ابن مسعودؓ نے بطریق اشارہ بیان فرمایا کہ وہ مال تمہارے لئے جائز ہے' کیونکہ تم اس سے واقف نہیں کہ یہ مال جو تمہیں کھلا رہا ہے یا دے رہا ہے اچھا ہے یا برا ہے؟ گناہ اسی پر رہے گا کیونکہ وہ اپنے مال کی حالت سے اچھی طرح واقف ہے۔ ایک مرتبہ کسی شخص نے ابن مسعودؓ کی خدمت میں عرض کیا کہ میرا ایک پڑوسی سود خوار ہے' وہ ہمیں کھانے پر بلاتا ہے' کیا ہم اس کی دعوت قبول کرلیا کریں۔ آپ نے اثبات میں جواب دیا۔ اس سلسلے میں ابن مسعود سے متعدد روایات منقول ہیں۔ حضرت امام شافعی اور حضرت امام مالک جیسے عظیم المرتبت فقہاء اور سلاطین کے انعامات اور وظائف قبول کئے ہیں حالانکہ انھیں یہ معلوم تھا کہ سلاطین کے

مال میں حرام مال بھی مخلوط ہے' یہ تمام آثار گذشتہ صفحات کی تقریر سے مختلف ہیں۔ اس لئے ہم ان کا جواب عرض کرتے ہیں۔
حضرت علیؓ کا ارشاد سر فہرست ہے' حالانکہ ان کا قول ان کے عمل سے مختلف ہے' وہ بیت المال سے بھی کچھ لینا گوارا نہیں کرتے تھے' ایک دفعہ ضرورت ہوئی تو انھوں نے اپنی تلوار فروخت کردی بیت المال سے لے کر ضرورت پوری نہیں کی۔ ایسا بھی نہیں تھا کہ آپ مالی طور پر خوشحال ہوں' روایات میں ہے کہ آپ کے پاس صرف ایک قمیص تھی' غسل کرتے تو اسی کو دوبارہ زیب تن فرمالیتے۔ میں یہ نہیں کہتا کہ ان کا قول جواز کے سلسلے میں مبہم اور غیر واضح ہے۔ اور ان کا عمل ورع کا احتمال نہیں رکھتا' میں تسلیم کرتا ہوں کہ اس ارشاد سے جواز صریح طور پر ثابت ہے' اور عمل میں یہ احتمال موجود ہے کہ آپ ورع کی بنا پر بیت المال سے کچھ نہیں لیتے تھے۔ مگر یہ بات ضرور ہے کہ سلاطین کے مال کا حکم دوسرا ہے وہ کثرت کی وجہ سے غیر محصور کے حکم میں ہے' عنقریب ہم اس کی تفصیل کریں گے۔ امام شافعیؒ اور امام مالکؒ کا عمل بھی سلاطین کے مال سے متعلق ہے' جب کہ ہماری بحث کا تعلق اس مال سے نہیں ہے بلکہ غیر سلاطین کے مال سے ہے۔ اب ابن مسعودؓ کے فتوے رہ جاتے ہیں' یہ فتاویٰ خوات تیمی سے منقول ہیں جو ضعیف الحفظ ہے' اس ذیل میں ابن مسعودؓ کا مشہور قول وہ ہے جس میں شبہات سے بچنے کی تاکید ہے۔ فرماتے ہیں: "تم میں سے کوئی شخص ہرگز یہ نہ کہا کرے کہ میں امید رکھتا ہوں میں ڈرتا ہوں' حرام بھی واضح ہے' اور حلال بھی۔ حرام و حلال کے درمیان مشتبہ امور ہیں' اس لئے ان چیزوں کو چھوڑ کر جو تمہیں شک میں ڈالیں وہ چیزیں اختیار کرو جو تمہیں شک میں نہ ڈالیں۔" ایک مرتبہ فرمایا کہ "ان چیزوں سے بچو جو دل میں کھٹکیں۔"

ایک اشکال کا جواب:۔ یہاں یہ اشکال کیا جاسکتا ہے کہ تم نے یہ کہا ہے کہ اگر اکثر مال حرام ہو تو اس کا لینا جائز نہیں ہے' اگرچہ کوئی علامت ایسی نہ ہو جو اس مخصوص چیز کی حرمت پر دلالت کرے ایک طرف حرمت کی علامت مفقود ہے' دوسری طرف حلّت کی علامت موجود ہے' قبضہ' ملکیت پر دلالت کرتا ہے' کسی شخص کا کسی چیز پر قابض ہونے کا مطلب یہی ہوتا ہے کہ وہ مقبوضہ چیز کا مالک ہے۔ چنانچہ اگر کوئی شخص اس طرح کے کسی شخص کا مال چُرا لے تو سرقہ کی حد جاری کی جائے گی' اور چور کا ہاتھ کاٹا جائے گا۔ جہاں تک حرام کی کثرت کا تعلق ہے تو وہ کسی مخصوص چیز کی حرمت کے متعلق حرمت کا ظن ہی پیدا کرسکتا ہے' یقین نہیں' اس لئے کہ یہ احتمال بھی موجود ہے کہ وہ مخصوص چیز حلال بھی ہوسکتی ہے' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد گرامی "دع مایریبک الی مالا یریبک" کو عام ٹھہرانا بھی مناسب نہیں ہے۔ کیونکہ یہ ارشاد بالاتفاق ان مواقع کے ساتھ مخصوص ہے جہاں عین ملک میں شک کی کوئی علامت موجود ہو۔ دلیل یہ ہے کہ اگر قلیل حرام غیر محصور میں مل جائے تو تم اسے حرام نہیں کہتے حالانکہ یہ اختلاط بھی شک کا موجب ہوتا ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ قبضہ ایک ضعیف دلالت ہے۔ یہ دلالت اسی وقت تک کارگر رہتی ہے جب تک اس کے مقابلے میں کوئی قوی ترجحت موجود نہ ہو۔ چنانچہ اگر ہمیں کسی ایک معین شخص کے مال کے سلسلے میں یہ یقین ہو کہ اس کے مال میں حرام کا اختلاط ہے' اور یہ حرام مخلوط مالک کے مال میں فی الحال موجود بھی ہے' نیز حرام زیادہ ہے' تو قبضہ کی دلالت سے اعراض کرنا اور معارض حجت کو ترجیح دینا ضروری ہے۔ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد (دع مایریبک الخ) کا یہ محمل نہیں ہے' تو پھر دوسرا کوئی محمل نہیں ہوسکتا۔ یہ ممکن نہیں کہ غیر محصور میں قلیل حرام کے اختلاط کی صورت پر یہ ارشاد محمول کیا جائے' کیونکہ یہ صورت آپ کے دور میں بھی موجود تھی' اور آپ سے اس زمانے کے مال کا ترک منقول نہیں ہے' اور اگر اس ارشاد کو نہی تنزیہی پر محمول کریں تو بغیر قیاس کے ظاہر الفاظ میں تبدیلی کرنی پڑے گی۔ معترض کا کہنا یہ ہے کہ کثرت سے ظن پیدا ہوتا ہے اب اگر کسی جگہ کثرت اور حصر (جیسا کہ زیر بحث صورت میں ہے) دونوں جمع ہوجائیں تو ظن کو کیسے تقویت نہ ہوگی' چنانچہ امام ابو حنیفہؒ فرمایا کرتے تھے کہ برتنوں میں اجتہاد مت کرو' ہاں اگر پاک برتن زیادہ ہوں تو اجتہاد کرلیا کرو۔ آپ نے اجتہاد اور اصل حکم (طہارت) کے اجتماع میں یہ شرط لگائی کہ کوئی علامت ہو (جس کی وجہ سے اجتہاد ہوسکے) اور پاک برتنوں کی کثرت ہو۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ پیشِ نظر صورتوں میں چار امور ہوتے ہیں۔ (۱) اصل حکم کا باقی رہنا (۲) مخلوط چیز کی قلت یا کثرت (۳) جس مال میں اختلاط ہو اس کا محصور ہونا یا غیر محصور ہونا (۴) اس چیز میں جس سے اجتہاد متعلق ہو کسی مخصوص علامت کا ہونا۔ جو شخص ان چاروں امور کے مجموعے سے غفلت کرتا ہے عموماً وہ غلطی کا شکار ہو جاتا ہے' اور بعض مسائل کو ایسے مسائل سے مشابہ سمجھ لیتا ہے جن سے وہ واقعتاً" مشابہ نہیں ہوتے۔ اس تفصیل سے ظاہر ہوا کہ جو مال ایک شخص کی ملک میں مختلط ہو جائے یا تو اس میں حرام کی مقدار زیادہ ہوگی یا کم ہوگی' پھر یہ بات کہ اس میں حرام کا اختلاط زیادہ ہے یقینی طور پر معلوم ہوگی یا ایسے ظن سے جس پر کوئی علامت بھی دلالت کرنے والی ہو' یا وہم سے۔ اس طرح کل چھ صورتیں بنتی ہیں' ان میں سے دو صورتوں میں سوال کرنا' اور حرام و حلال کی تحقیق کرنا واجب ہے' ایک یہ کہ حرام کی کثرت یقینی طور پر معلوم ہو' دوسرے یہ کہ ظن سے معلوم ہو' اور وہ ظن کسی علامت کی بنا پر معلوم ہوا ہو۔ مثلاً" کسی شخص نے مجهول الحال ترکی کو دیکھا کہ اس کے مال میں یہ احتمال ہے کہ شاید اس کا تمام مال غنیمت کا ہو۔ اگر یقین سے حرام کی کمی کا علم ہو تو اس صورت میں توقف کرنا چاہیے' اکابر کا طریقہ اس سلسلے میں رخصت کا رہا ہے' ضرورت کا تقاضا بھی یہی ہے کہ اس صورت میں تفتیش نہ کی جائے۔ یہ تین صورتوں کا حکم تھا۔ باقی تین صورتوں میں بھی سوال واجب نہیں ہے۔

ایک اور مسئلہ:۔ اگر کسی شخص کے سامنے اس کا ذاتی کھانا پیش ہو' اور وہ یہ جانتا ہو کہ میری ملکیت میں حرام مال بھی آیا تھا' البتہ وہ یہ نہیں جانتا کہ وہ حرام ابھی تک اس کے مال میں موجود ہے یا نہیں تو اس کے لئے کھانا جائز ہے' تفتیش ضروری نہیں ہے۔ اگر کوئی شخص تفتیش کرنے لگے تو یہ ورع کے طور پر ہوگی۔ اور اگر یہ معلوم ہو کہ اس مال میں سے کچھ باقی ہے' مگر یہ نہ جانتا ہو کہ وہ باقی کم ہے یا زیادہ تو اس کے لئے جائز ہے کہ وہ مابقی کو کم سمجھ لے۔ ہم بیان کر چکے ہیں کہ جہاں حرام کی کمی کا علم یقینی ہو وہاں کوئی قطعی فیصلہ کرنا مشکل ہے' یہ مسئلہ بھی کچھ ایسا ہی ہے۔

غیر مستحق کو دینے کا مسئلہ:۔ خیرات' اوقاف یا وصایا کے متولی کے پاس دو طرح کے مال ہیں' ایک مال کا مستحق موجود ہے' اور دوسرے مال کا کوئی مستحق موجود نہیں ہے' ایک شخص ہے مگر اس میں استحقاق کی وہ صفت نہیں جو ہونی چاہیے' اس صورت میں اگر متولی اس دوسرے شخص کو کچھ دے دے تو اس کے لئے لینا جائز ہے یا نہیں؟ یہ صورت مسئلہ ہے' جواب کی تفصیل یہ ہے کہ اگر متولی استحقاق کی صفت سے واقف ہو اور بظاہر عادل بھی ہو تو اس شخص کو چاہیے کہ کسی بحث یا سوال و تحقیق کے بغیر وہ مال لے لے۔ کیونکہ متولی کی عدالت کی بنا پر گمان غالب یہی ہے کہ وہ زیر تولیت مال کو اس کے صحیح مصرف میں خرچ کرے گا اور اسی شخص کو دے گا جو اس کا صحیح مستحق ثابت ہوگا۔ لیکن اگر خیال یہ ہو کہ متولی استحقاق کی صفت کا علم نہیں رکھتا' یا وہ لاپروا آدمی ہے' مال کے سلسلے میں احتیاط سے کام نہیں لیتا تو تفتیش و تحقیق کے بغیر نہ لے۔ کیونکہ نہ یہاں قبضہ ہے جو ملکیت پر دلالت کرے' اور نہ کسی حکم سابق کا وجود جس پر اعتماد کیا جائے گا۔ یہ صورت ایسی ہی ہے جیسا کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے کھانے کے متعلق یہ سوال فرمایا تھا کہ یہ ہدیہ ہے یا صدقہ؟ آپ کو اس کھانے میں تردد تھا' قبضہ سے اس کے ہدیہ یا صدقہ ہونے کی کوئی تخصیص نہیں ہوتی تھی۔ بہرحال اگر اس طرح کی صورت پیش آئے تو سوال کے علاوہ دوسرا راستہ نہیں ہے۔ ہم نے سوال صرف اس مجهول الحال میں ساقط کیا ہے جہاں قبضہ اور اسلام کی علامت ہو' یہاں تک کہ اگر کسی شخص کے متعلق یہ معلوم نہ ہو کہ یہ شخص کافر ہے یا مسلمان بلکہ یہ احتمال ہو کہ شاید مجوسی ہوگا' اور اس سے گوشت خریدنے کا ارادہ ہو تو اس وقت تک خریدنا جائز نہیں ہے جب تک اس کے مسلمان ہونے کی تحقیق نہ ہو جائے۔ کیونکہ قبضہ اس بات پر دلالت نہیں کرتا کہ جو گوشت ہم خرید رہے ہیں وہ ذبیحہ ہے' نیز صورت سے اسلام ثابت نہیں ہوتا۔ ہاں اگر کسی شہر میں مسلمانوں کی اکثریت ہو تو کفر کی علامت موجود نہ ہونے کی صورت میں یہ خیال کیا جا سکتا ہے کہ فلاں شخص مسلمان ہوگا' اگرچہ اس میں بھی غلطی کا امکان ہے' کیونکہ بہت سے کفار کفر کی

علامتوں سے خالی ہوتے ہیں' جس طرح بہت سے مسلمان اسلام کی علامتوں سے خالی نظر آتے ہیں۔ حاصل یہ کہ جن صورتوں میں قبضہ اور ظاہر حال کی شہادت معتبر ہے انھیں ان صورتوں سے نہ ملایا جائے جن میں قبضہ اور حال کی شہادت معتبر نہیں ہے۔

مغصوبہ مکانات کی خریداری:۔ مغصوبہ مکانات پر مشتمل شہر میں بلا تحقیق مکان خریدنا جائز ہے۔ اس لئے کہ یہ غیر محصور کے اختلاط کی شکل ہے' اگر کوئی شخص خریدنے سے قبل پوچھ تاچھ کرلے تو یہ ورع ہوگا۔ اور اگر کسی محلے میں مثلاً "دس گھر ہوں' ان میں سے ایک نامعلوم گھر وقف یا غصب کا ہو تو ان میں سے کوئی مکان بلا تحقیق خریدنا درست نہیں ہے' ہاں اگر وہ مکان معلوم ہو یا تحقیق سے متعین ہوگیا ہو تو باقی نو میں سے کوئی مکان خریدا جاسکتا ہے۔ ایک شخص کسی شہر میں جاتا ہے۔ وہاں چند رباطیں بنی ہوئی ہیں' بانیان نے وہ رباطیں مخصوص مذاہب کے لوگوں کے لئے وقف کی ہیں' مثلاً "کوئی رباط حنفیوں کے لئے وقف ہے' کوئی شوافع کے لئے اور کوئی حنابلہ کے لئے' ایسے شخص کو چاہیے کہ وہ اپنے مذہب کی رباط میں قیام کرے' معلوم نہ ہونے کی صورت میں سوال کرنا ضروری ہے۔ یہ صورت محصور کے اختلاط کی ہے کیونکہ رباطیں اور مدرسے تعداد میں اتنے زیادہ نہیں ہوتے کہ تمیز و تعیین دشوار ہو۔

مالک مال سے تحقیق:۔ جن مواقع پر سوال کرنا ورع ہے وہاں مالک مال سے سوال نہ کرنا چاہیے' کیونکہ سوال کرنے سے وہ شخص ناراض ہوگا۔ ہاں اگر ناراضگی کا اندیشہ نہ ہو تو سوال کیا جاسکتا ہے۔ لیکن اگر یہ یقین ہو کہ اس کا اکثر مال حرام ہے تو اس سے براہ راست سوال کرنا واجب ہے' اس صورت میں اس کی ناراضگی کی پرواہ نہیں کی جائے گی' سوال کرنے میں معمولی ایذاء ہے یہ ظالم تو اس سے کہیں زیادہ ایذاء کا مستحق ہے۔ عام طور پر ایسے لوگ سوال کرنے سے ناراض بھی نہیں ہوتے۔ اگر کسی چیز میں شک ہو اور وہ چیز اپنے وکیل' غلام' شاگرد یا کسی ماتحت عزیز رشتہ دار کے ذریعہ اسے ملی ہو تو ان سے سوال کرسکتا ہے' کیونکہ وہ اس کے پوچھنے پر ناراض نہیں ہوں گے۔ ان لوگوں سے سوال کرنا اس لئے بھی مناسب ہے کہ اس طرح انہیں حلال و حرام کا علم حاصل ہوگا' یہی وجہ ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے اپنے غلام سے دریافت کیا تھا کہ وہ فلاں چیز کہاں سے کما کر لایا ہے' حضرت عمرؓ نے اس شخص سے سوال کیا تھا جس نے انھیں زکوۃ کی اونٹنی کا دودھ لاکر پیش کیا تھا۔ اسی طرح کا سوال آپ نے ابوہریرہؓ سے اس وقت کیا تھا جب وہ اپنے علاقے سے بہت زیادہ مال و دولت لے کر واپس آئے تھے' آپ نے پوچھا تھا: ارے بھائی! کیا یہ تمام مال حلال ہے؟ حضرت عمرؓ اپنی سخت گیری میں مشہور ہیں لیکن ان کی سخت گیری بے موقع نہیں تھی' یہاں دیکھئے کس قدر نرم اور لطیف انداز تخاطب ہے' اسی لئے حضرت علیؓ فرمایا کرتے تھے کہ امام کی نرمی اور عدل سے زیادہ کوئی چیز اللہ کے نزدیک محبوب نہیں ہے' اور اس کی سختی اور ظلم سے زیادہ کوئی چیز اللہ کے نزدیک ناپسندیدہ نہیں ہے۔

حارث محاسبیؒ فرماتے ہیں کہ اگر کسی شخص کا اپنے دوست یا بھائی کے متعلق یہ خیال ہو کہ وہ پوچھنے سے ناراض نہیں ہوگا تب بھی اس سے نہ پوچھنا ورع ہے' کیونکہ بعض اوقات پوچھنے سے وہ پہلو نمایاں ہوجاتے ہیں جو خود صاحبِ حال کی نگاہوں سے اوجھل تھے۔ اس صورت میں اس کا پوچھنا ہتک ستر (پردہ دری) کا باعث ہوگا۔ انجام یہ ہوگا کہ دونوں دوستوں میں بغض کی بنیاد قائم ہوجائے گی' حارث محاسبیؒ کا نقطہ نظر مستحسن ہے' ہونا بھی یہی چاہیے کہ جہاں سوال کرنا واجب نہیں وہاں احتیاط اور ورع کا تقاضا یہ ہے کہ پردہ دری سے اور بغض و عناد پیدا کرنے والی باتوں سے احتراز کیا جائے محاسبیؒ یہ بھی کہتے ہیں کہ اگر اس شخص کو شک بھی ہو تب بھی سوال نہ کرے بلکہ یہی خیال کرتا رہے کہ اس نے مجھے حلال و طیب غذا کھلائی ہے' اگر اس خیال سے سکون نہ ہو تو لطائفُ الحِیل سے کام لے' اور نہ کھانے کی کوئی ایسی تدبیر اختیار کرے جس سے اس کی دل شکنی بھی نہ ہو اور خود بھی پُرسکون رہے' محاسبیؒ کہتے ہیں کہ میں نے کسی عالم کو اس طرح کے مواقع پر سوالات کرتے ہوئے نہیں دیکھا۔ ہمارے خیال میں محاسبیؒ کا قول عام نہیں ہے' بلکہ اس صورت پر محمول ہے جس میں قلیل حرام کا اختلاط ہو اور اس کا علم کسی وہم سے ہوا ہو۔ انہوں نے "شبہ" کا

لفظ استعمال کیا ہے وہ اسی مفہوم پر دلالت کرتا ہے' لیکن اگر حرام کے اختلاط کا علم یقینی ہو تو اس کا حکم دوسرا ہے۔ تفتیش کرنے والوں کو ان باریکیوں کی رعایت بھی رکھنی چاہیے۔

ایک اشکال کا جواب:- بعض لوگ یہ کہہ سکتے ہیں کہ مالک مال سے تحقیق کرنے میں کیا فائدہ ہے کیونکہ جو شخص حلال مال اپنے پاس رکھے ہوئے ہے' اور وہ استعمال کرنے کا مسلسل گناہ کر رہا ہے تو کیا عجب ہے کہ وہ اپنی عیب پوشی کے لئے جھوٹ کا بھی سہارا لے۔ اگر وہ اس سلسلے میں قابل اعتماد ہے تو حرام مال کے سلسلے میں بھی اس پر اعتماد کرنا چاہیے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اگر کسی شخص کے مال میں حرام کا اختلاط ہو' اور اس کی دعوت میں تمہارے جانے سے یا اس کا ہدیہ قبول کرنے سے اس کا کوئی مطلب نکلتا ہو تو اس کے قول پر اعتماد نہیں کیا جائے گا' اس صورت میں براہ راست متعلقہ شخص سے سوال کرنے کے بجائے کسی دوسرے شخص سے معلومات حاصل کرنی چاہئیں۔ قابض سے صرف اسی صورت میں استفسار کرنا چاہیے جب اس کی کوئی غرض وابستہ نہ ہو' جیسے اوقاف یا وصایا کے متولی سے سوال کیا جائے کہ جو مال تم دے رہے ہو وہ کیسا ہے؟ ظاہر ہے کہ یہاں متولی کی کوئی غرض نہیں ہے' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہدیہ اور صدقہ کے متعلق استفسار فرمایا تھا' ایسے مواقع پر بھی قابض سے براہ راست پوچھا جا سکتا ہے کیونکہ اس سوال سے نہ قابض کی ایذا ہوگی' اور نہ بتلانے میں اس کا کوئی نقصان ہوگا۔

گواہی کا مسئلہ:- اگر صاحب مال کی کوئی غرض ہو اور وہ متہم ہو تو اس کا حال کسی دوسرے سے دریافت کرنا چاہیے' اس سلسلے میں عادل کا قول معتبر ہوگا' ایک عادل مرد کے بتلانے کے بعد کسی مزید تفتیش کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ بلکہ اگر فاسق کچھ بتلائے' اور قرینۂ حال سے یہ ثابت ہو رہا ہو کہ یہ شخص اپنے فسق کے باوجود جھوٹ نہیں بولتا تو اس کے قول پر اعتماد کرنے میں بھی کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ اس لئے کہ یہ معاملہ اس کے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان ہے' دریافت حال کا مقصد دل کا اطمینان ہے' وہ فاسق کے قول سے بھی حاصل ہو جاتا ہے' جھوٹ سچ کی ذمہ داری بتلانے والے پر ہے۔ بعض اوقات عادل کے مقابلے میں فاسق کی بات زیادہ قابل اعتماد ثابت ہوتی ہے۔ یہ ضروری نہیں کہ جو شخص فاسق ہو وہ جھوٹ ہی بولا کرے نیز جو بظاہر عادل ہو وہ سچ ہی بولنے کا عادی ہے۔ گواہی کا مدار ظاہری عدالت پر اس لئے ہے کہ ضرورت کا تقاضا یہی ہے' دلوں کا حال اللہ کے علاوہ کوئی نہیں جانتا' اس لئے ظاہر پر ہی حکم لگایا جا سکتا ہے۔ حضرت امام ابو حنیفہؒ کے متعلق منقول ہے کہ انہوں نے فاسق کی گواہی قبول کی تھی۔ بہت سے لوگوں کو تم پہچانتے ہو' اور ان کے متعلق تمہیں یہ علم بھی ہے کہ وہ گناہگار ہیں' خلاف شریعت کام کرتے ہیں۔ مگر اس کے باوجود جب وہ لوگ تمہیں کوئی خبر دیتے ہیں تو تم بلا تردد اس کا یقین کر لیتے ہو' اسی طرح اگر کوئی سمجھدار بچہ تمہیں کوئی خبر دے اور تم یہ جانتے ہو کہ خبر دینے والا بچہ مستقل مزاج بھی ہے تو تمہیں اس کی خبر پر یقین کرنے میں کوئی جھجک محسوس نہیں ہوتی۔

مجہول الحال شخص کی گواہی کو کھانے کے مسئلے پر قیاس کیا جائے گا' ہم نے مجہول الحال شخص کا کھانا جائز قرار دیا ہے' اس لئے کہ کھانے پر اس کا قبضہ ملکیت کی دلیل ہے' گواہی کے مسئلے میں ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ اس کا مسلمان ہونا اس کی سچائی کی دلیل ہے۔ اس کے باوجود مجہول الحال شخص کا قول اتنا مؤثر نہیں ہوتا جتنا مؤثر معروف الحال شخص کا قول ہوتا ہے۔ ہاں اگر اس طرح کے بہت سے لوگ متفق ہو کر کوئی بات کہیں تو اثر کچھ زیادہ ہی ہوگا' ایک کے قول کی تاثیر بہرحال ضعیف ہے۔ اب یہ مبتلا بہ کا فرض ہے کہ وہ یہ دیکھے کہ اس قول کا اس کے دل میں کتنا اثر ہوا ہے۔ اس لئے کہ اس طرح کے مواقع میں دل ہی مفتی ہوتا ہے۔

ہمارے نزدیک تو مجہول الحال شخص کے قول کی طرف التفات کرنا واجب ہے۔ اس کی دلیل عقبہ ابن الحارث کی یہ روایت ہے کہ وہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ میں نے ایک عورت سے نکاح کر لیا تھا۔ اب ایک سیاہ فام عورت آئی ہے اور وہ ہم دونوں (میاں بیوی) کی رضاعی ماں ہونے کا دعویٰ کرتی ہے۔ مجھے تو وہ عورت جھوٹی معلوم ہوتی ہے' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے عقبہ! اپنی بیوی کو چھوڑ دو' میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! وہ عورت

سیاہ فام ذلیل ہے' (بھلا وہ کیسے ہمیں دودھ پلا سکتی ہے) آپ نے فرمایا کہ جب وہ یہ کہتی ہے تو تمہیں اپنی بیوی کو چھوڑ دینا چاہیے' اسی میں تمہارے لئے بہتری ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ بھلا کیسے نہ چھوڑو گے اب تمہاری رضاعت کی خبر عام ہو چکی ہے۔ (بخاری ۲) اگر مجہول شخص کا کذب معلوم نہ ہو' اور نہ کوئی ایسی علامت موجود ہو جس سے اس معاملے میں اس کی غرض کا علم ہو تو اس کے جھکنے کا اثر دل میں ضرور ہو گا۔ یہی وجہ ہے کہ اس صورت میں احتراز کرنا مؤکد ہے' اور اگر دل میں اس کے قول کا اطمینان زیادہ ہو تو احتراز کرنا واجب ہے۔

گواہی میں تضاد:۔ جن صورتوں میں استفسار کرنا ضروری ہے اگر ان میں دو عادلوں یا دو فاسقوں کے قول ایک دوسرے کے خلاف ہو جائیں تو دونوں نا قابل اعتبار ہوں گے' البتہ اگر کوئی شخص دل میں کسی عادل یا فاسق کے قول کو کثرت کے باعث' یا اپنے تجربات اور حالات سے اپنی واقفیت کی بنیاد پر ترجیح دینا چاہے تو دے سکتا ہے۔

لوٹے ہوئے مال کا مسئلہ:۔ ایک مخصوص نوعیت کا سامان لوٹا گیا اس سامان کی کوئی چیز اتفاقاً" کسی شخص کے پاس نظر آئی' دوسرا شخص یہ چیز خریدنا چاہتا ہے کیا اس کے لئے خریدنا جائز ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اگر بائع نیکی اور دیانت و امانت میں معروف ہو تو اس سے وہ مخصوص چیز خریدنے میں کوئی حرج نہیں ہے' جس کے متعلق مغصوب ہونے کا شبہ ہے' تاہم نہ خریدنا ورع ہے' اور اگر وہ شخص مجہول الحال ہو تو یہ دیکھنا چاہیے کہ غصب کے بغیر بھی اس نوعیت کی چیز کثرت سے ملتی رہی ہے یا نہیں؟ اگر جواب اثبات میں ہے تو خریدنا درست ہے' نفی کی صورت میں حلت پر صرف قبضے سے دلالت ہوتی ہے۔ لیکن اس دلالت کے معارض مال کی وہ مخصوص قسم یا نوع ہے جو اسے مغصوبہ سامان سے ملحق کر رہی ہے' اس صورت میں نہ خریدنا ہی اہم ورع ہے' لیکن ورع کے وجوب میں تامل ہے' کیونکہ علامات متعارض ہیں' اس کے علاوہ کوئی چارہ نہیں کہ ہم اسے بھی مشتری کے حوالے کر دیں کہ وہ اپنے دل سے فتویٰ لے' اور جو پہلو قوی ہو اسے اختیار کرے۔ اگر دل کی رائے یہ ہو کہ وہ چیز لوٹ کی ہے تو نہ خریدنا لازم ہو گا' اور دوسری صورت میں خریدنا جائز ہو گا۔ اس طرح کے واقعات عموماً مشتبہ رہتے ہیں' بہت سے لوگ ان سے واقف نہیں ہو پاتے' اور ملوث ہو جاتے ہیں۔ جو شخص ان مشتبہات سے دامن بچائے رکھے گا وہ اپنے دین کی حفاظت کرے گا' اور جو شخص ان میں ملوث ہو گا وہ اپنے آپ کو خطرات میں ڈالے گا۔

واجب سوال کی حدود:۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جب دودھ پیش کیا گیا تو آپ نے اس کے متعلق دریافت فرمایا' لوگوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! یہ بکری کا دودھ ہے۔ اس کے بعد آپ نے بکری کے متعلق استفسار فرمایا کہ وہ کہاں سے آئی تھی' کس کی ہے؟ لوگوں نے اس کا جواب بھی عرض کیا' اس کے بعد آپ نے دودھ نوش فرمالیا۔ اس واقعہ کے پیش نظر یہ سوال کیا جا سکتا ہے کہ مال کی اصل کے متعلق سوال کرنا واجب ہے یا نہیں؟ اگر واجب ہے تو ایک اصل کے متعلق سوال کرنا چاہیے یا دو اصلوں یا تین اصلوں کے متعلق دریافت کرنا چاہیے' اس سلسلے میں قاعدہ کلیّہ کیا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس سلسلے میں کوئی قاعدہ کلیّہ نہیں ہے' بلکہ سوال کی بنیاد شبہ ہے' جہاں شبہ باقی نہ رہے وہاں سوال کا سلسلہ بھی منقطع ہو جاتا ہے' چنانچہ اگر کسی کو ایک اصل میں شبہ پیش آئے تو وہ ایک کے متعلق تحقیق کرلے' دو یا دو سے زیادہ میں پیش آئے تو ان کے متعلق دریافت کرلے پھر شبہات بھی حالات کے اختلاف کے ساتھ مختلف ہوتے ہیں۔ اگر اس میں شبہ ہو کر قابض کے پاس یہ مال جائز طریقے سے پہنچا ہے یا نہیں' اور قابض سے دریافت کیا جائے کہ یہ چیز تمہیں کہاں سے ملی؟ وہ یہ بتلائے کہ میں نے قیمتاً خریدی ہے تو ایک ہی سوال میں شبہ منقطع ہو جاتا ہے۔ اور اگر وہ شخص مثلاً" دودھ کے متعلق استفسار کے جواب میں یہ کہے کہ یہ دودھ میری بکری کا ہے تو یہ شبہ بھی ہو سکتا ہے کہ بکری کہاں سے آئی تھی؟ اب اگر وہ جواب دے کہ میں نے خریدی تھی تو دو سوالوں سے شبہ کا سلسلہ منقطع ہو جائے گا۔ لیکن اگر بدوؤں کے مال کے سلسلے میں شک ہو' اور بنیاد یہ ہو کہ جو کچھ ان کے پاس ہے وہ سب ظلم سے حاصل

کیا ہوا ہے تو یہ شبہ محض اتنا کہنے سے ختم نہیں ہوگا کہ یہ دودھ میری بکری کا ہے' یا میری بکری کے بچے کا ہے۔ بلکہ اس کو صاف طور پر بتلانا ہوگا کہ اس کے پاس بکری کہاں سے آئی تھی۔ اب اگر بکری اسے باپ سے وراثت میں ملی ہے' اور باپ ایک مجہول الحال شخص تھا تو استفسار کی ضرورت باقی نہیں رہے گی' لیکن اگر یہ معلوم ہوا کہ اس کے باپ کا تمام مال حرام تھا تو حرمت کا حکم لگایا جائے گا۔ اور اگر یہ پتا چلا کہ اس کے باپ کا اکثر مال حرام تھا تو تناسل اور مدت کے گذرنے سے' یا وراثت کے جاری ہونے سے اس کا حکم تبدیل نہیں ہوگا۔ بہرحال شبہ کے وقت مال کے سلسلے میں استفسار کرنے کی ضرورت پیش آئے تو مذکورہ بالا امور کی رعایت کرنی چاہیے۔

خانقاہوں کا وقف:۔ مجھ سے ایک مرتبہ یہ دریافت کیا گیا کہ کچھ صوفی ایک خانقاہ میں رہتے ہیں۔ خانقاہ کے خادم اور متولّی کے پاس دو وقف ہیں' ایک خانقاہ کے لئے مخصوص ہے' دوسرا اہل خانقاہ کے لئے نہیں ہے' بلکہ دوسرے لوگوں کے لئے ہے۔ متولّی دونوں وقفوں کا مال ملا کر خانقاہ والوں کو کھانا کھلاتا ہے۔ کیا صوفیاء کے لئے جائز ہے کہ وہ اس طرح کا کھانا کھائیں۔ میں نے جواب دیا کہ یہ مسئلہ سات اصلوں پر موقوف ہے۔

پہلی اصل:۔ یہ ہے کہ متولّی وقف اہل خانقاہ کو جو کھانا پیش کرتا ہوگا غالب خیال یہ ہے کہ وہ خاموش بیع کے ذریعہ حاصل کرتا ہوگا' یعنی خرید و فروخت کے وقت بیع و شراء کے الفاظ نہ بولے جاتے ہوں گے ہمارے نزدیک بیع معاطاۃ صحیح ہے' خاص طور پر کھانے کی چیزوں میں' اور ان اشیاء میں جو کم قیمت ہیں۔ بہرحال اس طرح کے کھانے میں مذکورہ اصل کے مطابق صرف شبہ خلاف ہے۔

دوسری اصل:۔ یہ ہے کہ متولّی وقف کھانے کی قیمت حرام مال سے ادا کر رہا ہے یا ادھار خرید رہا ہے' اگر حرام مال سے خرید رہا ہے تو وہ کھانا حرام ہے' اور اگر یہ معلوم نہ ہو کہ اس نے کھانا نقد حرام مال سے خریدا ہے یا ادھار بیع کی ہے تو غالب گمان یہی ہوگا کہ اس نے ادھار بیع کی ہوگی۔ ظن غالب پر عمل کرنا درست ہے' اس لئے کھانا صحیح ہوگا' اس سے حرمت تو کیا واقع ہوگی' احتمال قریب بھی پیدا نہیں ہوگا' بلکہ صرف یہ احتمال بعید رہے گا کہ کہیں متولّی نے حرام مال دے کر کھانا نہ خریدا ہو۔

تیسری اصل:۔ یہ ہے کہ متولی وہ کھانا کس شخص سے خرید رہا ہے' اگر بائع کوئی ایسا شخص ہے جس کا اکثر مال حرام ہے تو جائز نہیں' اور اگر کم مال حرام ہے تو اس میں تامل ہے' اس تامل کی تفصیل ہم پہلے بھی کر چکے ہیں' اور اگر یہ معلوم نہ ہو کہ کیسے شخص سے کھانا خریدا ہے تو یہی سمجھا جائے گا کہ اس نے کسی ایسے شخص سے خریدا ہے جس کا مال حلال ہے' یا جس کا مال مشتری کو معلوم نہیں' مثلاً" یہ کہ وہ مجہول الحال ہے۔ ہم بیان کر چکے ہیں کہ مجہول الحال سے خریدنا جائز ہے۔ اس اصل سے بھی حرمت ثابت نہیں ہوتی۔

چوتھی اصل:۔ یہ دیکھنا ہے کہ متولّی اپنے لئے خریدتا ہے یا اہل خانقاہ کے لئے۔ متولی اور خادم نائب کی حیثیت رکھتے ہیں' نائب کو اختیار حاصل ہے کہ وہ اپنے لئے خریدے یا دوسروں کے لئے۔ لیکن دوسروں کے لئے خریدنا اسی وقت صحیح ہوگا جب اس کی نیت ہو یا صریح الفاظ میں اس کا اظہار کر دیا گیا ہو۔ عموماً" بیع خاموش ہوتی ہے' بیع و شراء کے الفاظ بھی استعمال نہیں کئے جاتے' اس لئے صریح طور پر اس کا اظہار بھی نہیں ہوتا کہ میں یہ چیز اپنے لئے خرید رہا ہوں یا دوسروں کے لئے' نیت کے سلسلے میں بھی غالب گمان یہی ہے کہ وہ دوسروں کے لئے خریداری کی نیت نہ کرتے ہوں گے۔ قصائی اور نانبائی بھی ان نائبین۔ خدام اور مقبولین کو اصل سمجھتے ہوئے چیزیں بیچتے ہوں گے' اور ان ہی لوگوں پر معاملات میں اعتماد بھی کرتے ہوں گے' نہ ان لوگوں پر جو موجود نہ ہوں۔ اگر اس طرح کی بیع ہوئی تو خریدی ہوئی چیز متولی کی ملکیت ہوگی اس صورت میں نہ حرمت ہے اور نہ شبہ ہے' لیکن

اتنا بہرحال ثابت ہوتا ہے کہ اہل خانقاہ اس اصل کی رو سے متولی کی ملک کھائیں گے وقف کا مال نہیں کھائیں گے۔

پانچویں اصل:۔ یہ کہ متولی اہل خانقاہ کی خدمت میں کھانا پیش کرتا ہے، یہ ممکن نہیں کہ کھانا پیش کرنے کے اس عمل کو بغیر عوض کی ضیافت اور ہدیہ قرار دیا جائے۔ کیونکہ متولی ہرگز اس پر راضی نہ ہوگا کہ اس کی ضیافت یا ہدیہ کا کوئی عوض نہ ہو۔ بلکہ وہ وقف سے حاصل ہونے والے عوض پر اعتماد کرتے ہوئے اہل خانقاہ کو کھانا کھلاتا ہے۔ وقف سے متولی جو رقم لے گا وہ معاوضہ ہوگا، یہ نہ بیع کی صورت ہے اور نہ قرض کی۔ متولی صوفیاء سے قیمت کا مطالبہ نہیں کرسکتا، اگر اس نے کیا بھی تو اس کا یہ مطالبہ حیرت انگیز ہوگا اس لئے کہ اگر وہ قیمت ادا کرنے کے قابل ہوتے تو وقف کا مال کھانے کے لئے خانقاہ میں کیوں مقیم رہتے۔ بہرحال اس کی یہی صورت ہوسکتی ہے کہ اسے ہدیہ مع العوض قرار دیا جائے۔ یہ ایسا ہدیہ ہے جس میں ہدیہ کرنے والے نے عوض کے سلسلے میں کوئی لفظ نہیں کہا، لیکن قرینہ حال سے پتہ چلتا ہے کہ وہ عوض کا طامع ہے، اس طرح کا ہدیہ صحیح ہے، اور عوض بھی لازم ہے۔ یہاں متولی کا عوض یہ ہے کہ وہ وقف سے اتنی رقم لے لے جس سے نانبائی، قصائی، اور سبزی فروش کا قرض ادا کرسکے۔ اس صورت میں بھی حرمت کا کوئی شبہ نہیں ہے۔ اس لئے کہ ہدایا دینے، اور کھانا پیش کرنے میں زبان سے کہنا ضروری نہیں ہے۔ جو لوگ ہدیہ مع العوض کو غلط قرار دیتے ہیں ان کی رائے ناقابل اعتناء ہے۔

چھٹی اصل:۔ اس طرح کے ہدیہ کے عوض کی مقدار میں اختلاف ہے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ عوض اتنا ہونا چاہیے کہ اسے ادنیٰ درجہ کا مال کہہ سکیں، بعض حضرات کی رائے ہے کہ ہدیہ کی قیمت کے برابر عوض ہونا چاہیے۔ کچھ لوگ یہ کہتے ہیں کہ جس مقدار پر ہدیہ دینے والا راضی ہو وہی مقدار واجب ہوگی۔ اگرچہ وہ چیز کی دوگنی قیمت ہی کیوں نہ مانگتا ہو۔ صحیح بات یہ ہے کہ عوض ہدیہ دینے والے کی رضا کے تابع ہے۔ اگر وہ کسی وجہ سے راضی نہ ہوا تو اصل مالک کو واپس بھی کرسکتا ہے مذکورہ بالا صورت میں متولی جو عوض وقف سے حاصل کرتا ہے وہ تین حال سے خالی نہیں ہے۔ یا تو یہ کہ اس نے کھانے پر جس قدر خرچ کیا اسی قدر وقف سے مل گیا اس میں تو کوئی اشکال ہی نہیں ہے۔ یا یہ کہ وہ خرچ کی مقدار سے کم پر رضامند ہوگیا۔ اس میں بھی کوئی حرج نہیں ہے تیسری صورت یہ ہے کہ کھانے کے مصارف زیادہ ہیں، اور وقف کی آمدنی کم ہے، متولی ہرگز اس وقف سے عوض لینے پر راضی نہ ہوگا اگر اس کے پاس دوسرا وقف نہ ہوتا گویا وہ عوض کی اس مقدار پر راضی ہوا ہے جس میں حرام و حلال کی آمیزش ہے۔ یہ حرام متولی کے ہاتھ میں رہتا ہے، اہل خانقاہ کے ہاتھ میں نہیں آتا۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے کسی چیز کے ثمن میں خلل واقع ہوجائے۔ ہم پہلے لکھ چکے ہیں کہ ثمن میں خلل واقع ہونے کی صورت میں کب حرمت پیدا ہوتی ہے، اور کب شبہ پیدا ہوتا ہے۔ بہرحال یہ صورت حرام نہیں ہے۔ یہ نہیں ہوسکتا کہ ہدیہ کی وجہ سے اگر ہدیہ دینے والا حرام تک پہنچ جائے تو وہ ہدیہ خود بھی حرام ہوجائے۔

ساتویں اصل:۔ یہ ہے کہ متولی، نانبائی، قصائی اور سبزی فروش کا قرض دونوں وقفوں کی آمدنی سے ادا کرتا ہے۔ اگر ان لوگوں کے پاس صوفیاء کے وقف میں سے اتنی ہی قیمت پہنچی ہے جتنی قیمت کا انھوں نے کھانا کھایا ہے تو معاملہ صحیح ہوا ہے، اور اگر کم قیمت پہنچی ہے، اور وہ اس پر راضی ہوگئے ہیں خواہ وہ قیمت حرام ہو یا حلال، اس صورت میں بھی کھانے کی قیمت میں خلل واقع ہوجاتا ہے، ہم ثمن میں خلل پیدا ہونے کی صورت اور اس کا حکم پچھلے ابواب میں لکھ چکے ہیں۔

یہ سات اصول ہیں۔ اس تفصیل سے ظاہر ہوا کہ صوفیاء کا کھانا حلال ہے، تاہم شبہ سے خالی نہیں۔ اس لئے ورع کا تقاضا یہ ہے کہ یہ کھانا نہ کھایا جائے، پھر کیونکہ ان سات اصلوں میں سے بیشتر میں شبہات ہیں، شبہات جب کثیر ہوتے ہیں تو دل میں حرمت کا احتمال زیادہ ہوجاتا ہے جیسے خبر کی سندیں اگر طویل ہوں تو جھوٹ کا احتمال بڑھ جاتا ہے۔

یہ ایک پیچیدہ مسئلہ تھا، ہم نے اس کا حکم اس لئے بیان کیا کہ مسئلہ کثیر الوقوع ہے، ہمارے زمانے کے مفتی عموماً اس طرح کے مسائل میں شرعی احکام سے واقف نہیں ہیں۔

چوتھا باب

مالی حقوق سے توبہ کرنے والے کی برائت

جاننا چاہیے کہ اگر کوئی شخص توبہ کرے اور اس کے پاس حرام و حلال مال مخلوط ہوں تو اس پر دو امر واجب ہیں۔ ایک یہ کہ وہ حرام مال الگ کرے' دوم یہ کہ اسے صرف کرے' ذیل میں ہم دونوں امور الگ الگ بیان کرتے ہیں۔

حرام مال علیحدہ کرنے کی کیفیت

جاننا چاہیے کہ اگر کوئی شخص غیر شرعی امور کے ارتکاب سے توبہ کرے اور اس کے قبضۂ تصرّف میں غصب یا ودیعت وغیرہ کی کوئی متعین اور معلوم چیز ہو تو اس کے لئے آسان ہے کہ وہ اس حرام شے کو اپنے مال سے الگ کردے۔ لیکن اگر وہ مخلوط ہو تو اس میں دو صورتیں ہیں' ایک یہ کہ وہ شئی ذوات امثال میں سے ہو چاہے کیلی ہو یا وزنی جیسے غلّہ' اشرفی' اور تیل وغیرہ۔ دوسری یہ کہ ذوات امثال میں سے نہ ہو جیسے غلام' گھر اور کپڑے وغیرہ مثلی کی مثال یہ ہوسکتی ہے جیسے کسی شخص نے تجارت کے ذریعہ مال کمایا اور وہ یہ جانتا ہے کہ اس نے بعض سامان تجارت کی خرید و فروخت کے موقع پر کذب بیانی سے کام لیا ہے اور بعض کے سلسلے میں صحیح صحیح بات بیان کی ہے یا کسی شخص نے اپنے تیل میں غصب کے ذریعہ حاصل کیا ہوا تیل ملالیا ہے' یا غلّے' دراہم و دینار کے سلسلے میں ایسا کیا ہے تو یہ صورت دو حال سے خالی نہیں ہے۔ یا تو حرام مال کی مقدار مذکورہ شخص کو معلوم ہے یا معلوم نہیں ہے اگر معلوم ہے مثلاً" یہ کہ وہ جانتا ہے کہ اس کے مال کا نصف حصہ حرام ہے تو اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ نصف مال علیحدہ کردے۔ اور اگر مقدار معلوم نہیں ہے تو اس کی دو صورتیں ہیں۔ ایک صورت تو یہ ہے کہ یقین پر عمل کیا جائے' اور دوسری صورت یہ ہے کہ ظن غالب کے مطابق فیصلہ کیا جائے۔ چنانچہ نماز کی رکعات کی تعداد مشتبہ ہونے کی صورت میں علماء کے یہی دو قول ہیں' یعنی یقین پر یا ظن غالب پر عمل اگرچہ نماز کے سلسلے میں ہم یقین پر عمل کرنے کا حکم دیتے ہیں' کیونکہ اس سلسلے میں اصل یہ ہے کہ رکعات کی تعداد نماز پڑھنے والے کی ذمہ داری ہے' اس لئے ان کا وہی حکم رہے گا۔ تبدیلی کے لئے ضروری ہے کہ کوئی قوی علامت موجود ہو' رکعات کی تعداد میں کوئی ایسی علامت موجود نہیں ہے جس کا اعتبار کیا جاسکے اس لئے یقین پر عمل کرنا ضروری ہوگا۔ مال کے سلسلے میں یہ صورت نہیں ہے' یہاں یہ نہیں کہا جائے گا کہ جو شخص مذکور کے قبضے میں ہے وہ سب حرام ہے' بلکہ مشتبہ ہے۔ اس لئے مال کے سلسلے میں ظن غالب پر عمل کرنا جائز ہے' بہتر یہی ہے کہ نماز کی طرح یہاں بھی یقین پر عمل کیا جائے' اگر کوئی اس طرح کے مال کے سلسلے میں ورع کا ارادہ کرے تو اس میں اجتہاد کا طریقہ یہ ہے کہ جتنے مال کے متعلق حلت کا یقین ہو وہی مال اپنے قبضہ میں رکھے' باقی الگ کردے غلبہ ظن پر عمل کرنے کی صورت میں یہ دیکھے کہ اس کا کس قدر مال حلال ہے اور کس قدر حرام۔ مثلاً اگر کسی شخص کا نصف حلال ہے' اور ثلث حرام تو چھٹا حصہ مشکوک ہوگا' اس میں غلبہ ظن پر عمل کرکے مشکوک مال نکال دے۔

تحری اور اجتہاد کا طریقہ یہ ہے کہ مال کی جتنی مقدار حرام ہو اسے علیحدہ رکھے اور جس قدر حلال ہو اسے الگ کرلے۔ جس مال میں تردد ہو اس میں غلبہ ظن کا فیصلہ نافذ ہوگا' اگر غلبہ ظن سے اس مال مشکوک کی حرمت راجح ہوئی تو وہ مال حرام ہوگا' اور اگر حلّت راجح ہوئی تو وہ مال حلال ہوگا' اور اسے اپنے قبضہ میں رکھنا جائز ہوگا۔ ورع کا تقاضا یہ ہے کہ اس مال کو اپنی ملکیت سے خارج کردے' یہ ورع مؤکّد ترین ہے' کیونکہ وہ مال مشکوک تھا' اور اسے محض اس لئے رکھا جارہا تھا کہ اس پر مالک کا قبضہ ہے' مالک کا قبضہ بہرحال وجہ ترجیح بن سکتا ہے لیکن کیونکہ اس مال میں کچھ حصہ یقینی طور پر حرام بھی ہے اس لئے مشکوک میں حلت کی وجہ ترجیح ضعیف ہوگئی ہے۔ یہ بھی کہہ اس کے نہیں کہ حرمت اصل ہے۔ بہرحال کوئی ایسی چیز نہ رکھنی چاہیے جس کے متعلق حلّت کا احتمال غالب نہ ہو' پیش نظر مسئلے میں ظن غالب حرام کے اختلاط کا یقین ہوجانے کے بعد ضعیف ہوگیا ہے' اور کوئی ایسی وجہ ترجیح

باقی نہیں رہ گئی جس سے یہ مال حلال قرار دیا جاسکے۔ اس لئے احتیاط ہی بہتر ہے۔

ایک اشکال کا جواب:۔ یہاں یہ اعتراض کیا جاسکتا ہے کہ یقین پر عمل کرنے کے باوجود یہ بات یقین سے نہیں کہی جاسکتی کہ جو مال وہ نکال رہا ہے حرام ہے' اور جو اس کے پاس باقی رہ گیا ہے حلال ہے۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ حرام اس کے پاس رہ گیا ہو اور حلال نکل گیا ہو' اس صورت میں اس کا اقدام درست نہیں ہوا۔ اور اگر یہ اقدام درست قرار دیا جائے تو ذبح شدہ جانوروں میں ایک مردہ جانور مل جانے کی صورت پر بھی نظر ثانی کی ضرورت پیش آئے گی' اور مبتلا بہ کو اجازت دی جائے گی کہ وہ اپنے اجتہاد کو مدد سے کوئی ایک جانور علیحدہ کردے' اور نو جانور علیحدہ کردئے جائیں' اور ایک باقی بچے تب بھی اس جانور کی حرمت کا احتمال باقی رہے گا۔ جب جانوروں کے اختلاط کا حکم یہ ہے تو مال کے اختلاط کی صورت میں توسع کی گنجائش کیوں ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ مال اور مردار جانور کو ایک دوسرے پر قیاس نہیں کیا جاسکتا یہ اعتراض اس وقت درست ہوتا کہ مال اور مردہ جانور کی حالت یکساں ہوتی مال عوض نکالنے سے حلال ہوجاتا ہے' کیونکہ معاوضہ مال پر جاری ہوتا ہے' جب کہ مردہ جانور میں عوض کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اسی فرق کی بنا پر دونوں کا حکم بھی الگ الگ ہے۔

اس اعتراض کا قلع قمع کرنے کے لئے ہم فرض کرتے ہیں کہ ایک شخص کے پاس دو درہم ہیں ان میں سے ایک درہم حرام ہے' اور دوسرا جائز ہے لیکن یہ معلوم نہیں کہ کون سا درہم حلال ہے' اور کون سا درہم حرام ہے امام احمد ابن حنبلؒ سے اسی قسم کا ایک سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ دونوں میں سے کوئی درہم اپنے پاس نہ رکھے' ہاں اگر تعیین ہوجائے تو ایک درہم رکھنا جائز ہے۔ امام احمدؒ نے کسی شخص کے پاس ایک برتن رہن رکھا تھا جب قرض ادا کرنے لگے تو مرتہن آپ کے پاس دو برتن لے کر آیا' اور کہنے لگا کہ مجھے نہیں معلوم ان دونوں میں سے کون سا برتن آپ کا ہے۔ آپ دونوں برتن چھوڑ کر کھڑے ہوگئے' مُرتہن نے کہا کہ حضرت! یہ آپ کا برتن ہے' میں تو آپ کے ورع و احتیاط کا امتحان لے رہا تھا۔ آپ نے اس کا قرض ادا کردیا' اور برتن واپس نہ لیا۔ یہ آپ کا ورع تھا۔ شرعی طور پر ایسا کرنا واجب نہیں ہے۔ فرض کیجئے کہ قابض نے ان دو درہموں میں سے ایک درہم کسی ایسے شخص کو دے دیا جو اس کا معین مالک تھا۔ اور وہ حقیقت حال سے واقف ہونے کے بعد رضامند بھی ہوگیا تو دوسرا درہم بلاشبہ قابض کے لیے حلال ہے۔ اس لئے کہ یہاں دو صورتیں ہیں یا تو یہ کہ قابض نے جو درہم واپس کیا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے علم کے مطابق اسی شخص کا ہے' یا حقیقت میں اس کا نہیں ہے' محض اندازے سے اسے یہ درہم دیا گیا ہے۔ پہلی صورت مقصد کے عین مطابق ہے' دوسری صورت میں ان دونوں اشخاص قابض اور مالک کو ایک دوسرے کا درہم مل گیا ہے احتیاط کا تقاضا یہ ہے کہ وہ ایک دوسرے سے بیع کرلیں' اگر انھوں نے بیع نہیں کی' تب بھی لین دین کے ذریعہ ایک دوسرے کے درہموں میں تبادلہ ہوجائے گا' اور ایک کا حق دوسرے کے حق سے منہا ہوجائے گا۔ یہ ایسا ہوا جیسے کسی غاصب کے پاس مالک کا درہم ضائع ہوجائے' اور اس کا بعینہ ملنا دشوار ہو تو مالک تاوان کا مستحق ہوجاتا ہے' اور اس صورت میں غاصب کی طرف سے مالک کو جو درہم ملے گا وہ اس کے درہم کا تاوان ہوگا۔ بعض لوگوں کی رائے میں یہ صورت مالک کے حق میں مفید ہے' غاصب کے حق میں مفید نہیں ہے' اس لئے کہ مالک تو محض قبضہ کرنے سے مال کا مالک ہوگیا' قابض اس درہم کا مالک نہیں ہوسکا جس کا اس نے ضمان دیا ہے اور جو اس کے پاس موجود ہے۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ اگر اس نے مالک کو اپنا درہم دیا ہے تو اس کا بھی ایک درہم ضائع ہوگیا' یہ درہم بھی بعینہٖ نہیں مل سکتا' اس لئے جو درہم اس کے پاس رہا وہ خدا کے علم کے مطابق کھوئے ہوئے درہم کا عوض ہے۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے دو آدمی ایک دوسرے کا درہم ضائع کردیں دریا میں ڈال دیں یا جلا دیں تو یہ تبادلہ کی صورت ہوگی کسی پر بھی تاوان نہیں ہوگا۔ کیونکہ اس صورت میں ایک دوسرے پر کسی کا کوئی حق باقی نہیں رہتا صورت مفروضہ بھی اسی صورت کے مشابہ ہے اگرچہ اس میں اتلاف نہیں ہے۔ اس حکم کا قائل ہونا اس سے بہتر ہے کہ یہ کہا جائے کہ اگر کوئی شخص ایک حرام درہم لے کر کسی دوسرے کے دس لاکھ

دراہم میں ملادے تو اس دوسرے شخص کے لیے اپنے مال میں تصرف کرنا صحیح ہوگا۔ غور کیجئے کہ اس مذہب میں کتنا بعد ہے۔ ہم نے جو مسئلہ بیان کیا ہے اس میں صرف بیع کا لفظ ترک کردیا ہے۔ اور وہ بھی محض اس لئے کہ لین دین بھی بیع ہی کی صورت ہے۔ جو لوگ لین دین کی بیع سے انکار کرتے ہیں وہ محض ان مواقع پر کرتے ہیں جن میں احتمال ہوتا ہے۔ کیونکہ جس جگہ تلفظ ہوسکتا ہے وہاں فعل کی دلالت ضعیف ہوتی ہے' صورتِ مفروضہ میں اپنا درہم لینا اور دوسرے شخص کا درہم دینا قطعی طور پر مبادلہ کے لئے ہے۔ یہاں اصطلاحی بیع نہیں ہوسکتی' کیونکہ مبیع نہ تو مشار الیہ ہے اور نہ بعینہ معلوم ہے۔ اس کے علاوہ بعض صورتیں ایسی بھی ہیں جو بیع کو قبول نہیں کرتیں' مثلاً کوئی شخص ایک رِطل آٹا دوسرے کے ہزار رِطل آٹے میں ملادے' اسی طرح چھوارے یا انگور کی معمولی مقدار کسی کی غیر معمولی مقدار میں خلط ملط کردے۔

یہ صورت بیع ہے یا عوض:۔ یہاں یہ سوال کیا جاسکتا ہے کہ آپ نے ابھی یہ کہا ہے کہ اگر کوئی شخص اپنے حق کے مطابق لے لے تو یہ بیع ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ہم نے اس صورت پر بیع کا اطلاق نہیں کیا' بلکہ ہم یہ کہتے ہیں کہ وہ چیز اس چیز کا عوض ہے جو دوسرے شخص کے پاس سے ضائع ہوگئی تھی جیسے کسی شخص کی کھجور کسی دوسرے شخص نے تلف کردی اور تلف شدہ کھجوروں کے بقدر اپنے مال میں سے دے دی تو وہ اس مقدار کا مالک ہوجائے گا۔ یہ اس صورت میں ہے جب کہ مالک مال بھی اس تبادلے سے متفق ہو' اگر وہ اتفاق نہ کرے اور یہ کہے کہ میں تو صرف اپنی ہی چیز لوں گا' اس کے علاوہ کوئی چیز قبول نہیں کروں گا' اور اگر وہ تمہارے مال میں مخلوط ہوگیا ہے تو میں نہ اپنا حق چھوڑتا ہوں' نہ تمہیں معاف کرتا ہوں' بلکہ تم پر تمہارا مال بیکار کئے دیتا ہوں۔ اس صورت میں قاضی کو چاہیے کہ وہ غاصب سے مغصوبہ چیز کا عوض لینے میں مالک کی نیابت کرے تاکہ غاصب کے لئے اس کا مال حلال ہوجائے۔ اس لئے کہ مالک کا یہ عمل محض اس کی سرکشی اور ہٹ دھرمی کی علامت ہے' اس سے تنگی پیدا ہوتی ہے جس کی شریعت میں کوئی گنجائش نہیں ہے۔ اگر قاضی نیابت پر راضی نہ ہو یا وہ نہ ملے تو غاصب کو چاہیے کہ وہ کسی متدین شخص کو مالک کا قائم مقام قرار دے کر مغصوبہ چیز کا عوض اس کے قبضے میں دے دے۔ اگر ایسا شخص بھی نہ ملے تو وہ شخص خود حقدار کا حق اپنے مال میں سے اس نیت سے الگ کردے کہ میں اس شخص کو دے دوں گا۔ اس صورت میں حقدار کا حق متعین ہوجائے گا' اور باقی مال صاحب مال کے لئے حلال ہوجائے گا۔

کیا حقدار کا حق متعین کرنا ضروری ہے؟:۔ آپ یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ اس تقریر کے مطابق تو یہ بھی ہوسکتا ہے کہ غاصب کے ذمے حقدار کا حق ادھار ہوجائے اس صورت میں مال کی مطلوبہ مقدار الگ کرکے اس کا حق متعین کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ اس کے لئے الگ کرنے سے پہلے ہی تصرف کرنا جائز ہونا چاہیے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ بعض لوگوں نے مقدار حرام کی موجودگی کے باوجود اس مال میں سے لینے کی اجازت دی ہے لیکن کل مال لینے کی اجازت نہیں دی' بلکہ اس مقدار کے لینے سے منع کیا ہے جو حرام ہے' اگر اس نے تمام مال لیا' یا اس میں تصرف کیا تو جائز نہ ہوگا۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ جب تک حرام مال ادا کرنے کی نیت سے یا توبہ سے الگ نہ کردیا جائے اس وقت تک نہ کل لینا جائز ہے اور نہ بعض۔ بعض دوسرے لوگ یہ کہتے ہیں کہ لینے والے کے لئے لینا اور تصرف کرنا جائز ہے' مگر دینے والے کو دینا نہ چاہیے' اگر اس نے دیا تو گنہگار ہوگا۔ لینے والے پر کوئی گناہ نہ ہوگا کسی شخص نے بھی تمام مال لینے کی اجازت نہیں دی ہے۔ اور یہ اس لئے کہ اگر مالک ظاہر ہوا تو اسے تمام مال میں سے اپنا حق لینے کا حق حاصل ہوگا۔ اور وہ یہ کہہ سکے گا کہ شاید جو کچھ میں لوں وہی میرا حق ہو۔ لیکن اگر قابض نے حرام مقدار متعین کردی اور غیر کا حق نکال کر علیحدہ کردیا تو اس طرح کے احتمال کی گنجائش ختم ہوجائے گی' بہرحال اس احتمال کی بنا پر اس مال کو دوسرے مال پر ترجیح دی جائے گی۔ جو چیز اقرب الی الحق ہوتی ہے اسے مقدم کیا جاتا ہے۔ جیسے مِثل کو قیمت پر مقدم کرتے ہیں' اور عین کو مِثل پر' اسی طرح جس چیز میں رجوع بالمثل کا احتمال ہو وہ اس پر مقدم ہوگی جس میں رجوع بالمثل کا احتمال ہو۔

اگر قابض کے لئے یہ بات جائز قرار دے دی جائے کہ وہ حقدار کا حق الگ کئے بغیر تمام مال خرچ کرڈالے' اور اس کا حق اپنے

ذمہ ادھار کرلے تو پھر دوسرے درہم والے کے لئے بھی جائز ہونا چاہیے کہ وہ دونوں درہم لے کر تصرف کرلے' اور قابض سے یہ کہے کہ میں تیرا حق دوسرے مال سے ادا کروں گا۔ کیونکہ دونوں کے مال مختلط ہیں' قابض ہی کے لئے ترجیح کیوں ہو' اور اسے ہی دوسرے پر کیوں مقدم کیا جائے؟ معاوضہ کی یہ صورت مثلی چیزوں میں زیادہ واضح ہے' اس لئے کہ مثلی چیزیں اتلاف کی صورت میں عقد کے بغیر بھی عوض ہو جاتی ہیں لیکن اگر کوئی مکان چند مکانوں میں' اور ایک غلام دوسرے غلاموں میں مشتبہ ہو جائے تو صلح اور باہمی رضامندی کے علاوہ کوئی دوسرا راستہ نہیں ہے' اب اگر صاحبِ حق اپنے حق کا عوض لینے سے انکار کرے اور یہ کہے کہ میں صرف اپنا ہی حق لوں گا اور قابض کے لئے اس کا عین حق واپس کرنا ممکن نہ ہو' اور حقدار یہ چاہے کہ وہ قابض پر اس کی تمام ملک کا استعمال ناجائز بنا دے تو قاضی کو مداخلت کرنی چاہیے۔ اگر یہ تمام مکانات ایک دوسرے کے مثل ہوں تو تصفیہ کا طریقہ یہ ہے کہ قاضی تمام مکانات فروخت کردے اور بقدرِ حصہ مالکین کو فروخت شدہ مکانوں کی قیمت دے دے۔ لیکن اگر مکانات قیمت میں مختلف ہوں تو قاضی کو چاہیے کہ وہ اس شخص سے جو بیع چاہتا ہو عمدہ گھر کی قیمت لے کر بیع نہ چاہنے والے کو ادنیٰ قیمت دے دے۔ اور باقی قیمت میں اس وقت تک توقف کرے جب تک دونوں میں سے کوئی ثبوت کے ساتھ اپنا دعویٰ پیش نہ کردے یا دونوں صلح نہ کرلیں۔ اور اگر قاضی نہ ملے تو خود قابض یہ ذمہ داری اپنے سر لے' کیونکہ اس کے حق میں بہتر یہی ہے۔ اس کے علاوہ جتنے احتمالات ہیں سب ضعیف ہیں۔ ہم انھیں پسند نہیں کرتے گذشتہ سطور میں ہم اس کی وجہ بھی بیان کرچکے ہیں۔ اب ہم کچھ مسائل بیان کرتے ہیں جن سے اس اصل کی تکمیل میں مدد ملے گی۔

مورث کی غصب شدہ زمین :۔ ایک شخص کچھ دوسرے لوگوں کے ساتھ مل کر کسی مُورث کا وارث بنا بادشاہ نے اس مورث کی کچھ زمین پر قبضہ کرلیا تھا۔ اب مورث کی وفات کے بعد وہ اس کے وارث کو مغصوبہ زمین واپس کرنا چاہتا ہے۔ اس صورت میں مذکورہ وارث تنہا اس قطعہ زمین کا وارث نہیں ہوگا' بلکہ وہ زمین تمام ورثاء میں ان کے حصوں کے مطابق تقسیم ہوگی' یہی صورت اس وقت ہے جب بادشاہ تمام زمین واپس نہ کرے' بلکہ نصف زمین لوٹائے۔ اس نصف میں بھی دوسرے وارث اپنے حصوں کے مطابق شریک رہیں گے۔ کیونکہ وارث مذکورہ کا نصف علیحدہ نہیں تھا کہ یہ کہا جائے کہ اس کا نصف واپس مل گیا' بلکہ وہ مشترک زمین تھی۔ اس سلسلے میں بادشاہ کے قصد و نیت کا بھی کوئی اعتبار نہ ہوگا۔ یعنی اگر بادشاہ کی نیت زمین کی واپسی سے یہ ہو کہ مذکورہ وارث تنہا اس زمین کا وارث بنے تب بھی دوسرے ورثاء کا حق ساقط نہیں ہوگا۔

مغصوبہ چیز کا کرایہ :۔ اگر کسی شخص کے پاس ظالم بادشاہ سے لیا ہوا مال مثلاً" زمین ہو' اور اس نے مذکورہ زمین کی پیداوار (گیہوں وغیرہ) کھائی ہو' اب وہ اصل مالک کو یہ زمین واپس کرکے توبہ کرنا چاہتا ہو تو اسے چاہیے کہ اس مدت کا کرایہ ادا کرے جس میں وہ زمین اس کے پاس رہی ہو' کرایہ کی تعیین و تخمین کے لئے آس پاس کی زمینوں کے کرایہ پر نظر ڈالے' ایسی تمام مغصوبہ چیزوں کا بھی جن سے کوئی نفع ہوتا ہو یہی حکم ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جب تک مغصوبہ چیز سے حاصل ہونے والا نفع' یا مغصوبہ چیز میں ہونے والی زیادتی علیحدہ نہ کردے گا توبہ صحیح نہیں ہوگی۔ غلاموں' کپڑوں اور برتنوں وغیرہ کے کرائے کی تعیین میں بھی تخمین اور اجتہاد سے کام لینا چاہیے' کیونکہ ان چیزوں میں کرایہ لینا دینا مروّج نہیں ہے ایسی تمام چیزوں کی اجرت اجتہاد و تخمین ہی سے ممکن ہے تاہم ورع اور احتیاط کا تقاضا یہ ہے کہ اجرت زیادہ سے زیادہ لگائی جائے۔ اگر کسی شخص نے کچھ چیزیں ادھار خریدیں' پھر ان کی قیمت مغصوبہ مال میں سے ادا کی تو وہ چیزیں قابض کی ملکیت ہوں گی' لیکن اگر وہ مال جس سے قیمت ادا کی گئی حرام تھا تو ان میں شبہ ہوگا۔ اور اگر وہ چیزیں مال مغصوب دے کر خریدی گئیں تھیں تو وہ تمام معاملات فاسد ہوں گے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ اگر مغصوب منہ (یعنی جس کا مال غصب کیا گیا تھا) اجازت دے دے تو معاملات نافذ ہو جائیں گے' اور مغصوب منہ مالک قرار پائے گا۔ قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ یہ معاملات منسوخ ہوں' ثمن واپس لیا جائے اور جس کی جو چیز ہو اسے واپس کی جائے۔

اور اگر معاملات اتنے زیادہ تھے کہ ان کا فسخ کرنا مشکل ہو تو جتنا مال غاصب کے قبضے میں ہے سب حرام ہے' مغصوب منہ کو اس کے اصل مال کا عوض مل جائے گا' باقی مال نہ غاصب کے لئے جائز ہوگا اور نہ مغصوب منہ کے لیے' بلکہ اس کا نکالنا واجب ہوگا' اور بلا نیت ثواب صدقہ کردیا جائے گا۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ اس کا حکم بھی وہی ہے جو دوسرے حرام اموال کا ہے۔

مال وراثت کی حلّت و حرمت:۔ کسی شخص کو وراثت میں کچھ مال ملا' مگر وہ یہ نہیں جانتا کہ اس کے مورث نے یہ مال جائز طریقے سے حاصل کیا تھا یا ناجائز ذرائع سے۔ اس مال میں کوئی ایسی علامت بھی موجود نہیں ہے جو اس کی حلت یا حرمت پر دلالت کرے' اس سلسلے میں تمام علماء مذکورہ مال وراثت کے جواز پر متفق ہیں۔ لیکن اگر وارث کو یہ معلوم ہو کہ اس مال میں حرام مال کی آمیزش بھی ہے اور یہ نہ جانتا ہو کہ اس حرام مال کی مقدار کیا ہے تو ظن و تخمین سے کام لے' اور حرام مال نکال دے۔ تیسری صورت یہ ہے کہ وارث نہیں جانتا کہ اس مال میں حرام مال بھی مخلوط ہے' لیکن وہ یہ جانتا ہے کہ اس کا مورث بادشاہ اور حکام کے یہاں آمد و رفت رکھتا تھا' یا ان کا ملازم تھا' یہ ممکن ہے کہ اس نے اپنے عمل کے سلسلے میں ان لوگوں سے کچھ لیا ہو ساتھ ہی یہ خیال بھی ہے کہ طویل عرصہ گذرنے کی وجہ سے وہ مال اب باقی نہیں بچا ہے یہ شبہ کی صورت ہے اس میں ورع بہتر ہے' واجب نہیں ہے۔ اور اگر وارث یہ جانتا ہو کہ اس کے مورث کو کچھ مال ظلم کے ذریعے ملا تھا تو وارث کے لئے ضروری ہوگا کہ وہ اجتہاد کی مدد سے مذکورہ حرام مال اپنے مال سے خارج کردے' بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ وارث پر ایسا کرنا واجب نہیں ہے' نہ اس پر کسی طرح کا کوئی گناہ ہے' گناہ صرف مورث پر ہے۔ ان کی دلیل یہ روایت ہے کہ ایک بادشاہ کے طبیب کا انتقال ہوا تو کسی صحابی نے فرمایا کہ اس طبیب کا مال اب اس کے ورثاء کے حق میں عمدہ ہے۔ یہ روایت ضعیف ہے' صحابی کا نام بھی روایت میں مذکور نہیں ہے۔ پھر یہ بھی ممکن ہے کہ یہ کسی تساہل پسند صحابی کا قول ہو' صحابہ میں بعض لوگ ایسے بھی تھے جو تساہل سے کام لیتے تھے صحبتِ رسول کی عظمت کی بناء پر ہم اس طرح کے امور قلم پر نہیں لاتے۔ (۱) غور کیجئے جب مال یقینی طور پر حرام ہے تو وہ قابض کی موت سے جائز کیسے ہوجائے گا؟ کہیں موت سے ماخذ بھی تبدیل ہوجاتا ہے؟ ہاں اگر وارث کو حرمت و حلت کا علم نہ ہو تو یہ کہہ سکتے ہیں کہ جس بات کا وارث کو علم نہیں ہے وہ اس کے مؤاخذے سے بری ہے۔

حرام مال صرف کرنے کا طریقہ

اگر کوئی شخص اپنے مال میں سے حرام مال علیحدہ کرے تو اس کی تین حالتیں ہیں یا تو اس مال کا کوئی متعین مالک ہوگا اس صورت میں یہ ضروری ہے کہ مال اس مالک کے حوالہ کیا جائے' اگر فوت ہوگیا ہو تو اس کے ورثاء کو دے دیا جائے' غائب ہونے کی صورت میں اس کی واپسی کا انتظار کیا جائے' یا وہاں مال پہنچا دیا جائے گا جہاں وہ مقیم ہے۔ اور اگر وہ مال نامی ہو یعنی اس میں منفعت کی وجہ سے زیادتی ہوتی رہی ہو تو وہ تمام نفع اس کی آمد تک جمع رکھا جائے گا۔ غیر معین مالک کی صورت میں یہ کوشش کی جائے گی کہ مالک کا پتا چل جائے۔ اگر اس کوشش میں ناکامی ہو اور یہ بھی معلوم نہ ہو کہ اس مال کا کوئی وارث موجود ہے یا نہیں تو اس مال میں توقف کیا جائے گا' اور جب تک مالک یا وارث کا پتہ نہ چل جائے اس وقت تک ان کے حق کی حفاظت کی جائے گی۔ بعض اوقات مالکین کی کثرت کی بنا پر یہ ممکن نہیں ہوتا کہ انھیں ان کا حق واپس کیا جاسکے مثلاً "کسی شخص نے مالِ غنیمت میں خیانت کی' ظاہر ہے کہ مال غنیمت میں تمام غازیوں کا حق ہے جنگ اور تقسیم غنائم کے بعد متفرق ہوجاتے ہیں بعد میں انھیں اکٹھا کرنا دشوار ہوجاتا ہے۔ اور اگر کسی طرح انھیں جمع کرنے میں کامیابی حاصل ہو بھی گئی تو یہ کیسے ممکن ہے کہ خیانت کے ذریعہ حاصل کیا ہوا ایک دینار۔ مثلاً" ایک ہزار یا دو ہزار مستحقین پر تقسیم کیا جاسکے۔ اس طرح کا مال اگر کسی شخص کے پاس ہو تو اسے صدقہ کردینا چاہیے یہ دوسری صورت کی تفصیل تھی۔ تیسری صورت یہ ہے کہ وہ مال فئی یا بیت المال کا ہو۔ یہ مال تمام مسلمانوں کے فائدے اور عام

---

(۱) یہ جملے بھی صحابی کی عظمت کے منافی ہیں' اور اس حدیث کے خلاف ہیں جس میں فرمایا گیا ہے "اصحابی کلھم کالنجوم بایھم اقتدیتم اھتدیتم" امام غزالیؒ کے لئے محض اتنا لکھ دینا کافی تھا کہ روایت میں صحابی کا نام مذکور نہیں ہے' اس لئے ہم اس روایت کو تسلیم نہیں کرتے (مترجم)

مصلحت کے لئے ہوتا ہے اگر کسی شخص کے پاس اس طرح کا مال ہو تو اسے پُلوں' مسجدوں' اور سرایوں اور مکہ معظمہ وغیرہ کے راستوں پر سبیلوں اور رباطوں کی تعمیر پر خرچ کردینا چاہیے' تاکہ زیادہ سے زیادہ مسلمان اس سے فائدہ اٹھاسکیں۔

پہلی صورت کے حکم میں کوئی شبہ نہیں ہے جہاں تک دوسری اور تیسری صورت یعنی صدقہ کرنے اور پُلوں کی تعمیرو مرمت کا تعلق ہے' مناسب یہ ہے کہ قاضی اس کام کا کفیل ہو' قابض قاضی کو مال دے دے بشرطیکہ وہ دیانت دار ہو' اور اگر قاضی حرام مال کو حلال سمجھنے کا عادی ہو تو ایسے شخص کو مال دینا جائز نہیں ہے اگر دے دیا تو دینے والے پر مال ضائع کرنے کا تاوان لازم آئے گا۔ ان حالات میں شہر کے کسی متدیّن عالم کو یہ ذمہ داری سونپ دے یا قاضی کے ساتھ ایک عالم کو لگادے کہ ایک سے دو بہتر ہیں۔ اگر یہ دونوں صورتیں بھی ممکن نہ ہوں تو خود ہی یہ ذمہ داری ادا کرے' کیونکہ مقصد تو صرف کرنا ہے' قاضی یا عالم کی ضرورت اس لئے پیش آئی کہ عام مصالح کی باریکیوں سے ہر شخص واقف نہیں ہوتا۔ اس لئے اگر صارف (صرف کرنے والا) نہ ملے تو اصل صرف کو (جو مقصود بھی ہے) ترک نہ کرنا چاہیے۔

صدقہ کرنے پر اشکال:۔ ہم نے دوسری صورت میں صدقہ کا حکم دیا ہے' یہاں یہ سوال کیا جاسکتا ہے کہ حرام مال صدقہ کرنے کے جواز کی دلیل کیا ہے؟ پھر یہاں متصدق اس مال کا مالک بھی نہیں جسے وہ صدقہ کررہا ہے؟ اس صورت میں اس کے لئے کیسے جائز ہے کہ دوسرے شخص کا مال فقراء اور مساکین کو دے دے۔ بعض علماء کے مسلک سے بھی اس اعتراض کو تقویّت ملتی ہے' ان کے نزدیک حرام مال سے صدقہ کرنا جائز نہیں ہے۔ چنانچہ فضیل ابن عیاضؒ سے منقول ہے کہ انھیں کہیں سے دو درہم ملے' کسی کے بتلانے پر یہ معلوم ہوا کہ یہ دو درہم حرام ہیں تو انھیں صدقہ کرنے کے بجائے پتھروں میں پھینک دیا' فرمایا کہ مجھے یہ اچھا نہیں لگتا کہ پاک وطیب مال کے علاوہ کوئی چیز صدقہ میں دوں' اور نہ میں یہ چاہتا کہ جو چیز مجھے پسند نہ ہو اسے دوسروں کے لئے پسند کروں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ ہم نے بلاوجہ صدقہ کا حکم نہیں دیا ہے' بلکہ ہمارے اس قول کی تائید حدیث سے بھی ہوتی ہے' اثر اور قیاس سے بھی۔

حدیث یہ ہے کہ ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بُھنی ہوئی بکری کا گوشت پیش ہوا' بکری کو قوّتِ گویائی عطا ہوئی اور اس نے بتلایا کہ میں حرام ہوں' آپ نے فرمایا کہ یہ گوشت قیدیوں کو کھلادو۔ (احمد ابن حنبل) قرآن پاک میں ہے:۔

الٓمٓ غُلِبَتِ الرُّومُ فِىٓ اَدْنَى الْاَرْضِ وَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ غَلَبِهِمْ سَيَغْلِبُوْنَ (پ۲۱ ر۴ آیت ۱۔۲)

الم۔ اہل روم ایک قریب کے موقع میں مغلوب ہوگئے اور وہ اپنے مغلوب ہونے کے بعد عنقریب غالب آجائیں گے۔

روایات میں ہے کہ جب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی تو کفار نے آپ کی تکذیب کی' اور صحابہ سے کہا کہ دیکھو! تمہارے نبی کس طرح کے بلند بانگ دعوے کررہے ہیں' کیا یہ ممکن ہے کہ تم لوگ روم کی عظیم سلطنت پر غالب آجاؤ' حضرت ابوبکرؓ نے اس دعویٰ کی تصدیق کی' اور کفار سے شرط لگالی' جب قرآن کریم کی پیشین گوئی صحیح ثابت ہوئی تو کفار و مشرکین کا سر شرم سے جھک گیا' حضرت ابوبکر اپنی شرط جیت گئے' اس سلسلے میں جو مال آپ کو ملاوہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے کر حاضر ہوئے۔ آپ نے فرمایا کہ یہ مال حرام ہے' ابوبکرؓ نے تمام مال خیرات کردیا۔ فتح و نصرت کے ان واقعات سے مسلمانوں میں خوشی کی ایک لہر دوڑ گئی۔ حضرت ابوبکرؓ نے کفار سے جو شرط لگائی تھی اس کے لئے آپ نے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت حاصل کی تھی' یہ واقعہ قمار کی حرمت کے نزول سے پہلے کا ہے۔ بعد میں قمار کی حرمت نازل ہوئی تو آپ نے شرط میں جیتا ہوا مال استعمال کرنے سے منع فرمادیا۔ (۱)

اس سلسلے میں آثار یہ ہیں کہ حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ نے ایک باندی خریدی' اور مشتری کو قیمت بعد میں دینے کا وعدہ کیا۔

(۱) بیہقی دلائل النبوۃ۔ ابن عباسؓ۔ مگر اس میں ماذن رسول کا ذکر نہیں ہے۔ ترمذی اور حاکم میں بھی یہ روایت ہے' مگر اس میں یہ الفاظ نہیں ہیں " هذا سحت فتصدق به "

لیکن دوبارہ اس کا مالک نہ مل سکا کہ قیمت ادا کردیتے' بہت دوڑ دھوپ کی' کافی تلاش کیا' کامیابی نہیں ہوئی' بالآخر آپ نے قیمت خیرات کردی اور یہ دعا کی کہ "اے اللہ! یہ مال میں اس کے مالک کی طرف سے دے رہا ہوں' اگر وہ راضی ہو تو خیر' ورنہ اس کا ثواب مجھے ملے۔" حضرت حسن بصریؒ سے کسی شخص نے دریافت کیا کہ ایک شخص نے مال غنیمت میں خیانت کی' اور جب لشکر منتشر ہوگیا تو اسے اپنے فعل پر ندامت کا احساس ہوا اور توبہ کا خیال آیا' اب وہ شخص کیا کرے؟ فرمایا کہ اسے وہ مال خیرات کردینا چاہیے۔ ایک شخص کے دل میں بدی کا خیال آیا تو اس نے مال غنیمت میں سے سو دینار چرالئے' بعد میں ندامت ہوئی بہرحال امیر لشکر کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ مجھ سے ایک زبردست جرم سرزد ہوگیا ہے' براہ کرم یہ سو دینار واپس لے لیجئے' امیر لشکر نے یہ کہہ کر دینار لینے سے انکار کردیا کہ اب تمام سپاہی اپنے اپنے وطن جاچکے ہیں' اب انھیں جمع کرنا' یا ہر شخص کو اس کے حصہ کے بقدر اس کی اقامت گاہ تک پہنچانا بہت زیادہ دشوار ہے' وہ شخص امیر معاویہؓ کی خدمت میں حاضر ہوا' اور یہی درخواست کی' انھوں نے بھی نفی میں جواب دیا' مایوس ہوکر وہ شخص ایک زاہد کے پاس آیا' اور اپنی پریشانی کا حل دریافت کیا' فرمایا کہ اس مال کا پانچواں حصہ امیر معاویہ کے حوالے کردو اور باقی مال خیرات کردو' جب حضرت معاویہ کو اس فیصلے کا علم ہوا تو بہت افسوس کیا کہ ہمیں پہلے سے اس کا خیال نہ آیا۔ احمد ابن حنبلؒ' حارث محاسبیؒ اور بعض دوسرے اہلِ ورع کا مذہب یہی ہے۔

اس سلسلے میں قیاس یہ ہے کہ مذکورہ مال کے ساتھ دو میں سے ایک معاملہ ضرور کیا جانا چاہیے' یا تو اسے سمندر میں غرق کرکے' یا جلا کر ضائع کردیا جائے' یا کسی اچھے مَصرف میں خرچ کردیا جائے۔ اگرچہ مالک کے ملنے کی طرف سے مایوسی پیدا ہوچکی ہے' لیکن اس کا امکان بہرحال موجود ہے کہ کسی وقت مالک مل سکتا ہے' اس لئے سمندر میں ڈال کر ضائع کرنے کی بہ نسبت بہتر یہ ہے کہ اسے کسی کارِ خیر میں خرچ کردیا جائے' ضائع کرنے سے ہم خود بھی اس مال سے محروم ہوجاتے ہیں' اور مالک کو بھی محروم کردیتے ہیں' اور کسی دوسرے کو بھی اس سے کوئی فائدہ نہیں پہنچ پاتا۔ کسی فقیر کو دینے میں مالک کے لئے بھی فائدہ ہے کہ فقیر اس کے حق میں دعائے خیر کرے گا' اور فقیر کا بھی فائدہ ہے کہ وہ اس مال سے اپنی ضرورتیں پوری کرے گا۔ رہا یہ سوال کہ کیا مالک کو اس کی نیت کے بغیر صدقے کا ثواب ملے گا؟ اس سلسلے میں ہم ذیل کی حدیث شریف سے استدلال کرسکتے ہیں ارشاد نبوی ہے:۔

ان للزارع والغارس اجرا فی کل مایصیبہ الناس والطیور من ثمار ہوزرعہ (۱)

کاشتکار اور درخت لگانے والے کو ان پھلوں اور پیداوار کی چیزوں میں ثواب ملتا ہے جو انسان یا پرندے کھا جاتے ہیں۔

سب جانتے ہیں کہ پرندے' بہائم' اور بسا اوقات انسان جو پھل وغیرہ ضائع کرتے ہیں وہ مالک کے اختیار سے ضائع نہیں کرتے' معلوم ہوا کہ غیر اختیاری طور پر گیا ہوا مال بھی صدقہ ہے' اور دیگر صدقات کی طرح اس کا بھی اجر و ثواب ہے۔ بعض لوگوں نے جو یہ کہا ہے کہ ہم پاک و طیب مال ہی خیرات کرنا پسند کرتے ہیں تو یہ اس وقت ہے جب ہم خیرات کریں' اور اپنے لئے اس کے اجر و ثواب کی امید رکھیں' پیشِ نظر صورت میں ہم ثواب کی امید کیا کرسکتے ہیں' پہلے تو ہمیں خود کو اس عذاب سے بچانا ہے خیانت اور حرام کے ارتکاب کی بنا پر جس کے ہم مستحق ہوچکے ہیں۔ ثواب کا مرحلہ تو بعد کا ہے۔ اسی طرح یہ قول بھی محلِ نظر ہے کہ ہم غیر کے لیے بھی وہی مال پسند کرتے ہیں جو اپنے لئے پسند کرتے ہیں' کیونکہ واقعتاً" یہ مال ہمارے لئے حرام ہے' ہم اس کے بھی محتاج نہیں' حلال مال موجود ہے اس کی ذریعہ ہم اپنی ضرورتیں پوری کرسکتے ہیں' فقیر کے لئے ضرورت اور احتیاج کی بنا پر یہ مال حلال ہے' شرعی دلیل نے یہ حرام مال اس کے حق میں حلال کردیا ہے۔ مصلحت حلت کو مقتضی ہے' اس صورت میں اگر ہم یہ مال فقیر کو دے دیں تو یہ کہنا صحیح نہ ہوگا کہ ہم نے فقیر کے حق میں وہ بات پسند کی ہے' جو اپنے حق میں پسند نہیں کی تھی' بلکہ یہ کہا جائے گا کہ ہم نے فقیر کے لئے حلال مال پسند کیا ہے۔ اس کے لئے جائز ہے کہ وہ اس مال کو اپنے نفس پر' اور اپنے عیال پر صدقہ کرے' اہل و

---

(۱) بخاری میں حضرت انسؓ کے الفاظ یہ ہیں "ما من مسلم یغرس غرسا اویزرع زرعافیاکل منہ انسان اوطیر او بھیمۃ الا کان لہ صدقۃ"

عیال پر صدقہ کا مطلب یہ ہے کہ وہ فقیر کے مالک مال بن جانے کی بنا پر خود مالدار نہیں ہوجاتے' بلکہ فقیر ہی رہتے ہیں' اور کیونکہ اہل و عیال دوسروں کی بہ نسبت زیادہ قریب ہیں' اور اس قربت کی بنا پر زیادہ استحقاق رکھتے ہیں اس لئے فقیر کو چاہیے کہ وہ ان پر صدقہ کرے' جہاں تک خود اس کا سوال ہے وہ بھی اپنی ضرورت اور احتیاج کی بنا پر حسبِ ضرورت اس مال میں سے لے سکتا ہے۔ اس مضمون کی تفصیل کے لئے بھی ہم چند مسائل الگ ذکر کرتے ہیں۔

بادشاہ کے مال کی واپسی:۔ اگر کسی شخص کو بادشاہ کے پاس سے کوئی مال ملے تو بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ وہ مال بادشاہ کو واپس کردینا چاہیے' کیونکہ وہ اس مال کے مَصرف سے زیادہ واقف ہے' بادشاہ کو مال لوٹا دینا اسے خیرات کرنے سے افضل ہے' محاسبیؒ نے یہی قول اختیار کیا ہے۔ فرماتے ہیں کہ وہ شخص یہ مال صدقہ کیسے کرسکے گا جب کہ وہ خود اس کا مالک نہیں ہے' اس کا اصل مالک موجود ہے' اگر اس مال کا صدقہ کرنا جائز ہے تو پھر یہ بھی جائز ہونا چاہیے کہ کوئی شخص بادشاہ کے یہاں چوری کرے اور خیرات کردے۔ بعض دوسرے لوگ یہ کہتے ہیں کہ اگر بادشاہ کے متعلق یہ معلوم ہو کہ وہ مال اس کے اصل مالک کو نہیں دے گا تو اسے کسی کارِ خیر میں لگادینا بہتر ہے۔ کیونکہ بادشاہ کو دینا اس کے ظلم پر اعانت اور ظلم کے اسباب کی تکثیر کے مترادف ہے۔ اور اس میں مالک کے حق کی اضاعت بھی ہے' اس لئے بادشاہ کو دینے کے بجائے مالک کی طرف سے کسی فقیر کو دے دے' تاکہ مالک اپنے مال سے محروم ہونے کے بعد فقراء کی دعاؤں سے محروم نہ رہے اور آخرت کا ثواب ضائع نہ جائے۔ یہ اس صورت میں ہے جب کہ مال کا کوئی متعین مالک موجود ہو۔ لیکن اگر اس کا کوئی متعین مالک نہ ہو' بلکہ وہ مال عام مسلمانوں کا ہو تب بھی بادشاہ کو واپس نہ کرنا چاہیے کہ اس میں بھی مال کی اضاعت ہے' بلکہ اسے عام مسلمانوں کی مصلحت میں خرچ کردینا چاہیے۔ اگر کسی شخص کو بادشاہ سے بطریق وراثت مال ملا ہو' یا اس مال کے حصول میں اس نے کسی تعدّی کا ارتکاب نہ کیا ہو تو اس کا حکم وہی ہے جو لقطے کا ہے۔ اگر اس کا مالک معلوم نہ ہو تو پانے والے کو حق حاصل ہے کہ وہ مالک کی طرف سے اس کو خیرات کردے۔ تاہم وہ مال دار ہونے کے باوجود اس کا مالک بھی بن سکتا ہے' اس لئے کہ اس نے وہ مال بطریق مباح حاصل کیا ہے صورت مفروضہ میں مال مباح طریقے سے حاصل نہیں ہوتا' اس لئے اس میں یہ حکم دیا جائے گا کہ وہ مال اس کی ملکیت سے خارج ہے' اسے صدقہ کردینا چاہیے۔

حاجت کی مقدار:۔ ہم نے لکھا ہے کہ اگر کسی شخص کو ایسا مال مل جائے جس کا کوئی مالک نہ ہو' تو اسے اجازت ہے کہ وہ اپنی مفلسی کے پیش نظر اس مال میں سے بقدر حاجت لے لے' قدر حاجت کیا ہے؟ کتاب الزکوٰۃ میں ہم نے اس موضوع پر تفصیل سے لکھا ہے' اس تفصیل کا حاصل یہ ہے کہ بعض لوگوں نے کہا ہے کہ اتنا لے لے جو اسے اور اس کے اہل و عیال کو سال بھر کے لئے کافی ہو' بلکہ بہتر یہ ہے کہ وہ اتنی رقم علیحدہ کرلے جس سے کاشت کے لئے کوئی زمین' یا تجارت کے لئے کوئی سامان خریدا جاسکے۔ اور وہ زمین یا تجارت اتنی ہو کہ اہل و عیال کے اخراجات کے لئے کفایت کرجائے محاسبیؒ اسی رائے کو ترجیح دیتے ہیں لیکن وہ یہ بھی فرماتے ہیں کہ تمام مال کا صدقہ کرنا زیادہ بہتر ہے بشرطیکہ مبتلا بہ توکل کرسکتا ہو' اور باری تعالیٰ کی نظرِ کرم کے سلسلے میں پُرامید ہو' لیکن توکّل کی قدرت نہ ہو تو اس کے لئے جائز ہے کہ وہ معاش کی لئے کوئی زمین خریدلے' یا تجارت شروع کردے' اگر کسی روز حلال رزق میسر آجائے تو اس مال میں سے نہ کھائے' جب حلال رزق ختم ہوجائے تب استعمال کرے۔ اور اگر خدا کے فضل و کرم سے حلال رزق کی مستقل توفیق میسر آجائے تو وہ مال حرام جس سے تجارت شروع کی تھی یا زمین خریدی تھی خیرات کردے' بلکہ اگر وسعت ہو تو اس وقت تک جتنا مال کھایا تھا وہ بھی فقراء کو دے دے' اس وقت نہ دے سکے تو اسے اپنے ذمے قرض سمجھے حرام مال کے علاوہ کچھ میسر نہ ہو تو معمول یہ رکھے کہ کھانا سادہ ہو' مثلاً" روٹی کھائے' گوشت نہ کھائے' اگر کبھی گوشت استعمال بھی کرے تو وسعت و آسائش کے طور پر نہیں بلکہ چٹنی کے طور پر کھائے۔

محاسبیؒ کی یہ رائے بہت عمدہ ہے' لیکن ان کا یہ مشورہ محلِ نظر ہے کہ حلال رزق میسر آنے سے پہلے پہلے جس قدر حرام رزق کھا چکا ہے اسے صدقہ کردے' صدقہ نہ کرسکے تو اپنے ذمہ قرض سمجھے۔ واقعتاً" ورع کا تقاضا یہی ہے کہ اسے قرض سمجھا جائے'

اور وسعت ہو تو قرض ادا کردیا جائے' لیکن اسے واجب کہنا صحیح نہیں ہے کیا فقیر کو خیرات دینے کا مطلب یہ ہے کہ وہ مال اس کے ذمہ قرض ہوگیا ہے اور وسعت حاصل ہونے کے بعد اس کے لئے قرض ادا کرنا واجب ہے۔ ہرگز نہیں۔ جب فقیر پر قرض واجب نہیں ہوتا تو اس بیچارے کا کیا قصور ہے جس نے اپنے افلاس اور فقر کے باعث کچھ لے لیا ہو' خاص طور پر اس صورت میں جب کہ اسے وہ مال وراثت میں ملا ہو' یا کسی ایسے ذریعے سے ملا ہو جس میں اس کی تعدی یا ظلم کا کوئی دخل نہ ہو۔

مال حرام میں سے خرچ کرنے کا مسئلہ:۔ اگر کسی عیالدار شخص کے پاس حرام و حلال مال مخلوط ہو' اور ضرورت سے زیادہ نہ ہو تو اسے چاہیے کہ خاص اپنی ذات پر حلال مال میں خرچ کرے' کیوں کہ انسان سے اس کے بچوں' غلاموں' اور گھر والوں کی نسبت خود اس کے نفس کے متعلق زیادہ بازپرس ہوگی' بالغ اولاد کو بھی حرام مال سے بچانے کی کوشش کرے' بشرطیکہ حرام سے بچنا ان کے لئے مضر ثابت نہ ہو' مثلاً" یہ کہ وہ چوری کرنے لگیں' یا ظلم و زیادتی سے مال حاصل کرنا شروع کردیں اگر اس کا اندیشہ ہو تو چھوٹے بچوں کی طرح انھیں بھی حرام مال میں سے بقدر حاجت کھلا سکتا ہے خلاصۂ کلام یہ ہے کہ جو چیز دوسروں کے حق میں ممنوع ہے وہ خود اس کے حق میں بھی ممنوع ہے بلکہ اس کے حق میں ایک بات زیادہ ہے اور وہ یہ ہے کہ مذکورہ شخص حرام کے علم کے باوجود کھاتا ہے جب کہ اہل و عیال کے لئے لاعلمی کا عذر بھی ہے' وہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ نہ ہمیں اس کا علم تھا اور نہ یہ بات ہمارے دائرۂ اختیار میں تھی اس لئے ہونا یہ چاہیے کہ حلال مال پہلے اپنی ذات پر خرچ کرے' اپنے اخراجات سے بچ جائے تو اہل و عیال پر خرچ کرے' پھر اپنی ذات کے اخراجات کے بارے میں بھی تفصیل ہے اخراجات میں صرف کھانا پینا ہی شامل نہیں ہے بلکہ اس کے علاوہ بھی انسانی زندگی کی دیگر ضروریات ہیں جن کے لئے مال کی ضرورت پیش آتی ہے مثلاً" حجام' رنگریز' دھوبی اور حمال کی اجرت' مکان کی تعمیر و مرمّت' جانوروں کے لئے گھاس دانے کے مصارف' تنّور گرم کرانے کی اجرت' لکڑی اور جلانے کے لئے تیل کی قیمت وغیرہ اگر کسی شخص کے سامنے یہ مختلف اخراجات ہوں اور حلال مال ان تمام خراجات کے لئے کافی نہ ہو تو اس صورت میں غذا اور لباس کے لیے حلال مال کی تخصیص کرنی چاہیے۔ اس لیے کہ غذا اور لباس بدن سے متعلق ہیں' دوسری چیزوں کے بغیر گذر ممکن ہے لیکن غذا اور لباس کے بغیر گذارہ ممکن نہیں ہے۔ اب اگر کوئی شخص یہ سوال کرے کہ غذا اور لباس میں کس چیز کو فوقیت دی جائے تو ہمارا جواب ہوگا کہ غذا کا معاملہ زیادہ اہم ہے اس لئے کہ غذا گوشت اور خون میں تبدیل ہوجاتی ہے' اور حدیث میں ہے کہ جو گوشت حرام غذا سے پرورش پائے دوزخ کی آگ اس کی زیادہ حقدار ہے۔ لباس کے فوائد سے بھی انکار نہیں کیا جاسکتا' اس سے سترڈھانپا جاتا ہے' گرمی اور سردی سے جسم کی حفاظت کی جاتی ہے' ان تمام فوائد کے باوجود لباس جزو بدن نہیں بنتا' اس لئے میرے نزدیک ظاہر تر یہی ہے کہ غذا کے لئے حلال کی تخصیص ہونی چاہیے۔ حارث محاسبی" فرماتے ہیں کہ لباس زیادہ اہم ہے اس لئے کہ لباس بدن پر ایک مدّت تک رہتا ہے غذا نجاست بن کر باہر آجاتی ہے۔ نیز حدیث شریف میں ہے:۔

لا تقبل صلوٰۃ من علیہ ثوب اشتراہ بعشرۃ دراھم وفیھا درھم حرام (احمد۔ ابن عمرؓ)
اس شخص کی نماز قبول نہیں کی جائے گی جس کے جسم پر ایسا کپڑا ہو جو اس نے دس درہم میں خریدا ہو اور ان میں ایک درہم حرام ہو۔

بہرحال یہ بھی ایک احتمال ہے' مگر اس طرح کی وعید اس شخص کے سلسلے میں بھی وارد ہے جس کے پیٹ میں حرام غذا ہو' (اس مضمون کی ایک حدیث گذر بھی چکی ہے) گوشت اور جسم کے دیگر اجزاء کے سلسلے میں یہ لحاظ رکھنا چاہیے کہ ان کا نشوونما حلال غذا سے ہو' اسی لئے حضرت ابوبکرؓ نے لاعلمی میں پیا ہوا دودھ بھی حلق میں انگلی ڈال کر نکال دیا تھا کہ یہ دودھ جسم میں رہا تو جزو بدن بنے گا' اور گوشت بن کر زندگی بھر کے لئے باقی رہ جائے گا۔

مصارف میں فرق کی دلیل:۔ بعض لوگ یہ کہہ سکتے ہیں کہ وہ شخص اپنی ذات پر خرچ کرے یا اہل و عیال پر' بہرصورت اسی

کے اغراض کی تکمیل ہوتی ہے' یہی حال مختلف مصارف کا ہے' مصرف کھانے کا ہو یا پینے کا' حجامت کا ہو' یا مکان کی تعمیر و مرمت کا۔ سب کا مقصد ایک ہی ہے' لیکن تم نے اپنی ذات' اور غیر کا فرق پیدا کیا۔ مصارف میں بھی اہم اور غیر اہم کی ترتیب قائم کی۔ آخر اس کی دلیل کیا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ہم نے حسب ذیل روایت سے استدلال کیا ہے کہ جب رافع ابن خدیج کا انتقال ہوا تو انھوں نے ترکے میں ایک کھیتی سینچنے والا اونٹ اور ایک پچھنے لگانے والا غلام چھوڑا' لوگوں نے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے غلام کی آمدنی کے متعلق دریافت کیا' آپ نے منع فرمایا' ایسا کئی بار ہوا' کسی شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا ابن خدیج کے یتیم بچے بھی اس آمدنی سے نہیں کھا سکتے؟ فرمایا کہ اس غلام کی آمدنی سے اونٹنی کا گھاس دانہ کردیا کرو۔ (۱) یہ حدیث اسی فرق پر دلالت کرتی ہے جس کی طرف ابھی ہم نے اشارہ کیا ہے' آپ نے خود کھانے سے منع فرمایا' اور جانور کو کھلانے کی اجازت دی ہے' اس کا مطلب یہ ہے کہ حرام مال خود کھانے اور جانور کو کھلانے میں فرق ہے۔ جب حدیث سے فرق کی روشنی ملی تو ہم نے دوسرے امور بھی اسی پر قیاس کرلئے' اور تفصیل کے لئے کچھ مثالیں ذکر کردیں۔

انفاق کے تین درجے:۔ جس شخص کے پاس حرام مال ہے' اور وہ اسے فقیروں کو بطور خیرات دینا چاہے تو اس کے لئے جائز ہے کہ وہ دینے میں فراخی اور وسعت سے کام لے' لیکن جب اپنی ذات پر خرچ کرنے کا ارادہ ہو تو جس قدر ہوسکے تنگی کرے' اہل و عیال پر خرچ کرنے میں نہ تنگی ہونی چاہیے اور نہ وسعت و فراخی' بلکہ اعتدال اور میانہ روی ملحوظ رہنی چاہیے۔ اس تفصیل سے ثابت ہوا کہ انفاق کے تین مراتب ہیں۔ اسی اصل سے یہ بات بھی ثابت ہوئی کہ اگر کوئی مفلس شخص اس کے یہاں مہمان آئے تو اسے خوب کھلائے پلائے' اور اگر وہ مالدار ہو تو کچھ نہ کھلائے' ہاں اگر وہ شخص جنگل میں ہو' رات کو آئے اور کھانے پینے کی کوئی چیز اس کے پاس نہ ہو تو کھلانے میں کوئی حرج نہیں ہے' اس لئے کہ وہ اس وقت مفلس اور فقیر و محتاج ہے۔ مہمان متقی ہو تو اس کے سامنے کھانا بھی رکھ دینا چاہیے' اور حقیقت بھی بیان کردینی چاہیے تاکہ وہ پرہیز کرنا چاہے تو کرسکے۔ اس طرح مہمان نوازی کا حق بھی ادا ہوگا' اور ایک مسلمان کو فریب دینے کے گناہ سے بھی حفاظت ہوگی۔ یہ نہ سوچنا چاہیے کہ کیونکہ اس شخص کو معلوم نہیں ہے اس لئے یہ حرام غذا اسے نقصان نہیں دے گی۔ یہ غلط فہمی ہے' حرام غذا جب معدہ میں پہنچتی ہے تو دل پر اس کے اثرات ضرور مرتب ہوتے ہیں۔ اگرچہ بعض کھانے والوں کو ان اثرات کا احساس نہ ہو یہی وجہ ہے کہ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ نے دودھ پی کر قے کردی تھی' حالانکہ انھوں نے دانستہ طور پر دودھ نہیں پیا تھا۔ اس مال کے متعلق اگرچہ ہمارا فتویٰ یہ ہے کہ فقراء اسے استعمال کرسکتے ہیں مگر حلّت کی بنیاد حاجت اور ضرورت ہے' جس طرح اضطرار کی حالت میں سؤر کا گوشت اور شراب جائز ہوجاتی ہے اسی طرح یہ حرام مال بھی حلال ہوجاتا ہے' اس کا مطلب یہ نہیں کہ وہ حلال ہو کر پاک و طیّب بن جاتا ہے۔

والدین کا حرام مال:۔ اگر کسی شخص کے والدین کے پاس حرام مال ہو تو اس کو ان کے ساتھ کھانے سے احتراز کرنا چاہیے' اگر وہ ناراض بھی ہوں تب بھی امر حرام پر ان کی موافقت نہ کرے' بلکہ انھیں منع کرے' اور بتلائے کہ حرام مال کھانا اور کھلانا خدا تعالیٰ کی معصیت ہے' اور اللہ تعالیٰ کی معصیت میں کسی شخص کی اتباع نہ کرنی چاہیے۔ ہاں اگر مال حرام نہ ہو بلکہ صرف مشتبہ ہو تو بچنا ورع میں داخل ہے' ضروری نہیں ہے۔ اس ورع کے مقابل میں بھی ایک ورع ہے اور وہ یہ کہ ماں باپ کی اطاعت کرے۔ اس صورت میں اگر مشتبہات سے احتراز کرے تو اس طرح کرے کہ انھیں ناگوار نہ ہو' اور اگر احتراز نہ ہوسکے تو کھانے میں شریک ہوجائے مگر کم کم کھائے' یعنی لقمے چھوٹے بنائے' آہستہ آہستہ کھائے' منہ میں دیر تک چبانے کا عمل بھی جاری رکھے' تاکہ کم سے کم کھانا پیٹ میں پہنچے' بھائی بہن کے حقوق کی بھی بڑی تاکید آئی ہے اس لئے ان کے ساتھ بھی یہی موقف اختیار کرے' ہاں اگر کسی

(۱) یہ حدیث مضطرب ہے' احمد و طبرانی نے عبایہ ابن رفاعہ ابن خدیج کے حوالے سے یہ روایت نقل کی ہے کہ جب ان کے دادا کی وفات ہوئی تو انھوں نے ایک باندی' ایک اونٹنی اور ایک پچھنے لگانے والا غلام ترکے میں چھوڑا' اس سے ثابت ہوا کہ حدیث میں رافع ابن خدیج مراد نہیں ہیں' اس لئے کہ ان کی وفات ۷۴ھ میں ہوئی ہے' اس کا احتمال ہے کہ رافع ابن خدیج کے دادا مراد ہوں' لیکن ان کا ذکر صحابہ میں نہیں ملتا۔

مشتبہ کپڑے کا لباس بنا کر دے اور پہننے کے لئے اصرار کرے اور یہ ڈر ہو کہ اگر اس کی بات نہ مانی گئی تو وہ ناراض ہو جائے گی تو اس کے سامنے لباس پہن لے' اور اس کی عدم موجودگی میں اتار دے' کوشش یہ کرے کہ وہ لباس پہن کر نماز نہ پڑھے' اور اگر کبھی والدہ کے سامنے اس لباس میں نماز پڑھنے کا اتفاق ہو تو اسے مجبوری اور اضطرار کی حالت تصور کرے۔ خلاصہ یہ کہ اگر ورع کے اسباب متعارض ہو جائیں تو اس طرح کی باریکیاں ضرور ملحوظ رہنی چاہئیں۔ بشرحافی کی روایت ہے کہ ان کی والدہ نے انھیں ایک (مشتبہ) کھجور کھانے کے لئے دی اور یہ کہا کہ میرے حقوق کی قسم ہے تمہیں یہ کھجور کھانی ہوگی' وہ یہ کھجور کھانا نہیں چاہتے تھے' لیکن والدہ کی دلجوئی کی خاطر بادلِ ناخواستہ کھالی' فوراً ہی اوپر گئے' والدہ خاموشی سے پیچھے ہولیں' دیکھا کہ بشرقے کررہے ہیں' اس حکایت سے ثابت ہوا کہ بشر نے والدہ کی اطاعت بھی کی' اور معدہ کی حفاظت بھی' امام احمد حنبلؒ سے کسی نے بیان کیا کہ بشرحافی سے پوچھا گیا تھا کہ مشتبہ مال میں والدین کی اطاعت ہے یا نہیں۔ بشر نے جواب دیا کہ نہیں! اس سلسلے میں آپ کیا کہتے ہیں؟ ابن حنبلؒ نے فرمایا کہ یہ سخت جواب ہے' سائل نے عرض کیا کہ جب یہی مسئلہ محمد ابن مقاتل عبادان سے پوچھا گیا تو انھوں نے فرمایا کہ والدین کی اطاعت کرنی چاہیے' یہ سن کر امام احمد حنبلؒ نے سائل سے کہا: جب تمہارے سامنے دونوں قول آگئے تو اب مجھ سے کیا پوچھنے آئے ہو؟ پھر فرمایا: کہ بہتر یہ ہے کہ دونوں باتوں کی رعایت کرو یعنی شبہ سے احتراز اس طرح کرو کہ والدین کی اطاعت پر بھی حرف نہ آئے۔

مالی واجبات کا سقوط:- جس شخص کے پاس محض حرام ہو اس پر نہ حج واجب ہے' اور نہ مالی کفارہ واجب ہے۔ اس لئے کہ وہ مفلس ہے' اور مفلس پر نہ حج ہے اور نہ کفارہ۔ اس شخص پر زکوٰۃ بھی نہیں ہے' اس لئے کہ زکوٰۃ میں مال کا چالیسواں حصہ نکالنا واجب ہے' اور یہاں تمام نکالنا ضروری ہے' اگر وہ شخص مالک سے واقف ہو تو اس کی امانت اس کے حوالے کردے' اور واقف نہ ہو تو محتاجوں اور فقیروں کو دے دے۔ شبہ کے مال میں جہاں حرمت کا احتمال ہے وہاں حلت کا احتمال بھی ہے' اس لئے کہ اگر شخص کے پاس مشتبہ مال ہو تو حلت کے احتمال کی وجہ سے اس پر حج واجب ہو جائے گا' اور جب تک مفلس نہ ہو جائے اس وقت تک ساقط نہیں ہوگا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:-

وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلًا (پ ۴ ر ا آیت ۹۷)

اور اللہ کے واسطے لوگوں کے ذمہ اس مکان کا حج کرنا ہے یعنی اس شخص کے ذمے جو کہ طاقت رکھے وہاں تک کے سبیل کی۔

اگر اس شخص پر کفارہ واجب ہو تو غلام بھی آزاد کرے اور روزے بھی رکھے' تاکہ یقینی طور پر کفارہ ادا ہو سکے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ اس شخص کے لئے صرف روزہ رکھنے کا حکم ہے۔ کیونکہ وہ شخص مالداری شرائط پر پورا نہیں اترتا۔ محاسبیؒ کہتے ہیں کہ محض کھانا کھلا دینا کافی ہے' نہ غلام آزاد کرنے کی ضرورت ہے اور نہ روزے رکھنے کی۔ ہماری رائے یہ ہے کہ جس شبہ سے اجتناب کرنا واجب ہو' اور مشتبہ چیز اپنے قبضے سے باہر کرنا ضروری ہو یعنی ظن غالب کی وجہ سے اس مال میں حرمت کا پہلو غالب ہو تو اسے روزے بھی رکھنے چاہئیں اور کھانا بھی کھلانا چاہیے۔ روزے اس لئے کہ وہ فی الحقیقت مفلس ہے' اِطعام (کھانا کھلانا) اسلئے کہ اس پر تمام مال کا صدقہ کرنا واجب ہے اس کا احتمال بھی ہے کہ یہ اس کا ہو اس لئے کفارہ لازم ہونا چاہیے۔

مال حرام سے نفلی حج:- ایک شخص کے پاس حرام مال ہے' اور وہ اس مال سے نفلی حج کرنا چاہتا ہے' اگر اس نے پیدل سفر کر کے حج کا ارادہ کیا تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے' اس لئے کہ وہ شخص یہ حرام مال اس وقت بھی کھا رہا ہے جب کہ وہ عبادت میں مصروف نہیں تو بحالت عبادت کھانے میں کیا حرج ہے؟ اگر پیدل نہیں چل سکتا' بلکہ اس مال سے سواری کا جانور خریدنا یا کرایہ پر لینا چاہتا ہے تو یہ جائز نہیں ہے۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے کوئی شخص شہر میں اہل و عیال کے لیے مالی حقوق ادا کرنے سے قاصر ہو مگر سواری کے لئے جانور خریدنے کی خواہش رکھے۔ ظاہر ہے کہ اسے اس کی اجازت نہیں دی جائے گی۔ اگر اس شخص کو یہ توقع ہو کہ

چند دن کے بعد حلال مال مل جائے گا' اور حرام مال کی ضرورت باقی نہیں رہے گی تو بہتر یہ ہے کہ سفر شروع کرنے کے بجائے حلال مال میسر آنے کا منتظر رہے۔ یہ انتظار اس کے حق پیدل سفرِ حج کرنے سے بہتر ہے۔

سفرِ حج کرنے والے کے لیے:۔ جو شخص فریضۂ حج کی ادائیگی کے لیے مشتبہ مال لے کر نکلے تو اسے کوشش کرنی چاہیے کہ اس کی غذا حلال و طیب ہو' اگر تمام سفر میں اس کا التزام ممکن ہو تو کم از کم احرام باندھنے کے وقت سے احرام کھولنے تک کے عرصے میں ضرور غیر مشتبہ رزق کی فکر کرے' اگر یہ بھی ممکن نہ ہو تو عرفہ کا دن اس کے لیے خاص کرلے' اس کی کوشش کرے کہ وہ اللہ ربُّ العزت کے حضور اس حال میں سربسجود اور دست بدعا نہ ہو کہ اس کے جسم پر حرام کپڑے ہوں' اور پیٹ میں ناجائز یا مشتبہ غذا ہو' اگرچہ ہم نے مشتبہ مال کے متعلق جواز کا فتویٰ دیا ہے' لیکن یہ جواز ضرورت کی بنا پر ہے' اس کا مطلب یہ نہیں کہ ہم نے مُشتبہ مال کو پاک و طیب مال سے ملحق کردیا ہے۔ بہرحال اگر یہ بھی ممکن نہ ہو تو فرائض حج کی ادائیگی اور سفر و اقامت کے تمام مَراحل کے دوران مُضطرب اور بے چین اور افسردہ ضرور رہے' اور یہ سوچتا رہے کہ میں بحالت مجبوری اس مشتبہ مال سے حج کررہا ہوں' اگر مجھے غیر مشتبہ مال ملتا تو کتنا اچھا تھا؟ امید یہ ہے کہ اس رنج و غم کی بدولت اللہ تعالیٰ اس پر نظرِ کرم فرمائیں گے' اور اس کی لغزشوں کو معاف فرمائیں گے۔

باپ کے ترکے کا مسئلہ:۔ ایک شخص نے امام احمد ابن حنبلؒ سے عرض کیا کہ میرے والد انتقال کرگئے ہیں' زندگی میں وہ ایسے لوگوں کے ساتھ معاملات کرتے رہے جن کے ساتھ معاملہ کرنا ازروئے شرع درست نہ تھا' اب آپ بتلائیں کہ ان کے ترکے کا کیا کروں؟ فرمایا کہ ان معاملات سے جتنا نفع انھوں نے کمایا ہو وہ چھوڑ دو' اس شخص نے عرض کیا کہ ان پر قرض بھی تھا' اور دوسرے لوگ بھی ان کے مقروض تھے' فرمایا کہ ان کا قرض ادا کرو' اور دوسروں سے بھی ان کے قرض کی رقم وصول کرو۔ اس شخص نے حیرت سے کہا کہ کیا آپ اسے جائز سمجھتے ہیں؟ امام ابن حنبل نے جواب دیا: تو کیا تم یہ چاہتے ہو کہ وہ مرنے کے بعد بھی اپنے قرض میں گرفتار رہے؟ امام احمد کی رائے صحیح ہے۔ اس سے کئی باتوں کا علم ہوتا ہے' ایک یہ کہ اندازے سے حرام مقدار نکالنا درست ہے' دوسرے یہ کہ راسُ المال کی چیزیں اس کی ملکیت ہیں تیسرے یہ کہ قرض یقینی ہے' شبہ کی بنا پر اسے ترک نہ کرنا چاہیے۔

پانچواں باب

بادشاہوں کے وظائف اور انعامات

بادشاہوں سے وظائف اور انعامات حاصل کرنے والوں کو چاہیے کہ وہ تین امور کی رعایت ضرور کریں' ایک یہ کہ بادشاہ کے پاس وہ مال کہاں سے آیا ہے؟ دوسرا یہ کہ استحقاق کی صفت لینے والے میں موجود ہے یا نہیں؟ تیسرا یہ کہ جو مقدار انھیں مل رہی ہے آیا وہ اسی مقدار کے مستحق ہیں' یا اس سے کم مقدار کے مستحق ہیں؟ یہ تین امور ہیں' ہم دو عنوانات کے تحت ان کی تفصیل کررہے ہیں۔

بادشاہ کی آمدنی کے ذرائع:۔ بنجر زمینوں کو قابلِ کاشت بنانے کے علاوہ بادشاہوں کے لئے جو اموال حلال ہیں اور جن میں رعایا بھی شریک ہیں دو طرح کے ہیں۔ ایک وہ مال جو کفّار سے لیا جائے' جیسے غنیمت' (وہ مال جو جنگ کے بعد مسلمانوں کے ہاتھ لگے) اور فئے (وہ مال جو جنگ کے بغیر مسلمانوں کو حاصل ہو) جزیہ اور صلح کے اموال بھی اسی قسم میں داخل ہیں' یہ اموال معاہدے کے بعد اس کی شرائط کے مطابق لئے جاتے ہیں۔ دوسرا وہ مال جو بادشاہ کو مسلمانوں سے ملے۔ اس مَد سے بادشاہ کے لئے صرف دو طرح کے مال حلال ہیں' میراث کا مال جس کا کوئی وارث نہ ہو' اور وقف کا مال جس کا کوئی متولی نہ ہو' اس زمانے میں صدقات نہیں لئے جاتے' اس لئے ہم ان کے ذکر کی ضرورت نہیں سمجھتے۔ مواریث اور اوقاف کی آمدنی کے علاوہ جتنے ٹیکس رشوتیں اور خراجی رقوم مسلمانوں سے وصول کی جاتی ہیں وہ سب حرام ہیں۔

انعامات کی قسمیں:۔ علماء اور فقہاء کے لیے سلاطین کی جانب سے ماہانہ یا سالانہ وظائف مقرر کئے جاتے ہیں بسا اوقات انھیں عطایا اور انعامات سے نوازا جاتا ہے ان کے کسی کام پر خوش ہو کر خلعتیں عطا کی جاتی ہیں۔ یہ تمام انعامات عطایا اور خلعتیں آٹھ حالتوں سے خالی نہیں ہوتیں۔ یا تو بادشاہ جزیہ کی آمدنی پر وظیفہ یا انعام مقرر کرے گا' یا لاوارث میراث پر' یا وقف کی جائداد پر' یا اپنی مملوکہ زمین پر جسے اس نے قابل کاشت کرلیا ہو' یا اپنی خرید کردہ جائداد پر یا اس عامل پر جو مسلمانوں سے خراج وصول کرتا ہے' یا کسی تاجر پر' یا خزانہ خاص پر۔ ہم ان تمام مدّات کی الگ الگ تفصیل کرتے ہیں۔

جزیہ:۔ اس کے چار خمس مسلمانوں کی مصالح اور ان کی مفادات کے لئے ہیں' اور ایک خمس متعین مصارف کے لئے' چنانچہ اگر بادشاہ نے مصارف کے لئے مخصوص خمس سے' یا ان چاروں اخماس سے کسی عالم وغیرہ کو انعام دیا اس لحاظ سے کہ اسے انعام دینے میں مسلمانوں کی بھلائی اور بہتری ہے تو یہ مال جائز ہے' مگر شرط یہ ہے کہ جزیہ کے حصول میں شرعی امور کی رعایت کی گئی ہو' یعنی فی کس ایک دینار یا چار دینار سالانہ سے زیادہ نہ ہو' جزیہ کی مقدار میں اختلاف ہے' بادشاہ کے لئے جائز ہے کہ وہ اختلاف کی صورت میں جس قول پر چاہے عمل کرے۔ ایک شرط یہ ہے کہ وہ ذمی جس سے جزیہ لیا جائے ایسا نہ ہو جس کا ذریعۂ معاش حرام ہو۔ مثلاً "یہ کہ وہ ظالم بادشاہ کا ملازم ہو' یا شراب اور خنزیر وغیرہ کی تجارت کرتا ہو' ایک اور شرط یہ ہے کہ بچے اور عورت سے جزیہ نہ لیا گیا ہو' اس لئے کہ ان دونوں پر جزیہ نہیں ہے' بہرحال جزیہ مقرر کرنے میں' جزیہ کی مقدار اور صفت استحقاق کے سلسلے میں ان امور کا لحاظ رکھنا ضروری ہے۔

میراث:۔ وہ میراث جس کا کوئی وارث نہ ہو مسلمانوں کے مفاد کے لئے ہے' بادشاہ اگر میراث کے مال سے کسی کو کچھ دے تو یہ ضرور دیکھ لے کہ جس شخص نے یہ مال چھوڑا ہے آیا اس کا تمام مال حرام ہے یا اکثر یا کم۔ ان تینوں صورتوں کا حکم ہم ماقبل میں لکھ چکے ہیں۔ تمام مال کے حلال ہونے کی صورت میں یہ دیکھنا چاہیے کہ جس شخص کو یہ مال دیا جارہا ہے اسے دینے میں کوئی فائدہ ہے یا نہیں' اور یہ کہ کتنا مال دینے میں بہتری ہے۔

مال وقف:۔ میراث کے سلسلے میں جو باتیں قابل لحاظ تھیں وہی وقف کے مال میں بھی ملحوظ رہیں گی۔ البتہ وقف میں ایک بات زیادہ ہے' اور وہ یہ کہ بادشاہ کو وقف کرنے والے کی طرف سے لگائی گئی شرط کی بھی رعایت کرنی چاہیے' یعنی دینے سے پہلے یہ دیکھ لینا ہے کہ اس سے واقف کی شرط پوری ہوتی ہے یا نہیں۔

مملوکہ زمین:۔ یہ وہ زمین ہے جسے بادشاہ نے قابل کاشت بنایا ہو' اس میں کوئی شرط معتبر نہیں ہے' بلکہ بادشاہ کو حق ہے کہ وہ اس زمین میں سے جو چاہیے' جس قدر چاہے اور جسے چاہے دے سکتا ہے۔ ہاں یہ امر ضرور محل نظر ہے کہ بادشاہ نے وہ زمین کس طرح قابل کاشت بنائی ہے' ایسا تو نہیں کہ اس نے مزدوروں سے زبردستی کام لیا ہو' یا انھیں حرام مال میں سے اجرت دی ہو۔ کیونکہ زمین کو قابل کاشت بنانے میں نہریں کھودی جاتی ہیں' زمین ہموار کی جاتی ہے' اردگرد احاطہ بندی کی جاتی ہے' یہ کام مزدوروں سے متعلق ہیں' بادشاہ انھیں تنہا انجام دینے سے قاصر ہے' چنانچہ اگر بادشاہ نے ان مزدوروں سے زبردستی خدمت لی ہو تو وہ اس زمین کا مالک نہیں بن سکتا' پھر اگر اس نے مزدوروں سے کام لیا' اور ان کی حرام مال سے اجرت ادا کی تو اس صورت میں زمین مشتبہ ہوگی' ہم یہ بات لکھ چکے ہیں کہ عوض کی کراہت کی وجہ سے مال مشتبہ ہوجاتا ہے۔

زرخرید جائداد:۔ بادشاہ بعض اوقات زمین جائداد' غلام باندی' اور گھوڑے خرید لیتے ہیں' پھر انھیں بطورِ انعام دوسرے لوگوں کو دے دیتے ہیں' یہ سب چیزیں بادشاہ کی ملکیت ہوتی ہیں' بادشاہ کے لئے جائز ہے کہ وہ ان میں جس طرح چاہے تصرف کرے۔ لیکن اگر اس نے ان چیزوں کی قیمت حرام یا مشتبہ مال سے ادا کی ہوگی تو ایک صورت میں یہ چیزیں حرام اور ایک صورت میں مشتبہ ہوں گی۔ ان دونوں صورتوں کے متعلق ہم تفصیل سے لکھ چکے ہیں۔

عامل:۔ ایک صورت یہ ہے کہ بادشاہ اس شخص کے نام پر لکھ دے جو مسلمانوں سے خراج وصول کرتا ہو' یا مال غنیمت اور تاوان کی رقوم اکٹھی کرتا ہو' اگر ایسا ہو تو یہ مال قطعی طور پر حرام ہے' اس میں کسی قسم کا کوئی شبہ نہیں ہے' ہمارے زمانے کی اکثر جاگیریں اسی طرح کی ہیں' البتہ عراق کی زمینیں اس حکم سے مستثنٰی ہیں' کیونکہ بقول امام شافعیؒ عراق کی اکثر زمینیں مسلمانوں کی فلاح و بہبود کے لئے وقف ہیں۔

سوداگر:۔ سوداگر دو طرح کے ہیں' کچھ وہ ہیں جو صرف بادشاہوں سے معاملہ کرتے ہیں' اور بعض بادشاہوں کے علاوہ دوسرے لوگوں کے ساتھ بھی خرید و فرخت کرتے ہیں۔ اب اگر کسی ایسے سوداگر کے نام لکھ دے جو صرف اسی سے معاملہ کرتا ہو تو اس کا مال ایسا ہے جیسے شاہی خزانے کا مال' اور اگر وہ شخص دوسروں سے بھی معاملہ کرتا ہے تو اس کا دیا ہوا مال بادشاہ کے ذمہ قرض ہوگا' اور وہ مال حرام سے اس کا عوض وصول کرے گا۔ اگر ایسا ہوا تو عوض میں بھی خلل واقع ہو جائے گا۔ حرام ثمن کا حکم ہم پہلے ہی لکھ آئے ہیں۔

خزانۂ خاص:۔ خزانۂ خاص سے لکھنے کی صورت میں یہ دیکھنا چاہیے کہ اس میں کس طرح کا مال جمع ہے' اگر بادشاہ کی آمدنی حرام کے علاوہ کچھ نہ ہو تو وہ انعام یا وظیفہ' یا خلعت قطعاً حرام ہے' اور اگر یقین سے یہ بات معلوم ہو کہ بادشاہ کے خزانے میں حلال بھی جمع ہوتا ہے اور حرام بھی۔ لیکن اس کا احتمال ہو کہ جو کچھ بادشاہ عالم کو دے رہا ہے وہ حلال مال میں سے دے رہا ہے' اور ساتھ ہی اس کا شبہ بھی ہو کہ یہ مال حرام بھی ہو سکتا ہے کیونکہ بادشاہوں کے مال عموماً حرام ہی ہوتے ہیں تو اس سلسلے میں علماء کا اختلاف ہے بعض لوگوں کا قول ہے کہ جب تک ہمیں کسی مال کے متعلق حرمت کا یقین نہ ہو اس وقت تک ہم وہ مال لے سکتے ہیں' بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ جب تک کسی چیز کے متعلق حلت کا یقین نہ ہو اس وقت تک وہ چیز نہ لینی چاہیے۔ اس لئے کہ شبہ کبھی حلال نہیں ہوتا۔ ہمارے خیال میں یہ دونوں قول حد سے متجاوز ہیں۔ مناسب تر بات وہی ہے جو ہم ابھی لکھ چکے ہیں اور وہ یہ کہ اگر حرمت کا غلبہ ہو تو حرام ہے اور اگر حلال غالب ہو' لیکن ساتھ ہی حرام کا یقین بھی ہو تو توقف کرنا چاہیے۔

جو لوگ جواز کے قائل ہیں وہ صحابہ کرام کے عمل کو اپنا مستدل قرار دیتے ہیں کہ بعض جلیل القدر صحابہ نے ظالم حکمرانوں کا دور پایا' اور ان سے مال لیا۔ ان اکابر صحابہ میں حضرت ابو ہریرہ' ابو سعید الخدری' زید ابن ثابت' ابو ایوب انصاری' جریر ابن عبداللہ' جابر' انس ابن مالک' مسور ابن مخرمہ' ابن عمر اور ابن عباس رضوان اللہ علیہم اجمعین کے اسمائے گرامی خاص طور پر قابل ذکر ہیں' چنانچہ حضرت ابو ہریرہؓ اور حضرت ابو سعید الخدریؓ نے مروان ابن حکم' اور یزید ابن عبدالملک سے مال لیا ہے' اور حضرت ابن عمرؓ اور حضرت ابن عباسؓ نے حجاج سے مال لیا ہے' بہت سے تابعین مثلاً شعبی' ابراہیم' حسن' ابن ابی لیلٰی وغیرہ نے بھی ان حکمرانوں سے انعامات یا وظائف لئے ہیں۔ امام شافعیؒ نے ایک مرتبہ ہارون رشید سے ایک ہزار دینار لئے تھے' امام مالک نے بعض اُموی خلفاء سے مال حاصل کیا۔ نیز حضرت علی کرم اللہ وجہہ ارشاد فرماتے ہیں "بادشاہ تمہیں جو چیز دے وہ لے لو اس لئے کہ وہ حلال مال دیتا ہے اور زیادہ تر حلال مال ہی وصول بھی کرتا ہے۔" بعض بزرگوں نے بادشاہوں کے عطایا رد کئے تو اس کی وجہ یہ نہیں تھی کہ ان کے نزدیک وہ عطایا حرام تھے' بلکہ ان کا یہ عمل ورع پر مبنی تھا' وہ دین کے خوف کی بنا پر ایسا کرتے تھے کہ کہیں حلال کے بہانے حرام چیز نہ آجائے۔ حضرت ابو ذر غفاریؓ احنف ابن قیس سے فرمایا کرتے تھے کہ اس وقت تک عطایا قبول کرو جب تک وہ بطیب خاطر ہوں' اور جب تمہارے دین کا بھاؤ تاؤ ہونے لگے تو چھوڑ کر الگ ہٹ جاؤ۔ حضرت ابو ہریرہؓ فرمایا کرتے تھے کہ جب ہمیں کوئی شخص عطیہ دیتا ہے تو ہم قبول کر لیتے ہیں' اور نہیں دیتا تو سوال کی ذلت نہیں اٹھاتے۔ سعید ابن المسیبؒ ناقل ہیں کہ ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حضرت معاویہ کچھ دیے دیتے تو خاموش رہتے' اور نہ دیتے تو ان کے متعلق کچھ کہہ دیا کرتے تھے۔ شعبی "حضرت مسروقؒ" کا یہ ارشاد نقل کرتے ہیں کہ عطایا لینے والے ہمیشہ لیتے رہیں گے۔ یہاں تک کہ وہ دوزخ میں داخل ہوں'

یعنی آہستہ آہستہ حلال سے حرام کی طرف تجاوز کریں گے' یہ مطلب نہیں کہ فی نفسہ ان عطایا میں کوئی حرمت ہوگی۔ نافع ابن عمرؓ سے نقل کرتے ہیں کہ مختار ان کے پاس مال بھیجا کرتا تھا آپ یہ مال قبول کرلیا کرتے تھے' اور فرمایا کرتے تھے کہ میں کسی سے کچھ مانگتا نہیں ہوں' اور جو رزق اللہ تعالیٰ مجھے عطا کرتے ہیں میں اسے ٹھکراتا بھی نہیں ہوں۔ ایک مرتبہ مختار نے آپ کی خدمت میں اونٹنی بطور تحفہ بھیجی' آپ نے یہ تحفہ قبول فرمایا۔ عام لوگوں میں یہ اونٹنی مختار کی اونٹنی کے نام سے مشہور تھی۔ اس کے برعکس ایک روایت سے ثابت ہوتا ہے کہ ابن عمر مختار کے علاوہ تمام لوگوں کے ہدایا قبول کرلیا کرتے تھے۔ کہتے ہیں کہ مؤخر الذکر روایت کی سند زیادہ صحیح ہے۔ نافع کہتے ہیں کہ ابن معمر نے ابن عمرؓ کی خدمت میں ساٹھ ہزار درہم بھیجے' آپ نے فوراً ہی یہ رقم لوگوں میں تقسیم کردی' ابھی رقم کی تقسیم سے فارغ ہی ہوئے تھے کہ ایک سائل نے درخواست کی' آپ نے ایک شخص سے کچھ رقم ادھار لے کر اسے دی۔ اتفاق سے وہ شخص ان لوگوں میں شامل تھا جن میں آپ نے ساٹھ ہزار درہم تقسیم کئے تھے۔ جب حضرت حسن ابن علی رضی اللہ عنہ حضرت معاویہؓ کے پاس تشریف لائے تو انہوں نے فرمایا کہ میں آپ کو اتنا بڑا انعام دوں گا کہ نہ آج سے پہلے میں نے کسی عرب کو اتنا بڑا انعام دیا اور نہ شاید آئندہ دے پاؤں' اس کے بعد آپ نے جگر گوشۂ رسول کی خدمت میں چار لاکھ درہم پیش کئے' آپ نے ان کا عطیہ قبول فرمالیا۔ حبیب ابن ثابت کہتے ہیں کہ میں نے ابن عمرؓ اور ابن عباسؓ کے لئے مختار کا جائزہ دیکھا' دونوں حضرات نے یہ جائزہ قبول فرمایا۔ لوگوں نے عرض کیا کہ وہ جائزہ کیا تھا؟ فرمایا نقد مال اور کپڑے۔ زبیر ابن عدی نے حضرت سلمان الفارسی کا یہ ارشاد نقل کیا ہے کہ اگر تمہارا کوئی دوست عامل یا سود میں ملوث تاجر ہو اور تمہیں کھانے پر بلائے' یا کوئی ہدیہ دے تو قبول کرلو تمہارے لئے وہ کھانا یا ہدیہ ٹھیک ہے گناہ عامل یا سود خور تاجر پر ہے۔ جب سود لینے والے کے متعلق قبول ثابت ہے تو ظالم کے لئے کیوں نہ ہوگا۔ ظالم کو بھی سود خور پر قیاس کرلینا چاہیے۔ حضرت جعفر صادق اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت حسن و حسین رضی اللہ عنہما معاویہؓ کے انعامات اور عطایا قبول کرلیا کرتے تھے حکیم ابن جبیرؓ کہتے ہیں کہ جب سعید ابن جبیرؓ فرات کے نشیبی علاقے میں عُشر وصول کرنے کے لیے مقرر ہوئے تو ہم ان کے پاس گئے آپ نے اپنے ان کارندوں سے جو علاقے میں عشر کی وصولی کا کام کررہے تھے کہلوایا کہ جو کچھ تمہارے پاس ہے اس میں سے ہمیں بھی کھلاؤ' ان لوگوں نے کھانا بھیجا' آپ نے کھانا تناول کیا اور ہمیں بھی اپنے ساتھ شریک کیا۔ علاء ابن زبیر ازدی روایت کرتے ہیں کہ میرے والد حلوان میں عامل تھے' ان دنوں ابراہیم نخعیؒ والد محترم کے پاس تشریف لائے' والد نے ان کی خدمت میں مال پیش کیا جسے آپ نے بطیب خاطر قبول کیا اور فرمایا کہ عاملوں کے عطایا قبول کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے کیونکہ وہ لوگ محنت کرکے کھاتے ہیں اور ان کے بیت المال میں خبیث و طیب ہر طرح کا مال ہوتا ہے لیکن وہ تمہیں اچھا ہی مال دیتے ہیں' خراب مال نہیں دیتے۔

اس استدلال کا حاصل یہ ہے کہ ان بزرگوں نے ظالم بادشاہوں کے عطایا قبول کئے' حالانکہ یہ سب حضرات ان لوگوں کو برا کہتے تھے جو اللہ تعالیٰ کی معصیت میں دنیاوی حکمرانوں کی اطاعت کیا کرتے تھے۔ اس گروہ کا خیال ہے کہ بعض اکابر سے نہ لینے کے سلسلے میں جو روایات منقول ہیں وہ عطایا کی حرمت پر دلالت نہیں کرتیں' بلکہ نہ لینے والوں کے ورع پر دلالت کرتی ہیں۔ جیسا کہ خلفاء راشدین اور ابوذرؓ جیسے اجلّہ صحابہ حلال مطلق بھی قبول نہ کیا کرتے تھے۔ محض اس خوف سے کہ کہیں حلال کے لینے سے کسی ممنوع کی نوبت نہ آجائے۔ یہ ان کا ورع اور تقویٰ تھا۔ بہرحال ان بزرگوں کا اسوہ عطایا کے جواز پر دلالت کرتا ہے' جب کہ ان بزرگوں کا عمل حرمت پر دلالت نہیں کرتا۔ جہاں تک حضرت سعید ابن المسیبؒ کے اس عمل کا تعلق ہے کہ وہ اپنے عطایا وصول نہیں کرتے تھے بلکہ بیت المال میں چھوڑ دیا کرتے تھے' حتیٰ کہ یہ رقم بڑھتے بڑھتے تیس ہزار درہم ہوگئی' ہم اس روایت کا انکار نہیں کرتے' بلکہ اسے ورع پر محمول کرتے ہیں' اسی طرح حضرت حسن بصریؒ کا یہ ارشاد بھی تقویٰ پر محمول کرنا چاہیے کہ میں کسی صرّاف کے پانی سے وضو نہیں کرتا خواہ نماز کا وقت تنگ ہوجائے' کیونکہ میں نہیں جانتا کہ اس کا اصل مال کیسا ہے۔ ہم تسلیم کرتے

ہیں کہ اگر کوئی از روئے ورع ان بزرگوں کا اتباع کرے، اور سلاطین کے عطایا نہ لے تو اس کا یہ عمل قابل تحسین ہے۔ مگر یہاں بحث کا موضوع یہ نہیں ہے، بلکہ کلام اس میں ہے کہ اگر کوئی شخص ورع میں ان کی تقلید نہ کرے بلکہ شاہی مال لے لیا کرے تو اس کا یہ عمل جائز ہوگا یا ناجائز؟ یہ ان لوگوں کی دلیل کا حاصل ہے جو بادشاہوں سے مال لینے میں کوئی مضائقہ نہیں سمجھتے۔

ہمارے نزدیک یہ دلیل محل نظر ہے، حقیقت یہ ہے کہ جن لوگوں سے نہ لینا منقول ہے وہ تعداد میں ان لوگوں سے کہیں زیادہ ہیں جن سے لینا منقول ہے۔ پھر اگر نہ لینے والوں میں ایک احتمال ہے جسے ورع کہتے ہیں تو لینے والوں میں تین مختلف درجات کے احتمالات ہو سکتے ہیں، اور یہ بھی ورع ہی کے احتمالات ہوں گے، کیونکہ سلاطین کے حق میں ورع کے چار درجے ہیں۔

پہلا درجہ:۔ یہ ہے کہ ان کے مال میں سے کچھ نہ لے، جیسا کہ ماضی کے اصحاب ورع کا معمول تھا، خلفاء راشدین کا اسوہ بھی یہی تھا۔ حضرت ابوبکرؓ اپنے دور خلافت میں بیت المال میں سے اپنے مصارف کے لئے کچھ لیا کرتے تھے، ایک مرتبہ اس کا حساب ہوا تو کل رقم چھ ہزار درہم بنی، آپ نے اتنی ہی رقم بیت المال میں جمع کرادی، ایک مرتبہ حضرت عمر ابن الخطاب بیت المال کی آمدنی تقسیم کررہے تھے کہ ان کی ایک بچی آئی، اور ایک درہم اٹھا کر جانے لگی، آپ اسے پکڑنے کے لئے اتنی تیزی کے ساتھ اٹھے کہ چادر شانے سے ڈھلک گئی بچی روتی ہوئی گھر میں گھس گئی، اور چھپانے کی غرض سے درہم منہ میں رکھ لیا، آپ نے اپنی انگلی اس کے منہ میں ڈالی، اور درہم نکال کر بیت المال کے دراہم میں ملادیا، اور فرمایا: اے لوگو! عمر اور اس کے بچوں کا بیت المال میں اتنا ہی حق ہے جتنا حق دور اور نزدیک کے مسلمانوں کا ہے، ایک مرتبہ حضرت ابو موسیٰ الاشعریؓ نے بیت المال کی صفائی کی تو کسی کونے میں پڑا ہوا ایک درہم انہیں ملا، آپ نے وہ درہم حضرت عمرؓ کے چھوٹے صاحبزادے کو دے دیا۔ حضرت عمرؓ نے بیٹے کے ہاتھ میں درہم دیکھ کر پوچھا کہ یہ تمہارے پاس کہاں سے آیا ہے؟ بچے نے بتلا دیا کہ یہ مجھے ابو موسیٰؓ نے دیا ہے، آپ نے ابو موسیٰؓ سے فرمایا کہ کیا تمہیں عمرؓ کے گھر سے زیادہ ذلیل گھر پورے مدینہ میں نہیں ملا؟ کیا تم یہ چاہتے ہو کہ امت محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں کوئی شخص ایسا نہ رہے جو ہم سے اپنا حق طلب نہ کرے؟ یہ کہہ کر آپ نے وہ درہم بیت المال میں رکھ دیا، حالانکہ بیت المال کا مال جائز تھا مگر حضرت عمرؓ کو یہ اندیشہ ہوا کہ کہیں ہمارے حق میں زیادہ نہ پہنچ جائے۔ یہ وہ لوگ تھے جو اپنے دین اور آبرو کی حفاظت کے لئے کم پر قناعت کیا کرتے تھے اور مشکوک چیزیں چھوڑ کر غیر مشکوک چیزیں اختیار کیا کرتے تھے۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کے بموجب۔

دع ما یریبک الی مالا یریبک

جو چیز تمہیں شک میں ڈالے اسے چھوڑ کر وہ چیز اختیار کرو جو تمہیں شک میں نہ ڈالے۔

ومن ترکھا فقد استبرأ لعرضہ ولدینہ (بخاری و مسلم۔ نعمان ابن بشیرؓ)

جس نے مشتبہات کو ترک کیا اس نے اپنے دین اور آبرو کی حفاظت کی۔

نیز اس لئے کہ ان لوگوں نے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے بادشاہوں کے مال کے متعلق سخت وعیدیں سُنی تھیں۔ ایک مرتبہ آپ نے زکوۃ و صدقات کی وصولیابی کے لے عبادہ ابن الصامت کو بھیجا تو ان سے ارشاد فرمایا کہ۔

اتق اللہ یا ابا الولید لا تجیئ یوم القیامۃ ببعیر تحملہ علی رقبتک لہ رغاء او بقرۃ لہا خوار او شاۃ لہا ثؤاج، فقال یا رسول اللہ اھکذا یکون، قال نعم والذی نفسی بیدہ الا من رحم اللہ، قال فوالذی بعثک بالحق لا أعمل علی شئی ابدا (۱)

اے ابو الولید! اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو، ایسا نہ ہو کہ تم قیامت کے روز اس حال میں آؤ کہ تمہارے

---

(۱) مسند الشافعی عن طاؤس مرسلا، معجم ابو یعلی میں یہ روایت اختصار کے ساتھ ابن عمر سے منقول ہے اس روایت کے مطابق آپ نے یہ کلمات سعد ابن عبادہؓ سے ارشاد فرمائے تھے۔

کاندھے پر بلبلاتا ہوا اونٹ' یا ڈکراتی ہوئی گائے یا مَیں مَیں کرتی ہوئی بکری ہو' مخاطب نے عرض کیا: یا رسول اللہ کیا ایسا ہی ہوگا؟ آپ نے فرمایا: ہاں! خدا کی قسم ایسا ہی ہوگا۔ البتہ جس پر اللہ رحم کرے اسے یہ سزا نہیں ملے گی۔ مخاطب نے عرض کیا اس رب کی قسم جس نے آپ کو بعثت سے سرفراز فرمایا میں کبھی ایسا نہیں کروں گا۔ ایک مرتبہ آپ نے ارشاد فرمایا:۔

انّی لا اخاف علیکم أن تشرکوا بعدی ولکنی اخاف علیکم ان تنافسوا

(بخاری و مسلم۔ عتبہ ابن عامرؓ)

مجھے یہ ڈر نہیں کہ تم میرے بعد شرک کرو گے' بلکہ خوف ہے تو اس بات کا کہ تم ایک دوسرے کی حرص کرو گے۔

آپ کو مال کی حرص و طمع کا خوف تھا۔ ایک مرتبہ حضرت عمرؓ نے بیت المال کے مال کے متعلق ارشاد فرمایا کہ میں اس مال کے سلسلے میں اپنی وہ حیثیت سمجھتا ہوں جو یتیم کے ولی کی ہوتی ہے' اگر مجھے حاجت نہیں ہوتی تو میں اس مال سے دور رہتا ہوں اور ضرورت ہوتی ہے تو شرعی امور کی رعایت کے ساتھ کھاتا ہوں۔ روایت ہے کہ ایک مرتبہ طاؤس کے صاحبزادے نے آپ کی طرف سے حضرت عمر ابن عبدالعزیز کے نام ایک جعلی خط لکھا اور اس میں مال دینے کی درخواست کی' حضرت عمر ابن عبدالعزیز اس وقت خلیفہ تھے' آپ نے تین سو اشرفیاں دے دیں' جب طاؤس کو صورت حال کا علم ہوا تو انہوں نے اپنی ایک زمین فروخت کرکے مذکورہ رقم عمر ابن عبدالعزیز کی خدمت میں بھیجی' ورع کے درجات میں یہ درجہ زیادہ بلند ہے۔

دوسرا درجہ:۔ یہ ہے کہ بادشاہ کا مال قبول کرے' مگر اس وقت قبول کرے جب کہ اسے یہ معلوم ہو کہ جو کچھ بادشاہ اسے دے رہا ہے وہ حلال ہے۔ اب اگر سلطان کے قبضے میں کوئی حرام مال موجود بھی ہے تو اس کا ضرر متعدی نہیں ہوگا۔ عام طور پر صحابہ کرام کا مال قبول کرنا اسی درجے کے ورع کے مطابق تھا یہ نہیں کہ وہ بے سوچے سمجھے اور بلا تحقیق مال لے لیا کرتے تھے۔ حضرت عبداللہ ابن عمرؓ ورع کے معاملے میں بے حد مبالغہ کرتے تھے بھلا یہ کیسے ممکن ہے کہ وہ سلاطین کا مال کسی تحقیق کے بغیر لے لیتے۔ وہ تو سلاطین کے سب سے بڑے نکتہ چیں' اور ان کے اعمال و افعال کے امانت دار ناقد تھے۔ چنانچہ ابن عامر کا واقعہ ہے کہ وہ بیمار ہوئے تو لوگ ان کی عیادت کے لئے جمع ہوئے' عیادت کرنے والوں میں عبداللہ ابن عمرؓ بھی تھے' ابن عامر کیونکہ عامل تھے' اس لئے انہوں نے مرنے کے بعد مؤاخذہ کے اندیشے کا اظہار کیا۔ لوگوں نے ان سے کہا کہ آپ مؤاخذہ سے مت ڈریں' انشاء اللہ آپ آخرت میں بہتر ہی رہیں گے' آپ نے بڑی خدمت کی ہے کنویں کھدوائے' حاجیوں کے لئے پانی کا نظم کیا' یہ کیا وہ کیا۔ حضرت ابن عمرؓ خاموش رہے' ابن عامر نے ان سے عرض کیا کہ آپ بھی تو کچھ فرمائیں۔ فرمایا کہ میں کیا کہوں؟ یہ باتیں تو اس وقت اچھی ہوتیں جب کہ کمائی اچھی ہو' اور خرچ بھی اچھی طرح کیا ہو' اب جب کہ تم جا رہے ہو تو خود اپنے عمل کا نتیجہ دیکھ لوگے۔ ایک روایت میں ہے کہ آپ نے ابن عامرؓ سے یہ الفاظ کہے:۔ برائی گناہوں کا کفارہ نہیں بن سکتی' تم بصرے کے حاکم رہے ہو' میرا خیال ہے کہ تم نے اپنے دور حکومت میں برائی ہی کمائی ہے' ابن عامرؓ نے عرض کیا کہ آپ میرے لئے دعا فرمائیں۔ فرمایا میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے:۔

لا یقبل اللہ صلاۃ بغیر طهور ولا صدقۃ من غلول (مسلم۔ ابن عمرؓ)

اللہ تعالیٰ بغیر طہارت کے نماز قبول نہیں کرتا' اور نہ خیانت کے مال سے صدقہ قبول کرتا ہے۔

حضرت عمرؓ نے یہ حدیث اس لئے سنائی کہ ابن عامر نے بیت المال کا مال خیرات کیا تھا۔ روایت ہے کہ حجاج کے دور حکومت میں ایک مرتبہ آپ نے یہ جملہ ارشاد فرمایا کہ جب سے دارالخلافت کا شیرازہ منتشر ہوا ہے میں نے شکم سیر ہو کر کھانا نہیں کھایا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ ایک سربمہر برتن میں ستو رکھ دیا کرتے تھے' اور مختلف اوقات میں یہ ستو استعمال کیا کرتے تھے۔ کسی شخص نے ان سے کہا کہ آپ عراق میں ہونے کے باوجود ستو کی اس قدر حفاظت کرتے ہیں' یہاں تو کھانے پینے کی چیزوں کی کثرت ہے۔ فرمایا کہ

میں کسی بخل کی بنا پر ایسا نہیں کرتا، بلکہ مجھے یہ بات پسند نہیں کہ اس میں وہ چیز ملا دی جائے جو اس میں کی نہ ہو، اور میں اسے بھی اچھا نہیں سمجھتا کہ میرے پیٹ میں حلال کے علاوہ کوئی غذا جائے۔ حضرت عبداللہ ابن عمرؓ کا دستور یہ تھا کہ انھیں جب کوئی چیز اچھی معلوم ہوتی تو اسے اپنی ملکیت سے خارج کردیتے، مثلاً ابن عامرؓ نے آپ کے غلام نافع کو تیس ہزار درہم میں خریدنے کی خواہش ظاہر کی، فرمایا کہ مجھے یہ خوف ہے کہ کہیں ابن عامرؓ کے درہم مجھے آزمائش میں نہ ڈال دیں، یہ کہہ کر نافع کو پروانہ آزادی عطا کردیا۔ ابوسعید الخدریؓ فرمایا کرتے تھے کہ ہم میں سے کوئی شخص ایسا نہیں ہے جس کا دنیا کی طرف میلان نہ ہو سوائے ابن عمرؓ کے، وہ دنیا کی طرف قطعاً مائل نہ ہوئے۔ اس سے واضح ہوا کہ ابن عمرؓ اور ان کے ہم پلہ بزرگوں کے متعلق یہ گمان نہیں کیا جاسکتا کہ انھوں نے حلال و حرام میں امتیاز کئے بغیر مال لے لیا ہوگا۔

تیسرا درجہ:۔ یہ ہے کہ بادشاہ سے لے کر فقراء اور محتاجین پر تقسیم کردے۔ جس مال کا کوئی متعین مالک نہ ہو اس میں شریعت کا حکم یہی ہے، لیکن یہ اس صورت میں ہے جب کہ یہ اندیشہ ہو کہ اگر بادشاہ سے یہ مال نہ لیا گیا تو وہ مستحقین کو نہیں دے گا نیز یہ کہ وہ اسے غلط کاموں میں استعمال کرے گا، اور ہمارا نہ لینا معصیت و ظلم پر اس کی اعانت کا سبب قرار پائے گا۔ ہمارے نزدیک ان حالات میں مال لے کر تقسیم کردینا نہ لینے سے بہتر ہے۔ بعض علماء بھی ہماری اس رائے سے متفق نظر آتے ہیں، اکثر اکابرین سلف نے غالباً اسی خیال سے بادشاہوں کا مال لیا ہے۔ لیکن آج کے لوگ اس لئے نہیں لیتے کہ فقراء میں تقسیم کریں گے۔ بلکہ وہ اپنی ضرورتوں کے لیے لیتے ہیں، اور صحابہ کے عمل سے اپنے فعل کی صحت پر استدلال کرتے ہیں۔ بقول حضرت عبداللہ ابن مبارکؒ "جو لوگ بادشاہوں کے عطایا قبول کرتے ہیں وہ ابن عمرؓ اور عائشہؓ کے عمل کو حجت ٹھہراتے ہیں، لیکن ان جیسا عمل نہیں کرتے یعنی لے کر فقراء کو نہیں دیتے"۔ ہم لکھ چکے ہیں کہ حضرت عبداللہ ابن عمرؓ کو ایک مرتبہ ساٹھ ہزار درہم ملے تو آپ نے وہ درہم اسی مجلس میں شریک لوگوں میں تقسیم کردئے جس مجلس میں ملے تھے اور پھر سائل کو دینے کی ضرورت پڑی تو قرض لے کر اس شخص کی ضرورت پوری فرمائی، حضرت عائشہؓ سے بھی اسی طرح کے واقعات منقول ہیں۔ جابر ابن زید کے پاس کسی حاکم کی طرف سے نقد رقم کا ہدیہ آیا تو آپ نے اسے خیرات کردیا، اور فرمایا کہ قبول نہ کر کے ان کے قبضے میں رہنے دینے سے بہتر یہ ہے کہ میں ان سے لے کر خیرات کردوں۔ حضرت امام شافعیؒ کو ہارون رشید نے مال دیا تھا۔ انھوں نے بھی یہی کیا کہ تمام مال چند روز میں خیرات کردیا، اپنے لئے ایک پائی بھی نہیں بچائی۔

چوتھا درجہ:۔ یہ ہے کہ وہ مال اپنے لئے لیتا ہو نہ کہ حاجت مندوں میں تقسیم کرنے کے لیے اگرچہ اس کی حلت مُتیقّن نہ ہو، تاہم وہ کسی ایسے بادشاہ سے لیتا ہو جس کا اکثر مال حلال ہے، یہ صورت بھی جائز ہے، خلفاء راشدین کے بعد صحابہ اور تابعین کے زمانے میں خلفاء کے مال کی یہی حیثیت تھی، ان کا اکثر مال حرام نہیں تھا، جیسا کہ حضرت علیؓ کی تعلیل سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ بادشاہ زیادہ تر حلال مال ہی لیا کرتا ہے۔ بہرحال بعض علماء نے اکثر کی حلت پر اعتماد کرتے ہوئے اس کی اجازت دی ہے۔ لیکن ہم نے صرف ان لوگوں کے مال میں توقف کیا ہے جن کا مال محصور ہو جہاں تک شاہی مال کا تعلق ہے وہ حد حصر سے خارج ہے، اس لیے یہ ممکن ہے کہ کوئی مجتہد اس نتیجے پر پہنچے کہ جس مال کے متعلق حرمت کا علم نہ ہو اسے لینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ کیونکہ حلال غالب ہے، اور ہم نے اس مال سے منع کیا ہے۔ جس میں اکثر حرام ہو۔

ان چاروں درجات کی تفصیل سے یہ بات واضح ہوگئی ہوگی کہ اس زمانے کے حکمرانوں کے اموال ایسے نہیں ہیں جیسے پہلے زمانے میں تھے، موجودہ زمانے کے اموال اور گذشتہ زمانے کے اموال میں دو قطعی وجوہات کی بنا پر فرق ہے۔ ایک وجہ تو یہ ہے کہ ہمارے زمانے میں بادشاہوں کے تمام یا اکثر اموال حرام ہیں۔ حلال مدیں تین تھیں۔ صدقات، فئی اور غنیمت، فی الحال یہ تینوں مدیں معطّل ہیں، اور ان مدّات سے شاہی بیت المال کی آمنی متعلق نہیں ہے۔ اب صرف جزیہ باقی رہ گیا، سو وہ اس قدر ظلم اور

زیادتی سے وصول کیا جاتا ہے کہ شریعت اس ظلم کے ساتھ لینے کی اجازت نہیں دیتی۔ اول تو سلاطین جزیہ کی مقدار میں شرعی حدود کی پابندی نہیں کرتے' اور نہ عمال ہی وصول کے وقت ان امور کا التزام کرتے ہیں جو ذمیوں کے باب میں وارد ہوئے ہیں' جزیہ کی آمدنی یوں بھی بہت کم ہے' مسلمانوں سے خراج' تاوان اور رشوت کے بطور جو کچھ لیا جاتا ہے اس کی بنسبت جزیہ ۱۰۰/۱ (سوواں حصہ) بھی نہیں ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ ماضی کے بادشاہ عہدِ نبوی اور دورِ خلافت راشدہ سے اپنی قربت کی بنا پر اپنے ظلم و ستم کا احساس رکھتے تھے' ان کی خواہش یہ رہتی تھی کہ کسی طرح وہ صحابہ کرام اور تابعین عظام کے دل اپنی مٹھی میں لے لیں' اس غرض کی تکمیل کے لیے وہ لوگ ان حضرات کی خدمت میں عطایا بھیجتے' اور ان کی طلب و سوال کے بغیر باعزت طریقے پر اخراجات کے لیے رقوم پیش کرتے' بلکہ وہ یہ سمجھتے تھے کہ ہمارا دینا احسان نہیں ہے بلکہ ان کا قبول کرنا احسان ہے' پھر صحابہ اور تابعین بھی مال لے کر داد عیش نہ دیتے بلکہ اسے اللہ کی راہ میں خرچ کرتے' غریبوں اور ضرورت مندوں کو دیتے' مال کی ان کے نزدیک ذرا بھی اہمیت نہ تھی' آج کے "دینداروں" کی طرح وہ مال لے کر بادشاہوں کی اطاعت' اور ان کے فاسد اغراض کی تائید و توثیق نہیں کیا کرتے تھے' ان کی مجلسوں میں بیٹھتے' نہ ان کے حاشیہ نشینوں کی بھیڑ میں اضافے کا باعث بنتے' نہ ان کی بقا کے لیے دعا کرتے' بلکہ بد دعا کرتے' اور کھلے بندوں ان کے خلاف تنقید کرتے۔ ان کی برائیاں انہیں ناپسند تھیں' انھیں یہ اندیشہ رہتا تھا کہ جس قدر ہمیں بادشاہوں سے دنیا ملے گی ہمارے دین میں اسی قدر نقصان ہوگا۔ ان کے دل' ان کی زبانیں ان کے قلم ظالم و جابر بادشاہوں کے خون سے آزاد تھے۔ اب صورت حال اس کے برعکس ہے' بادشاہ صرف ان ہی لوگوں کو مال و دولت سے نوازتے ہیں جن کے متعلق انہیں یہ خیال ہو کہ وہ ہماری خدمت کرے گا' اور ہماری جماعت میں تکثیر کا باعث ہوگا' ہماری مدد کرے گا' ہماری مجلسوں میں شریک ہو کر رونق بڑھائے گا' اس کی زبان ہماری تعریف و توصیف کے لیے وقف ہوگی۔

میرے خیال میں اگر کوئی شخص ان سات ذلتوں سے بچا رہے تو سلاطین اسے ایک درہم بھی دینا گوارا نہ کریں' اگرچہ وہ فضل و کمال میں اپنے وقت کا شافعی ہی کیوں نہ ہو۔ اول سوال کرنا۔ دوم خدمت میں آگے رہنا۔ سوم تعریف و توصیف کرنا۔ چہارم ضرورت پڑنے پر شاہی مفادات کے تحفظ کے لیے ان کی مدد کرنا۔ پنجم شاہی مجالس اور تقریبات کی محفلوں میں تکثیر سواد کرنا' ششم ان کے لیے اپنی محبت' اپنی دوستی اور ان کے دشمنوں کے علی الرغم اپنے تعاون کا اظہار کرنا۔ ہفتم ان کے مظالم کی' عیوب اور اعمال بد کی پردہ پوشی کرنا۔

بہرحال اس زمانے میں اگر سلاطین کا مال حلال بھی ہوتا تب بھی ان وجوہات کی بنا پر لینا جائز نہ ہوتا' چہ جائیکہ اس صورت میں اجازت دی جائے جب کہ ان کا مال حرام یا مشکوک ہو' ان حالات میں اگر کوئی شخص بادشاہوں سے مال لینے کی جرأت کرے اور اپنے آپ کو صحابہ اور تابعین سے تشبیہ دینے لگے تو یہ ذرہ اور آفتاب والی ہوگی۔ مال لے کر جو ذلتیں برداشت کرنی پڑتی ہیں خواہ وہ بادشاہوں کی خدمت کی صورت میں ہو یا ان کی تعریف و توصیف کی صورت میں' یا ان کے عیوب کی پردہ پوشی کی صورت میں سب معصیت ہیں۔ آنے والے باب میں ہم اس موضوع پر تفصیل سے لکھنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ اب تک جو کچھ لکھا گیا ہے اس سے سلاطین کی آمدنی کی مدات بھی واضح ہو گئی ہیں' اور یہ بھی معلوم ہو گیا ہے کہ ان میں سے کون سی مد حلال ہے اور کون سی حرام ہے' فرق کیجئے کہ کسی شخص کو حلال مد میں سے اس کے استحقاق کے بقدر گھر بیٹھے مل جائے' اور اس سلسلے میں اسے کسی قسم کے تملق' خدمت اور مدح و ثناء کی ضرورت نہ پڑے تو یہ مال حرام نہیں ہوگا' تاہم متعدد وجوہات کی بنا پر مکروہ ہوگا۔ چھٹے باب میں ہم ان وجوہات پر روشنی ڈالیں گے۔

ماخوذ کی مقدار اور آخذ کی تعریف

اموال کی کئی قسمیں ہیں' بعض اموال کے مصارف متعین ہوتے ہیں جیسے زکوۃ' وقف' غنیمت اور فئی کے پانچواں حصہ۔ بعض

اموال بادشاہ کی ملکیت ہوتے ہیں جیسے وہ زمین جسے اس نے قابل کاشت بنایا ہو یا زر خرید جائداد وغیرہ۔ ان امور میں بادشاہ مختار کل ہے' وہ جو چاہے کرے' جسے چاہے دے' جسے چاہے نہ دے' مقدار کی بھی کوئی تحدید نہیں ہے' اب صرف وہ اموال باقی رہ جاتے ہیں جن کا تعلق مسلمانوں کی مصالح اور مفادات سے ہے جیسے فئی کے چار خمس' لاوارث میراث وغیرہ' اگرچہ یہ اموال بھی بادشاہ کی تولیت میں ہوتے ہیں' مگر وہ ان میں تصرف کا پورا پورا حق نہیں رکھتے۔ اس لیے اسے چاہیے کہ وہ اس طرح کے مال کو ان لوگوں پر صرف کرے جن پر صرف کرنے کی عام مصلحت اجازت دے۔ یا وہ لوگ محتاج ہوں کمانے سے معذور ہوں' اب اگر کوئی شخص مالدار ہے' اور اسے دینے میں کسی طرح کی کوئی مصلحت بھی نہیں ہے تو بیت المال کا مال اسے نہ دینا چاہیے۔ اگرچہ اس سلسلے میں علماء کا اختلاف ہے' مگر صحیح بات یہی ہے کہ ایسے شخص کو دینا درست نہیں ہے۔ حضرت عمرؓ کے ارشاد سے دینے کی گنجائش نکلتی ہے کہ بیت المال میں ہر مسلمان کا حق ہے' تاہم وہ جب بیت المال کی آمدنی تقسیم کرنے بیٹھتے تو تمام مسلمانوں کے حصے نہ لگاتے' بلکہ انہی مخصوص لوگوں کو دیتے تھے جن میں استحقاق کی صفت ہوتی۔ اس سے ثابت ہوا کہ جو شخص مسلمانوں کے مفادات کا نگراں اور ان کی مصالح کا محافظ ہو اور ایسا کام کرتا ہو جس میں مسلمانوں کا نفع ہو اور حال یہ ہو کہ اگر وہ شخص اس کام کو چھوڑ دے تو تکمیل نہ ہو سکے تو بیت المال میں اس کا بقدر کفایت مشاہرہ مقرر ہوگا۔ اس دائرے میں تمام وہ علماء بھی آجاتے ہیں جو دین کی مصالح کے لیے اپنے شب و روز وقف کیے ہوئے ہیں' خواہ وہ فقہ' حدیث' تفسیر اور تجوید کے معلم ہوں' یا مؤذنین اور ائمہ' یا علوم اسلامیہ کے طلباء۔ مؤخر الذکر اس لئے کہ اگر انہیں ان کا روزینہ نہ دیا گیا تو وہ علم کی طلب میں مشغول نہ رہ سکیں گے۔ وہ لوگ بھی اسی حکم میں ہیں جن کے عمل سے حکومت اسلامیہ کی دنیاوی مصالح وابستہ ہیں۔ جیسے سپاہی۔ یہ لوگ تلوار کے سائے میں مملکت کا تحفظ کرتے ہیں' دشمنوں' باغیوں اور اسلام دشمنوں سے اس کی حفاظت کرتے ہیں بیت المال کے دفاتر میں کام کرنے والے منشی' کارندے اور حساب داں بھی اس مال کے مستحق ہیں مصلحتیں دینی بھی ہوتی ہیں اور دنیاوی بھی۔ علماء سے دین کی حفاظت ہوتی ہے' اور سپاہیوں سے سرحدوں کی۔ دین اور ملک توأم ہیں ایسا نہیں کہ ان دونوں کو ایک دوسرے کی ضرورت نہ ہو۔ یہی حال طبیب کا ہے' اگرچہ بظاہر اس سے کوئی دینی امر وابستہ نہیں ہے' لیکن بہرحال صحت کا نظام عالم ظاہر میں اسی سے متعلق ہے' دین صحت کے بعد میں ہے' اس لئے اطباء کو بھی بیت المال میں سے ملنا چاہیے' تاکہ جو شخص ان سے مفت علاج کرانا چاہے وہ اس کا علاج کر سکیں' اور دین پر اس کی مدد کر سکیں۔ اس طرح کے لوگوں میں حاجت کی بھی شرط نہیں ہے' بلکہ انہیں مالداری کے باوجود بھی دیا جا سکتا ہے۔ خلفاء راشدین مہاجرین اور انصار کو بیت المال سے وظائف دیا کرتے تھے' حالانکہ سب حاجت مند نہ تھے۔ ان لوگوں کے روزینے وغیرہ کی کوئی مقدار بھی متعین نہیں ہے' بلکہ یہ معاملہ امام کی رائے پر موقوف ہے' اسے اختیار ہے وہ چاہے تو اتنا دے کہ پانے والا غنی ہو جائے' یا محض بقدر کفایت دے چنانچہ حضرت حسنؓ نے حضرت معاویہؓ سے ایک وقت میں چار لاکھ درہم وصول کئے تھے' حضرت عمر ابن الخطابؓ بعض لوگوں کو بارہ ہزار درہم سالانہ دیا کرتے تھے۔ حضرت عائشہؓ بھی انہیں لوگوں میں تھی جنہیں بارہ ہزار درہم ملا کرتے تھے بعض لوگوں کو دس ہزار' بعض دوسروں کو چھ ہزار درہم ملا کرتے تھے' مختلف لوگوں کے لیے مختلف مشاہرے تھیں۔ حاصل کلام یہ ہے کہ بیت المال مسلمانوں کا حق ہے' اس کا مال مسلمانوں میں تقسیم کر دینا چاہیے اور اتنا تو کرنا چاہیے کہ کچھ باقی نہ رہے' اس میں کوئی حرج نہیں کہ بادشاہ کسی ایک کو زیادہ مال دے دے' اور دوسروں کو کم دے۔ بادشاہ کو اختیار ہے کہ وہ اس مال میں سے مخصوص لوگوں کو خلعت اور انعام سے نوازے' شاہان سلف ایسا کیا کرتے تھے تاہم اس ضمن میں مصلحت اسلام پیش نظر رہنی چاہیے عالموں اور بہادروں کو انعامات دینا بہترین اقدام ہے' سلاطین کے اس عمل سے دوسرے لوگوں کو بھی ترغیب ہوتی ہے' اور ان کے دل میں یہ جذبہ پیدا ہوتا ہے کہ وہ بھی اس طرح کے کام کر کے ان لوگوں جیسا بننے کی کوشش کریں جنہیں اس اعزاز و اکرام سے نوازا گیا ہے۔ خلعتوں اور عطیوں کے یہ فوائد ہیں' اب یہ بات بادشاہ کے اجتہاد اور اس کی صواب دید پر منحصر ہے کہ وہ کن لوگوں کو اس داد و دہش کا مستحق قرار دے اور کن لوگوں کو نظر انداز کرے۔

جہاں تک جابر و ظالم سلاطین کا تعلق ہے ان کے سلسلے میں دو باتیں پیش نظر رہنی چاہئیں۔ پہلی بات یہ ہے کہ ظالم سلطان حکومت کے منصب سے برطرفی کے قابل ہے' اب برطرفی کی دو صورتیں ہیں' یا تو یہ کہ وہ معزول ہو یا واجبُ العزل ہے۔ جس بادشاہ کا عالم یہ ہو تو اس کا دیا ہوا مال لینا کیسے درست ہو سکتا ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ ظالم بادشاہ داد و دہش میں عمومیت اختیار نہیں کرتے' بہت سے مستحقین حق سے محروم رہ جاتے ہیں' وہ حکومت کے ظلم و جبر کی بنا پر سوال کا یارا بھی نہیں رکھتے' اس صورت میں دو چار لوگوں کے لیے لینا کیسے جائز ہے؟ اگر لینے کی اجازت دی جائے تو یہ سوال پیدا ہوسکتا ہے کہ انہیں اپنے حصہ کے بقدر حصہ لینا چاہیئے یا جتنا بادشاہ سے اتنا لے لینا چاہیئے۔ پہلے سوال کے جواب میں ہم عرض کریں گے کہ کسی بھی شخص کو لینے سے منع نہ کیا جائے' اس لئے کہ ظالم و جابر حکمراں جب اقتدار کے جلو میں ہوتا ہے تو اسے برطرف کرنا بہت مشکل ہوتا ہے' بلکہ اگر اسے برطرف کردیا جائے' اور اس کی جگہ دوسرا شخص مقرر کردیا جائے تو زبردست فتنے رونما ہوتے ہیں' ملک کے نظم و نسق کا حال قابو سے باہر ہوتا ہے' ان حالات میں بادشاہ کے خلاف علم بغاوت بلند کرنے کی اجازت نہیں ہے' بلکہ اس کی اطاعت واجب ہے۔ جیسا کہ امیر کی اطاعت واجب ہوتی ہے' امراء کی اطاعت کے وجوب' اور ان کی مدد سے باز رہنے پر وعید کے سلسلے میں بہت سی روایات وارد ہیں۔(۱) اس سلسلے میں ہماری رائے یہ ہے کہ بنو عباس کی اولاد میں سے جو شخص خلافت کے امور کا متکفل ہو اس کی خلافت منعقد ہوجاتی ہے' نیز یہ کہ ملک کے طول و عرض میں جن لوگوں نے خلیفہ سے بیعت کرلی ہو اس کی حکومت بھی نافذ ہوجاتی ہے۔ اسی کی مصلحت ہم نے کتاب المستظہری میں واضح کی ہے' یہ کتاب باطنی فرقے سے تعلق رکھنے والے روافض کے رد پر لکھی گئی کتاب "کشفُ الاسرار وہتک الاستار" مصنفہ قاضی ابو الطیب سے ماخوذ ہے۔ اس مصلحت کا خلاصہ یہ ہے کہ ہم مصالح میں زیادتی کی توقع پر سلاطین میں صفات اور شرائط کا لحاظ کرتے ہیں' اگر کسی بادشاہ میں یہ صفات اور شرائط مفقود ہوں اور ہم اس کی حکومت کو باطل قرار دے دیں تو سرے سے مصالح ہی فوت ہوجائیں چہ جائیکہ ان میں زیادتی کی توقع کی جاسکے بھلا بتلایئے ہم نفع کی خواہش میں راس المال کیوں ضائع کردیں؟ حقیقت یہ ہے کہ اس زمانے میں حکومت شوکت و قوت کے تابع ہے' اہل شوکت' اور اصحاب قوت جس کے ہاتھ پر بیعت کرلیں وہی خلیفہ ہے۔ اور جس کی شوکت مستقل ہو' صرف خطبے اور سکے میں خلیفہ کا مطیع ہو وہی نافذ الحکم سلطان ہے۔ ہم نے "کتاب الاقتصاد فی الاعتقاد" میں امامت کے احکام لکھ دیئے ہیں یہاں مزید تفصیل کی گنجائش نہیں ہے۔

اب دوسرا سوال رہ جاتا ہے کہ اگر بادشاہ کی داد و دہش عام نہ ہو تو ایک شخص کے لیے لینا جائز ہے یا نہیں' اس سلسلے میں علماء کے چار مختلف اقوال ہیں۔ بعض علماء نے مبالغہ سے کام لیتے ہوئے یہ کہا کہ جو کچھ وہ شخص لے گا اس میں تمام مسلمان شریک ہوں گے' اور وہ یہ نہیں جانتا کہ اس مال میں سے اس کا حصہ ایک حبّہ ہے' یا ایک چتّے سے کچھ زیادہ یا کم' اس لئے اس کے حق میں بہتر یہی ہے کہ وہ کچھ بھی نہ لے۔ بعض علماء کی یہ رائے ہے کہ اس شخص کو اپنے اس دن کے غذائی مصارف کے بقدر لینے کی اجازت ہے۔ اس لئے کہ حاجت کی بنا پر وہ اسی مقدار کا استحقاق رکھتا ہے۔ بعض اہل علم یہ فرماتے ہیں کہ اسے ایک سال کی غذا لینے کی اجازت ہے' کیونکہ یہ مشکل ہے کہ وہ روز کی غذا روز حاصل کرے' چھوڑنا بھی ٹھیک نہیں ہے' کیونکہ بیت المال میں اس کا حق

---

(۱) امراء کی اطاعت کے سلسلے میں بخاری کی حضرت انسؓ سے روایت ہے "اسمعوا واطیعوا وان استعمل علیکم عبد حبشی کان راسہ زبیبۃ" مسلم میں ابو ہریرہؓ کی حدیث ہے "علیک بالطاعۃ فی منشطک ومکرھک" مسلم میں ابوذرؓ کی روایت کے الفاظ ہیں "اوصانی النبیّ صلی اللہ علیہ وسلم ان اسمع واطیع ولو لعبد مجدع الاطراف" ساعدت سے باز رہنے کے سلسلے میں بخاری و مسلم نے ابن عباسؓ کی روایت نقل کی ہے "لیس احد یفارق الجماعۃ شبرا فیموت الامات میتۃ جاھلیۃ" مسلم میں ابو ہریرہؓ کی حدیث کے الفاظ ہیں "من خرج من الطاعۃ وفارق الجماعۃ فمات میتۃ جاھلیۃ" مسلم میں ابن عمرؓ کی حدیث ہے "من خلع یدا من طاعۃ لقی اللہ یوم القیامۃ ولا حجۃ لہ"

ہے' اس سے یہ کیسے کہا جاسکتا ہے کہ وہ اپنے حق سے دست بردار ہوجائے۔ کچھ لوگ یہ کہتے ہیں کہ جتنا مال اسے ملے وہ سب لے لے' اس پر کوئی گناہ نہیں' ظالم بادشاہ ہے' اور مظلوم وہ لوگ ہیں جو اپنے حق سے محروم رہ گئے ہیں' قیاس بھی یہی ہے' اس لئے کہ اس مال کی وہ حیثیت نہیں ہے جو مال غنیمت کی ہوتی ہے' مال غنیمت مجاہدین میں مشترک ہوتا ہے' یہ مال مسلمانوں میں مشترک نہیں ہوتا اور نہ یہ مال میراث ہے کہ مورث کے مرنے کے بعد ورثاء کی ملک ہوجائے۔ یہاں تک کہ اگر ورثاء مرجائیں تو ان ورثاء کے وارثین کو ان کے حصص کے بقدر دینا لازم ہو' بلکہ یہ مال غیر متعین حق ہے' قبضہ سے اس کی تعیین ہوتی ہے' یا یہ کہا جائے کہ اس کی حیثیت صدقات کی سی ہے کہ جب فقراء کو ان کا حصہ دے دیا جائے تب ان کی ملک ثابت ہوتی ہے۔ اب اگر صاحب مال ظلم کرے' مثلاً" یہ کہ زکوٰۃ کا مال مساکین' مسافرین اور قرضداروں وغیرہ کو نہ دے' بلکہ مستحقین کی صرف ایک نوع یعنی فقراء کو دے تو یہ نہیں کہا جائے گا کہ کیونکہ مالک مال نے ظلم کیا ہے اس لئے لینے والا فقیر اس مال کا مالک نہیں ہوا۔ یہ اس صورت میں ہے جب کہ بادشاہ کسی ایک کو تمام مال حوالے نہ کرے بلکہ اسے اتنا دے کہ اگر اوروں کو بھی دیتا تو اس کے حصے میں آیا ہوا مال زیادہ ہوتا' داد و دہش اور عطایا میں کمی بیشی جائز ہے۔ چنانچہ روایت میں ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے مال تقسیم کیا تو سب میں برابری قائم رکھی' حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو ایک دوسرے پر فضیلت دی ہے روایت میں ہے کہ جب آپ خلیفہ مقرر ہوئے تو حضرت عائشہؓ کو بارہ ہزار درہم حضرت زینبؓ کو دس ہزار' اور حضرت جویریہؓ اور حضرت صفیہؓ کو چھ چھ ہزار درہم سالانہ دیئے۔ اور حضرت علیؓ کے لیے ایک جاگیر مخصوص فرمائی' حضرت عثمانؓ نے بھی پانچ باغ اپنے لئے مخصوص فرمائے تھے' مگر بعد میں آپ نے ایثار سے کام لیا' اور اپنی ذات پر حضرت علیؓ کو ترجیح دی' اور ان سے کہا کہ یہ باغ آپ لے لیں' حضرت علیؓ نے ان کی پیش کش قبول فرمائی۔ کمی بیشی کی یہ تمام صورتیں جائز ہیں' اور مجتہد کی رائے پر موقوف ہیں۔ یہ مسئلہ ان مسائل میں سے ہے جن میں ہم یہ کہتے ہیں کہ ہر مجتہد مُصیب ہی ہوتا ہے' مُخطی نہیں ہوتا یہ وہ مسائل ہیں جن میں کوئی نص نہیں ہے' نہ ان کے قریب اور مثل پر کوئی نص ہے کہ قیاس جلی کی رو سے وہ بھی مثل کی طرح ہوجاتا ہے' شراب نوشی کی سزا بھی ایسے ہی مختلف فیہ مسائل میں شمار ہوتی ہے صحابہ کرام نے شراب پینے والوں کو چالیس کوڑوں کی سزا بھی دی' اور اسّی کوڑوں کی بھی۔ یہ دونوں سنت اور حق ہیں۔ اسی طرح تقسیم مال کے سلسلے میں حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ دونوں کا طریقہ کار حق تھا' صحابہ بھی دونوں کے فعل پر متفق تھے' جس شخص کو حضرت ابوبکرؓ کے دور خلافت میں زیادہ اور حضرت عمرؓ کے عہد میں کم مال ملا تھا اس نے زیادہ ملا ہوا مال واپس نہیں کیا' اور نہ زیادہ پانے والوں نے زیادہ لینے سے انکار کیا' اس سلسلے میں تمام صحابہ ایک رائے تھے' اور سب اس کا یقین رکھتے تھے کہ دونوں بزرگوں کا طریقہ صحت پر مبنی ہے' حق ہے۔ البتہ جن مسائل میں نص موجود ہے' یا قیاس جلی ہے' اور مجتہد نے غفلت کی بناء پر' یا سوء تفکیر کی بناء پر نص ترک کردی' یا قیاس جلی پر عمل نہیں کیا ان میں ہم ہرگز یہ نہیں کہیں گے کہ ہر مجتہد کی رائے صحیح ہے' بلکہ صحیح رائے اسی مجتہد کی ہے۔ جس نے نص پر عمل کیا۔

اس تفصیل کا حاصل یہ نکلا کہ اگر کسی شخص کی ذات سے دین یا دنیا کی کوئی مصلحت وابستہ ہو' اور وہ میراث یا جزیہ کے مال میں سے بادشاہ کا دیا ہوا کوئی عطیہ' انعام یا مشاہرہ قبول کرلے تو وہ صرف لینے ہی سے فاسق نہیں ہوجائے گا۔ بلکہ اس وقت فاسق کہلائے گا جب کہ اس نے مال کے عوض میں سلطان کی خدمت یا اعانت کی ہو' اس کے دربار میں حاضری دی ہو' اور بے جا تعریف کی ہو' ذیل کے باب میں ہم اسی موضوع پر گفتگو کریں گے۔

چھٹا باب

ظالم بادشاہوں کی مُصاحبت اور تعظیم

جاننا چاہیے کہ ظالم اُمراء اور حاکموں کے ساتھ تین حالتیں ہوسکتی ہیں۔ ایک حالت جسے بدترین حالت کہا جاسکتا ہے یہ ہے کہ

تم ان کے پاس جاؤ' دوسری حالت جو اس سے کم درجے کی ہے وہ یہ ہے کہ امراء اور حکام تمہارے پاس آئیں' تیسری حالت جو بہترین حالت ہے یہ ہے کہ تم ان سے کنارہ کشی اختیار کرو نہ وہ تمہیں دیکھیں اور نہ تم ان کو دیکھو۔

پہلی حالت:۔ شریعت میں انتہائی مذموم ہے' روایات میں اس حالت پر سخت وعیدیں منقول ہیں' اولاً" ہم اس مضمون کی کچھ احادیث اور آثار نقل کرتے ہیں تاکہ تمہیں یہ معلوم ہو کہ ظالم بادشاہوں کے دربار میں حاضرباشی کتنی بری ہے پھر یہ بتلائیں گے کہ علم ظاہر کے فتویٰ کی رو سے کون سا جانا حرام ہے' کون سا مباح ہے' اور کون سا مکروہ ہے۔

روایات:۔ ایک مرتبہ آپ کے سامنے ظالم امراء کا ذکر آیا تو آپ نے ان کے سلسلے میں یہ کلمات ارشاد فرمائے۔

فمن نابذهم نجا ومن اعتزلهم سلم او كاد يسلم ومن وقع معهم في دنياهم فهو منهم ومن خالطهم هلك (طبرانی۔ ابن عباسؓ)

جو ان سے مقابلہ کرے گا وہ نجات پائے گا جو ان سے کنارہ کشی اختیار کرے گا وہ سلامت رہے گا' اور جو شخص ان کے ساتھ ان کی دنیا میں رہے گا وہ ان کے ساتھ رہے گا' اور جو ان کی ہم نشینی اختیار کرے گا وہ ہلاک ہوگا۔

ایک مرتبہ ارشاد فرمایا:۔

سيكون بعدي امراء يكذبون ويظلمون فمن صدقهم بكذبهم واعانهم على ظلمهم فليس مني ولست منهم ولم يرد على الحوض (نسائی' ترمذی' حاکم۔ کعب ابن عجرہؓ)

میرے بعد ایسے حکمراں ہوں گے جو جھوٹ بولیں گے اور ظلم کریں گے جو شخص ان کے جھوٹ کو سچ کہے گا یا ظلم پر ان کی اعانت کرے گا وہ مجھ سے نہیں اور نہ میں اس سے ہوں' اور نہ وہ میرے ساتھ حوض کوثر پر آئے گا۔

حضرت ابو ہریرہؓ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کرتے ہیں:۔

ابغض القراء الى الله عز وجل الذين ياتون الامراء (یہ روایت کتاب العلم میں گذر چکی ہے)

اللہ تعالیٰ کے نزدیک قاریوں میں زیادہ برے وہ ہیں جو امراء کے پاس آمدورفت رکھیں۔

ایک حدیث میں ہے:۔

العلماء امناء الرسل على عباد الله ما لم يخالطوا السلطان' فاذا فعلوا ذلك فقد خانوا الرسل فاحذروهم واعتزلوهم (یہ روایت کتاب العلم میں گذر چکی ہے)

علماء اللہ کے بندوں پر اس وقت تک رسولوں کے امین ہیں جب تک وہ سلاطین سے میل جول نہ رکھیں اور جب وہ ایسا کرنے لگیں تو سمجھو کہ انہوں نے انبیاء سے خیانت کی ہے' ایسے لوگوں سے اجتناب کرو' اور ترک تعلق کرو۔

آثار:۔ حضرت حذیفہؓ ارشاد فرماتے ہیں کہ فتنوں کی جگہ سے بچو' عرض کیا گیا کہ فتنے کی جگہیں کیا ہیں' فرمایا: امیروں کے دروازے فتنوں کی جگہیں ہیں۔ جب تم میں سے کوئی شخص امیر کے یہاں جاتا ہے تو وہ اس کے جھوٹ کو سچ ثابت کرتا ہے' اور اس کی بیجا تعریف کرتا ہے' حضرت ابوذرؓ نے سلمہؓ سے فرمایا کہ اے سلمہ! بادشاہوں کے دروازوں پر نہ جانا' اس لئے کہ تمہیں ان کی دنیا میں سے جو کچھ ملے گا' اس سے افضل وہ تمہارے دین میں سے لے لیں گے۔ سفیان ثوریؒ فرماتے ہیں کہ دوزخ میں ایک وادی ہے اس میں صرف وہ قاری رہیں گے جو بادشاہوں کی ملاقات کے لئے جاتے ہیں۔ اوزاعیؒ کہتے ہیں کہ حاکم کی زیارت کرنے والے

عالم سے زیادہ مبغوض اللہ تعالیٰ کے نزدیک کوئی دوسرا نہیں ہے۔ سمنون فرماتے ہیں کہ یہ بات کتنی بری ہے کہ لوگ عالم کے پاس آئیں اور وہ انہیں نہ ملے' پوچھنے پر انھیں بتلایا جائے کہ وہ فلاں امیر کے یہاں گیا ہوا ہے' میں نے بزرگوں کا یہ ارشاد سن رکھا تھا کہ جب تم دنیا کی محبت میں گرفتار کسی عالم کو دیکھو تو اسے دین کے سلسلے میں متہم کرو' بعد میں مجھے اس قول کی صداقت آزمانے کا موقع بھی ملا' چنانچہ جب بھی میں کسی بادشاہ یا حاکم کے دربار سے واپس آیا تو محاسبۂ نفس کے وقت مجھے محسوس ہوا کہ اس پر میل جم گیا ہے' حالانکہ میں شاہی درباروں' یا حاکموں کی مجلسوں میں تملق' یا چاپلوسی کے لئے نہیں جاتا بلکہ میں ان کے ساتھ سختی کا برتاؤ کرتا ہوں' اور ان کی خواہشات کی مخالفت کرتا ہوں۔ حضرت عبادۃ ابن الصامتؓ کا مقولہ ہے کہ اگر عبادت گذار قاری امراء سے دوستی کرے تو یہ نفاق ہے' اور مالداروں سے محبت کرے تو یہ ریا ہے۔ حضرت ابوذرؓ ارشاد فرماتے ہیں کہ جو شخص کسی قوم کی بھیڑ میں اضافہ کرے تو اس کا شمار ان ہی لوگوں میں ہوگا۔ مطلب یہ ہیکہ ظالموں کی جماعت بڑھانے سے بھی آدمی ظالم کہلاتا ہے حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کا ارشاد ہے کہ آدمی بادشاہ کے دربار میں جاتا ہے تو اس کا دین اس کے ساتھ ہوتا ہے' اور واپس آتا ہے تو اس کا دین رخصت ہو جاتا ہے' لوگوں نے پوچھا اس کی وجہ کیا ہے؟ فرمایا: اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ بادشاہ کو ان باتوں سے خوش کرتا ہے جن سے باری تعالیٰ ناراض ہوں۔ حضرت عمر ابن عبدالعزیزؒ نے اپنے دور خلافت میں ایک شخص کو کسی جگہ کا حاکم مقرر فرمایا' پھر اس کے متعلق یہ علم ہوا کہ وہ حجاج کا عامل بھی رہا ہے' آپ نے اسے معزول کر دیا۔ اس شخص نے عرض کیا کہ میں نے حجاج کے دور میں زیادہ دنوں کام نہیں کیا۔ فرمایا کہ اس کی صحبت خواہ ایک دن کی ہو یا چند لمحوں کی تمہارے باطن میں شر پیدا کرنے کے لئے کافی ہے' فضیل ابن عیاضؒ کہتے ہیں کہ آدمی بادشاہوں سے جس قدر قربت پیدا کرتا ہے اسی قدر وہ اللہ تعالیٰ سے دور ہو جاتا ہے۔ سعید ابن المسیبؒ تیل کی تجارت کیا کرتے تھے' اور فرمایا کرتے تھے کہ اس تجارت کی وجہ سے بادشاہوں کے یہاں آنے جانے کی' اور ان کے سامنے دست طلب دراز کرنے کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ وہیب ابن وردہ کہتے ہیں کہ جو لوگ بادشاہوں کے یہاں جاتے ہیں وہ امت کے حق میں جواریوں سے زیادہ خطرناک ہیں۔ محمد ابن سلمہؒ فرماتے ہیں کہ پاخانے پر بیٹھنے والی مکھی اس قاری سے بہتر ہے جو امراء کے دروازوں پر جبہ سائی کرتا ہو۔ روایت ہے کہ جب زہری شاہی دربار میں آنے جانے لگے' اور امراء و حکام سے ان کا میل جول بڑھا تو ان کے ایک دینی بھائی نے انھیں خط لکھا کہ اے ابوبکر! اللہ تعالیٰ ہمیں اور تمہیں عافیت سے رکھے' اور فتنوں سے ہماری حفاظت فرمائے۔ تم جن حالات سے گذر رہے ہو ان کے پیش نظر تمہارے دوست احباب کو تمہارے لئے دعائے رحمت کرنی چاہیے تم بوڑھے ہو چکے ہو' خداوند قدوس کی طرف سے تمہیں عظیم ترین نعمتوں سے نوازا گیا ہے' اس نے تمہیں اپنی کتاب کی سمجھ عطا فرمائی ہے' اپنے پیغمبر کے طریقے پر چلنے کی توفیق بخشی ہے' لیکن شاید تم قرآن پاک کی اس آیت کا مفہوم نہیں سمجھ پائے۔

وَاِذْ اَخَذَ اللّٰہُ مِیْثَاقَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتَابَ لَتُبَیِّنُنَّہٗ لِلنَّاسِ وَلَا تَکْتُمُوْنَہٗ

(پ ۴' ر ۱۰ آیت ۱۸۷)

اور جب کہ اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب سے یہ عہد لیا کہ اس کتاب کو عام لوگوں کے رُوبرو ظاہر کر دینا اور اس کو پوشیدہ مت کرنا۔

جاننا چاہیے کہ جس جرم کا تم نے ارتکاب کیا ہے اس کی معمولی خرابی یہ ہے کہ تم نے اپنے قرب سے ان کی وحشت دور کی ہے' اور ان لوگوں کے لئے گمراہی کا راستہ آسان کر دیا ہے جنہوں نے نہ کوئی حق ادا کیا' اور نہ کوئی باطل ترک کیا' انہوں نے تمہیں اپنا مقرب بنایا تو محض اس لئے کہ تمہیں اپنے ظلم کا مرکز بنائیں' اور تمہارے وجود کی بنیاد پر ان کے ظلم و ستم کی چکی چلتی رہے' تم ان لوگوں کے لیے پُل ہو جسے وہ عبور کر کے گناہوں تک پہنچتے ہیں' تم ان کے لئے سیڑھی کا کام دو گے' وہ تمہارے سہارے گمراہی کی مدارج طے کریں گے اور تمہارے سبب سے علماء کی امانت و دیانت میں شک کریں گے' اور جاہلوں کے قلوب اپنی طرف کھینچیں

گے، جتنا انہوں نے تمہارا بگاڑا ہے، تمہیں نقصان پہنچایا ہے اس کے مقابلے میں تمہارا فائدہ بہت معمولی ہے، کیا تمہیں اس کا خوف نہیں کہ تم اپنے اس عمل کی بنا پر ان لوگوں کے زُمرہ میں شامل ہوگئے ہو جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

فَخَلَفَ مِنْ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ اَضَاعُوا الصَّلٰوةَ (پ ۱۶ ر ۷ آیت ۵۱)

پھر ان کے بعد (بعض) ایسے ناخلف پیدا ہوئے جنہوں نے نماز کو برباد کردیا۔

یہ بھی یاد رکھو کہ تمہارا معاملہ ان لوگوں سے ہے جو تمہارے حال سے ناواقف نہیں ہیں، اور تمہارے اعمال کے محافظ وہ ہیں جو تم سے غافل نہیں ہیں۔ اس لئے اب تم اپنے ذہن کا علاج کرو کہ اسے بیماری لاحق ہوگئی ہے، اپنا توشہ تیار رکھو کہ طویل سفر کا وقت قریب آچکا ہے، یہ بات بھی ذہن میں رہنی چاہیے کہ اللہ تعالیٰ سے زمین و آسمان میں کوئی چیز پوشیدہ نہیں ہے۔ بہرحال یہ روایات اور آثار بادشاہوں کے ساتھ اختلاط کے نتیجے میں پیدا ہونے والے فتنہ و فساد پر دلالت کرتے ہیں، ذیل میں ہم ان فتنوں کی فقہی نقطہ نظر سے تفصیل کرتے ہیں، تاکہ یہ معلوم ہوسکے کہ بادشاہ کے یہاں جانا مطلقاً" حرام نہیں ہے بلکہ جانا حرام بھی ہے، مکروہ اور مباح بھی ہے۔

جاننا چاہیے کہ جو شخص سلاطین کے پاس جاتا ہے وہ اپنے فعل سے یا اپنے قول سے، یا سکوت سے، یا اعتقاد سے باری تعالیٰ کی معصیت کا ارتکاب کرتا ہے۔ فعل کی معصیت یہ ہے کہ بادشاہوں کے محل عموماً" غصب کی زمین پر بنے ہوئے ہوتے ہیں، بعض اوقات زمینیں ہی نہیں بلکہ محل پر بھی زبردستی ان کا قبضہ ہوتا ہے، جانے والا ان مکانات میں داخل ہوتا ہے جن میں جانے کے لیے مالکوں کی طرف سے اجازت نہیں ہوتی، اور مالک کی اجازت کے بغیر اس کی مملوکہ زمین یا گھر میں داخل ہونا حرام ہے اب اگر کوئی شخص کہے کہ یہ بات معمولی ہے، اس طرح کے امور میں لوگ درگذر سے کام لیا کرتے ہیں، جیسے کوئی شخص ایک کھجور، یا روٹی کا ایک ٹکڑا اٹھالے تو اس سے بھی کوئی تعرض نہیں کیا جاتا۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ اس شخص کے کہنے میں نہ آنا، اور نہ اس کی دلیل سے فریب کھانا، اس لئے کہ درگذر کرنا غیر مغصوب چیز میں ہوتا ہے، غصب کی چیز میں درگذر نہیں ہوتا، اسی طرح اگر کوئی شخص یہ کہے کہ کسی شخص کے بیٹھنے سے زمین کو کوئی نقصان نہیں ہوتا، اسی طرح گذرنے سے بھی مالک کی ملکیت متاثر نہیں ہوتی، اس لیے معمولی بیٹھنے اور گذرنے پر کوئی مواخذہ نہ ہونا چاہیے۔ ہم یہ کہیں گے کہ درگذر وہاں کیا جاتا ہے جہاں گذرنے والا تنہا ہو، صورت مفروضہ میں گذرنے والا تنہا نہیں ہے بلکہ بہت سے لوگ ہیں اس لیے یہی کہا جائے گا کہ غصب سب کے فعل سے مکمل ہوا ہے پھر یہ بات بھی قابل غور ہے کہ بعض اوقات ایک کا گذرنا مالک کو ناگوار نہیں ہوتا، لیکن اگر بہت سے لوگ مل کر اس کی زمین کو اپنا راستہ بنالیں یا مستقل طور سے اٹھنے بیٹھنے لگیں تو یہ بات یقیناً اسے ناگوار ہوگی۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے تعلیم و تربیت میں ہلکی مار معاف ہے، لیکن اس وقت جبکہ مارنے والا ایک ہو، اب اگر بہت سے لوگ مل کر کسی کو ہلکی مار مارنے لگیں تو کیا وہ زندہ بچ سکے گا؟ ہرگز نہیں! اس صورت میں تمام لوگوں پر قصاص ہوگا حالانکہ ہر ایک کے لیے یہ عذر ہوگا کہ میں نے بہت معمولی ضرب لگائی تھی، واقعتاً" اتنی ضرب اگر ایک شخص سے صادر ہوئی ہوتی تو قصاص کا باعث نہ بنتی، لیکن سب کے مل کر مارنے سے یہ ضرب قصاص کا موجب بن گئی، اسی طرح غیر کی مملوکہ زمین میں بیٹھنا یا چلنا بھی ناجائز و حرام ہے۔

یہ تو مغصوبہ زمین کی بات ہوئی، فرض کیجئے کہ ظالم مغصوبہ زمین میں نہیں ہے بلکہ اپنی مملوکہ زمین پر مقیم ہے، اب اگر وہ کسی خیمے وغیرہ میں مقیم ہے تب بھی اس کے پاس جانا جائز نہیں ہے، کیونکہ وہ خیمہ حرام مال سے بنایا گیا ہے، اور حرام کے خیمے وغیرہ سے فائدہ اٹھانا اور اس کے سائے میں بیٹھنا حرام ہے۔ ہاں اگر خیمے وغیرہ حلال مال سے بنائے گئے تو جانے کی اجازت ہے، لیکن اگر اس کے رُوبرو جاکر سجدہ کیا، یا سر جھکایا، یا سلامی کے لیے خم ہوا تو یہ ظالم کی تعظیم ہوگی، اور اس کا باعث وہ حکومت ہوگی جو اس کے ظلم کا ذریعہ ہے، ظالم کے سامنے سر جھکانا، اور اس کی تعظیم کرنا گناہ ہے، بلکہ اگر کسی شخص نے غیر ظالم مالدار کے سامنے سر جھکایا، اور یہ تعظیم محض اس کی مالداری کی بنا پر کی تو اس شخص کے دین میں سے دو ثلث کم ہوجاتے ہیں، اس پر ظالم کے سامنے سر جھکانے کے

معاملے کو قیاس کرلینا چاہیے۔ ظالم کے سامنے جاکر السلام علیکم کہنا مباح ہے' ہاتھوں کو بوسہ دینا' اور سلام کے لیے جھکنا معصیت ہے۔ ہاں اگر ظلم کے خوف سے ایسا کرنے پر مجبور ہوا یا کسی عدل پرور امام یا کسی صحیح العقیدہ عالم یا کسی ایسے شخص کی دست بوسی کی جو اپنی دینی خدمات کی بنا پر اس کا مستحق ہے تو یہ جائز ہے۔ چنانچہ حضرت عبیدۃ الجراحؓ جب شام میں حضرت عمر ابن الخطابؓ سے ملے تو آپ نے ان کے ہاتھوں کو بوسہ دیا' حضرت عمرؓ نے انہیں ایسا کرنے سے نہیں روکا۔ بعض علماء نے اس سلسلے میں اس حد تک مبالغہ کیا ہے کہ ظالم بادشاہوں کو سلام کرنے اور ان کے سلام کا جواب دینے سے بھی روک دیا' ان کے خیال میں ظالم بادشاہوں سے اعراض کرنا' ان سے بے رخی اختیار کرنا اور انہیں حقیر سمجھ کر نظرانداز کرنا بڑے اجر و ثواب کی بات ہے۔ ان علماء کی یہ تمام باتیں صحیح ہوسکتی ہیں' مگر سلام کا جواب نہ دینا محل نظر ہے۔ سلام کے جواب کا تعلق واجب امور سے ہے۔ ظلم سے یہ واجب ساقط نہیں ہوتا۔ بہرحال جانے والا اگر ممنوعات کا ارتکاب نہ کرے' محض سلام پر اکتفا کرے تب بھی ان کے فرش پر بیٹھنا یقینی ہوگا۔ اور کیونکہ ان کا تمام مال حرام ہے اس لیے بیٹھنا بھی جائز نہ ہوگا۔ یہ فعل میں معصیت کی تفصیل تھی۔ اب سکوت کا حال سنئے۔ جب کوئی شخص بادشاہ کے دربار میں جاتا ہے تو شاہ عادات کے مطابق وہاں اسے زمین پر ریشم و کمخواب کے فرش' دسترخوان پر سونے چاندی کے برتن اور جسموں پر ریشمیں لباس نظر آتے ہیں' حالانکہ ریشم مردوں کے لیے حرام ہے' عام طور پر لوگ یہ سب کچھ دیکھتے ہیں' لیکن اپنے اندر انکار کی جرأت نہیں پاتے' بلکہ خاموشی اختیار کرتے ہیں' یہ بات اچھی طرح جان لینی چاہیے کہ برائی دیکھ کر خاموش رہنے والا بھی اس برائی میں شریک سمجھا جاتا ہے۔ یہ تو خیر ریشمی لباس' اور سونے چاندی کے برتنوں کی بات ہے۔ جانے والا تو ان کی فحش گفتگو بھی سنتا ہے' جھوٹ' کذب' افتراء' غیبت' اور ایذاءِ مسلم کے الفاظ بھی اس کے کانوں میں پڑتے ہیں' لیکن اس کے باوجود وہ خاموش رہتا ہے' حالانکہ فحش باتوں پر خاموش رہنا بھی حرام ہے۔ مجلس میں بادشاہ اور اس کے امراء و حکام حرام لباس زیب تن کیے رہتے ہیں' حرام کھانا کھاتے ہیں' لیکن جانے والا یہ سب کچھ دیکھتا ہے' حالانکہ حرام غذا کھاتے ہوئے دیکھ کر خاموش رہنا بھی جائز نہیں ہے' بلکہ اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ ان لوگوں کو بھلائی کا حکم دے' برائی سے روکے ہوسکے تو فعل سے ورنہ زبان سے یہ فرض ادا کرے۔ یہ عذر صحیح نہیں ہے کہ جانے والا چپ رہنے پر مجبور ہے' ہم یہ کہتے ہیں کہ اسے وہاں جانے کی ضرورت ہی کیا تھی' اسے کس نے مجبور کیا تھا کہ وہ ان مجلسوں میں جائے اور محذوراتِ شرعیہ کا مشاہدہ کرے' یا لغو باتوں سے اپنے کانوں کو آلودہ کرے' ہاں اگر جانے میں شرعی عذر ہوتا تو بلاشبہ یہ عذر بھی در خور اعتنا ہوتا۔ اسی بنا پر ہم یہ کہتے ہیں کہ اگر کسی شخص کو یہ معلوم ہوا کہ فلاں جگہ برائی ہے' منکر ہے' اور حال یہ ہے کہ وہ اس برائی کے ازالے پر قادر نہیں ہے تو اس شخص کو وہاں نہ جانا چاہیے۔ اگر گیا' اور منکرات دیکھنے کے باوجود خاموش رہا تو یہ جائز نہ ہوگا اس لئے بہتر یہی ہے کہ وہ ایسی جگہوں پر نہ جائے' اور منکرات کے مشاہدے سے اپنے آپ کو بچانے کی کوشش کرے۔

قول میں معصیت کی صورت یہ ہے کہ ظالم کے حق میں دعا کی جائے' اس کی ثنا خوانی کی جائے' اس کے باطل قول و عمل کی زبان سے سراہا کر' یا چہرے کی بشاشت سے تائید و تصدیق کی جائے' یا محبت اخلاص اور حمایت کا یقین دلایا جائے' یا شوق ملاقات کا اظہار کیا جائے' یا درازیٔ عمر کی دعا کی جائے۔ جانے والا جب دربار شاہی میں حاضری دیتا ہے تو وہ صرف سلام ہی پر اکتفا نہیں کرتا' بلکہ کچھ نہ کچھ کلام بھی کرتا ہے۔ عام طور پر یہ کلام دعا' تعریف و توصیف' تائید و توثیق اور اظہار شوق و انس سے خالی نہیں ہوتا۔ دعا کے باب میں ظالم کے لئے صرف اس طرح کی دعائیں جائز ہیں کہ "اللہ تعالیٰ آپ کی اصلاح فرمائے" "آپ کو نیکی کی توفیق عطا کرے" "آپ اطاعت خداوندی کے ساتھ دیر تک زندہ سلامت رہیں" لیکن اسے مولیٰ کہہ کر مخاطب کرنا' یا اس کے حق میں طول عمر' تمام نعمت' اور حفاظت ایزدی کی دعا کرنا جائز نہیں' سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:۔

من دعا لظالم بالبقاء فقد احب ان یعصی اللہ فی ارضہ[1]

---

(۱) یہ دونوں روایتیں پہلے بھی گذر چکی ہیں

جو شخص ظالم کے لیے زندگی کی دعا کرتا ہے وہ اللہ کی زمین میں اس کی نافرمانی کرانا چاہتا ہے۔
تعریف و توصیف میں مبالغہ کرنا' اور موصوف کو ان صفات سے متصف کرنا جن سے وہ خالی ہو جھوٹ بھی ہے اور نفاق بھی۔ اس میں ظالم کا اکرام بھی ہے۔ گویا جھوٹی تعریف میں تین گناہ ہیں۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:۔

من اکرم فاسقا فقد اعان علی ھدم الاسلام

جس نے فاسق کی تعظیم کی اس نے اسلام کی تخریب پر اعانت کی۔

ظالم کے قول کی تائید اور اس کے عمل کی توثیق بھی معصیت پر اعانت کے مترادف ہے۔ کسی کی معصیت کو اچھا بتلانا' یا معصیت کے ارتکاب پر اس کی تحسین کرنا اس بات کا ثبوت ہے کہ آپ اس بد عملی کا اعادہ چاہتے ہیں' اور اس کے لئے اسے شہ دے رہے ہیں' جس طرح کسی عمل پر زجر و توبیخ سے اس عمل کے دواعی کمزور پڑ جاتے ہیں' اسی طرح کسی عمل کی تائید و توثیق سے اس کے دواعی کو تحریک ملتی ہے۔ یہ معصیت پر اعانت ہے' اور شریعت نے معصیت پر اعانت کو بھی معصیت قرار دیا ہے۔ حضرت سفیان ثوریؒ سے کسی شخص نے دریافت کیا کہ ایک ظالم جنگل میں پیاس کی وجہ سے لب دم ہے کیا اسے پانی پلا دینا چاہیے۔ فرمایا: نہیں! اسے پانی مت پلاؤ۔ پانی پلانا اس کی اعانت ہے۔ بعض علماء نے اس سلسلے میں یہ کہا کہ اسے اتنا پانی پلا دینا چاہیے کہ اس کے دم میں دم آجائے۔ اس کے بعد پانی لے کر الگ ہو جانا چاہیے۔

محبت اور شوق ملاقات کا اظہار خلاف واقعہ بھی ہو سکتا ہے' اور مبنی بر حقیقت بھی۔ اگر کوئی شخص اس اظہار میں جھوٹا ہے تو وہ کذب بیانی اور نفاق کی معصیت میں مبتلا ہے' اور سچا ہے تو ظالم سے محبت کرنے اور اس کی بقا کی خواہش کے جرم کا مرتکب ہے کیونکہ ظالم اس بات کا مستحق ہے کہ اس سے بغض فی اللہ کیا جائے بغض فی اللہ واجب ہے' اور معصیت پسند شخص گناہ گار ہے۔ اب اگر کسی شخص نے ظالم سے اس کے ظلم کی بنا پر محبت کی تو وہ اس کی محبت کی بنا پر گناہ گار ہوگا' اور کسی دوسری وجہ سے محبت کی تو ترک واجب کی بنا پر نافرمانی کا مرتکب ہوگا۔ اگر کسی شخص میں خیر و شر دونوں جمع ہو جائیں تو خیر کا تقاضا یہ ہے کہ اس سے محبت کی جائے اور شر کا تقاضا یہ ہے کہ اس سے نفرت کی جائے۔ "کتاب الاخوۃ" میں ہم بتلائیں گے کہ ایک شخص میں نفرت اور محبت کا اجتماع کس طرح ہو سکتا ہے۔

بہر حال یہ معصیت کی تفصیل ہے۔ اگر کوئی شخص ان تمام معصیتوں سے بچا رہا' اور اس نے یہ کوشش کی کہ وہ اپنی زبان سے' عمل سے' سکوت سے' تائید و توثیق' اظہار شوق و انس سے' اور دعائے خیر سے اپنا دامن بچائے رکھے تو یہ یقین نہیں کیا جا سکتا کہ وہ شخص اپنے دل کو بھی خرابی سے محفوظ رکھ سکے گا۔ شاہی جلال' اور جاہ و حشمت کو دیکھ کر اس کے دل کے کسی گوشے میں خیال ضرور آئے گا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے ان نعمتوں سے محروم رکھا ہے' اور اسے نوازا ہے' اگر ایسا ہوا تب بھی وہ معصیت کے دائرے سے نہ نکل سکے گا۔ اس لیے کہ ارشاد نبوی ہے:۔

یا معشر المھاجرین لا تدخلوا علی اھل الدنیا فانھا مسخطۃ للرزق (۱)

اے گروہ مہاجرین! دنیاداری کے پاس مت جاؤ کیونکہ دنیا روزی کو خفا کر دیتی ہے۔

ظالم سلاطین' حکام اور امراء کے پاس آنے جانے میں ان مفاسد کے علاوہ کچھ خرابیاں اور بھی ہیں مثلاً یہ کہ دوسرے لوگ بھی اس کی تقلید کریں گے' اور ظالموں کے یہاں حاضری دیں گے' جانے سے ظالموں کی جماعت بھی بڑھے گی' اور ان کی محفلوں میں رونق بھی ہوگی۔ یہ سب امور مکروہ ہیں یا ممنوع۔

روایات میں ہے کہ حضرت سعید ابن المسیب کو عبد الملک ابن مروان کے لڑکوں ولید اور سلیمان کی بیعت کے لئے طلب کیا گیا'

---

(۱) حاکم۔ عبد اللہ ابن الشخیر حاکم کے الفاظ یہ ہیں "اقلوا الدخول علی الاغنیاء فانہ اجدر أن لا تزدروا نعم اللہ عزوجل"

آپ نے فرمایا بخدا جب تک زمین و آسمان میں تبدیلی کا عمل جاری ہے میں ہرگز ان دونوں کی بیعت نہیں کروں گا۔ اس لئے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے دو بیعتوں سے منع فرمایا ہے (ابو نعیم فی الحلیہ۔ یحیٰ ابن سعید)۔ لوگوں نے کہا کہ آپ دربار میں طلب کئے گئے ہیں' جانے سے انکار نہ کریں چلے جائیں' ایک دروازے سے جائیں دو سرے دروازہ سے باہر آجائیں۔ فرمایا: خدا کی قسم یہ بھی نہیں کروں گا' مجھے ڈر ہے کہ کہیں لوگ میری اتباع نہ کرنے لگیں' اور میرے جانے کو اپنے جانے کی حجت نہ بنالیں۔ اسی انکار کی پاداش میں آپ کو سو کوڑے لگائے گئے' اور ٹاٹ کا لباس پہنایا گیا مگر جانے پر رضامند نہیں ہوئے۔

اس وقت اس سلسلے میں قول فیصل یہ ہے کہ بادشاہوں کے یہاں صرف دو موقعوں پر جانا جائز ہے' ایک اس وقت جب کہ ان کی طرف سے حاضری کا حکم آئے' اور یہ گمان ہو کہ اگر میں نہ گیا' یا ان کی دعوت رد کردی تو وہ مجھے تکلیف پہنچائیں گے' یا رعایا کی اطاعت کا پہلو متأثر ہوگا' اور حکومت کا نظام درہم برہم ہوجائے گا۔ ان صورتوں میں جانا ضروری ہے' اس لیے نہیں کہ جانے میں داعی کی اطاعت ہے' بلکہ اس لئے کہ نہ جانے میں خلق کی مصلحت کے فساد کا اندیشہ ہے' دوسرے اس وقت جب کہ خود اس پر' یا کسی مسلمان بھائی پر ظلم ہورہا ہو' اور ظلم سے اپنے آپ کو' یا اپنے بھائی کو بچانے کی نیت لے کر بادشاہوں کے یہاں پہنچے اور ارادہ یہ ہو کہ وہ انھیں نصیحت سے یا فریاد سے متأثر کرے گا' تاکہ وہ اپنے ظلم کا سلسلہ بند کردیں۔ ان دونوں صورتوں میں بھی جانا غیر مشروط نہیں ہے' بلکہ شرط یہ ہے کہ وہاں جاکر نہ جھوٹ بولے' نہ تعریف کرے' اور نہ نصیحت کرنے میں بخل سے کام لے' بلکہ ہر وہ نصیحت کرے جس کے قبول ہونے کی توقع ہو۔

دوسری حالت۔ بادشاہوں کا آنا: دوسری حالت یہ ہے کہ خود بادشاہ تمہاری زیارت اور ملاقات کے لیے آئے۔ اس صورت میں اس کے سلام کا جواب دینا ضروری ہے تعظیم کے طور پر کھڑے ہونے میں بھی کوئی مضائقہ نہیں ہے' اس لیے کہ تمہارے گھر آکر اس نے علم و دین کی توقیر کی ہے' اس توقیر کی وجہ سے وہ تمہارے اعزاز و اکرام کا مستحق ہوگیا ہے' جس طرح ظالم اپنے ظلم کی وجہ سے تحقیر کا مستحق ہوجاتا ہے' اس لیے اکرام کا جواب اکرام سے اور سلام کا جواب سلام سے ہونا چاہیے۔ لیکن بہتر یہ ہے کہ اگر بادشاہ خلوت میں آئے تو اس کے لیے کھڑے نہ ہو تاکہ وہ تمہارے رویّے سے سمجھ لے کہ عزّت و احترام صرف دین کے لیے ہے' ظلم حقارت اور نفرت کے قابل ہے' نیز یہ کہ تم دین کے لیے ناراض اور دین کے لیے خوش ہوتے ہو' اور یہ کہ جس شخص سے اللہ تعالیٰ ناراض ہوتے ہیں' اس سے اللہ کے نیک بندے بھی اعراض کرتے ہیں ہاں اگر مجمع عام میں ملاقات کے لیے آئے تو رعایا کے سامنے ارباب حکومت کی حشمت کی رعایت کرنا ضروری ہے۔ لیکن اگر یہ خیال ہو کہ میرے کھڑے ہونے سے رعایا پر کوئی اثر نہ ہوگا' یا خود بادشاہ خفا ہوکر مجھے ایذاء نہیں پہنچائے گا تو بہتر یہ ہے کہ کھڑا نہ ہو۔

ملاقات کے بعد عالم کے لیے ضروری ہے کہ وہ بادشاہ کو نصیحت کرے' اگر وہ کسی حرام کام میں اپنی ناواقفیت کی بنا پر مبتلا ہو' اور توقع یہ ہو کہ اگر اسے نصیحت کی جائے تو وہ اپنی حرکت سے باز آجائے گا تو اسے اس کام کی حرمت کے متعلق بتلانے کی ضرورت نہیں ہے۔ نہ بتلانے میں کوئی فائدہ ہے' اگر یہ خیال ہو کہ بادشاہ انذار و تخویف کے بغیر اپنی حرکتوں سے باز نہیں آئے گا تو انذار و تخویف سے کام لینا چاہیے۔ عالم پر یہ بھی واجب ہے کہ وہ مصلحت کی جانب بادشاہ کی رہنمائی کرے' مگر اس میں بھی شریعت کے اوامر کی پوری پوری رعایت کرے' اس طرح پر کہ بادشاہ جس غرض کے حصول میں مبتلا ہے وہ اسے کسی معصیت کے بغیر حاصل ہوجائے' بہرحال بادشاہ سے ملنے کے بعد تین باتیں واجب ہوتی ہیں' ایک یہ کہ جو بات اسے معلوم نہ ہو وہ بتلانا' دوم یہ کہ جن گناہوں میں وہ مبتلا ہو ان سے روکنا' اور روکنے کے عمل میں نصیحت سے اور ضرورت پڑنے پر ڈرانے دھمکانے سے کام لینا' سوم ان راستوں کی رہنمائی کرنا جن پر چل کر وہ کسی معصیت اور ظلم کے بغیر اپنے مفادات پورے کرسکتا ہو۔ یہ تین واجبات ہیں' ان کا تعلق اس شخص سے بھی ہے جو کسی عذر سے یا عذر کے بغیر بادشاہ کے پاس جائے۔ محمد ابن صالحؒ کہتے ہیں کہ میں حماد ابن سلمہؒ کے پاس تھا' اس وقت ان کے کمرے میں ایک چٹائی بچھی ہوئی تھی جس پر وہ بیٹھا کرتے تھے' قرآن پاک کا ایک نسخہ تھا جس میں وہ

تلاوت کیا کرتے تھے' کتابوں کا ایک بستہ تھا' اور وضو کا ایک لوٹا تھا' بہرحال میں ان کی خدمت میں حاضر تھا کہ دروازے پر دستک ہوئی' معلوم ہوا کہ خلیفہ محمد ابن سلیمان باریابی کی اجازت چاہ رہے ہیں' اجازت ملنے پر وہ اندر آئے' اور خاموشی کے ساتھ محمد ابن سلمہ کے سامنے بیٹھ گئے' اور عرض کیا کہ اس کی کیا وجہ ہے کہ جب میں آپ کو دیکھتا ہوں تو مرعوب ہو جاتا ہوں فرمایا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:۔

ان العالم اذا ارادبعلمه وجه اللّٰه هابه کل شی واذا ارادان یکنزبه الکنوز هاب من کل شی (۱)

عالم جب اپنے علم سے اللہ تعالیٰ کی رضا چاہتا ہے تو اس سے ہر چیز ڈرتی ہے' اور جب وہ علم کے ذریعہ مال جمع کرنے کا ارادہ کرتا ہے تو وہ ہر چیز سے ڈرتا ہے۔

راوی کہتے ہیں کہ اس گفتگو کے بعد محمد ابن سلیمان نے محمد ابن سلمہؒ کی خدمت میں چالیس ہزار درہم پیش کئے اور یہ خواہش ظاہر کی کہ آپ یہ دراہم لے لیں' اور لوگوں میں تقسیم کردیں۔ فرمایا کہ تقسیم میں عدل کرنے کے باوجود مجھے اندیشہ ہے کہ محروم رہ جانے والے لوگ یہ نہ کہنے لگیں کہ میں نے انصاف سے کام نہیں لیا' اس لیے مجھے معاف ہی رکھو تو بہتر ہے۔

<u>تیسری حالت۔ عزلت نشینی:۔</u> تیسری حالت یہ ہے کہ سلاطین سے علیحدہ رہے' نہ ان کی صورت دیکھے اور نہ انھیں اپنی صورت دکھائے۔ اپنی ذات کی سلامتی کے لیے ظالم سلاطین سے دور رہنا واجب ہے۔ یہ بھی ضروری ہے کہ مظالم کی بنا پر دل میں ان کی عداوت رکھے' انھیں برا جانے' ان کی بقا اور استحکام سلطنت کی آرزو نہ کرے' ان کی تعریف نہ کرے' ان کے حالات کی جستجو اور ٹوہ میں نہ رہے۔ جو لوگ ان سے قربت رکھتے ہوں ان سے کنارہ کشی اختیار کرے۔ ان سے دوری کی بنا پر اگر کوئی نقصان پہنچے یا کوئی چیز حاصل نہ ہو تو اس پر افسوس نہ کرے' یہ اس صورت میں ہے جب کہ دل میں اس کا خیال ہو کہ فلاں چیز سے کنارہ کشی اختیار کرنے کی بنا پر حاصل نہیں ہو سکی ہے۔ دل میں اسی کا خیال نہ آنا ہی زیادہ بہتر ہے' پھر بھی اگر کبھی یہ خیال گذرے کہ ان کے پاس مال و دولت زیادہ ہے' سامان عیش و عشرت کی کوئی کمی نہیں ہے تو حاتم اصم کا قول یاد کرے انھوں نے فرمایا تھا کہ مجھ میں اور بادشاہوں میں ایک ہی دن کا فرق ہے۔ گذشتہ کل کی لذت نہ مجھے میسر ہے اور نہ انھیں' آئندہ کل کے بارے میں میں بھی خوف زدہ ہوں' اور وہ بھی خوف زدہ ہیں' صرف آج کا دن رہ جاتا ہے' وہ عیش میں ہیں میں عیش میں نہیں ہوں' مگر صرف ایک روز کے عیش سے کیا ہوتا ہے۔ حضرت ابوالدرداء کا قول بھی ذہن میں رکھے' انھوں نے فرمایا تھا کہ مالدار ہم سے کچھ زیادہ مختلف نہیں ہیں' وہ بھی کھاتے ہیں ہم بھی کھاتے ہیں' وہ بھی پیتے ہیں ہم بھی پیتے ہیں' وہ بھی پہنتے ہیں ہم بھی پہنتے ہیں' فرق صرف اتنا ہے کہ ان کے پاس کچھ زائد اموال ہیں' جنھیں وہ دیکھتے رہتے ہیں' ان کے ساتھ کبھی کبھی ہم بھی دیکھ لیتے ہیں لیکن ان سے ان اموال کا حساب ہوگا۔ اور ہم سے کسی طرح کی بازپرس نہ ہوگی۔

جو شخص کسی ظالم کے ظلم سے' یا گنہگار کے گناہ سے واقف ہو تو واقف ہونے والے کو چاہیے کہ وہ اپنے دل سے گنہگار' ظالم کا مرتبہ گھٹادے' یہ انسانی فطرت ہے کہ جب کسی شخص سے مکروہ فعل سرزد ہوتا ہے تو دل سے اس کی عظمت کم ہو جاتی ہے' اور کیونکہ گناہ یا ظلم مکروہ فعل ہیں اس لیے ان کے ارتکاب سے بھی مرتکب کے احترام اور عظمت میں کمی آنی چاہیے۔ معصیت یا ظلم کو مکروہ جاننا ضروری ہے۔ اس لیے کہ اگر مکروہ نہ سمجھے گا تو اسے بھول جائے گا' یا اسی پر خوش ہوگا جاننے کے بعد بھولنا ممکن نہیں' اور کسی سلیم الفطرت سے یہ توقع نہیں کی جاسکتی کہ وہ معصیت پر خوش ہوگا۔ اب صرف ایک ہی صورت رہ جاتی ہے اور وہ

---

(۱) یہ روایت معضل ہے۔ ابن الجوزیؒ نے کتاب صفوۃ الصفوۃ میں اسے مرفوع کہا ہے۔ ابن حبان نے کتاب الثواب میں واثلہ ابن اسقع سے اسی مضمون کی ایک روایت نقل کی ہے۔

کراہت ہے۔ یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ دل سے کسی چیز کو برا سمجھنا غیر اختیاری فعل ہے بھلا اسے واجب کس طرح کہا جاسکتا ہے۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ عاشق فطرتاً محبوب کی پسند اور ناپسند کے تابع ہوتا ہے' جو چیز محبوب کو بری لگتی ہے وہ اسے بھی طبعاً بری معلوم ہوتی ہے۔ جو شخص معصیت خداوندی کو برا نہ سمجھے اس کو یہ دعوی کرنے کا حق نہیں ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے محبت رکھتا ہے' اللہ تعالیٰ کی محبت واجب ہے' اور جب کوئی شخص اللہ تعالیٰ سے محبت کرے گا تو اس چیز سے نفرت ضرور کرے گا جو اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہوگی' اور اس چیز سے محبت کرے گا جو اللہ کو پسند ہوگی۔ اس کی تحقیق محبت و رضا کی بحث میں کی جائے گی۔ انشاء اللہ۔

علمائے سلف اور سلاطین کے یہاں آمدورفت:۔ یہ اعتراض کیا جاسکتا ہے کہ علماء سلف سلاطین کے درباروں میں آیا جایا کرتے تھے' حالانکہ تم آنے جانے سے منع کرتے ہو؟ اس کا جواب یہ ہے کہ واقعتاً وہ لوگ سلاطین کے درباروں میں جاتے تھے' لیکن یہ ان ہی کے لیے جائز تھا۔ اگر تم بھی ان کے نقش قدم پر چلنے لگو' اور شاہی درباروں میں آمدورفت کا طریقہ سیکھ لو تو تمہارے لئے بھی جانا جائز ہوگا۔ روایات میں ہے کہ جب ہشام ابن عبدالملک فریضۂ حج ادا کرنے کے لیے مکہ مکرمہ پہنچا تو لوگوں سے کہا کہ میرے پاس کسی صحابی رسول کو بلا کر لاؤ' لوگوں نے عرض کیا کہ تمام صحابہ وفات پا چکے ہیں' حکم دیا کہ کسی تابعی کو بلاؤ' اس وقت طاؤس یمانی بھی مکہ مکرمہ میں تھے' لوگ انھیں پکڑ کر لے آئے' ہشام کی اقامت گاہ میں پہنچے تو فرش کے کنارے جوتے اتارے اور "یا ہشام" کہہ کر سلام کیا' امیر المؤمنین نہیں کہا' نہ کنیت ہی ذکر کی' اس کے بعد سامنے جاکر بیٹھ گئے اور خیر و عافیت دریافت کرنے لگے' ہشام حضرت طاؤس الیمنی کی ان حرکات سے انتہائی برافروختہ ہوا اور انھیں قتل کا ارادہ کرلیا۔ لوگوں نے ہشام کے غیظ و غضب کی یہ حالت دیکھی تو عرض کیا کہ آپ اس وقت حرم خدا اور حرم رسول میں مقیم ہیں' یہ نہیں ہوسکتا کہ آپ اس مقدس مقام پر اپنے ارادے کو عملی جامہ پہنائیں۔ جب غصہ ٹھنڈا ہوا تو ہشام نے طاؤس سے دریافت کیا کہ تم نے یہ حرکت کیوں کی؟ آپ نے فرمایا کہ میں نے تو کچھ بھی نہیں کیا' یہ جواب سن کر اسے اور زیادہ غصہ آیا۔ اور اسی عالم میں اس نے کہا کہ تم نے میرے سامنے جوتے اتارے' مجھے امیر المؤمنین کہہ کر سلام نہیں کیا' میری کنیت ذکر نہیں کی' میرے ہاتھوں کو بوسہ نہیں دیا' اور میری اجازت حاصل کئے بغیر سامنے آکر بیٹھ گئے' اور انتہائی بے باکی کے ساتھ پوچھنے لگے کہ اے ہشام! تم کیسے ہو؟ طاؤس نے جواب دیا کہ جہاں تک جوتے اتارنے کی بات ہے تو میں اللہ رب العزت کے سامنے روزانہ پانچ مرتبہ جوتے اتارتا ہوں' نہ وہ مجھ پر خفا ہوتا ہے' اور نہ کوئی سزا دیتا ہے' تمہارے ہاتھوں کو بوسہ میں نے اس لیے نہیں دیا کہ امیر المؤمنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا گرامی مجھے یاد ہے فرماتے ہیں کہ آدمی کے لیے جائز نہیں کہ وہ کسی کے ہاتھوں کو بوسہ دے' الا یہ کہ اپنی بیوی کے ہاتھوں کو شہوت سے' اور بچوں کے ہاتھوں کو شفقت کی بنا پر بوسہ دے۔ میں نے امیر المؤمنین اس لیے نہیں کہا کہ تمام مسلمان تمہاری خلافت سے راضی نہیں ہیں' اس لیے مجھے یہ اچھا نہیں معلوم ہوا کہ جھوٹ بولوں اور تمہیں عام اہل اسلام کا امیر قرار دوں۔ کنیت ذکر نہ کرنا جرم نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں اپنے پیغمبروں کے نام بغیر کنیت کے لیے ہیں' جیسے یا داؤد' یا یحییٰ' یا عیسیٰ' اور دشمنوں کے ناموں کے ساتھ کنیت ذکر فرمائی ہے: جیسے تَبَّتْ یَدَا اَبِیْ لَهَبٍ تمہارے سامنے بیٹھنے کی وجہ یہ ہے کہ میں نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے سنا تھا کہ جب تم کسی دوزخی کو دیکھنا چاہو تو ایسے شخص کو دیکھ لو جس کے اردگرد لوگوں کا ہجوم دست بستہ کھڑا ہو۔ راوی کہتا ہے کہ حضرت طاؤس کی یہ صاف صاف باتیں سن کر ہشام نے کہا کہ آپ مجھے کوئی نصیحت فرمائیں۔ فرمایا کہ میں نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا یہ ارشاد سنا ہے' تمہیں بھی سنائے دیتا ہوں کہ دوزخ میں پہاڑوں کی چوٹیوں کے برابر سانپ' اور خچروں کے برابر بچھو ہیں' سانپ اور بچھو ان اُمراء کو ڈسیں گے جنھوں نے حکومت کی' مگر رعایا کے ساتھ عدل و انصاف نہیں کیا۔ یہ کہہ کر آپ تیزی سے اٹھے اور باہر نکل گئے۔ سفیان ثوریؒ کہتے ہیں کہ منیٰ میں مجھے ابو منصور کے پاس لے جایا گیا ابو جعفر نے کہا کہ اپنی ضرورت بیان کرو؟ میں نے کہا کہ اللہ سے ڈرو' تم نے ظلم و ستم کی انتہا کردی ہے' منصور نے سر جھکالیا' تھوڑی دیر بعد سر اٹھا کر کہا کہ اپنی ضرورت بیان کیجئے؟ میں نے کہا کہ تم اس منصب تک انصار اور مہاجرین کی تلواروں کی بدولت پہنچے ہو' لیکن اس منصب پر پہنچنے کے بعد تم عیش

کررہے ہو اور انصار و مہاجرین کے بچے فقرو فاقہ کی زندگی گذار رہے ہیں۔ منصور نے پھر سر جھکالیا' تھوڑی دیر بعد سر اٹھایا' اور مجھ سے کہا کہ اپنی حاجت بتلائیں؟ میں نے کہا کہ جب حضرت عمرابن الخطابؓ حج کے لیے تشریف لائے تھے تو انہوں نے اپنے خازن سے دریافت کیا تھا کہ اس سفر میں کتنے مصارف آئے ہیں' خزانچی نے بتلایا تھا کہ کل دس درہم خرچ ہوئے ہیں' لیکن میں یہاں دیکھ رہا ہوں کہ تم اتنا مال و دولت لے کر آئے ہو کہ شاید چند اونٹ بھی اس کے متحمل نہ ہوں۔ ان واقعات سے ثابت ہوا کہ اکابرین سلف شاہی درباروں میں داد عیش دینے نہیں جاتے تھے' اگر وہ لوگ کبھی گئے یا زبردستی لیجائے بھی گئے تو انہوں نے اللہ کے لیے ان کے مظالم کا انتقام ضرور لیا' اور اس سلسلے میں اپنی جانیں تک قربان کردیں۔ مشہور عالم ابن ابی شمیلہ عبد الملک ابن مروان کے پاس تشریف لے گئے' اس نے نصیحت کی درخواست کی۔ انہوں نے فرمایا کہ قیامت کے روز قیامت کی سختیوں' تلخیوں اور مصیبتوں سے صرف وہی لوگ محفوظ رہیں گے جنہوں نے اپنے نفس کو ناراض کرکے باری تعالیٰ کو راضی کیا ہوگا۔ یہ پُر اثر کلمات سن کر عبد الملک رو پڑا' اور کہنے لگا کہ میں آپ کا یہ زریں مقولہ زندگی کے آخری سانس تک فراموش نہ کرسکوں گا۔ جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے عبد اللہ ابن عامرؓ کو کسی علاقے کا گورنر مقرر کیا تو بہت سے صحابہ آپ کے پاس تشریف لائے لیکن ابوذر غفاریؓ نہیں آئے' حالانکہ وہ عبد اللہ ابن عامر کے مخلص دوستوں میں شامل تھے' ابن عامرؓ کو یہ بات ناگوار گذری' اور انہوں نے اپنی ناراضگی کا اظہار بھی کیا' ابوذر غفاریؓ نے فرمایا کہ میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جب کوئی شخص حکومت کے کسی منصب پر فائز ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس سے دور ہوجاتے ہیں۔ (اس حدیث کی اصل مجھے نہیں ملی) مالک ابن دینارؒ بصرہ کے حاکم کے پاس گئے' اور فرمایا کہ اے امیر! میں نے کسی کتاب میں اللہ تعالیٰ کا یہ قول پڑھا ہے کہ سلطان سے زیادہ احمق کوئی نہیں ہے' اور جو شخص میری نافرمانی کرے اس سے بڑھ کر جاہل کوئی نہیں ہے' اور جو شخص میری عزت کرے اس سے زیادہ باعزت کوئی نہیں ہے' اے برے چرواہے! میں نے تجھے موٹی تازی بکریاں دیں' تو نے ان کا گوشت کھایا' ان کی اون پہنی' اور ان کا دودھ نچوڑا یہاں تک کہ ان کے جسموں میں ہڈیاں ہی ہڈیاں باقی رہ گئیں بصرہ کے حاکم نے کہا کہ مالک ابن دینار! کیا تم جانتے ہو کہ تم میں گفتار کی یہ جرأت کیسے پیدا ہوئی؟ فرمایا: نہیں' اس نے کہا کہ یہ جرأت تمہارے اندر اس لیے پیدا ہوئی کہ تم ہم لوگوں سے کسی طرح کا کوئی لالچ نہیں رکھتے' اور جو کچھ تمہارے پاس ہوتا ہے اسے بچا کر نہیں رکھتے' حضرت عمرابن عبد العزیزؒ سلیمان ابن عبد الملک کے ساتھ کھڑے ہوئے تھے کہ بجلی کی گرج سنائی دی' آواز اتنی ہیبت ناک تھی کہ سلیمان نے شدّتِ خوف سے اپنا منھ سینے میں چھپالیا' عمرابن عبد العزیزؒ نے فرمایا کہ اے سلیمان رحمت کی آواز سن کر تمہاری دہشت اور خوف کا عالم یہ ہے تو اس وقت کیا عالم ہوگا جب صور قیامت پھونکا جائے گا' اور عذاب خداوندی کی خوفناک آواز گونجے گی۔ اس کے بعد سلیمان نے اپنے درباریوں پر نظر ڈالی۔ اور بطور فخر کہا کہ کتنے بہت سے لوگ یہاں جمع ہیں! حضرت ابن عبد العزیزؒ نے فرمایا کہ اے امیر المومنین یہ سب لوگ آپ کے مدعی ہیں۔ سلیمان نے کہا کہ خداوند تعالیٰ تمہیں بھی ان لوگوں کے ساتھ مبتلا کرے۔ سلیمان ابن عبد الملکؒ جب حج کے ارادے سے مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ میں آیا تو حضرت ابو حازم کو طلب کیا' جب وہ آئے تو سلیمان نے ان سے پوچھا کہ اے ابو حازم! اس کی کیا وجہ ہے کہ ہم موت کو برا سمجھتے ہیں؟ فرمایا: اس کی وجہ یہ ہے کہ تم نے اپنی آخرت تباہ اور دنیا آباد کرلی ہے' اب تمہیں یہ اچھا نہیں معلوم ہوتا کہ آبادی چھوڑ کر ویرانے کا رخ کرو۔ سلیمان نے دریافت کیا کہ اے ابو حازم! اللہ تعالیٰ کے یہاں حاضری کی کیا صورت ہوگی؟ فرمایا کہ نیک لوگ اللہ تعالیٰ کے سامنے اس طرح جائیں گے جس طرح کوئی شخص اپنے گھر جاتا ہے' اور برے لوگ اس طرح پیش ہوں گے جس طرح کوئی مفرور غلام اپنے آقا کے سامنے لایا جاتا ہے سلیمان ابو حازم کی باتیں سن کر رو پڑا۔ اور کہنے لگا کہ مجھے نہیں معلوم اللہ تعالیٰ کے یہاں پیش کرنے کے لیے میرے پاس کیا ہے؟ اور میں اس کے یہاں نیک بندے کی طرح ہوں گا' یا بھگوڑے غلام کی طرح؟ ابو حازم نے فرمایا کہ قرآن کریم کی روشنی میں اپنے نفس کا جائزہ لو' اور اپنے عمل کا احتساب کرو۔ ارشاد خداوندی ہے۔

اِنَّ الْاَبْرَارَ لَفِیْ نَعِیْمٍ وَاِنَّ الْفُجَّارَ لَفِیْ جَحِیْمٍ (پ ۳۰ ر ۷ آیت ۱۳-۱۴)
نیک لوگ بیشک آسائش میں ہوں گے اور بدکار لوگ بیشک دوزخ میں ہوں گے۔

سلیمان نے دریافت کیا کہ جب نیکوکار اور سیہ کاروں کی قسمت کا فیصلہ ہو چکا ہے تو اللہ تعالیٰ کی رحمت کہاں ہے؟ فرمایا:۔

اِنَّ رَحْمَتَ اللّٰہِ قَرِیْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِیْنَ (پ ۸ ر ۱۴ آیت ۵۶)
بے شک اللہ تعالیٰ کی رحمت نزدیک ہے نیک کام کرنے والوں سے۔

اس کے بعد سلیمان نے سوال کیا کہ اے ابو حازم! اللہ کے بندوں میں بزرگ تر لوگ کون ہیں' فرمایا! نیکی اور تقویٰ والے' پوچھا کہ بہترین عمل کون سا ہے؟ فرمایا: حرام امور سے بچنا' اور فرائض ادا کرنا' دریافت کیا کہ کون سا کلام سننے کے قابل ہے؟ جواب دیا: وہ حق بات جو کسی ظالم جابر کے سامنے کہی جائے پھر پوچھا کہ ایمان والوں میں زیادہ عقلمند اور زیرک کون ہے؟ فرمایا: وہ شخص جو خود بھی اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرے' اور دوسروں کو بھی اس کی دعوت دے۔ دریافت کیا کہ اہل ایمان میں کون شخص زیادہ خسارے میں ہے' فرمایا: وہ شخص جو اپنے ظالم بھائی کی خواہش پر چلے' اور اس طرح اپنی آخرت کو دنیا کے بدلے میں فروخت کردے۔ سلیمان نے پوچھا کہ ہمارے موجودہ حالات کے متعلق آپ کی رائے کیا ہے؟ فرمایا: اگر میں اپنی رائے ظاہر کروں تو کیا تم مجھے معاف کرو گے؟ جواب دیا: یقیناً معاف کردوں گا' آپ کا تبصرہ تو میرے لیے ایک قیمتی نصیحت ہوگی۔ فرمایا: امیر المؤمنین! تمہارے آباء و اجداد نے تلوار کے زور پر حکومت حاصل کی ہے' اپنی طاقت سے لوگوں کو زیر کیا ہے' نہ مسلمانوں کی یہ مرضی تھی کہ زمام سلطنت تمہارے آباء و اجداد کے ہاتھوں میں آئے اور نہ ان کا یہ مشورہ تھا' اسی لیے انھوں نے قتل و غارت گری کا بازار گرم کیا' اور سطحی مفادات حاصل کرکے چلے گئے' اب تم سوچ لو کہ وہ کیا کر گئے ہیں۔ لوگوں نے ان سے کہا کہ امیر المؤمنین کے سامنے آپ کو اتنی غلط بات نہ کہنی چاہیے تھی۔ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے علماء سے یہ عہد لیا ہے کہ وہ حق بات کی پردہ پوشی نہ کیا کریں۔ سلیمان نے دریافت کیا کہ ہم اس خرابی کی اصلاح کس طرح کریں؟ فرمایا: حلال طریقے سے حاصل کرو' اور جائز مصرف میں خرچ کرو۔ عرض کیا کہ وہ کون شخص ہے جو آپ کے اس مشورہ پر عمل کرسکتا ہے؟ فرمایا وہ شخص جو جنت کا طالب ہو' اور دوزخ سے خائف ہو۔ سلیمان نے دعا کی درخواست کی' آپ نے یہ دعا فرمائی کہ "اے اللہ! اگر سلیمان تیرا دوست ہے تو دنیا اور آخرت کی بھلائی اس کے لیے آسان کردے' اور اگر وہ تیرا دشمن ہے تو اسے زبردستی اپنے پسندیدہ راستے پر چلا۔" آخر میں سلیمان نے عرض کیا کہ مجھے وصیت فرمادیجئے۔ فرمایا کہ میں ایک مختصر سی وصیت کرتا ہوں اور وہ یہ کہ رب کریم کا تقدس اور عظمت تم پر اس درجہ غالب ہونی چاہیے کہ تم منہیات کا ارتکاب نہ کرو' اور مامورات میں قصور عمل کا شکار نہ ہو۔ حضرت عمر ابن عبدالعزیز نے ابو حازم سے درخواست کی کہ مجھے نصیحت فرمائیے' فرمایا کہ جب تم بستر پر لیٹو تو یہ تصور کرلیا کرو کہ موت تمہارے سرہانے موجود ہے' واپسی کا سفر قریب ہے۔ اور پھر یہ سوچو کہ اگر واقعی یہ موت کا وقت ہے تو تم اس وقت کون سا عمل پسند کرو گے' اور کون سا عمل ناپسند کرو گے' چنانچہ جو عمل تمہیں پسند ہو وہ کیا کرو' اور جو ناپسند ہو اسے ترک کردو۔ ایک اعرابی سلیمان ابن عبدالملک کے دربار میں پہنچا' سلیمان نے اس سے کچھ کہنے کی فرمائش کی۔ اعرابی نے کہا کہ امیر المؤمنین! میں اس شرط پر کچھ کہوں گا کہ اگر برا معلوم ہو تو برداشت کرنا' اگر تم نے تحمل سے کام نہ لیا تو ندامت ہوگی۔ سلیمان نے کہا کہ تم اس کی فکر مت کرو' ہم تو اس شخص کے ساتھ بھی حلم اور تحمل کا برتاؤ کرتے ہیں جس سے خیر خواہی کی توقع نہیں ہوتی' بلکہ مکر و فریب کی امید ہوتی ہے' اعرابی نے کہا کہ امیر المؤمنین! تمہارے ارد گرد ان لوگوں کا ہجوم ہے جنہوں نے اپنے لیے اچھا ہم نشیں منتخب نہیں کیا ہے' اور دین کے بدلے دنیا خریدی ہے' اور تمہاری رضا مندی کے عوض باری تعالیٰ کی خفگی حاصل کی ہے' ان لوگوں نے خدا کے بارے میں تمہارا خوف کیا' لیکن وہ تمہارے باب میں اللہ تعالیٰ سے نہیں ڈرے' انھوں نے آخرت کے ساتھ جنگ اور دنیا کے ساتھ صلح پسند کی' اللہ تعالیٰ نے تمہیں جو امانت سپرد کی ہے۔ تم اس کا امین ان لوگوں کو مت بناؤ' اس لیے کہ وہ اس امانت کا بار سنبھال نہ پائیں گے' اسے ضائع کردیں گے' اور امت کو ذلیل و

خوار اور تباہ و برباد کرنے میں کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہیں کریں گے، تم سے ان کے گناہوں کی باز پُرس ہوگی 'ان سے تمہارے اعمال کا مؤاخذہ نہیں ہوگا' تم ان کی دنیا سدھار کر اپنی آخرت برباد مت کرو' بدترین نقصان اٹھانے والا شخص وہ ہے جو دوسرے کی دنیا کے عوض اپنی آخرت کا سودا کرلے۔ سلیمان نے کہا کہ اے اعرابی! تو نے اپنی زبان کی تیزی سے کافی کچوکے لگائے ہیں' تیری تلوار بھی شاید اتنا زخمی نہ کرپاتی' اعرابی نے کہا امیرالمؤمنین کی رائے صحیح ہے' لیکن میں نے جو کچھ کہا ہے وہ امیرالمؤمنین کے فائدے کے لیے کہا ہے' نقصان کے لیے نہیں کہا۔ ایک روز ابو بکرة حضرت معاویہؓ کے پاس پہنچے اور فرمایا کہ "اے معاویہ! خدا تعالیٰ سے ڈرو' اور یہ بات جان لو کہ جو دن تمہاری زندگی سے نکل رہا ہے اور جو رات تمہاری زندگی میں داخل ہو رہی ہے وہ دنیا سے تمہاری قربت اور باری تعالیٰ سے تمہاری دوری بڑھاتی ہے' تمہارے پیچھے ایک طالب (موت) ہے' یہ ممکن نہیں کہ تم اس سے بچ سکو' ایک حد مقرر ہو چکی ہے تم اس سے آگے نہیں بڑھ سکتے' بہت جلد تم اس حد تک پہنچنے والے ہو' قریب ہے کہ وہ طالب جو تمہاری تاک میں ہے تمہیں آدبوچے' ہم اور ہمارے تمام حالات' عیش و عشرت کے یہ سب ساز و سامان فانی ہے' باقی صرف ایک ہی ذات رہنے والی ہے' ہم سب اسی کی طرف جانے والے ہیں' ہمارے اعمال اچھے ہوئے تو ہمیں جزا ملے گی' اور اعمال خراب ہوئے تو کڑی سزا ملے گی۔ ان واقعات سے پتہ چلتا ہے کہ سلاطین کے یہاں علماء حق کی آمدورفت دینی مقاصد کے لیے تھی' وہ کسی لالچ' طمع یا حرص کی بنا پر سلاطین کے دروازوں پر دستک نہیں دیتے تھے۔ جہاں تک علماء دنیا یا علماء سوء کا تعلق ہے وہ ہر دور میں رہے ہیں' علم سے ان کا نصب العین کبھی بھی تبلیغ و دعوت دین نہیں رہا وہ ہمیشہ ہی سلاطین کی قربت کے متلاشی رہے' اس لیے نہیں کہ انھیں احکام شرع پر چلائیں' بلکہ اس لیے کہ طرح طرح کے حیلے بہانے نکال کر دین میں اُن کے لیے وسعت پیدا کریں' اور انہیں وہ راستہ دکھلائیں جو ان کے مقاصد کے عین مطابق ہو' اگر کبھی وعظ و نصیحت پر مشتمل دو چار جملے کہے بھی تو اصلاح کی غرض سے نہیں کہے' بلکہ سلاطین کے یہاں مقبولیت اور اعزاز و منصب حاصل کرنے کے لیے کہے۔ اس طرح کے علماء فریب دیتے ہیں' اور ان کا یہ فریب دو طرح کا ہوتا ہے۔

ایک یہ کہ وہ اپنے مواعظ سے یہ ثابت کرتے ہیں کہ ہمارا مقصد اصلاح ہے' حالانکہ ان کے دل میں اس طرح کا کوئی مقصد نہیں ہوتا۔ بلکہ وہ سلاطین و حکام کے یہاں مقبولیت اور عوام میں شہرت حاصل کرنے کے لیے وعظ و اصلاح کا ڈھونگ رچاتے ہیں۔ اگر واقعتاً وہ لوگ اپنے اصلاح مقاصد میں سچے ہوں تو ہونا یہ چاہیے کہ اگر کوئی دوسرا عالم اس کام میں مصروف ہو' اور اسے مقبولیت یا شہرت کی شکل میں جدوجہد کا صلہ بھی مل رہا ہو' نیز اس کی اصلاح کے اثرات بھی مرتب ہو رہے ہوں تو اس سے خوش ہوں' اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کریں کہ اس نے اس عظیم ذمہ داری کی ادائیگی کے لیے دوسرے شخص کو متعین فرما کر ہمیں بارگراں سے سبکدوش کردیا۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے کسی ڈاکٹر کے لیے ضروری قرار دے دیا جائے کہ وہ فلاں مریض کا علاج کرے' حالانکہ اس کا مرض مزمن ہے' اور بظاہر صحت کی کوئی امید بھی نہیں ہے' اسی دوران دوسرا ڈاکٹر تشخیص و تجویز کرتا ہے' اور مریض صحت یاب ہو جاتا ہے۔ اس صورت میں پہلا ڈاکٹر خوش ہوگا اور دوسرے ڈاکٹر کا شکریہ ادا کرے گا حالانکہ علماء سُو کا معاملہ ایسا نہیں ہے' یہ لوگ دوسروں کی مقبولیت سے جلتے ہیں' اور ان کی خواہش یہ ہوتی ہے کہ کوئی دوسرا شخص سلطان کا تقرب حاصل نہ کرپائے۔ دوم یہ کہ وہ اپنے مواعظ اور بادشاہوں کے یہاں اپنی آمدورفت کی یہ توجیہہ کرتے ہیں کہ ہمارا مقصد مسلمانوں کی حفاظت ہے یہ بھی ایک فریب ہے' اور اس کی کسوٹی بھی وہی ہے جو اوپر مذکور ہوئی۔

اس تفصیل سے سلاطین کے یہاں جانے کا طریقہ معلوم ہوگیا ہے' اب ہم کچھ ایسے مسائل لکھتے ہیں جو بادشاہوں کی مجالست اور ان سے مال لینے کے نتیجے میں سامنے آتے ہیں۔

<u>مال لے کر فقراء میں تقسیم کرنے کا مسئلہ:۔</u> جب بادشاہ تمہیں کوئی مال فقراء میں تقسیم کرنے کے لیے دے تو دیکھنا چاہیے کہ وہ مال کس نوعیت کا ہے۔ اگر اس کا کوئی متعین مالک موجود ہو تو یہ مال لینا جائز نہیں ہے' اور اگر کوئی متعین مالک نہ ہو تو لے لینا

چاہیے، لیکن اس کا حکم یہ ہے کہ لے کر فقراء کو خیرات کردو۔ جیسا کہ گذشتہ صفحات میں بھی ہم یہ مسئلہ بیان کرچکے ہیں۔ اس مال کو اپنے پاس رکھ کر گنہگار مت ہو۔ بعض علماء نے مطلقاً لینے ہی سے منع کیا ہے' اس صورت میں یہ دیکھنا چاہیے کہ لینا بہتر ہے' یا نہ لینا بہتر ہے' ہمارے خیال میں اگر لینے والا تین خطروں سے مامون و محفوظ ہو تو لے لینا اس کے حق میں زیادہ بہتر ہے۔

پہلا خطرہ:- یہ ہے کہ بادشاہ تمہارے لینے کی وجہ سے یہ سمجھے کہ میرا مال پاک و طیب ہے' اگر ایسا نہ ہوتا تو تم ہرگز نہ لیتے' اگر اس خطرہ کا یقین ہو تو ہرگز نہ لینا چاہیے' مال لے کر فقراء میں تقسیم کرنا نیک عمل ضرور ہے' لیکن اس میں ایک زبردست برائی یہ ہے کہ سلطان غلط فہمی میں مبتلا ہوجاتا ہے' اور مال حرام کے حصول کے سلسلے میں اس کی جرأت بڑھ جاتی ہے۔

دوسرا خطرہ:- یہ ہے کہ دوسرے علماء اور جاہل عوام تمہیں مال لیتا ہوا دیکھ کر یہ خیال کریں کہ یہ مال جائز ہے' اور اسے لینے میں کوئی قباحت نہیں ہے' وہ اس سلسلے میں تمہاری مثال دیں' اور تمہارے نقش قدم پر چلیں' لیکن تمہاری تقلید صرف لینے تک محدود ہو' لے کر تقسیم کرنے میں وہ تمہارے عمل کے پابند نہ ہو' یہ بھی ایک زبردست خطرہ ہے' بلکہ میرے نزدیک پہلے خطرے سے زیادہ سنگین ہے۔ بعض لوگوں نے حضرت امام شافعیؒ کے اس عمل سے استدلال کیا ہے کہ انہوں نے ہارون رشید کا مال قبول کیا تھا' لیکن وہ یہ بات نظرانداز کرگئے کہ مال لے کر انہوں نے مستحقین میں تقسیم کردیا تھا۔ بہرحال مقتدیٰ اور پیشوا کو چاہیے کہ وہ اس طرح کے معاملات میں غایت درجے کی احتیاط کرے' اس لیے کہ بسا اوقات اس کا ایک فعل بہت سے لوگوں کی گمراہی کا باعث بن جاتا ہے۔

وہب ابن منبہؒ روایت کرتے ہیں کہ کسی بادشاہ کے سامنے ایک شخص کو پکڑ کر لایا گیا' بادشاہ نے عام لوگوں کے سامنے اس شخص پر زور دیا کہ وہ خنزیر کا گوشت کھائے' لیکن اس نے کھانے سے انکار کردیا۔ پھر اس کے سامنے بکری کا گوشت رکھا گیا اور گردن پر تلوار رکھ کر کھانے کا حکم دیا گیا لیکن اس شخص نے بکری کا گوشت بھی نہیں کھایا' لوگوں نے اس پر حیرت کا اظہار کیا' اور کہا کہ بکری کا گوشت کھانے میں کیا مضائقہ تھا' کہنے لگا کہ لوگوں کو معلوم تھا کہ مجھ سے خنزیر کا گوشت کھانے کا مطالبہ کیا گیا ہے' لیکن جب میں صحیح حالت میں بکری کا گوشت کھا کر دربار سے باہر نکلتا تو لوگ کبھی یہ یقین نہ کرتے کہ خنزیر کا گوشت کھائے بغیر میری جان بخش دی گئی ہے' وہ یہ سمجھتے کہ میں نے خنزیر کا گوشت کھایا ہے' یہ غلط فہمی ان میں سے بعض کی گمراہی کا سبب بن جاتی۔ وہب ابن منبہؒ اور طاؤس حجاج کے بھائی محمد ابن یوسف کے پاس گئے' مؤخر الذکر اس وقت نو عمر تھا' اور کسی علاقے کی گورنری اس کے سپرد تھی' سردی کے موسم میں وہ کھلی جگہ پر اپنے چند مصاحبین کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا' یہ دونوں حضرات بھی اس کے قریب ہی کرسیوں پر بیٹھ گئے' محمد ابن یوسف نے اپنے غلام سے کہا کہ ایک چادر لاکر ابو عبدالرحمٰن یعنی طاؤس کو اڑھادو' غلام نے تعمیل حکم کی' مگر طاؤس کو یہ بات گراں گذری چادر ان کے جسم پر تھی اور وہ شانوں کو مسلسل حرکت دے رہے تھے' تاکہ چادر نیچے گر پڑے چنانچہ ایسا ہی ہوا' محمد ابن یوسف نے اس پر انتہائی خفگی کا اظہار کیا' جب مجلس ختم ہوگئی اور لوگ باہر نکلے تو وہب ابن منبہؒ نے طاؤس سے کہا کہ واقعتاً آپ کو اس چادر کی ضرورت نہیں تھی' لیکن اگر آپ یہ چادر لے لیتے' اور بعد میں صدقہ کردیتے تو کیا حرج تھا' ابن یوسف بھی ناراض نہ ہوتا' فرمایا کہ میں ضرور لے لیتا لیکن مجھے یقین تھا کہ لوگ میرے اس عمل کو حجت بنالیں گے اور یہ نہ دیکھیں گے کہ قبول کرنے کے بعد میں نے چادر کا کیا کیا تھا؟

تیسرا خطرہ:- یہ ہیکہ اس بناء پر تمہارے دل میں بادشاہ کی محبت پیدا ہوجائے کہ اس نے تمہیں خاص طور پر مال عطا کیا ہے' اگر واقعتاً یہ خطرہ موجود ہو تو ہرگز مال قبول نہ کرو' اس لیے کہ یہ زہر قاتل ہے' ظالموں کی محبت ایک لاعلاج مرض کی طرح ہے' جب لگ جاتا ہے تو پھر کوئی تدبیر کارگر نہیں ہوتی انسانی فطرت یہ ہے کہ وہ جس شخص سے دوستی رکھتا ہے اس کے متعلق اس کے موقف میں لچک' اور جذبات میں نرمی ہوتی ہے' محسن کی محبت تو کچھ زیادہ ہی ہوتی ہے' چنانچہ حضرت عائشہؓ ارشاد فرماتی ہیں کہ انسان کی

سرشت میں یہ بات رکھ دی گئی ہے کہ جو اس کے ساتھ حسن سلوک کرے وہ اس سے محبت کرے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے باری تعالیٰ کے حضور یہ دعا کی تھی۔

اللّٰھم لا تجعل لفاجر عندی یدا یحبہ قلبی (دیلمی۔ معاذ)

اے اللہ! مجھے کسی فاجر کا احسان مند مت کر کہ میرا دل اس سے محبت کرنے لگے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عموماً دل میں محسن کی محبت پیدا ہو جاتی ہے۔ روایت ہے کہ کسی حاکم نے مالک ابن دینارؒ کی خدمت میں دس ہزار درہم بطور تحفہ روانہ کئے آپ نے اسی وقت وہ تمام درہم فقراء میں تقسیم کردیئے' محمد ابن واسعؒ نے ان سے پوچھا کہ فلاں حاکم نے آپ کو دس ہزار درہم بھیجے تھے وہ کیا ہوئے؟ انہوں نے کہا کہ میرے رفقاء سے دریافت کرلو' انہوں نے بتلایا کہ آپ نے وہ تمام درہم خیرات کردیئے ہیں۔ محمد ابن واسعؒ نے مالک ابن دینار سے کہا کہ میں تم سے خدا تعالیٰ کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کہ اس امیر کی محبت تمہارے دل میں پہلے سے زیادہ تھی یا اب زیادہ ہے' فرمایا کہ اب میں کچھ زیادہ ہی اس کی محبت محسوس کرتا ہوں' ابن واسع نے کہا کہ مجھے اسی کا خوف تھا۔ حقیقت بھی یہی ہے کہ آدمی اس حاکم سے زیادہ محبت کرتا ہے جو اسے مال دے۔ پھر یہ محبت کسی حد پر منتہی نہیں ہوتی' بلکہ وہ شخص یہ بھی چاہتا ہے کہ اس کا محسن زندہ رہے' اس کی حکومت کا دائرہ وسیع ہو' وہ کبھی یہ پسند نہیں کرتا کہ اس کا محسن اپنے منصب سے معزول کردیا جائے' یا اسے کسی معرکے میں شکست سے دوچار ہونا پڑے' یا موت کے پنجے اس کے اقتدار کا خاتمہ کردیں۔ یہ سب جذبے ظلم کے اسباب سے محبت کے مترادف ہیں' اور بہر صورت مذموم ہیں' حضرت سلمان الفارسیؓ اور حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ ارشاد فرماتے ہیں کہ جو شخص کسی کام سے راضی ہو' اگرچہ وہ وہاں موجود نہ ہو تو پھر بھی یہی سمجھا جائے گا کہ وہ بھی اس کام میں شریک ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:۔

وَلَا تَرْكَنُوْٓا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا (پ ۱۲ر ۱۰ آیت ۱۳)

اور ان لوگوں کی طرف مت جھکو جنہوں نے ظلم کیا۔

بعض علماء نے اس آیت کی یہ تفسیر کی ہے کہ ظالموں کی حرکتوں پر راضی مت ہو۔ یہ تیسرے خطرے کی وضاحت تھی' اب اگر کسی شخص کے قلب پر اس طرح کے "احسانات" اثر انداز نہ ہوں' اور وہ یہ قوت رکھتا ہو کہ عطایا و انعامات سے اس کے دل میں صاحب عطا کی محبت پیدا نہ ہو تو اسے لینے کی اجازت ہے' بصرے کے ایک بزرگ کے بارے میں بیان کیا جاتا ہے کہ وہ مال لے کر فقراء میں تقسیم کردیا کرتے تھے کسی نے ان سے عرض کیا کہ کیا آپ کو اس کا خوف نہیں کہ ان لوگوں کی محبت آپ کے دل میں جاگزیں ہو جائے جو مال دیتے ہیں' فرمایا کہ اگر کوئی شخص میرا ہاتھ پکڑ کر جنت میں لے جائے' پھر باری تعالیٰ کی نافرمانی کرے تو میرے دل میں اس کی محبت پیدا نہیں ہو سکتی' جس ذات نے اس شخص کو میرا ہاتھ پکڑ کر جنت میں داخل کرنے کی قوت عطا کی میں اسی کی خاطر اس شخص سے نفرت کروں گا۔ اس تقریر سے ظاہر ہوا کہ آج کے دور میں امراء و حکام سے مال لینا خواہ وہ حلال ہی کیوں نہ ہو ممنوع اور ناپسندیدہ ہے' کیونکہ یہ مال عموماً خطرات سے خالی نہیں ہوتا۔

سلاطین کے مال کی چوری:۔ یہاں یہ کہا جاسکتا ہے کہ اگر بادشاہ کا مال لینا' اور لے کر تقسیم کردینا جائز ہے تو یہ بھی جائز ہونا چاہیے کہ اس کا مال چوری کرلیا جائے' یا اس کی امانت چھپا کر فقراء میں تقسیم کردی جائے۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ ایسا کرنا جائز نہیں ہے۔ اس لئے کہ یہاں اس کا امکان بھی موجود ہے کہ اس مال کا کوئی متعین مالک موجود ہو' اور بادشاہ کا عزم ہو کہ وہ یہ مال اس کے اصل مالک کو واپس کردے گا۔ اس مال کی وہ حیثیت نہیں ہے جو تمہارے پاس بھیجے گئے مال کی ہے' کسی بھی عقلمند آدمی کے متعلق یہ گمان نہیں کیا جاسکتا کہ وہ کوئی ایسا مال خیرات کرے گا جس کا مالک متعین اور معلوم ہو' پھر بھی اگر بادشاہ کے حالات اس سلسلے میں مشتبہ ہوں تو اس کا مال قبول نہ کرنا چاہیے۔ یہاں یہ امکان بھی موجود ہے کہ وہ مال جسے چرا کر صدقہ کیا جارہا ہے بادشاہ کی ملکیت ہو' اس صورت میں چوری کس طرح جائز ہوگی' قبضہ بظاہر ملکیت پر ہی دلالت کرتا ہے' جب تک اس کے منافی کوئی قطعی

احتمال موجود نہ ہو یہ ایسا ہی ہے جیسے کسی شخص کو لُقطہ ملے۔ اور وہ لقطہ کسی فوجی کا ہو "مگر یہ احتمال بھی ہو کہ شاید اس نے وہ چیز خریدی ہو۔ یا کسی دوسرے ذریعے سے اس کی ملکیت میں آئی ہو تب بھی وہ لقطہ فوجی کو واپس کرنا ضروری ہو گا۔ اس سے معلوم ہوا کہ بادشاہ کا مال چرانا جائز نہیں' نہ خود بادشاہ کے پاس سے اور نہ اس شخص کے پاس جس کے پاس وہ مال بطور امانت رکھا ہو' نہ امانت کا انکار کرنا جائز ہے' اگر کسی شخص نے بادشاہ کا مال چرایا تو اس پر چوری کی حد جاری ہوگی' تاہم اس صورت میں یہ حد ساقط ہو سکتی ہے جب کہ وہ مسروق منہ کے مالک نہ ہونے کا دعویٰ کرے' یعنی یہ ثابت کرے کہ جس شخص کے پاس سے یہ مال چرایا گیا ہے وہ اس کا مالک نہیں ہے۔

سلاطین سے خرید و فروخت کے معاملات:۔ سلاطین کے ساتھ معاملہ کرنا جائز نہیں ہے' کیونکہ ان کے اکثر اموال حرام ہوتے ہیں' اس صورت میں جو عوض ان سے ملے گا وہ بھی حرام ہو گا' ہاں اگر یہ معلوم ہو کہ بادشاہ نے بیع کی قیمت جائز مال سے ادا کی ہے تب معاملات کی مشروط اجازت دی جائے گی۔ یعنی اس صورت میں یہ دیکھا جائے گا کہ اس بیع کا بادشاہ کے ہاتھ فروخت کرنا جائز بھی ہے یا نہیں۔ چنانچہ اگر یہ معلوم ہو کہ وہ اس بیع کو اللہ تعالیٰ کی معصیت میں استعمال کرے گا تو حرمت بدستور باقی رہے گی مثلاً اگر بادشاہ ریشمی لباس پہنتا ہو تو اس کے ہاتھ ریشمیں کپڑا فروخت نہ کیا جائے' یہ ایسا ہی ہے جیسے شراب بنانے والے کے ہاتھ انگوروں کی فروخت جائز نہیں ہے' پھر اگر یہ خیال ہو کہ بادشاہ یہ ریشمیں کپڑا خود بھی پہن سکتا ہے' اور اپنی مستورات کو بھی پہنا سکتا ہے تو اس صورت میں یہ معاملہ شبہ مکروہ ہو گا۔ یہی حکم گھوڑے کی بیع کا ہے' بشرطیکہ وہ گھوڑے پر سوار ہو کر مسلمانوں سے جنگ کرنا چاہتا ہو' یا ان سے رشوتیں وصول کرنے کے لیے سفر کرنے کا ارادہ رکھتا ہو' کیونکہ گھوڑوں کی فروخت سے بھی اس کی اعانت ہوتی ہے' اور معصیت پر اعانت کرنا گناہ ہے' یہ ان اشیاء کا حکم ہے جن کے عین سے معصیت ہوتی ہے۔ دراہم و دنانیر وغیرہ چیزیں اگرچہ بذات خود معصیت نہیں بنتیں' لیکن ذریعہ معصیت ضرور بنتی ہیں' اس لئے ان کی بیع حرام تو نہیں مکروہ ضرور ہے۔ یہ کراہت بادشاہوں کو ہدیہ دینے میں بھی ہے' اور ان کا کوئی کام کرنے میں بھی ہے' یہاں تک انہیں یا ان کی اولاد کو تعلیم دینا بھی مکروہ ہے' خواہ وہ کتابت کی تعلیم ہو یا حساب کی' قرآن پاک کی تعلیم اس سے مستثنیٰ ہے' اس میں اگر کوئی کراہت ہے تو وہ اجرت لے کر تعلیم دینے میں ہے' کیونکہ خیال یہی ہے کہ اُجرت حرام مال سے دی جائے گی' ہاں اگر یقین سے یہ بات معلوم ہو کہ اُجرت جائز مال سے دی جائے گی تب کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ اسی طرح اگر کوئی بادشاہ بازار میں خرید و فروخت کرنے کے لیے کسی شخص کو اپنا وکیل نامزد کرے تو یہ وکالت ظلم پر اعانت کی بنا پر مکروہ ہوگی۔ پھر اگر اس شخص نے وکیل کی حیثیت سے بادشاہ کے لیے خرید و فروخت کی اور وہ یہ جانتا ہے کہ یہ چیزیں جو میں خرید رہا ہوں معصیت میں استعمال کی جائیں گی' مثلاً غلام سے لواطت کی جائے گی' یا ریشمی کپڑوں سے مردوں کا لباس بنے گا یا گھوڑوں کی سواری مسلمانوں سے جنگ کرنے یا ان پر ظلم کرنے کے لیے کی جائے گی تو وکیل کا یہ عمل حرام ہو گا۔ ان مثالوں کا حاصل یہ نکلا کہ اگر بیع سے معصیت کا قصد کیا جائے اور وہ ظاہر بھی ہو تو حرمت ہوگی اور ظاہر نہ ہو بلکہ مقتضائے حال کی دلالت کا احتمال ہو تو کراہت نہ ہوگی۔

سلاطین کے بازار:۔ ان بازاروں میں نہ تجارت جائز ہے' اور نہ رہائش جو بادشاہوں نے حرام مال سے تعمیر کرائے ہوں' تاہم اگر کوئی تاجر وہاں رہائش پذیر رہا' اور اس دوران اس نے شرعی طریقے کے مطابق کچھ مال کمایا تو اس کی آمدنی حرام نہیں ہوگی' البتہ رہائش کی بنا پر گنہگار ضرور ہو گا۔ عوام الناس کے لیے جائز ہے کہ وہ اس بازار کے تاجروں سے اپنی ضرورت کی چیزیں خرید لیا کریں' لیکن اگر شہر میں کوئی دوسرا بازار بھی موجود ہو تو بہتر یہی ہے کہ اسی دوسرے بازار سے خریدیں' اس صورت میں پہلے بازار سے خریدنے کا مطلب یہ ہے کہ خریدنے والا بالواسطہ طور پر وہاں تجارت کرنے والوں' یا سکونت اختیار کرنے والوں کی اعانت کر رہا ہے' اسی طرح جس بازار کے تاجروں پر بادشاہ نے خراج مقرر کیا ہے اس بازار سے بھی خریدنا مستحسن نہیں ہے' اگر شاہی خراج

سے آزاد کوئی بازار موجود ہو تو معاملات کے لیے اسے ترجیح دی جائے۔ بعض اہل علم نے اس حد تک مبالغہ کیا ہے کہ ان مالکان اراضی اور کاشتکاروں سے بھی معاملہ کرنے کی اجازت نہیں دی جس پر سلطان نے کوئی خراج مقرر کر رکھا ہے اس خوف سے کہ کہیں وہی مال خراج میں ادا نہ کردیں جو انہیں مبیع کی صورت میں دیا جائے' یہ بھی اعانت ہی کی ایک صورت ہے۔ ہمارے خیال میں یہ رائے غلو پسندی کا مظہر ہے' اس میں مسلمانوں کے لیے تنگی بھی ہے' حال یہ ہے کہ شاید و باید ہی کوئی قطعۂ زمین سلاطین کی دست و برد سے آزاد ہو' اگر اس غلو آمیز رائے کے مطابق فتویٰ دیا جائے تو مسلمانوں کے لیے اپنی ضرورتیں پوری کرنا مشکل ہوجائے' اگر اعانت کا یہ مفہوم ہے تو مالک زمین کے لیے یہ بھی جائز نہ ہونا چاہیے کہ وہ کسی شخص سے کھیتی بھی کرائے' کیونکہ کھیتی سے پیداوار ہوگی' اور اس پیداوار سے خراج ادا کرنا پڑے گا' اور یہ خراج معصیت میں کام آئے گا.... اگر ایسا ہوا تو معاش و اقتصاد کا باب مسدود ہو کر رہ جائے گا۔

سلاطین کے عمّال و خدام:۔ سلاطین کے قضاۃ' عمّال اور خدام کے ساتھ معاملہ کرنا بھی بادشاہوں کے ساتھ معاملہ کرنے کی طرح حرام ہے بلکہ میرے نزدیک اس میں کچھ زیادہ ہی حرمت ہے' جہاں تک قضاۃ کا معاملہ ہے تو یہ لوگ سلاطین کا صریح حرام مال لیتے ہیں' ان کی جمعیت میں اضافے کا باعث بنتے ہیں' اور عام مخلوق کو اپنے لباس سے دھوکا دیتے ہیں' وہ اگرچہ صحیح معنیٰ میں عالم نہیں ہوتے' لیکن علماء کا لباس پہنتے ہیں' اور سلاطین کی صحبت اختیار کرتے ہیں' اور ان سے مال لیتے ہیں عوام الناس فطرتاً اہل علم کی اقتداء اور اتباع کرتے ہیں قاضیوں کا ظاہری عمل' اور ظاہری کردار انہیں دھوکے میں ڈال دیتا ہے اور وہ ان کے نقش قدم پر چل کر گمراہی کا شکار ہوجاتے ہیں۔ خدام سے معاملہ اس لیے حرام ہے کہ ان کا اکثر مال مغصوب ہوتا ہے نہ انہیں مصالح عامہ کی مد میں سے دیا جاتا' نہ جزیہ اور میراث کا مال انہیں ملتا کہ یہ کہا جاسکے کہ حلال کے اختلاط سے حرمت کا شبہ ضعیف ہوگیا ہے طاؤس کہتے ہیں کہ میں سلاطین کے قضاۃ کی عدالتوں میں واقفیت کے باوجود گواہی نہیں دیتا' اس خوف سے کہ کہیں یہ لوگ ان پر ظلم نہ کریں جن کے خلاف میں گواہی دوں۔ یہ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ رعایا میں اس وقت خرابی پھیلتی ہے جب بادشاہ خراب ہوجائیں' اور بادشاہ اس وقت بگڑتے ہیں جب علماء اور قضاۃ کا کردار خراب ہوجائے۔ اگر علماء اور قاضی اچھے ہوں باکردار ہوں تو سلاطین بہت کم بگڑتے ہیں۔ اس وقت انہیں یہ خوف رہتا ہے کہ کہیں یہ لوگ ہماری اطاعت سے انکار نہ کردیں' ارشاد نبوی ہے:۔

لا تزال هذه الامة تحت يد الله و كنفه مالم تمالئ قراءها امراءها (۱)

یہ امت اللہ تعالیٰ کی حفاظت اور پناہ میں رہے گی جب تک اس کے قراء اس کے امراء کی اعانت اور موافقت نہ کریں گے۔

حدیث میں قراء کا ذکر فرمایا گیا ہے' اس لیے کہ اس دور میں قاری ہی عالم تھے' قرآن کریم کے الفاظ و معانی ان کا سرمایہ علم تھا' دوسرے تمام علوم نو ایجاد ہیں۔ سفیان ثوریؒ فرماتے ہیں کہ بادشاہ سے میل جول نہ رکھو' اور نہ اس شخص سے میل جول رکھو جو بادشاہوں سے اختلاط رکھتا ہے۔ ایک مرتبہ فرمایا کہ قلم دوات' کاغذ اور صوف والے سب ایک دوسرے کے شریک ہیں' سفیان ثوریؒ کی یہ رائے درست ہے' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے شراب کے سلسلے میں دس افراد پر لعنت فرمائی ہے' ان میں شراب نچوڑنے والا' اور نچڑوانے والا بھی ہے (ترمذی' ابن ماجہ۔ انسؓ) حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ سود لینے والے' دینے والے' گواہ' اور کاتب ان تمام لوگوں پر زبان رسالت علی صاحبہا الصلاۃ والتسلیم کے ذریعہ لعنت بھیجی گئی ہے (ترمذی۔ ابن ماجہ) حضرت

---

(۱) ابو عمرو الدانی کتاب الفتن عن الحسن مرسلاً' ابو یعلی نے علیؓ اور ابن عمرؓ سے اس حدیث کا مضمون ان الفاظ میں روایت کیا ہے "مالم يعظم ابرارها فجارها ويداهن خيارها شرارها"

جابرؓ اور حضرت عمر فاروقؓ نے بھی یہ روایت مرفوعاً بیان کی ہے۔ (جابر کی حدیث مسلم میں' اور عمر کی روایت ترمذی میں ہے) ابن سیرینؒ فرماتے ہیں کہ بادشاہ کا خط کہیں لے کر نہ جاؤ جب تک تمہیں اس کا مضمون معلوم نہ ہو جائے۔ اگر اس میں ظلم کی کوئی بات ہو تو لے جانے سے انکار کردو۔ چنانچہ سفیان ثوریؒ نے خلیفہ وقت کے لیے دوات اٹھانے سے انکار کردیا تھا' اور یہ شرط لگائی تھی کہ پہلے مجھے اس خط کا مضمون بتلایا جائے۔ بہرحال بادشاہوں کے اردگرد جتنے خدم و حشم ہیں وہ سب اپنے مالکین اور مخدومین کی طرح ظالم و جابر ہیں ان سے بھی بغض فی اللہ رکھنا ضروری ہے۔ عثمان ابن زائدہ کے متعلق بیان کیا جاتا ہے کہ ان سے کسی سپاہی نے راستہ دریافت کیا' آپ خاموش رہے اور ایسے بن گئے جیسے سنا ہی نہ ہو' راستہ اس لیے نہیں بتلایا کہ کہیں اس کا جانا ظلم کے لیے نہ ہو راستہ بتلانے سے ظلم پر اعانت ہوگی۔ سلف نے مبالغہ آمیز احتیاط پر مبنی موقف محض ان ظالموں کے سلسلے میں اختیار کیا ہے جو یتیموں اور مسکینوں کا مال کھالیتے ہیں' اور مسلمانوں کو برابر تکلیف پہنچاتے رہتے ہیں' ان بزرگوں نے فاسق تاجروں' جولاہوں' پچھنے لگانے والوں' حمامیوں' سناروں' اور رنگریزوں کے ساتھ بھی یہ رویہ اختیار نہیں کیا' بلکہ ذمی کفار کے سلسلے میں بھی ان سے اتنا تشدد منقول نہیں ہے ظالموں کے معاملے میں تشدد کی وجہ یہ ہے کہ معصیت کی دو قسمیں ہیں ایک لازم دوسری متعدی۔ فسق ایک لازم معصیت ہے' فاسق خود گنہگار رہتا ہے' دوسرے اس کے فسق سے متاثر نہیں ہوتے' اسی طرح کفر بھی باری تعالیٰ کی حقانیت اور اس کے فرائض و واجبات کے خلاف بغاوت ہونے کی حیثیت سے ایک لازمی معصیت ہے' اس کا ضرر بھی متعدی نہیں ہے' جب کہ ظلم متعدی کی معصیت ہے' حکام کے ظلم کا نشانہ دوسرے لوگ بنتے ہیں' اس لیے ان کے باب میں زیادہ تشدد اختیار کیا گیا ہے' جس قدر ان کا ظلم ان کی تعدی عام ہوگی' اسی قدر وہ لوگ باری تعالیٰ کے غیظ و غضب کے مستحق ہوں گے' اللہ تعالیٰ کے بندوں کو چاہیے کہ وہ بھی اسی قدر اپنی ناراضگی کا اظہار کریں بندوں کی ناراضگی یہی ہوسکتی ہے کہ ان سے میل جول نہ رکھیں' ان سے دور رہیں اور ان کے ساتھ معاملات نہ کریں۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:۔

یقال للشرطی دع سوطک وادخل النار (ابو یعلی۔ انسؓ)

سپاہی سے کہا جائے گا کہ اپنا کوڑا پھینک دے اور دوزخ میں داخل ہو۔

عام طور پر سپاہی ظالم ہوتے ہیں' اور ہر وقت کوڑے لگاتے رہنا اپنا فرض سمجھتے ہیں' قیامت کے دن وہ اس حال میں اٹھائے جائیں گے کہ کوڑے ان کے ہاتھ میں ہوں گے اور ان سے کہا جائے گا کہ وہ اب اپنے ظلم کا مزہ چکھیں اور دوزخ کی آگ میں جلیں۔ ایک حدیث میں ہے:۔

من اشراط الساعۃ رجال معھم سیاط کاذناب البقر (۱) (احمد' حاکم۔ ابوامامہؓ)

قیامت کی علامتوں میں سے ایک علامت ایسے لوگوں کا وجود بھی ہے جن کے ہاتھوں میں گائے کی دم کے برابر کوڑے ہوں گے۔

بعض لوگ ستم پیشہ ہوتے ہیں مگر ان کی وضع ظالموں کی سی نہیں ہوتی' بعض لوگ ظالموں کی ہیئت اختیار کرلیتے ہیں' مثلاً یہ کہ ان کی مونچھیں لمبی اور گھنی ہوتی ہیں ان کے جسم پر عبا ہوتی ہے' چہرہ کرخت ہوتا ہے' ایسے تمام لوگوں سے بچنا چاہیے' یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ جب تک کسی کا ظلم معروف نہ ہو محض اس کی ظالمانہ وضع کی بنا پر اجتناب کا حکم دینا بدگمانی ہے۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ اسے بدگمانی نہیں کہا جاسکتا' غلطی خود اسی شخص کی ہے جو ظالم نہیں ہے مگر اس نے ظالموں کی وضع اختیار کی ہے' وضع کی یہ مشابہت عادات کی مشابہت پر دلالت کرتی ہے' دیوانگی وہی شخص طاری کرتا ہے جو مجنوں ہو' اور فساق کے ساتھ وہی شخص مشابہت

---

(۱) اس مضمون کی ایک روایت مسلم میں حضرت ابو ہریرہؓ سے منقول ہے' فرماتے ہیں "قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یوشک ان طالت بک مدۃ أن تری قوما فی ایدیھم مثل اذناب البقر۔"

اختیار کرتا ہے جو فاسق ہو' ہاں فساق کبھی کبھی صلحاء کی وضع اختیار کرلیتے ہیں محض فریب دینے کے لیے۔ نیک لوگ کبھی بدکاروں کی مشابہت اختیار نہیں کرتے وہ یہ جانتے ہیں کہ کسی قوم کی مشابہت اختیار کرنا اس کی تعداد میں اضافہ کرنے کے مترادف ہے حسب ذیل آیت کریمہ : اِنَّ الَّذِیْنَ تَوَفّٰھُمُ الْمَلٰٓئِکَةُ ظَالِمِیْٓ اَنْفُسِھِمْ (پ ۵ ر ۱۱ آیت ۹۷)

بیشک جب ایسے لوگوں کی جان فرشتے قبض کرتے ہیں جنہوں نے اپنے آپ کو گنہگار کر رکھا تھا۔ الخ۔

ان مسلمانوں کے بارے میں نازل ہوئی تھی جو مشرکین کے ساتھ مل کر ان کی جماعت بڑھایا کرتے تھے' روایت ہے کہ اللہ رب العزت نے یوشع ابن نون پر وحی نازل فرمائی کہ میں تمہاری قوم کے چالیس ہزار نیکوں کو' اور ساٹھ ہزار بروں کو تباہ کروں گا۔ انہوں نے عرض کیا: یا اللہ! بروں کی تباہی تو سمجھ میں آتی ہے' لیکن اچھوں کا کیا قصور ہے؟ فرمایا اچھوں کا قصور یہ ہے کہ وہ ان لوگوں سے نفرت نہیں کرتے جن سے میں نفرت کرتا ہوں' ان کے ساتھ کھانے پینے میں شریک رہتے ہیں۔ اس روایت سے ثابت ہوا کہ ظالموں سے نفرت کرنا' اور اللہ تعالیٰ کے لیے ان سے اظہار بیزاری کرنا واجب ہے' عبداللہ ابن مسعودؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کے علماء پر لعنت کی ہے' اس لیے کہ انہوں نے ظالموں کے ساتھ اقتصادی روابط قائم کئے تھے۔ (ابوداؤد' ترمذی' ماجہ)

ظالموں کی تعمیر کردہ سڑکیں اور پل وغیرہ:۔ ظالموں کی بنوائی ہوئی عمارتوں مثلاً سراؤں' مسافر خانوں' رباطوں' سڑکوں اور پلوں وغیرہ کے استعمال میں بھی احتیاط کرنی چاہیے۔ جہاں تک پلوں کا تعلق ہے ضرورت کے وقت انھیں استعمال کرنا جائز ہے' لیکن ورع کا تقاضا یہ ہے کہ حتی الامکان اس سے احتراز کیا جائے۔ اور یہ ورع اس وقت مزید مؤکد ہوجاتا ہے جب (مثلاً دریا وغیرہ عبور کرنے کے لیے) کشتی مہیا ہوجائے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ کشتی مل جانے کی صورت میں بھی پل کو ذریعہ عبور بنانا جائز ہے' اگر پلوں کی تعمیر میں استعمال ہونے والی چیزوں (میٹریل اینٹ' پتھر وغیرہ) کا کوئی متعین و معلوم مالک نہ ہو تو انھیں خیر کے کاموں کے لیے وقف کردینا چاہیے' پل کو ذریعہ عبور بنانا بھی ایک کار خیر ہی ہے' اس لیے کشتی مہیا ہونے کے باوجود پل کے استعمال کو جائز قرار دیا گیا ہے' استعمال نہ کرنا محض ورع موکد کے طور پر ہے حرمت کی وجہ سے نہیں ہے لیکن اگر ان اشیاء کا کوئی معلوم و متعین مالک ہو' مثلاً یہ کہ عبور کرنے والا جانتا ہو کہ پل کی اینٹیں فلاں گھر سے' یا فلاں مقبرے اور مسجد سے زبردستی حاصل کی گئی ہیں' اس صورت میں پل عبور کرنا قطعاً جائز نہیں ہے۔ البتہ اضطرار کی حالت اس حکم سے مستثنیٰ ہے' تاہم عبور کرنے والے سے یہ کہا جائے گا کہ وہ اصل مالک سے اپنا یہ جرم معاف ضرور کرائے۔

مسجد کا حکم بھی حالات کے اعتبار سے مختلف ہے' اگر وہ غصب کی زمین میں بنی ہوئی ہو یا اس میں کسی دوسری مسجد کی لکڑی یا کسی متعین مالک کی اینٹیں وغیرہ اس کی اجازت کے بغیر لگائی گئی ہوں تو ایسی مسجد میں داخل ہونا قطعاً جائز نہیں ہے' حتیٰ کہ جمعہ و جماعت کی ادائیگی کے لیے بھی اس مسجد کے اندر نہ جائے' بلکہ اگر امام مسجد میں ہو' اور وہ اس کے پیچھے نماز پڑھنا چاہتا ہو تو مسجد کے باہر کھڑا ہو' اور باہر رہ کر ہی امام کی اقتدا کرے۔ غصب کی زمین میں نماز پڑھنے سے فرض ساقط ہوجاتا ہے' اور امامت و اقتدا بھی صحیح ہوتی ہے لیکن کیونکہ ایسی مسجد میں جانا گناہ ہے اس لیے مقتدی کو باہر رہ کر اقتدا کرنے کی اجازت دی گئی ہے' اور اگر وہ مسجد کسی ایسے مال سے بنائی گئی ہو جس کا مالک معلوم نہ ہو تو دوسری مسجد میں جانا بہتر ہے' بشرطیکہ دوسری مسجد موجود ہو' لیکن اگر موجود نہ ہو تو جمعہ و جماعت ترک نہ کرے' اس لیے کہ ایسی مسجد میں یہ احتمال بھی ہے کہ شاید بنانے والے نے اس کی تعمیر میں اپنا ہی مال لگایا ہو۔ اگرچہ ظالموں کے حالات کی بنا پر اس احتمال کی گنجائش کچھ کم ہی ہے۔ اور اگر اس کا کوئی متعین مالک نہ ہو تو وہ مسجد مسلمانوں کی مصالح کے لیے وقف ہے' اس میں نماز پڑھنا جائز ہے۔ اگر کسی مسجد میں ظالم بادشاہ کی عمارت ہو اور کوئی شخص اس میں نماز پڑھ لے تو ورع کے باب میں اس کا کوئی عذر قبول نہیں ہوگا۔ امام احمد بن حنبلؒ سے کسی شخص نے دریافت کیا کہ ہم لشکر میں مقیم ہیں' اور آپ جماعت کے لئے گھر سے باہر تشریف نہیں لاتے اس کی کیا وجہ ہے؟ فرمایا: حسن بصریؒ اور ابراہیم التیمیؒ اس خوف سے

باجماعت نماز ادا نہیں فرماتے تھے کہ کہیں حجاج انھیں فتنے میں نہ ڈالے میں بھی اسی خوف کی بنا پر گھر سے باہر نہیں نکلتا' اور تم لوگوں کے ساتھ جماعت میں شریک نہیں ہوتا۔ اگر کوئی ظالم بادشاہ مسجد میں رنگ کرادے' تو اس میں جانا اور نماز پڑھنا جائز ہے' کیونکہ رنگ فائدے کے لیے نہیں ہے' بلکہ زینت کے لیے ہے بہتر یہ ہے کہ نماز پڑھنے والا مسجد کی زیب و زینت پر نظر نہ ڈالے۔ مسجد کے فرش (چٹائی' بوریہ یا دری) وغیرہ کا حکم یہ ہے کہ اگر اس کا کوئی متعین مالک موجود ہو تو اس پر بیٹھنا جائز نہیں ہے' اور اگر متعین نہ ہو تو وہ مصالح عامہ کے لیے وقف ہے' اس پر بیٹھنا بھی جائز ہے' اور نماز پڑھنا بھی' لیکن بہتر یہ ہے کہ اس طرح کے فرش پر بیٹھنے میں احتیاط کرے' کیونکہ ظالموں کی طرف منسوب ہونے کی وجہ سے ان میں حرمت کا احتمال موجود ہے۔ کنوؤں اور حوضوں کا حکم بھی وہی ہے جو ہم نے بیان کیا ہے' یعنی یہ کہ ظالموں کے بنائے ہوئے کنوؤں اور حوضوں سے وضو کرنا یا پانی پینا از روئے ورع درست نہیں ہے لیکن اگر نماز قضا ہو جانے کا خوف ہو تو وضو کرلینا چاہیے مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کے راستے میں بنی ہوئی سبیلوں کا حکم بھی یہی ہے' سراؤں اور مدرسوں کا حکم بھی اسی نوعیت کا ہے اگر ان کی زمین چھینی ہوئی ہو' یا اینٹیں وغیرہ کسی متعین جگہ سے مالک کی اجازت کے بغیر اٹھوا کر لگائی گئی ہوں اور اصل مستحق کو ان کا واپس کرنا ممکن ہو تو ان میں ٹھہرنے یا تعلیم حاصل کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ لیکن اگر مالک کا حال مشتبہ ہو تو ان مدرسوں اور رباطوں کو مصلحت عام کی مد میں سمجھنا چاہیے۔ مگر اس صورت میں بھی اجتناب کرنا ہی بہتر ہے گو اجتناب نہ کرنے والا فاسق نہیں کہلائے گا۔

یہ زیر بحث عمارتیں اگر ظالم بادشاہوں کے خادموں اور غلاموں کی تعمیر کردہ ہوں تو ان کا معاملہ زیادہ سخت ہے۔ اول تو ان کا مال حرام ہوتا ہے' کیونکہ یہ مصالح کی مد میں سے بلا استحقاق حاصل کرتے ہیں دوسرے یہ کہ انھیں لاوارث مال کو مصالح میں لگانے کی اجازت نہیں ہے' یہ کام ارباب بسط و کشاد کا ہے۔

اگر غصب کی زمین پر عام راستہ بنا دیا جائے اور اس کا مالک موجود ہو تو اس پر چلنا جائز نہیں ہے مالک نہ ہونے کی صورت میں چلنا جائز ہے' لیکن ورع کے نقطۂ نظر سے نہ چلنا بہتر ہے بشرطیکہ اس کے علاوہ بھی کوئی راستہ موجود ہو' اسی طرح اگر کوئی سڑک مباح ہو لیکن اس پر بنا ہوا پل یا سائبان حرام ہو تو اس کے نیچے سے گزرنا اور کسی ضرورت سے اس کے نیچے بیٹھنا جائز ہے' بارش اور دھوپ سے بچنے کے لیے بیٹھنا جائز نہیں ہے' کیونکہ عموماً اس طرح کے سائبان بارش اور دھوپ سے حفاظت ہی کے لیے بنائے جاتے ہیں' اس صورت میں اس کے نیچے بیٹھنے کا مطلب انتفاع ہے' اور حرام چیز سے فائدہ اٹھانا جائز نہیں ہے یہی حکم اس مسجد کا ہے جس کی زمین مباح ہو اور چھت یا چار دیواری غصب کی ہو' یعنی جانے والے کے لیے صرف گزرنے کی اجازت ہے' گرمی' سردی یا بارش سے بچنے کے لیے چھت یا دیوار سے فائدہ اٹھانے کی اجازت نہیں ہے۔

ساتواں باب

مختلف مسائل

ذیل میں وہ مسائل درج کیے جا رہے ہیں جن کی عموماً ضرورت رہتی ہے' اور جن کے متعلق بکثرت استفسارات کیے جاتے ہیں۔

صوفیاء کے لیے کھانا جمع کرنا:۔ مجھ سے دریافت کیا گیا کہ صوفیا کا خادم بازار جاتا ہے اور ان کے لیے کھانا جمع کرتا ہے' یا لوگوں سے نقد پیسے لے کر کھانا خریدتا ہے' یہ کھانا صرف ان ہی لوگوں کے ساتھ مخصوص ہے جن کے لیے جمع کیا گیا یا دوسرے لوگ بھی اسے کھا سکتے ہیں؟ اگر دوسرے لوگوں کے لیے بھی جائز ہے تو وہ کون لوگ ہیں جن کے لیے یہ کھانا حلال ہے؟ میں نے عرض کیا کہ جہاں تک صوفیاء کا تعلق ہے ان کے حق میں یہ کھانا ہر شبہ سے بالا تر ہے۔ سوال صرف دوسرے لوگوں کا رہ جاتا ہے۔ ان کے سلسلے میں صحیح بات یہ ہے کہ اگر انھوں نے خادم کی اجازت اور رضامندی سے کھایا ہے تب تو ان کے لیے بھی حلال ہے تاہم شبہ سے

خالی نہیں ہے۔ علّت کی وجہ یہ ہے کہ خادم کو جو کھانا یا نقد رقم دی جاتی ہے وہ صوفیوں کی وجہ سے دی جاتی ہے' اس لیے نہیں دی جاتی کہ وہ خود صوفی ہے۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے کسی عیال دار شخص کو عیال کی وجہ سے کچھ دے دیا جائے' اگرچہ دینے کا سبب عیال کا وجود ہے' لیکن وہ چیز عیالدار کی ملکیت بنتی ہے' عیال کی ملکیت نہیں بنتی' یہ کہنا بعید از عقل معلوم ہوتا ہے کہ جو کچھ خادم کو دیا گیا وہ دینے والے کی ملکیت سے خارج نہیں ہوا' اور خادم کو اس پر قبضہ کرنے' یا اس میں تصرف کرنے کا حق حاصل نہیں ہوا' اس کا مطلب تو یہ ہوگا کہ تعاطی (خاموش لین دین) کافی نہیں ہے' حالانکہ اس پر تمام علماء متفق ہیں کہ صدقات اور ہدایات میں تعاطی کافی ہے۔ یہ بھی نہیں کہا جاسکتا کہ وہ چیز ان صوفیا کی ملکیت میں آگئی جو خادم کے سوال کے وقت خانقاہ میں موجود تھے۔ حالانکہ تمام علماء کا اتفاق ہے کہ اگر خانقاہ میں دوسرے صوفیاء آجائیں تو اس مال میں سے انہیں بھی کھلانا جائز ہے' اس مال سے صرف انہی لوگوں کو نہیں کھلایا جائے گا جو سوال کے وقت خانقاہ میں موجود تھے' یہی وجہ ہے کہ اگر خانقاہ کا کوئی صوفی فوت ہوجائے تو یہ ضروری نہیں کہ اس کا حصہ اس کے وارث کو دیا جائے۔ یہ کہنا بھی صحیح نہیں کہ وہ چیز جنس تصوف کے لئے ہے' اس کا کوئی مستحق متعین نہیں ہے اس لیے کہ اگر کوئی چیز جنس کے لیے ہو تو چند افراد اس میں تصرف کرنے کے لیے مسلط نہیں کئے جاسکتے بلکہ وہ چیز اس جنس کے تمام افراد کے لیے ہوگی' اس میں وہ افراد بھی شامل ہیں جو اس وقت موجود ہیں اور وہ بھی جو قیامت تک پیدا ہوں گے۔ اس نوع کے مال میں حکام ہی تصرف کرسکتے ہیں' خادم اس جنس کے افراد کا نائب نہیں ہوسکتا۔ اب صرف ایک ہی صورت باقی رہ جاتی ہے اور وہ یہ کہ اس مال کو خادم کی ملکیت قرار دیا جائے' اور یہ کہا جائے کہ وہ صوفیاء کو شرط تصوف کی بنا پر کھلاتا ہے' اور اگر وہ منع کردیں کہ ہمارے نام سے کچھ مت مانگو تو اسے رکنا ہوگا خود لوگ بھی اسے دینے سے گریز کریں گے جس طرح عیال دار شخص کے ساتھ اس کے عیال کی بنا پر حسن سلوک کیا جاتا ہے' اگر عیال ہی باقی نہ رہیں تو اسے کون دے گا۔

صوفیاء کے لیے وصیت :- ایک مرتبہ یہ دریافت کیا گیا کہ کسی شخص نے کچھ مال اہل تصوف کے لیے وقف کیا ہے' یہ مال کن لوگوں پر صرف ہونا چاہیے؟ میں نے جواب دیا کہ تصوف ایک امر باطن ہے کوئی دوسرا شخص اس پر مطلع نہیں ہوسکتا' اور نہ یہ ممکن ہے کہ اس کی کوئی جامع تعریف ضبط کی جاسکے۔ بلکہ چند ظاہری امور ہی بیان کئے جاسکتے ہیں جن پر اعتماد کرکے اہل عرف بعض لوگوں کو "صوفی" کہہ دیتے ہیں۔ اس سلسلے میں زیادہ سے زیادہ یہ قاعدہ کلیہ بیان کیا جاسکتا ہے کہ جو شخص اس صفت کا حامل ہو کہ اگر صوفیاء کی خانقاہ میں قیام کرے تو دوسرے لوگوں کے نزدیک اس کا قیام اور خانقاہ کے دیگر مقیمین کے ساتھ اس کا اختلاط قابل اعتراض نہ ہو۔ ایسا شخص صوفیاء کے گروہ کا ایک رکن ہے۔ اور اس مال کا مستحق ہے جو صوفیاء کے لیے وقف کیا گیا ہو۔ اس کلی ضابطے کی تفصیل یہ ہے کہ اس شخص میں پانچ صفات ملحوظ رکھی جائیں' اول نیکی' دوم فقیری' سوم صوفیوں کی ہیئت (لباس وغیرہ) چہارم تجارت یا حرفت وغیرہ میں مشغول نہ ہونا پنجم خانقاہ میں اپنے طبقے کے دیگر لوگوں کے ساتھ رہائش اور اختلاط۔ پھر ان صفات میں بعض ایسی ہیں کہ اگر کسی شخص میں وہ صفات موجود نہ ہوں تو اس پر لفظ صوفی کا اطلاق بھی نہ ہو' بعض وہ صفات ہیں جن کے نہ ہونے سے کوئی فرق نہیں پڑتا' بلکہ بعض دیگر صفات سے ان صفات کے فقدان کی تلافی ہوجاتی ہے۔ مثلاً" کسی شخص میں صلاح یعنی نیکی نہ ہو' بلکہ فسق ہو' تو وہ صوفی کہلانے کا مستحق نہیں ہے' اور نہ اس مال کا حقدار ہے جس کی صوفیاء کے لیے وصیت کی گئی ہے۔ اس لیے کہ صوفی اس شخص کو کہتے ہیں جو نیک ہو' صالح ہو' فسق کے سلسلے میں صغیرہ گناہ معتبر نہیں ہیں' شاذ و نادر ہی کوئی شخص صغائر سے محفوظ ہوتا ہے۔ بلکہ ہمارے نزدیک کبائر کے ارتکاب سے آدمی فاسق کہلاتا ہے' اسی طرح حرفت' تجارت یا کسی دوسرے ذریعہ معاش کے اشتغال سے بھی انسان اس مال کا مستحق نہیں رہتا' اس لحاظ سے کاشتکار' کاریگر' تاجر' صنعت کار' اور اجرت پر کام کرنے والا فرد ان "صوفیاء" میں داخل نہیں ہے جن کے لیے مال کی وصیت کی گئی ہے' یہ وہ صفات ہیں کہ اگر کسی شخص میں موجود نہ ہوں تو لباس اور ہیئت کی صفت سے بھی اس فقدان پر مرتب ہونے والے نقصان کا تدارک نہیں ہوسکتا۔ تاہم کتابت یا سینے پرونے کے کام میں کوئی حرج نہیں ہے بشرطیکہ وہ معمولی ہو' اور ذریعہ معاش کے طور پر اختیار نہ کیا گیا ہو' کسی شخص کا

واعظ' اور مدرس ہونا تصوف کے منافی نہیں ہے' اگر اس میں صوفیاء کی دیگر صفات مثلاً لباس اور فقر وغیرہ موجود ہوں' اس میں کوئی تضاد نہیں ہے کہ کوئی شخص صوفی کے ساتھ عالم' واعظ' مدرس یا قاری بھی کہلائے' البتہ یہ بات شایان شان نہیں کہ کوئی صوفی کاشت کار یا تاجر کہلائے' یا کسی دوسرے پیشے کی طرف اس کی نسبت کی جائے۔ فقر کے سلسلے میں یہ امر ملحوظ رہنا چاہیے کہ اگر کسی شخص کے پاس اتنا مال ہے کہ اس کی موجودگی میں اس شخص کو مالدار کہا جاسکے تو اس صورت میں وہ صوفیوں کے لیے وصیت کردہ مال کا مستحق نہیں ہے' ہاں اگر آمدنی ہو' مگر خرچ کے لیے ناکافی ہو تو اس کا حق باطل نہ ہوگا۔ یہی حکم اس شخص کا ہے جس کے ذمہ بظاہر کوئی خرچ نہ ہو لیکن اس کے پاس مال کی وہ مقدار ہو جس میں زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی۔ یہ وہ امور ہیں جن کی دلیل رواج اور عادات کے علاوہ کوئی دوسری نہیں ہے۔

خانقاہ میں رہنے والوں کے ساتھ اختلاط اور میل جول کا بھی بڑا دخل ہے' لیکن اگر کسی شخص میں یہ خاص صفت موجود نہ ہو' بلکہ وہ اپنے گھر میں یا مسجد میں صوفیاء کے لباس اور اخلاق کے ساتھ رہتا ہو' ایسا شخص بھی اس مال میں شریک سمجھا جائے گا' لباس کی مداومت سے مخالطت کی کمی دور ہوجائے گی۔ وہ شخص اس مال کا مستحق نہیں ہے جس میں لباس کے علاوہ تمام صفات موجود ہوں۔ ہاں اگر وہ شخص ان اوصاف کے ساتھ خانقاہ میں مقیم ہو تو باقی لوگوں کی اتباع میں اس شخص کو بھی حصہ دے دیا جائے گا۔ حاصل یہ ہے کہ لباس اور اختلاط ایک دوسرے کا عوض بن سکتے ہیں' وہ فقیہہ جو نہ صوفیوں کی وضع رکھتا ہو اور نہ خانقاہ میں مقیم ہو صوفی کہلانے کا مستحق نہیں ہے' البتہ اس فقیہہ کو بطریق تبعیت صوفی کہا جاسکتا ہے جو خانقاہ میں مقیم ہو' اور لباس کے علاوہ دوسری صفات رکھتا ہو۔ مال کے استحقاق کے سلسلے میں صوفی کے لیے یہ شرط نہیں ہے کہ اس نے کسی شیخ طریقت سے اجازت بھی حاصل کی ہو' اگر اس میں تصوف کی مذکورہ تمام علامتیں موجود ہیں تو شیخ طریقت سے باضابطہ اجازت یافتہ نہ ہونے سے کوئی فرق نہیں پڑتا' وہ صوفی بھی صوفیاء کے گروہ سے خارج نہیں ہوگا جو اپنے بیوی بچوں کی بنا پر گھر میں اور کبھی خانقاہ میں رہتا ہو۔

<u>اہل خانقاہ کے لیے موقوفہ مال:</u>۔ وہ مال جو خانقاہ اور اہل خانقاہ کے لیے وقف ہو وصیت کے مال سے زیادہ وسعت اور گنجائش رکھتا ہے۔ اس لیے کہ وقف کے معنی یہ ہیں کہ موقوفہ مال صوفیاء کے مفادات اور مصالح کی تکمیل میں صرف کیا جائے۔ "مفادات اور مصالح" کا دائرہ بہت وسیع ہے' چنانچہ اگر کوئی غیر صوفی صوفی کی اجازت سے اس کے دسترخوان پر دو چار بار کھالے تو کوئی مضائقہ نہیں ہے' کھانے میں تسامح پر عمل ہوتا ہے اس لیے اگر ان میں سے کوئی شخص مشترک مال میں سے ایک دو افراد کا کھانا لے لے تو اس کی اجازت دی جاتی ہے۔ وقف کے مال میں سے قوال بھی کھاسکتا ہے البتہ وصیت کے مال میں سے قوال کو دینا جائز نہیں ہے' بسا اوقات اہل ثروت صوفیاء کی توجہ حاصل کرنے کے لیے' اور ان کے فیوض و برکات سے استفادے کی خاطر خانقاہ میں حاضری دیتے ہیں' ایسے تمام لوگ خواہ وہ عام آدمی ہوں یا خاص اہل خانقاہ کی رضا و اجازت سے ان کے دسترخوان پر کھانا کھاسکتے ہیں' اس لیے کہ وقف کرنے والے کے ذہن میں یہ بات بھی ہوتی ہے کہ موقوفہ مال صوفیوں کی عادت کے مطابق ان کے مفاد میں صرف ہوگا۔ لیکن غیر صوفی کے لیے جائز نہیں کہ وہ دائمی طور پر خانقاہ میں مقیم رہے' اور اہل خانقاہ کے لیے وقف مال میں سے کھائے' اس سلسلے میں صوفیاء کی اجازت بھی معتبر نہیں ہے' کیونکہ وقف کرنے والے نے غیر صوفی کے لیے وقف نہیں کیا ہے' صوفی کو واقف کی شرط میں ترمیم کرنے کا اختیار حاصل نہیں ہے۔ البتہ وہ عالم یا فقیہہ صوفی کے پاس قیام کرسکتے ہیں جن کا لباس اہل تصوف کے لباس سے مشابہت رکھتا ہو۔ علم اور فقہ تصوف کے منافی نہیں ہیں۔ اور نہ جہل تصوف کے لیے شرط خاص کی حیثیت رکھتا ہے۔ بعض احمق یہ کہتے ہیں کہ علم حجاب اکبر ہے اور جہل حجاب خاص ہے' کتاب العلم میں ہم نے اس جملے کی کافی وضاحت کی ہے' ہمارے خیال میں علم مذموم حجاب ہے' علم محمود حجاب نہیں ہے۔ وہ فقیہہ جو صوفیوں کا لباس و اخلاق نہ رکھتا ہو خانقاہ میں ٹھہرنا چاہے تو اہل خانقاہ اسے منع کرسکتے ہیں' لیکن وہ اگر ٹھہرنے کی اجازت دیدیں تو بطریق تبعیت اسے بھی صوفیاء میں شمار کیا جائے گا' لباس و اخلاق کی کمی اختلاط سے پوری ہوجائے گی۔

رشوت اور ہدیہ میں فرق:۔ مجھ سے دریافت کیا گیا کہ رشوت اور ہدیہ میں کیا فرق ہے؟ بظاہر ان دونوں میں کوئی فرق نہیں معلوم ہوتا۔ اس لیے کہ رشوت بھی رضامندی سے دی جاتی ہے' اور ہدیہ بھی۔ دونوں ہی کے ساتھ اغراض بھی وابستہ ہوتی ہیں پھر کیا وجہ ہے کہ شریعت نے ہدیے کی اجازت دی ہے اور رشوت کو حرام قرار دیا ہے؟ میں نے جواب دیا کہ مال خرچ کرنے والا غرض کے بغیر مال خرچ نہیں کرتا لیکن کبھی اس کی غرض اخروی ہوتی ہے جیسے ثواب' کبھی دنیوی ہوتی ہے' پھر دنیوی اغراض بھی مختلف ہیں' کبھی مال حاصل کرنے کے لیے مال خرچ کیا جاتا ہے' کبھی فعل معین پر اعانت مقصود ہوتی ہے' کبھی محض دل میں محبت پیدا کرنے کا جذبہ کار فرما ہوتا ہے' یہ محبت بھی کبھی طبعی ہوتی ہے' اور کبھی مصنوعی' اس طرح انفاق کے کل پانچ اسباب ہوئے ہم ہر ایک کی الگ الگ وضاحت کرتے ہیں۔

اول اخروی ثواب کے لیے دینا:۔ جو شخص آخرت کو اپنا مطمح نظر بنا کر خرچ کرتا ہے' یا کسی کو کچھ دیتا ہے وہ ہر کس و ناکس کو نہیں دیتا' بلکہ اپنی دانست میں اس شخص کو دیتا ہے جو محتاج ہو' شریف النسب ہو' یا عالم ہو' یا نیک اور متدین ہو' چنانچہ اگر دینے والے نے کسی شخص کو محتاج سمجھ کر کچھ دیا اور وہ شخص واقع میں محتاج نہیں ہے تو اس کے لیے لینا جائز نہ ہوگا۔ اسی طرح اگر شرافت نسب کی بنا پر دیا اور لینے والا یہ سمجھتا ہے کہ میں شرافت نسب کے دعوئی میں جھوٹا ہوں تو اس کے لیے بھی لینا جائز نہیں ہے۔ عالم کو بھی اسی وقت لینا چاہیے جب کہ وہ یہ جان لے کہ میں علم کے اسی معیار پر ہوں جس کا دینے والے کا اعتقاد ہے دینداری اور صلاح کے لیے بھی یہی شرط ہے۔ بعض لوگوں کو نیک و صالح سمجھ کر دے دیا جاتا ہے لیکن ان کے باطن میں فسق ہوتا ہے' اگر یہ فسق ظاہر ہو جائے تو دینے والا ہرگز کچھ نہ دے' لیکن کیونکہ اللہ تعالیٰ ستار العیوب ہیں وہ ہر شخص کی پردہ پوشی فرماتے ہیں اس لیے لوگوں پر ان کا فسق ظاہر نہیں ہو پاتا' اور وہ اپنی دانست کے مطابق مستحق کو دیتے ہیں' اب یہ لینے والے پر موقوف ہے کہ وہ لینے سے پہلے اپنے باطن پر بھی نظر ڈال لے' اور استحقاق کے اسباب کا جائزہ بھی لے لے۔ ماضی کے اہل ورع خرید و فروخت کے معاملات کے لیے کسی ایسے شخص کو اپنا وکیل مقرر کیا کرتے تھے جس کے بارے میں لوگوں کو یہ علم نہ ہو کہ یہ ان کا وکیل ہے' محض اس لیے کہ کہیں لوگ ان کی اصلاح و تقویٰ کی بنا پر معاملات میں نرمی اختیار نہ کریں' مثلاً یہ کہ زیادہ مبیع دے دیں' یا کم قیمت وصول کریں' وہ دین کے نام پر کھانے سے ڈرتے تھے کیونکہ دین کا معاملہ نازک ہے' لوگ تقویٰ کی بنا پر دیتے ہیں' حالانکہ تقویٰ ایک مخفی امر ہے' علم' نسب' اور فقر کی طرح ظاہر نہیں ہے۔ اس لیے دین کے نام پر لینے سے حتی الامکان اجتناب کرنا چاہیئے۔

دوم دنیا کی غرض:۔ یہ وہ دینا ہے جس کے ذریعہ کسی معین غرض کی تکمیل مقصود ہو' مثلاً کوئی تنگدست کسی مالدار کو اس امید پر ہدیہ دے کہ وہ اسے خلعت فاخرہ سے نوازے گا' یہ ہبہ کی ایک قسم ہے جو عوض کے ساتھ مشروط ہے۔ اگر عوض پایا جائے اور عقد کی شرائط مکمل ہوں تو لینے کی اجازت دی جائے گی' ورنہ نہیں۔

سوم فعل معین پر اعانت:۔ یہ وہ دینا ہے جس کے ذریعہ فعل معین پر اعانت مقصود ہوتی ہے' مثلاً کسی شخص کو بادشاہ سے کوئی کام ہو' اور وہ بادشاہ کے وکیل یا اس کے کسی مقرب خادم کو ہدیہ دے' اگرچہ زبان سے اپنی شرط کا اظہار نہ کرے' لیکن قرینہ حال سے معلوم ہو کہ اس کا ہدیہ مشروط ہے' اور وہ اس کے عوض بادشاہ تک اپنا پیغام پہنچوانا چاہتا ہے۔ اس صورت میں دیکھنا چاہیئے کہ وہ کام کس نوعیت کا ہے جس کی تکمیل کے لیے یہ ہدیہ دیا گیا ہے' اگر وہ کام حرام ہے' مثلاً یہ کہ وہ شخص حرام ذرائع آمدنی سے یا ان سرکاری مدات سے جن کا وہ مستحق نہیں ہے اپنا وظیفہ جاری کرانا چاہتا ہے' یا کسی شخص پر ظلم کرانا چاہتا ہے تو اس کا ہدیہ لینا جائز نہیں ہے یہی حکم اس صورت میں ہے جب کہ وہ کام واجب ہو جس کے لیے ہدیہ دیا گیا ہے۔ مثلاً مظلوم کو ظلم سے بچانا ہر

اس شخص پر واجب ہے جو اس کی طاقت رکھتا ہو' اسی طرح گواہی دینا بھی ضروری ہے بشرطیکہ گواہی دینے والے کو زیر گواہی معاملے سے واقفیت ہو' اب اگر کوئی شخص مظلوم کی اعانت' یا ادائے شہادت کے لیے ہدیہ دے تو لینے والے کو لینا نہ چاہیے' کیونکہ یہ ہدیہ نہیں ہے' بلکہ رشوت ہے۔ اور رشوت حرام ہے۔ البتہ غیرواجب اور مباح امور میں گنجائش ہے' مگر یہ گنجائش بھی مشروط ہے کہ اس عمل میں اتنی مشقت ہونی چاہیے جس پر اجرت لینا عرف میں جاری ہو' یہ ہدیہ اجرت کے قائم مقام ہو گا۔ مثلاً کوئی شخص بادشاہ کے کسی مقرب سے یہ کہے کہ تم میری یہ درخواست بادشاہ تک پہنچا دو تو میں تمہیں ایک دینار دوں گا۔ یا کوئی شخص یہ کہے کہ فلاں شخص سے میری سفارش کردو کہ وہ فلاں کام میں میری اعانت کرے' یا مجھے فلاں چیز انعام میں دے دے۔ اب اگر اس سفارش میں یا انعام دلانے میں کسی لمبی چوڑی تقریر کی ضرورت پیش آئے تو یہ ہدیہ اس کے حق میں اجرت سمجھا جائے گا' یہ ایسا ہی ہے جیسے وکیل استغاثہ کو عدالت میں جج کے سامنے مقدمہ میں پیروی کرنے پر اجرت دی جاتی ہے' اس اجرت کے جواز میں کوئی شبہ نہیں ہے بشرطیکہ وہ مقدمہ جائز بنیادوں پر لڑا جارہا ہو۔ بسا اوقات ذی حیثیت آدمی کا ایک لفظ مقصد کی تکمیل کے لیے کافی ہوجاتا ہے' مثلاً کوئی امیر شاہی دربان سے یہ کہہ دے کہ جب فلاں شخص بادشاہ سے ملنے کے لیے آئے تو اسے روکنا مت' یا اس کی درخواست بادشاہ کی خدمت میں پیش کردینا یہ ایک جملہ ہے' جسے کہنے میں بظاہر کوئی تعب یا مشقت نہیں ہے' شریعت میں اس طرح کے عمل پر اجرت لینے کا جواز ثابت نہیں ہے' بلکہ اس طرح کی اجرتوں کے سلسلے میں ممانعت وارد ہے۔ یہاں یہ امر بھی قابل غور ہے کہ جب شفعہ سے دست بردار ہونے کا کوئی عوض نہیں تو بیع کو عیب کی بنا پر رد کردینے اور بادشاہ کی ملک ہوا میں درخت کی شاخوں کے انتشار کی کوئی اجرت نہیں حالانکہ یہ مقصود بالذات اغراض ہیں تو پھر جاہ اور منصب کا عوض کیسے جائز ہو گا۔ یہی حکم اس طبیب کا ہے جسے کوئی دوا معلوم ہو' اور وہ اجرت لیے بغیر نہ بتلائے حالانکہ دوا بتلانے میں نہ طول عمل ہے' اور نہ کسی قسم کی مشقت' محض زبان ہلانی پڑتی ہے' زبان ہلانا کوئی ایسا کام نہیں ہے جس کی عرف میں کوئی قیمت ہو' مثلاً تل کے ایک دانے کی کوئی قیمت نہیں ہے۔ اب اگر کوئی طبیب کسی کو کوئی دوا بتلا دے تو اس میں کیا حرج ہے' بتلانے سے خود اس کے علم میں کمی نہیں آئے گی' اور دوسرے شخص کا فائدہ ہوجائے گا۔ البتہ اگر کوئی شخص کسی صنعت میں ماہر ہے اور وہ اس صنعت سے متعلق اپنے کسی عمل پر اجرت لے تو ہمارے نزدیک اس میں کوئی حرج نہیں ہے' مثلاً ایک شخص صیقل کے فن سے واقف ہے' وہ ایک لمحہ میں تلوار اور آئینے کا ٹیڑھ پن دور کردیتا ہے' اس میں بھی اگرچہ کوئی زیادہ مشقت نہیں ہے' تاہم اس کے اس عمل سے تلوار اور آئینے کی قیمت بڑھ گئی ہے' پھر اس طرح کی مہارت حاصل کرنا آسان نہیں ہے' بسا اوقات اس راہ میں بہت سی دشواریاں انگیز کرنی پڑتی ہیں' تب جاکر کسی فن میں مہارت حاصل ہوپاتی ہے۔

چہارم طبعی محبت کے لیے دینا:۔ یہ وہ دینا ہے جس سے کسی کی محبت حاصل کرنا مقصد ہوتا ہے' اس محبت سے کوئی دنیاوی غرض یا شخصی منفعت وابستہ نہیں ہوتی بلکہ دینے والا محض اس لیے دیتا ہے کہ دل ایک دوسرے کی قربت محسوس کریں' باہمی تعلقات اور یگانگت کے رشتے استوار ہوں۔ عقل اور شریعت دونوں کی نظر میں یہ دینا محبوب و پسندیدہ ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:۔

تہادوا وتحابوا (بیہقی۔ ابوہریرہؓ)

آپس میں ہدیے دو اور دوست بنو۔

یہ مانا کہ انسان کسی شخص سے محض محبت برائے محبت نہیں کرتا بلکہ اس محبت کا کوئی نہ کوئی مقصد ضرور ہوتا ہے لیکن اگر وہ مقصد متعین نہ ہو' یا حال و استقبال میں حاصل ہونے والی کسی منفعت کا خیال اس کے ذہن میں راسخ نہ ہو تو یہ دینا مستحسن ہے۔ ہدیہ دراصل یہی ہے۔ ہدیہ لینا بھی جائز ہے' اور دینا بھی جائز ہے بلکہ دینا پسندیدہ ہے۔

پنجم مصنوعی محبت کے لیے دینا:۔ اس دینے میں بھی محبت مقصود ہوتی ہے' یہ محبت طبعی نہیں ہوتی' اور نہ اس سے قربت

اور یگانگت پیدا کرنا مقصود ہوتا ہے' بلکہ دینے والا محض اس لیے دیتا ہے کہ مهدی لہ (جسے ہدیہ جائے) ذی حیثیت شخص ہے' اگر اس کے دل میں میری محبت پیدا ہوجائے تو میرے بہت سے کام پایہ تکمیل کو پہنچ جائیں' اب اگر وہ شخص عالی نسب یا عالم ہے' اور اسے اس کے علوِ نسب یا علمی برتری کے باعث ہدیہ دیا جارہا ہے تو یہ معاملہ خفیف ہے۔ اس میں رشوت کی مشابہت ضرور ہے' لیکن بظاہر یہ ہدیہ ہی ہے۔ لیکن اگر وہ شخص سرکاری حیثیت کا حامل ہے' مثلاً قاضی ہے' زکوٰۃ اور خراجی رقوم کا محصل ہے' یا حکومت کے کسی منصب پر فائز ہے' اور حال یہ ہے کہ اگر وہ اس منصب پر فائز نہ ہوتا تو کوئی شخص اسے ہدیہ نہ دیتا۔ اس حیثیت کے کسی آدمی کو کچھ دینا رشوت ہے' جو ہدیہ کی شکل میں پیش کی جاتی ہے۔ اگرچہ وہ شخص ہدیہ کے ذریعہ تقرب اور محبت کا طالب ہے' لیکن اس کی یہ طلب مخلصانہ نہیں ہے' بلکہ اس میں خود غرضی کا عنصر شامل ہے' اور اس کی علامت یہ ہے کہ بالفرض اگر وہ ذی حیثیت شخص اپنے منصب سے معزول کردیا جائے اور اس کی جگہ کوئی دوسرا حاکم مقرر کردیا جائے تو معزول حاکم نہ صرف یہ کہ اس کے ہدایا اور تحائف سے محروم ہوجائے گا بلکہ اس کی قربت بھی نہ پاسکے گا۔ بہرحال تمام علماء اس نوعیت کے ہدایا کی کراہت پر متفق ہیں تاہم حرمت میں اختلاف ہے۔ اور یہ اختلاف اس علت کے تعارض پر مبنی ہے کہ یہ دینا خالص ہدیہ بھی کہا جاسکتا ہے' اور رشوت بھی' یہاں بظاہر کوئی ایسی دلیل بھی نہیں ہے جس کی بنا پر ہدیہ یا رشوت میں سے کوئی ایک متعین ہو' لیکن جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ روایات میں اس طرح کے ہدایا کو پسند نہیں کیا گیا تو حرمت کا احتمال متعین ہوجاتا ہے' چنانچہ رسالت مآب سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ جس میں حرام مال کو ہدیہ کا نام دے کر حلال سمجھا جائے گا' اور عبرت کے لیے قتل کو جائز قرار دیا جائے گا' بے گناہ اور معصوم افراد محض اس لیے قتل کئے جائیں گے کہ عام لوگ ان کے قتل سے عبرت حاصل کریں۔ (مجھے اس حدیث کی اصل نہیں ملی) حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ سے کسی شخص نے دریافت کیا کہ سحت (حرام آمدنی) کیا ہے' فرمایا کہ کوئی شخص کسی کی ضرورت پوری کرے پھر اس کے پاس ہدیہ آئے غالباً اس سے مراد وہ کام ہے جس میں کوئی کلفت یا تعب نہ ہو بلکہ محض تبرع کے طور پر کیا گیا ہو حضرت مسروقؒ نے کسی معاملے میں ایک شخص کی سفارش کی' اس شخص نے ایک لونڈی ہدیہ میں بھیج دی حضرت مسروق نے انتہائی خفگی کے ساتھ ہدیہ واپس کردیا' اور فرمایا کہ اگر مجھے یہ علم ہوتا کہ تم یہ حرکت کرو گے تو میں ہرگز تمہاری سفارش نہ کرتا حضرت طاؤسؒ سے دریافت کیا گیا کہ بادشاہوں کا ہدیہ لینا کیسا ہے؟ فرمایا حرام ہے حضرت عمر فاروقؓ نے اپنے دو صاحبزادوں سے اس مال کا نفع لے لیا جو انہوں نے بیت المال سے شرکت مضاربت کے طور پر لیا تھا' اور فرمایا کہ تمہیں لوگ میری وجہ سے دیتے ہیں تمہاری وجہ سے نہیں دیتے مطلب یہ ہے کہ تمہیں جو کچھ نفع ہوا وہ میرے منصب کی بنا پر ہوا ہے حضرت ابوعبیدہؓ کی اہلیہ محترمہ نے روم کی ملکہ کو عطر بھیجا' ملکہ روم نے جوابی ہدیے کے طور پر جواہر بھیج دیئے' حضرت عمرؓ نے وہ جواہر ان سے لے کر فروخت کردیئے' اور خوشبو کی قیمت انہیں دے کر باقی پیسے بیت المال میں جمع کردئے۔ حضرت جابرؓ اور حضرت ابوہریرہ سے بادشاہوں کے ہدایا کے متعلق دریافت کیا گیا' فرمایا بادشاہوں کے ہدایا خیانت ہیں۔ ایک مرتبہ حضرت عمر ابن عبدالعزیز کی خدمت میں ہدیہ پیش کیا گیا' آپ نے لینے سے انکار فرمادیا' ہدیہ دینے والے نے عرض کیا کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم ہدایا قبول فرمالیا کرتے تھے۔ (بخاری۔ عائشہؓ) آپ نے جواب دیا کہ آپ کے لیے وہ ہدیہ تھا' ہمارے لیے رشوت ہے' مطلب یہ ہے کہ لوگ آپ کی خدمت میں منصب نبوت کی وجہ سے ہدایا پیش کرتے تھے' اور ہمیں منصب حکومت کی بنا پر دیتے ہیں۔ اس باب میں سخت تر حدیث وہ ہے جس کے راوی ابوحمید ساعدی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ازد کے صدقات کی وصولیابی کے لیے ایک شخص کو مقرر کیا' جب وہ شخص وصولیابی کے بعد آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تو اس نے کچھ چیزیں بیت المال میں جمع کرائیں اور یہ وجہ بیان کی کہ یہ چیزیں مجھے ہدیے میں ملی ہیں' آپ نے فرمایا کہ اگر تو سچا ہے تو تجھے اپنے گھر بیٹھنا چاہیے تھا کہ لوگ تجھے ہدیے دیتے۔ مطلب یہ ہے کہ تجھے تیری شخصیت کی بنا پر یہ ہدایا نہیں ملے' بلکہ اس لیے ملے کہ تو حکومت کا عامل تھا۔ اس کے بعد آپ نے ارشاد فرمایا کہ:۔

مالی استعمل الرجل منکم فیقول هذا لکم وهذا لی هدیۃ الا جلس فی بیت امہ لیہدی لہ' والذی نفسی بیدہ لا یاخذ منکم احد شیئا بغیر حقہ الا اتی اللہ یحملہ فلا یاتین احدکم یوم القیامۃ ببعیر لہ رغاء او بقرۃ لہ خوار اوشاۃ تیعر (بخاری و مسلم)

یہ کیا بات ہے کہ میں تم میں سے کسی شخص کو عامل مقرر کرتا ہوں تو وہ آکر یہ کہتا ہے کہ یہ مال تمہارا ہے اور یہ مال مجھے ہدیے میں ملا ہے۔ وہ اپنی ماں کے گھر کیوں نہ بیٹھا رہا کہ لوگ اسے ہدیے دیتے؟ اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے تم میں سے کوئی شخص اپنے حق کے بغیر کوئی چیز نہ لے' اگر اس نے بلا استحقاق کوئی چیز لی تو وہ اللہ تعالیٰ کے سامنے اسے لادے ہوئے آئے گا تم میں سے کوئی ہرگز قیامت کے دن اس حال میں نہ آئے کہ اس کے اوپر بلبلاتا ہوا اونٹ ڈکراتی ہوئی گائے' اور ممیاتی ہوئی بکری لدی ہوئی ہو۔

پھر آپ نے اپنے دونوں ہاتھ اس حد تک اوپر اٹھائے کہ میں نے آپ کی بغلوں کی سفیدی دیکھی' اس کے بعد آپ نے ارشاد فرمایا: یا اللہ! میں نے دین پہنچایا کہ نہیں؟ ان روایات و آثار سے یہ سبق ملتا ہے کہ قضاۃ ولاۃ اور حکام کو چاہیے کہ وہ خود کو اپنے گھروں میں مقید کرلیں' اور یہ دیکھیں کہ اس دوران انھیں کیا چیز ملتی ہے' اور کون دیتا ہے' منصب پر فائز ہوجانے کے بعد اگر وہی چیز انھیں ملے' یا وہی شخص ہدیہ پیش کرے تو لینا جائز ہے' اور جس چیز کے متعلق یہ خیال ہو کہ حکومت کے منصب سے الگ رہ کر یہ چیز نہ ملتی تو اس سے اجتناب کرنا ضروری ہے۔ اگر بعض دوستوں کے متعلق یہ شبہ ہو کہ وہ معزولی کی حالت میں ہدایا دیتے ہیں یا نہیں تو یہ ایک مشتبہ امر ہے' اس میں بھی احتیاط کی ضرورت ہے۔

خدا کے فضل سے حلال و حرام کے ابواب تمام ہوئے۔

کتاب الالفۃ والاخوۃ

محبت اور اخوت کا بیان

جاننا چاہیے کہ اللہ کے لیے محبت کرنا' اور دین کی بنیاد پر رشتۂ اخوت قائم کرنا افضل ترین اطاعت ہے' لیکن اس محبت اور رشتۂ اخوت کی کچھ شرائط و آداب ہیں جن کی تکمیل کے بعد ہی آدمی فی اللہ (اللہ کے لیے محبت کرنے والا) کے لقب کا مستحق ہوتا ہے' اگر یہ شرائط و آداب ملحوظ رہیں تو اخوت کا رشتہ تمام کدورتوں سے پاک و صاف رہے اور شیطانی وسوسے اس پر اثر انداز نہ ہوں' دوستی اور اخوت کے حقوق کی ادائیگی' اور شرائط کی پابندی سے انسان خدا تعالیٰ کے قرب کا اعلیٰ ترین مقام حاصل کرتا ہے۔ یہ کتاب تین ابواب پر مشتمل ہے۔ پہلے باب میں محبت و اخوت کے فضائل' شرائط درجات اور فوائد بیان ہوں گے' دوسرے باب میں دوستی کی حقیقت' لوازم اور آداب پر روشنی ڈالی جائے گی۔ تیسرے باب میں مسلمان بھائیوں' اعزہ و اقارب' پڑوسیوں' اور دوسرے لوگوں کے حقوق کی تفصیل عرض کی جائے گی۔

پہلا باب

محبت واخوت کے فضائل' شرائط' درجات اور فوائد

محبت واخوت کی فضیلت:۔ جاننا چاہیے کہ محبت خوش خُلقی کا ثمرہ ہے' اور افتراق بد خلقی کا نتیجہ ہے' حسنِ اخلاق سے محبت

بڑھتی ہے یگانگت پیدا ہوتی ہے' اور دوری قربت میں بدل جاتی ہے۔ بد اخلاقی ایک مہلک مرض ہے' اس سے بغض' کینہ' نفرت اور حسد جیسی برائیاں جنم لیتی ہیں' حسن خلق' اور بد خلقی دونوں دو درخت ہیں' ایک درخت اپنے جلو میں خوبصورت اور لذیذ و شیریں پھل سمیٹے ہوئے ہے' دوسرا درخت بد مزہ اور بد شکل پھل اٹھائے ہوئے ہے۔ شریعت میں حسن خلق کی بڑی فضیلت ہے۔ قرآن کریم نے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس وصف کو خاص طور پر ذکر فرمایا:

وَاِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ (پ ۲۹ ر ۳ آیت ۴)

اور بے شک آپ اخلاق حسنہ کے اعلیٰ پیمانے پر ہیں

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:۔

اکثر مایدخل الناس الجنة تقوی اللہ وحسن الخلق (ترمذی' حاکم۔ ابو ہریرہؓ)

اکثر لوگ جنت میں اللہ کے خوف' اور حسن خلق کی بنا پر داخل ہوں گے۔

اسامہ ابن شریکؓ کہتے ہیں کہ ہم نے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ یا رسول اللہ! انسان کو سب سے بہتر کیا چیز عطا کی گئی ہے؟ فرمایا: حسن خلق! (ابن ماجہ)۔ ایک حدیث میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کیا گیا ہے:۔ بعثت لاتمم مکارم الاخلاق (احمد' بیہقی' حاکم۔ ابو ہریرہؓ)

میں مکارم اخلاق کی تکمیل کے لئے مبعوث کیا گیا ہوں۔

ایک حدیث میں ہے۔ انقل مایوضع فی المیزان خلق حسن۔

میزان عدل میں سب سے بھاری جو چیز رکھی جائے گی وہ خوش خلقی ہوگی۔

ایک مرتبہ ارشاد فرمایا:۔ ماحسن اللہ خلق امری و خلقہ فتطعمہ النار (۱)

اللہ تعالیٰ نے کسی انسان کی صورت اور سیرت دونوں اچھی نہیں بنائیں کہ پھر اسے آگ کھائے۔

اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جس شخص کی صورت اور سیرت دونوں اچھی ہوں وہ دوزخ کے عذاب سے محفوظ رہے گا۔ ایک مرتبہ آپ نے حضرت ابو ہریرہؓ سے ارشاد فرمایا کہ اے ابو ہریرہ! حسن خلق کو لازم پکڑو! انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! حسن خلق کیا چیز ہے' فرمایا:۔

تصل من قطعک' وتعفو عمن ظلمک' وتعطی من حرمک (۲)

حسن خلق یہ ہے کہ تم اس شخص سے صلہ رحمی کرو جو تم سے قطع تعلق کرے جو تم پر ظلم کرے اسے معاف کرو جو تمہیں محروم رکھے اسے دو۔

یہاں یہ امر بھی ملحوظ رہنا چاہیے کہ حسن خلق کا ثمرہ محبت' اور انس ہے' حسن خلق کی فضیلت سے محبت و الفت کی فضیلت بھی ثابت ہوتی ہے' لیکن ہم الگ سے بھی کچھ آیات' روایات اور آثار پیش کرتے ہیں جن سے معلوم ہوگا کہ اگر الفت کا رشتہ تقویٰ' دین' اور اللہ کی محبت کی بنیادوں پر قائم ہو تو یہ ایک مبارک اور قابل تحسین جذبہ ہے' اور باری تعالیٰ کا انمول عطیہ ہے۔

اللہ تعالیٰ نے الفت کا ذکر اپنی ایک عظیم نعمت کے طور پر فرمایا۔ ارشاد باری ہے:۔

وَاَلَّفَ بَیْنَ قُلُوْبِهِمْ لَوْ اَنْفَقْتَ مَا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا مَّآ اَلَّفْتَ بَیْنَ قُلُوْبِهِمْ وَلٰکِنَّ اللّٰهَ اَلَّفَ بَیْنَهُمْ (پ ۱۰ ر ۴ آیت ۶۳)

اور ان کے قلوب میں اتفاق پیدا کر دیا۔ اگر آپ دنیا بھر کا مال خرچ کرتے تب بھی ان کے قلوب میں اتفاق

---

(۱) ابن عدی' والطبرانی فی الاوسط' والبیہقی فی شعب الایمان من حدیث ابی ہریرہؓ (۲) بیہقی فی الشعب۔ عن الحسن عن ابی ہریرہؓ

پیدا نہ کرسکتے۔ لیکن اللہ ہی نے ان میں باہم اتفاق پیدا کردیا۔
اس کے بعد افتراق کی مذمت فرمائی، اور بطور زجر وعید ارشاد فرمایا:۔
وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا وَاذْكُرُوا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ إِذْ كُنْتُمْ أَعْدَاءً فَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ فَأَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهِ إِخْوَانًا وَكُنْتُمْ عَلَىٰ شَفَا حُفْرَةٍ مِنَ النَّارِ فَأَنْقَذَكُمْ مِنْهَا كَذَٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ آيَاتِهِ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ (پ ۴ ر ۲ آیت ۱۰۳)
اور مضبوط پکڑے رہو اللہ کے سلسلے کو اس طور پر کہ (تم سب) باہم متفق بھی رہو، اور باہم نااتفاقی مت کرو۔ اور تم پر جو اللہ تعالیٰ کا انعام ہے اس کو یاد کرو، جب کہ تم دشمن تھے پس اللہ تعالیٰ نے تمہارے قلوب میں الفت ڈال دی سو تم خدا کے انعام سے آپس میں بھائی بھائی ہو گئے اور تم لوگ دوزخ کے گڑھے کے کنارے پر تھے۔ سو اس سے اللہ نے تمہاری جان بچائی، اس طرح اللہ تعالیٰ تم لوگوں کو اپنے احکام بیان کرکے بتلاتے رہتے ہیں تاکہ تم لوگ راہ پر رہو۔
آیت کریمہ میں نعمت خداوندی سے مراد الفت ہے۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:۔
ان اقربکم منّی مجلسا احاسنکم اخلاقا الموطئون اکنافا الذین یألفون ویولفون (طبرانی۔ مکارم الاخلاق۔ سند ضعیف)
تم میں باعتبار نشست کے مجھ سے زیادہ قریب وہ لوگ ہیں کہ جن کے اخلاق اچھے ہیں، اور جن کے پہلو دوسروں کے لیے نرم ہیں، جو دوسروں سے محبت کرتے ہیں اور دوسرے ان سے محبت کرتے ہیں۔
ایک مرتبہ ارشاد فرمایا:۔
- المؤمن الف مالوف ولا خیر فیمن لا یالف ولا یولف
(طبرانی۔ احمد۔ سہل ابن سعدؓ حاکم۔ ابو ہریرہؓ)
صحیح معنیٰ میں مؤمن وہ شخص ہے جو محبت کرے اور محبت کرائے، اس شخص میں کوئی خیر نہیں جو نہ خود محبت کرے اور نہ دوسرے اس سے محبت کریں۔
دینی اخوت کے متعلق آپ نے ارشاد فرمایا:۔
من اراد اللّٰہ بہ خیرا رزقہ اخا صالحا ان نسی ذکرہ وان ذکر اعانہ (۱)
جس شخص کے ساتھ اللہ تعالیٰ خیر کا ارادہ کرتے ہیں اسے نیک بھائی عطا فرماتے ہیں کہ اگر وہ بھولے تو اسے یاد دلا دے اور یاد ہو تو عمل پر اس کی اعانت کرے۔
ایک حدیث میں ہے:۔
مثل الاخوین اذا التقیا مثل الیدین تغسل احداھما الاخری وما التقی مؤمنان الا افاد اللّٰہ احدھما من صاحبہ (۲)

---

(۱) یہ روایت ان الفاظ میں غریب ہے۔ ابوداؤد میں حضرت عائشہ کی حدیث کے مطابق آپ نے یہ کلمات امیر کے باب میں ارشاد فرمائے تھے "اذا اراد اللّٰہ بالامیر خیرا جعل لہ وزیر صدق ان نسی ذکرہ وان ذکر اعانہ" ابن عدی نے اس حدیث کو ضعیف قرار دیا ہے "آداب الصحبۃ" میں عبدالرحمٰن السلمیؒ کی ایک حدیث اسی نوعیت کے مضمون پر مشتمل ہے۔ الفاظ یہ ہے "من سعادۃ المرء ان یکون اخوانہ صالحین۔"
(۲) یہ روایت ابو عبدالرحمٰن السلمیؒ نے آداب الصحبۃ میں اور ابو منصور دیلمی نے مسند الفردوس میں انسؓ سے نقل کی ہے۔ صحیح یہ ہے کہ یہ سلمان الفارسیؓ کا قول ہے، حدیث نہیں ہے۔

جب دو (دینی) بھائی ملتے ہیں تو ان کی مثال ایسی ہے جیسے دو ہاتھ ایک دوسرے کو دھوتے ہیں' اور دو مؤمن جب ملتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ایک کو دوسرے سے کچھ فائدہ پہنچا ہی دیتے ہیں۔

اسلامی اُخوت کے ترغیب کے سلسلے میں ارشاد فرمایا:۔

ما احدث عبد اخا فی اللہ الا احدث اللہ عز وجل لہ درجة فی الجنة

(ابن ابی الدنیا۔ انسؓ۔ سند ضعیف)

جو بندہ اللہ کے لیے بھائی بناتا ہے اللہ تعالیٰ اسے جنت میں بلند مرتبہ عطا فرماتے ہیں۔

ابو ادریس خولانیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت معاذ ابن جبلؓ کی خدمت میں عرض کیا کہ مجھے آپ سے اللہ کے لیے محبت ہے' فرمایا کہ اگر واقعی ایسا ہے تو تمہارے لیے ایک زبردست بشارت ہے' میں نے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے کہ قیامت کے روز عرش الٰہی کے اردگرد کچھ لوگوں کے لیے کرسیاں بچھائی جائیں گی' ان کے چہرے چودھویں رات کے چاند کی طرح روشن ہوں گے لوگ اس روز مضطرب اور پریشان ہوں گے' لیکن وہ ہر پریشانی و اضطراب سے آزاد ہوں گے' لوگ خوف زدہ ہوں گے' لیکن وہ بے خوف نظر آئیں گے' وہ اولیاء اللہ ہوں گے کہ نہ ان پر خوف طاری ہوگا اور نہ وہ غم محسوس کریں گے کسی نے عرض کیا یا رسول اللہ! وہ کون لوگ ہیں؟ فرمایا: یہ وہ لوگ ہیں جو اللہ کے لیے محبت کرتے ہیں۔ (یہ روایت مضمون کے معمولی اختلاف کے ساتھ احمد' حاکم اور ترمذی میں منقول ہے) اس مضمون کی ایک روایت حضرت ابو ہریرہؓ سے منقول ہے اس میں یہ الفاظ ہیں۔

ان حول العرش منابر من نور علیها قوم' لباسهم نور' ووجوههم نور' لیسوا بانبیاء ولا شهداء یغبطهم النبیون والشهداء فقالوا یا رسول اللہ صفهم لنا فقال هم المتحابون فی اللہ والمتجالسون فی اللہ والمتزاورون فی اللہ (نسائی سنن کبریٰ)

عرش کے چاروں طرف نور کے منبر ہوں گے' اور ان منبروں پر کچھ لوگ بیٹھے ہوئے ہوں گے' ان کا لباس بھی نورانی ہوگا' اور ان کے چہرے بھی نورانی ہوں گے وہ نہ انبیاء ہوں گے اور نہ شہداء' لیکن انبیاء و شہداء ان پر رشک کریں گے لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! ہمیں بتلائیے نا وہ کون ہوں گے؟ فرمایا یہ وہ لوگ ہوں گے جو اللہ کے لیے محبت کرتے ہیں' اللہ کے لیے ایک دوسرے کے پاس بیٹھتے اٹھتے ہیں' اللہ کے لیے ایک دوسرے سے جدا ہوتے ہیں۔

ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔

ما تحاب اثنان فی اللہ الا کان احبهما الی اللہ اشدهما حبا لصاحبه (ابن حبان' حاکم۔ انسؓ)

جب دو شخص اللہ کے لیے محبت کرتے ہیں تو اللہ کے نزدیک زیادہ محبوب وہ شخص ہوتا ہے جس کے دل میں دوسرے کی محبت زیادہ ہو۔

کہتے ہیں کہ اللہ کے لیے دو محبت کرنے والے دوستوں میں سے اگر ایک کا مقام آخرت میں بلند ہوا تو دوسرے کو بھی وہی مقام عطا کیا جائے گا جس طرح اولاد ماں باپ کے ساتھ اور رشتہ دار ایک دوسرے کے ساتھ ملحق کردئے جائیں گے' اس لیے کہ دینی اخوت نسبی قرابت سے کسی طرح کم نہیں ہوتی' نسبی قرابت داروں کو ایک دوسرے سے ملحق کرنے کے سلسلے میں باری تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔

اَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَمَا اَلَتْنٰهُمْ مِنْ عَمَلِهِمْ مِنْ شَيْءٍ (پ ۲۷ ر ۳ آیت ۲۱)

ہم ان کی اولاد کو بھی (درجے میں) ان کے ساتھ شامل کردیں گے اور ان کے عمل میں سے کوئی چیز کم نہیں کریں گے۔

دینی اخوت کی فضیلت کے سلسلے میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے کچھ ارشادات یہ ہیں فرمایا:۔

ان اللّٰہ تعالٰی یقول: حققت محبتی للذین یتزاورون من اجلی وحققت محبتی للذین یتحابون من اجلی وحققت محبتی للذین یتباذلون من اجلی و حققت محبتی للذین یتناصرون من اجلی (احمد۔ عمرو ابن عبسۃ، حاکم۔ عبادہ ابن الصامتؓ)

اللہ تعالٰی فرماتے ہیں کہ میری محبت ان لوگوں کے لیے واجب ہے جو میرے لئے ایک دوسرے سے ملاقات کرتے ہیں میری محبت ان لوگوں کے لیے ثابت ہے جو میری خاطر ایک دوسرے کو چاہتے ہیں میری محبت ان لوگوں کے لیے واجب ہے جو میری وجہ سے ایک دوسرے پر خرچ کرتے ہیں میری محبت ان لوگوں کے لیے واجب ہے جو میری وجہ سے ایک دوسرے کی مدد کرتے ہیں۔

ان اللّٰہ تعالٰی یقول یوم القیامۃ: این المتحابون بجلالی الیوم اظلھم فی ظلی یوم لا ظل الا ظلی (مسلم۔ ابو ہریرہؓ)

اللہ تعالٰی قیامت کے دن فرمائیں گے کہ میرے جلال کی خاطر محبت کرنے والے آج کے دن کہاں ہیں، میں انھیں اپنے سایہ میں جگہ دوں گا کہ اس دن میرے سائے کے علاوہ کوئی سایہ نہیں ہے۔

سبعۃ یظلھم اللّٰہ فی ظلہ یوم لا ظل الا ظلہ امام عادل وشاب نشأ فی عبادۃ اللّٰہ ورجل قلبہ متعلق بالمسجد اذا خرج منہ حتّٰی یعود الیہ ورجلان تحابا فی اللّٰہ اجتمعا علی ذلک وتفرقا علیہ ورجل ذکر اللّٰہ خالیا ففاضت عیناہ ورجل دعتہ امراۃ ذات حسب وجمال فقال انی اخاف اللّٰہ تعالٰی، ورجل تصدق بصدقۃ فاخفاھا حتی لا تعلم شمالہ ما تنفق یمینہ (بخاری و مسلم۔ ابو ہریرہؓ)

سات افراد کو اللہ تعالٰی اس دن اپنے سایہ رحمت میں جگہ دے گا جس دن اس کے سائے کے علاوہ کوئی سایہ نہ ہوگا، امام عادل کو، اس نوجوان کو جس نے اللہ تعالٰی کی عبادت میں نشوونما پائی، اس شخص کو جس کا دل مسجد سے نکلنے کے بعد واپس آنے تک مسجد ہی میں لگا رہتا ہے، ان دو آدمیوں کو جنہوں نے اللہ کے لیے ایک دوسرے سے محبت کی جو اللہ کے لیے جمع ہوئے، اور جو اللہ کے لیے جدا ہوئے، اس شخص کو جس نے تنہائی میں اللہ کو یاد کیا تو اس کی آنکھیں چھلک اٹھیں، اس شخص کو جسے کسی خاندانی اور خوبصورت عورت نے دعوت ہوس دی تو اس نے یہ کہہ کر اس کی دعوت ٹھکرادی کہ میں اللہ تعالٰی سے ڈرتا ہوں، اس شخص کو جس نے کوئی صدقہ کیا تو اسے اتنا چھپایا کہ بائیں ہاتھ کو بھی یہ خبر نہ ہوئی کہ دائیں ہاتھ نے کیا دیا ہے۔

ما زار رجل رجلا فی اللّٰہ شوقا الیہ ورغبۃ فی لقاءہ الا ناداہ ملک من خلفہ طبت وطابت لک الجنۃ (۱)

---

(۱) کامل ابن عدی میں انسؓ کی روایت۔ لیکن اس میں "شوقا الیہ" اور "رغبۃ فی لقاءہ" کے الفاظ نہیں ہیں ترمذی، اور ابن ماجہ میں ابو ہریرہؓ کی حدیث ہے "من عاد مریضا او زار اخا فی اللّٰہ ناداہ منادمن السماء طبت وطاب ممشاک وتبوات من الجنۃ منزلا"

جب کوئی شخص کسی دوسرے شخص سے اس کی ملاقات کے شوق اور دیدار کی خواہش کے ساتھ چلتا ہے تو پیچھے سے ایک فرشتہ اسے یہ صدا دیتا ہے کہ تو پاک ہوا اور تجھے پاک و صاف جنت نصیب ہوئی۔

ان رجلا زار اخاله فی اللّٰہ' فارصد اللّٰہ له ملکا؟ فقال: این ترید؟ قال: ارید ان ازور اخی فلانا؟ فقال: لحاجة لک عنده؟ قال: لا قال لقرابة بینک و بینه؟ قال: لا قال فبنعمة له عندک؟ قال: لا قال فبم؟ قال: احبه فی اللّٰہ' قال: فان اللّٰہ ارسلنی الیک یخبرک بانه یحبه لحبک ایاه و قد اوجب لک الجنة (مسلم۔ ابو ہریرہؓ)

ایک شخص اپنے دینی بھائی سے ملاقات کے لیے چلا' اللہ تعالیٰ نے اس کے راستے میں ایک فرشتہ مقرر فرما دیا' فرشتے نے اس شخص سے پوچھا کہ تم کہاں جا رہے ہو؟ اس شخص نے کہا کہ میں اپنے فلاں بھائی سے ملنے جا رہا ہوں۔ فرشتے نے پوچھا: کیا تمہیں اس سے کچھ کام ہے؟ اس نے کہا: نہیں! فرشتے نے پوچھا کہ کیا تمہاری اس سے کچھ رشتہ داری ہے؟ اس نے کہا: نہیں! فرشتے نے پوچھا کہ کیا تم نے اس پر کوئی احسان کیا ہے؟ اس نے کہا: نہیں! فرشتے نے پوچھا کہ پھر کس مقصد سے تم اس کے پاس جا رہے ہو؟ اس نے کہا کہ میں اس شخص سے اللہ کے لیے محبت کرتا ہوں فرشتے نے بتلایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے تمہارے پاس یہ اطلاع دے کر بھیجا ہے کہ وہ تم سے محبت کرتا ہے اس لیے کہ تم فلاں شخص سے محبت کرتے ہو' اور یہ کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے جنت واجب کر دی ہے۔

اوثق عری الایمان الحب فی اللّٰہ' والبغض فی اللّٰہ (احمد۔ براء ابن عازبؓ)

ایمان کے حلقوں میں زیادہ مضبوط محبت فی اللہ اور بغض فی اللہ کے حلقے ہیں۔

اس لیے یہ بات ضروری ہے کہ ہر مؤمن کے کچھ دشمن ہوں جن سے وہ اللہ کے لیے نفرت کرے اور کچھ دوست ہوں کہ جن سے وہ اللہ کے لیے محبت کرے۔ مروی ہے کہ خداوند قدوس نے اپنے کسی پیغمبر پر وحی بھیجی کہ تم نے دنیا سے کنارہ کشی اختیار کی تمہیں اس کی فوری جزاء بصورت راحت ملی' تم ہمہ تن میرے ہو کر رہے تمہیں عزت و سربلندی عطا ہوئی' لیکن یہ بتلاؤ کہ تم نے میرے لیے کسی سے محبت کی ہے یا نہیں؟ کسی سے میری خاطر عداوت رکھی ہے یا نہیں؟ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:۔

اللّٰهم لا تجعل لفاجر علی منة فترزقمنی محبة (۱)

اے اللہ! مجھ پر کسی فاجر و فاسق کا احسان مت رکھئے کہ مجھے اس سے محبت ہو جائے۔

روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر وحی بھیجی کہ اگر تم آسمانوں اور زمینوں کی عبادت کے برابر میری عبادت کرو اور تم میں محبت فی اللہ اور بغض فی اللہ نہ ہو تو وہ عبادت تمہارے کچھ کام نہ آئے گی' حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرماتے ہیں کہ گنہگاروں سے نفرت کر کے اللہ تعالیٰ کی محبت حاصل کرو' اور ان سے دور رہ کر اللہ تعالیٰ کی قربت حاصل کرو' اور ان سے ناراض رہ کر باری تعالیٰ کی خوشنودی طلب کرو۔ لوگوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! پھر ہم کن لوگوں کے پاس بیٹھا کریں؟ فرمایا: ان لوگوں کے پاس بیٹھو جنہیں دیکھ کر خدا یاد آئے جن کی گفتگو سن کر تمہارے علم میں اضافہ ہو' اور جن کے عمل سے تمہارے اندر عمل کا شوق پیدا ہو۔ گذشتہ قوموں کی روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر وحی بھیجی کہ اے عمران کے بیٹے! بیدار رہو' اپنے لئے اچھے دوست بناؤ' جو شخص میری خوشی پر تمہارا ساتھ نہ دے اسے چھوڑ دو' وہ تمہارا دشمن ہے' حضرت داؤد علیہ السلام سے فرمایا کہ اے داؤد! کیا بات ہے کہ تم گوشہ نشین رہتے ہو؟ عرض کیا: یا اللہ! میں نے تیرے لیے دنیا سے کنارہ کشی اختیار کر لی

(۱) یہ حدیث کتاب الحلال والحرام کے آخری باب میں گذر چکی ہے

ہے' فرمایا: اے داؤد! ہوشیار رہو' اپنے لیے دوست بناؤ' اور جو شخص میری خوشی پر تمہارا ساتھ نہ دے اس سے دوستی مت کرو وہ تمہارا دشمن ہے' یہ دوست نما دشمن تمہارے دل میں قساوت پیدا کردے گا' اور تمہیں مجھ سے دور کردے گا۔ داؤد علیہ السلام سے متعلق روایات میں یہ بھی ہے کہ آپ نے بارگاہ الٰہی میں عرض کیا کہ اے اللہ! میں کیا عمل کروں کہ لوگ مجھ سے محبت کرنے لگیں اور اس تعلق پر آنچ نہ آئے جو میرے اور آپ کے مابین ہے وحی نازل ہوئی کہ لوگوں کے ساتھ ان کے اخلاق کے مطابق سلوک کرو' اور جو معاملہ میرے اور تمہارے درمیان ہے اس میں احسان کرو' ایک روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا "اہل دنیا سے دنیا کے اخلاق کے ساتھ اور اہل آخرت سے آخرت کے اخلاق کے ساتھ پیش آؤ۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں۔ ان احبکم الی اللہ الذین یالفون و یولفون وان ابغضکم الی اللہ المشائون بالنمیمۃ المفرقون بین الاخوان (طبرانی اوسط' طبرانی صغیر۔ ابو ہریرہؓ۔ سند ضعیف)

تم میں سے اللہ کے نزدیک زیادہ محبوب وہ لوگ ہیں جو محبت کرتے ہیں' اور محبت کیے جاتے ہیں' اور تم میں سے اللہ کے نزدیک زیادہ مبغوض وہ لوگ ہیں جو چغلی کرتے ہیں' اور بھائیوں میں تفریق کا بیج بوتے ہیں۔

ان للّٰہ ملکا نصفہ من النار و نصفہ من الثلج یقول: اللّٰھم کما الفت بین الثلج والنار کذلک الف بین قلوب عبادک الصالحین (ابن حبان کتاب العظمۃ۔ معاذ ابن جبلؓ۔ سند ضعیف)

اللہ تعالیٰ کا ایک فرشتہ ہے جس کا نصف بدن آگ کا ہے اور نصف برف کا ہے' وہ یہ دعا کرتا ہے کہ اے اللہ! جس طرح تو نے آگ اور برف میں اتحاد پیدا کیا اسی طرح اپنے نیک بندوں کے دلوں میں بھی یگانگت پیدا فرما۔

المتحابون فی اللہ علی عمود من یاقوتۃ حمراء فی راس العمود سبعون الف غرفۃ یشرفون علی اھل الجنۃ یضئی حسنہم لاھل الجنۃ کما تضئی الشمس لاھل الدنیا' فیقول اھل الجنۃ انطلقوا بنا ننظر الی المتحابین فی اللّٰہ' فیضئی حسنہم لاھل الجنۃ کما تضئی الشمس علیہم ثیاب سندس خضر مکتوب علی جباھھم المتحابون فی اللہ (نوادر ترمذی۔ ابن مسعودؓ۔ سند ضعیف)

اللہ کے لیے محبت کرنے والے قیامت کے دن سرخ یاقوت کے ایک ستون پر ہوں گے' اس ستون کے سرے پر ستر ہزار کھڑکیاں ہوں گی' اور وہ لوگ جنت کے مکینوں کو جھانکیں گے' ان کا حسن اہل جنت کے لیے اتنا تابندہ و روشن ہوگا جس طرح سورج اہل دنیا کے لیے روشن و تابندہ ہوتا ہے جنت کے مکیں ایک دوسرے سے کہیں گے کہ آؤ چلو اللہ کے لیے محبت کرنے والوں کو دیکھیں چنانچہ اہل جنت کے لیے ان کا حسن سورج کی طرح ضیاء بار ہوگا۔ ان لوگوں کے جسموں پر سبز دیبا کا لباس ہوگا' اور ان کی پیشانیوں پر یہ عبارت کندہ ہوگی۔ "اللہ کے لیے محبت کرنے والے۔"

آثار:۔ حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ دوست ضرور بناؤ' یہ دنیا میں بھی کام آتے ہیں' اور آخرت میں بھی کیا تم نے قرآن پاک میں نہیں پڑھا کہ اہل دوزخ بڑی حسرت کے ساتھ یہ کہیں گے۔

فَمَا لَنَا مِنْ شَافِعِيْنَ وَلَا صَدِيْقٍ حَمِيْمٍ (پ۱۹' ر۹' آیت ۱۰۰-۱۰۱)

(اب) نہ کوئی ہمارا سفارشی ہے (کہ چھڑالے) اور نہ کوئی مخلص دوست ہے (کہ خالی دل سوزی ہی کرے)۔

حضرت عبداللہ ابن عمرؓ ارشاد فرماتے ہیں کہ اگر میں دن میں روزے رکھوں' کبھی افطار نہ کروں' رات کو عبادت کروں' ایک لمحہ کے لیے بھی نہ سوؤں' اور اپنا تمام اچھا مال راہ خدا میں خیرات کردوں' پھر میری موت اس حال میں آئے کہ دل میں اللہ تعالیٰ کے اطاعت گذاروں کی محبت' اور گنہگاروں سے نفرت نہ ہو تو یہ تمام نماز روزے' اور صدقات کچھ نفع نہ دیں گے۔ ابن السماک نے

اپنی زندگی کے آخری لمحات میں یہ دعا کی کہ "اے اللہ! تو جانتا ہے کہ میں اگرچہ تیرا نافرمان بندہ تھا لیکن میرے دل میں تیرے مطیع اور فرمانبردار بندوں کی محبت تھی، اسی محبت کو تو میرے لئے اپنی قربت کا سبب بنا دے۔ حضرت حسن بصریؒ نے اس خیال سے مختلف مضمون بیان کیا کہ اے لوگو! تمہیں یہ قول دھوکے میں مبتلا نہ کرے کہ آدمی ان لوگوں کے ساتھ ہے جن سے وہ محبت کرے، یہ سراسر فریب ہے، ابرار و صالحین کا درجہ اعمال سے حاصل ہوتا ہے، اس کے لیے محض محبت کافی نہیں ہے، یہود و نصاریٰ انبیاء سے محبت کرتے تھے لیکن انھیں ان پاکیزہ نفوس کی معیت نہ ملی۔ فضیل ابن عیاضؒ فرماتے ہیں کہ "آخر تم کس بنا پر فردوس بریں کے مکین بننا چاہتے ہو، اور کس بنیاد پر دار رحمٰن میں انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین کی معیت کی خواہش رکھتے ہو، تم نے کون سا عمل کیا ہے؟ کون سی شہوت ترک کی ہے؟ کون سا غصہ پیا ہے؟ کس کے ساتھ صلہ رحمی کی ہے؟ کس بھائی کی غلطی معاف کی ہے؟ کس شخص سے تم نے اللہ کے لیے نفرت کی ہے؟ اور کس شخص سے اللہ کے لیے محبت کی ہے؟ روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر وحی نازل فرمائی کہ اے موسیٰ! کیا تم نے صرف میرے لئے بھی کوئی عمل کیا ہے۔ عرض کیا یا اللہ! میں روزے رکھتا ہوں، نماز پڑھتا ہوں، صدقہ خیرات کرتا ہوں، زکوٰۃ دیتا ہوں، ارشاد ہوا کہ نماز تمہارے لئے برہان ہے، روزہ ڈھال ہے، صدقہ سایہ ہے، اور زکوٰۃ نور ہے، اب یہ بتلاؤ کہ تم نے میرے لیے کیا عمل کیا ہے؟ موسیٰؑ نے عرض کیا: یا اللہ! میں ناواقف ہوں، مجھے بتلا دیجئے کہ کون سا عمل خاص آپ کے لیے ہے۔ فرمایا: اے موسیٰ! کیا تم نے میرے لئے کسی شخص کو دوست بنایا ہے؟ کیا تم نے میری خاطر کسی سے دشمنی مول لی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اللہ کے لیے محبت اور اللہ کے لیے نفرت افضل ترین اعمال ہیں۔ ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص رکن اور مقام ابراہیم کے درمیان ستر سال تک مصروف عبادت رہے تب بھی اس کا حشر انہی لوگوں کے ساتھ ہوگا جن سے اسے محبت ہوگی، حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ فاسق سے اللہ کے لیے بغض رکھنا تقرب الٰہی کا باعث ہے، ایک شخص نے محمد ابن الواسع سے کہا کہ میں آپ سے اللہ کے لیے محبت کرتا ہوں۔ انہوں نے فرمایا کہ تم اللہ کے لیے محبت کرتے ہو اللہ تم سے محبت کرے گا۔ پھر اپنا منہ دوسری طرف کر کے یہ کلمات کہے! خداوندا! میں اس بات سے تیری پناہ چاہتا ہوں کہ لوگ مجھ سے تیرے لئے محبت کریں اور تو مجھ سے نفرت کرے۔ ایک شخص داؤد طائی کی خدمت میں حاضر ہوا، آپ نے آنے کا سبب دریافت کیا، عرض کیا کہ میں صرف آپ کی زیارت و ملاقات کے لیے حاضر ہوا ہوں فرمایا: تمہارا مقصد خیر ہے، اور تمہیں اس کی جزا بھی ملے گی، لیکن میں اپنے حال پر نظر ڈالتا ہوں تو بڑی مایوسی ہوتی ہے، اگر قیامت کے روز مجھ سے پوچھ لیا گیا کہ تم کون تھے کیا تھے کہ لوگ تمہاری زیارت کے لیے آیا کرتے تھے کیا تم زاہد و عابد تھے، کیا تم نیک اور بزرگ تھے؟ اگر مجھ سے پوچھ لیا گیا تو میں کیا جواب دوں گا۔ میں تو نہ نیک ہوں نہ زاہد و عابد ہوں، نہ بزرگ ہوں۔ اس کے بعد اپنے نفس کی طرف متوجہ ہوئے، اور فرمایا کہ تو جوانی میں فاسق تھا، اور اب بڑھاپے میں ریاکار ہو گیا ہے، خدا کی قسم ریاکار فاسق سے برا ہے، بہت برا ہے۔ حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ اگر تمہیں کسی بھائی سے محبت ہو جائے تو اسے غنیمت سمجھو، اس محبت کی حفاظت کرو، شاذ و نادر ہی کسی شخص کو اللہ کے لیے محبت ہوتی ہے۔ حضرت مجاہد کا ارشاد ہے کہ جب اللہ سے محبت کرنے والے ایک دوسرے سے ملتے ہیں اور خوش ہوتے ہیں تو ان کے گناہ اس طرح جھڑتے ہیں جس طرح خزاں کے موسم میں درختوں سے پتے گرتے ہیں، فضیل ابن عیاض کہتے ہیں کہ محبت اور رحمت کی نظر سے بھائی کو دیکھنا بھی عبادت ہے۔

دینی اخوت اور دنیاوی اخوت کے معنیٰ اور باہمی فرق

حب فی اللہ اور بغض فی اللہ کے معنیٰ میں کچھ غموض ہے، مندرجہ ذیل سطور میں ہم ان دونوں جذبوں کی وضاحت کرتے ہیں، اس وضاحت کے بعد یہ غموض باقی نہیں رہے گا۔ انشاء اللہ۔

جاننا چاہیے کہ صحبت کی دو قسمیں ہیں، غیر اختیاری یا اختیاری۔ غیر اختیاری صحبت وہ ہے جس میں اتفاق کو دخل ہو، مثلاً یہ کہ پڑوس میں رہنے سے، مکتب یا مدرسے میں ساتھ پڑھنے سے، بازار، دربار شاہی، دفتر یا سفر کی رفاقت سے دو یا دو سے زیادہ افراد میں

یکجائی ہو جائے۔ اختیاری محبت وہ ہے جس میں قصد و ارادہ اور اختیار کو دخل ہو۔ زیر بحث موضوع کا مقصود یہی قسم ہے۔ دینی اخوت دراصل اسی قسم سے تعلق رکھتی ہے' کیونکہ ثواب اختیاری افعال پر ملتا ہے' اور ترغیب بھی اختیاری افعال ہی کی دی جاتی ہے۔

صحبت کے معنی ہیں ایک دوسرے سے ملنا جلنا' ایک دوسرے کے پاس بیٹھنا' کوئی شخص بھی کسی دوسرے کے پاس اس وقت تک بیٹھنا پسند نہیں کرتا جب تک کہ وہ شخص اسے محبوب نہ ہو' غیر محبوب شخص سے عام طور پر دوری اختیار کی جاتی ہے۔ پھر محبوب بھی دو حال سے خالی نہیں ہوتا' یا تو اس کی محبت محض اس کی ذات تک محدود ہوتی ہے' اس سے ماوراء کوئی مقصد' کوئی غرض نہیں ہوتی کہ اس کی محبت کو اس مقصد کے حصول یا غرض کی تکمیل کا ذریعہ بنایا جائے۔ یا اس شخص سے محبت اس لئے کی جاتی ہے کہ اس کے ذریعہ کوئی مقصد حاصل کیا جائے۔ پھر یہ مقصد بھی تین حال سے خالی نہیں ہوتا۔ یا تو اس کا تعلق دنیاوی مفادات سے ہو' یا آخرت سے' یا اللہ تعالیٰ سے۔ بہرحال محبت کی چار قسمیں ہوئیں۔ ہم ہر قسم کی الگ الگ وضاحت کرتے ہیں۔

پہلی قسم ذاتی محبت:۔ ذاتی محبت کا مطلب یہ ہے کہ تم کسی شخص سے محض اس کی ذات کے لیے محبت کرو' یہ بعید بھی نہیں کہ کوئی انسان کسی دوسرے کے نزدیک اپنی ذات کی بنا پر محبوب و پسندیدہ ہو' جب وہ اسے دیکھے اور اس کے احوال و اخلاق کا مشاہدہ کرے تو اسے لطف حاصل ہو' لذت ملے' اس لطف و لذت اور استحسان و محبت کی بنیاد کبھی ظاہر صورت ہوتی ہے یعنی اعضاء کا تناسب اور حسن و جمال پسندیدگی کی وجہ بنتا ہے' اور کبھی باطنی صورت۔ باطنی صورت سے ہماری مراد کمال عقل' اور حسن اخلاق ہے' اخلاق اچھا ہو تو اعمال بھی اچھے ہوتے ہیں' عقل کے کمال سے علم بڑھتا ہے' یہ سب چیزیں عقل سلیم رکھنے والوں کے نزدیک مستحسن ہیں' اور ہر مستحسن چیز میں لذت ہوتی ہے' بعض اوقات محبت کے یہ اسباب نہیں ہوتے' مگر دو شخصوں میں رشتۂ الفت استوار ہوتا ہے نہ محبوب میں ظاہر اعضاء کا حسن ہوتا ہے' اور نہ اخلاق و کردار کا حسن۔ اس کی وجہ باطنی مناسبت' اور معنوی مشابہت ہے' ہر چیز اپنی مشابہ چیز کی طرف مائل ہوتی ہے' باطنی مناسبتیں اور مشابہتیں اتنی پوشیدہ اور تہ در تہ کہ انسان کے بس میں نہیں کہ ان سے واقف ہو۔ اسی راز کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے:۔

الارواح جنود مجندة فما تعارف منها ائتلف وما تناكر منها اختلف

(مسلم۔ ابوہریرہؓ۔ بخاری تعلیقاً عن عائشہؓ)

روحیں ایک مجتمع لشکر ہیں' ان میں سے جو ازل میں متعارف ہو جاتی ہیں وہ دنیا میں متحد رہتی ہیں' اور جو اجنبی رہتی ہیں وہ دنیا میں بھی جدا رہتی ہیں۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اجنبی رہنا جدائی اور دوری کا سبب ہے' اور متعارف ہونا اتحاد اور الفت کا باعث ہے۔ ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں:۔

ان الارواح جنود مجندة فی الهواء تلتقی فتتشام (اوسط طبرانی۔ علیؓ۔ سند ضعیف)

روحیں ایک مجتمع لشکر ہیں' ہوا میں ایک دوسرے سے ملتی ہیں اور قریب ہوتی ہیں۔

بعض علماء نے اس مضمون کی تشریح کے لیے یہ تعبیر اختیار کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے روحیں پیدا کیں' اور ان سے اپنے عرش کے ارد گرد طواف کرایا' اور ان روحوں میں سے جن دو میں تعارف ہوا وہ دنیا میں بھی مل رہیں۔ ایک روایت میں ہے:۔

ان ارواح المومنين ليلتقيان على مسيرة يوم وما راى احدهما صاحبه قط (۱)

دو مومنوں کی روحیں ایک دن کی مسافت پر ملتی ہیں حالانکہ ان میں سے ایک نے دوسری کو کبھی نہیں دیکھا۔

روایت ہے کہ مکہ معظمہ میں ایک مزاح پسند عورت رہا کرتی تھی' وہ اپنے چٹکلوں سے عورتوں کو خوب ہنسایا کرتی تھی' ایسی ہی ایک عورت مدینہ منورہ میں بھی تھی' مکی عورت اتفاق سے عازم مدینہ ہوئی' اور اسی مدنی عورت کے پاس ٹھہری' جب وہ حضرت

---

(۱) احمد ابن حنبل عن عبد اللہ ابن عمروؓ۔ لیکن روایت میں لیلتقیان میں تلتقی اور احدھما کی جگہ احدھم ہے۔

عائشہؓ سے ملاقات کے لیے حاضر ہوئی تو آپ نے دریافت فرمایا کہ کہاں قیام کیا ہے؟ اس نے عرض کیا کہ فلاں عورت کے پاس۔ آپ نے فرمایا کہ اللہ اور اس کے رسول نے سچ کہا ہے کہ طبائع میں مناسبت ہے' میں نے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ "روحیں ایک مجتمع لشکر ہیں' ان میں سے جو ازل میں متعارف ہو جاتی ہیں وہ دنیا میں بھی ایک رہتی ہیں' اور جو وہاں اجنبی رہتی ہیں وہ دنیا میں بھی جدا رہتی ہیں۔" (یہ روایت بخاری میں عائشہؓ سے تعلیقاً منقول ہے)

واقعہ یہ ہے کہ مشاہدے اور تجربے سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ بعض طبیعتوں میں مناسبت ہوتی ہے' لیکن یہ مناسبت جن اسباب کی بناء پر ہوتی ہے ان کی حقیقت سے واقف ہونا انسان کے اختیار میں نہیں ہے' نجومی کی پیشگوئی بھی حقائق پر مبنی نہیں ہوتی' اور نہ یہ اس بات کا ثبوت ہوتا ہے کہ اس نے طبعی مناسبتوں کے اسباب کا پتہ لگا لیا ہے۔ وہ محض مشاہدے اور تجربے کی بنیاد پر ہاتھ کی لکیروں سے کچھ نتائج اخذ کرتا ہے' اور لوگوں کو بتلا دیتا ہے مثلاً یہ کہ جب ایک شخص کا زائچہ دوسرے شخص کی تسدیس یا تثلیث پر ہو تو یہ ان دونوں شخصوں کی موافقت طبع اور محبت و مؤدت کی علامت ہے اور اگر ایک کا زائچہ دوسرے کے مقابلے یا تربیع پر ہو تو یہ باہمی عداوت اور بغض کی دلیل ہے۔ ہاتھ کی لکیروں کے تقابل سے نجومی جو کچھ بتلاتا ہے ضروری نہیں کہ طبیعتوں کے اتحاد و افتراق کے اصل اسباب وہی لکیریں ہوں۔ ہم تو یہ کہتے ہیں کہ ان امور میں غور و خوض کرنے سے کیا فائدہ جن کا راز انسان کے لیے واضح نہیں کیا گیا' ہمیں تو علم کا بہت معمولی حصہ عطا ہوا ہے' جہاں تک کسی چیز کی تصدیق کا تعلق ہے وہ مشاہدے اور تجربے سے ہو جاتی ہے' مثلاً یہی واقعہ لیجئے کہ بعض طبیعتوں اور تجربے کی بناء پر ہم اس تناسب کی تصدیق ضرور کرسکتے ہیں' سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اگر ایک مؤمن کسی ایسی مجلس میں جائے جس میں سو منافق ہوں اور ایک صاحب ایمان ہو تو وہ اسی صاحب ایمان کے پاس جاکر بیٹھے گا' اور اگر کوئی منافق کسی ایسی مجلس میں جائے جس میں سو مؤمن ہوں اور ایک منافق ہو تو وہ اسی منافق کے پاس جاکر بیٹھے گا۔ (یہ روایت بیہقی نے ابن مسعودؓ سے موقوفاً نقل کی ہے) اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ہر چیز اپنی شکل کی طرف مائل ہوتی ہے خواہ اس میلان کا اسے علم ہو یا نہ ہو۔ حضرت مالک ابن دینار فرماتے ہیں کہ دس افراد میں سے دو آدمی اس وقت متفق نظر آئیں گے جب ان میں سے ایک میں دوسرے کا کوئی وصف پایا جائے۔ انسان بھی پرندوں کی طرح ہیں' اڑنے میں دو طرح کے پرندوں میں کبھی اتفاق نہیں ہوتا۔ اگر اڑتے بھی ہیں تو کوئی مناسبت ضرور پائی جاتی ہے' چنانچہ ابن دینار کو اس وقت بڑی حیرت ہوئی جب انہوں نے یہ دیکھا کہ کوا اور کبوتر ایک ساتھ خلاء میں پرواز کر رہے ہیں' حیرت اس پر تھی کہ یہ دو مختلف الجنس پرندے ایک ساتھ کیوں اڑ رہے ہیں غور سے دیکھا تو معلوم ہوا کہ دونوں لنگڑے ہیں' اس سے انہوں نے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ لنگڑا پن ان دونوں کے اتفاق کی بنیاد ہے۔ اسی لیے بعض اہل دانش فرماتے ہیں کہ ہر شخص اپنے ہم شکل انسان سے انسیت رکھتا ہے جس طرح ہر پرندہ اپنے ہم جنس پرندے کے ساتھ اڑتا ہے چنانچہ اگر دو شخص جمع ہو جائیں اور ان میں کسی وصف کا اتحاد نہ ہو تو وہ جدا ضرور ہوں گے' یہ حقیقت اتنی عام ہے کہ شعراء بھی اس کا ادراک رکھتے ہیں اور اپنے اشعار میں اس پر اظہار خیال کرتے ہیں۔ ایک شاعر کہتا ہے۔

وقال قائل کیف تفارقتما   فقلت قولا فیہ انصاف

لم یک من شکلی ففارقتہ   والناس اشکال والاف

"کہنے والے نے کہا کہ تم دونوں الگ کیوں ہو گئے' میں نے منصفانہ بات کہی کہ وہ میرا ہم شکل (ہم مزاج) نہیں تھا اس لیے میں جدا ہو گیا' لوگ مختلف شکلوں اور طبیعتوں کے حامل ہیں۔"

بہر حال اس تفصیل سے ثابت ہوا کہ انسان کبھی دوسرے شخص سے اس کی ذات کے لیے بھی محبت کرتا ہے' اس کے پیش نظر حال یا مال میں حاصل ہونے والا کوئی فائدہ نہیں ہوتا' بلکہ وہ محض مزاج کی ہم آہنگی' اور اخلاق کی مناسبت کی بناء پر محبت کرتا ہے' اسی قسم میں وہ محبت بھی داخل ہے جو کسی شخص سے اس کی خوبصورتی کی بناء پر ہو' بشرطیکہ اس محبت کے پس منظر میں ہوس کار فرما نہ

ہو' یہ ضروری نہیں کہ اچھی صورتیں بذات خود اچھی نہ لگیں' بلکہ اچھا لگنے کے لیے شہوت اور جذبہ ہوس رانی کا وجود ضروری ہے۔ مثلاً میوؤں' پھلوں' شگوفوں' سرخ سیبوں' آب رواں' اور سبزہ نورستہ کو دیکھ کر لذت حاصل ہوتی ہے' دل و جاں فرحت محسوس کرتے ہیں اور دیکھنے کے علاوہ کوئی بری غرض درمیان میں نہیں ہوتی۔ اس نوع کی محبت کو حب اللہ نہیں کہا جاسکتا' کیونکہ یہ طبعی تقاضے کی بنا پر ہوتی ہے۔ اور ان لوگوں سے بھی ہو جاتی ہے جو مسلمان نہ ہوں۔ حب اللہ نہ ہونے کے باوجود یہ محبت اس وقت تک مذموم نہیں ہے جب تک اس میں مذموم غرض شامل نہ ہو' مثلاً یہ کہ اچھی صورتوں سے قضائے شہوت کے لیے محبت کی جائے بہرحال مذموم اغراض سے آزاد محبت مباح ہے' نہ محمود ہے اور نہ مذموم۔

دوسری قسم دنیاوی مقاصد کے لیے محبت:۔ محبت کی دوسری قسم یہ ہے کہ انسان کسی شخص سے اس لیے محبت کرے کہ محبوب کی ذات اس کے مقصد کے حصول کا ذریعہ ہے' گویا یہ محبت دوسری چیز کا وسیلہ ہے' اور کیونکہ وہ دوسری چیز محبوب ہے اس لیے اس کا وسیلہ بھی محبوب ہوا۔ سونے چاندی کی محبت کا راز یہی ہے' بظاہر سونے چاندی سے کوئی فائدہ نہیں ہے' نہ یہ چیزیں کھائی جاتی ہیں' اور نہ پہنی جاتی ہیں' لیکن ان سے دوسری محبوب و پسندیدہ چیزیں ضرور حاصل ہوتی ہیں' اس لیے بعض لوگوں سے ایسی ہی محبت کی جاتی ہے جیسے لوگ سونے چاندی سے محبت کرتے ہیں' یعنی ان کی ذات محبوب نہیں ہوتی' بلکہ ان کی ذات کو جاہ و منصب' اور مال و دولت کے حصول کا ذریعہ بنایا جاتا ہے۔ مثلاً بادشاہوں سے ان کے مال اور ان کے منصب سے فائدہ اٹھانے کے لیے محبت کی جاتی ہے' بادشاہوں کے مصاحبین اور خواص سے محبت کی بنیاد بھی یہی ہوتی ہے کہ وہ بادشاہ کے سامنے اس کی تعریف کریں گے' اور بادشاہ اسے عطایا سے نوازیں گے۔ بہرحال اگر کسی شخص کی غرض محض دنیاوی ہی ہو تو اس کی محبت للّٰہی نہیں ہوگی' اسی طرح اگر کوئی غرض خالص دنیاوی نہ ہو لیکن محبت کرنے والے کا مطمح نظر محض دنیا کا فائدہ ہو تب بھی وہ اللہ کے لیے محبت کرنے والا نہیں کہلائے گا۔ مثلاً استاذ سے طالب علم کی محبت' اگرچہ علم کے فوائد دنیا میں منحصر نہیں' لیکن اگر طالب علم کا مقصد حصول علم سے شہرت' عزت اور جاہ و منصب ہو تو استاذ سے اس کی محبت دنیا کے لیے ہوگی' علم کے لیے نہ ہوگی ہاں اگر اس کا مقصد علم تقرب الی اللہ ہو' ادنیٰ سے ادنیٰ غرض بھی اس سے وابستہ نہ ہو تو بلاشبہ اس کی محبت اللہ کے لیے ہوگی ورنہ کافر بھی اس طرح کی محبت اپنے استاذ سے کرلیتا ہے' پھر اگر کسی شخص نے اپنے استاذ سے دنیاوی مقاصد کے لیے محبت کی تو اس کی یہ محبت مقاصد کے اعتبار سے مذموم بھی ہوسکتی ہے اور مباح بھی' مثلاً ایک طالب علم اس لیے علم طلب کرتا ہے کہ پڑھ لکھ کر اپنے ہم عصروں پر فائق ہوجائے۔ انھیں اپنے علم سے مرعوب کرے۔ منصب قضا پر فائز ہو' اور اس طرح لوگوں پر ظلم کرے' یتیموں اور غریبوں کا مال کھائے اگر یہ مقاصد ہیں تو اس کی محبت مذموم ہے۔ دوسرے طالب علم کے مقاصد حرام تو نہیں ہیں لیکن محمود بھی نہیں ہیں ایسے طالب علم کی محبت کو مباح قرار دیا جائے گا۔ حاصل یہ ہے کہ وسیلہ بذات خود مستقل نہیں ہوتا' بلکہ مقصود کا تابع ہوتا ہے۔ مقصود اصل ہے' اصل پر جو حکم لگایا جائے گا وہی تابع کا حکم ہوگا۔

تیسری قسم آخرت کے لیے محبت:۔ محبت کی تیسری قسم یہ ہے کہ انسان کسی شخص سے نہ اس کی ذات (حسب و نسب' حسن و جمال' ذکاوت و فہم) کی بنا پر محبت کرے اور نہ غیر ذات میں دنیاوی مقاصد (جاہ و منصب' مال و دولت' شہرت و مقبولیت) کے لیے' بلکہ اس کے پیش نظر آخرت کے منافع ہوں' یہ محبت بلاشبہ اللہ کے لیے ہوگی۔ مثلاً کوئی شخص اپنے استاذ یا شیخ سے اس لیے محبت کرے کہ وہ ان کے ذریعہ سے علم حاصل کرتا ہے' اور اصلاح اعمال کے طریقے سیکھتا ہے' اور علم و عمل سے اس کا مقصد آخرت کی فلاح ہو' دنیا کی کامیابی نہ ہو تو اس کی محبت خالص اللہ کے لیے ہوگی' اسی طرح کوئی استاذ اپنے شاگرد سے کسی دنیاوی مقصد کے لیے محبت نہ کرے بلکہ اس لیے کرے کہ وہ شاگرد اس سے علم حاصل کررہا ہے' اس کی بنا پر مجھے تعلیم و تدریس کا عظیم منصب ملا' اور آخرت میں درجات کی ترقی کے لیے میری راہ ہموار ہوئی۔ یہ محبت بھی اللہ کے لیے ہوگی' اس استاذ کی عظمت کا کیا ٹھکانہ جو کسی دنیاوی مقصد سے بالاتر ہوکر علم سکھلاتا ہو۔ چنانچہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرماتے ہیں کہ جو شخص علم سیکھے' عمل کرے اور

دوسروں کو سکھلائے وہ شخص آسمان کے ملکوت میں عظیم سمجھا جاتا ہے' اسی طرح اگر کوئی شخص اپنا مال اللہ کے لیے خیرات کرتا ہو' اور مہمانوں کو جمع کرکے انھیں اچھے اچھے کھانا کھلاتا ہو' اور باورچی سے اس لیے محبت کرتا ہو کہ وہ اس کے مہمانوں کے لیے عمدہ کھانا بناتا ہے' ایسے شخص کا شمار بھی اللہ کے لیے محبت کرنے والوں میں ہو گا' اسی طرح اگر کوئی شخص کسی ایسے شخص سے محبت کرے جو اس کا مال مستحقین تک پہنچاتا ہو تو اس کی یہ محبت بھی اللہ کے لیے ہو گی۔ اس سے بڑھ کر ہم یہ کہتے ہیں کہ اگر کوئی شخص اپنے نوکروں سے اس لیے محبت کرے کہ وہ اس کے کپڑے دھو کر' اس کے گھر میں جھاڑو دے کر' اور اس کے لیے کھانا پکا کر اسے بہت سی الجھنوں سے بچا لیتے ہیں' اور اللہ کی عبادت کے لیے اس کا وقت فارغ کردیتے ہیں' یہ شخص بھی محب فی اللہ ہے۔ اسی طرح اگر کوئی شخص کسی دوسرے شخص کے لباس' طعام اور قیام کی تمام ذمہ داری اپنے سر لے لے' اور اسے علم کی تحصیل اور عمل کی مواظبت کے لیے ہر فکر دنیا سے آزاد کردے۔ اور دوسرا شخص اس سے محبت رکھے یہ بھی محبت فی اللہ ہی کی ایک مثال ہو گی' چنانچہ ماضی میں بہت سے بزرگوں کی کفالت اہل ثروت کیا کرتے تھے' اسی طرح ہم یہ کہتے ہیں کہ اگر کوئی شخص کسی نیک سیرت عورت سے نکاح کرے اور مقصد نکاح یہ ہو کہ وہ اس کے ذریعہ اپنے نفس کو شیطانی وسوسوں سے بچائے گا' اور اپنے دین کی حفاظت کرے گا' یا نکاح سے اس کی نیت نیک و صالح اولاد کا وجود ہو' اور وہ شخص اپنی بیوی کو دینی مقاصد کے حصول کا ذریعہ سمجھے اور اس سے محبت کرے تو یہ شخص بھی اللہ کے لیے محبت کرنے والا ہو گا۔ چنانچہ روایات میں اہل و عیال پر خرچ کرنے والے کے لیے بڑے اجر و ثواب کا باعث ہوتا ہے۔ (یہ روایت کتاب الکسب میں گزر چکی ہے) اس سے بھی بڑھ کر ہم یہ کہتے ہیں کہ اگر کوئی شخص اللہ کی محبت' اس کی رضا کی طلب' اور دار آخرت میں اس کی ملاقات کی تمنا میں مشہور ہو اور کسی غیر سے محبت کرے تو اس کی یہ محبت بھی اللہ کے لیے ہو گی' اس لیے کہ یہ ممکن نہیں کہ وہ کسی ایسے شخص سے محبت کرے جس میں اس کے محبوب کی مناسبت موجود نہ ہو' اور وہ مناسبت اللہ تعالیٰ کی رضا و خوشنودی ہے' بلکہ ہم تو یہ بھی کہتے ہیں کہ اگر ایک شخص کے دل میں دو محبتیں جمع ہوں' اللہ کی محبت' اور دنیا کی محبت' اور کوئی دوسرا شخص ان دونوں محبتوں کی تکمیل کا ذریعہ بننے کی وجہ سے اس کا محبوب ہو جائے تو یہ محبت بھی اللہ کے لیے ہو گی' مثلاً کوئی استاذ اپنے شاگرد کو دین بھی سکھلائے اور مال دے کر اس کی دنیاوی ضرورتیں بھی پوری کرے اور شاگرد جس کے دل میں راحت دنیا کی طلب بھی ہو اور سعادت اخروی کی خواہش بھی اپنے استاذ سے اس لیے محبت کرے کہ وہ اس کی اخروی سعادت کے اسباب کی تکمیل اور دنیاوی راحت کی فراہمی کا ذریعہ بنا ہے تو اس کی یہ محبت للّٰہی ہو گی۔ اس لیے کہ محبت فی اللہ میں یہ شرط نہیں ہے کہ دنیا کی قطعاً کوئی خواہش موجود نہ ہو' انبیاء علیہم السلام کو جس دعا کا حکم دیا گیا ہے اس میں دین و دنیا بہم نظر آتے ہیں' فرمایا:۔ رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَفِي الْآخِرَةِ حَسَنَةً

اے اللہ ہمیں دنیا میں بھی بھلائی عطا کر اور آخرت میں بھی بھلائی سے نواز

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے رب کریم کے حضور یہ دعا کی:۔

اَللّٰهُمَّ لَا تُشْمِتْ بِي عَدُوِّي وَلَا تَسُوْءْ بِي صَدِيْقِي وَلَا تَجْعَلْ مُصِيْبَتِي فِي دِيْنِي وَلَا تَجْعَلِ الدُّنْيَا أَكْبَرَ هَمِّي

اے اللہ مجھ پر دشمن کو ہنسنے کا موقع مت دے اور میری وجہ سے میرے دوست کو تکلیف مت پہنچا' اور میری مصیبت کو میرے دین کے لیے نہ کر' اور دنیا کو میرے لیے سب سے بڑا مقصد نہ بنا۔

دشمن کی ہنسی سے دفاع دنیاوی حظوظ میں سے ہے پھر آپ نے یہ نہیں فرمایا کہ دنیا کو میرا مقصد مت بنا بلکہ یہ دعا فرمائی کہ دنیا کو میرا بڑا مقصد مت کر۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعائیں فرمائیں:۔

اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ رَحْمَةً أَنَالُ بِهَا شَرَفَ كَرَامَتِكَ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ (۱)

---

(۱) ترمذی۔ ابن عباسؓ۔ یہ ایک طویل دعا کا اقتباس ہے مکمل دعا کتاب الصلوٰۃ میں گزر چکی ہے۔

اے اللہ میں تجھ سے اس رحمت کا سوال کرتا ہوں جس سے تیری کرامت کا شرف دنیا و آخرت میں حاصل کرسکوں۔

اَللّٰهُمَّ عَافِنِيْ مِنْ بَلَاءِ الدُّنْيَا وَعَذَابِ الْآخِرَةِ (احمد۔ بشر ابن ابی ارطاۃ)

اے اللہ مجھے دنیا کی مصیبت اور آخرت کے عذاب سے محفوظ رکھ۔

جب اخروی سعادت کی محبت باری تعالیٰ کی محبت کے منافی نہیں ہے تو دنیا کی عزت' صحت' اور سلامتی کی محبت باری تعالیٰ کی محبت کے منافی کیوں ہوگی؟ دنیا اور آخرت دو حالتیں ہیں' اور دونوں ایک دوسرے کے قریب ہیں' ایک کا تعلق آج سے ہے' اور ایک کا تعلق آنے والے کل سے ہے' پھر یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ انسان اپنے کل کے منافع سے محبت کرے' اور آج کے منافع سے محبت نہ کرے' حالانکہ کل کے منافع اسے اس لیے محبوب ہیں کہ وہ بھی حال بن جائیں گے معلوم ہوا کہ حال کے منافع بھی مطلوب ہونے چاہئیں۔ تاہم دنیا کے تمام منافع و حظوظ سے محبت کرنا صحیح نہیں ہے بعض منافع وہ ہیں جو اخروی منافع کے مخالف ہیں' یہ وہ امور ہیں جن سے انبیاء علیہم السلام اور اولیاء اللہ خود بھی رکے ہیں اور دوسروں کو بھی ان کے ارتکاب سے منع کیا ہے' اور بعض وہ حظوظ ہیں جو آخرت کے حظوظ کے مخالف نہیں بلکہ معاون ہیں' انبیائے کرام اور اولیائے عظام نے ان حظوظ سے اجتناب نہیں کیا' اور دوسروں کو بھی اجتناب کا حکم نہیں دیا' مثلاً نکاح کرنا' اور حلال غذا کھانا وغیرہ۔ عقلمندی کا تقاضا یہ ہے کہ ان حظوظ و منافع سے نفرت کی جائے جو آخرت کے منافع اور حظوظ کے مخالف ہوں' یہ نفرت عقلی ہونی چاہیے نہ کہ طبعی' مثلاً اگر کسی بادشاہ کا لذیذ کھانا موجود ہو' اور آدمی یہ جانتا ہو کہ اگر میں نے یہ کھانا کھایا تو اس جرم میں میرا ہاتھ کاٹ دیا جائے گا یا میری گردن اڑا دی جائے گی۔ اس صورت میں اس کھانے سے نفرت ہوتی ہے' اس نفرت کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہوتا کہ وہ کھانا لذیذ نہیں ہے بلکہ یہ مطلب ہے کہ عقل اس کے کھانے سے مانع ہے' اور منع کا سبب وہ ضرر ہے جو ہاتھ یا گردن کاٹ دینے کی صورت میں لاحق ہوگا۔

بات استاذ اور شاگرد کی محبت کی چل رہی تھی' کہنا یہ تھا کہ اگر اپنے استاذ سے اس لئے محبت کرے کہ وہ اسے دین سکھلاتا ہے اور دنیوی ضرورتوں میں اس کی کفالت کرتا ہے' یا استاذ اپنے شاگرد سے اس لیے محبت کرے کہ وہ اس سے تعلیم حاصل کرتا ہے' اور اس کی خدمت انجام دیتا ہے تو وہ دونوں مُحبِّین فی اللہ میں داخل ہیں' حالانکہ ان میں سے ہر ایک کے دو مقصد ہیں' ایک دنیاوی جسے عاجل بھی کہہ سکتے ہیں' اور ایک اخروی جسے آجل بھی کہا جاسکتا ہے۔ پھر یہ بھی ممکن ہے کہ ان اغراض میں سے کوئی غرض پوری نہ ہو' یا کسی وقت موقوف ہوجائے تو محبت کم ہوجائے' مثلاً یہ کہ استاذ شاگرد کو پڑھانا بند کردے' یا شاگرد کے لیے علم حاصل کرنا مشکل ہوجائے' اس صورت میں جس قدر محبت کم ہوگی وہی محبت خدا کے لیے سمجھی جائے گی۔ اور محبت کی اسی مقدار پر اللہ کے لیے محبت کا اطلاق ہوگا' باقی محبت کا تعلق کیونکہ دنیوی اغراض سے ہے اس لیے وہ محبت فی اللہ نہ ہوگی۔ اور یہ کچھ بعید بھی نہیں کہ تم کسی شخص سے اس لیے زیادہ محبت کرو کہ اس سے تمہاری بہت سی اغراض وابستہ ہیں' اور اگر وہ کوئی غرض پوری نہ کرسکے تو تمہاری محبت میں وہ شدت باقی نہ رہے جو تمام اغراض کی تکمیل کی صورت میں تھی۔ چنانچہ سونا اور چاندی اگر مقدار میں برابر ہوں تو تمہیں زیادہ محبت سونے سے ہوگی' کیونکہ سونے سے تمہارے مقاصد چاندی کی بہ نسبت زیادہ پورے ہوتے ہیں۔ اس سے ثابت ہوا کہ اغراض کی کثرت محبت میں زیادتی اور اغراض کی قلت محبت میں کمی کا باعث ہوتی ہے۔

محبت فی اللہ کی تعریف:۔ جو محبت ایسی ہو کہ اگر بالفرض باری تعالیٰ پر اور یوم آخرت پر ایمان نہ ہوتا تو اس محبت کا وجود بھی نہ ہوتا محبت فی اللہ کہلاتی ہے' اسی طرح محبت کی وہ زیادتی بھی محبت فی اللہ میں داخل ہے جو باری تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان نہ ہونے کی صورت میں مفقود ہوگی۔ اس دور میں محبت فی اللہ کا وجود کمیاب ہے' چنانچہ جریر کہتے ہیں کہ قرنِ اول میں لوگوں نے دین کا اس قدر برتاؤ کیا کہ وہ کمزور پڑگیا' پھر قرنِ دوم میں وفا کے اس قدر معاملات ہوئے کہ وفا باقی نہیں رہی قرنِ سوم میں شرافت اور انسانیت کا وہ مظاہرہ ہوا کہ اب یہ الفاظ بے معنیٰ ہوکر رہ گئے ہیں ہمارے دور میں خوف اور خواہش کے علاوہ کچھ باقی نہیں رہا۔

چوتھی قسم للہ فی اللہ محبت:۔ محبت کی چوتھی قسم یہ ہے کہ کسی شخص سے للہ فی اللہ محبت کی جائے' یعنی اس محبت سے کوئی

غرض وابستہ نہ ہو' نہ تحصیل علم کی' نہ عمل کی' مقصود صرف باری تعالیٰ کی ذات ہو' اور منتہائے محبت باری تعالیٰ کی خوشنودی کا حصول ہو' محبت کی یہ اعلیٰ ترین قسم ہے' یہ ممکن ہے کہ کوئی شخص کسی دوسرے سے محض اس لیے محبت کرے کہ وہ اس کے محبوب سے علاقہ رکھتا ہے' اگرچہ وہ علاقہ دور ہی کا کیوں نہ ہو محبت جب غالب ہوتی ہے تو محبوب سے متجاوز ہو کر ان لوگوں اور چیزوں تک پہنچ جاتی ہے جن کا محبوب سے معمولی سا تعلق بھی ہو' وہ صرف اپنے محبوب ہی سے محبت نہیں کرتا بلکہ اس کے گھر والوں سے' اس کے دوستوں' خادموں' اور ثنا خوانوں سے بھی محبت کرتا ہے' بقیہ ابن الولید کہتے ہیں کہ جب مؤمن کسی مؤمن سے محبت کرتا ہے تو اس کے کتے سے بھی محبت کرتا ہے' ان کا خیال صحیح ہے' عشاق کے حالات سے اس کی تائید ہوتی ہے' بہت سے لوگوں کو دیکھا گیا کہ وہ اپنے محبوب کے رومال کی یا دوسری نشانیوں کی دل و جاں سے زیادہ حفاظت کرتے ہیں' اور اسے اپنے لئے یادگار یا سرمایۂ افتخار سمجھتے ہیں' محبوب کے گھر کی مٹی ان کے لیے تبرک سے کم نہیں ہوتی' اس کے پڑوسی اعزہ و اقرباء سے زیادہ عزت و اکرام کے مستحق سمجھے جاتے ہیں۔ شعراء نے محبت کے یہ مضامین نظم کئے ہیں' چنانچہ مجنون ابن عامرہ کہتا ہے۔

امر علی الدیار دیار لیلی اقبل ذالجدلر و ذالجدار
وماحب الدیار شغفن قلبی ولکن حب من سکن الدیار

(جب میں دیار لیلیٰ سے گذرتا ہوں تو اس کے در و دیوار پر پے بہ پے بوسے ثبت کرتا ہوں' میرے دل میں دیار کی تڑپ نہیں ہے بلکہ اس کے مکین کی تڑپ ہے)

یہ فرطِ محبت کی خصوصیت ہے' صرف محبت میں یہ عالم نہیں ہوتا' جوں جوں محبت بڑھتی جاتی ہے محبوب کے ماحول سے عشق کا تعلق اور محبت میں شدت پیدا ہوتی جاتی ہے اسی طرح جب اللہ تعالیٰ کی محبت غالب ہوتی ہے تو یہ محبت ذات حق تک ہی محدود نہیں رہتی' بلکہ اس کے علاوہ بھی جس قدر موجودات ہیں ان سب تک متجاوز ہو جاتی ہے ماسوی اللہ میں اسے اللہ کی قدرت اور کاریگری نظر آتی ہے' چنانچہ عاشق اپنے محبوب کی ذات سے ہی محبت نہیں کرتا بلکہ ذات سے صادر ہونے والے تمام افعال اس کی محبت کا مرکز بن جاتے ہیں' سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول یہ تھا کہ جب آپ کی خدمت میں کوئی نیا پھل پیش کیا جاتا تو آپ اسے آنکھوں سے لگاتے' اس کی تعظیم کرتے اور فرماتے کہ یہ ہمارے رب کے عہد سے زیادہ قریب ہے (۱) (یعنی اسے عالم غیب شہادت میں آئے ہوئے زیادہ دیر نہیں گذری ہے)۔

اللہ عزّوجل کی محبت کبھی تو اس لیے ہوتی ہے کہ وہ صادق الوعد ہے' قیامت کے روز اپنے وعدے پورے کرے گا' المومنین کو اخروی دولت سے نوازے گا کبھی اس لیے ہوتی ہے کہ اس نے دنیا میں طرح طرح کی نعمتیں عطا فرمائیں' اور کبھی یہ محبت خالص اللہ کے لیے ہوتی ہے دنیا و آخرت کی' حال و استقبال کی کوئی غرض اس میں شامل نہیں ہوتی' محبت کی قسموں میں یہ قسم نہایت اعلیٰ ہے' بہرحال اللہ تعالیٰ کی محبت کیسی بھی کیوں نہ ہو' جب کسی شخص کے دل میں یہ محبت پیدا ہوتی ہے اور قوت پکڑتی ہے تو صرف محبوب کی ذات تک محدود نہیں رہتی' بلکہ ان چیزوں تک تجاوز کرتی ہے جن سے محبوب کا ادنیٰ سا بھی تعلق ہو' یہاں تک کہ جو امور فی نفسہٖ تکلیف دہ ہوتے ہیں غلبہ محبت کی بناء پر عاشق انھیں بھی اچھا سمجھتا ہے' وہ تکلیف کو تکلیف نہیں سمجھتا' بلکہ راحت جاں سمجھتا ہے' محبوب کا شکریہ ادا کرتا ہے کہ اس نے ہمارے حال پر نظر کی' ہمیں اپنی توجہ کا مستحق سمجھا' اور "درد کا تحفہ" عطا کیا۔ ہم دنیاوی عشاق کو دیکھتے ہیں کہ اگر ان کا محبوب کسی ناراضگی کے باعث چٹکی لے لے' یا جھڑک دے تو وہ اس میں تکلیف محسوس نہیں کرتے' بلکہ اسے اپنی خوش قسمتی سمجھتے ہیں۔ محبت الٰہی میں بعض لوگوں کا استغراق اتنا بڑھا کہ انہوں نے کہہ دیا کہ ہم مصیبت اور نعمت میں کوئی فرق نہیں سمجھتے' ہر کیفیت کا خالق اللہ ہے' نعمت سے بھی وہی نوازتا ہے' اور مصیبت میں بھی وہی مبتلا کرتا ہے' ہم تو اس کی رضا کے طالب' اور خوشنودی کے خواستگار ہیں' ایک بزرگ نے یہ فرمایا کہ اگر مجھے باری تعالیٰ کی معصیت

---

(۱) طبرانی صغیر۔ ابن عباس' ابوداؤد نے مراسیل میں اور بیہقی نے کتاب الدعوات میں یہ روایت نقل کی ہے مگر اس میں "واکرمها" کے الفاظ نہیں ہیں

کے عوض مغفرت ملے تو میں اسے ٹھکرادوں۔ سمنون کہتے ہیں:۔

ولیس لی فی سواک حظ فکیف ماشئت فاختبرنی

(تیرے سوا میرے لئے کسی چیز میں راحت نہیں ہے، جس طرح چاہے مجھے آزمالے)۔

اس محبت کی تحقیق کتاب المحبت میں آئے گی' فی الوقت تو ہمیں یہ عرض کرنا ہے کہ جس شخص پر محبت الٰہی کا غلبہ ہوتا ہے وہ ان لوگوں سے بھی محبت کرتا ہے جو باری تعالیٰ کی عبادت کا حق ادا کرتے ہوں' عالم دین ہوں' خوش اخلاق ہوں شرعی اوصاف سے متصف ہوں۔ اللہ تعالیٰ سے محبت کرنے والے صاحب ایمان کے سامنے جب دو ایسے شخصوں کا ذکر ہوتا ہے جن میں سے ایک عالم و عابد ہو' اور دوسرا فاسق و جاہل تو وہ اپنے دل میں عالم کی طرف میلان محسوس کرتا ہے' باری تعالیٰ کی محبت میں جس قدر قوت یا ضعف ہوگا اسی قدر یہ میلان بھی قوی یا ضعیف ہوگا۔ اس میلان کے لیے عالم کی موجودگی شرط نہیں ہے بلکہ وہ اس کی عدم موجودگی میں بھی یہ جذبہ محسوس کرتا ہے یہی محبت فی اللہ ہے' ظاہر ہے کہ کسی عالم و عابد سے اس کی محبت کا اس کے علاوہ کوئی مقصد نظر نہیں آتا کہ وہ عالم ہے' عبادت گذار ہے' اور اپنے علم و عبادت کی بنا پر باری تعالیٰ کے یہاں مقبول و پسندیدہ ہے۔ فرض کیجئے کہ اگر محبت حال یا مال میں حاصل ہونے والے حظ یا غرض پر موقوف ہوتی تو لوگ صحابہ و تابعین' مرحومین علماء و زہاد سے محبت کیوں کرتے' اس صورت میں تو انھیں انبیاء علیہم السلام سے بھی محبت نہ ہوتی' حالانکہ ان کی محبت ہر صاحب ایمان کے دل میں جاگزیں ہے' چنانچہ اس کا اظہار اس وقت ہوتا ہے جب کوئی دشمن دین انھیں برا کہتا ہے تو صاحب ایمان کے لیے یہ برائی ناقابل برداشت ہوتی ہے' اور وہ لڑنے مرنے پر آمادہ ہوجاتا ہے یہاں تک کہ اپنی جان قربان کرنے سے بھی دریغ نہیں کرتا۔ اور جب کوئی شخص ان کی تعریف کرتا ہے تو اس کی خوشی قابل دید ہوتی ہے۔ ان بزرگوں کی محبت بھی اللہ کی محبت میں داخل ہے کیونکہ یہ لوگ باری تعالیٰ کے مخصوص بندے ہیں' دنیا میں بھی یہ دستور ہے کہ جب کوئی شخص کسی بادشاہ وغیرہ سے محبت کرتا ہے تو اس کے خواص' خدام' اعزہ اور محبوبین بھی اسے محبوب ہوتے ہیں۔ کبھی محبت اس قدر غالب ہوتی ہے کہ دل میں محبوب کی خواہش کے علاوہ کوئی خواہش باقی نہیں رہتی۔ ایک شاعر نے غلبۂ محبت کی تفسیر اس طرح کی ہے۔

اریدو صالہ و یرید ھجری فاترک ما ارید لما یرید

(میں وصال چاہتا ہوں اور وہ فراق چاہتا ہے میں اس کی خواہش کی خاطر اپنی خواہش قربان کرتا ہوں)۔

کبھی محبت میں بعض حظوظ ترک کردیئے جاتے ہیں اور بعض حظوظ کا ترک کرنا نفس کو گوارا نہیں ہوتا مثلاً مال ایک محبوب چیز ہے' بعض اوقات آدمی اپنے مال کا نصف' تہائی' چوتھائی یا دسواں حصہ محبوب کو دے دیتا ہے لیکن اگر اس سے کہا جائے کہ وہ تمام مال دے دے تو وہ یہ بات تسلیم نہیں کرتا۔ مال کی یہ مقداریں دراصل محبت کی میزان ہیں ان مقداروں کی کمی زیادتی سے محبت کی کمی زیادتی کا اندازہ ہوجاتا ہے۔ جس شخص کے دل میں محبوب کی محبت راسخ ہوتی ہے' وہ ہر چیز محبوب پر قربان کردیتا ہے' مال بھی' اور جان جیسی قیمتی چیز بھی۔ وہ اپنے لیے کچھ بچا کر نہیں رکھتا۔ مثلاً حضرت ابوبکر نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر اپنی اولاد بھی نثار کردی تھی' یعنی حضرت عائشہ کو آپ کے نکاح میں دے دیا تھا' اور اپنا تمام مال بھی آپ کے قدموں میں لاکر ڈھیر کردیا تھا۔ حضرت عبداللہ ابن عمرؓ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما تھے' اور حضرت ابوبکر صدیقؓ بھی آپ کی خدمت میں حاضر تھے کہ جبرائیل علیہ السلام تشریف لائے آپ کو اللہ تعالیٰ کا سلام پہنچایا' حضرت ابوبکر نے اس وقت ایک کمبل پہن رکھا تھا' اور اس کے دونوں پلو سینے پر لکڑی یا کانٹے سے باندھ رکھے تھے' جبرائیل نے عرض کیا: یا رسول اللہ! کیا بات ہے' میں دیکھ رہا ہوں کہ ابوبکر کمبل پہنے ہوئے ہیں' اور اس کے دونوں پلو کانٹے سے باندھ رکھے ہیں؟ فرمایا کہ انہوں نے اپنا تمام مال فتح مکہ سے قبل مجھ پر خرچ کردیا تھا۔ جبرائیل نے عرض کیا: یا رسول اللہ! اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی طرف سے ابوبکرؓ کو سلام کہیئے اور یہ فرمایئے کہ باری تعالیٰ دریافت فرماتے ہیں کہ تم اپنی اس حالت پر مجھ سے ناراض ہو یا خوش؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر سے وہ الفاظ

دہرائے جو جبرائیل نے کہے تھے حضرت ابوبکر باری تعالیٰ کا یہ پیغام سن کر رو پڑے اور عرض کیا کہ بھلا میں اپنے رب سے ناراض کیوں ہوں گا میں تو ہر حال میں راضی برضا ہوں۔ بہرحال یہ محبت فی اللہ اور اس کے درجات کی تشریح ہے۔ اس تفصیل سے بغض فی اللہ کی وضاحت بھی ہو جاتی ہے' تاہم اس موضوع پر ہم مزید گفتگو کریں گے۔

بغض فی اللہ کی تعریف اور حدود

محبت فی اللہ کی طرح نفرت فی اللہ بھی ضروری ہے' مثلاً تم کسی شخص سے اس لئے محبت کرتے ہو کہ وہ اللہ تعالیٰ کا اطاعت گزار بندہ ہے اب اگر اس سے معصیت سرزد ہو' اور وہ اطاعت گزار بندے کے بجائے گنہگار بندہ بن جائے تو تمہیں اس سے نفرت بھی کرنی چاہیے جس سبب پر محبت کی بنیاد قائم ہے اگر وہ سبب باقی نہ رہے اور اس کی جگہ کوئی مخالف سبب آجائے تو نفرت کرنا ضروری ہوگا' یہ دونوں لازم و ملزوم ہیں' ایک دوسرے سے جدا نہیں ہوتے۔ عادات میں بھی محبت اور بغض کا یہ قاعدہ عام ہے۔ تاہم محبت اور نفرت کے یہ جذبے دل میں پوشیدہ رہتے ہیں' غلبہ کے وقت ان کا اظہار ہوتا ہے' اور اسی کے مطابق افعال ظاہر ہوتے ہیں۔ مثلاً اگر کسی شخص پر اطاعت غالب ہو تو اس سے محبت ہوتی ہے' اور محبت کا اقتضاء قرب ہے' اور اگر کسی شخص پر معصیت غالب ہو تو اس سے نفرت ہوتی ہے' اور نفرت کا اقتضاء بعد ہے۔ محبت فعل کی صورت اختیار کرلیتی ہے تو اسے موالاۃ (دوستی) کہتے ہیں' اور نفرت فعل کی صورت اختیار کرتی ہے تو اسے معادات (دشمنی) کا نام دیا جاتا ہے۔ اسی لیے اللہ تبارک و تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے دریافت فرمایا تھا کہ تم نے میری خاطر کسی شخص سے موالاۃ یا معاداۃ بھی کی ہے یا نہیں؟

محبت یا نفرت کا اظہار اس وقت بہت آسان ہے جب اس کا سبب مفرد ہو' مثلاً تمہیں کسی شخص کی اطاعت کا علم ہے' تم اس شخص سے محبت کر سکتے ہو' اس سلسلے میں تمہیں کسی قسم کی پریشانی نہیں ہوگی' ایک دوسرا شخص ہے جس کا فسق و فجور ظاہر ہے' تم اس سے بھی بغض رکھ سکتے ہو' اس سلسلے میں بھی تمہیں کسی قسم کی دشواری کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا۔ دشواری اس وقت پیش آئے گی جب طاعات و معاصی ملے جلے ہوں۔ تم یہ کہہ سکتے ہو کہ محبت اور نفرت دو متضاد جذبے میں یہ دونوں یکجا کیسے ہو سکتے ہیں؟ ان دونوں جذبوں کے نتائج و ثمرات موافقت' و مخالفت' موالات و معادات بھی متضاد ہیں۔ ان کا اجتماع بھی ممکن نہیں ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کے حق میں یہ تناقض نہیں پایا جاتا' خود انسانی عادات کے لحاظ سے بھی اس میں کسی طرح کا تضاد نظر نہیں آتا' ہم یہ دیکھتے ہیں کہ بعض افراد میں پسندیدہ اور ناپسندیدہ دونوں طرح کی خصلتیں ہوتی ہیں' تمہیں ان افراد سے بعض وجوہ سے محبت ہوتی ہے' اور بعض وجوہ سے نفرت۔ مثلاً ایک شخص کی بیوی خوبصورت ہے' لیکن فسق و فجور میں مبتلا ہے' ایک شخص کا بیٹا نہایت سمجھدار اور خدمت گزار ہے' لیکن آوارہ ہے' وہ شخص اپنی بیوی کے حسن و جمال پر فریفتہ بھی ہے' اور اس کے فسق سے نالاں بھی' اسی طرح باپ اپنے لڑکے کی ذکاوت اور خدمت گزاری کی عادت پر خوش بھی ہے' اور اس کی آوارگی پر پریشان بھی۔ کیا یہ مختلف جذبے نہیں جو ایک ہی شخص میں جمع ہو گئے ہیں؟ یہ دراصل دو حالتوں کے درمیان ایک حالت ہے جس میں نہ محض محبت ہوتی ہے' اور نہ خالص نفرت۔ اسی طرح فرض کیجئے کہ ایک شخص کے تین بیٹے ہیں' ایک ذہین اور خدمت گزار' دوسرا غبی اور نافرمان۔ تیسرا کند ذہن اور اطاعت گزار۔ یہ شخص اپنے تینوں بیٹوں کے تئیں مختلف جذبات رکھتا ہے' اول الذکر کے ساتھ اسے بے پناہ محبت ہے' دوسرا بیٹا اس کے غیظ و غضب کا شکار ہے' اور آخر الذکر سے نہ محض نفرت ہے اور نہ محض محبت۔ یہی معاملہ تمہیں بھی لوگوں کے ساتھ کرنا چاہیے جو شخص باری تعالیٰ کا مطیع اور فرمانبردار ہو اس سے تمہیں محبت کرنی چاہیے' جو شخص گنہگار اور نافرمان ہو وہ تمہاری نفرت کا مستحق ہے' جس شخص میں اطاعت بھی ہو اور معصیت بھی' اس کے ساتھ کچھ محبت ہونی چاہیے اور کچھ نفرت۔

اسلام کی موجودگی میں بغض :۔ یہ سوال کیا جاسکتا ہے کہ ہر مسلمان کے حق میں اس کا اسلام ایک اطاعت ہے' اسلام کی موجودگی میں اس سے نفرت کیسے کی جاسکتی ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اسلام کی وجہ سے اس سے محبت کرو' اور معصیت کی بنا پر

نفرت کرو۔ اور یہ قیاس کرو کہ اگر وہ کافر یا فاجر ہوتا تو ہمارے دل میں اس کے تئیں کون سا جذبہ کار فرما ہوتا۔ خدا تعالیٰ کے حق میں اطاعت اور معصیت کرنے والے کے ساتھ وہی سلوک کرو جو تم اپنے حق میں اطاعت اور کوتاہی کرنے والے کے ساتھ کرتے ہو۔ مثلاً یہ کہ جو شخص کسی ایک غرض میں تمہاری ہمنوائی اور مساعدت کرے' اور دوسری غرض میں تمہاری مخالفت کرے تو اس کے ساتھ درمیانی حالت میں رہو' یعنی نہ رضا ہو' نہ ناراضگی' یہ التفات ہو' نہ اعراض' اور نہ محبت ہو نہ نفرت۔ نہ اس شخص کی تعظیم میں اتنا مبالغہ کرو جتنا مبالغہ تم اس شخص کی تعظیم میں کرتے ہو جو تمہاری تمام اغراض میں مساعدت کرتا ہے' اور نہ اس کی اہانت میں اتنا مبالغہ کرو جتنا مبالغہ تم اس شخص کی اہانت میں کرتے ہو جو تمام اغراض میں تمہارا مخالف ہو۔ پھر اس درمیانی حالت میں بھی یکسانیت ضروری نہیں ہے' بلکہ اگر مخالفت کا غلبہ ہو تو اہانت کا پہلو غالب ہونا چاہیے' اور موافقت کا غلبہ ہو تو تعظیم کا پہلو راجح ہونا چاہیے یہی معاملہ ان لوگوں کے ساتھ ہونا چاہیے جو باری تعالیٰ کی اطاعت بھی کرتے ہیں' اور معصیت بھی' کبھی اس کی خوشنودی حاصل کرتے ہیں اور کبھی اس کی ناراضگی مول لیتے ہیں۔

بغض کے اظہار کا طریقہ:۔ بغض کا اظہار قول سے بھی کیا جاسکتا ہے' اور فعل سے بھی' قول سے اس طرح کہ کبھی مبغوض سے بات چیت بند کردی جائے' اور کبھی اسے سخت سست کہا جائے' اور لعنت وملامت سے اسے شرمندہ کرنے کی کوشش کی جائے۔ فعل سے اس طرح کہ کبھی اس کی اعانت کا سلسلہ بند کردیا جائے اور کبھی اسے ایذا پہنچائی جائے اور اس کے کام بگاڑنے کی کوشش کی جائے بغض کا اظہار مختلف طریقوں سے ہوسکتا ہے' ان میں بعض طریقے بعض کی بہ نسبت سخت تر ہیں' بغض کرنے والے کو چاہیے کہ وہ مبغوض کے معاصی کے درجات کا لحاظ رکھے' تمام معاصی یکساں نہیں ہوتے' بعض زیادہ سخت ہوتے ہیں اور بعض میں کم شدت ہوتی ہے جس درجے کی خطا اس سے سرزد ہو اسی درجے کا بغض ہونا چاہیے۔ اگر کسی شخص سے کوئی غلطی سرزد ہو اور ایسا لگتا ہو کہ وہ اپنی غلطی پر نادم ہے' شاید آئندہ وہ اس کا اعادہ نہ کرے تو اس شخص کے ساتھ چشم پوشی کا معاملہ کرنا چاہیے' صغیرہ یا کبیرہ گناہوں پر اصرار کرنے والے کے سلسلے میں یہ دیکھنا چاہیے کہ تمہارے اور اس کے درمیان پہلے سے دوستی اور محبت کا رشتہ قائم ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو اس کا حکم الگ ہے' اس میں علماء کا اختلاف بھی ہے' ہم عنقریب اس کا حکم اور اختلاف بیان کریں گے۔ اگر پہلے سے دوستی اور تعلق نہیں ہے تو بغض کا اظہار ضروری ہے یہ اظہار اعراض کی صورت میں بھی کیا جاسکتا ہے اور زبانی لعنت ملامت کے ذریعہ بھی کیا جاسکتا ہے زبان سے زجر و توبیخ کرنا اعراض کی بہ نسبت سخت ہے اس لیے معمولی معصیتوں میں اعراض کرنا چاہیے اور غیر معمولی معاصی میں سخت سست کہنا چاہیے۔ اسی طرح فعل سے بغض ظاہر کرنے کے بھی دو درجے ہیں۔ ایک تو یہ کہ اس کی اعانت' رفاقت اور نصرت کا سلسلہ ترک کردیا جائے' یہ ادنیٰ درجہ ہے' اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ اس کے کام بگاڑ دیئے جائیں اور اس کی کوئی غرض پوری نہ ہونے دی جائے' اور اس راہ میں اس طرح رکاوٹیں کھڑی کی جائیں جس طرح دشمن ایک دوسرے کے مقاصد کی راہ میں رکاوٹیں پیدا کرتے ہیں لیکن اس سلسلے میں یہ ضروری ہے کہ جن مقاصد میں بگاڑ پیدا کیا جائے ان کا تعلق معصیت سے ہو نہ کہ طاعت سے۔ مثلاً کسی شخص نے شراب پی کر باری تعالیٰ کی معصیت کا ارتکاب کیا۔ اب وہ ایک عورت سے نکاح کرنا چاہتا ہے' بالفرض اگر اس کی خواہش پوری ہوجاتی ہے تو یہ اس کے حق میں بہتر ہوگا' لوگ اس کے مال جاہ اور جمال پر رشک کریں گے۔ شراب نوشی کا نکاح سے کوئی تعلق نہیں ہے' نہ نکاح شراب نوشی سے مانع ہے' اور نہ اس گناہ کا داعی۔ فرض کرو کہ تم نکاح کے باب میں اس کی اعانت پر قادر ہو' تم چاہو تو اس کی یہ غرض پوری ہوسکتی ہے' اور نہ چاہو تو اس غرض کی راہ میں رکاوٹ پیدا ہوسکتی ہے اس صورت میں تمہارے لیے ضروری نہیں ہے کہ تم اس کی راہ میں رکاوٹ کھڑی کرو' اس کا نکاح نہ ہونے دو تاہم اگر اظہار بغض کے لیے نکاح پر اس کی اعانت نہ کرو تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے' لیکن یاد رکھو کہ ترک اعانت صرف جائز ہے واجب نہیں ہے۔ ہمارے خیال میں اعانت کرنا زیادہ بہتر ہے کیا عجب ہے کہ وہ اپنے مقصد بر آوری کے بعد تمہارا معتقد ہوجائے' تمہیں دوست سمجھے تمہاری بات مانے' اگر ایسا نہ بھی ہو تب بھی بحیثیت مسلمان اس کا حق یہ ہے کہ اعانت سے

گریز نہ کیا جائے۔ اسی سلسلے میں آیت کریمہ نازل ہوئی:۔

وَلَا يَأْتَلِ أُولُوا الْفَضْلِ مِنكُمْ وَالسَّعَةِ أَن يُؤْتُوا أُولِي الْقُرْبَىٰ وَالْمَسَاكِينَ وَالْمُهَاجِرِينَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلْيَعْفُوا وَلْيَصْفَحُوا أَلَا تُحِبُّونَ أَن يَغْفِرَ اللَّهُ لَكُمْ

(پ ۱۸ ر ۹ آیت ۲۲)

اور جو لوگ تم میں (دینی) بزرگی اور دنیوی وسعت والے ہیں وہ اہل قرابت کو اور مساکین کو اور اللہ کی راہ میں ہجرت کرنے والوں کو دینے سے قسم دکھائیں' اور چاہیے کہ وہ معاف کردیں اور گذر کریں' کیا تم یہ بات نہیں چاہتے کہ اللہ تعالیٰ تمہارے قصور معاف کردے۔

آیت کریمہ کے شان نزول کا تعلق واقعہ اِفک سے ہے۔ ابن اثاثہ بھی ان لوگوں کے ساتھ تھے جنہوں نے حضرت عائشہؓ پر بُہتان تَراشی کی تھی' اس واقعے سے قبل حضرت ابوبکر صدیق مسطح ابن اثاثہ کی مالی امداد کیا کرتے تھے' جب یہ واقعہ پیش آیا تو آپ نے قسم کھائی کہ اس شخص کو ایک حبہ بھی نہیں دوں گا' اس پر یہ آیت نازل ہوئی' اور حضرت ابوبکر سے کہا گیا کہ وہ عفو و درگذر سے کام لیں۔ حالانکہ مسطح کی غلطی معمولی نہ تھی' انہوں نے اُمہات المؤمنین' حرم رسول' جگر گوشۂ صدیق حضرت عائشہؓ کی شان اقدس میں گستاخی کی تھی' حضرت ابوبکرؓ طبعی طور پر اس واقعے سے متأثر ہوئے' اور انہوں نے مسطح کی مالی امداد بند کرنے کا عہد کیا' لیکن کیونکہ صدیقین کے شایانِ شان یہ ہے کہ وہ نرم رویّہ اختیار کریں ظالموں کو معاف کریں' اور بدسلوکی کرنے والوں کے ساتھ اچھا سلوک کریں۔ اس لیے یہ آیت نازل ہوئی اس واقعہ سے حضرت ابوبکرؓ کا براہ راست تعلق تھا' اور جن لوگوں نے واقعہ اِفک میں شرکت کی تھی انہوں نے حضرت ابوبکر کی اہانت کا جرم بھی کیا تھا۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ تمہارے عفو و درگذر کے مستحق وہ لوگ ہیں جو خود تم پر ظلم کریں' لیکن جو لوگ دوسروں پر ظلم کریں' اور باری تعالیٰ کی معصیت کا ارتکاب کریں وہ نہ عفو و درگذر کے مستحق ہیں' اور نہ احسان کے۔ ایسے لوگوں پر احسان کرنے کا مطلب یہ ہے کہ تم مظلومین کو مزید ظلم کا نشانہ بنا رہے ہو۔ مظلوم کے حق کی رعایت' پاسبانی' اور اس کے ساتھ ہمدردی خدا تعالیٰ کے نزدیک اس سے بہتر ہے کہ تم ظالم کا ساتھ دو۔

بغض کے سلسلے میں سلف کی عادت:۔ تمام اکابر کا اتفاق ہے کہ ظالموں' بدعتیوں' اور ایسے لوگوں کے تئیں نفرت اور بغض کا اظہار کرنا چاہیے جو باری تعالیٰ کی معصیت کریں' اور ان کی معصیت کا ضرر متعدی ہو' یعنی دوسرے لوگ ان کی معصیت سے نقصان اٹھائیں وہ معصیت جس کا ضرر صرف عاصی کے حق میں ہو محل اختلاف ہے' بعض علماء نے تمام اہل معصیت پر رحم کی نگاہ ڈالی اور ان سے شفقت کا برتاؤ کیا۔ بعض لوگوں نے اس حد تک مبالغہ کیا کہ ان سے ملنا چھوڑ دیا' امام احمد ابن حنبل معمولی معمولی باتوں پر اکابرین تک سے تعلق منقطع کرلیا کرتے تھے' چنانچہ ایک مرتبہ یحییٰ ابن معین نے یہ کہہ دیا کہ میں کسی کے سامنے دست طلب دراز نہیں کرتا' لیکن اگر بادشاہ از خود کچھ دے تو میں لینے سے انکار نہ کروں۔ آپ ان کی اس بات پر بے حد خفا ہوئے' اور ترک تعلق کرلیا' اسی طرح حارث محاسبیؒ سے بول چال بند کردی تھی' خفگی کا سبب ایک کتاب بنی جو محاسبی نے معتزلہ کے رد میں لکھی تھی' امام احمد کا کہنا یہ تھا کہ تم نے کتاب میں اپنے جوابات کے ساتھ ان کے خیالات کیوں ذکر کیے' اس طرح تو تم خود لوگوں کو شبہات میں ڈال رہے ہو۔ ابو ثورؒ بھی ان ہی لوگوں میں تھے جن پر امام احمد ابن حنبلؒ کا عتاب نازل ہوا' ان کی غلطی یہ تھی کہ انہوں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول میں تاویل کی تھی۔

ان اللہ خلق آدم علی صورتہ (مسلم۔ ابوہریرہؓ)

اللہ تعالیٰ نے آدم کو اپنی صورت پر پیدا کیا ہے۔

بہرحال خطا کاروں کے ساتھ معاملہ نیت کے اختلاف کے ساتھ مختلف ہوتا ہے' اور نیت حال کے اختلاف سے مختلف ہوتی

ہے' بعض اوقات دل میں یہ بات رہتی ہے کہ بندے مجبور و عاجز ہیں' اور تقدیر کے پابند ہیں' یہ خیال عداوت اور بغض میں تساہل کا باعث بنتا ہے' لیکن کبھی اس طرح کا نقطۂ نظر مُداہنت کی شکل اختیار کرلیتا ہے کیوں کہ گناہوں سے چشم پوشی عموماً مُداہنت کی بنا پر تین لوگوں کی دلداری کی خاطر کی جاتی ہے' اور یہ خوف رہتا ہے کہ اگر میں نے سخت موقف اختیار کیا تو میرے قربت سے وحشت' اور میرے وجود سے نفرت کرنے لگیں گے' کسی شخص کا یہ سمجھنا کہ گناہ گار اضطرار' جبر اور عذر کی بنا پر گناہ کا مرتکب ہوا ہے اس لیے وہ رحم' اور عفو و درگذر کا مستحق ہے ایک شیطانی فریب ہے خاص طور پر اس وقت جب کہ خدا تعالیٰ کے حقوق کے سلسلے میں عفو و درگذر سے کام لیا جائے' اور جب اپنے حق میں کوئی قصور سرزد ہو تو قصوروار سخت سے سخت سزا کا مستحق ٹھہرے ہاں اگر کوئی شخص اپنے حقوق میں کوتاہی کرنے والے سے بھی چشم پوشی کرے تو اس کے لیے گنجائش نکل سکتی ہے کہ وہ باری تعالیٰ کی معصیت کرنے والوں کو بھی بنظر رحمت دیکھے' اور ان کے ساتھ شفقت کا برتاؤ کرے۔

کیا اظہار بغض واجب ہے؟:۔ بغض کا ادنیٰ درجہ ترک تعلق ملاقات' اعراض' قطع اعانت ہے' کیا یہ سب امور واجب ہیں' بالفرض اگر کوئی شخص گنہگاروں سے ترک تعلق نہ کرے تو کیا وہ گنہگار ہوگا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ علم ظاہر کی رو سے انسان ان امور کا مکلّف نہیں ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کے زمانے میں بعض لوگوں نے شراب پی' اور دوسرے گناہوں کا ارتکاب کیا ان سے بالکل قطع تعلق نہیں کیا جاتا تھا' بعض صحابہ ان سے اعراض کرتے تھے' بعض صحابہ زبان سے سخت سست کہا کرتے تھے' بعض صحابہ کے یہاں نرمی تھی' وہ ایسے لوگوں کو شفقت و رحم کا مستحق سمجھتے تھے۔ یہ دینی حقائق ہیں' اس سلسلے میں راہ آخرت کے سالکین کی راہیں جدا جدا ہیں' ہر شخص کا عمل مقتضائے حال کے مطابق ہے' اور مقتضائے حال ان امور میں کراہت یا استحباب ہے حرمت و ایجاب نہیں ہے۔ آدمی صرف معرفت الٰہی اور محبت الٰہی کا مکلّف ہے' یہ محبت کبھی محبوب سے متعدی ہو کر غیر محبوب تک پہنچ جاتی ہے' اور یہ اسی صورت میں ہوتا ہے جب کہ یہ جذبہ درجۂ افراط میں ہو' درجۂ افراط کی محبت عوام کے حق میں ظاہر کی رو سے تکلیف شرعی میں داخل نہیں ہے۔

بغض فی اللہ کرنے والوں کے مراتب
اور مبغوضین کے ساتھ معاملہ کرنے کی کیفیت

گذشتہ مضمون میں بتلایا جاچکا ہے کہ فعل سے بغض و عداوت کے اظہار کو واجب نہیں ہے' لیکن اس کے مندوب و مستحب ہونے میں بھی کوئی شبہ نہیں' یہ حقیقت بھی واضح ہو چکی ہے کہ عاصی اور فاسق مختلف مراتب پر ہیں' اس سے یہ بات سمجھ میں آئی کہ ہر شخص کے ساتھ یکساں معاملہ نہیں کیا جائے گا۔ اسی سے یہ نکتہ بھی سمجھ میں آتا ہے کہ بغض فی اللہ کرنے والے بھی مبغوضین کے اختلاف کے اعتبار سے مختلف مراتب پر ہیں۔ ذیل میں ہم ان دونوں نکتوں کی مزید وضاحت کر رہے ہیں۔

جاننا چاہیے کہ امر خداوندی کی مخالفت عقیدے سے بھی ہوتی ہے' اور عمل سے بھی' پھر عقیدے کی مخالفت کفر کی شکل میں ہوتی ہے یا مُبتدعانہ طریقے پر' عقیدے کی مخالفت بصورت بدعت کی بھی دو شکلیں ہیں' یا تو وہ بدعتی اپنی بدعات کی طرف داعی ہوگا یا وہ اپنے مبتدعانہ اعمال پر خاموشی کے ساتھ عمل پیرا ہوگا' خواہ اس کی یہ خاموشی عجز کی بنا پر ہو' یا اختیار و قدرت کے باوجود ہو' بہرحال فساد عقیدہ کی تین قسمیں ہیں ہم ان تینوں قسموں کا حکم بیان کرتے ہیں۔

پہلی قسم کفر:۔ کافر کی دو قسمیں ہیں' حربی اور ذمی۔ حربی کافر کی سزا یہ ہے کہ اسے قتل کردیا جائے یا غلام بنا لیا جائے' ان دونوں سزاؤں سے بڑھ کر اس کے لیے کوئی سزا یا اہانت نہیں ہے کافر اگر ذمی ہے تو اسے اس کے علاوہ کوئی ایذا نہ دینی چاہیے کہ اس سے اعراض کیا جائے' اسے حکم دیا جائے کہ وہ راستوں سے دب کر گذرے سلام کی ابتدا کرے' اگر وہ السلام علیک کہے تو جواب میں وعلیک کہنا چاہیے بہتر یہ ہے کہ اس کے ساتھ نہ گفتگو کی جائے' اور نہ دوسرے معاملات کیے جائیں' دوستوں کی طرح ان سے میل

جول رکھنا سخت مکروہ ہے' اگر یہ اختلاط غیر معمولی ہوا تو کراہت حرمت میں بھی بدل سکتی ہے۔ باری تعالیٰ فرماتے ہیں:۔

لَا تَجِدُ قَوْمًا يُؤْمِنُونَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ يُوَادُّونَ مَنْ حَادَّ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ وَلَوْ كَانُوا آبَاءَهُمْ وَأَبْنَاءَهُمْ (پ ۲۸ ر ۳ آیت ۲۲)

جو لوگ اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں آپ ان کو نہ دیکھیں گے کہ وہ ایسے شخصوں سے دوستی رکھتے ہیں جو اللہ اور اس کے رسول کے برخلاف ہیں گو وہ ان کے باپ یا بیٹے ہی کیوں نہ ہوں۔

ایک جگہ ارشاد فرمایا:۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا عَدُوِّي وَعَدُوَّكُمْ أَوْلِيَاءَ (پ ۲۸ ر ۷ آیت ۱)

اے ایمان والو تم میرے دشمنوں اور اپنے دشمنوں کو دوست مت بناؤ۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:۔

المسلم والمشرک لا تترا ای نارا ھما (۱)

مسلمان اور مشرک ایک دوسرے سے اتنے دور رہیں کہ انھیں ایک دوسرے کی آگ نظر نہ آنی چاہیے۔

دوسری قسم بدعت کا داعی بدعتی:۔ لوگوں کو بدعات کی ترغیب دینے والے بدعتی کے سلسلے میں دیکھنا چاہیے کہ اس کی بدعت کس نوعیت کی ہے' اگر وہ کفر سے قریب ہے تو ایسے بدعتی کا معاملہ ذمی سے زیادہ سخت ہے اس لیے کہ نہ وہ جزیہ کا اقرار کرتا ہے اور نہ صحیح عقیدے پر عمل پیرا ہے' اور اگر اس کی بدعت ایسی نہیں کہ اس کی تکفیر کی جائے تو اس کا معاملہ فیما بینہ وبین اللہ کافر کی بنسبت تخفیف پر مبنی ہے' مگر مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ اس کی بدعت سے صرف نظر نہ کریں' بلکہ پوری قوت اور شدت کے ساتھ اس کے افکار و خیالات کا رد کریں' اور اس معاملے میں اہل کفر کے ساتھ اختیار کیے جانے والے موقف سے بھی زیادہ سخت موقف اختیار کریں' اس لیے کہ کافر کا ضرر متعدی نہیں ہے' یہ مسلمان اس کے کفر کا اعتقاد رکھتے ہیں اور نہ وہ اپنی حقانیت یا اپنے اسلام کا دعویٰ کرتا ہے۔ اس کے برخلاف بدعتی اپنے اسلام کا مدعی بھی ہے اور وہ یہ بھی کہتا ہے کہ جس عمل کی دعوت دے رہا ہوں وہی حق ہے۔ اس لحاظ سے بدعتی مخلوق کی گمراہی کا باعث ہے' اس کی برائی محدود نہیں ہے' بہت سے سیدھے سادے مسلمان اس کے پھیلائے ہوئے جال میں پھنس جاتے ہیں' ایسے شخص سے بغض رکھنا' اظہار بیزاری کرنا' ترک تعلق کرنا' اس کی تحقیر کرنا' اور لوگوں کو اس کے پاس آنے جانے سے روکنا افضل ترین عمل ہے' ایسا شخص اگر تنہائی میں سلام کرے تو جواب دینے میں کوئی حرج نہیں' لیکن اگر یہ خیال ہو کہ اعراض کرنے اور سلام کا جواب دینے سے وہ شخص اپنی بدعملی سے آگاہ ہو جائے گا' اور یہ رویہ اس کے لیے تازیانۂ عبرت ثابت ہوگا تو اس صورت میں جواب نہ دینا زیادہ بہتر ہے۔ سلام کا جواب اگرچہ واجب ہے' لیکن مصالح کی بنا پر یہ وجوب ساقط ہو جاتا ہے مثلاً کوئی شخص اگر حمام یا بیت الخلاء میں ہو تو اس پر سلام کا جواب واجب نہیں رہتا' بدعتی کو زجر و توبیخ کرنا قضاء حاجت اور غسل کی مصلحت سے کہیں زیادہ اہم مصلحت ہے' اگر وہ شخص کچھ لوگوں کی موجودگی میں سلام کرے تو جواب نہ دینا چاہیے تاکہ لوگ اس سے نفرت کریں اور اس کی بدعت کو برا تصور کریں۔ اسی طرح یہ بھی مناسب ہے کہ بدعتی کے ساتھ حسن سلوک نہ کیا جائے اور نہ اس کی مدد کی جائے خاص طور پر ان امور میں جو عام لوگوں کے علم میں بھی ہوں' سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:۔

من انتھر صاحب بدعۃ ملا اللہ قلبہ امنا وایمانا ومن اھان صاحب بدعۃ آمنہ اللہ یوم الفزع الاکبر ومن الان لہ واکرمہ او لقیہ ببشر فقد استخف بما انزل اللہ

(۱) ترمذی اور ابوداؤد میں جریرؓ کی روایت ہے "انا بری من کل مسلم یقیم بین اظہر المشرکین قالوا: یا رسول اللہ ولم؟ قال لا ترا ای نارا ھما" نسائی میں یہ روایت مرسل ہے' بخاری نے بھی مرسل روایت کو صحیح کہا ہے۔

علیہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم (۱)

جو شخص صاحب بدعت کو جھڑکے گا اللہ تعالیٰ اس کا دل امن و ایمان سے لبریز کردیں گے' اور جو شخص صاحب بدعت کو اہانت کرے گا قیامت کے روز اسے باری تعالیٰ کی طرف سے پروانہ امن عطا کیا جائے گا' جو شخص بدعتی کے سلسلے میں نرم گوشہ رکھتا ہے' اس کی تعظیم و تکریم کرتا ہے' اس سے خندہ روئی کے ساتھ ملتا ہے وہ دراصل باری تعالیٰ کے ان احکامات کو معمولی سمجھنے کے جرم کا ارتکاب کررہا ہے جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئے ہیں۔

تیسری قسم۔ خاموش بدعتی:۔ یہ وہ بدعتی ہے جو اپنے عجز کی بنا پر یا اختیار و قدرت کے باوجود اپنے نظریات و عقائد کی تبلیغ نہیں کرتا۔ اس کا معاملہ آسان ہے' اس طرح کے بدعتی کے ساتھ ابتدا ہی میں سخت رویّہ اختیار نہ کرنا چاہیے بلکہ بہتر یہ ہے کہ اولاً اسے نرمی اور لطف و ملائمت کے ساتھ سمجھایا جائے' اسے بتلایا جائے کہ بدعت اسلام کے صحیح اور پاکیزہ عقائد سے میل نہیں کھاتی' امید یہی ہے کہ نرمی اسے پگھلا دے گی' اور وہ اپنی کج فکری' اور بدعملی سے توبہ کرلے گا۔ اگر نصیحت مفید نہ ہو' اور یہ خیال ہو کہ اس کے لیے اعراض ہی مؤثر حربہ ہے تو یہی حربہ اختیار کرنا مستحب ہے' اگر اعراض بھی کارگر ثابت نہ ہو تب بھی نرمی کی اجازت نہیں دی جاسکتی' بلکہ بہتر یہ ہے کہ اس موقف میں مزید شدّت اختیار کی جائے' بدعت کو معمولی سمجھ کر نظرانداز نہ کرنا' اور اس کی مذمت میں مبالغہ نہ کرنا عوام کے حق میں سخت مضر ہے۔

یہ اعتقادی معصیت کی تفصیل تھی' اب ان لوگوں کا حکم سنئے جو عمل سے معصیت کرتے ہیں۔ عمل کے ذریعہ معصیت کا ضرر کبھی متعدی ہوتا ہے جیسے ظلم' غصب' جھوٹی گواہی' غیبت' اور چغلی وغیرہ' اور کبھی متعدی نہیں ہوتا' یہ معصیت بھی دو حال سے خالی نہیں یا تو وہ دوسروں کے لیے محرک اور باعث ترغیب ہوگی جیسے شراب فروشی' یا نہیں ہوگی جیسے شراب نوشی' اور زنا وغیرہ۔ پھر اس معصیت کی بھی دو قسمیں ہیں' کبیرہ اور صغیرہ' اصرار اور ترک' اصرار سے بھی دو قسمیں نکلتی ہیں' بنیادی طور پر یہ تین قسمیں ہوئیں ہر قسم کی معصیت کا درجہ الگ ہے' کسی میں معصیت شدید ہے' کسی میں کم ہے' ہر مبتلائے معصیت کے ساتھ یکساں سلوک نہیں کیا جاتا۔

پہلی قسم یہ معصیت شدید تر ہے' اس کا ضرر خود عاصی کی ذات تک محدود نہیں رہتا' بلکہ دوسرے لوگ بھی اس سے متاثر ہوتے ہیں۔ مثلاً ظلم' غصب' جھوٹی گواہی' غیبت' چغلی وغیرہ۔ یہ وہ گناہ ہیں کہ اگر کسی شخص کو ان میں مبتلا پایا جائے تو اس سے اعراض کرنا چاہیے' ایسے شخص سے میل جول رکھنا معصیت پر اس کی اعانت کے مرادف ہے پھر یہ معصیتیں بھی ایک درجے کی نہیں ہیں' ایک شخص قتل کا ظالم ہے' دوسرا شخص مال کا ظالم ہے' تیسرا شخص آبرو کا ظالم ہے' ان سب کی معصیت یکساں نہیں ہے' بلکہ ایک دوسرے سے سخت تر ہے' مرتکبین معصیت کی توہین و تحقیر کرنا اور ان سے اعراض کرنا حد درجہ مؤکد ہے' اور اگر یہ خیال ہو کہ ان کی اہانت کرنے سے' اور اعراض کرنے سے دوسرے لوگوں کو عبرت ہوگی تو اس حکم میں مزید تاکید پیدا ہوجاتی ہے۔

دوسری قسم یہ وہ معصیت ہے جس کا مرتکب لوگوں کو فساد کے اسباب کی ترغیب دیتا ہے' اور ان کے لیے بگاڑ کی راہ ہموار کرتا ہے' وہ اگرچہ دنیا میں کسی کو کوئی جسمانی یا ذہنی تکلیف نہیں پہنچاتا' لیکن یہ تکلیف کیا کم ہے کہ وہ ان سے ان کا دین سلب کرلیتا ہے' یہ صحیح ہے کہ اس عمل میں ان لوگوں کی مرضی کو بھی دخل ہوتا ہے جو اس کی دعوت پر لبیک کہتے ہیں لیکن اہم کردار داعی کا ہے۔ یہ قسم بھی پہلی قسم سے قریب ہے گو جرم پہلی قسم کی بہ نسبت معمولی ہے' اس سے قطع نظر کہ اس معصیت کا معاملہ بندے اور اس کے رب کے درمیان ہے' اور عفو کی امید کی جاسکتی ہے' لیکن کیونکہ اس کا ضرر بھی فی الجملہ متعدی ہے اس لئے اس قسم کی معصیت کی شدت سے بھی انکار نہیں کیا جاسکتا' اس معصیت کا تقاضا بھی یہی ہے کہ مرتکب کی اہانت کی جائے' اس سے اعراض

(۱) یہ روایت ہروی نے بھی ذم الکلام میں ابن عمرؓ سے نقل کی ہے' اس کی سند بھی ضعیف ہے۔

کیا جائے' اس کے ساتھ تعلقات باقی نہ رکھے جائیں' اور اس کے سلام کا جواب نہ دیا جائے' بشرطیکہ یہ خیال ہو کہ ترک تعلق اور اعراض واہانت سے اسے تنبیہہ ہوگی یا دوسرے لوگ اس طرح کی معصیتوں سے دور رہیں گے۔

تیسری قسم یہ وہ معصیت ہے کہ جس کا ضرر خود صاحب معصیت کی ذات تک محدود ہو' وہ کسی واجب کے ترک سے یا کسی ممنوع امر کے ارتکاب سے فسق و فجور میں مبتلا ہوتا ہے' اس کا معاملہ خفیف ہے' لیکن اگر وہ ارتکاب معصیت کے وقت دیکھ لیا جائے تو اسے باز رکھنے کی کوشش کرنی چاہیے خواہ ضرب سے' یا لعنت و ملامت سے' اس لیے کہ برائی سے منع کرنا واجب ہے' اور اگر وہ گناہ سے فارغ ہو چکا ہے' اور اس کے متعلق یہ علم ہے کہ وہ گناہ کا عادی ہے' نیز یہ بھی معلوم ہے کہ اگر اسے نصیحت کی گئی تو وہ اپنی حرکت سے باز آجائے گا تو اسے نصیحت کرنا واجب ہے' لیکن اگر یہ یقین نہ ہو کہ وہ نصیحت پر عمل کرے گا یا نہیں' بلکہ محض ظن غالب ہو تو نصیحت کرنا افضل ہے تاہم دونوں صورتوں میں عاصی کے مزاج کی رعایت ضروری ہے' نیز یہ بھی دیکھنا ضروری ہے کہ نصیحت میں سختی کارگر ہوگی یا نرمی' اگر نرمی سے کام چل جائے تو خواہ مخواہ سختی برتنے کی ضرورت نہیں' سختی کی ضرورت وہاں پیش آتی ہے جہاں نرم روّیہ مؤثر نہ ہو۔ آخری صورت یہ رہ جاتی ہے کہ وہ گناہوں پر مُصر ہو' اور کسی قسم کی کوئی نصیحت اسے گناہوں سے باز رکھنے مؤثر نہ ہو' اس صورت میں علماء کے اقوال ہیں بعض علماء کی رائے یہ ہے کہ اس کے ساتھ نرم روّیہ اختیار کیا جائے' اور بعض دوسرے علماء یہ کہتے ہیں کہ ایسے شخص سے قطع تعلق کرلیا جائے حتیٰ کہ اس کے سلام کے جواب سے بھی گریز کیا جائے۔ اس سلسلے میں صحیح بات یہ ہے کہ اس کا مدار آدمی کی نیت پر ہے' نرمی میں تواضع اور انکساری ہے' اور اعراض میں زجرو تنبیہہ ہے۔ کوئی قدم اٹھانے سے پہلے اپنے دل سے فتویٰ لینا چاہیے' اور یہ دیکھ لینا چاہیے کہ اس کا نفس کیا کہتا ہے' اور طبیعت کا تقاضا کیا ہے۔ اگر زجرو توبیخ کے پس منظر میں تکبّر اور غرور کار فرما ہو تو نصیحت کرنے میں نرمی ہونی چاہیے' اور اگر نرم موقف اختیار کرنے کا سبب مداہنت ہو' یا یہ خواہش ہو کہ لوگ اسے متواضع منکسر المزاج' نرم خو سمجھیں تو پھر سخت گیری بہتر ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ دل کی خواہش' اور طبیعت کے تقاضے کے خلاف عمل کرنا چاہیے۔ جو شخص دین سے محبت رکھتا ہے اس کی نظر اپنے دل کی ہر کیفیت پر رہتی ہے' اس سلسلے میں وہ اپنے دل کو مفتی سمجھتا ہے' کبھی وہ اپنے اجتہاد میں حق بجانب رہتا ہے کبھی غلطی کرجاتا ہے' کبھی جان بوجھ کر اپنے نفس کی خواہش کا اتباع کر بیٹھتا ہے' اور کبھی اس دھوکے میں اقدام کرتا ہے کہ میں خدا تعالیٰ کے لیے عمل کررہا ہوں' ان دقائق کا بیان تیسری جلد کے باب الغرور میں آئے گا۔

جس فسق کا تعلق بندے اور اللہ کے درمیان کسی گناہ سے ہو اس کا ضرر خاص طور پر عاصی ہی کو پہنچتا ہے' اسی بنیاد پر اس کے ساتھ سلوک میں بھی نرمی روا رکھی گئی ہے' اس کی دلیل یہ روایت ہے کہ ایک شخص کو شراب پینے کے جرم میں کئی مرتبہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پکڑ کرلایا گیا اور آپ نے ہر مرتبہ اس کے لیے سزا تجویز فرمائی' لیکن وہ اپنی اس حرکت سے باز نہیں آیا' کسی صحابی نے اس کی عادت سے پریشان ہو کر یہ کہا "اللہ اس پر لعنت کرے بہت شراب پیتا ہے" آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ الفاظ سنے تو بطور تنبیہہ ارشاد فرمایا:۔

لاتکن عونا للشیطان علی اخیک (بخاری۔ ابوہریرہؓ)

تم اپنے بھائی کے خلاف شیطان کی مدد مت کرو۔

اس ارشاد میں یہ مفہوم پنہاں ہے کہ سختی' اور زجر سے بہتر نرمی اور ملاطفت ہے۔

ہم نشینوں میں مطلوب صفات

جاننا چاہیے کہ ہر شخص اس بات کا اہل نہیں کہ اسے اپنا دوست بنایا جائے' یا اس کی صحبت اختیار کی جائے' سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:۔

المرء علی دین خلیلہ (ترمذی' حاکم۔ ابوہریرہؓ)

آدمی اپنے دوست کے طریقے پر ہوتا ہے۔

اس لیے دوست بنانے سے پہلے اس شخص کا اچھی طرح جائزہ لے لو جسے تم یہ اعزاز دینا چاہتے ہو' دوستی ایک اعزاز ہے' ہر شخص اس اعزاز کا مستحق نہیں ہے' بہتر دوست وہی ہو سکتا ہے جس میں وہ تمام اوصاف بدرجہ اتم موجود ہوں جو دوستی میں مطلوب و مشروط ہیں' یاد رہے کہ شرط اسے کہتے ہیں کہ مقصود تک پہنچنے کے لیے جس کا وجود ضروری ہو' اس سے ثابت ہوا کہ شرائط کا ظہور مقصود کے لحاظ سے ہوتا ہے۔

صحبت سے دینی فوائد بھی مقصود ہوتے ہیں' اور دنیاوی بھی' دنیاوی مقصد میں مال کا حصول' جاہ و منصب سے استفادہ' دیدار دوست' اور ہم نشینی سے لذت کی خوشی وغیرہ۔ کیونکہ یہ حقیر اور عارضی مقاصد ہیں' اس لیے ہم ان کی وضاحت میں اپنا وقت ضائع نہیں کرنا چاہتے۔ ہمارے پیش نظر صرف دینی مقاصد ہیں اور وہی ہماری گفتگو کا موضوع بھی ہیں۔

صحبت اور دوستی کے ذریعہ حاصل ہونے والے دینی مقاصد بہت سے ہیں' مثلاً بعض لوگ کسی کی صحبت اس کے علم یا عمل سے استفادہ کی غرض سے اختیار کرتے ہیں' بعض لوگوں کے پیش نظر اپنے ہم نشین کا منصب اور حکومت میں اس کا اثر و اقتدار ہوتا ہے' اور اس کا مقصد ہرگز یہ نہیں ہوتا کہ اس کے اقتدار' اور اثر و نفوذ کی قوت سے کوئی دنیاوی فائدہ اٹھائے' بلکہ وہ ان لوگوں کی ایذاء سے محفوظ رہنے کے لیے اس شخص سے دوستی کرتا ہے جو اسے پریشان کرتے ہیں' اور اس کی عبادت میں خلل ڈالنے کی کوشش کرتے ہیں' بعض لوگ مالداروں سے دوستی کرتے ہیں تاکہ ان کا پاک و طیب مال غذا کی طلب میں اوقات کی اضاعت' اور فکر و عمل کی ضرورت سے بے نیاز کر دے' اور وہ بے فکری اور فارغ قلبی کے ساتھ عبادت میں لگ سکیں۔ کبھی دوستی اس لیے کی جاتی ہے کہ ان کا دوست حادثوں اور مصیبتوں میں کام آئے' کبھی محض دعا کی برکت حاصل کرنے کے لیے صحبت اختیار کی جاتی ہے' بعض لوگ آخرت کے لیے دوست بناتے ہیں' انھیں یہ امید ہوتی ہے کہ قیامت کے روز ہمارے دوست خدا کی بارگاہ میں ہماری شفاعت کریں گے' کیا عجب ہے کہ ہمارے باب میں ان کی شفاعت قبول کرلی جائے اور ہم بھی ان لوگوں کے ساتھ داخل جنت کردیئے جائیں۔ قرآن کریم کی ایک آیت ہے۔

وَيَسْتَجِيبُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَيَزِيدُهُم مِّن فَضْلِهِ

(پ ۲۵ ر ۴ آیت ۲۶)

اور ان لوگوں کی عبادت قبول کرتا ہے جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کئے اور ان کو اپنے فضل سے زیادہ ثواب دیتا ہے۔

اس آیت کی ایک تفسیر یہ بھی کی گئی ہے کہ قیامت کے روز نیک لوگوں کی شفاعت دوستوں کے حق میں بھی قبول کی جائے گی' اور وہ بھی جنت میں داخل کردیئے جائیں گے۔ کہتے ہیں کہ جب بندہ کی مغفرت ہوجائے گی تو وہ اپنے دوستوں کی سفارش کرے گا۔ اسی لیے بعض علماء نے اللہ کے نیک بندوں کی صحبت اور قربت حاصل کرنے پر بڑا زور دیا ہے اور اختلاط کی ترغیب دی ہے' انھیں یہ پسند نہیں کہ آدمی عزت اور گوشہ نشینی اختیار کرے اور لوگوں سے دور رہ کر زندگی گذارے۔

دوستی کے یہ چند دینی فوائد ہیں' ان میں سے ہر فائدہ کا حصول چند شرائط پر موقوف ہے' کسی شخص کی ہم نشینی اختیار کرنے' اور کسی شخص کو دوست بنانے سے پہلے یہ ضرور دیکھ لیا کرو کہ اس میں حسب ذیل پانچ اوصاف ہیں یا نہیں؟ اول یہ کہ وہ عقلمند اور زیرک ہو' دوم یہ کہ وہ خوش اخلاق اور ملنسار ہو' سوم یہ کہ فاسق نہ ہو' چہارم یہ کہ بدعتی نہ ہو' پنجم یہ کہ دنیا کا حریص' اور مال و دولت کا طامع نہ ہو۔

دوست میں عقل اس لیے مطلوب ہے کہ انسان کا اصل سرمایہ اور راس المال یہی ہے' احمق کی دوستی کسی خیر کا باعث نہیں ہوسکتی' فرقت اور وحشت اس کی انتہا ہے خواہ یہ دوستی دیر تک قائم رہے' حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں:

فلا تصحب اخا الجهل و ایاک و ایاہ
یقاس المرء بالمرء اذا ما المرء ما شاہ
فکم من جاھل اروی حلیما حین اخاہ
وللشئ من الشئ مقائیس و اشباہ
وللقلب علی القلب دلیل حین یلقاہ

ترجمہ : جاہل کی صحبت اختیار مت کرو' اس سے بچو' بہت سے جہلاء نے عقلمندوں سے دوست کی اور انھیں ہلاکت میں مبتلا کردیا' آدمی آدمی پر قیاس کیا جاتا ہے' شئی پر شئی قیاس کی جاتی ہے' دل کو دل سے راہ ہوتی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ تم جس طرح کے لوگوں کی صحبت اختیار کرو گے اسی طرح کی اثرات تم پر مرتب ہوں گے)۔

عام طور پر دیکھا جاتا ہے کہ احمق نفع پہنچانا چاہتا ہے' لیکن اپنی حماقت سے نقصان پہنچادیتا ہے' تمہاری مدد کرنا چاہتا ہے لیکن مدد کے طریقوں سے واقف نہیں ہوتا' اور تمہیں اپنے عمل سے مشکلات میں مبتلا کردیتا ہے۔ شاعر کے اس قطعہ مفہوم یہی ہے۔

انی لامن من علو عاقل واخاف خلا یعتریہ جنون
فالعقل فن واحد و طریقہ ادری فار صد و الجنون فنون

ترجمہ : (میں عقلمند دشمن سے محفوظ رہ سکتا ہوں' لیکن ایسے دوست سے ڈرتا ہوں جو احمق ہو' اس لیے کہ عقل ایک حربہ ہے' میں اس کے طور طریقے سے واقف ہوں' لیکن جنون کے اتنے حربے ہیں کہ ان سے بچنا مشکل ہے)۔

اسی لیے کہتے ہیں کہ احمق سے دور رہنا خداوند قدوس کی قربت حاصل کرنا ہے سفیان ثوریؒ فرماتے ہیں کہ احمق کو دیکھنا بھی ایک قابل گرفت غلطی ہے' عقلمند سے ہماری مراد وہ شخص ہے جو حقائق کا ادراک کرسکتا ہو خواہ خود سمجھ کر یا دوسرے کے سمجھانے سے۔
عقل کے بعد خوش خلقی کی ضرورت ہے' بعض اوقات عقلمند حقائق کا ادراک کرلیتا ہے' لیکن جب اس پر غصہ' شہوت' بخل' اور بزدلی جیسے رزائل حملہ آور ہوتے ہیں تو وہ خواہش نفس کا اتباع کرنے لگتا ہے اور علم کے باوجود صحیح راستہ چھوڑ کر غلط راستے پر چل پڑتا ہے۔ اس لیے کہ وہ اپنی عقل اور فہم کے باوجود اس کی صلاحیت نہیں رکھتا کہ رزائل کے حملے سے اپنا دفاع کرسکے' اور نفس کی خواہشات پر قابو پاسکے۔
فاسق نہ ہونے کی شرط اس لیے ہے کہ اس کی محبت اور دوستی دین کے لیے نقصان دہ ہے' یاد رہے کہ جو شخص اللہ سے ڈرتا ہے وہ گناہوں کے ارتکاب پر اصرار نہیں کرتا' اور جو شخص اللہ سے نہیں ڈرتا اس کے فساد سے محفوظ رہنا بے حد مشکل ہے' ایسے شخص کی دوستی پر اعتماد نہ کرنا چاہیے' جو شخص باری تعالیٰ سے نہ ڈرتا ہو وہ تمہاری دوستی کا کیا لحاظ رکھے گا' وہ تو حرص و ہوس کا بندہ ہے' اغراض کے ساتھ ہی اپنی وفاداریاں تبدیل کرنا اس کی عادت ہے۔ باری تعالیٰ فرماتے ہیں۔

وَلَا تُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَهٗ عَنْ ذِكْرِنَا وَاتَّبَعَ هَوٰهُ (پ ۱۵ ر ۱۶ آیت ۲۸)

اور ایسے شخص کا کہنا نہ مانیے جس کے قلب کو ہم نے اپنی یاد سے غافل کر رکھا ہے' اور وہ اپنی نفسانی خواہشات پر چلتا ہے۔

فَلَا يَصُدَّنَّكَ عَنْهَا مَنْ لَّا يُؤْمِنُ بِهَا وَاتَّبَعَ هَوٰهُ (پ ۱۶ ر ۱۰ آیت ۱۶)

سو تم کو اس سے ایسا شخص باز نہ رکھنے پائے جو اس پر ایمان نہیں رکھتا اور اپنی خواہشوں پر چلتا ہے۔

فَاَعْرِضْ عَنْ مَّنْ تَوَلّٰى عَنْ ذِكْرِنَا وَلَمْ يُرِدْ اِلَّا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا (پ ۲۷ ر ۶ آیت ۲۹)

تو آپ ایسے شخص سے اپنا خیال ہٹالیجئے جو ہماری نصیحت کا خیال نہ کرے اور بجز دنیوی زندگی کے اس کا کوئی مقصود نہ ہو۔

وَاتَّبِعْ سَبِيلَ مَنْ أَنَابَ إِلَيَّ (پ ۲۱ ر ۱۱ آیت ۱۵)

اور اسی کی راہ پر چلنا جو میری طرف ہو۔

ان آیات میں فساق کی صحبت سے زجر کا مفہوم موجود ہے' اور یہ ایک حقیقت بھی ہے کہ فساق اور مبتدعین کی صحبت قلب اور ظاہری اعضاء کے اعمال پر اثر انداز ہوتی ہے' سعید ابن المسیبؒ نے متدین اور صاحب تقویٰ شخص کو دوست بنانے کے سلسلے میں حضرت عمرؓ کا یہ ارشاد نقل کیا ہے کہ "اچھے اور سچے دوست بناؤ' ان کے سائے میں زندگی کے دن گذارو' وہ عیش کے وقت زینت' اور مصیبت کے وقت سراپا مدد ہیں' جب بھی تم اپنے دوست کے متعلق کوئی بری خبر سنو تو اس کی بہتر تاویل کیا کرو' الا یہ کہ تمہیں اس کی برائی کا یقین ہو جائے' اپنے دشمن سے دور رہو' اس دوست سے بھی بچو جو امین نہ ہو' اور امین صرف وہی شخص ہے جو اللہ سے ڈرے بدکار کی صحبت سے گریز کرو ورنہ تم اس کی بدکاری سیکھ جاؤ گے' اسے اپنا رازدار مت بناؤ' مشورہ صرف ان لوگوں سے لو جو اللہ سے ڈرتے ہوں" علقمہ عطاردی نے موت کے وقت اپنے صاحبزادے کو وصیت کی کہ "اے بیٹے! اگر تجھے لوگوں کی صحبت کی ضرورت پیش آئے تو اس شخص کی صحبت اختیار کرنا کہ اگر تو اس کی خدمت کرے تو وہ تیری حفاظت کرے' اور جب تو اس کے پاس بیٹھے تو وہ تجھے اپنی مجلس کی زینت بنائے' اگر تجھے کوئی دشواری پیش آئے تو وہ تیرا ساتھ دے' اس شخص کی صحبت اختیار کر کہ اگر تو خیر کے لیے اپنا ہاتھ پھیلانا چاہے تو وہ پھیلانے دے' اگر تیرے پاس کوئی خوبی ہو تو وہ اس کا ذکر کرے' کوئی برائی دیکھے تو اسے دور کردے' جب تو اس سے کچھ مانگے تو وہ دینے میں بخل نہ کرے' اگر تو خاموش رہے تو وہ از خود بات کی ابتدا کرے' تجھ پر کوئی مصیبت پڑے تو تیری غمخواری کرے' جب تو کوئی بات کہے تو تیری تصدیق کرے' جب تو کسی کام کا ارادہ کرے تو تجھے بہترین مشورہ دے' اگر دونوں میں اختلاف رائے ہو جائے تو اپنی رائے پر تیری رائے کو ترجیح دے۔" یہ ایک بہترین وصیت ہے' اس میں علقمہ عطاردی نے وہ تمام اوصاف جمع کردیے ہیں جن کا وجود مثالی دوستی کے لیے مشروط ہے۔ یحییٰ ابن اکثم کہتے ہیں کہ خلیفۂ وقت ہارون رشید نے جب یہ وصیت سنی تو لوگوں سے کہا کہ ایسا شخص کہاں مل سکتا ہے جس میں یہ تمام اوصاف موجود ہوں' کسی نے عرض کیا کہ کیا آپ جانتے ہیں علقمہؒ نے یہ وصیت کیوں کی تھی' خلیفہ نے کہا نہیں' اس شخص نے کہا کہ علقمہ کا مقصد یہ تھا کہ ان کا بیٹا کسی کی صحبت اختیار نہ کرے' اسی لیے انھوں نے اتنی شرائط لگائیں۔ ایک ماہر آداب کا قول ہے کہ "صرف اس شخص سے دوستی کرو جو تمہارا راز چھپائے' تمہارے عیوب کی پردہ پوشی کرے' مصیبت میں تمہارا ساتھ دے' عیش و آرام میں تمہیں ترجیح دے' تمہاری خوبیوں کا ذکر کرے' تمہاری برائیوں سے اپنی زبان آلودہ نہ کرے' اگر ایسا شخص نہ ملے تو اپنی ہی صحبت اختیار کرو' اسی میں عافیت ہے۔" حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے یہ دو شعر بھی اسی مضمون کی تائید کرتے ہیں۔

ان اخاک الحق من کان معک ومن یضر نفسه لینفعک
ومن اذا ریب زمان صدعک شتت فیه شمله لیجمعک

ترجمہ: (تیرا سچا دوست وہ ہے جو تیرے ساتھ ہو' تیرے نفع کی خاطر اپنا نقصان کرے' اگر تجھے زمانہ کی مصیبتیں آگھیریں تو تیرا شیرازہ مجتمع کرنے کے لیے اپنا شیرازہ بکھیر دے' یعنی تیرے راحت و آرام کے لیے اپنا راحت و آرام قربان کردے)۔

بعض علماء کہتے ہیں کہ صرف دو آدمیوں کی صحبت اختیار کرنی چاہیے' ایک وہ کہ تم اس سے دین کی باتیں سیکھو' اور تمہیں نفع دیں' اور دوسرا وہ شخص کہ تم اسے کچھ دین کی باتیں بتلاؤ اور وہ ان پر عمل کرے' تیسرے شخص سے دور رہو' ایک دانشور کہتے ہیں کہ آدمی چار طرح کے ہیں' ایک شیریں تر ہے کہ اس سے دل نہیں بھرتا' دوسرا اتنا کڑوا ہے کہ ذرا سا کھانا بھی مشکل معلوم ہوتا ہے' تیسرا کھٹا میٹھا ہے' اس سے پہلے کہ وہ تم سے کچھ حاصل کرے تم اس سے لے لو' چوتھا نمکین ہے' اس کی قربت ضرورت کے

وقت اختیار کرنی چاہیے۔ امام جعفر صادقؒ کہتے ہیں کہ پانچ آدمیوں کی صحبت اختیار مت کرو۔ ایک اس شخص کی جو جھوٹ بولتا ہو' تم جھوٹ کے فریب میں مت آنا' وہ سراب کی مانند ہے' اور دھوکا اس کی فطرت ہے' دوسرے احمق کی' تم اس سے کوئی فائدہ نہیں اٹھا سکتے' وہ تمہیں نفع پہنچانا چاہے گا اور حماقت سے نقصان پہنچادے گا تیسرے بخیل کی' جب تمہیں اس کی سخت ضرورت ہوگی وہ تم سے قطع تعلق کرلے گا۔ چوتھے بزدل کی' یہ تمہیں دشمنوں کے نرغے میں دیکھ کر بھاگ جائے گا' اور تمہاری مدد نہ کرنے میں اپنی عافیت سمجھے گا۔ پانچویں فاسق کی' یہ شخص تمہیں ایک لقمہ تر بلکہ لقمہ سے کم کے عوض میں فروخت کرنے سے بھی گریز نہیں کرے گا' لوگوں نے عرض کیا کہ ایک لقمے سے کم کیا چیز ہوسکتی ہے؟ فرمایا: لقمے کی حرص کرنا' اور پھر اس کا نہ ملنا۔ جنیدؒ فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک خوش اخلاق فاسق سے بدترین اخلاق قاری ہے۔ ابن ابی الحواری کہتے ہیں کہ مجھ سے میرے استاذ ابو سلیمانؒ نے فرمایا: اے احمد! دو کے علاوہ کسی سے دوستی مت کرنا' ایک اس شخص سے جس سے تم اپنے دنیاوی معاملات میں فائدہ اٹھاؤ' دوسرے اس شخص سے جس کے پاس بیٹھ کر تم اپنی آخرت سدھارو' ان کے علاوہ کسی شخص سے دوستی کرنا سراسر حماقت ہے۔ سہیل تستریؒ فرماتے ہیں کہ تین طرح کے لوگوں کی صحبت سے اجتناب کرنا چاہیے۔ غافل جابروں سے' مُداہن علماء سے' اور جاہل صوفیاء سے۔

جاننا چاہیے کہ ان میں سے بیشتر اقوال میں صحبت اور دوستی کے تمام مقاصد کا احاطہ نہیں کیا گیا ہے۔ مقاصد غیر محدود اور مختلف نوعیت کے ہیں' جس طرح کے مقاصد ہوتے ہیں اسی طرح کی شرائط کا لحاظ کرنا پڑتا ہے۔ چنانچہ دنیوی مقاصد کے لیے جو شرائط ہیں وہ اخروی مقاصد کی شرائط سے مختلف ہیں بشرؒ فرماتے ہیں کہ بھائی تین طرح کے ہیں' ایک آخرت کے لیے' دوسرا دنیا کے لیے' تیسرا دل بہلانے کے لیے۔ یہ سب باتیں ایک شخص میں مشکل ہی سے جمع ہوتی ہیں' مامون نے بھی انسان کی تین قسمیں بیان کی ہیں ایک وہ جو غذا کی طرح ہے کہ اس کے بغیر زندہ رہنا مشکل ہے' دوسرا وہ جو دوا کی طرح ہے کہ ضرورت کے وقت اسے اختیار کیا جاتا ہے' تیسرا وہ جو مرض کی طرح ہے کہ کوئی شخص بھی اس کی معیت پسند نہیں کرتا' لیکن کبھی کبھی بندہ کو بطور آزمائش اس میں مبتلا کردیا جاتا ہے۔ یہ وہ شخص ہے جس سے نہ انسیت ہوتی ہے اور نہ کسی قسم کے نفع کی توقع کی جاسکتی ہے۔ بعض اہل علم نے لوگوں کو مختلف قسم کے درختوں سے تشبیہ دی ہے کہ ان میں بعض سایہ دار ہوتے ہیں' پھل دار نہیں ہوتے' یہ وہ لوگ ہیں جن سے دنیا میں فائدہ ہو آخرت میں نہ ہو' اس لیے کہ دنیا کا نفع بھی ڈھلتی چھاؤں کی طرح ناپائدار' اور سریع الزوال ہے' بعض وہ درخت ہیں جو پھل رکھتے ہیں لیکن سایہ نہیں رکھتے' یہ وہ لوگ ہیں جو آخرت کا نفع تو پہنچا سکتے ہیں' لیکن ان سے دنیا کا کوئی فائدہ نہیں اٹھایا جاسکتا۔ بعض درخت سایہ دار بھی ہوتے ہیں' اور پھل دار بھی' یہ وہ لوگ ہیں جن سے دنیاوی مقاصد بھی پورے ہوتے ہیں اور اخروی بھی۔ بعض درخت برگ و بار دونوں سے محروم ہوتے ہیں۔ جیسے ببول کا درخت' کہ اس کے کانٹوں سے کپڑے پھٹوائے جاسکتے ہیں' کوئی فائدہ نہیں اٹھایا جاسکتا یہ وہ لوگ ہیں کہ جن سے نہ نفع دین ہو' نہ نفع دنیا' بلکہ ایذا پہنچنے کا اندیشہ ہو' حیوانات میں ان کی مثال سانپ اور بچھو ہیں۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:۔

يَدْعُوا لَمَنْ ضَرُّهُ أَقْرَبُ مِنْ نَفْعِهِ لَبِئْسَ الْمَوْلَىٰ وَلَبِئْسَ الْعَشِيرُ (پ ۱۷ ر ۹ آیت ۱۳)

وہ ایسے کی عبادت کررہا ہے کہ اس کا ضرر بنسبت اس کے نفع کے زیادہ قریب ہے' ایسا کارساز بھی برا اور ایسا رفیق بھی برا۔

ایک شاعر کے یہ دو شعر اسی اختلاف اور فرق کے آئینہ دار ہیں۔

الناس شتی اذا ما انت ذقتهم لا يستوون كما لا يستوى الشجر
هذا له ثمر حلو مذاقته وذاك ليس لطعم ولا ثمر

ترجمہ: (لوگوں کے ذائقے (مزاجی کیفیات) مختلف ہیں' اگر تم انھیں چکھو (پرکھو) جس طرح تمام درخت برابر

نہیں ہوتے اسی طرح یہ بھی ایک جیسے نہیں ہوتے' ایک درخت کے پھل خوش ذائقہ ہیں' اور دوسرا پھل ہی سے محروم ہے)۔

اگر مذکورہ بالا اوصاف کے حامل رفقاء اور احباب میسر نہ آسکیں تو تنہائی بہتر ہے حضرت ابوذرؓ فرماتے ہیں کہ برے ہم نشین سے تنہائی بہتر ہے' اور تنہائی سے نیک ہم نشین اچھا ہے' ابوذر کا یہ ارشاد مرفوع روایت کے طور پر بھی نقل کیا گیا ہے حضرت علی کرم اللہ وجہہ ارشاد فرماتے ہیں کہ جن لوگوں سے مخلوق حیا کرے ان کے پاس بیٹھ کر اطاعت کو زندگی بخشو' امام احمد ابن حنبلؒ کہتے ہیں کہ میں ایسے ہی لوگوں کی صحبت سے پریشانی میں مبتلا ہوا ہوں جن سے میں حیا نہیں کرتا۔ حضرت لقمان نے اپنے صاحبزادے کو نصیحت کی کہ اے بیٹے علماء کے پاس ان کے زانو سے اپنے زانو ملا کر بیٹھا کرو' حکمت و دانش کی باتوں سے قلوب اسی طرح زندہ ہوتے ہیں جس طرح بنجر زمین بارش کے پانی سے سیراب ہو کر قابل کاشت بن جاتی ہے۔

دوسرا باب

اخوت اور صحبت کے حقوق

جاننا چاہیے کہ عقد اخوت دو شخصوں کے درمیان ایک رابطہ ہے' جس طرح نکاح میاں بیوی کے درمیان ایک رابطے کا نام ہے۔ اور جس طرح عقد نکاح کے چند حقوق ہیں جن کی ادائیگی ضروری ہے اسی طرح عقد اخوت کے بھی چند حقوق ہیں' اور ان کی بجا آوری بھی ضروری ہے۔ تمہارے بھائی کا تمہارے مال میں بھی حق ہے' نفس' زبان' اور دل میں بھی۔ وہ تمہارے عفو درگذر' دعا' اخلاص' وفا' ترک تکلف اور ترک تکلیف کا بھی مستحق ہے۔ یہ کل آٹھ حقوق ہیں۔

پہلا حق مال میں:۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:۔

مثل الاخوین مثل الیدین تغسل احداھما الاخری[1]

دو بھائی دو ہاتھوں کی طرح ہیں کہ ان میں سے ایک دوسرے کو دھوتا ہے۔

آپ نے دو ہاتھوں سے تشبیہ دی' ایک ہاتھ اور ایک پاؤں سے تشبیہ نہیں دی' اس لیے کہ دونوں ہاتھ ایک ہی مقصد پر ایک دوسرے کی مدد کرتے ہیں' یہی حال دو بھائیوں کا ہے' ان کی اخوت اسی وقت مکمل ہوتی ہے جب دونوں ایک مقصد میں ایک دوسرے کی رفاقت کریں گویا ان دونوں کا وجود ایک ہے اور یہ صورت حال اس بات کی متقضی ہے کہ دونوں بھائی نفع و نقصان میں ایک دوسرے کے شریک ہوں' دونوں کا حال اور مال ایک ہو' اور کسی قسم کی کوئی خصوصیت دونوں میں باقی نہ رہے۔

مالی سلوک کے تین مراتب:۔ دوستوں کے ساتھ مالی سلوک کے تین مراتب ہیں' ادنیٰ مرتبہ یہ ہے کہ دوست کو غلام یا خادم سمجھو' اور جو مال تمہاری ضرورت سے زائد رہے اس سے اس کی مدد کرو' جب بھی اسے ضرورت پیش آئے' اور تمہارے پاس پس انداز کیا ہوا مال موجود ہو تو اسے مانگنے بغیر دو' اگر اسے مانگنے کی ضرورت پیش آئی تو یہ اخوت کے حق میں انتہائی کوتاہی کے مرادف ہے۔ درمیانی مرتبہ یہ ہے کہ تم اسے اپنے جیسا سمجھو' اپنے مال میں اس کو شریک کرو' اس طرح کہ اس کے لیے مال کا نصف حصہ مخصوص کردو' حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ ایک بزرگ کا یہی معمول تھا' اگر ان کے پاس ایک کپڑا آتا تو وہ اس کے دو حصے کرلیتے' ایک اپنے لیے' اور دوسرا اپنے دوست کے لیے۔ اعلیٰ مرتبہ یہ ہے کہ اسے اپنی ذات پر ترجیح دو' اس کی ضرورت کو مقدم سمجھو' یہ صدیقین کا درجہ ہے' روایت ہے کہ کسی شخص نے خلیفہ وقت کے سامنے بعض صوفیاء کی چغلی کھائی' خلیفہ نے ان حضرات کے قتل کا حکم دے دیا' ان میں ابوالحسین نوری بھی تھے جب سب لوگ مقتل میں پہنچے' اور جلاد نے تلوار اٹھائی تو ابوالحسین آگے آگئے' اور جلاد سے مطالبہ کیا کہ پہلے مجھے قتل کر' بعد میں دوسروں کو قتل کرنا' خلیفہ کو اطلاع دی گئی' دوبارہ طلب کیے گئے' پوچھنے پر انہوں نے بتلایا کہ میں اپنے بھائیوں کی زندگی اپنی زندگی پر مقدم کرنا چاہتا ہوں۔ اس ایثار کا یہ صلہ ملا کہ تمام لوگ رہا کردیے گئے۔

---

(1) یہ روایت پہلے باب میں گذر چکی ہے

یہ تین مراتب ہیں' اگر تمہیں ان میں سے کوئی مرتبہ میسر نہیں ہے تو یہ سمجھو کہ اپنے بھائی کے ساتھ تمہارا عقد اخوت ہنوز نا مکمل ہے۔ بلکہ تم دونوں میں اگر کوئی اختلاط ہے تو وہ محض رسمی ہے' معاشرے میں شاید اس کی کچھ اہمیت ہو' لیکن عقل اور دین کی نظر میں اس اختلاط کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ میمون ابن مہران کہتے ہیں کہ جو شخص اچھی چیزوں میں اپنے دوستوں سے بخل کرے اسے چاہیے کہ وہ زندہ لوگوں سے دوستی ترک کر کے قبرستان چلا جائے' اور وہاں کے مکینوں سے رشتۂ اخوت قائم کرے' انھیں کچھ لینا دینا نہیں پڑے گا۔ مالی سلوک کا ادنیٰ درجہ عام لوگوں کے حق میں اہم ہو سکتا ہے' دینداروں کو تو یہ درجہ بھی پسند نہیں' وہ لوگ صرف اعلیٰ درجہ پسند کرتے ہیں۔ عتبہ غلام کا واقعہ ہے کہ وہ اپنے کسی دوست کے گھر گئے' اور اس سے چار ہزار درہم مانگے۔ دوست نے کہا کہ میں دو ہزار درہم دے سکتا ہوں۔ عتبہ غلام نے یہ جواب سنا تو بے حد برہم ہوئے اور فرمایا کہ تمہیں اخوت کا دعوی کرتے ہوئے شرم نہیں آئی' تم مجھ پر دنیا کو ترجیح دیتے ہو' اور مال میں بخل کرتے ہو۔ یہی وجہ ہے کہ ابو حازم نے ان دوستوں سے دنیاوی معاملات کرنے کی اجازت نہیں دی جو دوستی کا ادنیٰ مرتبہ رکھتے ہیں۔

دوستی اور اخوت کا اعلیٰ ترین مرتبہ وہ ہے جس کے حاملین کی قرآن پاک میں تعریف کی گئی۔

وَأَمْرُهُمْ شُورَىٰ بَيْنَهُمْ وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنفِقُونَ (پ ۲۵ ر ۵ آیت ۳۸)

اور ان کا ہر کام آپس کے مشورے سے ہوتا ہے اور ہم نے جو کچھ ان کو دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔

یعنی ان کے مال و اسباب مخلوط تھے' کوئی شخص اپنا مال دوسرے کے مال سے علیحدہ کرنا پسند نہ کرتا تھا۔ ان میں بعض لوگ وہ تھے کہ اگر کوئی شخص یہ کہہ دیتا کہ یہ میرا جوتا ہے تو وہ اس کی صحبت ترک کر دیتے' اور یہ کہتے کہ تو نے جوتے کی نسبت اپنی طرف کیوں کی ہے۔ فتح موصلیؒ کا قصہ ہے کہ وہ اپنے دوست کے گھر گئے صاحب خانہ موجود نہیں تھے' فتح نے ان کی بیگم سے کہا کہ وہ ان کے دوست کا صندوق باہر بھیج دیں اہلیہ نے لونڈی کے ذریعہ اپنے شوہر کا صندوق باہر بھیج دیا' آپ نے اپنی ضرورت کی چیزیں نکالیں اور واپس چلے گئے' جب صاحب خانہ گھر آئے تو باندی نے اطلاع دی' وہ یہ سن کر بے حد خوش ہوئے' اور اس اطلاع کا انعام باندی کو یہ دیا کہ اسے آزاد کر دیا۔ ایک شخص نے حضرت ابو ہریرہؓ سے عرض کیا کہ میں آپ سے اخوت فی اللہ کرنا چاہتا ہوں؟ فرمایا: کیا تم اخوت فی اللہ کے حقوق سے واقف بھی ہو؟ اس نے کہا کہ ابھی تک تو واقف نہیں' تاہم آپ مجھے بتلا دیں میں وہ حقوق ادا کروں گا۔ ابو ہریرہؓ نے جواب دیا کہ پہلا حق تو یہی ہے کہ تمہارے درہم و دینار میں میرا حق تم سے کم نہ ہوگا۔ اس نے کہا کہ یہ حق مجھے منظور نہیں ہے' میں اخوت کے اس درجے تک نہیں پہنچا۔ فرمایا کہ اگر ایسا ہے تو میرے پاس سے جاؤ' مجھے تمہاری اخوت منظور نہیں ہے۔ حضرت علی ابن الحسین نے ایک شخص سے دریافت کیا کہ تم اپنے بھائی کی جیب' یا تھیلے سے ہاتھ ڈال کر کچھ نکال لیتے ہو یا نہیں؟ اس نے جواب دیا: نہیں! فرمایا: اگر ایسا ہے تو تم دونوں میں ابھی حقیقی مواخات قائم نہیں ہوئی۔ کچھ لوگ حضرت حسن بصریؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے' اور نماز کے متعلق دریافت کیا' آپ نے فرمایا میں تو نماز سے فارغ ہو چکا ہوں' آنے والوں سے عرض کیا کہ بازار والوں نے تو ابھی تک پڑھی نہیں ہے' فرمایا: بھائی! بازار والوں کی حرص کون کرے' ان کے متعلق تو میں نے یہ بھی سنا ہے کہ وہ اپنے بھائیوں کو ایک درہم بھی نہیں دیتے۔ ایک شخص ابراہیم ابن ادہم کے پاس آیا' آپ اس وقت بیت المقدس کے سفر کے لیے پابہ رکاب تھے' اس نے عرض کیا کہ میں اس سفر میں آپ کی رفاقت کا خواہشمند ہوں فرمایا: مجھے تمہاری رفاقت ایک شرط پر منظور ہے' اور وہ یہ کہ تمہارے مال پر میرا حق تم سے زیادہ ہوگا۔ اس شخص نے کہا کہ مجھے یہ شرط منظور نہیں ہے' ابراہیم ابن ادہم نے فرمایا کہ مجھے تمہاری یہ صاف گوئی پسند آئی۔ راوی کہتا ہے کہ جب کوئی شخص ابراہیم ابن ادہم کی رفاقت اختیار کرتا تو وہ ان کی مرضی کے خلاف کوئی اقدام ہرگز نہ کرتا۔ آپ اسی شخص کو اپنا رفیق سفر منتخب کرتے جو آپ کے مزاج کی رعایت کرتا۔ ایک مرتبہ آپ سفر میں تھے' ایک شراک ساز آپ کے ساتھ شریک سفر تھا' راستے میں کسی جگہ ایک شخص نے ثرید کا پیالہ ہدیہ میں بھیجا' آپ نے اپنے رفیق سفر کے تھیلے سے اچھی خاصی مقدار میں شراک نکالے اور ثرید والے کو بھیج دیے' رفیق سفر

واپس آیا تو اس نے دیکھا کہ کافی تعداد میں شراک غائب ہیں۔ حضرت ابراہیم ابن ادہم سے دریافت کیا کہ تھیلے میں شراک تھے کیا ہوئے؟ فرمایا: ثرید کے بدلے میں چلے گئے' اس نے عرض کیا کہ اتنے شراک دینے کی کیا ضرورت تھی دو تین دے دیتے' فرمایا: چھوڑو' تمہارے ساتھ بھی ایسا ہی سلوک کیا جائے گا۔ ایک مرتبہ آپ نے اپنے رفیق کی سواری کا گدھا اس کی اجازت کے بغیر ایک شخص کو دے دیا تھا جو پیادہ پا مصروف سفر تھا' جب رفیق واپس آیا' اور اس نے اپنا گدھا غائب دیکھا تو سمجھ گیا کہ اس کا کیا حشر ہوا ہے کیونکہ وہ ابن ادہم کے ساتھ رفاقت کے معنیٰ سمجھتا تھا اس لیے چپ رہا۔ حضرت عبداللہ ابن عمرؓ نے مثالی اسلامی اخوت کا ایک واقعہ نقل کیا ہے۔ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ کسی صحابی کے پاس بکری کے سری پائے ہدیے میں آئے' انہوں نے یہ سری پائے اپنے ایک دوست کے پاس بھیج دیئے یہ سوچ کر کہ وہ اس کے زیادہ ضرورت مند ہیں' دوسرے نے بھی یہی سوچا' اور اپنا ہدیہ آگے بڑھا دیا' تیسرے نے بھی اپنے کسی دوست کو زیادہ مستحق سمجھا' یہ سلسلہ دراز ہوا' آخر میں انہی صحابی کے پاس پہنچ گیا جن سے اس ایثار کی ابتدا ہوئی تھی۔ روایت ہے کہ حضرت مسروقؒ کے ذمے زبردست قرض تھا' ان کے دوست خیثمہ کو جب یہ اطلاع ہوئی تو انہوں نے مسروق کو بتلائے بغیر ان کا قرض چکا دیا' خود خیثمہ بھی مقروض تھے' مسروقؒ اس سے پہلے ان کا قرض ادا کرچکے تھے' اور قرض کی زیر بار ان ہی کے قرض کی ادائیگی کے سلسلے میں ہوئے بھی تھے۔ روایت میں ہے کہ جب سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبدالرحمٰن ابن عوف اور سعد ابن ربیعؓ کے درمیان رشتۂ اخوت قائم فرمایا تو عبدالرحمٰن ابن عوفؓ نے سعد ابن ربیع کو اپنے نفس اور مال کا مکمل اختیار دیا' سعدؓ نے یہ کہہ کر کہ "اللہ تعالیٰ تمہیں ان دونوں میں برکت عطا فرمائے" ان کا مال قبول کرلیا' اور بعد میں انہیں اسی طرح پیش کرکے واپس کردیا۔ (۱) اس واقعہ میں عبدالرحمٰن ابن عوف کا فعل ایثار ہے' اور سعد ابن ربیع کا فعل مساوات ہے۔ ایثار یقیناً مساوات سے افضل ہے۔ حضرت سلیمان دارانی فرماتے ہیں کہ بالفرض ساری دنیا میری ہو' اور میں اس کا لقمہ بنا کر اپنے کسی دوست کے منہ میں رکھ دوں تو میں دوست کے حق میں اسے بھی حقیر تصور کروں۔ ایک مرتبہ فرمایا کہ جب میں کسی دوست کو کچھ کھلاتا ہوں تو اس کا ذائقہ اپنے منہ میں محسوس کرتا ہوں۔

کیونکہ دوستوں پر خرچ کرنا فقراء پر صدقہ کرنے سے افضل ہے اس لیے حضرت علی کرم اللہ وجہہ ارشاد فرماتے ہیں کہ میں اپنے کسی اخ فی اللہ کو بیس درہم دوں یہ میرے نزدیک فقراء کو سو درہم دینے سے زیادہ بہتر ہے' ایک مرتبہ فرمایا کہ میں ایک صاع کھانا بنا کر کچھ دوستوں کی دعوت کروں' یہ عمل میرے نزدیک ایک غلام آزاد کرنے سے بہتر ہے۔

ایثار کے سلسلے میں ان تمام اکابر نے مقتدر رائے کل جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتدا کی ہے روایت ہے کہ آپ کسی شخص کے ساتھ جنگل تشریف لے گئے' اور وہاں سے دو مسواکیں چنیں' ان میں ایک سیدھی' اور دوسری ٹیڑھی تھی' آپ نے سیدھی مسواک صحابی کو عطا فرمادی' انہوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! اس مسواک پر آپ کا حق زیادہ ہے' فرمایا کہ جو شخص کسی کے ساتھ رہتا ہے خواہ وہ چند لمحوں ہی کے لیے کیوں نہ رہے اس سے اس صحبت کے متعلق بازپُرس کی جائے گی کہ اس میں باری تعالیٰ کا حق ادا کیا تھا یا نہیں۔ (۲) اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ رفقاء کے ساتھ ایثار کرنے سے باری تعالیٰ کا حق ادا ہوتا ہے۔ ایک مرتبہ آپ غسل کے لیے کنویں پر تشریف لے گئے' حضرت حذیفہ ابن یمانؓ نے ایک چادر لے کر آپ کے ستر مبارک کی آڑ کی' آپ نے غسل فرمایا' فراغت کے بعد حضرت حذیفہ غسل کے لیے بیٹھے' آپ نے چادر اٹھائی اور پردہ کرکے کھڑے ہوگئے' حذیفہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ پر میرے ماں باپ قربان ہوں آپ ایسا نہ کریں' مگر آپ نہ مانے اور چادر لیے کھڑے رہے یہاں تک کہ حذیفہ غسل سے فارغ ہوگئے۔ (۳) ایک حدیث میں ہے:۔

ما اصطحب اثنان قط الا کان احبهما الی اللّٰہ اشدهما حبا لصاحبه (۴)

---

(۱) بخاری۔ انسؓ صحیح یہ ہے کہ مواخاۃ کے بعد سعد ابن ابی ربیع نے اپنی ایک بیوی اور نصف مال عبدالرحمٰن ابن عوف کو پیش کیا تھا جس پر عبدالرحمٰن نے یہ الفاظ کہے تھے "بارک اللّٰہ فی اهلک و مالک"۔ (۲) یہ روایت ابو نعیم نے کتاب الصحبۃ والاخاء میں بروایت عمر فاروق اور ابن جریر طبری نے اپنی تفسیر میں نقل کی ہے۔ (۳) ابن ابی عاصم بروایت ابو حذیفہ۔ (۴) یہ حدیث اس کتاب کے پہلے باب میں گذر چکی ہے۔

جب دو آدمی ایک دوسرے کی معیت اختیار کرتے ہیں تو ان میں اللہ کے نزدیک محبوب تر وہ ہوتا ہے جو اپنے دوست سے زیادہ محبت رکھتا ہو۔

روایت ہے کہ مالک ابن دینار' اور محمد ابن الواسع حضرت حسن بصریؒ کے گھر گئے' حسن اس وقت گھر پر موجود نہیں تھے' محمد ابن الواسع نے حسن کی چارپائی کے نیچے سے کھانے کے برتن نکالے' اور کھانا شروع کردیا' مالک ابن دینار نے ان سے کہا کہ ایسا نہ کرو' صاحب خانہ آجائیں تو ان کی اجازت سے کھالینا۔ مگر محمد ابن الواسع نہیں مانے' اور برابر کھانے میں مشغول رہے۔ تھوڑی دیر بعد حسن تشریف لے آئے' جب انھیں صورت حال کا علم ہوا تو مالک ابن دینار سے فرمایا کہ پہلے ہم لوگوں میں اسی طرح کی بے تکلفی تھی' یہاں تک کہ تم اور تمہارے ہم عصر پیدا ہوئے۔ حسن بصریؒ کا منشایہ تھا کہ دوستوں کے گھروں میں بے تکلفی برتنا صفائے قلب کی علامت ہے۔ اور کیسے نہ ہو کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:۔

أَوْ مَا مَلَكْتُم مَّفَاتِحَهُ أَوْ صَدِيقِكُمْ (پ ۱۸ ر ۱۴ آیت ۶۱)

اور ان گھروں سے جن کی کنجیاں تمہارے اختیار میں ہیں' یا اپنے دوستوں کے گھروں سے۔

سلف میں یہ دستور تھا کہ ایک شخص اپنے گھر کی کنجیاں اپنے بھائی کے حوالے کردیا کرتا تھا' اور اسے تصرف و عمل کا مکمل اختیار دے دیتا تھا۔ لیکن وہ بھائی تقویٰ کی بناء پر بلا اجازت کھانے پینے سے اجتناب کرتا' یہاں تک کہ مذکورہ بالا آیت نازل ہوئی' اور دوستوں کے کھانے میں توسع اختیار کرنے کی اجازت دی گئی

دوسرا حق۔ نفس میں:۔ دوست کا دوسرا حق یہ ہے کہ اپنے نفس سے اس کی اعانت کرے نفس سے اعانت کا مطلب یہ ہے کہ سوال سے پہلے ہی اس کی ضرورتیں پوری کردے' اپنی ضرورت پر اس کی ضرورت کو فوقیت دے' جس طرح مالی امداد کے کئی درجے تھے اسی طرح نفسی امداد کے بھی کئی درجے ہیں۔ ان میں سے ادنیٰ یہ ہے کہ سوال کرنے پر اس کی ضرورت پوری کرے' مگر خندہ پیشانی' فرحت و انبساط اور منت سپاسی کے جذبات کے ساتھ بعض اکابر فرماتے ہیں کہ اگر تم اپنے کسی دوست سے کوئی مقصد پورا کرانا چاہو اور وہ پورا نہ کرے تو اسے یاد دلادو' اس خیال سے کہ شاید وہ بھول گیا ہو' یاد دلانے کے باوجود بھی وہ تمہارے مقصد کی طرف توجہ نہ دے تو اس پر اللہ اکبر کہہ کر یہ آیت پڑھو:۔

وَالْمَوْتَىٰ يَبْعَثُهُمُ اللَّهُ (پ ۷ ر ۱۰ آیت ۳۶)

ترجمہ۔ اور مردوں کو اللہ تعالیٰ زندہ کرکے اٹھائیں گے۔

مطلب یہ ہے کہ تم اسے مردہ تصور کرو' ابن شبرمہؒ نے اپنے کسی دوست کی ایک اہم ضرورت میں مدد کی' وہ شخص ہدایا لے کر آیا' ابن شبرمہؒ نے دریافت کیا کہ یہ کیا لائے ہو؟ اس شخص نے عرض کیا کہ آپ نے مجھ پر احسان کیا ہے' شکریے کے طور پر یہ حقیر تحفے لے کر حاضر ہوا ہوں۔ فرمایا انھیں واپس لے جاؤ' اور یاد رکھو کہ جب تم کسی دوست سے کوئی درخواست کرو اور وہ اس کی تکمیل میں اپنی تمام تر قوت صرف نہ کرے تو وضو کرکے اس پر نماز جنازہ پڑھو' اور اسے مردہ سمجھو' جعفر ابن محمد کہتے ہیں کہ میں اپنے دشمنوں کے مقصد کی تکمیل میں بڑی عجلت کرتا ہوں' اس خوف سے کہ کہیں میرے تغافل سے وہ بے نیاز نہ ہوجائیں' جب دشمنوں کے سلسلے میں ان کا یہ عمل تھا تو دوستوں کی حاجت روائی کے لیے وہ کیا کچھ نہ کرتے ہوں گے۔ بعض اللہ کے نیک بندے ایسے بھی تھے کہ اگر ان کا کوئی دوست وفات پاجاتا تو وہ برسہا برس تک اس کے اہل و عیال کی خبر گیری کرتے' روزانہ ان کے پاس جاتے' ان کی ضرورتیں معلوم کرتے' اور ان کے راحت و آرام کے لیے اپنا مال خرچ کرتے۔ متوفی دوست کے بچے صرف باپ کو آنکھوں سے نہ دیکھتے باقی تمام چیزیں انھیں ملتیں' راحت و آرام بھی' رعایت و عنایت بھی' شفقت و محبت بھی' ایک بزرگ نے اپنا یہ معمول بنا رکھا تھا کہ وہ ہر روز اپنے بھائی کے دروازے پر جاتے' اور گھر والوں سے دریافت کرتے کہ گھر میں تیل ہے یا نہیں؟ نمک ہے یا نہیں؟ اگر کسی چیز کی ضرورت ہوتی تو صاحبِ خانہ کی اطلاع کے بغیر ہی وہ چیز مہیا کردیتے۔ یہی محبت و اخوت کا اصل

معیار ہے یہی دوستی کی روح ہے اگر آدمی دوست کو اتنا عزیز نہ رکھے جتنا وہ اپنی ذات کو رکھتا ہے تو اس میں کوئی خیر نہیں ہے' میمون ابن مہران کہتے ہیں کہ جس شخص کی دوستی سے تمہیں فائدہ نہ ہو اس کی دشمنی بھی تمہارے لیے نقصان دہ نہیں ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:۔

ان للّٰہ اوانی فی ارضہ وھی القلوب فاحب الاوانی الی اللّٰہ اصفاھا و اصلبھا وارقھا (۱)

زمین میں اللہ تعالیٰ کے کچھ برتن ہیں اور وہ دل ہیں ان برتنوں (دلوں) میں اللہ کے نزدیک محبوب تر وہ ہیں جو زیادہ صاف زیادہ سخت اور زیادہ نرم ہوں۔

مطلب یہ ہے کہ وہ دل گناہوں سے زیادہ صاف ہوں' دین میں زیادہ سخت ہوں اور بھائیوں کے معاملے میں زیادہ نرم ہوں۔ بہرحال جب تم کسی شخص کو اپنا دوست بناؤ تو اس کی ضرورتوں کی اپنی ضرورتوں کی طرح سمجھو' بلکہ اس کی ضرورتوں کو اپنی ضرورتوں پر مقدم کرو۔ اور ان اوقات کی جستجو کرتے رہو جن میں وہ تمہاری ضرورت محسوس کرے۔ اس کے حالات سے غفلت نہ کرو' بلکہ اس کا خیال اسی طرح رکھو جس طرح تم اپنی ذات کا خیال رکھتے ہو' اسے سوال' اور اظہار سے بے نیاز کردو' اور اس کی مدد اس طرح کرو کہ اسے یہ علم بھی نہ ہو کہ تم نے اس کی مدد کی ہے' اگر تم نے اپنے دوست کا کوئی حق ادا کیا تو اسے اپنا احسان مت جانو' بلکہ دوست کا شکریہ ادا کرو کہ اس نے تمہیں ادائیگی حق کا موقع دیا' اور تمہاری سعی منظور کی۔ صرف ضرورتوں کی تکمیل ہی پر اکتفا نہ کرو' بلکہ اس کا زیادہ سے زیادہ اکرام کرو' کوشش کرو کہ اکرام و ایثار کی ابتدا تمہاری طرف سے ہو' دوست کو اعزہ و اقارب اور اہل و عیال پر ترجیح دو۔ حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ ہمیں اپنے دوست بیوی بچوں سے بھی زیادہ محبوب ہیں' اہل و عیال ہمیں دنیا کی یاد دلاتے ہیں' اور دوست واجبات آخرت کی۔ یہ بھی فرمایا کہ جو شخص اپنے دوست کی مشایعت کرے' قیامت کے روز اللہ تعالیٰ اپنے عرش کے نیچے سے چند فرشتے بھیجیں گے' یہ فرشتے جنت تک اس کے ساتھ ساتھ چلیں گے۔ عطا فرماتے ہیں کہ تین صورتوں میں اپنے دوستوں کی خبر گیری کرو۔ اگر وہ بیمار ہوں تو ان کی عیادت کرو' مصروف ہوں تو ان کی اعانت کرو بھول گئے ہوں تو انھیں یاد دلادو۔ روایت ہے کہ ابن عمرؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھے اور ادھر ادھر دیکھ رہے تھے' آپ نے استفسار فرمایا' عرض کیا: یا رسول اللہ! مجھے ایک شخص سے محبت ہے' میں اس کی تلاش میں ہوں' معلوم نہیں کہاں ہے؟ فرمایا: کہ جب تم کسی شخص سے محبت کرو تو اس کا نام' اس کے والد کا نام' اور اس کے گھر کا پتا معلوم کرلیا کرو' تاکہ اگر وہ بیمار ہو تو اس کی عیادت کرسکو' وہ کسی کام میں مشغول ہو تو اس کی مدد کرسکو۔ (۲) ایک روایت میں ہے کہ آپ نے ابن عمرؓ سے فرمایا کہ اس کے دادا اور خاندان کا نام معلوم کرلیا کرو۔ شعبیؒ فرماتے ہیں کہ جو شخص کسی کی صحبت اختیار کرے اور پھر یہ کہے کہ میں صورت سے آشنا ہوں نام نہیں جانتا تو یہ بے وقوفوں کی شناسائی ہے۔ حضرت عبداللہ ابن عباسؓ سے کسی شخص نے دریافت کیا کہ آپ کس شخص کو زیادہ چاہتے ہیں' فرمایا: اس شخص کو جو میرا ہم نشیں ہو' جو شخص میری مجلس میں تین مرتبہ آتا ہے' اور ملاقات کے علاوہ اس کا کوئی دوسرا مقصد نہیں ہوتا تو میں سمجھ جاتا ہوں کہ دنیا میں اس کا حق ادا نہ ہوسکے گا۔ سعید ابن المسیبؒ فرماتے ہیں کہ جو شخص میرے پاس آئے اس کے مجھ پر تین حق ہیں' ایک یہ کہ جب وہ قریب آئے تو میں اسے خوش آمدید کہوں' جب وہ گفتگو کرے تو پوری توجہ سے اس کی بات سنوں' اور جب بیٹھے تو اسے اچھی جگہ بٹھلاؤں۔ قرآن کریم میں صحابہؓ کا یہ وصف بیان کیا گیا ہے رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ (وہ آپس میں رحم دل ہیں) اس میں شفقت و اکرام ہی کی طرف اشارہ ہے۔ اور شفقت کا کمال یہ ہے کہ کوئی لذیذ کھانا تنہا نہ کھائے' اس کے بغیر کسی خوشی میں شریک نہ ہو' اس کے فراق اور جدائی کا غم محسوس کرے۔

<u>تیسرا حق۔ زبان میں:۔</u> زبان کا حق کبھی کلام سے ادا ہوتا ہے' اور کبھی سکوت سے۔ سکوت یہ ہے کہ دوست کے عیوب نہ

---

(۱) طبرانی میں ابوعتبہ الخولانی کی روایت۔ مگر اس میں یہ الفاظ ہیں "الینھا وارقھا" (۲) خرائطی مکارم الاخلاق' بیہقی۔ شعب الایمان۔ ترمذی۔ یزید ابن نعامہ۔ ترمذی نے اس روایت کو غریب کہا ہے۔

اس کے سامنے ذکر کرے اور نہ دوسرے لوگوں کے سامنے' بلکہ چشم پوشی سے کام لے۔ جب وہ گفتگو کرے تو اس کا رد نہ کرے' نہ اس کا قطع کلام کرے' اور نہ اس سے تکرار و بحث کرے اس کے حالات کی خواہ مخواہ جستجو نہ کرے' اگر اسے راستے میں آتا جاتا دیکھے' یا کسی کام میں مشغول پائے' اور وہ از خود یہ نہ بتلانا چاہیے کہ وہ کہاں سے آرہا ہے' کہاں جارہا ہے یا جس کام میں وہ مشغول ہے اس کی نوعیت کیا ہے تو اس سے استفسار نہ کرے' ممکن ہے اسے بتلانے میں تکلف ہو' یا تم سے چھپانے کے لیے جھوٹ بولنا پڑے۔ اگر وہ کوئی راز بتلائے تو اسے ہرگز افشانہ کرے' نہ اپنے خاص لوگوں کے سامنے' اور نہ اس کے دوستوں سے' بلکہ اگر کسی وجہ سے دوستی ختم ہوجائے تب بھی راز فاش نہ کرنا چاہیے۔ جو لوگ ایسا کرتے ہیں وہ خُبث باطن میں مبتلا ہیں۔ اس کے اعزء و اقرباء دوست احباب اور زن فرزند کے متعلق بھی کوئی ایسی بات نہ کہے جو اسے ناگوار ہو' بلکہ ان کی برائی سے متعلق کسی دوسرے کی کوئی بات بھی نقل نہ کرے کیوں کہ برا اصل میں وہی کہتا ہے جو برائی نقل کرتا ہے۔ حضرت انس روایت کرتے ہیں کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کسی کے سامنے وہ بات نہ کرتے جو اسے بری لگتی ہو (ابوداؤد۔ شمائل ترمذی) ایذا اولاً ناقل سے ہوتی ہے پھر قائل سے۔ ہاں اگر کوئی شخص اس کی تعریف کرے تو اسے نقل کردے' کیونکہ اولاً خوشی تعریف نقل کرنے والے سے حاصل ہوتی ہے' پھر اصل تعریف کرنے والے سے' اس طرح کی بات چھپانا حسد میں داخل ہے۔ خلاصۂ کلام یہ ہے کہ سکوت صرف ان مواقع پر ہونا چاہیے جہاں دوست احباب کی ناراضگی کا اندیشہ ہو' لیکن جہاں باری تعالیٰ کی ناراضگی کا خوف ہو وہاں بولنا ضروری ہے' امر بالمعروف اور نہی عن المنکر میں شریعت نے سکوت کی اجازت نہیں دی' اس سلسلے میں دوست کی ناراضگی کی پرواہ بھی نہ کرنی چاہیے۔ یہ بولنا دراصل اس کی مخالفت یا اس کی نکتہ چینی نہیں ہے بلکہ اس پر زبردست احسان ہے۔

اگر کسی دوست میں کوئی عیب دیکھے تو اسے ظاہر نہ کرے' بلکہ یہ سوچے کہ جس طرح میں برائی اور عیب کے سلسلے میں معذور ہوں' اسی طرح یہ بھی معذور ہے' اور جس طرح ترک سے میں عاجز ہوں اسی طرح یہ بھی عاجز ہے' نیز یہ کہ ایسا آدمی کون ہے جو برائی سے خالی ہو' یہ بھی سوچے کہ باری تعالیٰ کے بہت سے حقوق مجھ پر واجب ہیں' لیکن میں کوتاہی کرتا ہوں' اسی طرح اس شخص پر بھی میرے کچھ حقوق ہیں وہ بھی ادا کرنے میں کوتاہی کرتا ہے۔ اس شخص پر میرے جس قدر حقوق ہیں اس سے کہیں زیادہ مجھ پر باری تعالیٰ کے حقوق ہیں۔ جو شخص ہر عیب سے پاک دوست چاہتا ہو اسے گوشہ نشینی اختیار کرلینی چاہیے' پاک اور بے عیب ذات صرف اللہ کی ہے' دنیا میں جس قدر لوگ ہیں ان میں خوبیاں بھی ہیں' اور برائیاں بھی' دوستی کرو تو خوبیوں پر نظر رکھو' برائیوں سے صرف نظر کرو۔ شریف مؤمن کے پیش نظر دوستوں کی خوبیاں رہتی ہیں' اور منافق لئیم برائیوں پر نظر رکھتا ہے۔ حضرت ابن المبارکؒ فرماتے ہیں کہ صاحبِ ایمان کی نظر معذرت پر رہتی ہے' اور منافق کی نظر لغزشوں پر۔ فضیل ابن عیاضؒ کہتے ہیں کہ بھائیوں کے قصور معاف کرنا جواں مردی اور بہادری ہے۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:۔

استعیذوا باللہ من جار السوء الذی ان رای خیرا سترہ وان رای شرا اظہرہ (۱)

اللہ کی پناہ مانگو ایسے پڑوسی سے جو اچھائی دیکھے تو اسے چھپادے' اور برائی دیکھے تو اسے ظاہر کردے۔

روایت ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک شخص حاضر ہوا اور اس نے کسی آدمی کی تعریف کی دوسرے روز پھر آیا' اور جس شخص کی کل تعریف کی تھی اس کی برائی بیان کی' آپ نے ارشاد فرمایا کہ کل تو تم اس کی تعریف کررہے تھے اور آج مذمت کررہے ہو' اس نے عرض کیا یا رسول اللہ! کل اس نے مجھے خوش کیا تھا اس لیے میں نے اس کی تعریف کی' آج اس نے مجھے ناراض کیا ہے اس لیے میں نے اس کی برائی کی' کل بھی میں نے سچ کہا تھا' اور آج بھی سچ کہہ رہا ہوں۔ آپ نے فرمایا:۔

ان من البیان لسحرا (۲)

---

(۱) یہ روایت بخاری نے اپنی تاریخ میں ضعیف سند کے ساتھ ابو ہریرہؓ سے اور نسائی نے ابو سعیدؓ و ابو ہریرہؓ سے صحیح سند کے ساتھ روایت کی ہے۔ روایت کے الفاظ ہیں "تعوذوا باللہ من جار السوء فی دار المقام" (۲) طبرانی اوسط' مستدرک حاکم۔ ابو بکرہؓ۔ مگر اس روایت کے مطابق اس شخص نے ایک ہی مجلس میں مدح و ذم کی تھی۔

بعض بیان جادو ہیں۔

گویا آپ نے اس کی یہ حرکت پسند نہیں فرمائی اور اسے سحر سے تشبیہ دی ایک حدیث میں ہے:۔

البذاء والبیان شعبتان من النفاق (ترمذی' حاکم۔ ابو امامہؓ)

فحش گوئی اور زیادہ گوئی نفاق کے دو شعبے ہیں۔

ایک مرتبہ آپ نے یہ کلمات ارشاد فرمائے:۔

ان اللہ یکرہ لکم البیان کل البیان (۱)

اللہ تعالی کو تمہارے لیے طول تقریر پسند نہیں ہے۔

امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ مسلمانوں میں کوئی ایسا نہیں ہے کہ صرف اطاعت ہی کرے' کوئی معصیت اس سے سرزد نہ ہو' اور نہ کوئی ایسا ہے کہ اس کے نامۂ اعمال میں صرف معاصی ہوں' کوئی نیکی نہ ہو' جس شخص کی اطاعات معاصی پر غالب ہوں وہ اللہ تعالی کے نزدیک عادل ہے' اس لیے تم بھی اسے اپنے حق میں' اور اخوت کے مقتضٰی میں عادل ہی سمجھو۔

یہ تفصیل زبان سے سکوت کی تھی' زبانی سکوت کی طرح قلبی سکوت بھی واجب ہے۔ دل سے سکوت کا مطلب یہ ہے کہ دوست کے ساتھ بدگمانی نہ کرو' بدگمانی بھی غیبت ہی کہ ایک نوع ہے' اور شریعت نے اس سے بھی منع کیا ہے۔ چنانچہ جب تک یہ ممکن ہو کہ دوست کے قول و فعل کو اچھا محمل مل سکے اس وقت تک اسے فاسد معنی نہ پہنانے چاہیں تاہم اگر کوئی بات ظن و تخمین سے گذر کر مشاہدہ اور یقین کی حد میں داخل ہو جائے تو بلاشبہ دوست کو آگاہ کر دینا مناسب ہے' اس صورت میں بھی اس کی برائی کو سہو اور نسیان پر محمول کرنا ضروری ہے۔ بعض اوقات بدگمانی کسی علامت پر مبنی ہوتی ہے' اور آدمی اس کے ازالے پر قادر نہیں ہوتا' کبھی بداعتقادی کی بنا پر بدگمانی کو شہ ملتی ہے' مثلاً تمہارے دوست نے کوئی کام کیا' اس میں دو احتمال تھے' ایک فساد کا دوسرا صحت کا لیکن کیونکہ اس کے متعلق تمہارا اعتقاد اچھا نہیں ہے اس لیے تم فساد کے احتمال کو ترجیح دیتے ہو' حالانکہ بظاہر اس ترجیح کی کوئی دلیل بھی نہیں ہے' بداعتقادی سے جنم لینے والا سوءِ ظن قصورِ باطن کی وجہ سے ہے' کسی بھی مسلمان کے ساتھ اس طرح کی بدگمانی جائز قرار نہیں دی جاسکتی۔ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:۔

ان اللہ قد حرم علی المومن من المومن دمہ وما لہ وعرضہ وان یظن بہ ظن السوء (۲)

اللہ تعالی نے مسلمان پر مسلمان کا خون' مال' آبرو حرام قرار دی ہے' اور یہ بات بھی حرام قرار دی ہے کہ کوئی مسلمان کسی مسلمان کے متعلق بدگمانی میں مبتلا نہ ہو۔

ایک مرتبہ صحابہ کو بدگمانی کے متعلق یہ نصیحت فرمائی:۔

ایاکم والظن فان الظن اکذب الحدیث (بخاری و مسلم۔ ابو ہریرہؓ)

بدگمانی سے بچو' اس لیے کہ بدگمانی انتہائی جھوٹی بات ہے۔

جب کوئی شخص کسی کے متعلق بدگمانی میں مبتلا ہوتا ہے تو وہ اس کے مخفی حالات کی جستجو کرتا ہے اور اس کے ہر فعل ہر عمل پر کڑی نظر رکھتا ہے' حالانکہ حدیث شریف میں ایک دوسرے کی ٹوہ میں لگے رہنے سے منع کیا گیا ہے:۔

---

(۱) ریاضۃ المسلمین ابن السنی۔ ابو امامہؓ۔ سند ضعیف۔ (۲) یہ روایت حاکم نے تاریخ میں ابن عباس سے نقل کی ہے مگر اس میں "وعرضہ" کے الفاظ نہیں ہیں' ابو علی نیشاپوری کہتے ہیں کہ میرے خیال میں یہ ابن عباس کا مقولہ ہے' حدیث پاک نہیں ہے' البتہ ابن ماجہ میں ابن عمرؓ سے اور مسلم میں ابو ہریرہؓ سے اسی مضمون کی ایک روایت ہے "کل المسلم علی المسلم حرام دمہ وما لہ وعرضہ"

لا تحسّسوا ولا تجسّسوا ولا تقاطعوا و لا تدابروا و کونوا عباد اللہ اخوانا

(بخاری و مسلم۔ ابو ہریرہؓ)

ایک دوسرے کی ٹوہ میں مت لگو' ایک دوسرے کے بھید مت تلاش کرو' نہ آپس میں قطع تعلق کرو نہ باہم لڑو' اللہ کے بندے اور آپس میں بھائی بھائی بن جاؤ۔

ان روایات سے ثابت ہوا کہ عیبوں پر پردہ ڈالنا' اور کوتاہیوں سے صرف نظر کرنا دینداروں کی عادت ہے۔ اس صفت کی اہمیت کے لیے اتنا جان لینا کافی ہے کہ ماثورہ دعاؤں میں باری تعالیٰ کو اس وصف کے ساتھ متصف کیا جاتا ہے یامن اظہر المیل وستر القبیح (اے وہ ذات کہ جس نے اچھائی کا اظہار کیا' اور برائی پر پردہ ڈالا) اللہ تعالیٰ انہی لوگوں کو پسند کرتا ہے جو اخلاق الٰہی کو اپنی عادت ٹھہرالیں وہ ستار العیوب اور غفار الذنوب ہے۔ اپنے بندوں سے درگذر کا معاملہ کرتا ہے انھیں اپنے دامان رحمت میں جگہ دیتا ہے۔ تمھیں کیا حق ہے کہ تم ان لوگوں کو درگذر نہ کرو جو تمھارے برابر ہیں یا تم سے بڑے ہیں' اور کسی حال میں تمھارے غلام یا تمھارے پیدا کردہ نہیں ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے حواریین سے دریافت فرمایا کہ اگر تمھارا کوئی بھائی سو رہا ہو اور ہوا سے اس کا کپڑا ہٹ جائے تو تم لوگ کیا کرو گے؟ عرض کیا: ہم لوگ اس کا ستر ڈھانپ دیں گے' اس کے بدن پر کپڑا ڈال دیں گے' فرمایا: ہرگز نہیں! تم لوگ اسے برہنہ کردو گے' حواریوں نے عرض کیا: یہ آپ کیا فرما رہے ہیں ہم تو واقعی ہی ایسا کرتے ہیں جیسا کہ رہے ہیں' فرمایا: جب تم اپنے بھائی کی بری بات سنتے ہو تو اسے بڑھا چڑھا کر لوگوں سے بیان کرتے ہو' کیا یہ اس کی ستر پوشی ہے' یا اسے مزید برہنہ کرنا ہے؟

یہ بات اچھی طرح جان لینی چاہیے کہ آدمی کا ایمان اس وقت تک مکمل نہیں ہوتا جب تک وہ اپنے بھائی کے لیے وہی چیز پسند نہ کرے جو وہ اپنے لیے پسند کرتا ہے۔ اخوت کا ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ انسان اپنے بھائی سے وہی معاملہ کرے جو وہ دوسروں سے اپنے حق میں چاہتا ہے' ظاہر ہے کہ کوئی شخص بھی یہ نہیں چاہتا کہ اس کے عیوب سے چشم پوشی نہ کی جائے۔ وہ ہر شخص سے یہی توقع رکھتا ہے اور جب اپنی توقع کے خلاف دیکھتا ہے تو اس کا غیظ و غضب قابل دید ہوتا ہے۔ حیرت ہے کہ خود تو چشم پوشی کی امید رکھے' اور دوسرے کے عیوب بیان کرتا پھرے۔ یہ کہاں کا انصاف ہے؟ قرآن پاک نے اسی ناانصافی کے فساد پر تنبیہ کی ہے۔

وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِينَ الَّذِينَ إِذَا اكْتَالُوا عَلَى النَّاسِ يَسْتَوْفُونَ وَإِذَا كَالُوهُمْ أَو وَّزَنُوهُمْ يُخْسِرُونَ (پ ۳۰ر ۸ آیت ۱۔۳)

بڑی خرابی ہے ناپ تول میں کمی کرنے والوں کی' کہ جب لوگوں سے ناپ کرلیں تو پورا لیں' اور جب ناپ کر یا تول کردیں تو گھٹا دیں۔

ہر وہ شخص اس آیت کا مصداق ہے جو انصاف کی اس مقدار کا طالب ہو جو اس کے دل میں دوسروں کے لیے نہ ہو۔ عیب پوشی میں کوتاہی' اور اس کے اظہار کی کوشش ایک بیماری ہے' جو باطن میں دفن رہتی ہے' اس بیماری کو حسد کا نام بھی دیا جاسکتا ہے' یہ بیماری اپنے حامل کے باطن کو خباثتوں سے پر کردیتی ہے' تاہم اس وقت تک اس کے آثار ہویدا نہیں ہوتے جب تک اظہار کا کوئی موقع نہ ہو جوں ہی کوئی موقع ملتا ہے یہ خباثتیں سر ابھارتی ہیں' اور باطن کی قید و بند سے آزاد ہو کر اپنے تعفن سے ماحول کو آلودہ کردیتی ہیں' اس لیے حاسد مزاج شخص کو چاہیے کہ وہ تعلقات نہ بڑھائے' اس کے لیے میل جول رکھنا مضر ہے۔ بعض دانشور کہتے ہیں کہ باطن کے کینے سے ظاہر کا عتاب بہتر ہے۔ کینہ ور سے صرف وحشت ہی بڑھتی ہے' انس و تعلق پیدا نہیں ہوتا۔ جس شخص کے دل میں کسی مسلمان بھائی کے خلاف کینہ ہوتا ہے وہ ضعیف الایمان ہے' اس کا معاملہ خطرناک ہے' اس کا دل دیدار الٰہی کی صلاحیت نہیں رکھتا۔ عبدالرحمٰن ابن جبیر اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ میں یمن میں تھا' میرا ایک یہودی پڑوسی عالم تھا اور مجھے تورات کے اقتباسات سنایا کرتا تھا۔ ایک مرتبہ وہ کسی ضرورت سے سفر پر گیا' اس کی عدم موجودگی میں ہمیں اسلام کی

دعوت پہنچی' اور ہم مشرف باسلام ہوگئے' جب یہودی واپس آیا تو میں نے اسے بتلایا کہ ایک پیغمبر مبعوث ہوئے ہیں انہوں نے ہمیں اسلام کی دعوت دی' ہم نے ان کی دعوت قبول کرلی ہے' اور مسلمان ہوگئے ہیں' ہم پر تورات کی تصدیق کرنے والی ایک کتاب بھی نازل ہوئی ہے' یہودی نے کہا تم سچ کہتے ہو' لیکن میرا خیال یہ ہے کہ تم اپنے پیغمبر کی لائی ہوئی تمام تعلیمات پر عمل نہ کرسکو گے' ہماری کتاب میں تمہارے پیغمبر اور تمہاری امت کے بہت سے اوصاف بیان کئے گئے ہیں ان میں سے ایک وصف یہ بھی ہے کہ کسی شخص کے لیے جائز نہیں کہ وہ اپنے دروازے کی دہلیز پر قدم رکھے اور اس کے دل میں اپنے بھائی کے لیے کینہ ہو۔

زبان کا ایک حق یہ بھی ہے کہ اگر اس سے کسی دوست کا عیب معلوم کیا جائے تو وہ لاعلمی کا اظہار کردے' یا انکار کردے' خواہ اس سلسلے میں اسے جھوٹ ہی کیوں نہ بولنا پڑے' ہر جگہ سچ بولنا ضروری نہیں ہے۔ بلکہ جس طرح اپنے عیوب چھپانے کے لیے جھوٹ بولنا جائز ہے اسی طرح اپنے بھائی کے حق میں بھی جھوٹ بولنے کی اجازت ہے۔ کیوں کہ وہ دونوں گویا ایک ہی ہیں' اگرچہ ان کے جسم مختلف ہیں' یہی اخوت کی حقیقت ہے۔ چنانچہ اگر کسی شخص نے اپنے ایسے ہی کسی دوست کے سامنے کوئی عمل کیا تو وہ ریاکار نہ کہلائے گا' اور نہ اس کا وہ عمل باطنی اعمال سے نکل کر ظاہر اعمال میں داخل ہوگا۔ کیوں کہ بھائی کے اعمال کی معرفت ایسی ہے جیسے اپنے اعمال کی معرفت۔ دوسروں کے عیوب کی پردہ پوشی اور راز کو امانت کے طور پر سنبھال کر رکھنے کے سلسلے میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے کچھ ارشادات یہ ہیں۔

من ستر عورة اخیہ ستر ہ اللہ تعالی فی الدنیا والآخرة (۱)

جو شخص اپنے بھائی کا عیب چھپائے گا اللہ تعالی دنیا و آخرت میں اس کے عیب کی پردہ پوشی فرمائیں گے۔

من ستر عورة اخیہ فکانما احیا موءدة من قبرھا (ابوداؤد' نسائی' حاکم۔ عقبہ ابن عامرؓ)

جس شخص نے اپنے بھائی کا عیب چھپایا اس نے گویا زندہ درگور کو زندگی بخشی۔

اذا حدث الرجل بحدیث ثم التفت فھو امانة (ابوداؤد' ترمذی۔ جابرؓ)

جب آدمی کوئی بات کہے اور کہہ کر دوسری طرف متوجہ ہوجائے تو وہ بات ایک امانت ہے۔

المجالس بالامانة الا ثلاثة مجالس مجلس یسفک فیہ دم حرام ومجلس یستحل فیہ فرج حرام' ومجلس یستحل فیہ مال من غیر حلہ (ابوداؤد۔ جابرؓ)

مجلسیں امانت ہیں' مگر تین مجلسیں ایسی نہیں ہیں' ایک وہ مجلس جس میں ناحق خون بہایا جائے' دوسری وہ مجلس جس میں زنا کو جائز سمجھا جائے' اور تیسری وہ مجلس جس میں حرام مال کو حلال قرار دیا جائے۔

انما یتجالس المتجالسان بالامانة لایحل لاحد ان یفشی علی صاحبہ مایکرہ (ابن المبارک فی الزہد۔ ابوبکر بن حزم)

آپس میں بیٹھنے والے دو شخص امانت کے ساتھ بیٹھتے ہیں' ان میں سے کسی کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ دوسرے کی وہ بات ظاہر کرے جس کا اظہار اسے پسند نہ ہو۔

کسی ادیب سے دریافت کیا گیا کہ تم راز کی حفاظت کس طرح کرتے ہو؟ ادیب نے کہا کہ میں راز کے حق میں قبر بن جاتا ہوں۔ کہتے ہیں کہ شرفاء کے سینے رازہائے سربستہ قبریں ہیں۔ یہ کہاوت بھی مشہور ہے کہ احمق کا دل اس کے منہ میں اور عقلمند کی زبان

---

(۱) ابن ماجہ میں ابن عباسؓ کی روایت۔ لیکن اس میں "یوم القیامة" کے الفاظ ہیں "فی الدنیا والآخرة" کے الفاظ نہیں ہیں۔ تاہم مسلم میں ابوہریرہؓ کی روایت ہے "من ستر مسلما" سترہ اللہ فی الدنیا والآخرة" بخاری ومسلم میں ابن عمرؓ کی حدیث ہے "من ستر مسلما سترہ اللہ یوم القیامة"

اسی کے دل میں ہوتی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ بے وقوف آدمی اپنے دل کی ہربات دوسروں سے کہہ دیتا ہے' جب کہ عقلمند سوچ سمجھ کر بولتا ہے' اور اسی قدر بولتا ہے جتنی ضرورت ہوتی ہے۔ عقل کی سلامتی کے لیے ضروری ہے کہ احمقوں کے ساتھ نہ دوستی کی جائے نہ ان کی صحبت اختیار کی جائے' نہ ان سے تعلقات قائم کیے جائیں' بلکہ ممکن ہو تو ان کی صورت بھی نہ دیکھی جائے۔ ایک شخص سے پوچھا گیا کہ تم راز کس طرح چھپالیتے ہو' جواب دیا بتلانے والوں سے انکار کرتا ہوں کہ مجھے راز نہ بتلاؤ' اور پوچھنے والے سے قسم کھاتا ہوں کہ مجھے کوئی راز معلوم نہیں ہے' ایک شخص نے اسی قسم کے ایک سوال کے جواب میں کہا کہ میں راز چھپاتا ہوں' اور یہ بات بھی چھپاتا ہوں کہ میرا سینہ کسی راز کا مدفن ہے۔ ابن المعتز نے راز چھپانے کے سلسلے میں یہ شعر کہا ہے۔

ومستودعی سراتبوات کتمه فاودعته صدری فصار لمقبرا

ترجمہ : اپنا راز میرے پاس امانت کے طور پر رکھوانے والے! میں نے تیرا راز اپنے سینے کو ودیعت کردیا ہے' میرا سینہ تیرے راز کے حق میں قبر بن گیا ہے۔

ایک شاعر نے ابن المعتز سے دو قدم آگے بڑھ کر یہ تین شعر کہے۔

وماالسر فی صدری کشلو بقبره لانی اری المقبور ینتظر النشرا
ولکنني انساه حتی کا ننی بماکان منه لم احط ساعة خبرا
ولو جاز کتم السر بینی و بینه عن السر والافشاء لم تعلم السرا

ترجمہ : میرے سینے میں راز تن مردہ کی طرح دفن نہیں ہے' اس لیے کہ مردے کے متعلق تو یہ توقع ہے کہ وہ قیامت کے دن جی اٹھے گا' میں تو راز اسی طرح بھولتا ہوں گویا ایک لمحہ کے لیے بھی میں اس سے واقف نہ تھا' اگر سینے سے بھی راز چھپانا ممکن ہوتا تو راز کا راز میرے دل سے بھی مخفی رہتا۔

ایک شخص نے اپنے کسی دوست کو راز کی بات بتلا کر دریافت کیا کہ تم اس راز کی حفاظت بھی کروگے یا نہیں؟ اس نے کہا میں حفاظت نہیں کروں گا بلکہ بھول جاؤں گا۔ ابو سعید الخدریؓ فرماتے ہیں کہ اگر تم کسی دوست کو آزمانا چاہو تو اسے ناراض کردو' اور کسی دوسرے شخص کو متعین کرو کہ وہ تمہارے بارے میں اس کے خیالات سے واقفیت حاصل کرے' اب اگر وہ اس شخص سے تمہاری تعریف کرے' اور تمہارا کوئی راز افشا نہ کرے تو اس سے دوستی باقی رکھو' ورنہ ترک کردو' ابو زید سے دریافت کیا گیا کہ تم کس طرح کے آدمی سے دوستی رکھنا پسند کرتے ہو؟ ابو زید نے جواب دیا: اس شخص سے جو ان رازہائے سربستہ سے واقف ہو جن سے خداوند قدوس واقف ہے' اور پھر اسی طرح انھیں چھپاتا ہو جس طرح باری تعالیٰ ان کی پردہ پوشی کرتا ہے۔ ذوالنون مصری کہتے ہیں کہ جو شخص تمہیں پاکباز اور گناہوں سے معصوم نہ دیکھنا چاہے اس سے دوستی مت کرو' اس کی دوستی میں کوئی خیر نہیں ہے' جو شخص غصے کی حالت میں تمہارے راز افشاء کردے وہ کمینہ ہے' حقیقی دوست وہی ہے جو ناراضگی کی حالت میں بھی تمہارے راز کی حفاظت کرے' رضا کی حالت میں تو ہر شخص یہ فرض ادا کرسکتا ہے۔ ایک دانا کا قول ہے کہ جو شخص چار حالتوں میں یکساں نہ رہے اس کی صحبت اختیار مت کرو' غصہ میں اور خوشی میں' طمع میں اور بے غرضی میں۔ ایک شاعر کہتا ہے۔

وتری الکریم اذا تصرم وصله یخفی القبیح ویظهر الاحسانا
وتری اللئیم اذا تقضی وصله یخفی الجمیل ویظهر البهتانا

ترجمہ : شریف آدمی کا شیوہ ہے کہ وہ ترک تعلق کے بعد بھی تمہارے عیوب کی پردہ پوشی کرتا ہے' اور تمہارے احسانات کے گن گاتا ہے' اور کمینہ شخص ترک تعلق کے بعد خوبیوں پر پردہ ڈالتا ہے' اور الزام تراشی اپنا شعار بنالیتا ہے۔

حضرت عباس ابن عبدالمطلب نے اپنے صاحبزادے ابن عباسؓ سے فرمایا میں دیکھتا ہوں کہ امیرالمؤمنین عمرؓ تمہیں بڑے

بوڑھوں پر فوقیت دیتے ہیں اس لیے میں تمہیں پانچ نصیحتیں کرتا ہوں انھیں یاد رکھنا اور ان پر عمل کرنا۔ ایک یہ کہ ان کا راز افشاء نہ کرنا' دوم یہ کہ ان کے سامنے کسی کی غیبت مت کرنا' سوم یہ کہ ان کے سامنے جھوٹ مت بولنا' چہارم یہ کہ ان کے کسی حکم کی خلاف ورزی مت کرنا' پنجم یہ کہ کوئی ایسا کام مت کرنا جس سے تمہاری خیانت ثابت ہو۔ شعبی کہتے ہیں کہ ان میں سے ہر بات ہزار باتوں سے بہتر ہے۔

زبانی حقوق میں سے ایک حق یہ بھی ہے کہ اپنے دوست کی بات مت کاٹو' نہ اس سے جھگڑو' اگر وہ کچھ کہے تو اس کی مخالفت مت کرو۔ حضرت عبداللہ ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ نہ کسی بے وقوف کی بات کاٹو کہ وہ تمہیں ایذا پہنچائے' اور نہ کسی عقلمند کی بات کاٹو کہ وہ تم سے بغض رکھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:۔

من ترک المراء وھو مبطل بنی اللہ لہ بیتا فی ربض الجنۃ' ومن ترک المراء و محق بنی اللہ لہ بیتا فی اعلی الجنۃ (ترمذی)

جو شخص باطل پر ہو کر جھگڑا ترک کرے اللہ اس کے لیے جنت کے کنارے گھر بنائے گا' اور جو شخص حق پر ہو کر جھگڑا ترک کرے اللہ تعالیٰ اس کے لیے اعلیٰ جنت میں گھر بنائے گا۔

مطلب یہ ہے کہ اپنی بات کی پچ نہ کرنی چاہیے' اور نہ دوسروں سے اس کے لیے جھگڑا کرنا چاہیے' اگر کوئی شخص باطل پر ہے تو اس کے لیے جھگڑا نہ کرنا واجب ہے' اور حق پر ہے تو چپ رہنا مستحب ہے لیکن استحباب پر زیادہ ثواب اس لیے ہے کہ حق پر ہونے کے باوجود خاموش رہنا نفس پر بڑا گراں گزرتا ہے' ثواب مشقت پر ملتا ہے۔ جتنی مشقت ہوگی اتنا ہی ثواب ملے گا۔ عام طور پر دیکھا یہ جاتا ہے کہ دو بھائیوں کے تعلقات میں کشیدگی اس وقت پیدا ہوتی ہے جب ان میں سے ایک دوسرے کو اپنی بات ماننے پر مجبور کرتا ہے' اور اپنی بات آگے رکھنے کے لیے تمام تعلقات بالائے طاق رکھ دیتا ہے۔ اولاً یہ اختلاف رائے کی صورت ہوتی ہے' قول کا اختلاف فعل کے اختلاف کا سبب بنتا ہے اور فعل سے بات جسموں کے اختلاف تک پہنچتی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:۔

لا تدابروا ولا تباغضوا ولا تحاسدوا وکونوا عباد اللہ اخوانا المسلم اخ المسلم لا یظلمہ ولا یحرمہ ولا یخذلہ بحسب المرء من الشر ان یحقر اخاہ المسلم (مسلم۔ ابوہریرہؓ)

نہ آپس میں قطع تعلق کرو' نہ باہم بغض کرو' نہ ایک دوسرے سے حسد کرو' اور بھائی بھائی بن کر اللہ کی عبودیت میں داخل ہو جاؤ' مسلمان مسلمان کا بھائی ہے' نہ اس پر ظلم کرتا ہے' نہ اسے اس کے حق سے محروم کرتا ہے اور نہ رسوا کرتا ہے' آدمی کے لیے اتنی برائی ہی کافی ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کی تحقیر کرے۔

بات کاٹنے میں' یا اپنی بات کی پچ کرنے میں بھائی کی تحقیر و تذلیل زیادہ ہے' کیونکہ کسی کی بات کاٹنے یا رد کرنے کا مطلب اس کے علاوہ کچھ نہیں ہے کہ بات کاٹنے والا یا تو اسے احمق اور جاہل سمجھتا ہے' یا اس کی طرف اشیاء کی حقیقت کی فہم سے غفلت اور سہو کی نسبت کرتا ہے۔ اور یہ دونوں باتیں تحقیر و تذلیل کی علامت' اور کینہ و بغض کی موجب ہیں' ان باتوں سے قربت تو کیا پیدا ہوگی دوری ہی بڑھے گی۔ حضرت ابو امامہ باہلیؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہماری مجلس میں تشریف لائے' ہم اس وقت آپس میں کسی بات پر جھگڑا کر رہے تھے' اور ایک دوسرے کی بات کاٹ رہے تھے۔ آپ یہ صورت حال دیکھ کر شدید ناراض ہوئے اور فرمایا:۔

ذروا المراء لقلۃ خیرہ' وذروا المراء فان نفعہ قلیل وانہ یھیج العداوۃ بین الاخوان (۱)

(۱) طبرانی کبیر۔ ابوامامہؓ' ابو الدرداءؓ' وائلہ' انسؓ۔ حدیث کا آخری جزء (ذروا المراء فانہ نفعۃ الخ) صرف ابو منصور دیلمی نے مسند الفردوس میں ابوامامہؓ سے نقل کیا ہے۔ ان دونوں رواجوں کی سند ضعیف ہے۔

جھگڑا چھوڑو کہ اس میں خیر کم ہے، جھگڑا چھوڑو کہ اس میں نفع کم ہے' اور یہ عادت بھائیوں کے مابین دشمنی کی آگ بھڑکا دیتی ہے۔

ایک بزرگ کہتے ہیں کہ وہ شخص بے مروّت اور کینہ ہے جو بھائیوں سے لڑے جھگڑے اور ان کی بات رد کرے۔ عبداللہ ابن الحسن فرماتے ہیں کہ لوگوں کی بات رد کرنے سے ڈرو' ایسا نہ ہو کہ تم پر کسی عاقل کا داؤں چل جائے' اور کوئی لئیم اچانک حملہ کر بیٹھے۔ ایک بزرگ کا مقولہ ہے کہ وہ شخص انتہائی درماندہ و عاجز ہے جو دوستوں کی طلب میں کوتاہی کرے' اس سے بھی زیادہ عاجز شخص وہ ہے جو دوست پاکر کھودے۔ حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ ہزار لوگوں کی محبت کی خاطر ایک شخص کی دشمنی مول مت لو۔ آدمی اپنی بات کی پچ اس لیے کرتا ہے کہ فریق ثانی پر اپنی عقل' اپنے علم' اور اپنے فضل و کمال کا سکہ جما سکے' اور اس کی حماقت' جہل اور کم فہمی ثابت کرسکے' اس میں کبر و غرور بھی ہے' فریق آخر کی تحقیر و تذلیل بھی ہے۔ یہ امور عداوت میں داخل ہیں' دوستی اور اخوت ان کی متحمل نہیں ہوسکتی۔ حضرت عبداللہ ابن عباس نے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کیا ہے۔

لا تمار اخاک ولا تمازحہ ولا تعدہ موعدا فتخلفہ (ترمذی)

اپنے بھائی کا رد مت کرو' نہ اس سے مذاق کرو' اور نہ کوئی ایسا وعدہ کرو جسے تم پورا نہ کرسکو۔

ایک مرتبہ آپ نے خوش اخلاقی' اور خندہ روئی کے ساتھ ملنے پر ان الفاظ میں زور دیا:۔

انکم لا تسعون الناس باموالکم ولکن لیسعھم بسط الوجہ وحسن الخلق

(طبرانی' بیہقی' حاکم۔ ابوہریرہؓ)

تم لوگوں کو اپنا مال دیتے ہو' لیکن انھیں تم سے خندہ روئی اور خوش خلقی بھی ملنی چاہیے۔

رد کلام خوش اخلاقی کے منافی ہے' اکابرین سلف دوستوں کی بات رد کرنے سے اس قدر ڈرتے تھے کہ ان کی کسی بات پر تکرار نہ کرتے' جو وہ کرتے اس کی علت دریافت نہ کرتے' وہ لوگ یہ کہا کرتے تھے کہ اگر تم اپنے دوست سے چلنے کے لیے کہو اور وہ تم سے یہ پوچھے کہ کہاں جانا ہے تو اس کا ساتھ چھوڑ دو' وہ تمہارے ساتھ رہنے کے قابل نہیں ہے' اس کا فرض یہ تھا کہ وہ تمہاری بات سنتے ہی کھڑا ہوجاتا۔ ابوسلیمان دارانیؒ کہتے ہیں کہ عراق میں میرے ایک بھائی رہتے تھے' میں ضرورت کے وقت ان کے پاس جاتا' اور ان سے یہ کہتا کہ مجھے کچھ پیسوں کی ضرورت ہے؟ وہ اپنی تھیلی میرے سامنے رکھ دیتے' میں اس میں سے بقدر ضرورت لے لیتا' اور تھیلی انھیں واپس کردیتا۔ ایک روز میں ان کے پاس گیا' اور اس طرح اپنی ضرورت کا اظہار کیا جس طرح میں ہمیشہ کرتا رہا ہوں' اس بار انہوں نے اپنی تھیلی میری طرف نہیں بڑھائی' بلکہ مجھ سے دریافت کیا کہ تمہیں کتنے روپوں کی ضرورت ہے۔ یہ جواب سنتے ہی میرا دل ان کی اخوت اور صداقت کی حلاوت سے محروم ہوگیا۔ ایک بزرگ کہتے ہیں کہ اگر تم اپنے بھائی سے کچھ مانگو اور وہ اس کا مصرف دریافت کرے تو یہ سمجھ لو کہ اس نے اخوت کا حق ادا نہیں کیا۔ اخوت فعل و قول کی مطابقت اور شفقت سے پایۂ تکمیل کو پہنچتی ہے۔ لیکن اس میں شفقت سے زیادہ قول و فعل کی مطابقت زیادہ اہم ہے۔ چنانچہ ابوعثمان خیری کہتے ہیں کہ دوستوں کی موافقت ان پر شفقت کرنے سے زیادہ بہتر ہے۔

چوتھا حق۔ زبان میں:۔ زبان کا ایک حق سکوت تھا' اور ایک حق کلام ہے۔ کیونکہ اخوت میں جہاں یہ ضروری ہے کہ بھائی کے سامنے بری باتوں سے سکوت کیا جائے وہاں یہ بھی ضروری ہے کہ جو باتیں اسے پسند ہوں اور جن سے محبت بڑھے وہ کی جائیں' کیونکہ محبت کے معنیٰ ہی یہ ہیں' جو شخص مہر بلب رہتا ہے وہ زندوں کا رفیق نہیں مردوں کا دوست ہے۔ دوست اس لیے بنائے جاتے ہیں کہ ان کی سنے اپنی کہے' خاموش ہی رہنا ہے تو پھر دوستی کی کیا ضرورت ہے۔ اس سے بہتر تو عزلت نشینی ہے۔ آدمی کو چاہیے کہ وہ اپنے دوست سے محبت کی باتیں کرے' جن باتوں کا پوچھنا ضروری ہو وہ دریافت کرے جو بات بتلانی ہو وہ بتلائے' مثلاً

اگر دوست بیمار ہوجائے' یا اسے کسی قسم کی کوئی تکلیف پہنچے اس پر اپنے رنج اور دکھ کا زبانی اظہار کرے' اسی طرح دوست کی خوشیوں میں بھی شریک ہو' اور زبان سے بھی اپنی خوشی کا اظہار کرے' اگر چپ رہے گا تو دوست کو کیا پتا چلے گا کہ وہ اس کی تکلیف و راحت میں شریک ہے یا نہیں غرضیکہ زبان سے اپنی محبت کا اظہار ضروری ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:۔

اذا احب احدکم اخاہ فلیخبرہ (ابوداؤد' ترمذی' حاکم۔ مقدام ابن معدیکرب)

جب تم میں سے کوئی شخص اپنے بھائی سے محبت کرے تو اسے اپنی محبت کی اطلاع کردینی چاہیے۔

اس حدیث میں یہ ہدایت کی گئی ہے کہ جس سے محبت کی جائے اسے اپنی دلی کیفیت بتلادو' اس میں دو مصلحتیں ہیں' ایک مصلحت تو یہ ہے کہ جب تم دوست کو اپنی محبت کی اطلاع دوگے تو وہ فطری طور پر تم سے محبت کرے گا' اور تمہاری طرف میلان محسوس کرے گا' دوسری مصلحت یہ ہے کہ اس شخص سے تمہاری محبت زیادہ ہوگی' کیونکہ جب تم دیکھوگے کہ وہ شخص بھی تم سے محبت کرتا ہے جس سے تم محبت کرتے ہو تو تم اس سے اور زیادہ محبت کرنے لگوگے' اس طرح جانبین میں لحہ بہ لحہ محبت بڑھتی رہے گی' شریعت میں یہ محبت مطلوب ہے۔ شارع علیہ السلام نے اس کا طریقہ بھی بتلایا ہے۔

تہادوا تحابوا (بیہقی۔ ابوہریرہؓ)

آپس میں ہدیہ دو اور محبت پیدا کرو۔

زبان سے بولنے کا ایک حق یہ ہے کہ دوست کو اسی نام سے پکارو جو اسے پسند ہو' اس کی عدم موجودگی میں بھی وہی نام لو۔ حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ تین باتیں ایسی ہیں کہ اگر تم ان کی پابندی کرو تو تمہارے دوست کی محبت میں خلوص پیدا ہوجائے۔ ایک یہ کہ جب تم اس سے ملو پہلے سلام کرو' دوسری یہ کہ جب وہ تمہارے پاس آئے اسے اچھی طرح بٹھلاؤ' تیسری یہ کہ جو نام اسے پسند ہو وہی نام لو اور اسی نام سے آواز دو۔ ایک حق یہ ہے کہ جس شخص کے سامنے وہ اپنی تعریف و توصیف کا خواہاں ہو اس کے سامنے وہ تمام خوبیاں بیان کرو جو تمہیں معلوم ہوں۔ اس کے بچوں کی' اعزہ و اقارب کی' پیشہ کی' قول و فعل کی' عقل و بصیرت کی' صورت اور وضع و قطع کی' بالوں کی تراش خراش کی' تحریر و تقریر کی' غرضیکہ ہر اس چیز کی تعریف کرو جس سے تمہارا دوست خوش ہو' اس سے محبت بڑھتی ہے۔ لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ تم اسے خوش کرنے کے لیے جھوٹ بولو' یا مبالغہ سے کام لو۔ تعریف بھی حقیقت پر مبنی ہونی چاہیے۔ یہ بھی ضروری ہے کہ اگر کوئی شخص تمہارے دوست کی تعریف کرے تو تم اسے من و عن بیان کردو' بلکہ اس تعریف پر اپنی مسرت کا اظہار بھی کرو' اخفا کرنے کا مطلب یہ ہوگا کہ تم اپنے دوست سے جلتے ہو' اور کسی کے منہ سے اس کی تعریف تمہیں پسند نہیں ہے۔ ایک حق یہ ہے کہ اگر اس نے تمہارے ساتھ کوئی حسن سلوک کیا ہے تو تم اس کا شکریہ ادا کرو' بلکہ اگر اس نے حسن سلوک کی نیت کی' اور کسی وجہ سے وہ اپنے ارادے میں کامیاب نہ ہوسکا تب بھی اس کے تئیں اپنی ممنونیت کا اظہار کرنا ضروری ہے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ جو شخص اپنے بھائی کی حسن نیت پر ممنون نہیں ہوتا اس سے ہرگز یہ توقع مت رکھو کہ وہ حسن سلوک پر اس کا شکریہ ادا کرے گا۔ دوست کا دفاع بھی زیادت محبت کا مؤثر ترین سبب ہے۔ جب بھی کوئی شخص اسے برا کہے خواہ صراحتاً یا کنایتاً' سامنے یا پیٹھ پیچھے' تمہیں اپنے دوست کی حمایت کرنی چاہیے' اس کا دفاع کرنا چاہیے' اور اس بدگو کو شدت کے ساتھ اس کی یاوہ گوئی سے روک دینا چاہیے' ایسے موقع پر خاموش رہنا جذبہ محبت کے منافی ہے' اس میں اخوت کے حق کا اتلاف بھی ہے' اگر دوست کو یہ معلوم ہوا کہ تم نے خاموشی کے ساتھ میری برائی سنی ہے' میرا دفاع نہیں کیا ہے تو اس کے دل میں تمہاری طرف سے نفرت بیٹھ جائے گی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دو بھائیوں کو دو ہاتھوں سے تشبیہ دی ہے کہ ان میں سے ایک دوسرے کو دھوتا ہے۔ اس کا مطلب یہی ہے کہ ایک بھائی دوسرے کی مدد کرتا ہے' اور دشمنوں سے اس کی حفاظت اسی طرح کرتا ہے جس طرح وہ اپنی ذات کی حفاظت کرتا ہے۔ ایک حدیث میں یہ فرمایا کہ "مسلمان مسلمان کا بھائی

ہے' نہ اس پر ظلم کرتا ہے' نہ اس کی تذلیل و تحقیر کرتا ہے۔" کیا اس حدیث پر صحیح معنوں میں عمل ہو سکتا ہے' اگر ایک دوست دوسرے دوست کی موافقت نہ کرے' اس کی برائی سنے' اور اسے دشمنوں کے حوالے کردے کہ وہ جو چاہیں اس کے ساتھ سلوک کریں' اسے برا کہیں' اس کی عزت پر حملہ آور ہوں۔ اسے ایسا سمجھو کہ کتے تمہارا گوشت نوچ رہے ہوں' اور تمہارا بھائی تماشہ دیکھ رہا ہو' کیا تم اس کی یہ حرکت گوارا کرسکو گے' اور اس واقعے کے بعد بھی اس سے محبت کرسکو گے؟ ہرگز نہیں عزت پر حملہ جسم پر حملہ سے کہیں زیادہ سنگین ہے' اس صورت میں کیا کسی شخص کے لیے جائز ہے کہ اس کے دوست کی بے حرمتی ہو اور وہ خاموش رہے۔ باری تعالیٰ نے غیبت کو مردار کا گوشت کھانے سے تشبیہ دی ہے:

أَيُحِبُّ أَحَدُكُمْ أَنْ يَأْكُلَ لَحْمَ أَخِيهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوهُ (پ ۲۶ ر ۱۴ آیت ۱۲)

کیا تم میں سے کوئی اس بات کو پسند کرتا ہے کہ اپنے مرے ہوئے بھائی کا گوشت کھائے۔

بعض اوقات خواب میں روحیں لوح محفوظ کا مشاہدہ کرتی ہیں' فرشتہ ان کے دیکھے ہوئے معاملات کو محسوسات کی شکل میں پیش کردیتا ہے۔ چنانچہ اگر کوئی شخص خواب میں یہ دیکھے کہ وہ مردار کا گوشت کھا رہا ہے تو اس کی یہ تعبیر ہوگی کہ وہ غیبت کے گناہ میں مبتلا ہے۔ بہرحال دوستوں اور بھائیوں کی حمایت و نصرت اور بدگوؤں کی بدگوئی' اور شریروں کے شر سے اس کی حفاظت عقد اخوت کی بنیادی شرط ہے۔ مجاہدؒ فرماتے ہیں کہ تم اپنے دوست کا اس کی عدم موجودگی میں اس طرح ذکر کرو جس طرح تم اپنا ذکر اپنی عدم موجودگی میں پسند کرتے ہو۔ اس سلسلے میں تمہارے سامنے یہ دو معیار رہنے چاہئیں' ایک یہ کہ جو بات تمہارے دوست کو کہی گئی ہے اگر وہ تمہیں کہی جاتی' اور تمہارا دوست وہاں موجود ہوتا تو تم اس وقت کیا پسند کرتے' یہی ناکہ وہ تمہارا دفاع کرے' اور تمہارے دشمن کو دنداں شکن جواب دے۔ بالکل یہی موقف تمہارا ہونا چاہیے اور تمہیں یہ سوچنا چاہیے کہ وہ بھی تم سے یہی امید رکھتا ہے۔ دوسرا یہ کہ اگر تمہارا دوست پس دیوار موجود ہو' تم اس کی موجودگی سے واقف ہو لیکن وہ یہ سمجھ رہا ہو کہ تم میری موجودگی کا علم نہیں رکھتے' اور کوئی دشمن اس کی برائی کررہا ہو تو تم اس کے جواب میں کیا کہو گے' جو بات تم اس موقع پر کہو گے وہی بات تمہیں ہر موقع پر کہنی چاہیے' چاہے وہ موجود ہو یا نہ ہو' ایک بزرگ کہتے ہیں کہ جب بھی میرے کسی بھائی کا ذکر ہوتا ہے تو میں یہ تصور کرلیتا ہوں کہ وہ یہاں موجود ہے' اور پھر میں وہی باتیں کہتا ہوں جو اس کی موجودگی میں کہتا تو اسے اچھی معلوم ہوتیں' ایک صاحب یہ فرماتے ہیں کہ جب بھی میرے کسی بھائی کا ذکر ہوتا ہے تو میں یہ تصور کرلیتا ہوں کہ وہ میری صورت میں جلوہ گر ہے اور پھر اس کے متعلق وہ باتیں کہتا ہوں جو میں اپنے متعلق سننا پسند کرتا ہوں۔ ابوالدرداءؓ نے دیکھا کہ دو بیل اپنی گردنوں پر ہل کا جوا رکھے ہوئے کھیت جوتنے میں مصروف ہیں' اتنے میں ایک بیل اپنا بدن کھجانے کے لیے کھڑا ہوا تو دوسرا بیل بھی کھڑا ہوگیا' یہ منظر دیکھ کر ابوالدرداءؓ رو پڑے اور فرمایا کہ اللہ کے لیے محبت کرنے والے دو دوستوں کا حال بھی یہی ہے کہ وہ دونوں اللہ کے لیے مصروف عمل رہتے ہیں' اگر ان میں سے ایک کسی ضرورت سے توقف کرے تو دوسرا بھی موافقت کرتا ہے۔ اخوت میں اخلاص مطلوب ہے' اور یہ اخلاص اسی وقت مکمل ہوتا ہے جب موافقت پائی جائے' جو شخص اپنے دوست کے حق میں مخلص نہیں وہ منافق ہے' اخلاص کی روح یہ ہے کہ آدمی غیب و شہود میں ظاہر و باطن میں اور خلوت و جلوت میں یکساں معاملہ رکھے' اس کی زبان اس کے دل کی آئینہ دار ہو۔ اگر ان دو میں سے کسی ایک میں بھی فرق آیا وہی فرق دوستی کے لیے تباہ کن ثابت ہوگا' جو شخص یکساں معاملہ رکھنے پر قادر نہ ہو اسے کبھی بھی دوستی اور اخوت کا نام نہ لینا چاہیے' اس کے لیے تنہائی بہتر ہے۔ وہ دوست کے حقوق ادا نہیں کرسکتا' اور ان دشواریوں کو انگیز نہیں کرسکتا جو دوستی کی راہ میں پیش آتی ہیں' اور جن سے سلامت گذرنا محقق کے علاوہ کسی سے ممکن نہیں ہے۔ اس میں شک نہیں کہ دوستی کے اجر و ثواب کے وہی لوگ مستحق ہوتے ہیں جو رب کریم کی طرف سے حسن توفیق سے نوازے گئے ہیں۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

احسن مجاورة من جاورک تکن مسلما و احسن مصاحبة من صاحبک

تکن مومنا (ترمذی' ابن ماجہ۔ ابوہریرہؓ)

اپنے پڑوسی کے لیے اچھے پڑوسی بنو کہ مسلمان ہوجاؤ گے' اور اپنے دوستوں کے لیے اچھے دوست بنو کہ صاحب ایمان ہوجاؤ گے۔

اس حدیث میں حسن جوار کی جزاء سلام کو قرار دیا گیا' اور حسن صحبت کی جزاء ایمان کو۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ایمان و اسلام کی فضیلت میں جو فرق ہے وہی فرق جوار و صحبت کی فضیلت میں ہے۔ اس فضیلت کی بنیاد مشقت ہے' جوار میں مشقت کم اور صحبت میں مشقت زیادہ ہے' دوست کے حقوق زیادہ بھی ہیں' اور دائمی بھی دوست سے ہروقت کا ساتھ ہے جتنی قربت دوست سے ہوتی ہے اتنی ہمسائے سے نہیں ہوتی' دوست کے مقابلے میں ہمسائے کے حقوق نہ زیادہ ہیں' اور نہ دائمی۔ زبانی حقوق میں ایک حق تعلیم' اور دوسرا نصیحت بھی ہے' یاد رکھو کہ تمہارے دوست کو جتنی ضرورت مال کی ہے اس سے کہیں زیادہ ضرورت علم کی ہے' جب تم اسے الفت و صحبت کی بنا پر اپنے مال میں شریک کرلیتے ہو تو کیا تمہارا یہ فرض نہیں ہے کہ اسے دولت علم میں بھی اپنا شریک سمجھو' جو باتیں اس کے لیے آخرت میں یا دنیا میں مفید و کار آمد ہوں ان کی تعلیم دو' تمہاری تعلیم کے بعد اگر وہ عمل نہ کرے تو اسے نصیحت بھی کرو' یہ بھی دوست کا حق ہے۔ اسے عمل اور ترک عمل کے فوائد و نقصانات سے آگاہ کرو' اسے ان امور سے ڈراؤ جو اس کی دنیا و آخرت کے لیے نقصان دہ ہوں' اگر اس میں کوئی عیب یا برائی ہو تو اس کی نشاندہی کرو' لیکن یہ نصیحت اور زجر و تنبیہ تنہائی میں ہونی چاہیے تاکہ دوسرا کوئی شخص تمہارے دوست کے عیوب سے واقف نہ ہوپائے۔ اگر تم نے مجمع عام میں وعظ و نصیحت کا دفتر کھولا تو شاید اس پر کوئی اثر نہ ہو' بلکہ وہ اس میں اپنی ذلت محسوس کرے' سب لوگوں کے سامنے نصیحت کرنا فضیحت ہے' اور تنہائی میں نصیحت کرنا شفقت ہے۔ دوست کو بھی اس نصیحت پر تمہارا ممنون احسان ہونا چاہیے کہ تم نے اس کی خیر خواہی کی۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:۔

المومن مراۃ المومن (ابوداؤد۔ ابوہریرہؓ)

مومن مومن کا آئینہ ہے۔

مطلب یہ ہے کہ ایک صاحب ایمان دوسرے صاحب ایمان کی وجہ سے اپنے عیوب پر مطلع ہوجاتا ہے اگر تنہا ہوتا تو شاید مطلع نہ ہوپاتا' جس طرح آدمی آئینے میں اپنے چہرہ دیکھتا ہے' اگر آئینہ نہ ہوتا تو کس طرح دیکھتا' دوست کو آئینہ سمجھو' جس طرح تم آئینے میں اپنے ظاہری خدوخال کا مشاہدہ کرلیتے ہو اسی طرح دوست کے ذریعہ بھی اپنے کردار کی جھلک دیکھ لیتے ہو۔ امام شافعی فرماتے ہیں کہ جس شخص نے اپنے دوست کو تنہائی میں نصیحت کی' اس نے واقعتاً خیر خواہی کا ارادہ کیا' اور جس نے مجمع عام میں فہمائش کی اس نے گویا رسوائی کا سامان بہم پہنچایا۔ مسعر سے دریافت کیا گیا کہ اگر تمہیں کوئی شخص تمہارے عیوب سے مطلع کرائے تو کیا تم اس سے محبت کرو گے' جواب دیا: یقیناً لیکن اس صورت میں جب کہ یہ اطلاع خلوت میں دے' اگر اس نے مجمع عام میں فہمائش کی تو شاید میں اس سے محبت نہ کرسکوں۔ حقیقت بھی یہی ہے کہ مجمع میں نصیحت مؤثر نہیں ہوتی' بلکہ فضیحت بن جاتی ہے۔ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ بعض مؤمنین پر عتاب فرمائیں گے' مگر مجمع عام میں نہیں' بلکہ اپنے عرش کے سایے میں اپنی پناہ میں بلاکر' انہیں سربمہر نامہ اعمال دیا جائے گا' اور وہ بھی براہ راست ان کے ہاتھوں میں نہیں' بلکہ ان فرشتوں کو دیا جائے گا جو جنت تک ان کی رہنمائی کریں گے یہ فرشتے جنت کے دروازے پر پہنچ کر سربمہر نامۂ اعمال ان کے حوالے کریں گے' لیکن جو لوگ غیظ و غضب کے مستحق ہوں گے وہ مجمع عام میں بلالیے جائیں گے' ان کے اعضاء گواہی دیں گے ایک ایک گناہ لوگوں کے سامنے آئے گا۔ ہم اس دن کی رسوائی اور ذلت سے رب کریم کی پناہ چاہتے ہیں۔

اس تفصیل کا ماحصل یہ ہے کہ نصیحت و فہمائش میں اخفاء و ظاہر کا فرق ہے نصیحت تنہائی میں ہوتی ہے' اور فہمائش مجمع میں۔ یہ فرق ایسا ہی ہے جیسا مدارات اور مُداہنت میں ہے کہ دونوں میں تسامح اور چشم پوشی ہے' لیکن اگر یہ چشم پوشی اس لیے ہے کہ

تمہارے دوست کی اصلاح ہو جائے تو یہ مدارات ہے' اور اگر اس میں اپنی کوئی غرض مثلاً عزت و وقار کی بقا شامل ہے تو مداہنت ہے' شریعت کی نظر میں مدارات پسندیدہ ہے' مداہنت پسندیدہ نہیں ہے۔ حضرت ذوالنون مصریؒ نے اپنے شاگرد کو یہ نصیحت فرمائی کہ خدا تعالیٰ کی مشیت میں موافقت' خلق کی رفاقت میں نصیحت نفس کی صحبت میں مخالفت' اور شیطان کی صحبت میں عداوت ملحوظ رہنی چاہیے۔

اب اگر کوئی شخص یہ کہے کہ نصیحت میں عیوب کے ذکر سے دل میں نفرت پیدا ہوگی' نہ کہ محبت' اور نفرت اخوت کے منافی ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ دل اس عیب کے ذکر سے متنفر ہوتا ہے جس سے دوسرا شخص خود بھی واقف ہو جس عیب سے وہ خود واقف نہیں' اور دوسرا شخص اسے بتلا دے تو اس میں کیا قباحت ہے؟ بلکہ یہ تو عین شفقت ہے' بشرطیکہ جس شخص کے عیوب بتلائے جائیں وہ عقلمند ہو۔ بے وقوف سے یہاں بحث نہیں ہے۔ جو شخص تمہاری بری عادت یا کسی مذموم وصف پر تمہیں تنبیہہ کرے' اس کی مثال ایسی ہے جیسے تمہارے کپڑوں میں سانپ یا بچھو ہو' اور وہ تمہیں ڈسنا چاہتا ہو' کہ ایک شخص آئے اور تمہیں آگاہ کردے۔ کیا وہ شخص تمہارا دشمن ہے جس نے سانپ بچھو سے تمہیں بچایا؟ کیا تم اس شخص سے نفرت کرو گے؟ ہرگز نہیں یہی حال ناصح مشفق کا ہے' اس کی نصیحت پر برا منانا سراسر حماقت ہے' وہ تو تمہیں ہلاکتوں سے بچانا چاہتا ہے' مذموم اوصاف' اور عیوب بھی سانپ' بچھو ہیں جو دلوں اور روحوں کو ڈس لیتے ہیں' اور آخرت میں ان کے لیے ہلاکت کا سامان کرتے ہیں' جس طرح دنیا کے سانپ بچھو بدن میں کاٹتے ہیں' اور دنیا میں ہلاک کرتے ہیں' یہی وجہ ہے کہ حضرت عمر ابن الخطابؓ عیوب سے آگاہ کرنے کے عمل کو ہدیہ کہا کرتے تھے۔ فرماتے تھے کہ اللہ تعالیٰ اس شخص پر رحم کرے جو اپنے بھائی کے پاس اس کے عیوب کا ہدیہ لے کر جائے۔ ایک مرتبہ حضرت سلمان الفارسیؓ آپ کے پاس آئے' آپ نے ان سے اپنی اس خواہش کا اظہار کیا کہ مجھے میرے عیوب سے آگاہ کرو' اگر تم نے میرے متعلق کوئی بات سنی ہو تو مجھے بتلاؤ تاکہ میں اصلاح کرلوں' سلمانؓ نے معذرت کی' حضرت عمرؓ نے اصرار کیا' بالآخر انہوں نے کہا کہ میں نے سنا ہے آپ کے پاس دو لباس ہیں' ایک رات کے لیے' اور دوسرا دن کے لیے' میں نے یہ بھی سنا ہے کہ آپ دسترخوان پر دو سالن جمع کرلیتے ہیں؟ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ لباس اور سالن کے معاملے میں تم فکر نہ کرو کوئی اور بات سنی ہو تو بتلاؤ' سلمانؓ نے کہا کہ اس کے علاوہ میں نے کوئی بات نہیں سنی حذیفہ مرعشی نے یوسف ابن اسباط کے نام اپنے ایک مکتوب میں لکھا کہ "افسوس صد افسوس! تم نے دو پیسوں کے عوض میں اپنا دین فروخت کرڈالا' میں نے سنا ہے کہ ایک دودھ والا تمہارے علم و فضل سے واقف تھا' وہ ایک روز دودھ بیچنے آیا تو تم نے دودھ کی قیمت دریافت کی' اس نے چھ پیسے بتلائی' تم نے چار پیسے لگائے' اور وہ تمہیں اسی قیمت پر دودھ دے کر چلا گیا' یہ کیا غضب کیا؟ غفلت کی انتہا ہوگئی' خواب غفلت سے جاگو' یاد رکھو کہ جو شخص قرآن کی تلاوت سے غنی نہیں ہوتا اور دنیا کو ترجیح دیتا ہے وہ قرآن کی آیات کے ساتھ استہزاء کرنے والوں میں شامل ہے۔" اللہ تعالیٰ نے جھوٹوں کا یہ وصف بیان کیا ہے کہ وہ اپنے ناصحین سے بغض رکھتے ہیں' فرماتے ہیں:۔

وَلٰكِنْ لَّا تُحِبُّوْنَ النّٰصِحِيْنَ (پ ۸' ر ۱۷' آیت ۷۹)

لیکن تم لوگ خیرخواہی کو پسند نہیں کرتے تھے۔

بہرحال اگر کوئی دوست اپنے عیوب سے واقف نہ ہو تو اسے آگاہ کردینا چاہیے۔ لیکن اگر وہ اپنے عیب سے واقف ہے' اور اسے تم سے چھپاتا بھی ہے تو آگاہ کرنے کی ضرورت نہیں' اظہار کی صورت میں نصیحت کرنی چاہیے' لیکن لطف مودت کے ساتھ کبھی کنائے میں' اور کبھی صریح الفاظ میں تاکہ وہ تمہاری نصیحت سے وحشت میں مبتلا نہ ہو' لیکن اگر یہ خیال ہو کہ اس پر نصیحت کا کوئی اثر مرتب نہیں ہوگا تو خاموش رہنا بہتر ہے۔ یہ تفصیل ان امور میں نصیحت کی ہے جن کا تعلق دوست کے دینی یا دنیوی مقاصد سے ہو' اور جو امور تمہاری ذات سے متعلق ہوں' مثلاً" اس نے تمہاری حق تلفی کی ہو' کسی موقعہ پر تمہیں برا کہہ دیا ہو' یا تمہارے اکرام میں کوتاہی کی ہو تو تحمل اور عفو و درگذر سے کام لینا چاہیے۔ بشرطیکہ نوبت ترک ملاقات تک نہ پہنچے لیکن اگر یہ

اندیشہ ہو کہ ان حرکتوں کا تسلسل اور دوام ترک تعلق کا سبب بن سکتا ہے تو عتاب ضرور کرے عتاب میں صراحت سے کنایہ بہتر ہے۔ اور پھر زبانی عتاب سے بہتر تحریری عتاب ہے' کیونکہ اس میں غصہ کم آتا ہے' اور سوچنے کا موقع زیادہ ملتا ہے۔ کسی بھی شخص سے تمہاری دوستی کی غرض یہ ہونی چاہیے کہ تم اس کا لحاظ کرو' اس کا حق ادا کرو اس کی غلطی پر صبر و تحمل سے کام لو' یہ نیت نہ ہونی چاہیے کہ تم اس سے اپنے کاموں پر مدد لو' اور جب وہ غلطی کرے تو اسے سزا دو' اور اس سے یہ امید رکھو کہ وہ تمہارے ساتھ نرمی کا معاملہ کرے۔ ابوبکر کتانیؒ کہتے ہیں کہ ایک شخص نے میری رفاقت اختیار کی' مجھے اس کی ایک حرکت بڑی گراں گذری ایک روز میں نے اسے ایک چیز دی' مقصد یہ تھا کہ میرے دل سے وہ بات نکل جائے' لیکن دل میں خلش بدستور باقی رہی۔ مجبور ہو کر میں اسے ایک کمرے میں لے گیا اور اس سے یہ کہا کہ میرے رخسار پر اپنا پاؤں رکھ دے' اس نے انکار کیا میرے اصرار پر اسے مجبور ہونا پڑا تب جاکر میری خلش دور ہوئی۔ ابو علی الرباطی کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں عبداللہ رازی کا رفیق سفر تھا ہم دونوں کی منزل ایک تھی روانگی سے پہلے عبداللہ رازی نے فرمایا کہ پہلے یہ طے کرلو کہ ہم میں سے کون شخص اس قافلے کی قیادت کرے گا' میں نے عرض کیا: بھلا یہ بھی کوئی پوچھنے کی بات ہے' آپ میرے امیر ہیں' انہوں نے کہا کہ اس صورت میں تمہیں میرا ہر حکم ماننا ہوگا۔ میں نے انہیں اپنی اطاعت کا یقین دلایا۔ انہوں نے ایک تھیلے میں سامان سفر رکھا' اور اپنی پیٹھ پر لاد کر چل دئے' میں نے بہت اصرار کیا کہ آپ یہ بوجھ مت اٹھائیں مجھے دے دیں مگر انہوں نے تھیلا نہیں دیا' اور یہ کہہ کر مجھے خاموش کردیا کہ میں امیر ہوں' تمہیں میری اطاعت کرنی چاہیے' راستے میں بارش ہونے لگی' آپ کے پاس ایک چادر تھی جسے آپ میرے سر پر تان کر کھڑے ہوگئے' اور مجھے نیچے بٹھلا دیا' میں دل ہی دل میں کہتا تھا کہ کاش مجھے موت آجاتی اور میں یہ نہ کہتا کہ آپ میرے امیر ہیں۔

پانچواں حق۔ عفو و درگذر:۔ دوست کا پانچواں حق یہ ہے کہ اس کی لغزشوں' اور خطاؤں سے درگذر کرو۔ یہ خطائیں دو حال سے خالی نہیں ہوتیں یا تو ان کا تعلق دین سے ہوتا ہے یا تمہاری ذات سے چنانچہ اگر تمہارا دوست دین میں کسی کوتاہی کا مرتکب ہو' یا اس پر اصرار کرے تو تمہیں اس کے ساتھ وعظ و نصیحت کا وہ اسلوب اختیار کرنا چاہیے کہ وہ راہ راست پر آجائے' اگر اسے راہ راست پر لانا تمہارے دائرہ امکان سے خارج ہو' اور وہ بدستور گناہوں کا ارتکاب کرتا رہے تو ایسے شخص کے ساتھ دوستی باقی رکھنی چاہیے یا نہیں؟ اس سلسلے میں صحابہ کرام اور تابعین کا طریقہ مختلف ہے حضرت ابوذر غفاریؓ کا مذہب یہ ہے کہ اس سے دوری اختیار کرنی چاہیے' فرماتے ہیں کہ اس سے محبت کرنے کی وجہ اس کی راستی اور پاکبازی تھی راہ راست سے بھٹکنے کے بعد وہ تمہاری محبت کا مستحق نہیں رہا تم اس سے نیکی کی بنا پر محبت کرتے تھے' اب بدی کی وجہ سے نفرت کرو۔ ان کے نزدیک محبت فی اللہ' اور بغض فی اللہ کے معنی ہی یہ ہیں' حضرت ابوالدرداءؓ' اور بعض دیگر صحابہ کرام فرماتے ہیں کہ اگر تمہارے بھائی کی حالت بدل جائے تو اس سے تعلق منقطع مت کرو یہ تغیر عارضی ہے' اگر وہ آج ٹیڑھا ہے تو کل سیدھا بھی ہو سکتا ہے۔ ابراہیم نخعیؒ فرماتے ہیں کہ اگر تمہارے بھائی سے کوئی گناہ سرزد ہو تو اس سے ترک نہ کرو اس نے آج گناہ کا ارتکاب کیا ہے کل وہ توبہ بھی کر سکتا ہے یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ لوگوں سے عالم کی لغزش کا ذکر مت کرو' اس لیے کہ عالم بھی انسان ہے' اس سے غلطی ہو سکتی ہے' مگر اس کے علم سے توقع یہی ہے کہ وہ اس غلطی پر مداومت نہیں کرے' اسی مضمون کی ایک حدیث بھی ہے' فرمایا:۔

اتقوا زل العالم ولا تقطعوہ وانتظروا فیئتہ (کامل ابن عدی۔ عمرو ابن عوف مزنیؓ)

عالم کی لغزش سے ڈرو' اور اس لغزش کی بنا پر اس سے ترک تعلق مت کرو' بلکہ (گناہوں سے) اس کی واپسی کا انتظار کرو۔

روایت ہے کہ حضرت عمرؓ نے ایک شخص کو اپنا بھائی بنایا' کسی وجہ سے وہ شخص شام چلا گیا' اور وہیں رہنے لگا' جب بھی کوئی شخص شام سے مدینہ منورہ آتا آپ اپنے بھائی کی خیریت ضرور دریافت کرتے' ایک مرتبہ کسی شخص سے آپ نے پوچھا کہ تم شام سے آئے ہو' میرے فلاں بھائی کے متعلق بھی کچھ جانتے ہو' کس حال میں ہے؟ اس شخص نے عرض کیا: یا امیرالمؤمنین وہ آپ کا

بھائی کیسے ہوگیا' وہ تو شیطان کا بھائی ہے؟ حضرت عمرؓ نے اس کی وجہ دریافت کی کہنے لگا وہ شخص جسے آپ اپنا بھائی کہہ رہے ہیں بہت سے کبیرہ گناہوں میں مبتلا ہے' یہاں تک کہ وہ ام الخبائث شراب کا عادی بھی ہے۔ آپ نے اس شخص سے کہا کہ جب تم شام واپس جانے لگو تو مجھ سے مل کر جانا' چنانچہ وہ شامی مسافر واپس جانے لگا تو الوداعی ملاقات کے لیے حاضر ہوا۔ آپ نے ایک خط اس کے حوالے کیا اور یہ تاکید کی کہ اسے میرے بھائی کو دے دینا۔ یہ خط عتاب کے مضامین پر مشتمل تھا۔ شروع میں مندرجہ ذیل آیت کریمہ لکھی ہوئی تھی۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ غَافِرِ الذَّنْبِ وَقَابِلِ التَّوْبِ شَدِيْدِ الْعِقَابِ ذِي الطَّوْلِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ اِلَيْهِ الْمَصِيْرُ (پ ۲۴ ر ۶ آیت ۲ و ۳)

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان بڑے رحم والے ہیں یہ کتاب اتاری گئی ہے اللہ کی طرف سے جو زبردست ہے' ہر چیز کا جاننے والا ہے' گناہ کا بخشنے والا ہے' اور توبہ کا قبول کرنے والا ہے' سخت سزا دینے والا ہے' قدرت والا ہے' اس کے سوا کوئی لائق عبادت نہیں اسی کے پاس سب کو جانا ہے۔

مکتوب الیہ نے حضرت عمرؓ کا یہ خط پڑھا تو بہت رویا اور کہنے لگا کہ باری تعالیٰ سچ فرماتے ہیں عمرؓ کی نصیحت برحق ہے' اس کے بعد گناہوں سے توبہ کی' اور راہ راست پر چلنے کا عزم مصمم کیا۔ کہتے ہیں کہ ایک شخص کسی خوبصورت لڑکی کے عشق میں مبتلا ہوگیا' اس نے اپنے دوست کو اس کیفیت سے آگاہ کیا' اور اسے اختیار دیا کہ وہ چاہے تو مجھ گنہگار سے تعلق ختم کرلے' اس گناہ کے بعد میں واقعتاً تمہاری دوستی کے قابل نہیں رہا۔ دوست نے اسے تسلی دی' اور یہ یقین دلایا کہ میں دوستی برقرار رکھوں گا' میں ان لوگوں میں سے نہیں ہوں جو کسی سے اس کی غلطیوں کی بناء پر ترک تعلق کرلیتے ہیں اپنے گنہگار دوست کو یقین دلانے کے بعد اس نے اللہ عزوجل کی طرف رجوع کیا' اور یہ عہد کیا کہ جب تک میرا بھائی سابقہ حالت پر واپس نہیں آئے گا' میں اس وقت تک کچھ نہ کھاؤں گا' اور نہ کچھ پیوں گا۔ اس وقت سے کھانا پینا ترک کردیا' لیکن دوست کو اس کی اطلاع نہیں دی کہ میں تیرے لیے اتنا زبردست مجاہدہ کررہا ہوں البتہ وہ روزانہ یہ ضرور دریافت کرلیتا کہ اب تمہارے جذبۂ عشق میں کمی ہوئی یا نہیں' وہ نفی میں جواب دیتا' ادھر عشق عروج پر تھا اور ادھر غم اور بھوک پیاس کی شدت سے جاں کنی کا عالم تھا' بالآخر چالیس روز کے بعد یہ اطلاع ملی کہ اب عشق کا بھوت اتر گیا ہے تب جاکر بے گناہ دوست نے کھانا کھایا۔ اسی طرح کا ایک واقعہ یہ ہے کہ دو دوستوں میں سے ایک راہ راست سے منحرف ہوگیا' لوگوں نے دوسرے شخص سے کہا کہ اب جب کہ تمہارا بھائی غلط کاریوں میں مبتلا ہوچکا ہے کیا تم اس سے تعلق رکھنا پسند کروگے' اس نے جواب دیا کہ یہی وہ وقت ہے جب کہ اسے میری ضرورت زیادہ ہے بھلا میں اسے پریشانی کے اس عالم میں تنہا کیسے چھوڑ دوں' اگر وہ غلط کار ہے' تو میں اس پر ناراض ہوں گا' اسے تنبیہہ کروں گا' اگر وہ راہ راست سے بھٹک گیا ہے تو میں اس کا ہاتھ پکڑ کر صحیح راستے پر لانے کی کوشش کروں گا' اور یہ دعا کروں گا کہ وہ اپنی پہلی حالت پر لوٹ آئے۔ بنی اسرائیل کے دو دوستوں کا قصہ ہے کہ وہ دونوں کسی پہاڑ پر عبادت کیا کرتے تھے' کبھی کبھی نیچے آتے' اور ضرورت کی چیزیں خرید کر واپس چلے جاتے' ایک مرتبہ گوشت کی ضرورت محسوس ہوئی تو ان میں سے ایک نیچے آیا' اور شہر کے بازار میں خرید و فروخت کرنے لگا' قصائی کی دکان پر ایک خوبصورت نازک اندام لڑکی تھی' یہ شخص اس کے حسن میں ایسا کھویا کہ واپس جانے کا ارادہ ترک کرکے اس کا ہو رہا۔ اسے تنہائی میں لے گیا' اس کے ساتھ ہمبستری کی' اور تین روز تک اسی کے پاس ٹھہرا رہا' دوسرے شخص نے تین دن کے انتظار کے بعد اپنے گم شدہ دوست کی تلاش شروع کی' بازار پہنچا' معلومات کیں' بہت جلد معلوم ہوگیا کہ مطلوبہ شخص فلاں عورت کے پاس مقیم ہے' وہ شخص پہنچا' اطلاع درست تھی' لیکن اس نے ملامت اور خفگی کا راستہ اختیار نہیں کیا' بلکہ اسے اٹھا کر اپنے سینے سے لگایا' اس کے بوسے لئے' اس کے نہ آنے پر اپنے اضطراب کا اظہار کیا' وہ شخص کیونکہ اپنی غلطی پر نادم تھا' اسے اپنے پاکباز دوست کے پاس واپس جانے میں شرم محسوس ہو رہی تھی اس لیے اس نے انکار کردیا کہ میں نہیں جانتا تم کون ہو' اور مجھے

تلاش کرتے ہوئے یہاں تک کیوں آئے ہو؟ مگر دوسرا دوست اس کی بے رخی پر بھی برافروختہ نہیں ہوا' بلکہ اسے پیار و محبت سے سمجھاتا رہا' اور اسے یقین دلاتا رہا کہ اگرچہ تم نے سنگین گناہ کا ارتکاب کیا ہے لیکن میرے دل سے تمہاری محبت ذرہ برابر بھی کم نہیں ہوئی' جب اس شخص نے یہ دیکھا کہ میں اپنی لغزش کے باوجود اپنے دوست کی نظروں سے نہیں گرا' اس نے بہتر یہی سمجھا کہ سابقہ زندگی ترک نہ کی جائے' اسی میں عافیت ہے' چنانچہ وہ دونوں پھر ایک جیسے ہو گئے۔ بہرحال حضرت ابوذرؓ کے طریقے سے زیادہ بہتر لطیف' اور تفقہ سے قریب تر طریقہ یہی ہے۔

یہاں یہ اعتراض کیا جاسکتا ہے کہ آپ کے قول کے مطابق معصیت کے مرتکب سے اخوت کا رشتہ قائم کرنا جائز نہیں ہے' اس سے ثابت ہوا کہ اگر کوئی بھائی معصیت میں مبتلا ہو جائے تو اس سے تعلق ختم کر دینا چاہیے' قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ جس علت سے حکم ثابت ہو اگر وہ علت باقی نہ رہے تو حکم بھی بدل جانا چاہیے' حالانکہ آپ کا اصرار یہ ہے کہ دوستی ترک نہ کی جائے' عتاب اور اظہار خفگی میں نرمی اختیار کی جائے' اس طریقہ اصلاح کو آپ الطف اور افقہ قرار دیتے ہیں' اس کی وجہ کیا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ہم نے اس طریقہ اصلاح کو لطیف اس لیے کہا کہ اس میں نرمی اور مہربانی پائی جاتی ہے' انسان فطرتاً نرمی کا خوگر ہے' سخت گیری اسے بہت کم راس آتی ہے' بار بار کا تجربہ بھی یہی ہے کہ گناہوں کی زندگی سے توبہ' اور اللہ کی طرف واپسی کے لیے تشدد مؤثر نہیں ہوتا' یہ طریقۂ اصلاح فقہ سے قریب تر اس لیے ہے کہ اخوت بھی ایک قرابت ہے جب دو آدمی رشتہ اخوت قائم کر لیتے ہیں تو قرابت کا حق مؤکد ہو جاتا ہے' اور یہ ضروری ہو جاتا ہے کہ وہ دونوں ایک دوسرے کا حق ادا کریں۔ اس طرح گناہوں کے ارتکاب سے قرابت ختم نہیں ہوتی اسی طرح اخوت بھی ختم نہیں ہوتی نیز جس طرح یہ ضروری ہے کہ قرابت کے حقوق ادا کئے جائیں اسی طرح یہ بھی ضروری ہے کہ اخوت کے حقوق ادا کئے جائیں۔ اخوت کا ایک حق یہ بھی ہے کہ جس وقت بھائی تمہاری ضرورت محسوس کرے تم اس کی دستگیری کرو' دین کی ضرورت مال کی ضرورت سے زیادہ اہم ہے' جتنی توجہ تم اس کی مالی ضرورتیں پوری کرنے پر دیتے ہو اس سے کہیں زیادہ ضرورت اس بات کی ہے کہ تم اس کی دینی ضرورتوں پر توجہ دو' معصیت کے ارتکاب سے وہ پریشانیوں میں گھر گیا ہے آخرت قریب ہے' دشوار گذار سفر سامنے ہے' اگر تم نے اس کی مدد نہیں کی' اور اسے بے یار و مددگار چھوڑ دیا تو کیا وہ اس سفر کی دشواریوں کو انگیز کرتا ہوا سلامتی کے ساتھ منزل تک پہنچ سکے گا؟ وہ کسی ایسے مددگار کا محتاج ہے جو اس کا ہاتھ پکڑ کر یہ کہے کہ تم غلط راستے پر چل رہے ہو' اور پھر صحیح راستے پر چلنے میں اس کی مدد کرے اور اسے منزل تک پہنچائے' اگر تم نے اس سے ترک تعلق کر لیا تو انجام اس کے علاوہ کچھ نہ ہوگا کہ وہ اپنے جیسے بدکاروں کی صحبت اختیار کر لے گا' اور اس وقت اصلاح حال کی تمام کوششیں بیکار ثابت ہوں گی' نیک آدمیوں کی صحبت بھی بڑی موثر ہوتی ہے جب گنہگار آدمی کسی پرہیزگار شخص کی صحبت میں رہتا ہے' اور اس کے خوف و خشیت کا مشاہدہ کرتا ہے تو خود بھی دل ہی دل میں اپنے گناہوں پر ندامت کا اظہار کرتا ہے' اور عمل سے بھی اس ندامت کا ثبوت بہم پہنچاتا ہے' یہاں تک دیکھا گیا کہ سست اور کاہل آدمی اگر کسی چست اور فعال آدمی کی معیت میں رہنے لگا تو اس کی سستی کافور ہو گئی' اور وہ اپنے دوست کی طرح خود بھی فعال بن گیا۔ جعفر ابن سلیمانؒ کہتے ہیں کہ جب میں عمل میں سست پڑتا ہوں تو محمد ابن واسع کی حالت پر نظر ڈالتا ہوں کہ وہ کس طرح شب و روز عبادت میں مشغول رہتے ہیں' اور کسی لمحہ بھی غفلت کا شکار نہیں ہوتے' اس فکر سے مجھے بڑی تقویت ملتی ہے' یہی اپنے دل میں نشاط اور جسم میں توانائی محسوس کرتا ہوں اور یہ کیفیت کم از کم ایک ہفتے تک باقی رہتی ہے۔ بہرحال دوستی اور نسب کی قرابت کا حال یکساں ہے معصیت کی بنا پر قرابت ختم نہیں ہوتی یہی وجہ ہے کہ اللہ رب العزت نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اقارب کے سلسلے میں ارشاد فرمایا:۔

فَإِنْ عَصَوْكَ فَقُلْ إِنِّي بَرِيءٌ مِّمَّا تَعْمَلُونَ (پ ۱۹ ر ۱۵ آیت ۲۱۶)

اور اگر یہ لوگ آپ کا کہنا نہ مانیں تو آپ کہہ دیجئے کہ میں تمہارے افعال سے بیزار ہوں۔

یہ نہیں فرمایا کہ میں تم سے بری ہوں' اس لیے کہ شریعت کا مقصود قرابت ختم کرنا نہیں ہے حضرت ابوالدرداءؓ کے اس ارشاد کا

مطلب بھی یہی ہے کہ میرے دوست نے غلطی کی ہے' میں اسے برا سمجھتا ہوں' لیکن وہ خود تو میرا بھائی ہے۔ یاد رکھو کہ دین کی قرابت نسب کی قرابت سے زیادہ مستحکم اور پائیدار ہوتی ہے' چنانچہ ایک مرد دانا سے سوال کیا گیا کہ تمہیں اپنے بھائی سے زیادہ محبت ہے یا دوست سے' جواب دیا کہ بھائی سے محبت بھی اسی لیے ہے کہ میں اسے اپنا دوست سمجھتا ہوں۔ حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ کتنے بھائی ایسے ہیں جو تمہاری ماں کے پیٹ سے پیدا نہیں ہوئے۔ اسی لیے یہ بھی کہا جاتا ہے کہ قرابت دوستی کی محتاج ہے' دوستی کو قرابت کی ضرورت نہیں ہے' حضرت جعفر صادقؓ فرماتے ہیں کہ ایک روز کی دوستی صلہ ہے' ایک ماہ کی دوستی قرابت ہے' اور ایک سال کی دوستی قرابت قریبہ ہے جو شخص دوستی قطع کرے گا اللہ تعالیٰ اسے قطع کریں گے۔ اس جواب سے یہ بات بھی واضح ہو گئی کہ فاسق کے ساتھ عقد اخوت اسلئے نہیں کیا جاتا کہ پہلے سے اس کا کوئی حق متعلق نہیں ہے۔ ہاں اگر فاسق سے بھی کسی قسم کی قرابت ہو تو اس کا حق ادا کرنا بھی ضروری ہے' ابتداء ترک اخوت و صحبت نہ مکروہ ہے اور نہ مذموم۔ بلکہ بہت سے لوگ تو یہ کہتے ہیں کہ تنہائی زیادہ بہتر ہے' تاہم ہمیشہ کے لیے اخوت ترک کرنے سے منع کیا گیا ہے۔ اگر کوئی شخص شروع ہی سے کسی کو دوست نہ بنائے وہ ایسا ہے جیسے کوئی شخص نکاح نہ کرے' دوستی کرنے کے بعد ختم کرنے والا شخص نکاح کرنے کے بعد طلاق دینے والے کی طرح ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کے نزدیک طلاق ناپسندیدہ ہے' اسی طرح ترک اخوت بھی مذموم ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:۔

شرار عباد اللہ المشاؤن بالنمیمۃ والمفرقون بین الاحبۃ (احمد۔ اسماء بنت یزیدؓ)

اللہ تعالیٰ کے بدترین بندے وہ ہیں جو چغلی کھائیں اور دوستوں میں تفریق پیدا کریں۔

ایک بزرگ کہتے ہیں کہ تم دوستوں سے ترک تعلق کر کے شیطان کی خواہش پوری کرتے ہو' وہ تمہارے دل میں یہ بات ڈالتا ہے کہ تمہارا فلاں بھائی گنہگار ہے' اور تمہارے دوست سے کوئی ایسی حرکت کرا دیتا ہے کہ تم اس سے ناراض ہو جاؤ' شیطان کو جہاں یہ پسند ہے کہ لوگ باری تعالیٰ کی نافرمانی کریں وہیں یہ بھی پسند ہے کہ دوست دوست نہ رہیں اور وہ ایک دوسرے سے نفرت کرنے لگیں' شیطان کی ایک غرض تمہارے دوست نے پوری کی' کہ گناہ کا ارتکاب کیا' دوسری غرض تم نے پوری کی کہ اپنے دوست سے تعلق ختم کر بیٹھے عہد رسالت میں کسی شخص سے کوئی گناہ سرزد ہو گیا' ایک صحابی کو یہ حرکت بری لگی' انہوں نے چاہا کہ اس کی مذمت کریں آپ نے انھیں روک دیا' اور فرمایا کہ:۔

لا تکونوا اعوانا للشیطان علی اخیکم (بخاری۔ ابوہریرہؓ)

اپنے بھائی کے خلاف شیطان کے مددگار مت ہو۔

آپ کا مطلب یہی تھا کہ شیطان لعین اپنے ایک مقصد میں کامیاب ہو چکا ہے اب تم اپنے بھائی کے خلاف اظہار نفرت کر کے اسے دوسرے مقصد میں کامیاب مت کرو۔ اس تقریر سے ابتداءً دوستی کرنے اور دوستی کر کے باقی رکھنے میں فرق معلوم ہو جاتا ہے' اس فرق کے لیے یہ تعبیر بھی اختیار کی جاسکتی ہے کہ فساق کے ساتھ میل جول رکھنا بھی ممنوع ہے اور دوستوں سے ترک تعلق کرنا بھی پسندیدہ نہیں ہے یہ دونوں صورتیں ایک دوسرے کے معارض ہیں' ابتدا ہی سے دوستی رکھنے میں کوئی تعارض نہیں ہے' بلکہ وہاں صرف ایک حکم کی تعمیل ہے اور وہ یہ ہے کہ فساق سے دوستی نہ کرو' دوستی ختم کرنے میں حق اخوت ایک بڑا عارض ہے' اس حق کا تقاضا یہ ہے کہ دوستی ختم نہ کی جائے' اس لیے یہی کہا جائے گا کہ پہلی صورت میں فساق سے دور رہنا بہتر ہے' اور دوسری صورت میں دوستی باقی رکھنا افضل ہے۔

یہ ان خطاؤں کا حکم تھا کہ جنکا تعلق دین سے ہے' اگر کسی دوست سے خاص تمہارے حق میں کوئی کوتاہی سرزد ہو جائے تو اسے معاف کر دو' اور اس کوتاہی کی بنا پر جو ایذا تمہیں پہنچے اس پر صبر کرو' بلکہ اگر اس کی غلطی کے لیے کوئی معقول عذر تلاش کر سکو تو ایسا ضرور کرو' کہتے ہیں کہ اگر دوست سے کوئی غلطی سرزد ہو جائے تو اس کی لیے ستر عذر تلاش کرو' پھر بھی دل مطمئن نہ ہو تو اپنے

ہی نفس کو مطعون کرو کہ تو کتنا برا ہے' تیرا دوست عذر پر عذر کر رہا ہے اور تو اس کا کوئی عذر قبول نہیں کرتا' تیرا دوست غلطی پر نہیں ہے تو خود مجرم ہے' اگر غلطی سنگین ہے' اور دل کوئی عذر قبول کرنے کے لیے آمادہ نہیں ہے تو یہ کوشش ضرور کرو کہ صبر کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹے' اور غصہ نہ آنے پائے لیکن بظاہر اس کوشش میں کامیابی آسان نظر نہیں آتی' امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ جو شخص غصہ دلانے کے باوجود غصے نہ ہو وہ گدھا ہے' اور جو شخص منت خوشامد کے باوجود خفا رہے وہ شیطان ہے' اس لیے بہتر یہ ہے کہ نہ تم گدھے بنو' اور نہ شیطان بنو' بلکہ دوست کے قائم مقام بن کر اپنے دل کو سمجھانے کی کوشش کرو' احنف ابن قیسؒ کہتے ہیں کہ دوست کا حق یہ ہے کہ اگر وہ ناراض ہو تو اسے مناؤ' ناز نخرے دکھلائے تو تحمل سے کام لو' غلطی کرے تو معاف کردو' ایک بزرگ کہتے ہیں کہ میں نے آج تک کسی کو گالی نہیں دی' اگر مجھے کسی کریم نے برا کہا تو میں اس کا زیادہ مستحق ہوں کہ اسے معاف کردوں' اور کسی لئیم نے برا کہا تو میں یہ سوچ کر خاموش رہا کہ اسے جواب دے کر اپنا ثواب کیوں ضائع کروں' اور اپنی آبرو کو اس کی یا وہ گوئی کا ہدف کیوں بناؤں۔ اس کے بعد آپ نے یہ شعر پڑھا۔

واغفر عوراء الکریم ادخارہ واعرض عن شتم اللئیم تکرما

ترجمہ : میں کریم کو معاف کردیتا ہوں تاکہ میرا یہ عمل ذخیرۂ آخرت ثابت ہو' اور لئیم کو میں اس لئے گالی نہیں دیتا کہ اسے گالی دینا میرے شایان شان نہیں ہے۔

ایک شاعر نے یہ دو شعر کہے۔

خذ من خلیلک ما صفا ودع الذی فیہ الکدر
فالعمر اقصر من معا تب الخلیل علی الغیر

تمہارا دوست جب بھی کوئی عذر کرے خواہ وہ جھوٹا ہو یا سچا تمہیں اس کا عذر قبول کرلینا چاہیے' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:۔

من اعتذر الیہ اخوہ فلم یقبل عذرہ فعلیہ مثل صاحب مکس (ابن ماجہ' ابوداؤد مرسلاً)

جس شخص کے بھائی نے اس کے سامنے عذر کیا' اور اس نے عذر قبول نہ کیا تو اس پر ایسا گناہ ہوگا جیسا زبردستی ٹیکس وصول کرنے والے پر ہوتا ہے۔

اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ آدمی کسی بات پر خفا نہ ہو' غصہ ایک طبعی امر ہے' بہت سی باتیں ایسی ہی ہوتی ہیں جن پر طبع سلیم کو ناگواری کا احساس ہوتا ہے۔ شریعت نے فطرت کے تقاضوں پر پابندی لگائی لیکن انہیں بے مہار بھی نہیں چھوڑا' بلکہ فطری تقاضوں کی حدود مقرر کیں۔ مثلاً سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مومن کا یہ وصف بیان فرمایا ہے:۔

المؤمن سریع الغضب سریع الرضا

مومن کو غصہ بھی جلد آتا ہے' اور وہ خوش بھی جلد ہوجاتا ہے۔

یہ نہیں فرمایا کہ مومن کو غصہ نہیں آتا۔ اسی طرح قرآن پاک میں فرمایا گیا:۔

وَالْكَاظِمِينَ الْغَيْظَ (پ ۴ ر ۵ آیت ۱۳۴)

اور غصہ کے ضبط کرنے والے۔

یہ نہیں فرمایا کہ وہ لوگ جنہیں غصہ نہیں آتا۔ فطرت کی رو سے یہ ممکن نہیں کہ کوئی شخص زخمی ہو اور تکلیف محسوس نہ کرے تاہم یہ ممکن ہے کہ وہ اس تکلیف پر تحمل اور صبر کا مظاہرہ کرے اور دوسروں کو یہ احساس نہ ہونے دے کہ وہ کسی قسم کی تکلیف محسوس کر رہا ہے اسی طرح یہ بھی ممکن نہیں کہ کسی شخص کو غصہ آئے اور تکلیف نہ ہو تاہم یہ ممکن ہے کہ غصہ پی جائے'

اور اپنے قول و عمل سے اس کا اظہار نہ ہونے دے' نیز غصے کے تقاضے پر عمل نہ کرے غصہ کا اقتضاء یہ ہے کہ آدمی اس شخص سے انتقام لے جس پر غصہ آئے۔ ابو سلیمان دارانیؒ نے احمد ابن حواری سے فرمایا کہ اگر تم اس دور میں کسی کو اپنا بھائی بناؤ اور اس کی کوئی بات تمہیں ناگوار گذرے تو اس پر خفامت ہو' کیا بعید ہے کہ وہ تمہیں ایسا جواب دے جس میں پہلے سے بھی زیادہ تکلیف ہو۔ احمد کہتے ہیں کہ میں نے اس کا بارہا تجربہ کیا' اور ہر بار یہی نتیجہ نکلا کہ دوستوں پر عتاب کرنا درست نہیں ہے' بعض اکابرین فرماتے ہیں کہ دوست کی خطا پر صبر عتاب سے بہتر ہے۔ اگر ترک ملاقات کے علاوہ چارہ کار نہ ہو تو اسے مجبوری سمجھے' لیکن عتاب میں مبالغہ نہ کرے' کیا بعید ہے کہ دلوں میں پھر وسعت پیدا ہو جائے' اور دوری قربت میں بدل جائے۔ قرآن کریم میں ہے:۔

عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّجْعَلَ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَ الَّذِيْنَ عَادَيْتُمْ مِّنْهُمْ مَّوَدَّةً (پ ۲۸ ر ۷ آیت ۷)

اللہ تعالیٰ سے امید ہے کہ وہ تم میں اور ان لوگوں میں جن سے تمہاری عداوت ہے دوستی کردے۔

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:۔

احبب حبيبک هونا ما عسى ان يكون بغيضک يوما ما وابغض بغيضک هونا ما عسى ان يكون حبيبک يوما ما (ترمذی۔ ابو ہریرہؓ)

اپنے دوست سے اعتدال کے ساتھ محبت کرو ایسا نہ ہو کہ وہ کسی روز تمہارا دشمن بن جائے (اور اس وقت اس کی محبت تمہارے لئے سوہان روح ثابت ہو) اور اپنے دشمن سے دشمنی میں اعتدال رکھو ایسا نہ ہو کہ وہ کسی روز تمہارا دوست بن جائے۔

حضرت عمر ابن الخطابؓ فرماتے ہیں کہ دوستی میں اتنا مبالغہ مت کرو کہ عذاب جان بن جائے' اور نہ دشمنی میں اس حد تک آگے جاؤ کہ دوستوں کو ہمیشہ کے لیے کھو بیٹھو' ہر چیز میں میانہ روی اور توسط ہونا چاہیے' اسی میں خیر ہے۔

چھٹا حق۔ دعا:۔ دوست کا حق یہ ہے کہ اس کی زندگی' اور مرنے کے بعد اس کے لیے دعائے خیر کرے اس کے اہل خانہ اور دوسرے متعلقین کو بھی دعاؤں میں فراموش نہ کرے' اپنی ذات کے لیے' اور دوست کے لیے دعا کرنے میں کوئی فرق نہ ہونا چاہیے۔ اپنے دوست کے لیے بھی وہی دعا کرے اور اسی آہ وزاری کے ساتھ کرے جو اپنے لیے کرتا ہے' اور جس آہ وزاری کے ساتھ کرتا ہے دوستوں کے لیے دعا کرنے کی فضیلت کے سلسلے میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:۔

اذا دعا الرجل لاخيه بظهر الغيب قال الملک لک مثل ذلک (مسلم۔ ابو الدرداءؓ)

جب کوئی شخص اپنے بھائی کے لیے پیٹھ پیچھے دعا مانگتا ہے تو فرشتہ کہتا ہے کہ تیرے لیے بھی وہی ہے جو تو اس کے لیے مانگتا ہے۔

يستجاب للرجل في اخيه مالا يستجاب له في نفسه (۱)

آدمی کی دعا اس کے دوست کے حق میں اس قدر قبول ہوتی ہے کہ خود اس کے حق میں بھی قبول نہیں ہوتی۔

دعوة الاخ لاخيه في الغيب لا ترد (۲)

بھائی کی دعا بھائی کے لیے اس کی غیبت میں رد نہیں ہوتی۔

---

(۱) روایت کے یہ الفاظ مجھے نہیں ملے۔ تاہم ابوداؤد اور ترمذی نے عبداللہ ابن عمرؓ کی یہ روایت نقل کی ہے "اسرع الدعاء اجابه دعوة غائب لغائب"۔ (۲) دار قطنی فی العلل۔ ابو الدرداء' یہ روایت مسلم میں بھی ہے مگر اس میں "لا ترد" کی جگہ "مستجاب" ہے۔

حضرت ابوالدرداءؓ فرمایا کرتے تھے کہ میں اپنے سجدوں میں ستر دوستوں کے لیے دعائے خیر کرتا ہوں' اور ہر دوست کا الگ الگ نام لیتا ہوں۔ محمد ابن یوسف اصبہانیؒ فرماتے ہیں کہ نیک دوست کا وجود بڑا غنیمت ہے' ورنہ ایسے لوگ کہاں ملتے ہیں کہ جب تم مرجاؤ' اور اقرباء وراثت تقسیم کرنے لگیں تو وہ تمہارے لیے مغفرت کی دعا کریں' گھروالے تمہارے چھوڑے ہوئے مال سے داد عیش دیں اور وہ بیچارے رات کی تاریکیوں میں تمہارے لیے آنسو بہائیں' یہ لوگ فرشتوں کے مقلد ہیں' فرشتوں کو بھی ترکے کی فکر نہیں ہوتی' وہ صرف اعمال کے متعلق پوچھتے ہیں' چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:۔

اذا مات العبد قال الناس ما خلف وقالت الملائکة ما قدم (بیہقی۔ ابوہریرہؓ)

جب بندہ مرجاتا ہے تو لوگ پوچھتے ہیں کہ مرحوم نے کیا چھوڑا اور فرشتے دریافت کرتے ہیں کہ مرحوم نے آگے کیا بھیجا۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اگر کسی شخص کو اپنے دوست کے مرنے کی اطلاع ملے اور وہ اس کے لیے مغفرت و رحمت کی دعا کرے تو اسے جنازہ کی مشایعت کرنے اور نماز جنازہ پڑھنے کا ثواب عطا کیا جائے گا۔ ایک حدیث میں ہے:۔

مثل المیت فی قبره مثل الغریق یتعلق بکل شئی ینتظر دعوة ولدا ووالد' اواخ' او قریب' وانه لیدخل علی قبور الاموات من دعاء الاحیاء من الانوار مثل الجبال (مسند الفردوس۔ ابوہریرہؓ)

قبر میں مردے کا حال ڈوبنے والے کے حال کے مشابہ ہے کہ ڈوبنے والا ہر چیز کا سہارا حاصل کرنا چاہتا ہے (حتی کہ تنکے کا بھی) اسی طرح مردہ بھی بیٹے' یا باپ' یا بھائی اور دوسرے عزیز و قریب کی دعاؤں کا منتظر رہتا ہے مردوں کی قبروں میں زندوں کی دعاؤں کا نور پہاڑوں کی صورت داخل ہوتا ہے۔

بعض اکابر فرماتے ہیں کہ مرنے والوں کے حق میں دعا ایسی ہے جیسے زندہ لوگوں کے حق میں ہدیہ چنانچہ جب کوئی شخص مرجاتا ہے اور یہاں اس کے لیے دعائے مغفرت کی جاتی ہے تو فرشتہ نور کے طشت میں یہ دعا رکھ کر مرنے والے پاس لے جاتا ہے' اور اسے بتلاتا ہے کہ تیرے فلاں عزیز یا فلاں دوست نے ہدیہ بھیجا ہے' دعاؤں کے اس تحفے سے مرنے والے کو اتنی خوشی ہوتی ہے جتنی خوشی اسے زندگی میں دوستوں کے ہدایا پاکر ہوا کرتی تھی۔

<u>ساتواں حق۔ وفا اور اخلاص:۔</u> وفا کے معنی یہ ہیں کہ آدمی اپنے دوست کی زندگی تک اس کی محبت اور دوستی پر ثابت قدم رہے۔ اور جب وہ مرجائے تو اس کے پس ماندگان' احباب اور اقارب کے ساتھ حسن سلوک کرے' اور انھیں بھی اپنے دوست کی طرح سمجھے۔ آخرت میں کام آنے والی دوستی وہی ہے جو زندگی کی آخری سانس تک باقی رہے' حدیث شریف میں ان سات آدمیوں کا ذکر کیا گیا ہے جنھیں قیامت کے روز باری تعالیٰ کے سایہ رحمت میں جگہ ملے گی' ان میں وہ دو اشخاص بھی ہیں جنھوں نے اللہ کے لیے محبت کی' اس محبت پر مجتمع رہے' اور اسی محبت پر ایک دوسرے سے جدا ہوئے۔ (یہ حدیث پہلے بھی گزر چکی ہے) ایک بزرگ کہتے ہیں کہ وفات کے بعد معمولی وفا زندگی کی غیر معمولی وفا سے بہتر ہے۔ روایات میں ہے کہ ایک بوڑھی عورت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی تو آپ نے اس کی تکریم فرمائی' لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! یہ عورت کون ہے جس کا آپ نے اس قدر اعزاز فرمایا۔ ارشاد فرمایا:۔

انها کانت تاتینا ایام خدیجة' وان حسن العهد من الایمان (حاکم۔ عائشہؓ)

یہ عورت خدیجہ کے زمانے میں ہمارے پاس آیا کرتی تھی دور گذشتہ کو یاد رکھنا ایمان کی بات ہے۔

وفا ایک لامحدود جذبے اور عمل کا نام ہے' اس کا تعلق صرف دوست کی ذات ہی سے نہیں ہے' بلکہ دوست کے تمام متعلقین عزیز و اقارب اور دوست احباب بھی اسی سلوک کے مستحق ہیں جس کا مظاہرہ تم دوست کے ساتھ کرتے ہو' بلکہ تمہارا دوست اس

سے زیادہ خوش ہوگا کہ تم اس کے متعلقین کی خبر گیری کرو' اور انھیں اہمیت دو حقیقی محبت وہی ہے جس کا محور صرف محبوب کی ذات نہ ہو' بلکہ محبوب کی ذات سے متعلق چیزیں بھی محبوب ہوں' حتی کہ اس کے در کا کتا بھی دوسرے کتوں کے مقابلے میں اچھا معلوم ہو' اور تم اس کے ساتھ ترجیحی سلوک کرو۔ اگر دو دوست تا زندگی ایک دوسرے کا ساتھ نہ دے سکیں تو یہ شیطان کی بڑی کامیابی ہے' شیطان کو جتنی جلن ان دوستوں سے ہوتی ہے جن کے درمیان اللہ کے لیے رشتۂ اخوت قائم ہے اتنی جلن ان لوگوں سے نہیں ہوتی جو نیک کام کے لیے ایک دوسرے کی مدد کرتے ہیں۔ شیطان کی کوشش یہ رہتی ہے کہ کسی طرح دو محبت کرنے والے ایک دوسرے سے نفرت کرنے لگیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:۔

وَقُلْ لِعِبَادِيْ يَقُوْلُوا الَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ اِنَّ الشَّيْطَانَ يَنْزَغُ بَيْنَهُمْ (پ ۱۵ ر ۶ آیت ۵۳)

اور آپ میرے (مسلمان) بندوں سے کہہ دیجئے کہ ایسی بات کہا کریں جو بہتر ہو' شیطان (سخت کلامی کرا کے) لوگوں میں فساد ڈلوا دیتا ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام کے قصے میں ارشاد فرمایا:۔

وَقَدْ اَحْسَنَ بِيْ اِذْ اَخْرَجَنِيْ مِنَ السِّجْنِ وَجَآءَ بِكُمْ مِّنَ الْبَدْوِ مِنْ بَعْدِ اَنْ نَّزَغَ الشَّيْطَانُ بَيْنِيْ وَبَيْنَ اِخْوَتِيْ (پ ۱۳ ر ۵ آیت ۱۰۰)

اور اس نے (یعنی خدا نے) میرے ساتھ احسان کیا کہ (ایک تو) اس نے مجھے قید سے نکالا اور (دوسرا یہ کہ) تم سب کو باہر سے (یہاں) لا یا یہ (سب کچھ) بعد اس کے (ہوا) شیطان نے میرے اور میرے بھائیوں کے درمیان فساد ڈلوایا تھا۔

کہتے ہیں کہ جب دو بندے اللہ کے لیے محبت کرتے ہیں' تو ان میں جدائی نہیں ہوتی' الا یہ کہ ان میں سے ایک گناہ کا ارتکاب کرے۔ بشر کہتے ہیں کہ جب بندہ اللہ تعالیٰ کے حقوق میں کوتاہی کرتا ہے تو نیک بندوں سے اس کی دوستی ختم کرادی جاتی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ دوستوں سے دلوں کی وحشت بھی دور ہوتی ہے اور دین پر مدد بھی ملتی ہے' جب بندہ گناہ کرکے خود ہی اپنے لئے وحشت کا سامان کرنے لگے اور دین پر مدد لینے سے انکار کردے تو اس کے علاوہ کیا بھی جاسکتا ہے کہ اسے اچھے دوستوں کی رفاقت سے محروم کردیا جائے۔ ابن المبارکؒ فرماتے ہیں کہ مجھے سب سے زیادہ لذت دوستوں کی ہم نشینی اور کفایت میں ملتی ہے' یہ بھی فرمایا کہ پائدار اور حقیقی محبت وہی ہے جو اللہ کے لیے ہو' جو محبت اللہ کے لیے نہ ہو' بلکہ کسی غرض پر مبنی ہو وہ ڈھلتی چھاؤں کی طرح ہے' جہاں مطلب پورا ہوا محبت ختم ہوئی' ایک مرتبہ فرمایا: جو لوگ اللہ کے لیے محبت کرتے ہیں وہ ایک دوسرے سے حسد نہیں کرتے' نہ دین کے سلسلے میں' اور نہ دنیا کے سلسلے میں۔ دوستی میں حسد کی گنجائش اس لیے بھی نہیں کہ جو چیز ایک دوست کے پاس ہو اس کا فائدہ دوسرے کو بھی پہنچتا ہے' اللہ تعالیٰ نے دوستوں کے یہ وصف بیان فرمائے:۔

وَلَا يَجِدُوْنَ فِيْ صُدُوْرِهِمْ حَاجَةً مِّمَّا اُوْتُوْا وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ (پ ۲۸ ر ۴ آیت ۹)

اور مہاجرین کو جو کچھ ملتا ہے اس سے یہ انصار اپنے دلوں میں کوئی شک نہیں پاتے اور اپنے سے مقدم رکھتے ہیں اگرچہ ان پر فاقہ ہی کیوں نہ ہو۔

دل میں حاجت کا پیدا ہونا ہی حسد ہے وفا کا ایک ادنیٰ مظہر یہ بھی ہے کہ دوست کے ساتھ وہی متواضعانہ سلوک روا رکھے جس کا وہ ہمیشہ سے خوگر رہا ہے۔ جو لوگ دوستی کو عزت' دولت' اور جاہ منصب کی عینک لگا کر دیکھتے ہیں وہ دناءت اور رذالت کی انتہا کو پہنچے ہوئے ہیں' شرافت یہی ہے کہ دولت' غربت' عزت اور ذلت ہر حال میں دوست کے ساتھ یکساں سلوک کیا جائے۔

ان الکرام اذا ما ایسروا ذکروا — من کان یالفھم فی المنزل الخشن

ترجمہ : شریف لوگ خوشحال زندگی میں بھی ان دوستوں کو یاد کرتے ہیں جن سے انھیں تنگدستی کے دنوں میں لگاؤ تھا۔

ایک بزرگ نے اپنے صاحبزادے کو وصیت کی کہ بیٹے! صرف ان لوگوں کی محبت اختیار کرنا کہ جب تم ان کی ضرورت محسوس کرو تو وہ تمہارے قریب آجائیں' اور جب تم ان سے بے نیازی برتو تو وہ تم سے لالچ نہ رکھیں' اور جب ان کا مرتبہ بلند ہوجائے تو وہ تم پر اپنی برتری کا اظہار نہ کریں۔ کسی دانا کا قول ہے کہ اگر تمہارا دوست حکومت کے کسی منصب پر فائز ہوجائے اور تم سے اپنے تعلقات محدود کرلے تو اسے ہی غنیمت سمجھو' یہ بھی ممکن تھا کہ اس منصب پر فائز ہونے کے بعد وہ تمہیں درخود اعتنا نہ سمجھتا اور تم سے قطع تعلق کرلیتا۔ ربیع کہتے ہیں کہ بغداد میں امام شافعیؒ کا ایک دوست رہا کرتا تھا۔ اتفاق سے خلیفہ وقت نے اسے سیبین کا گورنر بنا دیا' منصب پر فائز ہونے کے بعد اس نے دوستوں سے ملنا جلنا بھی ترک کردیا۔ اس کے اس رویے سے متاثر ہوکر امام صاحب نے یہ چار شعر اسے لکھ کر بھیجے' اس میں نمائش بھی ہے اور مزاح بھی۔

اذهب فودك من فوادی طالق ابدا و لیس طلاق ذات البین
فان ارعویت فانها تطلیقة ویدوم ودک لی علی ثنتین
وان امتنعت شفعتها بمثالها فتکون تطلیقین فی حیضین
واذا الثلاث اتتک منی بتة لم تغن عنک ولایة السیبین

ترجمہ : جاؤ' میرے دل نے تمہارے دل کو طلاق دے دی ہمیشہ کے لیے' لیکن یہ طلاق بائن نہیں ہے اگر تم اپنی حرکت سے باز آگئے تو یہ ایک طلاق ہے' آئندہ دو پر ہماری تمہاری محبت باقی رہی' اور اگر تم نے اپنا رویۂ تبدیل نہ کیا تو میں اسی جیسی ایک طلاق اور ملادوں گا' اس صورت میں یہ دو حیضوں میں دو طلاقیں ہوجائیں گی' اور اگر ایسا ہوا کہ میں نے تمہیں تین طلاقیں دے دیں تو سیبین کی حکومت بھی تمہارے کام نہ آئے گی۔

یہاں یہ وضاحت بھی ضروری ہے کہ وفا ایک جذبہ لامحدود سہی لیکن جس وفاء سے دینی مصالح متاثر ہوں شریعت نے اس کی اجازت نہیں دی ہے' روایت ہے کہ امام شافعی کو اپنے ایک دوست محمد ابن عبدالحکم سے بڑی محبت تھی فرمایا کرتے تھے کہ میں نے مصر کی سکونت محمد ابن عبدالحکم کی وجہ سے اختیار کی ہے محبت کا عالم یہ تھا کہ ایک مرتبہ محمد ابن عبدالحکم بیمار ہوئے تو امام شافعی ان کی عیادت کے لیے تشریف لے گئے اور یہ قطعہ ان کی نذر کیا۔

مرض الحبیب فعدته فمرضت من حذری علیه
واتی الحبیب یعودنی فبرئت من نظری الیه

ترجمہ : دوست بیمار ہوا تو میں اس کی عیادت کے لیے گیا' اس کی بیماری سے میں اس قدر خوفزدہ ہوا کہ خود بیمار پڑ گیا' میرے محبوب نے یہ خبر سنی تو وہ عیادت کے لیے آیا' اس کا دیدار میرے لیے نسخۂ شفا ثابت ہوا' اور میں نے اس ناگہاں مرض سے نجات پائی۔

اس مثالی دوستی کی بناء پر لوگوں کو یقین تھا کہ امام شافعیؒ اپنی وفات کے بعد اپنا حلقۂ درس ان ہی کے سپرد کریں گے' اور شاگردوں کو یہ وصیت کریں گے کہ انھیں میرا قائم مقام سمجھا جائے لیکن لوگوں کا یہ قیاس اس وقت غلط ثابت ہوا جب امام شافعیؒ نے محمد ابن عبدالحکم کے بجائے ابو یعقوب بویطی کو اپنا جانشین مقرر فرمایا' امام شافعیؒ سے ان کی بیماری کے درمیان کچھ شاگردوں نے یہ درخواست کی تھی کہ اپنا جانشین مقرر فرمادیجئے تاکہ ہم آپ کے بعد بھی بالواسطہ طور پر ہی سہی آپ سے مستفید ہوتے رہیں' محمد ابن عبدالحکم اس وقت آپ کے سرہانے موجود تھے' انھیں یہ توقع تھی کہ امام صاحب میری طرف اشارہ کریں گے' اور تلامذہ سے

کہیں گے کہ وہ میرے بعد ان کے طرف رجوع کریں، لیکن خلاف توقع امام صاحب نے ابو یعقوب بو یطی کا نام لیا' اس فیصلے سے محمد ابن عبد الحکم بڑے مایوس اور رنجیدہ ہوئے، لیکن امام صاحب نے دوست کی مایوسی یا رنج کی پرواہ نہیں کی' انہوں نے وہ فیصلہ کیا جو ان کے شاگردوں اور عام مسلمانوں کے حق میں مفید تھا' محمد ابن عبد الحکم نے اگرچہ امام صاحب کا تمام مذہب حفظ کرلیا تھا' اور وہ ان کی زندگی ہی میں شافعی مسلک کے ماہر عالم سمجھے جانے لگے تھے' لیکن کیونکہ بو یطی علم و فضل' اور زہد و تقوی میں ابن عبد الحکم سے زیادہ تھے' اس لیے آپ نے یہی بہتر سمجھا کہ یہ ذمہ داری بو یطی کے سپرد کی جائے' آپ کی وفات کے بعد محمد ابن عبد الحکم نے امام شافعی کا مذہب چھوڑ کر اپنے والد کا مذہب اختیار کرلیا۔ آپ کے والد مالکی مذہب کے مقلد اور زبردست عالم تھے' آپ نے بھی اپنے والد کی طرح مالکی مذہب پر عبور حاصل کیا' اور اس سلسلے میں بڑا نام کمایا' ادھر بو یطی پر کیونکہ زہد و تقوی کا غلبہ زیادہ تھا اس لیے انہوں نے گوشۂ گمنامی کو ترجیح دی' اور تمام عمر عبادت میں مشغول رہے' اسی دوران آپ نے کتاب الام بھی تصنیف فرمائی' یہ کتاب ربیع ابن سلیمان کی طرف منسوب ہے' فی الحقیقت ربیع اس کے مصنف نہیں ہیں' مصنف بو یطی ہیں' لیکن کیونکہ انھیں شہرت عزیز نہیں تھی اس لیے انہوں نے کتاب پر اپنا نام لکھنا پسند نہیں کیا' بعد میں ربیع ابن سلیمان نے اس میں کچھ تصرفات کئے' اس طرح یہ کتاب ان کی طرف منسوب ہو کر شہرت پاگئی احنف فرماتے ہیں کہ اخوت ایک قیمتی گوہر ہے' اگر تم اس کی حفاظت نہ کرسکے تو ضائع ہوجائے گا' غصہ پی کر اس کی حفاظت کرو' اگر کوئی دوست تم پر ظلم کرے تو اس کا سبب اپنی ذات میں تلاش کرو' اور دوست کے سامنے سراپا اعتذار بن جاؤ' صدق و مودت' اور اخلاص وفا کا کمال یہ ہے کہ آدمی اپنے دوست کی جدائی اور فراق سے انتہائی مضطرب و بے قرار ہوجائے' اور ہجر کے یہ لمحات اس کے لیے سخت جاں گسل ثابت ہوں' بقول شاعر۔

وجدت مصیبات الزمان جمیعها سوی فرقة الاحباب هینة الخطب

ترجمہ : دوستوں کی جدائی کے علاوہ زمانے کی تمام مصیبتیں میرے لئے قابل برداشت ہیں۔

ابن عیینہ کے سامنے کسی شخص نے یہ شعر پڑھا تو انہوں نے فرمایا کہ مجھے کچھ دوستوں سے جدا ہوئے تیس برس گزر گئے اس دوران ایک لمحے کے لیے بھی میرے دل سے ان کی یاد نہیں گئی' ان کی جدائی کا غم آج بھی اتنا ہی شدید ہے جتنا شدید تیس برس قبل تھا۔ وفا کا ایک تقاضا یہ ہے کہ اپنے دوست کے حق میں لوگوں کی شکایت نہ سنے خاص طور پر ایسے لوگوں سے جو اولا تمہارے دوست سے اپنی قربت اور اپنے تعلق خاطر کا اظہار کریں اور پھر شکوے شکایتیں لے کر بیٹھ جائیں اور اس کے خلاف تمہارے کان بھریں' تعلق جتا کر شکایت کرنا آپس میں اختلاف کرانے کی لطیف تدبیر ہے' جو لوگ احتیاط سے کام نہیں لیتے' اور اپنے دوستوں کے سلسلے میں ہر کس و ناکس کی ہرزہ سرائی کا یقین کرلیتے ہیں ان کی دوستی پائدار نہیں ہوتی۔ کسی شخص نے ایک حکیم سے کہا کہ میں آپ سے دوستی کرنا چاہتا ہوں۔ حکیم نے جواب دیا کہ پہلے تم میری تین شرطیں منظور کرو اس کے بعد میں تمہاری پیشکش قبول کرسکوں گا' ایک یہ کہ اگر کوئی شخص میری شکایت کرے تو اسے خاموش کردینا' دوسری یہ کہ کسی بھی کام میں میری مخالفت نہ کرنا جو کچھ میں کہوں بے چوں وچرا تسلیم کرلینا' تیسری یہ کہ مجھے ناز نخرے مت دکھلانا۔ وفا کا ایک تقاضا یہ ہے کہ اپنے دوست کے دشمن سے دوستی نہ کرے' امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ اگر تمہارا دوست تمہارے دشمن سے دوستی کرلے تو یہ سمجھ لو کہ وہ دونوں تمہاری دشمنی میں شریک ہیں۔

آٹھواں حق۔ ترک تکلف و تکلیف :۔ اخوت کا ایک حق ترک تکلف و تکلیف ہے۔ ترک تکلیف کا مطلب یہ ہے کہ دوست سے کوئی ایسی فرمائش نہ کرو جس کا پورا کرنا دشوار ہو' نہ اس پر کسی ذمہ داری کا بوجھ ڈالو بلکہ کوشش یہ ہونی چاہیے کہ اس کا بوجھ کم ہو' اور وہ تمہاری دوستی میں پریشانی محسوس نہ کرے' بلکہ تمہیں اپنا مخلص غم خوار اور معاون و مددگار سمجھے' اگر تمہارا دوست مالدار ہے' یا کسی منصب پر فائز ہے تو تمہیں اس سے ایسی کوئی مدد نہ لینی چاہیے۔ جس کا تعلق اس کے مال یا جاہ و منصب سے ہو۔ دوست سے یہ بھی خواہش نہ رکھو کہ وہ ہمارے ساتھ متواضعانہ برتاؤ کرے جب ہم اس کے پاس جائیں تو وہ اعزاز و اکرام

کے لیے کھڑا ہو جائے' ہماری خاطرداری کرے' ہمارے حقوق ادا کرے یہ تمام اغراض صدق و مودت کی روح کے منافی ہیں' دوستی کا مقصد باری تعالیٰ کی خوشنودی کے حصول کے علاوہ کچھ نہ ہونا چاہیے دوستی ذخیرۂ آخرت ہے' وسیلہ دنیا نہیں' اور ذخیرۂ آخرت اسی وقت ہو سکتی ہے جب تم کسی شخص سے محض اس لیے ملو کہ اس کی ملاقات میں فرحت' اس کی دعاؤں میں برکت' اور اس کی رفاقت میں باری تعالیٰ کی خوشنودی ہے۔ بعض اکابر کہتے ہیں کہ دوستوں سے کسی ایسی چیز کی خواہش کرنا جس کی وہ خواہش نہ کریں ان پر ظلم ہے' اور ایسی چیز کی خواہش کرنا جس کی وہ بھی خواہش کریں انھیں مشقت میں ڈالنا ہے' اور ان سے کچھ نہ مانگنا سلوک ہے بے لوث دوستی کی حقیقت بھی یہی ہے کہ دوست سے کوئی طمع یا خواہش نہ رکھی جائے۔ ایک دانشور کا قول ہے کہ دوستوں سے اپنی قدر کرانا انہیں مشقت میں ڈالنا ہے دوستوں سے اس طرح ملو کہ وہ تمہاری رفاقت کو راحت سمجھیں' اور یہ اسی وقت ہو سکتا ہے جب تم تمام تکلفات بالائے طاق رکھ دو' حتیٰ کہ جس بات میں تم اپنے آپ سے شرم محسوس نہ کرو اس میں دوست سے بھی نہ شرماؤ۔ حضرت جنید بغدادیؒ فرماتے ہیں کہ اگر دو محبت فی اللہ کرنے والے ایک دوسرے سے شرم کرنے لگیں یا وحشت میں مبتلا ہوں تو سمجھ لو کہ ان میں سے ایک میں ضرور کوئی عیب ہے حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ بدترین دوست وہ ہیں جو تجھ سے تکلف برتیں' تجھے ان کی خاطر مدارات کرنی پڑے' اگر تواضع میں کوئی کوتاہی ہو جائے تو اعتذار کی ضرورت ہو' فضیل ابن عیاضؒ فرماتے ہیں کہ اختلاف و افتراق کی بنیاد تکلف ہے' حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ مومن مومن کا بھائی ہے' نہ اسے لوٹتا ہے اور نہ اس سے تکلف کرتا ہے۔ حضرت جنید بغدادیؒ کہتے ہیں کہ مجھے حارث محاسبی' حسن مسوحی' سری سقطی' اور ابن الکربی جیسے بزرگوں کی رفاقت اور صحبت میسر رہی اور ان میں سے ہر ایک کے کم از کم تیس افراد یعنی کل ایک سو بیس افراد سے میرا شب و روز کا اختلاط رہا۔ میرا تجربہ تو یہی ہے کہ ان میں سے جن دو افراد میں محبت ہوئی اور وہ ایک دوسرے سے وحشت کرنے لگے تو اس کی وجہ یہ نکلی کہ ان میں سے کسی ایک کی دوستی مخلصانہ نہیں تھی۔ ایک شخص سے پوچھا گیا کہ دوستی کس شخص سے کی جائے' جواب دیا: اس شخص سے جو تم پر تکلف اور حیا کا بار نہ ڈالے۔ جعفر ابن محمد صادقؒ فرماتے ہیں کہ مجھ پر سب سے گراں بار شخص وہ ہے جو مجھ سے تکلف کرے اور میں اس سے تکلف کروں جو مجھ سے شرمائے اور میں اس سے شرماؤں' اور ہلکا پھلکا شخص وہ ہے جس کے ساتھ میں اپنا وقت اس طرح گذاروں جس طرح تنہائی میں گذارتا ہوں۔ کسی بزرگ نے بڑی اہم بات کہی ہے' فرماتے ہیں: ایسے لوگوں سے دوستی کرو جو ہر حال میں تمہیں یکساں سمجھیں تم نیکی کرو تو ان کی نظروں میں تمہارا وقار بلند نہ ہو گناہ کرو تو تم ان کی نظروں سے نہ گرو۔ ایک بزرگ کہتے ہیں کہ دنیا داروں کے ساتھ ادب سے رہنا چاہیے' آخرت والوں کے ساتھ علم سے رہنا چاہیے اور عارفوں کے ساتھ جس طرح چاہو رہو۔ ایک بزرگ نے فرمایا کہ ایسے شخص کو اپنا دوست منتخب کرو کہ اگر تم سے کوئی گناہ سرزد ہو تو وہ توبہ کرے' تم اس پر زیادتی کرو تو وہ اسے اپنا قصور سمجھے اور تم سے معافی چاہے' تمہیں کسی مشقت میں مبتلا نہ کرے بلکہ تمہاری مشقت خود برداشت کرنے کے لیے تیار رہے۔ لیکن جس شخص کی یہ رائے ہے اس نے لوگوں پر دوستی کی راہ تنگ کر دی ہے' دوستی کی حقیقت یہ نہیں ہے' بلکہ ہونا یہ چاہیے کہ ہر اس شخص سے دوستی کرو جو دیندار اور باشعور ہو' تاہم یہ نیت ضرور کر لو کہ تم خود تو دوستی کی تمام شرائط پوری کرو گے لیکن اپنے دوست کو اس کا مکلف قرار نہیں دو گے کہ وہ بھی تمہارے ساتھ وہی سلوک کرے جو تم اس کے ساتھ کر رہے ہو۔ کیونکہ اگر تمہاری یہ نیت ہوئی تو تمہاری محبت اللہ کے لیے ہوگی' اور اگر تم نے مکافات کی خواہش کی تو یہ محبت صرف نفس کے فائدوں کے لیے ہوگی۔ ایک شخص نے جنیدؒ سے سوال کیا کہ اللہ کے لیے محبت کرنے والے کہاں ہیں اب تو ایسے لوگ ڈھونڈے سے بھی نہیں ملتے جو اللہ کے لیے اخوت رکھیں؟ جنیدؒ نے اس سوال کا کوئی جواب نہیں دیا' اور خاموشی اختیار کی' اس شخص نے دوبارہ یہی سوال کیا' آپ بدستور خاموش رہے جب اس نے تیسری مرتبہ دریافت کیا تو آپ نے فرمایا کہ اگر تم ایسے دوستوں کی تلاش میں ہو جو تمہاری خدمت کریں' اور تمہیں ہر مشقت سے بچائیں تو واقعتاً ایسے دوست بہت کم ہیں' لیکن اگر تمہیں ایسے دوستوں کی ضرورت ہے جن کی تم خدمت کرو' تو اس قسم کے بہت سے لوگوں سے میں واقف ہوں جن سے

چاہو محبت کرسکتے ہو' وہ شخص یہ جواب سن کر خاموش ہوگیا۔

جاننا چاہیے کہ دنیا میں تین طرح کے لوگ ہیں کچھ وہ ہیں جن کی رفاقت تمہارے لیے نفع بخش ثابت ہوتی ہے بعض وہ لوگ ہیں کہ تم انھیں فائدہ پہنچاتے ہو' لیکن وہ تمہیں کوئی فائدہ نہیں پہنچاتے' تاہم ان کی ذات سے تمہیں کوئی نقصان بھی نہیں پہنچتا۔ تیسری قسم میں وہ لوگ شامل ہیں جو صرف نقصان پہنچاسکتے ہیں' ان سے فائدہ کی کوئی توقع نہیں کی جاسکتی۔ جہاں تک مؤخرالذکر لوگوں کا تعلق ہے ان سے اجتناب کرنا چاہیے۔ دوسری قسم کے لوگوں سے اجتناب کرنا مناسب نہیں ہے' اس لیے کہ اگرچہ تمہیں ان کی ذات سے دنیا میں کوئی نفع نہیں لیکن آخرت کا نفع تو کہیں نہیں گیا' تم ان کی خدمت کروگے شفاعت اور دعا کی صورت میں تمہیں اس کی جزا ملے گی۔ پہلی قسم کے لوگ بہرحال اس لائق ہیں کہ ان سے دوستی کی جائے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر وحی نازل فرمائی کہ اگر تم میرا کہنا مانو تو تمہارے بہت سے دوست بن جائیں' یعنی اگر تم لوگوں کی غم خواری کرو' ان کی ایذا پر صبر کرو' اور ان سے حسد نہ رکھو تو تمہارے دوستوں کی تعداد بڑھ جائے۔ ایک بزرگ اپنا تجربہ بیان کرتے ہیں کہ میں پچاس برس تک لوگوں کے ساتھ رہا' اس دوران میرا اور ان کا کبھی کوئی جھگڑا نہیں ہوا' نہ کبھی ہمارے مابین کوئی ناخوشگوار واقعہ پیش آیا' محض اس لیے کہ میں نے کبھی بھی اپنا بوجھ ان پر ڈالنے کی کوشش نہیں کی۔

اس حق کا ایک تقاضا یہ ہے کہ نفلی عبادات میں دوست کا مزاحم نہ ہو' بعض حضرات صوفیاء اس شرط پر دوستی کیا کرتے تھے کہ نہ انھیں نفلی عبادات کے ترک پر مطعون کیا جائے' اور نہ نفل پر مجبور کیا جائے' مطلب یہ ہے کہ اگر ایک شخص مسلسل روزے رکھنا چاہے تو دوسرا شخص اسے افطار کے لیے نہ کہے' مسلسل افطار کرے تو اسے روزے رکھنے کے لیے مجبور نہ کرے تمام رات سوئے تو یہ نہ کہے کہ اٹھ کر نماز پڑھو' تمام رات جاگ کر عبادت کرے تو سونے کے لیے تاکید نہ کرے کسی شخص کا یہ قول بہت مشہور ہے کہ جس کی کلفت کم ہوتی ہے اس کی الفت زیادہ ہوتی ہے' جس کی مشقت ناپید ہوتی ہے اس کی اخوت پائیدار رہتی ہے۔ ایک صحابی کا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تکلف کرنے والوں پر لعنت فرمائی ہے' رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:۔

الا انی بری من التکلف وصالحو امتی (دار قطنی۔ زبیر ابن العوام)

میں اور میری امت کے نیک لوگ تکلف سے بری ہیں۔

ایک بزرگ کا قول ہے کہ جس شخص نے اپنے دوست کے گھر میں چار کام کیے اس نے گویا اخوت کی تکمیل کی' ایک یہ کہ اس کے گھر میں کھانا کھایا' دوسرا یہ کہ اس کے بیت الخلاء میں گیا' تیسرا یہ کہ اس کے جائے نماز پر نماز پڑھی' چوتھا یہ کہ اس کے کمرے میں سویا کسی دوسرے بزرگ کے سامنے یہ قول نقل کیا گیا تو انھوں نے فرمایا کہ ان چار میں ایک کام کا اضافہ اور کرلو' اور وہ یہ کہ اگر بیوی کے ساتھ اپنے دوست کے گھر جانے کا اتفاق ہوا تو اس سے ہمبستری بھی کی۔ مطلب یہ ہے کہ دوستوں میں اتنی بے تکلفی ہونی چاہیے کہ وہ اپنے اور دوست کے گھر میں کوئی فرق نہ کریں بلکہ دوستوں کے گھر میں بھی اسی طرح رہیں جس طرح وہ اپنے گھروں میں رہتے ہیں۔ عربوں کے یہاں جب کوئی مہمان آتا ہے تو وہ ان الفاظ کے ساتھ استقبال کرتے ہیں "مرحبا واھلاً وسھلاً" یہ تین لفظ ہیں جو مہمان نوازی کے تمام آداب کو محیط ہیں' مرحبا کے معنی یہ ہیں کہ تمہارے لیے ہمارے مکانوں میں بھی وسعت ہے' اور دلوں میں بھی بڑی گنجائش ہے اھلاً کا مطلب یہ ہے کہ تم ہمارے گھر میں آئے ہو' یہاں کے در و دیوار تمہارے لیے انس و محبت کا پیغام رکھتے ہیں تم اس گھر کے ماحول سے اپنے آپ کو ہم آہنگ پاؤ گے' اور کسی طرح کی کوئی وحشت محسوس نہ کرو گے' سھلاً کا مطلب یہ ہے کہ تمہارے لئے یہاں ہر طرح کی سہولت میسر رہے گی' جو تم چاہو گے' اور جس چیز کا تم حکم دو گے ہمیں اس کے مہیا کرنے میں کسی قسم کی گرانباری نہیں ہوگی۔ مہمان نوازی کے یہ آداب دراصل دوستی کے آداب بھی ہیں' اور ان آداب کی تکمیل اسی صورت میں ممکن ہے جب تم خود کو اپنے دوستوں سے کم تر تصور کرو' خود کو حقیر سمجھنے سے کوئی حقیر نہیں ہوجاتا' بلکہ دوسروں کی نظروں میں اس کی عظمت بڑھ جاتی ہے' چنانچہ ابو معاویہ اسودؒ نے فرمایا کہ میرے تمام دوست مجھ سے بہتر ہیں' لوگوں نے پوچھا وہ

کیسے ' فرمایا اس لئے کہ ان میں سے ہر ایک مجھے بہتر سمجھتا ہے جو شخص اپنی ذات پر مجھے فضیلت دے وہ بہرحال بہتر ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں۔

المرء علی دین خلیله ولا خیر فی صحبته من لا یری لک مثل ما یری له (۱)

آدمی اپنے دوست کے مسلک پر ہوتا ہے' اس شخص کی صحبت میں کوئی خیر نہیں جو تمہارے لئے وہ بات نہ چاہے جو اپنے لئے چاہتا ہے۔

دوست کو اپنے مساوی سمجھنا ادنی درجہ ہے کمال دوستی یہ ہے کہ دوستوں کو اپنی ذات پر ہر اعتبار سے فضیلت دے' سفیان ثوریؒ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص تمہیں "بدترین آدمی" کہہ کر آواز دے اور تم اس پر ناگواری محسوس کرو تو فی الواقع تم برے ہو' اور اس قابل ہو کہ تمہیں یہی خطاب دیا جائے۔ مطلب یہ ہے کہ اگر آدمی اپنے آپ کو حقیر اور بدترین تصور کرتا رہے تو کسی کے برا کہنے سے برا نہیں لگے گا' بلکہ یہ محسوس ہوگا کہ وہ حقیقت حال کی ترجمانی کر رہا ہے کسی شخص نے ان لوگوں کے سلسلے میں یہ دو شعر کہے ہیں جو خود کو دوستوں سے کم تر سمجھتے ہیں۔

تذلل لمن ان تذللت له یری ذاک للفضل لا للبله
وجانب صداقة من لا یزال علی الاصدقاء یری الفضل له

ترجمہ : اس شخص کے لیے تواضع اختیار کرو کہ اگر تم خود کو اس کے سامنے کم تر سمجھو تو وہ اس عمل کو تمہاری عظمت اور بلند شان پر محمول کرے نہ کہ حماقت پر' اور اس شخص سے دوستی مت کرو جو دوستوں کے مقابلے میں خود کو بڑا خیال کرے۔

جو شخص اپنے آپ کو بڑا سمجھتا ہے وہ گویا اپنے دوست کو حقیر سمجھتا ہے' حالانکہ عام مسلمانوں کو بھی حقیر سمجھنا منع ہے' چہ جائیکہ مخصوص دوستوں کے متعلق یہ گمان کیا جائے کہ وہ حقیر ہیں۔ ارشاد نبوی ہے۔

یحسب المرء من الشر ان یحقر اخاه المسلم (مسلم۔ ابو ہریرہؓ)

آدمی کے برا ہونے کے لیے یہی کافی ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کو حقیر جانے۔

ترک تکلف کی ایک صورت یہ ہے کہ اپنے تمام مقاصد میں دوستوں سے مشورہ کرے اور ان کا مشورہ قبول کرے باری تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ (پ ۴ ر ۸ آیت ۱۵۹)

اور ان سے خاص خاص باتوں میں مشورہ لیتے رہا کیجئے۔

دوستوں کو اپنا رازدار بھی بنانا چاہیے' راز کی امانت کا محافظ مخلص دوست سے بہتر کوئی دوسرا نہیں ہو سکتا۔ یعقوب کرخی کہتے ہیں کہ اسود ابن سالم میرے چچا معروف کرخیؒ کے دوست تھے' ان کی دوستی کا واقعہ عجیب ہے ہوا یوں کہ ایک روز بشر ابن حارث میرے چچا کے پاس آئے' اور ان سے کہا کہ اسود ابن سالم آپ سے دوستی کرنا چاہتے ہیں لیکن کیونکہ انھیں براہ راست آپ سے اظہار محبت کرتے ہوئے شرم آتی ہے اس لیے انہوں نے اپنی درخواست لے کر مجھے بھیجا ہے' وہ چاہتے ہیں کہ آپ کی اور ان کی محبت کا علم صرف آپ دونوں کو ہو' کسی تیسرے شخص کو نہ ہو وہ اس محبت کے ذریعہ اخروی اجر و ثواب کے متمنی ہیں' تاہم ان کی دو شرطیں ہیں' ایک یہ کہ آپ کی اور ان کی محبت مشہور نہ ہو' دوسری یہ کہ آپ کے اور ان کے درمیان بکثرت ملاقاتیں نہ ہوا

---

(۱) اس روایت کا پہلا جزء پچھلے باب میں گذر چکا ہے' دوسرے جزء کی تخریج ابن عدی نے الکامل میں کی ہے' راوی انسؓ ہیں روایت کی سند ضعیف ہے۔

کریں' وہ زیادہ ملنا جلنا پسند نہیں کرتے۔ معروف کرخیؒ نے ارشاد فرمایا کہ محبت کے معاملے میں میرا طریقہ جداگانہ ہے' میں تو جس شخص سے محبت کرتا ہوں ایک لمحہ کے لیے بھی اس کی جدائی گوارا نہیں کرتا میں ہر وقت اس کی زیارت چاہتا ہوں' اور ہر حال میں اسے اپنی ذات پر ترجیح دیتا ہوں' اس کے بعد معروف کرخیؒ نے اخوت اور محبت کی فضیلت سے متعلق متعدد احادیث بیان فرمائیں' مثلاً یہ کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو بھائی بنایا تو انہیں علم میں شریک کیا' (۱) قربانی کے اونٹوں میں شریک کیا۔ (۲) اور اپنی محبوب ترین صاحبزادی سے ان کا نکاح کیا۔ (بخاری و مسلم۔ علیؓ) حضرت علیؓ کے ساتھ آپ کا یہ معاملہ اسی لیے تھا کہ آپ نے انھیں اپنا بھائی بنایا تھا۔ اس تقریر کے بعد معروف کرخی نے بشر سے فرمایا کہ میں تمہیں گواہ بناتا ہوں کہ میں نے انھیں اس شرط پر اپنا بھائی بنالیا ہے کہ اگر وہ مجھ سے ملنا پسند نہ کریں تو نہ آیا کریں' لیکن میرا دل ان سے ملنے کے لیے چاہے گا تو میں ان کے پاس جانے سے گریز نہیں کروں گا' ان سے کہہ دینا کہ وہ اپنی کوئی بات مجھ سے نہ چھپائیں' اور مجھے اپنے تمام حالات سے باخبر رکھیں' بشر ابن حارث نے ابن سالم کو صورت حال سے مطلع کیا' ابن سالم کو معروف کرخی کی یہ صاف گوئی بے حد پسند آئی' اور اخوت کا رشتہ قائم ہونے پر انھیں بے پناہ مسرت ہوئی۔

دوستوں کا ایک حق یہ بھی ہے کہ اپنے تمام اعضاء و جوارح کو ان کا خادم اور قائم مقام سمجھو' اور ہر ہر عضو بدن سے ان کے حقوق ادا کرنے کی کوشش کرو مثلاً آنکھ کا حق یہ ہے کہ جب بھی تم انھیں دیکھو محبت کی نگاہوں سے دیکھو' ان کے محاسن پر نظر رکھو' ان کے عیوب سے چشم پوشی کرو' جب وہ تمہارے پاس موجود ہوں یا تم سے معروف گفتگو ہوں' تمہارا مرکز نظر ان کے علاوہ کوئی دوسری چیز نہ ہو' روایات میں ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ سلم کے پاس کوئی شخص آکر بیٹھتا تو آپ اسے اپنے چہرۂ مبارک سے حصہ عطا فرماتے۔ (شمائل ترمذی۔ علیؓ) مطلب یہ ہے کہ آپ ہر شخص کی طرف متوجہ رہتے کسی شخص کو یہ احساس نہ ہوتا کہ آپ اس سے اعراض فرما رہے ہیں بلکہ ہر شخص یہ محسوس کرتا کہ اس مجلس میں آپ کی نظر کرم خاص طور سے مجھ ہی پر ہے۔ آپ کی نشست و برخاست سمع و نظر' سوال و جواب میں تمام حاضرین مجلس برابر کے شریک رہتے تھے' آپ کی مجلس مبارک حیا' تواضع اور امانت کی مجلس تھی' آپ صحابہ کرام کی موجودگی میں تبسم اور ضحک بھی فرماتے' تعجب کی بات ہوتی تو اظہار تعجب بھی کرتے خود صحابہ بھی ہنستے' اور مسکراتے' مگر ہنسنے میں بھی آپ کے اسوۂ مبارک کی تقلید کرتے' اور آپ کا احترام ملحوظ رکھتے۔ کانوں کا حق یہ ہے کہ جب دوست کوئی بات کرے تو دل جمعی کے ساتھ سنے اس کی بات کا یقین کرے' اگر کوئی بات تائید طلب ہو تو تائید کرے' خوشی کا موقع ہو تو خوشی کے اظہار میں بخل سے کام نہ لے' اگر کوئی بات سمجھ میں نہ آئے تو معذرت کردے' اور اسے اپنی کم فہمی پر محمول کرے' دوست کو قصوروار نہ ٹھہرائے' اپنے قصور فہم کی معذرت کے ساتھ دوبارہ کہنے کی درخواست کرے' زبان کے حقوق ہم تفصیل سے بیان کرچکے ہیں' یہاں صرف اتنا کہنا ہے کہ نرم گفتاری بھی دوستوں کا ایک اہم حق ہے ان سے چیخ چیخ کر' سخت لب و لہجہ میں گفتگو مت کرو' اس میں اہانت کا پہلو نمایاں ہے گفتگو کے دوران آواز اتنی بلند ہونی چاہیے کہ وہ آسانی کے ساتھ تمہاری بات سمجھ لیں۔ ہاتھوں کا حق یہ ہے کہ ان امور میں دوستوں کی اعانت کرے جو ہاتھوں کے ذریعہ انجام دیے جاتے ہیں۔ پاؤں کا حق یہ ہے کہ اپنے دوستوں کے پیچھے پیچھے اس طرح چلے جس طرح خدام چلا کرتے ہیں' مخدومین کی طرح آگے آگے مت چلے' اگر وہ لوگ خود سے تمہیں آگے بڑھائیں تو اتنا ہی بڑھو جتنا وہ تمہیں بڑھانا چاہیں' اس سے زیادہ مت بڑھو' اگر وہ تمہیں قریب بلائیں تو اس میں بھی ان کی مرضی کا لحاظ رکھو' ممکن ہے وہ زیادہ قربت پسند نہ کرتے ہوں جب وہ تمہارے پاس آئیں تو ان کے استقبال کے لیے کھڑے ہو جاؤ' اور اس وقت تک نہ بیٹھو جب تک وہ خود نہ بیٹھیں یا تمہیں بیٹھنے کے لیے اشارہ نہ کریں جب بیٹھو تو اضع اور

---

(۱) مواخاۃ کی روایت ترمذی میں ابن عمرؓ سے' اور حاکم میں ابن عباس سے منقول ہے علم میں شرکت کی روایت ترمذی میں حضرت علی سے منقول ہے' الفاظ روایت یہ ہیں "انا دار الحکمۃ علی بابھا" (۲) قربانی میں شرکت کی روایت مسلم نے جابرؓ سے نقل کی ہے۔

ادب و انکسار کے ساتھ بیٹھو۔

جب دوستوں میں کامل یگانگت اور اتحاد پیدا ہو جاتا ہے تو ان حقوق میں سے بعض سہل بھی ہو جاتے ہیں' اور بعض کی ضرورت ہی باقی نہیں رہتی' مثلاً استقبال کے لیے کھڑے ہونا' معذرت کرنا' ادب کے ساتھ بیٹھنا' تعریف کرنا وغیرہ' یہ تمام امور اجنبیت اور تکلف کے لوازم ہیں' بے تکلفی پیدا ہو جانے کے بعد ان تکلفات کی ضرورت نہیں رہتی۔

خاتمۃ الباب:۔ اس عنوان کے تحت ہم مختلف لوگوں کے ساتھ ہم نشینی اور معاشرت کے چند آداب ذکر کریں گے' یہ آداب مفکرین اور دانشوروں کے کلام سے ماخوذ ہیں' حسن معاشرت کے لیے ان آداب پر عمل کرنا ناگزیر ہے دوست دشمن ہر شخص سے خندہ پیشانی کے ساتھ ملو' نہ انھیں ذلیل کرو' اور نہ ان سے ڈرو' وقار کے ساتھ رہو مگر تکبر سے اجتناب کرو' تواضع اختیار کرو مگر ذلت سے بچو' اپنا ہر کام اعتدال کے ساتھ انجام دو' افراط و تفریط کسی بھی کام میں پسندیدہ نہیں ہے' راہ چلتے ہوئے ادھر ادھر مت دیکھو' نہ بار بار پیچھے مڑ کر دیکھو' بلکہ اپنے سامنے نظر رکھو' اگر کچھ لوگ بیٹھے ہوئے ہوں تو ان کے پاس کھڑے مت ہو' بیٹھنا ہو تو بیٹھ جاؤ' ورنہ الگ ہٹ جاؤ اس طرح بیٹھو کہ لوگ یہ نہ سمجھیں کہ تم مجلس سے اٹھنا چاہ رہے ہو۔ مجلسوں میں بیٹھ کر انگلیاں مت چٹخاؤ' داڑھی کے بالوں اور انگوٹھی سے نہ کھیلو' نہ دانتوں میں خلال کرو' نہ ناک اور کان میں انگلی ڈال کر میل کچیل صاف کرو۔ زیادہ مت تھوکو' بکثرت ناک صاف مت کرو' چہرہ پر سے مکھیاں مت اڑاؤ' انگڑائی اور جماہی مت لو' مجلس میں پر سکون رہو' مسلسل اور مرتب گفتگو کرو' اگر کوئی شخص اچھی باتیں کر رہا ہو تو غور سے سنو' تعجب کے اظہار میں مبالغہ مت کرو' دوبارہ کہنے کے لیے درخواست نہ کرو' ہنسنے ہنسانے کی باتوں اور قصوں کہانیوں پر خاموش رہو مجلس میں بیٹھ کر اپنے بیٹے کی تعریف مت کرو' نہ یہ کہو کہ مجھے اپنا فلاں شعر یا فلاں باندی یا فلاں کتاب اچھی معلوم ہوتی ہے' نہ عورتوں کی طرح زیب و زینت کرو' اور نہ غلاموں کی طرح گندے رہو۔ تیل اور سرمہ وغیرہ لگانے میں فضول خرچی مت کرو۔ اگر کسی شخص سے اپنی ضرورت کے متعلق کوئی درخواست کرو تو منظوری پر کسی شخص کو ظلم پر آمادہ مت کرو' نہ ظلم کرنے پر اس کی ہمت افزائی کرو غیروں کا تو کیا ذکر اپنے بیوی بچوں کو بھی یہ مت بتلاؤ کہ تمہارے پاس کتنا مال ہے' اگر کم ہوا تو تم ان کی نظروں سے گر جاؤ گے' زیادہ ہوا تو وہ تمہیں پریشان کریں گے اور تمہاری موت کے خواہاں ہوں گے۔ اہل و عیال پر اتنی سختی مت کرو کہ وہ تمہارے قریب بھی نہ آئیں' اور نہ اتنی نرمی کرو کہ سر پر چڑھ بیٹھیں' اور تمہارا لحاظ پاس ختم کر دیں۔ اپنے غلاموں اور باندیوں کے ساتھ ہنسی مذاق مت کرو کہ اس سے تمہارا وقار خاک میں مل جائے گا' جہالت سے بچو' جلد بازی سے احتراز کرو' مقدمہ لڑو تو عزت و وقار کے ساتھ لڑو' اپنے دلائل پر اچھی طرح غور کر لو۔ گفتگو کے دوران ہاتھ سے اشارے مت کرو' جو لوگ پیچھے بیٹھے ہوئے ہوں انھیں گردن موڑ کر مت دیکھو' گھٹنوں کے بل مت بیٹھو' غصہ کی حالت میں گفتگو مت کرو۔ اگر بادشاہ تمہیں اپنا مقرب بنائے تو اس کے ساتھ تلوار کی نوک پر رہو' اس کی ہنسی مذاق سے یہ مت سمجھو کہ وہ ہمیشہ ایسا ہی رہے گا' اس کے عتاب سے ڈرتے رہو' اس سے دھیمے لہجے میں اور ملائمت کے ساتھ گفتگو کرو' الفاظ شستہ و شائستہ ہوں بادشاہ کے حسن اخلاق اور انعام و احسان کا ذکر کرتے رہو' انتہائی قربت کے باوجود اس کے نجی معاملات میں مداخلت نہ کرو۔ بادشاہ کو چاہیے کہ وہ اپنے مصاحبین کی عزت کرے' اگر وہ غلطی کریں تو تحمل سے کام لے' البتہ اگر کوئی شخص ملکی نظام درہم برہم کرنا چاہے' یا کوئی اہم سرکاری راز افشاء کر دے' یا بغاوت کے درپے ہو تو اسے معاف کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اس شخص سے دور رہو جو تندرستی کا ساتھی ہو' آبرو کی طرح مال بھی عزیز رکھو۔ مجلس میں جانے کے آداب یہ ہیں کہ اولاً اہل مجلس کو سلام کرو' جو لوگ پہلے سے وہاں موجود ہیں ان کی گردنیں پھلانگ کر آگے جانے کی ضرورت نہیں ہے' بلکہ جہاں جگہ ہو وہاں بیٹھ جاؤ بشرطیکہ وہ جگہ تواضع اور انکساری کے منافی نہ ہو' بیٹھنے میں جو شخص قریب ہو اسے سلام کرو' اور اس کی خیر و عافیت دریافت کرو' راستے میں مت بیٹھو۔ مظلوم کی مدد کرو کمزوروں کا سہارا بنو' بھولے ہوئے کو راہ بتلا دو' سلام کا جواب دو' سائل کو کچھ دے دیا کرو' امر بالمعروف اور نہی المنکر کا فرض ادا کرو۔ دیکھ بھال کر تھوکو قبلہ کی طرف مت تھوکو' نہ دائیں جانب تھوکو' بلکہ پاؤں

کے نیچے یا بائیں طرف (بشرطیکہ ادھر کوئی نہ ہو) تھوکو۔ عوامی مجلس میں مت بیٹھو اگر بیٹھنے کا اتفاق ہو تو اہل مجلس کی باتوں میں دخل مت دو اگر وہ گندی باتیں کریں تو اپنی توجہ دوسری طرف ہٹالو عوام کے ساتھ اگرچہ کوئی غرض نہ ہو تب بھی کم ہی ملنا جلنا چاہیے۔ مذاق نہ عقلمند سے کرو اور نہ بے وقوف سے۔ عقلمند تمہیں وہ جواب دے گا کہ تم حیران رہ جاؤ گے اور بغلیں جھانکنے پر مجبور ہوگے اور بے وقوف کے دل سے تمہارا رعب نکل جائے گا۔ مذاق (اگر وہ شائستہ نہ ہو) ہیبت ختم کردیتا ہے وقار خاک میں ملا دیتا ہے دلوں میں کینہ پیدا کرتا ہے دوستی کی حلاوت زائل کردیتا ہے غفلت پیدا کرتا ہے ذلیل اور رسوا کرتا ہے دلوں کو مردہ کرتا ہے باری تعالیٰ سے دور کرتا ہے کہتے ہیں کہ مذاق حماقت کی علامت ہے اگر کوئی شخص مجلس میں کسی ناشائستہ حرکت کا مرتکب ہو جائے تو اسے اللہ عزوجل کا ذکر کرنا چاہیے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

من جلس في مجلس فكثر فيه لغطه فقال قبل ان يقوم من مجلسه ذلك سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ اَسْتَغْفِرُكَ وَاَتُوْبُ اِلَيْكَ الا غفر له ما كان في مجلسه ذلك (ترمذی۔ ابوہریرہ)

جس شخص نے کسی مجلس میں بیٹھ کر شور مچایا اور بکواس کی اور کھڑے ہونے سے پہلے یہ الفاظ کہے "الٰہی ہم تیری پاکی اور حمد بیان کرتے ہیں میں گواہی دیتا ہوں کہ تیرے سوا کوئی معبود نہیں ہے میں تجھ سے مغفرت چاہتا ہوں اور تیرے حضور توبہ کرتا ہوں" تو اس کی مجلس کے گناہ معاف کردیئے جائیں گے۔

تیسرا باب

مسلمانوں عزیز رشتہ داروں پڑوسیوں اور نوکروں کے حقوق اور معاشرت کے آداب

جاننا چاہیے کہ انسان یا تنہا زندگی گذارتا ہے یا لوگوں کے ساتھ مل جل کر کیوں کہ اپنے ہم جنسوں سے میل جول رکھے بغیر زندگی گذارنا دشوار ہے اس لیے لوگوں کو چاہیے کہ وہ مخالطت اور میل ملاقات کے آداب ضرور سیکھیں یہ آداب مختلف نوعیت کے ہیں ہر شخص کے لیے اس کے حق کے مطابق ادب ہے اور حق کی کمی زیادتی کا تعلق علاقے کی قوت یا ضعف سے ہے۔ آپس میں میل جول رکھنے والوں کے درمیان ایک رابطہ یا علاقہ پایا جاتا ہے۔ اگر یہ علاقہ قرابت سے عبارت ہے تو اسے "مخصوص علاقہ" کہیں گے اور وجہ اختلاط صرف اسلام ہے تو عام علاقہ کہلائے گا درمیان میں بہت سے علاقے ہیں مثلاً دوستی کا درس کی رفاقت کا سفر کی معیت کا پڑوس کا ان میں سے ہر علاقے کے متعدد درجات ہیں۔ مثلاً قرابت کا ایک حق ہے لیکن قریب اگر محرم ہو تو غیر محرم کی بہ نسبت اس کا حق زیادہ ہے اسی طرح محرم عزیزوں کا ایک حق ہے لیکن والدین کا حق غیر والدین سے زیادہ ہے۔ اسی طرح ہمسائے کے حقوق بھی ہیں لیکن والدین کا حق غیر والدین سے زیادہ ہے۔ اسی طرح ہمسائے کے حقوق بھی ہیں لیکن ان میں بھی مکان سے قربت یا بعد کا فرق ملحوظ رکھا جائے گا۔ یہی حال مسلمان کا ہے مسلمان سے جس قدر معرفت اور جان پہچان زیادہ ہوگی اسی قدر اس کا حق بھی زیادہ ہوگا۔ معرفت کے بھی متعدد درجات ہیں مثلاً جس شخص کی معرفت میں مشاہدے کو دخل ہے اس کا حق یقیناً اس شخص سے زیادہ اور موکد ہے جس کی معرفت سماع سے حاصل ہوئی ہے معرفت میں اگر مصاحبت بھی ہو تو یہ حق مزید مؤکد ہو جاتا ہے مصاحبت کے درجات بھی مختلف ہیں ایک شخص درس کا رفیق ہے اس کا حق یقیناً رفیق سفر سے زیادہ ہے دوستی کے بعد متعدد درجے ہیں اگر دوستی مضبوط اور مستحکم ہو تو یہ اخوت ہے۔ اس سے بڑھ جائے تو محبت ہے اس سے بھی بڑھ جائے تو خلت ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ خلیل حبیب کے مقابلے میں حبیب اخ کے مقابلے میں اور اخ صدیق کے مقابلے میں

زیادہ قریب ہے' اسی اعتبار سے ان کے حقوق میں بھی فرق ہے محبت وہ جذبہ ہے جو صرف سطح دل پر اثر انداز ہو' اور جو جذبہ دل کی رگ رگ میں سرایت کرجائے وہ خلت ہے' چنانچہ ہر خلیل حبیب ہو سکتا ہے لیکن ہر حبیب خلیل نہیں ہو سکتا۔ دوستی کے درجات کا یہ فرق تجربے اور مشاہدے سے بخوبی واضح ہو جاتا ہے۔ ہم نے خلت کو اخوت سے اعلیٰ قرار دیا ہے اس کے معنی یہ ہیں کہ خلت اخوت سے کامل تر ہے' یہ بات سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے سمجھ میں آتی ہے۔

لو کنت متخذا خلیلا لاتخذت ابابکر خلیلا ولکن صاحبکم خلیل اللہ

(بخاری و مسلم۔ ابو سعید الخدریؓ)

اگر میں کسی شخص کو اپنا خلیل بناتا تو ابوبکر کو بناتا لیکن میں تو اللہ تعالیٰ کا خلیل ہوں۔

اس روایت سے سمجھ میں آیا کہ خلیل اخ' حبیب اور صدیق سے مافوق ہے' خلت کا مطلب یہ ہے کہ محبت محبوب کے دل کے رگ و ریشے میں سرایت کرجائے' اس کے ظاہر و باطن پر اثر انداز ہو' اور اس کا احاطہ کرے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب مبارک پر باری تعالیٰ کی محبت کے علاوہ کوئی چیز محیط نہیں تھی' اس لئے آپ نے خلت میں کسی دوسرے کی شرکت گوارا نہیں فرمائی حالانکہ اخوت میں دوسرے لوگوں کو شریک فرمایا۔ مثلاً حضرت علی کرم اللہ وجہ کے متعلق ارشاد ہے۔

علی منی بمنزلة ھارون من موسیٰ الا النبوة (بخاری و مسلم۔ سعد ب ابی وقاصؓ)

علیؓ میرے لئے ایسے ہیں جیسے موسیٰؑ کے لیے ہارونؑ سوائے نبوت کے۔

اس روایت میں حضرت علیؓ کے لیے نبوت کا استثناء فرمایا' جس طرح حضرت ابوبکرؓ کے لئے خلت کا استثناء فرمایا تھا' اس سے ثابت ہوا کہ حضرت علیؓ اور حضرت ابوبکرؓ دونوں اخوت میں شریک ہیں لیکن ابوبکرؓ کو حضرت علیؓ پر یہ فوقیت بھی حاصل ہے کہ ان میں خلیل بننے کی اہلیت تھی' اگر خلت میں غیر اللہ کی شرکت کی گنجائش ہوتی تو آپ کو یہ سعادت بھی ملتی' سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے حبیب بھی ہیں اور خلیل بھی۔ روایت میں ہے کہ ایک روز سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ سلم فرحاں و شاداں منبر پر جلوہ افروز ہوئے اور ارشاد فرمایا۔

ان اللہ قد اتخذنی خلیلا کما اتخذ ابراھیم خلیلا' فانا حبیب اللہ وانا خلیل اللہ (۱)

اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنا خلیل بنایا ہے جس طرح ابراہیم کو اپنا خلیل بنایا تھا' تو میں اللہ کا حبیب بھی ہوں اور خلیل بھی۔

بہرحال معرفت رابطے کا ادنیٰ درجہ ہے کہ اس سے نیچے کوئی درجہ نہیں ہے' اور خلت اعلیٰ درجہ ہے کہ اس سے اوپر کوئی درجہ نہیں ہے' باقی تمام درجات معرفت اور خلت کے درمیان ہیں۔

کتاب الاخوة والصحبت میں صحبت' اخوت اور محبت کے حقوق بیان کئے جاچکے ہیں' ان حقوق کا تفاوت بھی واضح کیا جاچکا ہے' محبت اور اخوت کا انتہائی حق یہ ہے کہ محبوب کی ذات کو اپنے نفس اور مال پر ترجیح دے جیسے حضرت ابوبکرؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر اپنا نفس اور مال قربان کردیا تھا اور حضرت طلحہؓ میدان جنگ میں آپ کے جسد مبارک کے لیے ڈھال بن گئے تھے۔ اس موضوع پر ہم مزید کچھ لکھنے کی ضرورت نہیں سمجھتے' اب ہم یہ چاہتے ہیں کہ اسلامی اخوت' قرابت داروں' پڑوسیوں اور لونڈی غلاموں کے حقوق پر روشنی ڈالیں۔

مسلمان کے حقوق:۔ ایک مسلمان کا دوسرے مسلمان پر حق یہ ہے کہ جب ملاقات ہو تو اسے سلام کرے جب دعوت دے تو

---

(۱) اس روایت کا پہلا جزء طبرانی میں ابو امامہؓ سے ضعیف سند کے ساتھ منقول ہے

اس کی دعوت قبول کرے چھینکے تو یرحمک اللہ (اللہ تجھ پر رحم کرے) کہے' بیمار ہو تو عیادت کرے' مرجائے تو اس کے جنازے میں شریک ہو' قسم کھائے تو اس کی قسم سچی کرے' نصیحت چاہے تو اسے اچھی نصیحت کرے' پیٹھ پیچھے بھی اسے برا نہ کہے' جو بات اپنے لیے پسند کرے وہی اس کے لیے پسند کرے' اس کے حق میں وہ بات بری سمجھے جو اپنے حق میں بری سمجھتا ہو۔ یہ دس حقوق ہیں جنہیں بطور اجمال ذکر کیا گیا ہے' حدیث سے ان حقوق کا ثبوت ملتا ہے۔ (۱) مثلاً حضرت انسؓ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد مبارک نقل کرتے ہیں۔

اربع من حق المسلمین علیک' ان تعین محسنهم وان تستغفر لمذنبهم وان تدعو لمدبرهم وان تحب تائبهم (۲)

مسلمانوں کے سلسلے میں تجھ پر چار باتیں لازم ہیں ایک یہ کہ ان میں سے نیکی کرنے والے کی اعانت کر' برائی کرنے والے کے لیے مغفرت طلب کر' بد نصیب کے لیے دعا مانگ' اور توبہ کرنے والے سے محبت کر۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ قرآن پاک کی آیت "رحماء بینهم" کی یہ تشریح فرماتے ہیں کہ نیک آدمی گنہگار کے حق میں دعا کرے' اور گنہگار نیک کے لیے دعا مانگے۔ مطلب یہ ہے کہ جب کوئی گنہگار امت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی نیک بندے کو دیکھے تو یہ دعا کرے "اے اللہ! تو نے جو خیر (عمل نیک کی توفیق) اسے عطا کی ہے اس میں برکت فرما' اسے اس پر ثابت قدم رکھ' اور اس خیر سے ہمیں بھی نفع پہنچا' جب کوئی نیک آدمی کسی بدکار کو دیکھے تو یہ دعا کرے "اے اللہ! اسے ہدایت کی راہ دکھلا' اسے توبہ کی توفیق عطا کر' اس کی خطائیں معاف فرما۔" ذیل میں ان مجمل حقوق کی کچھ تفصیل کی جاتی ہے۔

پہلا حق:۔ یہ ہے کہ تمام مسلمانوں کے لیے وہی چیز پسند کرے جو اپنے لئے پسند ہو' اور ان کے لیے ہر وہ بات ناپسند کرے جسے اپنے حق میں ناپسند کرتا ہو۔ نعمان بن بشیرؓ کہتے ہیں کہ میں نے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے۔

مثل المومنین فی توادهم و تراحمهم کمثل الجسد اذا اشتکی عضو منه تداعی سائره بالحمی والسهر (بخاری و مسلم)

آپس میں محبت کرنے اور رحم و کرم کا معاملہ کرنے میں مسلمانوں کی مثال ایسی ہے جیسے جسم کہ جب اس کا کوئی عضو دکھتا ہے تو تمام جسم بخار اور بیداری کی تکلیف برداشت کرتا ہے۔ حضرت موسیٰؓ روایت کرتے ہیں

المومن للمومن کالبنیان یشد بعضه بعضا (بخاری و مسلم)

ایک صاحب ایمان دوسرے صاحب ایمان کے لیے ایسا ہے جیسے عمارت کہ اس کا ایک حصہ دوسرے حصے کو مضبوط بناتا ہے۔

دوسرا حق:۔ یہ ہے کہ کسی بھی مسلمان کو ایذا نہ پہنچائے' نہ قول سے اور نہ فعل سے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد

---

(۱) مثلاً بخاری و مسلم میں ابوہریرۃ کی روایت ہے "حق المسلم علی المسلم خمس رد السلام وعیادة المریض' واتباع الجنائز' واجابة الدعوة' وتشمیت العاطس" مسلم میں بھی یہ روایت ہے اس میں پانچ کے بجائے چھ حقوق بیان کئے گئے ہیں' چھٹا حق یہ ہے "واذا استنصحک فانصح له" ترمذی اور ابن ماجہ میں حضرت علیؓ کی روایت میں مذکورہ بالا چھ حقوق کے ساتھ ساتھ دو حق بھی مذکور ہیں " ویحب له ما یحب لنفسه وینصح له اذا غاب او شهد" مسند احمد میں معاذ کی روایت میں یہ اضافہ ہے "ان تحب الناس ما تحب لنفسک وتکره لهم ما تکره لنفسک" بخاری و مسلم براء بن عازب کی روایت کے الفاظ ہیں "امرنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بسبع" سات میں یہ دو حق بھی بیان فرمائے "ابرار القسم ونصر المظلوم"

(۲) یہ روایت مسند الفردوس میں بلا شبہ نقل کی گئی ہے

فرماتے ہیں۔

المسلم من سلم المسلمون من لسانہ و یدہ (بخاری و مسلم۔ عبداللہ بن عمرؓ)

مسلمان وہ ہے جس کے ہاتھ اور زبان (کی ایذا) سے مسلمان محفوظ ہیں۔

ایک مرتبہ آپ نے کچھ افعال کی فضیلت بیان فرمائی آخر میں مخاطب سے فرمایا:۔

فان لم تقدر فدع الناس من الشر فانها صدقة تصدق بها علی نفس (بخاری و مسلم۔ ابوذرؓ)

اگر تم ان فضائل پر عمل نہ کرسکو تو اتنا ہی کرو کہ لوگوں کو تم سے تکلیف نہ پہنچے' یہ عمل بھی ایک صدقہ ہے جسے تم اپنی طرف سے خیرات کرتے ہو۔

اس سلسلے کی کچھ احادیث یہ ہیں۔

افضل المسلمین من سلم المسلمون من لسانہ و یدہ (بخاری و مسلم۔ ابو موسیٰؓ)

بہترین مسلمان وہ ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے مسلمان محفوظ رہیں۔

ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام سے دریافت فرمایا کہ کیا تم جانتے ہو (صحیح معنی میں) مسلمان کون ہے؟ صحابہ نے عرض کیا: اللہ اور اس کے رسول ہی زیادہ جانتے ہیں' فرمایا۔

المسلم من سلم المسلمون من لسانہ و یدہ قالوا: فمن المومن؟ قال من امنہ المومنون علی انفسهم و اموالهم' (حاکم' طبرانی۔ فضالہ ابن عبید) قالوا: فمن المهاجر؟ قال من هجر السوء' واجتنبہ' (حاکم۔ انسؓ) و قال رجل: یا رسول اللّٰہ ما الاسلام قال ان یسلم قلبک للّٰہ و یسلم المسلمون من لسانک و یدک (احمد۔ عمرابن عتبہؓ)

مسلمان وہ ہے کہ جس کے ہاتھ' اور زبان سے مسلمان محفوظ رہیں' لوگوں نے عرض کیا: مومن کون ہے' فرمایا: وہ شخص کہ جس سے اہل ایمان اپنے مالوں اور جانوں کے سلسلے میں مامون ہوں عرض کیا: مہاجر کون ہے' فرمایا: وہ شخص جس نے برائی ترک کی' اس سے اجتناب کیا' ایک شخص نے عرض کیا: یا رسول اللہ اسلام کیا ہے فرمایا: اسلام یہ ہے کہ تیرا دل اللہ کا مطیع ہو اور مسلمان تیری زبان اور ہاتھ سے محفوظ رہیں۔

مجاہد فرماتے ہیں کہ دوزخیوں کو خارش میں مبتلا کردیا جائے گا۔ یہ بھی عذاب کی ایک صورت ہوگی' بعض بدقسمت دوزخی اتنا کھجائیں گے کہ ان کے جسم کا گوشت الگ ہوجائے گا اور ہڈی نظر آنے لگے گی' اس وقت ان سے پوچھا جائے گا کہ کیا تم اس میں کچھ تکلیف محسوس کررہے ہو؟ وہ کہیں گے' یقیناً ہم بڑی تکلیف اور سخت عذاب میں ہیں' ان سے کہا جائے گا کہ یہ عذاب دراصل تمہارے اس جرم کی سزا ہے کہ تم دنیا میں اہل ایمان کو ستایا کرتے تھے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔

لقد رایت رجلا فی الجنة یتقلب فی شجرة قطعها عن ظهر الطریق کانت توذی المسلمین (مسلم۔ ابوہریرہؓ)

میں نے ایک شخص کو جنت میں اس لئے مزے اڑاتے ہوئے دیکھا ہے کہ اس نے راستے سے ایک ایسا درخت کاٹ دیا تھا جو مسلمان کو ایذا دیتا تھا۔

ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ میں نے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا: یا رسول اللہ مجھے کوئی ایسی بات بتلا دیجئے کہ میں اس پر عمل کروں' اور نفع اٹھاؤں۔ آپ نے فرمایا: مسلمانوں کے راستے سے تکلیف دہ چیز ہٹا دیا کرو۔ (مسلم۔ ابوہریرہؓ) ایک حدیث میں ہے۔

من زحزح عن طریق المسلمین شیئا یوذیھم کتب اللہ لہ حسنۃ اوجب لہ بھا الجنۃ (احمد۔ ابوالدرداءؓ۔ سند ضعیف)

جو شخص مسلمانوں کے راستے سے تکلیف دہ چیز ہٹائے گا اللہ تعالیٰ اس کے لیے ایک نیکی لکھیں گے، اور جس شخص کے لیے اللہ عزوجل نیکی لکھیں گے اس نیکی کی وجہ سے جنت اس کے لیے واجب ہوجائے گی۔

ولا یحل المسلم ان ینظر الی اخیہ بنظر یوذیہ (۱)

کسی مسلمان کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ اپنے بھائی کی طرف ایذا پہنچانے والی آنکھ سے دیکھے۔

ان اللہ یکرہ اذی المومنین (۲)

مسلمانوں کو ایذا پہنچانا اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہے۔

ربیع بن خیشم کہتے ہیں کہ آدمی دو طرح کے ہیں، مومن، انہیں ایذا مت پہنچاؤ، جاہل ان کے ساتھ جاہل مت بنو۔

تیسرا حق:۔ یہ ہے کہ ہر مسلمان کے ساتھ تواضع سے پیش آئے، تکبر اور غرور مت کرے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ کُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ (پ۲۱ ر۱۱ آیت ۱۸)

اللہ تعالیٰ کسی تکبر کرنے والے فخر کرنے والے کو پسند نہیں کرتے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں۔

ان اللہ اوحی الی ان تواضعوا حتی لا یفخر احد علی احد (ابوداؤد، ابن ماجہ۔ عیاض بن حمارؓ)

اللہ تعالیٰ نے مجھ پر وحی نازل فرمائی کہ تم تواضع کرو یہاں تک کہ کوئی شخص کسی دوسرے پر فخر نہ کرے۔

پھر اگر کوئی شخص فخر بھی کرے تو تحمل اور صبر سے کام لینا چاہیے، جوابی کارروائی کرنا مناسب نہیں ہے باری تعالیٰ نے اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ زریں اصول تعلیم فرمایا۔

خُذِ الْعَفْوَ وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ وَاَعْرِضْ عَنِ الْجَاھِلِیْنَ (پ۹ ر۱۴ آیت ۱۹۹)

سرسری برتاؤ کو قبول کرلیا کیجئے اور نیک کام کی تعلیم کردیا کیجئے اور جاہلوں سے ایک کنارہ ہوجایا کیجئے۔

ابن ابی اوفیٰؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میں تکبر اور غرور نام کو بھی نہ تھا یہی وجہ تھی کہ آپ بیوہ اور مسکین و محتاج شخص کے ساتھ جاکر اس کی حاجت روائی کرنے میں بھی کوئی عار محسوس نہ کرتے۔ (حاکم، نسائی)

چوتھا حق:۔ یہ ہے کہ کسی مسلمان کی چغلی نہ کھائے، ارشاد نبویؐ ہے

لا یدخل الجنۃ قتات (بخاری و مسلم۔ ابوحذیفہ)

چغل خور جنت میں داخل نہیں ہوگا۔

خلیل بن احمد نے چغل خوروں سے بچ کر رہنے کے لیے کیا اچھا معیار متعین کردیا ہے کہ جو شخص تمہارے سامنے کسی کی چغلی کرے گا وہ تمہاری دوسروں سے چغلی کرے گا، جو شخص تم سے دوسروں کی باتیں نقل کرے گا وہ تمہاری باتیں دوسروں سے نقل کرے گا۔

پانچواں حق:۔ یہ ہے کہ اگر آپس میں رنجش پیدا ہوجائے تو تین دن سے زیادہ ملاقات ترک نہ کرے حضرت ابوایوب انصاریؓ

---

(۱) ابن المبارک فی الذھد حمزۃ بن عبیدؓ مرسلاً۔ سند ضعیف

(۲) ابن المبارک فی الزھد عکرمہ بن خالد مرسلاً باسناد جید

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کرتے ہیں۔

لا یحل لمسلم ان یھجر اخاہ فوق ثلاث یلتقیان فیعرض ھذا ویعرض ھذا وخیر ھما الذی یبدا بالاسلام (بخاری و مسلم)

کسی مسلمان کے لیے جائز نہیں کہ وہ اپنے بھائی کو تین دن سے زیادہ چھوڑے کہ وہ دونوں باہم ملیں تو ایک ادھر منہ پھیر لے اور دوسرا ادھر۔ ان دونوں میں بہتر وہ شخص ہے جو سلام کی ابتدا کرے۔

ہونا چاہیے کہ اگر کسی بھائی سے کوئی غلطی سرزد ہو جائے تو اسے معاف کردے' ترک تعلق کی نوبت اس لیے آتی ہے کہ غلطیوں سے چشم پوشی نہیں کی جاتی' اور معمولی معمولی خطاؤں کو سنگین سمجھا جاتا ہے' حالاں کہ حدیث میں ہے۔

من اقال مسلما عثرتہ اقالہ اللہ یوم القیامۃ (ابوداؤد' حاکم)

جس نے کسی مسلمان کی غلطی معاف کی' اللہ تعالیٰ قیامت کے روز اس کی لغزشوں سے درگزر فرمائیں گے۔

عکرمہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے یوسف بن یعقوب علیہ السلام سے فرمایا کہ تم نے اپنے بھائیوں کی غلطی معاف کی میں نے تمہارے اس عمل ہی کی بنا پر دونوں جہانوں میں تمہارا ذکر بلند کیا۔ عائشہؓ فرماتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ذات کے لیے کبھی کسی شخص سے انتقام نہیں لیا' ہاں اگر کسی شخص نے باری تعالیٰ کی نافرمانی کی تو اس سے ضرور انتقام لیا' مگر اللہ کے لیے لیا' اپنی ذات کے لیے نہیں لیا۔ (بخاری و مسلم) حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ جو شخص اپنے اوپر کیا جانے والا ظلم معاف کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے سربلندی عطا فرماتے ہیں' سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

مانقص مال من صدقۃ ومازاد اللہ رجلا بعفو الا عزا وما من احد تواضع للہ الا رفعہ اللہ (مسلم۔ ابوہریرہؓ)

صدقہ سے مال میں کمی نہیں ہوتی' عفو و درگزر سے عزت ملتی ہے' جو شخص اللہ کے لیے انکساری کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے بلند مرتبہ عطا کرتے ہیں۔

چھٹا حق:۔ یہ ہے کہ ہر شخص کے ساتھ بقدر وسعت وہمت حسن سلوک کرے' خواہ وہ اس قابل ہو کہ اس پر احسان کیا جائے یا نہ ہو' علی بن حسین اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اس شخص پر احسان کرو جو اس لائق ہو' اگر کسی ایسے شخص پر احسان کیا جو اس لائق نہ تھا تب بھی کوئی مضائقہ نہیں' تم خود اس کے اہل ہو کہ کسی پر احسان کرو۔[1] اسی سند کے ساتھ یہ حدیث بھی مذکور ہے کہ۔

راس العقل بعد الدین التودد الی الناس واصطناع المعروف الی کل بر وفاجر (طبرانی اوسط)

ایمان کے بعد عقل کا اصل تقاضا یہ ہے کہ لوگوں کے ساتھ محبت سے پیش آؤ' اور ہر نیک و بد کے ساتھ حسن سلوک کرو۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق فاضلہ کے سلسلے میں حضرت ابوہریرہؓ کی یہ روایت نہایت اہم ہے' فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول یہ تھا کہ جب کوئی شخص آپ کا دست مبارک اپنے ہاتھ میں لیتا تو آپ از خود نہ چھڑاتے یہاں تک کہ وہ خود ہی چھوڑ دیتا' آپ کے زانوئے مبارک اپنے ہم نشین کے زانو سے آگے نکلے ہوئے نہ ہوتے' جب کوئی شخص آپ سے گفتگو کرتا تو آپ ہمہ تن گوش ہو جاتے اور اس وقت تک روئے مبارک نہ پھیرتے جب تک کہ وہ شخص خود اپنی گفتگو سے فارغ نہ ہو جاتا۔

ساتواں حق:۔ یہ ہے کہ کسی مسلمان کے پاس اس کی اجازت کے بغیر نہ جائے' بلکہ اگر جانے کی ضرورت ہو تو پہلے تین مرتبہ

(1) علی دار قطنی مگر یہ روایت مرسل ہے اور اس کی سند ضعیف ہے

اجازت نے 'اگر اجازت نہ ملے تو واپس ہو جائے۔ ابو ہریرہؓ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کرتے ہیں۔

الاستئذان ثلاث' فالاولی یستنصتون والثانیہ یستصلحون والثالثہ یاذنون اویردون (۱)

اجازت تین مرتبہ لی جاتی ہے (اس لئے کہ بعض اوقات) پہلی مرتبہ اجازت مانگنے پر لوگ خاموش ہو جاتے ہیں دوسری مرتبہ (اجازت دینے یا نہ دینے کے سلسلے میں) باہم صلاح مشورہ کرتے ہیں' اور تیسری مرتبہ اجازت دیتے ہیں یا واپس کر دیتے ہیں۔

آٹھواں حق:۔ یہ ہے کہ تمام لوگوں کے ساتھ خوش اخلاقی سے پیش آئے' اور ہر شخص کے ساتھ اس کی اہلیت کے مطابق گفتگو کرے' جاہل کے ساتھ علم وفقہ کی باتیں کرنا' اور کسی کم فہم کند ذہن کے ساتھ نکتہ رسی اور دقیقہ سنجی کا ثبوت دینا بجائے خود جہالت ہے' اس میں مخاطب اور متکلم دونوں کے لیے ایذا ہے۔

نواں حق:۔ یہ ہے کہ بوڑھوں کی عزت کرے' اور بچوں پر رحم کرے حضرت جابرؓ راوی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔

لیس منامن لم یوقر کبیرناولم یرحم صغیرنا (ابوداؤد' بخاری فی الادب عبداللہ بن عمر)

جو شخص ہمارے بڑوں کی عزت نہیں کرتا' اور چھوٹوں پر شفقت نہیں کرتا وہ ہم میں سے نہیں ہے۔

ایک حدیث میں ہے۔

من اجلال اللّٰہ اکرام ذی الشیبۃ المسلم (ابوداؤد۔ ابو موسیٰؓ)

بوڑھے مسلمان کی تعظیم کرنا بھی اللہ کی تعظیم ہے۔

بوڑھوں کی تعظیم کا ایک پہلو یہ ہے کہ اگر وہ مجلس میں موجود ہوں تو ان کی اجازت اور مرضی کے بغیر گفتگو نہ کرے۔ چنانچہ جابرؓ روایت کرتے ہیں کہ جہینہ (قبیلہ) کا ایک وفد سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا (جب گفتگو شروع ہوئی تو) ایک لڑکا بولنے کے لیے کھڑا ہوا' آپ نے ارشاد فرمایا: بڑے کہاں ہیں؟ (حاکم) بڑوں کی انتہائی عظمت کے لیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد گرامی کافی ہے' فرمایا بوڑھوں کی تعظیم کرنے والا جب بوڑھا ہو جاتا ہے تو اس کی تعظیم کرنے والے کے لیے بھی کچھ لوگ مقرر کر دیئے جاتے ہیں۔ (۲) اس حدیث میں باعزت زندگی کی بشارت ہے' اور اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ بوڑھوں کی تعظیم کی توفیق اس شخص کو ہوتی ہے جس کے لیے اللہ تعالیٰ نے عمر کی زیادتی لکھ دی ہو' رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

لا تقوم الساعۃ حتّٰی یکون الولد غیظا والمطر قیظا' وتفیض اللئام فیضا وتغیض الکرام غیضا' ویجتری الصغیر علی الکبیر واللیم علی الکریم (خرائطی۔ عائشہؓ طبرانی۔ ابن مسعود)

قیامت برپا نہ ہوگی یہاں تک کہ بچوں سے نفرت نہ کی جانے لگے' بارش گرمی کا باعث نہ بن جائے کمینے زیادہ اور شرفاء کم نہ ہو جائیں' اور چھوٹا بڑے کے مقابلے میں اور کمینہ شریف کے مقابلے جری نہ ہو جائے۔

---

(۱) الدار قطنی فی الافراد۔ سند ضعیف بخاری ومسلم میں یہ روایت ابو موسیٰ سے ان الفاظ میں ہے الاستئذان ثلاث فان اذن لک والا فارجع (۲) ترمذی میں یہ روایت ان الفاظ میں ہے "ما اکرم ومن یکرمہ" راوی انسؓ ہیں۔ ترمذی کے بعض نسخوں کے مطابق یہ روایت غریب ہے اور بعض نسخوں کے مطابق حسن ہے۔

بچوں کے ساتھ شفقت اور محبت سے پیش آنا سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا' (۱) چنانچہ جب کبھی آپ سفر سے تشریف لاتے اور راستے میں بچے ملتے تو آپ ان کے پاس ٹھہرتے' بعض بچوں کو (سواری کے جانور پر) اپنے سامنے اور بعض کو پیچھے بٹھاتے' جو بچے رہ جاتے وہ صحابہ کی سواریوں پر آگے پیچھے بیٹھتے' تب یہ قافلہ منزل تک پہنچتا' بعد میں وہ بچے جنہیں سرکار کی معیت میں بیٹھنا نصیب ہوتا اس سعادت پر فخر کرتے اور دوسروں کو بھی جتاتے' جو بچے آگے بیٹھتے وہ پیچھے بیٹھنے والوں پر فخر کرتے (۲) ۔ روایات میں ہے کہ نو مولود بچے نام رکھنے اور دعائے برکت حاصل کرنے کے لیے آپ کی خدمت میں لائے جاتے' آپ انہیں اپنی گود میں لے لیتے' بعض اوقات بچے پیشاب بھی کر دیتے ایسے موقعہ پر صحابہ چیخنے لگتے' آپ صحابہ کو منع فرماتے' یہاں تک کہ بچہ پیشاب سے فارغ ہو جاتا حالانکہ آپ کے کپڑے اور بدن ناپاک ہو جاتا لیکن زبان سے تو کیا چہرے سے بھی خفگی کا اظہار نہ فرماتے' آپ کے اس رویے سے بچے کے والدین نہایت خوش ہوتے' وہ یہ سمجھتے تھے کہ بچے کے پیشاب کر دینے سے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف نہیں پہنچی ہے' آپ بچے کے لیے خیر و برکت اور درازی عمر کی دعا فرماتے اور اس کا نام رکھتے' جب بچے کے والدین چلے جاتے آپ اپنا جسم مبارک پاک کرتے' اور کپڑے دھوتے۔ (۳)

دسواں حق:۔ یہ ہے کہ تمام لوگوں سے خندہ پیشانی کے ساتھ ملے' نرم لب و لہجے میں گفتگو کرے' اور تواضع و انکساری سے پیش آئے۔ ایک مرتبہ آپ نے صحابہ سے دریافت فرمایا: کیا تم جانتے ہو دوزخ کس شخص پر حرام ہے؟ صحابہ نے عرض کیا: اللہ اور اس کے رسول زیادہ جانتے ہیں۔ آپ نے فرمایا۔

الهين اللين السهل القريب (۱) (ترمذی۔ ابن مسعودؓ)

اس شخص پر جو نرم خو' منکسر المزاج' سہل گیر اور ملنسار ہو۔

حضرت ابو ہریرہؓ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد گرامی نقل کرتے ہیں۔

ان اللہ یحب السهل الطلق (بیہقی شعب الایمان۔ سند ضعیف)

اللہ تعالیٰ کو نرم خو اور خندہ رو شخص محبوب ہے۔

ایک حدیث میں خوش گفتاری کو دوزخ سے نجات کا ذریعہ قرار دیا گیا ہے' فرمایا:۔

اتقوا النار ولو بشق تمرة فان لم تجدوا فبكلمة طيبة (بخاری و مسلم۔ عدی بن حاتم)

آگ سے بچو اگرچہ آدھی ہی کھجور راہ خدا میں کیوں نہ دو' یہ بھی نہ ملے تو اچھی بات ہی کہہ دو۔

ایک مرتبہ ارشاد فرمایا:۔

ان فی الجنة لغرفا یری ظهورها من بطونها وبطونها من ظهورها فقال اعرابی لمن هی یا رسول اللہ' قال لمن اطاب الکلام' واطعم الطعام وصلی باللیل والناس نیام (ترمذی۔ علیؓ۔ غریب)

---

(۱) کتاب النکاح میں حضرت انس کی روایت (بزار) گذر چکی ہے کہ آپ بچوں پر نہایت مہربان اور شفیق تھے' بخاری و مسلم میں بھی اس مضمون کی روایت موجود ہیں۔ (۲) مسلم و بخاری میں عبد اللہ ابن جعفر کی روایت۔ اس روایت میں یہ بھی ہے کہ عبد اللہ بن جعفر نے ابن الزبیر سے دریافت کیا کہ کیا تمہیں یاد ہے کہ ایک مرتبہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم مجھے تمہیں اور ابن عباس کو ملے تھے' آپ نے ہم دونوں کو اپنے جانوروں پر بٹھلایا تھا اور تمہیں چھوڑ دیا تھا۔ (۳) بخاری و مسلم بروایت عائشہ مختصراً" مفصل روایت حسن بن علیؓ سے احمد بن منیع نے نقل کی ہے۔ دار قطنی اور احمد میں بھی اس مضمون کی روایات موجود ہیں۔ (۴) لفظ لین ترمذی میں نہیں ہے۔ محمد بن معیقیب نے اپنی والدہ سے یہ لفظ نقل کیا ہے' یہ روایت خرائطی کی مکارم الاخلاق میں ہے۔

جنت میں چند دریچے ہیں جن کے اندر سے باہر کا اور باہر سے اندر کا منظر نظر آتا ہے ایک اعرابی نے دریافت کیا یا رسول اللہ یہ دریچے کس شخص کے لیے ہیں؟ فرمایا: اس شخص کے لیے جس نے اچھی گفتگو کی کھانا کھلایا اور رات کو اس وقت نماز پڑھی جس وقت کے لوگ محو خواب ہوں۔

معاذ بن جبل نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ وصیت نقل کی ہے۔ فرمایا:۔

اوصیک بتقوی اللہ وصدق الحدیث ووفاء العهد واداء الامانة وترک الخیانة وحفظ الجار ورحم الیتیم ولین الکلام وبذل السلام وخفض الجناح

(خرائطی، بیہقی، ابو نعیم)

میں تجھے خوف خدا، راست گوئی، وفاء عہد، ادائے امانت، ترک خیانت، پڑوسیوں کے حقوق کی حفاظت، یتیموں پر رحم، نرم گفتاری سلام کرنے اور تواضع وانکساری کے ساتھ پیش آنے کی وصیت کرتا ہوں۔

انس فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ آپ صحابہ کرام کے ساتھ کہیں تشریف لے جارہے تھے کہ راستے میں ایک عورت ملی اس نے عرض کیا: یا رسول اللہ! مجھے آپ کی خدمت میں کچھ عرض کرنا ہے، فرمایا اس کوچے میں جاہے جہاں بیٹھ جاؤ میں تمہاری بات سن لوں گا وہ عورت ایک جگہ بیٹھ گئی، آپ نے اس کی عرضداشت سماعت فرمائی (مسلم) وہب ابن منبہ کہتے ہیں کہ نبی اسرائیل کے ایک شخص نے ستر برس تک روزے رکھے، وہ ہر ساتویں روز افطار کیا کرتا تھا، ایک مرتبہ اس نے باری تعالیٰ کے حضور یہ دعا مانگی کہ اے اللہ! مجھے دکھلا دیجئے کہ شیطان انسانوں کو کس طرح بہکاتا ہے جب کافی عرصے تک اس کی دعا قبول نہیں ہوئی تو اس نے کہا کہ اگر مجھے یہ معلوم ہوجاتا کہ مجھ سے کیا گناہ سرزد ہوا ہے تو اس دعا کے مقابلے میں یہ زیادہ بہتر ہوتا، اس پر اللہ تعالیٰ نے ایک فرشتہ بھیجا، فرشتے نے آکر کہا کہ باری تعالیٰ کو تمہاری عبادت سے زیادہ یہ بات پسند آئی ہے، اس کا انعام تمہیں نور بصیرت کی صورت میں عطا کیا جارہا ہے، ذرا آنکھیں کھول کر دیکھو، اس شخص نے دیکھا کہ ابلیس کی فوج ساری دنیا پر چھائی ہوئی ہے کوئی شخص بھی ایسا نظر نہیں آتا کہ وہ زندہ ہو اور اس کے ارد گرد شیاطین موجود نہ ہوں وہ بھیڑیوں کی طرح گھات لگائے ہوئے ہیں، اس شخص نے عرض کیا: رب کریم! شیطان کے فریب سے کون نجات پاسکتا ہے؟ فرمایا: نرم گفتار پرہیزگار۔

گیارہواں حق:۔ یہ ہے کہ جو وعدہ کرے اسے پورا کرے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے وعدے کو عطیہ، اور قرض کہا ہے۔ (۱) جس طرح عطیہ دینے میں ثواب ہے، اور قرض ادا کرنا ضروری ہے اسی طرح ایفائے وعدہ میں بھی ثواب ہے، اور یہ عمل ضروری بھی ہے حدیث میں وعدہ خلافی کو نفاق کی علامت قرار دیا گیا ہے، الفاظ یہ ہیں:۔

ثلاث فی المنافق اذا حدث کذب واذا وعد اخلف واذا ائتمن خان

(بخاری و مسلم۔ ابو ہریرہ)

تین باتیں منافق میں ہوتی ہیں، جب بات کرتا ہے جھوٹ بولتا ہے، جب وعدہ کرتا ہے خلاف کرتا ہے اور جب اس کے سپرد کوئی امانت کی جاتی ہے تو خیانت کرتا ہے۔

ایک حدیث میں یہ حقیقت ان الفاظ میں بیان فرمائی گئی کہ "جس شخص میں تین باتیں ہوں وہ منافق ہے، اگرچہ وہ شخص نماز پڑھتا ہو، اور روزے رکھتا ہو" پھر وہ تینوں امور بیان کئے گئے جو اس سے پہلے حدیث میں گذر چکے ہیں۔ (بخاری۔ ابو ہریرہ)

---

(۱) فرمایا "العدة عطیة" یہ روایت طبرانی اوسط میں قباث ابن اشیم سے مروی ہے، ایک جگہ فرمایا "العدة دین" یہ روایت طبرانی اوسط و صغیر میں بروایت علی اور ابن مسعود منقول ہے، ابوداؤد نے اسے مرسل روایت کیا ہے

بارہواں حق:۔ یہ ہے کہ لوگوں کے ساتھ وہی سلوک کرے جو اپنے نفس کے ساتھ کرتا ہو اور وہی معاملہ کرے جو لوگوں سے اپنے سلسلے میں مطلوب ہو' اور ان کا انتقام اپنے نفس سے لے' ارشاد نبوی ہے:۔

لا یستکمل العبد الایمان حتّٰی یکون فیه ثلاث خصال الانفاق من الاقتار والانصاف من نفسه وبذل السلام (خرائطی۔ عمار بن یاسرؓ) (۱)

بندے کا ایمان اس وقت تک کامل نہیں ہوتا جب تک کہ اس میں تین عادتیں نہ ہوں' مفلسی میں خرچ کرنا' اپنے نفس سے انتقام لینا' اور سلام کرنا

ایک مرتبہ ارشاد فرمایا:۔

من سره ان یزحزح عن النار فلتاته منیته وهو یشهد ان لا اله الا اللّٰه وان محمدا رسول اللّٰه ولیات الی الناس ما یحب ان یوتی الیه (خرائطی مسلم نحوه۔ عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ)

جس شخص کو یہ بات پسند ہو کہ وہ دوزخ سے دور رہے تو اسے چاہیے کہ وہ اس حال میں مرے کہ اللہ کی عبودیت اور رسول اللہ کی رسالت کی شہادت دے رہا ہو' نیز لوگوں کے ساتھ وہ معاملہ کرے جس کا اپنے لیے دوسروں سے طالب ہو۔

ایک مرتبہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوالدرداءؓ کو یہ نصیحت فرمائی کہ:۔

احسن مجاورة من جاورک تکن مومن اواحب للناس ما تحب لنفسک تکن مسلما (۲)

اپنے پڑوسیوں کے ساتھ اچھا سلوک کرو مومن ہو جاؤ گے' اور لوگوں کے لیے وہ بات پسند کرو جو اپنے لیے پسند کرتے ہو مسلمان ہو جاؤ گے۔

حضرت حسنؒ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام پر وحی بھیجی کہ چار باتیں تمہارے لئے' اور تمہاری اولاد کے لیے بنیادی اہمیت رکھتی ہیں' ان چار باتوں میں سے ایک میرے لیے مخصوص ہے' دوسری تمہارے لیے خاص ہے' تیسری تمہارے اور میرے درمیان مشترک ہے' اور چوتھی تمہارے اور عام لوگوں سے تعلق رکھتی ہے جو بات میرے لئے مخصوص ہے وہ یہ ہے کہ میری عبادت کرو' اور کسی چیز کو میری ذات یا صفت میں شریک مت بناؤ' وہ بات جو تمہارے ساتھ خاص ہے تمہارا عمل ہے' میں اس عمل کی جزا اس وقت دوں گا جس وقت تمہیں اس کی شدید ضرورت ہوگی' میرے اور تمہارے درمیان مشترک امر یہ ہے کہ تم دعا کرو اور میں تمہاری دعا قبول کروں' تمہارے اور لوگوں کے درمیان جو بات مشترک ہے وہ یہ ہے کہ تم ان کے ساتھ وہی سلوک کرو جو تم ان سے اپنے ساتھ کرانا چاہتے ہو۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے رب کائنات کی بارگاہ میں عرض کیا: یا اللہ! تیرے بندوں میں سب سے زیادہ عادل اور انصاف پرور کون لوگ ہیں جواب آیا وہ لوگ جو دوسروں کا انتقام اپنی ذات سے لیں۔

تیرہواں حق:۔ یہ ہے کہ جس شخص کے لباس اور صورت سے اس کے مرتبہ کی بلندی کا اظہار ہو اس کی زیادہ توقیر کرے' مطلب یہ ہے کہ ہر شخص کے ساتھ اس کے مرتبہ و منزلت کے مطابق پیش آئے' روایت ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سفر کے دوران کسی منزل پر ٹھہریں' خادمہ نے کھانا پیش کیا' اتنے میں ایک سائل آیا' اور اس نے کھانے کی درخواست کی' حضرت عائشہؓ نے اسے ایک روٹی بھجوادی' اس کے بعد ایک سوار جاتا نظر آیا تو آپ نے لوگوں سے فرمایا کہ اسے بلا کر کھانا کھلاؤ' رفقائے

---

(۱) یہ روایت عمار بن یاسرؓ سے موقوفاً بخاری میں بھی ہے۔ (۲) مشہور یہ ہے کہ آپ نے یہ نصیحت حضرت ابو ہریرہؓ کو فرمائی تھی

سفر نے عرض کیا: امّ المومنین! اس مسکین سائل کو تو آپ نے ایک روٹی بھجوائی تھی' اور اس شخص کو جو بظاہر خوشحال نظر آتا ہے کھانے پر بلا رہی ہیں' فرمایا: اللہ تعالیٰ نے لوگوں کے درجات متعین کردئے ہیں' تم بھی ہر شخص کے ساتھ اس کے درجے کو ملحوظ رکھ کر عمل کرو۔ وہ مسکین تو ایک روٹی لے کر خوش ہوگیا' لیکن یہ بری بات ہوگی کہ ہم اس دوسرے شخص کو بھی ایک روٹی پکڑا دیں۔ فرق مراتب کے لحاظ پر یہ روایت بھی دلالت کرتی ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے حجرہ مبارکہ میں تشریف فرما تھے کہ کچھ لوگ حاضر ہوئے یہاں تک کہ بیٹھنے کی جگہ باقی نہ رہی' جس وقت جریر بن عبداللہ بجلیؓ آئے کمرہ بھر چکا تھا' آپ دہلیز پر بیٹھ گئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں وہاں بیٹھے ہوئے دیکھا تو اپنی چادر مبارک لپیٹ کران کی طرف پھینکی' اور یہ فرمایا کہ اسے بچھا کر بیٹھ جاؤ' جریرؓ نے چادر مبارک اٹھائی' اپنے سر پر رکھی' اور بوسے دئے' اور رو کر کہنے لگے: یا رسول اللہ میری اتنی مجال کہاں کہ آپ کے کپڑے پر بیٹھوں' اللہ آپ کا اکرام کرے جس طرح آپ نے میرا اکرام فرمایا' اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دائیں اور بائیں بیٹھے ہوئے لوگوں کی طرف متوجہ ہوئے اور ارشاد فرمایا:۔

اذا اتاکم کریم قوم فاکرموہ (حاکم۔ جابر بن عبداللہ)

جب تمہارے پاس کسی قوم کا عزت دار آدمی آئے تو اس کی تعظیم کرو۔

اسی طرح اس شخص کی تعظیم بھی کرنی چاہیے جس سے تمہارے دیرینہ روابط ہوں' چنانچہ روایات میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دایہ حضرت حلیمہؓ آپ کے پاس آئیں تو آپ نے ان الفاظ کے ساتھ ان کا استقبال کیا "مرحبا بامی" (امی جان! خوش آمدید) اسی اعزاز کا ایک جزیہ تھا کہ آپ نے اپنی چادر زمین پر بچھائی اور انہیں اس پر بٹھلایا' اس کے بعد فرمایا: آپ سفارش کریں میں آپ کی سفارش قبول کروں گا' آپ جو مانگیں گی میں دوں گا۔ حضرت حلیمہؓ نے عرض کیا کہ میں اپنی قوم کی سفارش کرتی ہوں۔ آپ نے فرمایا میں آپ کی قوم کے حق میں اپنے اور بنو ہاشم کے حق سے دست بردار ہوتا ہوں' اس اعلان کے بعد مجلس میں ہر طرف سے لوگ کھڑے ہوئے اور سب نے آپ کی تقلید میں اپنے اپنے حق سے دست برداری کا اعلان کیا' اس کے بعد آپ نے خیبر میں حاصل ہونے والا اپنا حصہ انہیں دے دیا۔ جسے حضرت عثمانؓ نے ایک لاکھ درہم میں خریدا (ابوداؤد' حاکم۔ ابوالطفیلؓ) بعض وقت آپ تکیہ لگائے تشریف فرما ہوتے اور کوئی شخص آجاتا' تکیہ اتنا مختصر ہوتا کہ اس میں دوسرے شخص کی گنجائش نہ ہوتی تو آپ آنے والے کو ترجیح دیتے' اور اپنا تکیہ اسے دے دیتے' اگر وہ انکار کرتا تو آپ اصرار کرتے یہاں تک کہ وہ شخص تکیہ لگانے پر مجبور ہو جاتا۔ (۱)

چودھواں حق:۔ یہ ہے کہ مسلمانوں میں باہم صلح کرانے کی کوشش کرے' ارشاد نبوی ہے:۔

الا اخبرکم بافضل من درج الصلاۃ والصیام والصدقۃ' قالوا بلیٰ' قال اصلاح ذات البین وفساد ذات البین ھی الحالقۃ (ابوداؤد' ترمذی۔ ابوالدرداءؓ)

کیا میں تمہیں وہ عمل نہ بتلادوں جو (نفل) نماز روزے' اور صدقہ خیرات سے افضل ہے صحابہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ کیوں نہیں ضرور بتلائیں فرمایا: آپس میں صلح کرانا۔ (یاد رکھو) آپس میں پھوٹ ڈالنے والا شخص دین کو مٹانے والا ہے۔

حضرت انسؓ کی ایک طویل روایت ہے کہ ایک روز سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کی مجلس میں بیٹھے بیٹھے کسی بات پر مسکرائے' یہاں تک کہ آپ کے دندان مبارک ظاہر ہوگئے۔ حضرت عمرؓ نے عرض کیا' یا رسول اللہ! آپ پر میرے ماں باپ قربان

---

(۱) مسند احمد میں عبداللہ بن عمر کی روایت ہے کہ میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے کھجور کی چھال سے بنا ہوا اپنا تکیہ مجھے عطا فرمایا اسی طرح کی ایک روایت طبرانی میں سلمانؓ سے مروی ہے۔

ہوں' آپ کو کس بات پر اس قدر ہنسی آئی؟ آپ نے ارشاد فرمایا: کہ میری امت کے دو شخص بارگاہ خداوندی میں حاضر ہیں' ان میں سے ایک نے عرض کیا: یا اللہ اس شخص سے میرا حق مجھے دلوایئے باری تعالیٰ نے دوسرے شخص سے فرمایا کہ اپنے بھائی کا حق ادا کرو' اس نے عرض کیا: یا اللہ! میرے دامن میں بجز معاصی کے کچھ بھی نہیں ہے' کیا چیز دوں کہ اس کا حق ادا ہو' صاحب حق نے عرض کیا کہ اگر یہ شخص کوئی نیکی مجھے نہیں دے سکتا تو اتنا ہی کرے کہ میرا ایک گناہ لے لے' یہاں پہنچ کر سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے اور حزن و ملال کی اسی کیفیت کے ساتھ آپ نے ارشاد فرمایا کہ یہ دن بڑا سخت اور جان لیوا ہوگا' ہر شخص یہ چاہے گا کہ اس کے گناہوں کا بوجھ کوئی دوسرا اٹھالے۔ (اس کے بعد آپ واقعے کی طرف لوٹ آئے' اور ارشاد فرمایا کہ) اللہ تعالیٰ نے صاحب حق مظلوم سے فرمایا کہ ذرا نظر اٹھاؤ اور جنت کا مشاہدہ کرو' اس شخص نے تعمیل حکم میں جنت کے عالی شان محلوں پر نظر ڈالی' اور عرض کیا' خداوندا میں چاندی کے شہر اور سونے کے محل دیکھ رہا ہوں' یہ کس نبی کے ہیں؟ کس صدیق اور شہید کو عطا کئے جائیں گے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا یہ اس شخص کی ملکیت ہوں گے جو اس کی قیمت ادا کرے گا۔ عرض کیا: یا اللہ! یہ قیمت کون ادا کرسکتا ہے؟ فرمایا: تم ادا کرسکتے ہو' عرض کیا: کیسے؟ فرمایا: اپنے بھائی کو معاف کرکے' اس نے عرض کیا: الٰہی! میں اپنے بھائی کو معاف کرتا ہوں۔ باری تعالیٰ نے فرمایا: اٹھو' اور اپنے بھائی کا ہاتھ پکڑ کر جنت میں لے جاؤ۔ اس کے بعد آپ نے صحابہ کرام کو یہ نصیحت فرمائی:۔

اتقوا اللّٰہ واصلحوا ذات بینکم' فان اللّٰہ تعالیٰ یصلح بین المومنین یوم القیامۃ (۱)

اللہ سے ڈرو' اور آپس میں صلح کرادیا کرو' اس لئے کہ قیامت کے دن باری تعالیٰ بھی مسلمانوں میں صلح کرادیں گے۔

ایک حدیث میں ہے:۔

لیس بکذاب من اصلح بین اثنتین فقال خیرا اونی خیرا

(بخاری و مسلم۔ ام کلثوم بنت عقبہؓ)

جو شخص دو (جھگڑا کرنے والے) آدمیوں میں صلح کرائے وہ جھوٹا نہیں ہے کہ کوئی اچھی بات کہے' اور ایک کی طرف سے دوسرے کو اچھی خبر پہنچائے۔

اس سے معلوم ہوا کہ لوگوں میں صلح کرانا واجب ہے' کیوں کہ جھوٹ نہ بولنا واجب ہے' اور کوئی واجب اس وقت تک ذمے سے ساقط نہیں ہوتا جب تک کہ اس سے زیادہ موکد واجب سامنے نہ آجائے' اس سے معلوم ہوا کہ صلح کرانا ترک کذب سے زیادہ ضروری اور اہم ہے' یعنی اگر اس کے لیے جھوٹ بھی بولنا پڑے تب بھی کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ چنانچہ ارشاد نبوی ہے۔

کل الکذب مکتوب الا ان یکذب الرجل فی الحرب' فان الحرب خدعۃ او یکذب بین الاثنین فیصلح بینھما' او یکذب لامراتہ لیرضیھا (۲)

ہر جھوٹ لکھا جاتا ہے (یعنی قابل مواخذہ ہے) مگر یہ کہ آدمی لڑائی میں جھوٹ بولے' اس لیے کہ لڑائی فریب ہی کا نام ہے' یا دو آدمیوں میں صلح کرانے کے لیے جھوٹ بولے' یا اپنی بیوی کو خوش کرنے کے لیے جھوٹ بولے۔

---

(۱) یہ طویل روایت خرائطی نے مکارم الاخلاق میں اور حاکم نے مستدرک میں نقل کی ہے' ابو یعلی نے بھی اس کی تخریج کی ہے' ابن حبان اور بخاری نے اسے ضعیف کہا ہے۔ (۲) یہ روایت بھی خرائطی کی مکارم الاخلاق میں ہی راوی نورس بن سمعان ہیں' لیکن اس کی سند میں انقطاع اور ضعف ہے' تاہم اس مضمون کی ایک روایت مسلم میں ام کلثوم بنت عقبہ سے صحیح سند کے ساتھ منقول ہے۔

پندرہواں حق:۔ یہ ہے کہ اپنے مسلمان بھائیوں کے عیوب کی پردہ پوشی کرے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:۔

من ستر علی مسلم سترہ اللہ تعالیٰ فی الدنیا والآخرۃ (مسلم۔ ابوہریرہؓ)

جو شخص کسی مسلمان کی پردہ پوشی کرے گا دنیا اور آخرت میں اللہ تعالیٰ اس کی پردہ پوشی فرمائیں گے۔

اس مضمون کی ایک روایت ہے:۔

لا یستر عبد عبداً الا سترہ اللہ یوم القیامۃ (مسلم۔ ابوہریرہؓ)

جو بندہ دوسرے کے عیوب چھپائے گا قیامت کے روز باری تعالیٰ اس کے عیب چھپائیں گے۔

حضرت ابوسعید الخدریؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کرتے ہیں:۔

لا یری امری من اخیہ عورۃ فیسترھا علیہ الا دخل الجنۃ

(طبرانی اوسط۔ مکارم الاخلاق)

جو شخص اپنے کسی بھائی کا عیب دیکھے اور اس کی پردہ پوشی کرے وہ جنت میں داخل ہوگا۔

روایات میں ہے کہ جب ماعزؓ نے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنے گناہ (زنا) کا اعتراف کیا تو آپ نے ان سے فرمایا:۔

لو سترتہ بثوبک کان خیرالک (ابوداؤد۔ نسائی۔ ہزا بن حکیمؒ)

اگر تو اسے کپڑے میں ڈھانپ لیتا (یعنی چھپا لیتا) تو یہ تیرے لیے بہتر ہوتا۔

اس سے معلوم ہوا کہ مسلمان کے لئے اپنا عیب چھپانا بھی ضروری ہے اس لیے کہ پردہ پوشی اسلام کا حق ہے، اور اس حق میں وہ اور غیر دونوں برابر کے شریک ہیں۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ فرمایا کرتے تھے کہ اگر میں کسی شخص کو شراب پیتے ہوئے یا چوری کرتے ہوئے دیکھ لوں تو میرا دل یہی چاہے گا کہ اس کا راز فاش نہ ہو، اور اللہ تعالیٰ اس کے عیوب کی پردہ پوشی فرمائے، حضرت عمر بن الخطاب نے اپنے دور خلافت میں رات کے گشت کے دوران ایک مرد اور ایک عورت کو زنا کا ارتکاب کرتے ہوئے دیکھا، صبح ہوئی تو آپ نے صحابہ کو جمع کیا اور ان سے یہ دریافت کیا کہ اگر امام المسلمین کسی شخص کو زنا کرتے ہوئے دیکھے اور اس پر زنا کی حد جاری کرے تو اس کا یہ فعل درست ہے یا نہیں؟ تقریباً سب لوگوں کی رائے یہ تھی کہ امام بااختیار ہے، اسے حد جاری کرنے کا حق حاصل ہے، لیکن حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا کہ آپ کے لیے ایسا کرنا جائز نہیں ہے، اگر آپ نے ایسا کیا تو الٹی آپ پر حد جاری کی جائے گی، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے زنا کے لیے چار گواہوں کی گواہی ضروری قرار دی ہے، چند روز کے توقف کے بعد آپ نے یہی سوال دوبارہ کیا، سب نے وہی سابقہ جواب دیا، حضرت علیؓ بھی اپنی رائے پر قائم رہے، اس واقعے سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ کو حد زنا جاری کرنے یا نہ کرنے میں تردد تھا، اسی لیے آپ نے دوبارہ استفسار فرمایا، اور استفسار بھی ایک مفروضہ قائم کر کے کیا، یہ نہیں کہا کہ میں نے فلاں مرد اور فلاں عورت کو یہ جرم کرتے ہوئے دیکھا ہے، اس لیے میں ان پر حد جاری کروں یا نہ کروں تمہاری کیا رائے ہے؟۔ حد زنا کے لیے مطلوب شہادت اس امر کی واضح دلیل ہے کہ شریعت نے پردہ پوشی پر زور دیا ہے، یہاں چار سے کم افراد کی شہادت پر حد جاری کرنے کا فیصلہ نہیں کیا جاتا، پھر وہ چار بھی ایسے ہونے چاہیے جنھوں نے زانی اور مزنی کے اعضاء کو اس حال میں دیکھا ہو جیسے سرمہ دانی میں سلائی ہوتی ہے، اور ایسا مشکل ہی سے ہوتا ہے، اگر اتفاقاً قاضی اس کی تحقیق بھی کرے تب بھی اس کے لیے افشاء کرنا جائز نہیں ہے، غور کیجئے کہ باری تعالیٰ نے زنا جیسے بدترین جرم کے لیے کتنی بڑی سزا رکھی مگر یہ بھی دیکھیے کہ اپنے بندوں کے گناہوں کی کس طرح پردہ پوشی فرمائی، شہادت کی قیود سے افشائے راز کا راستہ ہی مسدود کر دیا، امید ہے کہ قیامت کے دن ہم بھی اس کے کرم عمیم اور احسان عظیم سے محروم نہیں رہیں گے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:۔

ان اللہ اذا ستر علی عبد عورتہ فی الدنیا فھو اکرم من ان یکشفھا فی الآخرۃ وان کشفھا فی الدنیا فھو اکرم من ان یکشفھا مرۃ اخری (ترمذی' ابن ماجہ' حاکم۔ علیؓ)

جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کے عیب کی دنیا میں پردہ پوشی فرماتے ہیں تو اس کے کرم کا یہ تقاضا کب ہو گا کہ قیامت میں اسے فاش کرے اور جب دنیا میں ایک مرتبہ فاش کر دیتا ہے تو اس سے کریم تر ہے کہ دوبارہ اسے فاش کرے۔

حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ فرماتے ہیں کہ میں عمر بن الخطاب کے ساتھ رات کے وقت مدینہ منورہ کے گلی کوچوں میں گشت کر رہا تھا کہ ہمیں دور کہیں روشنی نظر آئی' ہم روشنی کی جانب چلے' معلوم ہوا کہ ایک مکان میں چراغ جل رہا ہے' باہر سے دروازہ بند ہے' اور اندر لوگ شور و غل مچا رہے ہیں عمرؓ نے میرا ہاتھ پکڑ کر کہا کہ یہ ربیع ابن امیہ بن خلف کا مکان ہے' یہ سب لوگ شراب کے نشے میں ہیں' تمہاری کیا رائے ہے کیا ہم انہیں گرفتار کرلیں' میں نے کہا میرے خیال میں یہ مناسب نہ ہو گا' ہم نے اس وقت وہ کام کیا ہے جس سے قرآن پاک میں ممانعت وارد ہے' میرا اشارہ آیت کریمہ ولا تجسسوا (ٹوہ میں مت رہو) کی طرف تھا۔ عمرؓ نے میری رائے سے اتفاق کیا' اور ہم ان مے خواروں کو اسی حالت پر چھوڑ کر واپس چلے آئے۔ اس واقعے سے ثابت ہوا کہ عیب کا چھپانا اور اس کے درپے نہ ہونا واجب ہے۔ ایک مرتبہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاویہؓ سے فرمایا:۔

انک ان اتبعت عورات النساء افسدتھم او کدت ان تفسدھم (ابوداؤد۔ معاویہؓ)

اگر تم لوگوں کی عیب جوئی میں لگ گئے تو تم ان کو بگاڑ دو گے یا (یہ فرمایا) قریب ہے کہ تم انہیں بگاڑ دو۔

عام مومنین کو خطاب فرمایا۔

یامعشر من امن بلسانہ ولم یدخل الایمان فی قلبہ' لا تغتابوا المسلمین ولا تتبعوا عوراتھم فانہ من یتبع عورۃ اخیہ المسلم یتبع اللہ عورتہ ومن یتبع اللہ عورتہ یفضحہ ولو کان فی جوف بیتہ (ابوداؤد۔ ابوبرزہ' ترمذی نحوہ۔ ابن عمرؓ)

اے وہ لوگو جو زبان سے ایمان لائے' اور جن کے دل میں ایمان داخل نہیں ہوا مسلمانوں کی غیبت مت کرو اور نہ ان کی عیب جوئی کرو' جو شخص اپنے مسلمان بھائی کی عیب جوئی کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے عیب آشکار کرتے ہیں اور جس شخص کے عیب باری تعالیٰ آشکار فرماتے ہیں اسے رسوائی ملتی ہے' خواہ وہ اپنے گھر ہی میں کیوں نہ ہو۔

حضرت ابوبکرؓ فرماتے ہیں کہ اگر میں کسی شخص کو اللہ تعالیٰ کی حدود کی تعدی کرتے دیکھوں تو اسے گرفتار نہ کروں' اور نہ کسی دوسرے شخص کو بلا کر یہ بتلاؤں کہ وہ تعدی حدود اللہ کا مرتکب ہوا ہے ہاں اگر میرے ساتھ کوئی دوسرا شخص ہوا تو میں نظر انداز نہ کرسکوں گا۔ ایک بزرگ کہتے ہیں کہ میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی خدمت میں حاضر تھا کہ ایک شخص پکڑ کر لایا گیا' لانے والے نے عرض کیا کہ یہ شخص شرابی ہے' اور اس وقت بھی نشے میں ہے' ابن مسعودؓ نے حاضرین مجلس سے کہا کہ اس کا منہ سونگھ کر دیکھو' لوگوں نے حکم کی تعمیل کی' معلوم ہوا کہ واقعتہ وہ شراب پئے ہوئے ہے' آپ نے اسے قید کردیا' جب اس شخص کا نشہ ہرن ہوا اور ہوش و حواس بحال ہوئے تو ابن مسعودؓ نے ایک کوڑا منگوا کر اس کی گرہ کھولی اور جلاد کو دیا' اس سے فرمایا کہ مجرم کے کوڑے لگاؤ' لیکن ہاتھ اونچا کر کے کوڑے لگانا! اور مختلف جگہوں پر لگانا' یہ نہیں کہ ایک ہی جگہ پر لگاتے رہو' جب سزا سے فارغ ہوئے تو اس شخص سے دریافت کیا جو مجرم کو گرفتار کر کے لایا تھا کہ تمہارا اس شخص سے کیا تعلق ہے؟ اس نے عرض کیا کہ میں اس شخص کا چچا ہوں' فرمایا: "نہ تم نے اس کی تادیب و تعلیم پر توجہ دی' اور نہ اس کے عیوب کی پردہ پوشی کی۔" اس کے بعد فرمایا کہ اگر امام کو معلوم ہو کہ فلاں شخص نے حدود الٰہی سے تجاوز کیا ہے تو اسے شرعی حد جاری کرنی چاہیے' اللہ تعالیٰ معاف کرنے والا ہے'

عفوو درگذر سے کام لینا اسے محبوب ہے۔ پھر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی۔

وَلْيَعْفُوا وَلْيَصْفَحُوا أَلَا تُحِبُّونَ أَنْ يَغْفِرَ اللّٰهُ لَكُمْ وَاللّٰهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ

(پ ۱۸' ر ۹' آیت ۲۲)

اور چاہیے کہ وہ معاف کردیں اور درگذر کریں کیا تم یہ بات نہیں چاہتے کہ اللہ تعالیٰ تمہارے قصور معاف کردے' بے شک! اللہ غفور رحیم ہے۔

مزید فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اول اول جب ایک شخص پر چوری کی حد جاری فرمائی' اور اس کا ہاتھ کاٹا گیا تو ہم نے دیکھا کہ آپ نہایت مضطرب ہیں' صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! شاید آپ کو اس کا ہاتھ کاٹا جانا برا لگا ہے؟ فرمایا: برا کیوں نہ لگتا' تم لوگ اپنے بھائی کے خلاف شیاطین کے مددگار مت بنو' انہوں نے عرض کیا کہ پھر آپ نے معاف کیوں نہ کردیا' فرمایا۔

ينبغي للسلطان اذا انتهى اليه حد ان يقيمه ان الله عفو يحب العفو' وقرا و ليعفوا وليصفحوا (حاکم)

حاکم کو چاہیے کہ جب اس کے پاس کوئی حد پہنچے تو وہ اسے جاری کرے' اللہ معاف کرنے والا ہے' وہ عفوو درگذر کو پسند کرتا ہے' اس کے بعد آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی۔ ولیعفوا الخ

ایک روایت میں ہے کہ جب اس شخص کا ہاتھ کاٹا گیا تو آپ کا چہرہ مبارک اس قدر متغیر ہوا گویا راکھ ڈال دی گئی ہو (خرائطی مکارم الاخلاق) مروی ہے کہ حضرت عمرؓ رات کو مدینہ منورہ کی گلیوں میں گشت کررہے تھے کہ ایک مکان سے گانے کی آواز آئی' آپ نے دیوار پر چڑھ کر دیکھا کہ ایک شخص شراب پی رہا ہے' اور اس کے پہلو میں ایک مغنّیہ گیت گارہی ہے' آپ نے فرمایا' اے دشمن خدا! کیا تو یہ سمجھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ تیرے ان گناہوں پر پردہ ڈال دے گا' اس شخص نے جواب دیا' امیرالمومنین! آپ کوئی حکم لگانے میں جلدی نہ فرمائیں' میں نے ایک معصیت کی ہے آپ سے بیک وقت تین معصیتیں سرزد ہوئی ہیں' باری تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وَلَا تَجَسَّسُوا (پ ۲۶' ر ۱۴' آیت ۱۲)

اور سراغ مت لگایا کرو۔

حالانکہ آپ نے تجسس کیا' آپ نے فرمایا:۔

وَلَيْسَ الْبِرُّ بِأَنْ تَأْتُوا الْبُيُوتَ مِنْ ظُهُورِهَا (پ ۲ ر ۸ آیت ۱۸۹)

اور اس میں کوئی فضیلت نہیں کہ گھروں میں ان کی پشت کی طرف سے آیا کرو۔

اور آپ اس حکم کے برخلاف میرے گھر میں دیوار پھاند کر داخل ہوئے' اس نے ارشاد فرمایا:۔

لَا تَدْخُلُوا بُيُوتًا غَيْرَ بُيُوتِكُمْ حَتَّى تَسْتَأْنِسُوا وَتُسَلِّمُوا عَلَى أَهْلِهَا

(پ ۱۸' ر ۱۰' آیت ۲۷)

تم اپنے گھروں کے سوا دوسرے گھروں میں داخل مت ہو یہاں تک کہ ان سے اجازت حاصل نہ کرلو۔

آپ نے اس حکم کی بھی خلاف ورزی کی ہے' اور میرے گھر میں اجازت و سلام کے بغیر چلے آئے ہیں حضرت عمرؓ نے فرمایا! اگر میں تجھے چھوڑ دوں تو کیا تو سدھر جائے گا' اس نے عرض کیا ہاں! امیرالمومنین! میں ایسی حرکت دوبارہ نہیں کروں گا' اس عہد کے بعد آپ واپس چلے آئے۔ ایک شخص نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے وہ حدیث دریافت کی جو قیامت کے روز باری تعالیٰ کی سرگوشی سے متعلق وارد ہوئی ہے' فرمایا: میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے:۔

ان الله ليدني منه المومن فيضع عليه كنفه ويستره من الناس' فيقول

اتعرف ذنب کذا' فیقول: نعم یا ربی' حتّٰی انہ اذا قررہ بذنوبہ فرای فی نفسہ انہ قد ھلک قال لہ یا عبدی انی لم استرھا علیک فی الدنیا الا وانا ارید ان اغفرھا لک الیوم' فیعطی کتاب حسناتہ واما الکافرون والمنافقون فیقول الاشھاد ھولاء الذین کذبوا علی ربھم الا لعنۃ اللہ علی الظالمین (بخاری و مسلم)

اللہ تعالیٰ مومن کو اپنے قریب بلائیں گے اسے اپنی رحمت کے سائے میں ڈھانپ کر لوگوں سے چھپائیں گے' اور ارشاد فرمائیں گے' کیا تو اپنے فلاں گناہ سے واقف ہے؟ بندہ عرض کرے گا: ہاں یا رب! جب باری تعالیٰ اس سے اس کے تمام گناہوں کا اعتراف کرالیں گے' اور مومن اپنے دل میں یہ سمجھے گا کہ میں تباہ ہو گیا تو اس سے فرمائیں گے: اے میرے بندے! میں نے دنیا میں تیرے عیوب کی پردہ پوشی اس لیے کی تھی کہ میں آج کے دن انھیں معاف کرنا چاہتا تھا' اس کے بعد نیکیوں کا اعمال نامہ اس کے ہاتھ میں دے دیا جائے گا' کافروں اور منافقوں کا اس روز یہ عالم ہو گا کہ گواہ پکار پکار کہیں گے کہ یہ وہ لوگ ہیں جنھوں نے اپنے رب پر جھوٹ بولا' آگاہ رہو ظالموں پر اللہ کی لعنت ہے۔

ایک حدیث میں ہے:۔

کل امتی معافی الا المجاھرین (بخاری و مسلم۔ ابو ہریرہؓ)

میری امت کے تمام لوگ معاف کردیے جائیں گے مگر ان لوگوں کو معاف نہیں کیا جائے گا جنھوں نے علی الاعلان گناہوں کا ارتکاب کیا۔

وہ لوگ بھی مجاہر ہیں جنھوں نے چھپ کر گناہ کیا اور بعد میں ظاہر کردیا کہ مجھ سے فلاں گناہ سرزد ہوا ہے۔ لوگوں کی عیب جوئی کی کراہت کے لیے ذیل کی روایت کافی ہے۔ ارشاد فرمایا:۔

من استمع سر قوم وھم لہ کارھون صب فی اذنہ الآنک یوم القیامۃ (بخاری۔ ابن عباسؓ' ابو ہریرہؓ)

جو شخص کسی قوم کا بھید سنے اور وہ اسے ناپسند کرتے ہوں تو قیامت کے روز اس کے کان میں رانگ پگھلایا جائے گا۔

سولھواں حق:۔ یہ ہے کہ تہمت کی جگہوں سے بچے' تاکہ مسلمانوں کے قلوب بدگمانی سے اور زبانیں غیبت سے محفوظ رہیں' اگر لوگوں نے اس کی بے احتیاطی کی بنا پر غیبت کی' یا اسے برا سمجھا تو یہ باری تعالیٰ کی نافرمانی ہوگی' اور اس گناہ میں وہ بھی ان کا شریک ہوگا۔ ارشاد ربانی ہے:۔

وَلَا تَسُبُّوا الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَيَسُبُّوا اللّٰهَ عَدْوًاۢ بِغَيْرِ عِلْمٍ (پ ۷ ر ۱۹ آیت ۱۰۸)

اور دشنام مت دو ان کو جن کی یہ لوگ خدا کو چھوڑ عبادت کرتے ہیں' پھر وہ براہ جہل حد سے گذر کر اللہ تعالیٰ کی شان میں گستاخی کریں گے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے دریافت کیا کہ تمہارا اس شخص کے متعلق کیا خیال ہے جو والدین کو گالی دے' صحابہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! کیا کوئی شخص ایسا بھی ہو سکتا ہے جو اپنے ماں باپ کو گالی دیتا ہو' فرمایا:۔

نعم! یسب ابوی غیرہ فیسبون ابویہ (بخاری و مسلم۔ عبداللہ بن عمرؓ)

ہاں! (وہ شخص ایسا ہے) جو دوسروں کے والدین کو گالی دیتا ہے (اور نتیجے میں) دوسرے اس کے ماں باپ کو برا کہتے ہیں۔

معلوم ہوا کہ معصیت کا باعث ہونا بھی معصیت کے ارتکاب کی طرح مذموم ہے تہمت کی جگہوں سے بچنا کس قدر ضروری ہے۔ اس سلسلے میں یہ روایت ملاحظہ فرمائیں۔ حضرت انسؓ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی کسی زوجہ مطہرہ سے مصروف گفتگو تھے کہ ایک شخص قریب سے گذرا' آپ نے اسے بلا کر فرمایا کہ یہ میری بیوی صفیہ ہیں۔ (مطلب یہ ہے کہ تم اسے غیر عورت سمجھ کر میرے متعلق بدگمانی میں مبتلا مت ہونا) اس شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ! کوئی اور ہوتا تو اس طرح کی بدگمانی پیدا ہو سکتی تھی' لیکن آپ کے متعلق تو میں تصور بھی نہیں کر سکتا۔ فرمایا:۔

ان الشیطان یجری من ابن ادم مجری الدم (مسلم)

شیطان آدمی کے خون کی گردش کے ساتھ رگوں میں رواں ہے۔

ایک روایت میں یہ تفصیل ہے کہ آپ رمضان شریف کے آخری عشرے میں معتکف تھے کہ حضرت صفیہ تشریف لائیں آپ نے ان سے بات چیت کی' اس دوران دو شخص قریب سے گذرے' آپ نے ان دونوں سے فرمایا:۔

علی رسلکما انها صفیة انی خشیت ان یقذف فی قلوبکما شرا (بخاری و مسلم۔ صفیہ)

ٹھہرو' یہ صفیہ ہیں (میں نے تمہیں یہ بات اس لیے بتلائی کہ) مجھے ڈر ہوا کہ کہیں تمہارے دلوں میں کوئی برائی (بدگمانی) نہ پیدا ہو جائے۔

حضرت عمر بن الخطابؓ فرماتے ہیں کہ جو شخص تہمتوں کی جگہ سے بچنے میں احتیاط نہ کرنے کی بنا پر لوگوں کی ملامت اور طنز و تعریض کا ہدف بنے اسے چاہیے کہ وہ اپنی ذات کو اس کا قصوروار ٹھرائے' اس لیے کہ نہ وہ بے احتیاطی کرتا اور نہ دوسرے لوگ اسے برا کہتے' حضرت عمرؓ نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ سر راہ کسی عورت سے بات چیت کر رہا ہے' آپ سخت ناراض ہوئے' اور اس کے درے لگائے' اس نے عرض کیا: امیر المومنین! یہ میری بیوی ہے' فرمایا: ایسی جگہ کیوں گفتگو کرتے ہو جہاں شبہ واقع ہو:

سترہواں حق:۔ یہ ہے کہ اگر کوئی مسلمان اپنی کسی ضرورت میں سفارش کا طالب بن کر آئے تو اسے مایوس نہ کرے' بلکہ جو کچھ بن پڑے اس کی مطلب برآری کے لیے کرے۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:۔

انی اوتی واسال وتطلب الی الحاجة وانتم عندی فاشفعوا لتوجروا ویقضی اللہ علی یدی نبیه ما احب (بخاری و مسلم۔ ابو موسیٰؓ)

میرے پاس لوگ آتے ہیں' سوال کرتے ہیں اور مجھ سے اپنی ضرورتیں پوری کراتے ہیں اور تم میرے پاس ہوتے ہو (اس لیے اگر کوئی شخص اپنی کسی ضرورت کے لیے میرے پاس آئے) تو تم اس کی سفارش کر دیا کرو تاکہ تمہیں ثواب ملے' اللہ تعالیٰ اپنے نبی کے ذریعہ وہی کام کرائے گا جو اسے محبوب ہوگا۔

حضرت معاویہؓ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کرتے ہیں:۔

اشفعوا الی لتوجروا انی ارید الامر واوخره کی تشفعوا الی فتوجروا (ابوداؤد۔ نسائی)

مجھ سے سفارش کیا کرو تاکہ تمہیں ثواب ملے' میں کوئی کام کرنا چاہتا ہوں مگر اسے اس لئے ملتوی کر دیتا ہوں کہ تم اس کام کی مجھ سے سفارش کرو گے' اور اجر و ثواب حاصل کرو گے۔

ایک حدیث میں ہے:۔

ما من صدقة افضل من صدقة اللسان قیل: وکیف ذلک؟ قال الشفاعة یحقن بها الدم وتجر بها المنفعة الی اخر ویدفع بها المکروه عن اخر (خرائطی۔ سمرہ بن جندبؓ)

کوئی صدقہ زبان کے صدقے سے افضل نہیں ہے' عرض کیا گیا زبان سے کس طرح صدقہ ہوتا ہے؟ فرمایا: سفارش کرنے سے' سفارش سے خون محفوظ ہو جاتا ہے' دوسرے کو فائدہ پہنچتا ہے' اور شر سے اس کی حفاظت ہوتی ہے۔

عکرمہ حضرت عبداللہ بن عباس سے روایت کرتے ہیں کہ بریرہ کا شوہر مغیث نامی ایک غلام تھا آج وہ منظر میری نگاہوں کے سامنے ہے کہ مغیث اپنی بیوی بریرہ کے پیچھے کھڑا رو رہا ہے' اور آنسوؤں سے اس کی داڑھی کے بال تر ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے (ابن عباس سے) فرمایا عجیب بات ہے کہ مغیث کو بریرہ سے جس قدر محبت ہے بریرہ کو اس سے اسی قدر نفرت ہے۔ اس کے بعد آپ نے بریرہ سے فرمایا: کتنا اچھا ہوتا اگر تم مغیث کے پاس چلی جاتیں آخر کو وہ تمہارے بچے کا باپ ہے' بریرہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ' اگر یہ آپ کا حکم ہے تو میں اس کی تعمیل کروں گی' فرمایا: یہ میرا حکم نہیں ہے' بلکہ محض سفارش ہے۔ (بخاری)

اٹھارواں حق:۔ یہ ہے کہ جب کسی مسلمان سے ملاقات ہو اول سلام و مصافحہ کرے' بعد میں دوسری گفتگو کرے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:۔

من بدأ بالكلام قبل السّلام فلا تجيبوه حتّى يبدأ بالسّلام (طبرانی اوسط' ابو نعیم۔ ابن عمرؓ)

جو شخص سلام سے پہلے گفتگو شروع کرے اس کی بات کا جواب مت دو یہاں تک کہ وہ سلام کرے۔

ایک صحابی کہتے ہیں کہ میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا' لیکن نہ آپ سے حاضری کی اجازت چاہی اور نہ آپ کو سلام کیا' آپ نے مجھ سے فرمایا:

ارجع فقل السلام عليكم' وادخل (۱)

واپس جاؤ اور سلام کر کے اندر آؤ۔

حضرت جابر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کرتے ہیں:۔

اذا دخلتم بيوتكم فسلموا على اهلها فان الشيطان اذا سلم احدكم لم يدخل بيته (خرائطی)

جب تم اپنے گھروں میں جاؤ تو اہل خانہ کو سلام کرو' اس لیے کہ اگر تم سلام کر لیتے ہو تو شیطان تمہارے گھر میں داخل نہیں ہوتا۔

حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ میں نے آٹھ سال تک سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کی سعادت حاصل کی ہے' ایک مرتبہ آپ نے مجھ سے ارشاد فرمایا:۔

یا انس! اسبغ الوضوء يزد في عمرك وسلم على من لقيته من امتي تكثر حسناتك واذا دخلت منزلك فسلم على اهل بيتك يكثر خير بيتك (خرائطی' بیہقی' ترمذی نحوہ)

اے انس! اچھی طرح وضو کیا کرو کہ اس سے تمہاری عمر زیادہ ہوگی اور میری امت میں جو شخص تمہیں ملے اسے سلام کیا کرو تمہاری نیکیوں میں اضافہ ہوگا' اور جب تم اپنے گھر میں جایا کرو تو اہل خانہ کو سلام کیا کرو اس سے تمہارے گھر میں بہت زیادہ خیر و برکت ہوگی۔

---

(۱) ابوداؤد' ترمذی کی روایت کلدۃ ابن الحنبل سے' راوی ہے صاحب قصہ بھی ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔

وَاِذَا حُيِّيْتُمْ بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوْا بِاَحْسَنَ مِنْهَآ اَوْ رُدُّوْهَا (پ ۵ ر ۸ آیت ۸۶)

اور جب تم کو کوئی سلام کرے تو تم اس سے اچھے الفاظ میں سلام کرو یا ویسے ہی الفاظ کہہ دو۔

ایک حدیث میں باہمی محبت کو دخول جنت کا سبب اور افشائے سلام کو باہمی محبت کا باعث قرار دیا گیا ہے' فرمایا:۔

والذی نفسی بیدہ لا تدخلوا الجنة حتّٰی تومنوا ولا تومنوا حتّٰی تحابوا افلا ادلکم علی عمل اذا عملتموہ تحاببتم' قالوا بلی یا رسول اللہ' قال افشوا السلام بینکم (مسلم۔ ابوہریرہؓ)

اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے تم اس وقت تک جنت میں داخل نہیں ہو سکتے جب تک ایمان نہ لاؤ' اور تمہارا ایمان مکمل نہیں ہو سکتا جب تک آپس میں محبت نہ کرو' کیا میں تمہیں وہ عمل نہ بتلاؤں کہ اگر تم اسے کرو تو تمہارے مابین محبت پیدا ہو جائے لوگوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ ضرور بتلایئے' فرمایا آپس میں سلام کو رواج دو۔

ایک مرتبہ ارشاد فرمایا کہ جب ایک مسلمان دوسرے مسلمان کو سلام کرتا ہے تو فرشتے اس کے لیے ستر مرتبہ رحمت کی دعا کرتے ہیں۔(۱) یہ بھی فرمایا کہ جب مسلمان باہم ملتے ہیں اور ایک دوسرے کو سلام نہیں کرتے تو فرشتوں کو بڑا تعجب ہوتا ہے۔(۲) آپس میں سلام کرنے کے لیے یہ اصول بیان فرمایا گیا ہے۔

یسلم الراکب علی الماشی واذا سلم من القوم واحد اجزا عنہم (۳)

سوار پیدل چلنے والے کو سلام کرے اور اگر جماعت کا ایک آدمی سلام کرلے تو یہ سب کی طرف سے کافی ہے۔

حضرت قتادہؓ فرماتے ہیں کہ تم سے پہلی امتوں کے لیے ملاقات کا تحفہ سجدہ تھا' اس امت کے لیے ملاقات کا تحفہ سلام ہے' یہ اہل جنت کا تحفہ ہے۔ ابو مسلم خولانی جب کسی شخص کے پاس سے گزرتے تو اسے سلام نہ کرتے' اور اس کی وجہ یہ بیان فرماتے کہ مجھے یہ ڈر رہتا ہے کہ کہیں وہ شخص میرے سلام کا جواب نہ دے اور فرشتے اس پر لعنت بھیجیں۔ ایک شخص نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر کہا "السلام علیکم" آپ نے فرمایا اس کے لیے دس نیکیاں ہیں دوسرا شخص آیا اور اس نے "السلام علیکم ورحمۃ اللہ" کہا آپ نے فرمایا اس کے لیے بیس نیکیاں ہیں' تیسرے شخص نے "السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ" کہا آپ نے اس کے لیے تیس نیکیوں کی خوشخبری سنائی (ابوداؤد' ترمذی۔ عمران بن حصینؓ) حضرت انسؓ بچوں کو بھی سلام کیا کرتے تھے کہتے ہیں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت مبارکہ بھی یہی تھی (بخاری مسلم) عبدالحمید بن بہرام نقل کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک روز مسجد میں تشریف لے گئے وہاں کچھ عورتیں بیٹھی ہوئی تھیں' آپ نے انہیں سلام کیا اور دست مبارک سے سلام کا اشارہ فرمایا' راوی عبدالحمید بن بہرام نے بھی یہ روایت بیان کرتے ہوئے ہاتھ کے اشارے سے آپ کے سلام کی کیفیت بتلائی (ترمذی' ابن ماجہ' ابوداؤد) یہود ونصاریٰ اور مشرکین کو سلام کرنے کے سلسلے میں ذیل کی روایات سے اسوۂ نبوی کی تفصیل ملتی ہے۔ ایک روایت میں ہے:۔

لا تبدؤا الیہود ولا النصاریٰ بالسلام واذا لقیتم احدہم فی الطریق فاضطروہم الی ضیقہ (مسلم۔ ابوہریرہؓ)

---

(۱) صاحب فردوس نے اسے ابوہریرہؓ سے اپنی سند میں نقل کیا ہے (۲) اس روایت کی اصل مجھے نہیں ملی)

(۳) موطا امام مالکؒ۔ زید بن اسلم مرسلاً

یہود و نصاریٰ کو سلام کرنے میں ابتدا مت کرو جب ان میں سے کوئی راستے میں ملے تو اسے تنگ راستہ اختیار کرنے پر مجبور کردو۔

حضرت ابو ہریرہ ذمیوں کو سلام کرنے کے سلسلے میں یہ روایت نقل کرتے ہیں۔

لا تصافحوا اهل الذم ولا تبداوهم بالسلام فاذا لقيتموهم فى الطريق فاضطروهم الى اضيقه (حوالہ سابق)

ذمیوں سے نہ مصافحہ کرو اور نہ انہیں سلام کرنے میں پہل کرو' اگر وہ راستے میں ملیں تو انہیں تنگ راستہ اختیار کرنے پر مجبور کردو۔

حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ کچھ یہودی سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے' اور انہوں نے "السام علیکم" کہا آپ نے جواب میں فرمایا "وعلیکم" لیکن میں نے اس کے جواب میں کہا "بل علیکم السام واللعنة" (بلکہ خود تم پر موت اور لعنت ہو) آپ نے فرمایا: اے عائشہ! اللہ تعالیٰ کو نرمی پسند ہے' میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ نے سنا نہیں یہ لوگ کیا کہہ رہے تھے' فرمایا: میں نے (سنا ہے اور) جواب بھی دے دیا ہے وعلیکم (یعنی تم پر بھی وہی ہو جو تم کہہ رہے ہو) (بخاری و مسلم) ایک حدیث میں یہ اصول بیان فرمایا:۔

يسلم الراكب على الماشى والماشى على القاعد والقليل على الكثير الصغير على الكبير (بخاری و مسلم۔ ابو ہریرہؓ)

سوار پیادہ پا کو' اور پیادہ پا بیٹھے ہوئے کو سلام کرے' تھوڑے لوگ زیادہ کو سلام کریں' اور چھوٹا بڑے کو سلام کرے۔

سلام اور مصافحے کے سلسلے میں کچھ اور روایات حسب ذیل ہیں:۔

لا تشبهوا اليهود والنصارىٰ فان تسليم اليهود الاشارة بالاصابع وتسليم النصارىٰ الاشارة بالاكف (۱)

یہود و نصاریٰ کی مشابہت اختیار مت کرو' اس لیے کہ یہود انگلیوں کے اشارے سے اور نصاریٰ ہتھیلیوں کے اشارے سے سلام کرتے ہیں

اذا انتهى احدكم الى مجلس فليسلم فان بداله ان يجلس فليجلس' ثم اذا قام فليسلم' فليست الاولى باحق من الاخيرة (ابوداؤد۔ ترمذی۔ ابو ہریرہؓ)

جب تم میں سے کوئی کسی مجلس میں پہنچے تو اسے (اہل مجلس) کو سلام کرنا چاہیے' پھر اگر مرضی ہو تو مجلس میں بیٹھ جائے' اور جب مجلس سے واپس جانے کے لیے کھڑا ہو تب بھی سلام کرے' کیونکہ پہلا سلام دوسرے سے زیادہ حق بجانب اور موزوں ہے۔

حضرت انس روایت کرتے ہیں کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جب دو مومن ملتے ہیں اور مصافحہ کرتے ہیں تو ان دونوں پر ستر رحمتیں نازل ہوتی ہیں' انہتر اس شخص کو ملتی ہیں جو ان میں زیادہ خندہ رو ہو (خرائطی۔ سند ضعیف) اس مضمون کی ایک روایت حضرت عمر بن الخطاب سے منقول ہے' فرماتے ہیں' ان دو مسلمانوں پر جو آپس میں ملتے ہیں اور سلام و مصافحہ کرتے ہیں باری تعالیٰ کی سو رحمتیں نازل ہوتی ہیں' نوے رحمتیں ابتدا کرنے والے کو ملتی ہیں' اور دس دوسرے کو (مسند بزار' بیہقی) حضرت

---

(۱) ترمذی۔ عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ) ترمذی نے اس روایت کی سند کو ضعیف کہا ہے۔

حسن بصریؒ ارشاد فرماتے ہیں کہ مصافحہ دوستی بڑھاتا ہے' حضرت ابو ہریرہؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کے ناقل ہیں:۔

تام تحياتكم بينكم المصافحة (۱)
تمہارے سلام کا تتمہ مصافحہ ہے۔

ایک حدیث میں بوسہ دینے کو بھی مصافحہ قرار دیا گیا ہے۔(۲) بزرگوں اور اللہ کے نیک بندوں کے ہاتھوں کو تبرک کے لیے اور احترام کے طور پر بوسہ دینے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے' حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ ہم نے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک کو بوسہ دیا ہے (ابوداؤد۔سند حسن) کعب ابن مالک فرماتے ہیں کہ جب بارگاہ خداوندی میں میری توبہ قبول ہوئی اور اس سلسلے میں قرآن کریم کی آیت نازل ہوئی تو میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور میں نے آپ کے ہاتھوں کو بوسہ دیا۔(۳) روایت ہے کہ ایک اعرابی نے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا: یا رسول اللہ! مجھے اپنے سر مبارک اور روئے انور کا بوسہ لینے کی اجازت مرحمت فرمائیں' آپ نے اجازت دے دی' اور اس نے سر مبارک اور روئے مبارک کو بوسہ دیا۔(۴) ابو عبیدہ بن الجراحؓ نے حضرت عمر بن الخطابؓ سے مصافحہ کیا' ان کے ہاتھوں کو بوسہ دیا' اور دونوں رونے لگے۔ برائی بن عازب روایت کرتے ہیں کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم وضو کر رہے تھے' میں نے آپ کو سلام کیا' آپ نے جواب نہیں دیا' یہاں تک کہ آپ وضو سے فارغ ہو گئے' وضو کے بعد آپ نے میرے سلام کا جواب دیا' اور مصافحہ کے لیے ہاتھ بڑھایا' میں نے عرض کیا یا رسول اللہ میں اب تک یہ سمجھتا رہا کہ مصافحہ کرنا عجمیوں کا طریقہ ہے' فرمایا: جب دو مسلمان ملتے ہیں اور مصافحہ کرتے ہیں تو ان کے گناہ جھڑ جاتے ہیں۔(۵) ایک حدیث میں ہے:۔

اذا مر الرجل بالقوم فسلم عليهم فردوا عليه' كان له عليهم فضل درجة لانه ذكرهم السلام' وان لم يردوا عليه رد عليه ملا خير منهم واطيب راو قال افضل

(خرائطی اخلاق۔ ابن مسعودؓ)

اگر آدمی کسی قوم کے پاس سے گذرے انہیں سلام کرے اور وہ اس کے سلام کا جواب دیں تو اس کو ان کے مقابلے میں ایک درجہ زیادہ اجر و ثواب ملے گا' کیوں کہ اس نے انہیں سلام یاد دلایا ہے اور اگر وہ سلام کا جواب نہ دیں تو ان سے بہتر اور پاکیزہ لوگ (فرشتے) اس کے سلام کا جواب دیں گے۔

سلام کے وقت جھکنا منع ہے' حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ میں نے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ ہم میں سے کوئی دوسرے کے لیے جھک سکتا ہے یا نہیں؟ فرمایا: نہیں' عرض کیا ہم میں سے بعض لوگ بعض سے مصافحہ کرتے ہیں' فرمایا: ہاں یہ صحیح ہے (ترمذی' ابن ماجہ) سفر سے آنے پر معانقہ کرنا' اور بوسہ دینا حدیث سے ثابت ہے۔(۶) حضرت ابوذرؓ فرماتے ہیں کہ میں جب بھی سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے ملا ہوں آپ نے مجھ سے مصافحہ فرمایا ہے۔ ایک روز آپ نے مجھے تلاش کیا اتفاق سے میں گھر پر موجود نہیں تھا' معلوم ہوا تو خدمت اقدس میں حاضر ہوا' آپ اس وقت تخت پر جلوہ افروز تھے آپ نے مجھ سے معانقہ فرمایا (ابوداؤد) اس سے معلوم ہوا کہ معانقہ مسنون ہے۔

---

(۱) (خرائطی) یہ روایت ترمذی میں بھی ہے' ابو امامہ اس کے راوی ہیں۔ (۲) ابن عدی میں انس کی روایت لیکن ابن عدی نے اسے غیر محفوظ کہا ہے۔ (۳) ابوبکر ابن المقری فی کتاب الرخص۔ سند ضعیف (۴) حاکم میں بریدۃ الاسلمیؓ کی روایت' مگر انہوں نے ہاتھ کے بجائے پاؤں کا ذکر کیا ہے۔ (۵) خرائطی مکارم الاخلاق میں یہ روایت ابوداؤد' ترمذی' اور ابن ماجہ میں بھی اختصار کے ساتھ مروی ہے۔ (۶) ترمذی میں حضرت عائشہ کی روایت ہے کہ زید بن حارثہ سفر سے آئے تو آپ نے انہیں بوسہ دیا اور معانقہ فرمایا۔

علماء کے احترام میں ان کے سواری کے جانور کی رکاب تھامنا بھی پسندیدہ ہے' آثار صحابہ و تابعین سے اس کا ثبوت ملتا ہے' چنانچہ حضرت ابن عباسؓ نے حضرت زید بن ثابت کی رکاب تھامی تھی' حضرت عمرؓ نے بھی ایک مرتبہ آپ کی رکاب پکڑی اور اس وقت تک پکڑے رہے جب تک کہ آپ سوار نہ ہوگئے اس کے بعد حاضرین سے فرمایا کہ زید بن ثابت اور ان کے ساتھیوں کے ساتھ ایسا ہی کرو۔(۱)

بطور تعظیم کسی شخص کے لیے کھڑا ہونے میں بھی کوئی حرج نہیں ہے' بشرطیکہ وہ شخص اس کا طالب نہ ہو کہ لوگ اس کے لیے کھڑے ہوں' اس سلسلے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوہ یہ تھا کہ آپ اپنے لیے کسی شخص کا کھڑا ہونا پسند نہیں کرتے تھے۔ حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ کوئی شخص ہمیں محبوب نہ تھا لیکن ہم آپ کے لیے کھڑے نہیں ہوتے تھے' کیوں کہ ہم جانتے تھے کہ آپ اسے پسند نہیں فرماتے (ترمذی) چنانچہ ایک مرتبہ آپ نے صحابہ سے فرمایا:۔

اذا رایتمونی فلا تقوموا کما یقوم الاعاجم (ابوداؤد' ابن ماجہ۔ ابوامامہؓ)

جب تم مجھے دیکھو تو عجمیوں کی طرح کھڑے مت ہو۔

یہ بھی فرمایا:۔

من سرہ ان یمثل لہ الرّجال قیاما فلیتبوا مقعدہ من النار (ابوداؤد' ترمذی۔ معاویہ)

جس شخص کو یہ اچھا لگے کہ لوگ اس کے لیے کھڑے ہوں تو اسے چاہیے کہ وہ اپنا ٹھکانا دوزخ میں بنالے۔

مجلس کا ذکر آیا تو مجلس میں بیٹھنے کا ادب بھی سن لیجئے۔ فرمایا:۔

لا یقم الرجل الرجل من مجلسہ ثم یجلس فیہ ولکن توسعوا و تفسحوا (بخاری و مسلم۔ ابن عمرؓ)

کوئی شخص کسی دوسرے شخص کو اس کی جگہ سے اٹھا کر خود نہ بیٹھے' بلکہ لوگوں کو چاہیے کہ وہ مجلس میں وسعت اور کشادگی پیدا کریں۔

چنانچہ اکابرین سلف اس ممانعت کی بنا پر مجلس میں اٹھنے بیٹھنے کے سلسلے میں بہت زیادہ احتیاط کیا کرتے تھے' ان کے پیش نظر رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد بھی تھا۔

اذا اخذ القوم مجالسھم فان دعا احد اخاہ فاوسع لہ فلیاتہ فانما ھی کرامۃ اکرمہ بھا اخوہ' فان لم یوسع لہ فلینظر الی اوسع مکان یجدہ فیجلس فیہ (معجم بغوی۔ ابی شیبہؓ)

جب لوگ اپنی جگہوں پر بیٹھ چکیں اور کوئی شخص اپنے بھائی کو بلائے اور اسے بیٹھنے کی جگہ دے تو اسے یہ پیش کش قبول کرلینی چاہیے' اس لیے کہ اس نے اپنے بھائی کی تعظیم کی ہے' اور اگر وہ جگہ نہ دے تو جہاں کشادہ جگہ ملے وہاں بیٹھ جائے۔

جو شخص کسی مجلس میں آئے اور اسے بیٹھنے کی جگہ نہ ملے تو واپس نہ جائے بلکہ مجلس کے آخر میں جہاں جگہ مل وہاں بیٹھ جائے' ابوواقد اللیثی کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف فرما تھے کہ تین آدمی آئے ایک کو مجلس میں جگہ مل گئی اور وہ بیٹھ گیا' دوسرا مجلس کے آخر میں بیٹھ گیا' تیسرا واپس چلا گیا' جب مجلس ختم ہوئی تو آپ نے ارشاد فرمایا "کیا میں تمہیں ان تینوں کے متعلق نہ بتلاؤں؟ ایک تو اللہ کی طرف لولگائے رہا اسے اللہ نے جگہ عطا فرمائی) دوسرے نے حیا اختیار کی' اللہ تعالیٰ نے

---

(۱) زید بن ثابت کی رکاب تھامنے کی روایت کتاب العلم میں گذر چکی ہے۔

اس سے حیا کی' تیسرے نے اللہ سے اعراض کیا تو اللہ نے اس سے اعراض کیا (بخاری و مسلم) اب پھر سلام کے موضوع کی طرف واپس چلئے' بعض حالتیں ایسی بھی ہیں جن میں سلام کرنا اور سلام کا جواب دینا صحیح نہیں ہے' روایات میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پیشاب کررہے تھے کہ کسی شخص نے سلام کیا' آپ نے جواب نہیں دیا (مسلم۔ ابن عمرؓ) اس سے معلوم ہوا کہ جو شخص قضائے حاجت میں مشغول ہو اسے سلام نہ کرنا چاہیے' سلام کرنے کا بھی طریقہ ہے' اور اس کے لیے متعین الفاظ ہیں' چنانچہ روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ علیک السلام کہنا صحیح نہیں ہے' ایک شخص نے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو ان الفاظ میں سلام کیا تھا۔ آپ نے فرمایا "علیک السلام مردوں کا سلام ہے" آپ نے تین مرتبہ یہ بات فرمائی۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا تم میں سے جب کوئی شخص اپنے بھائی سے ملے تو اسے یہ کہنا چاہیے "السلام علیکم ورحمتہ اللہ" (ابوداؤد' ترمذی' نسائی ابن جری بھی) ایک روایت میں مصافحہ کرنے والوں کو یہ خوشخبری سنائی گئی ہے۔

مامن مسلمین یلتقیان فیتصافحان الا غفر لھما قبل ان یتفرقا

(ابوداؤد' ترمذی' ابن ماجہ۔ برائی بن عازبؓ)

جو دو مسلمان آپس میں ملتے ہیں اور مصافحہ کرتے ہیں تو جدا ہونے سے قبل ان کی مغفرت کردی جاتی ہے۔

ایک مرتبہ حضرت امّ ہانیؓ آپ کے دولت کدے پر حاضر ہوئیں اور سلام پیش کیا' آپ نے پوچھا یہ کون خاتون ہیں؟ عرض کیا گیا: یا رسول اللہ امّ ہانی ہیں' آپ نے فرمایا: خوش آمدید امّ ہانی۔

<u>انیسواں حق:۔</u> یہ ہے کہ اپنے مسلمان بھائی کی جان مال اور آبرو کی حفاظت کرے' ظلم سے اس کا دفاع و اعانت اخوت کے مقتضیٰ کی رو سے واجب ہے۔ حضرت ابوالدرداءؓ روایت کرتے ہیں کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں ایک شخص نے دوسرے شخص کو برا کہا' کسی تیسرے آدمی نے اس کا دفاع کیا' اس پر آپ نے ارشاد فرمایا:۔

من ردعن عرض اخیہ کان لہ حجابا من النار (ترمذی)

جو شخص اپنے بھائی کی آبرو کی حفاظت کرے تو (اس کا یہ عمل) دوزخ سے اس کے لیے آڑ ہوگا۔

اس روایت کی تائید ذیل کی حدیث سے بھی ہوتی ہے' فرمایا:۔

مامن امری مسلم یردعن عرض اخیہ الا کان حقا علی اللہ ان یردعنہ نار جھنم یوم القیامۃ (طبرانی۔ ابوالدرداءؓ)

جو مسلمان اپنے بھائی کی عزت کی حفاظت کرے گا اللہ تعالیٰ پر حق ہوگا کہ وہ قیامت کے روز اسے دوزخ کی آگ سے بچائیں۔

حضرت انسؓ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کرتے ہیں کہ جس شخص کے سامنے اس کے کسی مسلمان بھائی کا ذکر ہو اور وہ اس کی مدد کرنے کی طاقت رکھنے کے باوجود مدد نہ کرے تو اللہ تعالیٰ دنیا و آخرت میں اس کی پکڑ کریں گے' اور جس شخص کے سامنے اس کے مسلمان بھائی کا ذکر ہو اور وہ اس کی مدد کرے تو اللہ دنیا و آخرت میں اس کی مدد فرمائیں گے۔ (۱) ایک مرتبہ ارشاد فرمایا:۔

من حمی عن عرض اخیہ المسلم فی الدنیا بعث اللہ تعالیٰ لہ ملکا یحمیہ یوم القیامۃ من النار (ابوداؤد' معاذ بن انسؓ۔ سند ضعیف)

جو شخص دنیا میں اپنے مسلمان بھائی کی آبرو کی حفاظت کرے گا قیامت کے دن اس کے لیے اللہ تعالیٰ ایک

---

(۱) یہ روایت ابن ابی دنیا نے کتاب الصمت میں ضعیف سند کے ساتھ نقل کی ہے۔

فرشتہ بھیجیں گے جو دوزخ سے اس کی حفاظت کرے گا۔
حضرت جابرؓ اور حضرت ابو طلحہؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کرتے ہیں۔

مامن امرئ مسلم ينصر مسلما في موضع ينتهك فيه عرضه ويستحل حرمته الا نصره الله تعالى في موطن يحب فيه نصره، وما من امرئ خذل مسلما في موطن ينتهك فيه حرمته الا خذله الله في موضع يحب فيه نصرته (۱)

جو شخص کسی مسلمان کی اس جگہ پر مدد کرے جہاں اس کی بے حرمتی کی جارہی ہو اللہ تعالیٰ اس کی اس جگہ پر مدد کرے گا جہاں وہ اس کی مدد کا متمنی ہوگا، اور جو شخص کسی مسلمان کو اس جگہ ذلیل و خوار کرے جس کی عزت پر حملہ کیا جارہا ہے اللہ تعالیٰ اس کو اس جگہ پر ذلیل کریں گے جہاں وہ اس کے مدد کا خواہش مند ہوگا۔

بیسواں حق:۔ یہ ہے کہ مسلمان کی چھینک کا جواب دے حدیث میں یہ ہدایت وارد ہے کہ جب کوئی شخص چھینکے تو اسے الحمد للہ علی کل حال (اللہ تعالیٰ تم پر رحم کرے) چھینکنے والا جواباً یہ دعا دے یھدیکم اللہ و یصلح بالکم (اللہ تمہیں ہدایت دے اور تمہارا حال درست کرے)۔ (۲) حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں یہ تعلیم فرمایا کرتے تھے کہ جب تم میں سے کوئی شخص چھینکے تو اسے الحمد للہ رب العالمین (پروردگار عالم کا شکر ہے) کہنا چاہیے جب وہ یہ الفاظ کہے تو سننے والے کو کہنا چاہیے "یرحمک اللہ" (اللہ تعالیٰ تجھ پر رحم کرے) جب سننے والا یہ الفاظ کہے تو چھینکنے والا کہے "یغفر اللہ لی ولکم" (اللہ تعالیٰ میری اور تمہاری مغفرت فرمائے) مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک چھینکنے والے کے جواب میں الحمد للہ فرمایا، اور دوسرے شخص کی چھینک پر خاموشی اختیار فرمائی، دوسرے شخص نے اس کی وجہ دریافت کی فرمایا اس نے اللہ کا شکر ادا کیا اور تو خاموش رہا (بخاری و مسلم۔ انسؓ) تشمیت عاطس (چھینک کا جواب) مسنون ہے لیکن اس کی ایک حد متعین ہے، یہ مطلب نہیں کہ ایک شخص زکام کی بنا پر مسلسل چھینک رہا ہو اور دوسرا شخص اسی تسلسل کے ساتھ جواب دینے میں مصروف ہو، اس سلسلے میں یہ روایت سامنے رکھی جائے۔

اشمت اخاک ثلاثا فان زاد فھو زکام (ابوداؤد۔ ابوہریرہؓ)

اپنے بھائی کی چھینک کا جواب تین مرتبہ دے اگر وہ تین بار سے زائد چھینکے تو (جواب دینے کی ضرورت نہیں ہے اس صورت میں) وہ زکام کا مریض ہے۔

چنانچہ ایک مرتبہ آپ نے ایک چھینکنے والے کو تین بار جواب دیا، جب اس نے چوتھی بار چھینکا تو آپ نے ارشاد فرمایا:۔

انک مزکوم (مسلم۔ سلمہ بن الاکوعؓ)
تجھے تو زکام ہوگیا ہے۔

چھینکنے کا ادب یہ ہے کہ پست آواز میں چھینکے اور چھینک کے وقت اپنے منہ پر ہاتھ رکھ لے یا کپڑے سے چہرہ ڈھانپ لے۔ (۳) چھینک کے جواب کے لیے یرحمکم اللہ کے الفاظ مسلمانوں کے ساتھ مخصوص ہیں، غیر مسلموں کے لیے ہدایت کی دعا موزوں ہے۔ حضرت ابو موسیٰ اشعری فرماتے ہیں کہ بعض یہودی اس توقع پر سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں

---

(۱) الفاظ کی تقدیم و تاخیر کے ساتھ یہ روایت ابوداؤد میں ہے۔ (۲) بخاری، ابوداؤد ابو ہریرہؓ بخاری کی روایت میں علی کل حال نہیں ہے۔
(۳) ابن مسعود کی روایت نسائی نے نقل کی ہے اور اسے منکر بھی کہا ہے، یہ روایت ابوداؤد اور ترمذی میں بھی سالم بن عبداللہ سے مروی ہے مگر اس کی سند بھی مختلف فیہ ہے۔

چھینکتے تھے کہ آپ جواب میں یرحمکم اللہ فرمائیں گے مگر آپ نے جواب میں فرمایا "یَھْدِیْکُمُ اللّٰہُ" (ابوداؤد، ترمذی)
عبداللہ ابن عامر ابن ربیعہ اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ ایک شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء میں نماز ادا کر رہا تھا کہ اسے چھینک آئی، اس شخص نے یہ الفاظ کہے اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ حَمْدًا کَثِیْرًا طَیِّبًا مُبَارَکًا فِیْہِ کَمَا یَرْضٰی رَبُّنَا وَبَعْدَ مَا یَرْضٰی وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی کُلِّ حَالٍ سلام کے بعد آپ نے دریافت فرمایا یہ الفاظ کس شخص نے کہے تھے؟ کہنے والے نے عرض کیا: یا رسول اللہ! یہ الفاظ میں نے کہے ہیں، اور خیر کی نیت سے کہے ہیں، فرمایا: میں نے دیکھا کہ جب تم نے یہ الفاظ کہے تو بارہ فرشتے دوڑے، ہر فرشتہ یہ چاہتا تھا کہ ان کلمات کو وہ لکھے (۱) (ابوداؤد) چھینک پر اللہ کا شکر ادا کرنا اتباع سنت کی حیثیت سے باعث اجر و ثواب ہے لیکن حدیث سے اس کے ایک اور فائدے کا علم ہوتا ہے جو سراسر دنیوی ہے فرمایا۔

من عطس عندہ فسبق الی الحمد لم یشتک خاصرتہ (طبرانی اوسط۔ علیؓ)

جس شخص کو چھینک آئے اور وہ الحمد للہ کی طرف سبقت کرے تو اسے درد گردہ کی شکایت نہیں ہوگی۔

ایک حدیث میں چھینک اور جمائی کا یہ فرق بیان کیا گیا ہے۔

العطاس من اللّٰہ، والتثاوب من الشیطان، فاذا تثاوب احدکم فلیضع یدہ علی فیہ، فاذا قال آہ آہ فان الشیطان یضحک من جوفہ

چھینک اللہ کی طرف سے ہے اور جمائی شیطان کی جانب سے جب تم میں سے کوئی شخص جمائی لے تو اسے چاہیے کہ وہ اپنا ہاتھ منہ پر رکھ لے، اس لیے کہ جب آدمی (جمائی کے وقت) آ، آ کہتا ہے تو شیطان پیٹ میں ہنسا کرتا ہے۔

حضرت ابراہیم نخعیؒ فرماتے ہیں کہ اگر قضائے حاجت کے دوران چھینک آئے تو اللہ کا ذکر کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ حسن بصری کہتے ہیں کہ اس حالت میں دل ہی دل میں ذکر کرلینا چاہیے غالباً ابراہیم نخعیؒ کا منشا بھی یہی ہے کہ زبان سے ذکر نہ کرنا چاہیے تاہم دل میں اللہ کا نام لینے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ کعب احبار فرماتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا: یا اللہ! آپ قریب ہیں کہ سرگوشی کروں یا دور ہیں کہ آواز دوں، جواب آیا کہ میں اس شخص کا جلیس ہوں جو میرا ذکر کرے، عرض کیا بعض اوقات ہم اچھی حالت میں نہیں ہوتے مثلاً جنابت کی حالت میں ہوتے ہیں یا قضائے حاجت میں مشغول ہوتے ہیں، فرمایا: میرا ذکر ہر حال میں کرو۔

اکیسواں حق:۔ یہ ہے کہ اگر کسی شریر سے واسطہ پڑے تو اس کے شر سے محفوظ رہنے کے لیے خوش اخلاقی کا برتاؤ کرے۔
ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ مومن کے ساتھ مخلصانہ برتاؤ ہونا چاہیے اور بدکار کے ساتھ اخلاق کا معاملہ ہونا چاہیے، اس لیے کہ بدکار ظاہری خوش اخلاقی پر خوش ہو جاتا ہے۔ اور اپنے شر سے نقصان نہیں پہنچاتا، حضرت ابوالدرداء کا ارشاد ہے کہ ہم بعض لوگوں سے مسکرا کر ملتے ہیں لیکن دلوں میں ان کے لیے نفرت کا جذبہ ہوتا ہے، یہ شرانگیز لوگ ہیں، ان کے شر سے بچنے کے لیے ظاہرداری ہی ضروری ہے۔ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

اِدْفَعْ بِالَّتِیْ ھِیَ اَحْسَنُ (پ ۲۴ ر ۱۹ آیت ۳۴)

آپ نیک برتاؤ سے (بدی کو) ٹال دیجئے۔

ایک جگہ ارشاد فرمایا:۔

---

(۱) یہ روایت اس زمانے کی ہوگی جب نماز میں بولنے کی اجازت تھی، بعد میں یہ اجازت منسوخ کردی گئی تاکہ روایات صحاح ستہ میں موجود ہیں۔

وَيَدْرَؤُونَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ (پ ۱۳ ر ۹ آیت ۲۲)

اور بد سلوکی کو حسن سلوک سے ٹال دیتے ہیں۔

حضرت ابن عباسؓ سے منقول تفسیر کے مطابق سیئہ سے مراد فحش اور ایذاء ہے اور حسنہ سے مراد سلام اور وضعداری ہے' ایک موقع پر یہ فرمایا:۔

وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ (پ ۲ ر ۱۷ آیت ۲۵۱)

اور اگر یہ بات نہ ہوتی کہ اللہ تعالیٰ بعض آدمیوں کو بعضوں کے ذریعہ سے دفع کرتے رہا کرتے۔

اس آیت کی تفسیر میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ لوگوں کو ایک دوسرے سے ترغیب و ترہیب' حیاء اور مدارات کے ذریعہ ہٹاتا ہے۔ حضرت عائشہؓ روایت کرتی ہیں کہ ایک شخص نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضری کی اجازت چاہی' آپ نے فرمایا اسے آنے دو' یہ شخص اپنی قوم میں انتہائی برا ہے' جب وہ شخص حاضر خدمت ہوا تو آپ نے اس سے انتہائی نرم لب و لہجے میں گفتگو فرمائی' آپ کے رویئے سے میں یہ سمجھی کہ شاید آپ کے دل میں اس شخص کے لیے کچھ عزت ہے' جب وہ واپس چلا گیا تو میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! جب وہ شخص آیا تھا تو آپ نے اسے قوم کا بدترین آدمی کہا تھا' پھر آپ نے اس کے ساتھ نرم گفتگو فرمائی' فرمایا' اے عائشہ! قیامت کے روز سب سے برا شخص وہ ہوگا جو کسی شخص کو اس کے گناہوں کی وجہ سے نظرانداز کردے (بخاری و مسلم) ایک مرتبہ آپ نے ارشاد فرمایا:۔

ماوقى المرء به عرضه فهو له صدقة (ابو یعلی' ابن عدی۔ جابرؓ)

وہ چیز آدمی کے حق میں صدقہ ہے جسے دے کر وہ اپنی عزت محفوظ رکھے۔

کسی بزرگ کا مقولہ ہے کہ لوگوں کے ساتھ اچھی طرح پیش آؤ' اگرچہ ان (بروں) کے لیے تمہارے دل میں نفرت ہو۔ محمد ابن حنفیہؒ فرماتے ہیں کہ وہ شخص عقل مند نہیں جو لوگوں کے ساتھ اچھی طرح پیش نہ آئے جن سے خطرہ ہے لیکن جن کی صحبت سے مفر نہیں ہے۔

بائیسواں حق:۔ یہ ہے کہ مالداروں کے پاس بیٹھنے سے حتی الامکان گریز کرے' غریبوں' مسکینوں اور یتیموں کے ساتھ میل جول رکھے' غریب' مسکین اور یتیم اپنی مفلسی کے باوجود معزز و مکرم ہیں' اللہ تعالیٰ کے محبوب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے رب تعالیٰ کے حضور یہ دعا کی تھی۔

اللّٰهم احینی مسکینا وامتنی مسکینا واحشرنی فی زمرة المساکین

(ابن ماجہ حاکم۔ ابو سعید الخدریؓ ترمذی۔ عائشہ)

اے اللہ مجھے بحالت مسکینی زندہ رکھ' بحالت مسکینی موت دے' اور قیامت کے روز مساکین کے زمرہ میں اٹھا۔

کعب الاحبارؓ فرماتے ہیں کہ حضرت سلیمان علیہ السلام اپنی عظیم الشان سلطنت کے باوجود جب مسجد میں تشریف لے جاتے اور کسی غریب آدمی کو دیکھتے تو اس شخص کے پاس بیٹھ جاتے اور یہ فرماتے کہ مسکین مسکین کے پاس بیٹھا ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق کہا جاتا ہے کہ انہیں اگر کوئی لفظ محبوب پسندیدہ تھا تو وہ یہی تھا کہ کوئی شخص انہیں مسکین کہہ کر آواز دے۔ کعب الاحبار یہ بھی فرماتے ہیں کہ قرآن کریم میں باری تعالیٰ نے یاایها الذین امنوا سے اور تورات میں یاایها المساکین سے مخاطب کیا ہے۔ عبادۃ ابن الصامت فرماتے ہیں کہ دوزخ کے سات دروازے ہیں ان میں سے تین مالداروں کے لیے ہیں' تین عورتوں کے لیے ہیں' اور ایک مساکین اور فقراء کے لیے ہے۔ فضیل ابن عیاضؒ فرماتے ہیں کہ کسی پیغمبر نے باری تعالیٰ سے عرض کیا کہ مجھے یہ کیسے معلوم ہو کہ آپ مجھ سے راضی ہیں یا نہیں' فرمایا: یہ دیکھ لیا کرو کہ فقراء اور مساکین تم سے راضی ہیں یا نہیں' اگر وہ راضی

ہوں تو میں بھی راضی ہوں وہ ناراض ہیں تو میں بھی ناراض ہوں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:۔

ایاکم ومجالس الموتی قیل وماالموتی قال الاغنیاء (ترمذی۔ عائشہ)

مردوں کی ہم نشینی سے گریز کرو عرض کیا گیا مردوں سے کون لوگ مراد ہیں؟ فرمایا: مالدار

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے رب عظیم کے حضور عرض کیا' الٰہی: میں تجھے کہاں تلاش کروں' جواب آیا' شکستہ حال لوگوں کے پاس۔ ایک حدیث میں ہے:۔

ولا تغبطن فاجرا بنعمته فانک لاتدری الی مایصیر بعد الموت فان من وراء طالبا حثیثا (تاریخ بخاری' طبرانی اوسط' بیہقی بروایت ابوہریرۃ)

فاجر کی نعمت پر رشک مت کرو' اس لیے کہ تمہیں معلوم نہیں مرنے کے بعد اس کا انجام کیا ہوگا' اس کے پیچھے تو ایک جلد باز طالب لگا ہوا ہے۔

یتیم کی کفالت کے بڑے فضائل ہیں' ذیل میں ہم کچھ روایات پیش کرتے ہیں جن سے علم ہوگا کہ یتیم کی پرورش کرنا کتنے بڑے اجر و ثواب کا باعث ہے۔ فرماتے ہیں:۔

من ضم یتیما من ابوین مسلمین حتی یستغنی فقد وجبت له الجنة (احمد' طبرانی۔ مالک ابن عمرؓ)

جس شخص نے کسی ایسے یتیم کو بالغ ہونے تک اپنے پاس رکھا جس کے والدین مسلمان تھے اس کے لیے جنت واجب ہے۔

انا وکافل الیتیم فی الجنة کھاتین وھو یشیر باصبعیه (بخاری۔ سعد بن سہلؓ)

میں اور یتیم کی کفالت کرنے والا جنت میں ان دو انگلیوں کی طرح قریب ہوں گے۔

من وضع یده علی راس یتیم ترحما کانت له بکل شعرة علیها یده حسنة (۱)

جو شخص محبت و شفقت سے یتیم کے سر پر ہاتھ رکھے اسے ہر اس بال کے عوض ایک نیکی ملے گی جس پر اس کا ہاتھ گذرا ہوگا۔

خیر بیت من المسلمین بیت فیه یتیم یحسن الیه وشر بیت المسلمین فیه یتیم یساء الیه (ابن ماجہ۔ ابوہریرۃ۔ سند ضعیف)

مسلمانوں کا بہترین گھر وہ ہے جس میں کوئی یتیم ہو اور اس کے ساتھ اچھا سلوک کیا جاتا ہو اور مسلمانوں کا بدترین گھر وہ ہے جس میں کوئی یتیم ہو اور اس کے ساتھ برا سلوک کیا جاتا ہو۔

تینیسواں حق:۔ یہ ہے کہ ہر مسلمان کے ساتھ خیر خواہی کرنے اور اسے مسرت و خوشی سے ہم کنار کرنے کی کوشش کرے یہ حق بھی بڑی اہمیت و فضیلت کا حامل ہے' اس سلسلے میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے متعدد روایات منقول ہیں۔ مثلاً

لا یومن احدکم حتی یحب لاخیه مایحب لنفسه (۲)

تم میں سے کوئی اس وقت تک (حقیقی) مومن نہیں ہوگا جب تک کہ اپنے بھائی کے لیے وہی چیز پسند

---

(۱) یہ روایت طبرانی اور احمد نے ابوامامہؓ سے ضعیف سند کے ساتھ نقل کی ہے اس میں لفظ "ترحما" نہیں ہے' البتہ ابن حبان کی کتاب الضعفاء میں ابن ابی اوفی سے یہ لفظ منقول ہی "رحمة له" (۲) یہ حدیث اس کتاب کے آغاز میں گذر چکی ہے۔

نہ کرے جو وہ اپنے لیے پسند کرتا ہے۔

ان احدکم مراۃ اخیہ فاذا رای فیہ شیئاً فلیمطہ (ابوداؤد، ترمذی)

تم میں سے ایک اپنے بھائی کا آئینہ ہے اگر اس میں کوئی خرابی دیکھے تو اسے دور (اس کی اصلاح) کردے۔

من قضی لاخیہ حاجۃ فکانما خدم اللہ عمرہ (تاریخ بخاری، طبرانی، خرائطی۔ انسؓ)

جو شخص اپنے بھائی کی ضرورت پوری کرے وہ ایسا ہے گویا اس نے تمام عمر اللہ تعالیٰ کی خدمت (عبادت) کی ہے۔

من اقر عین مومن اقر اللہ عینہ یوم القیامۃ (ابن مبارک۔ کتاب الزہد)

جس شخص نے کسی مومن کو آرام پہنچایا، اللہ تعالیٰ قیامت کے روز اسے آرام پہنچائے گا۔

لان یمشی احدکم مع اخیہ فی قضاء حاجتہ (واشار باصبعہ) افضل من ان یعتکف فی مسجدی ھذا شہرین (حاکم۔ ابن عباسؓ)

تمہارا اپنے بھائی کے ساتھ اس کی کسی ضرورت کی تکمیل کے لیے چلنا میری اس مسجد میں (آپ نے ہاتھ سے مسجد کی طرف اشارہ کیا) دو مہینوں کے اعتکاف سے افضل ہے۔

من فرج عن مغموم او اغاث ملھوفا غفر اللہ لہ ثلاثا وسبعین مغفرۃ (خرائطی، ابن حبان، ابن عدی۔ انسؓ)

جو شخص کسی غمزدہ کا دکھ دور کرے، یا کسی مصیبت زدہ کی مدد کرے اللہ تعالیٰ اس کی تہتر مغفرتیں فرمائیں گے۔ (عدد سے مراد مغفرت کی تاکید ہے)

انصر اخاک ظالما او مظلوما فقیل: کیف ینصرہ ظالما؟ قال: یمنعہ من الظلم (بخاری و مسلم۔ انسؓ)

اپنے بھائی کی مدد کرو خواہ وہ ظالم ہو، یا مظلوم ہو، عرض کیا گیا ظالم کی مدد کس طرح کی جائے گی فرمایا: اسے ظلم سے روک کر۔

ان من احب الاعمال الی اللہ ادخال السرور علی قلب المومن او ان یفرج عنہ غما او یقضی عنہ دینا او یطعمہ من جوع (طبرانی صغیر، طبرانی اوسط عن ابن عمرؓ)

اللہ کے نزدیک محبوب ترین عمل یہ ہے کہ مسلمان کے دل میں خوشی پیدا کی جائے، اس کا غم دور کیا جائے، اس کا قرض ادا کیا جائے، بھوکا ہو تو اسے کھانا کھلایا جائے۔

خصلتان لیس فوقھما شیء من الشر الشرک باللہ والضر بعباد اللہ وخصلتان لیس فوقھما شیء من البر الایمان باللہ والنفع بعباد اللہ (۱)

دو عادتیں ایسی ہیں کہ ان سے زیادہ خراب عادت کوئی نہیں ہے، ایک اللہ کے ساتھ شرک کرنا اور دوسری اللہ کے بندوں کو نقصان پہنچانا اور دو عادتیں ایسی ہیں کہ ان سے زیادہ اچھی عادت کوئی نہیں ہے ایک اللہ پر ایمان لانا، دوسری اللہ کے بندوں کو نفع پہنچانا۔

معروف کرخیؒ کہتے ہیں کہ جو شخص رات دن میں تین مرتبہ یہ دعا پڑھ لیا کرے اللہ تعالیٰ اسے ابدال کے زمرہ میں شامل فرمالیں گے۔

---

(۱) یہ روایت حضرت علیؓ سے مسند الفردوس میں ہے لیکن صاحب مسند الفردوس کے صاحبزادے نے مسند میں اس کی سند نقل نہیں کی ہے۔

اَللّٰهُمَّ اَصْلِحْ اُمَّةَ مُحَمَّدٍ، اَللّٰهُمَّ ارْحَمْ اُمَّةَ مُحَمَّدٍ، اَللّٰهُمَّ فَرِّجْ عَنْ اُمَّةِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

اے اللہ! امت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اصلاح فرما' اے اللہ! امت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر رحم فرما' اے اللہ! امت محمد صلی اللہ وسلم کو آسودگی نصیب فرما۔

ایک روز فضیل بن عیاضؒ رونے لگے حاضرین مجلس نے رونے کی وجہ پوچھی' فرمایا میں ان لوگوں پر رو رہا ہوں جنہوں نے مجھ پر ظلم کیا' کہ وہ کل قیامت کے روز باری تعالیٰ کے سامنے پیش ہوں گے اور ان سے دریافت کیا جائے گا کہ انہوں نے ظلم کیوں کیا تھا' وہ اس کے جواب میں خاموش رہ جائیں گے اور ان کے پاس کوئی حجت باقی نہیں رہے گی۔

چوبیسواں حق:۔ یہ ہے کہ بیماروں کی عیادت کرے' عیادت کے آداب یہ ہیں کہ وہ مریض کے پاس زیادہ دیر نہ بیٹھے' اس سے کم سے کم گفتگو کرے' اظہار ہمدردی اور دعائے صحت میں بخل نہ کرے' اگر اس جگہ کچھ برائیاں پائی جائیں تو ان پر نگاہ نہ ڈالے۔ جب عیادت کے لیے جائے اور اجازت حاصل کرنے کی ضرورت ہو تو دروازے کے سامنے نہ کھڑا ہو' ایک طرف ہٹ کر کھڑا ہو' آہستہ سے دستک دے' اگر اندر سے یہ پوچھا جائے کہ کون ہے تو جواب میں یہ نہ کہے کہ میں ہوں بلکہ نام بتلائے' اگر آواز دینے کی ضرورت پیش آئے تو یہ نہ کہے اے لڑکے' بلکہ سبحان اللہ یا الحمد للہ کہے تاکہ اہل خانہ کو معلوم ہو جائے کہ دروازے پر کوئی شخص موجود ہے۔ عیادت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کے مطابق کرنی چاہیے۔

تمام عیادة المریض ان یضع احدکم یدہ علی جبھتہ او علی یدہ و یسالہ کیف ھو؟ و تمام تحیاتک المصافحة (اس روایت کا آخری جزء اسی باب میں گذر چکا ہے)

مریض کی عیادت کا کمال یہ ہے کہ تم اپنا ہاتھ اس کی پیشانی یا ہاتھ پر رکھو' اور اس سے معلوم کرو کہ تم کیسے ہو؟ اور سلام کی تکمیل مصافحہ سے ہے۔

مریض کی عیادت ایک بہترین عمل ہے' روایات میں اس عمل کی بڑی فضیلت وارد ہوئی ہے چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:۔

من اتی اخاہ المسلم عائدا مشی فی خرافة الجنة حتی یجلس فاذا جلس غمرتہ الرحمة فان کان غدوة صلی علیہ سبعون الف ملک حتی یمسی وان کان مساء صلی علیہ سبعون الف ملک حتی یصبح (اصحاب سنن' حاکم۔ علیؓ)

جو شخص اپنے مسلمان بھائی کی عیادت کے لیے چلے گویا وہ جنت کے باغات میں چل رہا ہے یہاں تک کہ بیٹھ جائے پھر جب بیٹھ جاتا ہے تو رحمت خداوندی اس پر سایہ فگن ہو جاتی ہے اگر اس نے صبح کو عیادت کی تو شام تک ستر ہزار فرشتے اس کے لیے دعائے رحمت کرتے ہیں اور شام کو عیادت کی تو صبح تک ستر ہزار فرشتے رحمت کی دعا کرتے ہیں۔

اذا عاد الرجل المریض خاض فی الرحم فاذا قعد عندہ انفس فیھا (حاکم' بیہقی۔ جابرؓ)

جب آدمی مریض کی عیادت کرتا ہے تو وہ رحمت میں داخل ہو جاتا ہے' اور جب وہ اس کے پاس بیٹھ جاتا ہے تو رحمت (کے سمندر) میں ڈوب جاتا ہے۔

اذا عاد المسلم اخاہ او زارہ' ناداہ منار' طبت و طاب ممشاک و تبوات منزلا فی الجنة (ترمذی' ابن ماجہ۔ ابوہریرہؓ)

جب مسلمان اپنے بھائی کی عیادت کرتا ہے یا اس سے ملنے جاتا ہے تو پکارنے والا اسے آواز دیتا ہے (اور یہ

کہتا ہے) کہ تو اچھا ہوا تیرا چلنا عمدہ ہوا اور تو نے جنت میں گھر بنالیا۔

اذا مرض العبد بعث اللّٰہ تبارک و تعالٰی الیہ ملکین، فقال! انظرا مایقولہ لعوادہ فان ھو اذا جاوہ حمد اللّٰہ واثنی علیہ رفعا ذلک الی اللّٰہ وھو اعلم فیقول! لعبدی علی ان توفیتہ ان ادخلہ الجنۃ، وان انا شفیتہ ان ابدل لہ لحما خیرا من لحمہ، ودما خیرا من دمہ وان اکفر عنہ سیاتہ (۱)

جب بندہ بیمار ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے پاس دو فرشتے بھیجتے ہیں اور ان سے کہتے ہیں کہ یہ دیکھو کہ میرا بندہ عیادت کرنے والوں سے کیا کہہ رہا ہے، اگر وہ اللہ کی حمد و ثنا بیان کرتا ہے تو دونوں فرشتے یہ بات جناب الٰہی تک پہنچاتے ہیں باوجود یہ کہ اللہ تعالیٰ اس سے خوب واقف ہیں، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں! مجھ پر بندہ کا حق یہ ہے کہ اگر میں اسے موت دوں تو جنت میں داخل کروں، اور شفا دوں تو اس (بیمار) گوشت کے بدلے میں اسے دوسرا (صحت مند) گوشت اور (بیمار) خون کے بدلے میں (صحت مند) خون عطا کروں اور اس کے گناہ معاف کردوں۔

مسلمان کا بیمار ہونا بھی اس کے حق میں بہتر ہے بیماری سے اس کے گناہوں کا کفارہ ہوتا ہے بشرطیکہ وہ اسے مصیبت نہ سمجھے، بلکہ صبر و شکر کے ساتھ ہر تکلیف برداشت کرے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔

من یرد اللّٰہ بہ خیرا یصب منہ (بخاری۔ ابوہریرہ)

اللہ تعالیٰ جس شخص کی بہتری چاہتا ہے اسے مصائب میں مبتلا کردیتا ہے۔

عیادت کا ایک ادب یہ ہے کہ مریض کے حق میں صحت اور شفایابی کی دعا کی جائے۔ حضرت عثمانؓ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں بیمار ہوا تو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم میرا مزاج پرسی کے لیے تشریف لائے اور کئی بار یہ دعا پڑھی۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ اُعِیْذُکَ بِاللّٰہِ الْاَحَدِ الصَّمَدِ الَّذِیْ لَمْ یَلِدْ وَلَمْ یُوْلَدْ وَلَمْ یَکُنْ لَّہٗ کُفُوًا اَحَدٌ مِنْ شَرِّ مَا تَجِدُ (طبرانی۔ ابن السنی)

اللہ رحمٰن رحیم کے نام سے میں تجھے اس برائی (مصیبت) سے جس میں تو مبتلا ہے اللہ کی پناہ میں دیتا ہوں جو ایک ہے پاک ہے نہ اس نے کسی کو جنا ہے اور نہ وہ جنا گیا ہے اور نہ کوئی اس کے جوڑ کا ہے۔

ایک مرتبہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ علیل ہوئے تو آپ ان کی عیادت کے لیے تشریف لائے اور اس دعا کی تلقین کی۔

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْأَلُکَ تَعْجِیْلَ عَافِیَتِکَ اَوْ صَبْرًا عَلٰی بَلِیَّتِکَ اَوْ خُرُوْجًا مِنَ الدُّنْیَا اِلٰی رَحْمَتِکَ

اے اللہ میں تجھ سے درخواست کرتا ہوں کہ مجھے صحت عاجلہ عطا کر، یا مصیبت پر صبر کی توفیق دے، یا دنیا سے تیری رحمت کے سائے میں داخل ہونے کی سعادت سے نواز۔

آپ نے یہ بھی فرمایا کہ یہ تین دعائیں ہیں، ان میں سے ایک ضرور قبول ہوگی، (۲) بیمار کے لیے یہ دعا بھی مستحب ہے۔

---

(۱) یہ روایت ابن عبدالبر نے "کتاب التمہید" میں ابوسعید الخدری سے مرفوعاً نقل کی ہے بیہقی میں ابوہریرہ کی روایت بھی اسی مضمون پر مشتمل ہے، الفاظ یہ ہیں "اذا ابتلیت عبدی المومن فلم یشکنی الی عوادہ اطلقتہ من اساری ثم ابدلتہ لحما خیرا من لحمہ ودما خیرا من دمہ" (۲) یہ روایت ابن ابی الدنیا نے انسؓ سے نقل کی ہے لیکن اس میں مریض کا نام مجہول ہے بیہقی نے حضرت عائشہ کی یہ روایت نقل کی ہے کہ یہ دعا حضرت جبرئیل علیہ السلام نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سکھلائی تھی۔

اَعُوْذُ بِعِزَّةِ اللّٰهِ وَقُدْرَتِهٖ مِنْ شَرِّ مَا اَجِدُ

میں اس تکلیف سے جس میں میں مبتلا ہو اللہ کی عزت و قدرت کی پناہ چاہتا ہوں۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ اگر تمہیں پیٹ کی بیماری ہو جائے تو اس کا تیر بہدف علاج یہ ہے کہ اپنی بیوی سے مہر کی کچھ رقم لے کر شہد خرید اور اسے بارش کے پانی میں ملا کر پی جاؤ انشاء اللہ یہ دوا تمہارے لیے عمدہ' باعث برکت اور نسخۂ شفا ثابت ہوگی' قرآن پاک میں ان تینوں چیزوں کا ذکر انہی الفاظ کے ساتھ موجود ہے۔ مہر کے متعلق ارشاد ہے۔

فَكُلُوْهُ هَنِيْٓـًٔا مَّرِيْٓـًٔا (پ ۴ ر ۱۲ آیت ۴)

تو تم اس کو کھاؤ مزہ دار اور خوش گوار سمجھ کر۔

شہد کے سلسلے میں فرمایا گیا۔

فِيْهِ شِفَآءٌ لِّلنَّاسِ (پ ۱۴' ر ۱۵' آیت ۶۹)

اس میں لوگوں کے لیے شفا ہے۔

بارش کے پانی کی یہ صفت بیان کی گئی۔

وَنَزَّلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً مُّبٰرَكًا (پ ۲۶ ر ۱۵ آیت ۹)

اور ہم نے آسمان سے برکت والا پانی برسایا۔

ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو ہریرہؓ سے ارشاد فرمایا کہ میں تجھے ایسی دعا نہ بتلادوں کہ اگر مرض کے آغاز میں پڑھ لے تو اللہ تعالیٰ تجھے اس مرض سے نجات عطا فرمائے عرض کیا یا رسول اللہ ضرور ارشاد فرمایئے' فرمایا: یہ دعا پڑھ لیا کرو:۔

لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ يُحْيِيْ وَيُمِيْتُ وَهُوَ حَيٌّ لَا يَمُوْتُ سُبْحَانَ اللّٰهِ رَبِّ الْعِبَادِ وَالْبِلَادِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ كَثِيْرًا طَيِّبًا مُبَارَكًا فِيْهِ عَلٰى كُلِّ حَالٍ اَللّٰهُ اَكْبَرُ كَبِيْرًا اِنَّ كِبْرِيَاءَ رَبِّنَا وَجَلَالَهٗ وَقُدْرَتَهٗ بِكُلِّ مَكَانٍ اَللّٰهُمَّ اِنْ اَنْتَ اَمْرَضْتَنِيْ لِتَقْبِضَ رُوْحِيْ فِيْ مَرَضِيْ هٰذَا فَاجْعَلْ رُوْحِيْ فِيْ اَرْوَاحِ مَنْ سَبَقَتْ لَهُمْ مِنْكَ الْحُسْنٰى وَبَاعِدْنِيْ مِنَ النَّارِ كَمَا بَاعَدْتَ اَوْلِيَاءَكَ الَّذِيْنَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِنْكَ الْحُسْنٰى (ابن ابی الدنیا۔ ابو ہریرہؓ)

اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے' وہ زندہ کرتا ہے' وہ موت دیتا ہے' وہ زندہ ہے مرتا نہیں ہے' پاک ہے' اللہ پروردگار عالم تمام تعریفیں ہر حال میں اللہ کے لیے ہیں' زیادہ پاک اور بابرکت' اللہ بہت بڑا ہے' ہمارے رب کی بڑائی' اس کا جلال' اس کی قدرت ہر جگہ پر ہے' اے اللہ اگر تو نے میری روح قبض کرنے کے لیے بیمار کیا ہے تو میری روح کو ان ارواح میں شامل فرما جن کے لیے تیری طرف سے پہلے ہی خوبی مقدر ہو چکی ہے' اور مجھے دوزخ سے اس طرح دور رکھ جس طرح تو نے اپنے ان دوستوں کو دوزخ سے دور رکھا ہے جن کے لیے تیری طرف سے پہلے ہی بھلائی مقدر ہو چکی ہے۔

عیادت کا ایک ادب یہ ہے کہ وہ بے حد مختصر اور ہلکی پھلکی ہو' مریض کے پاس زیادہ دیر بیٹھنا مشقت کا باعث بن جاتا ہے۔ ایک حدیث میں ہے:۔

عيادة المريض فواق ناقة (ابن ابی الدنیا۔ انسؓ)

مریض کی عیادت اونٹنی کے دوبار دھار نکالنے کے بقدر (وقت کے لیے) ہے۔

طاؤس فرماتے ہیں بہترین عیادت وہ ہے جو ہلکی پھلکی ہو اور جلد ہو حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ ایک بار کی عیادت مسنون

ہے' اور اس سے زیادہ مستحب ہے بعض اکابر فرماتے ہیں کہ عیادت تین دن کے وقفے سے ہونی چاہیے۔ ارشاد نبوی ہے:۔

اغبوا فی العیادة واربعوا (ابن ابی الدنیا۔ جابرؓ)

عیادت وقفہ دے کر کرو اور اس میں نرمی اختیار کرو۔

مریض کے آداب بطور اجمال یہ ہیں کہ وہ صبر کرے' شکایت اور اضطراب کا اظہار کم کرے' باری تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو اور دست بدعا رہے' دوا کے استعمال کے بعد دوا کے خالق پر بھروسا رکھے۔

پچیسواں حق:۔ یہ ہے کہ مسلمانوں کے جنازے کی ہمراہی کرے' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جنازے کے ہمراہ جانے والے کے متعلق ارشاد فرمایا:۔

من شیع جنازة فلہ قیراط من الاجر فان وقف حتّٰی تدفن فلہ قیراطان (بخاری ومسلم۔ ابوہریرہ)

جو شخص جنازے کے ہمراہ چلے اس کے لیے ایک قیراط اجر ہے اور جو شخص تدفین تک قبرستان میں ٹھہرے اس کے لیے دو قیراط ہیں۔

روایات میں قیراط کی مقدار احد پہاڑ کی برابر دی گئی ہے (مسلم۔ ثوبان' ابوہریرہؓ) جب حضرت ابوہریرہ کی زبانی یہ روایت حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے سنی تو آپ نے ارشاد فرمایا: اب تک ہم نے بہت سے قیراط ذخیرہ آخرت کرلئے ہیں۔ جنازے کی ہمراہی پر اس لیے زور دیا گیا ہے کہ اس میں مسلمان بھائی کے حق کی ادائیگی بھی ہے اور عبرت حاصل کرنا بھی ہے چنانچہ مکحول دمشقی جب کوئی جنازہ دیکھتے تو فرماتے کہ "چلے چلو' ہم بھی آرہے ہیں تمہارا جانا تو باعث عبرت ہے' مگر کیا کریں غفلت محیط ہے' لوگ چلے جاتے ہیں' لیکن پیچھے رہ جانے والے زندگی کی ناپائداری کا راز نہیں سمجھتے۔ مالک ابن دینار کے بھائی کا انتقال ہوا تو آپ ان کے جنازے کے ساتھ ساتھ یہ کہتے ہوئے چلے "خدا کی قسم جب تک مجھے یہ معلوم نہ ہوگا کہ تمہارا انجام کیا ہوا ہے میں اس وقت تک بے چین رہوں گا" اعمش فرماتے ہیں کہ ہم جنازوں میں شریک ہوتے تھے' لیکن ہماری سمجھ میں یہ نہیں آتا تھا کہ کس سے تعزیت کریں اس لیے کہ تمام شرکاء کے رنج و غم کی حالت یکساں رہتی تھی۔ ابراہیم زیارت نے دیکھا کہ کچھ لوگ ایک میّت کے لیے دعائے رحمت کررہے ہیں' فرمایا تم اپنے لئے رحمت کی دعا کرتے تو زیادہ بہتر تھا' یہ شخص تو تین خطروں سے نجات پاچکا ہے' اس نے ملک الموت کا چہرہ دیکھ لیا ہے' موت کا ذائقہ چکھ لیا ہے' اور خاتمے کے خوف سے محفوظ و مامون ہوگیا ہے' اب تمہاری باری ہے' تم ان خطروں سے نجات کی دعا مانگو' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:۔

یتبع المیت ثلاث فیرجع اثنان ویبقی واحد یتبعه اهله و ماله وعمله فیرجع اهله وماله ویبقی عمله (مسلم۔ انسؓ)

تین چیزیں میّت کے ساتھ جاتی ہیں دو واپس آجاتی ہیں اور ایک رہ جاتی ہے وہ تین چیزیں ہیں' اہل و عیال' مال و دولت اور اعمال ان میں سے مال اور گھر والے واپس ہوجاتے ہیں' اور عمل میت کے ساتھ باقی رہ جاتا ہے۔

چھبیسواں حق:۔ یہ ہے کہ ان کی قبروں کی زیارت کرے' زیارت قبور کا مقصد بھی دعا کرنا اور عبرت حاصل کرنا ہے' قبرستان کا منظر قلب کے لیے بڑا موثر ثابت ہوتا ہے چنانچہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:۔

ما رایت منظرا الا والقبر افظع منه (ترمذی' ابن ماجہ' حاکم۔ عثمان)

میں نے جتنے مناظر دیکھے ہیں ان میں قبر کا منظر زیادہ ہولناک ہے۔

حضرت عمر بن الخطابؓ ارشاد فرماتے ہیں کہ ہم سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تھے آپ قبرستان تشریف لے گئے' اور ایک قبر کے پاس بیٹھ کر رونے لگے' ہم بھی رونے لگے' میں آپ کے قریب بیٹھا ہوا تھا آپ نے دریافت فرمایا: تم لوگ کیوں روئے' ہم نے عرض کیا: آپ کو دیکھ کر ہمیں بھی رونا آگیا' فرمایا یہ آمنہ بنت وہب (والدہ ماجدہ) کی قبر ہے' میں نے اللہ تعالیٰ سے قبر کی زیارت کی اجازت مانگی تو مجھے اجازت دے دی گئی' اور جب میں نے دعائے مغفرت کی اجازت چاہی تو انکار کردیا گیا' اس پر مجھے وہ غم ہوا جو ماں باپ کے لیے اولاد کو ہوتا ہے۔(۱) حضرت عثمانؓ جب قبرستان تشریف لے جاتے تو اس قدر روتے کہ داڑھی تر ہو جاتی' اور فرمایا کرتے کہ میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ:

ان القبر اول منازل الاخرة فان نجا منه صاحبه فما بعده ایسر فان لم ینج منه فما بعده اشد (ترمذی' ابن ماجہ' حاکم)

قبر آخرت کی اولین منزل ہے اگر صاحب قبر نے اس سے نجات پالی تو بعد کے تمام مراحل آسان ہیں اور اگر نجات نہ پائی تو بعد کے تمام مراحل دشوار ہیں۔

مجاہدؒ فرماتے ہیں کہ ابن آدم سے سب سے پہلے اس کی قبر یہ کہتی ہے کہ میں کیڑوں کا مسکن ہوں' تنہائی' وحشت اور ظلمت کا گھر ہوں یہ چیزیں میں نے تیرے لیے رکھ چھوڑی ہیں تو میرے لیے کیا لے کر آیا ہے' ابوذرؓ نے لوگوں سے فرمایا جس دن میں قبر میں اتارا جاؤں گا وہ میری مفلسی کا دن ہوگا۔ حضرت ابوالدرداءؓ قبروں کے پاس بیٹھا کرتے تھے' لوگوں نے وجہ دریافت کی' فرمایا: میں ان لوگوں کے پاس بیٹھتا ہوں جو مجھے میری آخرت یاد دلاتے ہیں اور جب میں ان کے پاس سے چلا جاتا ہوں تو میری غیبت نہیں کرتے۔ حاتم اصم فرماتے ہیں کہ جو شخص قبرستان سے گذرے اور اہل قبرستان کے لیے دعا اور اپنے لیے عبرت حاصل نہ کرے وہ اپنے حق میں بھی خیانت کرتا ہے اور مرحومین کے حق میں بھی۔ ایک روایت میں ہے کہ اصحاب قبور سے ہر شب ایک فرشتہ یہ دریافت کرتا ہے کہ اہل دنیا کا کون سا عمل تمہارے لیے قابل رشک ہے وہ جواب دیتے ہیں کہ ہمیں ان لوگوں پر رشک آتا ہے جو مسجدوں میں نماز پڑھتے ہیں' اللہ کا ذکر کرتے ہیں' اور روزے رکھتے ہیں کہ انہیں اعمال خیر کی توفیق میسر ہے ہمیں نہیں ہے۔ (۲) حضرت سفیان ثوریؒ فرماتے ہیں کہ جو شخص قبر کو زیادہ یاد رکھے گا اسے وہ جنت کے ایک باغ کی صورت میں ملے گی اور جو اس سے غفلت کرے گا وہ اس کے لیے دوزخ کا ایک گڑھا ثابت ہوگی۔ ربیع بن خثیم نے اپنے گھر میں ایک قبر کھود رکھی تھی' جب وہ اپنے دل میں سختی محسوس کرتے تو تھوڑی دیر کے لیے اس میں جاکر لیٹ جاتے اور یہ آیت تلاوت کرتے۔

رَبِّ ارْجِعُوْنِ لَعَلِّیْ اَعْمَلُ صَالِحًا فِیْمَا تَرَکْتُ (پ ۱۸ ر ۶ آیت نمبر ۹۹ و ۱۰۰)

اے میرے رب! مجھ کو دنیا میں پھر واپس بھیج دیجئے تاکہ جس (دنیا) کو میں چھوڑ آیا ہوں اس میں پھر جاکر نیک کام کروں۔

اس کے بعد باہر نکل آتے اور فرماتے کہ اے ربیع تو لوٹا دیا گیا ہے اب تو عمل کر اس سے پہلے کہ پھر وہاں بلا لیا جائے۔ میمون بن مہران کہتے ہیں کہ میں عمر بن عبدالعزیزؒ کے ساتھ قبرستان گیا' وہ وہاں کا وحشت ناک منظر دیکھ کر رونے لگے اور مجھ سے فرمایا: اے میمون! یہ میرے آباء و اجداد بنو امیہ کی قبریں ہیں' یہ لوگ زندہ تھے تو دنیا کی لذتوں میں شریک تھے لیکن اب اس ویرانے میں آپڑے ہیں' کیڑوں نے ان کے جسم چاٹ لئے ہیں' اور اب ان کا وجود داستان پارینہ بن چکا ہے' پھر فرمایا کہ خدا کی قسم! میں ان لوگوں میں سے کسی کو نہیں جانتا کہ اس نے عیش کیا ہو اور عذاب الٰہی سے محفوظ رہا ہو۔

---

(۱) یہ روایت مسلم میں ابو ہریرہؓ سے اختصار کے ساتھ ہے' اس مضمون کی ایک روایت بریدہ سے مسند احمد میں ہے اس میں یہ الفاظ ہیں "فقام الیہ عمر ففداہ بالاب والام فقال یا رسول اللہ مالک" (۲) اس روایت کی کوئی اصل مجھے نہیں ملی۔

جنازے کی مشایعت کے آداب یہ ہیں کہ خوف طاری رکھے' خاموش رہے میت کے حال پر نظر رکھے' اپنی موت کے متعلق سوچے اور اس کے لیے تیاری کی فکر کرے' جنازے کے قریب ہو کر چلے' جنازے کو جلدی لے جانا سنت ہے۔ ارشاد نبویؐ ہے "اسرعوا بالجنازۃ" (بخاری و مسلم۔ ابو ہریرہؓ)

یہ ان آداب کی تفصیل تھی جو لوگوں کے ساتھ رہن سہن کے دوران ملحوظ رہنے چاہئیں' ان کے علاوہ بھی کچھ آداب ہیں جو یہاں اختصار کے ساتھ بیان کئے جاتے ہیں۔ کسی کو حقیر مت سمجھو خواہ وہ زندہ ہو یا مردہ' کسی کو حقیر سمجھنا ہلاکت کا پیش خیمہ ہے ممکن ہے کہ وہ تم سے بہتر ہو' اور تمہیں یہ بات معلوم نہ ہو' پھر اگر کوئی شخص گنہگار ہے تب بھی یہ نہیں کہا جاسکتا کہ اس کا خاتمہ بھی فسق کی حالت پر ہوگا' یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس کا خاتمہ بالخیر ہو' اور تمہاری حالت اس کی حالت کے مطابق ہو جائے۔ کسی کو دنیاوی شان و شوکت کے نقطۂ نظر سے بچشم تعظیم نہ دیکھو' اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک دنیا حقیر ہے' دنیا کی تمام چیزیں حقیر ہیں' اہل دنیا کی تعظیم کا مطلب یہ ہوگا کہ تم دنیا کو حقیر نہیں سمجھتے' اس طرح تم بھی اللہ کے نزدیک ذلیل و خوار ہو جاؤ گے' اہل دنیا سے دنیا حاصل کرنے کے لیے اپنا دین مت دو' اس طرح تم ان کی نظروں میں حقیر ہو جاؤ گے' اگر تمہیں دنیا کا کچھ حصہ مل بھی گیا تو یقیناً وہ تمہارے دین کے مقابلے میں انتہائی معمولی ہوگا جسے تم نے بطور عوض انہیں دیا ہے۔ ان سے کھلی دشمنی بھی نہ رکھو' ایسے لوگوں کی دشمنی جلد ختم نہیں ہوتی بلکہ اس میں دنیا کے ساتھ ساتھ دین کو بھی خطرہ لاحق ہو جاتا ہے' ہاں اگر وہ کسی برائی میں ملوث ہوں تو اسے برا سمجھو' اور ان پر رحمت کی نظر ڈالو کہ بیچارے ان گناہوں کی وجہ سے باری تعالیٰ کی ناراضگی مول لے رہے ہیں' اور خود اپنے ہاتھوں اپنی عقبیٰ تباہ و برباد کر رہے ہیں' ان کی یہی سزا بہت ہے کہ وہ دوزخ میں جائیں گے پھر کیا ضرورت ہے کہ تم ان سے عداوت رکھو' اگر وہ تم سے محبت کا اظہار کریں' تمہاری تعریف و توصیف کریں اور تم سے خندہ پیشانی کے ساتھ ملیں تو مطمئن ہو کر نہ بیٹھو' ایسے لوگوں کی محبت اور تعریف و توصیف حقیقت پر مبنی نہیں ہوتی' اس لئے اس پر اعتماد نہیں کرنا چاہیے' سو میں سے ایک ہی ایسا ملے گا جس کے ظاہر و باطن میں یکسانیت ہوگی۔ ایسے لوگوں سے اپنے حالات کی شکایت بھی نہ کرو ورنہ اللہ تعالیٰ تمہیں ان ہی کے سپرد کر دے گا' یہ خواہش بھی مت رکھو کہ جس طرح وہ ظاہر میں تمہارے ساتھ پیش آتے ہیں تمہاری عدم موجودگی میں بھی اسی طرح پیش آئیں' یہ طمع کاذب ہے' اب ایسے لوگ کہاں جو غیب و شہود میں یکساں معاملہ کریں ان لوگوں کی مال و دولت اور جاہ و حشمت کی حرص بھی نہ کرو کہ ذلت و رسوائی کے علاوہ کچھ ہاتھ نہیں لگے گا۔ اگر تم ان سے مستغنی ہو تب بھی غرور مت کرو' ایسا نہ ہو کہ اللہ تعالیٰ تمہیں ان کا ضرورت مند بنا دے' اور تمہارا سارا غرور خاک میں مل جائے' اگر کسی سے کوئی درخواست کرو اور وہ منظور کرلے تو اس کا احسان سمجھو' اور شکریہ ادا کرو' منظور نہ کرے تو اس پر عتاب مت کرو' وہ شخص تمہارا دشمن ہو جائے گا اور تم دشواری میں مبتلا ہو جاؤ گے' ایسے شخص کو نصیحت نہ کرو جس کے متعلق یہ یقین ہو کہ وہ نصیحت قبول نہیں کرے گا' اگر زیادہ ضروری ہو تو اشارے کنائے سے کام چلا لو' اور عام پیرایہ بیان رکھو' یہ مت ظاہر کرو کہ تم اسے نصیحت کر رہے ہو۔ اگر لوگ تمہاری عزت کریں تو خداوند قدوس کا شکر ادا کرو کہ اس نے لوگوں کے قلوب تمہارے لیے مسخر کر دیئے۔ اور اس بات سے اللہ کی پناہ مانگو کہ وہ تمہیں کوئی ایذا پہنچانا چاہتے ہیں تو ان کا معاملہ اللہ کے سپرد کر دو' اور ان کے شر سے اللہ کی پناہ مانگو' اپنے آپ کو انتقام کی فکر میں مشغول مت کرو' ورنہ نقصان زیادہ ہوگا' اور عمر جیسی گراں مایہ چیز خواہ مخواہ ضائع ہوگی۔ اگر کوئی شخص تمہاری عزت نہ کرے تو اس سے یہ مت کہو کہ تو میری قدر و منزلت اور حیثیت سے ناواقف ہے' بلکہ یہ یقین رکھو کہ اگر تم اعزاز و اکرام کے مستحق ہوتے تو اللہ تعالیٰ اس کے دل میں تمہاری قدر و منزلت ضرور پیدا کرتا' اس لیے کہ دلوں میں محبت اور نفرت پیدا کرنے والا وہی ہے۔ ان لوگوں میں اس طرح رہو کہ حق بات سنو' اور باطل سے اپنے کان بند رکھو' عام لوگوں کی محبت سے گریزاں رہو کہ یہ لوگ خطاؤں سے درگزر نہیں کرتے' عیب پوشی نہیں کرتے' معمولی معمولی باتوں پر احتساب کرتے ہیں' ہر حال میں حسد کرتے ہیں' خود انصاف نہیں کرتے لیکن دوسروں سے انصاف کے طالب رہتے ہیں' بھول چوک پر بھی مواخذہ کرتے ہیں' بھائیوں کو چغل

خوری' کذب بیانی اور الزام تراشی کے ذریعہ ایک دوسرے سے لڑاتے ہیں' ان کی صحبت سخت نقصان کا باعث ہے' ان سے دور رہنا ہی بہتر ہے' اگر وہ خوش ہوتے ہیں تو ان کی زبانیں خوشامدانہ کلمات کا ورد کرتی ہیں' اور ناراض ہوتے ہیں تو ان کے دلوں میں کینہ اور بغض پیدا ہوجاتا ہے جس طرح ان کا غصہ مضر ہے اسی طرح ان کی خوشنودی بھی نقصان دہ ہے' یہ لوگ بظاہر خوش ہوتے ہیں لیکن ان کا باطن خباثتوں سے پر ہے۔ غلط فہمیوں کو حقیقت سمجھتے ہیں اور قطع تعلق کرلیتے ہیں' تمہاری پیٹھ پیچھے برائیاں کرتے ہیں' دوستوں سے حاسدانہ جذبہ رکھتے ہیں' ان کی برائیوں اور کوتاہیوں پر گہری نظر رکھتے ہیں تاکہ قطع تعلق کے بعد ان کا حوالہ دیا جائے' جب تک کسی شخص کو اچھی طرح آزمانہ لو اور اسے خوب ٹھوک بجاکر دیکھ نہ لو اس پر اعتماد مت کرو' آزمانے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ اس شخص کے ساتھ چند روز ایک جگہ یا ایک مکان میں رہو' یا اس کے ساتھ سفر کرو' یا اس سے مالی معاملات کرو' غربت اور مالداری میں اس کے برتاؤ پر نظر رکھو' اگر ان امور میں تم اسے بہتر تصور کرو تو یہ دیکھو کہ وہ شخص عمر میں تم سے بڑا ہے یا چھوٹا یا برابر۔ اگر بڑا ہے تو اسے باپ کے برابر سمجھے' چھوٹا ہو تو بیٹا تصور کرو' ہم عمر ہو تو اسے اپنا بھائی اور دوست بناؤ۔

پڑوسی کے حقوق

پڑوسی اگر مسلمان ہے تو مذکورہ بالا حقوق کے علاوہ بھی اس کے کچھ حقوق ہیں۔ چنانچہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:۔

الجیران ثلاثة جار له حق واحد' وجار له حقان' وجار له ثلاثة حقوق' فالجار الذی له ثلاثة حقوق الجار المسلم ذوالرحم فله حق الجوار' وحق الاسلام' وحق الرحم واما الذی له حقان' فالجار المسلم له حق الجوار وحق الاسلام واما الذی له حق واحد فالجار المشرک (بزار' ابونعیم۔ جابرؓ' ابن عدی۔ عبداللہ بن عمرؓ)

پڑوسی تین طرح کے ہیں' ایک وہ جس کا صرف ایک حق ہے۔ دوم وہ جس کے دو حق ہیں۔ سوم وہ جس کے تین حقوق ہیں' مسلمان رشتہ دار پڑوسی کے تین حق ہیں' پڑوس کا حق' اسلام کا حق' رشتہ داری کا حق' مسلمان پڑوسی کے صرف دو حق ہیں حق اسلام اور حق جوار' کافر پڑوسی کا صرف ایک حق ہے یعنی حق جوار۔

روایات میں پڑوسی کی بڑی فضیلت آئی ہے' ذیل میں چند روایات بیان کی جاتی ہیں۔ فرمایا:۔

احسن مجاورة من جاورک تکن مسلما (یہ حدیث پہلے بھی گزر چکی ہے)

اپنے ہمسائے کا حق ہمسائیگی اچھی طرح ادا کر کہ (اس سے تو حقیقی معنی میں) مسلمان ہوجائے گا۔

مازال جبرئیل یوصینی بالجار حتی ظننت انه سیورثه (بخاری ومسلم۔ عائشہؓ' ابن عمرؓ)

جبرئیل مجھے پڑوسی کے سلسلے میں وصیت کرتے تھے حتی کہ مجھے خیال ہوا کہ پڑوسی کو وارث کی حیثیت حاصل ہوجائے گی۔

من کان یومن باللّٰہ والیوم الاخر فلیکرم جاره (بخاری ومسلم۔ ابوشریح)

جو شخص اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہو اسے چاہیے پڑوسی کا اکرام کرے۔

لا یومن عبد حتی یامن جاره بوائقه (بخاری۔ ابوشریح)

کوئی شخص اس وقت تک مومن (کامل) نہیں ہوتا جب تک کہ اس کا پڑوسی اس کی شرانگیزیوں سے محفوظ نہ رہے۔

اول خصمین یوم القیامة جاران (احمد' طبرانی۔ عقبہ بن عامرؓ)

قیامت کے دن پہلے جو دو آدمی مخاصمت کریں گے وہ پڑوسی ہوں گی۔
حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی خدمت میں ایک شخص یہ شکایت لے کر حاضر ہوا کہ فلاں شخص میرا پڑوسی ہے' مجھے تکلیف پہنچاتا ہے' گالیاں دیتا ہے' اور تنگ کرتا ہے' فرمایا: جاؤ' اگر اس نے اللہ کی نافرمانی کی ہے تو کرنے دو' تم خود تو اس کی اطاعت کرو۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں ایک عورت کا ذکر کیا گیا کہ وہ دن کو روزے رکھتی ہے' رات کو نماز پڑھتی ہے' اور پڑوسیوں کو پریشان کرتی ہے' فرمایا: یہ عورت جہنم میں جائے گی۔ (احمد' حاکم۔ ابو ہریرہؓ) ایک شخص نے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے پڑوسی کی شکایت کی' آپ نے اسے صبر و تحمل کی تلقین فرمائی' وہ شخص دوسری بار یہی شکایت لے کر آیا' آپ نے پھر صبر کی ہدایت کی' تیسری بار بھی آپ نے یہی فرمایا کہ صبر کرو' اور پڑوسی کی ایذا برداشت کرو' چوتھی مرتبہ آپ نے اسے مشورہ دیا کہ اگر اس کی ایذا ناقابل برداشت ہے تو گھر جاؤ' اور اپنا سامان نکال کر راستے میں رکھ دو' اس شخص نے ایسا ہی کیا' لوگ سامان دیکھ کر آتے' اور وجہ دریافت کرتے وہ شخص بتلا دیتا کہ میں پڑوسی سے پریشان ہوں' لوگ پڑوسی کو برا بھلا کہتے ہوئے چلے جاتے جب یہ سلسلہ دراز ہوا تو پڑوسی اپنے پڑوسی کے پاس آیا' اور اس سے یہ درخواست کی کہ اپنا سامان گھر میں رکھ لو میں آئندہ تمہیں پریشان نہیں کروں گا۔ (ابوداؤد' حاکم' ابن حبان۔ ابو ہریرہؓ) زہریؒ روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اپنے پڑوسی کی شکایت لے کر حاضر ہوا' آپ نے (کسی صحابیؓ کو) حکم دیا کہ وہ مسجد کے دروازے پر یہ اعلان کردے کہ چالیس گھر پڑوس ہیں۔ (۱) زہری نے "چالیس" کی یہ تشریح کی ہے کہ صرف ایک ہی جانب کے چالیس گھر مراد نہیں ہے' بلکہ چاروں طرف کے چالیس چالیس گھر مراد ہیں۔ ایک روایت میں ہے کہ "عورت" مکان اور گھوڑے میں برکت بھی ہے اور نحوست بھی عورت کی برکت یہ ہے کہ اس کا مہر تھوڑا ہو' نکاح سہولت سے ہوا ہو' اور وہ خوش اخلاق ہو' اس کی نحوست یہ ہے کہ مہر زیادہ ہو' نکاح دشواری سے ہوا ہو' اور وہ بد اخلاق ہو۔ مکان کی برکت یہ ہے کہ کشادہ ہو' اور پڑوسیوں کا برتاؤ اچھا ہو' نحوست یہ ہے کہ جگہ تنگ ہو اور پڑوسیوں کا برتاؤ برا ہو۔ گھوڑے کی برکت یہ ہے کہ وہ فرماں بردار اور خوش اطوار ہو' اور نحوست یہ ہے کہ سرکش اور بد اطوار ہو۔ (۲)

پڑوسی کا حق:۔ ایذاء پر صبر پڑوسی کا حق صرف یہی نہیں ہے کہ اسے ایذاء نہ پہنچائی جائے۔ بلکہ یہ بھی ہے کہ اگر وہ تکلیف پہنچائے تو صبر و تحمل اور برداشت سے کام لے' اور اس کی طرف سے پہنچائی جانے والی تمام تکالیف کے علی الرغم نرمی' تواضع اور خندہ پیشانی سے پیش آئے اور اس کے ساتھ حسن سلوک کرے۔ کہتے ہیں کہ قیامت کے دن مفلس پڑوسی اپنے مالدار پڑوسی کا دامن پکڑ کر باری تعالیٰ سے عرض کرے گا یا اللہ! اس سے پوچھئے کہ اس نے مجھے اپنے حسن سلوک سے کیوں محروم رکھا؟ ابن المقفع کو اپنے کسی پڑوسی کے متعلق پتا چلا کہ وہ مقروض ہے' اور اپنا قرض اتارنے کے سلسلے میں مکان فروخت کرنا چاہتا ہے' ابن المقفع اس شخص کے دیوار کے سائے میں بیٹھا کرتے تھے' جب اطلاع ملی تو اپنی جگہ سے کھڑے ہو گئے اور کہنے لگے: بخدا اگر اس شخص نے اپنا گھر فروخت کردیا تو اس کے معنی ہوں گے کہ ہم نے اس کے سائے میں بیٹھنے کا حق بھی ادا نہیں کیا' گھر میں گئے اور اسے قرض کی رقم لا کردی۔ ایک بزرگ نے اپنے دوستوں سے کہا کہ ہمارے گھر میں چوہے بہت ہو گئے ہیں۔ دوستوں نے بلی پالنے کا مشورہ دیا' فرمایا: بلی پالنے میں خطرہ یہ ہے کہ اس کی آواز سن کر چوہے پڑوسیوں کے گھروں میں چلے جائیں گے۔

---

(۱) یہ روایت ابوداؤد نے زہریؒ سے مراسیل میں سنقل کی ہے۔ زہری بن کعب بن مالک سے اور وہ اپنے والد سے یہ روایت نقل کرتے ہیں' طبرانی میں یہی روایت مرفوع بھی نقل ہوئی ہے۔ (۲) عورت' مکان' اور گھوڑے میں نحوست کی روایت مسلم میں ابو ہریرہؓ سے ہے لیکن اس میں نحوست کی تشریح نہیں ہے۔ اسی طرح ان تینوں میں برکت کی روایت ابن ماجہ میں محمد بن معاویہ سے منقول ہے تاہم اس میں بھی برکت کی تشریح نہیں ہے۔ طبرانی میں اسماء بنت عمیس کی روایت میں یہ تفصیل ہے' لیکن الفاظ قدرے مختلف ہیں۔ اس روایت کی سند ضعیف ہے۔

پڑوسی کے حقوق:۔ پڑوسی کے بہت سے حقوق ہیں' یہاں چند حقوق بطور اجمال ذکر کئے جاتے ہیں' اسے سلام کرنے میں پہل کرے' گفتگو کو طوالت نہ دے' اور نہ بار بار اس کا حال پوچھے' اگر وہ بیمار ہو تو اس کی عیادت کرے' مصیبت میں اس کے ساتھ ہمدردی کا اظہار کرے' اس کے غم میں شریک رہے اس کی خوشی پر خوش ہو' اس کی غلطیوں کو نظرانداز کرے' دیوار یا چھت سے اس کے مکان میں نہ جھانکے اس کی دیوار پر کڑیاں رکھ کر' یا اس کے صحن میں نالہ گرا کر اسے ایذاء نہ پہنچائے' اس کے گھر کا راستہ تنگ نہ کرے' اگر وہ کوئی چیز اپنے گھر لے جاتا ہوا نظر آئے تو اس کی جستجو نہ کرے کہ وہ کیا چیز ہے؟ اس کے عیوب کی پردہ پوشی کرے' اگر اسے کوئی حادثہ پیش آجائے تو اس کی مدد کرے' اس کی عدم موجودگی میں گھر کی حفاظت کرے' اور بیوی بچوں کی خبرگیری رکھے' اس کی کوئی برائی نہ سنے' اس کی بیوی اور خادمہ سے نگاہیں نیچی رکھے' اس کے بچوں کے ساتھ مہربانی اور شفقت کا معاملہ کرے' اگر وہ کسی دنیوی یا دینی نقصان کی طرف قدم بڑھا رہا ہو تو اسے روک دے' اور صحیح راستہ کی طرف اس کی رہنمائی کرے یہاں ان حقوق کا اضافہ بھی کرلیا جائے جو عام مسلمانوں کے لیے بیان کئے گئے ہیں۔ یہ حقوق روایات سے ثابت ہیں۔ چنانچہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:۔

اتدرون ماحق الجار ان استعان بک اعنته' وان استنصرک نصرته وان استقرضک اقرضته' وان افتقر عدت عليه' وان مرض عدته وان مات تبعت جنازته' وان اصابه خير هنأته' وان اصابته مصيبة عزيته ولا تستعل عليه بالبناء فتحجب عليه الريح الا باذنه ولا توذه' واذا اشتريت فاكهة فاهدله' فان لم تفعل فادخلها سرا ولا يخرج بها ولدك ليغيظ بها ولده ولا توذه بقتار قدرك الا ان تغرف له منها ثم قال اتدرون ماحق الجار والذی نفسی بیده لا یبلغ حق الجار الا من رحمه الله (خرائطی' ابن عدی)

کیا تم جانتے ہو پڑوسی کا حق کیا ہے؟ (پڑوسی کا حق یہ ہے کہ) اگر وہ تم سے مدد مانگے تو تم اس کی مدد کرو' قرض کا طالب ہو تو قرض دو' تم سے کوئی کام پڑے تو اسے پورا کرو بیمار ہو تو عیادت کرو' مرجائے تو اس کے جنازے میں شریک ہو' کوئی خوشی ہو تو اسے مبارک باد دو' مصیبت میں گرفتار ہوجائے تو تسلی دو' اپنے گھر کی دیواریں اتنی اونچی نہ کرو کہ اس کے گھر کی ہوا رک جائے ہاں اگر وہ اجازت دے دے تو کوئی حرج نہیں ہے۔ اسے کوئی تکلیف مت پہنچاؤ' اگر تم کوئی پھل فروٹ خریدو تو اسے ہدیہ کرو' اگر تم ہدیہ نہیں کرسکتے تو یہ پھل چھپا کر گھر میں لے جاؤ' اپنے بچے کو وہ پھل لے کر باہر نہ جانے دو' ایسا نہ ہو کہ پڑوسی کا بچہ دیکھے اور اسے رنج ہو' اپنی ہانڈی کی خوشبو سے اسے تکلیف مت پہنچاؤ ہاں اگر ایک چمچہ سالن اسے بھی دے دو تب کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا: تمہیں پڑوسی کا حق معلوم بھی ہے' اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے پڑوسی کا حق وہی شخص ادا کرسکتا ہے جو رحمت خداوندی سے فیضیاب ہو۔

حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں کہ میں حضرت عبداللہ ابن عمر کی خدمت میں حاضر تھا اس وقت ان کا ایک غلام بکری ذبح کرکے اس کا گوشت بنا رہا تھا' ابن عمرؓ نے غلام سے فرمایا کہ جب گوشت بنالو تو ہمارے یہودی پڑوسی کو ضرور دینا' آپ نے کئی مرتبہ یہی فرمایا' اس غلام نے عرض کیا: آپ کتنی مرتبہ یہ بات کہیں گے؟ فرمایا: رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پڑوسیوں کے حقوق پر اس قدر زور دیا کرتے تھے کہ ہمیں یہ اندیشہ ہونے لگا تھا کہ شاید آپ انہیں وراثت میں بھی شامل کرلیں گے (ابوداؤد' ترمذی) ہشام کہتے ہیں کہ حسن بصری کے نزدیک نصاریٰ اور یہود کو قربانی کا گوشت کھلانے میں کوئی مضائقہ نہیں تھا۔ ابوذرؓ فرماتے ہیں کہ مجھے میرے خلیل صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حکم دیا کہ جب تم ہانڈی پکاؤ تو اس میں پانی زیادہ ڈال دو' پھر اپنے پڑوسیوں پر نظر ڈالو (اور ان میں سے جو

لوگ ضرورت مند ہوں) انھیں بھی کچھ سالن بھجوا دو (مسلم) حضرت عائشہؓ روایت کرتی ہیں کہ میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ میرے دو پڑوسی ہیں' ایک کا دروازہ میرے گھر کے قریب ہے اور دوسرے کا گھر ذرا فاصلے پر واقع ہے بعض اوقات میرے پاس کوئی چیز ہوتی ہے لیکن اتنی نہیں ہوتی کہ دونوں کے لیے کافی ہو' آپ کے نزدیک ان دونوں میں سے کون زیادہ حقدار ہے؟ فرمایا: وہ شخص جس کا دروازہ تمہارے گھر کے قریب ہے۔ (بخاری) حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اپنے صاحبزادے عبدالرحمٰن کو دیکھا کہ پڑوسی کے ساتھ سخت کلامی کررہے ہیں' فرمایا: بیٹے! ایسا نہ کرو' یہ تند و تلخ باتیں رہ جائیں گی اور لوگ چلے جائیں گے۔ حسن بن عیسیٰ نیشاپوری کہتے ہیں کہ میں نے عبداللہ بن مبارک سے دریافت کیا کہ میرے ایک پڑوسی نے میرے غلام کی شکایت کی ہے' اور غلام اپنی غلطی سے انکار کررہا ہے' آپ بتلائیں کیا کروں؟ اگر غلام کو سزا دوں تو یہ ایک نامناسب بات ہے کہ اسے ناکردہ گناہ کی سزا دی جائے' اور نہ دوں تو پڑوسی کی ناراضگی کا خطرہ ہے' ابن مبارک نے جواب دیا کہ اگر اس سے پہلے غلام سے کوئی قصور سرزد ہوا ہو تو اس پر تنبیہہ و تادیب کردو' اس طرح غلام بھی بچ جائے گا' اور پڑوسی کو بھی یہ شکایت نہ رہے گی کہ تم نے اس کے مقابلے میں غلام کو ترجیح دی ہے' اس صورت میں پڑوسی اور غلام دونوں کے حقوق کی رعایت ہے۔ حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ دس باتیں کریمانہ اخلاق کے دائرے میں آتی ہیں' یہ ممکن ہے کہ وہ دس باتیں بیٹے میں ہوں' اس کے باپ میں نہ ہوں' یا غلام ان اخلاق حسنہ سے آراستہ ہو' اور آقا محروم ہو' وہ دس باتیں یہ ہیں' راست گفتاری' راست بازی' داد و دہش' جزاء و مکافات' مہمان نوازی' اور حیاء۔ یہ آخری وصف تمام اوصاف کی اصل ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں سے خطاب فرمایا:۔

یانساء المسلمین لا تحقرن جارة لجارتها ولو فرسن شاة (بخاری۔ ابوہریرہؓ)

اے مسلمان عورتو! کوئی پڑوسن اپنی پڑوسن کو (اس کی بھیجی ہوئی چیز کی بنا پر) حقیر نہ جانے اگرچہ وہ بکری (کے کھر ہی) کیوں نہ بھیجے۔

حدیث شریف میں مسلمانوں کی خوش نصیبی کی تین علامتیں بیان کی گئی ہیں۔

ان من سعادة المرء المسلم المسکن الواسع والجار الصالح والمرکب الهنی

(احمد' حاکم۔ نافع ابن عبدالحرث)

مرد مومن کی خوش نصیبی یہ بھی ہے کہ اسے کشادہ مکان' نیک پڑوسی اور سیدھی سواری میسر ہو۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا' یا رسول اللہ! مجھے اپنے فعل کے حسن و قبح کا علم کس طرح ہو سکتا ہے؟ فرمایا:

اذا سمعت جیرانک یقولون قد احسنت فقد احسنت واذا سمعتهم یقولون قد اسات فقد اسات (احمد' طبرانی)

اگر تیرے پڑوسی یہ کہیں کہ تو نے اچھا کیا تو تیرا فعل اچھا ہے اور اگر وہ کہیں کہ تو نے برا کیا تو تیرا فعل برا ہے۔

حضرت جابرؓ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کرتے ہیں:۔

من کان له جار فی حائط او شریک فلا یبعه حتٰی یعرضه علیه (خرائطی) (۱)

جس شخص کی دیوار میں کوئی پڑوسی یا شریک ہو تو اسے وہ (گھر) فروخت نہ کرنا چاہیے جب تک کہ اپنے پڑوسی یا شریک پر پیش نہ کرلے۔

---

(۱) اس مضمون کی ایک روایت ابن ماجہ میں حضرت عبداللہ بن عباس سے منقول ہیں۔

حضرت ابو ہریرہ کی روایت ہے۔

ان الجار یضع جذعہ فی حائط جارہ شاء ام ابی (خرائطی)

پڑوسی اپنے پڑوسی کی دیوار پر کڑیاں رکھ لے خواہ وہ مانے یا نہ مانے۔

بظاہر اس روایت میں پڑوسی کو ایذا پہنچانے کا مفہوم پوشیدہ ہے لیکن فی الحقیقت یہ حدیث پڑوسی کے حقوق کی تاکید پر مبنی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ پڑوسی کو کسی بھی حالت میں اپنی دیوار پر کڑیاں رکھنے سے منع نہیں کرنا چاہیے کیوں کہ ایسا کرنا حق جار کے منافی ہے یہ معنی و مفہوم ابو ہریرہ کی اس روایت سے سمجھ میں آتے ہیں جو ابن ماجہ اور بخاری و مسلم نے روایت کی ہے' روایت کے الفاظ یہ ہیں۔

لا یمنعن احدکم جارہ ان یضع خشبۃ فی جدارہ (بخاری و مسلم)

کوئی شخص اپنے پڑوسی کو اپنی دیوار پر کڑیاں رکھنے سے ہرگز منع نہ کرے۔

حضرت ابو ہریرہ فرمایا کرتے تھے کہ آخر تم لوگ اس حکم کی تعمیل کیوں نہیں کرتے' میں تم سے زبردستی اس پر عمل کراؤں گا' اسی بناء پر بعض علماء اس حکم کو واجب قرار دیتے ہیں' بہرحال پڑوسیوں کے ساتھ حسن سلوک بہترین کسوٹی ہے' وہی لوگ اس کسوٹی پر پورے اترتے ہیں جن کے لیے کاتب تقدیر نے خیر لکھ دی ہو' ارشاد نبوی ہے:۔

من اراد اللّٰہ بہ خیرا عسلہ' قیل ما عسلہ؟ قال یحببہ الی جیرانہ

(احمد۔ ابو عبتہ الخولانی)

اللہ تعالیٰ جس شخص کے لیے خیر کا ارادہ فرماتے ہیں اسے شیریں بنا دیتے ہیں' عرض کیا گیا: یا رسول اللہ! شیریں بنا دینے کا کیا مطلب ہے؟ فرمایا اسے پڑوسیوں میں محبوب کر دیتے ہیں۔

رشتہ داروں کے حقوق

اعزہ و اقرباء کے حقوق کے سلسلے میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:۔

یقول اللّٰہ تعالیٰ: انا الرحمٰن' و ھذہ الرحم شققت لھا اسما من اسمی فمن وصلھا وصلتہ ومن قطعھا بتتہ (بخاری و مسلم۔ عائشۃ)

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں رحمٰن ہوں اور یہ رحم ہے اس کا نام میں نے اپنے نام سے مشتق کیا ہے' جو اسے ملائے گا (صلہ رحمی کرے گا) میں اس کے ساتھ رحمت کا معاملہ کروں گا اور قطع رحمی کرے گا میں اس سے قطع کروں گا۔

من سرہ ان ینسا لہ فی اثرہ و یوسع لہ فی رزقہ فلیتق اللّٰہ و لیصل رحمہ (۱)

جس شخص کو یہ اچھا لگے کہ اس کی عمر بڑھے اور رزق میں وسعت ہو تو اسے خدا تعالیٰ سے ڈرنا چاہیے اور صلہ رحمی کرنی چاہیے۔

سئل رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم ای الناس افضل' فقال: اتقاھم للّٰہ واوصلھم للرحم وامرھم بالمعروف وانھاھم عن المنکر (احمد' طبرانی۔ درۃ بنت ابی لہب)

---

(۱) فلیتق اللّٰہ کے الفاظ احمد اور حاکم میں بروایت علی منقول ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی شخص نے دریافت کیا کون سا آدمی افضل ہے؟ فرمایا اللہ سے زیادہ ڈرنے والا' زیادہ صلہ رحمی کرنے والا' زیادہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنے والا۔

قال ابو ذر! اوصانی خلیلی بصلة الرحم وان ادبرت وان اقول الحق وان کان مرا

(احمد۔ ابن حبان)

ابوذرؓ کہتے ہیں کہ مجھے میرے خلیل نے وصیت فرمائی کہ صلہ رحمی کر اگرچہ تجھ سے اعراض کیا جائے' اور حق بات کہہ اگرچہ تلخ ہی کیوں نہ ہو

ان الرحم معلقة بالعرش' ولیس الواصل بالمکافی ولکن الواصل الذی اذا قطعت رحمه وصلها۔ (مسلم۔ عائشہ' طبرانی' بیہقی۔ عبداللہ بن عمرؓ) (۱)

قرابت عرش کے ساتھ معلّق ہے' صلہ رحمی کرنے والا (حقیقی معنی میں) وہ نہیں ہے جو مکافات کے طور پر ایسا کرے' بلکہ وہ شخص ہے کہ جب اس کی قرابت منقطع ہوجائے تو وہ اسے جوڑدے۔

اعجل الطاعات ثوابا صلة الرحم حتی ان اهل البیت یکرنون فجارا فتنموا اموالهم ویکثر عددهم اذا وصلوا الرحامهم (شعب بیہقی۔ عبدالرحمن بن عوفؓ)

تمام اطاعات (کے مقابلے) میں صلۂ رحمی کا ثواب زیادہ جلد ملتا ہے' یہاں تک کہ گھر والے بدکار ہوتے ہیں لیکن ان کی صلہ رحمی کا یہ اجر ملتا ہے کہ ان کے مال بڑھتے ہیں اور ان کی تعداد زیادہ ہوجاتی ہے۔

زید بن اسلمؓ فرماتے ہیں کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فتح مکہ کے لیے تشریف لے گئے' (اور شہر فتح ہوگیا) تو ایک شخص نے عرض کیا کہ اگر آپ خوب صورت عورتیں اور سرخ اونٹنیاں حاصل کرنا چاہتے ہوں تو بنو مدلج کا قصد فرمائیں' فرمایا:

ان اللّٰہ منع من بنی مدلج بصلتهم الرحم (خرائطی مرسلاً)

اللہ تعالیٰ نے بنو مدلج سے منع فرمایا ہے اس لیے کہ وہ صلہ رحمی کرتے ہیں۔

اسماء بنت ابی بکرؓ روایت کرتی ہیں کہ میرے پاس میری والدہ تشریف لائیں میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا: یا رسول اللہ! میری ماں آئی ہیں' اور وہ ابھی تک مشرک ہیں کیا میں ان سے مل سکتی ہوں؟ آپ نے فرمایا: ہاں۔ (بخاری و مسلم)

الصدقة علی المساکین صدقة وعلی ذی الرحم ثنتان

(ترمذی' نسائی' ابن ماجہ۔ سلمان بن عامرؓ)

مساکین کو کچھ دینا ایک صدقہ ہے' اور رشتہ داروں کو کچھ دینا دو صدقے ہیں (یعنی اس میں دوہرا ثواب ہے)

قرآن پاک کی یہ آیت "لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰی تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ" نازل ہوئی تو حضرت ابو طلحہؓ نے اپنا باغ صدقہ کرنا چاہا' تاکہ آیت کریمہ پر عمل ہوجائے اور وہ حقیقی معنوں میں نیک ہوجائیں' یہ ایک وسیع اور پھل دار باغ تھا' اور اپنی ان خصوصیات کی بناء پر ابو طلحہؓ کو پسند بھی بہت تھا' لیکن باغ کی محبت پر خدا کی محبت غالب آئی اور انہوں نے بارگاہ رسالت میں عرض کیا: یا رسول اللہ! میں یہ باغ راہ خدا میں اور فقراء و مساکین کے لیے صدقہ کرنا چاہتا ہوں؟ فرمایا: تمہیں اس نیت کا ثواب مل گیا' اب اس باغ کو اپنے عزیز و اقارب میں تقسیم کردو (بخاری)

---

(۱) یہ روایت بخاری میں بھی ہے مگر اس میں معلقة بالعرش کے الفاظ نہیں ہیں۔

افضل الصدقة علی ذی الرحم الکاشح (احمد، طبرانی۔ ابو ایوب، بیہقی۔ ام کلثوم)

بہترین صدقہ وہ ہے جو باطن میں عداوت رکھنے والے رشتہ دار پر کیا جائے۔

افضل الفضائل ان تصل من قطعک و تعطی من حرمک و تصفح عمن ظلمک (احمد۔ معاذ بن انسؓ)

افضل ترین عمل یہ ہے کہ اس شخص سے صلہ رحمی کرو جو تم سے قطع رحم کرے، اس شخص کو دو جو تمہیں محروم رکھے، اور اس شخص کو معاف کردو جو تم پر ظلم کرے۔

روایت ہے کہ حضرت عمرؓ نے اپنے حکام، اور عاملین کو لکھا کہ اقارب سے کہہ دو کہ وہ آپس میں ملا کریں، اور ایک دوسرے کے پڑوس میں نہ رہیں، پڑوس میں رہنے سے اس لیے منع فرمایا کہ اس طرح حقوق زیادہ ہوجائیں گے اور ان کی تکمیل دشوار ہوجائے گی، پھر بعض اقارب کے قریب رہنے سے لڑائی جھگڑے کی صورت پیدا ہوجاتی ہے، اور رشتہ داری متاثر ہوتی ہے، اس لئے بہتر یہی ہے کہ رشتہ دار ایک دوسرے کے قریب نہ رہیں۔

ماں باپ اور اولاد کے حقوق

واضح رہے کہ قرابت جس قدر زیادہ ہوگی اسی قدر حقوق بھی زیادہ ہوں گے، تمام قرابتوں میں ولادت کی قربت زیادہ اہم، زیادہ پائدار اور زیادہ مؤکد ہے، اس لیے اس کے حقوق بھی دوسری قرابتوں کے مقابلے میں زیادہ ہیں، اور احادیث میں ان کی بڑی تاکید آئی ہے۔ چنانچہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:۔

لن یجزی ولد والدہ حتیٰ یجدہ مملوکا فیشتریہ فیعتقہ (مسلم۔ ابو ہریرہؓ)

کوئی بیٹا اپنے باپ کا حق ادا نہیں کرسکتا تا آنکہ اسے غلام پائے اور خرید کر آزاد کردے۔

بر الوالدین افضل من الصلوٰۃ والصوم والحج والعمرۃ والجہاد (۱)

والدین کے ساتھ حسن سلوک کرنا نماز، روزے، حج، عمرے اور جہاد سے افضل ہے۔

ایک حدیث میں ہے کہ جس شخص نے ماں باپ کی رضا و خوشنودی کے ساتھ صبح کی یا شام کی تو اس کے لیے جنت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں، اگرچہ ماں باپ ظلم کریں، (یہ جملہ تین بار فرمایا) اگر ماں باپ میں سے ایک ہوا تو ایک ہی دروازہ کھلے گا، اس طرح جس شخص نے ماں باپ کی ناراضگی کے ساتھ صبح و شام کی اس کے لیے دوزخ کے دروازے کھول دیئے جائیں گے، اگرچہ ماں باپ ظالم ہی کیوں نہ ہوں (یہ بات آپ نے تین مرتبہ فرمائی) اگر ماں باپ میں سے ایک ہوا تو دروازہ بھی ایک ہی کھلے گا۔ (۲)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:۔

ان الجنة یوجد ریحہا من مسیرۃ خمسة مائة عام، ولا یجد ریحہا عاق ولا قاطع رحم (۳)

---

(۱) یہ روایت مجھے ان الفاظ میں نہیں ملی، البتہ ابو یعلی، طبرانی صغیر اور طبرانی اوسط میں حضرت انسؓ کی روایت ہے کہ ایک شخص سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا: یا رسول اللہ! میں جہاد کرنا چاہتا ہو لیکن اپنی خواہش کی تکمیل پر قادر نہیں ہوں، فرمایا: کیا تمہارے والدین زندہ ہیں؟ عرض کیا: والدہ زندہ ہیں، فرمایا: ماں کے ساتھ اچھا سلوک کرو، اگر تم نے ایسا کیا تو حاجی بھی ہو معتمر بھی اور مجاہد بھی۔ (۲) یہ روایت بیہقی میں ابن عباسؓ سے مروی ہے لیکن صحیح نہیں ہے۔ (۳) طبرانی صغیر۔ ابو ہریرہؓ) یہ روایت طبرانی اوسط میں بھی ہے۔ جابر راوی ہیں مگر اس میں قاطع رحم کا ذکر نہیں۔

جنت کی خوشبو پانچ سو سال کی مسافت سے محسوس کرلی جاتی ہے' لیکن والدین کی نافرمانی اور قطع رحمی کرنے والے اس خوشبو سے محروم رہتے ہیں۔

قرابت میں درجات کے تفاوت کا اندازہ اس روایت سے ہوتا ہے۔ فرماتے ہیں۔

برامک' واباک' واختک واخاک ثم ادناک فادناک (نسائی۔ طارق المحاربی) (۱)

احسان کر اپنی ماں' باپ' بہن اور بھائی کے ساتھ پھر ان سے نیچے دوسرے رشتہ داروں کے ساتھ۔

روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا کہ اے موسیٰ! جو شخص اپنے والدین کی اطاعت کرتا ہے اور میری نافرمانی کرتا ہے میں اسے مطیع لکھتا ہوں' اور جو شخص والدین کی نافرمانی کرتا ہے اور میری اطاعت کرتا ہے میں اسے نافرمان لکھتا ہوں۔ یہ بھی روایت ہے کہ جب حضرت یعقوب علیہ السلام اپنے صاحبزادے یوسف علیہ السلام کے پاس تشریف لائے تو حضرت یوسف باپ کے احترام میں کھڑے نہ ہوئے' اللہ تعالیٰ نے ان پر وحی بھیجی کہ اے یوسف! کیا تم اپنے باپ کی تعظیم کے لیے کھڑے ہونے کو ناپسند کرتے ہو' اگر ایسا ہے تو اپنی عزت و جلال کی قسم میں تمہاری اولاد میں کوئی نبی پیدا نہیں کروں گا۔ ماں باپ کی طرف سے صدقہ دینے کا بڑا اجر و ثواب ہے۔ ارشاد نبوی ہے:۔

ماعلی احد اذا اراد یتصدق بصدقة ان یجعلها لوالدیه اذا کانا مسلمین فیکون لوالدیه اجرها ویکون له مثل اجور من غیر ان ینقص من اجورهما شئی

(اوسط طبرانی۔ عمرو بن شعیب عن ابیه عن جده)

اس میں کوئی حرج نہیں کہ ایک شخص صدقہ کرنا چاہے تو اپنے والدین کی طرف سے کردے اگر وہ مسلمان ہوں۔ اس صورت میں اس کے والدین کو بھی اجر ملے گا اور اسے بھی ان کے برابر ثواب ملے گا' اس کے بغیر کہ ان کے ثواب میں کچھ کمی ہو'

مالک بن ربیعہ کہتے ہیں کہ ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھے کہ قبیلہ بنوسلمہ کا ایک شخص آیا اور کہنے لگا: یا رسول اللہ! میرے والدین فوت ہوگئے ہیں کیا مرنے کے بعد بھی ان کا کوئی حق مجھ سے متعلق ہے؟ فرمایا: ہاں:۔

الصلاة علیهما' والاستغفار لهما والنفاذ عهدهما' واکرام صدیقهما وصلة الرحم التی لا توصل الا بهما (احمد' ابن ماجه ابن حبان' حاکم)

ان پر نماز پڑھ کر' ان کے لیے دعائے مغفرت کر' ان کے عہد کی تکمیل کر' ان کے دوستوں کا اکرام کر' اور (رشتہ داروں سے) صلہ رحمی کر کہ اس کا سلسلہ ان ہی دونوں کی وجہ سے قائم ہو'

والدین کے دوستوں کے ساتھ حسن سلوک اور بقائے تعلق کو اعلیٰ درجے کی نیکی قرار دیا گیا ہے فرمایا۔

ان من ابر البر ان یصل الرجل اهل ودابیه (مسلم۔ ابن عمرؓ)

اعلیٰ درجے کی نیکی یہ ہے کہ انسان اپنے والد کے دوستوں سے ملے اور حسن سلوک کرے۔

بعض روایات میں ماں کے ساتھ حسن سلوک پر بڑا زور دیا گیا ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ ماں کے ساتھ حسن سلوک کرنے کا اجر باپ کے ساتھ حسن سلوک کرنے کے مقابلے میں دوگنا ہے۔ (۲) ایک مرتبہ آپ نے ارشاد فرمایا کہ ماں کی دعا بہت جلد

---

(۱) اس روایت کا مضمون مختلف الفاظ کے ساتھ احمد' حاکم میں ابو رمثہ سے' ابوداؤد میں کلیب ابن منفعہ سے' ترمذی اور حاکم میں بہز ابن حکیم عن ابیہ عن جدہ سے' بخاری و مسلم میں ابوہریرہ سے منقول ہے۔ (۲) یہ روایت ان الفاظ میں نہیں ملی' البتہ بخاری و مسلم میں ابوہریرہ اور بہز ابن حکیم کی اس روایت سے مذکورہ حدیث کے مضمون کی توثیق ہوتی ہے فرماتے ہیں "من ابر' قال امک ثم امک' ثم امک' ثم اباک' ثم الاقرب فالاقرب"

قبول ہوتی ہے صحابہؓ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! اس کی وجہ کیا ہے؟ فرمایا: اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ باپ کے مقابلے میں زیادہ مہربان ہوتی ہے اور رحم کی دعا اللہ تعالیٰ رد نہیں فرماتے۔(۱) اولاد کے حقوق کے سلسلے میں بھی روایات وارد ہیں۔ چنانچہ ایک شخص نے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا: یا رسول اللہ! میں کس کے ساتھ حسن سلوک کروں' فرمایا: والدین کے ساتھ! عرض کیا میرے والدین نہیں ہیں' فرمایا: تب بچوں کے ساتھ (یاد رکھو) جس طرح تمہارے والدین کے تم پر کچھ حقوق ہیں' اسی طرح تمہاری اولاد کے بھی تم پر کچھ حقوق ہیں۔(۲) سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کے لیے دعائے رحمت فرمائی ہے جس نے نیک بننے پر اولاد کو اپنی مدد اور اعانت سے نوازا' یعنی اس نے ایسا کوئی کام نہیں کیا جسے دیکھ کر اس کی اولاد نافرمان ہو جائے۔ (ابن حبان۔ علی بن ابی طالبؓ' ابن عمرؓ) والدین کو یہ ہدایت فرمائی:۔

ساووا بین اولادکم فی العطیة (ابوداؤد۔ نعمان بن بشیرؓ)

اپنی اولاد کو عطیہ (الٰہی یعنی دین) میں برابری دو۔

کہتے ہیں کہ بچہ سات برس کی عمر تک اپنے باپ کے لیے کھلونا' اور پھولوں کا خوبصورت گلدستہ ہے' جس کی دلنواز خوشبو سے وہ اپنے مشام جاں کو معطر کرتا ہے' اور سات برس کے بعد سے اگلے سات برس تک خادم ہے' پھر دشمن ہے یا شریک ہے' اولاد کی تربیت کے لیے حسب ذیل روایات بہترین رہنما کی حیثیت رکھتی ہیں۔ فرمایا: بچے کا عقیقہ اس کی پیدائش کے ساتویں روز کیا جائے' اس کا نام رکھا جائے' اور اس کے بال اتروائے جائیں' جب وہ چھ برس کا ہو جائے تو اسے ادب سکھلایا جائے جب وہ نو برس کا ہو جائے تو اس کا بستر الگ کر دیا جائے' جب وہ تیرہ برس کا ہو جائے تو اسے نماز نہ پڑھنے پر مارا جائے' جب وہ سولہ برس کا ہو جائے تو اس کا باپ اس کی شادی کر دے' اور اس کا ہاتھ پکڑ کر یہ کہے کہ میں نے تجھے ادب سکھلایا' دین کی باتیں سکھلائیں' تیرا نکاح کیا اب میں دنیا میں تیرے فتنے اور قبر میں تیری بنا پر ہونے والے عذاب سے اللہ کی پناہ چاہتا ہوں۔ (ابن حبان۔ انسؓ) ایک روایت میں ہے:۔

من حق الوالد علی الولد ان یحسن ادبہ و یحسن اسمہ (بیہقی۔ ابن عباسؓ' عائشہؓ)

باپ پر بیٹے کا حق یہ بھی ہے کہ اسے اچھی طرح ادب سکھلائے اور اس کا اچھا نام رکھے۔

عقیقے کی اہمیت کا اندازہ اس ارشاد مبارک سے ہوتا ہے۔

کل غلام رھین بعقیقتہ یذبح عنہ یوم السابع و یحلق راسہ

(اصحاب سنن۔ سمرۃ ابن جنبؓ)

ہر بچہ اس عقیقے کی عوض (خدا کے یہاں) رہن ہے جو اس کی جانب سے پیدائش کے ساتویں روز ذبح کیا جائے اور اس کے بال مونڈے جائیں۔

قتادہ فرماتے ہیں کہ جب تم اپنے بچے کا عقیقہ کرو تو مذبوح جانور کے بال لے کر اس کی شہ رگ کے قریب کرو' جب وہ خون سے تر ہو جائیں تو انہیں بچے کی چندیا پر رکھو' یہاں تک کہ خون کی ایک دھار بالوں سے نیچے کی جانب بہہ پڑے' پھر سر دھو دو اور بال اتروا دو' ایک شخص حضرت عبداللہ ابن مبارک کے پاس آیا' اور اپنے لڑکے کی شکایت کرنے لگا' ابن مبارک نے اس شخص سے پوچھا کیا تم نے کبھی اپنے لڑکے کو بددعا بھی دی ہے' عرض کیا: جی ہاں! فرمایا: تمہاری بددعاؤں ہی نے اسے بگاڑا ہے۔ بچوں کے ساتھ نرمی کا برتاؤ کرنا مستحب ہے' اقرع بن حابس نے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ اپنے نواسے حضرت حسن کو

---

(۱) یہ حدیث ان الفاظ میں مجھے نہیں ملی۔ (۲) ابو عمر النوقانی بروایت عثمان بن عفان مگر اس میں یہ الفاظ نہیں ہیں "فکما ان الوالدی" طبرانی میں بھی یہ روایت ابن عمر سے منقول ہے۔

پیار کررہے ہیں' انہوں نے کہا کہ میرے دس بیٹے ہیں میں نے آج تک بھی کسی کو اس طرح پیار نہیں کیا' جس طرح آپ اس بچے کو کررہے ہیں۔ آپ نے فرمایا:۔

من لا یرحم لا یرحم (بخاری۔ ابوہریرہؓ)

جو رحم نہیں کرتا اس پر رحم نہیں کیا جاتا۔

حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ ایک روز جناب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا: اسامہ کا منہ دھو دو' میں حکم کی تعمیل میں اسامہ کا منہ دھونے لگی' لیکن مجھے اس عمل سے گھن آرہا تھا آپ نے یہ منظر دیکھا تو میرا ہاتھ جھٹک دیا' اور خود اس کا منہ دھونے لگے' منہ دھونے کے بعد اسے پیار کیا' اور فرمایا: اسامہ نے ہم پر احسان کیا ہے کہ لڑکی نہیں ہوا۔(۱) ایک مرتبہ حضرت حسین مسجد کے منبر سے گر پڑے' آپ نے نیچے اتر کر انہیں گود میں لے لیا اور یہ آیت پڑھی:۔

إِنَّمَا أَمْوَالُكُمْ وَأَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ (اصحاب سنن۔ بریدۃ الاسلمیؓ)

تمہارے اموال اور تمہاری اولاد (تمہاری) آزمائش ہیں۔

عبداللہ بن شداد کہتے ہیں کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھا رہے تھے کہ حسن آئے اور آپ کی گردن مبارک پر سوار ہوگئے' آپ اس وقت سجدے میں تھے' اس بنا پر سجدہ کافی طویل ہوگیا' یہاں تک کہ لوگوں کو خیال ہوا شاید کوئی نیا واقعہ پیش آیا ہے (ورنہ آپ معمول کے مطابق سجدوں میں اتنی تاخیر نہیں فرماتے) جب نماز سے فراغت ہوئی تو لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ نے سجدہ بڑا طویل فرمایا ہے؟ فرمایا' بھئی! میرا بیٹا حسن کمر پر سوار ہوگیا تھا مجھے یہ بات اچھی نہیں لگی کہ جب تک اس کی غرض (تکمیل شوق) پوری نہ ہو میں اسے اتاروں (نسائی' حاکم) آپ کے اس عمل سے تین باتیں معلوم ہوئی ایک تو یہ کہ سجدے کی حالت تقریب الی اللہ کی حالت ہے اس میں طوالت کرنے کا مطلب یہ ہے کہ بندہ کو اللہ تعالیٰ کی قربت زیادہ دیر تک میسر رہی' دوسری یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بچوں سے بے حد محبت اور تعلق تھا' تیسری بات یہ کہ آپ نے اس عمل کے ذریعہ اپنی امت کو بچوں پر رحم کرنے کی تعلیم دی۔ ایک حدیث میں اولاد کی بو کو جنت کی خوشبو سے تشبیہ دی گئی ہے (طبرانی۔ ابن عباس)

حضرت معاویہؓ نے عالم وقت احنف بن قیس سے اولاد کے متعلق ان کی رائے جاننی چاہی' فرمایا: امیرالمومنین! ہمارے بچے ہمارے ہائے دل کے پھل ہیں ہماری کمزور و ناتواں زندگی کا سہارا ہیں' ہم ان کے لیے نرم زمین اور سایہ دار آسمان کی طرح ہیں ان ہی کی وجہ سے ہم بڑی بڑی مہمات سر کرلیتے ہیں' اگر وہ کچھ مانگیں تو انھیں دے دیا کرو' ناراض ہوں تو منا لیا کرو' اس طرح تم ان کی چاہت حاصل کرلو گے' تم ان پر سختی مت کرو ورنہ وہ تمہارے وجود سے دل برداشتہ ہوکر تمہاری موت کی تمنا کریں گے' اور تمہاری قربت سے گریز کرنے پر مجبور ہوں گے' معاویہ نے یہ خیالات سن کر فرمایا: خدا کی قسم! میں آپ کے آنے سے پہلے دل ہی دل میں یزید پر پیچ و تاب کھا رہا تھا' جب احنف چلے گئے تو معاویہ نے یزید کے پاس دو لاکھ درہم اور کپڑے کے دو سو تھان بھجوائے' یزید نے والد کے اس عطیے کا نصف اپنے لئے رکھ لیا اور نصف اپنے محسن احنف کے پاس بھیج دیا۔

والدین کے حقوق کے سلسلے میں جو احادیث و آثار پیش کئے گئے ان سے ثابت ہوتا ہے کہ والدین کے حقوق کی بجا آوری ایمان کا جز ہے' اخوت کے سلسلے میں ہم نے جو کچھ بیان کیا ہے اس سے بھی والدین کے حق کی تائید ہوتی ہے' کیوں کہ ماں باپ کا رشتہ اخوت کے رشتے سے بدرجہا مؤکد ہے' اکثر علماء کی رائے یہ ہے کہ والدین کی اطاعت مشتبہات میں واجب ہے یہاں تک کہ اگر ان

---

(۱) یہ روایت ان الفاظ میں مجھے نہیں ملی' البتہ مسند احمد میں ایک روایت ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ ایک روز اسامہ دروازے کی دہلیز سے ٹھوکر کھا کر گر پڑے اور چہرہ خون آلودہ ہوگیا' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اٹھایا اور چہرے سے خون صاف کیا اور فرمایا اگر اسامہ لڑکی ہوتا تو میں اسے زیور پہناتا اور (ریشمی) کپڑے پہناتا۔

کے دستر خوان پر کوئی مشتبہ کھانا موجود ہو' اور وہ تمہیں کھانے میں شریک کرنا چاہیں' نیز یہ اندیشہ ہو کہ اگر تم نے انکار کردیا تو وہ ناراض ہوں گے' ایسی حالت میں ان کے ساتھ کھالینا چاہیے' کیوں کہ شبہ سے بچنا ورع ہے' اور والدین کے حکم کی بجا آوری واجب ہے' ورع کو واجب پر ترجیح نہیں دی جاسکتی' مباحات اور نوافل کے لیے ان کی اجازت کے بغیر سفر کرنا جائز نہیں ہے' فرض حج کے لیے عجلت کرنا بھی تطوع میں داخل ہے' کیوں کہ اسے تاخیر سے ادا کرنے کی اجازت دی گئی ہے' اس لیے اگر والدین رضامند نہ ہوں تو فرض حج بھی موخر کیا جاسکتا ہے طلب علم کے لیے سفر کرنا بھی ضروری نہیں ہے' تاہم اگر نماز روزے اور دیگر فرائض کا علم ہو' اور شہر میں کوئی بتلانے والا موجود نہ ہو تو اس صورت میں والدین کی اجازت و مرضی کے بغیر وطن چھوڑ سکتا ہے' معلوم ہوا کہ فرائض میں والدین کی ناراضگی اور رضامندی کا لحاظ نہ کرنا چاہیے' البتہ نفلی عبادت اور دیگر مستحبات یا مباحات میں ان کی رضا اور عدم رضا کی رعایت ضروری ہے' متعدد روایات سے اس کا ثبوت ملتا ہے' چنانچہ ابو سعید الخدری فرماتے ہیں کہ یمن سے ایک شخص جہاد کا ارادہ لے کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا' آپ نے اس سے دریافت فرمایا' کیا یمن میں تمہارے والدین حیات ہیں؟ اس نے عرض کیا: جی ہاں! فرمایا: کیا انہوں نے تمہیں جہاد کی اجازت دی ہے؟ عرض کیا: نہیں! فرمایا: اپنے والدین کے پاس جاؤ' ان سے اجازت مانگو' اگر وہ اجازت دے دیں تو جہاد میں شریک ہو جانا' ورنہ وہیں رہ کر ان کی خدمت کرنا' توحید کے بعد یہی اطاعت افضل ہے' (احمد' ابن حبان) تقریباً یہی واقعہ جاہمۃ کے ساتھ پیش آیا' روایات میں ہے کہ یہ صحابی کسی غزوہ میں اپنی شرکت کے متعلق مشورہ کرنے کے لیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے' آپ نے ان سے پوچھا کیا تمہاری والدہ بقید حیات ہیں؟ عرض کیا: جی ہاں یا رسول اللہ! فرمایا:

فالزمها فان الجنة تحت قدمها (نسائی' ابن ماجہ' حاکم۔ معاویہ بن جاہمہؓ)

ماں کے ساتھ رہو' اس لیے کہ جنت اس کے قدموں کے نیچے ہے۔

ایک شخص نے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہجرت پر بیعت کی درخواست کی' اور عرض کیا کہ میں جب آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تو میرے والدین میری جدائی پر ملول تھے اور رو رہے تھے آپ نے اس شخص سے فرمایا:

ارجع اليهما فاضحكهما كما ابكيتهما (ابوداؤد' نسائی' ابن ماجہ' حاکم۔ عبداللہ بن عمرؓ)

ان کے پاس واپس جاؤ اور انہیں ہنساؤ جس طرح تم نے انہیں رلایا ہے۔

مملوک کے حقوق

ملک کی دو قسمیں ہیں ملک نکاح اور ملک یمین (ملک رقبہ) ملک نکاح کے حقوق و آداب کی تفصیل کتاب النکاح میں گذر چکی ہے' ملک یمین (یعنی مملوکہ غلاموں اور باندیوں) کے حقوق و آداب یہاں بیان کئے جارہے ہیں' شریعت نے غلاموں اور باندیوں کے حقوق کی رعایت پر بڑا زور دیا ہے' حتیٰ کہ وہ آخری وصایا بھی ان حقوق کے ذکر سے خالی نہیں جن سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مرض الوفات کے دوران امت مسلمہ کو نوازا۔ ارشاد فرماتے ہیں:

اتقوا الله فيما ملكت ايمانكم اطعموهم مما تاكلون واكسوهم مما تلبسون ولا تكلفوهم من العمل مالا يطيقون فما احببتم فامسكوا وما كرهتم فبيعوا ولا تعذبوا خلق الله فان الله ملككم اياهم ولو شاء لملكهم اياكم (۱)

---

(۱) یہ عبارت مختلف روایات کا مجموعہ ہے' اس کا پہلا ٹکڑا (ایمانکم تک) ابوداؤد میں علیؓ سے دوسرا ٹکڑا (مالا یطیقون تک) بخاری و مسلم میں ابوذرؓ سے اور تیسرا ٹکڑا الفاظ کی تقدیم و تاخیر کے ساتھ ابوداؤد میں منقول ہے۔

غلاموں اور باندیوں کے سلسلے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرو' انہیں وہ کھانا کھلاؤ جو تم کھاتے ہو وہ لباس پہناؤ جو تم پہنتے ہو' انہیں کسی ایسے کام کا مکلف نہ بناؤ جس کی وہ طاقت نہ رکھتے ہوں' جو تمہیں پسند ہوں انھیں رہنے دو' اور جو ناپسند ہوں انہیں فروخت کردو' اللہ کی مخلوق کو ایذا مت پہنچاؤ کہ اللہ نے تمہیں ان کا مالک بنا دیا ہے اگر وہ چاہتا تو انہیں تمہارا مالک بنا دیتا۔

غلاموں کے ساتھ حسن سلوک سے متعلق کچھ روایات یہ ہیں' فرمایا:۔

للمملوک طعامہ وکسوتہ بالمعروف ولا یکلف من العمل مالا یطیق

(مسلم۔ ابو ہریرہؓ)

مملوک کو اچھا کھانا اور اچھا لباس دینا چاہیے اور اس سے کوئی ایسا کام نہ لینا چاہیے جو اس کی طاقت سے باہر ہو۔

- لا یدخل الجنۃ خب ولا تکبر ولا خائن ولا سئی الملکۃ (۱)

فریب کار' مغرور' خائن اور غلاموں کے ساتھ ناروا سلوک کرنے والا جنت میں داخل نہیں ہوگا۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کہتے ہیں کہ ایک شخص نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا یا رسول اللہ! ہم خدام کے قصور کتنی مرتبہ معاف کردیا کریں' آپ نے کچھ دیر سکوت کے بعد ارشاد فرمایا: دن میں ستّر بار (ابوداؤد' ترمذی) حضرت عمر بن الخطاب کا معمول یہ تھا کہ وہ ہفتہ میں ایک بار شنبہ کے دن عوالی تشریف لے جایا کرتے تھے' اگر وہاں کسی غلام کو ایسے کام میں مصروف دیکھتے جو اس کی طاقت سے باہر ہوتا تو اسے دوسرا کام سپرد کردیتے حضرت ابو ہریرہؓ نے دیکھا کہ ایک شخص اونٹ پر سوار ہے' اور اس کا غلام پیادہ پا سواری کے پیچھے دوڑ لگا رہا ہے' فرمایا: اے اللہ کے بندے! اسے بھی اپنے ساتھ بٹھالے' آخر کو یہ تیرا بھائی ہے' اس کے جسم میں بھی وہی روح حلول کئے ہوئے ہے جو تیرے جسم میں ہے' اس شخص نے غلام کو اپنے پیچھے بٹھالیا' اس کے بعد آپ نے فرمایا: جس شخص کے پیچھے لوگ پیدل بھاگ رہے ہوں سمجھ لو وہ شخص اللہ عزوجل سے دور ہوتا چلا جارہا ہے ابوالدرداء کی ایک باندی نے ان سے کہا کہ میں ایک سال سے مسلسل آپ کو زہر دے رہی ہوں لیکن آپ پر کوئی اثر ہی نہیں ہوتا' فرمایا: تم زہر کیوں دے رہی ہو؟ اس نے کہا: اس مقصد سے کہ آپ مرجائیں' اور مجھے آزادی کی راحت نصیب ہو' یہ سن کر آپ نے خفگی کا اظہار نہیں کیا' نہ اسے سزا دی' بلکہ آزادی کا پروانہ عطا کردیا۔ زہری کہتے ہیں کہ جب تم اپنے غلام کو اخزاک اللہ (اللہ تجھے رسوا کرے) کہہ دو تو وہ آزاد ہے' مطلب یہ ہے کہ اب تم اس قابل نہیں رہے کہ اسے اپنی ملکیت میں رکھ سکو' بلکہ بہتر یہ ہے کہ اسے آزاد کرو' احنف بن قیس سے کسی شخص نے پوچھا کہ تم نے حلم اور بردباری کا سبق کس سے حاصل کیا' جواب دیا: قیس بن عاصم سے سائل نے ان کے حلم کا واقعہ دریافت کیا' فرمایا: باندی سیخ کباب لے کر آئی سیخ گرم تھی' اتفاقاً۔ باندی کا ہاتھ بہک گیا اور شعلہ ریز سیخ ان کے بیٹے کے اوپر گر پڑی' یہ حادثہ لڑکے کے لیے جان لیوا ثابت ہوا' اور وہ زخمی ہو کر موت کی آغوش میں پہنچ گیا' باندی خوف سے لرز اٹھی' ابن عاصم نے سزا دینے کے بجائے اسے اللہ کی راہ میں آزاد کردیا' اس خیال سے کہ وہ خوف زدہ ہے اور جب تک اسے آزادی نہیں ملے گی اس کا خوف زائل نہیں ہوگا۔ عون بن عبداللہ کا غلام اگر کوئی غلطی کرتا تو آپ اس سے فرماتے کہ تو اپنے آقا کی طرح ہے' تیرا آقا اپنے آقا کی نافرمانی کرتا ہے' اور تو اپنے آقا کی کرتا ہے۔ ایک روز غلام نے کوئی ایسی حرکت کی جس سے ان کی ناراضگی کا شدید اندیشہ تھا' فرمایا کیا تو یہ چاہتا ہے کہ میں تجھے ماروں' خدا کی قسم یہ ہرگز نہیں ہوسکتا جا تو آزاد ہے۔ میمون بن مہران کے یہاں ایک مہمان آیا' انہوں نے اپنی باندی سے کہا کہ رات کا کھانا ذرا جلدی لانا' باندی کھانا

---

(۱) یہ روایت احمد میں اسی ترتیب کے ساتھ' ترمذی میں تقدیم تاخیر کے ساتھ' اور ابن ماجہ میں صرف سئی الملکۃ کے ذکر پر مبنی ابوبکرؓ سے منقول ہے۔

لے کر آئی، عجلت تو تھی ہی، سالن کا بھرا پیالا ہاتھ سے چھوٹ گیا اور آقا ابن مہران کے سر پر گر پڑا، ابن مہران نے غصے سے کہا: اے جاریہ: تو نے مجھے جلا ڈالا، کہنے لگی: آقا! ذرا قرآن اٹھا کر دیکھئے اللہ تعالیٰ کیا فرماتے ہیں، کیا قرآن میں یہ نہیں ہے وَالْكَاظِمِيْنَ الْغَيْظَ (اور غصہ کو پی جانے والے) کہنے لگے یقیناً ہے، اور میں نے غصہ پی لیا ہے، باندی نے کہا: اور یہ بھی قرآن کریم ہی میں ہے وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ (اور لوگوں کو معاف کرنے والے) فرمایا: میں نے تجھے معاف کیا، باندی نے کہا: اس کے علاوہ بھی کچھ حسن سلوک کیجئے، ارشاد باری ہے وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ (اور اللہ احسان کرنے والوں کو محبوب رکھتا ہے) فرمایا: جا، میں نے تجھے اللہ کی راہ میں اس کی رضا کی خاطر آزاد کیا، ابن المنکدر کہتے ہیں کہ ایک صحابی اپنے غلام کو مار رہے تھے اور وہ غلام اللہ کا واسطہ دے کر انہیں مارنے سے باز رکھنے کی کوشش کر رہا تھا، اور ان سے معافی کی درخواست کر رہا تھا۔ اتفاقاً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ادھر سے گزرے، آپ نے غلام کی چیخیں سنیں، اور صحابی مذکور کے پاس تشریف لے گئے، صحابی نے آپ کو آتے ہوئے دیکھا تو اپنا ہاتھ روک لیا، آپ نے فرمایا: کیا بات ہے؟ یہ غلام اللہ کا واسطہ دے رہا تھا لیکن تم نے اسے معاف نہیں کیا، اور اب مجھے دیکھ کر ہاتھ روک لیا، صحابی نے عرض کیا: یا رسول اللہ میں اسے اللہ کے لیے آزاد کرتا ہوں۔ آپ نے فرمایا: اگر تم ایسا نہ کرتے تو دوزخ کی آگ تمہارا چہرہ جھلس دیتی (ابن مبارک فی الزہد مرسلاً) سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان غلاموں کی تحسین کی ہے جو اللہ کی عبادت کرتے ہیں اور پوری دیانت اور امانت کے ساتھ آقا کی خدمت کرتے ہیں، ارشاد ہے:۔

اذا نصح العبد لسیدہ واحسن عبادۃ اللّٰہ فلہ اجرہ مرتین (بخاری و مسلم۔ ابن عمرؓ)

جب غلام اپنے آقا کی خیر خواہی کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی عبادت اچھی طرح کرتا ہے تو اسے دوہرا ثواب ملتا ہے۔

چنانچہ جب ابو رافع آزاد کئے گئے تو بہت روئے، اور فرمایا کہ غلام تھا تو مجھے دوہرا ثواب ملا کرتا تھا، اب میں ایک ثواب سے محروم ہو گیا ہوں۔ ایک حدیث میں ہے۔

عرض علی اول ثلاثة یدخلون الجنة و اول ثلاثة یدخلون النار، فاول ثلاثة یدخلون الجنة فالشہید وعبد مملوک احسن عبادة ربہ ونصح لسیدہ وعفیف متعفف ذو عیال، واول ثلاثة یدخلون النار امیر مسلط، و ذو ثروة لا یعطی حق اللّٰہ، و فقیر فخور (ترمذی، ابن حبان۔ ابو ہریرہؓ)

میرے سامنے تین ایسے شخص پیش کئے گئے جو سب سے پہلے جنت میں جائیں گے، اور تین ایسے شخص پیش کئے گئے جو سب سے پہلے دوزخ میں جائیں گے، جو تین آدمی پہلے جنت میں جائیں گے ان میں ایک شہید ہے، دوسرا وہ غلام ہے جس نے اللہ کی اچھی طرح عبادت کی، اور اپنے آقا کی خیر خواہی کی، تیسرا وہ پارسا عیالدار جو دست سوال دراز نہ کرے، اور وہ تین جو پہلے دوزخ میں جائیں گے ان میں ایک امیر ظالم ہے دوسرا وہ مالدار ہے جو اللہ کا حق ادا نہیں کرتا، اور تیسرا شیخی خور فقیر ہے۔

ابو مسعود الانصاری کہتے ہیں کہ ایک دن جب کہ میں اپنے غلام کو مار رہا تھا، میں نے اپنی پشت کی جانب سے دو مرتبہ یہ آواز سنی، خبردار! ابو مسعود، خبردار میں نے پیچھے مڑ کر دیکھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مجھ سے مخاطب ہیں، میں نے کوڑا زمین پر ڈال دیا، آپ نے فرمایا: بخدا جتنی قدرت تجھے اس غلام پر حاصل ہے، اس سے زیادہ اللہ تجھ پر قادر ہے (مسلم) غلاموں کو اپنی ذات اور اپنے گھر سے مانوس بنانے کے لیے یہ طریقے ارشاد فرمائے۔

اذا اتباع احدکم الخادم فلیکن اول شی یطعمہ الحلو، فانہ اطیب لنفسہ (طبرانی اوسط، خرائطی۔ معاذ بن جبلؓ)

جب تم غلام خریدو تو سب سے پہلے اسے میٹھی چیز کھلاؤ' اس لیے کہ میٹھی چیز اس کے دل کے لیے زیادہ بہتر ہے۔

اذا اتی احدکم خادمہ بطعامہ فلیجلسہ ولیاکل معہ فان لم یفعل فلینا ولہ لقمۃ (بخاری و مسلم۔ ابو ہریرہؓ)

جب تمہارا غلام کھانا لے کر آئے تو اسے بٹھاؤ اور اسے اپنے ساتھ کھلاؤ' اگر ایسا نہ کرو تو اسے ایک لقمہ ہی دے دو۔

ایک روایت میں یہ ہے کہ جب تمہارا غلام تمہیں پکانے کی مشقت سے بچاتا ہے' تمہارے سامنے کھانا لاکر رکھتا ہے تو اب تمہارا فرض یہ ہے کہ اسے اپنے ساتھ کھلاؤ' اگر ایسا نہ کر سکو تو الگ دے دو' اتنا بھی نہ کر سکو تو ایک لقمہ روغن میں تر کر کے ہی دے دو' اور اس سے کہو کہ کھالے جب آپ نے لقمہ تر کرنے کی بات کہی تو ہاتھ کے ذریعہ اشارہ بھی فرمایا کہ اس طرح بھگو کر دو۔ (خرائطی۔ ابو ہریرہؓ) ایک شخص حضرت سلمان الفارسی کی خدمت میں گیا آپ اس وقت آٹا گوندھ رہے تھے' آنے والے نے حیرت کا اظہار کیا' فرمایا: ہم نے غلام کو ایک ضرورت سے باہر بھیجا ہے' ہم نہیں چاہتے کہ ایک وقت میں اس سے دو کام کرائیں' اس لیے آٹا ہم گوندھ رہے ہیں۔ باندی' غلام کے ساتھ حسن سلوک کا بڑا اجر و ثواب ہے' ایک حدیث میں ہے:۔

من کانت عندہ جاریۃ فعالہا و احسن الیہا ثم اعتقہا و تزوجہا فذلک لہ اجران (بخاری و مسلم۔ ابو موسیٰؓ)

جس شخص کے پاس باندی ہے اور وہ اس کی پرورش کرے' اس کے ساتھ اچھا برتاؤ کرے' پھر اسے آزاد کر کے اس کی شادی کر دے تو اس شخص کے لیے دو ثواب ہیں۔

بہرحال غلاموں اور باندیوں کے حقوق کا خلاصہ یہ ہے کہ انہیں اپنے جیسا کھانا کھلائے' اپنے جیسا لباس پہنائے' ان کی ہمت و وسعت سے زیادہ کام نہ لے' انہیں تکبر اور حقارت کی نظر سے نہ دیکھے' ان کی لغزشوں سے صرف نظر کرے' اگر ان سے کوئی غلطی سرزد ہو جائے' اور طبیعت میں تکدر ہو' یا سزا دینے کا خیال آئے تو یہ ضرور سوچ لے کہ میں باری تعالیٰ کا غلام ہوں اور رات دن گناہ کرتا رہتا ہوں' لیکن وہ مجھے سزا نہیں دیتا' حالاں کہ اللہ تعالیٰ مجھ پر زیادہ قادر ہے' فضالہ ابن عبیدؓ کہتے ہیں کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تین آدمیوں کی پرسش احوال نہ ہوگی' ایک وہ شخص جو جماعت سے الگ ہو گیا' دوسرا وہ شخص جس نے اپنے امام کی نافرمانی کی' اور اسی حالت میں چل بسا' تیسری وہ عورت جس کا شوہر مرا اور اسے دنیا کی ضروریات سے فارغ کر گیا' لیکن وہ بن سنور کر باہر نکلی۔ ان کے علاوہ بھی تین آدمی ہیں جنہیں کوئی نہ پوچھے گا۔ ایک وہ شخص جو اللہ تعالیٰ سے اس کی چادر میں منازعت کرے' اس کی چادر کبریائی ہے' عزت و جلال ہے' دوسرا وہ شخص جسے اللہ کی قدرت میں شک ہے' اور تیسرا وہ شخص جو اس کی رحمت سے مایوس ہے۔

کتاب آداب العزلۃ
عزلت اور گوشہ نشینی کے آداب

گوشہ نشینی اور اختلاط کی ترجیح اور عدم ترجیح سے متعلق لوگوں کا بہت کچھ اختلاف ہے حقیقت یہ ہے کہ عزلت اور مخالطت دونوں میں خرابیاں بھی ہیں اور اچھائیاں بھی! خرابیوں سے نفرت کو' اور اچھائیوں سے رغبت کو تحریک ملتی ہے' تاہم اکثر عابدین اور زاہدین نے گوشہ نشینی کو اختلاط پر ترجیح دی ہے۔ اس سلسلے میں ان کے بہت سے اقوال اور واقعات موجود ہیں۔ ان میں سے کچھ نمونہ از خروارے کے طور پر ہم آنے والے صفحات میں نقل کریں گے۔ اس سے پہلے کتاب الاخوۃ المحبۃ میں ہم نے اختلاط'

اخوت اور محبت کے فضائل ذکر کئے' بظاہر ان اقوال میں تعارض معلوم ہوتا ہے' اس لئے ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ عزلت کی کوئی ایسی تشریح کریں جس سے یہ تعارض باقی نہ رہے۔ اور امر حق واضح ہو جائے اس تشریح کے لیے دو باب قائم کئے جارہے ہیں پہلے باب میں لوگوں کے مذاہب اور دلائل کا تذکرہ ہو گا اور دوسرے باب میں امر حق واضح کرنے کی کوشش کی جائے گی۔

پہلا باب

فریقین کے مذاہب و اقوال اور دلائل

عزلت و اختلاط کے باب میں اختلاف تابعین کے دور میں سامنے آیا' جن لوگوں نے گوشہ نشینی کو ترجیح دی ہے ان میں سفیان ثوری' ابراہیم بن ادہم' داؤد طائی' فضیل بن عیاض' سلمان خواص' یوسف بن اسباط' حذیفۃ المرعشی' بشرحافی وغیرہ اکابر شامل ہیں' اکثر تابعین نے اختلاط کو ترجیح دی ہے۔ ان کے خیال میں لوگوں سے تعلقات بڑھانا' دوستی کرنا' مسلمانوں کے ساتھ محبت و الفت سے پیش آنا' دینی امور پر ان کی مدد حاصل کرنا مستحب ہے' کیوں کہ امر خداوندی "تَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوىٰ"[1] کے بموجب جب نیکی اور تقویٰ پر ایک دوسرے سے تعاون اختلاط اور معرفت کے بغیر ممکن نہیں ہے' یہ حضرات سعید بن المسیبؒ' شعبی' ابن ابی لیلیٰ' ہشام بن عروہ' ابن شبرمہ' شریح' شریک بن عبداللہ' ابن عیینہ' ابن مبارک' شافعی' احمد بن حنبل وغیرہ اکابر رحمہم اللہ کی رائے ہے۔ اس سلسلے میں علماء کے اقوال دو طرح کے ہیں' بعض اقوال مطلق ہیں یعنی ان میں عزلت و اختلاط کی مطلق فضیلت بیان کی گئی ہے' اس فضیلت و اختیار کی کوئی دلیل نہیں دی گئی ہے' اور بعض اقوال میں ترجیح کی علت بھی ذکر کی گئی ہے' یہاں مطلق فضیلت کے اقوال لکھے جارہے ہیں' علل اور وجاہات پر مشتمل اقوال فوائد و نقصانات کے ضمن میں بیان کئے جائیں گے۔ حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ تم سب عزلت سے اپنا اپنا حصہ لے لو۔ ابن سیرین کہتے ہیں کہ گوشہ نشینی عبادت ہے فضیل بن عیاض فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ محب ہونے کے لیے' قرآن مونس بننے کے لیے' اور موت واعظ کے طور پر کافی ہے' اللہ تعالیٰ کو دوست بنا' اور لوگوں سے گریز کر' ایک بزرگ ابو الربیعؒ نے داؤد طائی سے عرض کیا کہ مجھے کوئی نصیحت کردیجئے' فرمایا: دنیا سے روزہ رکھ لو' اور آخرت کو اپنا افطار بنالو' اور لوگوں سے اس طرح دور بھاگو جس طرح تم شیر سے بھاگتے ہو۔ حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ مجھے توراۃ کے چند جملے یاد ہیں۔ مثلاً آدمی نے قناعت اختیار کی اور بے نیاز ہوا' لوگوں سے دور ہوا سلامتی حاصل کی' شہوات ترک کیں آزادی پائی' جذبہ حسد کو خیرباد کہا شرافت کا مظہر بنا' تھوڑی دیر صبر کیا تادیر نفع پایا: وہب ابن الورد کہتے ہیں کہ ہمیں معلوم ہوا کہ حکمت کے دس اجزاء ہیں ان میں سے نو جز خاموشی میں ہیں' اور ایک جزء عزلت میں ہے۔ علی بن بکار گوشہ نشین ہو کر رہ گئے تھے' اس صورت حال کو دیکھ کر یوسف ابن مسلم نے ان سے کہا کہ آپ تنہائی کے صبر آزما لمحات پر کس طرح صبر کرلیتے ہیں؟ فرمایا: میں نے نوجوانی کے دور میں اس سے بھی بڑی آزمائش پر صبر کیا ہے' میں لوگوں کے ساتھ بیٹھا کرتا تھا لیکن ان سے بات نہیں کرتا تھا۔ سفیان ثوریؒ فرماتے ہیں کہ یہ سکوت اور گوشہ نشینی کا دور ہے۔ ایک بزرگ کہتے ہیں کہ ہم کشتی پر سوار تھے اس سفر میں ایک علوی نوجوان بھی ہمارے ساتھ تھا لیکن وہ مہربہ لب خاموش محو سفر تھا' سات دن کے بعد ہم نے اس نوجوان سے کہا کہ کتنی حیرت کی بات ہے کہ تم نہ ہم سے بات کرتے ہو' اور نہ ہمارے پاس اٹھتے بیٹھتے ہو حالانکہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں تقریباً سات روز سے اس کشتی پر یکجا کر رکھا ہے' جواب میں اس نے یہ دو شعر پڑھے۔

قلیل الھم لا ولد یموت ولا امر یحاذرہ یفوت
قضی وطر ابصبا وافار علما فغایتہ التفرد والسکوت

(تفکرات کم ہیں' نہ بچہ ہے کہ اس کی موت کا غم ہو' اور نہ ایسی کوئی چیز ہے جس کے فوت ہونے کا اندیشہ ہو' بچپن کا شوق پورا کیا' اور یہ علم حاصل کیا' اس کی انتہا تنہائی اور سکوت ہے)

ابراہیم نخعیؒ فرماتے ہیں کہ علم حاصل کرو اور گوشہ نشین ہو جاؤ' اس طرح کا ایک قول ربیع بن خیثم کے بارے میں منقول ہے' کہا جاتا ہے کہ مالک ابن انسؒ اول اول جنازوں میں بھی شرکت کیا کرتے تھے' مریضوں کی عیادت بھی ان کا معمول تھا' اور دوستوں کے حقوق بھی (بات چیت اور ہم نشینی وغیرہ کے ذریعہ) پورے کیا کرتے تھے' لیکن پھر ایسا ہوا کہ انہوں نے یہ سب معمولات یکے بعد دیگرے ترک کردیئے اور گوشہ نشین ہو کر بیٹھ گئے' کوئی شخص استفسار کرتا تو فرماتے: یہ بات آسان نہیں ہے کہ آدمی اپنے تمام اعزار بیان کردیا کرے۔ کچھ لوگوں نے حضرت عمر بن عبدالعزیز سے درخواست کی کہ ہمارے لئے بھی فرصت کا کوئی وقت مخصوص فرمادیں' ارشاد فرمایا: فرصت اب کہاں! فرصت تو اللہ ہی کے یہاں ملے گی فضیل بن عیاض کہتے ہیں کہ میں ان لوگوں کا ممنون ہوں جو راہ میں ملیں تو مجھے سلام نہ کریں' اور میں بیمار پڑوں تو میری عیادت نہ کریں۔ ابو سلیمان دارانی کہتے ہیں کہ ربیع بن خیثم اپنے گھر کی دہلیز پر بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک پتھر آکر پیشانی پر لگا' پیشانی زخمی ہوگئی' آپ یہ کہتے ہوئے اندر چلے گئے کہ "اب اے ربیع تو عبرت پکڑ" روایت ہے کہ اس واقعے کے بعد آپ آخر عمر تک گھر کی دہلیز پر نہیں بیٹھے۔ حضرت سعد بن ابی وقاص اور سعید ابن زید وادی عقیق میں واقع اپنے اپنے گھروں میں محبوس ہو کر رہ گئے تھے' یہاں تک کہ جمعہ وغیرہ کے لیے بھی مدینے میں تشریف نہ لاتے' ان دونوں حضرات نے عقیق ہی میں وفات پائی۔ یوسف بن اسباط سفیان ثوری کا یہ قول نقل کرتے ہیں کہ اس ذات کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں اب عزلت ضروری ہوگئی ہے' بشر بن عبداللہ فرماتے ہیں کہ لوگوں سے شناسائی کم رکھو' تمہیں کیا معلوم قیامت کے روز تمہارا کیا حشر ہوگا' خدانخواستہ رسوائی ہوئی تو بہتر یہی ہے کہ تمہارے واقف کار کم ہوں۔ ایک شخص جو اتفاق سے امیر بھی تھا' حاتم اصم کے پاس گیا اور عرض کیا کہ اگر کوئی خدمت میرے لائق ہو تو بلا تکلف ارشاد فرمائیں' فرمایا: میرا بڑا مقصد تو یہی ہے کہ نہ تم مجھے دیکھو اور نہ میں تمہیں دیکھوں۔ ایک شخص نے سہل تستری کے ساتھ رہنے کی خواہش ظاہر کی' فرمایا: اگر ہم میں سے ایک مرگیا تو اس کے ساتھ کون رہے گا؟ اس نے عرض کیا اللہ! فرمایا: جو اس وقت ساتھ ہوگا وہی اب بھی ہونا چاہیے۔ فضیل ابن عیاض سے کسی شخص نے ان کے صاحبزادے علی ابن فضیلؒ کا قول نقل کیا کہ "کاش! میں ایسی جگہ رہوں کہ لوگ مجھے دیکھیں میں لوگوں کو نہ دیکھوں" فضیل یہ سن کر رونے لگے' اور فرمایا: علی نے بات عمدہ کہی ہے' مگر ادھوری کہی ہے' اسے یہ کہنا چاہیے تھا کہ نہ میں لوگوں کو دیکھوں' اور نہ لوگ مجھے دیکھیں۔ فضیل یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ آدمی کی کم عقلی کی ایک علامت یہ بھی ہے کہ اس کے جاننے والے بہت ہوں۔ بہترین مجلس وہ ہے جو گھر کے اندر ہو کہ نہ تم کسی کو دیکھو اور نہ کوئی تمہیں دیکھے۔

اختلاط کی فضیلت کے دلائل اور وجوہ صفت

اب ہم اختلاط کے قائلین کے دلائل بیان کریں گے اور ان کے کمزور پہلوؤں کی نشان دہی کریں گے۔ ان حضرات کا پہلا استدلال اس آیت کریمہ سے ہے۔

وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ تَفَرَّقُوا وَاخْتَلَفُوا (پ ۴' ر ۲ آیت ۱۰۵)

اور تم ان لوگوں کی طرح مت ہو جنہوں نے باہم تفرق کرلی اور باہم اختلاف کرلیا۔

یہ آیت بھی ان حضرات کا بہترین متدل خیال کی جاتی ہے۔

وَاذْكُرُوا نِعْمَتَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ كُنتُمْ أَعْدَاءً فَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ (پ ۴' ر ۲ آیت ۱۰۳)

اور تم پر جو اللہ تعالیٰ کا انعام ہے اس کو یاد کرو جب کہ تم دشمن تھے پس اللہ نے تمہارے قلوب میں الفت ڈال دی۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے اس احسان عظیم کا ذکر فرمایا کہ ہم نے مسلمانوں میں باہم الفت پیدا کردی' اور عداوت ختم کردی' یہ دونوں ضعیف دلیلیں ہیں' اس لیے کہ یہاں آیت میں تفرق و اختلاف سے مراد قرآن کریم اور شریعت کے اصولوں میں

آراء کا اختلاف ہے اور تالیف قلب کا مطلب یہ ہے کہ دلوں سے ان آلائشوں کو نکال دیا جو فتنہ کا باعث ہوں' اور وجہ خصومت ہوں' عزلت تالیف قلب کے منافی نہیں ہے۔ تیسری دلیل یہ روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

المومن الف مالوف' ولا خیر فیمن لا یالف ولا یولف (۱)

مومن الفت کرنے والا ہے' اور اس سے الفت کی جاتی ہے' اس شخص میں کوئی خیر نہیں جو نہ الفت کرے اور نہ اس سے الفت کی جائے۔

یہ دلیل بھی ضعیف ہے اس میں بدخلقی کی برائی کی طرف اشارہ ہے' آدمی بد اخلاق ہو تو لوگوں کی الفت سے محروم رہتا ہے' اس حدیث کا مصداق وہ شخص نہیں ہے جو خوش اخلاق ہو اور اختلاط کرے تو دوستوں کی محبت حاصل کرنے میں ناکام ہو' لیکن اپنے نفس کی سلامتی اور اصلاح حال کی خاطر وہ اختلاط ترک کرتا ہے۔ چوتھی دلیل کے طور پر یہ دو حدیثیں پیش کی گئی ہیں:۔

من ترک الجماعۃ فمات میتۃ جاھلیۃ (مسلم۔ ابو ہریرہؓ)

جس شخص نے جماعت سے علیحدگی اختیار کی وہ جاہلیت کی موت مرا۔

من شق عصا المسلمین والمسلمون فی سلام دمج فقد خلع ربقۃ الاسلام

(طبرانی' خطابی۔ ابن عباسؓ)

جس شخص نے اس حال میں مسلمانوں کی مخالفت کی کہ وہ اسلام پر مجتمع ہیں تو (گویا) اس نے اپنی گردن سے اسلام کا طوق نکال دیا۔

یہ استدلال بھی ضعیف ہے' اس لیے کہ حدیث میں مسلمین سے وہ جماعت مراد ہے جس نے کسی ایک امام پر عقد بیعت کے ذریعہ اتفاق کرلیا ہو' اس جماعت سے نکلنا یقیناً بغاوت ہے' یہاں "شق عصا" یعنی مخالفت کے معنی یہ ہیں کہ کوئی امام کی رائے کے خلاف کرے' اور یہ ممنوع ہے کیوں کہ مخلوق کے لیے ایک امام ضرور ہونا چاہیے جس کی لوگ اطاعت کریں' اور جس پر سب اتفاق کرلیں' اور یہ صورت اکثر کی بیعت کے بغیر نہیں ہوسکتی' اس لیے امام کے معاملے میں مخالفت کرنا فتنے کا باعث ہے' اس میں عزلت کا ذکر نہیں ہے' کیوں کہ عزلت بیعت کے منافی نہیں ہے' ایک شخص گوشہ نشین رہ کر بھی عقد بیعت کرسکتا ہے' اور امام کے احکام کی تعمیل بھی کرسکتا ہے' پانچویں دلیل کے طور پر وہ روایات پیش کی گئی ہیں جن مین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مخصوص مدت سے زیادہ ترک تعلق کرنے پر وعید فرمائی ہے۔ مثلاً

من ھجر اخاہ فوق ثلاث فمات دخل النار (ابوداؤد۔ ابو ہریرہؓ)

جو شخص اپنے بھائی کو تین دن سے زیادہ چھوڑدے اور مرجائے وہ دوزخ میں جائے گا۔

لا یحل لامرئ ان یھجر اخاہ فوق ثلاث والسابق بالصلح یدخل الجنۃ (۲)

کسی شخص کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ اپنے بھائی کو تین دن سے زیادہ چھوڑے' اور صلح کی طرف سبقت کرنے والا جنت میں داخل ہوگا۔

من ھجر اخاہ سنۃ فھو کسفک دمہ (ابوداؤد۔ ابو خراش اسلمیؓ)

جو شخص اپنے بھائی کو سال بھر تک چھوڑے (اس کا یہ عمل) گویا اس کا خون بہانے کے مرادف ہے۔

ان روایات سے ترک ملاقات' ترک تعلق اور ترک کلام پر وعید ہے' عزلت میں تو ان سب چیزوں کا ترک ہے' ہمارے نزدیک

---

(۱) یہ روایت کتاب الاخوۃ کے پہلے باب میں گذر چکی ہے۔ (۲) یہ روایت بخاری و مسلم میں انس سے مروی ہے مگر سابق بالصلح کی زیادتی طبرانی میں ہے الفاظ روایت یہ ہیں "والذی یبدأ بالصلح یسبق الی الجنۃ"

یہ استدلال بھی ضعیف ہے' اس لیے کہ احادیث میں وہ ترک کلام و سلام مراد ہے جو کسی ناراضگی یا خفگی کے باعث کیا جائے نہ کہ جو کسی ناراضگی کے بغیر محض عزلت کی وجہ سے ہو۔ حالانکہ یہ روایات مطلق ہیں لیکن دو موقعوں پر تین دن سے زیادہ ہجر (ترک تعلق) کی اجازت بھی دی گئی ہے۔ ایک اس وقت جب کہ یہ خیال ہو کہ ترک تعلق سے وہ شخص راہ راست پر آجائے گا جس سے ترک تعلق کیا جا رہا ہے۔ اور دوسرے اس وقت جب کہ اپنی سلامتی ترک تعلق ہی میں نظر آتی ہو' حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے ذی الحجہ' محرم اور صفر کے کچھ دنوں تک کے لیے ترک کرلیا تھا۔ (۱) اسی طرح کی ایک روایت حضرت عمرؓ سے ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ازواج مطہرات سے ایک ماہ تک تعلق منقطع رکھا' اور ان کے پاس تشریف نہ لے جانے کی قسم کھائی اور اپنے بالا خانہ کے اس حصے میں رہنے لگے جہاں غلہ وغیرہ کا گودام تھا چنانچہ وہاں انتیس دن تک تشریف فرما رہے' جب آپ نیچے اترے تو صحابہ نے عرض کیا' آپ تو انتیس دن رہے؟ فرمایا مہینہ انتیس دن کا بھی ہوتا ہے (بخاری و مسلم) حضرت عائشہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد بھی نقل کرتی ہیں۔

لا یحل لمسلم ان یھجر اخاہ فوق ثلاث الا ان یکون ممن لا یامن بوائقہ

(ابن عدی)

کسی مسلمان کے لیے جائز نہیں کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کو تین دن سے زیادہ چھوڑے' ہاں اگر اس کے شر سے محفوظ نہ رہنے کا (اندیشہ) ہو تب کوئی حرج نہیں ہے۔

حضرت حسن بصریؒ کے اس قول کا مطلب بھی یہی ہے کہ احمق سے دور رہنا باری تعالیٰ کی قربت کا باعث ہے ظاہر ہے کہ اس میں احمق سے عمر بھر تک کے لیے جدا رہنا ہے' کیوں کہ حماقت کا کوئی علاج نہیں کہ دور ہو جائے تو قربت اختیار کرلی جائے۔ محمد ابن عمرو اقدی کے سامنے ایک ایسے شخص کا ذکر کیا گیا جس نے کسی سے ترک تعلق کرلیا تھا اور آخری دم تک اس سے ملنا گوارا نہیں کیا تھا' فرمایا یہ اسی شخص کا قصہ نہیں ہے' اس سے پہلے بھی کچھ لوگوں نے ایسا کیا ہے' مثلاً سعد بن وقاصؓ عمار بن یاسر سے ترک تعلق کئے رہے یہاں تک کہ وفات پاگئے' عثمان بن عفانؓ نے عبدالرحمٰن بن عوفؓ سے عائشہؓ نے حفصہؓ سے' طاؤس نے وہب بن منبہ سے تعلق منقطع رکھا' اور آخر تک اسی پر قائم رہے۔ ان حضرات کے اس موقف کا مطلب یہی تھا کہ وہ ترک تعلق میں اپنی سلامتی سمجھتے ہیں چھٹی دلیل یہ روایت ہے کہ ایک شخص عبادت کی غرض سے پہاڑوں میں چلا گیا' کچھ لوگ اسے پکڑ کر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لائے آپ نے فرمایا۔

لا تفعل انت ولا احد منکم لصبر احدکم فی مواطن الاسلام خیر من عبادة احدکم وحدہ اربعین عاما (بیہقی۔ عسعس بن سلامہؓ)

نہ تو ایسا کر' اور نہ تم میں سے کوئی دوسرا شخص ایسا کرے' اسلام کے بعض مواقع پر تمہارا صبر کرنا تمہاری اس عبادت سے بہتر ہے جو تم چالیس برس تک تنہائی میں کرو۔

یہ روایت بھی اختلاط کے قائلین کے لیے کوئی مضبوط دلیل نہیں کہی جاسکتی' اس لئے کہ ظاہر روایت سے یہی مفہوم ہو رہا ہے کہ آپ نے یہ بات اسلام کے دور اول میں فرمائی' اس وقت کفار سے جہاد ضروری تھا اس مفہوم کی تصدیق حضرت ابو ہریرہؓ کی اس روایت سے بھی ہوتی ہے کہ ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کسی غزوہ کے لیے سفر کر رہے تھے' اثناء سفر میں ہمارا گذر ایک گھاٹی سے ہوا جس میں میٹھے اور صاف ستھرے پانی کا ایک چشمہ رواں تھا' ہم میں سے کسی شخص نے کہا اگر میں اس جگہ لوگوں

---

(۱) صحیح یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مدّت تک کے لیے حضرت زینب سے ترک تعلق کرلیا تھا جیسا کہ ابوداؤد میں حضرت عائشہ کی روایت ہے۔

سے الگ تھلگ ہو کر رہنے لگوں تو کتنا اچھا ہو' لیکن میں اپنی اس خواہش کو اس وقت تک عملی جامہ نہیں پہناؤں گا جب تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا تذکرہ نہ کرلوں' اس شخص نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اس خواہش کا اظہار کیا' آپ نے فرمایا:۔

لا تفعل فان مقام احدکم فی سبیل اللہ خیر من صلاتہ فی اهلہ ستین عاما الا تحبون ان یغفر اللہ لکم و تدخلوا الجنۃ' اغزوا فی سبیل اللہ فانہ من قاتل فی سبیل اللہ فواق ناقۃ ادخلہ الجنۃ (ترمذی۔ حاکم)

ایسا نہ کرو' اس لیے کہ اللہ کی راہ میں تمہارا قیام گھر میں ساٹھ برس کی نماز سے بہتر ہے کیا تم نہیں چاہتے کہ اللہ تعالیٰ تمہارے گناہ معاف کردے اور تم جنت میں داخل ہو جاؤ' اللہ کے راستے میں جہاد کرو اس لیے کہ جو شخص اونٹنی کی ایک دھار نکالنے کے بہ قدر بھی اللہ کی راہ میں جہاد کرے گا اللہ اسے جنت میں داخل فرمائیں گے۔

ان حضرات نے معاذ بن جبل کی اس روایت سے بھی استدلال کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

ان الشیطان ذئب الانسان کذئب الغنم' یاخذ القاصیۃ والناحیۃ' والشاردۃ' وایاکم والشعاب' وعلیکم بالعامۃ والجماعۃ والمساجد (احمد' طبرانی)

شیطان انسانوں کا بھیڑیا ہے بکریوں کے بھیڑیئے کی طرح کہ وہ دور والی کنارہ والی اور ریوڑ سے برگشتہ بکری کو پکڑلیتا ہے' اس لئے تم افتراق سے بچو۔ سب کے ساتھ رہو' جماعتوں اور مسجدوں میں حاضر رہو۔

اس حدیث میں وہ شخص مراد ہے جو عزلت کے شرعی احکام کا علم حاصل کئے بغیر گوشہ نشینی اختیار کرتا ہے اس کا بیان عنقریب آئے گا' وہاں اس حقیقت کی تفصیل کی جائے گی کہ عزلت کے آداب کا علم حاصل کئے بغیر عزلت اختیار کرنا ممنوع ہے' لیکن ضرورت کی بنا پر کوئی حرج بھی نہیں ہے۔

عزلت کے قائلین کے دلائل

ان لوگوں نے جو عزلت کو ترجیح دیتے ہیں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اس قول سے استدلال کیا ہے جو قرآن پاک میں نقل فرمایا گیا' ارشاد ہے۔

وَأَعْتَزِلُكُمْ وَمَا تَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللّٰهِ وَأَدْعُو رَبِّي (پ ۱۶ ر ۶ آیت ۴۹)

اور میں تم لوگوں سے اور جن کی تم خدا کو چھوڑ کر عبادت کر رہے ہو ان سے کنارہ کرتا ہوں۔

اس کے بعد فرمایا:۔

فَلَمَّا اعْتَزَلَهُمْ وَمَا يَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللّٰهِ وَهَبْنَا لَهُ إِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ وَكُلًّا جَعَلْنَا نَبِيًّا (پ ۱۶ ر ۶ آیت ۴۹)

پس جب ان لوگوں سے اور ان سے جن کی وہ لوگ خدا کو چھوڑ کر عبادت کرتے تھے ان سے علیحدہ ہوگئے تو ہم نے ان کو اسحاق (بیٹا) اور یعقوب (پوتا) عطا فرمایا۔

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو یہ نعمت عزلت کی بنا پر عطا کی گئی لیکن یہ استدلال ضعیف ہے' کیوں کہ اس میں کفار و مشرکین سے الگ رہنے کا ذکر ہے' ظاہر ہے کہ کفار کو اول دین کی دعوت ہی دی جاسکتی ہے' اگر ان کے قبول

حق سے مایوسی ہو جائے تو بہتر یہی ہے کہ انہیں چھوڑ دیا جائے' ہمارا موضوع بحث مسلمانوں کے ساتھ اختلاط ہے کفار کا اختلاط نہیں' مسلمانوں کے ساتھ ملنے جلنے میں برکت ہے' متعند اور سرکش کفار کے ساتھ مخالطت سے کیا حاصل؟ چنانچہ ایک حدیث میں ہے کہ کسی شخص نے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا: یا رسول اللہ آپ کو مٹی کے ڈھکے ہوئے برتنوں (لوٹوں وغیرہ) سے وضو کرنا زیادہ پسند ہے یا ان حوضوں سے جن سے لوگ طہارت حاصل کرتے ہیں' فرمایا: ان حوضوں سے' اس لیے کہ حوضوں میں مسلمانوں کے ہاتھوں کی برکت ہے (طبرانی اوسط- ابن عمرؓ) اسی طرح کی ایک روایت یہ ہے کہ جب سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے خانہ کعبہ کا طواف کیا تو زمزم کے کنویں پر تشریف لے گئے تاکہ اس کا پانی نوش فرمائیں' آپ نے دیکھا کہ چمڑے کے تھیلوں میں کھجوریں بھیگی ہوئی ہیں اور لوگوں نے انہیں ہاتھوں سے گھول دیا ہے اور وہی پانی لے کر پی رہے ہیں' آپ نے فرمایا: مجھے بھی اس پانی میں سے پلاؤ' حضرت عباسؓ نے عرض کیا یہ تو شربت نبیذ بن گیا ہے' اس میں کھجوریں ہاتھوں سے کچلی اور گھولی گئی ہیں' کیا میں آپ کے لیے ان گھڑوں سے صاف ستھرا پانی نہ لے آؤں جو گھروں میں ڈھکے ہوئے رکھے ہیں' فرمایا: مجھے اسی پانی میں سے پلاؤ جسے لوگ پی رہے ہیں' میں مسلمانوں کے ہاتھوں کی برکت کا طالب ہوں چنانچہ آپ نے وہی پانی نوش فرمایا۔ (۱) اس سے معلوم ہوا کہ مسلمانوں سے عزلت کو کفار سے عزلت پر قیاس نہیں کیا جاسکتا عزلت کے قائلین نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اس قول سے بھی استدلال کیا ہے۔ ارشاد باری ہے۔

وَاِنْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا لِیْ فَاعْتَزِلُوْنِ (پ ۲۵ ر ۱۴ آیت ۲۱)

اور اگر تم مجھ پر ایمان نہیں لاتے تو مجھ سے الگ ہی رہو۔

اس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے مایوس ہو کر عزلت کی خواہش کی اصحاب کہف کے قصے میں اللہ تعالیٰ نے عزلت کا حکم دیا' ارشاد ہے۔

وَاِذِ اعْتَزَلْتُمُوْهُمْ وَمَا يَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰهَ فَاْوٗۤا اِلَى الْكَهْفِ يَنْشُرْ لَكُمْ رَبُّكُمْ مِّنْ رَّحْمَتِهٖ (پ ۱۵ ر ۱۴ آیت ۱۶)

اور جب تم ان لوگوں سے الگ ہو گئے ہو اور ان کے معبودوں سے بھی مگر اللہ سے الگ نہیں ہوئے تو تم (فلاں) غار میں چل کر پناہ لو' تم پر تمہارا رب اپنی رحمت پھیلائے گا۔

قریش مکہ نے جب سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو پریشان کیا' آپ پر ظلم و ستم ڈھایا تو آپ نے عزلت اختیار فرمائی' اور پہاڑ کی گھاٹی میں تشریف لے گئے' اپنے بہت سے رفقاء کو بھی عزلت' اور حبشہ کی طرف ہجرت کا حکم دیا' چنانچہ یہ سب لوگ حکم نبوی کی تعمیل میں حبشہ چلے گئے' جب اللہ نے اپنا کلمہ بلند کیا تو یہ اصحاب مدینہ منورہ میں آپ کے پاس پہنچ گئے (ابوداؤد- ابو موسیٰ) ظاہر ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں سے عزلت اختیار نہیں فرمائی تھی' اور نہ ان کفار سے کنارہ کشی کی تھی جن کے بارے میں قبول اسلام کی توقع تھی' آپ کی کنارہ کشی ان کفار مکہ سے تھی جو دعوت حق اور تبلیغ دین کی تمام تر کوششوں کے باوجود اپنی سرکشی پر ڈٹے رہے' اسی طرح اصحاب کہف نے بھی ایک دوسرے سے عزلت اختیار نہیں کی' بلکہ وہ اپنے ایمان سلامت لے کر نکل گئے' اور پہاڑ میں یکجا رہے' دراصل انہوں نے کفار سے دور رہنے کے لیے یہ پناہ گاہ تلاش کی تھی۔ ان لوگوں کی ایک دلیل یہ روایت ہے کہ عقبہ ابن عامر جہنی نے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا! یا رسول اللہ نجات کا کیا طریقہ ہے؟ فرمایا:

یسعک بیتک' وامسک علیک لسانک ابک علی خطیئتک (ترمذی- عقبہؓ)

---

(۱) یہ روایت ازرقی نے تاریخ مکہ میں نقل کی ہے اس کے راوی ابن عباسؓ ہیں۔

اپنے گھر ہی میں رہو' اپنی زبان بند رکھو' اور اپنی غلطی پر آنسو بہاؤ۔
کسی صحابی نے دریافت کیا: یا رسول اللہ! افضل کون ہے؟ فرمایا:۔

مومن یجاهد بنفسه وماله فی سبیل الله قیل: ثم من! قال: رجل معتزل فی شعب من الشعاب یعبد ربه ویدع الناس من شره (بخاری و مسلم۔ ابو سعید الخدریؓ)

وہ مومن جو اللہ کی راہ میں اپنی جان اور مال سے جہاد کرتا ہے' پھر عرض کیا گیا' اس کے بعد کون افضل ہے؟ فرمایا وہ شخص جو کسی گھاٹی میں تنہا اپنے رب کی عبادت کرتا ہے اور لوگوں کو اپنے شر سے بچاتا ہے۔

ایک مرتبہ ارشاد فرمایا:۔

ان الله یحب العبد التقی النقی الخفی (مسلم۔ سعد بن ابی وقاصؓ)

اللہ تعالیٰ اپنے تقی' پاکیزہ خو' اور چھپ کر عبادت کرنے والے بندے کو محبوب رکھتا ہے۔

ان احادیث سے استدلال بھی محل نظر ہے' پہلی روایت کو لیجئے' ابن عامر سے آپ کا یہ فرمانا کہ گھر کو لازم پکڑلو امر عام نہیں ہے' بلکہ آپ نے اپنے نور نبوت کی روشنی میں یہ بہتر سمجھا کہ ابن عامر کو عزلت کا حکم دیں' عزلت ان کے مناسب حال تھی' مخالطت سے سلامتی کو خطرہ لاحق تھا' یہی وجہ ہے کہ آپ نے صرف ابن عامر ہی سے یہ فرمایا' تمام صحابہ کو اس کا حکم نہیں دیا' یہ ممکن بھی ہے کہ کسی شخص کی سلامتی عزلت میں مضمر ہو' مخالطت میں نہ ہو' جس طرح یہ ممکن ہے کہ کسی شخص کے لیے جہاد پر جانے کے مقابلے میں گھر پر رہنا بہتر ہو۔ اب اگر کسی شخص سے یہ کہا جائے کہ تم جہاد نہ کرو' بلکہ گھر میں رہو تو اس سے یہ استدلال نہیں کیا جاسکتا کہ جہاد افضل نہیں ہے' لوگوں سے ملنا جلنا بھی ایک مجاہدہ ہے جیسا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:۔

الذی یخالط الناس ویصبر علی اذاهم خیر من الذی لا یخالط الناس ولا یصبر علی اذاهم (ترمذی' ابن ماجہ۔ ابن عمرؓ)

جو شخص لوگوں سے ملے جلے اور ان کی ایذا پر صبر کرے وہ اس شخص سے بہتر ہے جو نہ لوگوں سے ملے اور ان کی ایذا پر صبر کرے۔

آپ کے اس ارشاد کا بھی یہی مفہوم ہے کہ کسی پہاڑ کی گھاٹی میں عزلت نشین رہ کر اللہ کی عبادت کرنے والا اور لوگوں کو اپنے شر سے بچانے والا شخص مجاہد ہو' اور لوگ اس کی مصاحبت سے تکلیف میں مبتلا ہوں۔ ایسے شخص کے لیے عزلت نشینی یقیناً بہتر و افضل ہے' یہ حدیث کہ اللہ تعالیٰ "متقی' پاکیزہ خو' اور خفیہ طور پر عبادت کرنے والے کو پسند کرتا ہے" گمنامی اختیار کرنے' شہرت و ناموری سے دور رہنے کی دعوت دیتی ہے' اس کا عزلت سے کوئی تعلق نہیں ہے' بہت سے راہبوں کو ان کی خلوت نشینی کے باوجود شہرت حاصل ہے' اور بہت سے اختلاط رکھنے والے ایسے ہیں کہ انہیں بہت کم لوگ جانتے ہیں' اس حدیث کو بھی بطور حجت پیش کیا گیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

الا انبئکم بخیر الناس' قالوا: بلی فاشار بیده نحو المغرب' وقال رجل اخذ بعنان فرسه فی سبیل الله ینتظر ان یغیر او یغار علیه' الا انبئکم بخیر الناس بعده' واشار بیده نحو الحجاز وقال رجل فی غنمه یقیم الصلوٰة ویوتی الزکاة ویعلم حق الله فی ماله ویعتزل شرور الناس (۱)

---

(۱) طبرانی میں ام مبشر کی روایت' لیکن اس میں المغرب کی جگہ المشرق ہے' ترمذی اور نسائی نے بھی یہ روایت ابن عباسؓ سے مختصر الفاظ میں نقل کی ہے۔

کیا میں تمہیں بہترین شخص کے متعلق نہ بتلاؤں صحابہ نے عرض کیا کیوں نہیں' آپ نے اپنے دست مبارک سے مغرب کی طرف اشارہ کیا' اور ارشاد فرمایا کہ ایک شخص اللہ کی راہ میں اپنے گھوڑے کی لگام تھامے ہوئے اس بات کا منتظر ہے کہ وہ خود حملہ کرے یا دوسرے لوگ اس پر حملہ آور ہوں (تو وہ جوابی کارروائی کرے) کیا میں اس شخص کی نشان دہی نہ کروں جو اس آدمی کے بعد سب سے بہتر ہے' آپ نے حجاز کی طرف ارشارہ فرمایا' اور ارشاد فرمایا کہ اس کے بعد وہ شخص بہتر ہے جو اپنی بکریوں کے گلہ میں نماز پڑھتا ہو' زکوٰۃ دیتا ہے' اور اپنے مال میں اللہ کا حق پہچانتا ہے' اور برے لوگوں سے دور رہتا ہے۔

اس روایت میں بھی مطلق اعتزال کا ذکر نہیں ہے بلکہ محض ان لوگوں سے دور رہنے کا ذکر ہے جو اپنی طبع' عمل یا کردار و گفتار کے لحاظ سے برے ہیں......... یہ دونوں فریقوں کے دلائل ہیں۔ ہمارے خیال میں ان دلائل سے طبیعت کی تسکین نہیں ہوئی۔ اس لیے یہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ہم عزلت کے فوائد و نقصانات کا جائزہ لے کر دیکھیں اور اسکی روشنی میں امر حق تلاش کریں۔

دوسرا باب

عزلت کے فوائد

جاننا چاہیے کہ عزلت اور اختلاط کے سلسلے میں لوگوں کا اختلاف نکاح کے اختلاف سے بے حد مشابہ ہے' ہم نے کتاب النکاح میں یہ بات بڑی وضاحت سے لکھی ہے کہ نکاح و تجرد کو ایک دوسرے پر علی الاطلاق فضیلت حاصل نہیں ہے۔ بلکہ یہ اختلاف احوال و اشخاص کے لحاظ سے ہے' بعض لوگوں کے حق میں تجرد بہتر ہے اور بعض لوگوں کے حق میں نکاح افضل ہے اسی طرح عزلت کا اور اختلاط کا مسئلہ ہے' ہم نے نکاح کے اختلاف پر اس اختلاف کی تفریع کی ہے' پہلے ہم عزلت کے فوائد و نقصانات بیان کرتے ہیں۔ عزلت کے بہت سے فوائد ہیں' دینی بھی' اور دنیوی بھی۔ دینی فوائد یہ ہیں کہ آدمی گوشہ نشین ہو تو اسے عبادت فکر' اور تربیت علمی و عملی پر مواظبت کا زیادہ موقع ملتا ہے' بہت سی منہیات' میل جول اور اختلاط کے نتیجے میں سرزد ہوتی ہیں۔ مثلاً ریا کاری' غیبت' امر بالمعروف اور نہی عن المنکر نہ کرنا' برے ہم نشینوں اور دوستوں کی غیر شرعی حرکتوں اور غلیظ عادتوں سے صرف نظر کرنا وغیرہ' دنیوی فوائد بھی بہت سے ہیں' مثلاً اگر وہ شخص پیشہ ور یا فنکار ہے تو وہ تنہا رہ کر اپنے میدان میں زیادہ ترقی کر سکتا ہے' عام آدمی ہے تب بھی عزلت نشینی میں اس کے لیے بہت سے فوائد مضمر ہیں' اس کے دل میں دوسروں کے مال کی حرص پیدا نہیں ہوتی' دنیا کی چند روزہ بہار پر اس کی نظر نہیں جاتی' اور نہ اسے اپنے دامن میں سمیٹ لینے کی خواہش ہوتی ہے۔ آدمی میل جول رکھے تو اپنے برے ساتھیوں کے اثرات ضرور قبول کرتا ہے' دوسرے لوگوں کے عیوب مثلاً چغلی' غیبت اور حسد وغیرہ سے ذہنی اور قلبی اذیت محسوس کرتا ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ عزلت میں بہت سے فائدے ہیں ہم انھیں چھ فائدوں میں منحصر کرتے ہیں اور ہر فائدے کی الگ الگ تفصیل کرتے ہیں۔

پہلا فائدہ۔ عبادت کے لیے فراغت:۔ عزلت کا پہلا فائدہ یہ ہے کہ آدمی کو اللہ کی عبادت' آیات اللہ میں غور و فکر' اور رب کریم سے مناجات کا زیادہ سے زیادہ موقع نصیب ہوتا ہے اور یہ تنہائی اسے دین و دنیا کے معاملات اور زمین و آسمان کے ملکوت میں اسرار و رموز کا فہم عطا کرتی ہے۔ کیوں کہ یہ امور فراغت چاہتے ہیں اور میل جول رکھنے کی صورت میں فراغت ملنا مشکل ہے۔ اس لحاظ سے عزلت ہی ان امور کے حصول کا وسیلہ ہے۔ کسی عاقل کا قول ہے کہ کوئی آدمی صحیح معنی میں خلوت نہیں پاسکتا جب تک وہ کتاب اللہ سے تمسک نہ کرے اور جو لوگ کتاب اللہ سے تمسک کرتے ہیں یہ وہ لوگ ہیں جو اللہ کے ذکر سے راحت پاتے ہیں' اس کا ذکر اسی کے لیے کرتے ہیں' اسی کے ذکر پر جیتے مرتے ہیں' اور اسی کے ذکر پر لقاء خداوندی کی نعمت سے بہرہ ور

ہوتے ہیں' اس میں شک نہیں کہ اختلاط ذکر و فکر کے لیے مانع ہے' ایسے لوگوں کے حق میں یہی بہتر ہے کہ وہ عزلت نشیں رہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ابتدا میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے غار حرا میں عزلت اختیار فرمائی' اور لوگوں سے دور رہ کر عبادت کی' جب نور نبوت قوی ہو گیا تو مخلوق سے اختلاط عبادت کے لیے مانع نہ رہا' اس صورت میں آپ کا بدن مخلوق کے ساتھ اور قلب باری تعالیٰ کی طرف متوجہ رہا کرتا تھا (بخاری و مسلم۔ عائشہ) مخلوق کے ساتھ آپ کے اس اختلاط کی بنا پر لوگ یہ خیال کرتے تھے کہ حضرت ابوبکرؓ آپ کے خلیل ہیں لیکن آپ نے ان لوگوں پر یہ بات واضح کر دی کہ میرا قلب باری تعالیٰ کی یاد میں مستغرق ہے' یہ بھی فرمایا:۔

لو کنت متخذا خلیلا لاتخذت ابابکر خلیلا ولکن صاحبکم خلیل اللہ

(مسلم۔ ابن مسعودؓ)

اگر میں کسی کو اپنا خلیل بناتا تو ابوبکر کو بناتا لیکن تمہارے رفیق (یعنی رسول اللہ) اللہ کے خلیل ہیں۔

ظاہر میں لوگوں کے ساتھ میل جول رکھنا' اور باطن سے باری تعالیٰ کی طرف متوجہ رہنا صرف نبوت ہی کی خصوصیت ہے' اس لیے ہر کس و ناکس کو اپنی ذات پر اعتماد کرتے ہوئے اس مرتبے کی طمع نہ کرنی چاہیے' تاہم اللہ کے بعض وہ بندے جنھیں نور نبوت سے فیضان ملا اس درجے پر فائز ہو سکتے ہیں۔ چنانچہ حضرت جنید بغدادی فرمایا کرتے تھے کہ میں تیس برس سے اللہ تعالیٰ کے ساتھ گفتگو کرتا ہوں اور لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ میں ان کے ساتھ باتیں کرتا ہوں۔ یہ درجہ ان لوگوں کو میسر ہوتا ہے جو باری تعالیٰ کی محبت میں غرق ہو جائیں' اور انکے دل میں کسی دوسرے کی گنجائش باقی نہ رہے۔ اور یہ صورت حال کچھ بعید بھی نہیں' دنیا کے عشاق کی حالت اس کا ثبوت ہے' یہ عاشق مزاج لوگوں سے ملتے ہیں' لیکن وہ نہ اپنی بات سمجھتے ہیں اور نہ دوسرے کی' محبوب کی محبت ان کے دلوں میں غالب ہوتی ہے' بلکہ ہم تو یہ بھی دیکھتے ہیں کہ دنیاوی تفکرات میں مبتلا شخص بھی بے خود سا نظر آتا ہے' بظاہر لوگوں سے ملتا جلتا ہے لیکن نہ انھیں پہچانتا ہے اور نہ ان کی آوازیں سنتا ہے جب دنیا کا یہ حال ہے تو آخرت کا کیا ہوگا' اسی سے اندازہ لگا لیجئے۔ عقل مندوں کے نزدیک آخرت کا معاملہ ہی زیادہ بڑا ہے۔ اگر آخرت کے خوف سے اور حب خداوندی میں استغراق کے باعث ان کا یہ حال ہو جائے تو کوئی محال بات نہیں ہے۔ تاہم اکثر لوگوں کے لیے عزلت سے مدد لینا' اور اپنے باطن کو ظاہر کی آلائش سے بچانا ہی بہتر ہے۔ کسی حکیم سے دریافت کیا گیا کہ عزلت سے لوگوں کا کیا مقصد ہے؟ جواب دیا کہ وہ لوگ عزلت کے ذریعہ فکر کو دوام اور علم کو رسوخ و استحکام عطا کرتے ہیں' اور معرفت کی حلاوت سے کام و دہن کو لذت بخشتے ہیں۔ کسی راہب سے کہا گیا کہ آپ کو تنہائی سے وحشت نہیں ہوتی' آپ بڑے صابر ہیں' جواب دیا: وحشت کیوں ہوگی' میں اللہ عزوجل کا ہم نشین ہوں' جب میں چاہتا ہوں کہ وہ مجھ سے کچھ فرمائے تو میں اس کی کتاب پڑھنے لگتا ہوں اور جب یہ چاہتا ہوں کہ میں اس سے کچھ عرض کروں تو نماز شروع کر دیتا ہوں۔ ایک دانشور سے سوال کیا گیا کہ تمھیں عزلت سے کیا حاصل ہوا' فرمایا: باری تعالیٰ کی انسیت سفیان ابن عیینہ کہتے ہیں کہ شام کے بعض شہروں میں میری ملاقات ابراہیم بن ادہمؒ سے ہوئی' میں نے ان سے عرض کیا آپ نے خراسان کو بالکل چھوڑ دیا ہے' فرمایا: مجھے اسی سرزمین پر سکون ملا ہے' میں اپنے دین کو سینے سے لگائے ایک پہاڑ سے دوسرے پہاڑ پر پھرتا ہوں' اور لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ میں کوئی وہمی ہوں' شتربان یا ملاح ہوں غزوان رقاشی سے کسی نے کہا کہ آپ ہنستے نہیں ہیں' لیکن لوگوں کے پاس بیٹھنے اٹھنے میں کیا حرج ہے؟ فرمایا: جس سے میری غرض تھی اس کی معیت میں بیٹھا' اور راحت پائی' اب کیا ضرورت ہے کہ میں دوسروں کا ہم نشین بنوں۔ حضرت حسن بصریؒ سے کسی شخص نے کہا کہ یہاں ایک شخص ہے جو تن تنہا کسی ستون کی آڑ میں بیٹھا رہتا ہے۔ فرمایا: جب تم اس شخص کو کہیں بیٹھے ہوئے دیکھو تو مجھے اطلاع کرنا' میں اس کا سبب دریافت کروں گا۔ ایک روز وہ شخص نظر پڑا لوگوں نے حسن بصری کو بتلایا کہ یہی وہ شخص ہے جس کے متعلق ہم نے آپ سے کہا تھا' حسن اس شخص کے پاس تشریف لے گئے اور دریافت کیا کہ اے بندہ خدا! تم عزلت نشین ہو کر کیوں رہ گئے' لوگوں کے پاس اٹھنے بیٹھنے میں کیا رکاوٹ ہے؟

جواب دیا ایک امر مانع ہے' فرمایا: کیا اس شخص کے پاس آنے میں بھی کوئی حرج ہے جسے حسن کہتے ہیں جواب دیا: ہاں حسن کے پاس جانے میں بھی وہی رکاوٹ ہے جو دوسروں کے پاس جانے میں ہے۔ اس مانع کی تفصیل پوچھی گئی تو اس نے بتایا کہ میری صبح و شام اللہ کی نعمت اور گناہ کے درمیان ہوتی ہے' میں لوگوں کے پاس بیٹھنے اٹھنے میں وقت ضائع کرنے سے بہتر سمجھتا ہوں کہ اللہ کی نعمتوں کا شکر ادا کروں' اور اپنے گناہوں کی معافی چاہوں' حسن نے اس شخص کی تحسین کے طور پر فرمایا کہ تم حسن سے زیادہ سمجھ دار اور دین کا شعور رکھنے والے ہو' تمہیں اسی حال میں رہنا چاہیے کہتے ہیں کہ ہرم ابن حیان اویس قرنی کی خدمت میں حاضر ہوئے' اویس قرنی نے ان سے دریافت کیا: کیا بات ہے کیسے آنا ہوا؟ عرض کیا کہ میں آپ سے انس حاصل کرنے حاضر ہوا ہوں' فرمایا: میرے خیال میں جو شخص اپنے رب سے واقف ہو وہ کسی دوسرے سے انس حاصل کرنے کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔ فضیل ابن عیاض کہتے ہیں کہ جب رات اپنے پیر پھیلاتی ہے تو میری خوشی کا کوئی ٹھکانا نہیں رہتا کہ اب میں اپنے رب سے خلوت میں مناجات کروں گا اور جب صبح طلوع ہوتی ہے تو میں انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھتا ہوں کہ اب لوگ آکر مجھے گھیریں گے' اور خدا کی یاد سے غافل کریں گے۔ عبداللہ ابن زید فرماتے ہیں کہ وہ لوگ خوش قسمت ہیں جنہوں نے آخرت میں بھی عیش کیا' اور دنیا میں بھی۔ لوگوں نے پوچھا وہ کون لوگ ہیں؟ فرمایا: یہ وہ لوگ ہیں جو دنیا میں اپنے رب سے مناجات کریں گے اور (اس کا بدلہ انھیں یہ ملے گا کہ) وہ آخرت میں جوار رب کی سعادت حاصل کریں گے۔ ذوالنون مصری فرماتے ہیں کہ مومن کی خوشی اور اسکی لذت خلوت میں باری تعالیٰ سے مناجات کرنے میں ہے۔ مالک ابن دینار ارشاد فرماتے ہیں کہ جو شخص مخلوق کی ہم کلامی کے بجائے باری تعالیٰ کی ہم کلامی (مناجات) و تلاوت سے لطف اندوز نہ ہو وہ کم عقل اور بصیرت سے محروم شخص ہے اس کی متاع عمر لا حاصل اور بے فائدہ ہے' ابن المبارک کا قول ہے کہ وہ شخص کس قدر خوش حال ہے جو تن و من سے اللہ کی طرف متوجہ ہوگیا۔ ایک بزرگ کہتے ہیں کہ میں شام کے بعض شہروں میں گھوم رہا تھا' میں نے ایک عابد کو ایک غار کے دہانے سے نکلتے دیکھا' جیسے ہی ان کی نظر مجھ پر پڑی وہ درخت کی آڑ میں ہوگئے' میں نے کہا اے اللہ کے بندے کیا اپنی صورت دکھانے میں بھی بخل کروگے؟ کہنے لگے بھائی حقیقت یہ ہے کہ یہاں پہاڑوں میں ایک عرصہ سے مقیم ہوں اور اپنے دل کا علاج کر رہا ہوں' میں نے اپنے قلب کو دنیا سے منقطع کرنے پر بڑی محنت کی ہے' بڑی مشقت اور مصیبت برداشت کی ہے یہ خدائے پاک کا انعام ہے کہ اس نے میری محنت قبول کی' اور مجھ پر رحم فرمایا' میرا اضطراب دور کیا' میرے دل سے دنیا کی محبت نکالی اور مجھے تنہائی سے مانوس کردیا' اب تم پر نظر پڑی تو مجھے خوف ہوا کہ کہیں میری یہ تمام تر محنت اور جدوجہد رائگاں نہ چلی جائے اور میری وہی حالت ہوجائے جو پہلے تھی' اس لیے میں تمہارے شر سے رب العارفین اور حبیب القانتین کی پناہ چاہتا ہوں' پھر اس نے ایک نعرہ لگایا اور دنیا میں اپنے طویل قیام پر غم کا اظہار کیا' میری طرف سے منہ پھیر لیا اور اپنے دونوں ہاتھ جھٹک کر یہ الفاظ کہے اے دنیا مجھ سے دور ہو کسی اور کو زینت بخش' اس شخص کو دھوکا دے جو تجھے چاہتا ہو' پاک ہے وہ ذات جس نے عارفین کے دلوں کو خدمت کی لذت اور عزلت کی حلاوت عطا کی' اور اپنی ذات کے علاوہ انھیں ہر چیز سے غافل کردیا' انھیں صرف اپنے ہی ذکر میں سکون عطا کیا' ان کے نزدیک مناجات اور تلاوت سے بڑھ کر کوئی لذت بخش اور لطف انگیز چیز نہیں ہے' اتنا کہہ کر وہ عابد اپنے مسکن میں چلے گئے۔ حاصل کلام یہ ہے کہ تنہائی میں اللہ کے ذکر سے انس' اور اس کی ذات کی معرفت زیادہ ہوتی ہے۔ ان دو شعروں میں یہ مضمون ادا کیا گیا ہے۔

وانی لاستغشی ومابی غشوۃ — لعل خیالا منک یلقی خیالیا
واخرج من بین الجلوس لعلنی — احدث عنک النفس بالسر خالیا

ترجمہ : (مجھ پر بے ہوشی طاری نہیں ہے' میں جان بوجھ کر بے ہوش ہوں' شاید اس طرح تیرا اور میرا خیال ہم آہنگ ہوجائے' میں مجلس (یاراں) سے اس لیے نکل جاتا ہوں کہ خلوت میں بیٹھ کر اپنے آپ سے تیری ذات کے متعلق باتیں کروں) کسی دانش مند کا قول ہے کہ جس شخص کی ذات فضائل سے خالی ہوتی ہے وہ اپنے آپ سے وحشت کرتا ہے اور لوگوں میں بیٹھ کر

اپنی وحشت دور کرتا ہے' لیکن اگر اس کی ذات میں کوئی فضیلت ہوتی ہے تو وہ تنہائی کی جستجو کرتا ہے تاکہ خلوت کے ذریعہ فکر آخرت پر مدد لے اور علم و حکمت کے اظہار کا ذریعہ بنے' چنانچہ یہ مثل بھی مشہور ہے کہ لوگوں سے انس حاصل کرنا افلاس کی دلیل ہے۔ بہرحال خلوت کا یہ ایک بڑا فائدہ ہے مگر تمام لوگوں کے حق میں نہیں بلکہ ان مخصوصین کے حق میں ہے جنھیں دوام ذکر کی بنا پر اللہ کا انس اور دوام فکر کی وجہ سے اللہ کی معرفت میسر ہے' ایسے لوگوں کے لیے اختلاط کی بہ نسبت یقیناً تجرّد بہتر ہے' اس لیے کہ عبادات کی غایت' اور معاملات کی انتہا ہی یہ ہے کہ آدمی اللہ کی محبت اور معرفت کے سرچشموں سے فیض یاب ہو کر مرے' اور محبت دوام ذکر کے بغیر اور معرفت دوام فکر کے بغیر ممکن نہیں' اور قلب کا فراغ دوام ذکر اور دوام فکر دونوں ہی کے لیے ضروری ہے' اور اختلاط مع الناس کی صورت میں فراغت کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔

<u>دوسرا فائدہ۔ معاصی سے اجتناب:۔</u> بعض گناہ اختلاط کے نتیجے میں سرزد ہوتے ہیں' عزلت نشین شخص اس طرح کے گناہوں سے اپنا دامن بچا سکتا ہے' یہ گناہ چار ہیں' غیبت' ریاکاری' امربالمعروف اور نہی المنکر سے سکوت اختیار کرنا' اور دل میں ان اعمال خبیثہ' اور اخلاق رذیلہ کا اثر انداز ہونا جو دنیا کی حرص کے نتیجے میں پیدا ہوا کرتے ہیں۔ جلد سوم میں زبان کی آفات کے ضمن میں ہم نے غیبت کے اسباب بیان کئے ہیں ان کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ اختلاط مع الناس کی صورت میں غیبت سے محفوظ رہنا صدیقین کے علاوہ کسی دوسرے کے بس کی بات نہیں ہے لوگوں کا مزاج بن چکا ہے کہ وہ جہاں بیٹھتے ہیں ایک دوسرے کے عیوب کی جستجو کرتے ہیں اپنے بھائیوں پر کیچڑ اچھالنا ان کا محبوب مشغلہ ہے' وہ اس قسم کی بے ہودہ باتوں میں اپنے لئے لذت و حلاوت پاتے ہیں' اور اپنی تنہائی کی وحشتوں میں ان سے سکون حاصل کرتے ہیں۔ چنانچہ اگر تم نے لوگوں سے میل جول رکھا' ان کی مجلسوں میں شریک ہوئے تو تین صورتیں ہوں گی' یا تو تم بھی ان کی باتوں میں دلچسپی لوگے' اور جس طرح کی باتیں وہ کریں گے اسی طرح کی باتیں تم بھی کروگے' اس صورت میں تم گنہگار ہو' اور باری تعالٰی کے غیض و غضب کے مستحق ہو' یا خاموش رہوگے اور ان کی غیبت سنوگے' سننے والا بھی کہنے والے کی طرح ہے' اس کے معنی یہ ہیں کہ خاموش رہنا بھی گناہ سے خالی نہیں ہے' تیسری صورت یہ ہے کہ تم ان لوگوں کو اس مذموم حرکت پر برا کہوگے' لیکن اس طرح تم انھیں اپنا دشمن بنالوگے' اور وہ دوسروں کی برائی چھوڑ کر تمہاری نکتہ چینی شروع کردیں گے' یہ بھی ہوسکتا ہے کہ وہ غیبت سے آگے بڑھ جائیں' اور نوبت سب و شتم تک جاپہنچے معلوم ہوا کہ غیبت کے گناہ سے بچنے کی تدبیر یہی ہے کہ آدمی عزلت اختیار کرے۔ امربالمعروف اور نہی عن المنکر ایک اہم دینی واجب' اور شرعی اصل ہے۔ اسی جلد کے آخر میں ہم اس فریضے پر روشنی ڈالیں گے' لوگوں سے میل جول کی صورت میں بہت سے منکرات اور غیر اسلامی امور مشاہدے میں آتے ہیں' ایک سچے مسلمان کی حیثیت سے یہ ضروری ہے کہ ہم منکرات میں مبتلا شخص کو منع کریں' اور اسے صحیح راستہ دکھلائیں' لیکن حقیقت یہ ہے کہ اگر ہم اپنا فرض ادا نہیں کرتے تو باری تعالٰی کی نافرمانی کے مرتکب ہوتے ہیں' اور فرض ادا کرتے ہیں تو نقصان اٹھاتے ہیں' بعض اوقات منع کرنے کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ جن معاصی سے روکا جائے ان سے زیادہ سنگین معاصی سے سابقہ پیش آتا ہے' اور نجات کی کوئی صورت نظر نہیں آتی' نہی عن المنکر سے رکنا بھی جرم' اور اس پر عمل کرنا بھی خطرناک۔ بس یہی سمجھ میں آتا ہے کہ آدمی تنہائی اختیار کرے' نہی عن المنکر کا ادا نہ کرنا کتنا سنگین جرم ہے اس کا اندازہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کی اس روایت سے ہوتا ہے۔ کہ ایک روز انہوں نے اپنی تقریر کے دوران فرمایا: اے لوگوں تم قرآن پاک کی یہ آیت پڑھتے ہو مگر اس کو صحیح جگہ پر استعمال نہیں کرتے۔

يَآ أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا عَلَيْكُمْ أَنْفُسَكُمْ لَا يَضُرُّكُمْ مَنْ ضَلَّ إِذَا اهْتَدَيْتُمْ (پ ۷ ر ۴ آیت ۱۰۵)

اے ایمان والو! اپنی فکر کرو' جب تم راہ پر چل رہے ہو تو جو شخص گمراہ رہے اس سے تمہارا کوئی نقصان نہیں۔

اس کے بعد فرمایا کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے یہ کلمات سنے ہیں:۔

اذا رای الناس المنکر فلم یغیروہ اوشک ان یعمھم اللہ بعقاب (اصحاب سنن)

جب لوگ برائی دیکھیں اور اس سے منع نہ کریں تو عجب نہیں کہ خدا تعالیٰ ان سب کو اپنے عذاب کی لپیٹ میں لے لے۔

ایک حدیث میں ہے کہ قیامت کے روز بندے سے محاسبہ کیا جائے گا' اس محاسبے کے دوران اس سے پوچھا جائے گا کہ تم نے دنیا میں فلاں برائی دیکھی تھی مگر اس پر نکیر نہیں کی' اس کی کیا وجہ ہے؟ (یہ سوال بندے کو لاجواب کردے گا' ہاں اگر اللہ ہی اسے جواب سمجھادے تو وہ عرض کرے گا) یا اللہ! میں لوگوں کے شر سے خوف زدہ تھا' اور تیرے عفوو کرم سے پر امید تھا۔ (ابن ماجہ۔ ابو سعید الخدریؓ) بہرحال نہی عن المنکر سے رکنا اس صورت میں ہے جب کہ مار پیٹ کا خوف ہو' یا کسی ایسے ردّ عمل کا اندیشہ ہو جو اس کی طاقت سے باہر ہو لیکن کیوں کہ اس امر کی معرفت مشکل ہے اور خالی از مضر نہیں' اس لیے عزلت ہی میں نجات ہے' امر بالمعروف میں بھی کچھ کم مشکلات نہیں ہیں' لوگوں کو اچھی بات کی تلقین کرنے کا مطلب یہ ہے کہ ان کے دلوں میں کینہ پیدا ہوجائے' کسی شاعر نے خوب کہا ہے۔

وکم سقت فی آثارکم من نصیحۃ وقد یستعید البغضۃ المستنصح

میں نے تمہیں کس قدر نصیحتیں کی ہیں' لیکن حیف صد حیف! تم نصیحت تو کیا قبول کرتے تمہارا دل عداوتوں کی آماجگاہ بن گیا۔

جو شخص امر بالمعروف کا تجربہ کرتا ہے وہ عموماً پچھتاتا ہے' کیوں کہ امر بالمعروف کرنے والا ایسا ہی ہے جیسے ٹیڑھی دیوار کو سیدھا کرنے والا' کیا عجب ہے کہ یہ دیوار سیدھی ہونے کے بجائے اسی پر آرہے ہاں اگر کچھ لوگ دیوار کو سہارا دیں اور وہ ان کی مدد سے کوئی پشتہ وغیرہ لگا کر اسے سیدھا کردے تو ممکن ہے کہ اس دیوار کے شر سے محفوظ رہے' لیکن اس زمانے میں امر بالمعروف کے سلسلے میں مدد کرنے والے لوگ کہاں ہیں' اس لیے بہتر یہی ہے کہ آدمی گوشہ عافیت اختیار کرے' ریا کاری ایک لاعلاج مرض ہے اس سے بچنا اوتاد اور ابدال کے لیے بھی مشکل ہے' چہ جائیکہ عام لوگ اس مرض سے اپنی حفاظت کرسکیں' جو لوگ ایک دوسرے سے ملتے ہیں وہ مدارات پر مجبور ہوتے ہیں اور مدارات سے ریا کاری کو تحریک ملتی ہے' اور جو ریا کرے گا وہ ان باتوں میں مبتلا ہوگا جن میں وہ لوگ مبتلا ہیں' اور ان خرابیوں کا شکار ہوگا جن کا وہ شکار ہیں' اختلاط کی ادنیٰ خرابی نفاق ہے' آدمی اپنی ناپسندیدگی' اور کراہت کے قلبی جذبے کے باوجود خوش اخلاقی اختیار کرنے اور مجاملت کرنے پر مجبور ہے اور یہ شرار ناس ہونے کی دلیل ہے۔

تجدون من شرار الناس ذالوجھین یاتی ھولاء بوجہ وھولاء بوجہ (بخاری و مسلم ۔ ابوہریرہؓ)

تم لوگوں میں بد ترین شخص دو رخے آدمی کو پاؤ گے' کہ اِن سے ایک رخ سے پیش آتا ہے اور اُن سے دوسرے رخ سے۔

لوگوں کے ساتھ ملنے جلنے میں جھوٹ بھی بولنا پڑتا ہے ملاقات میں شوق کا مبالغہ آمیز بیان جھوٹ نہیں تو کیا ہے؟ لیکن یہ جھوٹ بھی ملاقات کا ایک اہم رکن ہے' اگر کوئی شخص نہ ملنے پر اپنے اضطراب اور بے چینی کا اظہار نہ کرے تو اسے بد خلق تصور کرلیا جاتا ہے' خوش اخلاقی کی رسم نبھانے کے لیے ضروری ہے کہ آدمی اپنے ملنے والے سے کہے کہ میں آپ سے ملنے کے لیے انتہائی بے تاب تھا' پھر یہی نہیں بلکہ پُرسش احوال میں بھی انتہائی تعلق خاطر کا ثبوت دیا جاتا ہے حالانکہ دل میں ذرہ برابر بھی اس کی طرف یا اس کے بچوں کی طرف التفات نہیں ہوتا' یہ خالص نفاق ہے سری سقطیؒ فرماتے ہیں کہ اگر میرے گھر کوئی دوست آئے' اور میں اس کے (احترام میں اور اس کی آمد کی خوشی میں) اپنی داڑھی برابر کروں (آرائش کروں) تو مجھے یہ ڈر ہے کہ کہیں میرا یہ عمل نفاق نہ شمار کیا جائے' اور مجھے زمرۂ منافقین میں شامل نہ کرلیا جائے' فضیل مسجد حرام میں تنہا بیٹھے ہوئے تھے کہ ان کے ایک

دوست آئے' فضیلؒ نے آنے کی وجہ دریافت کی' انہوں نے عرض کیا آپ کی محبت کھینچ لائی ہے' فرمایا یہ محبت نہیں وحشت ہے' کیا تم چاہتے ہو کہ میرے لیے زینت کرو اور میں تمہارے لیے بناؤ سنگار کروں' تم میری خاطر جھوٹ بولو اور میں تمہاری خوشنودی کے لیے جھوٹ بولوں' بہتر یہی ہے کہ یا تو تم میرے پاس سے اٹھ جاؤ' ورنہ میں یہاں سے چلا جاتا ہوں' کسی عالم کا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے کسی بندے سے محبت کرتے ہیں تو یہ بھی چاہتے ہیں کہ اسے میری محبت کی خبر نہ ہو۔ طاؤس خلیفہ ہشام کے پاس گئے' اور کہنے لگے اے ہشام کیا حال ہے؟ خلیفہ کو اس طرز تخاطب پر بے حد غصہ آیا' قاعدے میں انہیں امیرالمومنین کہنا چاہیے تھا' لیکن ہشام کے پوچھنے پر انہوں نے بتایا کہ تمہاری خلافت پر تمام مسلمان متفق نہیں ہیں' اگر میں امیرالمومنین (تمام مسلمانوں کے امیر) کہتا تو یہ کتنا جھوٹ ہوتا۔ اور ان لوگوں پر تہمت ہوتی جو تمہیں اس منصب کا اہل نہیں سمجھتے۔ ان آثار سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ جو شخص اس طرح کی احتیاط کرنے پر قادر ہے اسے لوگوں سے میل جول رکھنا چاہیے' ورنہ اپنا شمار زمرۂ منافقین میں کرالینا چاہیے' چنانچہ سلف صالحین آپس میں ملتے تو اس طرح کے سوالات میں احتیاط سے کام لیتے' آپ کیسے ہیں؟ آپ کا کیا حال ہے؟ اسی طرح جواب دینے میں بھی احتیاط سے کام لیتے' ان کے سوال و جواب کا محور دین ہوتا' وہ دین کے متعلق پوچھتے' دنیا کے بارے میں کوئی سوال نہ کرتے' چنانچہ حاتم اصم نے حامد لفاف سے ان کا حال دریافت کیا انہوں نے جواب میں کہا کہ میں سلامت ہوں' اور عافیت سے ہوں' حامد لفاف کا یہ جواب حاتم اصم کو ناگوار گذرا' فرمایا حامد یہ تم کیا کہتے ہو سلامتی تو پل صراط سے گذرنے میں ہے اور عافیت جنت میں ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے جب ان کی حالت دریافت کی جاتی تو فرماتے کہ میری حالت یہ ہے کہ نہ اسے مقدم کرسکتا ہوں جس کی مجھے خواہش ہے' اور نہ اسے ٹلا سکتا ہوں جس سے مجھے خطرہ ہے' میں اپنے اعمال کا اسیر ہوں خیر کی کنجی دوسرے کے ہاتھ میں ہے' میں محتاج ہوں اور شاید ہی کوئی مجھ سے بڑا محتاج ہو' ربیع ابن خثیم سے اگر یہی سوال کیا جاتا تو فرماتے کہ بھئی! ہم تو کمزور اور ناتواں گنہگار ہیں' اپنا دانہ پانی پورا کررہے ہیں' اور موت کے منتظر ہیں۔ ابوالدرداء کا جواب یہ ہوتا کہ اگر دوزخ سے نجات مل گئی تو میں خیریت سے ہوں حضرت سفیان ثوری فرماتے ہیں کہ میں ایسا ہوں کہ اس کا شکر اس کے سامنے کرتا ہوں' اس کی برائی اس سے کرتا ہوں' اور اس سے بھاگ کر اس کے پاس جاتا ہوں۔ اویس قرنی جواب میں کہتے کہ اس شخص کا حال کیا دریافت کرتے ہو کہ شام ہو تو صبح کے وجود سے لاعلم' اور صبح کرے تو اسے یہ معلوم نہ ہو کہ وہ شام تک زندہ بھی رہ سکے گا یا نہیں' مالک ابن دینار فرماتے ہیں کہ میں نے اس حال میں صبح کی ہے کہ عمر گھٹ رہی ہے اور گناہ بڑھ رہے ہیں۔ کسی دانا سے یہی سوال کیا گیا تو اس نے جواب دیا کہ میں ایسا ہوں کہ موت کی خاطر زندگی کو پسند نہیں کرتا' اور اپنے رب کے سامنے اپنے نفس سے راضی نہیں ہوں۔ ایک شخص نے جواب دیا کہ میں اپنے رب کا رزق کھا رہا ہوں' اور اپنے رب کے دشمن ابلیس کی اطاعت کررہا ہوں محمد بن واسع نے جواب دیا کہ تمہارا اس شخص کی عافیت کے متعلق کیا خیال ہے جو ہر روز موت سے ایک منزل قریب ہو رہا ہے' حامد لفاف نے کہا کہ میری تمنا یہ ہے کہ میرا ایک دن ایک رات عافیت سے گذرے سائل نے پوچھا تو کیا آپ کے شب و روز عافیت سے نہیں گزرتے' فرمایا: میرے عزیز! عافیت تو یہ ہے کہ دن رات کے کسی بھی حصے میں کوئی گناہ سرزد نہ ہو' ایک شخص عالم نزع میں گرفتار تھا' کسی نے اس کی حالت معلوم کی' جواب دیا کہ اس شخص کی کیفیت کیا معلوم کرتے ہو جو اپنا طویل سفر زاد و راہ کے بغیر طے کررہا ہے' اور قبر کی وحشتوں میں کسی مونس و غم خوار کی رفاقت کے بغیر جارہا ہے' اور سلطان عادل کے حضور کسی حجت کے بغیر پیش ہونا چاہتا ہے۔ حسان بن سنان سے کسی نے ان کی خیریت دریافت کی' جواب دیا' تم اس شخص کی خیریت کیا پوچھتے ہو جو مرے گا' اٹھایا جائے گا' اور پھر اس سے اس کے اعمال کا مواخذہ ہوگا' ابن سیرین نے ایک شخص سے اس کا حال دریافت کیا' اس نے کہا آپ اس شخص کا حال کیا دریافت کرتے ہیں جس پر پانچ سو درہم کا قرض ہو' ابن سیرین یہ سن کر گھر میں گئے' اور ایک ہزار درہم لاکر مذکورہ شخص کو دئے' اور فرمایا کہ پانچ سو درہم سے قرض ادا کرو' اور پانچ سو درہم اپنے بیوی بچوں پر خرچ کرو' ابن سیرین کے پاس اس وقت صرف ایک ہزار ہی درہم تھے۔ اس کے بعد آپ نے قسم کھائی کہ آئندہ کسی کا حال دریافت نہیں کریں گے یہ عہد

آپ نے اس لیے کیا کہ کسی شخص کا محض حال دریافت کرنا' اور اس کی اعانت کی نیت نہ کرنا کوئی اچھی بات نہیں ہے' اپنا تمام مال اس شخص کو دینے کے بعد ان کے پاس کیا بچتا تھا کہ وہ کسی شخص سے اس کا حال دریافت کرتے؟ اس صورت میں ان کی پرسش احوال نفاق اور ریا کاری نہ ہوئی؟ بہرحال ان بزرگان کا سوال امور دین اور احوال قلب سے ہوتا' اگر وہ کسی سے دنیا کے متعلق کچھ پوچھتے تو ان کے دل میں مسئول کی حاجت روائی کا عزم بھی ہوتا' اور وہ اس کی مقصد برآری کا پورا پورا اہتمام بھی کرتے۔ ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ میں ایسے لوگوں کو جانتا ہوں کہ وہ کبھی ایک دوسرے سے ملتے بھی نہیں تھے' لیکن اگر ان میں سے کوئی دوسرے کے تمام مال کی خواہش کرتا تو دوسرے میں اس کی خواہش رد کرنے کی جرأت نہ تھی' اور اب حال یہ ہے کہ لوگ ایک دوسرے سے ملتے ہیں' اور بے تکلفی سے ایک دوسرے کا حال دریافت کرتے ہیں' حد یہ ہے کہ گھر کی مرغی کی کیفیت بھی معلوم کرتے ہیں' لیکن ایک دمڑی بھی ایک دوسرے پر خرچ کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں' کیا یہ محض ریا اور نفاق نہیں ہے؟ اور اس کا ثبوت ہمارا یہ مشاہدہ ہے کہ دو آدمی سرراہ ملتے ہیں' ان میں سے ایک دوسرے سے پوچھتا ہے تم کیسے ہو؟ دوسرا جواب دینے کے بجائے پہلے سے یہی سوال کرتا ہے تم کیسے ہو؟ معلوم ہوا انہیں ایک دوسرے کا حال جاننے سے کوئی دلچسپی نہیں ہے' وہ محض سوال کرکے اپنی محبت اور تعلق خاطر کا اظہار چاہتے ہیں' حالاں کہ وہ یہ بات جانتے ہیں کہ ان کا یہ سوال نفاق اور ریا کاری ہے دل میں ہمدردی کا نہ ہونا تو کچھ تعجب خیز نہیں' حیرت تو اس پر ہوتی ہے کہ دلوں میں کینہ اور حسد ہوتا ہے اور زبان پر محبت کے میٹھے الفاظ۔ حسن بصری فرماتے ہیں کہ پچھلے لوگ السلام علیکم اس وقت کہتے تھے جب ان کے دل سلامت ہوتے تھے' لیکن اس دور میں لوگ سلام سے بڑھ جاتے ہیں خیر و عافیت دریافت کرتے ہیں اور صحت و سلامتی کی دعائیں دیتے ہیں ہمارے نزدیک یہ سب سوالات از راہ بدعت ہیں' از راہ تعلیم نہیں ہیں' اب چاہے لوگ ہماری بات کا برا مانیں یا بھلا مانیں۔ حسن بصری نے یہ بات اس لیے فرمائی کہ ملاقات کے وقت یہ پوچھنا کہ تم کیسے ہو؟ بدعت ہے' ایک شخص نے ابوبکر ابن عیاش سے یہی سوال کیا تو انہوں نے جواب میں فرمایا کہ بھائی! ہمیں تو اس بدعت سے معاف ہی رکھو' یہ بھی فرمایا کہ اس بدعت کی ابتدا حضرت عمرؓ کے عہد میں اس وقت ہوئی جب شام کے شہر عمواس میں طاعون پھیلا' اور بڑی تعداد میں لوگ مرے' اس زمانے میں لوگ صبح کے وقت ایک دوسرے سے ملتے تو ان کا سوال ہوتا کہ رات بخیر گذری؟ شام ہوتی تو دن بھر کی خیریت دریافت کرتے' بعد میں یہ رسم بن گئی اور ہر ملاقات کے وقت یہ سوالات کئے جانے لگے...... خلاصہ یہ کہ اختلاط عموماً ریا' تکلف اور نفاق سے خالی نہیں ہوتا اور یہ سب چیزیں بری ہیں۔ ان میں سے بعض حرام ہیں' بعض مکروہ ہیں عزلت ان تمام برائیوں سے نجات کا ذریعہ بن جاتی ہے' اختلاط کی صورت میں احتیاط رکھنا بہت مشکل ہے' ایک شخص لوگوں سے ملے اور ان سے اخلاق کے ساتھ پیش نہ آئے تو وہ لامحالہ اس کے دشمن ہوجائیں گے' اس کی نکتہ چینی کریں گے' اسے ایذا پہنچائیں گے' دوسرے لوگوں میں اسے بدنام کریں گے' خود ان کا دین بھی برباد ہوگا' اور اگر وہ شخص انتقام لینے پر آمادہ ہوجائے تو اس کا دین اور دنیا بھی برباد ہوگی۔

لوگوں کے برے اخلاق و اعمال کا خاموشی کے ساتھ اثر انداز ہونا ایک مخفی مرض ہے' بسا اوقات عقل مندوں کو بھی اس کا احساس نہیں ہوتا کہ ہم بہت خاموشی کے ساتھ اپنے ہم نشینوں کے برے اثرات قبول کررہے ہیں غافلوں کا کیا ذکر ہے چنانچہ اگر کوئی شخص کچھ مدت تک کسی فاسق کے ساتھ بیٹھے تو اگرچہ دل میں اس کے فسق کو برا سمجھتا ہو تو وہ پہلے کی بہ نسبت اپنے اخلاق و اعمال میں معمولی ہی سہی فرق ضرور پائے گا' خود فسق کا فساد بھی اس کی نظروں میں اتنا قبیح اور سنگین نہیں رہے گا' جتنا پہلے تھا' اس کی وجہ یہ ہے کہ کثرت مشاہدہ سے برائی طبیعت پر سہل ہوجاتی ہے' اس کی سنگینی اور شدت باقی نہیں رہتی' اور اس برائی سے رکنے کی اصل وجہ یہی ہوتی ہے کہ دل میں اس کی شدت اور سنگینی کا احساس ہو' جب وہ برائی معمولی ہوجائے اور دل میں اس کی کوئی اہمیت باقی نہ رہے تو ساری رکاوٹیں خود بخود ختم ہوجاتی ہیں' اور آدمی ان برائیوں میں خود بھی مبتلا ہوجاتا ہے۔ یہ بھی انسانی فطرت ہے کہ دوسرے کے کبیرہ گناہ دیکھ کر اپنے صغائر حقیر نظر آتے ہیں۔ ایک شخص مالداروں کی صحبت اختیار کرتا ہے اس کا مطلب یہ

ہے کہ اس کی نظروں میں وہ نعمتیں حقیر ہیں جو اللہ نے اسے عطا کی ہیں' دوسرا شخص فقراء کی ہم نشینی کو ترجیح دیتا ہے' اس کا یہ عمل باری تعالیٰ کی ان نعمتوں کا اعتراف ہے جن سے اسے نوازا گیا' اطاعت گزاروں' اور گنہگاروں کی طرف دیکھنے کی بھی طبیعت میں کچھ ایسی ہی تاثیر ہے' مثلاً جس شخص نے صحابہ اور تابعین کی کثرت عبادت' اور زہد فی الدنیا کا اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کیا ہے وہ اپنے نفس کو ذلیل اور اپنے اعمال کو حقیر محض تصور کرے گا' اور جب یہ صورت ہوگی تو دل میں جدوجہد کا داعیہ بھی پیدا ہوگا' اور تکمیل عبادت کی خواہش بھی ہوگی' اور یہ کوشش بھی ہوگی اسے ان بزرگوں کی کامل اقتداء نصیب ہو' اسی طرح جس شخص نے اہل دنیا کے اعمال و اخلاق پر نظر رکھی ہے اور یہ دیکھا ہے کہ وہ لوگ خدا تعالیٰ سے روگرداں ہیں اور دنیا کی نعیم و لذات کی طرف متوجہ ہیں وہ شخص اپنی ذرا سی نیکی کو بھی بڑا سمجھے گا' اور یہی ہلاکت کی علامت ہے یہ تو مشاہدے کی بات ہوئی طبیعت کے تغیر میں تو سماع کو بھی بڑا دخل ہے' طبیعت پر بری بات سننے کا اثر بھی ہوتا ہے اور اچھی بات سننے کا بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کو سمجھنے کے لیے یہی باریکیاں ملحوظ رکھئے' فرمایا:۔

عند ذکر الصالحین تنزل الرحمة (۱)

نیک لوگوں کے ذکر کے وقت رحمت الٰہی کا نزول ہوتا ہے۔

رحمت کے معنی ہیں جنت میں داخل ہونا' اور دیدار الٰہی کی سعادت سے مشرف ہونا' ظاہر ہے کہ نیک لوگوں کے ذکر کے وقت اس معنی میں رحمت نازل نہیں ہوتی۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ سبب رحمت کا نزول ہوتا ہے۔ یعنی دل میں ان بزرگوں کی اقتداء کی تحریک ہوتی ہے اور گناہوں سے نفرت اور کراہت پیدا ہوتی ہے' خلاصہ یہ کہ رحمت کا مبدا عمل خیر ہے اور عمل خیر کا مبدا قلب کا داعیہ اور رغبت ہے' اور رغبت کا داعیہ صالحین کا ذکر ہے' معلوم ہوا کہ صالحین کے ذکر سے وہ چیز نازل ہوتی ہے جو رحمت کے نزول یعنی حصول جنت اور دیدار الٰہی کے حصول کا سبب ہو۔ اس حدیث کے مفہوم سے ایک عقل مند آدمی یہ نتیجہ بھی اخذ کرسکتا ہے کہ فاسقوں کے ذکر کے وقت لعنت برستی ہے' کیوں کہ ان کے ذکر کی کثرت سے طبائع پر معاصی سہل ہوجاتے ہیں' اور رفتہ رفتہ گنہگاروں کا ذکر کرنے والے لوگ معاصی میں مبتلا ہوجاتے ہیں' اور اس طرح وہ لوگ لعنت کے مستحق ٹھہرتے ہیں' لعنت کے معنی ہیں بعد' اور اللہ تعالیٰ سے دوری کا مبدا معاصی اور اعراض عن اللہ ہے' اور یہ اعراض اس وقت ہوتا ہے جب آدمی دنیا کی غیر مشروع عارضی لذتوں اور خواہشوں کی پناہ لے' یہ بات بھی یاد رکھنی چاہیے کہ گناہ کے ارتکاب کی جرأت اسی وقت ہوتی ہے جب دل سے اسکی سنگینی کا احساس نکل جائے اور سنگینی کا احساس اس وقت زائل ہوجاتا ہے جب آدمی گناہوں کے ذکر میں اپنے انس و تلذذ کا سامان تلاش کرے۔ جب یہ صالحین اور فاسقین کے ذکر کا حال ہے تو مشاہدہ کا حال کیا ہوگا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد گرامی سے بھی اس کی توثیق ہوتی ہے' فرمایا:۔

مثل الجلیس السوء کمثل الکیر ان لم یحرقک بشررہ علق بک من ریحہ' ومثل الجلیس الصالح مثل صاحب المسک ان لم یھب لک منہ تجد ریحہ

(بخاری و مسلم۔ ابو موسیٰ)

برے ہم نشین کی مثال ایسی ہے جیسے بھٹی کہ اگر تجھے اپنی چنگاری سے نہ جلائے تو اس کی بدبو تیرے کپڑوں میں ضرور بس جائے گی' اور اچھے ہم نشین کی مثال ایسی ہے جیسے مشک فروش کہ اگرچہ تجھے مشک نہ دے' لیکن اس کی خوشبو تیرے کپڑوں میں بس جائے گی۔

---

(۱) حدیث میں اس کی کوئی اصل نہیں ہے' البتہ ابن جوزی نے صفوۃ الصفوۃ کے مقدمے میں اسے سفیان بن عیینہ کے قول کی حیثیت سے ذکر کیا ہے۔

مطلب یہ ہے کہ جس طرح بو کپڑوں میں بس جاتی ہے' اور آدمی کو خبر نہیں ہوتی' اسی طرح فساد قلب میں سرایت کر جاتا ہے اور آدمی کو پتا بھی نہیں چلتا۔

اسی لیے ہم کہتے ہیں کہ جس شخص کو عالم کی کسی لغزش کا علم ہو اس کے لیے دوسرے لوگوں کے سامنے اس لغزش کا ذکر کرنا حرام ہے' اور یہ حرمت دو وجہوں سے ہے' ایک وجہ تو یہ ہے کہ اس طرح کی لغزشوں کا ذکر غیبت ہے' اور غیبت حرام ہے' اور دوسری وجہ یہ ہے کہ سننے والوں کے دلوں سے اس لغزش کی سنگینی کا احساس جاتا رہتا ہے' اور وہ اپنے لیے اسے سہل سمجھنے لگتے ہیں' اگر کوئی شخص اعتراض بھی کرے تو اسے یہ جواب دے کر خاموش کردیا جاتا ہے کہ ہم تو پھر عام آدمی ہیں' فلاں عالم اور فلاں بزرگ بھی اس گناہ میں ملوث ہیں' اس کے برعکس اگر لوگوں کا یقین یہ ہو کہ علماء اس طرح کے گناہوں کا ارتکاب نہیں کر سکتے تو وہ خود بھی ان سے بچیں گے' اور ان کے اندر یہ جرأت بھی پیدا نہ ہوگی کہ ان گناہوں کو حقیر سمجھیں' ہم نے بہت سے دنیادار لوگوں کو دیکھا ہے کہ وہ مال و دولت اور جاہ و منصب کے لیے اپنی محبت اور خواہش کے جواز پر صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے واقعات سے استدلال کرتے ہیں' خاص طور پر حضرت علی اور حضرت معاویہ کی جنگ سے' ان کے خیال میں نعوذ باللہ ان حضرات کی یہ جنگ طلب حق کے لیے نہ تھی بلکہ جاہ و منصب کا حصول ان حضرات کا مطمع نظر تھا۔ بلاشبہ ان لوگوں کا یہ خیال انتہائی غلط ہے اور ان کی باطنی خباثتوں کا آئینہ دار ہے۔ اقتدار کی تڑپ اور مال و منال کی خواہش انہیں اس طرح کی خیال آرائیوں پر مجبور کرتی ہے' اور یہ حقیقت بھی ہے کہ کینہ فطرت لوگ اس طرح کی حیلہ جوئی کرہی لیتے ہیں' ان کی نظر اچھائیوں پر نہیں ٹھہرتی' برائیوں کو یہ ایسے ایسے معنی پہناتے ہیں کہ عقل دنگ رہ جاتی ہے' یہ شیطانی فریب ہے جو انہیں پابہ زنجیر کئے ہوئے ہے' ان کے دل اور ان کی عقلیں اسی فریب کا شکار ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے بارے میں ارشاد فرمایا ہے جو شیطان کی مفوات پر دھیان نہیں دیتے' اور صحیح راستے پر چلتے ہیں' فرمایا:۔

اَلَّذِیْنَ یَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ فَیَتَّبِعُوْنَ اَحْسَنَهٗ (پ ۲۳ ر ۱۶ آیت ۱۸)

جو اس کلام (الٰہی) کو کان لگا کر سنتے ہیں پھر اس کی اچھی اچھی باتوں پر چلتے ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کی کیا خوب مثال بیان فرمائی ہے جو اچھائی کے پہلو سے برائی تلاش کرتا ہے' اور خیر کو شر پر محمول کرتا ہے' فرمایا:۔

مثل الذی یسمع الحکمة ثم لا یحمل منها الا شر ما یسمع کمثل رجل اتی راعیا فقال: یا راعی الغنم اجزر لی شاة من غنمک' فقال اذھب نخذ خیر شاة فیها فذھب فاخذ باذن کلب الغنم (ابن ماجہ۔ ابوہریرہ)

اس شخص کی مثال جو حکمت کی باتیں سنے اور ان سے شر کے علاوہ کچھ نہ حاصل کرے ایسی ہے جیسے وہ شخص جو کسی چرواہے کے پاس آکر کہے کہ اے چرواہے: مجھے اپنے گلے میں سے کوئی (عمدہ سی) بکری دے دے' اور چرواہا یہ کہے کہ تم خود ہی گلے کی بکریوں میں سے کوئی بہترین بکری لے لو' وہ شخص جائے اور گلے کے کتے کا کان پکڑ کر لے آئے۔

جو شخص ائمہ کی لغزشیں نقل کرتا ہے اس کی مثال بھی یہی ہے کہ وہ ان کی اچھی باتیں پھیلانے کے بجائے ان باتوں کی تبلیغ کررہا ہے جو ان سے بتقاضائے بشریت سرزد ہوئیں۔ کسی چیز کی اہمیت اس وقت بھی ختم ہوجاتی ہے جب اس کا مشاہدہ بار بار ہو۔ اس کے لیے ایک مثال لیجئے' کوئی مسلمان اگر رمضان میں روزے نہ رکھے اور دن میں کھاتا پیتا نظر آئے تو لوگ اسے بہت برا سمجھتے ہیں بلکہ بعض لوگ تو اس پر کفر کا فتویٰ بھی لگانے سے گریز نہیں کرتے' لیکن وہی شخص اگر ایک یا کئی نمازیں ترک کردے تو اس پر نہ انہیں حیرت ہوتی ہے اور نہ اس کا یہ عمل ان کے لئے باعث نفرین ہوتا ہے' حالاں کہ روزے سے زیادہ نماز کی اہمیت ہے' بعض

ائمہ نے نماز ترک کرنے والے کو کافر بھی کہا ہے' اور بعض لوگوں نے اس کے اس جرم کو قابل گردن زنی قرار دیا ہے' جب کہ روزہ نہ رکھنے والے کے لیے کسی بھی امام نے کفر و قتل کا حکم نہیں دیا' پھر کیا وجہ ہے کہ روزہ کے ترک پر اس قدر برہمی' اور نماز کے ترک پر لاپروائی' اور تساہل؟ وجہ یہی ہے کہ نماز بار بار آتی ہے' اور تساہل کرنے والے بھی بار بار تساہل کرتے ہیں جب کہ روزے سال بھر میں ایک مرتبہ آتے ہیں یہی وجہ ہے کہ اگر لوگ کسی فقیہہ کو سونے کی انگوٹھی پہنے ہوئے یا ریشمی لباس زیب تن کئے ہوئے یا سونے چاندی کے برتنوں میں پانی پیتے ہوئے دیکھیں تو انہیں بڑی حیرت ہوتی ہے' اور وہ شدت سے اس کا انکار کرتے ہیں لیکن اگر یہی لوگ اس فقیہہ کو کسی مجلس میں غیبت کرتے ہوئے سنیں تو انہیں کوئی حیرت نہیں ہوتی' حالاں کہ غیبت زنا سے بھی زیادہ سخت تر ہے بھلا سونے کی انگوٹھی' اور ریشمی کپڑے پہننے سے زیادہ سخت کیوں نہ ہوگی لیکن کیوں کہ غیبت کثرت سے ہوتی ہے' اور ریشمی لباس پہننے کا منظر کبھی کبھی نظر آتا ہے اس لیے وہ غیبت کو اہمیت نہیں دیتے' اور اسے بھی عام سی بات سمجھ کر نظر انداز کردیتے ہیں۔

ان باریکیوں کو سمجھو' غور کرو' اور لوگوں سے اس طرح دور بھاگو جس طرح تم شیر سے ڈر کر دور بھاگتے ہو' ان کے ساتھ میل جول رکھو گے تو اس کے علاوہ تمہیں کچھ ہاتھ نہ لگے گا کہ تمہارے دلوں میں دنیا کی حرص اور آخرت سے غفلت پیدا ہوجائے گی' معصیت کو تم آسان سمجھو گے اور اطاعت میں تمہاری رغبت کم ہوجائے گی' اگر خوش قسمتی سے تمہیں کوئی ایسا رفیق مل جائے جو اپنے قول و فعل اور سیرت و کردار سے تمہیں ذات حق کی یاد دلاتا ہے تو اسے لازم پکڑلو' اس کا ساتھ ہرگز نہ چھوڑو' اس کے وجود کو غنیمت سمجھو' جو دو چار لمحے تمہیں اس کی معیت کے نصیب ہوجائیں وہ تمہارا گم شدہ خزانہ ہیں' ان کی حفاظت کرو' انہیں مشعل راہ بناؤ اور یہ بات ذہن میں رکھو کہ نیک آدمی کی ہم نشینی تنہائی سے بہتر ہے' اور تنہائی برے آدمی کی صحبت سے بہتر ہے۔ اگر تم یہ حقائق سمجھتے ہو اور اپنی طبیعت سے واقف ہو تو تمہارے لیے عزلت و اختلاط میں سے کوئی ایک راہ اختیار کرنا مشکل نہیں ہے' تم جان لوگے کہ تمہارا فائدہ عزلت میں ہے' یا اختلاط میں..... لیکن یہ مناسب نہیں کہ تم مطلقاً عزلت و اختلاط میں سے کسی ایک کو بہتر اور دوسرے کو برا کہو' جن امور میں تفصیل ہوتی ہے ان میں مطلقاً نفی یا اثبات سے کام نہیں چلتا' بلکہ طبائع اور احوال کے اختلاف کو سامنے رکھ کر فیصلہ کرنا پڑتا ہے۔

تیسرا فائدہ۔ فتنوں اور خصومتوں سے حفاظت:۔ عزلت کا تیسرا فائدہ یہ ہے کہ فتنوں' اور خصومتوں سے نجات ملتی ہے' اور جان و ایمان دونوں سلامت رہتے ہیں ورنہ ایسے ممالک بہت کم ہیں جہاں فتنوں کی آگ نہ بھڑکے' اور جھگڑوں عداوتوں کا شور بلند نہ ہو' عزلت نشین ہی اس آگ سے بچ سکتا ہے چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص فرماتے ہیں کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ فتنوں کا اس طرح ذکر فرمایا کہ "جب تم لوگوں کو دیکھو کہ ان کے عہد ختم ہوجائیں' ان کی امانتیں ہلکی ہوجائیں اور وہ آپس میں اس طرح دست و گریبان ہوجائیں" (اس موقعہ پر آپ نے اپنی انگلیوں کو ایک دوسرے میں پھنسا کر بتلایا) میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! ان حالات میں ہم کیا کریں' فرمایا:۔

الزم بیتک' واملک علیک لسانک وخذ ما تعرف ودع ما تنکر وعلیک بامر الخاصة ودع عنک امر العامة (ابوداؤد' نسائی)

اپنے گھر کو لازم پکڑو' اپنی زبان قابو میں رکھو' جو بات جانتے ہو اسے کرو اور جو بات نہ جانتے ہو اسے ترک کرو' خاص لوگوں کے اسوہ کو رہنما بناؤ' عام لوگوں کی تقلید مت کرو۔

حضرت ابوسعید الخدری سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کرتے ہیں۔

یوشک ان یکون خیر مال المسلم غنما یتبع بها شعب الجبال ومواقع القطر یفر بدینه من الفتن (بخاری)

قریب ہے کہ مسلمانوں کا بہترین مال بکریوں کا گلہ ہو جسے لے کروہ پہاڑ کی گھاٹیوں اور بارش کی وادیوں میں لے جائے، اور فتنوں سے اپنے ذہن کو بچا کر راہ فرار اختیار کرلے۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی اس روایت سے بھی اس مضمون کی تائید ہوتی ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:۔

سیاتی علی الناس زمان لا یسلم لذی دین دینه الامن فر بدینه من قریة الی قریة، ومن شاهق الی شاهق، ومن جحر الی جحر کالثعلب الذی یروغ قیل له ومتی ذلک یا رسول اللہ! قال اذا لم تنل المعیشة الا بمعاصی اللہ تعالی فاذا کان ذلک الزمان حلت العزوبة قالوا وکیف ذلک یا رسول اللہ وقد امرتنا بالتزویج، قال اذا کان ذلک الزمان کان هلاک الرجل علی یدابویه فان لم یکن له ابواک فعلی یدی زوجته وولده فان لم یکن فعلی یدی قرابته، قالوا وکیف ذلک یا رسول اللہ قال یعیرونه بضیق الید فیتکلف مالا یطیق حتی یورده ذلک موارد الهلکة (۱)

لوگوں پر ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ صاحب دین کا دین سلامت نہ رہ سکے گا، مگر (شاید) وہ شخص اپنا دین بچا لے جائے جو ایک گاؤں سے دوسرے گاؤں، ایک پہاڑ سے دوسرے پہاڑ اور ایک بل سے دوسرے بل لومڑی کی طرح بھاگا پھرے گا، عرض کیا گیا: یا رسول اللہ! ایسا کب ہوگا؟ فرمایا: اس وقت جب کہ معیشت کا حصول اللہ تعالیٰ کے معاصی کے علاوہ کسی ذریعہ سے نہ ہوگا، جب یہ دور آئے تو مجرد رہنا جائز ہوگا، لوگوں نے عرض کیا: یہ کیسے یا رسول اللہ! آپ نے تو ہمیں نکاح کرنے کا حکم دیا ہے، فرمایا: اس دور میں آدمی کی ہلاکت اس کے والدین کے ہاتھوں ہوگی، والدین نہ ہوں گے تو بیوی بچے تباہی کا سبب بنیں گے، اور بیوی بچے نہ ہوں گے تو اقرباء ہلاکت میں ڈالیں گے، صحابہ نے عرض کیا، یا رسول اللہ! ان کے ہاتھوں تباہی کس طرح ہوگی، فرمایا وہ لوگ اسے تنگ دستی کا طعنہ دیں گے، وہ اپنی استطاعت سے زیادہ حاصل کرنے کی کوشش کرے گا اور اس طرح وہ ہلاکت میں پڑ جائے گا۔

یہ حدیث اگرچہ تجرد کے سلسلے میں ہے لیکن اس میں عزلت کا مفہوم بھی ہے، شادی شدہ آدمی معیشت اور مخالطت سے بے نیاز نہیں رہ سکتا، اور معیشت بغیر معصیت کے دشوار ہو جائے گی۔ اس لئے بہتر یہی ہوگا آدمی عزلت اختیار کرے، میں یہ نہیں کہتا کہ جس زمانے کی پیشین گوئی حدیث شریف میں مذکور ہے وہ زمانہ یہی ہے، بلکہ یہ زمانہ تو آج سے بہت پہلے آچکا، اسی زمانے کی آمد پر حضرت سفیان ثوریؒ نے ارشاد فرمایا تھا "بخدا جو مجرد رہنا جائز ہو گیا"..... ابن مسعود روایت کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فتنوں اور ہنگاموں کے دنوں کا ذکر فرمایا میں نے عرض کیا، یا رسول اللہ! وہ دن کب آئیں گے؟ فرمایا: جب آدمی اپنے ہم نشین سے محفوظ و مامون نہ رہ سکے گا میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! ان حالات میں ہمارے لیے کیا حکم ہے؟ فرمایا: اپنے نفس اور ہاتھ کو روکو، اور اپنے گھر میں رہو، میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! اگر کوئی شخص میرے پاس گھر میں چلا آئے تو کیا

---

(۱) اس روایت کا حوالہ کتاب النکاح میں گذر چکا ہے۔

کروں؟ فرمایا گھر کے اندرونی کمرے (کوٹھری) میں گھس جانا' میں نے عرض کیا اگر وہاں بھی آجائے' فرمایا مسجد میں چلے جانا' اور اس طرح کرنا (آپ نے اپنا پنجا پکڑلیا) اور یہ کہنا میرا رب اللہ ہے۔ یہ عمل اس وقت تک جاری رکھنا جب تک تمہیں موت نہ آجائے (ابوداؤد مختصراً' خطابی مفصلاً) حضرت معاویہ کے دور حکومت میں جب حضرت سعدؓ کو کچھ لوگوں نے قتال کی دعوت دی تو انہوں نے جواب دیا کہ میں صرف اس صورت میں لڑ سکتا ہوں کہ میرے پاس نطق و بینائی رکھنے والی تلوار ہو' جو مجھے یہ بتلادے کہ یہ کافر ہے اسے قتل کرو' اور یہ مومن ہے اس سے ہاتھ روکو۔ پھر فرمایا: ہماری اور تمہاری مثال ایسی ہے جیسے کچھ لوگ کھلے راستے پر گامزن ہوں کہ اچانک آندھی چلے' اور وہ راستہ بھول جائیں' کوئی شخص انہیں دائیں طرف چلنے کو کہے' اور وہ اس پر چل کر گمراہ ہو جائیں' کوئی شخص بائیں طرف اشارہ کرے' اور یہ راستہ بھی منزل مقصود تک نہ پہنچے' اور راہ میں ہلاک ہو جائیں' اس قافلے میں چند لوگ ایسے بھی تھے جنھوں نے ادھر ادھر چلنے سے انکار کردیا' اور وہیں ٹھہرے رہے' اور آندھی ختم ہونے اور گرد و غبار چھٹ جانے کا انتظار کرتے رہے' جب راستہ صاف ہو گیا آگے بڑھے' اور منزل مقصود تک پہنچے۔ حضرت سعدؓ اور ان کی جماعت کے بہت سے رفقاء فتنوں میں شریک نہیں ہوئے' اور جب تک فتنوں کی آگ سرد نہیں ہوئی گوشہ نشین رہے حضرت ابن عمرؓ کے بارے میں منقول ہے کہ انہیں جب یہ اطلاع ملی کہ حضرت حسینؓ عراق روانہ ہو گئے تو آپ بھی پیچھے پیچھے چلے' راستہ میں حضرت حسین کا قافلہ مل گیا' دریافت کیا آپ کہاں جارہے ہیں؟ فرمایا : عراق' اس کے بعد آپ نے وہ تمام خطوط دکھلائے جو عراق کے لوگوں نے ان کے پاس بھیجے تھے' اور جن میں انہیں اپنے یہاں آنے کی دعوت دی تھی' ابن عمرؓ نے کہا کہ آپ ان خطوط کا خیال نہ کریں' اور واپس تشریف لے چلیں' لیکن حضرت حسینؓ نے ان کی بات نہیں مانی' حضرت ابن عمرؓ نے یہ حدیث سنائی کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حضرت جبرائیل علیہ السلام آئے' اور آپ کو دنیا و آخرت میں سے اپنے لئے پسند کرنے کا اختیار دیا۔ آپ نے اپنے لئے آخرت پسند فرمائی (طبرانی اوسط) اس کے بعد آپ نے کہا : اے حسین! آپ جگر گوشہ رسول ہیں' آپ میں سے کوئی دنیا کا والی نہیں ہو گا۔ اللہ نے آپ پر شر کے دروازے بند رکھے ہیں' صرف خیر کے دروازے کھولے ہیں' اس لئے میرا مشورہ یہ ہے کہ آپ عراق نہ جائیں' واپس چلیں' لیکن حضرت حسین نے واپسی سے انکار فرمایا' حضرت ابن عمرؓ نے ان سے معانقہ کیا' اور رخصت کرتے ہوئے کہا میں آپ کو اللہ کے سپرد کرتا ہوں' جس وقت فتنے رونما ہوئے دس ہزار صحابہ موجود تھے' مگر چالیس سے زیادہ صحابہ نے جرأت نہیں کی۔ طاؤس گوشہ نشین ہو کر رہ گئے تو لوگوں نے ان سے استفسار کیا' فرمایا : میں زمانے کے فساد اور سلاطین کے ظلم کے خوف سے یک سو ہو گیا ہوں عروہ ابن الزبیرؓ نے مقام عقیق میں اپنا گھر بنوایا اور اسی میں رہنے لگے' مسجد میں بھی آنا جانا بند کردیا' لوگوں نے وجہ دریافت کی' فرمایا تمہاری مسجدوں میں لہو و لعب' تمہارے بازاروں میں لغویات اور تمہاری گلی کوچوں میں ہنگامہ شور و شر ہے' اس لئے میں نے یہی بہتر سمجھا کہ اس گھر میں یک سو ہو کر بیٹھ جاؤں' اسی میں نجات ہے۔

چوتھا فائدہ۔ لوگوں کی ایذا سے حفاظت :۔ عزلت کا ایک فائدہ یہ ہے کہ لوگوں کی ایذا سے تم محفوظ رہتے ہو' لوگ کبھی تو تمہیں غیبت سے ستاتے ہیں' کبھی سوء ظن اور تہمت سے' کبھی چغلی اور جھوٹ سے' کبھی تم سے اپنی غیر ممکن حاجت روائی کا مطالبہ کرکے بعض اوقات وہ تمہاری مجلس میں آتے ہیں اور تمہارے اعمال و اقوال پر سخت نظر رکھتے ہیں اور جس قول و عمل کی حقیقت کے ادراک سے ان کے ذہن عاجز رہتے ہیں اسے ذخیرہ کرلیتے ہیں' اور مواقع شر میں اس کا اظہار کرتے ہیں' تاکہ تمہیں بدنام کرسکیں' اگر تم نے عزلت اختیار کی تو تم ان تمام مصیبتوں سے نجات پاجاؤ گے۔ اسی لیے ایک دانا نے اپنے شاگرد سے کہا کہ میں تجھے ایسے دو شعر سکھلاتا ہوں جو دس ہزار درہم سے قیمتی ہیں۔

اخفض الصوت ان نطقت بلیل　　والتفت بالنہار قبل المقال

لیس للقول رجعۃ حین یبدو　　بقبیح یکون او بجمال

ترجمہ : (اگر تم رات کو بولو تو اپنی آواز پست رکھو' اور دن میں بولنے سے قبل اِدھر اُدھر دیکھ لو' جب بات زبان سے نکل جاتی ہے تو واپس نہیں آتی چاہے وہ اچھی ہو' یا بری)۔

اس میں شک نہیں کہ لوگوں سے اختلاط رکھنے والے شخص کا کوئی نہ کوئی حاسد یا دشمن ضرور ہوتا ہے' جو اس کے درپے آزار رہتا ہے' اسے ستاتا ہے' اس کے لیے مکروفریب کے جال بنتا ہے' اس لیے کہ انسان جب حریص ہوتا ہے تو وہ ہر آواز اور حرکت کو اپنے مفادات کے خلاف سمجھتا ہے اور ہر دوسرا شخص اسے اپنا مخالف نظر آتا ہے چنانچہ متنبی کہتا ہے۔

اذا ساء فعل المرء ساء ت ظنونه وصدق مایعتادہ من توهم
وعادی محبیه بقول عداته فاصبح فی لیل من الشک مظلم

ترجمہ : (جب آدمی بدعمل ہوتا ہے تو اس میں بدگمانی بھی پیدا ہوجاتی ہے اور وہ معمولی معمولی باتوں کو بھی اہمیت دیتا ہے' دشمنوں کے قول پر اعتماد کرتے ہوئے اپنے دوستوں سے دشمنی کرتا ہے اور شک کے دبیز اندھیرے میں رہتا ہے)

یہ مقولہ بہت مشہور ہے کہ بروں کی ہم نشینی اچھوں کے بارے میں بدگمانیوں کو ہوا دیتی ہے' اس شر کی بے شمار انواع ہیں جو انسان کو اپنے حلقۂ تعارف سے پہنچتا ہے' ہم یہاں اس کی مزید تفصیل نہیں کرنا چاہتے' جو کچھ ذکر کیا گیا اس میں شر کی تمام انواع کا مجمل ذکر ہے' اور عقل مندوں کے لیے اس میں بڑا سامان عبرت ہے' عزلت ہی شر کی تمام قسموں کا واحد علاج ہے' بہت سے بزرگوں نے جنہوں نے عزلت کا تجربہ کیا۔ اس کی گواہی دی ہے۔ چنانچہ ابوالدرداء فرماتے ہیں کہ اپنے ہم نشیں کو آزمالو' تاکہ اس کا دوسرا رخ بھی سامنے آجائے ایک شاعر کے یہ دو شعر بھی اسی قول کی تشریح ہیں۔

من حمد الناس ولم یبلهم ثم بلاهم ذم من یحمد
وصار بالوحدة مستانسا یوحشه الاقرب والابعد

ترجمہ : (جو شخص آزمائے بغیر لوگوں کی تعریف کرتا ہے جب انھیں آزمالیتا ہے تو برا کہتا ہے یہاں تک کہ وہ تنہائی سے مانوس ہوجاتا ہے اور قریب و بعید ہر شخص اسے اپنے لئے سامان وحشت نظر آتا ہے)۔

حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ عزلت میں برے ہم نشین سے راحت ملتی ہے' عبداللہ بن الزبیرؓ سے کسی نے عرض کیا کہ کیا آپ مدینے تشریف نہیں لائیں گے؟ فرمایا: وہاں جاکر کیا کروں' اب تو اس شہر میں حاسدانِ نعمت کے علاوہ کوئی بھی نہیں ہے۔ ابن السماکؒ نے فرمایا کہ ہمارے ایک دوست نے ہمیں یہ خط لکھا ہے "پہلے لوگ دوا تھے' اور ان کے ذریعے ہم اپنے امراض کا علاج کرتے تھے' اب یہ لوگ لاعلاج مرض بن گئے ہیں' ان سے اس طرح بھاگو جس طرح تم شیر سے بھاگتے ہو۔" ایک عرب کے بارے میں منقول ہے کہ اس نے کسی درخت کے پاس اپنا ٹھکانا بنالیا تھا' وہ یہ کہا کرتا تھا کہ میں نے اس درخت کو اپنی ہم نشینی کے لیے اس کی تین خصلتوں کی وجہ سے منتخب کیا ہے۔ ایک یہ کہ میری بات سنتا ہے اور چغلی نہیں کرتا' دوسری یہ کہ میں اس پر تھوک دیتا ہوں تو مجھ پر خفا نہیں ہوتا' تیسری یہ کہ میری بدخلقی برداشت کرتا ہے' ہارون رشید نے جب یہ واقعہ سنا تو بہت متاثر ہوا اور کہنے لگا کہ اس عرب بدو نے تو مجھے ہم نشینوں کے سلسلے میں زاہد بنا دیا۔ کسی بزرگ کا ذکر ہے کہ وہ دفتر میں یا قبرستان میں بیٹھے رہتے' کسی نے ان سے اس کی وجہ دریافت کی' انہوں نے جواب دیا کہ تنہائی سے زیادہ سلامتی مجھے کسی چیز میں نہیں ملتی' قبر سے زیادہ کوئی واعظ اور دفتر سے زیادہ کوئی نفع پہنچانے والا جلیس مجھے نظر نہیں آتا۔ حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک سال حج کے لیے رخت سفر باندھا تو ثابت بنانی میرے پاس آئے' اور کہنے لگے کہ میں بھی اس سفر میں آپ کے ساتھ رہنا چاہتا ہوں' میں نے جواب دیا کہ بھائی' بہتر یہی ہے کہ تم ساتھ چلنے کا ارادہ ملتوی کردو' ہمیں اللہ کی پردہ پوشی میں رہنے دو' ایسا نہ ہو کہ ساتھ رہیں تو ایک دوسرے کے ایسے حالات پر مطلع ہوں جو نفرت اور باہمی بغض کا باعث بنیں۔ حضرت حسن بصریؒ کے اس انکار میں یہ اشارہ بھی ہے کہ

عزلت دین' وضعداری' اخلاق اور اقتصادی حالات کے لیے پردہ پوشی بھی ہے' اور اللہ تعالیٰ نے پردہ پوش کرنے والوں کی تعریف کی ہے' ارشاد فرمایا:۔

يَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ أَغْنِيَاءَ مِنَ التَّعَفُّفِ (پ ۳ ر ۵ آیت ۲۷۳)

اور ناواقف ان کو تونگر خیال کرتا ہے انکے سوال کے بچنے کے سبب سے۔

ایک شاعر کہتا ہے:۔

ولا عار ان زالت عن الحر نعمة ولكن عارا ان يزول التجمل

ترجمہ : اس میں کوئی عار نہیں کہ شریف آدمی سے دولت سلب ہوجائے لیکن عار کی بات یہ ہے کہ ظاہری وضع داری باقی نہ رہے۔

انسان اپنے دین' دنیا' اخلاق اور افعال و اعمال کے کچھ نہ کچھ ایسے پہلو ضرور رکھتا ہے جن کی پردہ پوشی ہی اس کے لیے دنیا و آخرت میں مفید ہو' اور سلامتی کی ضامن ہو۔ ابوالدرداء فرماتے ہیں کہ پہلے لوگ شاداب پتوں کی طرح تھے جن میں کوئی کانٹا نہیں تھا' اور آج کے لوگ خاردار پتوں کی طرح ہیں جب قرن اول کے آخری دور کا یہ حال تھا تو اس دور کا کیا عالم ہوگا جس میں ہم سانس لے رہے ہیں یہ تو خیر القرون سے بہت دور ہے۔ سفیان بن عیینہ کہتے ہیں کہ مجھ سے سفیان ثوریؒ نے اپنی زندگی میں بیداری کی حالت میں اور وفات کے بعد خواب میں یہ فرمایا کہ لوگوں سے جان پہچان کم رکھو' ان سے چھٹکارا پانا بہت مشکل ہے۔ میرا خیال یہ ہے کہ مجھے جو کچھ برائیاں ملی ہیں وہ واقف کاروں ہی سے ملی ہیں۔ ایک بزرگ روایت کرتے ہیں کہ میں مالک بن دینار کی خدمت میں حاضر ہوا ان کے زانو پر ایک کتا اپنی گردن رکھے لیٹا ہوا تھا' میں نے اسے بھگانا چاہا تو آپ نے مجھے روک دیا اور فرمایا کہ یہ بے زبان نہ تکلیف دیتا ہے نہ نقصان پہنچاتا ہے' یہ برے ہم نشیں سے بہتر ہے۔ ایک بزرگ سے دریافت کیا گیا کہ اس کی کیا وجہ ہے کہ آپ لوگوں سے الگ تھلگ ہو کر رہ گئے ہیں؟ فرمایا: مجھے یہ خوف تھا کہ کہیں میرا دین نہ سلب ہوجائے اور مجھے اس کا احساس بھی نہ ہو۔ یہ جواب دراصل برے ہم نشینوں کی صحبت کے اثرات پر تنبیہ ہے' یہ اثرات کبھی شعوری طور پر اور کبھی بے شعوری میں سرایت کرجاتے ہیں' حضرت ابوالدرداء فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور لوگوں سے بچو' اس لیے کہ یہ لوگ اونٹ پر سوار ہوتے ہیں تو اسے زخمی کردیتے ہیں' گھوڑے پر سوار ہوتے ہیں تو اسے گھائل کردیتے ہیں' اور کسی مومن کے دل میں جگہ بناتے ہیں تو اسے بے نور کردیتے ہیں' ایک بزرگ نے فرمایا کہ جان پہچان کم رکھو' تمہارے دین کی سلامتی' قلب کی حفاظت' اور حقوق کے بار گراں سے سبکدوشی کے لیے قلت معرفت بے حد ضروری ہے اگر تمہاری جان پہچان زیادہ ہوگی تو حقوق بھی زیادہ ہوں گے' اور تم ان تمام حقوق کی بجا آوری سے خود کو قاصر و عاجز پاؤ گے۔ ایک دانا نے وصیت کی کہ جس شخص سے واقف ہو اس سے اجنبی بن کر رہو' اور جس سے ناواقف ہو اس سے واقفیت حاصل کرنے کی کوشش نہ کرو۔

پانچواں فائدہ۔ حرص و طمع کا خاتمہ:۔ عزلت کا ایک فائدہ یہ ہے کہ لوگ تم سے کوئی طمع نہ رکھیں گے اور تم لوگوں سے کوئی طمع نہ رکھو گے' لوگوں کی طمع کا خاتمہ تمہارے حق میں بے حد مفید ہے اگر تم کسی کی حاجت روائی بھی کرو تب بھی یہ مشکل ہی ہے کہ اسے راضی رکھ سکو' اس سے بہتر یہی ہے کہ آدمی خود اپنے نفس کی اصلاح کا اہتمام کرے' دوسرے کے کام میں لگنے سے کیا فائدہ' دوسروں کے جو حقوق تم سے متعلق ہوسکتے ہیں ان میں ادنیٰ حقوق یہ ہیں: جنازہ کی مشایعت' مریض کی عیادت' نکاح اور ولیمے میں شرکت' ان میں وقت کا ضیاع بھی ہے اور دوسری بہت سی الجھنیں اور پریشانیاں بھی' بعض اوقات کوئی حق ادا نہیں ہوپاتا اور لوگ شکایتیں کرتے ہیں' اگرچہ تمہارے پاس معقول اعذار ہوں لیکن معقول لوگ کہاں کہ تمہارے عذر قبول کریں' یہ شکوے اور شکایتیں بعد میں عداوت کی شکل اختیار کرلیتی ہیں' چنانچہ کہتے ہیں کہ جو شخص بیمار کی عیادت نہیں کرتا وہ اس کی موت چاہتا ہے تاکہ وہ صحت یاب ہو کر باہر نکلے تو اس کا سامنا کرکے شرمندگی نہ اٹھانی پڑے' اسی طرح ہم یہ بھی دیکھتے ہیں کہ جو شخص سب کے ساتھ

یکساں سلوک کرتا ہے یعنی کسی کے غم یا خوشی میں شریک نہیں ہوتا اس سے سب خوش رہتے ہیں اور اسے معذور تصور کرتے ہیں لیکن جو شخص تخصیص کرتا ہے اس سے سب وحشت کرتے ہیں پھر یہ حقیقت بھی ہے کہ دنیاداروں کے حقوق اتنے زیادہ ہیں کہ ایک شخص اپنا تمام وقت ان کی ادائیگی کے لیے وقف کردے تب بھی وہ حقوق ادا نہ ہوں' ایک ایسا شخص جو اپنے عقبی کی فلاح و بہتری میں مصروف ہو اتنا وقت کیسے دے سکتا ہے؟ غالباً اسی لیے عمرو بن العاص فرمایا کرتے تھے کہ دوستوں کی کثرت قرض خواہوں کی کثرت ہے۔ ابن الرومی کے یہ دو شعر ملاحظہ ہوں:۔

عدوک من صدیقک مستفاد فلا تستکثرن من الصحاب
فان الداء اکثر ماتراہ یکون من الطعام او الشراب

ترجمہ: (دشمن دوستوں سے جنم لیتے ہیں' اس لیے زیادہ دوست مت بناؤ' اکثر وہ امراض جن کا تم مشاہدہ کرتے ہو کھانے پینے ہی کے نتیجے میں پیدا ہوتے ہیں)

امام شافعی فرماتے ہیں کہ عداوت کی بنیاد یہ ہے کہ کمینہ فطرت لوگوں کے ساتھ حسن سلوک کیا جائے' یہ گفتگو عام لوگوں کی طمع کے انقطاع کے سلسلے میں تھی' لوگوں سے تمہاری کوئی طمع نہ رہے اس میں بھی بڑے فوائد ہیں' حرص ایک مذموم وصف ہے اور اس کا نتیجہ عموماً ناکامی کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے' ناکامی اپنے دامن میں اذیت لاتی ہے' آدمی گوشہ نشین ہو تو نہ اسے کوئی حرص ہو نہ اس کی کسی کے مال پر نظر ہو اور نہ اس کے حصول کی طمع ہو' اور نہ وہ اذیت میں مبتلا ہو۔ قرآن پاک میں ہے:۔

وَلَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ إِلَىٰ مَا مَتَّعْنَا بِهِ أَزْوَاجًا مِّنْهُمْ (پ ۱۶ ر ۱۷ آیت ۱۳۱)

اور ہرگز ان چیزوں کی طرف آپ آنکھ اٹھا کر نہ دیکھیں جن سے ہم نے ان کے مختلف گروہوں کو (ان کی آزمائش کے لیے) متمتع کر رکھا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:۔

انظروا الی ماھو دونکم ولا تنظروا الی من ھو فوقکم فانہ احبط ان لا تزدردا نعمۃ اللہ علیکم (مسلم۔ ابوہریرۃ)

اس کو دیکھو جو تم سے کم ہو' اسے مت دیکھو جو تم سے زیادہ ہو' یہ اس لیے کہ تم اپنی ذات پر اللہ کی نازل کردہ نعمتوں کو حقیر نہ سمجھو۔

عون بن عبداللہ کہتے ہیں کہ پہلے میں مالداروں کی مجلس میں بیٹھا کرتا تھا' اس زمانے میں میری کیفیت یہ تھی کہ جب ان کے خوب صورت اور قیمتی لباس' اور فربہ گھوڑے دیکھتا تو دل حسرت و غم سے کٹ کر رہ جاتا' پھر میں نے غریبوں سے تعلقات بڑھائے' اور ان کی مجلس میں آنا جانا شروع کیا تو یہ ساری کیفیت زائل ہو گئی' مزنی کا واقعہ ہے کہ ایک روز وہ جامع فسطاس سے نکل رہے تھے کہ اچانک ابن عبدالحکم اپنے لاؤ لشکر کے ساتھ آتا ہوا نظر آیا آپ اس کی شان و شوکت دیکھ کر حیران رہ گئے' اور یہ آیت تلاوت کی:۔

وَجَعَلْنَا بَعْضَكُمْ لِبَعْضٍ فِتْنَةً أَتَصْبِرُونَ (پ ۱۸ ر ۱۷ آیت ۲۰)

اور ہم نے تم میں ایک کو دوسرے کے لیے آزمائش بنایا ہے کیا تم صبر کرو گے۔

پھر فرمایا: یقیناً میں صبر کروں گا' میں راضی رہوں گا' یاد رہے مزنی کی مالی حالت بہت خراب تھی' بہرحال جو شخص گوشہ نشین رہے وہ اس طرح کے فتنوں میں مبتلا نہیں ہو سکتا اور نہ دنیا کی زیب و زینت کے فتنے سے بچنا بڑا ہی صبر آزما کام ہے' آدمی میں یقین کی قوت اور صبر کی تلخی پینے کا یارا ہو تو ہر فتنے کا مقابلہ آسان ہے' ورنہ بہت سے جواں مرد اور باہمت پھسل جاتے ہیں اور اپنی دنیا و دین دونوں تباہ کر لیتے ہیں' دنیا اس لیے تباہ ہوتی ہے کہ ان کی اکثر تمنائیں پوری نہیں ہوتیں۔ اور دین اس لیے کہ وہ دنیا کو آخرت پر

ترجیح دے کر باری تعالیٰ کی ناراضگی مول لے لیتے ہیں' ابن العربی کے بقول طمع ذلت کا باعث ہے۔

اذا کان باب الذل من جانب الغنی سموت الی العلیا من جانب الفقر

ترجمہ : (جب مالداری کی راہ میں مجھے ذلت نظر آئی تو میں فقر کے دروازے سے بلندی پر پہنچا)

چھٹا فائدہ۔ احمقوں سے چھٹکارا:۔ نازک طبع اور پاکیزہ مزاج لوگوں کے لیے احمقوں کا مشاہدہ اور ان کی احمقانہ حرکتوں سے سابقہ بھی ناقابل برداشت ہوتا ہے' بعض لوگوں نے تو ان کے مشاہدے کو "نصف نابینائی" سے تعبیر کیا ہے' اعمش ایک بزرگ گذرے ہیں' ان سے کسی نے عرض کیا: آپ کی آنکھیں کیوں چندھیا گئیں؟ انہوں نے جواب دیا: احمقوں کو دیکھنے سے۔ ایک مرتبہ امام ابو حنیفہؒ اعمش کے پاس گئے' اور ان سے فرمایا کہ میں نے یہ حدیث پڑھی ہے کہ اللہ تعالیٰ جس سے اس کی دونوں آنکھیں چھین لیتے ہیں اس کا بہترین عوض عطا فرماتے ہیں (۱) تمہیں کیا عوض ملا ہے؟ انہوں نے نہایت ظریفانہ جواب دیا کہ یہ عوض کیا کم ہے کہ مجھے احمقوں کو دیکھنے سے بچالیا اور تم بھی انہیں میں سے ہو ابن سیرین ایک شخص کا یہ واقعہ نقل کرتے ہیں کہ اس نے کسی احمق کو دیکھا تو بے ہوش ہوگیا۔ حکیم جالینوس کہا کرتے تھے کہ ہر چیز کا ایک بخار ہے اور روح کا بخار بے وقوفوں کو دیکھنا ہے۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں جب بھی میں کور مغزوں کے پاس بیٹھا مجھے ایسا محسوس ہوا کہ میرا جو پہلو ان کور مغزوں سے متصل ہے وہ دوسرے پہلو کی بہ نسبت کچھ بوجھل اور ثقیل ہے۔

آخر کے چاروں فوائد کا تعلق اگرچہ دنیا سے ہے لیکن دین کی سلامتی کے لیے بھی ان فوائد کی اہمیت کا انکار نہیں کیا جاسکتا۔ اس لیے کہ انسان جب کسی بے وقوف سے اذیت پائے گا تو اس کی برائی ضرور کرے گا اور یہ غیبت ہوگی' علاوہ ازیں کسی شخص کی غیبت' بدگمانی' حسد' چغل خوری اور الزام پر انتقامی ردعمل کا بھی امکان رہتا ہے جو سراسر دین کی سلامتی کے منافی ہے' اس سے معلوم ہوا کہ سلامتی کا راز عزلت ہی میں مضمر ہے۔

اختلاط کے فوائد

جاننا چاہیے کہ دین و دنیا کے جو مقاصد اختلاط سے حاصل ہوتے ہیں وہ عزلت سے فوت ہوجائیں گے یہی عزلت کے نقصانات ہیں' اختلاط کے بہت سے فوائد ہیں مثلاً علم حاصل کرنا' علم سکھلانا' ادب سیکھنا' ادب کی تعلیم دینا' انس پانا' دوسروں کا انیس بننا' قریب و بعید کے حقوق کی ادائیگی سے ثواب پانا' تواضع اور انکساری کا عادی ہونا' حالات کے مشاہدے سے تجربات حاصل کرنا اور عبرت پانا وغیرہ۔ ذیل میں ہم ان فوائد کی الگ الگ تشریح کریں گے۔

پہلا فائدہ۔ تعلیم و تعلم:۔ اختلاط کا ایک اہم فائدہ تعلیم و تعلم ہے' عزلت سے یہ فائدہ حاصل نہیں ہوتا کیوں کہ تعلیم و تعلم کے لیے اختلاط بہت ضروری ہے' کتاب العلم میں ہم نے علم کے بے شمار فضائل لکھے ہیں' ان سے ثابت ہوا ہے کہ علم حاصل کرنا بھی عبادت ہے' اور لوگوں کو علم سے فیض یاب کرنا بھی عبادت ہے' علوم کیوں کہ بے شمار ہیں' ان میں بعض علوم مستحب ہیں اور بعض واجب اور فرض' اس لیے یہاں یہ وضاحت بھی ضروری ہے کہ واجب علوم کا سیکھنا ہی فرض ہے اگر کوئی شخص عزلت کی بنا پر اس فرض کی بجا آوری میں کوتاہی کرے گا گنہگار ہوگا' لیکن اگر اس نے فرض علوم کی واجب مقدار سیکھ لی' اب وہ اپنے طبعی رجحان کے باعث گوشہ نشین ہونا چاہتا ہے تو اس میں کوئی مضائقہ بھی نہیں ہے' تاہم بہتر یہی ہے کہ وہ تحصیل علم میں مزید وقت لگائے'

---

(۱) یہ روایت طبرانی میں جریر سے منقول ہے' روایت کے الفاظ یہ ہیں۔ "من سلبت کریمتاہ عوضہ عنھما ما ھو خیر منھما" احمد میں ابو امامہ سے بھی اسی طرح کی ایک روایت نقل ہوئی ہے' بخاری میں انس کی روایت ہے "اذا ابتلیت عبدی بحبیبتیہ ثم صبر عوضتہ منھما الجنۃ یرید عینیہ"

صلاحیت اور قدرت کے باوجود شرعی اور عقلی علوم حاصل نہ کرنا ناقابل تلافی نقصان ہے۔ اسی لیے ابراہیم نخعی وغیرہ اکابر فرمایا کرتے تھے کہ پہلے علم حاصل کرو، پھر عزلت اختیار کرو، عزلت عالم ہی کو زیب دیتی ہے، اگر کسی شخص نے عالم بننے سے پہلے ہی عزلت اختیار کی وہ اپنے اکثر اوقات سونے میں یا لایعنی امور میں فکر کرنے میں صرف کرے گا یا زیادہ سے زیادہ یہ کرے گا کہ زبان سے وظائف پڑھتا رہے اور اعضائے بدن کو عبادات میں مشغول رکھے، لیکن قلب پر قابو رکھنا اس کی طاقت سے باہر ہو گا، شیطان لعین اپنے ہتھکنڈوں سے لیس ہو کر ان راستوں سے جن کی اس جاہل عزلت نشین کو خبر بھی نہ ہو گی اس کے باطن میں گھسے گا اور طرح طرح کے فریبوں سے اس کے اعزل باطل کردے گا، اور اسے پتہ بھی نہ چلے گا کہ اس کی تمام کوششیں ضائع چلی گئی ہیں۔ علم، دین کی اصل اور بنیاد ہے، عوام اور جہلاء کی عزلت میں کوئی خیر نہیں ہے، عوام اور جہلاء سے میری مراد وہ لوگ ہیں جنہیں یہ معلوم نہیں کہ تنہائی میں عبادت کس طرح کی جاتی ہے، اور یہ کہ خلوت کے آداب کیا ہیں؟ انسان کا نفس بیمار کی طرح ہے، اگر بیمار کو مشفق ڈاکٹر کا علاج میسر نہ ہو اور وہ خود بھی ڈاکٹروں سے ناواقف ہو تو ظاہر ہے کہ اس کے مرض میں کمی ہونے کے بجائے اضافہ ہو گا، نفس کا حال بھی یہی ہے، اگر صاحب نفس خود عالم نہیں تو اسے اصلاح کے لیے عالم کی صحبت اختیار کرنی چاہیے، تنہائی اس کا علاج نہیں ہے، تعلیم میں بھی بڑا ثواب ہے بشرطیکہ استاذ اور شاگرد کی نیت صحیح ہو، اگر علم سے ان کا مقصود عزت و جاہ کا حصول ہو، یا یہ خواہش ہو کہ لوگ ان کی تعریف کریں اور ان کے متبعین و مریدین کی تعداد زیادہ ہو تو یہ نیت فاسد اور گمراہ کن ہے، اس پر ثواب کی توقع نہ رکھنی چاہیے، علم کے ضیاع اور دین کی تباہی پر بھی کہیں اجر ملتا ہے؟ ہم کتاب العلم میں اس کی وضاحت کرچکے ہیں، یہاں ہمیں علم اور عزلت کے بعض پہلوؤں پر روشنی ڈالنی ہے۔ اس زمانے میں علماء کے لیے بہتر یہی ہے کہ وہ اپنے دین کی سلامتی کی خاطر عزلت اختیار کریں، کیوں کہ اب نہ اللہ کی خوشنودی کے لیے استفادہ کرنے والے رہے اور نہ وہ طلباء رہے جو علم کے ذریعہ تبلیغ دین اور اعلاء کلمۃ اللہ کا ارادہ رکھتے ہوں، مدارس آباد ہیں علم کی مجلسوں میں ہجوم نظر آتا ہے، مگر یہ سب حقیقی علم سے دور سراب کے پیچھے دوڑ رہے ہیں، اور ان علوم کی تحصیل میں ایک دوسرے سے سبقت لے جارہے ہیں جن کے ذریعہ عوام کو بہکا سکیں اور انھیں اپنے دام فریب میں الجھا سکیں، بعض لوگ علوم مناظرہ کی تعلیم و تعلم میں مشغول نظر آتے ہیں بعض لوگ فقہ کی اختلافی جزئیات کی تحصیل میں مصروف ہیں، ان سب کا ایک ہی مقصد ہے ایک ہی مطمح نظر ہے اور وہ یہ کہ اپنے ہم عصروں پر فوقیت حاصل کریں، اور حاکمان وقت کے درباروں میں انھیں کوئی اچھا مقام مل جائے، کسی کو عہدۂ قضا کی خواہش ہے، کوئی حاکم بننا چاہتا ہے کوئی اوقاف کے تولیت کا عزم رکھتا ہے، دین کی سلامتی کا تقاضا یہ ہے کہ ایسے لوگوں سے دور ہی رہا جائے، ہاں اگر کوئی ایسا طالب علم ملے جو علم کو تقرب الٰہی کا ذریعہ سمجھتا ہو تو اسے موقع ضرور دینا چاہیے، طالب صادق کو محروم رکھنا بڑا گناہ ہے۔

سفیان ثوریؒ کا ایک مقولہ اس سے پہلے بھی اسی کتاب کے کسی باب میں گزرا ہے کہ ہم نے غیر اللہ کے لیے علم حاصل کیا، مگر علم نے اللہ کے علاوہ کسی کے لیے ہونے سے انکار کردیا، اس مقولہ سے دھوکا نہ کھانا چاہیے کہ "فقہاء" غیر اللہ کے لیے فقہ کی تعلیم حاصل کرتے ہیں پھر اللہ کی طرف رجوع کرتے ہیں، ہم یہ کہتے ہیں کہ ان میں سے اکثر و بیشتر فقہاء کی آخری زندگی پر نظر ڈالو، کیا حقیقت میں وہ اللہ کی طرف رجوع کرلیتے ہیں، یا زہد اختیار کرلیتے ہیں، ہرگز ایسا نہیں ہے، یہ لوگ دنیا کی طلب میں مرتے ہیں، اور زندگی کے آخری سانس تک اسی کے حریص رہتے ہیں مقولہ سن کر کوئی حکم لگانے کے بجائے آنکھیں کھول کر خود دیکھو، مشاہدہ کرو، پھر کوئی فیصلہ کرو، ہمارے خیال میں سفیان ثوری کی مراد علوم حدیث، تفسیر قرآن، سیر انبیاء و صحابہ میں ان علوم میں واقعتًا تخویف و تحذیر موجود ہے، ان کے پڑھنے پڑھانے سے اللہ تعالیٰ کا خوف پیدا ہوتا ہے، علم کلام اور علم فقہ، جو معاملات کے فتاویٰ اور مذہبی خلافیات پر مشتمل ہیں۔ کی یہ تاثیر نہیں ہے کہ دنیا کی وجہ سے حاصل کئے جائیں اور وہ ان کو اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ کردیں، بلکہ ان علوم کے حاصل کرنے والے آخر تک دنیا کی حرص میں مبتلا رہتے ہیں۔ البتہ اس کتاب احیاء العلوم" میں ہم نے جو مضامین بیان کئے ہیں وہ طالب علم کو اللہ کی طرف واپس لاسکتے ہیں۔ اس لیے اگر کوئی شخص دنیا کی غرض سے ان مضامین کا علم حاصل کرے

تو اسے اجازت دی جاسکتی ہے، کیوں کہ یہ کتاب قلوب میں اللہ کا خوف اور آخرت کی رغبت پیدا کرتی ہے، اور دنیا سے اعراض پر آمادہ کرتی ہے۔ یہ وہ مضامین ہیں جو حدیث، تفسیر اور آثار صحابہ و تابعین میں مل جاتے ہیں، اختلافی مسائل اور مناظرانہ کج بحثوں سے ان کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ اس لیے ہم دوبارہ یہی نصیحت کرتے ہیں کہ انسان دھوکا نہ کھائے اور ان علوم کی تحصیل میں یہ سمجھ کر مشغول نہ ہو کہ میں صحیح کر رہا ہوں، آدمی کو اپنی غلطی کم ہی نظر آتی ہے۔ جو اہل علم تعلیم و تدریس پر شدت سے حریص ہوتے ہیں عجب نہیں کہ ان کی یہ تمام تگ و دو کسی جاہ کی خاطر ہو، یا وہ جاہلوں کے مقابلے میں اپنی برتری کی خواہش رکھتے ہوں، ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق علم کی آفت تکبر ہے۔ (۱) چنانچہ بشر سے منقول ہے کہ انہوں نے اپنی سماعت کردہ احادیث کے سترہ صندوق زیر زمین دفن کردئے تھے، اور حدیث بیان کرنا چھوڑ دیا تھا، فرمایا کرتے تھے کہ میں حدیث بیان کرنے کی خواہش رکھتا ہوں اس لیے بیان نہیں کرتا، اگر میرے دل میں اس کی خواہش نہ ہوتی ضرور بیان کرتا۔ ایک مرتبہ انہوں نے فرمایا کہ حدثنا (ہم نے حدیث بیان کی) دنیا کے دروازوں میں سے ایک دروازہ ہے، اگر کوئی شخص حدثنا کہے تو سمجھ لو کہ وہ دنیا کی وسعت اور فراخی کا طالب ہے۔ رابعہ عدویہ نے سفیان ثوری سے فرمایا کہ اگر تمہیں دنیا کی رغبت و خواہش نہ ہو تو تم بہترین انسان ہو؟ انہوں نے عرض کیا بھلا مجھے دنیا کی کس چیز میں رغبت ہے؟ فرمایا: حدیث میں۔ ابو سلیمان دارانی فرمایا کرتے تھے کہ جس شخص نے شادی کی، حدیث بیان کی، اور سفر کیا، اس نے گویا دنیا کی طلب کا اظہار کیا۔ کتاب العلم میں ہم نے علم کی ان آفات پر تنبیہہ کی ہے، احتیاط اور دور اندیشی کا تقاضا یہی ہے کہ کم سے کم شاگرد بنائے جائیں۔ عزلت کے ذریعہ ہی آدمی اس طرح کی احتیاط کرسکتا ہے، بلکہ ہم تو یہ کہتے ہیں کہ جو لوگ اس زمانے میں درس و تدریس کا مشغلہ اختیار کئے ہوئے ہیں ان کے حق میں بہتر یہی ہے کہ وہ اپنا یہ مشغلہ ترک کردیں۔ ابو سلیمان خطابی نے بھی علماء کو یہ نصیحت کی ہے کہ جو لوگ تمہارے پاس علم کی رغبت لے کر آئیں انھیں ٹال دو، اس لیے کہ تم ان سے نہ مال حاصل کرسکتے ہو، اور نہ جمال، وہ ظاہر کے دوست اور باطن کے دشمن ہیں، جب تم سے ملیں گے تو تمہاری خوشامد کریں گے اور تمہاری عدم موجودگی میں تمہاری برائی کریں گے، یہ لوگ تمہاری ہر حرکت پر نظر رکھتے ہیں، اور باہر نکل کر نکتہ چینی کرتے ہیں، یہ منافق، چغل خور، دغاباز، اور فریب کار لوگ ہیں، اپنی مجلس میں ان کا ہجوم دیکھ کر دھوکا مت کھانا، ان کا مقصد علم کا حصول نہیں ہے، بلکہ یہ جاہ و مال کی غرض لے کر آئے ہیں، اور اپنے اغراض کی تکمیل کے لیے تمہیں ذریعہ بنانا چاہتے ہیں، اگر تم نے ان کی کسی غرض کی تکمیل میں ادنی کوتاہی بھی کی تو یہ تمہارے شدید ترین دشمن بن جائیں گے، یہ لوگ سمجھتے ہیں کہ تمہارے حلقۂ درس میں ان کی آمد تمہاری ذات پر ان کا احسان عظیم ہے، اور وہ تعلیم کو تمہارا واجب حق تصور کرتے ہیں، اور تم سے یہ خواہش رکھتے ہیں کہ تم ان کی خاطر اپنی عزت، جاہ اور دین سب کچھ داؤں پر لگا دو، ان کے دشمنوں کے دشمن اور دوستوں کے دوست بنو، ان کے قریب و عزیز کی مدد کرو، تم عالم ہو لیکن وہ تمہیں بے وقوف سمجھتے ہیں، تم متبوع ہو لیکن وہ تمہیں اپنا تابع سمجھتے ہیں، اسی لیے کہا گیا ہے کہ عوام الناس سے کنارہ کش رہنا شرافت کی نشانی ہے، یہ ابو سلیمان خطابی کی طویل نصیحت کا ماحصل ہے۔ اس میں شک نہیں کہ خطابی نے جو کچھ فرمایا درست فرمایا ہمارے دور کے مدرسین اور معلمین کی واقعتہً یہی حالت ہے، انھیں غلام سمجھا جاتا ہے، اور جو کچھ وہ کرتے ہیں اسے ان کی ذمہ داری قرار دیا جاتا ہے، اگر وہ یہ ذمہ داری ادا نہ کریں تو مجرم ہیں، قابل گردن زدنی ہیں۔ حد تو یہ ہے کہ اگر کوئی استاذ اپنے مال میں طالب علم کا وظیفہ مقرر نہ کرے تو اس سے کوئی استفادہ نہیں کرتا۔ ایک معمولی مدرس کی یہ اوقات کہاں کہ وہ اپنا گھر بھی سنبھالے اور تلامذہ کے پیٹ کا دوزخ بھی بھرے، مجبوراً وہ سلاطین وحکام کے در پہ جبہ رسائی کرتا ہے، اور ان کی امداد سے اپنا ذاتی مدرسہ چلاتا ہے، کتنی ذلت اور رسوائی ہے اس پیشے میں، پھر

---

(۱) مشہور یہ ہے کہ آپ نے یہ ارشاد فرمایا کہ علم کی آفت نسیان ہے اور حسن کی آفت تکبر ہے یہ روایت مثین نے اپنی مسند میں علی بن ابی طالبؓ سے نقل کی ہے۔

سلاطین کی غلامی کافی نہیں' وہ لوگ اپنے کسی عامل یا جاگردار کو سفارش لکھ دیتے ہیں' اور یہ مدرس بیچارہ در در کی ٹھوکریں کھاتا ہے اور سلاطین و حکام اس کی جھولی میں چند سکے اس طرح ڈال دیتے ہیں گویا وہ اس کی اپنی جیب خاص سے اعانت کررہے ہوں' پھر یہ درد سری یہیں ختم نہیں ہوجاتی' بلکہ زیر تعلیم طلباء کے طعام اور قیام کے مصارف میں تقسیم' اور توازن اور ترتیب کے تمام آداب کی تکمیل بھی اس کی ذمہ داری ہے' اگر منتہی طلباء کو کم ملے تو انھیں شکایت رہتی ہے' وہ حماقت اور اہل فضل سے ناواقفیت کے طعنے دیتے ہیں' برابر ملے تو بے وقوف اپنی تلخ و تند باتوں سے بیچارے مدرس کا سینہ داغ داغ کردیتے ہیں' دنیا میں بھی رسوائی اور آخرت میں بھی بربادی۔ لیکن اسے اپنی تباہی اور رسوائی کا احساس کہاں؟ وہ تو اس غلط فہمی کا شکار ہے کہ میری یہ تمام ترجدوجہد' یہ ساری سعی و کاوش رضاء الٰہی کے لیے ہے۔ میں شریعت مصطفوی صلی اللہ علیہ وسلم کی نشرو اشاعت میں مشغول ہوں' اللہ کے دین کا علم عام کررہا ہوں سلاطین کے ان اموال سے جو بلاشبہ ملی مفادات کے لیے وقف ہیں طالبان دین کی کفالت کا فریضہ انجام دے رہا ہوں۔ اشاعت علم سے اہم تر مقصد کوئی دوسرا نہیں ہوسکتا' علماء سے دین کی نمود' اور علم کی ترقی' اور کلمۃ الحق کی سربلندی ہے' اگر یہ مدرس شیطان کا کھلونا نہ ہوتا اور اس کی عقل اس مردود کی سخت زنجیروں میں قید نہ ہوگئی ہوتی تو وہ اس زمانے کی خرابی کا ادراک ضرور کرلیتا۔ آج کل ایسے فقہاء زیادہ ہوگئے ہیں جو ہر جائز و ناجائز مال کو لقمۂ تر سمجھتے ہیں اور حلال و حرام میں کوئی تمیز نہیں کرتے' ان کی یہی بے احتیاطی اور بد عملی عوام کو کھٹکتی ہے اور وہ معاصی پر جری ہوجاتی ہیں' حقیقت یہ ہے کہ رعایا کی خرابی کی تمام تر ذمہ داری سلاطین پر عائد ہوتی ہے' اور سلاطین کی بد عملی کے ذمہ دار علماء ہیں۔ ہم اس بات سے اللہ کی پناہ چاہتے ہیں کہ علماء غلط روی کا شکار ہوں اور ان کی بصیرت غفلت کے دبیز پردوں میں مستور ہوجائے۔

<u>دوسرا فائدہ۔ افادہ اور استفادہ:۔</u> استفادہ کا مطلب ہے لوگوں سے نفع اٹھانا' ظاہر ہے کہ لوگوں سے ملاقات کے ذریعہ ہی نفع اٹھایا جاسکتا ہے' اگر اختلاط نہ ہو تو یہ انتفاع محال ہے' جو شخص معاملات اور کسب و اکتساب کا ضرورت مند ہے وہ ترک عزلت پر مجبور ہے' یہ صحیح ہے کہ معاملات میں شریعت کی متعین کردہ حدود کی پابندی کرنا دشوار گزار امر ہے لیکن یہ مجاہدہ اجر و ثواب سے خالی نہیں ہے' تاہم جن لوگوں کے پاس بقدر کفایت مال ہو ان کے لیے عزلت ہی بہتر ہے' بشرطیکہ وہ قناعت پسند بھی ہوں۔ ان کے حق میں عزلت اس لیے بہتر ہے کہ اب آمدنی کے اکثر و بیشتر ذرائع معصیت سے آلودہ ہوگئے ہیں' ہاں اگر آمدنی کا کوئی جائز ذریعہ ہو اور زیادہ مال حاصل کرکے خیرات کرنے کی نیت ہو تو یہ نفلی عزلت سے بہتر ہے' لیکن اس عزلت سے بہتر نہیں ہے جو اللہ کی معرفت' اور شرعی علوم و حقائق کے ادراک کے لیے ہو' اور نہ اس عزلت سے بہتر ہے جس میں آدمی ہمہ تن باری تعالیٰ کی طرف متوجہ رہتا ہے' اور یہ کیفیت اس شخص کی ہوتی ہے جسے مناجات میں انس کشف و بصیرت کے ساتھ میسر ہو نہ کہ فاسد خیالی اور وہم کے طور پر۔ لوگوں کو نفع پہنچانے کا مطلب یہ ہے کہ اپنے مال سے یا اپنے بدن سے ان کی مدد کرے' مسلمانوں کی حاجت روائی کرنا' اور ان کی مالی یا بدنی خدمت انجام دینا کار ثواب ہے' یہ ثواب بھی مخالطت کے بغیر حاصل نہیں ہوتا۔ اگر کوئی شخص شرعی حدود کی رعایت کے ساتھ لوگوں کو اس طرح کا نفع پہنچانے پر قادر ہو اس کا یہ طرز عمل عزلت سے بہتر ہے بشرطیکہ اس کی عزت نفلی نمازوں اور بدنی اعمال (وظائف وغیرہ) کے لیے ہو' لیکن اگر وہ دوام ذکر و فکر کے ذریعہ قلب کے اعمال انجام دے رہا ہو تو اس کے لیے یہی افضل ہے کہ وہ تنہا رہے' اور اپنی مشغولیت جاری رکھے۔

<u>تیسرا فائدہ۔ تادیب و تادب:۔</u> اختلاط کا ایک فائدہ تادب و تادیب ہے' تادب سے ہماری مراد یہ ہے کہ آدمی کا نفس مرتاض ہوجائے اور لوگوں کی ایذا پر تحمل کرنے کا عادی بن جائے' نفس کی شہوت اور غرور کے خاتمے کے لیے تادب ضروری ہے' اور یہ چیز اختلاط کے بغیر حاصل نہیں ہوسکتی' اس لیے ان لوگوں کے حقوق میں اختلاط ہی بہتر ہے جن کے اخلاق مہذب نہ ہوں' اور جن کی خواہشات حدود شرعیہ کے تابع نہ ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ خانقاہوں کے خادم اپنے کام کو خدمت تصور کرتے ہیں' اور اسے

اپنے حق میں بہتر سمجھتے ہیں کیوں کہ بازار والوں کے سامنے صوفیاء کے لیے دست سوال دراز کرنے میں ذلت بھی ہے اور اس ذلت سے نفس کی رعونیت ختم ہوتی ہے' دوسری طرف انھیں صوفیوں کی دعاؤں کی برکت بھی حاصل رہتی ہے' گذشتہ زمانوں میں خانقاہی خدمت کا یہی مفہوم تھا' اب اس میں دوسری فاسد اغراض بھی مل گئی ہیں' اور پہلی جیسی بات باقی نہیں رہی ہے' یہ تبدیلی صرف خانقاہوں کے نظام ہی میں واقع نہیں ہوئی بلکہ دین کے دوسرے شعائر بھی اپنی اصل ہیئت سے منحرف ہوچکے ہیں' اب خدمت کو تواضع اور انکساری کے اظہار کا ذریعہ نہیں سمجھا جاتا بلکہ اسے مریدین کی کثرت اور مال کی ذخیرہ اندوزی کا وسیلہ خیال کیا جاتا ہے۔ اگر واقعتاً خدمت سے کسی کا مقصد یہی ہو تو اس کے حق میں عزلت ہی بہتر ہے اور اگر رعونت نفس اور کبر و غرور کے خاتمے کی نیت ہو تو اسے اختلاط کرنا چاہیے کیوں کہ عزلت میں اس کے امراض کا علاج نہیں ہے' پھر بات ریاضت ہی پر ختم نہیں ہوجاتی' ریاضت تو پہلی منزل ہے' یا کہنا چاہیے کہ سفر کے آغاز کی تیاری ہے' جس طرح گھوڑے کو سدھایا جاتا ہے' کوئی نہیں کہہ سکتا کہ گھوڑے کی تربیت سے صرف تربیت ہی مقصود ہے بلکہ مقصود سفر ہے' تاکہ وہ اپنے سوار کو سہولت اس کی منزل تک پہنچا دے' نفس بھی انسان کی سواری ہے' نفس کی ریاضت کا مقصد بھی یہی ہے کہ انسان اس پر سوار ہو اور راہ آخرت کی دشوار گزار وادیوں اور گھاٹیوں کو عبور کرتا ہوا منزل تک پہنچے' اگر نفس مرتاض نہ ہوا تو یہ ممکن ہے کہ وہ راستے میں سرکشی کرے اور اپنے سوار کو نقصان پہنچائے' معلوم ہوا کہ اصل مقصود سواری ہے' اب اگر کوئی شخص ساری عمر نفس کی ریاضت میں لگا رہے وہ ایسا ہے جیسے کوئی شخص اپنی سواری کے جانور کو سدھانے میں زندگی گذار دے' اور اس پر سوار نہ ہو فائدہ اس صورت میں بھی ہے' یعنی وہ شخص اپنے جانور کی سرکشی سے محفوظ رہے گا' لیکن یہ فائدہ مقصود بالذات تو نہیں ہے' اصل مقصد تو یہ ہے کہ وہ سواری کے لیے مفید ثابت ہو' اسی طرح نفس سے صرف ترک شہوات ہی مقصود نہیں ہے بلکہ راستے کی دشواریوں کو انگیز کرتے ہوئے آخرت کی منزل تک پہنچنا مقصود ہے' ورنہ شہوات تو نوم اور موت کے ذریعہ بھی ختم ہوجاتی ہیں' پھر کیا ضرورت ہے اس مجاہدے کی اور اس ریاضت کی؟ اس راہب کی طرح نہ ہو جس نے کہا تھا کہ میں تو وہ پاگل کتا ہوں جس نے اپنے نفس کو لوگوں کو ایذا پہنچانے سے روک دیا ہے' یہ راہب ایذا پہنچانے والے سے یقیناً اچھا تھا لیکن ترک ایذا پر ہی تو قناعت نہ کرنی چاہیے' ترک ایذا تو اس طرح بھی ہوسکتی ہے کہ آدمی اپنے آپ کو قتل کردے لیکن کیا اس سے طریق آخرت طے ہوگا؟ معلوم ہوا کہ طریق آخرت کے سفر کی اہمیت ہے' سالک کو اسی مقصد پر نظر رکھنی چاہیے' اس کے لیے اختلاط سے زیادہ عزلت معین و مددگار ہے۔ یعنی اولاً اس کے حق میں اختلاط بہتر ہے' جب ریاضت تام ہوجائے اور سلوک کی منزلیں قطع ہونے لگیں تو عزلت بہتر ہے۔

تادیب یہ ہے کہ آدمی دوسروں کی اصلاح کرے' تادیب کا تعلق شیخ سے ہے وہ اپنے مریدین کی اصلاح و تربیت ان کی مخالطت کے بغیر نہیں کرسکتا۔ شیخ کی حیثیت معلم کی سی ہے۔ گذشتہ صفحات میں ہم معلم کا حکم بیان کر آئے ہیں' وہی حکم شیخ کا بھی ہے' یعنی اگر اسے طالبان صادق ملیں' اور خود اس کی نیت بھی اصلاح و تربیت سے بخیر ہو جاہ و منصب کا حصول یا کوئی دوسری غرض فاسد دل میں نہ ہو تو اصلاح و تربیت سے دریغ نہ کرنا چاہیے' جو آفات علم میں ہیں وہی ریاضت میں بھی ہیں فرق اتنا ہے کہ طالبان ریاضت میں طلب دنیا کی علامات بعید' اور طالبان علم میں قریب ہیں' یہی وجہ ہے کہ طالبان ریاضت کم نظر آتے ہیں' شیخ کو چاہیے کہ وہ عزلت و اختلاط کے فوائد اور نقصانات پیش نظر رکھیں' اور اپنے احوال کی مناسبت سے فیصلہ کریں' اختلاط و عزلت میں سے کسی ایک کی افضلیت کا مسئلہ دقیق اجتہاد سے متعلق ہے' اس لیے نفی و اثبات کا کوئی مطلق حکم لگنا مشکل ہے۔

چوتھا فائدہ۔ موانست:۔ موانست کا مطلب ہے کسی سے انس حاصل کرنا' اور انس دینا' عزلت سے یہ فائدہ بھی فوت ہوجاتا ہے' یہ فائدہ وہ لوگ حاصل کرتے ہیں جو ولیموں' دعوتوں اور دوسری معاشرتی تقریبات میں شرکت کرتے ہیں' اس شرکت سے نفس انسانی لذت حاصل کرتا ہے' یہی موانست ہے' بعض اوقات یہ موانست حرام طریقہ سے حاصل کی جاتی ہے مثلاً ان لوگوں سے انس حاصل کرنا جن سے انس حاصل کرنا شرعاً درست نہ ہو' اور کبھی یہ موانست مباح ہوتی ہے' اور کبھی کسی امر دینی کی وجہ سے

مستحب ہوتی ہے' جیسے کوئی مشائخ سے انس حاصل کرے کہ ان کی زندگی تقوی اور اتباع شریعت سے عبارت ہے' اور مقصد یہ ہے کہ ان کے اقوال و افعال کے مشاہدے سے دل کو راحت ہوگی' نشاط اور عبادت کی تحریک پیدا ہوگی' اس لیے کہ قلوب بھی جبر واکراہ سے بے نور ہوجاتے ہیں' تنہائی ایک جبرہی تو ہے خاص طور پر ان قلوب کے لیے جو اس کے عادی نہ ہوں' اگر ایسے قلوب کے لیے گاہے گاہے تفریح کا سامان ہوتا رہے تو یہ ترقی کے مزید مدارج طے کریں گے' عبادت میں نرمی بھی احتیاط کا کام ہے' ایک دوسرے کے ساتھ بیٹھنے اٹھنے میں قلب کو راحت ملتی ہے' اور سارا تعب زائل ہوجاتا ہے' قلب کا تعب یا اکتاہٹ حیرت انگیز بھی نہیں ہے۔ حدیث میں ہے۔

ان اللہ لا یمل حتّٰی تملوا (۱)

اللہ تعالٰی نہیں اکتاتا یہاں تک کہ تم تھک جاؤ۔

قلب کا تھکنا اور اکتاہٹ محسوس کرنا فطری امر ہے' عبادت ایک مجاہدہ ہے' اگر کوئی شخص اپنے نفس کو مسلسل کسی وقفے کے بغیر اس مجاہدے میں مصروف رکھے تو کیا وہ اکتائے گا نہیں؟ ممکن ہے زور زبردستی سے قلب مصروف رہے' لیکن تابکے؟ آخر تھکن غالب آتی ہے' دین نے طاقت سے زیادہ بوجھ اٹھانے کا مکلف نہیں بنایا جو ایسا کرتا ہے وہ خود اپنے اوپر ظلم کرتا ہے' دین میں نرم روی ہی پسندیدہ ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد گرامی ان ھذا الدین متین فادخل فیہ برفق کا بھی یہی مطلب ہے نگاہ دوربیں رکھنے والے بزرگان دین کا شیوہ بھی یہی رہا ہے' چنانچہ حضرت عبداللہ ابن عباسؓ فرمایا کرتے تھے کہ اگر وسوسوں کا خوف نہ ہوتا تو میں لوگوں کے پاس نہ بیٹھتا' معلوم ہوا کہ وسوسوں کے خاتمے کا موثر علاج یہی ہے کہ لوگوں سے ملے جلے' تنہائی میں وسوسے پیدا ہوتے ہیں اور لوگوں سے بات چیت کرنے میں دور ہوجاتے ہیں' ایک مرتبہ یہ بھی فرمایا کہ اگر اندیشہ اوہام نہ ہوتا تو میں ایسے شہروں میں چلا جاتا جہاں کوئی انیس نہ ہوتا۔ عزلت نشیں کے لیے بھی ضروری ہے کہ اس کا کوئی رفیق ہو جس سے وہ دن رات میں دو چار گھڑی بات کرسکے' ہاں وہ رفیق ایسا نہ ہو کہ اس کی ہم نشینی کے یہ چند لمحے تنہائی کی تم ساعتوں کو برباد کرسکے' بلکہ اچھا رفیق تلاش کرے' رفاقت دین میں بھی موثر ہے' اور دنیا میں بھی سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:۔

المرء علی دین خلیلہ فلینظر احدکم من یخالل (۲)

آدمی اپنے دوست کے دین پر ہوتا ہے تمہیں دیکھنا چاہیے کہ تم کس سے دوستی کررہے ہو۔

اچھا رفیق وہی ہے جو تم سے ملے تو تم اس سے دین کے امور پر اور دل کے احوال پر گفتگو کرو اس سے راہ حق پر ثابت قدمی میں اپنی کوتاہی اور قصور ہمت کی شکایت کرو' اور اس کوتاہی کے خاتمے کی تدبیریں دریافت کرو' یہ اختلاط بے فیض نہیں ہے' اس سے نفس کو راحت ملتی ہے' اور یہ موضوع بہت زیادہ وسیع بھی ہے' یہ نہیں کہ دو چار مجلسوں میں ختم ہوجائے' کیوں کہ طریق آخرت خاردار رہ گذر ہے' قدم قدم پر الجھنیں اور دشواریاں ہیں' اس لیے سالک کو عجز اور قصور ہمت کی شکایت ہونا کچھ بعید نہیں ہے' یہ بھی حیرت انگیز نہیں کہ شکایتوں کا سلسلہ طویل ہوجائے اور زندگی بھر چلتا رہے' جو شخص اپنے نفس سے مطمئن ہے وہ فریب میں مبتلا ہے اسے اصلاح کی ضرورت زیادہ ہے۔ بہرحال موانست کی یہ نوعیت بعض لوگوں کے حق میں عزلت سے بہتر ہے۔ موانست سے پہلے سالک کو اپنے قلب اور جلیس دونوں ہی کے حالات کا جائزہ لینا چاہیے' بعد میں عملی قدم اٹھانا چاہیے۔

پانچواں فائدہ۔ ثواب حاصل کرنا:۔ ثواب حاصل کرنا اور دوسروں کو ثواب حاصل کرنے کا موقع دینا بھی مخالطت ہی سے ممکن ہے' ثواب حاصل کرنے کی یہ صورتیں ہوسکتی ہیں مثلاً جنازے کی مشایعت کرے' مریضوں کی عیادت کرے' عیدین کی نماز میں حاضری دے' جمعہ کی نماز اور تمام نمازوں کی جماعت میں حاضری ضروری ہے' اس کے ترک کی اجازت نہیں ہے' ہاں اگر کسی

---

(۱) یہ حدیث پہلے بھی گذر چکی ہے۔ (۲) یہ روایت کتاب الصحبت میں بھی گذری ہے۔

شدید ضرر کا اندیشہ ہو تو ترک جمعہ و جماعت کی اجازت ہے' لیکن ایسا کم ہی ہوتا ہے۔ نکاح کی تقاریب اور دعوتوں میں شرکت بھی اجر و ثواب کا باعث ہے کیوں کہ اس شرکت سے داعی کو خوشی ہوتی ہے اور مسلمانوں کو خوش کرنا بھی عبادت ہے' دوسروں کو ثواب اس طرح پہنچایا جاسکتا ہے کہ اپنا دروازہ کھلا رکھے تاکہ لوگ اس کی عیادت کے لیے آسکیں' اور اسکی خوشی و غم میں شریک ہوسکیں' لوگوں کی تعزیت' عیادت اور تہنیت پر ثواب ملتا ہے' اسی طرح اگر کوئی شخص عالم ہو' اور وہ لوگوں کو اپنی زیارت و ملاقات کی اجازت عطا کرے تو انہیں اس زیارت کا ثواب بھی ملے گا' اور کیوں کہ وہ شخص ان کے ثواب کا سبب بنا ہے اس لیے وہ بھی اس ثواب سے محروم نہیں ہوگا۔ بہرحال سالک کو مخالطت کی اس افادیت کو بھی پیش نظر رکھنا چاہیے اور نفع و نقصان کے ہر پہلو پر غور کرنے کے ساتھ ساتھ اپنے احوال پر بھی غور کرنا چاہیے' کبھی اس کے نزدیک عزلت راجح ہوگی اور کبھی مخالطت یہی وجہ ہے کہ بعض بزرگوں سے منقول ہے کہ وہ نہ دعوتیں قبول کرتے تھے اور نہ مریضوں کی عیادت کے لیے جاتے تھے اور نہ جنازوں میں شرکت کرتے تھے' بلکہ وہ اپنے گھروں میں مقید رہنا زیادہ پسند کرتے تھے' صرف نماز جمعہ اور زیارت قبور کے لیے گھروں سے باہر نکلا کرتے تھے' بعض بزرگ گھربار چھوڑ کر پہاڑوں پر جابسے تھے' تاکہ عبادت کے لئے یکسو ہوسکیں اور دنیا کی کوئی مشغولیت ذکر الٰہی میں رکاوٹ پیدا نہ کرے۔

<u>چھٹا فائدہ۔ تواضع:۔</u> تواضع کا تعلق افضل مقامات سے ہے' تنہائی میں تواضع کا اظہار ممکن نہیں ہے' بلکہ بعض اوقات تنہائی تکبر ہی کی بنا پر اختیار بھی کی جاتی ہے' یا یہ کہئے کہ تنہائی سے تکبر دور نہیں ہوتا' اور نہ تواضع و انکساری کا وصف پیدا ہوتا ہے' چنانچہ اسرائیلی روایات میں ہے کہ کسی حکیم نے حکمت کے فن میں تین سو ساٹھ صحیفے تصنیف کئے' اپنے کارنامے پر وہ اس قدر نازاں ہوا کہ خود کو اللہ کا مقرب بندہ تصور کرنے لگا' اللہ نے اس وقت کے پیغمبر کے پاس وحی بھیجی کہ فلاں شخص سے کہہ دو کہ تونے زمین کو نفاق سے بھردیا ہے' اور میں تیرا یہ نفاق قبول نہیں کروں گا' راوی کہتا ہے کہ اس تنبیہہ کے بعد وہ گوشہ تنہائی میں چلا گیا' اور زمین کے نیچے کسی تہہ خانے میں رہنے لگا' خلوت کے اس ریاض اور مسلسل عبادت نے پھر تکبر کو موقع دیا اور وہ اسی سابقہ غلط فہمی میں مبتلا ہوگیا' اور یہ سمجھنے لگا کہ اس عمل سے یقیناً میں نے اپنے رب کی خوشنودی حاصل کرلی ہے' لیکن یہ غلط فہمی بھی زیادہ دیر تک قائم نہ رہ سکی پیغمبر پر وحی نازل ہوئی کہ فلاں بندے سے کہہ دو کہ تم اس وقت تک میری خوشنودی حاصل نہیں کرسکتے جب تک لوگوں سے نہ ملو جلو' ان کی ایذا پر صبر نہ کرو' اس وحی کے بعد وہ شخص تہہ خانے سے باہر آیا' بازاروں میں گیا' لوگوں سے ملا جلا' ان کی مجلسوں میں شریک ہوا' ان کے ساتھ ایک دسترخوان پر بیٹھ کر کھانا کھایا' اور بازاروں میں چلا پھرا۔ اس کا یہ عمل اللہ کی خوشنودی کا باعث ہوا اور اسے پیغمبر کے ذریعہ مطلع کیا گیا کہ اب تم صحیح راستے پر ہو' تمہارا رب تم سے خوش ہے' اس واقعے سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ بعض لوگ اللہ کے لیے تنہائی اختیار نہیں کرتے' بلکہ وہ محض اس لئے عام محفلوں میں آنے جانے سے رکتے ہیں کہ وہاں نہ ان کی تعظیم کی جائے گی اور نہ ان کی پیشوائی ہوگی' یا وہ یہ سمجھتے ہیں کہ ہماری شان اس سے کہیں اعلیٰ و ارفع ہے کہ ہم ایسی مجلسوں میں شریک ہوں' انھیں یہ غلط فہمی بھی رہتی ہے کہ اگر ہم لاتعلق رہے تو ہماری بڑی تعریف ہوگی' اور دور دور تک شہرت پہنچے گی' بعض لوگ اس لیے بھی عزلت اختیار کرتے ہیں کہ اپنے ظاہری و باطنی عیوب کی پردہ داری کے لیے ان کے پاس اس کے علاوہ کوئی دوسرا ذریعہ نہیں ہوتا کہ روپوش ہوجائیں' اور لوگوں سے ملنا جلنا کم کردیں سادہ لوح عوام اور معتقدین یہ سمجھیں گے کہ ہمارے شیخ بیچارے بڑے ہی نیک ہیں' ان کا تمام وقت عبادت میں اور ذکر و فکر میں گذرتا ہے' حالاں کہ حقیقت میں وہ لوگ ان کے اس اعتقاد کی عملی تکذیب کرتے ہیں۔ ایسے لوگوں کی علامت یہ ہے کہ وہ خود کسی کے یہاں جانا پسند نہیں کرتے' نہ کسی تقریب میں' نہ بیماری اور موت میں' اور نہ محض ملاقات کے لیے' بلکہ ان کی خواہش یہ ہوتی ہے کہ سلاطین و حکام ان کے یہاں آئیں اور ان کے دروازوں پر عوام کا ہجوم ہو جب وہ باہر نکلیں تو لوگ ان کی دست بوسی کریں اور اسے اپنے لئے تبرک سمجھیں۔ ان لوگوں کو اگر عبادت کی وجہ سے عزلت محبوب ہوتی تو وہ دوسروں کا اپنے یہاں آنا بھی پسند نہ کرتے' بلکہ وہ فضیل ابن

عیاضؒ کی طرح ہوتے کہ ان کے ایک دوست ملاقات کے لیے ان کے پاس آئے تو انہوں نے فرمایا کہ تم اس لیے آئے ہو کہ میں تمہارے لئے بن سنور کر بیٹھوں' حاتم اصمؒ نے بھی ایک حاکم کو اسی طرح کا جواب دیا تھا' حاکم نے ان سے عرض کیا تھا کہ آپ اپنی کوئی ضرورت بیان فرمائیں' انہوں نے جواب دیا کہ میری ضرورت یہ ہے کہ نہ میں تمہیں دیکھوں اور نہ تم مجھے دیکھو۔ بہرحال جو لوگ گوشہ تنہائی کے باوجود ذکر و فکر میں مشغول نہیں ہیں وہ درحقیقت اپنے احترام و وقار کے لیے اور اپنی جھوٹی شہرت کی خاطر عزلت اختیار کئے ہوئے ہیں اس میں شک نہیں کہ ان کا یہ عمل سراسر جہالت پر مبنی ہے کاش انھیں معلوم ہوتا کہ جو لوگ علم اور دین میں بڑے ہوتے ہیں' اختلاط اور تواضع سے ان کی بڑائی میں کوئی فرق نہیں آتا' چنانچہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کھجوریں اور نمک وغیرہ اشیاء اپنے ہاتھوں یا دامن میں لیے چلے آتے۔ کوئی کچھ کہتا تو یہ شعر سنا دیتے ۔

لا ینقص الکامل من کمالہ ماجر من نفع الی عیالہ

ترجمہ : (اگر کوئی شخص اپنے عیال کے لیے کوئی چیز لے کر آئے تو اس سے اس کے کمال میں کمی نہیں آتی)

ابوہریرہؓ' حذیفہؓ' ابیؓ اور ابن مسعودؓ جیسے اکابرین صحابہ لکڑی کے گٹھر' اور آٹے کی بوریاں اپنے کندھوں پر لاد لیا کرتے تھے' حضرت ابوہریرہؓ مدینے کے والی ہونے کے باوجود جنگل سے لکڑیاں چن کر لاتے اور سر پر گٹھر رکھے ہوئے شہر میں داخل ہوتے' اور لوگوں سے کہتے اپنے امیر کو راستہ دو۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوہ مبارک بھی یہی تھا کہ آپ بازار سے کوئی چیز خریدتے اور خود ہی اٹھا کر لے جاتے' کوئی صحابی عرض کرتا یا رسول اللہ مجھے دیجئے میں لے چلوں ارشاد فرماتے اس کا مالک اسے اٹھا کر لے جانے کا زیادہ حق رکھتا ہے (ابو یعلی۔ ابوہریرہؓ) حسن ابن علی کسی راستے سے گذرتے' اور فقراء انھیں اپنے سامنے رکھے ہوئے روٹی کے ٹکڑے کھانے کی دعوت دیتے تو آپ کسی تکلف یا ہچکچاہٹ کے بغیر سواری سے اترتے اور ان کے ساتھ کھانے میں شریک ہوجاتے' اور فرماتے کہ اللہ تعالیٰ متکبرین کو پسند نہیں کرتا۔ جو لوگ گوشہ تنہائی میں بیٹھ کر لوگوں کی تحسین و آفرین اور حسن اعتقاد کے خواہاں ہیں وہ فریب کا شکار ہیں۔ اگر انھیں صحیح معنوں میں اللہ کی معرفت حاصل ہوتی وہ یہ بات اچھی طرح جان لیتے کہ لوگوں سے کسی فائدے کی توقع رکھنا خام خیالی ہے' نفع و نقصان اللہ کے ہاتھ میں ہے' کوئی شخص خواہ وہ کتنا بھی طاقت ور کیوں نہ ہو باری تعالیٰ کی مرضی کے خلاف نفع و نقصان پہنچانے پر قادر نہیں ہے' کتنے احمق ہیں وہ لوگ جو مخلوق کو خوش کرکے باری تعالیٰ کو ناراض کرنا چاہتے ہیں حالاں کہ باری تعالیٰ کو خوش کرنا زیادہ ضروری ہے' وہ اگر خوش ہے تو ساری دنیا کی ناراضگی بھی کچھ نہیں بگاڑ سکتی' اور وہ خفا ہے تو ساری دنیا کی خوشنودی اس کے عذاب سے محفوظ نہیں رکھ سکتی امام شافعیؒ نے یونس بن عبدالاعلی سے کہا تھا کہ خدا کی قسم میں بطور خیر خواہی تمہیں یہ بات بتلا رہا ہوں کہ لوگوں سے سلامت رہنے کی کوئی تدبیر نہیں ہے۔ سالک آخرت کو امام شافعیؒ کی اس نصیحت پر عمل کرنا چاہیے' اور لوگوں سے غلط توقعات وابستہ کرنے کے بجائے اپنی مصالح سامنے رکھنی چاہیں' کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے ۔

من راقب الناس مات غما وفاز باللذۃ الجسور

ترجمہ : (جو شخص لوگوں کا لحاظ کرتا ہے وہ غم میں مرجاتا ہے' دنیا میں لذت اس کو ملتی ہے جو بے باک ہو (یعنی کسی کی پروا کرنے والا نہ ہو)۔

سہیلؒ نے اپنے کسی شاگرد سے فرمایا کہ فلاں عمل کرو' اس نے عرض کیا: استاذ محترم! میں لوگوں کی وجہ سے ایسا کرنے سے معذور ہوں' آپ نے اپنے دوسرے تلامذہ سے فرمایا کہ آدمی کو حقیقی معرفت حاصل نہیں ہوسکتی جب تک اس میں دو وصفوں میں سے ایک نہ پایا جائے' ایک یہ کہ لوگ اس کی نظروں سے گر جائیں اور وہ ذات حق کے سوا کسی کو خاطر میں نہ لائے' اور یہ یقین رکھے کہ حق سبحانہ و تعالیٰ کے علاوہ کوئی ذات نفع و نقصان پہنچانے پر قادر نہیں ہے۔ دوسرا یہ کہ خود وہ اپنی نظروں میں گر جائے' وہ

کسی حال کی پروا نہ کرے، خواہ لوگ اس سے خوش ہوں یا ناخوش، اسے اچھا کہیں یا برا۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ کوئی شخص ایسا نہیں ہے جس کے کچھ دوست اور کچھ دشمن نہ ہوں اس لیے ہمیں صرف اہل حق کا ساتھ دینا چاہیے۔ حسن بصریؒ سے کسی نے عرض کیا: ابو سعید! بعض لوگ آپ کی مجلسوں میں محض اس لیے آتے ہیں کہ آپ کی لغزشوں پر نظر رکھیں، اور آپ کو اپنے لایعنی اور پیچیدہ سوالات کے ذریعہ پریشان کریں، آپ یہ بات سن کر مسکرائے، اور فرمایا: بھائی! تمہیں ایسے لوگوں پر خفا نہ ہونا چاہیے میں نے اپنے نفس سے جنت کی سکونت اور باری تعالیٰ کی ہمسائیگی کا وعدہ کر رکھا ہے، مجھے تو بس یہی ایک لالچ اور طمع ہے، مجھے کبھی اس کی امید نہیں رہی کہ میں لوگوں سے سلامت رہوں گا، مجھے معلوم ہے کہ ان لوگوں نے خالق کائنات، رازق عالم اللہ کو نہیں چھوڑا بھلا مجھے کیا چھوڑیں گے؟ روایت ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے باری تعالیٰ سے عرض کیا: اے اللہ لوگوں کی زبانوں کو مجھ سے روک دے، فرمایا: اے موسیٰ! یہ وہ بات ہے جو میں نے اپنے لیے پسند نہیں کی، تمہارے لیے کیسے پسند کروں۔ اللہ تعالیٰ نے عزیر علیہ السلام سے فرمایا: اے عزیر! جب تک تمہیں یہ پسند نہ ہو کہ میں تمہیں مسواک بنادوں کہ جب چاہیں لوگ منہ میں لے لیں (یعنی تمہاری برائی کریں) اور جب چاہیں نکال دیں (یعنی تمہاری برائی سے باز رہیں) اس وقت تک تمہارا شمار متواضعین میں نہیں ہو سکتا۔ حاصل کلام یہ ہے کہ جو شخص لوگوں کی عقیدتیں سمیٹنے کے لیے اپنے آپ کو محبوس رکھتا ہے وہ دنیا میں بھی قید تنہائی کاٹ رہا ہے، اور آخرت کا عذاب بھی اس کا منتظر ہے، بلاشبہ آخرت کا عذاب زیادہ ہولناک اور شدید ہوگا۔ عزلت صرف ان لوگوں کو زیب دیتی ہے جو لوگوں کی تعریف و توصیف سے بے نیاز ہو کر محض رضائے الٰہی کے لیے اس کے ذکر و فکر میں اپنے آپ کو غرق کر دیں۔

ساتواں فائدہ۔ **تجربات کا حصول:۔** تجربات لوگوں کے احوال دیکھنے اور ان کے ساتھ معاملات کرنے سے حاصل ہوتے ہیں، اور یہ امر اختلاط کے بغیر ممکن نہیں ہے۔ آدمی کی طبعی عقل دین اور دنیا کے مصالح سمجھنے کے لیے کافی نہیں ہے، بلکہ مصلحتوں کا صحیح علم تجربے سے ہوتا ہے۔ چنانچہ ناتجربہ کار اور غیر پختہ کار شخص کی عزلت میں خیر نہیں ہے مثلاً اگر کوئی لڑکا عزلت نشیں ہو جائے تو ساری عمر علم اور تجربات کی روشنی سے محروم رہے گا اور جہالت کے اندھیروں میں بھٹکتا رہے گا بلکہ اس کے لیے مناسب یہ ہے کہ وہ اولاً علم حاصل کرے اور تعلیم کے دوران جو کچھ تجربات حاصل کر سکتا ہو حاصل کرے، اس کے بعد محض سماع احوال سے بھی فیض اٹھا سکتا ہے، اختلاط ضروری نہیں ہے۔ سب سے اہم تجربہ اسے اپنے ذاتی اوصاف اور اخلاق کا ہونا چاہیے، اور یہ تجربہ خلوت میں نہیں ہو سکتا۔ تنہائی میں آدمی کے کسی بھی وصف کا اظہار ممکن نہیں ہے، نہ خوش اخلاقی کا نہ غصہ کا نہ کینگی اور حسد کا۔ بہت سے حساس مزاج، کمینہ فطرت، اور غصہ ور اشخاص تنہائی میں رہتے ہیں تو ان کی یہ خباثتیں ظاہر نہیں ہوتیں۔ یہ وہ اوصاف ہیں جن کا دور ہونا انسانی زندگی کے لیے بے حد ضروری ہے، یہ مطلب ہرگز نہیں کہ جب ان اوصاف خبیثہ کا ظہور ہو انہیں دبا دیا جائے بلکہ باطن میں ان کا وجود ہی مہلک ہے خواہ وہ ظاہر ہوں یا نہ ہوں، ان اوصاف خبیثہ کا اظہار تحریک ہی سے ہوتا ہے۔ ایسے قلوب کی مثال جن میں یہ اوصاف موجود ہوں ایسی ہے جیسے پھوڑا کہ اس میں فاسد مواد بھرا رہتا ہے، اور جب تک اسے حرکت نہ ہو، یا کوئی ہاتھ اس سے مس نہ کرے اس وقت تک درد محسوس نہیں ہوتا۔ فرض کیجئے کہ ایسا شخص جس کے پھوڑا ہو آنکھ سے بھی محروم ہے کہ اپنا پھوڑا دیکھ سکے، اور ہاتھ سے بھی محروم ہے کہ چھو سکے، اور کوئی دوسرا شخص بھی اس کے پاس موجود نہیں جو اسے آگاہ کر سکے، اس صورت میں وہ یہی سمجھے گا کہ میں صحت مند ہوں، اور میرے جسم میں کوئی فاسد مادہ باہر نکلنے کے لیے بے تاب نہیں ہے، لیکن اگر اسے حرکت ہو، یا کسی ڈاکٹر کا نشتر لگے تو اس میں سے فاسد مادہ اس طرح نکلتا ہے جس طرح بند پانی سے فوارہ ابلتا ہے، اسی طرح جن دلوں میں کینہ، بخل، حسد اور غصہ جیسی مذموم صفات بھری ہوئی ہوتی ہیں وہ بھی تحریک ہی سے پھٹتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ راہ آخرت کے سالکین اور تزکیۂ نفس کے طالبین اپنے دلوں کی آزمائش کر لیا کرتے تھے، جو حضرات یہ محسوس کرتے تھے کہ ان کے قلوب تکبر کی برائی میں ملوث ہیں وہ اپنی پشتوں پر پانی کے مشکیزے اور سروں پر لکڑی کے گٹھر رکھ کر

اپنی بڑائی کا علاج کیا کرتے تھے اور بازاروں میں پھر کر اس کا تجربہ کیا کرتے تھے کہ وہ بڑائی ان کے دلوں میں ابھی تک باقی ہے یا نہیں، نفس کی شرارتیں اور شیطان کی فریب کاریاں اتنی زیادہ مخفی ہیں کہ انسان کم ہی ان کا ادراک کرپاتا ہے، اور اگر کر بھی لے تو مشکل ہی سے نجات ملتی ہے۔ ایک بزرگ کا واقعہ ہے، فرماتے ہیں کہ میں نے تیس برس کی نمازیں دوبارہ پڑھیں، ہوا یوں کہ میں تمام نمازیں جماعت کے ساتھ اور پہلی صف میں پڑھا کرتا تھا، ایک روز مسجد میں تاخیر سے پہنچا، جماعت کھڑی ہو چکی تھی، دوسری صف میں جگہ ملی، کھڑا تو ہو گیا، لیکن دل بڑا نادم تھا، اور بار بار یہ خیال آرہا تھا کہ لوگ کیا کہیں گے؟ نماز سے فارغ ہوا، اپنے احساس ندامت کا احتساب کیا، اور اس نتیجے پر پہنچا کہ میری یہ سالہاسال کی نمازیں جو میں نے پہلی صف میں کھڑے ہو کر ادا کی تھیں سراسر ریا اور نام و نمود کی خواہش کے لیے تھیں، ان میں جذبۂ اخلاص شامل نہیں تھا، میں اس احساس سے لطف اندوز ہوا کرتا تھا کہ لوگ مجھے سابقین الی الخیر میں شمار کرتے ہیں، اور میرے اس عمل کو سراہتے ہیں۔ بہرحال خبائث کے اظہار کے لئے اختلاط کی بڑی اہمیت ہے۔ چنانچہ سفر کو مظہر اخلاق قرار دینے کا مطلب بھی یہی ہے کہ سفر دائمی اختلاط اور رفاقت کی ایک صورت ہے، اس دوران آدمی کے طرز عمل کو جانچنے اور پرکھنے کا موقع زیادہ ملتا ہے۔ ان صفات مذمومہ کے معانی اور حقائق تیسری جلد میں بیان کئے جائیں گے، ہمارے خیال میں ان صفات سے ناواقفیت بہت سے اچھے اعمال کے ضائع جانے کا سبب بنتی ہے، اور واقفیت سے تھوڑا عمل بھی زیادہ اجر و ثواب کا باعث بنتا ہے۔ اگر یہ بات نہ ہوتی تو علم کو عمل پر فوقیت نہ دی جاتی، کیوں کہ یہ بات محال ہے کہ نماز کا علم نماز سے افضل ہو، حالاں کہ نماز مقصود بالذات ہے، اور مقصود بالذات چیز افضل ہوتی ہے، لیکن اللہ نے عمل کے مقابلے میں علم کو شرف سے نوازا، اور عابد کے مقابلے میں عالم کو افضل قرار دیا۔ چنانچہ ارشاد نبوی ہے:

فضل العالم علی العابد کفضلی علی ادنی رجل من اصحابی (۱)

عابد پر عالم کی فضیلت ایسی ہے جیسے کسی ادنیٰ صحابی کے مقابلے میں میری فضیلت ہے۔

علم کو عمل پر تین وجوہات کی بنا پر فضیلت حاصل ہے، ایک وجہ وہی ہے جو ہم نے ابھی لکھی ہے کہ علم کے ساتھ تھوڑا عمل بھی زیادہ اجر کا باعث ہے، دوسری وجہ یہ ہے کہ علم کا نفع عام ہے، دوسرے بھی اس سے فائدہ اٹھاتے ہیں اور اپنے تاریک قلوب کو علم کے نور سے منور کرتے ہیں جب کہ عمل کا نفع خود عمل کرنے والے کی ذات تک محدود رہتا ہے، تیسری وجہ یہ ہے کہ اگر علم سے اللہ کی ذات و صفات کا علم مراد لیا جائے تو یہ بلاشبہ تمام ظاہری اعمال سے افضل ہے، کیوں کہ اعمال کا مقصود و ماحصل ہی یہ ہے کہ آدمی کا دل مخلوق سے ہٹ کر خالق کی طرف متوجہ ہو جائے، اور اس کے نتیجے میں اسے اللہ کی معرفت اور محبت نصیب ہو، اس علم میں علم ہی نہیں ہے بلکہ عمل بھی ہے، یہ علم مریدین کی منتہائے غرض ہے اور علم اس کے لیے شرط کے قائم مقام ہے، اس آیت کریمہ کا مطلب بھی یہی ہے۔

إِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ وَالْعَمَلُ الصَّالِحُ يَرْفَعُهُ (پ ۲۲ ر ۱۴ آیت ۱۰)

اچھا کلام اسی تک پہنچتا ہے اور اچھا کام اس کو پہنچاتا ہے۔

کلم طیب سے مراد باری تعالیٰ کی ذات و صفات کا علم ہے، اور عمل صالح اس کے لیے حمال کی طرح ہے، یعنی اسے باری تعالیٰ تک پہنچاتا ہے، ظاہر ہے مرفوع رافع کے مقابلے میں افضل ہی ہوگا۔ یہ بحث جملہ معترضہ کے طور پر زبان قلم پر آگئی ورنہ یہ موضوع اس بحث کے لیے موزوں نہیں ہے، اب ہم سابقہ بحث کی طرف چلتے ہیں۔

عزلت کے فوائد اور نقصانات کی اس تفصیل کے بعد یہ حقیقت اچھی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ عزلت کے متعلق مطلق افضلیت کا حکم لگانا غلط ہے، بلکہ کوئی حکم لگانے سے پہلے دیکھنا چاہیے کہ متعلقہ شخص کون ہے، اس کے احوال کیا ہیں، اس کے جلیس اور رفقاء کیسے ہیں، یہ بھی دیکھنا چاہیے کہ مذکورہ شخص کے لیے عزلت میں فائدہ ہے یا اختلاط میں۔ نیز یہ کہ عزلت سے ؟ سے

(۱) یہ روایت کتاب العلم میں گذری ہے۔

کون سے فوائد حاصل ہوں گے' اور کون سے فوائد ضائع جائیں گے۔ اس صورت میں امر حق واضح ہو سکتا ہے' اور علم کی فضیلت ظاہر ہو سکتی ہے۔ اس سلسلے میں امام شافعیؒ کی تقریر قول فیصل ہے' فرمایا: اے یونس! لوگوں سے انقباض رکھنا عداوت کا سبب بنتا ہے' اور ان سے زیادہ گھلنے ملنے سے برے ہم نشیں پیدا ہوتے ہیں۔ اس لیے تم اپنی کیفیت انقباض اور انبساط کے درمیان رکھو' یعنی نہ زیادہ گھلو ملو' اور نہ دور دور رہو' معلوم ہوا کہ عزلت اور اختلاط میں اعتدال ضروری ہے' تاہم اگر حالات کا تقاضا یا فوائد و نقصانات کا موازنہ کسی ایک جانب کی افضلیت ثابت کرے تو پھر اعتدال پر زور دینا بھی صحیح نہیں ہے۔ اس باب میں امر حق اور قول فیصل یہی ہے اس کے علاوہ اگر کسی نے کچھ کہا ہے وہ نا تمام ہے' یا اس کیفیت کی خبر ہے جس سے وہ خود دو چار ہے' اس کا یہ فیصلہ دوسرے شخص کے حق میں صحیح نہیں ہوگا۔ علم ظاہر میں صوفیاء اور علماء کا اختلاف بھی اسی حقیقت پر مبنی ہے کہ صوفی اپنا حال بتلاتا ہے' یہی وجہ ہے کہ ایک ہی مسئلے میں ان کے جوابات مختلف ہوتے ہیں' اور عالم اپنی حالت سے قطع نظر مسئلے کا وہ جواب دیتا ہے جو حق ہو اور حق ایک ہی ہوتا ہے' غیر حق بے شمار ہوتے ہیں' صوفیائے کرام سے درویشی کے متعلق پوچھا گیا تو انہوں نے مختلف جوابات دیئے' وجہ یہی تھی کہ ہر صوفی کے پیش نظر اپنی کیفیت تھی' اگرچہ ہر جواب مجیب کے حال کے اعتبار سے حق تھا' مگر نفس الامر میں حق نہیں تھا۔ بلکہ حق ایک ہوتا ہے۔ ابو عبداللہ جلاء نے درویشی کے متعلق سوال کا جواب دیتے ہوئے کہا کہ دونوں آستینیں دیوار پر مار کر کہو میرا رب اللہ ہے' حضرت جنید بغدادیؒ نے فرمایا: درویش وہ ہے جو نہ کسی سے سوال کرے' اور نہ مزاحمت کرے' اگر کوئی مزاحمت کرنا چاہے تو خاموشی اختیار کرے' کوئی جواب نہ دے' سہیل ابن عبداللہ نے جواب دیا درویش وہ ہے جو نہ کسی سے کچھ مانگے' اور نہ کوئی ذخیرہ کرے۔ ایک بزرگ نے درویشی کی یہ تشریح کی کہ تمہارے پاس کچھ نہ ہو' اور اگر کوئی چیز تمہیں مل جائے تو اسے اپنی مت سمجھو' ابراہیم خواص نے بتلایا کہ درویشی یہ ہے کہ نہ شکایت کرو' اور نہ مصیبت و پریشانی ظاہر ہونے دو' یہ مختلف جوابات ہیں' اگر سو بزرگوں سے بھی یہی ایک سوال کیا جائے ان کے جوابات مختلف ہوں گے' مشکل ہی سے کسی ایک کا جواب دوسرے کے جواب کے مطابق ہو سکے گا' اور یہ سب جوابات من وجہ درست ہوں گے' کیوں کہ ہر صوفی اپنے اس حال کی خبر دے گا جو اس پر طاری ہے' یہی وجہ ہے کہ ایک صوفی کسی دوسرے صوفی کو تصوف میں ثابت قدم نہیں بتلاتا بلکہ وہ یہ دعویٰ کرتا ہے کہ حق کی معرفت اور حق پر ثبات صرف اسے حاصل ہے' اس کا یہ دعویٰ صحیح بھی ہوتا ہے' کیوں کہ اس کی نظر صرف اپنے احوال پر رہتی ہے' دوسروں کی طرف التفات کی انھیں فرصت ہی نہیں ملتی' وہ اپنے حال میں مستغرق رہتے ہیں۔ اس کے برعکس جب علم کا نور چمکتا ہے تو تمام چیزوں کا احاطہ کر لیتا ہے' اور اختلاف سے پردہ اٹھا دیتا ہے' اور امر حق واضح کر دیتا ہے' مثال کے طور پر ہم نے زوال کے وقت سایہ اصلی کے سلسلے میں مختلف اقوال سنے ہیں' کوئی گرمی کے موسم میں دو قدم بتاتا ہے' اور کوئی نصف قدم بتاتا ہے' کوئی سردی کے موسم میں سات قدم قرار دیتا ہے' اور کوئی پانچ قدم کہتا ہے' یہی حال صوفیوں کا ہے کہ ہر شخص نے اپنے اپنے شہر کے سایہ اصلی پر قیاس کیا' اور ایک رائے قائم کرلی' لیکن ان کا قیاس خود اس کے شہر کے حق میں تو صحیح ہے' دوسرے شہروں کے حق میں صحیح نہیں ہے' لیکن کیوں کہ صوفی دوسروں کے احوال سے باخبر نہیں ہوتا اس لیے وہ اپنے قیاس ہی کو صحیح سمجھتا ہے اور دوسرے تمام قیاسات کو باطل قرار دیتا ہے' لیکن جو شخص زوال کے اسباب سے باخبر ہے' اور اس سلسلے میں موسموں کے اختلاف پر بھی نظر رکھتا ہے وہ ہر موسم کے سایہ اصلی کو یکساں نہیں کہے گا۔ اس مثال سے صوفی اور عالم کا فرق بخوبی واضح ہو جاتا ہے۔

عزلت کے آداب:۔ اختلاط و صحبت کے آداب ہم نے کافی شرح و بسط کے ساتھ بیان کئے ہیں' لیکن عزلت کے آدب ہم بہت ہی اختصار کے ساتھ بیان کریں گے' طوالت کی گنجائش نہیں ہے' عزت کی تشریح' اور فوائد و آفات کی وضاحت کے بعد طوالت کی ضرورت بھی باقی نہیں رہتی۔

عزلت کرنے والے کو سب سے پہلے یہ نیت کرنی چاہیے کہ میں لوگوں کو اپنی برائی سے اور خود کو لوگوں کے شر سے محفوظ رکھنے

کے لیے عزلت اختیار کر رہا ہوں' مجھے امید ہے کہ میں اس گوشہ نشینی کی وجہ سے اس کوتاہی سے بھی نجات پا جاؤں گا جو مسلمانوں کے حقوق ادا نہ کرنے کی صورت میں مجھ سے سرزد ہوئی' میری اس خلوت کا مقصد خدا تعالیٰ کی عبادت کے لیے دل' دماغ اور اعضاء کی یکسوئی ہے' اس نیت کے بعد خلوت میں چلا جائے' اور اپنا زیادہ تر وقت علم و عمل اور ذکر و فکر میں صرف کرے' کیوں کہ عزلت کے ثمرات یہی چیزیں ہیں لوگوں کو اپنے پاس بکثرت آمدورفت رکھنے سے منع کردے' کیوں کہ یہ آمدورفت دل جمعی کے منافی ہے' لوگ آئیں تو ان سے شہر کے احوال و واقعات دریافت نہ کرے' اگر وہ کسی موضوع پر آپس میں کچھ گفتگو کر رہے ہوں تو اپنے کام میں مشغول رہے' ان کی باتوں پر کان نہ دھرے' بعض اوقات یہ باتیں دماغ میں بیٹھ جاتی ہیں' اور عبادت کے دوران وسوسوں کی صورت میں ان کا ظہور ہوتا ہے کان میں خبروں کا پڑنا ایسا ہے جیسے زمین میں بیج کا پڑنا' جس طرح زمین کا سینہ چیر کر بیج پودے کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے اور یہ ننھا سا پودا اپنے برگ و بار کے ساتھ تناور درخت بن جاتا ہے اسی طرح خبریں بھی دل کی سطح پر ابھرتی ہیں' اور اتنی پھیلتی ہیں کہ دل و دماغ کا احاطہ کرلیتی ہیں' یہی وسوسے ہیں' عزلت کے لیے وسوسوں کا منقطع ہونا بنیادی ضرورت ہے۔
عزلت نشیں کو چاہیے کہ وہ کم پر قناعت کرے' معیشت میں قناعت نہ ہونے کی صورت میں وہ لوگوں کی ضرورت محسوس کرے گا' اور ان سے اختلاط رکھنے پر مجبور ہوگا۔ پڑوسیوں کی ایذا پر صبر کرے' بعض لوگ عزلت پر اس کی تعریف کریں گے' اور بعض لوگ ترک صحبت پر اسے مردم بیزاری کا طعنہ دیں گے' اسے نہ اپنی تعریف پر خوش ہونا چاہیے' اور نہ برائی پر مغموم' یہ سب وقتی باتیں ہیں۔ اگر ان کا اثر قبول کیا گیا تو وہ مقاصد پر اثر انداز ہوں گی' اور نقصان پہنچائیں گی۔ عزلت سلوک آخرت کا ذریعہ ہے' اور آخرت کا راستہ قلب کے اشتغال سے طے ہوتا ہے قلب کے اشتغال کی متعدد صورتیں ہوسکتی ہیں' مثلاً کسی وظیفے کی مواظبت' باری تعالیٰ کی ذات و صفات اور زمین و آسمان کے اسرار میں غور و فکر' اعمال کی باریکیوں کی جستجو' اور مفسدات عمل کا جائزہ' اور ان سے بچنے کی تدبیروں کی تلاش' یہ وہ مشاغل ہیں جو فراغت ہی میں انجام دیئے جاسکتے ہیں' اگر آدمی دوسرے کے معاملات میں خود کو الجھائے' اور شہر بھر کی خبریں پوچھتا رہے تو یہ فراغت کیسے مل سکے گی؟ بعض اوقات یادیں بھی دوام ذکر و فکر میں مخل ہوجاتی ہیں۔
عزلت نشیں کے لیے گھر یا باہر نیک عمل اور صالح فکر رکھنے والے کسی ایسے آدمی کا وجود بھی ضروری ہے جس کے پاس وہ دن بھر میں تھوڑی دیر کے لیے بیٹھ جائے اور اس کی باتوں سے اپنا دل بہلالے' اس طرح مسلسل محنت کا ناخوشگوار اثر زائل ہوجاتا ہے اور باقی اوقات دلجمعی رہتی ہے عزلت اس وقت مکمل ہوتی ہے جب آدمی دنیا سے پوری طرح لاتعلق ہوجائے' اور اپنی ہر امید منقطع کرلے' اس کا آسان طریقہ یہ ہے کہ اپنی زندگی کو بے حد مختصر سمجھے' اور یہ خیال کرے کہ بس صبح و شام کا چکر ہے' یہ چکر کسی بھی وقت' کسی بھی لمحے پورا ہوسکتا ہے' زندگی ناپائدار ہو تو ہر خواہش منقطع ہوجاتی ہے' اور بہت سی دشواریوں کو انگیز کرنا' اور مشقتوں پر صبر کرنا آسان نظر آتا ہے' لیکن اگر اس نے یہ سوچا کہ میری عمر طویل ہے تو پھر صبر نہ ہوسکے گا' اور بہت سی خواہشیں دامن دل پکڑ کر کھینچیں گی۔ عزلت میں موت کو بھی زیادہ سے زیادہ یاد کرنا چاہیے' تنہائی سے وحشت ہو تو قبر کی وحشت کا تصور کرلے' اور یہ یقین رکھے کہ جو دل اللہ تعالیٰ کی یاد اور اس کے ذکر سے مانوس نہیں ہوگا وہ قبر کی وحشت ناک تاریکیوں اور تنہائیوں کا تحمل نہ کرسکے گا۔ اور جس دل میں اللہ کی یاد رچ بس گئی ہوگی وہ قبر میں بھی اس کے ساتھ ہوگی' موت انس اور معرفت الٰہی کے محل کو منہدم نہیں کرتی بلکہ یہ محل خدا کے فضل و کرم سے اس کی محبت و معرفت کے طفیل میں زندہ و پائندہ رہتا ہے' جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے شہداء کے سلسلے میں ارشاد فرمایا:۔

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتًا بَلْ أَحْيَاءٌ عِندَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُونَ
فَرِحِينَ بِمَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِن فَضْلِهِ (پ ۴ ر ۸ آیت ۱۶۹ و ۱۷۰)

اور جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل کیے گئے ان کو مردہ مت خیال کر بلکہ وہ تو زندہ ہیں اپنے پروردگار کے مقرب ہیں ان کو رزق بھی ملتا ہے وہ خوش ہیں اس چیز سے جو ان کو اللہ نے اپنے فضل سے عطا فرمائی۔

جس شخص نے اپنے نفس کے خلاف جہاد میں اپنے آپ کو وقف کردیا ہے وہ بھی شہید ہی ہے‘ جیسا کہ زبان رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ اس کی صراحت فرمائی گئی۔

المجاهد من جاهد بنفسه وهواه (حاکم۔ فضالہ ابن عبید) لیکن اس میں لفظ ہواہ نہیں ہے۔

مجاہد وہ ہے جو اپنے نفس اور اپنی خواہشات کے خلاف جہاد کرے۔

صحابہ کرام نفس کے جہاد کو جہاد اکبر کہا کرتے تھے چنانچہ غزوات سے واپسی پر وہ یہ کہتے کہ ہم چھوٹے جہاد سے بڑے جہاد کی طرف واپس آئے ہیں۔

کتاب آداب السفر
سفر کے آداب کا بیان

جاننا چاہیے کہ سفر قابل نفرت چیزوں سے نجات کا ذریعہ اور محبوب و مطلوب چیزوں کے حصول کا وسیلہ ہے۔ سفر کی دو قسمیں ہیں‘ ایک ظاہر بدن کا سفر ہے‘ جس میں اپنے وطن و مسکن سے جدائی ہوتی ہے‘ اور دوسرا باطن کا سفر ہے اس میں انسان اسفل السافلین سے آسمانی ملکوت کی طرف سفر کرتا ہے‘ لیکن ظاہر جسم اپنے مستقر سے جدا نہیں ہوتا‘ ان دونوں قسموں میں باطنی سفر زیادہ اہم اور افضل ہے پیدائش کی حالت پر قائم رہنا‘ اور اپنے آباء واجداد کے ترکے پر قناعت کرنا قصور ہمت کی دلیل ہے‘ انسان کو آگے بڑھنا چاہیے‘ اور دار و رسن کی تنگی اور وحشت کے بجائے جنت کی وسعت حاصل کرنی چاہیے‘ کسی شاعر کا یہ شعر حقیقت کا آئینہ دار ہے۔

ولم ار فی عیوب الناس عیبا کنقص القادرین علی التمام

ترجمہ : (میرے نزدیک اس عیب سے بڑا کوئی عیب نہیں ہے کہ آدمی قدرت کے باوجود اپنی تکمیل پر ناقص رہے)۔

لیکن کیوں کہ باطن کا سفر بڑا دشوار ہے‘ اس لیے کسی رہنما کی مدد‘ اور رفیق کی اعانت کے بغیر یہ دشوار گذار اور خطرات سے پر سفر طے نہیں ہو سکتا۔ ہمارے دور کی حالت انتہائی خراب ہے نہ راستہ متعین و معلوم ہے۔ نہ مخلص رہنما اور نیک دل رفقاء میسر ہیں جو گنے چنے لوگ اس راستے کے مسافر ہیں وہ زیادہ کے مقابلے میں کم پر قانع نظر آتے ہیں راہ سلوک سونی پڑی ہے‘ کوئی راہ رو نہیں رہا‘ نفس و آفاق‘ اور ملکوت کی سیر گاہیں ویران ہیں‘ حالاں کہ قرآن مسلسل دعوت سیر دے رہا ہے‘ ارشاد ربانی ہے۔

سَنُرِيهِمْ آيَاتِنَا فِي الْآفَاقِ وَفِي أَنفُسِهِمْ (پ ۲۵ ر آیت ۵۳)

ہم عنقریب ان کو اپنی (قدرت) کی نشانیاں ان کے گردو نواح میں بھی دکھا دیں گے اور خود ان کی ذات میں۔

ایک جگہ ارشاد فرمایا۔

وَفِي الْأَرْضِ آيَاتٌ لِّلْمُوقِنِينَ وَفِي أَنفُسِكُمْ أَفَلَا تُبْصِرُونَ (پ ۲۶ ر ۱۸ آیت ۲۱‘ ۲۰)

اور یقین لانے والوں کے لیے زمین میں بہت سی نشانیاں ہیں‘ اور خود تمہاری ذات میں بھی اور کیا تم کو دکھائی نہیں دیتا۔

اس سفر کے نہ کرنے پر نکیر ان آیات میں موجود ہے‘ فرمایا۔

وَإِنَّكُمْ لَتَمُرُّونَ عَلَيْهِم مُّصْبِحِينَ وَبِاللَّيْلِ أَفَلَا تَعْقِلُونَ (پ ۲۳ ر ۸ آیت ۱۳۷-۱۳۸)

اور تم تو ان (کے دیار) پر صبح ہوتے اور رات میں گذرا کرتے ہو‘ تو کیا پھر بھی نہیں سمجھتے ہو۔

وَكَأَيِّن مِّنْ آيَةٍ فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ يَمُرُّونَ عَلَيْهَا وَهُمْ عَنْهَا مُعْرِضُونَ (پ ۱۳ ر ۶

آیت ۱۰۵)

اور بہت سی نشانیاں ہیں آسمانوں میں اور زمین میں جن پر ان کا گزر ہوتا رہتا ہے اور وہ ان کی طرف توجہ نہیں کرتے۔

جس شخص کو یہ سفر نصیب ہوتا ہے وہ جنت کی سیر کرتا ہے' اس سفر میں بدن کو حرکت نہیں دینی پڑتی' یہ وہ سفر ہے جس کے چشموں اور گھاٹوں میں تنگی کا خطرہ نہیں ہوتا' مسافرین کی کثرت یہاں پریشانی اور اضطراب کا باعث نہیں ہوتی' بلکہ جتنے مسافر ہوتے ہیں ثمرات اور فوائد میں اتنا ہی اضافہ ہوتا ہے' اس کے فوائد و ثمرات ابدی اور غیر منقطع ہیں' اس راہ میں کوئی شخص دوسرے کے لیے رکاوٹیں پیدا نہیں کرتا' تاہم وہ مسافر خود اپنے عمل کا نتیجہ بھگت لیتے ہیں جو اس سفر میں سستی کا شکار ہوں' یا اپنا دامن مراد بھرنے سے گریز کریں' ان کا عمل ان کے انجام کا باعث بنتا ہے' ارشاد ربانی ہے:۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا یُغَیِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى یُغَیِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ (پ ۱۳ ر ۸ آیت ۱۱)

واقعی اللہ تعالیٰ کسی قوم کی (اچھی) حالت میں تغیر نہیں کرتا جب تک وہ لوگ خود اپنی حالت کو نہیں بدل دیتے۔

فَلَمَّا زَاغُوْا اَزَاغَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ (پ ۲۸ ر ۹ آیت ۵)

پھر جب وہ لوگ ٹیڑھے ہی رہے تو اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں کو ٹیڑھا کردیا۔

اللہ تعالیٰ کسی بندے پر ظلم نہیں کرتا' بندے خود اپنے اوپر ظلم کرتے ہیں۔ اکثر لوگوں کا سفر جسمانی ہوتا ہے' بعض لوگ دنیا کی تجارت' اور مال و دولت کے حصول کے لیے سفر کرتے ہیں اور بعض لوگوں کا مقصد تحصیل علم و دین ہوتا ہے' یہ مؤخر الذکر لوگ بھی راہ آخرت کے سالک ہیں' بشرطیکہ اس سفر کے آداب اور شرائط کی پابندی کریں' اگر انہوں نے ان آداب سے بے توجہی برتی تو ان کا سفر دنیا کا عمل اور شیطان کی اتباع کہلائے گا' سفر کے یہ آداب و شرائط ہم دو ابواب میں بیان کریں گے۔

پہلا باب

آداب سفر آغاز سفر سے واپسی تک نیت اور فوائد

<u>سفر کے فوائد' فضیلت اور نیت:۔</u> سفر ایک قسم کی حرکت اور اختلاط کا نام ہے' اس کے کچھ فوائد ہیں' اور کچھ نقصانات' کتاب الصحبت اور کتاب العزلہ میں اختلاط کے فوائد اور نقصانات پر خاصی روشنی پڑ چکی ہے۔ یہاں ہم کچھ ایسے فوائد و نقصانات ذکر کریں گے جو صرف سفر کے ساتھ مخصوص ہیں۔ لیکن اس سے پہلے ہم مقاصد کے اعتبار سے سفر کی تقسیم ضروری سمجھتے ہیں۔ یہی مقاصد فوائد بھی ہیں۔

کوئی شخص یا تو اس جگہ کی پریشانیوں سے عاجز آکر سفر کرتا ہے جہاں وہ مقیم ہے' بالفرض اگر یہ پریشانیاں نہ ہوتیں تو وہ سفر بھی نہ کرتا' یا وہ خود ہی اپنے کسی مقصد کے حصول یا غرض کی تکمیل کے لیے سفر کرتا ہے' وہ پریشانیاں جن سے بچنے کے لیے سفر اختیار کیا جائے یا دنیاوی ہوتی ہیں جیسے شہر میں طاعون اور وبا کی بیماری پھیلنا' لڑائی' جھگڑے اور فتنے برپا ہونا غلے اور دیگر اشیائے خورد و نوش کا گراں ہونا' یہ عام پریشانیاں ہیں' خاص پریشانی کی صورت یہ ہے کہ اہل شہر خاص طور پر اس کو اپنے ظلم کا نشانہ بنائیں' اور اسے ترک وطن پر مجبور کردیں' یا ان پریشانیوں کا تعلق دین سے ہوتا ہے' مثلاً یہ کہ شہر میں رہنے سے جاہ و مال کی خواہش پیدا ہونے کا خوف ہو' یا ایسی مصروفیات درپیش ہوں جن سے خدا تعالیٰ کی عبادت اور ذکر و فکر کے لیے فراغت پانا مشکل ہوجائے' یا کسی شخص کو اہل شہر اس کی مبتدعانہ حرکات کی بنا پر شہر بدر کردیں' یا وہ خود ہی اہل شہر کے کسی ایسے مطالبے سے مجبور ہو کر شہر سے چلا جائے جسے

تسلیم کرنا اس کے لیے شرعاً جائز یا مباح نہ ہو۔ کسی مقصد کے لیے سفر بھی دین و دنیا کی تقسیم سے خالی نہیں ہے، بعض لوگ جاہ و منصب کی خاطر سفر کرتے ہیں، اور بعض حصول علم و عمل کے لیے۔ پھر علم کی بھی تین قسمیں ہیں، ایک فقہ، حدیث، تفسیر اور ان کے متعلقات کا علم، دوسرا اپنے اخلاق اور صفات کا علم تجربہ کے طور پر، تیسرا عجائبات دنیا اور زمین میں اللہ کی آیات کا علم، جیسے ذوالقرنین نے اطراف دنیا کا سفر کیا تھا۔ عمل کی بھی دو قسمیں ہیں، عبادت یا زیارت، عبادت میں حج، عمرہ اور جہاد کے اسفار شامل ہیں، مکہ مکرمہ، مدینہ منورہ اور بیت المقدس کی زیارت کے لیے سفر کرنا بھی عبادت ہے، بعض اوقات علماء کی زیارت کے لیے سفر کیا جاتا ہے مرحوم علماء کی زیارت قبرستانوں میں حاضر ہو کر، اور زندہ علماء کی زیارت ان کی قیام گاہوں پر۔ علماء کی زیارت خواہ وہ حیات ہوں یا اپنی قبروں میں آرام کر رہے ہوں سبب برکت ہے، ان کے احوال کے مشاہدے سے اتباع حق کے جذبے اور خواہش کو تقویت حاصل ہوتی ہے۔ مقاصد کے اعتبار سے سفر کی متعدد قسمیں ہیں۔ ذیل میں ہم ہر قسم کی الگ الگ تفصیل کرتے ہیں۔

پہلی قسم۔ طلب علم کے لیے سفر:۔ علم واجب بھی ہے اور نفل بھی، اس لیے واجب علم کے لیے سفر کرنا واجب ہوگا، اور نفلی علم کے لیے سفر کرنا نفل ہوگا۔ ہم نے ابھی لکھا ہے کہ علم کی تین قسمیں ہیں، علوم دینیہ (قرآن و حدیث کا علم) اپنے اخلاق کا علم، اور عجائبات عالم کا علم۔ ان علوم میں سے جس علم کے لیے بھی سفر کرے گا ثواب پائے گا۔ چنانچہ علم دین کے سلسلے میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:۔

من خرج من بیته فی طلب العلم فهو فی سبیل اللّٰه حتّٰی یرجع (ترمذی۔ انس)
جو شخص طلب علم کے لیے اپنے گھر سے نکلے وہ واپسی تک اللہ کے راستے میں ہے۔

ایک حدیث میں ہے:۔

من سلک طریقا یلتمس فیه علما سهل اللّٰه له طریقا الی الجنة (مسلم) جو شخص طلب علم کے لیے کسی راستے پر گامزن ہو اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت کا راستہ سہل فرمادیتے ہیں۔

حضرت سعید ابن المسیبؒ ایک حدیث کی تلاش میں کئی کئی دن کا سفر کیا کرتے تھے، شعبیؒ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص شام سے اقصائے یمن تک سفر کرے، اور مقصد سفر صرف ایک ایسا کلمہ ہو جو اسے ہدایت کی راہ دکھلائے یا ہلاکت و تباہی سے بچائے تو اس کا یہ سفر ضائع نہیں جائے گا۔ جابر ابن عبداللہؓ اپنے دس رفقاء کے ساتھ ایک ماہ کی طویل مسافت طے کر کے مصر تشریف لے گئے، کیوں کہ انہوں نے سنا تھا کہ عبداللہ بن انیس انصاریؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک حدیث نقل کرتے ہیں، یہ لوگ ان کے پاس تشریف لے گئے، اور وہ حدیث ان سے سنی (بخاری) صحابہ کے زمانے سے ہمارے زمانے تک سفر ہی علم کا اہم ترین وسیلہ رہا ہے۔ ایسے علماء بہت کم ہوں گے جنہوں نے علم کے لیے سفر نہ کیا ہو۔ اپنے نفس کے احوال اور اخلاق کا علم حاصل کرنا بھی ضروری ہے، کیوں کہ آخرت کے راستے پر چلنا اخلاق کی تہذیب اور عادات کی درستگی کے بغیر ممکن نہیں ہے، جو شخص اپنے باطن کے اسرار اور خبائث سے واقف نہ ہوگا وہ ان سے اپنے دل کی تطہیر کیسے کرسکے گا، ہم نے پہلے بھی عرض کیا ہے کہ سفر اخلاق کے اظہار کا بہترین ذریعہ ہے، اسی کے ذریعہ اللہ تعالیٰ زمین و آسمان کے مخفی امور ظاہر فرماتے ہیں، سفر کا نام سفر کہا ہے اس لیے کہا گیا ہے کہ اس کے معنی ہیں ظہور و کشف، اور سفر سے پوشیدہ اخلاق ظاہر ہوجاتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ حضرت عمرؓ کے دور خلافت میں ایک شخص نے کسی دوسرے شخص کے حق میں گواہی دی تو آپ نے اس سے دریافت فرمایا کہ تم نے اس کے ساتھ سفر کیا ہے، اس نے عرض کیا، نہیں! سفر کا اتفاق تو نہیں ہوا، فرمایا: تب میرے خیال میں تم اس شخص سے واقف نہیں ہو، بشر فرمایا کرتے تھے کہ اے گروہ قراء! تم لوگ سفر کیا کرو تاکہ پاک و طیب ہوجاؤ، اس لیے کہ پانی رواں ہو تو طیب رہتا ہے، اور کسی ایک جگہ ٹھہرا ہوا ہو تو متغیر ہوجاتا ہے۔ اخلاق کے لیے سفر کی اہمیت کا اندازہ اس اہم نکتے سے ہوگا کہ آدمی اپنے وطن میں ہو تو ان امور سے مانوس رہتا

ہے جن کی اسے عادت ہو و نادر ہی کوئی ایسا موقعہ پیش آتا ہے جس سے طبیعت کو گرانی ہوتی ہے' عام طور پر حالات معتدل اور معمول کے مطابق رہتے ہیں اور اخلاق خبیثہ کے ظہور کا موقع نہیں ملتا' سفر میں مشقتیں پیش آتی ہیں' حالات میں تغیر اور تبدیلی نظر آتی ہے' طبیعت اس سے الجھتی ہے' اور وہ اخلاق ظاہر ہوتے ہیں ان جو باطن میں موجود تھے لیکن محرک نہ ہونے کی وجہ سے انھیں تحریک نہیں ملی تھی' کسی بھی مرض کا علاج اس سے واقفیت کے بعد ہی ممکن ہے' سفر میں اخلاق رذیلہ کا علم ہو گا تو ان کے علاج کی تدبیر بھی ہو گی۔

زمین میں اللہ تعالیٰ کی آیات اور عجائبات کا مشاہدہ بھی اہل بصیرت کے لیے فائدے سے خالی نہیں ہے۔ آدمی سفر کرتا ہے تو اسے زمین پر اللہ تعالیٰ کی بے شمار نشانیاں نظر آتی ہیں' مختلف خصوصیات رکھنے والے زمینی قطعات ایک دوسرے سے متصل' پہاڑوں کے مسلسل اور بلند و بالا سلسلے' بحر و بر میں حیوانات اور نباتات کی مختلف قسمیں۔ ان میں سے ہر چیز اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ اور وحدانیت تامہ پر شاہد عدل ہے' ہر چیز بجائے خود اس ذات برحق کی تسبیح و تحمید ہے' لیکن یہ شہادت اور تسبیح وہی لوگ سمجھ سکتے ہیں جو عقل کے کانوں سے سنیں' اور جنھیں قلب کا استحضار حاصل ہو' منکرین خدا' غفلت شعار اور دنیا کی چمک دمک سے دھوکا کھانے والے لوگ نہ ان آیات کو دیکھ سکتے ہیں' نہ سمجھ سکتے ہیں' اور نہ ان کی تسبیح و تحمید سن سکتے ہیں' یہ لوگ سماعت اور بصارت کی حقیقی معرفت سے محروم ہیں' اور اس آیت کا مصداق ہیں۔

يَعْلَمُونَ ظَاهِرًا مِّنَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَهُمْ عَنِ الْآخِرَةِ هُمْ غَافِلُونَ (پ ۲۱ ر ۴ آیت ۷)

یہ لوگ صرف دنیوی زندگی کے ظاہر کو جانتے ہیں اور یہ لوگ آخرت سے بے خبر ہیں۔

اور یہ آیت بھی ان پر صادق آتی ہے:۔

إِنَّهُمْ عَنِ السَّمْعِ لَمَعْزُولُونَ (پ ۱۹ ر ۱۵ آیت ۲۱۲)

وہ (شیاطین وحی آسمانی) سننے سے روک دیئے گئے ہیں

اس میں ظاہری کان مراد نہیں ہے' اس لیے کہ ظاہری سماعت سے وہ لوگ محروم نہیں تھے' بلکہ باطنی سماعت سے محروم تھے' ظاہری سماعت سے آوازوں ہی کا ادراک ہوتا ہے' اور یہ صرف انسان ہی کی خصوصیت نہیں ہے بلکہ جانور بھی یہ آوازیں سن لیتے ہیں' اور سمجھ لیتے ہیں باطنی سماعت سے زبان حال سمجھی جاتی ہے' زبان قال نہیں' زبان حال کیا چیز ہے' اس کی حقیقت ایک مثال سے واضح ہو گی' ایک شخص نے کیل اور دیوار کا قصہ بیان کیا ہے' کہ جب کیل دیوار میں گھسنے لگی تو دیوار نے احتجاج کیا' کیل کہنے لگی بھلا مجھے کیوں ڈانٹتی ہو' اس سے پوچھو جو میرے سر پر ضربیں لگا رہا ہے' کیل اور دیوار دونوں ہی ظاہری زبان سے محروم ہیں' کہا جائے گا کہ ان کی گفتگو زبان حال سے تھی' زمین و آسمان میں کوئی ذرہ ایسا نہیں جس کے وجود میں باری تعالیٰ کی وحدانیت پر ناقابل انکار شہادتیں نہ ہوں' یہی شہادتیں اس کی توحید ہیں' اسی طرح ہر ذرہ میں باری تعالیٰ کی پاک ذات پر بھی مختلف شہادتیں موجود ہیں' یہ شہادتیں اس کی تسبیح ہیں' لیکن لوگ یہ تسبیح و توحید سمجھتے نہیں ہیں' کیوں کہ انہوں نے سمع ظاہر کے کنارے سے نکل کر سمع باطن کی کشادہ فضا کا سفر نہیں کیا' وہ زبان قال کی رکاکت سے مانوس ہیں' اور زبان حال کی وضاحت سے عاجز و محروم ہیں' اگر ہر آدمی زبان حال سمجھنے پر قادر ہوتا تو حضرت سلیمان علیہ السلام کے لیے یہ خصوصیت نہ ہوتی کہ وہ پرندوں کی بولی سمجھ لیتے ہیں' اور نہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لیے یہ خصوصیت ہوتی کہ وہ صوت و لفظ سے پاک کلام الٰہی سمجھنے کی قوت رکھتے ہیں۔ حاصل کلام یہ ہے کہ عجائبات دنیا میں باری تعالیٰ کی وحدانیت اور قدوسیت کا پرتو دیکھنے کے لیے بھی سفر کیا جاتا ہے' اس کے لیے زیادہ طویل مسافت طے کرنے کی ضرورت نہیں ہے' بلکہ جو شخص اس مقصد کے لیے سفر کرتا ہے وہ کسی ایک جگہ ٹھہر کر بھی ہر ذرہ سے تسبیح سن سکتا ہے' ایسے شخص کو صحرا نوردی کی کیا ضرورت ہے؟ اس کی غرض تو آسمانی ملکوت سے پوری ہو سکتی ہے' وہ چاند' سورج اور ستاروں میں غور کرے کہ یہ تمام کواکب اور سیارے امر خداوندی کے پابند و مطیع ہیں اور سال' مہینے' دن' رات بلکہ لمحات کی

گردش کے لیے محو سفر ہیں کعبہ جس شخص کا طواف کرے اسے کیا ضرورت ہے کہ وہ کسی مسجد کے طواف کی مشقت اٹھائے اگر ایسا کرے گا تو اس کا یہ عمل تعجب سے خالی نہیں ہوگا۔ یہی حال اس شخص کا ہے جسے اس کے چاروں طرف پھیلی ہوئی نشانیاں دعوت فکر دے رہی ہوں اور وہ ان میں فکر کرنے کی بجائے زمین کا سفر اختیار کرے۔

جب تک مسافر اشیاء کے مشاہدے کے لیے ظاہری آنکھوں کا محتاج ہے وہ اللہ کی طرف چلنے والوں اور اس کی راہ میں سفر کرنے والوں کی منزلوں میں سے پہلی منزل پر ہے بلکہ اس سے بھی دور ہے گویا وہ ابھی تک اپنے وطن کی حدود میں مقیم ہے اس کی کم ہمتی اور بزدلی اسے آگے بڑھنے سے روکتی ہے۔ ایک صاحب دل بزرگ کا قول ہے کہ لوگ مجھ سے کہتے ہیں اپنی آنکھیں کھولو اور دیکھو میں کہتا ہوں آنکھیں بند کرو اور دیکھو دونوں قول صحیح ہیں لیکن پہلا قول ان لوگوں کے لیے ہے جو ہنوز اپنے سفر کی پہلی منزل پر ہیں اور دوسرا قول ان لوگوں کے لیے ہے جنہوں نے راستے کی خطرناک وادیوں کو عبور کیا اور ہزاروں مشقتیں برداشت کرتے ہوئے منزل پر پہنچے۔ اس راستے کا مسافر درحقیقت اپنے وجود کو خطرات کے سپرد کرتا ہے یہی وجہ ہے کہ منزل پر پہنچنے سے پہلے ہی بہت سے لوگ ہلاک ہوجاتے ہیں اور اِدھر اُدھر بھٹک جاتے ہیں جو لوگ نور توفیق کی شمع لے کر چلتے ہیں انہیں منزل پر پہنچنا نصیب ہوتا ہے اور وہ نعیم و ملک سے سرفراز ہوتے ہیں۔ آخرت کی سلطنت کا حال بھی دنیا کی سلطنت جیسا ہے کہ اس کی طالبین بہت زیادہ ہیں لیکن ان میں سے اکثر جدوجہد کرتے کرتے مرجاتے ہیں سلطنت حاصل کرنے والے بہت کم ہوں گے۔ بہرحال آخرت ایک دشوار گزار اور پر مشقت سفر ہے یہ سفر بخیر و خوبی اسی وقت پورا ہو سکتا ہے کہ مسافر باہمت اور حوصلہ مند ہو۔ بقول شاعر ۔

واذا کانت النفوس کبارا تعبت فی مرادھا الاجسام

ترجمہ : (جب نفس بڑے (باحوصلہ) ہوتے ہیں تو ان کے مطلوب کی راہ میں جسم بھی مشقتیں برداشت کرلیتے ہیں)

اللہ تعالیٰ نے دین و دنیا کی عزت اور سلطنت کو خطرات کے درمیان رکھا ہے باہمت لوگ ہی ان خطرات کو شکست دے سکتے ہیں بزدل اور عاجز لوگ ان خطرات کے متحمل کہاں؟ یہ لوگ اپنی بزدلی اور عجز کو احتیاط و اجتناب کا نام دے لیتے ہیں ایک شعر ہے ۔

تری الجبناء ان الجبن حزم وتلک خدیعة الطبع اللئیم

ترجمہ : (بزدل بزدل کو حزم و احتیاط کا نام دیتے ہیں حالاں کہ یہ طبع لئیم کا فریب ہے)

دوسری قسم۔ عبادت کے لیے سفر:۔ دوسری قسم یہ ہے کہ عبادت مثلاً حج اور جہاد کے لیے سفر کرے اس سفر کے فضائل آداب اور ظاہری و باطنی اعمال ہم باب اسرار الحج میں بیان کرچکے ہیں۔ انبیاء علیہم السلام صحابہ کرام تابعین اور علماء کے مزارات کی زیارت بھی اسی میں داخل ہے۔ زندگی میں جن لوگوں کی زیارت باعث برکت سمجھی جاتی ہے مرنے کے بعد ان کے مزارات کی زیارت بھی موجب برکت ہے ان حضرات کے مزارات کی زیارت کے لیے سفر کرنا ممنوع نہیں ہے۔ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد اس سفر کے لیے مانع نہیں ہے۔

لا تشدوا الرحال الا الی ثلثة مساجد المسجد الحرام و مسجدی ھذا والمسجد الاقصی[1]

تین مسجدوں کے علاوہ کسی مسجد کے لیے سواریاں نہ کسو مسجد حرام میری یہ مسجد اور مسجد اقصیٰ۔

یہ حکم مساجد کے سلسلے میں وارد ہے اور ان تین مسجدوں کے بعد دنیا کی تمام مساجد فضیلت میں یکساں ہیں دوسری طرف انبیاء صلحاء اور علماء کی مزارات کی زیارت اصل فضیلت کے اعتبار سے یکساں ہے اگرچہ اللہ تعالیٰ کے یہاں ان کے درجات میں تفاوت

(۱) یہ روایت کتاب الحج میں گزر چکی ہے

ہے زندہ اور مردہ بزرگوں کی زیارت فضیلت میں یکساں نہیں ہے' زندہ بزرگوں کی زیارت مردوں کی زیارت کے مقابلے میں افضل ہے' کیوں کہ زندہ لوگوں کی دعائیں حاصل ہوتی ہیں' ان کی طرف دیکھنا عبادت اور باعث برکت ہے انہیں دیکھ کر تقلید کرنے اور ان کے نقش قدم پر چلنے کی خواہش پیدا ہوتی ہے' ان کی ذات اور اعمال سے علمی فوائد حاصل ہوتے ہیں۔ کتاب الصحبت میں ہم نے اخوان فی اللہ (للّٰہی بھائیوں) کی ملاقات اور زیارت کے فضائل لکھے ہیں' انہیں سامنے رکھ کر غور کیجئے کہ علماء اور صلحاء کی زیارت کے کس قدر فضائل ہوں گے۔ تورات میں ہے کہ اپنے اخ فی اللہ کی زیارت کے لیے چار میل کا سفر کرکے جاؤ۔ حدیث شریف سے علماء کی زیارت کی نفی نہیں ہوتی بلکہ اس کا مفہوم یہ ہے کہ مقامات اور امکنہ سے برکت حاصل کرنے کے لیے ان تین مسجدوں کے علاوہ کسی مسجد یا کسی جگہ کے لیے سفر نہ کیا جائے۔ حرمین شریفین (مسجد حرام اور مسجد نبوی) کے فضائل ہم کتاب الحج میں بیان کرچکے ہیں۔ بیت المقدس کے بھی بے شمار فضائل ہیں۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمر مدینہ منورہ سے سفر کرکے بیت المقدس تشریف لے گئے' اور انہوں نے وہاں پانچ نمازیں ادا کیں اور اگلے روز واپسی کے لیے چل پڑے حضرت سلیمان علیہ السلام نے خداوند قدوس کی بارگاہ میں یہ دعا کی تھی کہ اے اللہ جو شخص نماز پڑھنے کی نیت سے اس مسجد کا قصد کرے آپ اس پر نگاہ خاص فرمائیں' اور جب تک وہ اس مسجد میں مقیم رہے آپ کی توجہات سے محروم نہ ہو' آپ اس کے تمام گناہ معاف کردیں یہاں تک کہ جب وہ اس مسجد سے باہر نکلے تو ایسا ہو گویا اسے آج ہی اس کی ماں نے جنا ہے۔

تیسری قسم۔ دینی مشکلات کے باعث سفر:۔ سفر کی تیسری قسم یہ ہے کہ ان مشکلات کے باعث سفر کیا جائے جن کا تعلق دین سے ہو' یہ سفر بھی اچھا ہے' ان امور سے راہ فرار اختیار کرنا جن کا تحمل نہ ہوسکے انبیاء اور مرسلین کی سنت طیبہ ہے۔ جاہ و اقتدار' کثرت روابط' اور کثرت مال و متاع سے بچنے کے لیے ترک وطن کرنا نہایت ضروری ہے' کیوں کہ یہ سب چیزیں دل کو مشغول کردیتی ہیں اور دین اسی وقت کامل ہوتا ہے جب وہ غیر اللہ سے فارغ ہو' اگر دل دنیا سے پوری طرح فارغ نہ ہو تو جس قدر فارغ ہوگا اسی قدر دین میں مشغول ہوگا' دنیا کی ضرورتوں سے پوری طرح فراغت ممکن نہیں تاہم یہ ممکن ہے کہ ضرورتیں کم ہوں' اور زیادہ کی ہوس دل میں نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس نے نجات کو دل کی مکمل اور مطلق فراغت پر معلق نہیں فرمایا' بلکہ اس نے اپنے فضل و کرم کے صدقے میں ہلکا بوجھ رکھنے والوں کو بھی قبول کیا' ہلکے بوجھ والا شخص وہ ہے جس کی تمام تر توجہ کا مرکز دنیا نہ ہو' اور یہ صورت وطن میں شاذ ہی پیش آتی ہے۔ کیوں کہ جاہ و منصب اور مال و دولت کے حصول کے مواقع یہاں زیادہ ہوتے ہیں' تعلقات بھی وسیع ہوتے ہیں' سالک کا مقصود گمنامی کے لیے سفر کرنا اور قطع علائق کرنے ہی سے حاصل ہوسکتا ہے۔ کیا عجب ہے کہ ایک مدّت کی ریاضت کے بعد نفس عادی ہوجائے اور باری تعالیٰ کی مدد اور توفیق سے اس کا دل قوی اور مطمئن ہوجائے' یہاں تک کہ اس کے نزدیک سفر و حضر اور اسباب کے وجود و عدم کی تمیز باقی نہ رہے' اور وہ ہر حال میں اللہ کی یاد میں مشغول رہے' ذکر الٰہی سے کوئی چیز اسے نہ روکے' لیکن ایسا ہونا مشکل ہے' آج کے دور میں قلوب ضعیف' ہمتیں پست' اور خواہشات شدید ہیں' ایسا مشکل ہی نظر آتا ہے کہ ان میں مخلوق اور خالق دونوں کی گنجائش ہو' یہ قوت انبیاء اور اولیاء اللہ کو حاصل ہے' اگرچہ دوسرے لوگ بھی اس درجے تک اپنی محنت اور جدوجہد سے پہنچ سکتے ہیں۔ محنت اپنی جگہ ضروری ہے' اگرچہ اس مرتبے تک پہنچنا دشوار نظر آتا ہو' یہ ایسا ہی ہے جیسے ایک پہلوان نہایت طاقت ور اور تندرست و توانا ہے اور تن تنہا ڈھائی دو من بوجھ اٹھا سکتا ہو' دوسرا شخص نہات لاغر' کمزور اور مریض ہے لیکن اس کی خواہش یہ ہے کہ وہ بھی پہلوان بنے' اور اسی طرح دو ڈھائی من بوجھ اٹھانے کی طاقت حاصل کرے' بظاہر اس خواہش کی تکمیل مشکل ہی نظر آتی ہے' لیکن وہ مشق' جدوجہد' اور لگن سے اپنی موجودہ حالت سے بہتر حالت ضرور بنا سکتا ہے' اگر آدمی کسی بلند مرتبے پر پہنچنے میں دشواری محسوس کرے تو اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ مایوس ہو کر بیٹھ جائے' اور کوشش ترک کردے' یہ جہالت اور گمراہی ہے۔

اکابرین سلف کا طریقہ یہ تھا کہ وہ فتنوں کے خوف سے وطن چھوڑ دیا کرتے تھے' سفیان ثوری فرمایا کرتے تھے کہ یہ برائی کا دور

ہے، اس دور میں گم نام بھی محفوظ نہیں، مشہور و معروف لوگوں کا تو کیا ذکر ہے، اس زمانے میں آدمی کو ایک شہر سے دوسرے شہر کی ہجرت جاری رکھنی چاہیے، اگر ایک شہر میں شہرت ہو جائے تو دین کی بقا کے لیے شہر سے رخصت ہو جانا ہی بہتر ہے۔ ابو نعیم کہتے ہیں کہ میں نے سفیان ثوری کو دیکھا کہ ایک تھیلا کمر پر لٹکائے اور لوٹا ہاتھ میں لیے چلے جا رہے ہیں، میں نے عرض کیا: ابو عبداللہ! کہاں کا قصد ہے؟ فرمایا: فلاں گاؤں جا رہا ہوں، سنا ہے وہاں گرانی کم ہے، میں نے عرض کیا کہ آپ گرانی کے خوف سے ترک وطن کر رہے ہیں؟ انہوں نے فرمایا: ہاں! اگر تمہیں کسی جگہ کے متعلق یہ خبر ملے کہ وہاں چیزیں سستی ملتی ہیں تو وہیں جا بسو، کیوں کہ تمہارے دین کی سلامتی کے لیے یہ ایک مفید صورت ہے، سری سقطیؒ صوفیاء سے فرمایا کرتے تھے، سردی ختم ہو گئی، موسم بہار کی آمد آمد ہے، اب درختوں پر برگ و بار آئیں گے، آمد و رفت بڑھے گی، اب تم نکلو اور ادھر ادُھر جاؤ۔ خواصؒ کسی شہر میں چالیس دن سے زیادہ نہیں ٹھہرتے تھے، انھیں باری تعالیٰ کی ذات پر توکل تھا، اسباب پر اعتماد کرنا ان کے نزدیک توکل کی روح اور غائت کے منافی تھا۔ توکل کے اسرار و رموز انشاء اللہ متعلقہ باب میں بیان کئے جائیں گے۔

چوتھی قسم۔ جسمانی مشکلات کے باعث سفر: ان مشکلات سے مجبور ہو کر سفر کرنے میں بھی کوئی حرج نہیں ہے جن کا تعلق بدن سے ہو، جیسے کوئی ایسا مرض جس میں مرنے کا اندیشہ ہو یا اشیاء کی گرانی وغیرہ امور جن سے اقتصادی مشکلات پیدا ہو جائیں، اور زندگی گزارنا سہل نہ رہے، بلکہ اگر اس سفر سے حاصل ہونے والے فوائد واجب ہوں تو یہ سفر بھی واجب ہوگا، اور مستحب ہوں تو یہ سفر بھی مستحب ہوگا، البتہ طاعون کی صورت اس حکم سے مستثنیٰ ہے، اگر کسی شہر میں طاعون پھیلا ہوا ہو تو اس سے گھبرا کر فرار نہ ہونا چاہیے، کیوں کہ حدیث میں اس طرح بھاگنے سے منع فرمایا گیا ہے، اسامہ ابن زیدؓ روایت کرتے ہیں کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

ان هذا الوجع او السقم رجز عذب به بعض الامم قبلكم ثم بقى بعد فى الارض، فيذهب المرة ويأتى الاخرى فمن سمع به فى ارض فلا يقدمن عليه ومن وقع بارض وهو بها فلا يخرجنه الفرار منه (بخاری و مسلم)

یہ درد یا بیماری عذاب کی ایک صورت ہے جس میں تم سے پہلے کی بعض قومیں مبتلا کی گئیں پھر بعد میں بھی یہ بیمار باقی رہ گئی (اب یہ بیماری) کبھی چلی جاتی ہے اور کبھی آجاتی ہے اگر کوئی شخص یہ سنے کہ فلاں جگہ پر یہ بیماری ہے تو ہرگز اس جگہ نہ جائے، اور اگر وہ پہلے ہی سے اس جگہ مقیم ہو تو وہاں سے ہرگز راہ فرار اختیار نہ کرے۔

حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

ان فناء امتى بالطعن والطاعون فقلت هذا الطعن قد عرفناه، فما الطاعون؟ قال: غدة كغدة البعير تاخذهم فى مراقهم، المسلم الميت منه شهيد والمقيم عليه المحتسب كالمرابط فى سبيل الله والفار منه كالفار من الزحف (احمد، ابن عبد البر فی التمہید)

میری امت کی ہلاکت طعن اور طاعون کے ذریعے ہوگی، میں نے عرض کیا طعن تو ہم جانتے ہیں، طاعون کیا چیز ہے؟ فرمایا: ایک گومڑا (ابھرا ہوا گوشت) ہے اونٹ کے گومڑے کی طرح یہ لوگوں کے پیٹ کے نرم اور زیریں حصے میں پیدا ہوتا ہے طاعون کے سبب سے مرنے والا مسلمان شہید ہے، اور جو شخص ثواب کی خواہش میں طاعون کی جگہ مقیم رہتا ہے وہ مجاہد فی سبیل اللہ کی طرح ہے، اور جو طاعون سے فرار اختیار کرے وہ جہاد سے بھاگنے والے شخص کی طرح ہے۔

مکحول اُمّ ایمن سے نقل کرتے ہیں انہوں نے فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے کسی صحابی کو یہ وصیت فرمائی:۔

لا تشرک باللہ شیئا وان عذبت او خوفت' واطع والدیک وان امراک ان تخرج من کل شئی ھو لک فاخرج منہ ولا تترک الصلوۃ عمدا فان من ترک الصلاۃ عمدا فقد برئت ذمۃ اللہ منہ و ایاک و الخمر فانہا مفتاح کل شر' و ایاک والمعصیۃ فانہا تسخط اللہ ولا تفر من الزحف' وان اصاب الناس موتان وانت فیہم فاثبت فیہم' انفق من طولک علی اہل بیتک' ولا ترفع عصاک عنہم اخفہم باللہ (بیہقی مرسلاً)

اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک مت کرو اگرچہ تمہیں ایذا پہنچائی جائے یا خوف زدہ کیا جائے' اپنے والدین کی اطاعت کرنا اگرچہ وہ تمہیں اپنی ہر چیز سے دست بردار ہونے کے لیے کہیں' جان بوجھ کر نماز مت چھوڑو' اس لیے کہ جو شخص جان بوجھ کر نماز چھوڑتا ہے اللہ تعالیٰ کا ذمہ اس سے بری ہو جاتا ہے' شراب سے اجتناب کرو کہ یہ ہر برائی کی جڑ ہے' گناہ سے بچو کہ گناہ سے اللہ تعالیٰ ناراض ہو جاتے ہیں' جہاد سے مت بھاگو' اگر لوگوں میں مرنے کی وبا پھیلے اور تم ان کے درمیان موجود ہو تو ان ہی میں ٹھہرو' اپنی نعمت اپنے گھر والوں پر خرچ کرو اور ان سے اپنا ڈنڈا مت اٹھاؤ (مطلب یہ ہے کہ ایسی نرمی مت کرو کہ وہ بے راہ ہو جائیں۔ انہیں اللہ سے ڈراتے رہو)۔

ان احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ طاعون سے بھاگنا اور طاعون میں جانا دونوں ہی ممنوع ہیں۔ کتاب التوکل میں ہم اس پر مفصل بحث کریں گے۔

اس تقسیم سے پتا چلتا ہے کہ سفر مذموم بھی ہے اور محمود بھی' مذموم کی دو قسمیں ہیں' حرام جیسے غلام کا بھاگنا' یا ماں باپ کی نافرمانی کرکے جانا' اور مکروہ جیسے طاعون زدہ شہر سے سفر کرنا۔ محمود کی بھی دو قسمیں ہیں' واجب جیسے حج کے لیے جانا' یا اس علم کے لیے سفر کرنا جو ہر مسلمان پر فرض ہے' اور مندوب جیسے علماء کی زیارت کے لیے جانا' ان اسفار میں نیت کی بڑی اہمیت ہے۔ بہتر یہ ہے کہ ہر فعل میں آدمی کی نیت آخرت کا اجر و ثواب ہو' اس صورت میں یہ نیت واجب اور مندوب اسفار میں صحیح ہو سکتی ہے' مکروہ اور حرام اسفار میں صحیح نہیں ہو سکتی۔ مباح سفر کا دارومدار نیت پر ہے' ایک شخص مال حاصل کرنے کے لیے سفر کرتا ہے مگر اس کی نیت یہ ہے کہ وہ مال حاصل کرکے خود کو سوال کی لعنت سے بچائے گا اور اہل و عیال پر خرچ کرے گا' اور جو مال زائد از ضرورت ہو گا اسے صدقہ کردے گا۔ اس صورت میں اس کا یہ سفر بھی آخرت کا عمل ہے' دوسرا شخص حج کے لیے جارہا ہے مگر دل میں اخلاص اور فرض سے سبکدوش ہونے کی نیت کے بجائے ریاکاری اور طلب شہرت کا جذبہ ہے' اس نیت سے یہ سفر آخرت کے اعمال میں شمار نہیں ہو گا' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:۔

انما الاعمال بالنیات[1]

اعمال کا دارومدار نیت پر ہے۔

بعض اکابرین سلف فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ سفر کرنے والوں پر فرشتے مقرر کردیتے ہیں جو ان کے مقاصد سفر پر نظر رکھتے ہیں' ہر مسافر کو اس کی نیت کے مطابق اجر عطا کیا جاتا ہے' جس کا مقصود دنیا ہوتی ہے اسے دنیا ملتی ہے' اس کی آخرت گھٹادی جاتی ہے' اور دنیا کی حرص و خواہش میں اس کا دل مشغول اور دماغ منتشر کردیا جاتا ہے' اور جس کا مقصد آخرت ہوتا ہے اسے بصیرت' حکمت اور ذہانت ملتی ہے اور اس کے لیے تذکار و عبرت کا دروا کردیا جاتا ہے' اس کی قوت فکر مجتمع کردی جاتی ہے' اور ملائکہ اس کے لیے مغفرت اور کامیابی کی دعائیں کرتے ہیں۔

(۱) یہ حدیث پہلے بھی گذر چکی ہے

یہاں یہ سوال بھی متوقع ہے کہ سفر بہتر ہے یا اقامت' اس کا صحیح جواب وہی ہے جو عزلت و اختلاط کے سلسلے میں دیا گیا ہے' سفر بھی اختلاط ہی کی ایک قسم ہے' فرق اگر ہے تو صرف اس قدر کہ سفر میں راستے کی مشقت' تعب' اور ذہنی و جسمانی پریشانیاں زیادہ ہوتی ہیں' ہمارے خیال میں سفر و اقامت میں زیادہ بہتر وہ ہے جس سے دین پر زیادہ مدد ملتی ہو۔ اور دنیا میں دین کا ثمرہ یہ ہے کہ آدمی کو اللہ کی معرفت' اور اس کے ذکر سے انس میسر ہو۔ انس دوام ذکر سے' اور معرفت دوام فکر سے حاصل ہوتی ہے' جو شخص ذکر و فکر کا طریق نہ سیکھے گا اسے نہ انس حاصل ہوگا اور نہ معرفت' سفر ذکر و فکر کی تعلیم کی ابتدائی منزل ہے اور اقامت آخری منزل ہے اس اعتبار سے علم حاصل کرنے کے بعد اقامت ہی سے عمل پر اعانت ہوتی ہے دائمی سیاحت اور سیر و سفر سے قلب پریشان ہوتا ہے' صرف وہی لوگ دائمی سفر کی تعب کے متحمل ہوسکتے ہیں جو قوت کا جوہر رکھتے ہوں' سفر میں مسافر کی جان اور مال دونوں ہی کو خطرہ رہتا ہے کبھی کبھی دل میں اقامت کی آسائش و راحت یاد آجاتی ہے اور دل اس یاد سے بے چین ہوجاتا ہے' عبادت کے لیے دل جمعی اور سکون باقی نہیں رہتا اگر مسافر کے پاس مال نہ ہو تو اسے نا و نوش اور مصارف سفر کے لیے دوسروں کا دست نگر بننا پڑتا ہے اس سے دل میں دوسروں کے مال کی طمع پیدا ہوتی ہے' اور بعض لوگ تنگ دستی کی مصیبت برداشت نہیں کرپاتے اور بعض لوگوں پر طمع اتنی غالب آجاتی ہے کہ وہ اچھے برے کی تمیز کھو دیتے ہیں پھر بار بار کے سفر سے لاحق ہونے والی پریشانی اچھے اچھے باہمت اور باحوصلہ لوگوں کے پائے استقامت میں لغزش پیدا کردیتی ہے وطن میں فکر و عمل کا راستہ کھلا ہوا ہو تو سالک کو چاہیے کہ وہ تحصیل علم' اور زیارت شیخ کے علاوہ سفر نہ کرے۔

ہمارے زمانے کے اکثر صوفی وظائف' افکار اور دقائق اعمال سے محروم ہیں' خلوت میں انھیں اللہ کے ذکر سے انس حاصل نہیں ہوتا' ذاکر و شاغل ہونے کے بجائے یہ لوگ جاہل و کاہل ہو رہے ہیں' یہ لوگ عمل کو دشوار سمجھتے ہیں' طریق کسب سے انھیں وحشت ہوتی ہے۔ سوال اور گداگری ان کا پیشہ ہے' مختلف شہروں میں سلاطین و حکام کی طرف سے بنائی گئی رباطیں ان کے ٹھکانے ہیں' یہ لوگ ان رباطوں میں قیام کرتے ہیں' وہاں متعین خدام سے خدمت لیتے ہیں' مفت کی کھاتے ہیں' اور ایک رباط سے دوسری رباط کا سفر کرتے رہتے ہیں' ان لوگوں نے اپنے دین کو بھی ذلت کا ہدف بنایا ہے' اور خود کو بھی رسوا کیا ہے' ان کا دعویٰ یہ ہے کہ وہ عوام کی خدمت کے لیے سفر کرتے ہیں' لیکن حقیقت یہ ہے کہ عوام کی خدمت کے بجائے مال جمع کرنا' کسب کی مشقت سے بچنا' اور تصوف کے نام پر شہرت حاصل کرنا ان کا مطمح نظر ہے' انہوں نے خانقاہوں کو سیرگاہ بنالیا ہے' حقیقی صوفیاء کا لباس پہن کر' اور آداب ظاہری میں ان بزرگوں کی تقلید کرکے یہ لوگ خوش فہمی میں مبتلا ہیں' اور یہ گمان کررہے ہیں کہ ہمارے اعمال لائق تحسین ہیں' ان کے خیال باطل کے مطابق ظاہری آداب میں شرکت سے باطنی حقائق میں بھی شرکت ہوجاتی ہے' حیف صد حیف! کس قدر بے وقوف ہے وہ شخص جسے ورم اور زبہی میں امتیاز نہ ہو' یہ لوگ اللہ کے مبغوض بندے ہیں' اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کو بے کار نوجوانوں سے نفرت ہے' ان صوفیوں کو سیر و سیاحت پر ان کی جوانی اور بیکاری ہی نے آمادہ کیا ہے۔ ہاں اگر یہ لوگ ریاکاری یا طلب شہرت کی نیت کے بغیر حج کا سفر کرتے' یا کسی بزرگ کی زیارت کے لیے جاتے اور مقصد سفر ان سے علمی و عملی استفادہ ہوتا تو بلاشبہ ان کا یہ سفر لائق تحسین ہوتا' مگر اب ایسے لوگ کہاں جو نیک مقصد اور جذبہ صادق کے ساتھ سفر کریں' دینی امور ضعیف ہوگئے ہیں' تصوف ختم ہوچکا ہے' علماء حق کے بجائے علماء سوء کا دور دورہ ہے' علوم بلاشبہ زندہ ہیں' مگر اہل علم کے بغیر علم کی زندگی کیا معنی؟ علماء کا بگاڑ عمل کے راہ سے پیدا ہوا' ان کا علم موجود ہے' مگر تصوف کا وجود ہی ناپید ہوگیا' علم بغیر عمل کے پایا جاسکتا ہے' تصوف بغیر عمل کے نہیں پایا جاسکتا' تصوف نام ہے ماسوی اللہ سے دل کے تجرد اور انخلاء کا اور اس کا تعلق دل اور اعضاء کے عمل سے ہے' جب عمل فاسد ہوگا تو اصل (تصوف) کیسے باقی رہ سکے گا؟

صوفیوں کے ان اسفار کے سلسلے میں فقہاء کی رائے ایک مستقل بحث ہے' ان کے خیال میں اس طرح کے اسفار سے نفس کو بلاوجہ کی مشقت برداشت کرنی پڑتی ہے اور نفس کو بلاوجہ مشقت میں ڈالنا ممنوع ہے اس لیے یہ سفر بھی ممنوع ہے' لیکن ہمارے

نزدیک یہ اسفار صحیح ہیں' کیوں کہ ان کا زیادہ سے زیادہ مقصد یہ ہے کہ وہ مختلف شہروں اور ملکوں کی سیر کریں' اور نفس کو کسب کی مشقت سے بچا کر بیکاری میں راحت پائیں' یہ مقصد اگرچہ انتہائی حقیر ہے لیکن کیا کیجئے' ان کی طبائع ہی ایسی ہوتی ہیں' فتویٰ کی رو سے عوام کو ان مباح امور میں مطلق اجازت ہے جن میں نہ نفع ہو اور نہ نقصان' جو لوگ کسی دینی مقصد کے بجائے محض سیّاحی کے طور پر شہر شہر گھومتے ہیں وہ ایسے ہیں جیسے جنگلی جانور' انھیں صحراؤں میں گھومنے پھرنے کی آزادی حاصل ہے' اگر یہ لوگ مخلوق خدا کو نقصان نہ پہنچائیں اور اپنے لباس اور ظاہری اخلاق و عادات سے انھیں فریب نہ دیں تو اس سیاحی میں کوئی مضائقہ بھی نہیں ہے' ان لوگوں کا جرم یہی ہے کہ وہ لوگوں کو مغالطہ دیتے ہیں' اور تصوف کے نام پر مانگتے ہیں' اور ان اوقاف کی آمدنی سے کھاتے ہیں جو حقیقی صوفیوں کے لیے اللہ کے نیک بندوں نے وقف کر رکھی ہیں۔ حقیقی صوفی وہ شخص ہے جو صلاح و تقویٰ اور دیگر فضائل و کمالات کے ساتھ ساتھ دین میں عادل ہو' یہ مصنوعی صوفی حقیقی صوفی ہرگز نہیں ہوسکتے' ان کی ادنیٰ خصوصیت یہ ہے کہ یہ لوگ سلاطین کے اموال سے شکم سیری کرتے ہیں' حالاں کہ اکل حرام کبیرہ گناہ ہے' اس گناہ کے ارتکاب کے بعد عدالت اور صلاح و تقویٰ باقی نہیں رہتا' فاسق صوفی کا وجود تسلیم کرنے کے معنی یہ ہیں کہ کافر صوفی اور یہودی فقیہہ کا وجود بھی تسلیم کیجئے' حالاں کہ یہ ممکن ہی نہیں کہ کوئی کافر صوفی' اور کوئی یہودی فقیہہ اسلام ہو۔ اسی طرح یہ بھی ممکن نہیں کہ کوئی شخص فاسق ہونے کے باوجود صوفی کہلائے۔

ان ظاہری صوفیوں کو یہ بات اچھی طرح سمجھ لینی چاہیے کہ اگر کوئی شخص انھیں حقیقی صوفی سمجھ کر اللہ کا تقرب حاصل کرنے کی نیت سے کچھ دے اور خیال یہ ہو کہ اگر اسے معلوم ہو جائے کہ یہ اصلی صوفی نہیں ہے تو ہرگز اس کی مدد نہ کرے' اس صورت میں اس کا دیا ہوا مال قبول کرنا جائز نہیں ہے' تصوف سے بے بہرہ ہونے کے باوجود تصوف کے نام پر لوگوں سے مانگنے اور لینے والا ایسا ہی ہے جیسے کوئی شخص سید ہونے کا جھوٹا دعویٰ کرے' اور ایک شخص رسول اللہ کی محبت میں اس کی مدد کرے' اگر اسے یہ معلوم ہو تاکہ وہ سید نہیں ہے تو ہرگز اس کی مدد نہ کرتا' اس صورت میں اس مصنوعی سید کے لیے بھی اس کی مدد قبول کرنا جائز نہیں ہے۔ حاملین تقویٰ' اور احتیاط پسند علماء اور صوفیاء نے دین کے عوض میں کچھ لینا اسی لیے پسند نہیں کیا کہ جو لوگ دے رہے ہیں وہ ان کے ظاہر کو اچھا سمجھ کر دے رہے ہیں اگر دینے والوں کو یہ معلوم ہو جائے کہ وہ ایسے نہیں ہیں جیسا ہم سمجھ رہے ہیں تو اپنا ہاتھ روک لیں' یہ مشکل ہی ہے کہ کسی شخص کے ظاہر و باطن دونوں اچھے ہوں کچھ نہ کچھ عیوب باطن میں ایسے ضرور ہوتے ہیں کہ اگر ظاہر ہو جائیں تو لوگوں کی عقیدت پر حرف آئے بعض بزرگوں نے اس حد تک احتیاط کی کہ خرید و فروخت کے معاملات سے یکسو ہو گئے' اور بازاروں کی ضرورتوں کے لیے اپنے وکیل اور نائب مقرر کر دئے' محض اس خیال سے کہ بعض نیک دل بائع اور مشتری دین میں ان کے مقام کی بنا پر خرید و فروخت کے معاملات میں رعایت کریں گے' یہ رعایت دین کے عوض ہوگی' ان بزرگوں نے اپنے وکیلوں کو ہدایت کر دی تھی کہ وہ خرید و فروخت کے کسی بھی معاملے میں ان کا نام نہ لیں۔ البتہ دین داری کی وجہ سے ملنے والے مال کا قبول کرنا اس وقت صحیح ہے جب کہ دینے والا اس شخص کے ظاہر و باطن سے کماحقہ واقف ہو' اور حال یہ ہے کہ اگر وہ اس کے کسی باطنی عیب پر مطلع ہو ابھی تو دینے سے باز نہیں آئے گا' اور نہ اپنے دل میں کسی طرح کا تکدر محسوس کرے گا۔ منصف اور صاحب بصیرت شخص جانتا ہے کہ یہ امر محال نہیں تو نادر الوقوع ضرور ہے۔ جو شخص اپنے نفس سے جاہل ہے اور فریب خوردہ ہے اس کے لیے امور دین سے ناواقف رہنا ہی بہتر ہے سب سے زیادہ جو چیز اس کے قریب واقع ہے وہ اس کا دل ہے جب وہ اپنے دل کے حال ہی سے ناواقف ہے دوسرے کا حال کیا سمجھے گا جو شخص یہ حقیقت سمجھتا ہے اسے چاہیے کہ وہ اپنی قوت بازو سے کمایا ہوا مال اپنے کھانے اور لباس پر خرچ کرے' تاکہ اس آفت سے' اور شبہات کے خطرے سے محفوظ و مامون ہو جائے یا ایسے شخص کا مال کھائے جس کے بارے میں قطعیت کے ساتھ یہ معلوم ہو کہ وہ میرے باطنی عیوب سے واقف ہونے کے باوجود اپنے طرز عمل میں کوئی فرق پیدا نہ ہونے دے گا۔ اگر لقمۂ حلال کے طالب' اور راہ آخرت کے سالک کو کسی مجبوری کے باعث غیر کی مدد

قبول کرنی ہی پڑے تو دینے والے سے صاف صاف کہہ دے کہ اگر تم مجھے دین دار سمجھ کر دے رہے ہو تو میں اس مدد کا مستحق نہیں ہوں' میرا باطن ظاہر کی طرح اجلا نہیں ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ تم پر میرے باطنی عیوب منکشف کردے تو مجھے یقین ہے کہ تم مجھے اس عزت' اکرام اور اعانت کے مستحق نہیں سمجھوگے بلکہ تم یہ خیال کروگے کہ میں بد ترین انسان ہوں۔ اس صاف گوئی کے بعد بھی اگر وہ اعانت پر مستعد نظر آئے تو پھر اس کا مال لینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ لیکن یہاں بھی نفس فریب دے سکتا ہے' اس کے فریب سے ہوشیار رہنا چاہیے' اس طرح کے اقرار و اعتراف کو عموماً لوگ بزدلی پر محمول کرتے ہیں' کیوں کہ بزرگوں میں ہی اپنے نفس کی مذمت اور تحقیر کا حوصلہ ہے' چنانچہ بعض اوقات یہ صاف گوئی اظہار حقیقت کے بجائے مدح و ثنا ٹھہرتی ہے' بظاہر وہ اپنی برائی کررہا ہے لیکن سننے والے اسے اس کی نیک نیتی' صفائے قلب اور زہد و تقویٰ پر محمول کررہے ہیں' اس لحاظ سے نفس کی مذمت خلوت میں ہونی چاہیے تاکہ اس فریب سے حفاظت رہے' مجمع عام میں نفس کی مذمت ریا ہے' ہاں اگر اس انداز میں اپنی باطنی خرابیوں کا اعتراف کرے کہ لوگ اسے حقیقت سمجھیں اور کسی غلط فہمی میں مبتلا نہ ہوں تب کوئی حرج نہیں ہے۔

سفر کے آداب

پہلا ادب۔ اداء حق :۔ سفر کا اولین ادب یہ ہے کہ وہ حقوق ادا کرے جو اس نے ظلم اور زبردستی سے غصب کئے ہوں' قرض خواہوں کا قرض چکائے' جن لوگوں کی کفالت اس کے ذمے ہو ان کے نان نفقے کی تیاری کرے' اگر لوگوں کی امانتیں اس کے پاس محفوظ ہوں انھیں واپس کردے' راستے کے لیے صرف حلال زاد راہ ساتھ لے' اور اتنی مقدار میں لے کہ رفقائے سفر تک بھی اس کا دائرہ وسیع ہوسکے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ ارشاد فرماتے تھے کہ آدمی کی شرافت کی علامت یہ ہے کہ اس کا زاد سفر پاک و طیب ہو' سفر میں اچھی طرح بولنا' لوگوں کو کھانا کھلانا' اور ان کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنا بہت ضروری ہے' اس لیے کہ سفر باطن کی مخفی عادتیں ظاہر کردیتا ہے' اسی لیے کہتے ہیں کہ جو شخص سفر میں ساتھ رہنے کی صلاحیت رکھتا ہے وہ حضر میں بھی ساتھ رہ سکتا ہے' لیکن یہ ضروری نہیں کہ جو شخص حضر میں اچھا ثابت ہو وہ سفر میں بھی اچھا ثابت ہوگا' بعض لوگ حضر میں اچھے ثابت ہوتے ہیں' اپنے پڑوسیوں اور ملنے جلنے والوں سے اچھا سلوک کرتے ہیں لیکن سفر کی سختی اور مشقت ان کے مزاج میں تلخی اور چڑچڑے پن کی کیفیت پیدا کردیتی ہے' اور وہ لوگ اپنے رفقائے سفر کے ساتھ وہ سلوک نہیں کرپاتے جو انھیں کرنا چاہیے' اس لیے کہا جاتا ہے کہ اگر کسی شخص کی تعریف اس کے حضر و سفر کے رفقاء کریں تو اس کی نیکی اور شرافت میں شک مت کرو' سفر تکلیف کا سبب ہے' اگر کوئی شخص تکلیف اور پریشانی کے عالم میں بھی خوش اخلاق رہے تو حقیقت میں وہ خوش اخلاق ہے حضر میں کج خلقی' اور مزاج کی تلخی اور ترشی کے اظہار کا موقع کم ملتا ہے' کیوں کہ ہر کام عموماً اپنے وقت پر' اور اپنی رفتار سے معمول کے مطابق ہوتا ہے' سفر میں ایسا نہیں ہوتا' کہتے ہیں کہ تین شخصوں کو ان کے اضطراب اور بے قراری پر مطعون نہیں کیا جاسکتا' ایک روزہ دار کو' دوم بیمار کو' سوم مسافر کو' مسافر کے حسن اخلاق کا کمال یہ ہے کہ کرایہ والوں سے احسان کا معاملہ کرے' رفقاء سفر کی ہر ممکن اعانت کرے' اگر کوئی شخص پیچھے رہ گیا ہو اس کی دلجوئی کرے' اور اسے ساتھ لے کر آگے بڑھے' اگر اسے زاد راہ اور سواری کی ضرورت ہو تو مقدور بھر تعاون سے گریز نہ کرے' تکلف اور اپنی ذات میں محدود رہنے کی کوشش نہ کرے' بلکہ اپنے رفقاء کے ساتھ مذاق بھی کرلے تاکہ وہ بے تکلف ہوجائیں' اور اس کی وجہ سے پریشان نہ ہوں تاہم یہ ضروری ہے کہ مزاح سنجیدہ ہو' فحش اور رکیک نہ ہو' نہ اس کا کسی معصیت سے تعلق ہو' مذاق کا ایک فائدہ یہ ہے کہ اس سے سفر کی تکلیف اور وطن سے دوری کا احساس کم ہوجاتا ہے۔

دوسرا ادب : رفیق کا سفر انتخاب :۔ رفیق سفر کا انتخاب بھی سفر کا اہم ترین ادب ہے' تنہا سفر نہ کرنا چاہیے' مشہور ہے کہ پہلے رفیق ہے پھر طریق (راستہ) ہے' ایسے شخص کو اپنا رفیق بنانا چاہیے جو دیندار ہو' پاکیزہ خیالات کا حامل ہو' اگر اس کا رفیق دین کی کوئی بات بھول جائے تو وہ اسے یاد دلادے' اسے یاد ہو تو عمل پر اس کی اعانت کرے' آدمی اپنے دوست کے مذہب پر ہوتا ہے' اگر کسی شخص کا اخلاق یا دینی حالت کا اندازہ لگانا ہو تو اسکے دوستوں کو دیکھ لو۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تنہا سفر کرنے سے منع فرمایا

ہے:

لو یعلم الناس مافی الوحدۃ ماسار راکب بلیل وحدہ (بخاری۔ ابن عمرؓ)

اگر لوگ جان لیں کہ تنہا سفر کرنے میں کیا (نقصان) ہے تو کوئی سوار رات کو تنہا سفر نہ کرے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ تین آدمی قافلہ ہیں (ابو داؤد' ترمذی۔ عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ) ایک مرتبہ فرمایا:۔

اذا کنتم ثلاث فأمّروا احدکم (طبرانی۔ ابن مسعود)

جب تم تین ہو جاؤ تو ایک کو اپنا امیر بنالو۔

چنانچہ اکابرین سلف کا معمول یہی تھا' فرمایا کرتے تھے کہ یہ وہ امیر ہے جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس اعزاز سے نوازا ہے۔ (مستدرک' حاکم)۔

کسی ایسے شخص کو اپنی جماعت کا امیر منتخب کرنا چاہیے جو خوش اخلاق' نرم خو' ایثار پسند ہو اور ساتھیوں کی رائے پر اپنی رائے کو ترجیح دینے والا نہ ہو' امیر منتخب کرنے کی ضرورت اس لیے ہے کہ راستوں اور منزلوں کی تعیین' اور سفر کے مفادات کے تحفظ میں مختلف آراء ہو سکتی ہیں۔ اختلاف رائے سے بچ کر کوئی ایسا فیصلہ کرنا جو کارواں کے تمام اراکین کے لئے موزوں اور مناسب ہو امیر ہی کا کام ہونا چاہیے' نظام وحدت میں ہے اور فساد کثرت میں ہے' عالم کا یہ تمام نظام ایک ہی ذات پاک کے قدرت و کمال کا ظہور ہے اگر اس کے منتظم بھی دو ہوتے تو یہ سارا کارخانہ ہست و بود درہم برہم نظر آتا۔ ارشاد ربانی ہے :۔

لَوْ كَانَ فِيهِمَا آلِهَةٌ إِلَّا اللَّهُ لَفَسَدَتَا (پ ۱۷ ر ۲ آیت ۲۲)

زمین آسمان میں اللہ تعالیٰ کے سوا اور معبود ہوتا تو دونوں درہم برہم ہو جاتے۔

سفر ہو یا حضر ہر جگہ مدبّر و منتظم ایک ہی ہونا چاہیے' ایک کی رائے اور فیصلے سے کام صحیح ہوتا ہے' بہت سی آراء اور فیصلے مسئلے کا حل نہیں بن سکتے' حضر میں تعیین امیر کا مسئلہ ہی نہیں ہے وہاں پہلے ہی امیر متعین ہیں' مثلاً "شہر کا حاکم تمام اہل شہر کا امیر ہے" گھر کا بڑا تمام اہل خانہ کا امیر اور منتظم ہے' سفر میں کیوں کہ پہلے سے کوئی امیر متعین نہیں ہوتا اس لیے آغاز سفر سے پہلے مسافروں کو اپنے ہی قافلے کے کسی ایک شخص کو اپنا امیر منتخب کرلینا چاہیے تاکہ مختلف آراء نقطہ وحدت بن جائیں' امیر کے لیے ضروری ہے کہ وہ ان لوگوں کے مفادات کا تحفظ کرے جن کا اسے امیر بنایا گیا ہے اور اپنے آپ کو ان کی ڈھال تصور کرے' عبداللہ ابن موزیؒ نے سفر کا ارادہ کیا تو ابو علی رباطیؒ نے عرض کیا کہ مجھے اپنا رفیق بنا لیجئے' فرمایا مجھے تمہاری یہ درخواست ایک شرط پر منظور ہے اور وہ یہ ہے کہ قافلے کے امیر یا تم ہو گے یا میں ہوں گا' انہوں نے جواب دیا کہ امیر کا منصب آپ کے شایان شان ہے' امیر آپ ہی ہوں گے' سفر شروع ہوا' ابن موزیؒ نے اپنا اور اپنے رفیق ابو علی کا تمام سامان اپنی پشت پر لاد لیا اور چل دیے' ابو علی نے لاکھ روکا مگر نہیں مانے' راستے میں تھے کہ رات میں بارش شروع ہو گئی' ابن موزی نے ابو علی کو بٹھایا اور خود ایک چادر ان کے سر پر تان کر کھڑے ہو گئے تاکہ وہ بارش سے محفوظ رہیں' ابو علی نے منع کیا لیکن انہوں نے یہ کہہ کر خاموش کر دیا کہ تم نے مجھے امیر بنایا تھا' اب میری اطاعت کرو' ابو علی کہتے ہیں کہ اس وقت میں انہیں اپنا امیر بنا کر بہت نادم ہوا' اور دل میں خیال آیا کہ کاش میں انہیں امیر بنانے سے پہلے مر گیا ہوتا۔ اس واقعے سے اندازہ ہوتا ہے کہ امیر کو اپنے عیش و آرام کا خیال رکھنے کے بجائے اپنے رفقاء کا خیال رکھنا چاہیے۔

رفقائے سفر کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد :۔

خیر الاصحاب اربعۃ (ابو داؤد' ترمذی' حاکم' ابن عباسؓ)

بہترین ساتھی چار ہیں۔

اس حدیث میں چار کا عدد استعمال کیا گیا ہے اس عدد میں یقیناً کوئی مصلحت پوشیدہ ہوگی غور کرنے سے یہ حکمت سمجھ میں آتی ہے کہ مسافر کے لیے سفر میں دو کام زیادہ اہمیت رکھتے ہیں' ایک سامان کی حفاظت' دوم حوائج ضروریہ کی خرید و فروخت۔ اب اگر قافلے

میں تین آدمی ہوں۔ دو سامان کی حفاظت میں لگ جائیں' تیسرا خرید و فروخت اور دیگر امور کی تکمیل کے لیے چلا جائے تو وہ تنہا رہ جائے گا اور یہ تنہائی اس کے لیے وحشت کا باعث ہوگی اور اگر دو چلے جائیں اور ایک حفاظت کرے تو وہ گھبرائے گا اس لیے چار آدمی ہونے چاہئیں تاکہ دو خرید و فروخت اور دیگر امور کی تکمیل کے لیے چلے جائیں اور دو سامان کی حفاظت کریں چار سے کم افراد ضرورت کے لیے کافی نہیں ہیں' اور چار سے زائد کی ضرورت نہیں ہے' چنانچہ اگر پانچ افراد ہوئے تو پانچواں بیکار ہی ہوگا' البتہ افراد کی کثرت خوف و خطر کے مواقع پر مفید ثابت ہوتی ہے' بہرحال یہ چار کا عدد مخصوص رفاقت کے لیے ہے عام رفاقت کے لیے نہیں ہے۔

تیسرا ادب۔ رخصت :۔ سفر سے پہلے اپنے اعزہ اقرباء دوست احباب اور ملنے جلنے والوں سے رخصت ہو اور وہ دعا پڑھے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے۔

اَسْتَوْدِعُ اللّٰہَ دِیْنَکَ وَاَمَانَتَکَ وَخَوَاتِیْمَ عَمَلِکَ

میں تیرا دین اور تیرا گھربار اور تیرے اواخر اعمال اللہ کے سپرد کرتا ہوں۔

ایک تابعی فرماتے ہیں کہ میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے ساتھ مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ تک رہا' جب میں نے آپ سے رخصت ہونے کا ارادہ کیا تو آپ چند قدم میرے ساتھ چلے اور فرمایا کہ میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے حضرت لقمان کا یہ قول سنا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کو کوئی چیز سپرد کردی جائے تو وہ اس کی حفاظت فرماتا ہے۔ میں اللہ تعالیٰ کو تیرا دین' گھربار اور اواخر اعمال سپرد کرتا ہوں۔ (نسائی' ابوداؤد مختصراً ابن عمرؓ) زید بن ارقم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کرتے ہیں :۔

اذا اراد احدکم سفر افلیودع اخوانہ' فان : اللہ جاعل لہ فی دعاءھم البرکۃ

(خرائطی مکارم الاخلاق)

جب تم میں سے کوئی شخص سفر کا ارادہ کرے تو اسے چاہیے کہ وہ اپنے بھائیوں سے رخصت ہو' اس لیے کہ اللہ ان کی دعاؤں میں اس کے لیے برکت دیتا ہے۔

عمرو ابن شعیب اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے نقل کرتے ہیں کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی شخص کو رخصت فرماتے تو اسے یہ دعا دیتے :۔

زَوَّدَکَ اللّٰہُ التَّقْوٰی وَغَفَرَ ذَنْبَکَ وَوَجَّھَکَ لِلْخَیْرِ حَیْثُ تَوَجَّھْتَ (خرائطی مکارم الاخلاق)

اللہ تعالیٰ تجھے تقویٰ کا زاد راہ عطا کرے تیرے گناہ معاف فرمائے' اور جہاں کہیں تو جائے خیر کی طرف تیری رہنمائی کرے۔

یہ دعا مقیم کی طرف سے مسافر کے لیے ہے' اس سے پہلے مسافر کی دعا مقیم کے لیے گذر چکی ہے موسیٰ بن وردان کہتے ہیں کہ میں الوداعی ملاقات کے لیے حضرت ابو ہریرہؓ کی خدمت میں حاضر ہوا' انہوں نے مجھ سے فرمایا کہ بھتیجے میں تجھے وہ دعا سکھلاتا ہوں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے موقع کے لیے مجھے تلقین فرمائی تھی' میں نے عرض کیا : ضرور سکھلائیں فرمایا یہ الفاظ کہا کرو :۔

استودعک اللہ الذی لا تضیع ودائعہ (ابن ماجہ۔ نسائی)

میں تجھے اللہ کے سپرد کرتا ہوں جس کے سپرد کی ہوئی امانتیں ضائع نہیں ہوتیں۔

انس بن مالکؓ روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا : یارسول اللہ! میں سفر کا ارادہ رکھتا ہوں مجھے کوئی وصیت فرمائیے' آپ نے ان کلمات کے ساتھ اسے رخصت فرمایا :۔

فِیْ حِفْظِ اللّٰہِ وَفِیْ کَنَفِہٖ زَوَّدَکَ اللّٰہُ التَّقْوٰی وَ غَفَرَ ذَنْبَکَ وَوَجَّھَکَ لِلْخَیْرِ حَیْثُ کُنْتَ اَوْ اَیْنَمَا کُنْتَ[1]

---

(۱) یہ روایت کتاب الحج میں گذر چکی ہے

اللہ تعالیٰ کی حفاظت اور پناہ میں اللہ تعالیٰ تجھے تقویٰ کا زاد راہ عطا کرے' تیرے گناہ معاف فرمائے' اور جہاں کہیں تو ہو خیر کی طرف تیری رہنمائی کرے۔

اللہ تعالیٰ کے سپرد کرتے وقت کسی ایک شے کی تخصیص نہ کرے بلکہ اپنا گھربار' آل و اولاد' اور مال متاع سب کچھ اس کی حفاظت اور پناہ میں دے دے' روایت ہے کہ حضرت عمرؓ لوگوں کو عطایا تقسیم کر رہے تھے کہ ایک شخص اپنے بیٹے کے ساتھ آیا' آپ نے اس شخص سے فرمایا کہ میں نے بیٹے کے باپ کا اتنا مشابہ کم ہی دیکھا ہے اس شخص نے عرض کیا امیرالمومنین! اس بچے کا ایک عجیب واقعہ ہے' میں کسی سفر کے لیے پابہ رکاب تھا' ان دنوں میری بیوی حاملہ تھی' کہنے لگی مجھے اس حال میں چھوڑ کر آپ باہر جا رہے ہیں' میں نے کہا کہ میں تیرے حمل کو اللہ کی پناہ اور حفاظت میں دیتا ہوں' یہ کہہ کر میں چلا گیا' واپس آیا تو لوگوں نے مجھے بیوی کی موت کی اطلاع دی' ایک رات جب کہ میں کچھ لوگوں سے مصروف گفتگو تھا' مجھے ایک قبر پر آگ نظر آئی' میرے استفسار پر لوگوں نے بتلایا کہ یہ فلاں عورت کی قبر ہے' اور یہ آگ ہمیں ہر رات نظر آتی ہے' میں نے کہا کہ خدا کی قسم وہ تو نہایت عابدہ زاہدہ عورت تھی' اس کی قبر میں آگ کا مطلب سمجھ میں نہیں آتا؟ ہم لوگ کدال اور پھاوڑہ وغیرہ لے کر قبر پر پہونچے' مٹی ہٹائی' ہم نے دیکھا کہ قبر میں چراغ روشن ہے' اور ایک بچہ ہاتھ پاؤں چلا رہا ہے' آواز آئی : اے فلاں! یہ تیری امانت ہے' اگر تو اس کی ماں کو بھی ہمارے سپرد کرتا تو تجھے وہ بھی زندہ ملتی' حضرت عمرؓ نے فرمایا واقعی یہ بچہ تم سے بہت زیادہ مشابہ ہے جیسے کوا کوے سے مشابہ ہوتا ہے۔

چوتھا ادب۔ نفل نماز :۔ سفر شروع کرنے سے پہلے ہمارے بتلائے ہوئے طریقے کے مطابق نماز استخارہ پڑھے' چلتے وقت سفر کی نماز کے طور پر چار رکعتیں پڑھے حضرت انس بن مالکؓ روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ میں نے سفر کا ارادہ کیا ہے (اور اس خیال سے کہ شاید واپسی نہ ہو) ایک وصیت بھی مرتب کرلی ہے' میں یہ وصیت کس کے سپرد کروں' بیٹے کے' بھائی کے' یا والد کے؟ آپ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک کوئی نائب جو بندہ اپنی عدم موجودگی میں گھر کے لیے مقرر کرے' اس سے بہتر نہیں کہ جب وہ سفر کا لباس پہن لے تو اپنے گھر میں چار رکعات پڑھے' اور ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ اور سورۂ اخلاص تلاوت کرے' نماز کے بعد یہ دعا کرے :۔

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَتَقَرَّبُ بِهِنَّ اِلَیْکَ فَاخْلُفْنِیْ بِهِنَّ فِیْ اَهْلِیْ وَمَالِیْ

اے اللہ میں ان رکعات کے ذریعہ تیری قربت چاہتا ہوں تو ان رکعات کو میرے گھر والوں میں اور مال میں میرا نائب بنا دے۔

یہ رکعتیں اس کے اہل اور مال میں نائب رہیں گی' اور واپسی تک اس کے گھر کی حفاظت کریں گی۔ (خرائطی مکارم الاخلاق)

پانچواں ادب۔ روانگی کے وقت دعائیں :۔ جب مکان کے دروازے پر پہنچے یہ الفاظ کہے :۔

بِسْمِ اللّٰهِ تَوَکَّلْتُ عَلَی اللّٰهِ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ رَبِّ اَعُوْذُ بِکَ اَنْ اَضِلَّ اَوْ اُضَلَّ اَوْ اَذِلَّ اَوْ اُذَلَّ اَوْ اَزِلَّ اَوْ اُزَلَّ اَوْ اَظْلِمَ اَوْ اُظْلَمَ اَوْ اَجْهَلَ اَوْ یُجْهَلَ عَلَیَّ

میں اللہ کا نام لے کر نکلا' میں نے اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کیا' گناہ سے بچنے کی قوت اور اطاعت کی طاقت اللہ ہی سے ہے' اے اللہ! میں تیری پناہ چاہتا ہوں اس بات سے کہ خود گمراہ ہوں یا گمراہ کیا جاؤں' خود ذلیل ہوں یا ذلیل کیا جاؤں' پھسلوں یا پھسلایا جاؤں' ظلم کروں یا مجھ پر ظلم کیا جائے' جہالت کروں یا مجھ پر جہالت کی جائے۔

دروازے سے نکل کر یہ دعا پڑھے۔

اَللّٰهُمَّ بِکَ انْتَشَرْتُ وَعَلَیْکَ تَوَکَّلْتُ وَبِکَ اعْتَصَمْتُ وَاِلَیْکَ تَوَجَّهْتُ' اَللّٰهُمَّ اَنْتَ ثِقَتِیْ وَاَنْتَ رَجَائِیْ فَاکْفِنِیْ مَا اَهَمَّنِیْ وَمَا لَا اَهْتَمُّ بِهٖ وَمَا اَنْتَ اَعْلَمُ بِهٖ مِنِّیْ عَزَّ جَارُکَ وَجَلَّ ثَنَاءُکَ وَلَا اِلٰهَ غَیْرُکَ اَللّٰهُمَّ زَوِّدْنِی التَّقْوٰی وَاغْفِرْ لِیْ ذَنْبِیْ

وَوَجِّهْنِي الْخَيْرَ اَيْنَمَا تَوَجَّهْتَ

اے اللہ! میں تیری ہی مدد سے چلا میں نے تجھ پر ہی بھروسہ کیا' تیری ہی پناہ حاصل کی تیری ہی طرف متوجہ ہوا' اے اللہ! تو ہی میرا اعتماد ہے' تو ہی میری امید ہے' اے اللہ مجھے اس چیز سے بچا جو مجھے پیش آئے اور میں اس کا اہتمام نہ کرسکوں اور جس چیز کو تو مجھ سے زیادہ جانتا ہے تیری پناہ لینے والا عزیز ہوا' تیری تعریف عظیم ہے' تیرے علاوہ کوئی معبود نہیں ہے' اے اللہ مجھے تقویٰ کا زاد راہ عطا فرما' میرے گناہ معاف کر' اور جہاں کہیں میں جاؤں میری خیر کی طرف رہنمائی فرما۔

یہ دعا ہر منزل سے روانگی کے وقت بھی پڑھنی چاہیے' سواری پر بیٹھتے ہوئے یہ الفاظ کہے :۔

بِسْمِ اللّٰهِ وَبِاللّٰهِ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ تَوَكَّلْتُ عَلَى اللّٰهِ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ مَاشَاءَ اللّٰهُ كَانَ وَمَا لَمْ يَشَاْ لَمْ يَكُنْ سُبْحَانَ الَّذِيْ سَخَّرَ لَنَا هٰذَا وَمَا كُنَّا لَهُ مُقْرِنِيْنَ وَاِنَّا اِلٰى رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ

میں اللہ کا نام لے کر سوار ہوا' اللہ سب سے بڑا ہے' میں نے اللہ پر بھروسہ کیا' گناہ سے پھیرنے اور نیکی پر لگانے کی طاقت بس اللہ ہی کو ہے جو برتر اور عظیم ہے' جو اللہ چاہتا ہے وہ ہوتا ہے جو نہیں چاہتا وہ نہیں ہوتا پاک ہے وہ ذات جس نے ہمارے لیے اس سواری کو مسخر کیا' ورنہ ہم اسے قبضے میں کرنے والے نہ تھے' اور بلاشبہ ہمیں اپنے رب کی طرف جانا ہے۔

سواری پر اچھی طرح بیٹھ جانے کے بعد کہے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ هَدَانَا لِهٰذَا وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِيَ لَوْلَا اَنْ هَدَانَا اللّٰهُ اَللّٰهُمَّ اَنْتَ الْحَامِلُ عَلَى الظَّهْرِ وَاَنْتَ الْمُسْتَعَانُ عَلَى الْاُمُوْرِ

تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں جس نے تمہیں اس کی راہ بتلائی' ہم راہ پانے والے نہیں تھے اگر وہ ہمیں راہ نہ بتلاتا اے اللہ تو ہی سواری کی پشت پر بٹھانے والا ہے' اور تجھ ہی سے تمام معاملات میں مدد چاہی جاتی ہے۔

چھٹا ادب۔ روانگی کا وقت :۔ سفر کا ایک ادب یہ ہے کہ منزلوں سے صبح سویرے روانہ ہو' حضرت جابر ابن عبداللہ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ تبوک کے لیے جمعرات کے روز علی الصباح کوچ فرمایا' اور یہ دعا کی :

اَللّٰهُمَّ بَارِكْ لِاُمَّتِيْ فِيْ بُكُوْرِهَا (سنن اربعہ۔ صخر عامری)

اے اللہ! میری امت کے لیے صبح سویرے چلنے میں برکت عطا فرما۔

مستحب یہ ہے کہ سفر کی ابتدا جمعرات کے دن کرے عبداللہ ابن کعب ابن مالک اپنے والد سے روایت کرتے تھے(۱) انس کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا فرمائی "اے اللہ! میری امت کے لیے شنبہ کے روز صبح سویرے چلنے میں برکت عطا کر" اسی طرح کی ایک روایت حضرت ابو ہریرہؓ سے منقول ہے (ابن ماجہ' خرائطی) آپؐ ہمیشہ صبح کے اول حصے میں لشکر روانہ فرمایا کرتے تھے (سنن اربعہ۔ صخر عامریؓ) حضرت عبداللہ ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ اگر تمہیں کسی شخص سے کوئی کام ہو تو اسے صبح کے وقت پورا کرو' رات میں اس شخص کو تلاش کرنے کی زحمت مت اٹھاؤ' اور نہ اسے تکلیف دو' میں نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ اے اللہ میری امت کے لیے صبح سویرے اٹھنے میں برکت دے (بزار طبرانی کبیر' خرائطی) جمعہ کے روز طلوع فجر کے بعد سفر نہ کرنا چاہیے' ورنہ ترک جمعہ کا گناہ ہوگا جمعہ کا تمام دن نماز جمعہ سے منسوب ہے' دن کا ابتدائی حصہ بھی وجوب جمعہ کا سبب ہے۔ اس لیے نماز جمعہ سے پہلے سفر نہ کرے مسافر کو الوداع کہنے کے لیے چند قدم ساتھ چلنا سنت ہے۔

---

(۱) یہ روایت بزار اور خرائطی دونوں نے ضعیف سندوں سے نقل کی ہے بزار میں جمعرات کا ذکر ہے اور خرائطی میں شنبہ کا

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں۔

لان اشیع مجاھدا فی سبیل اللہ فاکتنفہ علی رحلہ غدوۃ اوروح احب الی من الدنیا ومافیھا (ابن ماجہ معاذ بن انسؓ)

اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے کی مشایعت اور صبح یا شام کو اس کی سواری کے ارد گرد ہونا مجھے دنیا ومافیہا سے زیادہ محبوب ہے۔

ساتواں ادب۔ پڑاؤ کا وقت :۔ جب تک سورج اچھی طرح بلند نہ ہو جائے اور دھوپ خوب نہ پھیل جائے اس وقت تک پڑاؤ نہ کرے، اکثر راستہ رات کو طے کرنا چاہیے، سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں :۔

علیکم بالدلجۃ فان الارض تطوی باللیل مالا تطوی بالنھار (۱)

اندھیرے میں چلا کرو اس لیے کہ زمین رات میں جس قدر طے ہوتی ہے دن میں اس قدر طے نہیں ہوتی

جب منزل کے آثار نظر آنے لگیں تو یہ دعا پڑھے۔

اَللّٰھُمَّ رَبَّ السَّمٰوٰاتِ السَّبْعِ وَمَا اَظْلَلْنَ وَرَبَّ الْاَرْضِیْنَ السَّبْعِ وَمَا اَقْلَلْنَ وَرَبَّ الشَّیَاطِیْنِ وَمَا اَضْلَلْنَ وَرَبَّ الرِّیَاحِ وَمَا ذَرَیْنَ وَرَبَّ الْبِحَارِ وَمَا جَرَیْنَ، اَسْاَلُکَ خَیْرَ ھٰذَا الْمَنْزِلِ وَخَیْرَ اَھْلِہٖ وَاَعُوْذُبِکَ مِنْ شَرِّ ھٰذَا الْمَنْزِلِ وَشَرِّ مَا فِیْہِ اِصْرِفْ عَنِّیْ شَرَّ شِرَارِھِمْ۔

اے اللہ جو ساتوں آسمانوں اور ان سب چیزوں کا رب ہے جو آسمانوں کے نیچے ہیں، اور جو ساتوں زمینوں کا اور ان سب چیزوں کا رب ہے جو ان کے اوپر ہیں، اور جو شیطانوں کا اور ان سب کا رب ہے جن کو شیطانوں نے گمراہ کیا ہے اور جو ہواؤں کا اور ان سب کا رب ہے جنھیں ہواؤں نے اڑایا ہے اور جو سمندروں اور ان چیزوں کا رب ہے جنھیں وہ بہاتے ہیں سو میں تجھ سے اس آبادی کی اور اس کے باشندوں کی خیر کا سوال کرتا ہوں، اور ان چیزوں کے شر سے تیری پناہ چاہتا ہوں جو اس کے اندر ہیں مجھ سے ان کے بروں کی برائی دور کر دے۔

منزل پر قیام کے لیے سواری سے اترنے کے بعد دو رکعت نماز ادا کرے اور یہ دعا کرے :۔

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَلِمَاتِ اللّٰہِ التَّامَّاتِ الَّتِیْ لَا یُجَاوِزُھُنَّ بَرٌّ وَّلَا فَاجِرٌ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ

میں اللہ کی پناہ چاہتا ہوں اللہ کے ان پورے کلمات کے واسطے سے جو کسی نیک و بد سے تجاوز نہیں کرتے اس کی مخلوق کے شر سے۔

جب رات ہو جائے تو یہ دعا پڑھے :۔

یَا اَرْضُ رَبِّیْ وَرَبُّکِ اللّٰہُ اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شَرِّکِ وَشَرِّ مَا فِیْکِ وَشَرِّ مَا یَدِبُّ عَلَیْکِ اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ کُلِّ اَسَدٍ وَّاَسْوَدٍ وَّحَیَّۃٍ وَّعَقْرَبٍ وَّمِنْ شَرِّ سَاکِنِی الْبَلَدِ وَوَالِدٍ وَّمَا وَلَدَ وَلَہٗ مَا سَکَنَ فِی اللَّیْلِ وَالنَّھَارِ وَھُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ۔

اے زمین میرا اور تیرا رب اللہ ہے میں اللہ کی پناہ چاہتا ہوں تیرے شر سے اور ان چیزوں کے شر سے جو تجھ میں پیدا کی گئی ہیں اور ان چیزوں کے شر سے جو تجھ پر چلتی ہیں، اور اللہ کی پناہ چاہتا ہوں ہر شیر، ہر اژدہے، ہر سانپ اور ہر بچھو کے شر سے، اور اس شہر کے رہنے والوں کے، اور باپ کے اور اولاد کے شر سے، اور اللہ ہی کا ہے جو رات میں بستا ہے اور دن میں بستا ہے، اور وہ سننے والا اور جاننے والا ہے۔

(۱) یہ حدیث کتاب الحج میں گذر چکی ہے

سفر کے دوران کسی بلند زمین پر چڑھنا ہو تو یہ الفاظ کہے :-

اَللّٰهُمَّ لَكَ الشَّرَفُ عَلٰى كُلِّ شَرَفٍ وَلَكَ الْحَمْدُ عَلٰى كُلِّ حَالٍ

اے اللہ تجھے ہی برتری حاصل ہے تمام بلندیوں پر اور تیرے ہی لیے ہر حال میں تمام تعریفیں ہیں۔

بلندی سے نیچے اترتے ہوئے اللہ کی تسبیح بیان کرے یعنی سبحان اللہ کہے' اگر سفر کے دوران ان کسی قسم کی وحشت ہو یا تنہائی کا خوف ستائے تو یہ کلمات کہے :-

سُبْحَانَ اللّٰهِ الْمَلِكِ الْقُدُّوْسِ رَبِّ الْمَلَائِكَةِ وَالرُّوْحِ جَلَّلْتَ السَّمٰوٰاتِ بِالْعِزَّةِ وَالْجَبَرُوْتِ

پاکی بیان کرتا ہوں اللہ کی جو بادشاہ ہے پاک ہے فرشتوں اور روح الامین کا رب ہے تو نے آسمانوں کو اپنی عزت اور جبروت سے ڈھانپ لیا ہے۔

آٹھواں ادب۔ سفر کے دوران احتیاط :- اقامت اور سفر ہر حال میں احتیاط رکھے دن میں تنہا نہ چلے' ایسا نہ ہو کہ قافلے سے جدا ہو جائے اور منزل سے دور جا پڑے' یا لٹیروں کے چکر میں پھنس جائے' رات میں غفلت کی نیند نہ سوئے' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول یہ تھا کہ دوران سفر اگر رات کے ابتدائی حصے میں سوتے تو اپنا دست مبارک بچھا کر تکیہ بنا لیتے' اور اگر آخری حصے میں سوتے تو دست مبارک کھڑا کر کے ہتھیلی پر سر رکھتے' اس طرح سونے سے مقصد یہ تھا کہ گہری نیند نہ آئے' ایسا نہ ہو کہ آفتاب نکل آئے اور نماز قضا ہو جائے نماز کی فضیلت اس چیز سے کہیں زیادہ مستحسن ہے جو سفر سے مطلوب ہے' رات کے وقت مستحب یہ ہے کہ رفقائے سفر باری باری پہرہ دیں ایک سو جائے دوسرا نگرانی کرے پھر دوسرا سو جائے اور پہلا نگرانی کرے' یہ سنت ہے۔[1]

اگر کسی وقت کوئی دشمن حملہ کر دے یا کوئی درندہ چڑھ آئے تو خوفزدہ ہونے کے بجائے آیۃ الکرسی اَللّٰهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ آخر تک سورۂ اخلاص اور معوذتین پڑھے اور یہ الفاظ کہے :-

بِسْمِ اللّٰهِ مَاشَاءَ اللّٰهُ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ حَسْبِيَ اللّٰهُ تَوَكَّلْتُ عَلَى اللّٰهِ مَاشَاءَ اللّٰهُ لَا يَصْرِفُ السُّوْءَ اِلَّا اللّٰهُ حَسْبِيَ اللّٰهُ وَكَفٰى سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ دَعَا لَيْسَ وَرَاءَ اللّٰهِ مُنْتَهٰى وَلَا دُوْنَ اللّٰهِ مَلْجَاءٌ كَتَبَ اللّٰهُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِيْ اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ عَزِيْزٌ تَحَصَّنْتُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ وَاسْتَعَنْتُ بِالْحَيِّ الَّذِيْ لَا يَمُوْتُ اَللّٰهُمَّ احْرُسْنَا بِعَيْنِكَ الَّتِيْ لَا تَنَامُ وَاكْفِنَا بِرُكْنِكَ الَّذِيْ لَا يُرَامُ اَللّٰهُمَّ ارْحَمْنَا بِقُدْرَتِكَ عَلَيْنَا فَلَا نَهْلِكُ وَاَنْتَ ثِقَتُنَا وَرَجَاءُنَا اَللّٰهُمَّ اعْطِفْ عَلَيْنَا قُلُوْبَ عِبَادِكَ وَاِمَاءِكَ بِرَافَةٍ وَرَحْمَةٍ اِنَّكَ اَنْتَ اَرْحَمُ الرَّاحِمِيْنَ۔

میں نے اللہ کے نام سے شروع کیا گناہ سے پھیرنے اور نیکی پر لگانے کی طاقت بس اللہ ہی کو ہے مگر الا ماشاء اللہ میرے لیے کافی ہے میں نے اللہ پر بھروسہ کیا' اللہ کے علاوہ کوئی بھلائی نہیں کرتا' اللہ کے علاوہ کوئی برائی دور نہیں کرتا' اللہ میرے لیے کافی ہے اور کافی رہا ہے اللہ نے اس شخص کا قول سنا جس نے دعا مانگی اللہ سے ماوراء کوئی انتہا نہیں ہے اور نہ اللہ کے سوا کوئی ٹھکانہ ہے' اللہ لکھ چکا ہے کہ میں اور میرے رسول غالب رہیں گے' بلاشبہ اللہ تعالیٰ طاقت ور اور زبردست ہے' میں نے خدائے برتر و عظیم کی پناہ لی اور اس زندۂ جاوید ذات سے مدد حاصل کی جو کبھی نہیں مرے گا' اے اللہ! ہماری حفاظت فرما' اپنی اس آنکھ سے جو سوتی نہیں ہے اور ہمیں پناہ دے اس عزت کی جو طلب نہیں کی جاتی' اے اللہ! ہم پر اپنی قدرت سے رحمت نازل فرما' ہم ہلاک نہ ہو' جب کہ تو ہمارا یقین اور ہماری امید ہو' اے اللہ! اپنے بندوں اور باندیوں کے دل رحمت اور رأفت کے

(۱) یہ روایت بھی کتاب الحج میں گزر چکی ہے۔

ساتھ ہماری طرف پھیر دے بلاشبہ تو ارحم الراحمین ہے۔

نواں ادب۔ جانور کے ساتھ نرمی :۔ اگر سوار ہو تو سواری کے جانور کے ساتھ نرمی کا برتاؤ کرے اس پر اس کی طاقت سے زیادہ بوجھ نہ لادے' نہ اس کے چہرے پر مارے چہرے پر مارنے سے منع کیا گیا ہے سواری کے جانور پر سونا بھی نہیں چاہیے اس لیے کہ سویا ہوا شخص بھاری ہو جاتا ہے اور اس کے بوجھ سے جانور کو تکلیف پہنچتی ہے' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں :۔

لاتتخذوا ظھور دوابکم کراسی (۱)

اپنے جانوروں کی پیٹھوں کو کرسیاں مت بناؤ۔

مسنون و مستحب یہ ہے کہ سواری کو صبح اور شام کے وقت اپنے بوجھ سے ہلکا کر دیا کرے تاکہ اسے بھی کچھ دیر راحت مل جائے اور آگے بڑھنے میں سہولت ہو' اس سلسلے میں سلف کے بہت سے واقعات اور آثار بھی منقول ہیں چنانچہ بعض اکابر اس شرط کے ساتھ جانور کرایہ پر لیتے تھے کہ وہ اس پر مسلسل سواری کریں گے اتریں گے نہیں اجرت ان کی شرط پیش نظر رکھ کر طے کی جاتی' پھر وہ سفر کرتے اور وقتاً فوقتاً اتر کر جانور کو آرام پہنچاتے ان کا یہ عمل جانوروں کے ساتھ حسن سلوک کا مظہر ہوتا' ان بزرگوں کی خواہش ہوتی کہ وہ جانوروں کے ساتھ احسان کر کے اپنے نیک اعمال میں اضافہ کریں اور عند اللہ ماجور ہوں' جانوروں کی خدمت میں اجر ہے' اور انھیں ایذا' پہنچانے میں عذاب ہے جو لوگ جانوروں کو ستاتے ہیں' ان پر ناقابل برداشت بوجھ لادتے ہیں اور بلا ضرورت مارتے ہیں' یا ان کے دانے پانی کا خیال نہیں رکھتے وہ قیامت کے دن باری تعالیٰ کے عذاب اور مواخذے سے بچ نہیں سکیں گے حضرت ابو الدرداءؓ کے بارے میں منقول ہے کہ جب ان کا اونٹ مر گیا تو وہ اس کے مردہ جسم کے پاس آئے اور کہنے لگے' اے اونٹ! اپنے پروردگار کے سامنے مجھ سے جھگڑا مت کرنا میں نے تجھ پر تیری طاقت سے زیادہ بوجھ کبھی نہیں لادا' بہر حال تھوڑی دیر کے لیے سواری سے اتر کر پیادہ پا چلنے میں دو صدقے ہیں' ایک جانور کو آرام پہنچانا' دوسرے جانور کے مالک کو خوش کرنا (کہ اس کے جانور کو آرام پہنچایا گیا ہے) اس میں مسافر کا فائدہ بھی ہے کہ سواری پر مسلسل بیٹھنے سے جسم میں جو تناؤ پیدا ہو جاتا ہے وہ دور ہو جائے گا' اور چلنے پھرنے سے اعضاء کو مناسب ورزش ملے گی' سواری کے لیے جانور کرایہ پر طے کرتے ہوئے مالک کے سامنے ان تمام چیزوں کی فہرست رکھ دینی چاہیے جو جانور پر لادی جائیں گی تاکہ معاملہ صحیح ہو جائے اور طرفین کے لیے شکوے شکایت کی کوئی گنجائش باقی نہ رہے معاملات میں صفائی اور احتیاط نہ ہونے سے دلوں میں رنجش پیدا ہو جاتی ہے اور بعض اوقات طول کلام تک نوبت پہنچتی ہے' طول کلام سے بچنا چاہیے اور یہ یاد رکھنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں ہر لفظ کا مواخذہ ہوگا' باری تعالیٰ نے اپنے بندوں کے الفاظ پر بھی بہت سخت پہرے بٹھائے ہیں۔ ارشاد ہے۔ مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ إِلَّا لَدَيْهِ رَقِيبٌ عَتِيدٌ (پ ۲۶ ر ۱۶ آیت ۱۸)

وہ کوئی لفظ منہ سے نہیں نکالنے پاتا مگر اس کے پاس ہی ایک تاک لگانے والا تیار ہے۔

شرائط طے ہو جانے کے بعد خلاف ورزی کرنا دینداری کے خلاف ہے' کوئی ایسی چیز جانور پر نہ لادے جو مالک کے علم میں نہیں لائی گئی اگرچہ وہ وزن میں ہلکی پھلکی ہی کیوں نہ ہو قطرہ قطرہ دریا ہو جاتا ہے اور معمولی سی بے احتیاطی سنگین غلطی کا پیش خیمہ بن سکتی ہے ابن المبارک کرایہ کے جانور پر کہیں تشریف لے جا رہے تھے ایک شخص نے عرض کیا کہ میرا یہ خط اپنے ہمراہ لیتے جائیں اور فلاں شخص کو پہنچا دیں' انہوں نے فرمایا کہ میں نے مالک سے تمام معاملات طے کر لئے ہیں ان معاملات میں اس خط کی شرط نہیں تھی میں اس کی اجازت لئے بغیر یہ خط نہیں لے جا سکتا اگرچہ فقہاء نے ان امور میں توسع اختیار کیا ہے اور اجازت دی ہے لیکن ابن المبارک نے فتوی کے بجائے تقوی پر عمل کیا۔

دسواں ادب۔ ضروریات سفر کی فراہمی : سفر کے دوران چھ چیزیں اپنے ساتھ ضرور رکھنی چاہئیں' حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سفر کیا کرتے تو اپنے ساتھ پانچ چیزیں ضرور لے جاتے' آئینہ' سرمہ دانی' قینچی' مسواک' کنگھی۔

(۱) اس روایت کی سند کتاب الحج میں دیکھئے

حضرت عائشہؓ ہی کی ایک روایت کے مطابق جو چیزیں آپ سفر میں اپنے ہمراہ لے جاتے ان کی تعداد چھ تھی آئینہ' شیشی' مسواک' سرمہ دانی اور کنگھی۔ (۱) امّ سعد انصاریہؓ فرماتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ساتھ سفر میں دو چیزیں ضرور رہتی تھیں آئینہ اور سرمہ دانی۔ (خرائطی۔ مکارم الاخلاق) حضرت صہیبؓ سرمہ کے سلسلے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ روایت نقل کرتے ہیں' فرمایا:۔

علیکم بالاثمد عند مضجعکم فانہ مما یزید فی البصر' وینبت الشعر (۲)

سونے کے وقت سرمہ لگایا کرو کیوں کہ اس سے بینائی بڑھتی ہے اور بال اگتے ہیں۔

روایات میں ہے کہ آپ ہر آنکھ میں تین سلائیاں ڈالا کرتے تھے' ایک روایت کے مطابق آپ دائیں آنکھ میں تین بار اور بائیں آنکھ میں دوبار سرمہ لگاتے۔ (۳) صوفیائے کرام نے ڈول اور رسّی کو بھی ضروریات سفر میں شامل کیا ہے۔ اور اس سلسلے میں یہاں تک کہہ دیا ہے کہ جس شخص کے پاس ڈول اور رسّی نہیں ہے اس کا دین ناقص ہے۔ ان دونوں چیزوں کی زیادتی پانی بدن اور کپڑوں کی طہارت میں احتیاط کے لئے ہے۔ ڈول پاک پانی کی حفاظت کے لئے' اور رسّی کپڑے سکھانے اور کنوئیں سے پانی کھینچنے کے لئے۔ ہم نے احتیاط کا لفظ اس لئے استعمال کیا ہے کہ پہلے لوگ تیمم پر اکتفا کیا کرتے تھے' پانی بھرنے کی ضرورت نہ سمجھتے تھے' نجاست یقینی نہ ہونے کی صورت میں وہ لوگ چشموں اور تالابوں کے پانی سے بھی وضو کر لینے میں کوئی مضائقہ نہیں سمجھتے تھے' چنانچہ حضرت عمرؓ نے ایک نصرانی عورت کی ٹھلیا سے وضو کر لیا تھا۔ یہ حضرات اپنے کپڑے زمین پر یا پہاڑوں پر پھیلا دیا کرتے تھے' اس لئے انھیں رسی کی ضرورت بھی نہیں تھی' معلوم ہوا کہ ڈول اور رسّی لے جانے کا سلسلہ بعد میں شروع ہوا ہے' اس اعتبار سے یہ بدعت ہے مگر بدعت حسنہ ہے' مذموم بدعت وہ ہے جو ثابت و صحیح سنتوں کے مزاحم ہو' جو عمل دین میں احتیاط پر مبنی ہو وہ مستحسن ہے' مذموم نہیں ہے' کتاب الطہارت میں ہم نے لکھا ہے کہ دیندار کے لئے طہارت میں مبالغہ اور احتیاط ہی بہتر ہے' اسے طریق جواز پر کاربند نہ ہونا چاہیے' لیکن اگر احتیاط کرنے میں کوئی افضل عمل ہوتا ہو تو جواز پر عمل کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ کہتے ہیں کہ خواصؒ اپنے تمام تر توکّل کے باوجود چار چیزیں سفر و حضر میں ضرور ساتھ رکھتے تھے' ڈول' رسّی' سوئی دھاگا اور قینچی' فرمایا کرتے تھے کہ یہ چیزیں دین پر معاون ہیں' صرف دنیا ہی سے ان کا تعلق نہیں ہے۔

گیارہواں ادب۔ سفر سے واپسی۔ : آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول یہ تھا کہ جب آپ غزوہ' حج' عمرہ یا کسی دوسرے سفر سے واپس تشریف لاتے تو ہر بلند زمین پر تین مرتبہ اللہ اکبر کہتے اور یہ کلمات ارشاد فرماتے:۔

لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ لَہُ الْمُلْکُ وَلَہُ الْحَمْدُ وَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ' اٰیِبُوْنَ تَائِبُوْنَ عَابِدُوْنَ سَاجِدُوْنَ لِرَبِّنَا حَامِدُوْنَ صَدَقَ اللّٰہُ وَعْدَہٗ وَنَصَرَ عَبْدَہٗ وَھَزَمَ الْاَحْزَابَ وَحْدَہٗ۔ (۴)

اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے' وہ اکیلا ہے' اس کا کوئی شریک نہیں ہے' اسی کا ملک ہے' اسی کے لئے تمام تعریفیں ہیں' اور وہ ہر چیز پر قادر ہے' ہم رجوع کرنے والے ہیں' توبہ کرنے والے ہیں' عبادت کرنے والے ہیں' سجدہ کرنے والے ہیں' اور اپنے رب کی تعریف کرنے والے ہیں' اللہ تعالیٰ نے اپنا وعدہ سچا کیا' اپنے بندے کی مدد فرمائی' اور لشکروں کو تنہا شکست دی۔

---

(۱) یہ دونوں روایتیں طبرانی اوسط' سنن بیہقی اور مکارم الاخلاق میں ہیں' تاہم ان کے طرق ضعیف ہیں۔ (۳) یہ روایت طبرانی اوسط میں ابن عمرؓ سے منقول ہے۔ (۲) صہیب کی یہ روایت مکارم الاخلاق میں ہے' اسی مضمون کی ایک روایت ابن عباسؓ سے ترمذی' ابن خزیمہ' ابن حبان اور ابن عبدالبر نے نقل کی ہے۔ (۴) یہ تینوں روایتیں کتاب الحج میں گزر چکی ہیں۔

جب اپنی بستی نظر آنے لگے تو یہ الفاظ کہے:۔

اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ لَنَا بِهَا قَرَارًا وَرِزْقًا حَسَنًا۔

اے اللہ اس بستی میں ہمارے لئے قرار اور بہتر رزق عطا فرما۔

بستی میں داخل ہونے سے پہلے کسی شخص کو گھر بھیج دے تاکہ وہ گھر والوں کو اس کی آمد کی خوشخبری سنادے' بغیر اطلاع کے اچانک پہنچنے میں کسی ایسی حالت کے مشاہدے کا اندیشہ بھی ہے جسے طبیعت گوارا نہ کرے' رات کو پہنچ کر دروازہ کھٹکھٹانے اور اہل خانہ کو نیند سے بیدار کرنے سے بھی منع کیا گیا ہے۔(یہ تینوں روایتیں کتاب الحج میں گزر چکی ہیں) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول یہ تھا کہ آپ بستی میں داخل ہونے کے بعد اولا مسجد میں دو رکعت نماز پڑھتے اور پھر گھر میں تشریف لے جاتے جب گھر میں ہوتے تو یہ الفاظ آپ کی زبان مبارک پر جاری ہوتے:۔

تَوْبًا تَوْبًا لِرَبِّنَا أَوْبًا لَا يُغَادِرُ عَلَيْنَا حَوْبًا (ابن السنی' حاکم۔ ابن عباسؓ)

توبہ کرتا ہوں توبہ' اپنے رب کی طرف رجوع کرتا ہوں اس طرح کہ ہمارا کوئی گناہ باقی نہ رہے۔

سفر سے واپسی پر اپنے گھر والوں اور عزیزوں کے لئے کوئی چیز بطور تحفہ لے کر جانا مسنون ہے' چنانچہ روایات میں ہے کہ اگر کچھ نہ ہو تو اپنے تھیلے میں چند پتھر ہی ڈال لے (دار قطنی۔ عائشہؓ) اس مبالغے کا مقصد اس کے علاوہ کچھ نہیں کہ مسافران تحائف کی اہمیت محسوس کریں' اور کچھ نہ کچھ لے کر اپنے گھروں کا دروازہ کھٹکھٹائیں' خواہ وہ چیز معمولی ہی کیوں نہ ہو' گھر والے اپنے مسافر کی واپسی کے منتظر رہتے ہیں' اگر وہ کچھ لے کر آئے' تو ان کے دل خوش ہوں گے' اور یہ سوچ کر انتظار کی تمام کلفت جاتی رہے گی کہ مسافر نے انھیں سفر میں بھی یاد رکھا ہے۔

یہاں تک سفر کے ظاہری آداب کا بیان تھا' اب ہم کچھ باطنی آداب بیان کرتے ہیں' سالک کو چاہیے کہ وہ دین کی تکمیل اور ایمان میں زیادتی کی خاطر سفر کرے' اور جس وقت اپنے دل میں کوئی تغیر' یا دین میں کوئی نقصان محسوس کرے' سفر موقوف کردے' اور واپس چلا آئے' دل جہاں قیام کا تقاضا کرے وہیں ٹھہرے' آگے نہ بڑھے' کسی بھی شہر میں پہنچے' یہ نیت ضرور کرے کہ میں اس شہر کے کاملین اور اولیاء اللہ کی زیارت کرنا چاہتا ہوں' اور یہی مقصد لے کر آیا ہوں' کاملین کی ملاقات محض ملاقات اور زیارت نہ ہونی چاہیے' بلکہ کوشش یہ کرے کہ ان بزرگوں سے کوئی ادب' دین کی کوئی بات' یا حکمت کا کوئی لفظ حاصل ہو' بعض لوگ بزرگوں سے اسلئے ملتے ہیں کہ وہ اپنے دوستوں سے یا بعد میں آنے والوں سے بطور فخریہ کہہ سکیں کہ ہم نے اتنے بزرگوں سے ملاقات کی ہے ہم اتنے مشائخ اور کاملین سے ملے ہیں' کسی شہر میں ہفتہ دس روز سے زیادہ قیام نہ کرے' لیکن اگر شیخ کا حکم ہو تو قیام کی مدّت بڑھانے میں کوئی مضائقہ بھی نہیں ہے' قیام کے دوران اِدھر اُدھر گھومنے پھرنے کے بجائے فقرائے صادق کی مجلسوں میں بیٹھے' اور ان کے ارشادات سنے' اگر مقصد سفر اپنے کسی دوست' بھائی' یا عزیز قریب کی زیارت و ملاقات ہے تو ان کے پاس تین دن سے زیادہ نہ ٹھرنا چاہیے' مہمان نوازی کی حد یہی ہے' تاہم میزبان اگر خود ہی ٹھرنے پر مصر ہو تو زیادہ رہنے میں کوئی حرج نہیں ہے' کسی شیخ کے پاس زیارت کے لئے جائے تو اسکے پاس ایک دن رات سے زیادہ قیام نہ کرے اپنے نفس کو عیش و عشرت میں مشغول نہ کرے' اس سے سفر کی برکت ختم ہو جاتی ہے' جب کسی شہر میں جائے تو شیخ کی زیارت کے علاوہ کسی دوسرے کام میں مشغول نہ ہو' سواری سے اتر کر شیخ کے گھر پہنچے' اگر وہ باہر موجود ہوں تو شرف ملاقات حاصل کرے' اندر ہوں تو دروازہ کھٹکھٹا کر انھیں پریشان نہ کرے' اور نہ ان سے باہر آنے کی درخواست کرے' جب وہ باہر آئیں تو ادب و احترام کے ساتھ انکی پیشوائی کرے' انھیں سلام کرے' ان کے روبرو از خود کوئی بات نہ کرے' جب تک وہ خود ہی کچھ نہ پوچھیں خاموش رہے' کچھ پوچھیں تو اس قدر جواب دے جس قدر دریافت کیا گیا ہو' کوئی مسئلہ معلوم کرنا ہو تو پہلے اجازت چاہے۔ دوران سفر اپنے رفقاء سے نہ مختلف شہروں کے خوش ذائقہ کھانوں کا ذکر کرے' نہ انھیں وہاں کے سخاوت پیشہ لوگوں کے قصے سنائے' نہ وطن کے دوستوں کا بکثرت

تذکرہ کرے' بلکہ گفتگو کا عام موضوع یہ ہونا چاہیے کہ کس شہر میں کتنے مشائخ کاملین ہیں' اور کن سے کتنا فیض حاصل کیا جاسکتا ہے' اوران حضرات سے فیض حاصل کرنے کا طریقہ کیا ہے؟ دوران سفر جس شہر سے بھی گزرے یا جس شہر میں بھی قیام کرے وہاں کے بزرگوں کے مزارات کی زیارت ضرور کرے' اپنی ضرورتوں کا اظہار بقدر ضرورت کرے اور صرف ان لوگوں کے سامنے کرے جن سے یہ امید کی جاسکتی ہو کہ وہ خدا ترس ہیں اور ضرورت مندوں کی مدد کرنے میں انھیں خوشی ہوتی ہے' راستے میں ذکر کا التزام رکھے' اور قرآن پاک کی تلاوت کرتا رہے' لیکن اس طرح کہ دوسرے لوگ نہ سنیں' ذکر یا تلاوت کے دوران اگر کوئی شخص بات کرے تو اس کا جواب دے' اور جب تک وہ گفتگو ختم نہ کرے ذکر موقوف رکھے' اگر کسی شخص کا دل مسلسل سفر یا مسلسل قیام سے گھبرا جائے تو اس کی مخالفت کرے' کیوں کہ نفس کی مخالفت میں برکت اور ثواب ہے' اگر اللہ کے نیک بندوں کی خدمت کا شرف حاصل ہو جائے تو نفس کی تحریک پر انکی خدمت سے دل برداشتہ ہو کر سفر نہ کرے' یہ اللہ تعالیٰ کی اس عظیم نعمت کی ناشکری ہے جو بزرگوں کی خدمت کرنے کی صورت میں اسے عطا کی گئی ہے سفر اور حضر کی حالتوں میں دل کی کیفیات کا جائزہ لیتے رہنا چاہیے اگر کوئی شخص سفر میں محسوس کرے کہ اس کے قلب کی کیفیت حضر میں زیادہ بہتر تھی تو سفر جاری رکھنا خیر نہیں ہے' اس صورت میں وطن واپس آجانے ہی میں بہتری ہے۔ ایک شخص نے ابو عثمان مغربی سے عرض کیا کہ فلاں شخص سفر میں گیا ہے تو انھوں نے فرمایا کہ سفر کے معنی ہیں اجنبی بننا' اور اجنبیت میں ذلت ہے' کسی مومن کے لئے جائز نہیں ہے کہ وہ اپنے نفس کی ذلت اور رسوائی کا باعث بنے' یہ جواب دراصل ان لوگوں کے لئے ہے جو ایمان کی زیادتی کے لئے سفر نہیں کرتے' اور نہ رضائے حق ان کا مقصود ہوتا ہے' سفر صرف ان لوگوں کے حق میں عزت ہے جو اپنی خواہشات کے قید خانے سے اطاعت کی کھلی فضا میں سفر کرتے ہیں۔

دوسرا باب

سفر کے ضروری مسائل

سمت قبلہ' اوقات عبادت اور سفر کی رخصتوں کا علم

سفر کا پہلا مرحلہ زادراہ کی تیاری ہے' اس کا تعلق دنیا سے بھی ہے' اور آخرت سے بھی ہے' دنیا کا زادراہ کھانے پینے کی چیزیں اور نقدی ہے' دنیاوی زادراہ اہم ضرور ہے' لیکن اتنا اہم بھی نہیں ہے کہ اگر کوئی شخص اس سے محروم ہو تو وہ ایک قدم بھی آگے نہ بڑھا سکے' ایک شخص قافلے کے ساتھ گھر سے چلا ہے' یا کسی ایسی منزل کی طرف گامزن ہے جس کے راستے میں تھوڑے تھوڑے فاصلے پر انسانی آبادیاں ملتی ہیں' یہ شخص اگر خالق کائنات پر اعتماد کرتے ہوئے کسی زادراہ کے بغیر سفر کرے تو کوئی مضائقہ نہیں ہے' امید یہی ہے کہ وہ کسی پریشانی کے بغیر اپنا سفر پورا کرے گا' دوسرا شخص تنہا گھر سے نکلا ہے' یا اسے کسی ایسے قافلے کی معیت ملی ہے جس کے پاس نہ کھانے کی چیزیں ہیں' اور نہ کھانے کی چیزیں خریدنے کے لئے نقد رقم' یہ ممکن ہے کہ وہ شخص ہفتہ دس روزہ بھوک پیاس پر صبر کرسکتا ہو' یا گھاس پھونس کھا کر گزارہ کرسکتا ہو' اور زادراہ سے محرومی اس کے اضطراب کا باعث نہ ہو' ایسا شخص بھی زادراہ کے بغیر نکل سکتا ہے' لیکن اس شخص کو زادراہ کے بغیر سفر کرنے کی اجازت نہیں دی جائے گی جس میں نہ صبر کا یارا ہو' اور نہ گھاس پھونس کھانے کی ہمت ہو' ایسے شخص کے لئے زادراہ کے بغیر سفر کرنا معصیت ہے اور اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنا ہے' کتاب التوکل میں ہم اس نکتے کی مزید تشریح کریں گے' یہاں ایک غلط فہمی کا ازالہ بے حد ضروری ہے' بعض لوگوں کے نزدیک اسباب کے مکمل انقطاع کا نام توکل ہے' حالانکہ کہ یہ ان کا وہم ہے' اگر توکل کا یہی مطلب ہوتا جو انھوں نے بیان کیا ہے تو ڈول اور رسّی کا ساتھ لے جانا اور کنوئیں سے پانی نکالنا بھی توکل کے منافی ہوتا' اور بندہ کے لئے ضروری ہوتا کہ وہ صبر سے کام لے اور منتظر رہے کہ باری تعالیٰ کی طرف سے کوئی فرشتہ آئے گا جو اس کے حلق میں پانی کے چند قطرات ٹپکا دے گا' یا کسی انسان کو حکم ہوگا

کہ وہ اس سراپا توکل بندے کے لئے کنوئیں سے پانی نکال دے' جب ڈول اور رسّی کا ساتھ لے جانا توکل کے منافی نہیں ہے جو مشروب (پانی) کے حصول کا ذریعہ ہیں تو عین مشروب (پانی) اور عین مطعوم (کھانا) کا ساتھ لے جانا توکل کے خلاف کیوں ٹھرا؟ توکل کی حقیقت سے عام علماء واقف نہیں ہیں' صرف وہی اہل علم اس کی حقیقت جانتے ہیں جنھیں علم میں رسوخ اور کمال حاصل ہے۔
سفر کے جس زادراہ کا تعلق آخرت سے ہے وہ طہارت' نماز' روزہ اور دیگر عبادات کے سلسلے میں شرعی احکام کا علم ہے' مسافر کو چاہیے کہ وہ سفر کے آغاز سے پہلے اس زادراہ کی تیاری بھی کرے' اس زادراہ کی ضرورت اس لئے ہے کہ سفر اور حضر کے احکام میں فرق ہے' سفر میں تخفیف بھی ہے' اور تشدید بھی ہے' سفر کے دوران نماز میں قصر کا حکم ہے' دو نمازیں ایک ساتھ پڑھنے کی اجازت ہے' روزہ افطار کرنا جائز ہے' یہ تخفیف کی مثالیں ہیں' اور تشدید کی مثال یہ ہے کہ سفر کے دوران سمت قبلہ کی دریافت' اور نماز کے اوقات سے واقفیت پر زور دیا جاتا ہے جیسا کہ حضر میں مسجدوں کے رخ سے قبلہ متعین ہو جاتا ہے' اور اذان کی آواز سے نماز کا وقت معلوم ہو جاتا ہے' سفر میں یہ صورت نہیں ہوتی' بعض اوقات نماز کا وقت اور قبلے کی جہت معلوم کرنے کے لئے بڑی پریشانی اٹھانی پڑتی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ مسافر کو سفر کی رخصتوں کا علم بھی حاصل کرنا چاہیے' اور ان امور کا بھی جو حضر میں معلوم ہوتے ہیں' سفر میں معلوم نہیں ہوتے۔

سفر کی رخصتوں کا علم : شریعت نے مسافر کو سات رخصتوں سے نوازا ہے' ان میں سے دو کا تعلق طہارت سے' دو کا فرض نماز سے' دو کا نفل نماز سے' اور ایک کا روزے سے ہے۔

پہلی رخصت' موزوں پر مسح کی مدت میں توسیع : صفوان بن عسالؓ کہتے ہیں کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں حکم دیا ہے کہ ہم مسافر ہوں تو تین دن اور تین رات تک موزے سے نہ نکالیں (۱) (اور وضو کے وقت موزوں پر مسح کرتے رہیں) اس حدیث سے ثابت ہوا کہ جس شخص نے نماز کو مباح کرنے والی وضو کے بعد موزے پہنے ہوں اور پھر وہ بے وضو ہو گیا ہو تو مسافر ہونے کی صورت میں تین دن تین رات تک اور مقیم ہونے کی صورت میں ایک دن ایک رات تک موزوں پر مسح کرنے کی اجازت ہے' لیکن یہ اجازت مطلق نہیں ہے بلکہ پانچ شرطوں سے مقید ہے۔ پہلی شرط یہ ہے کہ مکمل طہارت کے بعد موزے پہنے گئے ہوں اگر کسی شخص نے دایاں پاؤں دھو کر موزہ پہن لیا' اور بعد میں بایاں پاؤں دھو کر موزہ پہنا تو امام شافعیؒ کے نزدیک مسح صحیح نہ ہوگا' تاوقتیکہ دائیں پاؤں سے موزہ نکال کر دوبارہ پہن لے' دوسری شرط یہ ہے کہ موزہ اس قدر مظبوط ہو کہ اسے پہن کر (تین چار میل) کا راستہ طے کیا جاسکے' اگرچہ وہ منعل نہ ہوں یعنی ان کے نیچے کی جانب چمڑا لگا ہوا نہ ہو' اس لئے کہ عادتاً لوگ اس طرح کے موزے پہن کر چل پھر لیتے ہیں' تاہم مسح کی رخصت کا تعلق ان جرابوں سے نہیں ہے جو صوفیائے کرام پہنتے ہیں' کیوں کہ یہ کمزور ہوتی ہیں' اور انھیں پہن کر چلنا مشکل ہوتا ہے۔ (۲) تیسری شرط یہ ہے کہ جہاں تک پاؤں دھونا فرض ہے اتنی جگہ کا موزہ پھٹا ہوا نہ ہو' اگر کسی جگہ سے موزہ پھٹ گیا اور پاؤں کا فرض حصہ ظاہر ہو گیا تو اس موزے پر مسح کرنا صحیح نہ ہوگا' امام شافعیؒ کے قدیم قول کے مطابق اگر موزہ پاؤں پر چپکا ہوا ہے تو پھٹنے سے کوئی فرق نہیں پڑتا' یہی امام مالکؒ کا مسلک ہے' ہمارے خیال میں ضرورت کی بنا پر اسطرح کے موزے پر مسح کی اجازت دینی چاہیے' کیوں کہ سفر میں موزے کی ضرورت زیادہ ہے اور بار بار سینے میں پریشانی ہے۔ (۳) بنے ہوئے پائتابے پر بھی مسح درست ہے بشرطیکہ وہ اس قدر گھنے ہوں کہ پاؤں کی جلد ظاہر

---

(۱) ترمذی' ابن ماجہ' نسائی' ابن خزیمہ' ابن حبان (۲) آج کل نائلون کے موزوں کا رواج ہے' یہ بھی جرابوں کے حکم میں ہیں' ان پر بھی مسح جائز نہیں ہے' یہاں یہ وضاحت بھی ضروری ہے کہ وہ موزہ جس پر مسح کیا جائے اتنا موٹا ہو کہ اگر اسکے اندر پانی ڈال دیا جائے تو گرے نہیں۔
(۳) احناف کے یہاں بھی پھٹے ہوئے موزے کے معاملے میں محدود توسع ہے' یعنی جو موزہ اتنا پھٹ گیا ہو کہ چلنے میں پیر کی چھوٹی انگلیوں کے برابر حصہ کھل جاتا ہے تو اس پر مسح درست نہیں ہے اور اگر اس سے کم کھلتا ہے تو مسح درست ہے' اسی طرح اگر ایک ہی موزہ کئی جگہ سے پھٹا ہے اور سب ملا کر تین انگلیوں کے برابر کھل گیا تب بھی مسح جائز نہ ہوگا ہدایہ ص ۵۹ ج ۱)

نہ ہوتی ہو' اس موزے کا بھی یہی حکم ہے جس کا پھٹا ہوا حصہ بڑے بڑے ٹانکوں سے سی لیا جائے۔ اس لئے کہ ضرورت اس کے مقتضی ہے موزوں کے سلسلے میں ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ وہ ٹخنوں سے اوپر تک پاؤں کو ڈھانپے ہوئے ہے یا نہیں' چنانچہ اگر کسی شخص نے پاؤں کے ظاہری حصے کو موزے سے' اور باقی کو لفافے وغیرہ سے ڈھانپا تو اسے مسح کی اجازت نہیں دی جائے گی۔ چوتھی شرط یہ ہے کہ موزہ پہننے کے بعد پاؤں سے نہ نکالا جائے' اگر کسی شخص نے ایسا کیا تو بہتر یہ ہے کہ وہ از سر نو وضو کرے' تاہم اس صورت میں صرف پاؤں دھولینا بھی کافی ہے۔ پانچویں شرط یہ ہے کہ مسح موزے کے اس حصہ پر کرے جو پاؤں کے اس حصے کے مقابل میں واقع ہو جس کا وضو میں دھونا فرض ہے چنانچہ اگر کسی نے پنڈلی پر مسح کیا تو یہ درست نہیں ہوگا' مسح کا ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ موزے کے اس حصے پر جو پشت قدم پر واقع ہے بھیگا ہوا ہاتھ اس طرح لگادے کہ مسح کہلائے' اگر کسی شخص نے تین بھیگی ہوئی انگلیاں موزے کے اوپر سے گزار دیں تو سب کے نزدیک بالاتفاق مسح درست ہو جائے گا' مکمل ترین مسح یہ ہے کہ موزے کے اوپر اور نیچے ایک بار تر ہاتھ پھیرے' نیچے کی جانب مسح کرنے کے لئے نیا پانی لینے کی ضرورت نہیں ہے' مسح میں تکرار نہیں ہے' جیسا کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول روایات سے اس کا ثبوت ملتا ہے (ابوداؤد' ترمذی۔ مغیرہ ابن شعبہؓ) مسح کا طریقہ یہ ہے کہ دونوں ہاتھ تر کرے' اور دائیں ہاتھ کی انگلیوں کے سرے دائیں پاؤں کی انگلیوں پر رکھے' اور انھیں اوپر کی طرف کھینچتا چلا جائے' اور بائیں ہاتھ کی انگلیوں کے سرے ایڑی پر رکھے اور انھیں پاؤں کی انگلیوں تک پہنچائے۔

اگر کسی شخص نے اقامت کی حالت میں مسح کیا پھر سفر کا قصد کیا' یا سفر میں مسح کیا پھر سفر کی مدت مسح گزرنے سے پہلے اقامت اختیار کرلی تو دونوں صورتوں میں اقامت کا حکم غالب رہے گا' یعنی ایک دن ایک رات گزرنے کے بعد دوبارہ مسح کرنا ہوگا۔ (۱) مسح کی مدّت کا اعتبار حدث کے وقت سے ہوگا' مثلاً کسی شخص نے اقامت میں صبح کے وقت پاؤں دھو کر موزے پہنے اور عازم سفر ہوا' اس وقت تک اس کا وضو باقی تھا اور مسح کی ضرورت پیش نہیں آئی تھی' زوال کے وقت اس نے بے وضو ہونے پر مسح کیا' اس صورت میں مسح کی مدّت کا آغاز صبح کے بجائے زوال کے وقت ہوگا' اور چوتھے دن کے زوال تک مسح کی اجازت رہے گی اس کے بعد پاؤں دھوئے اور اگلے تین دن کے لئے موزے پہنے ان لوگوں کو جو موزوں پر مسح کرتے ہیں اس کا خیال رکھنا چاہیے کہ وہ کب بے وضو ہوئے ہیں۔ اور کسی شخص کو موزے پہن لینے کے بعد حضر ہی میں حدث لاحق ہو گیا' بعد میں سفر کے لئے روانہ ہوا تب بھی سفر کی مدت مسح تین دن تین رات پوری کرے۔ اسلئے کہ عادتاً لوگ سفر سے پہلے موزے پہننے کی ضرورت سمجھتے ہیں' اور حدث سے احتراز ممکن نہیں ہے' لیکن یہ اجازت اس شخص کے لئے ہے جس نے حضر میں موزے پہنے ہوں' ان پر مسح نہ کیا ہو' اگر مسح کرلیا تو اب مقیم کی مدّت کا اعتبار ہوگا' اور ایک دن ایک رات گزرنے کے بعد از سر نو پاؤں دھو کر موزے پہننے ہوں گے' موزے پہننے سے پہلے انھیں الٹ کر اچھی طرح جھاڑ لینا چاہیے ممکن ہے سانپ بچھو' کانٹا وغیرہ کوئی ایذا دینے والی چیز موزے میں ہو اور جھاڑے بغیر پہننے سے تکلیف پہنچائے چنانچہ حضرت ابوامامہؓ روایت کرتے ہیں کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے موزے منگوائے اور ایک موزہ پہن لیا' آپ دوسرا موزہ پہننے کا ارادہ کرہی رہے تھے کہ ایک کوّا آیا' اور وہ موزہ لے اڑا' اور اسے نیچے پھینک دیا' اس میں سانپ تھا' جو کوّے کے پھینکنے پر موزے سے برآمد ہوا' اس واقعے کے بعد آپ نے صحابہ کرام سے فرمایا۔

من کان یومن باللّٰہ والیوم الآخر فلا یلبس خفیہ حتّٰی ینفضھما (طبرانی)

جو شخص اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہو اسے جھاڑے بغیر موزے نہ پہننے چاہئیں۔

دوسری رخصت تیمم : پانی نہ ملنے کی صورت میں مٹی اس کا بدل ہے' جس طرح آدمی پانی سے پاکی حاصل کر سکتا ہے' اسی

---

(۱) احناف کا مسلک یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے اقامت کی حالت میں مسح شروع کیا اور وہ ایک دن رات گزرنے سے پہلے مسافر ہو گیا تو تین دن تین رات تک مسح جاری رکھے' اور جس شخص نے سفر میں مسح کیا پھر مقیم ہو گیا تو اقامت کی رات کا اعتبار کرے' اور ایک دن ایک رات گزرنے پر موزے اتار کر پاؤں دھولے (منیۃ المصلّی ص ۴۱)

طرح مٹی سے بھی حاصل کر سکتا ہے' پانی نہ ملنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ منزل سے اتنی دوری پر واقع ہو کہ اگر کوئی شخص لینے کے لئے جائے تو چیخنے چلانے کے باوجود قافلے کی مدد اس تک نہ پہنچ سکے' یہ وہ دوری ہے کہ عام طور پر قافلے کے لوگ پڑاو اختیار کرنے کے بعد اپنی کسی ضرورت کے لئے اتنی دور نہیں جاتے (۱) بعض اوقات پانی قریب ہوتا ہے لیکن اس کا استعمال دشوار ہو جاتا ہے' مثلاً یہ کہ پانی پر کوئی دشمن یا درندہ ہو' یا پانی اتنی مقدار میں ہو کہ ایک دو روز پینے سے ختم ہو جائے اور اس عرصے میں کہیں سے پانی ملنے کی کوئی امید نہ ہو' یا اپنے رفیقوں میں سے کوئی اس پانی کا ضرورت مند ہو' ان تمام صورتوں میں تیمّم کرنا چاہیے' پانی کے آس پاس درندوں اور دشمنوں کی موجودگی خطرے سے خالی نہیں ہے' پینے کے لئے پانی کا نہ رہنا بھی خطرناک ہے' اور ہلاکت کا باعث بن سکتا ہے' رفیق اگر پیاسا ہے اور اس کے پاس فاضل پانی موجود ہے تو وضو سے بہتر یہ ہے کہ اس پانی سے رفیق کی تشنگی دور کی جائے' خواہ پانی اسے مفت دیا جائے یا قیمتاً' بہرحال دینا ضروری ہے' ہاں اگر شوربا پکانے یا روٹی کے ٹکڑے بھگونے کے لئے پانی کی ضرورت ہے تب تیمّم درست نہیں ہے' کیوں کہ شوربے کے بغیر روٹی کھائی جاسکتی ہے' اور روٹی کے سوکھے ٹکڑے پانی میں بھگوئے بغیر بھی کھائے جاسکتے ہیں۔ اگر کوئی شخص پانی ہدیہ کرے تو قبول کرنا واجب ہے' لیکن اگر پانی کی قیمت ہدئے میں دے تو قبول کرنا ضروری نہیں ہے' کیوں کہ پہلی صورت میں احسان نہیں ہے' دوسری صورت میں احسان ہے' اگر پانی فروخت ہوتا ہو تو قیمت کا اعتبار ہوگا' دام مناسب ہوں تو وضو اور غسل کے لئے پانی خریدنا ضروری ہے' اور دام زیادہ ہوں تو خریدنا ضروری نہیں ہے' اس صورت میں تیمّم کرنا چاہیے۔

بہرحال اگر کسی شخص کے پاس پانی نہ ہو' اور وہ تیمّم کرنا چاہے تو اولا اسے پانی کی جستجو کرنی چاہیے' ممکن ہے تلاش کرنے سے مل جائے' اپنے رفقاء سے دریافت کرے' منزل کے آس پاس گھوم پھر کر جائزہ لے' اپنے سامان پر نظر ڈالے' برتنوں اور گھڑیوں میں بچا کھچا پانی یکجا کرے' چنانچہ اگر کوئی شخص اپنے سامان میں پانی رکھ کر بھول گیا' اور تیمّم کر کے نماز پڑھ لی' نماز کے بعد اسے یاد آیا کہ برتن میں پانی موجود ہے' اس صورت میں نماز دوبارہ پڑھے' کیوں کہ اس نے پانی تلاش کرنے میں کوتاہی اور غفلت سے کام لیا (۲) اگر نماز کے آخری وقت میں پانی ملنے کا امکان ہو تو نماز مؤخر کرنے کی ضرورت نہیں ہے (۳) بہتر یہ ہے کہ اس وقت میں تیمّم کر کے نماز پڑھ لے' زندگی کا کوئی بھروسا نہیں ہے' اسے کیا معلوم کہ وہ نماز کے آخری وقت تک زندہ بھی رہے گا یا نہیں؟ یوں بھی اول وقت نماز ادا کرنے کے بڑے فضائل ہیں' پانی ملنے کے امکان پر یہ فضائل کیوں قربان کئے جائیں' ایک مرتبہ اسی طرح کا واقعہ حضرت عبداللہ ابن عمرؓ کے ساتھ پیش آیا' پانی نہ ملنے کی صورت میں آپ نے اول وقت کی فضیلت ضائع نہیں فرمائی' حالانکہ امکان ہی نہیں بلکہ یقین تھا کہ آخری وقت میں پانی مل جائے گا' مگر آپ نے تیمّم کیا' اور نماز پڑھی' لوگوں نے عرض کیا عجیب بات ہے' مدینہ کے آثار نظر آرہے ہیں اور آپ نے تیمّم کر کے نماز پڑھ لی؟ فرمایا : کیا مدینہ میں میرا زندہ داخل ہونا یقینی ہے ؟ نماز شروع کرنے کے بعد پانی ملنے سے نماز باطل نہیں ہوتی' اور نہ وضو لازم ہوتا ہے' ہاں اگر نماز شروع کرنے سے پہلے پانی مل جائے تو وضو ضروری ہے' تیمّم سے نماز نہیں ہوگی۔ پانی نہ ملنے کی صورت میں ایسی پاک زمین سے تیمّم کرنا چاہیے جس سے غبار اٹھتا ہو' تیمّم کا طریقہ یہ ہے کہ اپنے دونوں ہاتھوں کی انگلیاں کھول کر ملالے اور انھیں زمین پر مارے پھر دونوں ہاتھ اپنے چہرے پر پھیر لے' دوسری بار بھی ایسا کرے' اور اس سے دونوں ہاتھوں کا کہنیوں تک مسح کرے' اگر ایک ضرب سے سب جگہ غبار نہ پہنچے تو دوبارہ ہاتھ مارنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے' کتاب الطہارت میں تیمّم کی کیفیت تفصیل سے لکھی جاچکی ہے' دوبارہ

(۱) احناف دوری کی تحدید کرتے ہیں یعنی اگر پانی ایک میل شرعی کے اندر ہو تو پانی لانا واجب ہے اور اگر ایک میل سے دور ہے تو پانی لانا واجب نہیں ہے اس صورت میں تیمّم کرنا چاہیے۔ شرعی میل نو فرلانگ کا ہوتا ہے۔ (۲) اس صورت میں احناف کے نزدیک اعادہ واجب نہیں ہے۔ (درمختار ص۲۴۳ ج۱) (۳) اگر آگے چل کر پانی ملنے کی امید ہو تو احناف کے نزدیک مستحب یہ ہے کہ اول وقت نماز نہ پڑھے بلکہ پانی کا انتظار کرے' لیکن اتنی دیر کرنا صحیح نہیں ہے کہ وقت مکروہ ہو جائے' اگر کسی نے اول وقت میں ہی نماز پڑھ لی تب بھی درست ہے۔ (منیۃ المصلی ص۲۶)

لکھنے کی ضرورت نہیں ہے' ایک تیمم سے صرف ایک فرض نماز ادا کی جاسکتی ہے۔(۱) نوافل کی کوئی قید نہیں ہے' جتنے نوافل چاہے ایک تیمم سے پڑھ لے' اگر دو نمازیں ایک ساتھ پڑھنی ہوں تو دوسری نماز کے لئے از سرنو تیمم کرے وقت سے پہلے کسی نماز کے لئے تیمم کرنا صحیح نہیں ہے' وقت آنے پر دوبارہ تیمم کرنا ہوگا' تیمم کے وقت اباحت نماز کی نیت کرنی چاہیے' اگر بعض اعضاء وضو کی طہارت کے لئے پانی مل جائے تو وہی اعضاء دھولے' اور بعد میں تیمم کرلے۔

تیسری رخصت' نماز میں قصر: نماز میں قصر کے معنی یہ ہیں کہ مسافر ظہر' عصر اور عشاء کی فرض نمازوں میں چار رکعت کے بجائے دو رکعت پڑھے' یہ اجازت تین شرطوں پر مبنی ہے پہلی شرط یہ ہے کہ وہ نمازیں وقت اداء میں ادا ہوں' اگر قضا ہو گئیں ہیں تو ظاہر تر یہی ہے کہ مکمل ادا کی جائیں گی' فوت شدہ نمازوں کی قضا میں قصر نہیں ہے۔(۲) دوسری شرط یہ ہے کہ مسافر قصر کی نیت کرے' اگر کسی شخص نے مکمل نماز کی نیت کی تو مکمل ادا کرنی ضروری ہوگی(۳) اسی طرح وہ شخص بھی پوری نماز پڑھے گا جسے اپنی نیت میں شبہ ہو گیا ہو کہ آیا اس نے قصر کی نیت کی ہے یا اتمام کی؟ تیسری شرط یہ ہے کہ مقیم کی اقتداء کرے' اور نہ کسی ایسے مسافر کی امامت میں نماز ادا کرے جس کا سفر "شرعی" نہیں ہے یعنی اسے قصر وغیرہ مراعات سفر حاصل نہیں ہیں' اگر اس نے کسی مقیم کی یا "غیر شرعی مسافر" کی اقتدا کی نیت کرلی تو مکمل نماز ادا کرے' بلکہ اس صورت میں مکمل نماز ادا کرے جب کہ اسے اپنے امام کی اقامت یا مسافرت میں شبہ ہو' اگرچہ بعد میں شک باقی نہ رہے اور امام کے مسافر ہونے کا یقین ہوجائے' ہاں اگر مسافرت کے یقین کے بعد یہ شبہ ہوجائے کہ امام نے قصر کی نیت کی ہے یا اتمام کی تو قصر ہی کرے' کیوں کہ نیتیں ظاہر نہیں ہوتیں' اس صورت میں مسافر کی ظاہری حالت (مسافرت) کا اعتبار کیا جائے گا' اور یہی سمجھا جائے گا کہ اس نے قصر کی نیت کی ہے۔ قصر کی اجازت ہر سفر کے لئے عام نہیں ہے بلکہ صرف وہی لوگ اس سہولت اور انعام سے فائدہ اٹھاسکتے ہیں جن کا سفر طویل بھی ہو' اور مباح بھی' بظاہر سفر کی تعریف انتہا اور ابتدا کے لحاظ سے مشکل معلوم ہوتی ہے' لیکن ہم کوشش کریں گے کہ مختصر لفظوں میں اس کی کوئی ایسی جامع تعریف بیان کردیں جس سے سفر کرنے والوں کے لئے ان رخصتوں سے فائدہ اٹھانا آسان ہوجائے' جو شریعت نے انھیں عطا کی ہیں' سفر یہ ہے کہ کوئی شخص اقامت گاہ سے قصد و ارادے کے ساتھ کسی متعین جگہ منتقل ہو' اس تعریف کی رو سے وہ شخص قصر کی رخصت کا مستحق نہیں ہے جو کسی مقصد کے بغیر اِدھر اُدھر گھومے یا لوٹ مار کے لئے سفر کرے۔ مسافر بننے کے لئے شہر کی آبادی سے باہر نکلنا ضروری ہے' لیکن اس شرط کا یہ مطلب نہیں کہ شہر کے ویران اور غیر آباد مکانات سے بھی باہر نکل آئے' اور ان باغوں کو بھی پیچھے چھوڑ دے جہاں اہل شہر ہوا خوری اور تفریح کی غرض سے آتے ہیں' البتہ گاؤں سے سفر کے لئے جانے والے کے لئے ضروری ہے کہ وہ ان باغوں سے نکل جائے جو گاؤں کا احاطہ کئے ہوئے ہیں' شہر سے نکلنے کے بعد کوئی چیز لینے کے لئے واپس آنے سے رخصت ختم ہوجاتی ہے بشرطیکہ وہ شہر اس مسافر کا وطن ہو' جب تک آبادی سے دوبارہ باہر نہ نکل جائے اس وقت تک قصر نہ کرے' اگر وہ شہر اس کا وطن نہ ہو تو قصر جائز ہے' کیوں کہ باہر نکلنے سے اس کی اقامت ختم ہوگئی تھی' اس کی دوبارہ واپسی مسافر کی حیثیت سے ہوئی ہے نہ کہ مقیم کی حیثیت سے' یہ آغاز کے اعتبار سے سفر کی تعریف تھی' تین امور میں سے ایک پائے جانے سے سفر تمام ہوجاتا ہے اور رخصت ختم ہوجاتی ہے۔

ایک یہ جس شہر میں اقامت کی نیت ہے اس کی آبادی میں داخل ہوجائے' دوسرا یہ کہ کسی جگہ خواہ وہ شہر ہو یا جنگل تین دن سے زیادہ کی نیت کرلے' تیسرا یہ کہ اقامت کی شکل پیدا ہوجائے' اگرچہ نیت نہ کی ہو' مثلاً یہ کہ کسی جگہ پہنچنے کے بعد' اس دن کو

---

(۱) احناف کے مسلک کے مطابق تیمم کرنے والا ایک تیمم سے جس قدر چاہے فرض نمازیں پڑھ سکتا ہے۔ (ہدایہ ص ۵۵ ج ۱) (۲) احناف کے نزدیک سفر کی فوت شدہ نمازیں اسی طرح پڑھی جائیں گی جس طرح سفر میں پڑھی جاتیں یعنی قصر کیا جائے گا۔ (ہدایہ ص ۱۵۰ ج ۱) (۳) احناف کے نزدیک قصر صلوٰۃ رخصت نہیں ہے بلکہ عزیمت ہے' چنانچہ سفر میں قصر نہ کرنے والا گنہگار ہوگا' اگر کسی شخص نے چار رکعات کی نیت باندھی اور دو رکعت پر تشہد کے لئے بیٹھ گیا تو اس کی یہ نماز کراہت کے ساتھ صحیح ہوگی اگر نہیں بیٹھا تو صحیح نہیں ہوگی (نور الایضاح ص ۱۰۳)

مستثنیٰ کرکے جس دن پہنچا ہے تین دن مزید ٹھہر جائے (۱) اس صورت میں قصر کی رخصت پر عمل کرنا جائز نہیں ہے۔ ہاں اگر روانگی کی نیت ہو اور کسی کام کی وجہ سے دیر ہو رہی ہو، اور ہر روز یہ امید ہو کہ وہ کام آج پورا ہو جائے گا تو رخصت قصر پر عمل کرنا صحیح ہے، خواہ اقامت کی مدت کتنی ہی طویل کیوں نہ ہو جائے، اس سلسلے میں فقہاء کے دو قول ہیں، ایک جواز کا، اور دوسرا عدم جواز کا ہمارے نزدیک قصر کے جواز کا قول قرین قیاس ہے، اس لئے کہ وہ شخص اتفاقی تاخیر کا شکار رہا ہے، نہ کہ جان بوجھ کر اپنے ارادہ و قصد سے، بظاہر اس کا جسم ٹھہرا ہوا ہے لیکن قلب منتشر اور پریشان ہے، ایسے قیام کا کوئی اعتبار نہیں ہے کہ بظاہر ایک جگہ ٹھہرا رہے اور دل کو سکون و قرار نہ ہو، بسا اوقات مجاہدین جنگ کے انتظار میں مدتوں کسی ایک جگہ قیام کرتے ہیں، کیا وہ مقیم کہلائیں گے؟ ہرگز نہیں! ان کا قیام جنگ پر موقوف ہے، جنگ آج ہو جائے اور دشمن کا خطرہ ٹل جائے وہ آج یہ جگہ چھوڑ دیں، اور جنگ برسوں نہ ہو تو یہ ایک انچ بھی سرکنے کا ارادہ نہ کریں جہاد بھی ایک کام ہے، شریعت نے جہاد اور غیر جہاد میں فرق نہیں کیا ہے، اور نہ مدت کی طوالت و اختصار میں کوئی فرق کیا ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض غزوات میں اٹھارہ اٹھارہ دن تک قصر کی رخصت پر عمل فرمایا، اور ایک ہی جگہ مقیم رہے (ابوداؤد۔ عمران بن حصینؓ) ظاہر ہے کہ اگر جنگ طویل ہو جاتی اور آپ کو زیادہ دنوں تک قیام کرنا پڑتا تو آپ قصر کی رخصت پر عمل کرتے رہتے کیوں کہ اٹھارہ دنوں کی تعیین کے تو کوئی معنی ہی نہیں ہیں، پھر یہ بات بھی اچھی طرح معلوم ہے کہ آپ نے سفر کی اس رخصت پر مسافر ہونے کی حیثیت سے عمل فرمایا نہ کہ اس لئے کہ آپ مجاہد اور غازی تھے طویل سفر اس سفر کو کہتے ہیں کہ جو دو منزل کے لئے ہو، ایک منزل آٹھ فرسخ کی ہوتی ہے، فرسخ تین میل کا، میل چار ہزار قدم کا اور قدم تین پاؤں کا ہوتا ہے (۲) سفر کی اباحت اور جواز کے معنی یہ ہیں کہ کوئی شخص باری تعالیٰ کی مرضی کے برخلاف حرام مقاصد کے لئے سفر نہ کرے، اور وہ حرام مقاصد اس نوعیت کے ہوں کہ اگر نہ ہوتے وہ شخص ہرگز سفر نہ کرتا۔ (۳) مثلاً کوئی شخص اپنے والدین کی، کوئی غلام اپنے آقا کی اور کوئی عورت اپنے شوہر کی نافرمانی کرکے جائے، یا کوئی مالدار مقروض اپنے قرض خواہ کے خوف سے فرار ہو، یا کوئی شخص رہزنی، قتل، لوٹ مار اور فساد بین المسلمین جیسے جرائم کے لئے سفر کرے، یا ظالم بادشاہ سے حرام مال حاصل کرنے کے لئے جائے یہ تمام مقاصد سفر کو حرام کر دیتے ہیں، اور حرام سفر میں نماز کے قصر کی اجازت نہیں ہے، ہاں اگر سفر کیا، اور شراب نوشی کا گناہ سرزد ہو گیا تو یہ جرم رخصت کے لئے مانع نہیں ہے، مانع رخصت وہ سفر ہے جو ممنوع مقاصد کے لئے کیا جائے۔ اگر سفر کے دو مقصد ہیں، ایک مباح اور دوسرا حرام، اور صورت حال یہ ہے کہ حرام مقصد نہ بھی ہوتا تب بھی مباح اور دوسرا حرام، اور صورت حال یہ ہے کہ حرام مقصد نہ بھی ہوتا تب بھی مباح مقصد کے لئے سفر ناگزیر تھا، اس صورت میں سفر کی رخصت ختم نہیں ہوتی، وہ خود ساختہ صوفی جو ملکوں ملکوں گھومتے پھرتے ہیں، اور تفریح کے علاوہ ان کا کوئی مقصد نہیں ہوتا اس رخصت کے مستحق ہیں یا نہیں؟ اس سلسلے میں اختلاف ہے، ظاہر تر یہی ہے کہ انھیں سفر کی رخصت کا حق حاصل ہے کیوں کہ ان کا مقصد سفر اگرچہ خالص دینی نہیں ہے لیکن حرام و ممنوع بھی نہیں۔

<u>چوتھی رخصت۔ جمع بین الصلاتین</u>: شریعت نے سفر کی دشواریوں کے پیش نظر مسافر کو اجازت دی ہے کہ ظہر اور عصر کو ان دونوں کے اوقات میں، اور مغرب و عشاء کو ان دونوں کے اوقات میں ایک ساتھ پڑھ لے (۴) یہ رخصت بھی قصر کی رخصت کی طرح طویل اور مباح سفر کے لئے ہے، مختصر سفر میں اس رخصت کا جواز مختلف فیہ ہے۔ اگر عصر کو ظہر کے وقت میں پڑھنا

---

(۱) احناف کے نزدیک پندرہ دن سے کم ٹھہرنے میں مسافرت باقی رہتی ہے اور قصر کی رخصت پر عمل کرنا ضروری رہتا ہے۔ (ہدایہ، ص ۱۴۹، ج ۱)

(۲) احناف تین منزل سے کم جانے کو سفر نہیں کہتے، تین منزل یہ ہیں کہ پیدل چلنے والے وہاں تین روز میں پہنچتے ہیں، فقہاء نے ۴۸ میل کو تین منزل شمار کیا ہے (ہدایہ ص ۱۴۸ ج ۱) (۳) احناف کے نزدیک گنہ گار مسافر بھی اس رخصت سے فائدہ اٹھائے گا جو شریعت نے مسافر کو دی ہے۔ (در مختار ص ۸۲ ج ۱)

(۴) احناف کے نزدیک یوم عرفہ کے علاوہ کسی بھی موقع پر جمع بین الصلاتین جائز نہیں ہے، خواہ سفر مختصر ہو یا طویل، جن روایات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دو نمازوں کے درمیان جمع کا ثبوت ملتا ہے وہ جمع صوری پر محمول ہیں، جمع حقیقی پر نہیں ہے۔ (تفصیل کے لئے فقہی کتابیں ملاحظہ کیجئے۔)

ہو تو دونوں کے درمیان جمع کرنے کی نیت کرلینی چاہیے' اس کے بعد ظہر کے لئے اذان دے' اور تکبیر کہہ کر ظہر کی دو رکعت پڑھے' پھر عصر کے لئے تکبیر کہے' اور دو رکعت ادا کرے' تیمّم سے نماز پڑھنے کی صورت میں ظہر سے فارغ ہو کر عصر کے لئے تیمم کرے' کیوں کہ ایک تیمّم سے دو فرض نمازیں ادا نہیں ہوتیں' دونوں نمازیں یکے بعد دیگرے پڑھے تیمم اور تکبیر میں جتنا وقت صرف ہو اس سے زیادہ تاخیر نہ کرے' دو نمازوں میں جمع اس وقت صحیح ہے جب کہ پہلی نماز پہلے اور بعد کی نماز بعد میں پڑھے' ظہر و عصر کے درمیان جمع کرنے کی صورت میں عصر کو ظہر پر مقدم کرنا جائز نہیں ہے' امام مزنیؒ کے نزدیک جمع کی نیت میں تاخیر کرنا درست ہے' یعنی اگر کوئی شخص ظہر سے فارغ ہونے کے بعد عصر کی نماز کے وقت جمع کی نیت کرے تو کوئی مضائقہ نہیں' قیاس سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے' اور کوئی ایسی دلیل شرعی بھی موجود نہیں جس سے یہ ثابت ہو کہ جمع کی نیت کو مقدم کرنا ضروری ہے' ہمارے خیال میں شریعت نے جمع کی اجازت دی ہے اور یہ صورت بھی جمع ہی کی ہے کہ ظہر سے پہلے جمع کی نیت کرنے کے بجائے کوئی شخص عصر کے وقت کرے' اور کیوں کہ جمع کی رخصت عصر کے لئے ہے' اس لئے بظاہر نیت بھی عصر ہی میں ہونی چاہیے' ظہر تو اپنے وقت میں ادا ہوئی ہے' اس میں نیت کی کیا ضرورت ہے؟ فرض نمازوں سے فارغ ہونے کے بعد سنتیں بھی ایک ساتھ پڑھے۔ عصر کی نماز کے بعد تو کوئی سنت ہی نہیں ہے' ظہر کی سنتیں ہیں جو عصر کی نماز کے بعد پڑھنی چاہئیں' خواہ سوار ہو کر یا ٹھہر کر' اگر کسی شخص نے ظہر کی سنتیں عصر کی نماز سے پہلے پڑھ لیں تو دونوں نمازوں کے درمیان تسلسل جو ایک درجے میں واجب ہے باقی نہیں رہے گا۔ اگر کوئی شخص ظہر و عصر کی ان چار چار سنتوں کو جمع کرنا چاہیے جو ان دونوں نمازوں سے پہلے پڑھی جاتی ہیں تو اسے اوّلاً ظہر کی سنتیں پڑھنی چاہیں' پھر عصر کی پڑھنی چاہئیں' سنتوں سے فراغت کے بعد ظہر و عصر کے فرائض بالترتیب ادا کرنے چاہئیں' اور آخر ظہر کی وہ دو سنتیں پڑھنی چاہئیں جو نماز کے بعد پڑھی جاتی ہیں۔ سفر میں نوافل سے غفلت کرنا مناسب نہیں ہے' سفر کے ذریعہ حاصل ہونے والا نفع اس اجر و ثواب کے مقابلے میں یقیناً کم ہے جو نوافل سے حاصل ہوتا ہے نوافل میں یوں بھی تخفیف ہے' یہاں تک کہ شریعت نے سواری پر بھی نفلیں پڑھنے کی اجازت دی ہے تاکہ کوئی شخص نوافل کی مشغولیت کی وجہ سے اپنے ہم سفروں سے پیچھے نہ رہ جائے' اس تخفیف اور سہولت کے باوجود نوافل کا اہتمام نہ کرنا خسارہ عظیم نہیں تو کیا ہے؟۔ یہ صورت ظہر کے وقت عصر پڑھنے کی تھی' اگر کوئی شخص ظہر کو مؤخر کر کے عصر کے وقت پڑھے تب بھی یہی ترتیب رہے گی' یعنی پہلے ظہر پڑھے پھر عصر پڑھے' ظہر کی سنتیں آخر میں پڑھے' یہ نہ سوچے کہ عصر کے بعد نماز پڑھنا مکروہ ہے' اس لئے جن نمازوں کے لئے کوئی سبب ہے وہ مکروہ وقت میں پڑھی جاسکتی ہے۔ یہی ترتیب مغرب و عشا کو یکجا کرنے میں ہے' چاہے جمع تقدیم ہو یا جمع تاخیر' پہلے مغرب پڑھی جائے گی' پھر عشاء ہوگی اس کے بعد دونوں نمازوں کی سنتیں ہوں گی اور وتر پر اختتام ہوگا۔ اگر ظہر کی نماز کا خیال وقت ختم ہونے سے پہلے آئے تو یہ نیت کرلینی چاہیے کہ میں عصر کے ساتھ اسے جمع کروں گا' یہی جمع کی نیت ہے' اگر کسی نے یہ نیت نہیں کی تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ ترک ظہر کی نیت رکھتا ہے' یا ظہر کو عصر سے مؤخر کرنا چاہتا ہے' اور یہ دونوں صورتیں حرام ہیں' اس لئے ان کی نیتیں بھی حرام ہیں۔ ہاں اگر نیند کی وجہ سے' یا کسی کام میں مصروف ہونے کی بنا پر ظہر کا خیال نہیں آیا' اور وقت اداء فوت ہوگیا تو ظہر کو عصر کے ساتھ جمع کرلے' اس صورت میں گناہ گار نہ ہوگا۔ کیوں کہ سفر جس طرح نماز سے غافل کردیتا ہے اسی طرح نیت سے بھی غافل کردیتا ہے۔ بعض لوگ یہ کہہ سکتے ہیں کہ اس صورت میں ظہر اس وقت ادا ہوگی جب کہ وقت نکلنے سے پہلے عصر کے ساتھ اسے جمع کرنے کی نیت کی گئی ہو لیکن ہمارا خیال یہ ہے کہ اس صورت میں بھی ظہر اسی طرح ادا ہوگی جس طرح اس وقت ادا ہوتی جب کہ اس کی نیت ظہر کا وقت ختم ہونے سے پہلے کی جاتی' کیوں کہ سفر کی بنا پر عصر کا وقت ظہر و عصر دونوں کے لئے مشترکہ وقت ہوگیا' بلکہ حضر میں بھی اس کا اعتبار ہوتا ہے' چنانچہ اگر حائضہ غروب آفتاب سے پہلے پاک ہوجائے تو اسے عصر کی طرح ظہر کی قضا بھی کرنی ہوگی (۱) اسی بنا پر یہ کہا جاتا ہے کہ ظہر و عصر میں بصورت جمع موالات (تسلسل) اور ترتیب شرط ہونی چاہیے بلکہ جو شخص جس

(۱) احناف کے نزدیک صرف عصر کی قضا ضروری ہوگی بشرطیکہ پاک ہونے کے بعد غروب سے پہلے طہارت اور قدر تحریمہ کا وقت مل جائے ظہر کا وقت غروب آفتاب تک ختم نہیں ہے۔ (درمختار باب احکام الحیض)

طرح چاہے پڑھ لے' حالاں کہ تم ان دونوں شرطوں کے ساتھ ہی جمع کو درست کہتے ہو' اس کا جواب یہ ہے کہ اگرچہ ظہر کے وقت سے عصر کے آخری وقت تک وقفہ دونوں نمازوں کے لئے مشترک ہے' لیکن شریعت نے ظہر کے وقت کے بعد ہی عصر کا وقت رکھا ہے' اس لئے ظہر پڑھے بغیر عصر کیسے پڑھی جاسکتی ہے؟ جس طرح سفر کے عذر کی بنا پر دو نمازیں ایک وقت میں پڑھنا جائز ہے' اسی طرح بارش کے عذر سے بھی جائز ہے' جمعہ اگرچہ فرض ہے' لیکن مسافر کو ترک جمعہ کی رخصت بھی عطا کی گئی ہے' جمعہ کے بجائے وہ اس دن ظہر کی دو رکعت پڑھے اگر کسی نے عصر کی نماز پڑھنے کے بعد کا وقت ختم ہونے سے پہلے اقامت کی نیت کی تو اسے یہ نماز دوبارہ پڑھنی چاہیے' اس سے پہلے جو نماز اس نے پڑھی ہے وہ اس صورت میں ادا سمجھی جاتی کہ سفر کا عذر عصر کے وقت کی انتہا تک باقی رہتا۔ (۱)

پانچویں رخصت۔ سواری کی حالت میں نفل پڑھنا : سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے سواری پر نوافل پڑھے ہیں۔ خواہ آپ کی سواری کا رخ کدھر بھی رہا ہو (قبلہ رخ رہی ہو یا نہ رہی ہو) نیز آپ نے سواری کی حالت میں وتر بھی پڑھے ہیں (بخاری و مسلم۔ ابن عمرؓ) سوار ہو کر نفل پڑھنے والے کے لئے ضروری نہیں ہے کہ وہ باقاعدہ رکوع و سجود کرے' بلکہ محض اشارہ کافی ہے' تاہم رکوع کی بنسبت سجدہ کیلئے سر کو ذرا زیادہ نیچے تک جھکانا چاہیے' لیکن اتنا بھی نہیں کہ چہرہ جانور کے جسم سے جالگے' اور اسکے بھڑکنے یا غفلت میں نیچے گر پڑنے کا خطرہ پیدا ہو جائے ہاں اگر خوابگاہ (جانور کی پیٹھ پر رکھے ہوئے ڈولہ نما خیمے) کے اندر ہو تب سجدہ اور رکوع کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے' کیوں کہ اس حالت میں رکوع و سجود پوری طرح ادا کرنا ممکن ہے۔ استقبال قبلہ قبلہ کی طرف متوجہ ہونا نہ ابتدائے نماز میں ضروری ہے' اور نہ انتہائے نماز میں۔ البتہ اپنے راستے کی طرف متوجہ رہنا استقبال قبلہ کے قائم مقام ہے۔ چنانچہ اگر اگر کسی شخص نے نماز کی حالت میں جانور کا رخ راستے سے موڑ دیا تو اس کی نماز باطل ہو جائے گی' لیکن اگر قبلے کی طرف موڑا تو باطل نہیں ہوگی۔ یہ اس صورت میں ہے جب کہ جانور کا رخ جان بوجھ کر بدلا گیا ہو' لیکن اگر بھولے سے ایسا کیا تو یہ دیکھا جائے گا کہ اس عمل میں اس نے زیادہ وقت لگایا ہے یا کم؟ کم ہونے کی صورت میں اس کی نماز بالاتفاق باطل نہیں ہوگی' زیادہ کے سلسلے میں اختلاف ہے جانور کا خود بخود بھڑک کر راستے سے منحرف ہو جانا نماز کو فاسد نہیں کرتا' اور نہ اس صورت میں سجدہ واجب ہوتا ہے' سجدہ سہو صرف اس صورت میں واجب ہوتا ہے جب کہ غلطی سے جانور موڑا ہو' سجدہ سہو بھی دوسرے سجدوں کی طرح اشارے سے کرنا چاہیے۔

چھٹی رخصت' پیادہ پا نفل پڑھنا : سفر کے دوران پیدل چلنے کی حالت میں بھی نفلیں پڑھنا درست ہے (۲) رکوع و سجود اشاروں سے کرے' تشہد کے لئے نہ بیٹھے' اگر بیٹھنا پڑے تو پھر پیادہ پا چلنے کی حالت میں نفل پڑھنے کی رخصت کے کیا معنی؟ پیادہ پا اور سوار دونوں کا ایک ہی حکم ہے' فرق صرف اتنا ہے کہ پیدل چلنے والا تکبیر تحریمہ کے وقت قبلہ رخ ضرور ہو جائے' باقی نماز میں اپنا رخ ادھر رکھے جدھر محو سفر ہو' ایک لمحہ کے لئے اپنا رخ بدل کر کھڑے ہونے میں نہ کوئی دشواری ہوتی ہے' اور نہ اتنا وقت لگتا ہے کہ رفقاء شکوہ کریں' یا منزل تک پہنچنے میں دیر ہو جائے' سوار کے برخلاف اگرچہ جانور کی باگ اس کے ہاتھ ہی میں کیوں نہ ہو' پھر بھی اس کا رخ بدلنے میں دشواری ہے' بعض اوقات جانور بھڑک بھی جاتا ہے' اور اگر نفلیں زیادہ پڑھنی ہوں تب بار بار سواری کا رخ قبلہ کی طرف کرنے اور پھر اپنی منزل کی طرف موڑنے میں کافی پریشانی اور حرج ہے۔ اگر راستے میں تر نجاست پڑی ہو تو اس میں مت چلے' اگر چلے گا تو نماز باطل ہو جائے گی' یہ حکم صرف پیادہ پا کے لئے ہے' سوار کے لئے نہیں ہے' جانور کے نجاست میں چلنے سے سوار کی نماز باطل نہیں ہوتی' جو نجاستیں راستے میں عام طور پر پڑی رہتی ہیں ان سے بچنے میں تکلف کر کے اپنے آپ کو پریشانی میں مبتلا مت کرے۔ درندے' دشمن اور سیلاب کے خوف سے سواری پر فرض نماز پڑھنا ایسا ہی ہے جیسے عام حالات میں

---

(۱) احناف کے نزدیک عصر پڑھ چکنے کے بعد اگرچہ عصر کا وقت ختم ہونے سے پہلے اقامت کی نیت کی ہو اس ادا کردہ نماز کا اعادہ نہیں کیا جائے گا۔ (در مختار ص ۱۲۸ ج ۱)

(۲) احناف کے نزدیک پیدل چلنے کی حالت میں نماز پڑھنا درست نہیں ہے۔ (نور الایضاح ص ۹۹)

نوافل پڑھی جاتی ہیں۔

ساتویں رخصت افطار: مسافر کے لئے جائز ہے کہ وہ سفر کی حالت میں روزہ نہ رکھے' بشرطیکہ اس کا سفر طلوع صبح صادق سے پہلے شروع ہوا ہو' لیکن اگر وہ صبح کو مقیم تھا بعد میں مسافر ہوا تو اس کا روزہ پورا کرنا ضروری ہو گا' اسی طرح اس شخص کے لئے بھی روزہ پورا کرنا ضروری ہے جس نے سفر میں روزہ رکھ کر اقامت اختیار کی۔ افطار کی حالت میں اقامت کرنے والے کے لئے دن کے باقی وقت میں امساک (کھانے پینے سے رکنا) واجب نہیں ہے۔ مسافر اگرچہ روزہ رکھنے کی پختہ نیت بھی کرلے تب بھی اس کے لئے افطار جائز ہے' تاہم روزہ رکھنا افطار کرنے سے افضل ہے' اور قصر مکمل نماز پڑھنے سے بہتر ہے۔ اس صورت میں خلاف کا شبہ باقی نہیں رہتا۔ روزے کی فضیلت افطار کے مقابلے میں اس لئے بھی زیادہ ہے کہ اسے اس روزہ کی قضا بھی کرنی ہوگی' جب کہ نماز میں قصر سے فریضہ ادا ہو جاتا ہے اور کوئی چیز ذمہ میں ایسی باقی نہیں رہتی جس کی سفر مکمل ہونے کے بعد قضا کرنی پڑے۔ قضاء کی صورت میں یہ امکان بھی رہتا ہے کہ کسی بیماری یا دوسرے ناگزیر اسباب و حالات کی بنا پر قضا کا موقع نہ ملے اس لئے بہتر یہی ہے کہ سفر میں بھی روزے ترک نہ کرے' ہاں اگر روزہ کی وجہ سے کوئی ضرر ہو تو اس صورت افطار ہی افضل ہے۔

یہ کل سات رخصتیں ہیں ان میں سے تین کا تعلق طویل سفر سے ہے' اور وہ تین رخصتیں ہیں' قصر' افطار' اور موزوں پر مسح' دو کا تعلق ہر طرح کے سفر سے ہے خواہ وہ طویل ہو یا مختصر اور وہ دو یہ ہیں ترک جمعہ' اور تیمم کرکے نماز پڑھنے کی صورت میں فریضہ کی بجاآوری پیادہ پا اور سواری پر نماز پڑھنے کی رخصت کے سلسلے میں اختلاف ہے کہ اس کا تعلق طویل سفر سے ہے یا طویل اور مختصر دونوں سے ظاہر تو یہی ہے کہ مختصر سفر میں بھی اس رخصت سے فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے اور دو نمازوں کے درمیان جمع کرنے کی رخصت بھی مختلف فیہ ہے' زیادہ صحیح بات یہ ہے کہ اس رخصت کا تعلق صرف طویل سفر سے ہے' خوف کی وجہ سے پیادہ پا' سوار ہو کر نماز پڑھنے کی اجازت صرف سفر ہی کے ساتھ مخصوص نہیں ہے' اسی طرح مردار کھانے اور تیمم سے نماز پڑھنے کی اجازت بھی تنہا مسافر کے لئے نہیں ہے بلکہ حضر میں بھی ایسے حالات پیش آسکتے ہیں کہ دشمن' درندہ یا سیلاب کا خوف ہو اور سواری پر یا چلتے چلتے نماز پڑھنی پڑے' یا کسی وجہ سے مردار کھانا پڑے' اور پانی نہ ملنے کی صورت میں تیمم کرنا پڑے۔ یہاں یہ سوال کیا جاسکتا ہے کہ کیا مسافر کے لئے ضروری ہے کہ وہ سفر کا آغاز کرنے سے پہلے ان رخصتوں کا علم حاصل کرے' یا ضروری نہیں ہے کہ بلکہ صرف مستحب ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اگر مسافر کا عزم و ارادہ یہ ہے کہ وہ دوران سفر کسی بھی رخصت سے فائدہ نہ اٹھائے گا' نہ موزوں پر مسح کرے گا' نہ نماز میں قصر کرے گا' نہ روزے افطار کرے گا' نہ دو نمازیں ایک نماز کے وقت میں پڑھے گا اور نہ پیدل چلنے کی حالت میں یا سواری کی حالت میں نفلی نمازیں پڑھے گا تب تو اسکے لئے ان رخصتوں کا علم حاصل کرنا ضروری نہیں ہے' البتہ تیمم کی رخصت کا علم حاصل کرنا ضروری ہے' کیوں کہ تیمم پانی نہ ملنے پر موقوف ہے اور یہ صورت کسی بھی وقت پیش آسکتی ہے' اِلّا یہ کہ وہ سمندر کے کنارے کنارے چل رہا ہو' اور یہ یقین ہو کہ اس کا پانی خشک نہیں ہو گا' یا اسے کسی ایسے عالم کی معیت حاصل ہو جس سے مسائل معلوم کئے جاسکتے ہیں' ان دونوں صورتوں میں تیمم کے مسائل سیکھنے کا عمل ضرورت کے وقت تک مؤخر کیا جاسکتا ہے' اگر کوئی شخص ہماری اس تقریر پر یہ اعتراض کرے کہ تیمم کی ضرورت نماز کے لئے ہے اور نماز ابھی واجب نہیں ہوئی' اس صورت میں یہ کیسے کہا جاسکتا ہے کہ تیمم کا ذکر حاصل کرنا واجب ہے کیا ضروری ہے کہ نماز کا وقت آئے اور تیمم کی ضرورت پڑے؟ اسکا جواب یہ ہے کہ جس شخص کا وطن کعبہ شریف سے ایک سال کی مسافت پر واقع ہو کیا اس کیلئے ضروری نہیں کہ وہ حج کے مہینوں سے پہلے سفر کرے' اور اگر راستے میں کوئی حج کے مسائل بتلانے والا نہ ہو تو پابہ رکاب ہونے سے پہلے وہ مسائل سیکھے؟ اب اگر کوئی شخص یہ کہنے لگے کہ کیوں کہ کعبہ تک پہنچنا یقینی نہیں ہے اس لئے حج کے مسائل کا علم حاصل کرنا بھی ضروری نہیں ہے تو کیا اسے بے وقوف نہیں کہا جائے گا' یقیناً وہ شخص عقل سے محروم ہے۔ اسے سوچنا چاہیے کہ اصل زندگی اور سفر کے اختتام تک بقاء ہے محض موت کے امکانات کے پیش نظر سیکھنے کا عمل موقوف نہیں کیا جاسکتا' کیا پتا ہے کہ وہ مرے نہیں اور زندہ سلامت پہنچ جائے' اور پہنچنے کے بعد کوئی بتلانے والا نہ ملے' اس صورت میں

کیا کرے گا' کیا اس کے ذمے سے فرض حج ساقط ہو جائے گا' یہ بات اچھی طرح جان لینی چاہیے کہ واجب کے حصول کا ذریعہ بھی واجب ہی ہوتا ہے' اور اس شرط کا علم حاصل کرنا بھی واجب ہوتا ہے۔ جس پر کوئی واجب معلق ہو خواہ وہ فی الحال واجب نہ ہو بلکہ گمان غالب یہ ہو کہ آئندہ چل کر واجب ہو جائے گی جیسے حج کہ اس میں مشغول ہونے قبل اسکے افعال کا علم کرنا ضروری ہوتا ہے اس تفصیل سے ثابت ہوا کہ تیمم کے ضروری مسائل کی واقفیت حاصل کئے بغیر سفر کرنا جائز نہیں ہے۔ اسی طرح اگر کسی شخص کی یہ نیت ہو کہ وہ سفر کی ان تمام رخصتوں پر عمل کرے گا جو باری تعالیٰ نے اسے عطا کی ہیں تو وہ ان رخصتوں کا اتنا علم ضرور حاصل کرے جتنا ہم نے پچھلے صفحات میں ذکر کیا ہے۔ اگر کوئی شخص یہ کہے کہ سوار یا پیدل مسافر کے لئے کیا ضروری ہے کہ وہ نفل پڑھنے کا طریقہ سیکھے' فرض کیجئے کہ اس نے سفر کیا' اور نفل نماز پڑھنے کا طریقہ نہیں سیکھا تو اسے کیا نقصان ہوگا' اگر اسنے سوار ہونے کی حالت میں یا پیادہ چلتے ہوئے نفلیں پڑھ لیں تو زیادہ سے زیادہ یہی ہوگا کہ وہ فاسد ہو جائیں' اور کیوں کہ نفلیں اس کے ذمے واجب نہیں تھیں اسلئے ان کے فساد سے کوئی خرابی لازم نہیں آتی۔ ہمارا جواب یہ ہے کہ اس صورت میں بھی خرابی ہے' کیوں کہ نفل نماز کو فساد کی صفت پر نہ پڑھنا واجب قرار دیا گیا ہے' یعنی بے وضو' نجاست کے ساتھ' قبلہ کے علاوہ کسی جانب رخ کرکے' اور نماز کی شرطوں کے اہتمام کے بغیر نوافل پڑھنا حرام ہے لہذا مسافر کے لئے ضروری ہے کہ وہ ان باتوں کا علم بھی حاصل کرے جن سے نوافل فاسد ہو جاتے ہیں۔

قبلہ کی سمت اور نماز کے اوقات کا علم

قبلے اور نماز کے وقت کا علم حاصل کرنا سفر ہی میں نہیں بلکہ حضر میں بھی واجب ہے' لیکن کیوں کہ شہروں اور بستیوں میں مسجد بنی ہوئی ہوتی ہیں' اور ان کے رخ متعین ہوتے ہیں' اس لئے قبلے کی جہت معلوم کرنے کی ضرورت پیش نہیں آتی' اسی طرح مؤذن کی آواز نماز کے وقت کی اطلاع و اعلان سمجھی جاتی ہے' اس اعلان کے بعد کوئی شخص بھی یہ ضرورت محسوس نہیں کرتا کہ وہ نماز کے وقت کا لحاظ رکھے' مؤذن نماز کے اوقات کا محافظ ہے اور وہ سب کی طرف سے یہ ذمہ داری ادا کرتا ہے۔ لیکن سفر کا حال حضر سے مختلف ہوتا ہے' اگر مسافر کسی ایسی منزل کی طرف رواں دواں ہو جس کے راستے میں دور تک آبادی کا نام و نشان نہیں ملتا تو وہ یقیناً نماز کا وقت معلوم کرنے اور قبلے کا رخ متعین کرنے کے سلسلے میں پریشان ہوگا اس لئے مسافر کے لئے ضروری ہے کہ وہ قبلے اور وقت کی دلیلوں اور علامتوں کا علم حاصل کرے۔

قبلے کی دلیلیں اور علامتیں : قبلے کی دلیلیں تین طرح کی ہیں۔ زمینی جیسے پہاڑوں' نہروں اور بستیوں سے قبلے کا رخ معلوم کرنا' ہوائی جیسے شمالی' جنوبی' شرقی اور غربی ہواؤں سے استدلال کرنا' آسمانی جیسے ستاروں کے محل وقوع اور رفتار سے قبلہ متعین کرنا۔ جہاں تک زمینی اور ہوائی دلیلوں کا تعلق ہے وہ مقامات کے اختلاف سے مختلف ہوتی ہے' چنانچہ اگر کسی ایسے شہر کی طرف سفر کر رہا ہو جسکے راستے میں پہاڑ واقع ہیں تو یہ معلوم کر لینا چاہیے کہ وہ قبلہ رخ کھڑے ہونے والے کے بائیں طرف واقع ہیں یا دائیں طرف' آگے ہیں یا پیچھے یہی ہوا کا حال ہے' بعض علاقوں میں ہوا کے رخ سے قبلے کا تعین ہو جاتا ہے' لیکن کیوں کہ زمینی اور ہوائی دلیلوں کے سلسلے میں تمام علاقوں کا حال یکساں نہیں ہے اس لئے ہم کوئی کلی قاعدہ بیان کرنے سے قاصر ہیں۔ آسمانی دلیلیں دن اور رات کے اعتبار سے مختلف ہیں' دن کی دلیل سورج ہے' اور رات کی دلیل ستارے ہیں' دن کی دلیل یعنی سورج کے سلسلے میں مسافر کو شہر سے نکلنے سے پہلے ایک آزمائشی دور سے گزر جانا چاہیے' یہ ایک مختصر سی آزمائش ہے جس میں یہ دیکھنا پڑتا ہے کہ زوال کے وقت سورج کہاں ہے' آیا اسکے (دیکھنے والے کے) دونوں ابروؤں کے درمیان ہے' یا دائیں آنکھ پر ہے' یا بائیں آنکھ پر ہے' یا پیشانی کی طرف ہے ان جگہوں کی بہ نسبت زیادہ مائل ہے' شمالی ممالک میں سورج ان جگہوں میں سے کسی نہ کسی پر ضرور رہتا ہے' اس طریقے سے زوال کا علم حاصل کرنے کے بعد قبلہ معلوم کرے' اور اس دلیل سے رہنمائی حاصل کرے' جو ہم عنقریب ذکر کرنے والے ہیں' اسی طرح عصر کے وقت دیکھے کہ سورج اس کے جسم سے کس طرف واقع ہے' مغرب کے وقت قبلہ غروب

آفتاب کی جگہ سے معلوم کیا جاسکتا ہے یعنی یہ دیکھے کہ قبلہ رو کھڑے ہونے والے شخص کے کس طرف سورج ڈوبا ہے' آیا دائیں طرف' سامنے کی جانب' یا پشت پر' وہ سمت یاد رکھے' عشاء کے وقت شفق سے قبل معلوم ہوسکتا ہے' اور صبح کے وقت سورج طلوع ہونے کی جگہ قبلے کی تعیین میں مفید ہوسکتی ہے۔ گویا سورج سے پانچوں نمازوں کے اوقات میں قبلہ دریافت کیا جاسکتا ہے' لیکن اس سلسلے میں سرد و گرم موسموں کی رعایت بے حد ضروری ہے' کیوں کہ طلوع و غروب کی جگہیں بدلتی رہتی ہیں' بعض اوقات (دو نمازوں کو ایک ساتھ پڑھنے کی صورت میں) مغرب و عشاء کی نمازیں شفق غائب ہونے کے بعد پڑھی جاتی ہیں' اس صورت میں قطب نامی ستارے سے مدد لی جاسکتی ہے' اسے جدی بھی کہتے ہیں' یہ ایک ثابت اور غیر متحرک ستارہ ہے' اپنے شہر میں معلوم کرنا چاہیے کہ قبلے کی طرف کھڑے ہوئے شخص کی کس جانب یہ ستارہ واقع ہے' پیچھے واقع ہے یا دائیں شانے پر یا بائیں شانے پر' مکہ معظمہ سے جو ممالک شمال میں واقع ہیں ان میں یہ ستارہ ان کے واقع میں کسی ایک پر واقع رہتا ہے اور جنوبی ملکوں مثلاً یمن اور اس کے نواح میں قبلہ رخ کے سامنے پڑتا ہے۔ بہرحال سورج اور قطب ستارے کی مدد سے کعبہ کی جہت متعین کرے' اور اپنے سفر میں اسی کی رعایت رکھے' لیکن طویل مسافت میں تنہا اپنے شہر کی آزمائش کافی نہیں ہے' مسافت جوں جوں بڑھتی جاتی ہے سورج کے طلوع و غروب اور قطب کے ظہور کی جگہوں میں اختلاف ہوتا جاتا ہے' اس صورت میں یہ کرنا چاہیے کہ جس بڑے شہر سے گزرے وہاں کے واقف کاروں سے معلومات کرلے' یا خود کسی مسجد کے رخ پر کھڑا ہو کر یہ دیکھ لے کہ سورج کس وقت کہاں ہے' اور قطب ستارہ کس جگہ طلوع ہوتا ہے۔ ان دلائل کا علم حاصل کرنے کے بعد خواہ مخواہ وہم کا شکار نہ ہو' بلکہ ان پر اعتماد کرے' ہاں اگر یقین کے ساتھ یہ بات معلوم ہوجائے کہ قبلے کی سمت معلوم کرنے میں چوک ہوگئی ہے اور غلط سمت نماز پڑھ لی ہے تو نماز کا اعادہ کرے' لیکن یہ اس صورت میں ہے جب کہ قبلے سے مکمل طور پر انحراف پایا گیا ہو' (۱) اگر انحراف صرف محاذات سے تھا' جہت قبلہ نہیں تھا تب کوئی حرج نہیں ہے' نماز ہوگئی قضا نہ کرے۔

کعبہ کی جہت مطلوب ہے یا ذات: اس سلسلے میں علماء کا اختلاف ہے کہ عین کعبہ مطلوب ہے یا جہت کعبہ بعض اہل علم اس اختلاف سے عجیب کشمکش میں پڑ گئے' ان کا کہنا یہ ہے کہ اگر عین کعبہ مطلوب ہو تو دور دراز ممالک میں یہ کیسے ممکن ہے کہ کعبہ نمازی کے عین مقابل میں ہو' اور اگر جہت کعبہ کو مطلوب قرار دیں تو ہم یہ دیکھتے ہیں کہ فقہاء کے نزدیک بالاتفاق اس شخص کی نماز باطل ہوجاتی ہے جو حرم شریف میں جہت کعبہ کا استقبال کرے اور اسکا جسم کعبہ کے عین مقابل میں نہ ہو۔ اس موضوع پر فقہی کتابوں میں بہت کچھ لکھا گیا ہے' طویل تقریروں' اور لمبی چوڑی بحثوں سے قطع نظر ہم اس اختلاف کا اصل منشاء بیان کرنا چاہتے ہیں تاکہ حق واضح ہوجائے۔

سب سے پہلے عین اور جہت کے تقابل کا مفہوم سمجھنا چاہیے۔ مقابلہ عین کعبہ کا مطلب یہ ہے کہ نمازی ایسی جگہ کھڑا ہو کہ اگر اس کی دونوں آنکھوں کے درمیان سے ایک خط کعبہ کی دیوار تک کھینچا جائے تو وہ دیوار سے جا ملے' اور اس خط کے دونوں جانب دو مساوی زاوئے پیدا ہوجائیں۔ کعبہ کے عین مقابل میں نمازی کے واقع ہونے کی یہ صورت سے ہے' مزید وضاحت کے لئے حسب ذیل نقشہ دیکھیں۔

کعبہ
زاویہ قائمہ
زاویہ قائمہ
نمازی کے کھڑے ہونے کی جگہ

---
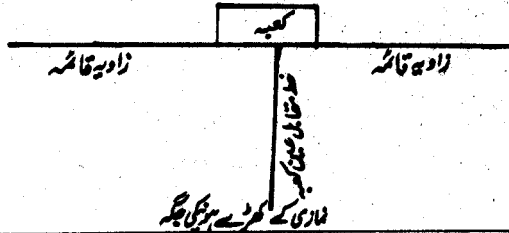
(۱) احناف کے نزدیک نماز کی صحت کا مدار تحری پر ہے' اگر کسی نے تحری نہیں کی اور جدھر جی چاہا نماز پڑھ لی تو اس کی نماز نہیں ہوگی خواہ اس نے صحیح سمت میں نماز پڑھی ہو یا نہ پڑھی ہو' لیکن اگر تحری کی' اور بعد میں یہ معلوم ہوا کہ جس سمت نماز پڑھی گئی ہے ادھر قبلہ نہ تھا تو نماز ہوگئی' اعادہ کی ضرورت نہیں ہے۔ (در مختار ص ۴۵۰ ج ۱)

اور جہت کعبہ کے مقابل ہونے کی صورت یہ ہے کہ نمازی کی دونوں آنکھوں کے درمیان سے جو خط نکلے وہ کعبہ سے مس ضرور کرے لیکن اس خط کے دونوں جانب تساوی زاوئے نہ ہوں' دونوں زاوئے مساوی اسی وقت ہو سکتے ہیں جب کہ وہ خط کسی ایک متعین نقطے پر ختم ہو اور یہ صورت خط عمودی میں ہوتی ہے' اب اگر کعبہ خط عمود سے ہٹا ہوا ہو جو خط دونوں آنکھوں سے نکل کر کعبہ سے ملیگا اسکے دونوں جانب برابر زاوئے نہیں ہونگے بلکہ ایک زاویہ چھوٹا ہوگا اور ایک بڑا ہوگا' اس صورت میں نمازی عین کعبہ کے مقابل نہ ہوگا بلکہ جہت کعبہ کے مقابل ہوگا' ذیل کے نقشے سے جہت کعبہ اور عین کعبہ کا فرق بخوبی واضح ہو جاتا ہے۔
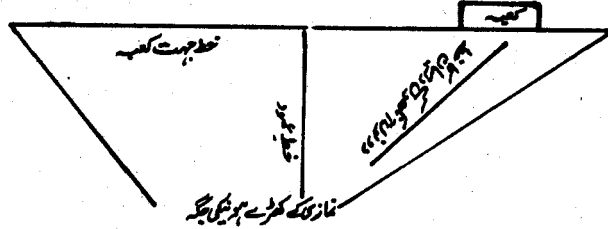
خط جہتی کی وسعت کا تعلق فاصلے سے ہے' نمازی کعبہ سے جتنی دور ہوگا اتنا ہی وہ خط وسیع ہوگا عین اور جہت کا مفہوم سمجھ لینے کے بعد اب ہم اس اختلافی مسئلے میں اپنی رائے پیش کرتے ہیں' ہمارے خیال میں اگر کعبہ کو دیکھنا ممکن نہ ہو تو عین کعبہ مطلوب ہے' اور دیکھنا دشوار ہو تو جہت کعبہ کا استقبال کرلینا کافی ہے' پہلے نقطے پر تمام علمائے امت کا اتفاق ہے' (یعنی مکی کے لئے عین کعبہ کی طرف متوجہ ہونا بالاتفاق ضروری ہے خواہ اس کے اور کعبہ کے درمیان کوئی دیوار وغیرہ حائل ہو یا نہ ہو حتیٰ کہ اگر کوئی مکی اپنے گھر میں نماز پڑھے تو اس کے لئے ایسی جگہ کھڑا ہونا ضروری ہے کہ اگر بیچ میں سے دیوار ہٹا دی جائیں تو کعبہ اس کے عین سامنے ہو) اور دوسرا نقطہ (یعنی کعبہ کا مشاہدہ ممکن نہ ہونے کی صورت میں جہت کعبہ کا استقبال کافی ہو) کتاب و سنت سے بھی ثابت ہے' صحابہ کرام کے عمل اور قیاس سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔

قرآن پاک میں ہے

وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوا وُجُوهَكُمْ شَطْرَهُ (پ ۲ ر ۲ آیت ۱۵۰)

اور تم لوگ جہاں کہیں (موجود) ہو اپنا چہرہ اسی کی طرف رکھا کرو۔

اس آیت میں شطر کعبہ سے مراد جہت کعبہ ہے' چنانچہ عرب بھی قبلہ کی طرف رخ کرنے والے کے لئے کہتے ہیں قد ولی وجهه شطرها (اس نے منہ کعبہ کی طرف پھیر لیا ہے) یہ کتاب کی تائید ہے' سنّت کی تائید کے لئے وہ روایت ملاحظہ کیجئے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل مدینہ سے خطاب فرمایا۔

مابين المشرق والمغرب قبلة (ترمذی' ابن ماجہ - ابو ہریرۃ)

مشرق و مغرب کے درمیان قبلہ ہے۔

جو لوگ مدینہ منورہ گئے ہیں وہ جانتے ہیں کہ اہل مدینہ کے دائیں طرف مغرب ہے' اور بائیں طرف مشرق ہے' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مغرب و مشرق کے درمیانی حصے کو قبلہ قرار دیا ہے' حالانکہ کعبہ کا طول و عرض اتنا نہیں ہے' اتنا طویل قبلہ اسی وقت ہو سکتا ہے کہ جہت کو قبلہ قرار دیا جائے' یہ الفاظ حضرت عمرؓ اور آپ کے صاحبزادے حضرت عبداللہؓ سے بھی مروی ہیں' فعل صحابہ کے سلسلے میں یہ روایت اہم ہے کہ جس وقت تحویل قبلہ (قبلے کی تبدیلی کا حکم نازل ہوا مدینہ منورہ کی مسجد قبا میں کچھ لوگ بیت المقدس کا رخ کئے صبح کی نماز پڑھ رہے تھے' کعبہ کی طرف ان کی پشت تھی' کیوں کہ مدینہ منورہ' مکہ مکرمہ اور بیت المقدس کے درمیان واقع ہے' کسی شخص نے آکر اعلان کیا کہ قبلہ تبدیل کر دیا گیا ہے' اب خانہ کعبہ ہمارا قبلہ ہے' جو لوگ نماز میں مشغول تھے انھوں نے یہ حکم سنا اور اسی حالت میں گھوم گئے' (مسلم - انس' بخاری و مسلم' ابن عمرؓ) نہ انھوں نے قبلہ کی تعیین کی کوئی علامت

دریافت کی' اور نہ ان اس کے فعل پر (نماز کے دوران رخ بدلنے پر) کوئی نکیر کی گئی' اس مسجد کا نام مسجد ذوالقبلتین (دو قبلوں والی مسجد) بھی ہے اس سے معلوم ہوا کہ عین کعبہ کا استقبال مقصود نہیں تھا' ورنہ اس طرح اچانک رخ نہ بدلا جاتا' بلکہ پہلے عین کعبہ کی تعیین ہوتی' علم الہندسہ کے ماہرین غور و فکر کے بعد کوئی رائے قائم کرتے' اس طرح ہم یہ دیکھتے ہیں کہ صحابہ کرام نے اطراف مکہ' اور دور دراز ملکوں میں مسجدیں بنائیں اور کبھی کسی مسجد کی تاسیس کے وقت قبلے کی تعیین کے لئے مہندس کو نہیں بلایا' نہ جغرافیائی نقشے سامنے رکھے' بلکہ جب یہ معلوم ہوگیا کہ اس طرف کعبہ ہے اسی رخ پر محراب بنادی' عین کعبہ کی تعیین ایک مشکل کام ہے جسے کسی مہندس کی مدد کے بغیر محض ظن و تخمین سے انجام نہیں دیا جاسکتا' قیاس بھی یہی کہتا ہے کہ جہت کعبہ کافی ہونا چاہئے' کیوں کہ استقبال قبلہ' اور اطراف عالم میں تعمیر مساجد ایک ناگزیر امر ہے' اور عین کعبہ کی تعیین علوم ہندسہ کے بغیر ممکن نہیں جب کہ شریعت نے کہیں علوم ہندسہ کی تحصیل کا حکم نہیں دیا' بلکہ ان علوم میں غلو کرنے سے منع کیا ہے' اس سے معلوم ہوا کہ عین کعبہ مطلوب نہیں ہے' اگر مطلوب ہوتا تو شریعت میں ان علوم کی تحصیل کا حکم ضرور ہوتا جن سے عین کعبہ کی تعیین میں مدد ملتی۔

اس تفصیل کا حاصل یہ ہے کہ عالم کی جہتیں چار ہیں' ان میں سے ایک جہت کعبہ ہے اور وہی ہمارا قبلہ ہے' چار جہتوں کی دلیل وہ روایت ہے جو بیت الخلاء کے آداب میں آئی ہے کہ (قضائے حاجت کے وقت) نہ قبلہ کی طرف چہرہ کرو' اور نہ پشت کرو' البتہ مشرق و مغرب کے رخ بیٹھ سکتے ہو (بخاری و مسلم۔ ابو ایوب) یہ خطاب اہل مدینہ کو تھا (اگرچہ اس کا حکم عام ہے اور اہل مدینہ کے علاوہ بھی لوگ اس کے پابند ہیں) مدینہ میں قبلہ کی طرف منہ کرنے والے کی دائیں جانب مغرب ہے' اور بائیں جانب مشرق ہے' اس حدیث میں دو جہتوں کی اجازت مل گئی ہے (یعنی مشرق و مغرب کی طرف چہرہ یا پشت کرکے بیٹھنے کی) اور دو جہتوں سے منع فرمایا گیا ہے' اس سے معلوم ہوا کہ شارع علیہ السلام کے نزدیک بھی چار ہی جہتیں ہیں' کسی بھی شخص کے وہم و گمان میں یہ بات نہیں آسکتی کہ دنیا کی جہتیں چار سے زیادہ چھ' سات' یا دس ہوسکتی ہیں' اگر چار سے زیادہ جہتیں ہیں بھی تو شریعت میں ان کے متعلق کوئی حکم وارد نہیں' بلکہ جہتیں وہی ہیں جو انسانی اعتقاد کے مطابق ہیں' یعنی آگے پیچھے' دائیں بائیں' شریعت کی بنا ان ہی ظاہری اعتقادات پر ہوتی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ مطلوب جہت کعبہ ہے عین کعبہ نہیں' عین کعبہ کی تعیین دشوار ہے' یہ اسی صورت میں ہوسکتی ہے جب کہ خط استواء سے مکہ مکرمہ کا فاصلہ اور عرض و طول معلوم ہو' اور اس جگہ کا عرض و طول اور فاصلہ بھی معلوم ہو جس جگہ نمازی کھڑا ہے' پھر ان دونوں کے درمیان موازنہ ہو' یہ موازنہ آلات اور غیر معمولی ذرائع و اسباب کے بغیر ممکن نہیں جب کہ شریعت نے ان امور کا مکلف قرار نہیں دیا۔

قبلے کے سلسلے میں مسافر کے لئے اتنا جان لینا کافی ہے کہ سورج کدھر سے طلوع ہوتا ہے' کدھر غروب ہوتا ہے زوال کی کیفیت کیا ہے اور عصر کے وقت سورج کہاں ہوتا ہے؟ سفر پر روانہ ہونے سے قبل ان امور سے واقفیت حاصل کرنا اس کے لئے وجوب کا درجہ رکھتا ہے اگر اسے خیال ہو کہ راستے میں قبلہ معلوم نہ ہوسکے گا۔

یہاں یہ سوال کیا جاسکتا ہے کہ اگر کوئی شخص یہ امور سیکھے بغیر ہی سفر پر چلا جائے تو وہ گناہ گار ہوگا یا نہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اگر اسکے راستے میں قریب قریب بستیاں واقع ہیں' اور ان میں مسجدیں بنی ہوئی ہیں یا اس کے ہمراہ کوئی ایسا شخص ہے جو صاحب بصیرت بھی ہے' اور صاحب علم و تقویٰ بھی' نیز وہ قبلے کے احکام و مسائل سے کماحقہٗ واقف بھی ہے تو سفر سے پہلے مسائل کا سیکھنا ضروری نہیں ہوگا' اور نہ سیکھنے سے کوئی گناہ نہیں ہوگا۔ ہاں اگر راستہ غیر آباد اور ویران ہے' مسلمانوں کی بستیاں لمبی مسافتوں پر واقع ہیں اور ساتھ میں کوئی ایسا قابل اعتماد اور قبلے کے احکام سے واقف شخص بھی موجود نہیں جس کی تقلید کی جاسکے' تو مسائل سے واقف ہونا ضروری ہے' اس سلسلے میں کسی بھی قسم کی غفلت قابل مواخذہ جرم ہوگی' یہ ایسا ہی ہے جیسے کوئی شخص پانی نہ ملنے کا یقین رکھنے کے باوجود تیمم کے احکام و مسائل نہ سیکھے۔

اب دوسرا موضوع لیجئے' ایک شخص نے قبلے کے دلائل کا علم حاصل کیا' سورج کے غروب اور زوال کی کیفیتیں دریافت

کیں، ہواؤں کا رخ معلوم کیا اور اسکے ذریعہ قبلے کی دریافت کا طریقہ سیکھا، لیکن جب نماز کا وقت آیا تو تمام معلومات بیکار ثابت ہوئیں، کیوں کہ ہوا ساکت تھی، آسمان ابر آلود تھا، سورج اور چاند بادلوں میں چھپے ہوئے تھے، دوسرے شخص نے علم حاصل کرنے ہی میں کوتاہی کی، اس امید پر رہا کہ راستے میں بہت سے لوگ بتلانے والے مل جائیں گے، یا فلاں فلاں لوگ میرے ساتھ ہیں اور وہ ان سے واقف ہیں، لیکن جب سفر شروع ہوا تو راستہ غیر آباد تھا، یا جن کے علم پر بھروسہ تھا وہ بھی اسی جیسے ثابت ہوئے۔ اب یہ لوگ کیا کریں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ لوگ وقت آنے پر جس طرح بھی ہو نماز پڑھ لیں، بعد میں اسکی قضا کریں، خواہ ٹھیک رخ پر پڑھی ہو یا کسی اور طرف کو پڑھی ہو۔ (۱) کسی نابینا یا جاہل کے لئے جائز نہیں ہے کہ وہ کسی ایسے قافلے میں شامل ہوئے بغیر سفر کرے جس میں قبلے کے دلائل سے واقف شخص موجود ہو، یہ ایسا ہی ہے کہ جیسے کسی جاہل کے لئے ایسے شہر میں قیام کرنا جائز نہیں جہاں دینی تعلیمات سے روشناس کرانے والا کوئی معتبر عالم یا مستند فقیہہ موجود نہ ہو، بلکہ اسکے لئے ضروری ہے کہ وہ اس شہر سے ہجرت کرے، اور کسی ایسی جگہ جاکر رہے جہاں دینی تعلیم دینے والا کوئی شخص موجود ہو، فاسق فقیہہ کا وجود معتبر نہیں، اس صورت میں بھی ترک وطن ضروری ہے، کیوں کہ فاسق فقیہہ کے فتاویٰ پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا، بلکہ قبول فتاویٰ کے سلسلے میں عدالت شرط ہے، اگر کوئی شخص فقہ میں معروف اور عدالت و ثقاہت میں مستور الحال ہو تو اس کے فتاویٰ مانے جاسکتے ہیں، بشرطیکہ کوئی ظاہر العدالت (جس کی عدالت واضح ہو) فقیہہ شہر میں موجود نہ ہو، اس لئے کہ کسی مسافر کے لئے یہ ممکن نہیں کہ وہ اپنے قیام کے مختصر وقفے میں مفتیوں کے حالات، اور عدالت ثقاہت میں اسکے درجات کی تحقیق کرتا پھرے۔ ہاں اگر ان کا فسق ظاہر ہو تب واقعتاً اجتناب ضروری ہے، مثلاً کوئی فقیہہ ریشمی کپڑے پہنے ہوئے ہو، یا کسی گھوڑے پر سوار ہو اور اس پر سونے کی زین کسی ہوئی ہو، یا کسی ایسے بادشاہ کے دسترخوان پر کھانا کھاتا ہو جس کا بیشتر مال حرام ہے، یا ظالم اور حرام مال رکھنے والے امراء و حکام سے ہدایا اور وظائف قبول کرتا ہو، یہ سب فسق کی علامات ہیں، ان سے عدالت مجروح ہوتی ہے، ایسے فقیہہ سے احتراز کرنا چاہیے، اور کسی معتبر فقیہہ کی جستجو کرنی چاہیے، انکا فتویٰ، انکی روایت، ان کی شہادت سب غیر معتبر اور لائق رد ہیں۔

اوقات نماز کے دلائل معرفت : نماز کے اوقات کا جاننا بھی ضروری ہے ظہر کا وقت آفتاب کے زوال کے بعد شروع ہوتا ہے، اور زوال کا اندازہ آسانی سے کیا جاسکتا ہے، طلوع آفتاب کے بعد ہر شخص کا سایہ مغرب میں لمبا ہوتا ہے، پھر جس قدر آفتاب اوپر اٹھتا ہے سایہ مختصر ہوجاتا ہے اور زوال کے وقت تک گھٹتا رہتا ہے، زوال کے بعد وہ سایہ مشرق میں بڑھتا ہے اور غروب تک بڑھتا ہی رہتا ہے، جب آفتاب خوب بلند ہوجائے اور دوپہر کا وقت قریب قریب آنے لگے، تو مسافر کسی جگہ کھڑا ہوجائے یا کوئی سیدھی لکڑی وغیرہ نصب کرے اور اسکے سائے کے سرے پر کوئی نشان لگادے، پھر ایک ساعت کے بعد اس سائے کو دیکھے اگر گھٹ رہا ہو تو یہ سمجھے کہ ابھی نماز کا وقت نہیں آیا، اگر جانب مشرق میں بڑھ رہا ہو تو سمجھے کہ ظہر کا وقت شروع ہوگیا ہے۔ ظہر کا وقت دریافت کرنے کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ اپنے شہر کے مؤذن کی اذان کے وقت اپنا سایہ دیکھ لے، اگر اسکا سایہ مثلاً خود اسکے قدم سے تین قدم ہو تو سفر میں بھی اسی تخمینے کے مطابق نماز پڑھے، اور جب سایہ مقدار سے ساڑھے چھ قدم زیادہ ہوجائے یعنی ساڑھے نو قدم ہوجائے تو عصر کی نماز پڑھے، جاننا چاہیے کہ گرمی میں سایہ زوال ہر روز بڑھتا ہے، اور سردی میں ہر روز گھٹتا ہے، زوال کی معرفت کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ وہ آلہ اپنے ساتھ رکھے جس سے زوال کا وقت معلوم اور مختلف موسموں

---

(۱) احناف ان حالات میں تحری (قبلہ معلوم کرنے کی کوشش) کا حکم دیتے ہیں، مسافر کو چاہئے کہ اگر اسے کوئی قبلہ بتلانے والا نہ ملے اور وہ خود قبلے کے دلائل سے ناواقف ہو تو وہ دل میں سوچے اور جدھر دل گواہی دے ادھر نماز پڑھے اس صورت میں نماز ہوجائے گی اور بعد میں قبلہ معلوم ہونے پر قضا کی ضرورت نہیں رہے گی، خواہ صحیح رخ پر پڑھی ہو یا غلط رخ پر ہاں اگر بے سوچے سمجھے پڑھیگا تو نماز نہیں ہوگی، بلکہ بعد میں معلوم ہوجائے کہ اس نے قبلہ ہی کی طرف نماز پڑھی ہے تب بھی نماز نہیں ہوئی۔ یہ دراصل تحری نہ کرنے کی سزا ہے۔ در مختار ص ۴۵۰ ج ۱)

میں سایہ زوال کے گھٹنے بڑھنے کی کیفیت معلوم کی جاتی ہو۔ اگر پہلے سے یہ بات معلوم ہو کہ قبلہ رخ آدمی کے سایہ کی زوال کے وقت کیا کیفیت ہوتی ہے تو ان جگہوں پر جہاں قبلہ کسی دلیل سے معلوم ہو جائے زوال کا علم حاصل کرلینا آسان ہے یعنی جب یہ دیکھے کہ قبلہ رخ آدمی کے سایہ کی وہ کیفیت ہو گئی جو زوال کے وقت ہوتی ہے تو سمجھ لے کہ ظہر کا وقت شروع ہو گیا۔ مغرب کے وقت کی صحیح پہچان غروب آفتاب ہے۔ بعض اوقات سورج پہاڑوں کے پیچھے چلا جاتا ہے' اس صورت میں مشرق پر نظر رکھنی چاہیے' جب مشرقی افق پر تاریکی ایک نیزہ کے بقدر اونچی ہو جاتی ہے تو مغرب کا وقت شروع ہو جاتا ہے' عشاء کا وقت شفق کے غروب سے شروع ہوتا ہے' اگر پہاڑوں کی وجہ سے شفق نظر نہ آئے تو ننھے ننھے ستاروں کے طلوع اور کثرت کا منتظر رہے' رات گزر جانے کے بعد اولا بھیڑیئے کی دم کی طرح ایک لمبی روشنی افق میں ظاہر ہوتی ہے' یہ صبح کاذب ہے اسکا کوئی اعتبار نہیں تھوڑی دیر کے بعد چوڑائی میں سفیدی ظاہر ہوتی ہے آنکھوں سے اسکا مشاہدہ کرلینا کچھ مشکل نہیں ہے' یہ صبح کا ابتدائی وقت ہے' سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے صبح کاذب کے وقت نمودار ہونے والی سفیدی اور صبح صادق کے وقت ظاہر ہونے والی روشنی کی تفہیم کے لئے اپنی دونوں ہتھیلیاں ملائیں اور فرمایا کہ صبح ایسی نہیں ہوتی' پھر ایک سبابہ (انگشت شہادت) کو دوسری سبابہ پر رکھا اور انھیں کھول کر دکھلایا۔ (۱) اسمیں اشارہ تھا کہ صبح کی سفیدی عریض (پھیلی ہوئی) ہوتی ہے۔ بعض لوگ طلوع صبح پر منازل سے استدلال کرتے ہیں لیکن اس طرح کے استدلات یقینی نہیں ہوتے' اعتماد مشاہدہ پر ہی ہونا چاہیے یعنی' جب یہ دیکھ لے سفیدی عرض پر پھیل گئی ہے تب طلوع صبح کا یقین کرے' بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ صبح سورج نکلنے سے چار منزل پیشتر طلوع ہوتی ہے' یہ ان کی غلط فہمی ہے' طلوع آفتاب سے چار منزل پیشتر ظاہر ہونے والی سفیدی صبح کاذب کی ہے۔ محققین علماء کے نزدیک دو منزل قبل صبح نمودار ہوتی ہے' انکی یہ رائے اور اندازہ قیاس پر مبنی ہیں' اس پر بھی اعتماد نہیں کیا جاسکتا' اسلئے کہ بعض منازل عرض میں انحراف کے ساتھ نکلتی ہیں' اور ان کے طلوع کا زمانہ بھی مختصر ہوتا ہے' بعض سیدھی نکلتی ہیں' اور انکے طلوع کا زمانہ طویل ہوتا ہے' منازل کی یہ کیفیت ہر ملک میں الگ ہے منازل پر قطعی اعتماد تو نہیں کیا جاسکتا البتہ ان سے اتنا ضرور معلوم ہو جاتا ہے کہ صبح کا وقت قریب ہے یا دور ہے' یہ کہنا صحیح نہ ہوگا کہ دو منزل پیشتر وقت کو صبح کا اول وقت کہہ دیں' صبح اس سے پہلے طلوع ہوتی ہے' لیکن چار منزل پہلے بھی نہیں' وہ وقت صبح کاذب کا ہے' اس سے یہ بات معلوم ہوئی کہ وہ منزل قبل کا وقت یقینی طور پر صبح کا وقت ہے' اور چار منزل پہلے کا وقت یقیناً صبح کاذب کا وقت ہے' درمیانی وقت مشکوک ہے' یہ وہ وقت ہے جب کہ افق میں سفیدی کا ظہور ہوتا ہے' لیکن ابھی پھیلنا شروع نہیں ہوتی بہتر تو یہ ہے کہ روزہ دار اسی وقت سے کھانا پینا چھوڑ دے' اور شب زندہ دار نماز اس مشکوک وقت سے پہلے پہلے وتر ادا کرلے' البتہ صبح کی نماز اسی وقت پڑھے جب شک کا وقفہ ختم ہو جائے' اور صبح کا یقینی وقت ظاہر ہو جائے' سالک کے لئے کوئی ایسا متعین وقت معلوم کرلینا ممکن نہیں جس میں وہ سحری کے لئے کھانا کھاسکے اور اسکے فوراً بعد صبح کی نماز کے لئے کھڑا ہو جائے' بلکہ سحری موقوف کرنے اور صبح کی نماز پڑھنے کے درمیان ایک مشکوک وقفہ ضروری ہوتا ہے۔ خلاصہ یہ کہ اعتماد مشاہدے پر ہے' اور مشاہدے پر بھی اعتماد اسی وقت ہے کہ روشنی عرض میں پھیل جائے' اور زردی کا آغاز ہو جائے اس سلسلے میں بہت سے لوگ غلطی کر بیٹھتے ہیں اور غلط وقت میں نماز پڑھ لیتے ہیں' ہمارا مستدل وہ روایت ہے جو ابو عیسیٰ ترمذی نے اپنی سنن میں طلق ابن علی سے نقل کی ہے' فرماتے ہیں :۔

كلوا واشربوا ولا يهينكم الساطع المصعد' وكلوا واشربوا حتّٰى يعترض لكم الاحمر

---

(۱) یہ روایت ابن ماجہ میں ابن مسعودؓ سے منقول ہے' مگر اس میں ہتھیلیوں اور انگشت ہائے شہادت کی تمثیل کا ذکر نہیں۔ اسی مضمون کی ایک روایت احمد میں طلق ابن علی سے ہے فرمایا "ليس الفجر المستطيل في الافق لكنه المعترض الاحمر"

کھاؤ اور پیو (سحری میں) ایسا نہ ہو کہ تمہیں اوپر چڑھنے والی روشنی منتظر کردے (اور تم کھانا پینا موقوف کردو) بلکہ اس وقت تک کھاؤ پیو جب تک سرخی نہ پھیل جائے۔

ترمذی فرماتے ہیں کہ اس باب میں عدی ابن حاتم، ابوذر، اور سمرہ ابن جندب کی روایات بھی ہیں، یہ حدیث حسن اور اہل علم کے نزدیک معمول بھی ہے، حضرت عبداللہ ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ جب تک روشنی نہ پھیل جائے کھاتے پیتے رہو، ابن عباسؓ نے لفظ "ساطع" کہا ہے صاحب الغریبین نے اس کی تفسیر "مستطیل" سے کی ہے یعنی جب تک روشنی لمبائی میں نہ پھیل جائے، اس سے معلوم ہوا کہ مسافر کو زردی کے ظہور کے علاوہ کسی چیز پر اعتماد نہ کرنا چاہیے، مسافر کے لئے نماز کے اوقات کا جاننا اس لئے ضروری ہے کہ وہ بعض اوقات کوچ کرنے سے پہلے نماز پڑھنا چاہتا ہے تاکہ راستے میں اترنا نہ پڑے، یا جلدی نماز پڑھنا چاہتا ہے تاکہ آرام کرلے، اگر کوئی شخص نماز کو یقینی وقت تک کے لئے موخر کرنے کی قدرت رکھتا ہو تو یہ زیادہ بہتر صورت ہے اگرچہ اس میں تکلیف زیادہ ہے اور اول وقت کی فضیلت کا ضیاع بھی ہے، مگر اس تاخیر سے یقینی وقت میں نماز ادا ہوتی ہے، اور اول وقت معلوم کرنے کے لئے جدوجہد نہیں کرنی پڑتی۔

کتاب آداب السماع والوجد سماع اور وجد کے آداب کا بیان (۱)

جاننا چاہیے کہ جس طرح پتھر اور لوہے میں آگ اور زمین کے سینے میں پانی پوشیدہ ہے اسی طرح دلوں میں اسرار کے خزینے اور جواہر مخفی ہیں، دلوں کے مخفی اسرار کے اظہار کی تدبیر سماع سے بہتر کوئی دوسری نہیں ہے، جو راستہ کانوں سے ہو کر گزرتا ہے وہ براہ راست دلوں سے متعلق ہے، موزوں اور خوبصورت نغمے باطن کو آشکار کرتے ہیں، خواہ وہ برائیوں سے پر ہوں یا نیکیوں سے مزین وہ معمور دل بھرے ہوئے برتن کی طرح ہے جب اسکو الٹو گے تو وہی نکلے جو اس میں ہوگا دلوں کے لئے سماع ایک سچی کسوٹی اور معیار صادق ہے جب یہ نغمات دل پر اثر انداز ہوں گے ان سے وہی باتیں ظاہر ہوں گی جو ان پر غالب ہیں خواہ وہ باتیں اچھی ہوں یا بری، آج کل لوگ سماع کی طرف زیادہ مائل ہیں، اسلئے ہم سماع اور وجد کی حقیقت، اسکے جواز و عدم میں علماء کا اختلاف، فوائد اور نقصانات، اور شرائط و آداب کا تفصیل سے ذکر کرنا چاہتے ہیں، تاکہ یہ موضوع منشرح ہو کر سامنے آجائے اور کسی طرح کا کوئی گنجلک یا خفا باقی نہ رہے۔

پہلا باب
سماع کے جواز میں علماء کا اختلاف اور قول فیصل

جاننا چاہیے کہ اول سماع ہوتا ہے، سماع سے دل پر ایک حال طاری ہوتا ہے اسے وجد کہتے ہیں، وجد سے اعضاء کو حرکت ہوتی ہے، اگر وہ حرکت غیر موزوں ہو تو اس کا نام اضطرب ہے، اور موزوں ہو تو حال اور رقص ہے۔ اس باب میں پہلے ہم سماع کا حکم بیان کریں گے اور وہ مختلف اقوال ذکر کریں گے جو اس سلسلے میں وارد ہیں، پھر سماع کے جواز پر سیر حاصل گفتگو کریں گے، اور آخر میں ان دلائل کا جواب دیں گے جو اس کی حرمت کے قائلین سے منقول ہیں۔

علماء کے اقوال کی روشنی میں سماع

قاضی ابوالطیب طبری نے امام شافعیؒ امام مالکؒ امام ابو حنیفہؒ سفیان ثوریؒ اور دوسرے متعدد علماء کے حوالے سے نقل کیا

(۱) سماع ایک اختلافی موضوع ہے "کتاب السماع والوجد" کے آخر میں ہم نے اس موضوع پر حضرت تھانویؒ کے افادات حواشی میں درج کئے ہیں۔ قارئین کرام وہ حواشی ضرور دیکھ لیں۔

ہے کہ یہ حضرات سماع کی حرمت کے قائل تھے' امام شافعیؒ نے کتاب آداب القضاء میں لکھا ہے کہ راگ ایک لغو اور ناپسندیدہ کھیل ہے اور باطل کے مشابہ ہے جو شخص بکثرت اس کھیل میں حصہ لے وہ احمق ہے اسکی شہادت قبول نہ کیا جائے۔ قاضی ابو الطیب طبری کہتے ہیں کہ شوافع کے نزدیک غیر محرم عورت سے گانا سننا کسی بھی حالت میں جائز نہیں ہے خواہ وہ بے پردہ ہو' یا پردہ میں ہو' آزاد ہو یا لونڈی ہو' حضرت امام شافعیؒ یہ بھی فرماتے ہیں کہ آقا کا اپنی باندی کے گیت سننے کے لئے لوگوں کو جمع کرنا حماقت کی دلیل ہے' ایسے شخص کی گواہی تسلیم نہ کی جائے' امام شافعیؒ لکڑی وغیرہ سے گت لگانے کو ناپسند فرماتے تھے' ان کا کہنا تھا کہ یہ راگ اور باجے زندیقوں کی ایجاد ہیں اور مقصد ایجاد یہ ہے کہ لوگ قرآن پاک کی تلاوت کرنے اور سننے سے غافل ہو جائیں۔ امام شافعیؒ یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ نردے کھیلنا دوسرے کھیلوں کی بنسبت زیادہ ناپسندیدہ اور مکروہ ہے' میں شطرنج بھی ناپسند کرتا ہوں' اور ان تمام کھیلوں سے بھی مجھے نفرت ہے جن میں لوگ مشغول ہیں' اسلئے کہ لہو و لعب دین دار اور شریف لوگوں کا شیوہ نہیں ہے' امام مالکؒ کے نزدیک بھی گانا ممنوع ہے۔ فرمایا کرتے تھے کہ اگر کوئی شخص باندی خریدے اور بعد میں یہ معلوم ہو کہ وہ مغنیّہ ہے تو اسے واپس کر دینا چاہیے۔ ابراہیم ابن سعدؒ کے علاوہ تمام اہل مدینہ کا یہی مسلک ہے۔ امام ابو حنیفہؒ نے بھی سماع سے منع فرمایا' اور اسے گناہ قرار دیا۔ سفیان ثوریؒ' حماد' ابراہیم' شعبی اور دوسرے تمام فقہائے اہل کوفہ کی بھی وہی رائے ہے جو امام ابو حنیفہؒ کی ہے۔ سماع کی مخالفت کے سلسلے میں وارد یہ اقوال' اور فقہائے امت کے ارشادات قاضی ابو الطیب طبری نے نقل کئے ہیں' ابو طالب مکیؒ سماع کی اباحت کے قائل ہیں' اس سلسلے میں انھوں نے بہت سے صحابہ و تابعین اور بزرگان دین کے عمل سے استدلال کیا ہے' ان کے بقول صحابہ میں سے عبداللہ ابن جعفرؓ' عبداللہ ابن زبیرؓ' مغیرہ بن شعبہؓ اور معاویہؓ وغیرہ حضرات سے سماع منقول ہے مکہ کے رہنے والے سال کے ان افضل ترین ایام میں سنتے ہیں جن میں اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو ذکر کا حکم دیا ہے مثلاً ایام تشریق میں۔ مکہ والوں کی طرح اہل مدینہ بھی سنتے رہے ہیں' اور آج کے دن تک وہ لوگ سماع کی محفلوں میں شریک ہوتے ہیں۔ ہم نے قاضی ابو مروان کے پاس باندیاں دیکھیں جن کا مصرف یہ تھا کہ وہ صوفیوں کو راگ سنایا کرتی تھیں' عطاء کے پاس بھی دو گانے والی باندیاں تھیں' انکے بعض دوست و احباب بھی ان باندیوں سے نغمے سنا کرتے تھے' لوگوں نے ابو الحسن ابن سالم سے کہا کہ تم سماع کا انکار کرتے ہو' حالانکہ جنید بغدادی سری سقطی اور ذوالنون مصری جیسے اکابر اسے جائز کہتے ہیں؟ فرمایا : بھلا میں کیسے انکار کر سکتا ہوں جب کہ مجھ سے بہتر لوگ اسکے قائل ہیں اور اسے اچھا سمجھتے ہیں؟ عبداللہ ابن جعفر طیار سے بھی سماع منقول ہے فرمایا کرتے تھے کہ میں سماع میں لہو و لعب پسند نہیں کرتا۔ یحییٰ ابن معاذ فرماتے ہیں کہ ہم نے تین چیزیں ضائع کر دیں' اب شاید ہی ہمیں یہ چیزیں مل سکیں' ایک خوبصورتی کیساتھ حفاظت' دوسری خوش گفتاری کے ساتھ دیانت اور تیسری وفاداری کے ساتھ حسن اخوت' بعض کتابوں میں اس مقولہ کو حرث ابن محاسبی کی طرف منسوب کیا گیا۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ یحییٰ ابن معاذ یا حرث ابن محاسبی اپنے زہد' تقویٰ' اور دین کے میدان میں سخت ترین جدوجہد کے باوجود سماع کو جائز سمجھتے تھے۔ ابو طالب مکی کہتے ہیں کہ ابن مجاہد ایسی دعوت قبول نہ فرماتے جو سماع سے خالی ہوتی' بہت سے لوگوں نے یہ واقعہ نقل کیا ہے کہ ہم کسی دعوت میں شریک تھے ہمارے ساتھ منیع کے نواسے ابو القاسم' ابوبکر ابن داؤد اور ابن مجاہد بھی تھے' اسی دوران محفل سماع جمی' ابن مجاہد نے ابو القاسم سے کہا کہ ابوبکر ابن داؤد کو سماع کے لئے تیار کرو' ابوبکر نے معذرت کی اور اپنے والد کا حوالہ دیا کہ انھوں نے امام احمد ابن حنبلؒ سے سماع کی کراہت نقل کی ہے' اور میں بھی امام احمدؒ کا پیرو ہوں' ابو القاسم کہنے لگے کہ میرے نانا احمد ابن منیع نے مجھ سے صالح ابن احمد کا قول نقل کیا کہ ان کے والد ابن خیازہ کا کلام سنا کرتے تھے۔ ابن مجاہد نے ابوبکر سے کہا کہ تم اپنے والد کا قول رہنے دو اور ابو القاسم سے کہا کہ تم ابھی اپنے نانا کا حوالہ مت دو میں تم سے صرف اتنا دریافت کرنا چاہتا ہوں کہ کیا شعر پڑھنا اور پڑھنے والے کا خوش آواز ہونا حرام ہے؟ ابوبکر نے جواب دیا نہیں' ابن مجاہد نے پوچھا کیا کسی شخص کے لئے جائز نہیں کہ وہ شعر پڑھنے کے دوران ممدود الفاظ کو مقصود کردے' اور مقصور کو ممدود کردے (یعنی کھینچ تان کر پڑھے اور آواز کے زیر و بم اور اتار چڑھاو کا خیال رکھے) جواب

دیا نہیں، یہ بھی حرام نہیں، اسکے بعد کہنے لگے کہ میں آج تک ایک شیطان پر غالب نہ آسکا تھا اب دو شیطانوں پر کیسے غالب آسکتا ہوں، ابو طالب مکیؒ کہتے ہیں کہ ابوالحسن عسقلانیؒ اپنے وقت کے مشہور بزرگ تھے' ان سے سماع منقول ہے' بعض اوقات وہ سماع کے دوران بے ہوش بھی ہوجاتے تھے۔ انہوں نے سماع کی تائید میں ایک مستقل کتاب تصنیف کی ہے' اس میں جواز کے دلائل کے ساتھ ساتھ منکرین سماع کا بھرپور رد بھی ہے۔ کسی بزرگ سے منقول ہے کہ میں نے ابوالعباس حضرت خضر علیہ السلام کو دیکھا اور ان سے دریافت کیا کہ اس سماع کے متعلق آپ کی کیا رائے ہے جس میں ہمارے اصحاب کا اختلاف ہے' انہوں نے جواب دیا کہ یہ ایک صاف ستھری چیز ہے لیکن اسکے سامنے علماء ہی ثابت قدم رہ سکتے ہیں' جاہلوں کو لغزش کا خطرہ لاحق ہے۔ ممشاد دینوریؒ کہتے ہیں کہ میں خواب میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہوا' میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کیا آپ سماع کو ناپسند فرماتے ہیں؟ آپ نے ارشاد فرمایا کہ میں اسے ناپسند نہیں کرتا' لیکن لوگوں سے کہو کہ وہ سماع کے اول و آخر میں قرآن پاک کی تلاوت کرلیا کریں۔ طاہر ابن ہلال ہمدانی وراق جو ایک صاحب علم بزرگ تھے خود اپنا واقعہ بیان فرماتے ہیں کہ میں جدہ میں سمندر کے کنارے بنی ہوئی جامع مسجد میں معتکف تھا' ایک دن میں نے دیکھا کہ کچھ لوگ مسجد کے ایک گوشے میں بیٹھے ہوئے اشعار سن رہے ہیں' مجھے ان کی یہ حرکت اچھی نہیں لگی کہ وہ اللہ کے گھر میں شعر پڑھنے اور سننے میں مشغول ہیں' اس رات میں نے خواب میں دیکھا کہ جس جگہ وہ لوگ سماع میں معروف تھے وہاں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما ہیں' اور حضرت ابوبکر صدیقؓ انھیں اشعار سنا رہے ہیں' آپ پر وجد کی سی کیفیت طاری ہے' اور آپ بار بار اپنا دست مبارک سینہ مبارک پر رکھ لیتے ہیں' میں نے یہ منظر دیکھا تو صبح کے واقعے پر ندامت ہوئی کہ میں نے ان لوگوں کے سماع کو کیوں برا سمجھا' یہاں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی سنتے ہیں اور حضرت ابوبکر صدیقؓ جیسے اکابر صحابہ سناتے ہیں۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے میری طرف متوجہ ہوکر فرمایا۔ ھذا حق بحق (یہ درست ہے حق کے بموجب) یا یہ فرمایا ھذا حق من حق (یہ حق ہے حق کی طرف سے) مجھے یاد نہیں رہا کہ آپ نے دو جملوں میں سے کون سا جملہ فرمایا۔ حضرت جنید بغدادیؒ فرماتے ہیں کہ صوفیوں کی جماعت تین مواقع پر رحمت رب کریم سے مستفید ہوتی ہے' ایک کھانے کے وقت' کیوں کہ یہ لوگ فاقہ کئے بغیر نہیں کھاتے' دوسرے باہمی مذاکرے کے وقت' کیوں کہ ان لوگوں کی گفتگو کا موضوع صدیقین کے مقامات کے علاوہ کوئی دوسرا نہیں ہوتا۔ تیسرے سماع کے وقت' کیوں کہ یہ لوگ وجد کی کیفیت کے ساتھ سنتے ہیں اور حق کا مشاہدہ کرتے ہیں' ابن جریجؒ نے بھی سماع کی اجازت دی ہے' ایک مرتبہ کسی شخص نے ان سے دریافت کیا کہ آپ سماع میں رخصت کے قائل ہیں آیا فعل قیامت کے دن نیکیوں میں شمار ہوگا یا گناہوں میں؟ فرمایا نہ نیکیوں میں اور نہ گناہوں میں' بلکہ یہ لغو کے مشابہ ہے' اور لغو کے متعلق باری تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيْٓ اَيْمَانِكُمْ (پ ۷، ر ۲ آیت ۸۹)

اللہ تعالیٰ تم سے مواخذہ نہیں فرماتے تمہاری قسموں میں لغو قسم (توڑنے) پر

بہرحال سماع کے سلسلے میں یہ مختلف اقوال ہیں' تقلید کی راہ سے حق کی جستجو کرنے والا ان اقوال کے اختلاف سے حیران رہ جاتا ہے' اور وہ کوئی فیصلہ نہیں کرپاتا کہ اس مسئلے میں حق کیا ہے' یا جدھر اسکی طبیعت مائل ہوتی ہے ادھر چلا جاتا ہے' یہ ایک غلط بات ہے اور دین میں نقصان کا باعث ہے' حق کو حق کے راستے سے طلب کرنا چاہیے یعنی کسی بھی چیز سے متعلق اسکے تمام پہلوؤں کا علم حاصل کرنا چاہیے خواہ وہ ممنوع ہوں یا مباح' اور اس علم کے ذریعے حق تک پہنچنا چاہیے' ذیل میں ہم سماع کا اس نقطۂ نظر سے جائزہ لیتے ہیں۔

سماع کی اباحت کی دلیل

کسی بھی چیز کے حرام ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ باری تعالیٰ کی مرضی کے مطابق نہیں ہے' اور یہ کہ قیامت کے دن اس پر مواخذہ ہوگا' اور مرتکب کو سزا دی جائے گی' اس قاعدہ کی رو سے سماع کی حرمت کے قائلین گویا اہل سماع کے معذب ہونے کا

دعویٰ کرتے ہیں۔ لیکن عذاب کا معاملہ ایسا نہیں ہے کہ محض عقل سے معلوم ہو جائے بلکہ اسکے لئے نقلی دلائل کی ضرورت ہے' نقلی دلائل شریعت سے ماخوذ ہوتے ہیں' اور شریعت نص اور منصوص پر قیاس میں منحصر ہے' ہمیں دیکھنا یہ ہے کہ سماع کی حرمت نص سے ثابت ہے یا قیاس سے؟ نص سے ہماری مراد وہ بات ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے قول یا فعل سے ظاہر فرمائی' اور قیاس سے وہ مفہوم مراد ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قول یا فعل سے اخذ کیا گیا ہو' اگر کسی مسئلے کی حرمت نہ نص سے ثابت ہوتی ہو اور نہ قیاس سے تو وہ ایک مباح امر ہے' یعنی اسکے کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے' اسکی حرمت کا قول باطل ہے' اس اصل کی روشنی میں جب ہم سماع کا جائزہ لیتے ہیں تو اسکی حرمت پر دلالت کرنے والی کوئی نص ہمیں نہیں ملتی' اور نہ قیاس ہی سے اسکی حرمت ثابت ہوتی ہے' ہمارا یہ دعویٰ مکمل طور سے اس وقت ثابت ہوگا جب ہم قائلین حرمت کے دلائل کا جواب دیں گے اور اسکے بعد مزید کسی دلیل کی ضرورت باقی نہیں رہے گی' لیکن اس سے پہلے ہم سماع کے جواز پر دوسرے پہلو سے گفتگو کرنا چاہتے ہیں اور وہ یہ کہ نص اور قیاس دونوں ہی سماع کی اباحت پر دلالت کرتے ہیں۔

سماع کی اباحت پر قیاس کی دلالت: سماع کئی چیزوں کے مجموعہ کا نام ہے اولاً ہم ان تمام چیزوں کا الگ الگ جائزہ لیں گے' پھر ان کے مجموعہ پر گفتگو ہوگی' سماع نام ہے ایسی خوبصورت موزوں اور بامعنی آواز سننے کا جو دل میں مؤثر ہو اور اسے تحریک دے' اس تعریف کی رو سے سماع میں اصل وصف آواز کا حسن ہے' پھر اس کی دو قسمیں ہیں' موزوں اور غیر موزوں' موزوں کی بھی دو قسمیں ہیں' ایک وہ جس کے معنی سمجھ میں آئیں جیسے اشعار اور دوسرے وہ جس کے معنی سمجھ میں نہ آئیں جیسے جمادات اور حیوانات کی آوازیں' اب آیئے وصف عام کی طرف۔ خوب صورت آواز سننا اس حیثیت سے کہ وہ خوبصورت ہے حرام نہیں ہے' بلکہ نص اور قیاس دونوں ہی سے اس کا جواز ثابت ہوتا ہے۔

قیاس کا حاصل یہ ہے کہ حاسۂ سمع اپنی مخصوص چیز (آواز) کے ادراک سے لذت پاتا ہے اور یہ امر صرف حاسۂ سمع ہی کے ساتھ خاص نہیں ہے بلکہ انسان کے دوسرے حواس بھی اپنے اپنی پسندیدہ چیزوں سے لذت حاصل کرتے ہیں' انسان کے لئے ایک عقل اور پانچ حواس ہیں' اور ہر حاسے کا ایک ادراک ہے' یہ حواس جن چیزوں کا ادراک کرتے ہیں' ان میں سے بعض انھیں بری معلوم ہوتی ہیں' اور بعض اچھی معلوم ہوتی ہیں' مثلاً آنکھ کو خوبصورت چیزوں میں سبزہ زار' رواں دواں پانی کے مناظر' اور تمام بہترین رنگ اچھے لگتے ہیں اور انھیں دیکھ کر آنکھ کے حاسے کو لذت ملتی ہے' میلے رنگ' خشک مناظر' اور بری صورتوں سے اسے نفرت ہوتی ہے' اور انھیں دیکھ کر اسے تکلیف ہوتی ہے' حاسۂ شم (سونگھنے کے حاسہ) کو خوشبوؤں سے لذت ملتی ہے اور بدبوؤں سے کراہت ہوتی ہے۔ ذائقہ کی حس کو روغنی' مزیدار' میٹھی چیزوں سے رغبت ہے' تلخ' بدمزہ اور کڑوی کسیلی چیزیں اسے بری لگتی ہیں' لمس (چھونے) کے حاسئے کو ان چیزوں سے لذت ملتی ہے' سخت اور کھردری چیزیں اس حاسئے کو اچھی نہیں لگتیں' عقل کو جہالت اور خوردہ ذہنی کے بجائے علم و معرفت سے دلچسپی ہے یہی حال آوازوں کا ہے بعض آوازیں اچھی ہوتی ہیں اور کان ان سے لذت پاتے ہیں جیسے بلبلوں کے چہچے اور سارنگی' خوبصورت آواز' بعض آوازیں انتہائی کریہہ ہوتی ہیں' اور انسان کسی بھی قیمت پر انھیں خوش دلی کے ساتھ سننا گوارا نہیں کرتا جیسے گدھے کی آواز معلوم ہوا کہ حاسۂ سمع بھی دوسرے حواس کی طرح ہے' جس طرح انھیں اچھی چیزیں اچھی اور بری چیزیں بری معلوم ہوتی ہیں' اسی طرح حاسۂ سمع کو بھی اچھی آوازیں اچھی اور بری آوازیں بری لگتی ہیں۔

نص کی دلالت: اللہ تعالیٰ نے خوش آوازی عطا کی ہے اور اسے اپنا احسان قرار دیا ہے' اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اچھی آواز سننا مباح ہے ارشاد ربانی ہے:۔

يَزِيدُ فِي الْخَلْقِ مَا يَشَاءُ (پ ۲۲ ر ۱۳ آیت ۱)

وہ پیدائش میں جو چاہے زیادہ کرتا ہے۔
کہتے ہیں کہ خلق (خلقت) میں اس زیادتی سے مراد خوش آوازی ہے ایک حدیث میں ہے :۔

مابعث اللّٰہ نبیا الاحسن الصوت و کان نبیکم حسن الوجه وحسن الصوت (۱)
(شمائل ترمذی)

اللہ تعالیٰ نے کسی نبی کو نہیں بھیجا مگر خوش آواز (بناکر) اور تمہارے نبی (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) خوبصورت اور خوش آواز تھے۔
سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں :۔

للّٰہ اشد اذنا للرجل الحسن الصوت بالقران من صاحب القینة لقینته (۲)

گانے والی لونڈی کا مالک اپنی لونڈی کا گانا جس توجہ سے سنتا ہے اس سے کہیں زیادہ توجہ سے اللہ تعالیٰ قرآن کریم کی تلاوت کرنے والے کی تلاوت سنتا ہے۔
حضرت داؤد علیہ السلام کی خوش آوازی کی تعریف ان الفاظ میں کی گئی :۔

انه کان حسن الصوت فی النیاحة علی نفسه و فی تلاوة الزبور حتّٰی کان یجتمع الانس والجن والوحوش والطیر لسماع صوته' وکان یحمل عن مجلسه اربعمائة جنازة ومایقرب منها فی الاوقات (۳)

وہ اپنے نفس پر نوحہ کرنے اور زبور کی تلاوت کرنے میں خوش آواز تھے یہاں تک کہ ان کی آواز سننے کے لئے انسان' جنات' چرند پرند سب جمع ہو جایا کرتے تھے' اور انکی مجلس سے (ان) اوقات میں تقریباً چار سو جنازے اٹھ جایا کرتے تھے۔
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو موسیٰ اشعریؓ کی تعریف میں ارشاد فرمایا :۔

لقد اعطی مزمارا من مزامیر آل داود (۴)

اس شخص کو آل داؤد کی لَے عطا کی گئی ہے۔
قرآن کریم کی یہ آیت :۔

اِنَّ اَنْکَرَ الْاَصْوَاتِ لَصَوْتُ الْحَمِیْرِ (پ ۲۱ ر ۱۱ آیت ۱۹)

بے شک آوازوں میں سب سے بری آواز گدھوں کی آواز ہے۔
اپنے مفہوم کے اعتبار سے اچھی آواز کی تعریف ہے' اگر کوئی شخص یہ کہے کہ خوش آوازی مستحسن ہے اور اس کا سننا بھی جائز ہے بشرطیکہ اسکا تعلق قرآن پاک کی تلاوت سے ہو تو اس سے پوچھا جائے گا کہ بلبل کی آواز کے متعلق تم کیا کہتے ہو' ظاہر ہے بلبل قرآن پاک کی تلاوت نہیں کرتی' وہ تو بے معنی جملے بولتی ہے' کیا اس کی آواز سننا بھی حرام ہے؟ اگر جواب نفی میں ہے تو ہم یہ سوال ضرور کریں گے کہ جب اچھی آواز میں بے معنی الفاظ سننا جائز ہے تو وہ آواز سننا کیوں جائز نہیں جس میں حکمت و معرفت کی باتیں اور بامعنی الفاظ پائے جائیں' بعض اشعار حکمت سے پر ہوتے ہیں اور ان کا سننا نفع سے خالی نہیں ہوتا۔

آواز کی خوبصورتی اور کلام کی موزونیت : اب تک سماع کے وصف اول یعنی آواز کی خوبصورتی زیر بحث تھی' اب

(۱) روایت کا دوسرا ٹکڑا راوی حضرت قتادہ کا مقولہ ہے (۲) یہ روایت کتاب آداب تلاوۃ القرآن میں گزر چکی ہے (۳) یہ حدیث مجھے نہیں ملی (۴) یہ روایت کتاب آداب التلاوۃ میں گزر چکی ہے۔

آواز کی موزونیت کو لیجئے' وزن اور حسن دو الگ الگ چیزیں ہیں' بعض آوازیں حسین ہوتی ہیں لیکن ان میں وزن نہیں ہوتا' بعض آوازیں موزوں ہوتی ہیں لیکن حسن سے محروم ہوتی ہیں سننے والے کو اچھی نہیں لگتیں' موزوں آوازیں اپنے مخارج کے اعتبار سے تین طرح کی ہیں' ایک وہ جو جمادات سے نکلیں جیسے بانسری' ستار' ڈھول اور طبلے کی آواز' دوسری وہ جو انسان کے گلے سے نکلیں' تیسری وہ جو حیوانات کے گلوں سے برآمد ہوں جیسے بلبلوں' قمریوں اور دوسرے خوش الحان مسجع کلام پرندوں کی آوازیں ـــــ یہ آوازیں خوبصورت بھی ہوتی ہیں اور موزوں بھی' یعنی ان کی ابتدا و انتہا متناسب اور یکساں ہوتی ہیں۔ اسلئے یہ کانوں کو بھلی لگتی ہیں' آوازوں میں اصل حیوانات کے گلے ہیں' جمادات (باجوں گاجوں) کی آوازیں حیوانات کے گلوں پر قیاس کرکے ہی بنائی گئی ہیں تاکہ انسانی صنعت خدائی خلقت کے مشابہ ہوجائے۔ کاریگروں نے اب تک کوئی ایسی چیز نہیں بنائی جس کی کوئی مثال اور نمونہ مخلوق میں موجود نہ ہو۔ اس کی شرح تفصیل طلب ہے' اور موضوع سے خارج بھی ہے ورنہ ہم بتلاتے کہ بندوں نے کن کن چیزوں میں اپنے رب کی تخلیقی نمونوں کی اقتداء کی ہے ـــــ خلاصۂ کلام یہ ہے کہ ان آوازوں کا سننا حرام نہیں ہوسکتا' کیوں کہ یہ اچھی بھی ہیں اور موزوں بھی۔ کوئی شخص بھی یہ نہیں کہتا کہ بلبلوں اور قمریوں کی آوازیں حرام ہیں' انھیں سننا ناجائز ہے' آوازیں سب یکساں ہیں خواہ وہ کسی انسان کے گلے سے نکلیں یا حیوان کے' یا جماد سے برآمد ہوں' ان تمام آوازوں کو بلبلوں کی آوازوں پر قیاس کرنا چاہیے جو آدمی کے اختیار سے وجود میں آئیں جیسے خود اس کے حلق سے کوئی آواز نکلے' یا ڈھول اور طبلہ بجانے سے کوئی آواز پیدا ہو۔ استثناء صرف ان آوازوں کا ہونا چاہیے جو آلات لہو' تار کے باجوں اور مزامیر وغیرہ سے نکلیں' کیوں کہ شریعت نے ان سے منع کیا ہے (منع کی روایت بخاری میں ابو عامر اور ابو مالک اشعری سے منقول ہے) مگر یہ ممانعت اسلئے نہیں کہ ان سے لذت ملتی ہے' اگر لذت کی وجہ سے منع کیا جاتا تو ہر وہ چیز ممنوع ہوتی ہے جس سے انسان لذت حاصل کرتا ہے' ان کی ممانعت کی وجہ دوسری تھی' اصل میں عرب شراب کے بہت زیادہ رسیا تھے' جب اسکی حرمت کا حکم نازل ہوا تو ان کے شوق اور حرص کی شدت کے پیش نظر اس حکم پر عمل کرانے میں بہت زیادہ سختی سے کام لیا گیا یہاں تک کہ ان مٹکوں کو توڑنے کا حکم بھی نازل ہوا جن میں شراب ذخیرہ کی جاتی تھی' اور ان برتنوں کا استعمال بھی ممنوع قرار دیا گیا جن میں شراب پی جاتی تھی' ساتھ ہی ان امور سے بھی منع کیا گیا جو مے نوشی کے لوازم تھے مثلاً مزامیر وغیرہ۔ معلوم ہوا کہ یہ باجے شراب کے توابع ہونے کی حیثیت سے حرام ہوئے' اسکی مثال ایسی ہے جیسے اجنبی عورت کے ساتھ خلوت ممنوع ہے' کیوں کہ یہ خلوت جماع کا پیش خیمہ بن سکتی ہے' یا ران کا دیکھنا حرام ہے کیوں کہ یہ شرمگاہوں سے ملحق ہے' یا شراب کی معمولی مقدار بھی حرام ہے خواہ اس سے نشہ طاری نہ ہو' مگر اس لئے کہ تھوڑی سے زیادہ کی نوبت بھی آسکتی ہے۔ شریعت نے جتنی بھی چیزیں حرام قرار دی ہیں ان سب کی ایک حد مقرر کردی ہے تاکہ حرمت اسی تک محدود رہے' اس سے تجاوز نہ کرے' اور حرام و حلال میں اختلاط نہ ہوجائے۔ بہرحال مزامیر کی حرمت تین وجوہات کی بناء پر شراب کی تبعیت میں ہوئی' ایک وجہ یہ کہ یہ باجے شراب کی دعوت دیتے ہیں' کیوں کہ ان باجوں سے جو لذت ملتی ہے اسکا اختتام عموماً شراب پر ہی ہوتا ہے' یہی وجہ ہے کہ تھوڑی شراب بھی حرام قرار دی گئی ہے' کیوں کہ اس سے زیادہ کی خواہش ہوتی ہے' اور زیادہ مسکر (نشہ آور) ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ ان باجوں سے ماضی یاد آتا ہے' اور ان محفلوں کی یاد تازہ ہوتی ہے جن میں شراب پی جاتی تھی' اور باجے بجائے جاتے تھے' یاد سے اشتیاق کو تحریک ملتی ہے' اور شوق سے اقدام کی جرأت ہوتی ہے۔ معلوم ہوا کہ باجے اقدام کا سبب ہونے کی وجہ سے ممنوع قرار دئے گئے' اسی وجہ سے مزفت' حنتم اور نقیر وغیرہ ظروف کے استعمال سے منع کیا گیا' کیوں کہ یہ برتن شراب کے ساتھ مخصوص تھے' اور انھیں دیکھنے سے شراب یاد آتی ہے' اس علت میں لذت کی یاد بنیادی چیز ہے' چنانچہ اگر کوئی شخص شراب نوشی کے ساتھ سماع کا عادی ہو تو اسے سماع سے روکا جائے گا' کیوں کہ یہ عمل اسے شراب کی لذت یاد دلاتا ہے۔ تیسری وجہ یہ ہے کہ ان آلات پر جمع ہونا اہل فسق و فجور کا شیوہ ہے' ان کی مشابہت اختیار کرنے سے منع کیا گیا ہے' اسلئے کہ جو شخص کسی قوم کی مشابہت اختیار کرتا ہے وہ ان ہی کا ایک فرد سمجھا جاتا ہے۔ اسی لئے ہم یہ کہتے ہیں کہ اگر اہل بدعت

کسی سنّت کو اپنا شعار بنالیں تو اسے چھوڑ دینا چاہیے اس خوف سے کہ کہیں اس سنت پر عمل کرنے سے بدعتیوں کی مشابہت نہ ہو جائے۔ ڈگڈگی بجانے سے منع کرنے کی وجہ بھی یہی ہوتی ہے کیوں کہ یہ باجہ مخنث بجایا کرتے ہیں (اور ہمارے زمانے میں بندر اور بھالو وغیرہ کا تماشا دکھانے والے مداری۔ مترجم) اگر ڈگڈگی میں شبہ نہ ہوتا تو اسکی حیثیت بھی وہی ہوتی جو حج اور غزوات کے موقع پر بجائے جانے والے نقارے کی ہوتی ہے' اسی شبہ کے قاعدے سے وہ اجتماعات بھی ممنوع ہیں جن میں فساق کی مشابہت اختیار کی گئی ہو' مثلاً کچھ لوگ جمع ہو کر کوئی محفل سجائیں' پینے پلانے کے برتن سامنے رکھیں' کسی شخص کو ساقی مقرر کریں جو انھیں باری باری جام پیش کرے' وہ لوگ ساقی کے ہاتھوں سے جام لے کر پئیں اور ایک دوسرے کا ساتھ گفتگو میں وہ الفاظ استعمال کریں جو مے خوار آپس میں استعمال کرتے ہیں' اور ان کے "ساغر و مینا" میں مے کے بجائے سکنجبین یا کوئی دوسرا شربت ہو' اگرچہ یہ شربت جائز ہے مگر اس کے پینے کے جو طریقے اختیار کئے گئے ہیں وہ مے خواروں کے طور طریقوں کے مشابہ ہیں' اسلئے اس طرح کی محفلوں سے منع کیا گیا ہے' اسی طرح ان ملکوں میں جہاں قبا مفسدین کا لباس ہو قبا پہننا اور ان کی طرح سر پر بال چھوڑنا بھی جائز نہیں البتہ ماوراء النہر کے علاقے میں علماء و صلحاء یہ لباس پہنتے ہیں اس لئے وہاں کے باشندوں کو اس سے منع نہیں کیا جائے گا بلکہ انھیں اسکی مزید ترغیب دی جائے گی تاکہ وہ نیکوں کے ساتھ باطن میں نہ سہی ظاہر ہی میں مشابہت پیدا کریں۔ مذکورہ بالا اسباب کی بنیاد پر عراقی مزمار عود' چنگ' رباب اور سارنگی وغیرہ حرام ہیں انکے علاوہ باجوں کے لئے یہ حکم نہیں ہے۔ مثلاً چرواہوں اور حجاج کرام کے قافلوں کے نقارے' ڈھول اور وہ آلات جن سے اچھی اور موزوں آوازیں نکلتی ہوں' اور جنھیں عادتاً میخوار نہ بجاتے ہوں۔ کیوں کہ یہ باجے نہ شراب سے متعلق ہیں' نہ شراب کے یاد دلاتے ہیں' نہ آتش شوق بھڑکاتے ہیں' اور نہ کسی ایسی قوم کے ساتھ مشابہت پیدا کرتے ہیں جو فسق و فجور میں مبتلا ہوں اور جس کی مشابہت اختیار کرنا جائز نہ ہو' کیوں کہ ان میں یہ تمام مفاسد نہیں اسی لئے وہ اپنی اصل یعنی اباحت پر ہیں' جس طرح پرندوں کی بولیوں میں اصل اباحت (جواز) ہے' میں تو یہاں تک کہتا ہوں کہ تار والے باجوں (چنگ و رباب) کی وہ آوازیں سننا بھی جائز نہیں جو غیر موزوں اور مہمل ہوں' اور جن سے کسی بھی قسم کا لطف حاصل نہ ہوتا ہو۔ اس سے ظاہر ہوا کہ جن باجوں کو ممنوع قرار دیا گیا ہے ان میں حرمت کی وجہ یہ نہیں کہ ان کی آوازیں اچھی ہیں اور ان سے لذت ملتی ہے' بلکہ قیاس کے مطابق تمام طیبات حلال و جائز ہیں' اِلّا یہ کہ ان میں کوئی فساد پیدا ہو گیا ہو' ارشاد باری تعالیٰ ہے :۔ قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَالطَّيِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ (پ ۸ ر ۱۱ آیت ۳۲)

آپ فرمائیے کہ اللہ تعالیٰ کے پیدا کئے ہوئے کپڑوں کو جن کو اس نے اپنے بندوں کے واسطے بنایا ہے' اور کھانے پینے کی حلال چیزوں کو کس شخص نے حرام کیا ہے۔

معلوم ہوا کہ یہ آوازیں اپنی موزونیت یا حسن کے باعث حرام نہیں بلکہ دوسرے عوارض کی وجہ سے حرام ہیں' ان عوارض کی تفصیل اپنے موقع پر آئے گی' انشاء اللہ

بامعنی اور مفہوم کلام

سماع کی تیسری صفت بامعنی کلام پر مشتمل ہونا ہے' جس طرح پچھلے دو وصف آواز کا حسن اور موزونیت حرام نہیں اسی طرح کسی کلام کا بامعنی اور قابل فہم ہونا بھی حرام نہیں ہے' جب یہ تینوں وصف الگ الگ حرام نہیں ہیں تو ان کا مجموعہ کس طرح حرام ہوگا؟ البتہ مفہوم و معنی کی نوعیت پر ضرور غور کیا جائے گا' اگر اسکا مفہوم حرام اور امر ممنوع ہے تو وہ کلام حرام ہوگا خواہ وہ نثر میں ہو یا نظم میں' خوش الحانی سے پڑھا گیا ہو یا تحت اللفظ' ایسے الفاظ کا منھ سے نکالنا بھی جائز نہیں جو غیر شرعی معنی و مفہوم پر دلالت کرتے ہوں' اس سلسلے میں امام شافعیؒ کا مقولہ حقیقت کی عکاسی ہے' فرماتے ہیں کہ شعر ایک کلام ہے' اگر اسکا مطلب اچھا ہے تو وہ شعر بھی اچھا ہے' اور مطلب خراب ہے تو شعر بھی خراب ہے' بعض لوگوں نے ترنم سے پڑھنے کی اجازت نہیں دی' ہم کہتے ہیں کہ جب تحت اللفظ شعر پڑھنا جائز ہے تو ترنم سے کیوں جائز نہیں؟ دونوں میں کیا فرق ہے؟

اس تفصیل کا حاصل یہ ہے کہ شعر پڑھنا جائز ہے' اچھی آواز سننا جائز ہے' موزوں آواز سننے میں کوئی قباحت نہیں' بامعنی کلام سننا بلا کراہت صحیح ہے' جب یہ تمام امور الگ الگ جائز ہیں تو ان کا مجموعہ کیوں جائز نہیں ہوگا' سماع ناجائز ہوتا اگر اس مجموعے کے افراد یا کوئی ایک فرد حرام ہوتا۔ لوگ شعر پڑھنے سے کس طرح منع کرسکتے ہیں حالانکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے شعر پڑھے گئے ہیں۔ (۱) نیز آپ کا ارشاد بھی منقول ہے :

ان من الشعر الحکمة — بعض اشعار حکیمانہ ہوتے ہیں (بخاری۔ ابی ابن کعب)

حضرت عائشہؓ نے یہ شعر سنایا۔

ذھب الذین یعاش فی اکنافھم — وبقیت فی خلف کجلد الاجرب

(وہ دن رخصت ہوگئے جن کے سائے میں زندگی کے دن گزرتے تھے' میں تو پچھلوں میں خارش زدہ کی جلد کی طرح باقی رہ گئی ہوں)

صحیحین میں حضرت عائشہؓ سے منقول ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ تشریف لائے تو حضرت ابوبکرؓ اور حضرت بلالؓ بخار میں مبتلا ہوگئے' ان دنوں مدینہ میں بخار کی وبا پھیلی ہوئی تھی' میں والد ماجد حضرت ابوبکرؓ سے دریافت کرتی کہ اباجان آپ کیا محسوس کررہے ہیں' تو وہ جواب میں یہ شعر پڑھتے :۔

کل امری مصبح فی اھلہ — والموت ادنی من شراک نعلہ

(ہر شخص اپنے گھروالوں میں صبح کرتا ہے لیکن موت جوتے کے تسمے سے زیادہ اسکے قریب ہوتی ہے)

اور جب میں بلالؓ سے ان کی خیریت دریافت کرتی ہوں تو وہ یہ شعر پڑھتے :۔

الا لیت شعری ھل ابیتن لیلة — بواد وحولی اذخر وجلیل
وھل اردن یوما میاہ مجنة — وھل یبدون لی شامة وطفیل

(کاش مجھے معلوم ہوتا کہ میں اس وادی میں کوئی رات گزار سکوں گا جہاں میرے ایک جانب اذخر ہو اور دوسری جانب جلیل ہو' یا مجنہ کے چشموں پر کسی روز میرا گزر ہوگا یا مجھے شامہ اور طفیل پہاڑ نظر آئیں گے۔ (۲)

میں نے ان دونوں کی اس کیفیت سے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو مطلع کیا' آپ نے یہ دعا فرمائی :۔

اللّٰھم حبب الینا المدینة کحبنا مکة او اشد (۳)

اے اللہ مدینہ کو ہمیں اسطرح محبوب کردے جس طرح مکہ ہمیں محبوب ہے یا مدینہ ہمیں مکہ سے زیادہ

---

(۱) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے شعر پڑھنے کی روایت بخاری ومسلم میں ابوہریرہؓ سے منقول ہے' فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت عمرؓ حضرت حسان بن ثابتؓ کے پاس سے گزرے وہ اس وقت مسجد میں شعر پڑھ رہے تھے' حضرت عمرؓ نے انہیں گھور کر دیکھا تو حضرت حسانؓ نے ان سے کہا کہ میں نے آپ سے افضل وبرتر شخصیت کے سامنے شعر پڑھے ہیں' مسلم میں عائشہؓ کی روایت ہے جب حسانؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے یہ شعر پڑھا۔ :۔

ھجوت محمدا فاجبت عنہ — وعند اللہ فی ذاک الجزاء

ایک مرتبہ حسان ابن ثابت نے یہ شعر بھی پڑھا| وان سنام المجد من آل ھاشم — بنو بنت مخزوم و والدک المعبد

بخاری میں ہے کہ ابن رواحہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں یہ شعر سنایا :۔

وفینا رسول اللہ یتلو کتابہ — اذا انشق معروف من الفجر ساطع

(۲) اذخر اور جلیل دو خوشبودار گھاسوں کے نام ہیں' مجنہ مکہ معظمہ کے قریب ایک جگہ ہے' شامہ اور طفیل دو پہاڑ ہیں جو مجنہ سے نظر آتے ہیں۔

(۳) یہ روایت بخاری ومسلم دونوں میں ہے' لیکن اصل حدیث اور اشعار صرف بخاری میں ہیں۔ مسلم میں نہیں۔

محبوب کردے۔

روایات میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ کی مسجد کی تعمیر کے وقت اینٹیں اٹھا اٹھا کر پہنچا رہے تھے' اور یہ شعر پڑھ رہے تھے :۔

هذا الحمال لا حمال خيبر هذا ابر ربنا واطهر (٭)

(یہ بوجھ اٹھانے والے (اونٹ) ہیں خیبر کے اونٹ نہیں' مگر یہ کہیں زیادہ اچھے اور پاکیزہ ہیں)

ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ شعر بھی پڑھا۔

اللّٰهم ان العيش عيش الآخرة فارحم الانصار والمهاجرة (۱)

ترجمہ! اے اللہ زندگی صرف آخرت کی زندگی ہے' انصار اور مہاجرین پر رحم فرما۔)

بعض اوقات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے مسجد نبوی میں منبر رکھا جاتا' اور حضرت حسان بن ثابتؓ اس پر کھڑے ہو کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اقدس میں اشعار پڑھتے' اور کفار کی ہجو بیان کرتے۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے اشعار سن کر فرمایا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ روح القدس کے ذریعہ حسان کی تائید و حفاظت کراتے ہیں جب تک وہ دشمنان خدا کی ہجو اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف کرتا ہے[۲] ایک مرتبہ نابغہ شاعر نے کچھ اشعار سنائے تو آپ نے اسکی تحسین کی اور یہ دعا دی کہ اللہ رب العزت تیرے دانت نہ توڑے (یعنی تجھے ذلیل و رسوا نہ کرے)[۳] حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب ایک دوسرے کو شعر سنایا کرتے تھے اور آپ مسکراتے رہتے تھے (۴) عمرو ابن شرید اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے امیہ ابن ابی الصلت کے سو شعر آپ کو سنائے' آپ ہر بار یہی فرماتے مزید سناؤ' کچھ اور سناؤ' بعد میں آپ نے فرمایا کہ اس کے اشعار میں تو اسلام جھلکتا ہے (مسلم) حضرت انس سے مروی ہے کہ سفر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے حدی پڑھی جاتی تھی' انجشہ عورتوں کیلئے حدی پڑھتا تھا اور براء ابن مالک مردوں کے لئے حدی پڑھنے پر مقرر تھے ایک مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انجشہ سے فرمایا۔ اے انجشہ اونٹوں کو ہنکانے میں نرمی اختیار کرو۔ (۵) عربوں کا یہ عام دستور تھا کہ حدی خواہ اونٹوں کے پیچھے پیچھے چلتے تھے آنحضرتؐ کے دور میں بھی اسی دستور پر عمل ہوتا رہا۔ حدی خوانی کا مطلب تھا اچھی اور موزوں آواز میں اشعار پڑھنا۔ کسی بھی صحابی سے حدی خوانی کا انکار منقول نہیں ہے' بلکہ بعض اوقات وہ لوگ اپنے قافلوں کے لئے کسی ایسے شخص کی ضرورت محسوس کرتے جو ان کے لئے حدی خوانی کر سکے' یہ حدی خوانی اونٹوں کو ہنکانے کیلئے بھی ہوتی' اور لطف حاصل کرنے کے لئے بھی۔۔۔ اس گفتگو کا نتیجہ یہ نکلا کہ سماع اس حیثیت سے بھی ممنوع نہیں کہ وہ لطیف اور بامعنی کلام کا مجموعہ ہے جسے موزوں اور خوب صورت آواز کے ذریعے ادا کیا جاتا ہے۔

سماع محرک قلب کی حیثیت سے : سماع کا ایک وصف یہ ہے کہ وہ قلب میں تحریک پیدا کرتا ہے اور ان چیزوں کو ابھارتا ہے جو اس پر غالب ہوتی ہیں' اور یہ کوئی ایسی تعجب خیز بات نہیں کہ سماع میں یہ تاثیر ہو اور موزوں اور خوبصورت نغموں کو روحوں کے ساتھ کوئی مناسبت ہو' بعض نغمے سن کر آدمی اداس ہو جاتا ہے' کمزور دل رکھنے والے آدمی رو پڑتے ہیں بعض نغموں سے سرور و انبساط کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے' بعض نغمے نیند لاتے ہیں' اور بعض سے ہنسی آتی ہے' بعض نغمے اعضاء پر اثر انداز ہوتے ہیں اور

---

(۱) یہ شعر بخاری و مسلم میں بروایت انسؓ منقول ہے۔ یہ شعر آپ نے غزوۂ خندق کیلئے کھودنے کے موقع پر پڑھا ہے' بعض روایات میں فارحم کی جگہ نبارک' اور فاکرم کے الفاظ بھی ہیں (۲) یہ روایت بخاری و مسلم میں تعلیقاً اور ابوداؤد' ترمذی اور حاکم میں حضرت عائشہؓ سے متصلاً مروی ہے (۳) یہ روایت بغوی نے معجم الصحابہ میں' ابن عبدالبر نے استیعاب میں' اور بزار نے اپنی مسند میں نقل کی ہے' حاکم میں خزیم بن اوس کی روایت ہے کہ آپ نے یہ دعا عباسؓ کو اس قدر دی جب انھوں نے آپ کی مدح میں اشعار سنائے۔ (۴) یہ روایت ترمذی میں جابر ابن سمرہ سے منقول ہے' حضرت عائشہؓ کے حوالے سے مجھے کہیں نہیں ملی (۵) ابوداؤد طیالسی بخاری و مسلم میں بھی یہ روایت ہے' مگر اس میں صرف انجشہ کا ذکر ہے' براء ابن مالک کی حدی خوانی کا تذکرہ نہیں ہے (٭) بخاری۔ عروة مرسلاً

ہاتھ 'پاؤں اور سر وغیرہ کی جنبش سے اس تاثر کا اظہار ہوتا ہے۔ ضروری نہیں کہ یہ تاثر صرف ان اشعار کا ہو جن کا مفہوم سمجھ میں آتا ہے 'چنگ و رباب کی حرکات بھی تاثیر سے خالی نہیں ہوتیں 'بعض لوگوں نے یہاں تک کہہ دیا کہ جس شخص کو موسم بہار کا حسن اور کھلے ہوئے پھولوں کی رعنائی اور ستار کے خوبصورت نغمے متاثر نہ کریں 'وہ فاسد مزاج ہے 'اسکے مزاج کے فساد کا کوئی علاج نہیں ہے 'تاثیر میں معنی فہمی بنیادی چیز نہیں ہے ہم یہ دیکھتے ہیں کہ ننھے منے بچے لوری سے بہل جاتے ہیں 'روتے روتے چپ ہو جاتے ہیں 'اور آواز کی حلاوت انھیں نیند کے آغوش میں پہنچا دیتی ہے 'اونٹ اپنی غباوت طبع اور بے عقلی کے باوجود حدی سے متاثر ہوتا ہے اور حدی خواں کی آواز اس پر مستی اور سرشاری کی ایسی کیفیت طاری کر دیتی ہے کہ راستے کی مشقتیں اسے ہیچ نظر آتی ہیں 'اور وہ اس نشے میں سب کچھ بھول جاتا ہے 'کمر پر لدا ہوا بوجھ اسکی ہمت پست نہیں کرتا 'وہ حدی خواں کی آواز پر کان لگائے آگے بڑھتا چلا جاتا ہے 'بعض اوقات وہ کجاوے اور سامان کے بوجھ کے ساتھ دشوار گزار راستوں میں قدم اٹھاتے ہوئے شدید تکلیف محسوس کرتا ہے لیکن حدی اس تکلیف کا اظہار نہیں ہونے دیتی 'کبھی کبھی وہ اپنی جان سے بھی ہاتھ دھو بیٹھتا ہے۔

<u>حدی کے اثرات کا ایک واقعہ</u> : چنانچہ ابو بکر محمد ابن داؤد دینوری جو رقی کے نام سے مشہور تھے 'اپنا واقعہ بیان کرتے ہیں کہ ایک جنگل میں سفر کر رہا تھا 'راستے میں ایک عرب قبیلے پر میرا گزر ہوا تو اس کے ایک معزز رکن نے میری ضیافت کی 'اور مجھے اپنے خیمے میں بلایا 'میں نے دیکھا کہ خیمے کے باہر چند اونٹ مرے پڑے ہیں 'اور ایک اونٹ قریب المرگ ہے 'خیمے کے اندر ایک سیاہ حبشی غلام پابہ زنجیر بیٹھا ہوا تھا 'قیدی نے مجھ سے کہا کہ آپ میرے آقا کے مہمان ہیں 'اگر آپ میری سفارش کردیں تو بڑی مہربانی ہوگی 'میرا آقا آپ کی سفارش رد نہیں کرے گا کیوں کہ وہ مہمانوں کی بڑی تعظیم کرتا ہے 'شاید آپ کی سفارش سے میرا کام بن جائے 'اور مجھے اس قید سے رہائی مل جائے 'میں نے غلام سے وعدہ کرلیا 'جب میزبان کھانا لے کر آیا تو میں نے اس سے کہا کہ جب تک تم اس غلام کو رہا نہیں کرو گے میں کھانا نہیں کھاؤں گا 'میزبان نے کہا کہ اس غلام نے مجھے محتاج بنا دیا ہے 'اور میرا تمام سرمایہ ضائع کردیا ہے 'میں نے تفصیل جاننے کی خواہش ظاہر کی تو اس نے بتلایا کہ یہ مردہ اونٹ جو تم دیکھ رہے ہو میری گزر بسر کا واحد ذریعہ تھے 'لوگ انھیں اجرت پر لے کر جاتے اور ان کے ذریعہ سامان اِدھر سے اُدھر کرتے 'لیکن اس کمبخت نے انھیں ہلاک کر ڈالا 'اور میرے ذریعۂ معاش کو آگ لگا دی اس مرتبہ جب یہ اونٹ لے کر گیا تو معمول سے زیادہ بوجھ ان کی پیٹھوں پر لاد دیا 'اسکی آواز اچھی ہے 'حدی بہترین پڑھتا ہے 'جب اس نے حدی پڑھی تو اونٹوں نے حدی کے نشے میں بوجھ اور راستے کی طوالت سے بے پروا ہو کر تین دن کا سفر ایک دن میں مکمل کر دیا 'اور جب وہ منزل پر پہنچے تو تھک کر چور چور ہو چکے تھے 'ٹھہرتے ہی مر گئے 'ایک اونٹ زندہ بچا ہے 'اور وہ بھی نزع کی کیفیت سے دوچار ہے۔ اس غلام کا جرم ایسا نہیں کہ معاف کردیا جائے 'لیکن آپ مہمان ہیں 'اور مہمان کا اعزاز مجھے آپ کی بات ماننے پر مجبور کرتا ہے اسلئے میں اس کو ہبہ کرتا ہوں 'آپ میرا یہ تحفہ قبول فرمائیں 'میں اسکی خوبصورت آواز سننے کے لئے بے چین تھا 'صبح کے وقت جب کہ وہ کنویں سے اونٹ کو پانی پلا کر واپس آرہا تھا 'میزبان نے اس سے حدی پڑھنے کے لئے کہا 'جب اس نے حدی کے نغمے چھیڑے تو اونٹ برگشتہ ہوگیا 'اس نے رسّیاں تڑا لیں 'اور خود میں بھی اس آواز کے سحر میں اتنا کھویا کہ اپنے جسم پر قابو نہ پاسکا اور منہ کے بل زمین پر گر پڑا۔ یاد نہیں پڑتا کہ اس سے زیادہ عمدہ اور خوبصورت سحر انگیز آواز کہیں سنی ہو۔

بہرحال دل پر سماع کی اثر انگیزی ایک ناقابل انکار حقیقت ہے 'جن لوگوں کے دل یہ اثرات قبول نہ کریں وہ ناقص ہیں حد اعتدال سے منحرف ہیں 'اور روحانیت سے دور ہیں 'اور طبیعت کی کثافت اور غفلت میں وہ اونٹوں اور پرندوں سے بھی گئے گزرے ہیں 'ان کی طبائع تمام حیوانوں سے زیادہ کثیف ہیں 'اسلئے کہ شاید ہی کوئی جانور ایسا ہو کہ جو موزوں نغمات سے متاثر نہ ہوتا ہو 'یہی وجہ ہے کہ جس وقت حضرت داؤد علیہ السلام زبور کی تلاوت کرتے تھے تو پرندے ان کے ارد گرد جمع ہو جاتے تھے 'اگر سماع پر اس حیثیت سے نظر ڈالی جائے کہ وہ قلب پر اثر ڈالتا ہے تو یہ کہنا صحیح نہ ہوگا کہ سماع مطلقاً مباح ہے 'یا مطلقاً حرام ہے 'بلکہ

کوئی حکم لگانے سے پہلے احوال اور اشخاص زیر بحث آئیں گے، نغمات کے اختلاف پر غور کیا جائے گا، اس لحاظ سے سماع کا وہی حکم ہو گا جو قلب کے خیالات اور کیفیات کا ہے۔ ابو سلیمان کہتے ہیں کہ سماع دل میں وہ بات پیدا نہیں کرتا جو اس میں نہ ہو بلکہ جو کچھ اس میں ہوتا ہے اسے حرکت دیتا ہے۔

اب ہم ان مواقع کا ذکر کرتے ہیں جہاں موزوں اور مقفی کلمات کو ترنم کے ساتھ پڑھا جاتا ہے اور دل پر اس کا اثر ہوتا ہے۔ اس طرح کے مواقع سات ہیں۔

اول : حاجیوں کے نغمے : حجاج اولاً شہروں میں گھومتے ہیں نقّارے اور دف بجاتے ہیں، اور حج کے نغمے گاتے پھرتے ہیں، یہ امر مباح ہے، اس لئے کہ ان کے نغمے بیت اللہ شریف، مقام ابراہیم، حطیم، زمزم اور دوسرے شعائر حج کی عظمت کے مضامین پر مشتمل ہوتے ہیں، یہ مضامین سن کر دلوں میں حج بیت اللہ اور زیارت روضۂ اقدس کا شوق ابھرتا ہے، اور اگر کسی کے دل میں پہلے سے شوق ہو تو وہ اور زیادہ ہو جاتا ہے، اگر حج عبادت ہے، اور اس کا شوق پسندیدہ و محبوب ہے تو وہ عمل بھی محبوب و پسندیدہ ہونا چاہیے جو اس کے وجود یا زیادتی کا سبب بنتا ہے، جس طرح واعظ کے لئے جائز ہے کہ وہ اپنی تقریر میں نثر کے بہترین جملوں اور مقفی و مسجع عبارتوں کے ذریعے لوگوں میں حج کا شوق پیدا کرے، کعبہ اور مشاعر کے مناظر اور اس عبادت پر ملنے والے اجر و ثواب کی تفصیل کر کے لوگوں کو آمادۂ حج کرے اسی طرح غیر واعظ کے لئے بھی جائز ہے کہ وہ منظوم کلام موزوں اور اچھی آواز کے ذریعہ یہ مقصد حاصل کرے، اگر منظوم کلام میں آواز کا حسن اور موزونیت بھی شامل ہو جائے تو دل میں اثر زیادہ ہوتا ہے، اور یہ تاثر اس وقت اور بھی زیادہ ہو جاتی ہے جب دف اور نقّارے بھی بجائے جائیں، لیکن اگر ان نغموں سے اس شخص کے دل میں آتش شوق بھڑکانی مقصود ہو جس کے لئے حج کرنا جائز نہیں تو اس کی اجازت نہیں دی جائے گی، مثلاً ایک شخص فرض حج ادا کر چکا ہے، اور اب وہ نفلی حج کرنا چاہتا ہے مگر اس کے والدین اس کے ارادے پر ناراض ہیں، اس شخص کے لئے جائز نہیں کہ وہ والدین کی مرضی کے علی الرغم اپنے ارادے کو عملی جامہ پہنائے اور حج کے لئے روانہ ہو جب اس کا فعل جائز نہیں تو اس فعل کا شوق پیدا کرنا، اور اس کی ترغیب دلانا کب جائز ہو گا، خواہ وہ ترغیب نثر سے دلائی جائے، یا نظم سے، یا کسی اور طریقہ سے، اسی طرح اگر حج کا راستہ مخدوش ہو اور یہ خیال ہو کہ مسافر کی ہلاکت یقینی ہے تب بھی سفر کا شوق نہ دلانا چاہئے، اس لئے کہ حج پر آمادہ کرنا نہیں بلکہ ہلاکت کی دعوت دینا ہے۔

دوم : مجاہدین کے رزمیے : حجاج کی طرح مجاہدین بھی جہاد پر روانہ ہونے سے پیشتر، راستے میں، اور محاذ جنگ پر پہنچنے کے بعد نغمے گاتے ہیں، ان نغموں میں جہاد کے فضائل بیان کئے جاتے ہیں، شجاعت اور بہادری کی تعریف کی جاتی ہے، کافروں پر غیض و غضب کا اظہار کیا جاتا ہے اور مسلمانوں کو دعوت دی جاتی ہے کہ وہ جان و مال سب کچھ اللہ کی راہ میں قربان کر دیں، دل میں جذبۂ جہاد پیدا کرنے، اور بہادری کے ساتھ اللہ کی راہ میں قربان ہونے پر آمادہ کرنے کے لئے یہ نغمے تیر بہدف ثابت ہوتے ہیں، مثلاً متنبی کہتا ہے۔

فان لا تمت تحت السیوف مکرما　　تمت وتقاسی الذل غیر مکرم

(اگر تو تلواروں کے سائے میں عزت کے ساتھ نہ مرا تو ذلیل و خوار ہو کر مرے گا)

ایک شاعر نے بہادروں کو اس طرح للکارا ہے۔

یری الجبناء ان الجبن حزم　　وتلک خدیعۃ الطبع اللئیم

(بزدل کہتے ہیں کہ بزدلی احتیاط کا نام ہے، حالاں کہ یہ کمینی فطرت کا فریب ہے کہ بزدلی کو احتیاط کہا جائے)

یہ شجاعت کے نغمے ہیں ان سے دل میں جہاد کا شوق ابھرتا ہے، اگر جہاد مباح ہو تو لوگوں میں شجاعت اور بہادری کا جذبہ پیدا کرنا مباح ہے، اور مستحب ہو تو مستحب ہے، مگر یہ اباحت صرف ان لوگوں کے حق میں ہے جن کے لئے جہاد میں شرکت کرنا مباح ہے

سوم : رجزیات : تیسری قسم میں وہ رجزیہ نظمیں داخل ہیں جو مقابلے کے وقت پڑھی جاتی ہیں' ان نظموں کے پڑھنے سے یہ مقصد ثابت ہوتا ہے کہ دل میں شجاعت' دلیری پر اقدام کی قوت' اور مقابلے کی جرأت پیدا ہو' یہ نظمیں خود بہادر اور مقابلہ کرنے والے فریق پڑھتے ہیں' ان نظموں میں شجاعت کی تعریف اور فتح کے یقین کا اظہار ہوتا ہے' اور اگر آواز اچھی اور الفاظ خوب صورت ہوں تو دل پر ان کا اثر زیادہ ہوتا ہے' اگر جنگ مباح ہے تو یہ رجزیہ گیت بھی مباح ہیں' جنگ مستحب ہے تو یہ رجزیات بھی مستحب ہیں' مسلمانوں سے جنگ کرنے میں رجزیہ گیتوں کی اجازت نہیں' اور نہ ذمیوں کے ساتھ مقابلہ آرائی کے موقعہ پر یہ نظمیں پڑھی جاسکتی ہیں' کیوں کہ وہ تمام امور بھی ممنوع ہیں جو کسی ممنوع کی طرف داعی ہوں' رجزیہ گیتوں پڑھنا حضرت علیؓ اور حضرت خالد بن ولیدؓ جیسے غیور اور شجاع صحابہ کرام سے منقول ہے' جنگ کے میدان میں باجہ وغیرہ نہ بجانا چاہئے کیوں کہ باجے کی آواز دلوں میں رقت اور حزن کی کیفیت پیدا کرتی ہے' اور رقت و حزن سے شجاعت پر اثر پڑتا ہے' وطن اور اعزہ اقرباء یاد آتے ہیں اور مقابلہ آرائی کی قوت میں کمی آجاتی ہے' یہی حکم ان تمام نغموں اور آوازوں کا ہے جو دلوں میں سوز و گداز پیدا کریں' غم انگیز اور رقت خیز نغمے بہادری اور جرأت و اقدام کی ترغیب دینے والے نغموں کے مخالف ہیں چنانچہ اگر کسی شخص نے جہاد کے فریضے سے روکنے کے لئے اور بہادروں کے دلوں میں سستی اور رقت کی کیفیات پیدا کرنے کے لئے غم انگیز نغمے چھیڑے تو وہ شخص گنہ گار ہے' ہاں اگر اس نے ناجائز جنگ سے روکنے کے لئے ایسا کیا تو اس کا یہ فعل مستحسن اور لائق اجر ہے۔

سوم : نوحے : حزنیہ نغموں سے دل بھر آتا ہے' اور طبیعت کمسلند ہو جاتی ہے' بعض کمزور دل اشک بہا کر اپنی اس کیفیت کا اظہار کرتے ہیں جو حزنیہ نغمے سن کر اس پر طاری ہوتی ہے' حزن کی دو قسمیں ہیں' محمود اور مذموم' مذموم حزن وہ ہے جو ضائع جانے والی چیزوں پر ہو' اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

لِكَيْلَا تَأْسَوْا عَلَىٰ مَا فَاتَكُمْ تاکہ جو چیز تم سے جاتی رہے تم اس پر رنج نہ کرو

(پ ۲۷' ۱۹ آیت ۲۳)

مردوں پر غم کرنا بھی اسی قسم سے تعلق رکھتا ہے' جو لوگ اس ناپسندیدہ حزن میں مبتلا ہوتے ہیں وہ دراصل باری تعالیٰ کے فیصلے سے اپنی ناراضگی کا اظہار کرتے ہیں اور ان چیزوں پر افسوس کرتے ہیں جن کا کوئی تدارک نہیں ہے کیوں کہ نوحوں سے اس حزن کو تحریک ملتی ہے' اس لئے نوحہ کرنے سے صراحتاً منع کردیا گیا۔ (۱) محمود حزن وہ ہے جو باری تعالیٰ کی نافرمانی کے ارتکاب' اور اجر و ثواب کے ضیاع پر ہو۔ اس صورت میں نہ صرف دل کا حزن مستحسن ہے بلکہ رونا اور رونی صورت بنالینا بھی پسندیدہ ہے' اس کی مثال حضرت آدم علیہ السلام کا رونا ہے' اس طرح کے غم کو ابھارنا بھی مستحسن ہے' کیوں کہ اس غم سے گناہوں پر پشیمانی' آئندہ کے لئے توبہ اور نقصان کے تدارک کا جذبہ پیدا ہوتا ہے' جو مومن کا مطلوب و مقصود ہے' حضرت داؤد علیہ السلام کے گریہ پیہم کی یہی وجہ تھی کہ وہ اپنی غلطیوں اور کوتاہیوں کے تصور سے لرزہ براندام تھے' ان کے حزن مسلسل کی کیفیت ان کے باطنی اضطراب کا مظہر تھی' وہ نہ صرف خود روتے بلکہ اپنے نوحوں سے دوسروں کو بھی رلاتے' بعض اوقات ان کے نوحوں کی مجلسوں میں لوگ شدت غم سے مرجاتے' ان کے نوحے لفظ و صوت سے عبارت تھے' یہ نوحے محمود ہیں' کیوں کہ ان سے امر محمود۔ گناہوں پر ندامت' توبہ و استغفار' تلافیٔ مافات' پر مدد ملتی ہے' چنانچہ اگر کوئی واعظ لوگوں کے دلوں کا احساس پیدا کرنے کے لئے دلکش آواز میں بر سر منبر اس طرح کے حزنیہ نغمے گائے اور دوسروں کو رلانے کے لئے خود بھی روئے تو اس کا یہ فعل جائز ہے۔

چہارم : طربیہ گیت : خوشی کے مواقع پر اس طرح کے گیت گانا جن سے خوشی کا اظہار ہوتا ہو جائز ہے' بشرطیکہ ان مواقع پر خوش ہونا از روئے شرع درست ہو' مثلاً عیدین کے دنوں میں' شادی بیاہ کی تقاریب میں' بچوں کی ولادت' عقیقہ اور ختنہ

(۱) بخاری و مسلم میں ام عطیہؓ کی حدیث ہے "اخذ علینا النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی البیعتان لا ننوح"

وغیرہ کی خوشی میں' حفظ قرآن کے موقع پر' یا کسی غائب شخص کی آمد پر' یہ سب مباح مواقع ہیں' شریعت نے اس طرح کے مواقع پر خوش ہونے اور خوشی کا اظہار کرنے کی اجازت دی ہے' چنانچہ جس وقت سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت فرمائی' اور مدینہ منورہ کو اپنے مبارک وجود سے رونق بخشی تو وہاں کی عورتوں نے چھتوں پر چڑھ کر آپ کو خوش آمدید کہا' دف بجا کر اور اس طرح کے اشعار پڑھ کر اس بے پایاں مسرت کا اظہار کیا جو آپ کی آمد سے انھیں ہوئی تھی۔

طلع البدر علینا من ثنیات الوداع
وجب الشکر علینا مادعی للہ داع
ایھا المبعوث فینا جئت بالامر المطاع

(ہم پر ثنیات الوداع سے بدر کامل نے طلوع کیا ہے' ہم پر اللہ کا شکر واجب ہے جب تک اللہ کو کوئی پکارنے والا باقی رہے' اے وہ مبارک ذات کہ جو ہم میں پیغمبر بنا کر بھیجے گئے آپ اللہ کی طرف سے ایسے احکام لے کر تشریف لائے ہیں جن کی طاعت واجب ہے(۱)

بہر حال یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آمد کی خوشی تھی' جس کے پاکیزہ و محمود ہونے میں کوئی شبہ نہیں کیا جا سکتا' شعر و نغمہ اور رقص و طرب کے ذریعہ اس خوشی کا اظہار بھی محمود تھا' چنانچہ بعض صحابہ کے متعلق منقول ہے کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کی خوشی میں ایک پاؤں پر کھڑے ہو گئے اور اچھلنے کودنے لگے (ابو داؤد... علیؓ) رقص کے احکام آنے والے باب میں بیان کئے جائیں گے' اظہار مسرت کے یہ طریقے مباح ہیں' اور کسی بھی آنے والے کی آمد پر' یا کسی بھی ایسی تقریب کے موقع پر جس میں مسرت جائز ہو ان طریقوں سے اپنی شادمانی کا اظہار کرنا درست ہے۔ صحیحین میں حضرت عائشہؓ کی روایت سے اس کا ثبوت ملتا ہے' فرماتی ہیں کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے کہ مجھے اپنی چادر میں چھپا لیتے ہیں اور میں حبشیوں کا کھیل دیکھتی جو مسجد میں کھیلا کرتے تھے' یہاں تک کہ میں خود ہی اکتا جاتی (بخاری و مسلم) حضرت عائشہ اس وقت نو عمر تھیں' اس عمر کے بچیاں اور بچے عموماً کھیل میں بے انتہا دلچسپی رکھتے ہیں' اسی سے اندازہ کر لیجئے کہ حضرت عائشہ کتنی دیر کھیل دیکھتیں ہوں گی کہ تھک بھی جاتی تھیں حضرت عائشہ کی ایک اور روایت اس طرح ہے کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ وہ مجھے کپڑے میں چھپائے ہوئے ہیں اور میں ان حبشیوں کا کھیل دیکھ رہی ہوں جو مسجد کے صحن میں کھیل دکھا رہے ہیں' اتنے میں حضرت عمرؓ آئے اور انھوں نے حبشیوں کو ڈانٹ کر بھگانا چاہا (وہ حبشی ڈر کر بھاگنے لگے) آپ نے فرمایا : اے بنی ارفدہ! تم بے خوف رہو (اور کھیل جاری رکھو) (۲) بخاری و مسلم نے روایت کی ہے کہ عقیل نے زہری سے' انھوں نے عروہ سے انھوں نے عائشہ سے نقل کیا کہ حضرت ابو بکر (اپنی صاحبزادی) عائشہ کے پاس تشریف لائے' منی کے دن تھے' اس وقت ان کے پاس دو چھوکریاں بیٹھی ہوئی دف بجا رہی تھیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تمام بدن مبارک چادر سے ڈھانپے ہوئے (آرام فرما رہے) تھے' ابو بکر نے ان چھوکریوں کو ڈانٹا (کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آرام فرما رہے ہیں اور تم شور مچا رہی ہو) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو بکر کی آواز سنی تو چہرہ مبارک سے چادر ہٹائی اور فرمایا کہ ابو بکر' چھوڑو' انھیں کچھ مت کہو' یہ عید کے دن ہیں۔ عمرو ابن حارث نے ابن شہاب سے اس مضمون کی روایت نقل کی ہے' البتہ اس میں اتنا اضافہ ہے کہ وہ چھوکریاں گیت گا رہی تھیں اور دف بجا رہی تھیں۔ (۳) ابو طاہر' ابن وہب سے اور وہ حضرت عائشہ سے نقل کرتے ہیں کہ خدا کی قسم' میں نے

---

(۱) یہ روایت بیہقی نے دلائل النبوۃ میں حضرت عائشہ سے نقل کی ہے

(۲) یہ روایت مسلم میں ابو ہریرہؓ سے منقول ہے "امنا یا نبی ارفدۃ" کے الفاظ نہیں ہیں' بلکہ آپ نے فرمایا کہ اسے عمر انہیں کچھ نہ کہو۔ البتہ مسلم اور نسائی میں حضرت عائشہؓ کی روایت میں یہ الفاظ ہیں۔ "دونکم یا بنی ارفدۃ"

(۳) عقیل کی روایت زہری سے بخاری میں ہے' اور عمرو ابن حارث کی روایت زہری سے مسلم میں ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ اپنے حجرہ مبارک کے دروازے پر کھڑے ہیں اور حبشی مسجد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں اپنے ہتھیاروں کا تماشا دکھلا رہے ہیں' آپ نے مجھے اپنی چادر میں چھپا رکھا ہے تاکہ میں حبشیوں کا تماشا دیکھ سکوں۔ آپ میری خاطر اس وقت تک کھڑے رہتے جب تک میں خود ہی اکتا کر نہ ہٹ جاتی (مسلم) حضرت عائشہؓ یہ بھی فرماتی ہیں کہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے گڑیوں سے کھیلا کرتی تھی' میرے ساتھ میری سہیلیاں بھی کھیلا کرتی تھیں' کبھی ایسا ہوتا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں تشریف لے آتے تو میری سہیلیاں شرم کی وجہ سے اندر کمرے میں گھس جاتیں آپ ان کی آمد سے اور میرے ساتھ مل کر کھیلنے سے خوش ہوتے تھے۔ ایک روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں تشریف لائے تو میں گڑیوں سے کھیل رہی تھی' آپ نے دریافت فرمایا : یہ کیا ہیں؟ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ یہ گڑیاں ہیں' آپ نے پوچھا' یہ کیا ہے جو ان گڑیوں کے درمیان میں ہے؟ میں نے عرض کیا : گھوڑا ہے۔ فرمایا : یہ کیا ہیں (آپ نے گھوڑے کے اِدھر اُدھر لٹکے ہوئے پروں کی جانب اشارہ فرمایا) میں نے جواب دیا یہ اس کے دو پَر ہیں' فرمایا : کیا گھوڑے کے پَر بھی ہوتے ہیں' میں نے کہا : کیا آپ نے سنا نہیں کہ حضرت سلیمان کے گھوڑوں کے پَر تھے' آپ یہ سن کر اتنا ہنسے کہ آپ کی کچلیاں ظاہر ہو گئیں (۱) ہماری نزدیک یہ روایت لڑکیوں کی عادت پر محمول ہے کہ وہ مٹی یا کپڑے کی صورت مکمل کئے بغیر تصویر بنالیتی ہیں' چنانچہ بعض روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت عائشہ نے یہ گھوڑا اور اس کے بازو کپڑے سے بنائے تھے' حضرت عائشہ نے یہ بھی بیان کیا کہ ایک روز میرے پاس دو لڑکیاں بعاث کے دن کا گیت گا رہی تھیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے' آپ ہماری طرف سے کروٹ لے کر لیٹ گئے' اتنے میں حضرت ابوبکر آئے' انہوں نے یہ منظر دیکھا تو مجھے ڈانٹا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں شیطانی عمل (گیت گانا اور سننا) کرتی ہو' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوبکر کی آواز سنی تو ان سے فرمایا کہ انہیں کچھ مت کہو' جب ابوبکر غافل ہو گئے تو میں نے ان لڑکیوں کو آنکھ سے اشارہ کر دیا' وہ باہر چلی گئیں' یہ عید کا دن تھا' باہر مسجد میں حبشی تماشا دکھلا رہے تھے' میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کھیل دیکھنے کی اجازت چاہی' یا شاید آپ نے مجھ سے فرمایا کہ کیا تم کھیل دیکھنا چاہتی ہو؟ میں نے عرض کیا : جی ہاں! آپ نے مجھے اپنے پیچھے کھڑا کیا' میرا رخسار آپ کے رخسار پر تھا اور آپ ان سے فرما رہے تھے کہ اے بنی ارفدہ کھیلتے رہو' یہاں تک کہ میں تھک گئی' آپ نے فرمایا اے عائشہ بس! میں نے عرض کیا جی ہاں! اس پر آپ نے مجھ سے فرمایا کہ اب اندر جاؤ (بخاری و مسلم) ان روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ گانا اور کھیلنا حرام نہیں ہے۔ مذکورہ بالا احادیث سے بہت سے امور میں رخصت کا ثبوت ملتا ہے مثلاً "یہ کہ آپ نے حبشیوں کو کھیلنے' اور دوسروں کو ان کا کھیل دیکھنے کی اجازت دی' حالاں کہ وہ صرف کھیلتے ہی نہیں' بلکہ کھیلنے کے دوران ناچتے کودتے بھی ہیں' کیوں کہ کھیل مسجد میں تھا' اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اس طرح کے کھیل مسجد میں ہو سکتے ہیں' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان حبشیوں سے یہ فرمایا کہ اے بنی ارفدہ کھیلتے رہو' اس جملے میں کھیل کی اجازت بھی ہے' اور حکم بھی۔ اس صورت میں کھیل کو حرام کس طرح کہا جا سکتا ہے نہ صرف یہ کہ آپ نے کھیل دیکھا' کھیل جاری رکھنے کے لئے کہا بلکہ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کو بھی منع کیا۔ حضرت ابوبکرؓ کو اس سے کہ وہ لڑکیوں کو گانے سے نہ روکیں' اور حضرت عمرؓ کو اس سے کہ وہ حبشیوں کو کھیلنے سے منع نہ کریں' اس کی وجہ آپ نے یہ بیان فرمائی کہ آج عید کا دن ہے' یعنی خوشی اور مسرت کا دن ہے' اور کھیلنا' اور گانا خوشی کے اظہار کا ذریعہ ہیں' حضرت عائشہؓ سے کھیل دیکھنے کے لئے آپ نے خود دریافت فرمایا' نیز آپ ان کی خاطر دیر تک کھڑے رہے یہاں تک کہ وہ خود ہی تھک کر ہٹ گئیں' یہ عمل اس کی بات کی دلیل ہے کہ عورتوں اور بچوں کے ساتھ خوش اخلاقی سے پیش آنا اور انھیں کھیل دکھا کر خوش کرنا تقشف اور سخت گیری سے بہتر ہے' اس اسوۂ مبارک سے یہ سبق بھی ملتا ہے کہ اس طرح کے مواقع پر عورتوں سے خود ان کی خواہش دریافت کر لینے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عائشہؓ سے ان کی خواہش اس لئے معلوم نہیں کی تھی کہ آپ اہل خانہ کی مرضی

(۱) بخاری و مسلم میں یہ روایت مختصراً" منقول ہے' گھوڑے کے پر کا واقعہ ابوداؤد میں ہے۔

کے پابند تھے یا آپ کو ان کے غصے یا ناراضگی کا اندیشہ تھا یہ صورت تو اس وقت تھی جب کہ وہ درخواست کرتیں اور آپ انکار فرما دیتے' ان روایات سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ لڑکیوں کے لئے گانا اور دف بجانا جائز ہیں' اگرچہ حضرت ابوبکرؓ نے اسے شیطان کے مزار سے تشبیہ دی' لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے کہ انھیں کچھ نہ کہو' اس کی نفی ہوتی ہے کہ ان لڑکیوں کے نغمے اور دف شیطانی مزار تھے' لڑکیوں کے گانے کے دوران آپ لیٹے رہے' اور ان کی آواز آپ کے کانوں میں پڑتی رہی' بالغرض اگر آپ کسی ایسی جگہ ہوتے جہاں بربط وغیرہ بجائے جا رہے ہوتے تو آپ یقیناً" وہاں قیام کرنا ہرگز پسند نہ فرماتے۔ معلوم ہوا کہ عورتوں کی آواز ان کی حرمت مزار کی حرمت کی طرح نہیں' بلکہ عورتوں کی آواز صرف ان مواقع پر حرام ہے جہاں فتنے کا خوف ہو' ان نصوص سے ثابت ہوتا ہے کہ خوشی کے اوقات میں گانا ناچنا' دف بجانا' ہتھیاروں سے کھیلنا' حبشیوں اور زنجیوں کا ناچ دیکھنا جائز ہے' روایات میں اگرچہ عید کا دن ہے' لیکن عید کے دن کی علت سرور ہے' اور سرور عید کے علاوہ بھی ہو سکتی ہے' شادی' ولیمہ' عقیقہ' ختنہ' سفر سے واپسی وغیرہ کے مواقع بھی خوشی کے ہیں' ان مواقع پر خوشی کے اظہار کے وہ سب طریقے اپنائے جاسکتے ہیں جن کا روایات سے ثبوت ملتا ہے۔

ششم' عشقیہ غزلیں : عشاق بھی گانا سنتے ہیں' ان کے سماع کا مقصد آتش شوق کو بھڑکانے اور شعلۂ عشق کو ہوا دینے کے علاوہ کوئی دوسرا نہیں ہوتا' بعض اوقات معشوق سامنے ہوتا ہے اور اس کی موجودگی میں اشعار پڑھے جاتے ہیں' اس صورت میں لذت کی زیادتی مقصود ہوتی ہے' کبھی معشوق کے فراق میں گیت گائے جاتے ہیں' ان گیتوں سے جذبۂ شوق فزوں ہوتا ہے' اگرچہ جدائی میں تکلیف ہے مگر وصال کی آرزو اس تکلیف میں یک گونہ لذت پیدا کر دیتی ہے' جتنا شوق ہوتا ہے اسی قدر لذت زیادہ ہوتی ہے' معشوق کے حسن و جمال کی تعریف بھی لطف دیتی ہے' یہ سماع جائز ہے بشرطیکہ معشوق ان لوگوں میں سے ہو جن کا وصال شرعاً" جائز ہے' مثلاً" بیوی اور باندی۔ ان کے عشق میں گیت گانا جائز ہے' خواہ وہ موجود ہوں یا نہ ہوں اگر موجود ہوں تو خود ان کا گانا بھی سنا جا سکتا ہے' عشاق کو اس میں بھی لذت ملتی ہے' بلکہ اس میں مختلف قسم کی لذتیں جمع ہو جاتی ہیں' آنکھ دیدار حسن سے لذت پاتی ہے' کانوں کو آواز کے حسن سے مزہ ملتا ہے' ذہن و فکر وصال و فراق کے لطیف معانی سے لطف حاصل کرتے ہیں' لذت کے یہ اسباب دنیاوی متاع ہیں' اور لہو و لعب میں داخل ہونے کے باوجود مباح ہیں' اسی طرح اگر کسی شخص کی باندی ناراض ہو جائے' اور اس کے وصال میں کوئی رکاوٹ پیدا ہو جائے تو آقا کے لئے جائز ہے کہ وہ سماع سے شوق کی آگ بھڑکائے' اور وصال کے تصور سے لذت حاصل کرے' لیکن اگر کسی نے اپنی باندی فروخت کر دی' یا بیوی کو طلاق دے دی' اس صورت میں سماع کے ذریعہ عشق کے جذبے کو ہوا دینا جائز نہ ہو گا' اس لئے کہ جہاں وصال اور دیدار جائز نہیں وہاں عشق اور شوق کی تحریک بھی جائز نہیں' چنانچہ کسی لڑکے' یا غیر محرم عورت کا تصور کر کے سماع میں مشغول ہونا حرام ہے' کیوں کہ اس سے قلب میں حرام افعال کا داعیہ پیدا ہوتا ہے' اکثر عشاق اور بے وقوف نوجوان شہوت کے غلبے میں اس مرض کا شکار ہو جاتے ہیں' ایسے لوگوں کے حق میں سماع ممنوع ہے' ممانعت کی وجہ یہ نہیں کہ سماع میں کوئی خرابی ہے' بلکہ خرابی ان کے تصور کی ہے' اگر وہ تصور نہ ہوتا تو ان کے لئے سماع جائز ہوتا۔ کسی دانش مند سے عشق کے متعلق پوچھا گیا' اس نے جواب دیا کہ عشق ایک دھواں ہے جو انسان کے دماغ کی طرح پرواز کرتا ہے' یہ دھواں سماع سے بڑھتا ہے اور جماع سے زائل ہو جاتا ہے۔

ہفتم عاشقان خدا کا سماع : یہ ان لوگوں کا سماع ہے جن کے رگ و پے میں اللہ تعالیٰ کی محبت اور اس کا عشق سرایت کئے ہوئے ہے' اس کے دیدار کا شرف حاصل کرنا ان کی تمام ریاضتوں اور عبادتوں کا مقصد ہے' جو دنیا کی ہر چیز میں اپنے محبوب کے نور کی تجلی دیکھتے ہیں' ہر آواز انھیں محبوب کے وجود کی خبر دیتی ہے' سماع سے اس کا عشق بڑھتا ہے' اس کے شوق کی آگ بھڑکتی ہے' وصال محبوب کی آرزو زیادہ ہو جاتی ہے' سماع ان کے دلوں کے لئے چقماق ہے' جس طرح چقماق کی رگڑ پتھر کے سینے میں

آگ کی روشن چنگاریاں پیدا کرتی ہے' اسی طرح سماع کی رگڑ باطن کے مخفی لطائف' اور عجیب و غریب مکاشفات ظاہر کرتی ہے' یہ لطائف و مکاشفات کیا ہیں؟ ہر شخص ان کی حقیقت بیان نہیں کر سکتا' صرف وہی لوگ ان احوال سے واقف ہیں جنھوں نے اس کا ذائقہ چکھا ہے' جو لوگ ان احوال کی لذّت و حلاوت سے محروم رہے وہ ان کا انکار کرتے ہیں۔ تصوف کی زبان میں ان مخصوص احوال کا نام جو سماع کے نتیجے میں قلب پر طاری ہوں وجد ہے' وجد وجود سے مشتق ہے جس کے معنی ہیں مصادفہ یعنی سامع نے اپنے دل میں وہ احوال موجود پائے جو سماع سے پہلے موجود نہیں تھے' پھر ان کے احوال کے نتیجے میں جو روادف اور توابع پیدا ہوتے ہیں وہ دل کو جلا ڈالتے ہیں اور اسے تمام آلائشوں سے پاک کر دیتے ہیں۔ جس طرح آگ سونے کو کندن بنا دیتی ہے۔ اس تزکیہ و تصفیہ کے بعد قلب کو مکاشفات اور مشاہدات کی قوت حاصل ہوتی ہے' یہ قوت ہی باری تعالیٰ کے عشاق کے مقصد کی انتہا اور ان کی ریاضت و عبادت کا ثمرہ ہے۔

سماع سے حاصل ہونے والے احوال کا سبب وہی ہے جو پہلے بھی بیان کیا جا چکا ہے' یعنی روحوں کو موزوں نغمات کے ساتھ مناسبت ہے' اللہ تعالیٰ نے یہ مناسبت پیدا کی ہے' اور روحوں کو نغموں کا مسخر بنایا ہے' یہی وجہ ہے کہ جس طرح کے نغمے ہوں روحوں پر اسی طرح کے اثرات مرتب ہوتے ہیں' خوشی' غم' شوق' انقباض اور انبساط کی یہ تمام کیفیتیں نغموں سے طاری ہوتی ہے اور ظاہر جسم بھی ان کی کیفیات کا اظہار کرتا ہے' آواز کے ساتھ روحوں کی مناسبت کا سبب علم کاشفہ کے دقائق میں سے ہے' ہر شخص کے بس کی بات نہیں کہ وہ اس سبب کو دریافت کر سکے۔ غبی' کند ذہن اور سنگ دل آدمی سماع کی لذت سے محروم رہتا ہے' اسے ان لوگوں پر حیرت ہوتی ہے جو سماع سے لذت حاصل کرتے ہیں' اور اس لذت سے ان پر وجد کی کیفیت طاری ہو جاتی ہے' ان کی حالت دگرگوں ہو جاتی ہے اور چہرے کا رنگ بدل جاتا ہے' ایسے لوگوں کی حیرت دراصل محرومی کی وجہ سے ہے اگر وہ بھی سماع کی لذت کا ادراک کر سکتے تو انہیں حیرت نہ ہوتی' ان کا حال چوپائے کی طرح ہے' جو مزہ انہیں گھاس دانے میں ملتا ہے وہ حلوے اور میوے میں کہاں' نامرد سے جماع کی لذت بیان کرنے لگو تو کیا اسے تمہاری بات پر یقین آئے گا' بچہ کو اقتدار اور جاہ و منصب کی لذت کا کیا پتا؟ جاہل آدمی کو کیا معلوم کہ اللہ تعالیٰ کی معرفت' اس کے جلال' اس کی عظمت' اور عجائب صفت کی معرفت میں کیا مزہ ہے' یہ سب لوگ متعلقہ چیز کی لذت کے ادراک سے قاصر ہیں' کیوں کہ ان میں وہ قوت ہی نہیں ہے جس سے ادراک کیا جا سکے' ایک شخص ذائقے کی قوت سے محروم ہے' کیا اس سے یہ توقع کی جا سکتی ہے کہ وہ کسی چیز کا مزہ بیان کر سکے گا' اندھے سے مشاہدے کی لذت' اور بہرے سے سماع کی لذت معلوم کرنا حماقت ہے' اسی طرح عقل سے محروم ان چیزوں کا ادراک نہیں کر سکتا جن کا تعلق عقل سے ہے' سماع کی ذت باطنی حس پر موقوف ہے' جس شخص میں یہ حس ہی نہ ہو اس سے سماع کے انکار ہی کی توقع کی جا سکتی ہے۔

عشق الٰہی کیا ہے؟ : یہاں یہ سوال کیا جا سکتا ہے کہ باری تعالیٰ سے محبت اور عشق کے کیا معنی ہیں؟ اور سماع کے ذریعہ اس جذبۂ عشق کی تاکید و تحریک کا کیا مطلب ہے؟ اس سلسلے میں یہ بات جان لینی چاہیئے کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کی معرفت رکھتے ہیں ان کے دلوں میں اس کی محبت کی شمع بھی روشن ہے اور اس کا اجالا اتنا ہی ہے جتنی ان کی معرفت ہے' جس کی معرفت پختہ ہوتی ہے اس کی محبت بھی پختہ ہوتی ہے اور پختہ محبت ہی عشق ہے' عشق فرط محبت کو کہتے ہیں' محبت میں ایک مرتبہ ایسا بھی آتا ہے' کہ آدمی سب کچھ چھوڑ کر محبوب کا ہو جاتا ہے' محبوب کا تصور' اس کی یاد' اسکے وصال کی آرزو ہی اس کا اصل سرمایہ ہوتی ہے یہی وجہ ہے کہ جب سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے رب کریم کی عبادت کیلئے غار حرا میں تنہائی اختیار فرمائی تو لوگوں نے کہا کہ محمد تو اپنے رب پر عاشق ہو گئے ہیں۔

یہاں یہ بات بھی جان لینی چاہیئے کہ جس قوت مدرکہ کے ذریعے جمال کا ادراک ہوتا ہے اس کے نزدیک ہر جمال محبوب ہے' اور کیوں کہ اللہ تعالیٰ جمیل ہے اور جمال کو پسند کرتا ہے' اس لئے دنیا کے ہر جمال میں اس کے حسن کا پرتو نظر آتا ہے خواہ وہ جمال

ظاہری ہو یا باطنی۔ جمال ظاہری کا تعلق آنکھ سے ہے' اور جمال باطنی کا تعلق عقل سے ہے۔ ایک شخص ظاہر میں اچھا ہے یعنی اسکے اعضاء متناسب ہیں' رنگت صاف ہے۔ قدو قامت معتدل ہے' یہ سب ظاہری جمال کے اجزاء ہیں' یہ جمال آنکھ کے حاسے سے معلوم ہوتا ہے' دوسرا شخص باطن میں اچھا ہے' وہ عظیم ہے' عالی مرتبت ہے' حسن اخلاق کے زیور سے آراستہ ہے' اسکے دل میں مخلوق خدا کے لئے بھلائی اور خیر کا جذبہ ہے' یہ باطن کا جمال ہے' ظاہری آنکھ اسکا ادراک نہیں کرسکتی' یہ سب امور حاسۂ قلب سے معلوم ہوتے ہیں' لفظ جمال جس طرح ظاہری حسن کے لئے بولا جاتا ہے' اسی طرح باطنی خوبیوں کے لئے بھی استعمال کیا جاتا ہے' چنانچہ کہہ دیا جاتا ہے کہ فلاں شخص حسین و جمیل ہے' مگر اس سے ظاہری شکل و صورت مراد نہیں ہوتی' بلکہ اخلاق حسنہ اور صفات حمیدہ مراد ہوتی ہیں' آدمی سے جس طرح اس کی شکل و صورت کی بناء پر محبت کی جاتی ہے' اسطرح سیرت و کردار اور اخلاق و صفات کی بناء پر بھی محبت کی جاتی ہے' یہی محبت بڑھتے بڑھتے عشق کا درجہ اختیار کرلیتی ہے' چنانچہ ائمہ مذاہب شافعیؒ' مالکؒ اور ابو حنیفہؒ کے لئے اپنے دلوں میں محبت و عشق کے جذبات رکھنے والے ہزاروں لوگ موجود ہیں جو ان کی خاطر جان و مال کی قربانی سے بھی دریغ نہ کریں' عشق میں جو غلو انھیں حاصل ہے وہ شاید ہی کسی عاشق کو میسّر ہو' ہم رات دن ایسے اشخاص کی محبت میں مبتلا ہوتے ہیں جن کی صورت کبھی نہیں دیکھی اور نہ یہ معلوم کہ وہ خوب صورت تھی یا بد صورت' لیکن ان کے اخلاق ان کے کردار' اور مسلمانوں کے لئے ان کی خدمات ہمیں ان کی محبت پر مجبور کرتی ہیں' نہ کوئی شخص اس محبت پر اپنی حیرت کا اظہار کرتا ہے' نہ اس کی کیفیت دریافت کرتا ہے' پھر کیا بات ہے کہ لوگ عشق الٰہی کی کیفیت معلوم کرتے ہیں' اور عارفین کے دلوں میں اس محبت کی پیدائش کا سبب دریافت کرتے ہیں' جس ذات پاک کا یہ حال ہے کہ دنیا کی ہر خوبی اس کی خوبیوں کا پرتو اور ہر حسن اس کے جمال کا عکس ہے' عقل' سمع' بصر اور دوسرے حواس کے ذریعہ جن خیرات' لذات اور صفات کا ادراک ہوتا ہے' وہ سب اسی کے بحرنا پیدا کنار کا ایک قطرہ اور لازوال خزانوں کا ایک ذرہ ہیں خواہ ان کا تعلق' ازل سے ابد تک کسی بھی وقفے سے ہو اور اعلیٰ علیین سے اسفل السافلین تک کسی بھی حصے میں ہو' جس ذات پاک کے یہ اوصاف ہوں کیا اس کا عشق ناقابل فہم ہو سکتا ہے' جو لوگ باری تعالیٰ کے ان اوصاف سے واقف ہوں گے ان کے دلوں میں یقیناً اس کی محبت ہوگی' اور یہ محبت بڑھتے بڑھتے عشق کا درجہ اختیار کرلے گی' بلکہ اس میں اتنی قوت اور اتنا کمال پیدا ہوجائے گا کہ اس کے بعد اسے عشق کہنا ظلم ہوگا کیوں کہ عشق کا لفظ محبت کے اس کمال کا صحیح طور پر اظہار نہیں کرسکتا جو عارفین کے دلوں میں پیدا ہوجاتی ہے۔ پاک ہے وہ ذات کہ شدت ظہور ہی جس کے ظہور کا حجاب ہے اور اس کے نور کی چمک ہی اسکے جمال کا پردہ ہے' اگر وہ ذات پاک نور کے ستّر حجابوں میں نہ ہوتی تو دیکھنے والوں کی نگاہیں اس کے انوار کی کرنوں سے جل کر خاکستر ہوجاتیں' اگر اسکا ظہور اسکے مخفی ہونے کا سبب نہ ہوتا تو عقلیں دنگ رہ جاتیں' دل پریشان ہوجاتے' قوتیں مضمحل اور اعضاء منتشر ہوجاتے' بالفرض اگر لوہے کے سینے میں پتھر کا دل بھی ہوتا تو اسکی تجلی کے انوار کی ایک ادنیٰ کرن بھی لوہے کو پگھلا دیتی اور پتھر کو ریزہ ریزہ کردیتی' شپرک میں یہ طاقت کہاں کہ وہ دن کے اجالے میں باہر آئے اور آفتاب کی ضیاء پاش کرنوں سے آنکھ ملا سکے۔

کتاب المحبت میں ہم بتلائیں گے کہ غیر اللہ کی محبت قصور فہم اور نادانی کی علامت ہے' محقق کامل کے نزدیک حقیقی محبت صرف باری تعالیٰ سے ہوسکتی ہے کیوں کہ محقق کی نظر ظاہری اشیاء پر نہیں ٹھہرتی بلکہ انکے خالق پر ٹھہرتی ہے' ظاہری اسباب کو اہمیت دینا جاہلوں کا شیوہ ہے' اہل معرفت مسبّب الاسباب کو اہمیت دیتے ہیں' مثلاً ایک شخص کی نظر امام شافعیؒ کے علوم پر ہے' وہ ان کی تصانیف میں ان کے علوم کا جلوہ دیکھتا ہے' اگرچہ ان کتابوں میں علوم کے علاوہ بھی بہت کچھ چیزیں ہیں' الفاظ ہیں' جملے اور عبارتیں ہیں' کاغذ' سیاہی اور جلد ہے' لیکن وہ ان چیزوں کو درخور اعتنا نہیں سمجھتا' صرف علوم کو اہمیت دیتا ہے' اور ان میں امام شافعیؒ کا عکس تلاش کرتا ہے جن سے اسے محبت ہے۔ دنیا کی موجودات پر نظر ڈالئے' یہ تمام موجودات باری تعالیٰ کی تصنیف اور اس کا فعل ہیں' جو شخص ان موجودات کو اس نقطۂ نظر سے دیکھے گا کہ وہ باری تعالیٰ کی صفات اور تخلیق ہیں وہ ان میں صانع و خالق

کی صفات دیکھے گا۔ اعتدال صانع کی عظمت دلوں میں پیدا کرتی ہے' اس عظمت سے محبت جنم لیتی ہے' اور یہ محبت عشق حقیقی کا روپ اختیار کرلیتی ہے۔

عشق الٰہی میں شرکت کا تصور ممکن نہیں' باقی تمام عشق اور محبتیں شرکت قبول کرلیتی ہیں' اسلئے کہ ہر محبوب کی نظیر ہوسکتی ہے خواہ وجود میں ہو یا امکان میں' ہر معشوق کا بدل مل سکتا ہے خواہ ابھی یا آئندہ چل کر' لیکن باری تعالیٰ کی نظیر ممکن نہیں ہے' نہ اب ہے نہ پہلے کبھی تھی' اور نہ آئندہ کبھی ہوگی' اسکا جمال بے مثال ہے' اسکی صفات لاثانی ہیں' اسکا حسن عدیم النظیر ہے' غیر اللہ کا عشق مجازی ہوتا ہے حقیقی نہیں ہوتا' البتہ کور باطن اور کم عقل میں حیوانوں سے قربت رکھنے والے لوگ عشق مجازی ہی کو سب کچھ سمجھتے ہیں' ان کا مطمح نظر وصال یار ہے' جس کے معنی ہیں ظاہری جسموں کا ملنا اور جماع کی شہوت پوری کرنا۔ ان گدھوں کے سامنے عشق' شوق' وصال اور انس جیسے پاکیزہ الفاظ استعمال نہ کرنے چاہئیں' بلکہ وہی الفاظ استعمال کرنے چاہئیں جو ان کے حقیر مقاصد کے عین مطابق ہوں' چوپایوں کے سامنے گھاس پھوس رکھا جاتا ہے اسی کو وہ شوق سے کھاتے ہیں' نرگس و زعفران' نسترو یاسمین جیسے پھول ان کی خوراک نہیں بن سکتے۔ باری تعالیٰ کے حق میں صرف وہ الفاظ بولنے چاہئیں جو کسی ایسے معنی کے لئے نہ بولے جاتے ہوں جس سے باری تعالیٰ کی تنزیہہ و تقدیس واجب ہے۔

باری تعالیٰ کے ذکر سے اس کا عشق بڑھتا ہے' اور وجد کی کیفیت طاری ہوجاتی ہے' عجب نہیں کہ بعض عشاق پر وہ وجد غالب آئے کہ ان کے دل پھٹ جائیں' اور روح کا رشتہ جسم سے ختم ہوجائے' چنانچہ حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بنی اسرائیل میں ایک لڑکا پہاڑ پر تھا' اس نے اپنی ماں سے دریافت کیا کہ یہ آسمان کس نے پیدا کیا ہے؟ ماں نے جواب: اللہ نے لڑکے نے پوچھا: اور یہ زمین کس نے بنائی ہے؟ ماں نے کہا! اللہ نے' لڑکے نے پہاڑوں کے بارے میں معلوم کیا کہ یہ اتنے اونچے اونچے پہاڑ کس کی کاریگری کا نمونہ ہیں' ماں نے پھر وہی جواب دیا' لڑکے نے بادلوں کے متعلق بھی یہی سوال کیا' اور ماں نے اس مرتبہ بھی اللہ ہی کا نام لیا' اس لڑکے نے کہا اللہ کی عجیب شان ہے' اور اپنے آپ کو پہاڑ سے نیچے گرالیا' اور ٹکڑے ٹکڑے ہوگیا (ابن حبان) اس کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ اسنے اللہ تعالیٰ کی جلالت شان' اور کمال قدرت کے دلائل سنے' اور اس ذکر سے اس پر وجد طاری ہوا اور وہ بے خودی کے عالم میں پہاڑ سے گر کر ریزہ ریزہ ہوگیا' تمام آسمانی کتابیں اسی لئے نازل ہوئی ہیں کہ لوگ اللہ کا ذکر سنیں' اور وجد و طرب کی کیفیت سے دوچار ہوں' ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ میں نے انجیل میں اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد لکھا ہوا دیکھا ہے کہ ہم نے تمہارے سامنے گایا لیکن تم طرب کی کیفیت سے نہیں گزرے' ہم نے مزمار بجایا لیکن تم نے رقص نہیں کیا' ہم نے اللہ کے ذکر کا شوق دلایا مگر تمہارے دلوں میں شوق پیدا نہیں ہوا۔

یہ سماع کی اقسام' اسباب اور مقتضیات کی تفصیل تھی' اس تفصیل سے یہ بات ظاہر ہوگئی ہے کہ بعض مواقع پر سماع مباح ہے' اور بعض مواقع پر مستحب۔ لیکن یہ اباحت و استحباب مطلق نہیں ہے بعض حالات میں سماع منع بھی کیا جاتا ہے۔

سماع کی حرمت کے اسباب

: پانچ اسباب کی بناء پر سماع حرام ہوجاتا ہے' ذیل میں ان تمام اسباب کی الگ الگ تفصیل کی جاتی ہے۔

پہلا سبب : یہ ہے کہ گانے والی عورت نامحرم ہو' شریعت نے اسکی طرف دیکھنے کی اجازت نہیں دی ہے۔ اسکا گانا سننا اس لئے جائز نہیں کہ اس کی آواز فتنہ میں مبتلا کرسکتی ہے' امرد کا حکم بھی یہی ہے اس کی آواز سننے میں بھی فتنے کا خوف ہے' اسلئے امرد کا سماع سے بھی منع کیا گیا' اور یہ حکم صرف سماع کا نہیں بلکہ ایسی عورت یا امرد سے کلام کرنے یا ان کی تلاوت سننے کا بھی یہی حکم ہے۔

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ عورت یا امرد کے سماع کی حرمت ہر شخص کے حق میں عام ہے یا صرف ان لوگوں کے حق میں

ہے جن کے متعلق فتنے میں مبتلا ہونے کا خوف ہو۔ اسکا جواب یہ ہے کہ فقہ کی رو سے یہ مسئلہ محتمل ہے' اور دو اصولوں پر مبنی ہے' پہلی اصل یہ ہے کہ اجنبیہ کے ساتھ خلوت کرنا اور اسکے چہرے کو دیکھنا حرام ہے' خواہ فتنے کا خوف ہو یا نہ ہو' اسلئے کہ خلوت اور رویئت دونوں ہی محل فتنہ ہیں اگرچہ فی الحال کوئی احتمال نہیں ہے' لیکن یہ احتمال خارج از امکان بھی نہیں ہے صورتوں کے حسن و قبح سے قطع نظر شریعت نے اس حکم کے ذریعہ فتنے کا دروازہ ہی بند کردیا۔ دوسری اصل یہ ہے کہ اگر فتنے کا خوف نہ ہو تو امرد کی طرف دیکھنا مباح ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ امرد کا حکم وہ نہیں جو عورت کا ہے' بلکہ اس میں فتنے کے خوف کی قید لگائی جاتی ہے۔ عورت کی آواز ان دونوں اصلوں پر منطبق ہو سکتی ہے' اگر ہم آواز کو چہرہ دیکھنے پر قیاس کریں تو اس کا سننا حرام ہے' قیاس قریب سے بھی آواز کی حرمت ثابت ہوتی ہے' لیکن دیکھا جائے تو آواز اور چہرہ کا حکم یکساں نہیں ہو سکتا' اس لئے کہ شہوت سے اولاً دیکھنے کی خواہش ہوتی ہے آواز سننے کی نہیں' اسی طرح شہوت دیکھنے سے جس قدر بھڑکتی ہے اس قدر آواز سننے سے نہیں بھڑکتی' نیز عورت کی آواز صرف غنا میں ستر ہے' عام حالات میں ستر نہیں ہے' صحابہ کرام کے زمانے میں عورتیں مردوں سے باتیں کیا کرتی تھیں' سلام بھی کرتی تھیں' سلام کا جواب بھی دیتی تھیں' اور مسائل بھی معلوم کیا کرتی تھیں' لیکن کیوں کہ سماع کی آواز اور غیر سماع کی آواز میں فرق ہے' سماع کی آواز سے شہوت کو زیادہ تحریک ملتی ہے اس لئے بہتر یہ ہے کہ عورتوں کی آواز کو نوخیز لڑکوں کی صورت میں قیاس پر جائے' جس طرح لڑکوں کو پردہ کا حکم نہیں دیا گیا اسی طرح عورتوں کو بھی یہ حکم نہیں دیا گیا کہ وہ اپنی آوازیں مخفی رکھیں' اسلئے بہتر یہ ہے کہ خوف فتنہ کو مدار حکم بنایا جائے اور حرمت صرف ان لوگوں کے حق میں ہو جن کے بارے میں خوف ہو کہ وہ فتنے میں مبتلا ہو جائیں گے' اس قیاس کی تائید حضرت عائشہؓ کی اس روایت سے بھی ہوتی ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے دو لڑکیوں کے گانے کا ذکر ہے' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یقینی طور ان لڑکیوں کی آواز سن رہے تھے' لیکن آپ نے ان کی آواز سے اس لئے اجتناب نہیں فرمایا کہ آپ پر فتنے میں مبتلا ہونے کا خوف نہیں تھا' اس سے معلوم ہوا کہ آواز کا حکم عورت اور مرد کے احوال کے اختلاف سے مختلف ہوتا ہے' بوڑھے کا حکم وہ نہیں ہے جو جوان کا حکم ہے' ان امور میں جوان اور بوڑھے کے فرق کی نظیر بھی ملتی ہے' مثلاً ہم یہ کہتے ہیں کہ روزے کی حالت میں بوڑھا آدمی اپنی بیوی کا بوسہ لے سکتا ہے' لیکن جوان آدمی کے لے بوسہ لینا جائز نہیں' کیوں کہ بوسہ جماع کا مقتضی ہے' اور جماع سے روزہ فاسد ہو جاتا ہے۔

<u>دوسرا سبب</u> : یہ ہے کہ آلۂ سماع حرام ہو' مثلاً وہ باجے بجائے جائیں جو میخواروں اور مخنثوں کا شعار ہیں' جیسے مزامیر' ساز اور ڈھولک' انکے علاوہ جتنے باجے ہیں وہ سب اپنی اصل یعنی اباحت پر ہیں' مثلاً جھانجھ والے دف اور نقار سے بجانے' یا لکڑی وغیرہ سے گت لگانا۔

<u>تیسرا سبب</u> : یہ ہے کہ کلام میں خرابی ہو' چنانچہ اگر سماع میں گائے جانے والے اشعار میں فحش اور بیہودہ مضامین ہوں' یا ان میں کسی کی ہجو کی گئی ہو' یا اللہ' اسکے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام پر افترا پردازی کی گئی ہو' جیسا کہ رافضی فرقے کے لوگ صحابہ کرام پر تبرا کرتے ہیں اور انکی ہجو میں اشعار گھڑ لیتے ہیں' ایسے کلام کا سننا خواہ منظوم ہو یا منثور' ترنم ہو یا بلا ترنم کے حرام ہے' اس طرح کا کلام سننے والے کا وہی حکم ہے جو کہنے والے کا ہے' اسی طرح وہ اشعار بھی جائز نہیں جن میں کسی مخصوص عورت کے اعضاء' بدن کی تعریف و توصیف کی گئی ہو' اسلئے کہ مردوں کے سامنے عورت کا اس طرح ذکر کرنا جائز نہیں ہے' جس سے اس کے اعضاء اور بدن کا حال معلوم ہو' البتہ کافروں اور بدعتیوں کی ہجو کرنا اور ان کے عیوب کو نظم و نثر کی پیرائے میں بیان کرنا اور سننا جائز ہے' چنانچہ شاعر رسول حضرت حسان ابن ثابتؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کفار کی ہجو میں اشعار سنایا کرتے تھے' بعض اوقات خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم انھیں اسطرح کے اشعار سنانے کا حکم فرماتے' (بخاری و مسلم۔ براء بن عازب) تشبیب (غزل کے اشعار) میں تامل ہے' قصائد کے شروع میں بطور حسن آغاز عورتوں کے خدو خال' اور قدو قامت کا

تذکرہ کرنا شعراء کا معمول رہا ہے' صحیح یہ ہے کہ اس طرح کے اشعار پڑھنا خواہ آواز سے ہو یا بغیر آواز کے حرام نہیں ہے' البتہ سامع کے لئے ضروری ہے کہ وہ بیان کردہ اوصاف کا محمل کسی خاص عورت کو قرار نہ دے' تاہم اگر وہ عورت اس کی منکوحہ بیوی' یا مملوکہ باندی ہو تب کوئی حرج نہیں ہے' اجنبی عورت کو اشعار کا موضوع بنانا اور اس سلسلے میں فکر سخن کرنا گناہ ہے' جس شخص کا حال یہ ہو کہ وہ نامحرم عورتوں یا امردوں کو اپنا موضوع سخن بنائے' یا جو اشعار سنے انھیں مخصوص عورتوں یا امردوں پر ڈھالے' اسے سماع کی اجازت نہیں دی جائے گی' اسلئے کہ اسکے دل و دماغ پر عشق سوار ہے اور جو کچھ وہ سنتا ہے اسے اپنے معشوق پر ڈھالنا اس کا شیوہ ہے' خواہ مناسبت ہو یا نہ ہو' استعاراتی زبان میں بہت سے معنی پیدا کرنے کی بڑی گنجائش ہے' کیوں کہ کوئی لفظ بھی ایسا نہیں ہے جسے بطور استعارہ متعدد معانی کے لئے استعمال نہ کیا جاسکے' چنانچہ جس شخص کے دل پر عشق الہی کا غلبہ ہوتا ہے وہ زلفوں کی سیاہی سے کفر کی تاریکی' رخساروں کی تابندگی اور تازگی سے نور ایمان' وصال سے باری تعالیٰ کی ملاقات' فراق سے باری تعالی کے مغضوب و مردود لوگوں کی زمرے میں شمول' رقیب سے وہ تمام موانع' عوائق اور آفات مراد لیتا ہے جو روح کے اضطراب کا باعث بنتی ہیں' اور وصال الہی کی طرف قدم بڑھانے سے روکتی ہیں: ان الفاظ کو مذکورہ معانی پر محمول کرنا نہ کسی غور و فکر کا محتاج ہے' نہ استنباط و استخراج کا اور نہ مہلت و تاخیر کا بلکہ' جس پر جو کیفیت غالب ہوتی ہے وہ ہر لفظ سے اپنی اسی کیفیت کا اظہار کرتا ہے' ہر لفظ سے وہی معنی مراد لیتا ہے جو اسکے دل میں ہیں' چنانچہ ایک بزرگ کا واقعہ ہے کہ وہ بازار سے گزر رہے تھے' کانوں میں آواز پڑی "الخیار عشرۃ حبتہ" (کھیرہ دس پیسے میں) یہ الفاظ سنتے ہی ان کی حالت دگرگوں ہوگئی' وجد کی کیفیت طاری ہوگئی' لوگوں نے عرض کیا حضرت کیا ہوا؟ فرمایا اگر خیار (اچھوں) کی قیمت دس پیسے ہے تو شرار (بروں) کی قیمت کیا ہوگی۔ ایک دوسرے بزرگ کا ذکر ہے کہ بازار سے گزرتے ہوئے انھوں نے یہ جملہ سنا "یا سعتر بری" تو انھیں وجد آگیا' لوگوں نے وجد کا سبب دریافت کیا' فرمایا میں نے سنا کہ کہنے والا گویا یہ الفاظ کہہ رہا تھا "اسع تر بری" (کوشش کر تو میرا سلوک دیکھ لے گا) بعض عجمی نژاد لوگ خالص عربی اشعار پر سر دھنتے ہوئے' اور عالم بے خودی میں رقص کرتے ہوئے دیکھے گئے' اسلئے کہ عربی کے بعض الفاظ فارسی کے بعض الفاظ کے ہم وزن اور مشابہ ہوتے ہیں' اگرچہ ان کے معنوں میں زمین و آسمان کا فرق ہوتا ہے چنانچہ کسی نے یہ مصرعہ پڑھا ع وما زارنی فی اللیل الاخیالہ (میرے پاس رات میں اسکے خیال کے علاوہ کوئی نہیں آیا) ایک فارسی نے یہ مصرعہ سنا تو بے خود ہوگیا' لوگوں نے وجہ دریافت کی' کہنے لگا اس میں ہے "مازاریم" فارسی میں زار قریب المرگ اور آمادہ ہلاک شخص کو کہتے ہیں' عربی کی مانافیہ کو اس نے فارسی کی ضمیر برائے جمع متکلم (بمعنی ہم) سمجھی' اور ہلاکت و موت کا تصور کرکے وجد کرنے لگا' عشق الہی کی آگ میں جلنے والے پر وجد کی جو بھی کیفیت طاری ہوتی ہے وہ اس کے اپنے فہم کے اعتبار سے ہوتی ہے' اور فہم تخیل کی بنیاد پر ہوتا ہے ضروری نہیں کہ اس کا فہم شاعر کی زبان سمجھے' اور اسکے منشاو مراد سے اتفاق کرے' آخرت کے ہولناک تصور سے قلب کی جو بھی کیفیت ہو جائے کم ہے' اس کا حق تو یہ ہے کہ عقل مختل ہو جائے' اور اعضاء بے چین و مضطرب ہو جائیں۔ اہل حق حسن و عشق کی قصوں میں بھی اپنے مطلب کی چیز تلاش کرلیتے ہیں' وہ اجنبی زبان کا نامانوس لفظ بھی سنیں گے تو اس کا وہی محمل تلاش کریں گے جو ان کے قلب کی کیفیت سے ہم آہنگ ہو' جس شخص پر مخلوق کے عشق کا غلبہ ہے اسکو سماع سے احتراز کرنا چاہئے' اور جس پر عشق الہی کا غلبہ ہے اسے الفاظ نقصان نہیں پہنچاتے' اور نہ ان لطیف معانی کے فہم میں رکاوٹ پیدا کرتے ہیں جو ذکر الہی کے دوام سے قلب پر نازل ہوتے ہیں۔

<u>چوتھا سبب</u> : یہ ہے کہ سننے والے میں خرابی ہو' سننے والے کی خرابی یہ ہے کہ اس پر شہوت نفس کا غلبہ ہو' اور وہ عنفوان شباب کی منزل سے گزر رہا ہو' ایسا شخص شہوت کی دلدل میں پھنس جاتا ہے' ایسے شخص کیلئے سماع جائز نہیں ہے' خواہ اسکے دل میں کسی معین و مخصوص شخص کی محبت غالب ہو یا نہ ہو' زلف و رخسار اور وصال و فراق کے ذکر سے اس کی شہوت میں تحریک ہوگی اور وہ کسی ایسی متعین صورت کو ان الفاظ کا مصداق بنائے گا جو شیطان اسکے ذہن میں ڈال دے گا' اس طرح شہوت کی آگ بھڑک

اٹھے گی اور شر کو پھلنے پھولنے کا موقع ملے گا' جس نے شہوت کی آواز پر لبیک کہا اس نے گویا شیطان کے لشکر کو کمک بہم پہنچائی اور اللہ کے نیک بندوں کے ساتھ صف آراء ہونے میں اسکی مدد کی اور عقل کو شکست دی جو اللہ کا لشکر ہے اور انسان کو شیطان کے پھیلائے ہوئے جال میں پھنسنے سے بچاتی ہے' شیطانی لشکر یعنی شہوات اور الٰہی لشکر یعنی نور عقل کے درمیان ایک مسلسل جنگ جاری ہے' اور قلوب اس جنگ کا میدان ہیں' صرف وہ دل اس جنگ کی خوں ریزیوں سے محفوظ ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے فتح و کامرانی سے سرفراز فرمایا' اور انہوں نے نور عقل سے شیطانی فریب کو شکست دے دی' مگر ایسے قلوب بہت کم ہیں' زیادہ تر دلوں میں یہ خوفناک جنگ جاری ہے' بلکہ بہت سے دل شیطانی شہوتوں سے شکست کھا چکے ہیں' ان دلوں کو از سر نو سامان جنگ مہیا کرنے کی ضرورت ہے' نہ یہ کہ شیطانی لشکروں میں اضافہ کیا جائے' اور ان کے ہتھیاروں کی دھار تیز کردی جائے' وہ لوگ جن کے دل کا نور شکست کھا چکا ہے سماع میں مشغول نہ ہوں' ان کے لئے سماع ایسا ہے گویا وہ شیطانی ہتھیاروں کی دھار رکھ رہے ہوں' اور انھیں مسلسل برسرپیکار رہنے کی دعوت دے رہے ہوں۔

پانچواں سبب : یہ ہے کہ سننے والا عام لوگوں میں سے ہو' یعنی نہ اس پر حب الٰہی کا غلبہ ہو کہ سماع اسے اچھا لگے اور اسکے حق میں مفید ثابت ہو' اور نہ وہ کسی مخلوق کے عشق میں مبتلا ہو کہ سماع اسے نقصان پہنچائے' اس طرح کے لوگوں کے حق میں دوسری لذتوں کی طرح سماع بھی مباح ہے' لیکن اس پر مواظبت کرنا' اور اپنے بیشتر یا تمام اوقات اس کی نذر کردینا سخت مکروہ ہے' ایسے لوگ احمق ہیں' ان کی شہادت قابل رد ہے' اسلئے کہ وہ سماع میں مشغول رہتے ہیں جو انکے لئے ایک کھیل کی حیثیت رکھتا ہے' جس طرح صغیرہ پر مواظبت سے کبیرہ گناہ جنم لیتا ہے اسی طرح مباحات پر اصرار کرنے سے صغیرہ بن جاتا ہے' مثلاً زنگیوں اور حبشیوں کے کھیل تماشے دیکھنے پر مواظبت کرنا مکروہ ہے' اگرچہ اس کھیل کی اصل ممنوع نہیں ہے' بلکہ مباح ہے کیوں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کھیل دیکھا ہے' اور دوسروں کو بھی دیکھنے کی اجازت دی ہے' یہی حال شطرنج کا ہے' یہ کھیل بھی مباح ہے' لیکن اس پر مواظبت کرنا سخت مکروہ ہے' اگر سماع سے کھیل یا لذت مقصود ہو تو اس کی اجازت دی گئی ہے' مگر یہ اجازت اسلئے ہے کہ دل و دماغ کو کچھ راحت و آرام میسر آئے' بعض اوقات دل کے بہت سے امراض مثلاً سستی اور غفلت وغیرہ کا علاج تھوڑی دیر کے آرام سے ہوجاتا ہے' آرام کے اس مختصر وقفے کے بعد آدمی چاق و چوبند ہو کر اپنی باقی اوقات دنیا کے کاموں مثلاً کسب معاش اور پرورش اولاد وغیرہ یا دینی کاموں مثلاً نماز اور تلاوت قرآن میں لگا رہتا ہے' اب اگر کوئی شخص اپنے آپ کو کسی کھیل کے لئے وقف کردے تو وہ ان اہم کاموں کے لئے وقت کیسے نکال پائے گا مختصر کھیل' یا حصول لذت و راحت کا مختصر وقفہ ایسا ہے جیسے سرخ و سفید رخسار پر ایک ننھا سا سیاہ تل' یہ تل چہرے کا حسن دوبالا کردیتا ہے' لیکن اگر تمام چہرے پر تل ہی تل پیدا ہوجائیں تو کیا وہ چہرہ حسین و جمیل کہلانے کا مستحق رہے گا یا اتنا خراب ہوجائے گا کہ لوگ اس کی طرف دیکھنا بھی گوارا نہیں کریں گے' کثرت کی وجہ سے یہ حسن قبح میں بدل جائے گا۔ اس سے معلوم ہوا کہ اچھی چیز کی زیادتی اچھی ہو یہ ضروری نہیں ہے کہ اسی طرح یہ بھی ضروری نہیں کہ مباح کی کثرت ہو' اکثر یہ کراہت اور حرمت تک جا پہنچتی ہے' مثلاً روٹی مباح ہے لیکن اس کی کثرت حرام ہے' سماع کی اباحت کو بھی دوسری تمام مباح چیزوں کی اباحت پر قیاس کرنا چاہیے۔

سماع کی مطلق اباحت پر اعتراض کا جواب : اس بحث کے آغاز میں ہم نے سماع کو مطلقاً مباح کہا ہے' لیکن سماع کے عوارض کی تفصیل سے ثابت ہوتا ہے کہ سماع بعض لوگوں کے حق میں مباح ہے اور بعض لوگوں کے حق میں حرام ہے' اس تضاد پر یہ اعتراض کیا جاسکتا ہے کہ جس حکم میں تفصیل ہو وہاں علی الاطلاق ہاں یا نہ کہہ دینا صحیح نہیں ہے' حالانکہ تم (مصنف) نے سماع کو مطلقاً جائز کہا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اطلاق ان امور میں ممنوع ہے جن کی تفصیل خود ان امور کی وجہ سے پائی جائے' لیکن جو تفصیل عوارض کی وجہ سے پیدا ہو اس میں اطلاق ممنوع نہیں ہے' مثال کے طور پر اگر ہم سے کوئی شخص شہد کے متعلق دریافت

کرے کہ یہ حلال ہے یا حرام؟ تو ہم اسکے جواب میں یہی کہیں گے کہ شہد مطلقاً حلال ہے یقیناً اسمیں کسی طرح کی کوئی حرمت نہیں ہے' حالانکہ کہ یہ ان گرم مزاج لوگوں کے حق میں حرام ہے جنھیں اس سے نقصان ہوتا ہو' اسی طرح اگر کوئی شخص شراب کے متعلق سوال کرے تو ہم اسے مطلقاً حرام کہیں گے' حالانکہ شراب اس شخص کے لیے جائز ہے جس کے حلق میں کوئی لقمہ وغیرہ اٹک جائے اور اسے فوری طور پر کوئی سیال چیز پانی یا دودھ وغیرہ اس لقمے کو حلق سے نیچے اتارنے کے لئے نہ ملے لیکن اس جواز سے کون شخص یہ استدلال کرسکتا ہے کہ شراب مطلقاً حرام نہیں رہی' شراب اس حیثیت سے کہ وہ شراب ہے حرام ہے اس کے استعمال کی اجازت ضرورت کی بنیاد پر دی گئی ہے' یہی حال شہد کا ہے شہد اس حیثیت سے کہ شہد ہے حلال ہے' حرمت صرف ضرر کی وجہ سے ہے جو ایک عارض ہے' شراب کی اباحت بھی عارض کی وجہ سے تھی' جو بات عارض کی وجہ سے ہو اس کا کوئی اعتبار نہیں ہے' مثلاً بیع حلال ہے لیکن اگر یہ بیع جمعہ کی اذان کے وقت ہو تو حرام ہے' اس مخصوص وقت میں بیع کے حرام ہونے کی وجہ سے یہ کہنا صحیح نہ ہوگا کہ بیع کی مطلقاً حلت باقی نہیں رہی یہی حال دوسرے عوارض کا ہے' سماع کو بھی دیگر مباح امور پر قیاس کرنا چاہیے' سماع کی یہ تعریف ہے کہ وہ خوب صورت' موزوں آواز میں بامعنی کلام کا سننا ہے اس کی اباحت پر دلالت کرتی ہے' اب اگر اس میں کسی طرح کی کوئی حرمت واقع ہوئی تو وہ امر خارجی کی وجہ سے ہوگی۔ امر ذاتی اس کی حرمت کا سبب نہیں بنے گا۔ اباحت کی دلیل ہم نے بہت واضح انداز میں بیان کردی ہے' اب ہمیں اس شخص کی پرواہ نہیں جو اس تفصیل کے بعد بھی اپنی مخالفت پر قائم رہے اور غور و فکر سے کام نہ لے۔

امام شافعیؒ اور سماع: امام شافعیؒ نے گانے کو حرام نہیں کہا ہے' البتہ اپنا پیشہ بنانے کی مخالفت کی ہے اور یہاں تک کہہ دیا ہے کہ جو شخص اسے بطور پیشہ اپنائے اسکی گواہی قبول نہ کی جائے' اس کی وجہ یہ ہے کہ سماع لہو ہے اور لہو کی مواظبت مکروہ ہے اور مکروہ بھی ایسا جو باطل کے مشابہ ہے' اسطرح کے مکروہ کاموں کو پیشہ کے طور پر اختیار کرنا حماقت ہے' اور اس سے جبین شرافت داغدار ہوتی ہے' ہاں اگر کوئی شخص گانے میں مشہور نہ ہو یعنی اسے گویا نہ کہا جاتا ہو اور نہ وہ گانے سننے یا سنانے کے لئے عادتاً کہیں آتا جاتا ہو اس کے لئے محض تفریح طبع کے لئے کبھی کبھار ترنم یا بلا ترنم کچھ گالینا جائز ہے' اس سے اس کی ثقاہت مجروح نہیں ہوتی' اور نہ شہادت غیر معتبر ہوتی ہے' امام شافعیؒ نے ان دو لڑکیوں کی حدیث سے اپنی رائے کا استنباط کیا ہے جو حضرت عائشہؓ کے گھر میں گانا گا رہی تھیں' یونس عبد الاعلی کہتے ہیں کہ میں نے امام شافعیؒ سے پوچھا کہ اہل مدینہ سماع کو جائز کہتے ہیں؟ فرمایا: میں کسی ایسے حجازی عالم سے واقف نہیں ہوں جس نے سماع کو حرام قرار دیا ہو' البتہ وہ سماع حجازیین کے یہاں بھی حرام ہے جس میں (عورتوں) کے اوصاف بیان کئے گئے ہوں' حدی منازل کے آثار کے گیت گانا مباح ہے' امام شافعیؒ نے سماع کو باطل کے مشابہ کھیل قرار دیا ہے' جہاں تک کھیل کا تعلق ہے وہ حرام نہیں ہے' چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حبشیوں کا کھیل تماشا دیکھا ہے' اور اسے برا نہیں جانا ہے' نیز اگر کھیل کو لغو اور بے مقصد کام کے مشابہ تصور کیا جائے تب بھی اس پر باری تعالیٰ کے مواخذے کا اندیشہ نہیں ہے' کیوں کہ اگرچہ یہ فعل عبث ہے مگر اس سے شریعت نے منع نہیں کیا' مثلاً اگر کوئی شخص یہ طے کرلے کہ وہ دن میں سو مرتبہ اپنا ہاتھ سر پر رکھا کرے گا تو اس کا یہ فعل عبث ضرور ہے لیکن حرام نہیں ہے' ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِىْٓ اَيْمَانِكُمْ (پ ۷ ر ۲ آیت ۸۹)

اللہ تعالیٰ تم سے مواخذہ نہیں فرماتے تمہاری قسموں میں لغو قسم (توڑنے) پر۔

جب خدا کا نام کسی شئے پر عزم کے بغیر بطور قسم کے لینے میں کوئی مواخذہ نہیں ہے تو شعر و نغمہ اور رقص پر کیسے مواخذہ ہوگا' اس فعل کی لغویت اس فعل کے مقابلے میں زیادہ ہے۔ اب رہی باطل کے مشابہ ہونے کی بات اس سے بھی' سماع کی حرمت ثابت نہیں ہوتی' اس لئے کہ امام شافعیؒ نے مشابہ کا لفظ استعمال کیا ہے اگر آپ باطل بھی کہہ دیتے تب بھی یہ حرمت کی صریح دلیل نہ ہوتی' بلکہ اس کا مطلب یہ ہوتا کہ سماع فائدہ سے خالی عمل ہے' باطل اسی چیز کو کہتے ہیں جس میں کوئی فائدہ نہ ہو۔ مثلاً اگر کوئی

شخص اپنی بیوی سے کہے کہ میں نے اپنے آپ کو تیرے ہاتھ فروخت کردیا ہے' اور بیوی یہ کہے کہ میں نے خرید لیا ہے تو کہا جائے گا کہ ان کا یہ عقد باطل ہے حرام نہیں ہے بشرطیکہ ان کا مقصد مزاق اور دل لگی ہو' ہاں اگر انھوں نے اس بیع و شراء کو اس کے حقیقی معنی تملیک پر محمول کیا تو یہ معاملہ جائز نہ ہوگا کیوں کہ شریعت نے اس تملیک سے منع فرمایا ہے۔ امام شافعیؒ نے سماع کو مکروہ بھی کہا ہے' یہ کراہت ان مواقع پر محمول کی جائے گی جو ہم نے ابھی ذکر کئے ہیں یا یہ کہا جائے گا کہ اس سے کراہت تنزیہی مراد ہے' چنانچہ آپ نے شطرنج کی اباحت صریح الفاظ میں بیان کی ہے اور یہ بھی فرمایا ہے کہ میں ہر کھیل کو مکروہ سمجھتا ہوں' اگر ہر کھیل ان کے نزدیک مکروہ ہے تو شطرنج کی اباحت کے کیا معنی ہیں؟ کراہت کے تنزیہی ہونے کی تائید اس علت سے بھی ہوتی ہے جو آپ نے اس سلسلے میں بیان فرمائی اور جس کا حاصل یہ ہے کہ کھیل دینداروں اور شریفوں کا شیوہ نہیں ہے' کھیلوں پر پابندی کرنے والے کی شہادت کا قبول نہ ہونا بھی سماع کی حرمت پر دلالت نہیں کرتا' اس لئے کہ شہادت تو اس شخص کی بھی قبول نہیں کیا جاتی جو بازار میں کھاتا ہے' بعض اوقات ان لوگوں کی گواہی کا حق بھی ساقط کردیا جاتا ہے جو کسی خسیس پیشے میں مشغول ہوں' مثلاً حیاکہ (کپڑے بننے کا پیشہ) مباح ہے مگر کیوں کہ یہ اہل مروّت کا پیشہ نہیں ہے اسلئے اس پیشے والے کی گواہی قبول نہیں کی جاتی۔ اس تفصیل کا حاصل یہ نکلا کہ امام شافعی کے نزدیک سماع زیادہ سے زیادہ مکروہ تنزیہی ہے' گمان غالب یہی ہے کہ دوسرے ائمہ نے بھی کراہت تنزیہی مراد لی ہوگی' اگر ایسا نہیں ہے تو گزشتہ صفحات میں جو کچھ ہم نے عرض کیا وہ ان کا جواب سمجھا جائے۔

قائلین حرمت کے دلائل کا جواب

پہلی دلیل : جو لوگ سماع کو حرام کہتے ہیں ان کی پہلی دلیل یہ آیت کریمہ اور اس مضمون کی دوسری آیات و احادیث ہیں' ارشاد ربانی ہے :۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْتَرِىْ لَهْوَ الْحَدِيْثِ (پ۲۱ ر۱۰ آیت ۶)

اور بعضا آدمی ایسا (بھی) ہے جو ان باتوں کا خریدار بنتا ہے جو (اللہ سے) غافل کرنے والے ہیں۔

حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ' حسن بصریؒ اور نخعیؒ فرماتے ہیں کہ لہو الحدیث سے گانا مراد ہے' نیز حضرت عائشہؓ کی روایت کے بموجب سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے :۔

ان اللہ تعالیٰ حرم القینۃ وبیعھا وثمنھا وتعلیمھا (طبرانی اوسط)

اللہ تعالیٰ نے گانے والی لونڈیوں کو' اس کے بیچنے کو' اس کے دام کو' اور اس کی تعلیم کو حرام قرار دیا ہے۔

اب ہمارا جواب سنئے' اس حدیث میں قینۃ سے مراد وہ باندی ہے جو مردوں کے لئے میخواری کی مجلسوں میں گانا گائے' یہ مسئلہ ہم پہلے بیان کرچکے ہیں کہ فساق کی مجلسوں میں' اور ان لوگوں کے سامنے جن کے متعلق فتنے میں مبتلا ہونے کا خوف ہو اجنبی عورت کا گانا گانا جائز نہیں ہے' اور فتنے سے مراد یہ ہے کہ وہ گانا سن کر ممنوعہ امور میں ملوث ہوجائیں' عام طور پر عرب اسی طرح کے ناپاک مقاصد کے لئے باندی خریدتے تھے باندی اگر اپنے مالک کے لئے گانا گائے یا فتنے کا خوف نہ ہونے کی صورت میں غیر مالک کے لئے گائے تب کوئی حرج نہیں ہے' مذکورہ حدیث سے اس کی حرمت ثابت نہیں ہوتی' اور اباحت کی دلیل وہ روایت ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں دو لڑکیوں کے گانے کا ذکر ہے۔ اب آیئے آیت کی طرف' آیت میں لہو الحدیث خریدنے کا ذکر ہے اور آگے اسکی مخالفت کا سبب بیان کیا گیا ہے کہ کوئی شخص لہو الحدیث خرید کر لوگوں کو جادۂ حق سے نہ ہٹائے لوگوں کو حق کے راستے پر چلنے سے روکنا واقعتا حرام ہے' اور بڑا گناہ ہے' آیت میں اسی گانے سے منع کیا گیا ہے۔ جس سے گمراہی میں مبتلا ہونے کا اندیشہ ہو' مگر اس سلسلے میں گانے کی تخصیص کیوں ہے' جتنی بھی چیزیں راہ راست سے ہٹانے والی ہوں وہ سب ہی حرام و ممنوع ہیں' تلاوت قرآن ہی کو لیجئے' اگر کوئی شخص لوگوں کو گمراہ کرنے کے لئے قرآن کریم کی تلاوت کرے تو اس کی یہ

تلاوت بھی حرام ہوگی۔ ایک منافق کا قصہ ہی کہ وہ لوگوں کی امامت کرتا تھا' اور نمازوں میں عموماً سورۂ عبس پڑھا کرتا تھا' اس سورت میں اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر عتاب فرمایا ہے' حضرت عمرؓ کو جب یہ بات معلوم ہوئی کہ فلاں شخص خاص طور پر آیات عتاب تلاوت کرتا ہے تو آپ نے اسکی یہ حرکت پسند نہیں فرمائی' اور اسے قابل گردن زنی قرار دیا' اسلئے کہ لوگوں کو اپنے فعل سے گمراہ کرنے کا ارادہ کررہا تھا' اگرچہ اس کا فعل تلاوت تھا لیکن غلط مقصد کی وجہ سے وہ جائز فعل نہ رہا' بلکہ حرام قرار پایا'

دوسری حجت : یہ آیت ہے :۔

أَفَمِنْ هَٰذَا الْحَدِيثِ تَعْجَبُونَ وَتَضْحَكُونَ وَلَا تَبْكُونَ وَأَنتُمْ سَامِدُونَ (پ ۲۷ ر ۷ آیت ۵۹-۶۰)

سو کیا تم لوگ اس کلام (الٰہی) سے تعجب کرتے ہو اور ہنستے ہو اور روتے نہیں ہو' اور تم تکبر کرتے ہو۔

حضرت عبداللہ ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ قبیلہ حمیر کی لغت میں سمد گانے کو کہتے ہیں' اس کا جواب یہ ہے کہ اگر آیت میں سمد کو مذکور ہونے کا مطلب حرمت ہے تو پھر اس میں سمد (گانے) ہی کی تخصیص کیوں ہو' بلکہ ہنسنا اور اور نہ رونا بھی ممنوع ہونے چاہئیں' کیوں کہ یہ دونوں چیزیں بھی آیت میں مذکور ہیں' اگر تم یہ کہو کہ اس نہی سے مخصوص نہی مراد ہے' یعنی مسلمانوں پر انکے اسلام کی وجہ سے ہنسنا ممنوع ہے تو ہم یہ کہیں گے کہ گانے سے بھی مخصوص قسم کا گانا مراد ہے یعنی وہ گانا ممنوع ہے جو مسلمانوں کے لئے بطور استہزاء و تمسخر گایا جائے' اس تخصیص کی نظیر یہ آیت ہے۔

وَالشُّعَرَاءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوُونَ (پ ۱۹ ر ۱۵ آیت ۲۲۴)

اور شاعروں کی راہ تو بے راہ لوگ چلا کرتے ہیں۔

اس میں کفار شعراء مراد ہیں نہ کہ وہ مسلمان شعراء جو حق کی باتیں نظم کریں' آیت کا یہ مقصد بھی نہیں کہ شعر گوئی فی نفسہٖ کوئی بری چیز ہے۔

تیسری دلیل : وہ روایت ہے جس کے ناقل حضرت جابر ابن عبداللہ ہیں' نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

كان ابليس اول من ناح واول من تغنى (۱)

سب سے پہلے ابلیس نے نوحہ کیا اور اسی نے گانا گایا۔

اس روایت میں نوحے اور گانے کو جمع کیا گیا ہے۔ مقصد جمع یہ ہے کہ جس طرح نوحہ حرام اسی طرح گانا بھی حرام ہے' ہمارے نزدیک یہ حدیث بھی حرمت کی حجت نہیں بن سکتی اسی لئے کہ تمام نوحے ممنوع نہیں ہیں بلکہ اس ممانعت سے حضرت داؤد علیہ السلام کے نوحوں کا' اور ان لوگوں کے نوحوں کا استثناء کیا گیا ہے جو گناہوں سے نادم ہو کر باری تعالیٰ کے حضور توبہ و استغفار کے وقت کرتے ہیں' اسی طرح وہ گانے بھی مستثنیٰ ہیں جن سے مباح امور میں شوق' مسرت یا حزن پیدا ہو' جیسے عید کی روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دو لڑکیوں کو گانے کی اجازت دی جو حضرت عائشہؓ کے گھر میں گا رہی تھیں' یا مدینہ منورہ میں آپ کی تشریف آوری کے موقع پر عورتوں نے یہ گیت گا کر آپ کا استقبال کیا۔

طلع البدر علينا من ثنيات الوداع

چوتھی دلیل : حضرت ابوامامہ کی یہ روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا :۔

---

(۱) جابر کی روایت مجھے نہیں ملی' البتہ مسند الفردوس کے مصنف نے اسے حضرت علی ابن ابی طالب کی طرف منسوب کیا ہے

مارفع احد صوته بغناء الا بعث اللہ له شیطانین علی منکبیه یضربان باعقابهما علی صدره حتی یمسک (ابن ابی الدنیا، طبرانی کبیر)

جب کوئی شخص گانے میں اپنی آواز بلند کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ دو شیطان اس کے دونوں شانوں پر مسلط کردیتا ہے جو اپنی ایڑیوں سے اسکے سینے پر ضربیں لگاتے ہیں' اور اس وقت تک لگاتے رہتے ہیں جو جب تک وہ گانا نا موقوف نہ کردے۔

ہمارے نزدیک یہ حدیث سماع کی ان قسموں پر محمول ہے جن سے مخلوق کے عشق کو تحریک ملتی ہے' اور شہوت پیدا ہوتی ہے' مخلوق کا عشق اور شہوت دونوں شیطان کے مقاصد ہیں' جہاں تک اس سماع کا تعلق ہے جس سے اللہ کی ملاقات کا شوق پیدا ہوتا ہو' یا عید بچے کی پیدائش' غائب کی آمد وغیرہ مواقع پر خوشی کے اظہار باعث بنتا ہو وہ جائز ہے' اور شیطانی مقاصد کے مخالف ہے' اس کی دلیل دو لڑکیوں کے گانے کا قصہ' حبشیوں کی کھیل کی روایت' اور وہ احادیث ہیں جو اس سلسلے میں ہم نے صحاح سے نقل کی ہیں' کسی چیز کو ایک ہی موقع پر صحیح جائز قرار دینا اباحت پر نص ہے' اور ہزار مواقع پر منع کرنا محتمل ہے' اسمیں تاویل کی گنجائش بھی ہے' اور تنزیہہ کا احتمال بھی' البتہ فعل میں کسی تاویل کا احتمال نہیں ہوتا' ناجائز فعل صرف اسی وقت جائز ہوتا ہے جب اس میں اکراہ اور زبردستی کی صورت پیدا ہوجائے اور نہ کرنے میں جان و مال کو خطرہ لاحق ہو' اور جس چیز کا کرنا مباح ہے وہ بہت سے عوارض کی وجہ سے حرام ہوجاتی ہے' یہاں تک کہ نیت وارادے سے بھی مباح بلکہ مستحب اور واجب میں حرمت پیدا ہوجاتی ہے۔

ان صورتوں کو ذہن میں رکھنا بے حد ضروری ہے۔

پانچویں دلیل : حضرت عقبہ ابن عامرؓ کی یہ روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا :-

کل شئی یلهو به الرجل فهو باطل الا تادیبه فرسه' ورمیه بقوسه وملاعبته لامراته (سنن اربعہ)

ہر وہ چیز جس سے آدمی کھیلتا ہے باطل ہے مگر (تین کھیل باطل نہیں ہیں) اپنے گھوڑے کو تربیت دینا' تیر اندازی کرنا' اور اپنی بیوی سے دل لگی کرنا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ لفظ باطل "حرمت پر دلالت نہیں کرتا بلکہ بے فائدہ ہونے پر دلالت کرتا ہے' اگر تسلیم بھی کرلیا جائے کہ باطل سے مراد حرمت ہے تب ہم کہیں گے کہ جس طرح حبشیوں کا کھیل دیکھنا جائز ہے اسی طرح سماع بھی جائز ہے' حالانکہ حدیث میں حبشیوں کے کھیل کا استثناء نہیں ہے' بلکہ محصور میں غیر محصور کو قیاس کرکے شامل کرلیا گیا ہے۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں :-

لا یحل دم امرء مسلم الا باحدی ثلث (بخاری و مسلم۔ ابن مسعودؓ)

مسلمان کا خون بہانا جائز نہیں ہے مگر تین باتوں میں ایک کی وجہ سے (قصاص' رجم' یا ارتداد سے)

اسمیں تین کے علاوہ بھی امور ہوسکتے ہیں جو محصور میں غیر محصور کو قیاس کرکے شامل کرلئے جائیں گے' بیوی کے ساتھ دل لگی کرنے میں لذت کے علاوہ کوئی دوسرا فائدہ نہیں ہے' اس اعتبار سے یہ باطل بھی ہوسکتا ہے مگر کیا اس کے جواز سے انکار ممکن ہے؟ اس قاعدے سے یہ بات بھی معلوم ہوئی ہے کہ باغات میں چہل قدمی کرنا' پرندوں کی آوازیں سننا' اور ہنسی ٹھٹول کرنا حرام نہیں ہیں' حالانکہ ان سب چیزوں کو باطل کہا جاسکتا ہے۔

چھٹی دلیل : حضرت عثمانؓ کا یہ ارشاد ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کرنے کے بعد میں نے نہ کبھی گیت

گایا ہے نہ جھوٹ بولا ہے' نہ اپنے دائیں ہاتھ سے آلۂ تناسل چھوا ہے' اس کا جواب یہ ہے کہ اگر حضرت عثمانؓ کا یہ ارشاد حرمت کی دلیل ہے تو آلۂ تناسل کو دائیں ہاتھ سے چھونا بھی حرام ہونا چاہیے' کیوں کہ بیعت کے بعد آپ نے اس فعل سے بھی اجتناب کیا ہے؟ اس سے یہ کہاں ثابت ہوتا ہے کہ حضرت عثمانؓ جس چیز کو ازراہ تقویٰ' برنائے احتیاط یا بتقاضائے طبع چھوڑ دیتے وہ حرام ہو جاتی تھی۔

ساتویں دلیل : ابن مسعودؓ کا قول ہے کہ جس طرح پانی سے سبزہ اگتا ہے اسی طرح گانے سے دل میں نفاق پیدا ہوتا ہے' بعض لوگوں نے اسے مرفوع بھی روایت کیا ہے' لیکن اسکا رفع صحیح نہیں ہے۔ (۱) روایات میں ہے کچھ لوگ حضرت عبداللہ ابن عمرؓ کے سامنے سے احرام باندھے ہوئے گزرے' ان میں سے ایک شخص کچھ گا رہا تھا' ابن عمرؓ نے اس کی آواز سن کر فرمایا: اللہ تعالیٰ تمہاری دعائیں قبول نہ فرمائے' اللہ تعالیٰ تمہاری دعائیں قبول نہ فرمائے۔ نافع کہتے ہیں کہ میں حضرت عبداللہ ابن عمرؓ کے ہمراہ ایک جگہ سے گزر رہا تھا کہ ایک چرواہا گاتا ہوا نظر آیا' آپ نے اس کی آواز سن کر اپنی انگلیاں کانوں میں ٹھونس لیں' اور آگے چلدئے آپ چند قدم چلنے کے بعد مجھ سے دریافت فرماتے ہیں' نافع کیا تم اب بھی وہ آواز سن رہے ہو؟ یہاں تک کہ ایک جگہ پہنچ کر میں نے عرض کیا کہ اب آواز نہیں آرہی ہے' تب آپ نے کانوں سے انگلیاں نکالیں' اور فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو (ایسے مواقع پر) یہی کرتے دیکھا ہے (ابوداود) فضیل ابن عیاض فرماتے ہیں کہ گانا زنا کا منتر ہے۔ ایک بزرگ کہتے ہیں کہ گانا بدکاری کا رہنما اور فسق و فجور کا قاصد ہے۔ یزید ابن ولید کہتے ہیں کہ گانے سے بچو اسلئے کہ گانے سے بے شرمی کو شہہ ملتی ہے شہوت میں اضافہ ہوتا ہے اور جبین شرافت داغدار ہوتی ہے' گانا شراب کا نائب ہے' اور وہی نشہ کرتا ہے جو شراب کا خاصہ ہے' اگر تم گانا سننے پر مجبور ہو تو کم از کم عورتوں سے مت سنو' اسلئے کہ گانا سننے سے دل میں زنا کا داعیہ پیدا ہوتا ہے' اب ان تمام اقوال کے جوابات سنئے۔ حضرت ابن مسعودؓ کا یہ قول کہ گانے سے نفاق پیدا ہوتا ہے گانے والے کے سلسلے میں ہے' کیوں کہ گانے والے کی خواہش یہ ہوتی ہے کہ اپنی آواز اور فن کو لوگوں کے سامنے پیش کرے اور ان سے داد وصول کرے' اور لوگوں سے اس لئے ملتا جلتا ہے کہ وہ اس کی آواز پر فریفتہ ہوں' یہ اس کا نفاق ہے' ہم کہتے ہیں کہ اپنی آواز یا کلام کی خوبصورتی کے ذریعہ لوگوں میں مقبول ہونے کی خواہش حرام نہیں ہے' یہ ایسا ہی ہے جیسے کوئی شخص خوب صورت کپڑے پہنے' اعلیٰ نسل کے گھوڑے پر سوار ہو' یا دوسری آرائش کی چیزیں استعمال کرے' یا کھیتی اور جانوروں کی عمدہ قسموں پر اترائے یہ سب امور بھی ریا اور نفاق کا باعث ہوتے ہیں مگر انھیں مطلق حرام نہیں کہا جاتا' دل میں نفاق کے ظہور کا سبب معاصی ہی نہیں ہوتے بلکہ ان مباحات سے بھی نفاق اور ریا و کبر جیسے امراض پیدا ہو سکتے ہیں' جو مخلوق کے دیکھنے کے محل ہیں' یہی وجہ ہے کہ حضرت عمرؓ نے اس خوبصورت اور عمدہ گھوڑے کی دم کاٹ ڈالی تھی جس پر وہ سوار تھے' کیوں کہ اس کی خوش رفتاری سے انھوں نے اپنے دل میں تکبر محسوس فرمایا تھا' جانور کی خوش رفتاری مباح امور میں سے ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ مباح امور بھی نفاق و ریا کا سبب بن سکتے ہیں اسلئے ابن مسعودؓ کے قول سے یہ استدلال کرنا صحیح نہ ہوگا کہ سماع حرام ہے کیوں کہ اس سے دل میں نفاق پیدا ہوتا ہے۔ اس لئے ان مجرمین کے لئے حضرت ابن عمرؓ کی بددعا بھی حرمت پر دلالت نہیں کرتی' بلکہ آپ نے ان کے لیے اسلئے بددعا فرمائی کہ وہ احرام باندھے ہوئے تھے' اس حالت میں انکے لیے مناسب نہ تھا کہ وہ عورتوں کا ذکر کریں' اور اپنے اشعار میں انکے اوصاف بیان کریں' اشعار کے مضمون اور گانے کے انداز سے ابن عمرؓ سمجھ گئے تھے کہ سماع بیت اللہ کی زیارت کے شوق میں نہیں ہے' بلکہ محض کھیل کے طور پر ہے' آپ نے اس پر نکیر فرمائی' کیوں کہ یہ کوئی اچھی بات نہ تھی کہ وہ احرام باندھ کر اس طرح کی لغویات میں مشغول ہوں' چرواہے کی آواز سن کر

---

(۱) بیہقی نے اسے مرفوع اور موقوف دونوں طرح روایت کیا ہے' مصنّف نے اس حدیث کے رفع کو غیر صحیح اس لئے کہا کہ اس کی سند میں ایک مجہول راوی موجود ہے

کانوں میں انگلیاں دینے سے بھی حرمت ثابت نہیں ہوتی' اسی قصے میں اس کا جواب بھی ہے' کیوں کہ اگر چرواہے کا گانا حرام ہوتا تو آپ نافع سے بھی کہتے کہ وہ بھی کان بند کرلیں' اور چرواہے کی آواز نہ سنیں' نہ آپ نے ان سے کان بند کرنے کے لئے کہا اور نہ یہ فرمایا کہ اس کی آواز کی طرف دھیان مت دو بلکہ بار بار یہی سوال کرتے رہے کہ کیا اب بھی تم اس کی آواز سن رہے ہو' شاید آپ نے اپنے کان اسلئے بند کرلئے ہوں کہ کہیں اس کی آواز سے خیالات کی رو نہ بھٹک جائے' اور اس فکر کا تسلسل نہ ٹوٹ جائے جس میں وہ مستغرق تھے' یا اس ذکر میں خلل واقع نہ ہو جو بلا شبہ چرواہے کے کلام سے زیادہ افضل اور نفع بخش تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل کا حوالہ اور نافع کو اس عمل کی تلقین نہ کرنے سے حرمت کسی طرح ثابت نہیں ہوتی' زیادہ سے زیادہ اتنا ثابت ہوتا ہے کہ ترک سماع بہتر ہے' ہم بھی یہی کہتے ہیں کہ اکثر حالات میں ترک سماع بہتر ہے' بلکہ یہ بات سماع ہی پر کیا موقوف ہے بہت سے مباح امور کے لئے بھی یہی حکم ہے' اگر انکے اشتغال سے دل پر غلط اثرات مرتب ہونے کا اندیشہ ہو' چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز سے فارغ ہونے کے بعد ابو جہم کی دی ہوئی چادر اتار دی تھی' کیوں کہ اس پر بنے ہوئے نقش و نگار سے دل کی توجہ بٹتی تھی۔ (یہ روایت کتاب الصلوٰۃ میں گزر چکی ہے) کیا آپ کے اس فعل سے منقش کپڑے حرام سمجھے جائیں گے؟ ممکن ہے کہ ابن عمرؓ نے چرواہے کی آواز سے ایسی ہی کوئی کیفیت محسوس کی ہو جو آپ نے منقش چادر اوڑھ کر محسوس فرمائی تھی' پھر ابن عمرؓ کوئی معمولی شخص نہ تھے' ان حضرات کو تو ہمیشہ ہی حق کی حضوری میسر رہتی ہے' سماع سے وہ اپنے دل کے احوال بدلنے کی کیا تدبیر کریں گے' یہ تدبیریں دوسروں کے لئے کمال ہیں' حصیری کہتے ہیں کہ میں اس سماع کا کیا کروں جو گانے والے کی موت پر منقطع ہوجائے اس میں اشارہ ہے کہ اللہ سے سننا ہمیشہ رہنے والا ہے' انبیاء علیہم السلام ہمیشہ سننے اور دیکھنے کی لذت میں رہتے ہیں اسلئے انھیں قلب کی تحریک کے لئے کسی تدبیر کی ضرورت نہیں ہے۔ فضیل ابن عیاض اور دوسرے بزرگوں کی اقوال زیر بحث سماع کے لئے نہیں ہیں' بلکہ ان کا تعلق فاسقوں اور شہوت رانوں کے سماع سے ہے' اگر ہر سماع ناجائز ہوتا تو آپ ہرگز ان دو چھوکریوں کا گیت نہ سنتے جو عید کے روز حضرت عائشہ کے مکان میں گارہی تھیں۔

بعض لوگوں نے تار باجوں پر قیاس کرکے گانے کو حرام قرار دیا ہے' لیکن گانے کو تار باجوں پر قیاس کرنا ٹھیک نہیں ہے' ان دونوں کا فرق پہلے بیان کیا جاچکا ہے' بعض لوگ کہتے ہیں کہ گانا لہو و لعب میں داخل ہے اسلئے حرام ہے' لیکن گانے کے علاوہ بھی بہت سی چیزیں لہو لعب میں داخل ہیں' اول تو یہ دنیاوی زندگی ہی تمام لہو و لعب ہے' جیسا کہ قرآن کریم میں مذکور ہے' حضرت عمرؓ نے اپنی اہلیہ سے فرمایا تھا کہ تو گھر کے کونے میں پڑا ہوا ایک کھلونا ہے' عورتوں کے ساتھ ہر طرح کی دل لگی' اور ہنسی مذاق کھیل ہی تو ہے' اور یہ کھیل پیغمبر اور صحابہ و اولیاء سب ہی نے کھیلا ہے' بے ہودگی اور فواحش سے پاک ہنسی حلال ہے' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام سے اس طرح کی ہنسی منقول ہیں تیسری جلد کی کتاب آفات اللّسان (زبان کے آفتوں کے بیان) میں اس ہنسی کے واقعات بیان کئے جائیں گے' انشاء اللہ۔ حبشیوں اور زنگیوں نے جو کچھ عید کے دن اور صحن مسجد میں کیا کیا وہ کھیل نہیں تھا' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کھیل دیکھا' حضرت عائشہؓ کو دکھایا' حضرت عمرؓ کو منع کرنے سے باز رکھا' اور کھلاڑیوں کو اپنا کھیل جاری رکھنے کی ہدایت فرمائی' ان تمام امور سے قطع نظر ہم کھیل سے حاصل ہونے والے فائدہ کو اباحت کی علت سمجھتے ہیں' اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ کھیل سے دل کو راحت ہوتی ہے اور تفکرات کا بوجھ ہلکا پڑجاتا ہے اگر دلوں اور جسموں سے زبردستی کام لیا جائے وہ جب بھی کردیں گے' مگر راحت پانے کے بعد ان کے کام کر رفتار بھی زیادہ ہوگی' اور نتائج کے اعتبار سے بھی وہ کام اچھا ہوگا' مثلاً درس و تدریس میں مشغول رہنے والے شخص کو جمعہ کے روز چھٹی رکھنی چاہیے' ایک دن کی چھٹی ہفتے کے باقی دنوں کے لئے چستی اور توانائی مہیا کرے گی' جو شخص نوافل پڑھتا ہو اسے بھی کبھی استراحت کرلینی چاہیے' یہی وجہ ہے کہ شریعت نے شب و روز میں کچھ اوقات ایسے رکھ دئے ہیں جن میں نماز مکروہ ہوتی ہے۔ بہر حال جس طرح تعطیل سے عمل پر مدد ملتی ہے اسی طرح کھیل سے دل و دماغ کو سکون ملتا ہے' مسلسل جدوجہد اور حق کی راہ میں حاصل ہونی والی تلخی' اور مشقت پر پوری

طرح ثابت قدم رہنا اور صبر کرنا صرف پیغمبروں کی خصوصیت ہے' حاصل یہ نکلا کہ کھیل تھکے ہوئے دلوں کے لئے راحت ہے' اس لحاظ سے اس کے مباح ہونے میں کوئی قباحت نظر نہیں آتی تاہم کھیل میں بہت زیادہ دلچسپی لینا بھی ٹھیک نہیں ہے' جس طرح دوا کی زیادتی مریض کو صحت نہیں دے سکتی بلکہ بعض اوقات مرض کی شدت کا سبب بن جاتی ہے اس طرح زیادہ کھیل بھی راحت کے بجائے تھکن کا باعث بن جاتا ہے' اگر کوئی شخص اس نیت سے سماع میں حصہ لے کہ اس سے عبادت کے لئے نشاط اور قوت پیدا ہوتی ہے تو میں سمجھتا ہوں کہ اس کے حق میں یہ سماع بھی عبادت ہے' اور یہ اس شخص کے حق میں ہے جو اپنے دل میں کسی محمود صفت کو متحرک کرنے کے بجائے محض لذت اور استراحت کے لئے سنے' ایسے شخص کے حق میں سماع مستحب ہونا چاہیے' اس میں شک نہیں کہ سماع سے لذت و استراحت حاصل کرنا نقص پر دلالت کرتا ہے' کمال یہ ہے کہ آدمی اپنے نفس کی راحت کے لئے حق کے علاوہ کسی بھی چیز کا محتاج نہ ہو' مگر کیوں کہ نیکوں کی نیکیاں مقربین کی برائیاں ہیں' اسلئے نیکوں کے حق میں سماع مفید ہے' گو مقربین کے لئے اس میں کوئی نفع نہ ہو' جو لوگ دلوں کے امراض اور ان کے علاج کی تدبیروں سے واقف ہیں وہ جانتے ہیں کہ سماع وغیرہ سے دلوں کو راحت پہنچانا ایک ناگزیر عمل ہے اور ایسی نافع دوا ہے جس کے بغیر کوئی چارہ نہیں ہے۔

سماع کے آثار و آداب

: جاننا چاہیے کہ سماع کا پہلا درجہ یہ ہے کہ جو کچھ سنا جائے وہ سمجھ میں آئے' جو بات سننے والے کے ذہن میں آئے اسے اپنے آپ پر ڈھال لے' فہم سے وجد ہوتا ہے' اور وجد سے اعضاء میں حرکت ہوتی ہے اس طرح سماع کے تین مقامات ہوئے' ان تینوں مقامات کی الگ الگ تفصیل کی جاتی ہے۔

پہلا مقام فہم مسموع : فہم (سمجھنا) سننے والے کے حالات کے اختلاف سے مختلف ہوتا ہے' اور سننے والے کی چار حالتیں ہیں۔

پہلی حالت: طبعی سماع : پہلی حالت یہ ہے کہ اس کا سننا صرف طبعی ہو' یعنی اسے خوش آوازی اور نغمات کی موزونیت' اور ظاہری طرز ادا سے حاصل ہونے والی لذت کے علاوہ اسے کسی اور چیز سے کوئی سروکار نہ ہو' یہ سماع کا ادنیٰ درجہ ہونے کے باوجود مباح ہے' ادنیٰ درجہ اس لئے ہے کہ آواز اور موزونیت کی لذت حاصل کرنے میں اونٹ اور دوسرے حیوانات بھی شریک ہیں' وہ بھی حدی کی آواز پر سر دھنتے ہیں اور نشے کی ترنگ میں آکر لمبی لمبی مسافتیں مختصر وقت میں طے کرلیتے ہیں اس ذوق کے لئے صرف زندہ ہونا کافی ہے' ہر جانور خوبصورت آوازوں سے کچھ نہ کچھ لذت حاصل کرہی لیتا ہے۔

دوسری حالت : فہم کے ساتھ سماع' اور غیر کے احوال پر تطبیق : دوسری حالت یہ ہے کہ فہم کے ساتھ سنے' معنی و مضمون سمجھے لیکن جو کچھ سمجھے اسے کسی معین شخص یا غیر معین فرد پر ڈھالتا جائے' یہ نوجوانوں اور شہوت پرستوں کا سماع ہے کہ وہ ہر شعر کو وہ معنی پہناتے ہیں' جس سے ان کے جذبہ ہوس پرستی کو تسکین ملے' یہ حالت ایسی نہیں ہے کہ اس کا ذکر کیا جائے بس اتنا لکھ دینا کافی ہے کہ اس حالت کا نہ ہونا ہی خیر ہے۔

تیسری حالت : اپنے حال پر انطباق : تیسری حالت یہ ہے کہ فہم کے ساتھ سنے' اور جو کچھ سنے اسے اپنے ان حالات پر منطبق کرنے کی کوشش کرے' جن کا تعلق اللہ تعالیٰ سے ہے اور جو تمکن و تعذر کی کیفیات سے گزرتے رہتے ہیں' یہ مریدین کا سماع ہے' خاص طور پر ان لوگوں کا جو راہ سلوک کی ابتدائی منزلوں میں ہیں' ہر مرید کا ایک مراد ہوتا ہے جسے اسکا مقصد بھی کہہ سکتے ہیں' اور وہ مقصد ہے اللہ کی معرفت' اس کی لقاء اور مشاہدۂ باطن اور کشف کے طریق سے اس تک پہنچنا' اس مقصد کے حصول کا ایک راستہ ہے' جس پر وہ چلتا ہے' کچھ معاملات ہیں جنہیں وہ انجام دیتا ہے' اور جن پر مواظبت کرتا ہے' کچھ حالات ہیں جو

اسے پیش آتے ہیں، چنانچہ جب وہ عتاب و خطاب، قبول ورد، وصل و فراق، قرب و بعد، حسرت و افسوس، طمع و شوق، امید و بیم وحشت و انس، وفاو جفا، خوف ہجر، سرور وصل، دیدار دوست، شکست رقیب، طور فراق، وعدہ وصال وغیرہ کے مضامین پر مشتمل اشعار سنتا ہے تو کوئی نہ کوئی مضمون اسکے احوال پر ضرور صادق آتا ہے، ایسی صورت میں وہ مضمون اسکے دل پر اس طرح اثر ڈالتا ہے، اور سطح دل پر اس طرح حب الٰہی کی شمع روشن کرتا ہے جس طرح پتھر کی رگڑ سے چقماق میں روشنی پیدا ہوتی ہے، اس کے دل کی آگ بھڑک اٹھتی ہے، غلبہ شوق میں اضافہ ہوجاتا ہے، اور بعض اوقات وہ حالات بھی پیش آتے ہیں جو اس کی عادت کے مخالف ہوں۔ الفاظ کو اپنے حالات پر منطبق کرنے کی بڑی گنجائش ہے، سننے والے کے لئے ضروری نہیں ہے کہ وہ شاعر کے کلام سے وہی معنی و مفہوم سمجھے جو صاحب کلام کی مراد ہے، ہر لفظ اپنے اندر معنی کی وسیع دنیا رکھتا ہے اس وسیع دنیا کی پہنائیوں سے اپنے مقصد کے گوہر آبدار چن لینا سننے والے کی عقل و فہم پر موقوف ہے، ہم اس سلسلے میں کچھ مثالیں پیش کرتے ہیں، اس سے معلوم ہوگا کہ الفاظ کو اپنے مقصود پر ڈھالنا مشکل کام نہیں ہے، بہت سے جاہل یہ سمجھتے ہیں کہ جن اشعار میں زلف و رخسار، سرور وصل اور غم فراق کا ذکر ہوگا وہ اپنے ظاہر ہی پر محمول ہوں گے، ان میں دوسرے معنوں کی گنجائش کہاں؟ ہم یہاں ایک لفظ سے مختلف معنی سمجھنے کی کیفیت بیان کرنے کے بجائے بعض اہل سماع کے واقعات بیان کرتے ہیں، ان سے معلوم ہوگا کہ یہ ارباب قلب کس طرح اپنے مطلب کی باتیں اخذ کرلیا کرتے تھے۔

اہل سماع کی حکایات : ایک صوفی نے کسی شخص کو یہ شعر پڑھتے ہوئے سنا :۔

قال الرسول غدا تزو ۔۔۔ ر فقلت تعقل ما تقول

(رسول (قاصد) نے کہا کہ کل تم ملوگے میں نے کہا کہ خبر بھی ہے تو کیا کہہ رہا ہے)

اس آواز اور کلام کا صوفی مذکور پر اس قدر اثر ہوا کہ وجد کی کیفیت طاری ہوگئی، اسی حالت میں وہ بار بار یہ شعر پڑھنے لگا، تعقل کی ت کو ن سے بدل لیا جس سے صیغہ مخاطب کے بجائے صیغۂ متکلم کے معنی پیدا ہوگئے، وہ لذت و سرشاری کی بھرپور کیفیت کے ساتھ یہ شعر دہراتے، یہاں تک کہ ان پر غشی طاری ہوگئی، جب ہوش آیا تو لوگوں نے ان سے وجد کی وجہ دریافت کی، فرمایا کہ مجھے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد یاد آگیا تھا کہ جنت والے ہر جمعہ کو اپنے رب کا دیدار کریں گے (ترمذی، ابن ماجہ۔ ابو ہریرہؓ)

رقی ابن دراج سے نقل کرتے ہیں کہ میں اور فوطی بصرہ اور ایلہ کے درمیان دجلہ کے کنارے کنارے چلے جارہے تھے، راستے میں ایک عالیشان محل پر نظر پڑی، محل کے بیرونی حصے میں ایک شخص بیٹھا ہوا اپنی باندی کا گانا سن رہا تھا، باندی اس وقت یہ شعر پڑھ رہی تھی۔

کل یوم تتلون ۔۔۔ غیر ھذا بک احسن

(تو ہر روز ایک نیا رنگ بدلتا ہے، اگر تو ایسا نہ کرے تو یہ تیرے لئے زیادہ اچھا ہے)

اسی دوران ایک خوبصورت نوجوان ادھر آنکلا، اس کے جسم پر پھٹا پرانا لباس تھا، یہ شعر سن کر ٹھٹک گیا، اور باندی سے کہنے لگا! اے باندی تجھے رب کی قسم! اور تیرے آقا کی زندگی کی قسم! یہ شعر دوبارہ سنا، باندی نے اسکی فرمائش پوری کی، وہ نوجوان کہنے لگا بخدا! اپنے رب کے ساتھ میرے قالبوں کی یہی کیفیت ہے، میں ہر روز ایک نیا رنگ اختیار کرتا ہوں، اس اظہار حال کے بعد اس نے سرد آہ بھری اور جان جان آفرین کے سپرد کردی، ہم یہ منظر دیکھ کر حیرت میں رہ گئے، میں نے اپنے رفیق سے کہا کہ اب ہمیں آگے چلنے کے بجائے اس فرض (میت کی تدفین) کی تکمیل کرنی چاہیے جو ہمارے کاندھوں پر آپڑا ہے، کچھ لوگ بصرے سے یہ واقعہ سن کر آگئے، سب نے مل کر نماز جنازہ پڑھی اور اس کی تدفین کا فریضہ انجام دیا، مالک مکان کی حالت زیادہ دگرگوں تھی، اس نے باندی کو اللہ کی راہ میں آزادی کا پروانہ دیا، اور لوگوں سے کہنے لگا کہ اے اہل بصرہ! تم لوگ گواہ رہنا میں نے اپنی تمام چیزیں اللہ

کی راہ میں وقف کردی ہیں' اور اپنے تمام غلاموں اور باندیوں کو آزاد کردیا ہے' اس شخص کی عجیب کیفیت تھی' یہ کہہ کر وہ اٹھا' اپنے کپڑے اتارے' دو چادریں لیں' ایک جسم پر لپیٹی اور دوسری کاندھے پر ڈالی' اور لوگوں کے دیکھتے دیکھتے جنگل کی راہ ہولیا بہت سے لوگ اس کی جدائی سے غمزدہ تھے' اور اس منظر کی تاب نہ لاکر زار و قطار رو رہے تھے' بعد میں اس کے متعلق کچھ بھی معلوم نہ ہوسکا کہ وہ کدھر گیا' اور اب کس حال میں ہے؟

اس واقعہ سے ثابت ہوا کہ وہ نوجوان ہر وقت اپنے حال میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ مستغرق تھا' اور وہ یہ بھی جانتا تھا کہ میں اس معاملہ میں حسن ادب کے ساتھ ثابت قدم رہنے سے عاجز و قاصر ہوں' وہ اپنے دل کے عدم استقلال' اور جادہ حق سے انحراف پر انتہائی متاسف تھا' چنانچہ جب اس نے وہ شعر سنا جو اس کی حالت کا غماز تھا تو اس نے یہ خیال کیا کہ گویا خدا تعالیٰ اس سے مخاطب ہیں اور اسے تلون مزاجی پر تنبیہہ فرمارہے ہیں کہ تو ہر دفعہ نئے نئے رنگ بدلتا ہے' تیرے لئے بہتری اس میں ہے کہ تو صبغۃ اللہ (اللہ کے رنگ) میں رنگ جائے' اور کوئی دوسرا رنگ تجھ پر نہ چڑھے۔

صفات الٰہی کی معرفت ضروری ہے : جن لوگوں کا سماع من اللہ' علی اللہ اور فی اللہ ہو' یعنی ذات حق کے سوا سماع سے ان کا کوئی دوسرا مقصود نہ ہو انھیں چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کی معرفت کا علم اچھی طرح حاصل کرلیں' ورنہ سماع ان کے حق میں خطرہ کا باعث بھی بن سکتا ہے' مثلاً کوئی شخص اللہ تعالیٰ کے حق میں وہ بات تصور کر بیٹھے جو اس کے حق میں محال ہے' ایسا شخص اپنے اس غلط خیال کی وجہ سے کفر تک پہنچ سکتا ہے' راہ سلوک کے مبتدیوں کو اس وادی میں زیادہ خطرات کا سامنا کرنا پڑتا ہے' انھیں سماع سے پہلے اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کا علم منضبط کرلینا چاہئے' ایسا نہ ہو کہ وہ لاعلمی میں باری تعالیٰ کی طرف وہ بات منسوب کردیں جس سے وہ منزہ اور پاک ہے' اوپر کے واقعے میں جو شعر لکھا گیا ہے اس میں بھی مبتدی سامع غلطی کرسکتا ہے' اور وہ اس طرح کہ اپنے آپ کو متکلم سمجھے' اور خدا تعالیٰ کو مخاطب تصور کرے' اس طرح شعر میں مذکور تلون کی نسبت باری تعالیٰ کی طرف ہوگی' اور یہ نسبت کفر کا سبب بن جائے گی' بعض اوقات اس طرح کی غلطیاں جہالت اور لاعلمی کی وجہ سے سرزد ہوتی ہیں' اور بعض اوقات اس میں تحقیق کو بھی دخل ہوتا ہے' خواہ وہ غلط ہی کیوں نہ ہو' مثلاً ہم یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ ہمارے قلوب کا تغیر بلکہ تمام دنیا کا تغیر باری تعالیٰ کی طرف سے ہے' اس عقیدے کی حقانیت سے انکار نہیں کیا جاسکتا' ہمارا مشاہدہ اس کی تصدیق کرتا ہے' ہمارے دل اللہ تعالیٰ کی دو انگلیوں کی درمیان ہیں' کبھی وہ انھیں تنگ کردیتا ہے اور کبھی کشادہ بنادیتا ہے' اور کبھی ان میں نور بکھیر دیتا ہے کبھی انہیں ظلمت کدہ بنادیتا ہے کبھی ان میں سختی پیدا کردیتا ہے اور کبھی انہیں نرم کردیتا ہے' اور کبھی اپنی اطاعت پر ثابت اور مستحکم کردیتا ہے' اور کبھی جادۂ حق سے منحرف کرنے کے لئے شیطانوں کو مسلط فرمادیتا ہے۔ یہ سب مختلف و متضاد احوال باری تعالیٰ کی طرف سے ہیں' بندے کے لئے ممکن نہیں کہ وہ اپنے قلب کی کسی بھی کیفیت کا ازالہ کرسکے' یا ایک کیفیت کی جگہ دوسری کیفیت پیدا کرسکے۔ اگر دنیا میں اس طرح کے مختلف احوال اوقات قریبہ میں کسی ایک شخص کی طرف سے صادر ہوں تو اسے عرف میں غیر مستقل اور تلون مزاج کہتے ہیں غالباً شاعر نے اس شعر میں اپنے محبوب کو مخاطب کیا ہے' اور اس کی تلون مزاجی پر شکایات کی ہے کہ وہ کبھی اس کی محبت کو شرف قبولیت سے نوازدیتا ہے اور کبھی پائے حقارت سے ٹھکرادیتا ہے' کبھی اسے اپنے قرب کی لذت بخش دیتا ہے' اور کبھی دوری کی تلخی برداشت کرنے پر مجبور کردیتا ہے' شاعر کی اپنے محبوب سے شکایت بجا' لیکن سماع میں یہ شعر پڑھا جائے' اور سننے والا اپنے آپ کو متکلم اور باری تعالیٰ کو مخاطب سمجھ کر تلون مزاجی کا شکوہ کر بیٹھے تو یہ کفر محض ہوگا' اسے یہ بات اچھی طرح سمجھ لینی چاہئے کہ اللہ تعالیٰ دوسروں کو بدلتا ہے خود نہیں بدلتا' دوسروں کے احوال میں تغیر کرتا ہے خود اس میں کوئی تغیر نہیں ہوتا' تغیر بندوں کا وصف ہے' باری تعالیٰ کی ذات و صفات تغیر کے عیب سے پاک ہیں' باری تعالیٰ کی اس صفت کا علم وہ دوسروں کو بدلتا ہے خود نہیں بدلتا مرید کو اعتقاد تقلیدی و ایمانی سے حاصل ہوتا ہے' اور عارف محقق کو یقین کشفی حقیقی سے' اللہ تعالیٰ کا یہ وصف عجیب ہے' اس کے علاوہ کسی دوسرے میں یہ وصف نہیں پایا جاتا۔

ارباب وجد اور حد ادب : بعض لوگوں پر وجد کی مدہوش کن کیفیت طاری ہوجاتی ہے' اور وہ اس طرح بہکنے لگتے ہیں جس طرح بعض لوگ شراب پی کر بہک جاتے ہیں' اس حالت میں ان کی زبان باری تعالیٰ کے ساتھ عتاب پر کھل جاتی ہے' اور اس حقیقت کو بعید سمجھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے دلوں کو اپنا مطیع کر رکھا ہے اور ان کے احوال مختلف طور پر تقسیم کر رکھے ہیں چنانچہ اس نے صدیقین کے دلوں کو صفا کے نور سے روشن کیا' اور منکرین و مغرورین کے دلوں میں تاریکی پیدا کی وہ جو چیز عطا کرے اسے کوئی روکنے والا نہیں ہے اور جس چیز کو روکے اسے کوئی دینے والا نہیں ہے' کفار سے ہدایت کی توفیق اسلئے سلب نہیں کی گئی کہ سابق میں ان سے کوئی گناہ سرزد ہوا تھا' جس کی سزا انھیں ہدایت کے نور سے محروم رکھ کر دی گئی' انبیاء و مرسلین کو اپنے نور ہدایت اور توفیق ہدایت سے اسلئے سرفراز نہیں کیا پہلے ان سے کسی قسم کی نیکی کا ظہور ہوا تھا یہ سب تقدیر ازلی ہے کہ جس کو چاہا ہدایت کے اجالے بخش دیئے' اور جسے چاہا کفر و جمود کی تاریکیوں میں پناہ لینے پر مجبور کردیا' اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

وَلَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِيْنَ (پ ۲۳ ر ۹ آیت ۱۷۱)

اور ہمارے خاص بندوں یعنی پیغمبروں کے لئے ہمارا یہ قول پہلے ہی مقرر ہوچکا ہے۔

وَلٰكِنْ حَقَّ الْقَوْلُ مِنِّيْ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ (پ ۲۱ ر ۱۵ آیت ۱۳)

اور لیکن میری یہ بات محقق ہوچکی ہے کہ میں جہنم کو جنات اور انسان دونوں سے ضرور بھروں گا۔

اِنَّ الَّذِيْنَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِّنَّا الْحُسْنٰٓى اُولٰٓئِكَ عَنْهَا مُبْعَدُوْنَ (پ ۱۷ ر ۷ آیت ۱۰۱)

جن کے لئے ہماری طرف سے بھلائی مقدر ہوچکی ہے وہ اس (دوزخ) سے دور کئے جائیں گے۔

اب اگر تم اس تقسیم پر اعتراض کرو کہ تقدیر سابق ہی کیوں مختلف ہوئی' عبودیت میں سب مشترک تھے' پھر کیا وجہ ہے کہ انبیاء کو ہدایت کی توفیق' اور کفار کو ہدایت سے محرومی دی گئی تو تمہیں للکارا جائے گا کہ خبردار حد ادب سے تجاوز مت کرو' اس ذات پاک کی شان یہ ہے

لَا يُسْئَلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْئَلُوْنَ (پ ۱۷ ر ۲ آیت ۲۳)

وہ جو کچھ کرتا ہے اس سے کوئی باز پرس نہیں کرسکتا اوروں سے باز پرس کی جاسکتی ہے۔

اس طرح کی باتیں زبان پر تو کیا دل میں بھی نہ آنی چاہئیں' مگر ہم دیکھتے ہیں کہ زبان سے ادب کرنے پر اکثر لوگ قادر ہیں' لیکن دل اس تقسیم پر حیرت زدہ رہتے ہیں کہ آخر ان لوگوں کا کیا قصور ہے' جن کی قسمت میں ہمیشہ کے لئے شقاوت لکھ دی گئی ہے' اور انھیں کس عمل کا انعام دیا جارہا ہے جن کے حصے میں سعادت کے لازوال خزانے آئے' دل کے ادب پر صرف وہ لوگ قادر ہیں جنھیں علم میں رسوخ حاصل ہے' یہی وجہ ہے کہ جب کسی شخص نے حضرت خضر علیہ السلام سے خواب میں سماع کے متعلق دریافت کیا تو انھوں نے جواب دیا کہ وہ صاف ستھری چیز ہے مگر اس پر علماء کے علاوہ کوئی ثابت قدم نہیں رہتا' اس کی وجہ یہی ہے کہ سماع دل کے مخفی اسرار کو تحریک ملتی ہے' اور جس طرح نشہ آور چیز آدمی کو اس حد تک مدہوش کردیتی ہے کہ عقدہ زبان کھل جاتا ہے' اسی طرح سماع بھی دلوں کو مدہوش کردیتا ہے عجب نہیں کہ مدہوشی کی یہ کیفیت طاری ہونے کے بعد باطنی ادب بھی باقی نہ رہے' اور دل طرح طرح کی وسوسوں کی آماجگاہ بن جائے' اسی لئے کسی عقل مند نے کہا تھا کہ کاش ہم سماع سے برابر چھٹ جائیں' نہ ہمیں ثواب ملے اور نہ عذاب ہو' اس قسم کے سماع سے کہیں زیادہ خطرات ہیں جو شہوت کا محرک ہو' اسلئے کہ اس سماع کی غایت معصیت (زنا) ہے اور اس سماع کی غایت کفر ہے۔

وجد کا تعلق فہم سے ہے : یہاں یہ بات بھی یاد رکھنی چاہئے کہ فہم سننے والے کے اعتبار سے مختلف ہوتا ہے' دو آدمی ایک

شعر سنتے ہیں اور دونوں پر وجد طاری ہوجاتا ہے' حالانکہ ایک نے شعر کا صحیح مفہوم سمجھا' اور دوسرے نے سمجھنے میں غلطی' یا دونوں ہی نے صحیح مفہوم سمجھا' لیکن ان دونوں کا فہم ایک دوسرے سے مختلف و متضاد ہے' معلوم ہوا کہ دونوں نے اپنے اپنے خیالات کے اعتبار سے معنی سمجھنے کی کوشش کی ہے۔ مثلاً ایک شخص یہ شعر پڑھ رہا تھا۔

سبحان جبار السما ان المحب لفی عنا

(آسمان کا جبار (باری تعالیٰ) پاک ہے' عاشق ہی رنج میں مبتلا رہتا ہے)

عتبہ غلام نے یہ شعر سنا تو کہنے لگا کہ تو سچ کہتا ہے' واقعۃً عاشق رنج و محن میں مبتلا ہے' دوسرے شخص نے انکار کیا' اور عاشق کو مبتلائے غم بتلانے والے کی تکذیب کی' تیسرے شخص نے کہا کہ تم دونوں کی رائے اپنی اپنی جگہ درست ہے' تصدیق اس عاشق نے کی ہے جسے حصول مقصد میں ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا' محبوب کا اعراض اور بے رخی اس کے لئے سوہان روح ہے' تکذیب اس عاشق نے کی جو محبت میں اس قدر ڈوب گیا کہ معشوق کی طرف پہنچنے والی ہر تکلیف اور ہر اذیت میں اسے راحت نظر آنے لگی' وہ اس دوری و مہجوری کے باوجود تصور دوست سے حظ اٹھاتا ہے' اور وعدہ فردا پر قانع ہے' یا ایسے عاشق نے کی جو اگرچہ فی الحال اپنے مقصد میں کامیاب نہیں لیکن اسے کامیابی کا اس درجہ یقین ہے کہ وہ محبوب کے اعراض کا تصور بھی نہیں کرسکتا' اس مثال سے سمجھ میں آتا ہے کہ سننے والوں کے احوال مختلف ہوتے ہیں اور وہ جو کچھ سنتے ہیں اسے اپنی حالت پر محمول کرتے ہیں۔

ابوالقاسم ابن مروان' ابوسعید خراز کی صحبت میں رہتے تھے' اور انھوں نے سماع میں شرکت کرنا چھوڑ دی تھی' یہ بزرگ ایک مرتبہ کسی دعوت میں گئے' محفل سماع شروع ہوئی' کسی شخص نے یہ شعر سنایا

واقف فی الماء عطشا ن ولکن لیس یسقی

(پانی کے اندر پیاسا کھڑا ہوں لیکن کوئی پلانے والا نہیں ہے)

حاضرین یہ شعر سن کر پھڑک اٹھے' اور وجد کرنے لگے' جب پر سکون ہوئے تو ابوالقاسم ابن مروان نے ان سے دریافت کیا کہ وہ اس شعر میں کیا مطلب سمجھے ہیں' لوگوں نے جواب دیا کہ عطش یعنی پیاس سے مراد احوال شریفہ کی تشنگی ہے' اور پانی کی موجودگی میں پیاس نہ بجھنے کا مطلب یہ ہے کہ احوال شریفہ ختم کرنے کے تمام اسباب موجود ہیں لیکن قسمت میں محرومی لکھی ہے اس جواب سے انھیں تسلی نہیں ہوئی' لوگوں نے انکی رائے دریافت کی' فرمایا: اس کا مطلب یہ ہے کہ سالک احوال کے وسط میں ہے اسے کرامات عطا کردی گئی ہیں' لیکن ابھی اصل حقیقت سے محروم ہے' اس کا جواب حاصل یہ نکلا کہ حقیقت' احوال اور کرامات سے الگ ایک چیز ہے' احوال اور کرامات حقیقت کے مبادی اور سوابق ہیں' کرامات سے حقیقت تک رسائی نہیں ہوتی' بظاہر دونوں معنی صحیح معلوم ہوتے۔ حاضرین محفل کے بھی اور ابوالقاسم ابن مروان کے بھی' فرق اگر ہے تو صرف اس قدر کہ حاضرین نے احوال شریفہ کی محرومی کو عطش (پیاس) بتلایا' اور ابوالقاسم نے احوال و کرامات سے ماوراء کسی حقیقت تک نہ پہنچنے کو تشنہ لب رہنے سے تعبیر کیا۔

حضرت شبلی اس شعر پر بہت زیادہ وجد کیا کرتے تھے

ودادکم هجر وحبکم قلی ووصلکم صرم وسلمکم حرب

(تمہاری دوستی ترک تعلق ہے' تمہاری محبت عداوت ہے' تمہارا وصال فراق ہے' تمہاری صلح جنگ ہے)

اس شعر کے کئی معنی ہوسکتے ہیں' حق بھی اور باطل بھی' ظاہر تر یہ ہے کہ اس شعر کو مخلوق بلکہ دنیا اور ماسوی اللہ کے باب میں سمجھا جائے' اس لئے کہ شعر میں مذکور اوصاف دنیا ہی کے ہیں' دنیا دغاباز ہے' فریب کار ہے اپنے دوستوں کی قاتل ہے' ظاہر میں ان کی دوست ہے' اور باطن میں انکی دشمن ہے' جو مکان دنیاوی دولت سے لبریز ہوتا ہے آخر کار وہ آنسوؤں سے بھر جاتا ہے جیسا

کہ حدیث میں وارد ہے۔ (الفاظ یہ ہیں: "ما امتلات دار منها حبرة الا امتلات عبرة" ابن المبارک بروایت عکرمہ بن عمار عن یحییٰ ابن کثیر مرسلاً) ثعلبیؒ نے دنیا کا نقشہ ان الفاظ میں کھینچا ہے

تنح عن الدنیا فلا تخطبنها ولا تخطبن قتالة من تناکح
فلیس یفی مرجوها بمخوفها ومکروهها اذاتاملت راجح
لقد قال فیها الواصفون فاکثروا وعندی لها وصف لعمری صالح
صلاف قصارا ها زعاف مرکب شهی اذا استذ للته فهو جامح
وشخص جمیل یو ثر الناس حسنه ولکن اسرار سوء قبائح

(ترجمہ: دنیا سے دور رہو' اس سے تعلق نہ قائم کرو' جو بیوی اپنے شوہر کی قاتل ہو اسے شادی کا پیغام نہ دو' اس کے اندیشوں کے مقابلے میں اس کی امیدیں کم ہیں' اگر غور کرو تو اس کی مصیبتیں زیادہ ہیں' دنیا کے بہت کچھ اوصاف بیان کئے گئے ہیں' لیکن میرے نزدیک اس کا ایک وصف زیادہ مکمل اور واضح ہے کہ دنیا ایک ایسی شراب ہے جس کی تلچھٹ مہلک زہر ہے' ایک خوش رفتار سواری ہے لیکن اگر تم اس پر چڑھو تو وہ سرکش بن جاتی ہے' یہ ایک حسین و جمیل شخص کی طرح ہے کہ جس کا حسن لوگوں کو متاثر کرتا ہے لیکن اس کا باطن گندگیوں اور برائیوں کا منبع ہے)

مذکورہ بالا شعر کو اپنے نفس پر منطبق کیا جاسکتا ہے' کہ اللہ تعالیٰ کے حقوق کے سلسلے میں نفس کا وہی حال ہے جو اہل دنیا کے حق میں دنیا کا ہے' مثلاً یہ کہ اس کی معرفت جہالت ہے' جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں

وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهِ (پ ۷ ر ۱۷ آیت ۹۱)

اور ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ کی جیسی قدر پہچاننی واجب تھی ویسی قدر نہ پہچانی۔

اسکی اطاعت ریا ہے' کیوں کہ وہ اللہ تعالیٰ سے اسطرح نہیں ڈرتا جس طرح ڈرنا چاہئے' اس کی محبت صحت مند نہیں ہے بلکہ بیمار و ناقص ہے' کیوں کہ وہ اس کی محبت کی خاطر اپنی خواہشات ترک نہیں کرتا جس شخص کی قسمت میں خیر لکھ دیا گیا ہے اسے اس کے نفس کے عیوب سے واقف کردیا جاتا ہے' اور وہ اس طرح کے اشعار کا مصداق اپنے نفس کو سمجھتا ہے' اگرچہ وہ حقیقت میں ان عیوب سے پاک ہو' اور زمرۂ غافلین میں اس کا شمار نہ ہوتا ہو۔ یہی وجہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے افضل الخلق ہونے کے باوجود ثناء حق کے سلسلے میں اپنے قصور اور عجز کا اعتراف فرمایا۔

لا احصی ثناء علیک انت کما اثنیت علی نفسک (مسلم)

میں تیری ثناء کا احاطہ نہیں کرسکتا' تو ایسا ہے جیسا کہ تو نے خود اپنی ثناء کی ہے۔

ایک حدیث میں ہے:

انی لاستغفر اللّٰه فی الیوم واللیلة سبعین مرة

میں رات دن میں ستر بار حق تعالیٰ سے مغفرت کی دعا کرتا ہوں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ استغفار ان احوال و درجات کے لئے تھا جو مابعد کے احوال و درجات کے اعتبار سے بعید نظر آتے تھے' اگرچہ وہ ماقبل کے اعتبار سے عین قرب تھے' لیکن کوئی قرب ایسا نہیں ہے کہ اسے قربت کی انتہا کہا جاسکے' ہر قربت اپنے مابعد کے اعتبار سے نقطۂ آغاز ہے' راہ سلوک لامحدود اور غیر متناہی ہے اور قرب کے انتہائی درجے تک پہنچنا محال ہے۔

یہ حدیث کتاب الاذکار میں گزر چکی ہے

تیسرے معنی یہ ہیں کہ اس شعر سے ذات حق مراد لے اور قضاء و قدر سے شکوہ کرے کہ اسکے احوال کبھی اچھے ہوتے ہیں' اور کبھی خراب ہوجاتے ہیں' بعض احوال اپنے آغاز کے اعتبار سے خوش کن ہوتے ہیں لیکن ان کا انجام اچھا نہیں ہوتا' ہر حال میں ایک مغالطہ ہے' فریب ہے' جیسا کہ ہم پہلے بیان کرچکے ہیں کہ کسی شعر کے ایسے معنی مراد لینا جس سے باری تعالیٰ کی تنزیہہ و تقدیس پر حرف آئے ایمان کے منافی اور موجب کفر ہے' خلاصۂ کلام یہ ہے کہ اشعار کا فہم سننے والے کے علم اور صفائے قلب پر موقوف ہے۔

چوتھی حالت : فنا عن النفس : چوتھی حالت یہ ہے کہ سامع احوال و مقامات طے کرتا ہوا اس درجے پر پہنچ جائے جہاں صرف اللہ تعالیٰ کا جلوہ نظر آتا ہے' وہ اللہ کے علاوہ ہر چیز سے بے نیاز ہوجاتا ہے' یہاں تک کہ اپنے نفس' اور احوال و معاملات سے بھی بے خبر ہوجاتا ہے' اور ایسا مدہوش ہوجاتا ہے گویا بحر شہود میں مستغرق ہے' اس کا حال ان عورتوں کے مشابہ ہے جنہوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کے جمال کی تاب نہ لاکر عالم بے خودی میں اپنی انگلیاں کاٹ لیں تھیں' اور وہ تھوڑی دیر کے لئے تکلیف کے ہر احساس سے عاری ہوگئیں تھیں' صوفیا اس حالت کو فنا عن النفس کہتے ہیں' اور جب آدمی اپنے نفس سے فنا ہوجاتا ہے تو اسے غیر نفس کی کیا خبر رہتی ہے وہ تو واحد شہود کے علاوہ ہر چیز سے فنا ہوجاتا ہے' یہاں تک کہ مشاہدے سے بھی فنا ہوجاتا ہے' یعنی یہ احساس بھی ختم ہوجاتا ہے کہ وہ مشاہدہ کررہا ہے' اسلئے کہ اگر دل میں یہ احساس پیدا ہوگیا کہ وہ مشاہدہ کررہا ہے تو شہود سے غافل ضرور ہوگا اور اس درجے پر فائز لوگوں کو یہ غفلت بھی گوارا نہیں ہے' یہ ایسا ہی ہے جیسے کوئی عاشق اپنی محبوب و پسندیدہ چیز دیکھنے میں اس قدر محو ہوجائے کہ نہ اسے اپنے فعل مشاہدے کا احساس رہے' نہ آنکھ کی طرف توجہ رہے جس سے دیکھنے کا عمل جاری ہے' نہ دل کی طرف التفات رہے جو دیکھنے سے لذت پارہا ہے' یہاں متوالے کو اپنے نشہ کی خبر نہیں رہتی' اور نہ متلذذ کو اپنی لذت سے سروکار رہتا ہے' بلکہ تمام تر توجہ اس چیز کی طرف ہوتی ہے جس سے نشہ قائم ہے اور لذت حاصل ہورہی ہے' یہ ایسا ہی ہے جیسے کسی چیز کا جاننا اور چیز ہے اور اس چیز کے جاننے کا علم ہونا اور چیز ہے' ایک شخص کسی چیز کا جاننے والا ہے' اب اگر اس کے ذہن میں یہ بات آئی کہ وہ فلاں چیز کا جاننے والا ہے تو اس چیز سے اعراض ضرور پایا جائے گا' خواہ تھوڑی ہی دیر کے لئے سہی۔۔۔ بہرحال فنا عن النفس کی حالت کبھی مخلوق کے حق میں طاری ہوتی ہے' اور کبھی خالق کے حق میں' لیکن عموماً یہ حالت بے حد مختصر بجلی کی چمک کے مانند بہت ہی تھوڑی دیر کے لئے طاری ہوتی ہے' اس حالت کو ثبات و دوام نہیں' اگر ایسا ہوجائے تو بشری قوت اس کا تحمل نہ کرپائے' بعض اوقات اس حالت کا ثقل جان لیوا ثابت ہوتا ہے' چنانچہ ابوالحسن نوری کا واقعہ ہے کہ انھوں نے سماع کی ایک مجلس میں یہ شعر سنا۔

مازلت انزل من ودادک منزلا ... تتحیر الالباب عند نزولہ

(میں تیری محبت میں ہمیشہ اس منزل پر اترتا ہوں کہ جہاں اترتے وقت عقلیں حیران رہ جاتی ہیں)

سنتے ہی اٹھے' اور وجد کے عالم میں ایک طرف چل دیے' اتفاقاً ایک ایسے کھیت کی طرف انکا رخ ہوگیا جہاں سے بانس کاٹے گئے تھے' اور ہنوز ان کی جڑیں باقی تھیں' وہ اس کھیت میں رات گئے تک دوڑتے پھرتے رہے' زبان پر یہی شعر جاری تھا' پاؤں میں زخم ہوگئے' خون جاری ہوگیا' اور پاؤں پنڈلیوں تک ورم کرگئے' چند دن بعد ان زخموں کی تاب نہ لاکر چل بسے' فہم اور وجد کا یہ درجہ صدیقین کا درجہ ہے' اور بلاشبہ تمام درجات میں اعلیٰ و ممتاز ہے' کیوں کہ کمال یہی ہے کہ آدمی اپنے آپ کو بالکلیہ طور پر فنا کردے' نہ اسے اپنے نفس کی طرف التفات رہے' نہ اپنے احوال کی طرف توجہ رہے' جس طرح زنان مصر اپنے نفس سے بے پروا ہوکر انگلیاں کاٹ بیٹھی تھیں' فنا عن النفس ہوجانے والے لوگ للہ' باللہ' فی اللہ اور من اللہ سنتے ہیں' اور یہ مرتبہ ان لوگوں کو حاصل ہوتا ہے جو اعمال و احوال کا ساحل عبور کرکے بحر حقیقت میں غوطہ زن ہوجائیں اور صفات توحید سے ہم آہنگ ہوجائیں' خودی کی کوئی علامت ان میں باقی نہ رہے ان کی بشریت بالکلیہ طور پر ختم ہوجائے' اور بشری صفات کی طرف ادنیٰ درجہ کا التفات بھی

باقی نہ رہے۔

فنائے دل مقصود ہے : فنا سے ہماری مراد جسم کا فنا ہونا نہیں ہے' بلکہ قلب کا فنا ہونا ہے' اور قلب سے گوشت اور خون کا وہ لوتھڑا مراد نہیں ہے جو سینے میں دھڑکتا ہے' بلکہ وہ ایک سرّ لطیف ہے' جس کی ظاہری قلب سے مخفی نسبت اور علاقہ ہے' سرّ لطیف کا ادراک نہیں کر سکتا' اس سرّ کا ایک وجود ہے' اور اس وجود کی صورت وہ ہے جو اس میں موجود ہے اگر اس میں غیر چیز موجود ہوگی تو یہی کہا جائے گا کہ اس غیر کے علاوہ کوئی چیز موجود نہیں ہے' اس کی مثال ایسی ہے جیسے چمکدار آئینہ' آئینے میں فی الحقیقت کوئی رنگ موجود نہیں ہوتا' بلکہ جو چیز اسمیں ہوتی ہے اسی کا رنگ جھلکتا ہے' یہی حال شیشہ کی بوتل کا ہے کہ اس کے اندر جو چیز ہوتی ہے اسی کا رنگ باہر سے نظر آتا ہے سرّ لطیف کے اندر بھی آئینے کی طرح تمام رنگوں کو قبول کرنے کی صلاحیت موجود ہے' اس حقیقت کی کتنی خوبصورت تمثیل ان دو شعروں میں کی گئی ہے۔

رق الزجاج و دقت الخمر　　فتشا بها کل الامر
فکا نما خمر ولا قدح　　وکانما قدح ولاخمر

(ترجمہ:۔شیشہ ے اور مے دونوں ہی رقیق ہیں' دونوں ایک دوسرے کے اس حد تک مشابہ ہیں کہ پہچان دشوار ہے ایسا لگتا ہے گویا مے ہے جام نہیں ہے یا جام ہے مے نہیں ہے)

یہ مقام علوم مکاشفہ سے تعلق رکھتا ہے بعض لوگوں نے اسی بنیاد پر ذات حق میں حلول اور اتحادی کا دعوی کیا' اور اَنَا الحق کا نعرہ بلند کیا' نصاری کے اس دعوی کی بنیاد بھی یہی مقام ہے کہ لاہوت اور ناسوت ایک ہیں' یا اول دوسرے کا لباس ہے' یا اول دوسرے میں حلول کر لیا گیا ہے' یہ دعوی ایسا ہی ہے جیسے کوئی شخص آئینے کے اندر سرخی دیکھ کر یہ دعوٰی کرے کہ آئینہ کا رنگ سرخ ہے' حالانکہ اس کا یہ خیال غلط ہے' آئینہ سرخ نہیں ہے بلکہ وہ چیز سرخ ہے جس میں اس کا عکس جھلک رہا ہے' ہم اس موضوع پر مزید گفتگو کرتے' اگر اس کا تعلق علم معاملہ سے ہوتا' اسلئے اب ہم اصل مقصد کی طرف رجوع کرتے ہیں۔

دوسرا مقام وجد : یہ مقام فہم اور مفہوم کو اپنے نفس اور حالات پر منطبق کرنے کے بعد آتا ہے' وجد کیا ہے؟ اس سلسلے میں صوفیائے کرام اور حکماء کے بہت سے اقوال ہیں' اولا ہم ان کے اقوال نقل کرتے ہیں' پھر اس کی کوئی ایسی جامع تعریف کریں گے جو ان تمام اقوال کا نچوڑ اور عطر ہوگی۔

وجد کی تعریف : ذوالنون مصریؒ فرماتے ہیں کہ سماع حق کا وارد ہے' اس لئے آتا ہے کہ قلوب کا رخ حق کی طرف موڑدے' جو شخص اسے حق کی خاطر سنتا ہے وہ محقق ہے' اور جو نفس کی خاطر سنتا ہے وہ زندیق ہے' گویا ان کے نزدیک وجد یہ ہے کہ قلب حق کی طرف مائل ہو' یعنی جب سماع کا وارد آئے حق موجود پائے' ابوالحسین دراج فرماتے ہیں کہ وجد اس حالت کا نام ہے جو سماع کے وقت پائی جائے' پھر اس حالت کی تشریح ان الفاظ میں کی کہ سماع رونق کے میدانوں میں لے جاتا ہے' مجھ پر وجد کی کیفیت طاری کرتا ہے' مجھے جام صفا سے شراب الفت پلاتا ہے۔ میں اس سے رضا کے مراتب حاصل کرتا ہوں اور کشادہ وسیع باغوں اور پُر فضا وادیوں کی سیر کرتا ہوں' شبلیؒ کہتے ہیں کہ سماع کا ظاہر فتنہ ہے' اور باطن عبرت ہے جو شخص اشارہ سمجھنے پر قادر ہے اسکے لئے عبرت کا کلام سننا جائز ہے اگر ایسا نہیں تو وہ فتنہ کا خواستگار اور معصیت کا طلب گار ہے' ایک بزرگ کہتے ہیں کہ سماع اہل معرفت کے لئے روحانی غذا ہے' اسلئے کہ یہ دقیق ترین عمل ہے' اور رقت طبع' اور صفائے قلب ہی سے اس کا ادراک ہوتا ہے' عمرو ابن عثمان مکیؒ کہتے ہیں کہ وجد کی کیفیت الفاظ میں بیان نہیں کی جاسکتی' اس لئے کہ یہ وہ راز الہی ہے جو اہل یقین مومن کے قلوب میں عبادت کے وقت القاء ہوتا' بعض لوگ کہتے ہیں کہ وجد حق کی طرف سے حاصل ہونے والے مکاشفات کا نام ہے' ابو سعید ابن اعرابی کہتے ہیں کہ وجد نام ہے حجاب' دیدار دوست' حضور فہم' مشاہدہ غیب' حدیث سر' اور فناء ذات کا۔ ان ہی کا قول ہے کہ وجد خصوصیت کا

اولین درجہ ہے' یہ ایمان بالغیب کا داعی ہے' چنانچہ جب وہ (صوفیاء) وجد کا مزہ چکھتے ہیں اور ان کے دلوں پر اس کا نور چمکتا ہے تو شکوک و شبہات کے اندھیرے چھٹ جاتے ہیں' اور یقین و اذعان کا اجالا پھیل جاتا ہے نفس کے آثار' اور علائق و اسباب سے وابستگی وجد کے لئے مانع ہے۔ جب اسباب منقطع ہوجاتے ہیں' علائق سے وابستگی ختم ہوجاتی ہے' ذکر خالص ہوتا ہے' دل میں سوز و گداز اور رقت کے ساتھ ساتھ نصیحت قبول کرنے کی صلاحیت پیدا ہوجاتی ہے' مناجات کے قریب ترین مقام میں پہنچنا نصیب ہوجاتا ہے' ادھر سے خطاب ہونے لگتا ہے' اور ادھر سے حضور قلب کے ساتھ سننے کا عمل شروع ہوجاتا ہے اسی کو وجد کہتے ہیں کیوں کہ اس میں جو بات موجود نہ تھی سماع سے وہ حاصل ہوگئی ایک مرتبہ آپ نے ذکر کو اس احساس کا نام دیا جو ان اوقات میں طاری ہوتا ہے جب ذکر یار ہو' اور اس سے دل میں تحریک پیدا ہو' یا کسی چیز کا خوف بے چین کرجائے' یا کسی لغزش پر تنبیہہ ہو' کوئی پُرلطف بات سنے' کسی فائدے کی طرف اشارہ ہو' کسی غائب کا شوق ابھرے' گم شدہ پر افسوس' اور ماضی پر ندامت ہو' یا دل کسی حال کی طرف مائل ہوجائے' یا سر قلبی سے سرگوشی میسر ہو' بعض لوگوں نے کہا کہ وجد ظاہر کو ظاہر کے' باطن کو باطن کے' غیب کو غیب کے' اور سر کو سر کے مقابل کرنے اور تقدیر میں لکھے ہوئے فائدے کو اپنی سعی و کاوش کا ذریعہ ممکنہ ضرر کے بدلے میں پیدا کرنے کا نام ہے' یہ علم وجد کا ظاہر ہے' صوفیاء سے اس باب میں بے شمار اقوال منقول ہیں' اب حکماء کی رائے سنئے' بعض حکماء کہتے ہیں کہ قلب میں ایک فضیلت تھی جسے نطق کی قوت لفظوں کے ذریعے ظاہر نہ کرسکی' اسے نفس نے نغموں کے ذریعہ ظاہر کیا' اور جب وہ ظاہر ہوئی تو نفس کو خوشی ہوئی' اور وہ طرب میں آیا' تم نفس سے سنو' اسی سے سرگوشی کرو' اور ظاہری مناجات ترک کردو' بعض لوگوں نے کہا کہ سماع کے ثمرات یہ ہیں کہ جو شخص رائے سے عاجز' اور فیصلے کی قوت سے محروم ہو اسے رائے کا شعور' اور فیصلے کی طاقت مل جائے' جو شخص فکر سے خالی ہو اسے فکر حاصل ہوجائے' کند ذہن ذہن رسا بن جائے' تھکے ہوئے اعصاب کی تھکن زائل ہوجائے اور چستی پیدا ہوجائے' میل دور ہوجائے' عمل' رائے اور نیت و ارادے میں جولانی پیدا ہوجائے درستی ہو خطا نہ ہو' عمل ہو تاخیر نہ ہو' ایک حکیم کی رائے یہ ہے کہ جس طرح فکر علم کو معلوم کی راہ بتلاتا ہے اسی طرح سماع دل کو عالم روحانی کی راہ بتلاتا ہے' اسی حکیم سے پوچھا گیا کہ اس کی کیا وجہ ہے کہ نغموں کی لے' اور باجے کی تھاپ پر اعضاء میں طبعی حرکت پیدا ہوتی ہے' جواب دیا کہ یہ عقلی عشق ہے' اور عقلی عشق اس بات کا محتاج نہیں کہ اپنے معشوق سے لفظوں میں گفتگو کرے' بلکہ وہ اس سے تبسم' چشم و ابرو کے اشارے سے' اور اعضاء کی لطیف حرکات سے سرگوشی کرتا ہے' یہ سب چیزیں بھی بولتی ہیں' مگر ان کا تعلق عالم روحانیت سے ہے' صرف عقل ہی سے ان کا ادراک ہوسکتا ہے' عشق کا بہیمانہ جذبہ رکھنے والے لوگ اپنے ضعیف شوق اور جعلی عشق کے اظہار کے لئے لفظوں کا سہارا لیتے ہیں' ایک حکیم کا قول ہے' کہ جو شخص رنجیدہ ہو اسے نغمہ سننا چاہیے' اس لئے کہ نفس پر جب حزن طاری ہوتا ہے تو اس کی چمک ماند پڑجاتی ہے' اور جب خوش ہوتا ہے تو اسکی چمک میں اضافہ ہوجاتا ہے۔

وجد کے متعلق صوفیاء اور حکماء کے یہ چند اقوال بطور نمونہ پیش کئے گئے ہیں' باقی اقوال بھی انہی سے ملتے جلتے ہیں' لیکن کیوں کہ ان سب کے نقل کرنے میں کوئی فائدہ نہیں اس لئے ہم مذکورہ اقوال پر اکتفا کرتے ہیں' اور امر محقق پیش کرتے ہیں۔

وجد کی حقیقی تعریف : وجد اس حالت کا نام ہے جو سماع کے ثمو میں ظاہر ہوتی ہے' یہ ایک وارد حق ہے جو سماع کے بعد سننے والا اپنے دل میں پاتا ہے' پھر اس حالت کی دو قسمیں ہیں' ایک یہ کہ اس کا انجام مشاہدات و مکاشفات پر ہو جو علوم و تنبیہات کے قبیل سے ہیں' یا وہ تغیرات و احوال پر منتہی ہو جیسے شوق' حزن' قلق' خوشی' افسوس' ندامت اور بسط و قبض وغیرہ' یہ احوال از قبیل علوم نہیں ہیں' بلکہ یہ مختلف کیفیات ہیں جو وقتاً فوقتاً انسانی جوارح پر طاری ہوتی ہیں' سماع سے ان احوال پُرجوش اور قدرت پیدا ہوتی ہے' چنانچہ اگر سماع اتنا ضعیف ہو کہ نہ اس سے ظاہر بدن میں حرکت پیدا ہو' نہ وہ سکون کا باعث بنے' نہ سننے والے کی حالت میں تغیر پیدا کرے کہ خلاف عادت حرکت کرنے لگے' یا سر جھکالے' یا آنکھیں بند کرلے' یا چپ رہ جائے تو اسے وجد نہیں

کہیں گے' ہاں اگر ظاہر بدن پر سماع کے اثرات ظاہر ہوں تو اسے وجد کہا جائے گا خواہ وہ اثرات قوی ہوں یا ضعیف' پھر ان اثرات کی تحریک اسی قدر قوت سے ہوگی جس قدر قوت سے وہ حالت پیدا ہوگی جسے وجد کہتے ہیں' بعض اوقات باطن میں وجد برپا ہوتا ہے لیکن واجد کی قوت' اور جوارح و اعضاء پر اس کی قدرت سے ظاہر میں کوئی تغیر نہیں ہوتا' لیکن یہ ضروری نہیں ہے کہ ظاہر پر تغیر نہ ہونے کی وجہ صاحب وجد کی قوت ہو' بعض اوقات وارد ضعیف ہوتا ہے' اور تحریک اور عقدہ ضبط کھولنے سے قاصر ہوتا ہے' ابو سعید ابن اعرابی نے وجد کی تعریف میں اسی حقیت کی طرف اشارہ کیا ہے کہ سماع میں مشاہدہ دوست حضور فہم اور ملاحظہ غیب ہوتا ہے چنانچہ یہ بات کچھ غیب نہیں کہ سماع کسی ایسے امر کے انکشاف کا باعث ہو جو پہلے سے مکشوف نہ ہو اس لئے کہ کشف جن اسباب کی بنا پر حاصل ہوتا ہے وہ سب سماع میں پائے جاتے ہیں' کشف کے اسباب چار ہیں اول تنبیہہ۔ اور سماع سے دل کو تنبیہہ ہوتی ہے' دوم احوال کا تغیر' اور ان کا مشاہدہ و ادراک بھی ایک طرح کا علم ہی ہے' اس سے ان امور کی وضاحت ہوتی ہے جو وجد کی کیفیت وارد ہونے سے پہلے معلوم میں تھے۔ سوم صفائے قلب' سماع قلب کی صفائی میں مؤثر ہے اور تصفیہ قلب سے کشف ہوتا ہے' چہارم تقویت قلب' سماع سے قلب میں نشاط اور قوت پیدا ہوتی ہے' پہلے وہ جن امور کے تحمل سے قاصر تھا سماع کے بعد وہ ان کا تحمل کرلیتا ہے' یہ ایسا ہی ہے جیسے اونٹ حدی سننے کے بعد دوڑنے لگتا ہے' اور طویل مسافتیں کم وقت میں طے کرلیتا ہے' نیز اپنی کمر پر زیادہ سے زیادہ بوجھ لاد کر چلنے میں کوئی پریشانی محسوس نہیں کرتا جسطرح اونٹ کا کام بوجھ اٹھانا ہے اسی طرح قلب کا کام مکاشفات اور ملکوت کے اسرار کا مشاہدہ ہے' جو عام دلوں کے لئے یقیناً ایک ایسا بوجھ ہے جو ان کی طاقت و قوت سے زیادہ ہے' بہرحال کشف کے اسباب سماع کے نتائج و ثمرات ہیں' اسطرح سماع کو کشف کا سبب کہہ سکتے ہیں' بلکہ جب دل صاف ہوتا ہے تو بعض اوقات امر حق اسکے سامنے مجسم ہو کر آجاتا ہے' یا لفظوں اور منظوم عبارتوں میں پوشیدہ ہو کر اس کے کانوں پر دستک دیتا ہے' اگر یہ دستک بیداری کی حالت میں ہو تو اس ہاتف کہتے ہیں' اور سونے کی حالت میں ہو تو خواب کہتے ہیں' یہ خواب اور ہاتف نبوّت کا چھیالیسواں حصہ ہونے کی حیثیت سے حق ہیں۔

<u>ہاتف غیبی کے چند واقعات</u> : اگرچہ ہاتف غیبی کے حق ہونے کا موضوع علم معاملہ سے خارج' لیکن ہم ذیل میں ایک دو واقعے اس سلسلے میں پیش کریں گے' تاکہ یہ ثابت ہوجائے کہ علماء کے ساتھ اس طرح کے معاملات پیش آتے رہتے ہیں۔ محمد ابن مسروق بغدادیؒ کہتے ہیں کہ جن دنوں میں جہالت کے اندھیروں میں غرق تھا ایک رات شراب کی مستی میں یہ شعر گاتا ہوا سڑکیں ناپ رہا تھا۔

بطور سیناء کرم مامررت بہ   الا تعجبت ممن یشرب الماء
(طور سینا میں واقع انگوروں (کے باغوں) سے جب میں گزرتا ہوں تو مجھے ان لوگوں پر حیرت ہوتی ہے جو پانی پیتے ہیں)

ابھی میں نہ جانے کتنی دیر تک ادھر ادھر اول فول بکتا پھرتا کہ ایک آواز نے میری آنکھیں کھول دیں کوئی شخص یہ شعر پڑھ رہا تھا۔

وفی جہنم ماء ماتجرعہ   خلق فابقی لہ فی الجوف امعاء
(ترجمہ اور جہنم میں ایسا پانی ہے کہ جو لوگ اسے پئیں گے انکی آنتیں نکل جائیں گی)

یہ شعر سن کر مجھے اپنی حالت پر بڑی ندامت ہوئی' اور میں نے بارگاہ الٰہی میں توبہ کی' یہ شعر میری زندگی میں بڑے انقلاب کا داعی ہے' بعد میں میں نے آوارہ گردی اور شراب نوشی سے تائب ہو کر علم و عرفان کے چشموں سے اپنی تشنگی بجھانے کا کام شروع کیا' مسلم عبادانی کہتے ہیں کہ ہمارے شہر میں ایک مرتبہ صالح مری' عتبہ غلام' عبدالواحد ابن زید اور مسلم اسواری تشریف لائے اور ساحل دریا پر فروکش ہوئے' ایک رات میں نے ان حضرات کی دعوت کی' اور ان کے لئے کھانا تیار کرایا' جب سب لوگ جمع ہوگئے

اور دستر خوان پر کھانا چن دیا گیا تو نہ جانے کون شخص یہ شعر پڑھتا ہوا گزر گیا۔

وتلهيک عن دار الخلود مطاعم ولذة نفس غيها غير نافع

(یہ کھانے تجھے آخرت کی یاد سے غافل کردیتے ہیں (یاد رکھ) نفس کی لذت تجھے کوئی فائدہ نہیں دے گی)

ہم سب نے یہ شعر سنا اور رونے لگے' عتبہ غلام چیخ مار کر بے ہوش ہوگئے' کھانا دستر خوان پر رکھا رہا' کسی نے ایک لقمہ بھی نہیں اٹھایا۔

قلب کی صفائی کے نتیجے میں جس طرح غیبی اشارے ہمیں ملتے ہیں' اور کان سے ہاتف غیبی سنائی دیتی ہے' اسی طرح آنکھ سے حضرت خضر علیہ السلام کی زیارت بھی ہوتی ہے' خضر علیہ السلام ارباب قلوب کے سامنے مختلف شکلوں میں ظاہر ہوتے ہیں' انبیاء علیہم السلام کے سامنے اپنی حقیقی صورت' یا حقیقی صورت سے مشابہ شکل میں فرشتوں کی آمد و ظہور بھی اسی حالت میں ہوتا ہے' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کو دو مرتبہ ان کی اصل صورت میں دیکھا۔ چنانچہ حدیث میں ہے کہ انھوں نے اپنی اصلی شکل میں ظہور کے وقت افق کو بند کردیا (بخاری و مسلم۔ عائشہؓ) اس آیت کریمہ میں بھی یہی صورت مراد ہے۔

عَلَّمَهُ شَدِيدُ الْقُوَىٰ ذُو مِرَّةٍ فَاسْتَوَىٰ وَهُوَ بِالْأُفُقِ الْأَعْلَىٰ (پ ۲۷ ر ۵ آیت ۵ تا ۷)

انکو ایک فرشتہ تعلیم کرتا ہے جو بڑا طاقتور ہے' پیدائشی طاقتور ہے' پھر وہ فرشتہ (اپنی اصلی صورت پر نمودار ہوا ایسی حالت میں کہ وہ (آسمان کے) بلند کنارے پر تھا۔

اسی طرح کے حالات میں آدمی دلوں کا حال جان لیتا ہے' اصطلاح میں اسے تفرس کہتے ہیں' چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا :-

اتقوا فراسة المومن فانه ينظر بنور الله (ترمذی۔ ابوسعید الخدریؓ)

مومن کی فراست سے ڈرو اس لئے کہ وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے۔

فراست مومن : بیان کیا جاتا ہے کہ ایک مجوسی مسلمانوں کے پاس جاتا ہے' اور ان سے اس حدیث کا حوالہ دے کر پوچھتا ہے کہ آخر فراست مومن کیا چیز ہے؟ لوگ حدیث کا مطلب بیان کردیتے مگر کسی جواب سے اس کی تشفی نہ ہوتی' آخر میں وہ کسی صوفی کے پاس پہنچا' اور ان سے اپنے سوال کا جواب چاہا' انھوں نے فرمایا کہ اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ تمہارے پیٹ پر کپڑوں کے نیچے جو زنار بندھ رہا ہے اسے کھول دو اور مسلمان ہوجاؤ' مجوسی نے کہا واقعی آپ سچ فرماتے ہیں' حدیث کا یہی مطلب ہے' اب میں نے جانا کہ آپ مومن کامل ہیں' اور آپ کا ایمان حق ہے' (وہ بزرگ اپنی مومنانہ فراست سے سمجھ گئے تھے کہ سائل اسلام کی صداقت پر یقین رکھتا ہے لیکن اسلام کے نام لیواؤں کی آزمائش کی خاطر اس طرح کے سوالات کرتا پھر رہا ہے) اس سوال و جواب کے بعد مجوسی نے اسلام قبول کرلیا۔ ابراہیم خواص کہتے ہیں کہ بغداد کی جامع مسجد میں چند درویشوں کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا' ہمیں بیٹھے ہوئے تھوڑی ہی دیر گزری تھی کہ ایک خوب صورت نوجوان جس کے لباس سے بہترین خوشبو آرہی تھی مسجد میں داخل ہوا میں نے اپنے رفقاء سے کہا کہ میرے خیال سے یہ نوجوان یہودی ہے' مسلمان نہیں ہے' ان لوگوں نے میری بات ناگواری سے سنی اور ایک مسلمان کو یہودی کہہ دینے پر برا منایا' میں اٹھ کر باہر چلا گیا' وہ شخص بھی باہر نکل گیا' تھوڑی دیر بعد وہ نوجوان واپس ہوا' اور میرے رفقاء سے دریافت کرنے لگا کہ یہ بڑے میاں میرے متعلق کیا کہہ رہے تھے؟ پہلے تو لوگوں نے صحیح بات بتلانے سے گریز کیا' لیکن جب اس نوجوان کا اصرار بڑھا تو انھوں نے بتلادیا کہ وہ بڑے میاں تمہیں یہودی کہہ رہے تھے' خواص کہتے ہیں کہ وہ نوجوان میرے پاس آیا' سلام کیا' اور میرے سر کو بوسہ دے کر کہنے لگا کہ ہم نے اپنی کتابوں میں پڑھا ہے کہ صدیق کی فراست خطا

نہیں کرتی میں نے ارادہ کیا کہ اس قول کی صداقت کا امتحان کروں، مسلمانوں کے پاس پہنچا، انکے حالات پر نظر ڈالنے کے بعد میں اس نتیجے پر پہنچا کہ مسلمانوں کے صدیق درویشوں اور فقیروں کے طبقے میں ہوتے ہوں گے، یہی سوچ کر میں آج آپ لوگوں کے پاس آیا تھا، آپ نے میرا مذہب بتلا کر میرے ارادے کی تکمیل کردی، اور ساتھ ہی ہمارے مذہبی صحیفوں کے اس قول کی تصدیق بھی ہوگئی کہ صدیق کی فراست خطا نہیں کرتی، خواص کہتے ہیں کہ وہ نوجوان اس واقعے سے اس قدر متاثر ہوا کہ اسلام میں داخل ہوگیا، اور اس قدر عبادت و ریاضت کی کہ ایک دن بڑا صوفی کہلایا۔

اسطرح کے کشف کی تائید ذیل کی حدیث شریف سے بھی ہوتی ہے فرمایا :-

لولا ان الشیاطین یحومون علی قلوب بنی ادم لنظروا الی ملکوت السماء۔ (یہ روایت کتاب الصوم میں گزر چکی ہے)

اگر شیاطین بنی آدم کے دلوں کے ارد گرد نہ گھومتے تو وہ آسمانی ملکوت کا مشاہدہ کرلیا کرتے۔

شیاطین بنی آدمی کے دلوں پر اس وقت گھومتے ہیں جب وہ مذموم صفات اور قبیح عادات سے پُر ہوں ایسے ہی دل شیطان کی چراگاہ ہیں، جہاں وہ آزادی کے ساتھ گھومتے پھرتے ہیں، وہ دل شیطانی چراگاہ نہیں بنتے جو صفات مذمومہ کی آلائشوں اور کدورتوں سے پاک وصاف ہوں، قرآن پاک کی ان آیات میں وہی لوگ مراد ہیں جو شیطان کے قبضے میں نہیں آتے اور اس کی دست برد سے محفوظ رہتے ہیں، فرمایا :-

اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِيْنَ (پ ۲۳ ر ۱۴ آیت ۸۳)

بجز ان بندوں کے جو ان میں منتخب کئے گئے ہیں۔

اِنَّ عِبَادِىْ لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطَانٌ (پ ۱۵ ر ۷ آیت ۶۵)

میرے خاص بندوں پر تیرا ذرا قابو نہ چلے گا۔

ذوالنون مصری کا واقعہ : اس حقیقت پر کہ سماع تصفیہ قلب کا ذریعہ ہے یہ روایت بھی دلالت کرتی ہے کہ جب حضرت ذوالنون مصریؒ بغداد تشریف لے گئے تو کچھ صوفی ان کے پاس حاضر ہوئے ان کے ساتھ ایک قوال بھی تھا، آنے والوں نے عرض کیا کہ اگر آپ کی اجازت ہو تو یہ قوال کچھ سنائے، آپ نے اجازت دی، اس نے یہ اشعار سنائے۔

صغیر هواک عذبنی فیکف به اذا احتنکا
وانت جمعت فی قلبی هوی قد کان مشترکا
اما ترثی لمکتئب اذا اضحک الخلی بکی

(تیری چھوٹی سی محبت نے مجھے مبتلائے عذاب کردیا، اس وقت کیا ہوگا جب یہ محبت بڑی (زیادہ) ہوجائے گی تو نے اس محبت کو تنہا میرے دل میں جمع کردیا ہے جو ہم دونوں میں مشترک تھی کیا تجھے اس شخص پر رحم نہیں آتا جو روتا ہے جس وقت غم و فکر سے آزاد شخص ہنستا ہے)

ذوالنون مصری یہ اشعار سن کر کھڑے ہوگئے، اور شدت تاثر سے اپنے آپ پر قابو نہ رکھ سکے، اور منہ کے بل زمین پر گر پڑے، آپ کے بعد ایک اور شخص کھڑا ہوا، اور وجد کرنے لگا، آپ نے اس سے فرمایا :-

الَّذِىْ يَرٰكَ حِيْنَ تَقُوْمُ (پ ۱۹ ر ۱۵ آیت ۲۱۸)

جو آپ کو دیکھتا ہے، جس وقت کہ آپ (نماز کے لئے) کھڑے ہوتے ہیں۔

یہ آیت آپ نے اس لئے پڑھی کہ آپ اپنی مومنانہ فراست سے یہ بات سمجھ گئے تھے کہ وہ بتکلف وجد کررہا ہے چنانچہ وہ شخص یہ آیت سن کر بیٹھ گیا، اگر اس کا قیام اور وجد غیر اختیاری ہوتا تو وہ ہرگز نہ بیٹھتا، یہ آیت پڑھ کر آپ نے اسے آگاہ کردیا کہ اگر تم غیر اللہ کے لئے اٹھو گے تو وہی تمہارا مدعی ہوگا جو اٹھتے وقت تمہیں دیکھ رہا ہے۔

وجد کی دو قسمیں : اس تفصیل سے ثابت ہوتا ہے کہ وجد یا حالت کا نام ہے یا مکاشفہ کا، پھر ان دونوں کی دو قسمیں ہیں، ایک یہ کہ افاقے کے بعد وہ حالات اور مکاشفات بیان کئے جاسکیں اور دوسرے یہ کہ ان کا بیان کرنا ممکن نہ ہو، یہ بات بظاہر عجیب ہے کہ انسان پر ایک حالت واقع ہو یا اسے کسی چیز کا علم حاصل ہوا ہو اور وہ اسے بیان نہ کرسکے، لیکن فی الحقیقت یہ بات مستبعد یا حیرت انگیز نہیں ہے، عام حالات میں اس کی نظیریں ملتی ہیں، اور کسی

دشواری کے بغیر ان کا مشاہدہ کیا جاسکتا ہے' مثلاً علم کو لیجئے اکثر ایسا ہوتا ہے کہ کسی فقیہ کے سامنے دو مسئلے ایک دوسرے سے مشابہ پیش کئے جائیں فقیہ کا ذوق کہتا ہے کہ ان دونوں مسئلوں میں فرق موجود ہے لیکن وہ فرق کیا ہے؟ اگر اس سے کوئی پوچھے تو وہ اس کا اطمینان بخش جواب نہیں دے پاتا' خواہ کتنا ہی فصیح اللسان کیوں نہ ہو' ان دونوں کے درمیان فرق ہے' وہ ذوق سے اس کا ادراک کر رہا ہے' وہ یہ بھی جانتا ہے کہ قلب میں اس فرق کا احساس بلاوجہ پیدا نہیں ہوا بلکہ اس کا ایک سبب ہے اور خدا تعالیٰ کے نزدیک بھی اس کی حقیقت ہے لیکن وہ اس فرق کی تعبیر سے عاجز ہے' اسلئے نہیں کہ اسے بولنا نہیں آتا یا اس کے پاس الفاظ کا ذخیرہ نہیں ہے' بلکہ اس لئے کہ وہ فرق ہی اتنا دقیق ہے کہ عبارات اس کی دقت کا تحمل نہیں کر سکتی چنانچہ جو لوگ "مشکلات" کی بحث کرتے رہتے ہیں وہ اس پیچیدگی سے خوب واقف ہیں' اب حالت کو لیجئے' بسا اوقات انسان اپنے دل میں قبض یا بسط کی کیفیت محسوس کرتا ہے' لیکن اسے یہ معلوم نہیں ہوپاتا کہ یہ کیفیت کیسے پیدا ہوئی' کبھی آدمی کسی چیز میں فکر کرتا ہے اور وہ اس کے دل پر اثر انداز ہوتی ہے' بعد میں اثر باقی رہ جاتا ہے اور متاثر اثر کے سبب یعنی فکر کو بھول جاتا ہے' یہ حالت حزن میں بھی ہوتی ہے' اور سرور میں بھی' بعض اوقات یہ حالت اتنی عجیب و غریب ہوتی ہے کہ سرور اور حزن کے الفاظ اس حالت کی صحیح تعبیر سے قاصر نظر آتے ہیں' نہ اسے حزن کہہ سکتے ہیں' نہ سرور' اور نہ کوئی ایسا لفظ ملتا ہے جو اس حالت کا صحیح اظہار کر سکے' نفس کے بہت سے احوال کا یہی حال ہے کہ انہیں ٹھیک ٹھیک ظاہر نہیں کیا جاسکتا' سرور و حزن جیسی مشہور کیفیتیں تو سماع سے پیدا ہوتی ہیں جو بہرحال مفہوم ہے اور ان سے یہ کیفیتیں پیدا ہوں تو کچھ تعجب خیز بھی نہیں ہے' لیکن جنگ و رباب وغیرہ باجے غیر مفہوم ہونے کے باوجود دلوں میں عجیب و غریب کیفیت پیدا کرتے ہیں' الفاظ میں اس کیفیت کی وضاحت نہیں ہوپاتی' کوئی اس کیفیت کو شوق کا نام دیتا ہے' لیکن واقعتاً وہ کیفیت شوق کہلائی جاسکتی ہے جس میں مشتاق کو مشتاق' الیہ (جس کا شوق ہو) کا علم نہ ہو' یہ عجیب و غریب شوق ہے کہ مشتاق کا دل نغمے اور باجے سن کر مضطرب ہے' مشتاق ہے' لیکن وہ یہ نہیں جانتا کہ اس کے اشتیاق کا مرکز کون ہے' دل میں کسی چیز کا تقاضا پاتا ہے' لیکن وہ کیا چیز ہے یہ نہیں جانتا' یہ صورت عام لوگوں کے ساتھ بھی ہے' اور ان لوگوں کے ساتھ بھی جن پر نہ اللہ کی محبت غالب ہوتی ہے' اور نہ انسانوں کی۔

یہ حالت عجیب و غریب اسلئے ہے کہ اسے صحیح معنی میں شوق نہیں کہہ سکتے' کیوں کہ شوق کے دو رکن ہیں' اول مشتاق کی صفت' اس کا مطلب یہ ہے کہ مشتاق کو اس چیز سے ایک گونہ مناسبت ہو جس کی طرف اشتیاق ہے' دوم مشتاق الیہ کی معرفت اور اس تک پہنچنے کے طریقے کا علم' اب اگر یہ دونوں رکن پائے جائیں تو معاملہ واضح ہے' اور شوق کی کیفیت بھی معلوم ہے' لیکن اگر شوق دلانے والی صفت موجود ہے اور مشتاق الیہ معلوم نہیں تو اسے کیا کہیں گے؟ وہ صفت مشوقہ حرکت کرے گی؟ یا اس شوق کی آگ بھی بھڑکے گی' لیکن اسکا نتیجہ اس اضطراب کی صورت میں ظاہر نہیں ہوگا جسے شوق کا اضطراب کہتے ہیں بلکہ دہشت اور حیرت کی صورت میں پیدا ہوگی' مثلاً ایک شخص شروع ہی سے تنہائی کی زندگی گزار رہا ہے اس نے کبھی عورتوں کی صورت تک نہیں دیکھی' نہ اسے یہ معلوم ہے کہ جماع کسے کہتے ہیں' لیکن جب وہ عمر کی اس منزل پر پہنچتا ہے جسے بلوغ کہتے ہیں تو وہ اپنے جسم میں شہوت کی آگ محسوس کرتا ہے اور یہ نہیں جانتا کہ وہ شہوت جماع کا اشتیاق ہے' کیوں کہ وہ جماع کی کیفیت سے واقف ہی نہیں ہے' اسی طرح آدمی کے نفس میں صفت مشوقہ موجود ہے' یعنی اسے ملاء اعلیٰ' اور ان لذتوں سے ایک گونہ مناسبت ہے جن کے متعلق یہ وعدہ کیا گیا ہے کہ وہ سدرۃ المنتہیٰ اور فردوس بریں میں حاصل ہوں گی' یہ لذات اس کی مشتاق الیہ ہیں' لیکن وہ ان لذتوں کا صرف نام بیان کر سکتا ہے یا وہ اوصاف بیان کر سکتا ہے جو اس نے سنے ہیں کوئی کیفیت بیان نہیں کر سکتا جس طرح وہ شخص لذت جماع کی کیفیت بیان نہیں کر سکتا جس نے عورتوں اور جماع کا نام سنا ہے' لیکن نہ اس نے کبھی کسی عورت کی شکل دیکھی' نہ کسی مرد کو دیکھا' نہ خود اپنی صورت آئینے میں دیکھی۔ یہی حال ان لوگوں کا ہے جن کے دل میں سماع سے شوق کو تحریک ہوتی ہے' لیکن جہل' اور حب دنیا میں افراط کی وجہ سے ان کے نفوس اپنے رب کو بھول گئے ہیں اور انہیں وہ مستقر بھی یاد نہیں رہا جس کی طرف ان کا شوق اور میلان طبعی ہے' اسلئے کہ دل ایسے امور کے خواہاں ہوتے ہیں جن سے وہ واقف نہیں ہوتے پھر مدہوش' متحیر اور مضطرب ہو جاتے ہیں' اور دل میں انقباض کی سی کیفیت محسوس کرتے ہیں' بہرحال یہ وہ احوال ہیں کہ ان کے تمام حقائق معلوم نہیں ہوپاتے' اور ان احوال سے دوچار ہونے والا شخص انکی صحیح تعبیر نہیں کر سکتا۔

وجد اور تواجد: شعر و نغمہ سے دل میں جو کیفیت خود بخود پیدا ہوتی ہے' یا اعضاء پر اس کا اثر غیر اختیاری طور پر ظاہر ہوتا ہے اسے وجد کہتے ہیں' اور اگر وجد کرنے میں تکلف سے کام لیا جائے' اور جان بوجھ کر اپنے اعضاء کو حرکت دی جائے تو یہ تواجد ہے' تواجد مذموم بھی ہے' اور محمود بھی' اگر کوئی شخص احوال شریفہ سے محروم ہے اور اس خیال سے وجد کر رہا ہے کہ لوگ اسے تہی دامن نہ سمجھیں صاحب حال اور صوفی تصور کریں' یہ تواجد ناپسندیدہ ہے' لیکن اگر وہ تواجد کو حقیقی وجد' اور احوال شریفہ کے کسب کا ذریعہ بنانا چاہتا ہے تو یہ صورت ناپسندیدہ نہیں ہے اسلئے کہ احوال شریفہ کے حصول میں کسب کو بڑا دخل ہے۔ چنانچہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن مجید کی تلاوت کرنے والوں سے ارشاد فرمایا کہ اگر تمہیں تلاوت کے دوران رونا نہ آئے تو رونی صورت بنا لیا کرو' اور بتکلف حزن کرلیا کرو۔ (یہ روایت کتاب آداب تلاوت القرآن میں گزر چکی ہے) اس لئے کہ ان احوال کی ابتداء میں عموماً تکلف سے کام لیا جاتا ہے' مگر بعد میں یہ احوال متحقق اور ثابت ہو جاتے ہیں' ہم دیکھتے ہیں کہ قرآن کریم پڑھنے والا شخص اولاً تکلف سے کام لیتا ہے' ہجے کر کے آہستہ آہستہ پڑھتا ہے' پھر تھوڑی روانی آتی ہے' اور پھر یہ روانی اس کی عادت مستمرہ بن جاتی ہے' یہاں تک کہ نماز وغیرہ میں بحالت غفلت تمام

سورت پڑھ جاتا ہے اور کوئی غلطی نہیں ہوتی' بعد میں معلوم ہوتا ہے کہ وہ غفلت کی حالت میں پڑھ رہا تھا' یہی حال لکھنے والے کا ہے کہ وہ ابتدا میں سخت مشکلات کا سامنا کرتا ہے' لکھنے کی مشق کرتا ہے' انجام کار لکھنا اس کی طبیعت بن جاتی ہے' اور اس حالت میں بھی وہ صفحے کے صفحے لکھتا چلا جاتا ہے کہ اس اس کا دل لکھنے کی طرف متوجہ ہونے کے بجائے کسی دوسری فکر میں مشغول ہو' دل اور اعضاء کے تمام اوصاف کا یہی حال ہے کہ اولاً ان کے حصول و اکتساب میں تکلف اور تصنع سے کام لیا جاتا ہے' بعد میں وہ صفات عادت اور طبیعت بن جاتی ہیں' یہاں تک کہ بلا ارادہ و اختیار بھی ان کا اظہار ہونے لگتا ہے' اسی لئے عادت کو طبع پنجم (اور ہمارے یہاں طبیعت ثانیہ) کہتے ہیں۔

احوال شریفہ کا اکتساب : بہرحال اگر کوئی شخص احوال شریفہ سے محروم ہو تو اسے مایوس ہونے کی ضرورت نہیں ہے بلکہ مناسب یہ ہے کہ وہ انھیں سماع یا کسی دوسری تدبیر کے ذریعہ حاصل کرنے کی کوشش کرے' اور اس میں کسی تکلف سے بھی کام لینا ہو تو گریز نہ کرے' اسلئے کہ یہ بات دیکھی گئی ہے کہ کسی شخص نے دوسرے پر عاشق ہونا چاہا اور پہلے سے عاشق نہیں تھا تو اس نے یہ تدبیر کی بار بار اس کا تذکرہ زبان پر لایا' اسکی پسندیدہ صفات اور قابل تعریف عادات پر مسلسل نظر رکھی' اور اس تدبیر سے اس کے عشق کی آگ اپنے دل میں روشن کرلی' اور یہ محبت کچھ اس طرح راسخ ہوئی کہ اس کے اختیار و قدرت کی حدود سے تجاوز کرگئی' بعد میں اسے دل سے دور کرنا بھی چاہا تو دور نہ کرسکا۔ یہی تدبیر دیدار الٰہی کے شوق' عذاب الٰہی کے خوف اور دوسرے احوال شریفہ کے سلسلے میں اختیار کی جاسکتی ہے کہ ان لوگوں کے پاس بیٹھے جو ان اوصاف کے حامل ہوں' انکے اوصاف کا بغور مطالعہ و مشاہدہ کرے' دل میں انھیں اچھا سمجھے' اور سماع و وجد میں انکی تقلید کرے' باری تعالیٰ کے حضور تضرع و زاری کے ساتھ اس کی دعا کرے کہ اسے بھی حسن توفیق میسر ہو' اور اس کے حق میں بھی احوال شریفہ کے اسباب سہل ہوجائیں' ساتھ ہی ان اسباب کے حصول کی کوشش بھی کرے' یعنی اللہ کے ان نیک بندوں کی ہم نشینی اختیار کرے جو دل میں اللہ کی محبت اور اسکا خوف رکھتے ہیں' اسلئے کہ انسان اپنے ہم نشینوں کا اثر قبول کرتا ہے' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ دعا اس امر کی دلیل ہے کہ ان احوال کے حصول میں اسباب کو بڑا دخل ہے۔ فرمایا :-

اَللّٰهُمَّ ارْزُقْنِیْ حُبَّکَ وَحُبَّ مَنْ اَحَبَّکَ وَحُبَّ مَنْ یُقَرِّبُنِیْ اِلٰی حُبِّکَ[1]

اے اللہ مجھے اپنی محبت عطا فرما' ان لوگوں کی محبت سے نواز جو تجھ سے محبت رکھتے ہیں' اور ان لوگوں کی محبت سے بھی جو مجھے تیری محبت سے قریب کردیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ محبت طبعی ہی نہیں ہوتی' بلکہ اس میں کسب بھی ہوسکتا ہے' ورنہ آپ یہ دعا کیوں فرماتے۔ وجد کی یہ کل چھ قسمیں ہوئیں' پہلی دو قسمیں ہیں حالت اور مکاشفہ' ان کی دو قسمیں تھیں قابل بیان اور ناقابل بیان' پھر دو قسمیں ہوئیں ایک وہ وجد جس میں تکلف ہو' اور دوسرا وہ جس میں تکلف و اختیار کو کوئی دخل نہ ہو۔

قرآن پاک سے وجد : یہاں یہ اعتراض کیا جاسکتا ہے کہ صوفیاء کو قرآن کریم سننے سے وجد نہیں آتا' نغمے سننے سے وہ بے حال ہوجاتے ہیں' اگر وجد حق ہوتا' اور عطاء رب ہوتا' شیطان کے فریب کو اس میں کوئی دخل نہ ہوتا تو وہ لوگ سماع سے زیادہ تلاوت سے وجد کرتے؟ اس کا جواب یہ کہ جو وجد حق ہے اسکا منبع اللہ تعالیٰ کی فرط محبت' اور شوق دیدار ہے' یہ وجد قرآن کریم کی تلاوت سے بھی جوش میں آتا ہے' جیسا کہ خود قرآن کریم سے اس کا ثبوت ملتا ہے' فرمایا

اَلَا بِذِکْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ (پ ۱۳ ر ۱۰ آیت ۲۸)

خوب سمجھ لو کہ اللہ کے ذکر سے دلوں کو اطمینان ہوجاتا ہے۔

مَثَانِیَ تَقْشَعِرُّ مِنْهُ جُلُوْدُ الَّذِیْنَ یَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ ثُمَّ تَلِیْنُ جُلُوْدُهُمْ وَقُلُوْبُهُمْ اِلٰی ذِکْرِ اللّٰهِ (پ ۲۳ ر ۱۷ آیت ۲۳)

جو (کتاب) بار بار دہرائی گئی ہے' جس سے ان لوگوں کے جو اپنے رب سے ڈرتے ہیں بدن کانپ اٹھتے ہیں پھر ان کے بدن اور دل نرم ہوکر اللہ کے ذکر کی طرف متوجہ ہوجاتے ہیں۔

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ اِذَا ذُکِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ (پ ۹ ر ۱۵ آیت ۲)

بس ایمان والے تو ایسے ہوتے ہیں کہ جب (ان کے سامنے) اللہ تعالیٰ کا ذکر آتا ہے تو ان کے قلوب ڈر جاتے ہیں۔

---

(۱) یہ روایت کتاب الدعوات میں گزر چکی ہے)

لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰى جَبَلٍ لَّرَاَيْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ (پ ۲۸ ر ۶ آیت ۲۱)

اگر ہم اس قرآن کو کسی پہاڑ پر نازل کرتے تو (اے مخاطب) تو اس کو دیکھتا کہ خدا کے خوف سے دب جاتا اور پھٹ جاتا۔

قلب کی طمانیت' شدت خوف سے جسم کی لرزش' قلب کی رقت' نرمی اور خشوع وجد ہی کے مختلف مظاہر ہیں' اگرچہ یہ مظاہر حالات کے قبیل سے ہیں' مکاشفات کے قبیل سے نہیں ہیں' لیکن کبھی کبھی یہ حالات بھی مکاشفات کا سبب بن جاتے ہیں' قرآن پاک کو لحن کے ساتھ پڑھنے کی تاکید اسلئے ہے کہ اچھی تلاوت سے وجد ہوتا ہے' چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا :۔ زینوا القرآن باصواتکم (*)

قرآن کریم کو اپنی آوازوں سے زینت دو

حضرت موسیٰ اشعری کی خوش الحانی کی ان الفاظ میں تعریف فرمائی ہے۔

لقد اوتی مزمارا من مزامیر آل داود اسے آل داؤد کی ایک لے دی گئی ہے

قرآن سے وجد کی حکایات : اس طرح کے بہت سے واقعات ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے قرآن کی تلاوت سن کر اہل دل وجد میں آجاتے ہیں' چنانچہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں۔

شیبتنی سورۃ ھود واخواتھا (ترمذی۔ ابوحجیفہ)

مجھے سورۂ ہود اور اس جیسی سورتوں نے بوڑھا کردیا۔

اس حدیث میں وجد کی خبر ہے اس لئے کہ بڑھاپا خوف اور حزن سے طاری ہوتا ہے' اور خوف و حزن وجد کے مظاہر ہیں' روایت ہے کہ حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سورۂ نساء سنائی' جب وہ اس آیت پر پہونچے :۔

فَكَيْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍۭ بِشَهِيْدٍ وَّجِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰۤؤُلَآءِ شَهِيْدًا (پ ۵ ر ۳ آیت ۴۱)

سو اس وقت بھی کیا حال ہوگا جب کہ ہم ہر امت میں سے ایک ایک گواہ حاضر کریں گے اور آپ کو ان لوگوں پر گواہی دینے کے لئے حاضر لائیں گے۔

آپ نے فرمایا: بس کرو' راوی کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دونوں آنکھوں سے اشک رواں تھے (بخاری و مسلم۔ ابن مسعودؓ) ایک روایت میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت تلاوت فرمائی' یا کسی دوسرے شخص نے آپ کے سامنے یہ آیت پڑھی' آپ خوف سے بے ہوش ہوگئے' آیت یہ تھی (۱)

اِنَّ لَدَيْنَاۤ اَنْكَالًا وَّجَحِيْمًا وَّطَعَامًا ذَا غُصَّةٍ وَّعَذَابًا اَلِيْمًا (پ ۲۹ ر ۱۳ آیت ۱۳)

ہمارے یہاں بیڑیاں ہیں اور دوزخ ہے اور گلے میں پھنس جانے والا کھانا ہے اور دردناک عذاب ہے۔

ایک روایت میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یہ آیت پڑھ کر رونے لگے (مسلم۔ عبداللہ ابن عمرؓ)

اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ (پ ۷ ر ۶ آیت ۱۱۸)

اگر آپ ان کو سزا دیں تو یہ آپ کے بندے ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ معمول تھا کہ جب آپ رحمت کی کوئی آیت تلاوت کرتے یا کسی سے سنتے تو بارگاہ الٰہی میں رحمت کی دعا کرتے' اور بشارت کی درخواست فرماتے (۲) بشارت کی درخواست کرنا وجد ہے' اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کی تعریف فرمائی ہے جو قرآنی آیات سن کر وجد میں آجاتے ہیں' فرمایا :۔

---

(۱) یہ روایت عدی نے کامل میں' اور بیہقی نے شعب میں ابو حرب ابن ابی الاسود سے بطریق ارسال نقل کی ہے۔ (۲) یہ روایت کتاب تلاوۃ القرآن میں گزر چکی ہے۔ (*) یہ دونوں روایتیں کتاب آداب تلاوت القرآن میں گزر چکی ہیں

وَاِذَا سَمِعُوْا مَاۤ اُنْزِلَ اِلَى الرَّسُوْلِ تَرٰۤى اَعْيُنَهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ مِمَّا عَرَفُوْا مِنَ الْحَقِّ (پ ۷ ر ۱ آیت ۸۳)

اور جب وہ اس کو سنتے ہیں جو کہ رسول کی طرف بھیجا گیا ہے تو آپ ان کی آنکھیں آنسوؤں سے بہتی ہوئی دیکھتے ہیں۔

روایات میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نمازیں پڑھا کرتے اور آپ کے سینہ مبارک سے ایسی آوازیں نکلتیں جیسے ہانڈی ابل رہی ہو (ابوداؤد، نسائی، شمائل ترمذی۔ عبداللہ ابن الشیخ) صحابہ و تابعین سے بھی قرآن پر وجد کے بہت سے واقعات منقول ہیں، بہت سے حضرات خوف کی شدت سے بے ہوش ہو جاتے، بہت سے لوگ بے قابو ہو کر رونے لگتے، بہت سے لوگ زمین پر لوٹنے لگتے، یا بے ہوش ہو کر گر جاتے، بعض حضرات بے ہوشی کے عالم میں وفات بھی پا گئے ہیں، چنانچہ زرارہ ابن ابی اوفی تابعی کے بارے میں منقول ہے کہ وہ رقہ میں لوگوں کو نماز پڑھا رہے تھے، کسی رکعت میں یہ آیت پڑھی۔

فَاِذَا نُقِرَ فِى النَّاقُوْرِ فَذٰلِكَ يَوْمَئِذٍ يَّوْمٌ عَسِيْرٌ (پ ۲۹ ر ۱۵ آیت ۸،۹)

پھر جس وقت صور پھونکا جائے گا سو وہ وقت یعنی وہ دن کافروں پر ایک سخت دن ہوگا۔

آخرت کی دہشت اس قدر طاری ہوئی کہ بے ہوش ہو کر گر پڑے، اور محراب مسجد ہی میں وفات پا گئے، ایک شخص یہ آیت پڑھ رہا تھا۔ اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ لَوَاقِعٌ مَّا لَهٗ مِنْ دَافِعٍ (پ ۲۷ ر ۳ آیت ۷-۸)

بے شک آپ کے رب کا عذاب ضرور ہو کر رہے گا کوئی اس کو ٹال نہیں سکتا۔

حضرت عمر ابن الخطابؓ نے یہ آیت سنی تو عذاب کے ہولناک تصور کی تاب نہ لاسکے، ایک بلند کراہ کے ساتھ بے ہوش ہو گئے، انھیں گھر لے کر آئے، اس واقعے کے بعد آپ تقریباً ایک ماہ تک صاحب فراش رہے صالح مری نے مشہور تابعی بزرگ ابو جریر کے سامنے چند آیات تلاوت کیں، آپ چیخ پڑے، اور چند لمحوں میں اپنے خالق حقیقی سے جا ملے، امام شافعی ایک قاری سے یہ آیت سن کر بے ہوش ہو گئے۔

هٰذَا يَوْمُ لَا يَنْطِقُوْنَ وَلَا يُؤْذَنُ لَهُمْ فَيَعْتَذِرُوْنَ (پ ۲۹ ر ۲۱ آیت ۳۵-۳۶)

یہ وہ دن ہوگا جس میں لوگ بول نہ سکیں گے اور نہ ان کو اجازت (عذر کی) ہوگی عذر بھی نہ کر سکیں گے۔

علی ابن فضیلؒ کے ساتھ اسی طرح کا واقعہ پیش آیا کوئی شخص یہ آیت تلاوت کر رہا تھا:۔

يَوْمَ يَقُوْمُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ (پ ۳۰ ر ۸ آیت ۶)

جس دن تمام آدمی رب العالمین کے سامنے کھڑے ہوں گے۔

آپ سننے کی تاب نہ لاسکے اور غش کھا کر گر پڑے، یہ منظر دیکھ کر فضیل نے اللہ کا شکر ادا کیا اور علی سے فرمایا کہ تجھے وہ ملے گا جو اللہ نے تجھ سے معلوم کر لیا ہے، اس طرح کے واقعات صوفیاء کے بارے میں بھی منقول ہیں ایک مرتبہ شبلیؒ اپنی مسجد میں تراویح کی نماز ادا کر رہے تھے، امام نے یہ آیت پڑھی۔

وَلَئِنْ شِئْنَا لَنَذْهَبَنَّ بِالَّذِىْۤ اَوْحَيْنَاۤ اِلَيْكَ (پ ۱۵ ر ۱۰ آیت ۸۶)

اور اگر ہم چاہیں تو جس قدر وحی آپ پر بھیجی ہے سب سلب کر لیں۔

شبلیؒ بے ساختہ چیخ اٹھے، لوگ سمجھے کہ شاید آپ کی روح پرواز کر گئی ہے، رنگ زرد پڑ گیا، جسم کانپنے لگا اور آنکھوں سے اشک جاری ہو گئے، آپ بار بار یہی فرما رہے تھے کہ احباب سے اس طرح بھی خطاب کیا جاتا ہے، جنیدؒ کہتے کہ میں سری سقطیؒ کے پاس گیا، ان کے حجرے میں ایک شخص بے ہوش پڑا ہوا تھا میں نے اسکی بے ہوشی کی وجہ دریافت کی، فرمایا کہ یہ شخص قرآن کریم کی فلاں آیت سن کر بے ہوش ہو گیا، میں نے کہا وہی آیت دوبارہ پڑھے، جب وہ آیت دوبارہ پڑھی گئی تو اس کی غشی جاتی رہی، لوگوں کو

یہ تدبیر بہت پسند آئی سری سقطیؒ نے پوچھا کہ تمہیں یہ انوکھا طریقہ کہاں سے معلوم ہوا؟ میں نے کہا کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کے واقعے سے 'اگر آپ کی بینائی حق کی وجہ سے زائل ہوتی تو مخلوق کے سبب واپس نہ ہوتی سری سقطیؒ نے اس جواب پر اپنی پسندیدگی کا اظہار فرمایا' کسی شاعر کا یہ شعر بھی حضرت جنید کی تدبیر کی تفسیر ہے۔

وکاس شربت علی لذة واخری تداوی منها بها

(ایک جام میں نے لذت کی خاطر پیا' (اور جب لذت بڑھی اور نشہ ہو گیا تو) دوسرے جام سے میں نے اس (نشے) کا علاج کیا)

ایک بزرگ کہتے ہیں کہ میں رات کے وقت یہ آیت بار بار تلاوت کر رہا تھا۔

كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ (پ ۴ ر ۱۰ آیت ۱۸۵)

ہر جان کو موت کا مزہ چکھنا ہے۔

معاً ایک آواز آئی کہ آخر تم کب تک یہ آیت پڑھتے رہو گے' تم نے اس آیت سے چار ایسے جنوں کو قتل کر دیا ہے جنھوں نے اپنی پیدائش کے روز اول سے اس وقت تک آسمان کی جانب سر نہیں اٹھایا تھا' ابو علی مغازلی نے شبلیؒ سے عرض کیا کہ جب میں قرآن کی کوئی آیت سنتا ہوں تو وہ مجھے دنیا سے کنارہ کش کر دیتی ہے' پھر جب میں اپنے دنیاوی کاروبار کی طرف واپس آتا ہوں' اور لوگوں سے ملتا جلتا ہوں تو اعراض عن الدنیا کی وہ حالت باقی نہیں رہتی جو تلاوت کے وقت پیدا ہوئی تھی' شبلیؒ نے فرمایا کہ تلاوت کے وقت تمہارے دل میں اللہ کی طرف انابت اور ماسوی اللہ سے اعراض کی جو کیفیت پیدا ہوتی ہے وہ بھی رب کریم کی لطف و عنایت سے ہے' اور تلاوت کے بعد تم دنیاوی امور میں مشغول اور اپنے نفس کی طرف متوجہ ہو جاتے ہو' یہ بھی اللہ کی رحمت و کرم کا مظہر ہے' کیوں کہ تمہارے شایان شان یہی ہے کہ جب تم اسکی طرف متوجہ ہو تو اپنی قوت اور تدبیر کا کوئی اثر تم میں باقی نہ رہے' ایک صوفی نے کسی قاری سے یہ آیت سنی :۔

يَا أَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِي إِلَى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً (پ ۳۰ ر ۱۴ آیت ۲۸)

اے اطمینان والی روح تو اپنے پروردگار کی (جوار رحمت) کی طرف چل اس طرح کہ تو اس سے خوش ہو اور وہ تجھ سے خوش ہو۔

صوفی نے کہا کہ آخر میں نفس سے کب تک رب کی طرف لوٹنے کے لئے کہتا رہوں' یہ رجوع کا نام ہی نہیں لیتا' دنیا میں لگا ہوا ہے' اس کے بعد ایک چیخ ماری اور جان جان آفریں کے سپرد کر دی۔ کوئی شخص یہ آیت پڑھ رہا تھا :۔

وَأَنذِرْهُمْ يَوْمَ الْآزِفَةِ (پ ۲۴ ر ۷ آیت ۱۸)

اور آپ ان لوگوں کو ایک قریب آنے والے مصیبت کے دن سے ڈرایئے۔

بکر بن معاذؒ نے یہ آیت سنی تو بے حد مضطرب ہوئے اور کہنے لگے کہ اے رب کریم تو اس شخص پر رحم فرما جسے تو نے اپنے عذاب سے ڈرایا' لیکن اس کے باوجود وہ تیرا مطیع نہ ہوا' اتنا کہا اور بے ہوش ہو گئے' ابراہیم ابن ادہم جب کسی شخص سے یہ آیت سنتے تو ان کے جسم کا رواں رواں کانپ اٹھتا۔

إِذَا السَّمَاءُ انشَقَّتْ۔ پ ۳۰ ر ۹ آیت ۱

جب آسمان پھٹ جائیگا۔

محمد ابن صبیح نقل کرتے ہیں کہ ایک شخص دریائے فرات میں غسل کر رہا تھا' اجنبی ساحل پر آیا اور یہ آیت پڑھنے لگا۔

وَامْتَازُوا الْيَوْمَ أَيُّهَا الْمُجْرِمُونَ (پ ۲۳ ر ۳ آیت ۵۹)

اور اے مجرمو! آج اہل ایمان سے الگ ہو جاؤ۔

نہانے والا شخص یہ آیت سن کر بے تاب ہوگیا' اس پر کچھ غشی طاری ہوئی' اپنے اوپر قابو نہ رکھ سکا اور لہروں کی نذر ہوگیا' حضرت سلمان الفارسیؓ نے ایک نوجوان کو کسی آیت پر مضطرب اور لرزہ براندام ہوتے دیکھا تو یہ منظر آپ کو بہت اچھا لگا' اور اس نوجوان سے آپ کو محبت سی ہوگئی' چند دن تک وہ نظر نہ آیا تو آپ بے تاب ہوئے' لوگوں سے اسکے متعلق دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ وہ بیمار ہے' اس کے گھر تشریف لے گئے' وہ اس وقت عالم نزع میں تھا' سلمان نے اس کا مزاج دریافت کیا' کہنے لگا جو لرزش آپ نے میرے جسم پر اس دن ملاحظہ فرمائی تھی وہ مجسم ہو کر میرے سامنے آئی' اور مجھ سے کہنے لگی کہ خدا تعالیٰ نے تیرے تمام گناہ معاف کردئے' بہرحال صاحب دل قرآن سن کر وجد ضرور کرتا ہے' خواہ اس وجد کی کوئی بھی کیفیت ہو' اگر کسی شخص کے قلب پر یا اعضاء وجوارح پر کوئی آیت اثر انداز نہ ہو تو وہ اس آیت کریمہ کا مصداق ہے۔

كَمَثَلِ الَّذِي يَنْعِقُ بِمَا لَا يَسْمَعُ إِلَّا دُعَاءً وَنِدَاءً صُمٌّ بُكْمٌ عُمْيٌ فَهُمْ لَا يَعْقِلُونَ (پ ۲ ر ۵ آیت ۱۷۱)

اس جانور کی کیفیت کے مثل ہے کہ ایک شخص ہے وہ اسے (جانور) کے پیچھے چلا رہا ہے جو بجز بلانے اور اور پکارنے کے کوئی بات نہیں سنتا' بہرے ہیں' گونگے ہیں' اندھے ہیں' سو سمجھتے کچھ نہیں۔

یہ تو پھر قرآنی آیات کا ذکر ہے جو رموز کائنات کا سرچشمہ' اور دنیا و آخرت کے لئے نسخہ کیمیاء ہیں اہل دل کا حال تو یہ ہے کہ وہ حکمت و دانش کے ایک جملے بلکہ ایک کلمے پر بے حال ہو جاتے ہیں' چنانچہ جعفر غلدی کہتے ہیں کہ ایک خراسانی شخص حضرت جنید کی خدمت میں حاضر ہوا' اس وقت آپ کے پاس کچھ لوگ بیٹھے ہوئے تھے' اس شخص نے جنید سے پوچھا کہ آدمی کے لئے تعریف اور مذمت میں کوئی فرق باقی نہ رہے' یہ صورت کب پیدا ہوتی ہے؟ حاضرین میں سے کسی نے جواب دیا کہ آدمی ہسپتال میں داخل ہو جائے' اور قید حیات کے ساتھ ساتھ قید مرض میں بھی مبتلا ہو جائے (یعنی خلل دماغ یا ضعف کی وجہ سے وہ تمیز کی قوت ہی کھو بیٹھے) حضرت جنیدؒ نے فرمایا کہ یہ جواب تمہارے شایان شان نہیں ہے' اس کے بعد آپ خراسانی سائل کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ آدمی سے یہ امتیاز اس وقت اٹھ جاتا ہے جب اسے اپنی مخلوقیت کا یقین ہونے لگتا ہے' خراسانی یہ جواب سن کر چیخ اٹھا اور دیکھتے ہی دیکھتے اس کی روح کا طائر جسم کے قفس سے آزاد ہوگیا۔

ایک اعتراض کا جواب : یہاں یہ سوال کیا جاسکتا ہے کہ اگر قرآن سننے سے بھی وجد ہوتا ہے تو پھر سماع کی کیا ضرورت ہے' صوفیاء کے لئے بہتر یہ ہے کہ وہ سماع کی محفلیں منعقد کرنے اور راگ و رنگ کی مجلسیں سجانے کے بجائے تلاوت قرآن کے اجتماعات ترتیب دیں' اور خوش گلو قاریوں کو قرآن پڑھنے کے لئے بلائیں' اسلئے کہ اللہ کا کلام سماع سے افضل ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ سات وجوہات کی بناء پر قرآن کریم کی بہ نسبت سماع سے وجد کو تحریک زیادہ ہوتی ہے۔

پہلی وجہ : یہ ہے کہ قرآن کریم کی تمام آیات سننے والے کے مناسب حال نہیں ہیں' اور نہ سب اس قابل ہیں کہ انھیں سمجھ کر اپنے حال پر انطباق کرلیا جائے' مثلاً ایک ایسا شخص جو حزن و غم میں مبتلا ہے یہ آیات سنتا ہے بھلا بتلایئے یہ آیات اس کے مناسب حال کیسے ہوں گی :۔

يُوصِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنْثَيَيْنِ (پ ۴ ر ۱۳ آیت ۱۱)

اللہ تعالیٰ تم کو حکم دیتا ہے تمہاری اولاد کے باب میں لڑکے کا حصہ دو لڑکیوں کے حصے کے برابر۔

وَالَّذِينَ يرمون المحصنات (پ ۱۸ ر ۷ آیت ۴)

اور جو لوگ (زنا کی) تہمت لگائیں پاک دامن عورتوں پر۔

اسی طرح اور آیتیں ہیں جن میں میراث' طلاق' اور حدود وغیرہ کے احکام بیان کئے گئے ہیں' دل میں وہی بات تحریک کرتی ہے اس کے مناسب حال ہو' شعراء دل کے حالات کا آئینہ ہیں' اسلئے اشعار سے حال سمجھنے میں کچھ تکلف نہیں کرنا پڑتا۔ البتہ وہ شخص

جس پر اس قدر غلبہ حال ہو کہ اس کی موجودگی میں دوسری حالت کی گنجائش نہ ہو' نیز وہ انتہائی ذہین' اور سریع الفہم ہو کہ الفاظ سے بعید ترین معانی مراد لینے پر قادر ہو تو ایسے شخص کے لئے واقعی سماع کی کوئی اہمیت نہیں ہے' وہ قرآن کی ہر آیت پر وجد کر سکتا ہے' مثال کے طور پر یہی آیت لیجئے یوصیکم اللہ فی اولادکم اس آیت میں اگرچہ وصیت ہے احکام ذکر کئے گئے ہیں مگر وہ شخص وصیت کے مناسبت سے موت مراد لے سکتا ہے کیوں کہ وصیت کی ضرورت موت ہی کے وقت پیش آتی ہے' موت انسان کو مال اور اولاد جیسی محبوب چیزوں سے جدا کردیتی ہے' نیز ایک محبوب کو دوسرے محبوب کے قبضے میں چھوڑنے کے لئے مجبور کردیتی ہے' اس مفارقت کا تصور ہی حزن اور خوف کا محرک ہو سکتا ہے' یا ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ وہ اس آیت کے معنی و مفہوم پر غور کرنے سے پہلے ہی محض اسم ذات (اللہ) سن کر بے ہوش ہو جائے' اور اس آیت سے مستنبط ہونے والے مضامین کی اسے کوئی خبر نہ رہے' یا اس کے ذہن میں یہ خیال آئے کہ اپنے بندوں کو اللہ تعالیٰ کا یہ حکم کہ وصیت کیا کرو رحمت اور شفقت کی دلیل ہے' یہ شفقت نہ صرف ان لوگوں پر ہے جو مرنے والے کے وارث قرار پائیں گے' بلکہ خود مرنے والے پر بھی ہے کہ اس کے بعد اس کی اولاد اور اس کے عزیز و اقرباء اس کا مال پائیں' دوسروں کو اس میں کوئی حصہ نہ ملے' یہاں بندہ یہ بھی سوچ سکتا ہے کہ جب ہماری موت کے بعد ہمارے بچے اسکے کرم عمیم کے مستحق ہیں تو بھلا ہم کیوں نہ مستحق ہوں گے' اس تصور سے رجاء اور امید کا حال پیدا ہو سکتا ہے' رجاء خوشی اور بشارت کی موجب ہے لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنثَيَيْنِ سے یہ تصور پیدا ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ذکر کو اس کے مرد ہونے کی وجہ سے مونث پر فضیلت دی' پھر یہ خیال پیدا ہو سکتا ہے کہ صحیح معنی میں مرد وہی ہیں جن کے متعلق قرآن میں آیا ہے۔ لَا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَلَا بَيْعٌ عَن ذِكْرِ اللَّهِ (پ۱۸ ر۱۱ آیت ۳۷)

جن کو اللہ کی یاد سے اور (بالخصوص) نماز پڑھنے سے اور زکوٰۃ دینے سے نہ خرید غفلت میں ڈالنے پاتی ہے اور نہ فروخت۔

پھر سلسلۂ خیال یہاں تک دراز ہو سکتا ہے کہ جو شخص غیر اللہ میں مشغول ہو کر اللہ سے غافل ہو جائے وہ حقیت میں مرد نہیں ہے' بلکہ عورت ہے' ایسا نہ ہو کہ جس طرح عورت دنیاوی مال و دولت (وراثت) میں ہم سے پیچھے رہ گئی ہے آخرت میں ہم اس سے پیچھے رہ جائیں' ہمیں دنیا کی طرح آخرت میں بھی اپنی فضیلت برقرار رکھنی چاہیے' اور یہ فضیلت ہم عبادت و ریاضت' اور ذکر الٰہی میں اشتغال ہی سے حاصل کر سکتے ہیں' بہرحال اگر قرآن کی آیات میں اس کے ظاہری مضمون و معنی سے قطع نظر کرکے غور و فکر کیا جائے تو وجد نہ ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا' لیکن کسب وجد کا یہ طریقہ ہر شخص کے بس کا نہیں ہے' صرف وہی لوگ اسکے اہل ہیں جن میں دو وصف ہوں' ایک یہ کہ وہ غلبۂ حال میں مستغرق ہوں' دوسرا یہ کہ انتہائی ذہین اور فہیم ہوں' کیوں کہ ذکاوت و ذہانت کے بغیر یہ ناممکن ہے کہ ظاہری معانی سے باطنی معانی' یا مفہوم قریب سے مفہوم بعید مراد لیا جاسکے' لیکن کیوں کہ اس درجے کی ذہانت' اور اس درجے کا استغراق رکھنے والے لوگ بہت کم ہیں اس لئے عام طور پر لوگ سماع کا سہارا لیتے ہیں' کیوں کہ اشعار مناسب حال ہوتے ہیں' انہیں سمجھنے میں نہ دشواری ہوتی ہے' اور نہ بعید معانی مراد لینے کی ضرورت پیش آتی ہے۔ چنانچہ ابوالحسین نوری کا ذکر ہے کہ وہ چند لوگوں کے ساتھ کسی دعوت میں شریک تھے حاضرین میں علمی بحث چھڑ گئی' ابوالحسین خاموش بیٹھے رہے' جب بحث شباب پر تھی' اور لوگ علمی نکتہ آرائیوں میں ایک دوسرے پر سبقت لے جانے میں مصروف تھے تو انہوں نے اچانک سر اٹھایا' اور یہ چند اشعار پڑھے۔

رب ورقاء هتوف فی الضحی	ذات شجو صدحت فی فنن
ذکرت الفا ودهرا صالحا	وبکت حزنا فهاجت حزنی
فبکائی ربما ارارتها	ابکاها ربما ارقنی
ولقد اشکو فما افهمها	ولقد تشکو فما تفهمنی

غیر انی بالجوی احرفها وھی ایضا بالجوی تعرفن

(صبح کے وقت چہچہانے والی آزردہ دل فاختہ شاخ شجر پر اپنی آواز کا جادو جگاتی ہے' اور اپنے محبوب اور گزرے ہوئے خوبصورت دور کی یاد تازہ کرکے رونے لگتی ہے' اسے روتا دیکھ کر میرا دل رو اٹھتا ہے' کبھی میری آہ وزاری اسے بے چین کردیتی ہے' اور کبھی اسکے گریہ وبکا سے میں مضطرب ہوجاتا ہوں' میں اس سے اپنے دکھ کہتا ہوں لیکن اسے سمجھا نہیں پاتا' وہ مجھ سے دکھ کہتی ہے لیکن مجھے سمجھا نہیں پاتی' تاہم میں اس کی سوزش سے واقف ہوں اور وہ میرے غم سے واقف ہے)

راوی کہتا ہے جب ابوالحسین نوری نے یہ اشعار سنائے تو مجلس میں موجود ہر شخص مضطرب ہوگیا' اور اٹھ کر وجد کرنے لگا' یہ وجد انھیں اس علمی بحث سے نہیں ہوا جس میں وہ مصروف تھے' حالانکہ وہ علم بھی یقینی اور حق ہی تھا' اس سے معلوم ہوا کہ اشعار ہر شخص سمجھ لیتا ہے' ہر شخص کے حالات پر ان کا انطباق ممکن ہے' جب کہ علمی مباحث' اور آیات قرآنی کا سمجھنا' اور ان سے اپنے مناسب حال معانی اخذ کرنا ہر شخص کے لئے ممکن نہیں ہے۔

دوسری وجہ : یہ ہے کہ قرآن کریم اکثر لوگوں کو یاد ہے' جنھیں یاد نہیں ہے وہ بار بار سنتے ہیں پنج وقتہ نمازوں میں بھی اور دیگر مواقع پر بھی' یہ قاعدہ ہے کہ جو چیز ایک دفعہ سنی جائے اس کا اثر زیادہ ہوتا ہے' دوسری مرتبہ سننے سے وہ اثر کم ہوجاتا ہے' اور تیسری مرتبہ سننے سے تقریباً ختم ہی ہوجاتا ہے' چنانچہ اگر کسی صاحب وجد سے کہا جائے کہ وہ ایک ہی شعر پر تھوڑے تھوڑے وقفے سے وجد کرتا رہے تو ایسا کرنا اسکے لئے ممکن نہ ہوگا' البتہ اگر کوئی نیا شعر پڑھ دیا جائے خواہ وہ سابقہ شعر ہی کے مضمون پر مشتمل ہو نیا اثر پیدا ہوگا' مضمون اگرچہ ایک ہے لیکن الفاظ اور وزن دونوں شعروں کے جدا جدا ہیں' جس طرح معنی سے نفس کو تحریک ہوتی ہے اسی طرح الفاظ سے بھی ہوتی ہے الفاظ و مضامین کی تجدید انسانی نظم و نثر میں تو ممکن ہے لیکن قرآن میں ممکن نہیں' اس کا ہر لفظ اپنی جگہ متعین ہے' نہ اس پر زیادتی ہوسکتی ہے نہ کمی' کسی قاری کے لئے ممکن نہیں کہ وہ ہر مجلس میں نیا قرآن پڑھے' یہی وجہ ہے کہ جب حضرت ابوبکر صدیقؓ نے عرب کے دیہاتی باشندوں کو قرآن سن کر روتے ہوئے دیکھا تو ارشاد فرمایا کہ ہم بھی اسی طرح رویا کرتے تھے' جس طرح تم رو رہے ہو' لیکن اب ہمارے دل سخت ہوگئے ہیں' اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ خدانخواستہ حضرت ابوبکر صدیقؓ اور دوسرے صحابہؓ کے دلوں میں نرمی اور اثر پزیری کی صلاحیت باقی نہیں رہی تھی' اور انکے دل دیہاتیوں کے دلوں سے بھی زیادہ سخت ہوگئے تھے' یا ان حضرات کو اللہ کے کلام سے اتنی محبت نہ تھی جتنی اعراب کو تھی' حضرت ابوبکر صدیقؓ کے ارشاد کا منشاء یہ تھا کہ ہم کثرت تکرار سے قرآن پاک کے عادی ہوگئے ہیں' اور جب کسی چیز سے انس بڑھ جاتا ہے تو اس کا اثر کم ہوجاتا ہے یہ بات کچھ ناممکن سی ہے کہ ایک شخص قرآن کی ایک آیت کو بار بار سنے اور برسہا برس تک اسی پر گریہ کرتا رہے' یہی وجہ ہے کہ حضرت عمرؓ نے لوگوں کو طواف کی کثرت سے منع کرنا چاہا' فرمایا کرتے تھے کہ میں اس بات سے ڈرتا ہوں کہ کہیں لوگ کثرت سے طواف کرکے اس گھر سے اتنے مانوس نہ ہوجائیں کہ اسکی عظمت و ہیبت ان کے دلوں میں باقی نہ رہے' یہ بات مشاہدے میں بھی آتی ہے کہ جب پہلی مرتبہ حاجی خانہ کعبہ کی زیارت کرتا ہے تو اس کے شوق و اضطراب کا عالم کچھ اور ہوتا ہے' بعض لوگ اس موقعہ پر بے ہوش ہوجاتے ہیں' پھر جوں جوں زیارت کے مواقع ملتے ہیں' آمد و رفت بڑھتی ہے تو وہ کیفیت بھی کم ہونے لگتی ہے جو پہلے دن تھی۔

تیسری وجہ : یہ ہے کہ کلام کی موزونیت سے شعر کی لذت بڑھ جاتی ہے' اچھی اور موزوں آواز اس آواز کا مقابلہ نہیں کرسکتی جو اچھی تو ہو مگر موزوں نہ ہو' وزن اشعار میں پایا جاتا ہے' آیات میں نہیں' شعر سے وزن کا تعلق اتنا گہرا ہے کہ اگر گانے والا غلطی کرجائے' اور کسی شعر کا وزن ساقط ہوجائے تو سننے والا بڑی گرانی محسوس کرتا ہے' کیوں کہ غیر موزوں کلام سے طبیعت کو اس وقت مناسبت نہیں ہوتی اس لئے سماع کا سارا لطف ختم ہوجاتا ہے اور وجد کی کوئی تحریک دل میں پیدا نہیں ہوتی' طبیعت کی نفرت کا اثر

دل پر پڑتا ہے اور وہ بھی مضطرب و متوحش ہو جاتا ہے۔

چوتھی وجہ : یہ ہے کہ شعر کی موزونیت کے علاوہ شعر کی نغمگی بھی مؤثر ہوتی ہے، یعنی شعر کو لے اور ترنم سے پڑھنا بھی اہمیت رکھتا ہے' یہ لے اور ترنم کیا ہے؟ اسکے علاوہ کچھ نہیں کہ جن حروف کو کھینچ کر پڑھنا ہو انھیں گھٹا دے' جو گھٹانے ہوں ان میں طول دیدے' بعض کلمات کے درمیان وقف کردے بعض کو منقطع کردے اور بعض کو ملا کر گائے' یہ تمام تصرفات شعر میں درست ہیں' قرآن میں ان تصرفات کی اجازت نہیں ہے' کیوں کہ تلاوت اسی طرح کرنی ضروری ہے جس طرح وہ لوح محفوظ سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا ہے' تلاوت کے تقاضوں کے برعکس قصر کو مد' اور مد کو قصر کرنا' موصول کو منقطع اور منقطع کو موصول پڑھنا حرام یا مکروہ ہے' قرآن کو سادہ لب و لہجے میں جس طرح وہ نازل ہوا ہے پڑھنا اتنا مؤثر نہیں ہوتا جتنے نغموں کے سُر اور لے ہوتی ہے' لے تاثیر کا ایک مستقل سبب ہے' اگرچہ وہ کلام غیر مفہوم ہی کیوں نہ ہو' چنانچہ بربط' ستار' فقیری اور دوسرے باجے مفہوم نہ ہونے کے باوجود محض سروں کی وجہ سے پسند کئے جاتے ہیں اور مؤثر ہوتے ہیں۔

پانچویں وجہ : یہ ہے کہ اشعار کا لطف ان آوازوں سے بھی دوبالا ہو جاتا ہے جو حلق سے نہیں نکلتیں' جیسے ڈھول کی تال وغیرہ' ضعیف وجد میں تحریک اسی وقت ہوتی ہے جب محرک قوی ہو اور ان تمام چیزوں کا دارومدار ان تمام چیزوں پر ہے جو ابھی ذکر کی گئیں یعنی شعریت' آواز کی موزونیت' لے' ڈھول کی تال وغیرہ' یہ تحریک کی قوت کے اسباب ہیں' ان میں سے ہر سبب اپنی جگہ مستقل تاثیر رکھتا ہے' لیکن یہ تمام اسباب سماع ہی میں روا ہو سکتے ہیں' قرآن کریم کو ان جیسی چیزوں سے محفوظ رکھنا ضروری ہے' کیوں کہ عوام کے نزدیک ان چیزوں کی حیثیت لہو و لعب سے زیادہ نہیں ہے' جب کہ قرآن نہ کھیل کے لئے نازل ہوا ہے' اور نہ کوئی مسلمان یہ گوارہ کر سکتا ہے کہ کلام الٰہی جیسی مقدس چیز کو لہو و لعب کے مشغلہ کے طور پر اختیار کیا جائے' اسلئے قرآن کریم میں کسی ایسی چیز کے اختلاط کی ہرگز اجازت نہیں دی جائے گی جو عوام کے نزدیک کھیل ہو' اگرچہ خواص اسے کھیل نہ سمجھتے ہوں' قرآن کی تقدیس اور جلالت شان کا تقاضا یہ ہے کہ اسکا احترام کیا جائے' اسکا احترام یہ ہے کہ سڑکوں اور راستوں پر تلاوت کرنا بھی اسکے احترام کے منافی ہے' کیوں کہ قرآن کریم کی تعظیم و تکریم کا حق صرف وہی لوگ ادا کر سکتے ہیں جو اپنے احوال کی نگرانی کرتے ہیں' اسلئے وہ سماع میں اپنے مرض کا علاج تلاش کرنے پر مجبور ہیں' کیوں کہ اس میں احترام کی ضرورت نہیں ہے' یہی وجہ ہے کہ شادی کے موقعہ پر تلاوت قرآن کے ساتھ دف بجانے کی اجازت نہیں دی گئی ہے' دف بجانا اگرچہ جائز ہے' جیسا کہ پہلے بھی یہ حدیث گزر چکی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے شادی کے موقع پر دف بجانے کی اجازت دی اور فرمایا نکاح کا اعلان و اظہار کرو اگرچہ چھلنی کی آواز ہی سے کیوں نہ ہو' قرآن کے ساتھ دف بجانا اس لئے ممنوع ہے کہ دف صورتاً لہو و لعب میں داخل ہے اور عام طور پر لوگ اسے کھیل ہی کے لئے استعمال کرتے ہیں۔ روایات میں ہے کہ ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ربیع بنت معوذ کے گھر تشریف لے گئے' وہاں چند لڑکیاں بیٹھی ہوئی اشعار پڑھ رہی تھیں' ایک شعر کا مضمون یہ تھا کہ ہم میں ایک نبی تشریف لائے ہیں جو غیب کا حال جانتے ہیں' سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اسے ترک کردو اور وہی کہو جو پہلے کہہ رہی تھیں' آپ نے یہ شعر پڑھنے سے اس لئے منع کیا کہ اس میں نبوت کی شہادت تھی' اور غناء کھیل ہے جب کہ نبوت کی شہادت ایک سنجیدہ امر ہے' کسی ایسی چیز سے اسکا اختلاط نہ ہونا چاہیے جو لہو و لعب کی صورت رکھتی ہو' بہرحال جس طرح ان لڑکیوں پر نبوت کی شہادت سے غناء کی طرف انحراف واجب ہوا اسی طرح قرآن پاک کی حرمت کا تقاضا یہ ہے کہ اس سے بھی سماع کی طرف انحراف ہو۔

چھٹی وجہ : یہ ہے کہ مغنی کبھی ایسے اشعار بھی گاتا ہے جو سننے والوں کے مناسب حال نہ ہوں' اس صورت میں وہ لوگ یہ اشعار ناپسند کرتے ہیں' اور مغنی سے دوسرے اشعار کی فرمائش کرتے ہیں' اور یہ حقیقت بھی ہے کہ ایک ہی شعر ہر حال کے موافق نہیں ہوتا' اب اگر لوگ محفلوں میں جمع ہوں' اور قاری انھیں قرآن سنائے تو یہ بھی ممکن ہے کہ وہ کوئی ایسی آیت پڑھے جو

حاضرین کے مناسب حال نہ ہو' اگرچہ قرآن پاک ہر شخص کے حق میں شفاء ہے' مگر یہ حالات کے اعتبار سے ہے' مثلاً رحمت کی آیات خوف زدہ اور مایوس دل کے لئے شفاء ہیں' اور عذاب کی آیات فریب خوردہ' اور بے خوف شخص کے حق میں شفاء ہیں' یہ ضروری نہیں ہے کہ مجلس قرات میں موجود تمام لوگوں کی حالت یکساں ہو' اور قاری کی تلاوت ان سب کے احوال پر منطبق ہوتی ہو' اس صورت میں بعض لوگ برا سمجھیں گے۔ اور حالات کی عدم مناسبت سے دل برداشتہ ہوں گے' کلام الہی سے منقبض ہونا' یا دل میں کراہت محسوس کرنا سوء عاقبت کا پیش خیمہ ہے' اس خطرے سے نجات اسی صورت میں ممکن ہے کہ اس کلام کو اپنے حال پر منطبق کرے' جب کہ کلام اللہ میں اسکی گنجائش نہیں ہے' بلکہ آیات سے صرف وہی معنی مراد لئے جاسکتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کو مقصود ہیں' اس کے برعکس اشعار میں توسع ہے' یہ ضروری نہیں ہے کہ صاحب کلام کی مراد حرف آخر ہو' اور اس سے ہٹ کر کوئی معنی مراد نہ لئے جاسکیں' کلام الہی کو اسکے اصل مقصود سے ہٹا کر اپنے حال پر منطبق کرنا غلط سلط تاویل کے بغیر ممکن نہیں ہے' اس سے معلوم ہوا کہ قرآن کو سماع کی جگہ دینے میں دو خطرے ہیں' بعض آیات سے کراہت کا خطرہ اور کلام الہی میں غلط تاویل کرکے اپنے حال پر منطبق کرنے کا خطرہ' قرآن پاک کو ان دونوں باتوں سے محفوظ رکھنا' اور اسکے احترام و تقدیس پر حرف نہ آنے دینا واجب ہے۔

سا تویں وجہ : ابو نصر سراج طوسی نے ذکر کی ہے' فرماتے ہیں کہ قرآن اللہ کا کلام ہے' اور اس کی صفتوں میں سے ایک صفت ہے' کیوں کہ قرآن حق اور غیر مخلوق ہے اسلئے بشریت اسکی تاب نہیں لاسکتی' اگر قرآن کے معنی وہیبت کا ایک ذرہ بھی واضح ہوجائے دل پھٹ جائیں' اور پریشان و مضطرب ہوجائیں' خوش الحانی کو طبیعت سے مناسبت ہے' اور مناسبت لذت کی مناسبت ہے' نہ کہ امور حق کی' یہی حال شعر کا ہے کہ اس سے بھی طبیعت کو لذت و حظ کی بنا پر مناسبت ہوتی ہے' جب آوازیں اور سُر اشعار میں موجود اشارات و لطائف سے ملتے ہیں تو ایک دوسرے کی شکل اختیار کرلیتے ہیں' ان کا حظ بڑھ جاتا ہے' اور دلوں پر ہلکے ہوجاتے ہیں' کیوں کہ مخلوق مخلوق سے ہم آہنگ ہے' جب تک ہم میں بشریت موجود ہے' اور ہم حظوظ کی صفات پر قائم ہیں' ہمیں دلکش نغموں اور خوب صورت آوازوں سے راحت و لذت ملتی ہے' اسلئے ان حظوظ کی بقا کے مشاہدے کے لئے یہی بہتر ہے کہ ہم اشعار کی طرف مائل ہوں' کلام الہی کو ذریعۂ حصول نہ بنائیں۔

ابو الحسن دراج کہتے ہیں کہ میں بغداد سے یوسف ابن حسین رازی کی زیارت کے ارادے سے نکلا جب ری پہنچ کر میں نے لوگوں سے ان کے متعلق دریافت کیا تو انھوں نے کہا کہ اس زندیق و ملحد سے تمہارا کیا تعلق ہے؟ اس جواب سے میں بہت پریشان ہوا اور میں نے یہ ارادہ کیا کہ واپس بغداد چلا جاؤں' مجھے ہر شخص کا جواب سن کر یہ یقین ہوچلا تھا کہ واقعی وہ زندیق ہوں گے' ایسا نہ ہو کہ میں عقیدت میں ان سے متاثر ہوجاؤں' پھر یہ سوچا کہ آخر اتنا طویل سفر کیا ہے' اسکا کوئی تو مصرف ہونا چاہیے' انھیں دیکھ لینے میں کیا حرج ہے' یہ سوچ کر آگے بڑھا' یوسف ابن حسین ایک مسجد کی محراب میں بیٹھے ہوئے قرآن کی تلاوت کررہے تھے' سامنے ایک شخص بیٹھا ہوا تھا' شیخ خوب صورت تھے اور ان کے چہرے پر داڑھی بھی اچھی لگ رہی تھی' میں نے قریب پہنچ کر سلام کیا' وہ میری جانب متوجہ ہوئے' اور میرے وطن اور مقصد سفر کے متعلق کچھ سوالات کئے' میں نے عرض کیا میں بغداد سے آپ کی زیارت کے لئے یہاں حاضر ہوا ہوں' فرمایا کہ اگر ان شہروں میں جن سے تم گزر کر آئے ہو کوئی شخص تم سے یہ کہتا کہ ہمارے پاس ٹھہر جاؤ' ہم تمہیں ایک گھر بنوا کردیں گے' اور ایک لونڈی خرید کردیں گے' کیا تم ان کی بات مان لیتے' اور یہاں آنے سے رک جاتے' میں نے عرض کیا کہ اب تک تو اللہ تعالیٰ نے مجھے اس قسم کی آزمائش میں مبتلا نہیں فرمایا' اگر میری آزمائش ہوتی تو میں نہیں جانتا کہ میرا موقف کیا ہوتا' میں یہاں آتا یا وہیں ٹھہر جاتا' اسکے بعد شیخ نے مجھ سے پوچھا کہ تم شعر بھی کہہ لیتے ہو' میں نے عرض کیا جی ہاں فرمایا کچھ سناؤ' میں نے یہ اشعار سنائے۔

رائیتک تبنی دائمافی قطیعتی
ولو کنت ذاحزم لہد مت ماتبنی
کانی بکم واللیت افضل قولکم
الالیتنا کنا اذااللیت لایغنی

(ترجمہ میں دیکھتا ہوں کہ تم ہمیشہ مجھ سے ترک تعلق کی بنا کرتے رہتے ہو' اگر تم دور اندیش ہوتے تو اس بنا کو مسمار کر دیتے' گویا میں تم سے اس وقت ملا جب تمہارا سب سے اچھا قول لیت تھا' کاش ہم تم سے اس وقت ملتے جب تمہیں لیت ولعل سے کوئی سروکار نہ ہوتا)

یہ شعر سن کر انھوں نے قرآن پاک بند کر دیا' اور اتنا روئے کہ داڑھی کے بال بھیگ گئے اور رومال تر ہو گیا' ان کے گریہ کی شدت سے میں نے اپنے دل میں رحم کے جذبات محسوس کئے' جب افاقہ ہوا تو فرمانے لگے' بیٹے: ری کے لوگ مجھے برا کہتے ہیں' وہ یہ سمجھتے ہیں کہ میں زندیق ہو گیا ہوں' اور میرا حال یہ ہے کہ صبح سے شام تک کلام پاک پڑھتا ہوں' لیکن آنکھ سے ایک قطرہ بھی نہیں ٹپکتا' اور تمہارے یہ دو شعر سن کر آنکھوں پر قیامت گزر گئی۔

اس تفصیل کا حاصل یہ نکلا کہ دل اگرچہ اللہ تعالیٰ کی محبت کی حرارت سے کندن بن گئے ہوں' لیکن اشعار سے ان میں جوش و جذبے کی جو کیفیت پیدا ہوتی ہے وہ تلاوت کلام پاک سے نہیں ہوتی' اس کی وجہ یہی ہے کہ وزن اور شعر سے طبیعت کو مناسبت ہوتی ہے' یہی وجہ ہے کہ انسان کے لئے ممکن نہیں کہ وہ قرآن پاک جیسی کوئی عبارت بنا سکے' قرآن پاک نے اپنی معجز بیانی کے اعلان کے ساتھ ان جھوٹے مدعیوں کو کھلا چیلنج دیا ہے جو قرآنی آیات کو شاعر یا ساحر کا کلام کہا کرتے تھے' روایت ہے کہ ایک شخص ذوالنون مصریؒ کے استاد اسرافیلؒ کے پاس آیا' وہ اس وقت انگلی سے زمین کرید رہے تھے' اور کوئی شعر گنگنا رہے تھے' مجھ سے پوچھنے لگے کہ کیا تم بھی کوئی شعر ترنم سے سنا سکتے ہو' میں نے عرض کیا : نہیں' فرمایا : کیا تم اپنے سینے میں دل نہیں رکھتے؟ دل نہ ہونے کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ تمہارے سینے میں گوشت اور خون کا وہ لوتھڑا نہیں ہے جو ہر وقت دھڑکتا رہتا ہے' بلکہ انھوں نے اس حقیقت کی طرف اشارہ فرمایا کہ صاحب دل جانتا ہے کہ دل کو نغموں اور شعروں سے جو تحریک ملتی ہے وہ کسی دوسری چیز سے نہیں ہوتی' وہ اس مقصد کے لئے کبھی اپنی آواز سے کام لیتا ہے' اور کبھی دوسروں کی آوازوں سے کام لیتا ہے۔

سماع کے ظاہری وباطنی آداب

پہلا ادب : وقت جگہ اور موجودین کی رعایت : حضرت جنید بغدادیؒ فرماتے ہیں کہ سماع میں تین چیزوں کی رعایت بے حد ضروری ہے' وقت جگہ اور حاضرین مجلس کی رعایت' وقت کی رعایت سے یہ مراد ہے کہ صرف ان اوقات میں سنے جن میں دوسرے طبعی یا شرعی مشاغل نہ ہوں' مثلاً کھانا کھانا' کسی سے لڑنا جھگڑنا' نماز پڑھنا' یا کوئی ایسا شغل اختیار کرنا جس سے ذہن بٹ جائے اور سماع میں دل نہ لگے' مکان سے مراد یہ ہے شارع عام نہ ہو جہاں ہر وقت لوگوں کی آمد و رفت رہتی ہے' یا کوئی ایسی جگہ نہ ہو جس کی ظاہری ہیئت بری ہو (مثلاً وہاں نجاست پڑی ہوئی ہو) نہ کوئی ایسا مقام ہو جہاں ہنگامہ بپا ہو' اور شور و شر کی وجہ سے دل پریشان ہوتا ہو' حاضرین مجلس سے مراد یہ ہے کہ سب ہم خیال ہوں' اس لئے کہ اگر کوئی شخص غیر جنس کا مجلس میں آجاتا ہے تو طبیعت پر گرانی ہوتی ہے' اور قلب مشغول ہوتا ہے' دنیا دار متکبر کی آمد بھی پریشانی اور حرج کی باعث ہے' کیوں کہ اہل مجلس کو اسکی رعایت کرنی ہوگی' اور اس کی خاطر داری میں لگنا ہوگا' ریا کار صوفی بھی اس قابل نہیں کہ اسے محفل سماع میں شریک کیا جائے' کیوں کہ وہ وجد و رقص کا مظاہرہ کرے گا' کپڑے پھاڑے گا' اور یہ ظاہر کرے گا کہ وہ شعر سمجھ رہا ہے' اور یہ احوال اس پر کسی اختیار کے بغیر طاری ہو رہے ہیں' حالانکہ اسکے رقص اور وجد' اور کپڑے پھاڑنے کے عمل میں تکلف اور تصنع کا دخل ہوگا

جس سے طبیعت میں گرانی پیدا ہوگی' اگر یہ شرائط موجود نہ ہوں تو ترک سماع افضل ہے' سننے والے کو ان شرائط کی پابندی کرنی چاہیے' سماع کا حقیقی لطف اسی طرح حاصل کیا جاسکتا ہے۔

دوسرا ادب : مریدین کی حالت پر نظر : اس ادب کا تعلق شیخ سے ہے' یعنی شیخ کو چاہیے کہ وہ حاضرین کے احوال پر نظر رکھے' جن مریدوں کو سماع سے نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہو انکے روبرو سماع نہ سنے' اگر سننا ہو تو انھیں دوسرے کام میں لگادے' وہ مریدین جنھیں سماع سے ضرر ہوتا ہے تین طرح کے ہیں۔ اول وہ شخص جو ابھی طریقت کی حقیقت سے واقف نہیں ہوا' صرف ظاہری اعمال جانتا ہے' اسے سماع کا ذوق بھی نہیں ہے' ایسے شخص کا سماع میں مشغول ہونا ایسا ہے جیسے وہ کسی لایعنی اور لغو کام میں مصروف ہوجائے' نہ وہ اہل لہو ولعب ہے کہ سماع کو کھیل سمجھے اور اس سے حظ اٹھائے' اور نہ صاحب ذوق ہے کہ اپنے ذوق کی تسکین کے لئے سماع سنے' ایسے مرید کو ذکر یا شیخ کی خدمت میں مشغول رہنا چاہیے' سماع سن کر اپنا وقت خواہ مخواہ ضائع نہ کرے' دوسرا وہ شخص جسے سماع کا ذوق تو ہے' لیکن وہ ابھی تک خواہشات نفس فانی حظوظ اور لذات کی قید میں ہے' نفس کی سرکشی پر ابھی تک قابو نہیں پاسکا' کسی بھی وقت اسکے نفس کا فتنہ جاگ سکتا ہے' یہ بہت ممکن ہے کہ سماع سے اس کی شہوت کو تحریک ہو' اور وہ راستہ ہی گم کردے جسے وہ طے کرتا ہوا آگے بڑھ رہا ہے' تیسرا وہ شخص جس کی شہوت شکست کھاگئی ہو' نفس کی سرکشی کا بظاہر کوئی اندیشہ نہ ہو' اسکی چشم بصیرت بھی وا ہو' اللہ کی محبت بھی اسکے قلب پر غالب ہو' لیکن وہ علم ظاہر میں کمال اور رسوخ سے محروم ہو' نہ اسے اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات کی صحیح معرفت میسر ہو' اور نہ یہ جانتا ہو کہ حق تعالیٰ کی طرف کس امر کی نسبت کرنا جائز ہے' اور کس امر کی نسبت کرنا ناجائز ہے ایسے شخص کے لئے سماع کا دروازہ کھول دینے کا مطلب یہ ہے کہ وہ جناب باری کی شان میں جو مضمون چاہے کہے اور جو چاہے سنے' خواہ باری تعالیٰ کی طرف اس مضمون کا منسوب کرنا صحیح ہو یا غلط' ظاہر ہے کہ اگر اس نے جہالت اور نادانی کی بناء پر حق تعالیٰ شانہ' کے بارے میں کوئی غلط بات اعتقاد کرلی تو یہ سماع اسکے حق میں موجب کفر بن جائے گا۔ سہل تستری کہتے ہیں کہ جس وجد کا قرآن وسنت سے ثبوت نہ ملے وہ باطل ہے' ایسے شخص کے لئے سماع سننا جائز نہیں ہے جو کتاب وسنت کے شواہد مہیا نہ کرسکے' نہ ان لوگوں کے لئے جائز ہے جن کا دل دنیا کی محبت اور اہل دنیا کی تعریف وذمت میں ملوّث ہو' نہ ان لوگوں کے لئے جو لذت کی خاطر سماع سنتے ہیں' اور حصول لذت وفرحت کا یہ متاثر ذریعہ انکی عادت مستمرہ اور طبیعت ثانیہ بن جاتی ہے' اور مسلسل مشغولیت سے قلب کی نگرانی کا کام متاثر ہوتا ہے' بعض اوقات ظاہری اعمال (عبادات وغیرہ) میں بھی رکاوٹ پیدا ہوجاتی ہے' اور اس طرح وادی سلوک میں آگے بڑھنے کا راستہ مسدود ہوجاتا ہے۔ یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ سماع لغزش پا کا محل ہے' ضعیفوں کو اس سے دور ہی رکھنا بہتر ہے۔ جنید بغدادی فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں نے خواب میں ابلیس سے پوچھا کہ کیا تو کسی موقع پر ہمارے اصحاب (صوفیاء) کو بھی گمراہ کرنے میں کامیاب ہوجاتا ہے؟ کہنے لگا ہاں دو موقعوں پر' سماع کے وقت اور نظر کے وقت' مجھے ان دونوں اوقات میں دخل اندازی کا موقع مل جاتا ہے' صبح کو جب آپ نے یہ خواب لوگوں سے بیان کیا ایک بزرگ نے فرمایا کہ اگر تمہاری جگہ میں ہوتا تو ابلیس سے یہ بھی پوچھتا کہ جو شخص سننے کے وقت خدا تعالیٰ ہی سے سنے' یا دیکھنے کے وقت خدا تعالیٰ ہی کو دیکھے تو اس پر کس طرح قابو پاسکتا ہے' جنید نے جواب دیا : بلاشبہ آپ کا سوال بجا ہے' اور مجھے یقین ہے کہ شیطان اس کا جواب نہ دے پاتا۔

تیسرا ادب۔ توجہ اور حضور قلب : سماع کا ایک ادب یہ بھی ہے کہ خوب کان لگا کر' پوری توجہ اور حضور قلب کے ساتھ سنے' اِدھر اُدھر نہ دیکھے' سامعین کے چہروں پر نظر نہ کرے' ان پر طاری ہونے والے احوال کی طرف التفات نہ کرے' بلکہ اپنے حال میں مست رہے' اپنے قلب کی طرف متوجہ رہے' جو کچھ خداوند تعالیٰ کی رحمت سے باطن میں ظاہر ہو اس پر نگاہ رکھے' کوئی ایسی حرکت نہ کرے جس سے رفقاء مجلس پریشان ہوں' اور ان کی توجہ بٹ جائے' سماع کی مجلس میں ساکت وصامت اور بے حس بیٹھا رہے' نہ کھانسے' نہ جمائی لے' سر جھکا کر اسطرح بیٹھے کہ جیسے کسی سوچ میں مستغرق ہو' نہ تالی بجائے' نہ ناچے کودے' نہ

کوئی ایسی حرکت کرے جس سے تصنع، بناوٹ اور ریا کاری کی بو آرہی ہو، ہاں اگر بلا اختیار وجد آجائے اور اعضاء کی حرکت سے اسکا اظہار ہو جائے اس میں کوئی حرج نہیں ہے، البتہ افاقہ ہونے کے بعد پُر سکون ہو جائے، اب یہ مناسب نہیں ہے کہ وہی حالت بنائے رکھے، محض اس شرم سے کہ لوگ یوں کہیں گے کہ فلاں شخص کا وجد بہت مختصر تھا، اگر وجد نہ آتا تو بتکلف وجد نہ کرے اس خوف سے کہ لوگ سنگ دل کہیں گے، اور قلب میں صفا و رقت نہ ہونے کا طعنہ دیں گے، روایت ہے کہ حضرت جنید بغدادی کا ایک جوان العمر مرید جب کوئی ذکر سنتا تو چیخنے چلانے لگتا، اسکی حرکت سے عاجز آکر ایک روز جنید نے اس سے کہا کہ اگر آج کے بعد تم نے کوئی آواز نکالی تو میں تمھیں اپنے ساتھ نہیں رکھوں گا، اس نوجوان نے اپنے شیخ کی تنبیہہ کا گہرا اثر لیا، اور ضبط کرنے لگا، لیکن کیوں کہ اسکی چیخ میں تصنع کو کوئی دخل نہ تھا، اسلئے ضبط کی کوشش مہنگی پڑی بعض اوقات ضبط کی جدوجہد میں وہ اس حد تک آگے بڑھ جاتا کہ ہر بال سے پانی کے قطرات ٹپکنے لگتے، ایک روز وہ اپنی بے ساختہ چیخیں دبانے کی کوشش میں مصروف تھا کہ گلا گھٹنے لگا، ایک زبردست چیخ بلند ہوئی، دل پھٹ گیا، اور جان نکل گئی، روایت ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم سے خطاب کر رہے تھے کہ ایک شخص اٹھ کر وجد کرنے لگا، اس نے اپنے کپڑے پھاڑ لئے، اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو وحی بھیجی کہ اس شخص سے کہدو کہ میرے لئے اپنا دل ٹکڑے ٹکڑے کر، کپڑے نہ پھاڑ، مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو جسم کی دیوانگی کے بجائے باطن کی دیوانگی مطلوب ہے۔ ابو القاسم نصر آبادی نے ابو عمرو ابن عبیدؒ سے کہا کہ میرے خیال میں غیبت سے زیادہ بہتر یہ ہے کہ لوگ جمع ہوں اور قوال انھیں کچھ گا کر سنائے، ابو عمرو نے جواب دیا کہ یہ چیز اسی وقت تک خیر ہے جب تک اس میں ریا کی آمیزش نہ ہو، سماع کے دوران اپنی وہ حالت ظاہر کرنا جو موجود نہ ہو تیس برس کی غیبت سے زیادہ مذموم ہے۔

ضبط کمال ہے : یہاں یہ سوال کیا جاسکتا ہے کہ افضل کون ہے؟ وہ شخص جس کے ظاہر پر سماع مؤثر نہ ہو، اور وہ ضبط کئے بیٹھا رہے، یا وہ شخص جسکا ظاہر متاثر ہو؟ اسکا جواب یہ ہے کہ بعض اوقات اثر اس لئے بھی ظاہر نہیں ہوتا کہ سامع میں وجد کی کمی ہوتی ہے اگر ایسا ہے تو سامع کا نقص ہے اور کبھی باطن میں بھرپور وجد ہوتا ہے، لیکن سامع کو ضبط اعضاء پر مکمل قدرت ہوتی ہے اس لئے باطن کے وجد کا اثر ظاہری جسم پر نمایاں نہیں ہوتا، یہ صفت کمال ہے، اور ان ہی لوگوں میں پائی جاتی ہے جو مسلسل وجد کی کیفیت میں ہوں، سماع سے ان کی کیفیت متغیر ہوتی ہے، حضرت ابو بکر صدیق نے اعراب سے فرمایا تھا کہ ہم بھی پہلے ایسے ہی تھے جیسے تم ہو، لیکن اب ہمارے دل سخت ہو گئے ہیں، غالباً اس ارشاد کا مطلب یہ تھا کہ اب ہمارے دلوں میں مسلسل وجد کی کیفیت پیدا ہو چکی ہے، ہم ہر لحہ ہر آن قرآن کریم کے معانی سنتے رہتے ہیں، اور وجد کرتے رہتے ہیں۔۔۔۔ خلاصہ یہ ہے کہ وجد کی قوت حرکت دیتی ہے اور عقل کی قوت ضبط پیدا کر دیتی ہے کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ان میں سے ایک قوت دوسرے پر غالب آجاتی ہے، کبھی اسلئے کہ غالب آنے والی قوت شدید ہوتی ہے، اور کبھی اسلئے کہ طرف مقابل میں ضعف ہوتا ہے، نقص و کمال کا دارومدار انہی دو قوتوں کی شدت و ضعف پر ہے اسلئے اگر تم کسی شخص کو زمین پر تڑپتے ہوئے اور لوٹ لگاتے ہوئے دیکھو تو یہ گمان مت کرو کہ اس شخص میں بے حس و حرکت بیٹھے ہوئے شخص کے مقابلے میں وجد کی قوت زیادہ ہے، تمہیں کیا معلوم کہ اس پُر سکون انسان کے سینے میں کون سا طوفان اٹھ رہا ہے؟ بہت سے ساکن اور بظاہر غیر مضطرب لوگوں میں وجد اپنی انتہائی بلندیوں پر ہوتا ہے، لیکن ضبط کی قوت اسے ظاہر نہیں ہونے دیتی، چنانچہ حضرت جنید بغدادیؒ پہلے سماع میں وجد کیا کرتے تھے، بعد میں پُر سکون اور غیر متحرک رہنے لگے، کسی نے ان دونوں حالتوں کے سلسلے میں استفسار کیا، جواب میں انھوں نے یہ آیت پڑھی۔

وَتَرَى الْجِبَالَ تَحْسَبُهَا جَامِدَةً وَهِيَ تَمُرُّ مَرَّ السَّحَابِ صُنْعَ اللَّهِ الَّذِي أَتْقَنَ كُلَّ شَيْءٍ (پ۲۰ ر۲ آیت ۸۸)

اور (جن) پہاڑوں کو دیکھ رہا ہے (اور) انکو خیال کر رہا ہے کہ یہ (اپنی جگہ سے جنبش نہ کریں گے) حالانکہ وہ بادلوں کی طرح اڑے اڑے پھریں گے۔ یہ خدا کا کام ہوگا جس نے ہر چیز کو مضبوط بنا رکھا ہے۔

اس آیت سے انھوں نے اپنے قلب کی حالت بتلائی کہ وہ بھی ملکوت کے مشاہدہ میں مصروف ہے' اسے فرصت کہاں کہ وہ ایک جگہ ٹھہرے' لیکن جوارح با ادب' پُر سکون اور غیر متحرک ہیں۔ ابوالحسن محمد ابن احمد کہتے ہیں کہ میں بصرے میں سہل ابن عبداللہ تستری کے پاس ساٹھ سال تک مقیم رہا' وہ ذکر بھی کرتے' قرآن کی تلاوت بھی کرتے' لیکن میں نے کبھی نہیں دیکھا کہ ذکر یا قرآن کی کسی آیت پر انکی حالت میں کوئی تغیّر ہوا ہو' البتہ آخر عمر میں اس طرح کے چند واقعات ہوئے۔ چنانچہ ایک بار کسی نے انکے سامنے یہ آیت پڑھی :- فَالْيَوْمَ لَا يُؤْخَذُ مِنكُمْ فِدْيَةٌ (پ ۲۷ر ۱۸ آیت ۱۵)

غرض آج تم سے کوئی معاوضہ نہیں لیا جائے گا۔

میں نے دیکھا کہ وہ یہ آیت سن کر لرزنے لگے' قریب تھا کہ زمین پر گر جائیں' جب انکی حالت معمول پر آئی تو میں نے عرض کیا کہ آج سے پہلے کبھی آپ کی یہ حالت نہیں ہوئی' فرمایا : اب ہم ضعیف ہوگئے ہیں' اسی طرح ایک مرتبہ انھوں نے یہ آیت سنی :- اَلْمُلْكُ يَوْمَئِذٍ الْحَقُّ لِلرَّحْمٰنِ (پ ۱۹ ر ۱ آیت ۲۶)

اور اس روز حقیقی حکومت (حضرت) رحمٰن (ہی) کی ہوگی۔

اور مارے خوف کے مچھلی کی طرح تڑپنے لگے' ابن سالمؒ نے اسکی وجہ دریافت کی' کہنے لگے کہ اب میں ضعیف ہو چلا ہوں' لوگوں نے عرض کیا کہ اگر یہ حالت ضعف کی تھی تو پھر قوت کیا ہے' فرمایا قوت یہ ہے کہ آدمی پر کوئی بھی وارد آئے وہ اسے اپنے حال کی قوت سے برداشت کرجائے' وہ واردات میں کوئی تغیر نہ کرپائے خواہ کتنا ہی قوی کیوں نہ ہو۔۔۔ وجد کے باوجود ظاہر پر ضبط کی قدرت اس بناء پر پیدا ہو جاتی ہے کہ مسلسل شہود کی حالت میں رہنے کی وجہ سے سب احوال برابر ہو جاتے ہیں چنانچہ سہل تستریؒ فرماتے ہیں کہ میری حالت نماز سے پہلے اور نماز کے بعد یکساں رہتی ہے' اسکی وجہ یہ ہے کہ سہل ہر حالت میں اپنی قلب کے نگراں اور اللہ کے ساتھ حاضر الذکر تھے' سماع کو بھی نماز پر قیاس کیجئے' جس طرح نماز سے یہ پختہ کار لوگ کوئی تغیر محسوس نہیں کرتے' اسی طرح سماع بھی ان کی حالت میں تغیر نہیں کرتا' وہ لوگ سماع سے پہلے اور بعد میں یکساں رہتے ہیں' ان کا وجد دائمی' ان کی تشنگی متصل' اور پینے کا عمل مسلسل جاری رہتا ہے' سماع سے ان کے حالات میں کوئی کم یا زیادتی پیدا نہیں ہوتی ہے' ممشاد دینوری کسی ایسی مجلس میں تشریف لے گئے جہاں ایک قوال گا رہا تھا اور کچھ لوگ سماع میں مصروف تھے' ان لوگوں نے ممشاد دینوری کو مجلس میں تشریف لاتے دیکھا تو پاس ادب سے خاموش ہوگئے' ممشاد دینوری نے فرمایا تم لوگ اپنا شغل جاری رکھو' بخدا اگر دنیا بھر کے لہو ولعب میرے کانوں میں انڈیل دیئے جائیں نہ مجھے ان سے نقصان پہنچے' اور نہ ترقی ملے' جنیدؒ فرماتے ہیں کہ علم کی فضیلت کی موجودگی میں وجد سے نقصان نہیں ہوتا' اور علم کی فضیلت وجد کی فضیلت سے کامل تر ہے' لیکن فضیلت علم کی دولت سے مالا مال ہونے کے باوجود جو لوگ مجلس سماع میں شریک ہوئے ان میں سے بعض وہ ہیں جن کی عادت نہیں رہی بلکہ وہ محض اپنے بھائی کی خاطر' اور اسے خوش کرنے کے لئے کبھی کبھار ایسی محفلوں میں شریک ہوتے رہے' بعض لوگ اس لئے سماع کی محفلوں میں شریک رہے کہ لوگ ان کی کمال قوت کا مشاہدہ کریں' اور یہ بات اچھی طرح جان لیں کہ اعضاء کا وجد کرنا کمال نہیں ہے' بلکہ کمال یہ ہے کہ آدمی کا دل وجد کرے' اور ظاہر پر سکون ہو' یہ لوگ ان سے ضبط کا طریقہ سیکھیں اگرچہ وہ اس پر قدرت نہ حاصل کرپائیں تاہم کوشش ضرور کرتے رہیں' ایسے لوگ اگر اتفاق سے غیر جنس کے لوگوں کی کسی مجلس میں شریک ہو جاتے ہیں تو ان کی شرکت صرف جسمانی ہوتی ہے' دل سے وہ لوگ کہیں اور ہوتے ہیں' اور یہ بات صرف سماع کی مجلسوں ہی پر کیا منحصر ہے عام حالات میں بھی ایسا ہی ہوتا ہے کہ وہ غیر جنسوں سے کسی ضرورت کے وقت ملتے ہیں' مگر یہ اتصال جسموں کا ہوتا ہے' دل سے وہ ملکوت کی سیر میں مشغول رہتے ہیں' بعض بزرگوں کے متعلق منقول ہے کہ وہ سماع سنتے تھے' اس کی وجہ بھی یہی ہے کہ وہ دائم الوجد تھے انھیں وجد طاری کرنے کے لئے سماع یا کسی دوسری تدبیر کی ضرورت نہیں تھی' بعض لوگوں کو سماع میں روحانی لذت نہ ملتی تھی' اور نہ وہ اہل لہو تھے کہ سماع میں شریک ہو کر تفریح طبع کا کچھ سامان کرلیتے' بعض لوگوں نے اسلئے سماع ترک کیا کہ انھیں اپنے ہم مذاق اور ہم

مزاج افراد مل سکے' چنانچہ کسی بزرگ سے دریافت کیا گیا کہ سماع کیوں نہیں سنتے' جواب دیا کس سے سنوں اور کس سے کے ساتھ سنوں۔

چوتھا ادب : یہ ہے کہ اگر ضبط نفس پر قادر ہو تو سماع کے دوران نہ کھڑا ہو' اور نہ بلند آواز سے روئے البتہ اگر رقص کرے' اور ایسی صورت بنالے جیسے رو رہا ہو اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے بشرطیکہ ریا کا جذبہ کار فرما نہ ہو' رونی صورت بنانا حزن کی علامت ہے' اور رقص سے سرور و نشاط کو تحریک ملتی ہے' شریعت نے مباح سُرور کو تحریک دینے سے منع نہیں کیا' اگر رقص حرام ہوتا تو حضرت عائشہؓ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کیساتھ ان حبشیوں کا ناچ نہ دیکھتیں جو صحن مسجد میں تماشا دکھلا رہے تھے' بہت سے صحابہ سے بھی خوشی کے وقت اچھلنا منقول ہے' جیسا کہ حضرت حمزہؓ کی وفات کے بعد ان کی صاحبزادی کی تربیت اور پرورش کے سلسلے میں حضرت علیؓ ان کے بھائی جعفرؓ اور زید ابن حارثہؓ کے مابین اختلاف پیدا ہوا' یہ تینوں حضرات لڑکی پر اپنا حق ثابت کررہے تھے' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ سے ارشاد فرمایا کہ تم مجھ سے ہو اور میں تم سے ہوں' یہ سن کر حضرت علیؓ اچھلنے لگے' حضرت جعفرؓ سے فرمایا کہ تم میری صورت اور سیرت کے مشابہ ہو' حضرت جعفرؓ بھی یہ سن کر خوب اچھلے اور خوشی کا اظہار کیا' حضرت زید ابن حارثہؓ سے فرمایا کہ تم ہمارے بھائی ہو اور مولی ہو' ابن حارثہ بن جعفرؓ سے بھی زیادہ اچھلے' اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ لڑکی جعفر کے پاس رہے گی' کیوں کہ اسکی خالہ جعفر کے گھر میں ہے' اور خالہ ماں کے برابر ہوتی ہے (ابوداؤد۔ علیؓ)۔ حاصل یہ ہے کہ خوشی کے مواقع پر رقص کرنا' اور اچھلنا کودنا صحابہ سے بھی ثابت ہے' کیوں کہ رقص کا سبب خوشی ہے' اس لئے اسکا حکم بھی خوشی کے حکم جیسا ہے' اگر خوشی اچھی ہے اور رقص سے اس میں زیادتی و تاکید کا امکان ہے تو رقص بھی اچھا ہے' خوشی مباح ہے تو رقص بھی مباح ہے خوشی ناجائز ہے تو اسکے اظہار کے لئے رقص بھی ناجائز ہے۔

اکابر رقص نہ کریں : تاہم اکابرین امت' اور پیشوایان دین اسطرح کی حرکتیں نہ کریں' کیوں کہ رقص عموماً لہو و لعب کے طور پر کیا جاتا ہے' اکابر کو وقار اور دلوں پر اپنی ہیبت اور دبدبہ قائم رکھنے کے لئے ان تمام امور سے اجتناب کرنا چاہیے جو لہو و لعب میں داخل ہیں ان کا وقار دین کا وقار اور ان کی ہیبت دین کی ہیبت ہے۔

کپڑے پھاڑنا : کپڑے پھاڑنے کی اجازت نہیں ہے' ہاں اگر کوئی شخص سماع کے وقت اپنے اختیار میں نہ رہے اور وجد اس قدر غالب آجائے کہ وہ کپڑے پھاڑ بیٹھے تو اسے ملامت نہیں کی جائیگی اسلئے کہ وہ غلبۂ وجد کی وجہ سے اتنا مدہوش اور بے خود تھا کہ اسے اپنے کسی فعل کا علم نہیں رہا تھا' یا وہ جانتا تھا لیکن ضبط پر قادر نہیں تھا' یہ ایسا ہے جیسے مضطر اپنے ارادے کے باوجود محض زندگی کی بقا کے لئے وہ کام کرنے پر مجبور ہے جو اس سے کرایا جائے۔ کپڑے پھاڑنے کے لئے اس کا اضطرار ایسا ہی ہے جیسے آہ بھرنے کے لیے مریض کا اضطرار اگر کوئی شخص مریض کو تکلیف کی شدت کے باوجود آہ نہ بھرنے پر مجبور کرے کیا وہ صبر کرسکے گا؟ ہرگز نہیں' آہ بھرنا اگرچہ اختیاری فعل ہے' مگر وہ اختیار سے کام نہ لینے پر مجبور ہے' یہ ضروری نہیں کہ انسان کو کسی چیز کے ترک اور فعل کا اختیار بیک وقت حاصل ہو' بہت سے کام ایسے ہیں جنھیں انسان اپنے اختیار سے کرتا ہے' لیکن وہ ان کے ترک پر قادر نہیں مثلاً سانس لینا' انسان کے اختیار میں ہے' لیکن اگر اس سے یہ کہا جائے کہ وہ تھوڑی دیر کے لئے سانس روک لے' کیا وہ ایسا کرسکے گا یہی حال چیخنے' چلانے اور رونے کا ہے کہ آدمی اپنے کسی اندرونی جذبے سے مجبور ہے' وہ اختیار کے باوجود ترک پر قادر نہیں ہے۔ سری سقطیؒ کے سامنے وجد کی شدّت اور غلبے کا تذکرہ کیا گیا' فرمایا شدّت وجد اور غلبۂ حال کا مطلب یہ ہے کہ سامنے تلوار لہرائے اور اس کا چہرہ زخمی کردے' لیکن اسے تکلیف کا احساس نہ ہو۔

خرقے تقسیم کرنا : بعض صوفیوں کا یہ طریقہ رہا ہے کہ وہ وجد سماع سے فراغت کے بعد نئے کپڑے پھاڑ دیتے ہیں' اور انھیں ٹکڑے ٹکڑے کرکے متعلقین و مریدین میں تقسیم کردیتے ہیں' ایسا کرنا مباح ہے بشرطیکہ وہ ٹکڑے اس طرح پھاڑے گئے ہوں کہ ان سے جائے نمازوں' اور پہننے کے کپڑوں میں پیوند لگایا جاسکے' اسلئے کہ تھان بھی قمیض وغیرہ سینے کے لئے پھاڑا جاتا ہے'

جس طرح قمیص ایک ضرورت ہے اسی طرح پیوند بھی ضرورت ہے' کسی مقصد کے لئے کپڑا پھاڑنے کا یہ مطلب نہیں کہ اسے ضائع کردیا گیا' ان ٹکڑوں کو اس خیال سے متعلقین و مریدین میں تقسیم کرنا کہ یہ خیر سب کو پہنچ جائے مباح اور مقصود ہے' اسلئے کہ مالک کو اختیار ہے کہ وہ اپنے تھان کے سو ٹکڑے کرکے سو فقیروں میں تقسیم کردے' لیکن بہتر یہ ہے کہ وہ ٹکڑے اتنے بڑے ضرور ہوں جن سے کوئی نفع اٹھایا جاسکے' سماع میں کپڑے پھاڑنے سے منع کرنے کی وجہ یہی ہے کہ اس طرح کپڑا ضائع جاتا ہے' اور کسی کام کا نہیں رہتا' اپنی ملک کو اختیار کے ساتھ ضائع کرنے کی اجازت نہیں ہے' ہاں اگر غیر اختیاری طور پر ایسا ہوجائے جیسا کہ عموماً ہوتا رہتا ہے تب کوئی حرج نہیں ہے۔

پانچواں ادب : حالت قیام میں قوم کی موافقت : اس ادب کا حاصل یہ ہے کہ اگر کوئی رقیق الحال شخص' کسی ریا' تکلف اور تصنع کے بغیر عالم وجد میں کھڑا ہوجائے' یا وہ وجد کے بغیر ہی اختیاری طور پر قیام کرے' اور لوگ اس کی خاطر کھڑے ہوجائیں تو خود بھی کھڑا ہوجانا چاہیے' اسلئے کہ یاران مجلس کی موافقت ہم نشینی کے آداب میں سے ہے' صوفیاء کے بعض طبقوں میں یہ روایت بھی ہے کہ سماع کے دوران کوئی شخص وجد میں آجائے اور اس کا عمامہ گر پڑے تو حاضرین اسکی اتباع میں اپنے اپنے عمامے اتار کر رکھ دیتے ہیں' معاشرت کے آداب کا تقاضا یہ ہے کہ اگر کسی مجلس میں یہ صورت پیش آئے تو قوم کی موافقت کرنے میں تکلف سے کام لینے کی ضرورت نہیں ہے' رفقاء کے طریقے کی مخالفت موجب وحشت ہے' ہر قوم کا الگ دستور ہے' جس قوم کے پاس جاؤ اس کے دستور کا احترام کرو' ارشاد نبوی ہے :۔

خالقوا الناس باخلاقھم (حاکم۔ ابوذر)

لوگوں سے ان کی عادات کے مطابق ملو۔

رفقاء کے طور طریقوں کی اتباع اس صورت میں اور بھی ضروری ہوجاتی ہے کہ وہ تمہاری موافقت سے خوش ہوں یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ قوم کی موافقت میں قیام کرنا بدعت ہے' جو لوگ قیام کو بدعت کہتے ہیں ان کی دلیل یہ ہے کہ اس طرح کا قیام صحابہ سے منقول نہیں ہے ہم ان سے پوچھتے ہیں کہ کیا ہر مباح امر صحابہ کرام سے منقول ہے؟ یقیناً ایسا نہیں ہے' پھر وہ تمام مباحات ترک کیوں نہیں کئے جاتے جو صحابہ کرام سے منقول نہیں ہیں' اس سے معلوم ہوا کہ صحابہ سے کسی امر کا منقول نہ ہونا بدعت کی دلیل نہیں ہے' ممنوع بدعت وہ ہے جو کسی سنت کے مخالف ہو' اور اس سلسلے میں ممانعت کا کوئی حکم وارد نہیں ہے' یہ صحیح ہے کہ عربوں میں آنے والے کے لئے کھڑے ہونے کا رواج نہیں تھا' خود صحابہ بھی بعض حالات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے کھڑے نہیں ہوتے تھے جیسا کہ حضرت انسؓ کی روایت میں ہے (یہ روایت کتاب الاخوۃ والصحبت میں گزر چکی ہے) لیکن کیوں کہ قیام کے سلسلے میں عام ممانعت کا کوئی حکم نہیں ہے اس لئے اگر کسی علاقے میں آنے والے کا اعزاز کھڑے ہو کر کیا جاتا ہو تو ہم اس علاقے میں وہاں کے باشندوں کے طریقے پر عمل کرنے میں کوئی حرج نہیں سمجھتے' اسلئے کہ اس طرح کھڑے ہونے میں آنے والے کا احترام ہے جس سے اسے دلی مسرت حاصل ہوتی ہے' یہی حکم ان طریقوں کا ہے جو عرف عام میں خوش کرنے کا ذریعہ بن گئے ہوں ان میں موافقت کرنی چاہیے' حسن معاشرت کا یہی تقاضا ہے' البتہ اس طریقے میں موافقت کرنا جائز نہیں' جس کی ممانعت کتاب و سنت سے ثابت ہو' اور اس حکم میں کسی تاویل کی گنجائش نہ ہو۔

سماع کا ایک ادب یہ بھی ہے کہ اگر اس کے رقص کرنے سے لوگ گرانی محسوس کریں تو رقص میں ان کی موافقت نہ کرے' اور ان کے احوال میں انتشار پیدا نہ کرے' اگرچہ بغیر وجد کے رقص کرنا جائز ہے لیکن تواجد کیوں کہ تکلف سے خالی نہیں ہوتا اس لئے بعض طبعیتیں کسی کو مصنوعی رقص کرتے ہوئے دیکھ کر مکدّر ہوسکتی ہیں' قیام سے نہ وہ لوگ تشویش میں پڑتے ہیں اور نہ ان کے حال میں کوئی ابتری پھیلتی ہے' اسلئے قیام میں موافقت عین ادب ہے' رقص میں بھی کوئی حرج نہیں ہے بشرطیکہ قرائن سے ان کی رضامندی کا علم ہوجائے' اہل باطن حاضرین مجلس صدق و تکلف کا معیار ہیں' چنانچہ ایک صوفی سے پوچھا گیا کہ وجد کب صحیح

ہوتا ہے' فرمایا : وجد کی صحت یہ ہے کہ حاضرین کے دل اسے قبول کریں بشرطیکہ وہ ہم مشرب ہوں۔

بعض لوگ یہ گمان کرتے ہیں کہ رقص باطل ہے' لہو و لعب ہے اور خلاف شرع امر ہے' یہی وجہ ہے کہ دینی مزاج رکھنے والے اس طرح کی اچھل کود پسند نہیں کرتے' اس کے جواب میں ہم عرض کریں گے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ کوئی شخص متبع شریعت' اور محب دین نہیں ہو سکتا' اس کے باوجود آپ نے حبشیوں کا رقص ملاحظہ کیا اور کوئی نکیر نہیں فرمائی' کیا آپ کا یہ فعل رقص کی اباحت کا ثبوت نہیں ہے' دین پسند لوگوں کو رقص سے نفرت اسلئے نہیں کہ وہ حرام ہے' بلکہ ان کے تنفر کی وجہ یہ ہے کہ عام طور پر رقص میں لہو و لعب شامل ہو جاتا ہے جو اگرچہ مباح ہے لیکن صرف ایسے لوگوں کے لئے جیسے حبشی اور زنگی ہیں' باوقار اور صاحب منصب آدمی کے حق میں رقص مکروہ ہے کیوں کہ یہ اسکی شان کے مطابق نہیں ہے' کوئی چیز محض اسلئے حرام نہیں کہی جاسکتی کہ وہ کسی وجہ سے بعض لوگوں کے لائق نہیں ہے یہ فرق آپ ایک مثال سے سمجھئے' ایک فقیر کسی عام آدمی کے سامنے دست سوال دراز کرتا ہے اور وہ اسے ایک روٹی یا چند ٹکے دے دیتا ہے' اس کا یہ عمل لائق تحسین ہے کہ اس نے فقیر کے ساتھ بھلائی کی اور اسے کھانا دیا' یہی فقیر بادشاہ وقت سے کچھ مانگتا ہے' بادشاہ بھی عام لوگوں کی طرح اسے روٹی دے کر چلتا کر دیتا ہے' اس بادشاہ کو سب لوگ برا کہیں گے' تاریخ میں بھی اسکی کنجوسی پر بہت کچھ لکھا جائے گا' آنے والی نسلوں کو یہ طعنہ دیا جاتا رہے گا کہ انکے آباء واجداد دولت کی فراوانی اور منصب کی رفعت کے باوجود سائل کو ایک روٹی پکڑا دیا کرتے تھے' غور کیجئے' کیا بادشاہ کا یہ فعل کہ اس نے فقیر کو روٹی دی فی نفسہ برا ہے' ہر گز نہیں' لیکن اسے برا اسے لئے کہا گیا کہ ایک روٹی دینا اسکی شان کے خلاف تھا' رقص اور دوسرے امور کا یہی حال ہے' عام لوگوں کے حق میں یہ سب امور مباح ہیں' لیکن نیک بندوں کے شایان شان نہیں ہیں' حسنات الابرار سیئات المقربین کا مطلب بھی یہی ہے۔

خلاصۂ کلام : سماع کے متعلق اب تک جو کچھ گفتگو کی گئی اس کا ماحصل یہ ہے کہ سماع حرام بھی ہے' مکروہ بھی' مستحب بھی اور مباح بھی۔ حرام ان نوجوانوں کے لئے جن پر دنیاوی شہوت غالب ہے' سماع سے انکی شہوت ابھرتی ہے' اور وہ لوگ اشعار کو اپنی محبوب صورتوں پر منطبق کرتے ہیں' مکروہ ان لوگوں کے حق میں جن کی شہوت متحرک نہیں ہوتی اور نہ وہ مخلوق پر ان اشعار کا انطباق کرتے ہیں' لیکن ان لوگوں کا مقصد سماع اور اصلاح نہیں ہے بلکہ لہو و لعب ہے' مباح ان لوگوں کے حق میں ہے جو خوب صورت آواز اور موزوں و بامعنی کلام سے لطف اٹھانے کے لئے سماع سنتے ہیں اور مستحب ان لوگوں کے لئے جن پر حب الہٰی کا غلبہ ہے' اور سماع سے اس محبت کو مزید ترقی ہوتی ہے۔ (۱) والحمدللہ وحدہ والصلوٰۃ والسلام علی محمد وآلہ۔

---

(۱) (سماع کی بحث تمام ہوئی' ہم اپنے قارئین سے گزارش کریں گے کہ وہ اس بحث کے مطالعے کے بعد حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے رسالہ "حق السماع" کا مطالعہ کریں۔ ذیل میں ہم اس رسالے کے بعض ضروری مباحث پیش کر رہے ہیں۔

اس زمانہ میں دیکھا جاتا ہے کہ ہر چہار طرف قوالی کا زور ہے اور مجالس سماع کا شور ہے' نہ اس کے آداب پر نظر ہے اور نہ اسکے شرائط و موانع کی خبر ہے' ہر آدمی اجتہاد کا دم بھر رہا ہے اور محققین سے حجتیں کر رہا ہے' کوئی بزرگان پیشین کے فعل کو سند میں لاتا ہے کوئی رسالے اور اشتہار دکھاتا ہے۔ اسی طرح طرف ثانی میں کسی کو اولیاء اللہ پر انکار ہے اور علی الاطلاق اس عمل کی حرمت پر اصرار ہے۔ کسی کو یہ تماشائے اختلاف دیکھ کر حیرانی ہے اور ناحقیقت شناسی سے پریشانی ہے۔ اسلئے اس ہیچمدان نے حسبۃً للہ واظہار الحق چاہا کہ چند مختصر فصول اس مسئلہ کے متعلق لکھے اور اس فن کے مسلّم الثبوت ائمہ کے اشارات میں پیش کرے تاکہ حق کا ایضاح ہو جاوے اور اہل غلط اور غلو کی اصلاح ہو۔

وما علینا الا البلاغ المبین وان ربک ھو اعلم من یضل عن سبیلہ وھو اعلم بالمھتدین

تمہید : جاننا چاہیے کہ اول تو اس میں کلام ہے کہ ائمہ اربعہ میں سے کسی نے سماع کو جائز رکھا ہے' اور اگر کسی کے نزدیک جائز ہے

(حاشیہ مسلسل) توامام ابو حنیفہؒ جن کی ہم تقلید کرتے ہیں' آیا ان کے مذہب میں بھی جائز ہے اور اگر کسی نے ان سے بھی جواز نقل کیا ہو تو وہ ناقل علماء مذہب حنفی سے ہے یا نہیں' پھر شق ثانی پر یہ نقل علماء حنفیہ کی نقل کی معارض تو نہیں اور در صورت تعارض کس کی نقل کو ترجیح و تقدیم ہے' اور در صورت عدم جواز مذہب حنفی آیا حنفی کو دوسرے امام کے قول پر عمل کرنا چاہیے یا اپنے امام کے قول کو لینا چاہیے' اور اگر دوسرے امام کے قول کو لے کر سماع کو جائز کہا جاوے تو آیا وہ مطلق سماع ہے یا مع آلات ہے' اور اگر مع آلات ہے آیا کل آلات جائز ہیں یا بعض اور جو کچھ بھی ہو آیا اباحت اسکی قیاسی ہے یا قول و فعل شارع علیہ الصلوٰۃ والسّلام سے منصوص ہے' اور ہر حال میں اسکی اباحت کے لئے کچھ شرائط و موانع بھی ہیں یا نہیں' اور ہمارے زمانے کی مجالس سماع میں آیا وہ شرائط مجتمع اور موانع مرتفع ہیں یا نہیں اور اگر کسی شخص یا کسی جماعت کے حق میں بوجہ اجتماع شرائط و ارتفاع موانع اہلیت کا حکم کرکے مباح بھی قرار دیدیا جاوے' لیکن احتمال ہو کہ اس کے سننے سے دوسرے شخص کو جو اس کا اہل نہیں ضرر ہو گا تو اس صورت میں اس اہل کو اجتناب لازم ہے یا نہیں اور اگر نہ اسکو ضرر ہو نہ اس کی وجہ سے دوسروں کو تب بھی بوجہ تشبہ اہل بدعت کے اس کا ترک ضروری ہے یا نہیں اور اگر کہیں تشبہ کا بھی شبہ نہ ہو تب بھی اختلاف علماء سے بچنے کی نیت سے یکسوئی اولی ہے یا نہیں' یہ دس مقصد چھوٹی چھوٹی دس فصلوں میں لکھ کر خاتمہ پر کتاب کو ختم کردیں گے۔ والی اللہ تعالیٰ الالتجاء ومنہ الابتداء والیہ الانتہاء۔

فصل اول : اسکی تحقیق کہ ائمہ مجتہدین میں سے آیا سماع کو کسی نے جائز کہا ہے' امام غزالیؒ نے احیاء العلوم میں فرمایا ہے کہ قاضی ابو الطیب طبریؒ نے امام شافعیؒ و امام مالکؒ و امام ابو حنیفہؒ و امام سفیانؒ اور ایک جماعت علماء سے ایسے الفاظ نقل کئے ہیں جن سے استدلال ہوتا ہے کہ ان سب حضرات کی رائے اس کے تحریم کی ہے آہ اور عوارف المعارف میں ہے کہ امام شافعیؒ سے منقول ہے کہ وہ ناپسند فرماتے تھے اور فرماتے تھے کہ اس کو زندیقوں نے وضع کیا ہے تاکہ قرآن مجید میں دل نہ لگنے دیں' اور امام مالکؒ کے نزدیک مسئلہ ہے کہ اگر کوئی شخص لونڈی خریدے اور وہ گانے والی نکلے تو اس عیب کی وجہ سے اس کو واپس کرسکتا ہے' اور یہی مذہب تمام اہل مدینہ کا ہے اور اسی طرح مذہب ہے امام ابو حنیفہؒ کا' اور راگ سننا گناہوں سے ہے۔ آہ!۔

فصل ثانی : اسکی تحقیق میں کہ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک سماع کا کیا حکم ہے' در مختار میں ہے کہ اس شخص کی بھی گواہی مقبول نہیں جو مجمع میں گاتا ہو کیوں کہ وہ شخص لوگوں کو گناہ کبیرہ پر جمع کرتا ہے' قاضی خان میں ہے کہ اصل میں مذکور ہے کہ گانے والے کی گواہی مقبول نہیں جو اس کا اعلان کرتا ہے اور لوگوں کو جمع کرتا ہے' کیوں کہ وہ شخص علی الاعلان معصیت کرتا ہے' در مختار میں حضرت ابن مسعودؓ کا قول ہے کہ آواز لہو اور گانے کی جماتی ہے نفاق کو قلب میں' جس طرح پانی گھاس کو جماتا ہے' رسالہ نصیحت میں مبسوط سے نقل کیا ہے ملاہی کا سننا اور گانا سب حرام ہے' اور محیط سے لکھا ہے کہ گانا اور تالیاں بجانا اور ان چیزوں کا سننا سب حرام ہے' اور نہایہ سے لیا ہے کہ گانا اور تالیاں بجانا اور طنبورہ اور بربط اور دف (مراد اس سے یا تو وہ دف ہے جس میں جلاجل ہو یا بطور لہو و مشغلہ کے ہو یا ایک روایت اس کی حرمت کی ہو ۱۲) اور جو اسکے مشابہ ہو حرام ہے' اور رسالہ مذکورہ میں حضرت مولانا شاہ عبد العزیز صاحبؒ کا فتویٰ منقول ہے اس میں لکھا ہے کہ مضمرات میں ہے جس شخص نے کہ مباح کیا غنا کو وہ فاسق ہو گا اختیار میں ہے کہ تحقیق غنا گناہ کبیرہ ہے' حمادیہ میں ہے تغنی حرام ہے' تاتار خانیہ میں امام حلوانی کا قول نہایت شدید نقل کیا ہے یہاں تک کہ منقول تھا رسالہ مذکورہ سے' کفایہ حاشیہ ہدایہ میں مستصفے سے نقل کیا ہے کہ غنا سب دینوں میں حرام ہے' پس زیادات میں کہا ہے کہ جب وصیت کرے کوئی شخص ایسے امر کی جو گناہ ہو ہمارے نزدیک اور اہل کتاب کے نزدیک اور ذکر کیا منجملہ ایسے امور کے گانے والے اور گانے والیوں کیلئے وصیت کرنے کو اور ظہیر الدین مرغینانیؒ سے منقول ہے کہ جو شخص ہمارے زمانے کی قرأت پڑھنے والے کی قرأت سن کر کہے خوب پڑھا وہ کافر ہو جاتا ہے اور مراد یہ ہے کہ جو غنا سے قرآن پڑھے' ہدایہ میں جہاں دعوت کے موقع پر غنا پائے جانے کا حال لکھا ہے مرقوم ہے کہ اس مسئلہ سے معلوم ہوا کہ کل ملاہی حرام ہیں حتیٰ کہ لکڑی بجا کر گانا

بھی اور اسی طرح امام کے ارشاد سے کہ میں پھنس گیا تھا یہی معلوم ہوا کہ کیوں کہ پھنسنا تو گناہ کی چیز میں ہوا کرتا ہے یہ سب کتابیں معتبر مذہب حنفی کی ہیں جو تدوین مذہب امام ابو حنیفہ کے لئے وضع ہوئی ہیں اور ان کا اتفاق دلیل کافی ہے اس پر کہ امام صاحب کا مذہب اس بارہ میں تحریم ہے۔

فصل ثالث : اسکی تحقیق میں کہ بعض کتب میں جو امام ابو حنیفہؒ سے جواز منقول ہے وہ حجت ہے یا نہیں ان دنوں بعض رسائل شائع ہوئے ہیں جن میں امام صاحب کا مذہب بھی جواز کا نقل کیا ہے' سو مصنفین ان رسائل کے شافعی یا مالکی یا حنبلی اہل ظواہر سے ہیں اور علمائے حنیفہ کی نقل کا حال فصل ثانی میں معلوم ہو چکا سو تعارض کے وقت حسب قاعدہ سمہ اہل بیت اذری بمافیہ علماء وغیر مذہب کی نقل مرجوع و ناکافی ہوگی' جس طرح اگر حنفی دوسرے مذہب کا کوئی قول اس مذہب کے علماء کے خلاف نقل کرے تو حنفی کا نقل کرنا حجت نہ ہوگا' خود صاحب ہدایہ نے حلت متعہ کو امام مالکؒ کی طرف نسبت کیا چوں کہ ان کے علماء مذہب کی تصریح کے خلاف ہے اسلئے کسی نے بھی اعتبار نہیں کیا۔

فصل رابع : اسکی تحقیق میں کہ آیا حنفی کو مسئلہ سماع یا کسی دوسرے ایسے ہی مسئلہ میں اپنے امام کے مذہب کے خلاف عمل کرنا بلا ضرورت جائز ہے یا نہیں کتب اصول و فقہ میں وجوب تقلید شخصی پر دلائل قائم ہو چکے ہیں اور مقلدین کے نزدیک یہ مسئلہ مسلمات اور اجلیٰ بدیہات سے ہے اس لئے بلا اضطرار شدید دوسرے مذہب کا اختیار کرنا صریح شعبہ غیر مقلدی کا ہے بالخصوص حظ نفس کے لئے ایسے حیلے ڈھونڈنا سخت ضعف دین کی دلیل ہے۔

فصل خامس : اس تحقیق میں کہ اگر دوسرے ہی امام کا قول لے لیا جاوے تو آیا مطلق سماع کی اجازت دی ہے یا مع آلات یا پھر کون سے آلات امام غزالیؒ جو شافعی مذہب ہیں احیاء العلوم میں مزامیر و اوتار جس میں ستار وغیرہ بھی داخل ہے اور طبل کو جو ڈھولک کو بھی شامل ہے ان سب کو حرام فرماتے ہیں اور دف کی نسبت صاحب عوارف کہ وہ بھی شافعی ہیں فرماتے ہیں کہ اگرچہ امام شافعی کے مذہب میں اس کی گنجائش ہے تاہم ترک کرنا بہتر ہے اور احتیاط پر عمل کرنا اور اختلاف سے بچنا خوب ہے آہ۔ اور رسالہ ابطال میں حرمت آلات کا جمہور کا مذہب قرار دیا ہے اور بوارق میں مزمار کو حرام لکھا ہے اور مصنف ان دونوں رسالوں کے حنبلی و شافعی ہیں اور حنفیہ کا مذہب تو فصل ثانی میں معلوم ہو ہی چکا ہے۔

فصل سادس : اسکے بیان میں کہ درصورت اباحت سماع آیا اس کی اباحت قیاسی ہے یا حضرت شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قول و فعل سے ثابت ہے۔

سو اقوال سے ظاہراً ممانعت ہی معلوم ہوتی ہے' چنانچہ ترمذی اور ابن ماجہ نے ابو امامہؓ سے روایت کیا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا گانے والی لونڈیوں کے بیچنے اور خریدنے سے اور ان کی کمائی اور محنت کھانے سے اور طبرانی نے بروایت عمرؓ نقل کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ گانے والی لونڈی کی قیمت حرام ہے' اور اس کا گانا حرام ہے' اور بیہقی نے ابو ہریرہؓ سے مرفوعاً روایت کیا کہ گانے والی لونڈیوں کو نہ بیچو اور نہ خریدو اور نہ انکو اسکی تعلیم دو اور ان کی تجارت میں خیر ہے' اور انکے دام حرام ہیں اور ابن ابی الدنیا اور طبرانی اور ابن مردویہؒ نے ابو امامہؓ سے روایت کیا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ قسم ہے اس ذات پاک کی جس نے مجھے دین حق دے کر بھیجا کہ نہیں بلند کیا کسی شخص نے اپنی آواز کو گانے میں مگر مسلط فرماتا ہے اللہ تعالیٰ اس پر دو شیطانوں کو کہ سوار ہوتے ہیں وہ اسکے کندھوں پر پھر اس کے سینے پر لاتیں مارتے ہیں جب تک وہ خاموش نہ ہو جاوے اور ابن ابی دنیا نے ذم ملاہی میں اور بیہقی نے سنن میں ابن مسعودؓ سے روایت کیا کہ فرمایا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے گانا بڑھاتا ہے قلب میں نفاق کو جس طرح بڑھاتا ہے پانی ترکاری کو اور بہت احادیث مروی ہیں' یہ تو مطلق سماع کے باب میں روایات نقل کی گئیں' اور خصوصی معازف اور مزامیر کے باب میں بھی یہ اکثر دلائل حرمت کے وارد ہیں امام بخاری نے روایت کیا کہ فرمایا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے میری امت میں ایسے لوگ ہونے والے ہیں جو خز اور حریر

اور شراب اور معازف کو حلال سمجھیں گے اور ترمذی نے یحییٰ ابن سعید سے مرفوعاً روایت کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب میری امت پندرہ کام کرنے لگے گی اس وقت اس پر بلائیں نازل ہوں گی' منجملہ ان کے گانے والی لونڈیوں اور معازف کے تیار کرنے کو بھی شمار فرمایا اور بزاز اور مقدسی اور ابن مردویہ اور ابو نعیم اور بیہقیؒ نے روایت کیا کہ فرمایا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دو آوازیں ملعون ہیں دنیا اور آخرت میں ایک مزمار کی آواز گانے کے وقت دوسرے چلانے کی آواز مصیبت کے وقت اور مثل اسکے بہت احادیث ہیں' شروع فصل سے یہاں تک یہ سب حدیثیں رسالہ ابطال دعویٰ سے نقل کی گئیں اور رحمتہ مہداۃ میں قیس بن سعد بن عبادہؓ سے مروی ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بے شک میرے رب نے حرام فرمایا مجھ پر شراب اور قمار اور قنبیر یعنی عود یا طنبورہ اور ڈھولک اور ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ فرمایا انھوں نے دف حرام ہیں اور معازف حرام ہے طنبورہ اور ڈھولک حرام ہے اور مزمار حرام ہیں روایت کیا ان دونوں حدیثوں کو بیہقی نے اور مشکوٰۃ میں بیہقی سے بروایت جابرؓ نقل کیا ہے کہ فرمایا رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ گانا جماتا ہے نفاق کو قلب میں جس طرح جماتا ہے پانی کھیتی کو اور سنن ابن ماجہ میں مروی ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ بعض لوگ شراب کا نام بدل کر اسکو پئیں گے اور ان کے سروں پر معازف اور گانے والیوں سے بجایا گوایا جائے گا اللہ تعالیٰ انکو زمین میں دھنسادے گا اور ان کو بندر اور خنزیر بنادیگا اور جامع ترمذی میں ہے کہ ارشاد فرمایا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے میری امت میں بھی خسف اور مسخ واقع ہوگا جب علی الاعلان ہوجاویں گانے والیاں اور معازف اور مسند ابن ابی الدنیا میں مروی ہے کہ فرمایا رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ ایک قوم اس امت سے آخر زمانہ میں بندر اور خنزیر بن جاوے گی۔ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا وہ لوگ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہؐ کے قائل نہ ہوں گے آپ نے فرمایا کیوں نہ ہوں گے بلکہ صوم وصلوٰۃ وحج سب کچھ کرتے ہوں گے' کسی نے عرض کیا پھر اس سزا کی کیا وجہ آپ نے فرمایا کہ انھوں نے معازف اور گانے والیوں کا مشغلہ اختیار کیا ہوگا اور مسند احمد میں مروی ہے کہ ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بے شک مجھ کو اللہ تعالیٰ نے تمام عالم کے لئے رحمت بنا کر بھیجا ہے اور مجھ کو حکم دیا ہے کہ مٹادوں مزامیر اور معازف اور ابن الدنیا اور بیہقیؒ نے شعبی سے روایت کیا ہیکہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ خدا لعنت کرے گانے والیوں پر اور جس کی خاطر گایا جائے اور طبرانی اور خطیب بغدادی نے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا غنا سے اور اسکے سننے سے' مشکوٰۃ کے بعد کی روایتیں رسالہ نصیحت سے نقل کی گئیں ہرچند کہ بعض روایات پر ضعف کا حکم لگایا جایا کرتا ہے' مگر اول تو سب نہیں' بہت سی صحاح بھی ہیں پھر کثرت طرق بالاتفاق جابر ضعف ہوجاتا ہے۔

یہاں تک قولی روایتیں ہیں جن سے کھلم کھلا ممانعت معلوم ہوتی ہے' رہا حضرت شارع علیہ السلام کا فعل سو ہرچند کہ مدعیان جواز قصۂ عروسی ربیع بنت معوذ اور قصۂ غناء جاریتین فی یوم الفطر و قصہ نظر وقت رجوع غزوہ کو اثبات مدعا کے لئے پیش کرتے ہیں اور اہل ظاہر سرسری میں اسکو جواز کی دلیل بھی مان لیتے ہیں' مگر انصاف یہ ہے کہ ان روایات میں غناء لغوی مذکور ہے اور اس میں گفتگو ہو رہی ہے وہ صرف اس کا نام نہیں کہ کوئی شعر ذرا آواز بنا کر پڑھ دیا بلکہ خاص نغمات و تحریک صورت برعایت قواعد موسیقی کا نام ہے ان روایات میں اسکا کہیں نام ونشان بھی نہیں ایسی حالت میں روایات فعلی جواز سماع متعارف کے لئے کس طرح کافی ہوسکتی ہیں' ہمارے اس دعوے کی تائید کے لئے صاحب عوارف کا ارشاد کافی حجت ہے وہ فرماتے ہیں کہ یہ جو حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے کہ آپ نے شعر سنا۔ یہ غنا کے مباح ہونے پر دلالت نہیں کرتا کیوں کہ شعر ایک کلام منظوم کا نام ہے اور اسکا مقابل نثر کہلاتا ہے اگر مضمون اچھا ہے تو شعر بھی اچھا ہے اگر وہ برا ہے تو یہ بھی برا ہے اور غنا تو خاص نغمات اور الحان سے ہوتا ہے اور اگر کوئی منصف انصاف سے کام لے اور غور کرے کہ اہل زمانہ کس طرح جمع ہوتے ہیں اور گانے والا اپنا دف اور بانسلی والا بانسلی لے کر بیٹھتا ہے اور پھر دل میں سوچے کہ آیا اس ہیئت سے یہ جلسہ کبھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے روبرو ہوا ہے اور آیا ان حضرات نے کبھی قوال کو بلایا ہے اور اس کے سننے کو جمع ہو کر بیٹھے ہیں بالضرور انکار کر اٹھے گا

کہ ہرگز حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اور اصحاب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حالت نہیں ہوئی اور اگر اس میں کوئی فضیلت مقصودہ ہوتی تو یہ حضرات اسکو ہرگز نہ چھوڑتے آہ۔

یہ تو احادیث صحیحہ سے استدلال کرنے کا ذکر تھا کہ گو حدیث سے ثابت ہے مگر استدلال صحیح نہیں اور اس باب میں جو موضوع حدیثیں پیش کی جاتی ہیں جیسے قصہ تقسیم فرمانے چادر مبارک کا انکے تو جواب ہی کی حاجت نہیں کیوں کہ خود ان کا ثبوت نہیں چنانچہ تقسیم رداء کے قصہ کو صاحب عوارف نے تصریحاً موضوع کہا ہے پس ہرگاہ احادیث قولیہ سے ممانعت ثابت اور احادیث فعلیہ سے جواز غیر ثابت اب جواز کا منصوص کہنا جیسا کہ ہمارے زمانہ کے مجوزین اس پر اصرار کرتے ہیں کسی طرح صحیح نہیں پس اباحتہ جس کے نزدیک ہو قیاسی ہے ایسی حالت میں بعض لوگوں کی یہ دلیری کہ منکرین جواز کو کافر کہتے ہیں کس قدر بے احتیاطی کی بات ہے اگر کسی کو رسالہ بوارق الاسماع فی تکفیر من یحرم السماع یا اسکی مثل کسی تصنیف یا تحریر سے شبہ پڑا ہو تو خوب سمجھ لینا چاہیے کہ انھوں نے سماع کے معنی عام لئے ہیں حتیٰ کہ نظم سادہ نثر کو بھی شامل ہے اور ظاہر ہے کہ اس میں کلام نہیں جیسا اوپر بھی ذکر کیا جاچکا ہے۔

"اسکے بعد حضرت تھانوی نے ساتویں فصل قائم کی ہے، اور اس میں امام غزالیؒ کی ذکر شرائط و موانع کا تفصیلی جائزہ لیا ہے، اس فصل میں حضرت تھانویؒ نے جو کچھ لکھا ہے وہ یہ ہے ہمارے زمانے میں سماع کے تمام موانع موجود ہیں، اور تمام شرائط مفقود ہیں، آخر میں انھوں نے سماع سے متعلق بعض ان شبہات کا جواب دیا ہے جو زبان زد عوام ہیں۔"

بعض لوگ یہ شبہ کیا کرتے ہیں کہ یہ عمل بڑے بڑے اکابر سے منقول ہے پھر قبیح کیوں ہو سکتا ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ ان حضرات نے شرائط و آداب کی رعایت سے سنا ہے اس کو کون قبیح کہتا ہے اور اب وہ شرائط مفقود ہیں اسلئے منع کیا جاتا ہے اپنے فعل کو ان کے فعل پر قیاس کرنا قیاس مع الفارق ہے اور اگر احیاناً کسی صاحب حال سے بلا اجتماع شرائط یا مجمع عام میں سننا منقول ہو تو سبب اسکا غلبہ حال و بیخودی ہے جس میں وہ معذور ہیں مگر دوسروں کو اقتداء جائز نہیں اور اگر بلا اجتماع شرائط و بدون غلبہ حال کسی سے سننا منقول ہو تو بعد صحت روایت جواب یہ ہے کہ اصول شرعیہ میں سے ہے کہ بجز خیر القرون کے کسی کا فعل حجت نہیں اور اگر کسی کو یہ شبہ ہو کہ ہم فعل سے احتجاج نہیں کرتے بلکہ ان کا قول اور فتویٰ بھی ثابت ہے اور بہت سے رسالے اس باب میں لکھے گئے ہیں، چنانچہ آج کل ایک رسائل اربعہ فرح الاسماع وابطال دعوی الاجماع و بوارق الاسماع و رسالہ ابی الروح فی السماع شائع ہوا ہے جس میں فتویٰ جواز موجود ہے تو اسکا جواب یہ ہے کہ اول تو ان صاحبوں نے اس زمانہ کے سماع کو مباح نہیں فرمایا جس میں بے شمار منکرات جمع ہیں چنانچہ رسالہ ابی الروح میں تصریح ہے کہ کچھ ہم نے ذکر کیا ہے یہ اس غناء میں ہے جس میں کوئی امر منکر نہ ہو رہا ہو۔ وہ غناء جس میں منکرات کا افتراق ہو جیسا اس زمانہ میں رواج ہے سو کلّا و حاشا کہ وہ بھی اس کے حرام ہونے میں اختلاف نہیں کرسکتے آہ۔ اور جابجا رسائل مذکورہ کی عبارتیں اثنائے کلام میں جن میں ہمارے دعویٰ کی تائید موجود ہے نقل کر چکے ہیں اب ان سے سماع متعارف کے جواز پر استدلال کرنا ایسا ہے کہ کوئی شخص مفتی شرع سے روٹی کے حلال ہونے کو سن کر غصب و ظلم کرنا شروع کردے کہ مفتی صاحب نے روٹی کو حلال کہا ہے یہ تو نہیں کہ غصب و ظلم سے جو حاصل کیا ہے اسکو بھی حلال کہا ہے اور شرائط عوارض سے بھی قطع نظر کی جاوے تو غایہ مافی الباب اقوال مذکورہ سے اتنا ثابت ہوگا کہ بعض کے نزدیک مباح بھی ہے اسکی اباحت قطعیہ اجماعیہ تو ثابت نہ ہوئی پس جس حالت میں بہت سے اکابر اولیاء منع بھی فرمارہے ہیں، جس کا ابھی ذکر آتا ہے تو اس کی اباحت و حرمت میں تردد ہو گیا اور یہ پہلے معلوم ہوچکا ہے کہ ایسے تردد کی چیز کو ترک کردینا ضروری ہوتا ہے، اب ان اکابر کی ممانعت کے بعض فتویٰ بطور نمونہ پیش کئے جاتے ہیں، حضرت سیدنا غوث الثقلین رضی اللہ عنہ غنیتہ الطالبین میں فرماتے ہیں کہ اگر حاضر ہو اس میں کوئی گناہ کی بات جیسے طبلہ اور مزمار اور عود و بانسلی اور رباب اور معازف اور طنبورہ وغیرہ تو اس جگہ نہ بیٹھے کیوں کہ یہ سب حرام ہیں اور تذکرۃ الاولیاء کے مختلف صفحات میں یہ روایتیں ہیں، سعید ابن جبیرؒ نے تین

نصیحتوں میں سے ایک یہ فرمائی کہ اپنے کان کو راگ باجوں سے بچانا اگرچہ تو کامل ہو اسلئے کہ مزامیر آفت سے خالی نہیں اور آخر الامر اپنی خباثت پیدا کرتا ہے' ابو سعید خراز نے فرمایا کہ میں نے دمشق میں حضرت پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا کہ حضرت ابو بکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ پر تکیہ کئے ہوئے تشریف لاتے ہیں اور میں بجائے خود انگلی سینہ پر بجاتا ہوں اور شعر پڑھتا ہوں' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرمانے لگے کہ اسکی بدی نیکی سے زیادہ ہے یعنی سماع نہ کرنا چاہیے۔

ایک شبہ یہ ہوتا ہے کہ فلاں درویش کو ایسا حال آیا کہ چوٹ لگنے کی بھی خبر نہیں ہوئی اگر یہ عمل باطل ہوتا تو یہ تاثیر کیوں ہوتی۔ جواب اسکا یہ ہے کہ بے خودی کے اسباب مختلف ہیں' کبھی غلبہ ذوق باطن سے ہوتی ہے کبھی شدت سُرور سے کبھی فرط غم سے کبھی جنون سے کبھی کسی نشہ دار چیز کے کھانے سے کبھی' ہیجان نفس سے کبھی کثرت تحیر سے کبھی نشاط طبعی سے۔ جس طرح سانپ بین کی آواز سے مست ہو جاتا ہے وغیر ذلک اور ظاہر ہے کہ بعض ان اسباب میں محمود ہیں اور بعض مذموم تو مطلق کسی شخص کو نگاہ اٹھا کر دیکھا وہ لوٹ پوٹ ہو گیا اگر یہ عمل مقبول نہ ہوتا تو اس میں ایسا اثر نہ ہوتا اسکا جواب بھی ظاہر ہے جیسا خود بخود ہو جانا دلیل حقانیت کی نہیں' چنانچہ ابھی مذکور ہوا' اسی طرح دوسرے کو بے خود کر دینا بھی دلیل مقبولیت کی نہیں ہو سکتی اصل یہ ہے کہ ایسے تصرفات ثمرات ریاضت سے ہیں خواہ وہ ریاضت حق ہو یا باطل اکثر ساحر اور جوگی بڑے بڑے کرشمے دکھلاتے ہیں اسکو ولایت سے کوئی علاقہ نہیں البتہ اگر ایسے خوارق اتباع سنت کے ساتھ ہوں تو وہ کرامت اور علامت ولایت ہیں ورنہ محض استدراج ہیں ایک شبہ یہ ہوتا ہیکہ خیر ہم میں وہ شرائط جن سے سماع جائز ہوتا ہے نہ سہی لیکن ان حضرات کی صورت بنانے اور نقل کرنے میں بھی بڑی برکت اور انوار ہیں اسلئے ہم تقلیداً اس فعل کو کرتے ہیں' جواب اس کا یہ ہے کہ بزرگوں کی صورت وضع بنانا بلاشبہ نہایت خوبی کی بات ہے مگر یہ اس امر میں ہے جس میں کسی طرح کا خطرہ اور ضرر نہ ہو بلکہ وہ خیر محض ہو یا قاعدہ اسکے لئے ہے کہ اگر اس درجہ کا خلوص و ذوق و شوق کسی میں نہ ہو تاہم صورت بنانا بھی موجب برکت ہے جس طرح نوافل پڑھنا اوراد و وظائف پڑھنا ان کا لباس پہننا انکا سا کلام کرنا ان کی طرح چلنا پھرنا وغیرہ ذلک اور جو امر خطرناک ہو اور اس کے ارتکاب کی بہت سی شرطیں مقرر ہوں اس کے لئے یہ قاعدہ نہیں حضرت مولانا ایسی ہی تقلید کی نسبت فرماتے ہیں۔

اور اگر زہری خورد شہدے بود ○ تو اگر شہدے خوری زہری بودے ○ ای مری کردہ پیادہ باسوار ○ سرنخواہی برد اکنوں پائیدار۔ اور اس قسم کے اور بھی ضعیف ضعیف شبہات ہیں جن کا جواب بعد تحقیق اصول مذکورہ کے ہر شخص بخوبی نکال سکتا ہے حاجت بیان نہیں' اب تحریر ہذا کو اس وصیت پر ختم کیا جاتا ہے کہ طالب حق پر لازم ہے کہ ہر امر میں طریق سلامتی و احتیاط کو اختیار کرے اور طریق احتیاط اس امر میں یہ ہے کہ نفس سماع کو مختلف فیہ سمجھے اور اس میں جو خرابیاں مل گئی ہیں ان میں جن کی برائی دلیل قطعی سے ثابت ہے ان کو حرام قطعی اور جن کی برائی دلیل ظنی سے ثابت ہے ان کو حرام ظنی جانے اور خود اس عمل سے حتیٰ الامکان بچتا رہے اور جس کو مبتلا دیکھے اگر وہ شخص آداب و شرائط کی رعایت رکھتا ہے جس سے نہ اسکو ضرر ہوتا ہے نہ اس کی وجہ سے دوسرے کو ایسے شخص سے تعرض نہ کرے اور اگر آداب و شرائط کا لحاظ نہیں رکھتا تو اس فعل بہئیت کذائیہ پر تو انکار کرتا رہے مگر فاعل پر علی الاعلان طعن و لعن اور اسکی تفضیح و تشنیع نہ کرے کہ مورث فتنہ و موجب عداوت ہے اور نیز ممکن ہے کہ اس کو کوئی عذر خفی ہو یا کسی تاویل سے اسکا ارتکاب کرتا ہو یا غلط فہمی اسکا باعث ہو اور ان حالتوں میں تشدد زیبا نہیں البتہ خلوت میں نرمی سے اگر اسکو فہمائش ممکن ہو تو دریغ نہ کرے جب تک امید قبول باقی ہو اور جب ناامیدی ہو جائے کہ یہ نہ مانے گا تو اس سے تعرض چھوڑ دے اور اس کی اصلاح ہدایت کے لئے اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا رہے اور اس کی بڑی احتیاط رکھے کہ جن حضرات میں ظاہراً آثار مقبولیت اور بزرگی کے پائے جاویں اور اکثر اعمال میں شریعت کے پابند ہوں بوجہ غلط فہمی یا تاویل ضعیف یا غلبہ حال یا غلطی فتویٰ مفتی کے ان سے کوئی لغزش صادر ہوتی ہو ان کی شان میں کسی قسم کی بدزبانی یا بدگمانی نہ ہووے کہ اس کا وبال ازبس عظیم ہے حتیٰ کہ عداوت اولیاء احیاناً موجب سلب ایمان ہو جاتی ہے' عیاذاً باللہ تعالیٰ منہ۔

ہاں وہاں ترک حسد کن باشہاں ورنہ ابلیسے شوی اندر جہاں

کتاب الامر بالمعروف والنھی عن المنکر
امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا بیان

جاننا چاہیے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر دین کا مرکزی نقطہ ہے' اسی نقطے کی تشریح و توضیح کے لئے انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی بعثت عمل میں آئی' انہوں نے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے ذریعہ باری تعالیٰ کے احکام اس کے بندوں تک پہنچائے' انبیائے کرام کی بعثت کا سلسلہ منقطع ہوا تو اس فریضے کی ذمہ داری علماء کے سپرد ہوئی' اسلامی زندگی میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی اہمیت کے لئے اتنا عرض کر دینا کافی ہے کہ اگر اس سے بے توجہی اور غفلت برتی جائے' لوگ نہ اس کا علم حاصل کریں' اور نہ اسے عملی حیثیت دیں تو نبوت کے مقاصد ہی فوت ہو جائیں' دین کی بنیادیں کمزور پڑ جائیں' معاشرے کی رگوں میں سستی' گمراہی' جہالت اور بگاڑ پھیل جائے' ملک کا نظام لاقانونیت اور انارکی کے سامنے بے بس ہو جائے' اللہ کے بندے ہلاکت میں مبتلا ہوں' اور یہ احساس ہی جاتا رہے کہ ہمارے قدم گمراہی کی طرف بڑھ رہے ہیں' افسوس! صد افسوس! ہمارے اندیشے حقیقت بن چکے ہیں' اس بنیادی شعبے کا علم بھی مٹ گیا ہے' اور عمل بھی آخری سانس لے کر رخصت ہو چکا ہے' نہ اسکی حقیقت کا وجود ہے' نہ اسکا نام و نشان باقی ہے' دلوں نے مخلوق کی قید اختیار کر لی ہے' خالق کی قید سے نکل چکے ہیں' اپنے ہی جیسے انسانوں کی مداہنت کرنا ان لوگوں کا شیوہ بن چکا ہے جنہیں انبیاء کی وراثت ملی' لیکن وہ اس کے اہل ثابت نہ ہو سکے' یہ لوگ خواہشات نفس کی اتباع میں چوپایوں سے سبقت لے جانے میں مصروف ہیں' روئے زمین پر ایسا مخلص' اور سچا پکا انسان ڈھونڈے نہیں ملتا جو اللہ تعالیٰ کے حقوق کی ادائیگی اور خالق کائنات کے احکام کی بجا آوری میں ملامت کے تیروں' اور طعن و تشنیع کے خنجروں کی پروا نہ کرے' جو لوگ اس خلا کو پُر کریں گے' اور دین میں پیدا ہونے والے اس رخنے کو بڑھنے سے پہلے ہی احیائے سنت کے عمل سے مسدود کرنے کی کوشش کریں گے وہ بلاشبہ اجر عظیم کے مستحق ہوں گے' امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ایک اہم' اور وسیع موضوع ہے اسلئے ہم اسکے متعلقہ مسائل پر چار ابواب میں گفتگو کریں گے۔

پہلا باب

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے فضائل' اور دلائل وجوب

آیات :- اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں :-

وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ (پ ۴ ر ۲ آیت ۱۰۴)

اور تم میں ایک ایسی جماعت ہونا ضروری ہے کہ خیر کی طرف بلایا کریں اور نیک کام کرنے کو کہا کریں اور برے کاموں سے روکا کریں' اور ایسے لوگ پورے کامیاب ہوں گے۔

اس آیت سے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے وجوب پر دلالت ہوتی ہے' کیوں کہ و لتکن صیغۂ امر ہے اور امر کا ظاہر ایجاب ہے' ایجاب کے علاوہ بھی اس آیت سے کچھ احکام مستنبط ہوتے ہیں مثلاً یہ کہ فلاح اسی فریضے کی ادائیگی میں مضمر ہے یہ بات بطور حصر فرمائی گئی واولئک ھم المفلحون (اور وہی لوگ ہیں فلاح پانے والے) دوسرا حکم اس آیت سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر فرض کفایہ ہے' فرض عین نہیں ہے' یعنی اگر مسلمانوں کی ایک جماعت یہ فرض ادا کرتی ہے تو

دوسرے ادانہ کرنے کے جرم میں ماخوذ نہیں ہوں گے' یہ نہیں فرمایا کہ تم سب اچھے کاموں کا حکم دینے والے اور برے کاموں سے روکنے والے بن جاؤ' بلکہ یہ فرمایا کہ تم لوگوں میں ایک گروہ ایسا ہونا چاہیے جو یہ فریضہ انجام دیتا رہے' تاہم فلاح کی وہ خصوصیت جس کی طرف آیت کریمہ میں اشارہ کیا گیا انہی لوگوں کو حاصل رہے گی جو اس حکم کی تعمیل کریں گے' لیکن اگر کسی نے بھی اس حکم کی تعمیل نہیں کی تو وہ سب لوگ مجرم ٹھہریں گے جنھوں نے امربالمعروف اور نہی عن المنکر پر قدرت کے باوجود پہلو تہی کی' اور اپنی ذات میں مگن رہے ایک جگہ ارشاد فرمایا :-

لَيْسُوْا سَوَآءً مِنْ اَهْلِ الْكِتَابِ اُمَّةٌ قَآئِمَةٌ يَتْلُوْنَ آيَاتِ اللّٰهِ آنَآءَ اللَّيْلِ وَهُمْ يَسْجُدُوْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُسَارِعُوْنَ فِي الْخَيْرَاتِ وَاُولٰٓئِكَ مِنَ الصَّالِحِيْنَ (پ ۴ ر ۳ آیت ۱۱۳-۱۱۴)

یہ سب برابر نہیں' ان اہل کتاب میں سے ایک جماعت وہ بھی ہے جو قائم ہیں' اللہ کی آیتیں اوقات شب میں پڑھتے ہیں' اور وہ نماز بھی پڑھتے ہیں' اللہ پر اور قیامت والے دن پر ایمان رکھتے ہیں' اور نیک کام بتلاتے ہیں اور بری باتوں سے روکتے ہیں اور نیک کاموں میں دوڑتے ہیں اور یہ لوگ شائستہ لوگوں میں سے ہیں۔

اس آیت میں فرمایا کہ صلاح اور نیکی کا دارومدار ایمان باللہ اور ایمان بالآخرت کے ساتھ ساتھ امربالمعروف اور نہی عن المنکر پر بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :-

وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ (پ ۱۰ ر ۱۵ آیت ۷۱)

اور مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں ایک دوسرے کے (دینی) رفیق ہیں' نیک باتوں کی تعلیم دیتے ہیں اور بری باتوں سے منع کرتے ہیں۔ اور نماز کی پابندی رکھتے ہیں۔

اس آیت میں اہل ایمان کے چند اوصاف بیان کئے گئے ہیں' ان میں یہ وصف بھی ہے کہ وہ اچھے کام کا حکم کرتے ہیں' اور برائی سے منع کرتے ہیں' اس سے معلوم ہوا کہ جن لوگوں میں یہ وصف نہیں وہ مومنین کے اس زمرہ سے خارج ہیں' جن کے اوصاف پر یہ آیت مشتمل ہے۔ مزید فرمایا :-

لُعِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ بَنِيْٓ اِسْرَآئِيْلَ عَلٰى لِسَانِ دَاوٗدَ وَعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ كَانُوْا لَا يَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُّنْكَرٍ فَعَلُوْهُ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ (پ ۶ ر ۱۵ آیت ۷۹-۷۸)

بنی اسرائیل میں جو لوگ کافر تھے ان پر لعنت کی گئی تھی داؤد اور عیسیٰ ابن مریم کی زبان سے' یہ لعنت اس سبب سے ہوئی کہ انھوں نے حکم کی مخالفت کی اور حد سے آگے نکل گئے جو برا کام انھوں نے کر رکھا تھا اس سے ایک دوسرے کو منع نہ کرتے تھے واقعی ان کا فعل برا تھا۔

اس آیت میں ان لوگوں کے متعلق سخت موقف اختیار کیا گیا ہے' اور انھیں لعنت کا مستحق قرار دیا گیا ہے' جنھوں نے نہی عن المنکر کا فریضہ ادا نہیں کیا تھا اور وہ معاشرے میں برائیوں کو پھیلتے ہوئے دیکھتے رہے تھے' ایک جگہ ارشاد فرمایا :-

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ (پ ۴ ر ۳ آیت ۱۱۰)

تم لوگ اچھی جماعت ہو کہ وہ جماعت لوگوں کے لئے ظاہر کی گئی ہے تم لوگ نیک کاموں کو بتلاتے ہو'

اور بری باتوں سے روکتے ہو۔

یہ آیت امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی فضیلت پر بہترین دلیل ہے کیوں کہ اس میں ان لوگوں کو خیرات کے لقب سے نوازا گیا ہے جو اس فضیلت سے آراستہ تھے' یہ بھی فرمایا :۔

فَلَمَّا نَسُوا مَا ذُكِّرُوا بِهِ أَنجَيْنَا الَّذِينَ يَنْهَوْنَ عَنِ السُّوءِ وَأَخَذْنَا الَّذِينَ ظَلَمُوا بِعَذَابٍ بَئِيسٍ بِمَا كَانُوا يَفْسُقُونَ (پ ۹ ر ۱۱ آیت ۱۶۵)

سو (آخر) جب وہ اس امر کے تارک ہی رہے جو انکو سمجھایا جاتا تھا (یعنی نہ مانا) تو ہم نے ان لوگوں کو تو بچالیا جو اس بری بات سے منع کیا کرتے تھے اور ان لوگوں کو جو زیادتی کرتے تھے ایک سخت عذاب میں پکڑلیا بوجہ اسکے کہ وہ بے حکمی کیا کرتے تھے۔

اس آیت سے پتا چلتا ہے کہ نجات صرف ان لوگوں کو دی گئی جنھوں نے برائی سے روکنے کا عمل جاری رکھا یہ آیت وجوب پر بھی دلالت کرتی ہے۔ فرمایا :۔

الَّذِينَ إِن مَّكَّنَّاهُمْ فِي الْأَرْضِ أَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ وَأَمَرُوا بِالْمَعْرُوفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنكَرِ (پ ۱۷ ر ۱۳ آیت ۴۱)

یہ لوگ ایسے ہیں کہ اگر ہم ان کو دنیا میں حکومت دیدیں تو یہ لوگ (خود بھی) نماز کی پابندی کریں اور زکوٰۃ دیں اور (دوسروں کو بھی نیک کام کرنے کو کہیں اور برے کام سے منع کریں۔

اس آیت میں امت صالحین کا ذکر ہے' امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی اہمیت و فضیلت کے لئے تنہا یہی بات کافی ہے کہ اس فریضے کا ذکر نماز اور روزے کے ساتھ کیا گیا۔ فرمایا :۔

وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَىٰ وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ (پ ۶ ر ۵ آیت ۲)

اور نیکی اور تقویٰ میں ایک دوسرے کی اعانت کیا کرو اور گناہ اور زیادتی میں ایک دوسرے کی اعانت مت کرو۔

یہ آیت امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے سلسلے میں قطعی امر کی حیثیت رکھتی ہے' کسی شئی پر اعانت کرنے کے معنی یہ ہیں کہ اس کی ترغیب دی جائے' برو تقویٰ کی ترغیب کا مطلب اسکے علاوہ کچھ نہیں کہ جو جانتا ہو وہ نہ جاننے والے کو خیر کا راستہ بتلائے' اور اس راہ پر چلنے میں آسانی فراہم کرے' بدی اور ظلم و تعدی پر اعانت نہ کرنا یہ ہے کہ وہ راہیں مسدود کردی جائیں جو ہلاکت کی منزل تک پہنچاتی ہیں۔ فرمایا :۔

لَوْلَا يَنْهَاهُمُ الرَّبَّانِيُّونَ وَالْأَحْبَارُ عَن قَوْلِهِمُ الْإِثْمَ وَأَكْلِهِمُ السُّحْتَ لَبِئْسَ مَا كَانُوا يَصْنَعُونَ (پ ۶ ر ۱۳ آیت ۶۳)

ان کو مشائخ اور علماء گناہ کی بات کہنے سے اور حرام مال کھانے سے کیوں نہیں منع کرتے واقعی ان کی یہ عادت بری ہے۔

اس آیت میں ان کے جرم کی وجہ یہ بتلائی گئی ہے کہ وہ برائیوں سے منع نہیں کرتے تھے۔ فرمایا :۔

فَلَوْلَا كَانَ مِنَ الْقُرُونِ مِن قَبْلِكُمْ أُولُو بَقِيَّةٍ يَنْهَوْنَ عَنِ الْفَسَادِ فِي الْأَرْضِ (پ ۱۲ ر ۱۰ آیت ۱۱۶)

جو امتیں تم سے پہلے گزری ہیں ان میں ایسے سمجھدار لوگ نہ ہوئے جو کہ (دوسروں کو) ملک میں فساد (یعنی کفرو شرک) پھیلانے سے منع کرتے۔

اس آیت میں فرمایا گیا ہے کہ ہم نے چند لوگوں کے سوا سب کو ہلاک کردیا جو زمین میں شر پھیلانے سے منع کرتے تھے۔
فرمایا :۔

یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰامِیْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ وَلَوْ عَلٰی اَنْفُسِكُمْ اَوِ الْوَالِدَیْنِ وَالْاَقْرَبِیْنَ (پ ۵ ر ۱۷ آیت ۱۳۵)

اے ایمان والو! انصاف پر خوب قائم رہنے والے، اللہ کے لئے گواہی دینے والے رہو اگرچہ اپنی ہی ذات پر ہو یا کہ والدین اور دوسرے رشتہ داروں کے مقابلے میں ہو۔

والدین اور عزیز و اقرباء کے حق میں یہی عمل امر بالمعروف ہے یہ دو آیتیں بھی ملاحظہ کریں۔

لَا خَیْرَ فِیْ كَثِیْرٍ مِّنْ نَّجْوٰاهُمْ اِلَّا مَنْ اَمَرَ بِصَدَقَةٍ اَوْ مَعْرُوْفٍ اَوْ اِصْلَاحٍ بَیْنَ النَّاسِ وَمَنْ یَّفْعَلْ ذٰلِكَ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ فَسَوْفَ نُؤْتِیْهِ اَجْرًا عَظِیْمًا (پ ۵ ر ۱۴ آیت ۱۱۴)

عام لوگوں کی اکثر سرگوشیوں میں خیر نہیں ہوتی مگر ان کی جو ایسے ہیں کہ خیرات کی یا اور کسی نیک کام کی یا لوگوں میں باہم اصلاح کردینے کی ترغیب دیتے ہیں، اور جو شخص یہ کام کرے گا حق تعالیٰ کی رضا جوئی کے واسطے سو ہم اس کو عنقریب اجر عظیم عطا فرمائیں گے۔

وَاِنْ طَآئِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا بَیْنَهُمَا (پ ۲۶ ر ۱۳ آیت ۹)

اور اگر مسلمانوں میں دو گروہ آپس میں لڑ پڑیں تو ان کے درمیان اصلاح کردو۔

لوگوں کے مابین صلح کرانے کے معنی یہ ہیں کہ انھیں سرکشی اور بغاوت سے روک دیا جائے اور اطاعت کی طرف واپس لایا جائے، اگر وہ حق کی طرف رجوع کرنے سے انکار کردیں اور اپنی سرکشی پر بدستور قائم رہیں تو ان سے قتال کیا جائے، جیسا کہ باری تعالیٰ فرماتے ہیں :۔

فَقَاتِلُوا الَّتِیْ تَبْغِیْ حَتّٰی تَفِیْٓءَ اِلٰٓی اَمْرِ اللّٰهِ (پ ۲۶ ر ۱۳ آیت ۹)

تو اس گروہ سے لڑو جو زیادتی کرتا ہے یہاں تک کہ وہ خدا کے حکم کی طرف رجوع ہوجائے

احادیث :۔ روایت ہے کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے ایک دن خطبہ دیا، اور یہ فرمایا کہ اے لوگو! تم قرآن کریم کی یہ آیت پڑھتے ہو اور اس کی غلط تاویل کرتے ہو۔

یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا عَلَیْكُمْ اَنْفُسَكُمْ لَا یَضُرُّكُمْ مَّنْ ضَلَّ اِذَا اهْتَدَیْتُمْ (پ ۷ ر ۴ آیت ۱۰۵)

اے ایمان والو! اپنی فکر کرو، جب تم راہ پر چل رہے ہو، تو جو شخص گمراہ رہے تو اس سے تمہارا نقصان نہیں۔

میں نے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا :۔

مامن قوم عملوا بالمعاصی و فیهم من یقدر ان ینکر علیهم فلم یفعل الا یوشک ان یعمهم بعذاب من عنده (سنن اربعہ)

جو قوم معصیتوں کا ارتکاب کرتی ہے اور ان میں کوئی ایسا شخص ہوتا ہے جو انھیں منع کرنے پر قادر ہو اور وہ منع نہ کرے تو عجب نہیں کہ ان سب پر عذاب خداوندی نازل ہو۔

ابو ثعلبہ خشنیؓ کہتے ہیں کہ میں نے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے آیت کریمہ "لَا یَضُرُّكُمْ مَّنْ ضَلَّ اِذَا

اِهْتَدَیْتُمْ" کی تفسیر پوچھی۔ آپ نے ارشاد فرمایا :۔

امر بالمعروف وانه عن المنکر فاذا رائت شحا مطاعا وھوی متبعا ودنیا مؤثرۃ واعجاب کل ذی رائی برائه فعلیک بنفسک ودع عن العوام ان من ورائکم فتنا کقطع اللیل المظلم للمتمسک فیھا بمثل الذی انتم علیه اجر خمسین منکم قیل بل منھم یارسول اللہ! قال لا بل منکم لانکم تجدون علی الخیر اعوانا ولا یجدون علیه اعوانا (ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ)

اچھی بات کا حکم کر، اور بری بات سے منع کر، پھر جب تو یہ دیکھے کہ بخل کی اطاعت اور خواہش نفس کی اتباع کی جارہی ہے اور دنیا کو ترجیح دی جانے لگی ہے، اور ہر ذی رائے اپنی رائے پر مغرور ہے تو اپنی فکر کر، اور لوگوں کو چھوڑ دے، تمہارے پیچھے اندھیری رات کے ٹکڑوں کی طرح فتنے ہونے لگے ہیں، جو شخص ان فتنوں کے درمیان اپنے دین کو لازم پکڑے رہے گا جس پر تم ہو تو اسے تم میں سے پچاس آدمیوں کے برابر ثواب ملے گا، عرض کیا گیا یا رسول اللہ! بلکہ انھیں ان کے پچاس آدمیوں کے برابر ثواب ملے گا، فرمایا نہیں! بلکہ تم میں سے پچاس آدمیوں کے برابر، اسلئے کہ تمہیں خیر پر اعانت کرنے والے میسر ہیں، اور انھیں میسر نہ ہوں گے۔

حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ سے اس آیت کی تفسیر پوچھی گئی تو فرمایا، یہ اس زمانے کے لئے نہیں ہے، آج کے دور میں نصیحت سنی بھی جاتی ہے اور قبول بھی کی جاتی ہے، لیکن بہت جلد وہ زمانہ آنے والا ہے کہ لوگ نصیحت کرنے والے کو طرح طرح کی تکلیفیں پہنچائیں گے، تم کچھ کہو گے تو کوئی تمہاری بات نہ مانے گا، اگر تم یہ زمانہ پاؤ تو اس آیت کا مصداق بننے کی کوشش کرنا عَلَیْکُمْ اَنْفُسَکُمْ لَا یَضُرُّکُمْ مَنْ ضَلَّ اِذَا اهْتَدَیْتُمْ۔ ارشاد نبوی ہے۔

لتامرون بالمعروف وتنھون عن المنکر اولیسلطن اللہ علیکم شرارکم ثم یدعو خیارکم فلا یستجاب لھم (بزار۔۔۔ عمر ابن الخطابؓ طبرانی اوسط۔ ابوہریرہؓ)

تم لوگ اچھی بات کا حکم کیا کرو اور بری بات سے منع کیا کرو ورنہ خدا تعالیٰ تم پر تمہارے بروں کو مسلط کردے گا، پھر تمہارے اچھے دعا بھی کریں گے تو ان کی دعا قبول نہ ہوگی۔

مطلب یہ ہے کہ بروں کی نظروں میں اچھوں کا کوئی خوف اور ہیبت باقی نہیں رہے گی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں :۔

یاایھا الناس ان اللہ یقول لتامرون بالمعروف وتنھون عن المنکر قبل ان تدعوا فلا یستجاب لکم (احمد، بیہقی، بروایت عائشہ۔ الفاظ یہ ہیں "مروا وانھوا")

اے لوگو! اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ تم لوگ اچھے کام کا حکم کرو، اور برائی سے منع کرو، اس سے پہلے کہ تم دعا کرو اور تمہاری دعا قبول نہ ہو۔

قال :۔ ما اعمال البر عند الجھاد فی سبیل اللہ الا کنفثه فی بحر لجی، وما جمیع اعمال البر والجھاد فی سبیل اللہ عند الامر بالمعروف والنھی عن المنکر الا کنفثه فی بحر لجی۔ (۱)

---

(۱) اس روایت کے دو جزء ہیں پہلا جز مسند فردوس میں جابر سے ضعیف سند کے ساتھ اور دوسرا جزء علی ابن معبد کی کتاب الطاعۃ والمعصیۃ میں یحییٰ ابن عطاء سے بطریق ارسال مروی ہے۔

فرمایا! اللہ کے راستے میں جہاد کے مقابلے میں تمام اچھے اعمال ایسے ہیں جیسے بحر عمیق میں ایک پھونک' اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے سامنے جہاد فی سبیل اللہ سمیت تمام اعمال خیر کی حیثیت ایسی ہے جیسے گہرے سمندر میں ایک پھونک کی حیثیت ہے۔

قال :۔ ان اللہ تعالیٰ یسال العبد ما منعک اذا رائت المنکر فاذا لقن اللہ العبد حجتہ قال رب! وثقت بک و فرقت من الناس (ابن ماجہ)

فرمایا! اللہ تعالیٰ اپنے بندے سے سوال کرے گا کہ برائی دیکھ کر منع کرنے سے تجھے چیز نے روکے رکھا؟ اگر اللہ تعالیٰ اپنے بندے کو اس سوال کرے گا جواب سکھلا دیگا تو وہ عرض کرے گا کہ اے پروردگار میں نے تجھ پر بھروسا کیا اور لوگوں سے ڈر گیا۔

قال :۔ ایاکم والجلوس علی الطرقات' قالو امالنا بدا انما ھی مجالسنا نتحدث فیھا' قال فاذا ابیتم الا ذلک' فاعطوا الطریق حقھا' قالوا وما حق الطریق قال غض البصر' وکف الاذیٰ ورد السلام و امر بالمعروف ونھی عن المنکر (بخاری و مسلم۔ ابو سعید الخدریؓ)

فرمایا :۔ راستوں پر بیٹھنے سے گریز کرو' صحابہ نے عرض کیا : اس سے بچنا مشکل ہے' راستے تو ہماری مجلسیں ہیں' ہم ان میں بیٹھتے ہیں اور ایک دوسرے سے گفتگو کرتے ہیں' آپ نے فرمایا! اگر تم بیٹھنا ہی چاہتے ہو تو راستے کا حق ضرور ادا کیا کرو' عرض کیا : راستے کا حق کیا ہے؟ فرمایا: نگاہیں نیچی رکھنا' کسی کو ایذا نہ پہنچانا' سلام کا جواب دینا' اچھی بات کا حکم دینا اور بری بات سے منع کرنا۔

قال :۔ کل کلام ابن آدم علیہ لا لہ الا امر بالمعروف او نھیا عن منکر او ذکر اللہ تعالیٰ (۱)

فرمایا : امر بالمعروف نہی عن المنکر' اور باری تعالیٰ کے ذکر کے علاوہ ابن آدم کا ہر کلام اس کے خلاف جاتا ہے' اس کے حق میں مفید نہیں ہوتا۔

قال :۔ ان اللہ لا یعذب الخاصا بذنوب العاما حتیٰ یروا المنکر بین اظھرھم وھم قادرون علی ان ینکروہ فلا ینکروہ (احمد۔ عدی ابن عمیرہؓ)

فرمایا:۔ اللہ تعالیٰ خواص کو عوام کے گناہوں کی بنا پر عذاب میں مبتلا نہیں کرتا' ہاں اگر وہ ان میں کوئی برائی دیکھیں اور قدرت کے باوجود اس برائی پر نکیر نہ کریں (تو واقعی' انہیں سزا دی جاتی)۔

روی ابو امامۃ الباھلی عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انہ قال : کیف انتم اذا طغی نساءکم وفسق شبانکم وترکتم جھادکم' قالوا : وان ذلک لکائن یا رسول اللہ! قال نعم! والذی نفسی بیدہ واشد منہ سیکون' قالوا : وما اشد منہ یا رسول اللہ؟ قال : کیف انتم اذالم تامروا بمعروف ولم تنھو عن منکر' قالوا! وکائن ذلک یارسول اللہ؟ قال نعم : والذی نفسی بیدہ واشد منہ سیکون' قالوا وما اشد؟ قال : کیف انتم اذا رائتم المعروف منکرا والمنکر

---

(۱) یہ روایت کتاب العلم میں گزر چکی ہے

معروفاً قالوا : وکائن ذلک یارسول اللّٰہ قال: نعم' والذی نفسی بیدہ واشد منہ سیکون' قالوا وما اشد منہ' قال : کیف انتم اذا امر تم بالمنکر ونہیتم عن المعروف' قالوا : وکائن ذلک یارسول اللّٰہ؟ قال نعم والذی نفسی بیدہ واشد منہ سیکون' یقول اللّٰہ تعالی بی حلفت لا یتحن لہم فتنۃ یصیر الحلیم فیہا حیرانا (۱)

ابوامامہ الباہلی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ حدیث نقل کرتے ہیں کہ آپ نے صحابہ سے دریافت فرمایا : اس وقت تمہارا کیا حال ہوگا جب تمہاری عورتیں سرکشی کریں گی' اور نوجوان فسق و فجور میں مبتلا ہوجائیں گے' اور تم اپنا جہاد ترک کردو گے صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! کیا حقیقت میں ایسا ہونے والا ہے؟ فرمایا : ہاں! اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے اس سے بھی شدید حالات رونما ہوں گے' صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ اس سے سخت تر حالت کیا ہوسکتی ہے فرمایا' اس وقت تمہارا کیا حال ہوگا جب تم اچھی بات کا حکم نہ دو گے' اور بری بات سے منع نہ کرو گے؟ عرض کیا : یا رسول اللہ! کیا یہ صورت پیش آئے گی؟ فرمایا : اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے اس سے بھی زیادہ سخت ترین صورت پیش آئیگی' عرض کیا : اس سے زیادہ سخت ترین صورت کون سی ہوگی؟ فرمایا : اس وقت تمہارا کیا حال ہوگا جب تم معروف کو منکر اور منکر کو معروف پاؤ گے؟ عرض کیا یا رسول اللہ کیا ایسا بھی ہوسکتا ہے' فرمایا : اس سے بھی زیادہ شدید حادثہ ہوسکتا ہے؟ صحابہ نے عرض کیا : اس سے زیادہ سخت حادثہ اور کیا ہوگا؟ فرمایا : اس وقت تمہارا کیا حال ہوگا جب تم بری بات کا حکم دو گے اور اچھی بات سے منع کرو گے' عرض کیا : یا رسول اللہ! کیا ایسا واقعہ بھی پیش آئے گا؟ فرمایا : ہاں اس سے بھی زیادہ سخت واقعہ پیش آئے گا' اس وقت اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائیں گے کہ میں اپنی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ انھیں ایسے فتنے میں مبتلا کروں گا کہ عقل منداس فتنے سے حیران رہ جائیگا۔

عکرمہ حضرت عبداللہ ابن عباسؓ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کرتے ہیں :۔

لا تقفن عند رجل یقتل مظلوما فان اللعنۃ تنزل علی من حضرہ ولم یدفع عنہ' ولا تقفن عند رجل یضرب مظلوما فان اللعنۃ تنزل علی من حضرہ ولم یدفع عنہ (طبرانی' بیہقی)

اس شخص کے پاس مت کھڑا ہو جو ظالمانہ طور پر قتل کیا جارہا ہو' اسلئے کہ اس شخص پر لعنت ہوتی ہے جو وہاں موجود ہو اور مقتول کا دفاع نہ کرے' اور نہ ایسے آدمی کے پاس ٹھہر جسے ازراہ ظلم زدو کوب کیا جارہا ہو' اس لئے کہ اس شخص پر لعنت ہوتی ہے جو وہاں موجود ہو اور پٹنے والے کی طرف سے مدافعت نہ کرے۔

یہ روایت بھی حضرت عبداللہ ابن عباسؓ سے منقول ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا :۔

لا ینبغی لامری شہد مقاما فیہ حق' الا تکلم بہ' فانہ لن یقدم اجلہ ولن یحرمہ رزقا ہو لہ (بیہقی)

---

(۱) یہ حدیث ابن ابی الدنیا نے ضعیف سند کے ساتھ نقل کی ہے مگر اس میں یہ الفاظ نہیں ہیں "کیف بکم اذا امرتم بالمنکر ونہیتم عن المعروف" ابو یعلی نے ابو ہریرہؓ سے صرف اول کے تین سوال اور جواب نقل کئے ہیں

جو شخص کسی ایسی جگہ موجود ہو جہاں حق بات کہنے کی ضرورت پیش آئے تو اس سے گریز نہ کرے اس لئے کہ موت اپنے مقررہ وقت سے پہلے نہیں آئے گی اور جو رزق اس کی قسمت میں ہے اس سے محروم نہیں ہو گا۔

ابن عباسؓ کی روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ ظالموں اور فاسقوں کے گھروں میں جانا جائز نہیں ہے اور نہ ان مقامات پر جانا جائز ہے جن میں منکرات عام ہوں اور دیکھنے والا انھیں بدلنے' یا ان پر نکیر کرنے' اور ان سے اظہار نفرت و بیزاری کرنے پر قادر نہ ہو' اس لئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق اس شخص پر لعنت ہوتی ہے جو ظلم کی جگہ موجود ہو اور مظلوم کا دفاع نہ کرے' اس حدیث کی رو سے کسی شدید ضرورت کے بغیر کسی ایسی جگہ موجود رہنا جہاں برائی پھیلی ہوئی ہو جائز نہیں' خواہ عدم قدرت کا عذر ہی کیوں نہ ہو' یہی وجہ ہے کہ اکابرین سلف کے ایک گروہ نے گھل مل کر رہنے کے بجائے عزلت کو ترجیح دی کیوں کہ انھوں نے دیکھا کہ کوئی بازار' کوئی محفل' کوئی اجتماع ایسا نہیں ہے جہاں منکر نہ ہو' اور کیوں کہ ہم اپنے ضعف ہمت کی بنا پر اس منکر کے ازالے پر قدرت نہیں رکھتے اس لئے بہتر یہی ہے کہ ہم مخلوق سے کنارہ کشی اختیار کرلیں' حضرت عمر ابن عبدالعزیزؒ فرماتے ہیں کہ اللہ کے ان نیک بندوں نے جنھوں نے سیاحت اختیار کی اپنے وطن اور گھربار محض ان حالات کی بنا پر چھوڑے جن میں ہم آج مبتلا ہیں یعنی انھوں نے دیکھا کہ شر کا دور دورہ ہے' خیر رخصت ہو چکا ہے' نصیحت کا دروازہ بند ہے' کوئی جرأت سے کام لے کر نصیحت کرتا بھی ہے تو اسے منہ کی کھانی پڑتی ہے' انھیں یہ اندیشہ ہوا کہ کہیں فتنے بپا نہ ہوں' اور ان لوگوں کو جنھوں نے خیر کی تمام راہیں مسدود کردی ہیں عذاب نہ دیا جائے' اس لئے انھوں نے ہجرت ہی میں سلامتی محسوس کی' اور ان شرپسندوں کی قربت پر درندوں کی قربت کو اور ان کی نعمتوں پر جنگل کی سبزیوں کو ترجیح دی' پھر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی :۔

فَفِرُّوْا اِلَى اللّٰهِ اِنِّیْ لَكُمْ مِّنْهُ نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ (پ ۲۷ ر ۲ آیت ۵۰)

تو تم اللہ ہی کی طرف دوڑو' میں تمہارے (سمجھانے کے) واسطے اللہ کی طرف سے کھلا ڈرانے والا ہو کر آیا ہوں۔

اسکے بعد فرمایا کہ ترک وطن کر کے جنگل کی زندگی اختیار کرنے کے بعد ان کے حیرت انگیز حالات سننے میں آئے' اگر نبوت میں افضلیت کا کوئی راز پنہاں نہ ہوتا تو ہم یہی کہتے کہ انبیاء ان لوگوں سے افضل نہیں ہیں' ہمیں معلوم ہوا کہ فرشتے ان سے ملاقات کرتے ہیں ان سے مصافحہ کرتے ہیں' بادل اور درندے ان کے پاس سے گزرتے ہوئے ان کی آواز سنتے ہیں تو ٹھہر جاتے ہیں' اور ان کی پکار کا جواب دیتے ہیں' اور اگر وہ ان سے پوچھتے ہیں کہ تمھیں کس جگہ برسنے یا کس جگہ جانے کا حکم ہوا ہے تو وہ انھیں بتلا دیتے ہیں' حالانکہ یہ لوگ نبی نہیں ہیں۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں :۔

من حضر معصیة فكرهها فكانه غاب عنها ومن غاب عنها فاحبها فكانه حضرها (ابن عدی۔ ابو ہریرہؓ)

جو شخص کیس معصیت کی جگہ موجود ہو' اور اس معصیت کو ناپسند کرے تو وہ ایسا ہے گویا اس جگہ نہ تھا' اور جو شخص غائب ہو کر معصیت کو اچھا سمجھے وہ ایسا ہے گویا اس جگہ موجود ہے۔

اس حدیث کے معنی یہ ہیں کہ اگر کوئی شخص کسی ضرورت کے تحت معصیت کی جگہ گیا ہو' یا جانے کے وقت وہ جگہ صحیح تھی اتفاقاً معصیت شروع ہو گئی' ان دونوں صورتوں میں یہی حکم ہے کہ اس معصیت پر اپنی ناپسندیدگی کا ہاتھ زبان یا دل سے اظہار کرے' کسی ایسی جگہ جہاں معصیت ہو رہی ہو قصد و ارادے سے جانا ممنوع ہے حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ روایت کرتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا :۔

مابعث الله عزوجل نبيا الا وله حوارى فيمكث النبى بين اظهرهم ماشاء الله

تعالٰی یعمل فیھم بکتاب اللہ و یامرہ حتٰی اذا قبض اللہ نبیہ مکث الحواریون یعملون بکتاب اللہ و یامرہ و بسنۃ نبیھم فاذا انقرضوا کان من بعدھم قوم یرکبون رؤس المنابر یقولون مایعرفون و یعملون ماینکرون فما ذا رائیتم ذلک وحق علی کل مومن جھاد ھم بیدہ فان لم یستطع فبلسانہ فان لم یستطع فبقلبہ ولیس وراء ذلک الاسلام (مسلم نحوہ)

اللہ تعالٰی نے جس نبی کو بھیجا ہے اسکے حواری بھی ہوئے چنانچہ نبی اپنے حواریوں کے درمیان اس مدت تک رہے گا جو اللہ کو منظور ہوگی ان میں رہ کر اللہ کی کتاب اور اس کے احکام پر عمل کرے گا پھر جب اللہ تعالٰی اپنے نبی کو اٹھالیں گے تو اسکے حواری اللہ کی کتاب اسکے احکام اور اپنے پیغمبر کی سنت پر عمل پیرا رہیں گے پھر جب حواری رخصت ہوجائیں گے تو انکے بعد وہ لوگ آئیں گے جو منبروں پر بیٹھ کر وہ باتیں کریں گے جنہیں جانتے ہیں اور عمل ان باتوں پر ہوگا جن سے وہ واقف نہیں جب تم یہ صورت حال دیکھو تو ہر مومن پر انکے ساتھ ہاتھ سے جہاد کرنا واجب ہے اگر اس کی استطاعت نہ ہو تو زبان سے اس کی بھی استطاعت نہ ہو تو دل سے جہاد کرنا واجب ہے اسکے بعد اسلام نہیں ہے۔

ایک بستی میں دعوت حق کا قصہ : حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ ایک بستی کے لوگ معصیت کی زندگی بسر کررہے تھے صرف چار اللہ کے نیک بندے ایسے تھے جنھیں یہ زندگی ناپسند تھی اور وہ یہ چاہتے تھے کہ بستی کے لوگ حق کی طرف لوٹ آئیں ان چاروں میں سے ایک دعوت و تبلیغ کا عزم لے کر اٹھا بستی کے لوگوں کے پاس پہنچا اور انھیں بتلایا کہ تم فلاں فلاں برائیوں میں مبتلا ہو لوگوں کو اس کی باتیں گراں گزریں اور انھوں نے اسکی نصیحت قبول کرنے سے انکار کردیا داعی نے انھیں برا بھلا کہا ڈرایا دھمکایا مگروہ نہ مانے اور جوابی کاروائی کرتے رہے نوبت جنگ تک پہنچی لڑائی ہوئی ظاہر ہے دشمن کے افراد زیادہ تھے انھیں فتح ہوئی اور وہ شخص دل شکستہ واپس آیا اور ان سے علیحدگی اختیار کرلی اور باری تعالٰی کے حضور یہ دعا کی اے اللہ! میں نے انھیں منع کیا مگروہ باز نہیں آئے میں نے انھیں برا کہا انھوں نے جواب میں مجھے برا کہا میں نے ان سے جنگ کی وہ غالب آئے اور میں نے ہزیمت اٹھائی۔ اسکے بعد دوسرا شخص چلا اور لوگوں کے پاس حق کی روشنی لے کر پہنچا انھیں معاصی سے روکنا چاہا لیکن انھوں نے اطاعت سے انکار کردیا اس نے انھیں سخت سست کہا جواب میں انھوں نے بھی سخت ست کہا یہ شخص بھی واپس چلا آیا اور خدا تعالٰی سے عرض کیا کہ اے اللہ میں نے انھیں منع کیا انھوں نے اطاعت نہیں کی میں نے انھیں برا کہا انھوں نے مجھے برا کہا اگر میں ان سے قتال کرتا تو وہ غالب آجاتے اسلئے میں واپس چلا آیا اب تیسرا شخص اٹھا اور اپنے پیش رووں کے عزم وہمت کی روشنی میں حق کا پیغام لے کر بستی کے لوگوں کے پاس پہنچا انھیں بتلایا کہ تم معصیت میں مبتلا ہو یہ راستہ چھوڑ دو حق کی طرف آجاو لیکن انھوں نے یہ پیغام قبول کرنے سے صاف انکار کردیا وہ شخص انھیں ان کے حال پر چھوڑ کر واپس آگیا اور جناب باری میں عرض کیا کہ اے اللہ! میں نے انھیں منع کیا وہ نہ مانے اگر میں انھیں برا کہتا وہ مجھے برا کہتے میں ان سے قتال کرتا وہ مجھ پر غلبہ پاجاتے اب چوتھے شخص نے ارادہ کیا لیکن چند قدم چل کر واپس آگیا اور عرض کیا کہ اے اللہ! اگر میں انھیں منع کرتا تو وہ میری بات نہ مانتے میں انھیں برا کہتا وہ مجھے برا کہتے میں ان سے جنگ کرتا وہ مجھے شکست دیدیتے یہ واقعہ سنانے کے بعد حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ نے ارشاد فرمایا کہ اول شخص کا درجہ زیادہ بلند ہے ان چاروں میں سب سے کم درجہ اس آخری شخص کا ہے جس نے ارادہ تو کیا لیکن بستی کے لوگوں کا طرز عمل دیکھ کر اسکی ہمت جواب دے گئی لیکن تم میں تو اس جیسے لوگ بھی بہت کم ہیں۔۔۔ حضرت عبداللہ ابن عباس فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا گیا : یا رسول اللہ! کیا وہ بستی بھی تباہ و برباد کردی جائے گی جس میں نیک لوگ موجود ہوں؟ فرمایا : ہاں! عرض کیا گیا : کس جرم میں؟

فرمایا : اسلئے کہ انھوں نے (امر حق بتلانے میں) سستی سے کام لیا اور معاصی پر سکوت اختیار کیا (بزار' طبرانی) حضرت جابر ابن عبداللہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کرتے ہیں :۔

اوحی اللہ تبارک و تعالٰی الی ملک من الملائکۃ ان اقلب مدینۃ کذا و کذا علی اھلھا' فقال : یارب ان فیھم عبدک فلانا لم یعصک طرف عین قال : اقلبھا علیہ و علیھم فان وجھہ لم یتغیر فی ساعۃ قط۔ (طبرانی اوسط۔ بیہقی)

اللہ تبارک و تعالیٰ نے کسی فرشتے کو حکم دیا کہ فلاں شہر کو اس کے رہنے والوں پر الٹ دو' فرشتے نے عرض کیا : یا اللہ! ان لوگوں میں آپ کا فلاں بندہ بھی ہے جس نے ایک لمحہ کے لئے بھی تیری نافرمانی نہیں کی' فرمایا : اس پر بھی الٹ دو اور ان پر بھی' اسلئے کہ یہ وہ شخص ہے کہ اسکا چہرہ تھوڑی دیر کے لئے بھی لوگوں کی حالت دیکھ کر (غصے سے) نہیں تمتمایا۔

حضرت عائشہ کی روایت کے مطابق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا :۔

عذب اھل قریۃ فیھا ثمانیۃ عشر الفا عملھم عمل الانبیاء قالوا : یا رسول اللہ! کیف؟ قال : لم یکونوا یغضبون للہ ولا یامرون بالمعروف ولا ینھون عن المنکر (۱)

ایک بستی کے لوگ عذاب دیئے گئے اس میں اٹھارہ ہزار افراد ایسے تھے جن کے اعمال انبیاء کے اعمال کے مطابق تھے' صحابہ نے عرض کیا : یا رسول اللہ! پھر انھیں عذاب کیسے دیا گیا؟ فرمایا : اسلئے کہ وہ لوگ اللہ کے لئے ناراض ہوتے تھے۔ نہ اچھائی کا حکم دیتے' اور نہ برائی کا حکم کرتے تھے۔

عروہؓ اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بارگاہ خداوندی میں عرض کیا کہ اے رب کریم! تیرا محبوب ترین بندہ کون ہے؟ فرمایا وہ شخص جو میرے حکم کی طرف اس طرح سبقت کرے جس طرح گدھ اپنے شکار پر جھپٹتا ہے' اور جو میرے نیک بندوں سے اس طرح لپٹے جس طرح شیر خوار بچہ اپنی ماں کے پستانوں سے لپٹتا ہے' اور جو میرے حرام کردہ امور کا ارتکاب کرنے والے پر اس طرح غضبناک ہو جس طرح چیتا اپنے دشمن کو دیکھ کر غضبناک ہو جاتا ہے جب چیتا اپنے نفس کی خاطر کسی شخص سے انتقام لینے کے لئے غضبناک ہوتا ہے تو اسے یہ پروا نہیں ہوتی کہ آدمی کم ہیں یا زیادہ۔۔ حضرت ابوذر غفاریؓ فرماتے ہیں کہ حضرت ابوبکرؓ نے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا : یا رسول اللہ! مشرکین سے جنگ کرنے کے علاوہ بھی کوئی جہاد ہے؟ فرمایا : ہاں! اے ابوبکر : روئے زمین پر اللہ کی خاطر جہاد کرنے والے موجود ہیں' وہ زندہ ہیں' انھیں رزق دیا جاتا ہے وہ زمین پر چلتے ہیں' اللہ تعالیٰ آسمان کے فرشتوں کے سامنے ان پر فخر فرماتے ہیں' اور ان کے لئے جنت اس طرح آراستہ کی جاتی ہے جس طرح ام سلمہؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے آراستہ کی گئیں' حضرت ابوبکرؓ نے عرض کیا : یا رسول اللہ! یہ کون لوگ ہیں؟ فرمایا یہ وہ لوگ ہیں جو لوگوں کو بھلائی کا حکم دیتے ہیں' برائی سے روکتے ہیں' اللہ کے لئے محبت کرتے ہیں' اور اللہ کے لئے نفرت کرتے ہیں اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے یہ لوگ جنت میں شہدا کے غرفوں کے اوپر والے غرفوں میں رہیں گے' ان میں سے ہر غرفہ کے تین لاکھ دروازے ہوں گے' ان میں بعض دروازے یاقوت اور سبز زمرد کے ہوں گے' ہر دروازے پر نور ہوگا' ان میں سے ہر شخص ایسی تین لاکھ حوروں سے نکاح کرے گا جو بڑی بڑی آنکھوں والی ہوں گی' جب وہ ان میں سے ایک کی طرف ملتفت ہوگا تو وہ اسے یاد دلائے گی کہ تم نے فلاں روز امر بالمعروف

---

(۱) اس روایت کی کوئی اصل مجھے نہیں ملی

اور نہی عن المنکر کیا کرتے تھے اور وہ مقام یاد دلائے گی جہاں اس نے یہ نیک عمل کیا تھا۔ (۱) حضرت ابوعبیدۃ ابن الجراحؓ روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی جناب میں عرض کیا کہ اللہ کے نزدیک درجے اور فضیلت کے اعتبار سے بڑا شہید کون سا ہے؟ آپ نے فرمایا :-

رجل قام الی وال جائر فامره بالمعروف ونهاه عن المنكر فقتله فان لم يقتله فان القلم لا يجري عليه بعد ذلك وان عاش ما عاش (۲)

وہ شخص جو کسی ظالم حاکم کے سامنے کھڑا ہوا، اور اسے اچھی بات کا حکم دیا اور بری بات سے منع کیا، اس جرم میں حاکم نے اسے قتل کر دیا، اگر اس نے قتل نہ کیا تو اسکے بعد اسکا قلم (قتل کے حکم پر) کبھی نہ چل سکے گا خواہ کتنے ہی دن زندہ کیوں نہ رہے۔

حضرت حسن بصریؒ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :-

افضل شهداء امتي رجل قام الى امام جائر فامره بالمعروف ونهاه عن المنكر فقتله على ذالك، فذالك الشهيد منزلته في الجنة بين حمزة وجعفر (۳)

میری امت کا افضل ترین شہید وہ ہے جو کسی ظالم امام کے سامنے کھڑا ہو، اور اسے اچھی بات کا حکم دے اور بری بات سے منع کرے، اور وہ اس کو اس جرم پر قتل کر دے، جنت میں اس شہید کا درجہ حمزہ اور جعفر کے درمیان ہوگا۔

حضرت عمر ابن الخطابؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا :-

بئس القوم قوم لا يامرون بالقسط وبئس القوم قوم لا يامرون بالمعروف ولا ينهون عن المنكر (۴)

بد ترین لوگ وہ ہیں جو عدل کا حکم نہیں دیتے، بد ترین لوگ وہ ہیں جو نہ اچھائی کا حکم دیتے اور نہ برائی سے منع کرتے ہیں۔

آثار صحابہ و تابعین : حضرت ابوالدرداءؓ فرماتے ہیں کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ ادا کرتے رہو، ایسا نہ ہو کہ اللہ تعالیٰ تم پر کوئی جابر بادشاہ مسلط فرما دیں جو نہ تمہارے بڑوں کی تعظیم کرے، اور نہ تمہارے چھوٹوں پر رحم کرے، تمہارے نیک لوگ اسکے خلاف بد دعائیں کریں تو انکی دعائیں قبول نہ ہوں، تم مدد کے لئے پکارو تو تمہیں مدد نہ ملے، تم مغفرت چاہو تو تمہیں مغفرت حاصل نہ ہو، حضرت حذیفہؓ سے اس شخص کے متعلق دریافت کیا گیا جو زندہ ہونے کے باوجود مردہ ہے، فرمایا وہ شخص جو منکرات کے خلاف استطاعت کے باوجود ہاتھ سے جدوجہد نہ کرے، نہ انھیں زبان سے برا کہے، اور نہ دل سے برا سمجھے، مالک ابن اخبارؒ فرماتے ہیں کہ بنی اسرائیل کے ایک عالم کے پاس مردوں اور عورتوں کا ہجوم رہا کرتا تھا، یہ عالم انھیں وعظ و نصیحت کرتا، اور پچھلی قوموں کے عبرت انگیز واقعات سناتا۔ ایک دن اس نے اپنے بیٹے کو کسی عورت کی طرف ملتفت ہوتے اور آنکھ سے اشارہ کرتے ہوئے دیکھا، یہ حرکت بری تھی، مگر باپ نے بیٹے سے صرف اتنا کہا : بیٹے بس کر، ٹھہر۔ ابھی وہ اپنے بیٹے سے یہ کہہ رہا تھا

---

(۱) اس روایت کی کوئی اصل مجھے نہیں ملی

(۲) یہ روایت بزار میں ہے لیکن اسکا آخری جز فان لم یقتلہ (آخر تک) منکر اضافہ ہے (۳) یہ روایت ان الفاظ میں مجھے نہیں ملی، البتہ حاکم نے مستدرک میں حضرت جابرؓ سے یہ الفاظ نقل کئے جاتے ہیں "سید الشہداء حمزۃ بن عبد المطلب ورجل قام الی امام جائر فامرہ ونہاہ فقتلہ" (۴) یہ روایت ابن حبان نے حضرت جابرؓ سے نقل کی ہے۔ ابو منصور دیلمیؒ نے حضرت عمرؓ کی روایت کا حوالہ دیا ہے، الفاظ نقل کئے ہیں

کہ اپنے تخت سے نیچے گر پڑا، گردن کی ہڈی ٹوٹ گئی، اسکی بیوی کا حمل ساقط ہو گیا، اور اسکے بیٹے جنگ میں مارے گئے۔ اللہ تعالیٰ نے زمانے کے پیغمبر پر وحی بھیجی کہ فلاں عالم سے کہدو کہ میں تیری آنے والی نسلوں میں کبھی کوئی صدیق پیدا نہیں کروں گا، اگر تیرا ہر فعل میری رضا کے لئے ہوتا تو اپنے بیٹے کو یہ نہ کہتا بس کر بیٹا، بلکہ اس کی اس گندی حرکت پر سخت سزا دیتا۔ حضرت حذیفہؓ نے ارشاد فرمایا کہ ایک زمانہ ایسا آنے والا ہے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنے والے مومن کے مقابلے میں مردہ گدھا لوگوں کے نزدیک محبت و احترام کے زیادہ لائق ہوگا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت یوشع ابن نون علیہ السلام پر وحی نازل فرمائی کہ میں تمہاری قوم کے چالیس ہزار اچھے لوگوں کو، اور ساٹھ ہزار برے لوگوں کو ہلاک کروں گا۔ انھوں نے جناب باری میں عرض کیا : یا اللہ بروں کی ہلاکت کی وجہ ظاہر ہے، مگر اچھوں کا کیا قصور ہے کہ انھیں بھی بروں کے درجے میں رکھا گیا، جواب آیا کہ یہ لوگ بروں سے ناراض نہیں ہوئے، اور ان کے ساتھ کھانا پینا باقی رکھا، اگر انھیں ذرا مجھ سے تعلق ہوتا تو وہ بروں کے خلاف جہاد کرتے۔ بلال ابن سعد فرماتے ہیں کہ اگر معصیت چھپا کر کی جائے تو اسکا ضرر صرف عاصی کو ہوتا ہے، لیکن علی الاعلان کی جائے اور دوسرے لوگ منع نہ کریں تو یہ ضرر عاصی سے متعدی ہو کر غیر تک پہنچ جاتا ہے، اور وہ بھی اس معصیت پر خاموش رہنے کی سزا بھگتتے ہیں۔ کعب الاحبارؓ نے ابو مسلم خولانی سے دریافت کیا کہ تمہارا قوم میں کیا مقام اور کیا حیثیت ہے، جواب دیا کہ بڑا اچھا مقام ہے اور بڑی اچھی حیثیت ہے۔ فرمایا : تورات میں کچھ اور لکھا ہے، انھوں نے پوچھا : وہ کیا؟ فرمایا : تورات میں لکھا ہے کہ جو شخص امر بالمعروف اور نہی المنکر پر کاربند رہتا ہے قوم میں اسکا کوئی مقام نہیں رہتا، لوگ اسے ذلت کی نگاہوں سے دیکھتے ہیں، اور اس کے ساتھ توہین آمیز سلوک کرتے ہیں! عرض کیا : تورات سچی ہے، ابو مسلم جھوٹا ہے، حضرت عبداللہ ابن عمرؓ عمال حکومت کے پاس دعوت و ارشاد کی غرض سے تشریف لے جایا کرتے تھے، اچانک یہ سلسلہ موقوف کردیا، لوگوں نے اسکی وجہ دریافت کی، فرمایا : انھیں کچھ کہوں تو شاید وہ یہ سمجھیں کہ میرے قول و عمل میں تضاد ہے، اور نہ کہوں تو امر و نہی کا تارک بنوں، اور گناہ کماؤں۔ اس سے ثابت ہوا کہ جو شخص امر بالمعروف اور نہی عن المنکر سے عاجز ہو اسے اسطرح کے مقامات پر ٹھہرنا نہ چاہیے جہاں بالمعروف اور نہی عن المنکر کی ضرورت پیش آئے، حضرت علی ابن ابی طالبؓ فرماتے ہیں کہ پہلا جہاد جس کا تم سے مطالبہ کیا جاتا ہے ہاتھ کا جہاد ہے، پھر زبان کا جہاد ہے، اور آخری درجہ میں دل کا جہاد ہے، اگر آدمی کا دل معروف کو معروف اور منکر کو منکر نہ سمجھے تو اسے اوندھا کردیا جاتا ہے، یعنی اس سے حق کی روشنی سلب کرلی جاتی ہے، اور باطل کی تاریکی دیدی جاتی ہے، سہل ابن عبداللہ تستریؒ فرماتے ہیں کہ جس شخص نے اپنی ذات سے متعلق اوامر الٰہی کی پابندی کی، اور دوسروں کو معصیت کا ارتکاب کرتے ہوئے دیکھ کر دل میں برا جانا اس نے گویا، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا وہ فریضہ ادا کردیا جو دوسروں کے سلسلے میں اس پر عائد ہوا ہے۔ یہاں یہ بات ضرور یاد رکھنی چاہئے کہ دل سے امر معروف اور نہی منکر کا فریضہ اس وقت ادا ہوتا ہے جب ہاتھ اور زبان سے ادا کرنے کی قدرت نہ ہو۔ فضیل ابن عیاضؒ سے کسی شخص نے پوچھا کہ تم امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کیوں نہیں کرتے، فرمایا : بعض لوگوں نے ایسا کیا اور کافر ہو گئے، مطلب یہ ہے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنے کی پاداش میں انھیں جو اذیتیں دی گئیں ان پر وہ صبر نہ کرسکے۔ سفیان ثوریؒ سے کسی شخص نے یہی سوال کیا، آپ نے جواب میں فرمایا کہ جب سمندر اپنا رخ بدل دے تو کس کی ہمت ہے کہ اس کے آگے رکاوٹ کھڑی کرے۔۔۔ ان دلائل سے ثابت ہوا کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر واجب ہے، اور یہ وجوب ادا پر قادر ہونے کی صورت میں ساقط نہیں ہوتا۔ ہاں اگر قدرت ہی نہ ہو تو مجبوری ہے۔

دوسرا باب

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے ارکان و شرائط

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے لئے ایک اصطلاح مقرر کرلی گئی ہے حسبۃ (احتساب)۔ ذیل میں ہم حسبۃ کے ارکان و شرائط ذکر کررہے ہیں۔ حسبہ کے چار ارکان ہیں محتسب (احتساب کرنے والا) محتسب علیہ (جس کا احتساب کیا جائے) محتسب فیہ (جس امر کے سلسلے میں احتساب کیا جائے) اور احتساب (محاسبے کا عمل)۔ ان میں سے ہر رکن کی الگ الگ شرائط ہیں۔

پہلا رکن محتسب : محتسب کی شرائط یہ ہیں کہ وہ عاقل بالغ ہو' مسلمان ہو' اور احتساب پر قدرت رکھتا ہو' اس تعریف سے پاگل' بچہ' کافر' اور عاجز نکل گئے' ان کے علاوہ تمام افراد داخل ہوگئے خواہ وہ عوام ہوں یا خواص انھیں حاکم وقت کی طرف سے احتساب کی اجازت ہو یا نہ ہو' اس تعریف کی رو سے فاسق عورت اور غلام کو بھی احتساب کا حق حاصل رہا۔ بعض لوگوں نے عدالت اور اذن امام کی شرط بھی لگائی ہے۔

پہلی شرط تکلیف : تکلیف عقل و بلوغ سے عبارت ہے' اسے بطور تسلیم کرنے کی وجہ ظاہر ہے کہ مکلف شرعی احکام خطاب کا عاقل و بالغ ہے' غیر مکلف سے نہ خطاب کیا گیا اور نہ وہ کسی حکم کا پابند ہے۔ لیکن اس سے شرط وجوب مراد ہے نہ کہ شرط جواز۔ یعنی عاقل و بالغ پر احتساب کرنا ضروری ہے۔ رہی جواز و امکان کی بات تو اس میں عقل کی بلاشبہ ضرورت ہے کیوں کہ عقلمند ہی صحیح طور پر یہ فریضہ ادا کرسکتا ہے' لیکن بلوغ ضروری نہیں ہے' ایک ایسا بچہ بھی منکر پر نکیر کرسکتا ہے جسے اچھے برے میں تمیز کرنے کا سلیقہ ہو' مثلاً یہ کہ وہ شراب بہادے' لہو و لعب کے آلات توڑ ڈالے' اگر اس نے ایسا کیا تو وہ اجر کا مستحق ہوگا' کسی شخص کے لئے جائز نہیں کہ وہ اسے شراب بہانے اور لہو و لعب کے آلات توڑنے سے یہ کہہ کر روک دے کہ تم ابھی مکلف نہیں ہو' اسلئے کہ احتساب نماز اور روزے کی طرح ایک عبادت' اور باعث اجر عمل ہے' یہ ولایت نہیں ہے کہ اسکے جواز میں بھی عقل و بلوغ کی شرط لگائی جائے' یہی وجہ ہے کہ ہم نے محتسب کے لئے آزاد غلام' اور عام و خاص کا کوئی فرق نہیں رکھا' یہ صحیح کہ منکر سے عمل کے ذریعہ منع کرنے میں ایک طرح کی ولایت اور سلطنت ہے' لیکن یہ ولایت اور سلطنت محض ایمان کی بدولت اسے حاصل ہوئی ہے' بلوغ کی وجہ سے نہیں' یہ ایسا ہی ہے کہ جیسے مشرک کو قتل کرنا' اسکا مال و اسباب اور اسلحہ چھین لینا' بڑوں کی طرح بچوں کو بھی ایسا کرنے کی اجازت ہے بشرطیکہ انھیں اس طرح کے کسی فعل سے کوئی نقصان نہ ہو' جس طرح کفر سے منع کرنا جائز ہے اسی طرح روکنا بھی جائز ہے۔

دوسری شرط ایمان : اس شرط کی وجہ صاف ظاہر ہے' اسلئے کہ احتساب دین کی مدد اور نصرت کا نام ہے' وہ شخص اسکا اہل کیسے ہوسکتا ہے جو دشمن دین اور منکر خدا ہو۔

تیسری شرط عدل : بعض لوگوں نے عدالت کی شرط لگائی ہے' ان کے خیال میں فاسق کو احتساب کا حق حاصل نہیں ہے' اس سلسلے میں ان حضرات نے ان آیات و روایات سے استدلال کیا ہے جن میں قول و عمل کے تضاد کی مذمت کی گئی ہے' مثلاً یہ آیت :-

اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ (پ ا ر ۵ آیت ۴۴)

کیا غضب ہے کہ کہتے ہو اور لوگوں کو نیک کام کرنے کو اور اپنی خبر نہیں لیتے۔

ایک جگہ ارشاد فرمایا :-

كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَالَا تَفْعَلُوْنَ (پ۲۸ ر۹ آیت ۳)

خدا کے نزدیک یہ بات بہت ناراضی کی ہے کہ ایسی بات کہو جو کرو نہیں

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں :-

مررت ليلة اسرى بى بقوم تقرض شفاهم بمقاريض من نار فقلت من انتم فقالوا كنا نامر بالخير ولا ناتيه و نهى عن الشر و ناتيه (۱)

معراج کی رات میرا گزر ایسے لوگوں پر ہوا جن کے ہونٹ آگ کی قینچیوں سے تراشے جا رہے تھے میں نے ان سے پوچھا تم لوگ کون ہو' انھوں نے کہا کہ ہم دوسروں کو اچھے کام کا حکم دیتے تھے' اور خود وہ کام نہ کرتے تھے دوسروں کو برے کام سے روکتے تھے' اور خود وہ کام کرتے تھے۔

عدل کی شرط لگانے والوں کی تیسری دلیل یہ روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر وحی نازل فرمائی کہ اے عیسیٰ! پہلے تم اپنے نفس کو نصیحت کرو' جب وہ تمہاری نصیحت مان لے اور اس پر عمل کرنے لگے تب دوسروں کو نصیحت کرو' ورنہ مجھ سے حیا کرو' علاوہ ازیں قیاس بھی یہی کہتا ہے کہ عدل شرط ہو' کیوں کہ احتساب کا مطلب ہے محتسب علیہ کو حق راستہ دکھانا' اور یہ راستہ اس وقت دکھلایا جا سکتا ہے کہ راہ دکھلانے والا خود بھی راہ پر ہو' دوسروں کو سیدھا کرنے کے لئے ضروری ہے کہ خود ٹیڑھا نہ ہو' اصلاح کا نصاب مکمل ہونے پر اصلاح کی زکوٰۃ واجب ہوتی ہے' فاسق کا ابھی نصاب ہی مکمل نہیں وہ زکوٰۃ کیا دے گا۔

عدل کی شرط غیر ضروری ہے : لیکن ہم اس شرط کے خلاف ہیں' ہمارے خیال میں فاسق کو بھی احتساب کا حق حاصل ہے' کیا محتسب کے لئے تمام گناہوں سے پاک ہونا شرط ہے' اگر یہ شرط ہے تو خلاف اجماع ہے' بلکہ احتساب کا دروازہ ہی بند کرنا ہے' کیوں کہ نہ ایسے لوگ ملیں گے اور نہ احتساب کا عمل ہو گا۔ بعد کے لوگوں میں تو معصوم عن الخطا کہاں ملیں گے خود صحابہ بھی معصوم نہ تھے' انبیاء علیہم السلام کی عصمت میں بھی بعض لوگوں نے اختلاف کیا ہے' اور ان آیات سے استدلال کیا ہے جن میں حضرت آدم علیہ السلام اور دیگر انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام کی طرف خطا کی نسبت کی گئی ہے' یہی وجہ ہے کہ حضرت امام مالکؒ کو سعید ابن جبیرؒ کا یہ قول بے حد پسند آیا کہ اگر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے لئے بے گناہ اور معصوم عن الخطا ہونے کی شرط لگا دی جائے تو کوئی شخص بھی اس کی تعمیل نہ کر سکے گا' اگر عدل کی شرط لگانے والے یہ دعویٰ کریں کہ ہماری مراد کبائر سے ہے نہ کہ صغائر سے' چنانچہ ریشمی کپڑا پہننے والے کے لئے جائز ہے کہ وہ زنا اور شراب نوشی سے منع کر دے ہم ان لوگوں سے پوچھتے ہیں کہ کیا شراب پینے والے کے لئے کفار سے جہاد کرنا اور انھیں کفر سے روکنا جائز ہے۔ اگر جواب نفی میں ہے تو یہ خلاف اجماع ہے اسلئے کہ اسلامی لشکروں میں نیک و بد ہر طرح کے افراد رہے ہیں حتیٰ کہ شراب پینے والوں اور یتیموں پر ظلم کرنے والوں نے بھی غزوات میں شرکت کی ہے' نہ انھیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں جہاد سے منع کیا گیا' نہ دور صحابہ میں' اور نہ بعد کے ادوار میں۔ اگر جواب اثبات میں ہے تو ان سے ہمارا دوسرا سوال یہ ہو گا کہ شراب پینے والے کے لئے کسی کو قتل کے ارتکاب سے روکنا جائز ہے یا نہیں؟ اگر ان کا جواب ہے "نہیں" تو ہم دریافت کریں گے کہ شراب پینے والے اور ریشمی لباس پہننے والے میں کیا فرق ہے کہ ریشمی لباس پہننے والا شراب پینے سے منع کر سکتا ہے' لیکن شراب پینے والا قتل سے نہیں روک سکتا' حالانکہ قتل شراب نوشی کے مقابلے میں اتنا ہی مذموم اور ناپسندیدہ فعل ہے جیسے ریشمی لباس پہننے کے مقابلے میں شراب نوشی مذموم و ناپسندیدہ ہے' ہمیں تو کوئی فرق معلوم نہیں ہوتا؟ اگر وہ اسے جائز کہیں اور ساتھ ہی اس جواز کی تحدید بھی کر دیں کہ جو شخص ایک گناہ کا مرتکب ہوا ہے وہ اس درجے کے یا اس سے کم درجے کے گناہ سے منع نہیں کر سکتا' البتہ بڑے گناہ سے روک سکتا ہے' ان کی یہ

---

(۱) یہ روایت کتاب العلم میں گزر چکی ہے

تحدید خود ساختہ قرار پائے گی' وہ اپنے اس دعوے پر کوئی صحیح شرعی دلیل پیش نہیں کرسکتے' جس طرح یہ بعید نہیں کہ شراب نوش زنا اور قتل سے منع کرے یہ بھی بعید نہیں کہ آدمی خود شراب پئے' اور اپنے نوکروں اور غلاموں کو منع کرے' اور یہ کہے کہ مجھ پر شراب سے رکنا بھی واجب ہے اور دوسروں کو اس سے روکنا بھی واجب ہے' اگر میں نے ایک واجب ادا نہ کرکے باری تعالیٰ کی معصیت کی ہے تو اس سے کہاں لازم آتا ہے کہ دوسرا واجب بھی ادا نہ کروں اور عاصی ٹھیروں یہ دونوں واجب الگ الگ ہیں ایک واجب ادا نہ کرنے سے دوسرا واجب ساقط نہیں ہوتا' یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ شراب نوشی سے منع کرنا اس پر اس وقت تک واجب ہے جب تک وہ خود شراب نہ پئے' اگر پی لے گا تو اسے منع کرنے کا اختیار نہیں رہے گا۔

وضوء اور نماز پر قیاس: ہماری اس تقریر پر بعض لوگ یہ اعتراض کرسکتے ہیں کہ اگر ایک شخص پر دو واجب ہوں' اور وہ ایک واجب ادا کرے' اور دوسرا واجب ادا نہ کرے اور یہ کہے کہ میں نے ایک واجب ادا نہ کرکے باری تعالیٰ کی معصیت کی ہے کیا ضروری ہے کہ میں دوسرا واجب بھی ادا نہ کروں' یہ ایسا ہی ہے جیسے کسی شخص پر وضو اور نماز دونوں واجب ہوں' اور وہ صرف وضو کرکے یہ کہے کہ میں ایک واجب ادا کرتا ہوں گو دوسرا واجب ادا نہ کروں یا ایک شخص یہ کہے کہ میں سحری کھاتا ہوں اگرچہ روزہ نہ رکھوں' مستحب میرے لئے دونوں ہیں۔ ایک مستحب پر عمل نہ کرنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ دوسرے مستحب پر بھی عمل نہ کیا جائے ایسے شخص سے یقیناً یہی کہا جائے گا کہ ان دونوں میں سے ایک عمل دوسرے پر مرتب ہے' یہی بات ہم اس شخص سے کہیں گے جو خود صالح نہیں لیکن دوسرے کی اصلاح کرنا چاہتا ہے حالانکہ دوسروں کو راہ راست دکھلانا اپنی راستی پر موقوف ہے' پہلے اپنے نفس کی اصلاح کرے' پھر اپنے متعلقین کی' ہمارے نزدیک صلاح اور اصلاح کو وضو اور نماز' یا سحری اور روزہ پر قیاس کرنا صحیح نہیں ہے' اسلئے کہ سحری روزے کے لئے ہوتی ہے اگر روزہ نہ ہوتا تو سحری کھانا بھی مستحب نہ ہوتا' اور جو چیز غیر کے لئے مطلوب ہوتی ہے وہ غیر سے جدا نہیں ہوتی' اصلاح غیر اور اصلاح نفس ایک دوسرے کے لئے لازم و ملزوم نہیں ہیں' اسلئے یہ کہنا دعویٰ بلادلیل ہوگا کہ غیر کی اصلاح اپنی اصلاح پر موقوف ہے' وضو اور نماز کے سلسلے میں کہا جاسکتا ہے کہ جس شخص نے وضو کیا نماز نہ پڑھی اس نے گویا ایک واجب ادا کیا اور ایک واجب ترک کیا' اسے اس شخص کی بہ نسبت کم ثواب ملے گا جس نے نہ نماز پڑھی' اور نہ وضو کیا' اس سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ جس نے خود گناہ کیا لیکن دوسرے کو گناہ سے روکا اسے اس شخص کی بہ نسبت کم عذاب ہوگا جسنے خود بھی گناہ کیا اور دوسرے کو بھی گناہ سے نہیں روکا بلکہ وضو اور نماز کے سلسلے میں تو یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ وضو نماز کے لئے شرط ہے بذات خود مقصود نہیں ہے۔ چنانچہ اگر کوئی وضو نہ کرے اور نماز پڑھ لے تو نماز نہ ہوگی' لیکن احتساب میں خود رکنا شرط نہیں ہے۔ احتساب کا عمل اس وقت بھی صحیح قرار پائے گا جب کہ وہ زیر احتساب امر کا مرتکب ہو' یہ دونوں امور باہم مشابہ نہیں ہیں' اسلئے انھیں ایک دوسرے پر قیاس کرنا بھی غلط ہے۔

ہماری اس تقریر کے جواب میں کہنے والا کہہ سکتا ہے کہ کسی ایک گناہ میں مبتلا ہو کر اس سے کم تر کسی گناہ پر احتساب مضحکہ خیز معلوم ہوتا ہے مثلاً ایک شخص نے کسی عورت سے زبردستی زنا کیا' وہ عورت چہرے پر نقاب ڈالے ہوئی تھی جب اس نے دیکھا کہ مرد نے اس پر زبردستی قابو پالیا ہے تو اپنے چہرے سے نقاب الٹ دیا' مرد نے زنا کے دوران ہی عورت سے کہا زنا کے معاملے میں تمہارے ساتھ زبردستی کی جارہی ہے لیکن پردہ کرنے میں تم مختار ہو' تمہیں کسی اجنبی غیر محرم کے سامنے اسطرح بے نقاب نہ ہونا چاہیے میں تمہارے لئے نامحرم ہوں اسلئے اپنا چہرہ چھپالو' یہ احتساب انتہائی مذموم ہے' ہر باشعور' حساس اور طبع سلیم کا مالک یہ بات ناپسند کرتا ہے کہ کوئی شخص اتنے گھناؤنے جرم میں مبتلا ہو' اور دوسروں کو نصیحتوں سے نوازے۔ ہمارا جواب یہ ہے کہ بعض اوقات طبائع حق کو برا اور باطل کو اچھا سمجھتی ہیں' لیکن حق و باطل کا دار و مدار دلائل پر ہے' طبائع کی نفرت و پسندیدگی پر نہیں ہے۔ اب پیش کردہ مثال کا جائزہ لیجئے' ہم پوچھتے ہیں کہ حالت زنا میں مرد کا عورت سے کہنا کہ اپنا چہرہ مت کھولو' میں تمہارے لئے نامحرم اور اجنبی ہوں واجب ہے' حرام ہے' مباح ہے؟ اگر تم اسے واجب کہو تو ہمارا مقصد حاصل ہے اس لئے کہ نامحرم کے سامنے چہرہ

کھولنا معصیت ہے 'اور معصیت سے منع کرنا حق ہے 'اگر اسے مباح کہو تو اس کے معنی یہ ہوئے کہ مرد کو احتساب کا حق حاصل ہے 'اگر حاصل نہ ہوتا تو تم اسے مباح کیسے کہتے 'اب اگر تم کہنے لگو کہ حرام ہے ہم عرض کریں گے کہ احتساب واجب تھا' کس وجہ سے حرام ہوگیا' اگر زنا کے ارتکاب سے حرام ہوا تو یہ بات حیرت انگیز ہے کہ ایک حرام فعل کے ارتکاب سے دوسرا واجب فعل حرام ہوگیا۔ تم نے اپنے اعتراض میں طبائع کی نفرت کا حوالہ دیا ہے 'ہمارے خیال میں طبائع کے نزدیک اس فعل کی کراہت تین وجوہات سے ہے۔ ایک یہ کہ اس نے جو چیز زیادہ اہم تھی اسے ترک کیا' یعنی زنا سے بچنا زیادہ اہم تھا' لیکن اس نے زنا سے بچنے کے بجائے ایک ایسے امر میں مشغول ہونا پسند کیا جو نسبتاً زیادہ اہم نہیں تھا' یعنی زنا کی حالت میں منہ ڈھانپنا' طبائع جس طرح اہم امر کے بجائے لایعنی امر میں مشغولیت سے تنفر کرتی ہیں' اسی طرح وہ زیادہ اہم امور کے بجائے نسبتاً کم اہم امور میں اشتغال کو بھی پسند نہیں کرتیں' مثلاً ایک شخص غصب کردہ مال سے احتراز کرے' اور سود پابندی سے کھائے' یا غیبت سے پرہیز کرے لیکن جھوٹی گواہی دینے میں کسی بخل سے کام نہ لے۔ جھوٹی گواہی دینا غیبت سے کہیں زیادہ برا فعل ہے' اسلئے کہ غیبت میں تو آدمی وہی بات کہتا ہے جو حقیقت میں موجود ہو' جھوٹی گواہی خالص کذب پر مبنی ہوتی ہے' اسمیں صداقت کا شائبہ تک نہیں ہوتا۔ یہی وجہ ہیکہ طبیعتیں ایسے شخص سے تنفر کرتی ہیں جو جھوٹی گواہی دینے میں کوئی قباحت نہیں سمجھتا' اور غیبت کو برا جانتا ہے' لیکن طبیعتوں کی اس نفرت سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ ترک غیبت واجب نہیں ہے اور نہ یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ اگر کسی نے غیبت کی' یا غصب کا مال کھایا تو اسے زیادہ عذاب نہیں دیا جائے گا' طبائع کی نفرت کی دوسری وجہ یہ ہے کہ اسنے کم تر کو اختیار کیا' اور اکثر کو چھوڑا' یہ ایسا ہی ہے جیسے کسی کا گھوڑا اور لگام دونوں گم ہوجائیں اور وہ گھوڑے کے بجائے لگام تلاش کرے' حالانکہ لگام گھوڑے کے مقابلے میں غیر اہم چیز ہے' یہی فرق اپنی اور غیر کی ذات میں ہے' اگر دونوں گمراہ ہوں تو غیر کی اصلاح میں لگنے کے بجائے اپنی اصلاح کرنی چاہیے' یہ نفرت طبیعت کا تقاضا ہے' ضروری نہیں ہے کہ شریعت کا مطلوب بھی یہی ہو۔ تیسری وجہ یہ ہے کہ احتساب کبھی زبانی وعظ و نصیحت کے ذریعے ہوتا ہے اور کبھی قہر سے' یہ بات عام طور پر دیکھی جاتی ہے کہ جو شخص خود نصیحت قبول نہیں کرتا اس کی نصیحت بھی قبول نہیں کی جاتی۔ ہماری رائے میں جس شخص کا فسق معلوم و متعارف ہو' اور خیال یہ ہو کہ لوگ اسکی نصیحت کا اثر نہیں لیں گے ایسے شخص پر وعظ و نصیحت کے ذریعے احتساب واجب نہیں ہے' کیونکہ فسق نے وعظ و نصیحت کی افادیت ختم کردی ہے' اور جب افادیت باقی نہیں رہی تو وجوب بھی ساقط ہوگیا۔ قہر کے ذریعے احتساب کا مطلب یہ ہے کہ لوگ اسکے خوف سے اسکے اوامر نواہی کی تعمیل کریں' مگر یہ کامل قہر نہیں ہے' کامل قہر نہ صرف فعل سے ہوتا ہے بلکہ حجت سے بھی ہوتا ہے' یعنی اسکے پاس حجت بھی ایسی ہو کہ لوگ حرف شکوہ زبان پر نہ لاسکیں' لیکن فاسق کے پاس حجت نہیں ہوتی' لوگ زبان سے نہ کہیں لیکن دل میں یہ ضرور سوچیں گے کہ کہنے والا خود وہ عمل نہیں کرتا جس کا ہم سے مطالبہ کررہا ہے' لیکن وہ اس کے غلبہ فعل سے خاموش رہیں گے' اور دل ہی دل میں اس کے فعل سے نفرت کریں گے۔ مگر اس نفرت سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ فعل حق نہیں رہا۔ مثلاً کسی شخص نے ایک مسلمان کو پنجہ جبر و استبداد سے نجات دلائی' مظلومین میں اس کا باپ بھی موجود تھا' مگر اس نے باپ کو آزاد نہیں کرایا' طبیعتیں یقیناً اسکو برا سمجھیں گی جس نے اپنے باپ کو رہا کرانے کے بجائے ایک غیر آدمی کو رہائی دلائی۔ لیکن کیا طبیعتوں کے برا سمجھنے سے یہ لازم آتا ہے کہ غیر کو نجات دلانا حق نہیں ہے۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ زبانی وعظ و کے ذریعے اس شخص کا احتساب فاسق پر واجب نہیں ہے کہ جس پر اس کا فسق ظاہر ہو' اسلئے کہ وہ نہ اسکی سنے گا' اور نہ اس نصیحت پر عمل کرے گا بہرحال اگر کسی شخص پر زبانی وعظ واجب نہ ہو' اور وہ یہ سمجھے کہ میں جن لوگوں کو وعظ کرنا چاہتا ہوں وہ جواب میں انکار سے پیش آئیں گے' اور مجھے برا بھلا کہیں گے تو ایسے شخص کے لئے وعظ کرنا جائز نہیں ہے۔ احتساب کی یہ دو قسمیں ہوئیں' جہاں تک پہلی قسم یعنی وعظ کا تعلق ہے اسکے ذریعے احتساب کا حق باطل ہوجاتا ہے۔ اور عدالت شرط قرار پاتی ہے' دوسری قسم یعنی قہری احتساب میں عدالت شرط نہیں ہے' اگر کوئی شخص اپنی طاقت' اقتدار یا اختیار

کی بنا پر شراب کے برتن' اور لہو ولعب کے آلات توڑ سکتا ہے تو اسے ایسا کرنا چاہیے' اس مسئلے میں حق اور انصاف کی بات یہی ہے۔

آیات سے استدلال : اب رہا یہ سوال کہ فاسق کو احتساب کے حق سے محروم کرنے والوں نے جن آیات و روایات سے استدلال کیا ہے ان میں قول و فعل کے تضاد کی مذمت ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ آیات میں قول و فعل کے تضاد کی مذمت نہیں ہے' بلکہ انکے اس احمقانہ حرکت کی برائی مذکور ہے کہ وہ خود تو معروف پر عمل پیرا نہیں ہوئے' اور دوسروں کو معروف کا امر کرکے اپنے علم کی قوت کا مظاہرہ کیا ہے' حالانکہ عالم کو عذاب شدید ہوتا ہے' کیونکہ قوت علم کی موجودگی میں بے عملی پر اس کے پاس کوئی عذر نہیں ہوتا' باری تعالیٰ کا یہ ارشاد :۔

لِمَ تَقُولُونَ مَالَا تَفْعَلُونَ (پ۲۸ ر۹ آیت ۲)

ایسی بات کیوں کہتے ہو جو کرتے نہیں ہو۔

دراصل ان لوگوں کی مذمت میں ہے جو وعدہ خلافی کرتے ہیں' اسی طرح یہ آیت :۔

وَتَنسَوْنَ أَنفُسَكُمْ (پ ۱ ر ۵ آیت ۴۴)

ان لوگوں کی مذمت میں وارد ہے جو اپنے نفسوں کو بھول گئے اور ان کی اصلاح کی درپے نہیں ہوئے' مذمت کی وجہ یہ نہیں ہے کہ انھوں نے دوسروں کی اصلاح کا بیڑہ اٹھایا اور انھیں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کیا۔ تاہم دوسروں کا ذکر اس لئے کیا گیا تاکہ یہ ثابت ہوسکے کہ وہ معروف اور منکر علم رکھتے ہیں' اور اس کے باوجود اپنے نفسوں سے غافل ہیں' اس غفلت کا عذاب شدید ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے یہ خطاب (عظ نفسک) پہلے اپنے نفس کو وعظ کر' زبانی وعظ کے ذریعہ احتساب کے سلسلے میں ہے۔ اور یہ بات ہم بھی تسلیم کرچکے ہیں ظاہری فسق میں مبتلا شخص کا زبانی وعظ کارآمد نہیں ہوتا خطاب کا منشاء یہی ہے کہ پہلے اپنے آپ کو ٹھیک کرتا کہ تیرا زبانی وعظ ان لوگوں کے حق میں مفید ثابت ہو جو تجھ سے واقف ہیں' اسی روایت میں باری تعالیٰ کا یہ ارشاد بھی ہے' "مجھ سے حیا کر" لیکن اس سے بھی غیر کو وعظ کرنے کی حرمت ثابت نہیں ہوتی۔ بلکہ معنی یہ ہیں کہ مجھ سے شرم کر' اور زیادہ اہم (اصلاح نفس) کو چھوڑ کر کم اہم (اصلاح غیر) میں مشغول مت ہو' یہ ایسا ہی ہے جیسے کوئی شخص کہے' "شرم کر تجھے اپنے باپ کے مقابلے میں پڑوسی کا لحاظ پاس زیادہ ہے"۔

یہاں ایک اور سوال پیدا ہوتا ہے' اور وہ یہ ہے کہ فاسق کو احتساب کا حق حاصل ہونے کا مطلب یہ ہوا کہ ذمی کافر بھی کسی مسلمان سے احتساب کرسکتا ہے' اور اسے زنا کرتے ہوئے دیکھ کر یہ کہہ سکتا ہے کہ زنامت کر' ذمی کا یہ کہنا فی نفسہ حق ہے' اس لئے حرام تو ہو نہیں سکتا' صرف مباح یا واجب ہوسکتا ہے' اس کے معنی یہ ہیں کہ ذمی نے مسلمان کو زنا سے روک کر امر واجب ادا کیا' یا امر مباح پر عمل کیا؟ ہمارے خیال میں اگر ذمی کافر کسی مسلمان کو اپنے فعل سے روکے تو اسے ایسا کرنے سے منع کیا جائے گا کیوں کہ یہ غلبے کی صورت ہے' اور اسلامی حکومت میں کافر غالب ہو کر نہیں رہ سکتا۔ ارشاد باری ہے :۔

وَلَن يَجْعَلَ اللَّهُ لِلْكَافِرِينَ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ سَبِيلًا (پ۵ ر۱۷ آیت ۱۴۱)

اور ہرگز اللہ تعالیٰ کافروں کو مسلمانوں کے مقابلے میں غالب نہ فرماویں گے۔

البتہ کافر ذمی کا یہ کہنا کہ زنامت کر فی نفسہ حرام نہیں ہے' لیکن اگر وہ مسلمان پر برتری حاصل کرنے' یا حکم چلانے کے ارادے سے کہہ رہا ہے تو اسے منع کیا جائے گا' فاسق مسلمان اگرچہ ذلت کا مستحق ہے' لیکن کافر کے مقابلے میں بہرحال عزت رکھتا ہے' مسلمان کی عزت نفس کا تقاضا یہ ہے کہ غیر مسلم کو اس پر برتری حاصل کرنے کا موقع نہ دیا جائے۔ ہم یہ نہیں کہتے کہ کافر ذمی کو اس بنا پر سزا دی جائے گی کہ اس نے مسلمان کو زنا سے منع کیا' اس کے برعکس ہم یہ کہتے ہیں کہ اگر وہ فروغ دین میں مخاطب مانا جائے تو اسکے لئے مسلمان کو زنا سے روکنے کیلئے یہ کہنا ضروری ہوگا کہ زنامت کر۔ لیکن یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے' اور زیر بحث موضوع

سے خارج بھی ہے' اسلئے ہم اسی پر اکتفا کرتے ہیں' ہم نے فقہی کتابوں میں ذمی کے متعلقہ مسائل پر اچھی خاصی گفتگو ہے' جو لوگ دیکھنا چاہیں وہ ان کتابوں میں دیکھ لیں۔

چوتھی شرط۔ امام یا حاکم کی اجازت : بعض لوگوں نے احتساب کے لئے یہ شرط بھی لگائی ہے کہ محتسب امام وقت یا حاکم کی طرف سے اجازت یافتہ ہو۔ ان کے نزدیک رعایا میں سے کسی ایسے فرد کو احتساب کا حق حاصل نہیں ہے جسے امام یا حاکم کی اجازت حاصل نہ ہو۔ لیکن ہمارے خیال میں شرط فاسد ہے' امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے وجوب اور فضائل کے سلسلے میں ہم نے جن آیات اور روایات سے استدلال کیا ہے ان سے ثابت ہوتا ہے کہ منکر دیکھ کر خاموش رہنے والا گنہگار ہے۔ کیوں کہ منکر سے منع کرنا اس پر واجب ہے خواہ کہیں بھی دیکھے' اور کسی بھی حالت میں دیکھے' امام کی طرف سے اجازت یا تفریض کی قید کے ذریعہ احتساب سے حق کو مخصوص کرنا بے بنیادی دعویٰ ہے' روافض پر ہمیں حیرت ہوتی ہے کہ وہ ان سے بھی آگے بڑھ گئے' اور یہ دعویٰ کر بیٹھے کہ جب تک امام معصوم ظاہر نہ ہوں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنا جائز نہیں ہے۔ یہ لوگ اس قابل ہی نہیں کہ ان سے کوئی علمی مناقشہ کیا جائے' اور اس بے بنیاد گمراہ کن خیال کے رد میں کتاب و سنت سے دلائل فراہم کئے جائیں' ان کا جواب اتنا ہے کہ جب یہ لوگ اپنے مالی اور غیر مالی حقوق حاصل کرنے کے لئے مسلمان قاضیوں کی عدالتوں میں حاضر ہوں تو ان سے کہہ دیا جائے کہ تمہاری مدد کرنا امر بالمعروف ہے' اور ظالموں سے تمہارے مطالبات تسلیم کرانا نہی عن المنکر ہے' اور کیوں کہ تمہارے عقیدے کی رو سے اس زمانے میں نہی عن المنکر اور امر بالمعروف کرنا جائز نہیں ہے اسلئے ہم تمہاری درخواستیں خارج کرتے ہیں' ابھی امام برحق ظاہر نہیں ہوئے' جب وہ ظاہر ہوں گے تب اپنے حقوق طلب کرنا۔

اب اگر کوئی شخص یہ کہے کہ احتساب محتسب کی برتری' اور محتسب علیہ پر اس کی حکومت و سلطنت کے اظہار کا ایک ذریعہ ہے' یہی وجہ ہے کہ کافر کو یہ اجازت نہیں دی گئی کہ وہ مسلمان کا احتساب کرے حالانکہ برائی سے منع کرنا اور اچھائی کا حکم دینا حق ہے اس لئے مناسب یہی ہے کہ ہر کس و ناکس کو احتساب کا حق نہ دیا جائے' بلکہ صرف وہی لوگ یہ فریضہ انجام دیں جنہیں حاکم وقت نے اس کا اختیار دیا ہو۔ ہمارا جواب یہ ہے کہ کافر کو مسلمان کے احتساب کی اجازت اسلئے نہیں دی گئی کہ اسمیں ایک نوع کی حکومت اور بالاتری ہے اور کافر اپنے کفر کی بنا پر ذلیل ہے اس لئے اسے کسی مسلمان سے بالاتر ہونے اور حکم چلانے کا اعزاز حاصل کرنے کی اجازت نہیں دی جائے گی' جب کہ مسلمان اپنے ایمان کی وجہ سے باعزت ہے' اور وہ حصول عزت کے ان بنیادی ذرائع کا استحقاق رکھتا ہے۔ اس سلسلے میں اسے کسی والی یا حاکم کی اجازت کی ضرورت نہیں ہے' اور نہ وہ اسکی اجازت کا محتاج ہے' احتساب کا حق ایسا ہے جیسے تعلیم کا حق اگر کوئی شخص شریعت کے کسی حکم سے ناواقف ہو' اور دوسرا اسے بتلادے' یا کوئی بات نہ جانتا ہو اور اسے سکھلادے کیا یہ عزت نہیں ہے' تعلیم کی عزت سے بڑھکر کیا عزت ہو سکتی ہے' لیکن کون کہہ سکتا ہے کہ تعلیم کی عزت حاصل کرنے کے لئے امام سے اجازت لینا ضروری ہے۔ اس طرح کا اعزاز حاصل کرنے کے لئے صرف دیندار ہونا کافی ہے۔

احتساب کے پانچ مراتب : اس اجمال کی شرح یہ ہے کہ احتساب کے پانچ مراتب ہیں' اول تعریف' یعنی امر حق بتلانا' دوم پُرلطف انداز میں وعظ کرنا' سوم برا بھلا کہنا۔ لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ فحش کلامی کی جائے' اور مخاطب کو گالیوں سے نوازا جائے بلکہ یہ کہا جائے کہ اے احمق کیا تجھے خدا کا خوف نہیں رہا' یا اسی طرح کے دوسرے الفاظ استعمال کئے جائیں' چہارم زبردستی منع کرنا' اور عملی مداخلت کے ذریعے کسی کام سے روکنا' مثلاً کوئی شخص اتنا بااختیار اور طاقتور ہو کہ شراب کے برتن اور لہو کے آلات توڑ ڈالے' یا ریشمی کپڑے پھاڑ دے' یا چھینا ہوا مال حاصل کرکے اصل مالک کو واپس کردے' پنجم دھمکانا' اور زدوکوب کے ذریعہ خوف زدہ کرنا' یا اتنا مارنا کہ جس کام میں پٹنے والا مشغول ہو اسے چھوڑ دے' مثلاً کوئی شخص مسلسل غیبت کئے جارہا ہے' یا کسی شخص پر زنا کی تہمت لگارہا ہے' یا کسی کو گالیاں بک رہا ہے' اس صورت میں یہ تو ممکن نہیں کہ اسکی زبان بند کردی جائے' البتہ

دو چار لگا کر خاموش ضرور کیا جاسکتا ہے مگر معمولی مار پیٹ عموماً طرفین سے تجاوز کرکے ان کے انصار و ہمدردگان تک جا پہنچتی ہے' اور اچھی خاصی جنگ کی شکل اختیار کرلیتی ہے' کشت و خون ہوتا ہے' اور دو چار جانیں ضائع چلی جاتی ہیں۔

جہاں تک پہلے چار مرتبوں کا تعلق ہے ان میں امام کے اذن کی چنداں ضرورت نہیں' تعریف' اور وعظ کا معاملہ تو واضح ہے' کسی فاسق کو اس کے فسق کی بناء پر برا بھلا کہنے' اور اسکی طرف حماقت و جہالت کی نسبت کرنے میں بھی امام کی اجازت لینے کی ضرورت نہیں ہے' بلکہ یہ تو حق بات ہے اور حق کا تقاضا یہ ہیکہ اس سے گریز نہ کیا جائے' ظالم امام کے سامنے کلمۂ حق کہنے کو حدیث شریف میں جہاد کا افضل ترین درجہ قرار دیا گیا ہے (ابوداود' ترمذی' ابن ماجہ۔ ابو سعید الخدریؓ) جب امام کے لئے جو ہر طرح با اختیار ہے یہ حکم ہے تو غیر امام کے لئے یہ حکم کیوں نہ ہوگا' اور اس میں امام کی اجازت کی ضرورت کیوں ہوگی؟ یہی حال شراب بہانے اور لہو و لعب کے آلات توڑنے کا ہے' یہ فعل حق ہے' اور امام کی اجازت کا محتاج نہیں ہے۔ البتہ پانچواں مرتبہ محل نظر ہے' کیوں کہ طرفین کی جنگ کبھی کبھی عام بلوے کی صورت اختیار کرلیتی ہے۔ اس مرتبے کی تفصیل ہم عنقریب بیان کریں گے' امراء و حکام کے محاسبہ کی جو روایات منقول ہیں وہ اس حقیقت پر اجماع کی حیثیت رکھتی ہیں کہ امر بالمعروف کا حاکم کی جانب سے اجازت یافتہ ہونا ضروری نہیں ہے' اسکے برعکس یہ ضروری ہے کہ حاکم امر بالمعروف سے راضی ہو' خواہ کوئی عام مسلمان ہی یہ فریضہ ادا کرے' اگر وہ ناراض ہوا تو یہ بھی منکر کی ایک صورت ہوگی' اور دوسرے منکرات کی طرح اس پر انکار کرنا بھی ضروری ہوگا۔ ائمہ و حکام پر نکیر کرنے کے سلسلے میں سلف کی عادت پر یہ واقعہ بہترین دلیل ہے کہ ایک مرتبہ مروان نے عید گاہ میں نماز عید سے پہلے خطبہ دیا' ایک شخص نے مروان سے کہا کہ عید کا خطبہ نماز سے پہلے ہوتا ہے' مروان نے اسے جھڑک دیا' حضرت ابو سعید الخدریؓ نے جو اس میں موجود تھے مروان سے کہا کہ اس نے تجھے صحیح مسئلہ بتلا کر اپنا فرض ادا کیا ہے' ہم سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تم میں سے کوئی شخص منکر دیکھے تو اسے چاہیے کہ اپنے ہاتھ سے دور کردے' اگر یہ ممکن نہ ہو تو زبان سے اسکی مذمت کردے' یہ بھی ممکن نہ ہو تو دل سے برا سمجھے' دل سے برا سمجھنا ایمان کا آخری درجہ ہے (مسلم۔ ابو سعید الخدریؓ) امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے سلسلے میں وارد آیات و احادیث کو انہوں نے اپنے عموم پر رکھا اور کسی والی حاکم یا کسی ذی حیثیت اور با اختیار شخص کی تخصیص نہیں کی۔

اکابرین سلف کی جرأت کے کچھ اور واقعات: روایت ہے کہ خلیفہ مہدی تخت خلافت پر متمکن ہونے کے بعد مکہ مکرمہ آیا' اور چند روز بیت اللہ کے جوار میں مقیم رہا۔ اسی اثناء میں ایک دن اس نے طواف کعبہ کا ارادہ کیا' ماتحت امراء و حکام نے مطاف خالی کرالیا جب مہدی طواف میں مشغول ہوا تو عبداللہ ابن مرزوق جست لگا کر اسکے پاس پہنچے' اور اسکی چادر پکڑ کر اپنی طرف کھینچی اور اسے کئی بار جھٹکے دئے' اور فرمایا کہ یہ تو کیا کررہا ہے' تجھے اس گھر کا زیادہ حقدار کس نے بنا دیا' لوگ قریب و بعید سے اس گھر کی زیارت کے لئے آئے ہیں' تو ان کے اور بیت اللہ کے درمیان حائل ہورہا ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں :

سَوَآءً ِۨالْعَاكِفُ فِيْهِ وَالْبَادِ (پ ۱۷ ر ۱۰ آیت ۲۵)

اس میں سب برابر ہیں' اس میں رہنے والا بھی اور باہر رہنے والا بھی۔

خلیفہ حیرت زدہ رہ گیا' کیوں وہ عبداللہ ابن مرزوق کی شخصیت سے واقف تھا' پھر بھی اس نے پوچھا کہ کیا تو عبداللہ ابن مرزوق ہے؟ انہوں نے جواب دیا' ہاں خلیفہ اس جرأت اور صاف گوئی پر بہت زیادہ برافروختہ ہوا اور انھیں گرفتار کرا کے بغداد لے گیا' ابن مرزوق کی یہ جرأت خلیفہ کے نزدیک انتہائی عبرت انگیز سزا کی مستحق تھی' لیکن وہ یہ بھی نہیں چاہتا تھا کہ انھیں کوئی ایسی سزا دی جائے کہ جس سے عوام میں ان کی رسوائی ہو' سب سے بہتر صورت اسے یہ نظر آئی کہ انھیں گھوڑوں کے اصطبل میں قید کردیا جائے تاکہ یہ بے عقل اور سرکش جانور انھیں اپنے پیروں سے روند ڈالیں' ایک بدمزاج اور کٹکھنا گھوڑا' ان کے قریب باندھ دیا گیا' لیکن اللہ تعالیٰ نے ان گھوڑوں میں سختی کے بجائے نرمی' اور سرکشی کے بجائے اطاعت گزاری پیدا کردی' وہ اس حالت میں

باہر نکلے کہ گھوڑوں نے انھیں کوئی نقصان نہیں پہنچایا تھا' اس تدبیر میں ناکامی کے بعد خلیفہ نے انھیں ایک تنگ و تاریک کوٹھری میں قید کردیا' اور دروازہ میں تالا ڈال کر چابی اپنے پاس رکھ لی' تین روز کے بعد آپ کو ملحقہ باغ میں گھومتے ہوئے' اور سبزیاں کھاتے ہوئے دیکھا گیا' باغبانوں نے قیدی کے فرار کی اطلاع مہدی کو دی' وہ دیکھ کر متحیّر رہ گیا کہ جس کوٹھری میں انھیں قید کیا گیا تھا وہ بند ہے' اور اس سے نکلنے کا بظاہر کوئی راستہ نہیں ہے' خلیفہ نے ان سے پوچھا کہ تمھیں اس کوٹھری سے کس نے نکالا؟ انھوں نے جواب دیا' جس نے قید کیا تھا' پوچھا کس نے قید کیا تھا' فرمایا : جس نے آزاد کیا۔ خلیفہ ان جوابات پر بہت زیادہ مشتعل ہوا۔ اور چیخ کر کہنے لگا کہ ابن مرزوق! کیا تجھے موت سے ڈر نہیں لگتا' میں تجھے قتل کردوں گا؟ انھوں نے جواب دیا : میں ضرور ڈرتا اگر موت و حیات کے فیصلے تیری مرضی کی پابند ہوتے۔ اس واقعے کے بعد آپ مہدی کی وفات تک قید رہے' مہدی کے جانشینوں نے انھیں آزاد کیا' قید کے دوران آپ نے یہ نذر مانی تھی کہ اگر اللہ تعالیٰ نے مجھے آزادی عطا کردی تو میں اس کی راہ میں سو اونٹ قربان کروں گا۔ مکہ پہنچ کر آپ نے یہ نذر پوری کی۔

حبان ابن عبداللہ روایت کرتے ہیں کہ ہارون رشید اپنے ایک خادم خاص سلیمان ابن ابی جعفر ہاشمی کے ہمراہ دوین نامی محلے کی سیر کو نکلا' ہارون رشید نے اس سے کہا کہ تمہارے پاس ایک خوش آواز باندی تھی' جس کے گیت بہت مشہور تھے' اسے ہمارے پاس لے کر آؤ ہم کچھ سننا چاہتے ہیں' باندی آئی' اور اس نے گانا سنایا' لیکن ہارون رشید نے گانے پر اپنی ناپسندیدگی کا اظہار کرتے ہوئے باندی سے پوچھا کہ تجھے کیا ہوا' پہلے تو تیرے گیت بہت اچھے لگتے تھے؟ باندی نے عرض کیا کہ جس عود پر میں نے گایا ہے وہ میرا نہیں ہے' ہارون نے خادم سے کہا کہ وہ باندی کا عود لے کر آئے' جب وہ مطلوبہ عود لے کر بادشاہ کے پاس آنے کے لئے ایک گلی سے گزرا تو اس نے دیکھا کہ ایک بوڑھا شخص کھجور کی گٹھلیاں چن چن کر اپنی تھیلی میں بھر رہا ہے' قدموں کی آہٹ سن کر بوڑھا آنے والے کی طرف متوجہ ہوا' اس کے ہاتھ میں عود تھا' بوڑھے نے عود وہ چھینا' اور زمین پر دے مارا' عود ٹوٹ گیا' یہ ایک سنگین جرم تھا' اور اس کی سزا یہی تھی کہ "مجرم" گرفتار کرلیا جائے' علاقے کے حاکم کو اطلاع دی گئی اور اسے بتلایا گیا کہ مجرم آزاد نہ ہونے پائے' یہ امیرالمومنین کو مطلوب ہے' حاکم حیرت زدہ رہ گیا وہ بڑے میاں کی عبادت و ریاضت' نیکی اور پارسائی سے واقف تھا' اسے یقین ہی نہیں آیا کہ یہ فرشتہ خصلت انسان کوئی ایسا جرم بھی کرسکتا ہے جس کی سزا میں اسے قید کردیا جائے۔ لیکن کیوں کہ مجرم مملکت کی سب سے بڑی بااختیار شخصیت کا تھا اس لئے حاکم نے اسمیں بھلائی سمجھی کہ خادم کی مرضی کے مطابق کیا جائے" یہاں سے فارغ ہو کر خادم بادشاہ کے محل میں پہنچا' اور جو کچھ گزرا تھا وہ اس کے گوش گزار کیا' ہارون یہ سن کر بھڑک گیا' غصے سے اس کی آنکھیں سرخ ہوگئیں' سلیمان ابن ابی جعفر نے عرض کیا امیرالمومنین! کیوں غصے میں اپنا خون جلاتے ہیں' علاقے کے حاکم کو کہلا دیجئے وہ اس بوڑھے کو کیفر کردار تک پہنچادے گا' اور اس کی لاش دجلہ میں بہادے گا' ہارون نے کہا : پہلے ہم اس بوڑھے سے پوچھیں گے کہ اس نے یہ جرات کیوں کی' قاصد دوڑا ہوا گیا' اور بڑے میاں کو محل میں طلبی کا حکم سنایا' وہ کسی خوف اور شرمندگی کے بغیر ساتھ ساتھ ہولئے' قاصد نے کہا بھی کہ سواری پر چلو' مگر وہ نہ مانے' اور پاپیادہ محل کے دروازے پر پہنچ کر ٹھہر گئے' قاصد نے اطلاع دی کہ مجرم حاضر ہے' ہارون نے اس موقعہ پر اپنے حاشیہ نشینوں' اور مشیر کاروں سے دریافت کیا کہ آیا مجرم کو اسی کمرے میں بلالیا جائے جہاں یہ باجے موجود ہیں' یا کسی دوسرے کمرے میں طلب کیا جائے' سب کی رائے یہی ہوئی کہ اس بوڑھے کو یہاں بلانا ٹھیک نہیں ہے' ممکن ہے وہ یہاں بھی وہی حرکت کر بیٹھے جو اس نے شارع عام پر کی تھی' سب لوگ اٹھ کر دوسرے کمرے میں چلے گئے' خادم سے کہا گیا کہ وہ بوڑھے کو لیکر آئے' بیرونی دروازے پر خدام اس کوشش میں مصروف تھے کہ کسی طرح اس سے وہ تھیلی وہیں رکھوالیں جس میں اس نے گٹھلیاں بھر رکھی ہیں' مگر شیخ نے کہا کہ وہ تھیلی اپنے ساتھ لے کر جائیں گے' یہ ان کی رات کی غذا ہے' لوگوں نے کہا بھی کہ ہم تمہیں رات کا کھانا کھلا دیں گے' مگر شیخ نے انتہائی حقارت کے ساتھ یہ پیش کش ٹھکرادی' اس تکرار کی اطلاع امیرالمومنین کو ہوئی تو وہ خود آیا' اور صورت حال معلوم کرنے کے بعد دربانوں سے کہا کہ اسے اسی

حالت میں اندر آنے دیا جائے۔ بہرحال شیخ ہارون کے سامنے پہنچے' نہ ان کی آنکھوں میں خوف کے سائے تھے' اور نہ چہرے پر اضطراب کے آثار' ہارون نے دریافت کیا : بڑے میاں! تم نے یہ حرکت کیوں کی؟ شیخ نے پوچھا : کونسی حرکت؟ ہارون نے کئی بار یہ سوال کیا' اور بڑے میاں نے وہی جواب دیا' ہارون دل ہی دل میں پیچ و تاب کھا رہا تھا' وہ سوچ رہا تھا کہ یہ بات میں کس منہ سے کہوں کہ تم نے میرا عود توڑا ہے۔ شیخ نے خود ہی کہا کہ میں نے تمہارے آباء و اجداد کو برسر منبر یہ آیت تلاوت کرتے ہوئے سنا ہے :-

إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ وَإِيتَاءِ ذِي الْقُرْبَىٰ وَيَنْهَىٰ عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنكَرِ وَالْبَغْيِ۔ (پ ۱۴ ر ۱۹ آیت ۹۰)

بے شک اللہ تعالیٰ اعتدال' اور احسان اور اہل قرابت کو دینے کا حکم فرماتے ہیں' اور کھلی برائی اور مطلق برائی اور ظلم کرنے سے منع فرماتے ہیں۔

میں نے تمہارے خادم کے ہاتھ میں ایک منکر دیکھا' اور اسے دور کردیا' کیوں کہ ہمیں یہی حکم دیا گیا ہے' ہارون جواب سن کر خاموش رہ گیا' اور شیخ کو واپسی کی اجازت دیدی' جب شیخ واپس چلے گئے تو ہارون نے اپنے خادم کو ایک تھیلی دے کر ان کے پیچھے پیچھے بھیجا' اور اسے ہدایت کی کہ تم باہر جاکر دیکھنا کہ اس بوڑھے نے آج کا واقعہ لوگوں کو بتایا ہے یا نہیں' اگر بتا دیا ہو تو تھیلی واپس لے آنا' ورنہ اسے دیدینا' خادم تھیلی لے کر باہر نکلا تو شیخ زمین پر بیٹھے ایک گٹھلی ڈھونڈنے میں مصروف تھے' خادم نے انھیں امیر المومنین کا تحفہ پیش کیا' آپ نے فرمایا : امیر المومنین سے کہہ دینا کہ یہ مال اسی جگہ رکھ دیا جائے جہاں سے لیا گیا ہے؟ وہ شخص واپسی کے لئے مڑا تو شیخ کی زبان پر یہ اشعار تھے۔

اری الدنیا لمن ھی فی یدیہ ۔۔۔ ھمو کلما کثرت لدیہ
تھین المکرمین لھا بصغر ۔۔۔ وتکرم کل من ھانت علیہ
اذا استغنیت عن شئی فدعہ ۔۔۔ وخذ ماانت محتاج الیہ

میں دیکھتا ہوں جس شخص کے پاس دنیا ہے اس کے تفکرات اور آلام بھی بہت ہیں' دنیا انھیں ذلیل کرتی ہے جو اس کی عزت کرتے ہیں' اور ان کا اکرام کرتی ہے جو اسکے ساتھ اہانت کا سلوک کرتے ہیں' اگر تم کسی چیز سے بے نیاز اور مستغنی ہو تو اس کے چکر میں مت پڑو۔ صرف وہ چیز حاصل کرو جس کی تمہیں ضرورت ہے۔

حضرت سفیان ثوریؒ روایت کرتے ہیں کہ خلیفہ مہدی نے سنہ ۱۶۶ھ میں حج کیا' (۱) مجھے اس وقت کا منظر اچھی طرح یاد ہے جب وہ طواف کررہا تھا' اور اسکے خدام ادھر ادھر کھڑے ہوئے لوگوں پر کوڑے برسا رہے تھے' میں نے اس سے کہا : اے خوب رو جوان! ہم سے ایمنؒ نے بیان کیا' انھوں نے وائل سے' وائل نے قدامہ ابن عبداللہ الکلابی سے روایت کیا کہ میں نے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ نحر کے دن اونٹ پر سوار ہیں' جمرہ پر کنکریاں مار رہے ہیں' نہ کوئی شخص لوگوں پر کوڑے برسا رہا تھا' نہ انھیں ادھر ادھر ہٹا کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے جگہ بنا رہا تھا' (ترمذی' ابن ماجہ' نسائی) ایک تم ہو کہ لوگ دائیں بائیں کھڑے پٹ رہے ہیں' اور تم طواف کررہے ہو' مہدی نے کسی شخص سے دریافت کیا کہ یہ کون ہے جو مجھ سے اسطرح مخاطب ہے' لوگوں نے بتلایا کہ یہ سفیان ثوریؒ ہیں' خلیفہ نے مجھ سے کہا کہ اگر آج میری جگہ خلیفہ منصور ہوتے تو تمہیں لب ہلانے کی بھی جرات نہ ہوتی' میں نے کہا کہ اگر میں تجھے یہ بتلادوں کہ منصور نے اپنے کئے کی سزا پائی تو شاید تو بھی اپنی حرکتوں سے

---

(۱) یہ کسی دوسرے بزرگ کا واقعہ ہوگا' اسلئے سفیان ثوریؒ سنہ ۱۶۱ھ میں وفات پاچکے تھے' جب کہ خلیفہ مہدی کے حج کا واقعہ سنہ ۱۶۶ھ میں پیش آیا۔

باز آجائے جن میں تو مشغول ہے' یہ کہہ کر میں ایک طرف ہٹ گیا' کسی نے خلیفہ سے کہا کہ آپ نے سنا نہیں وہ بڑے میاں آپ کو امیرالمومنین کے بجائے خوبرو جوان کہہ رہے تھے' خلیفہ نے حکم دیا کہ سفیان ثوری کو بلایا جائے' لوگ میری تلاش میں دوڑے' مگر میں ایک جگہ چھپ گیا' اور ڈھونڈنے والے ناکام واپس ہوئے۔

خلیفہ مامون کو اطلاع ملی ایک شخص محتسب بنا پھر رہا ہے' اور لوگوں کو امربالمعروف اور نہی عن المنکر کرتا ہے حالانکہ اسے آپ کی طرف سے احتساب کی کوئی اجازت عطا نہیں کی گئی' خلیفہ نے حکم دیا کہ اسے ہماری خدمت میں پیش کیا جائے' حکم کی تعمیل کی گئی' جس وقت محتسب حاضر ہوا خلیفہ مامون کرسی پر بیٹھا ہوا کسی کتاب کے مطالعے میں مصروف تھا' پاؤں لٹکے ہوئے تھے' اتفاق سے کاغذ کا ایک ٹکڑا کتاب سے نکل کر زمین پر خلیفہ کے قدموں کے نیچے جا پڑا' اور اسے احساس بھی نہ ہوا' محتسب نے خلیفہ سے کہا کہ پہلے آپ اللہ کے نام پر سے اپنا پاؤں اٹھالیں بعد میں مجھ سے باز پرس کریں خلیفہ کی سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ کیا کہہ رہا ہے' اور اللہ کے نام پر سے پاؤں اٹھانے کا کیا مطلب ہے' اس نے پوچھا کہ آخر تم کیا کہنا چاہتے ہو' صاف صاف کہو' محتسب نے کہا کہ اگر آپ اٹھانا نہیں چاہتے تو مجھے اجازت دیں' خلیفہ نے اجازت دی' محتسب نے آگے بڑھ کر خلیفہ کے پاؤں کے نیچے پڑا ہوا کاغذ اٹھایا' اس پر اللہ کا نام لکھا ہوا تھا' خلیفہ یہ دیکھ کر انتہائی نادم ہوا' چند لمحے خاموش رہ کر خلیفہ نے کہا کہ ہم نے سنا ہے کہ تم لوگوں کو امربالمعروف کرتے ہو' حالانکہ اللہ تعالیٰ نے یہ اعزاز صرف ہمارے خاندان کے لئے مخصوص فرمایا ہے' کیا تم نے وہ آیت نہیں پڑھی جس میں ہمارے متعلق ارشاد فرمایا گیا ہے :۔

اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ (پ ۱۷ ر ۱۳ آیت ۴۱)

یہ لوگ ایسے ہیں کہ اگر ہم ان کو دنیا میں حکومت دیدیں تو یہ لوگ (خود بھی) نماز کی پابندی کریں اور زکوٰۃ دیں اور دوسروں کو بھی نیک کام کرنے کو کہیں اور برے کام سے منع کریں۔

محتسب نے کہا امیرالمومنین! آپ سچ کہتے ہیں' اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکومت عطا کی' اور وسیع اختیارات سے نوازا' لیکن آپ یہ نہ بھولیں کہ ہمیں آپ کا معاون و مددگار بنایا گیا ہے' اس حقیقت سے وہی شخص انکار کرسکتا ہے جسے کتاب و سنت کی معرفت حاصل نہیں ہے۔ باری تعالیٰ فرماتے ہیں :۔

وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ يَّاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ (پ ۱۰ ر ۱۵ آیت ۷۱)

اور مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں ایک دوسرے کے (دینی) رفیق ہیں' نیک باتوں کی تعلیم دیتے ہیں اور بری باتوں سے منع کرتے ہیں۔

سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا :۔

المومن للمومن کالبنیان یشد بعضہ بعضا (بخاری و مسلم۔ ابو موسیٰؓ)

مومن دوسرے مومن کے لئے عمارت کی طرح ہے کہ اس کا ایک حصہ دوسرے حصے کو تقویت دیتا ہے۔

امیرالمومنین! اللہ تعالیٰ نے آپ کو زمین کی حکومت عطا کی ہے' اور خوش قسمتی سے آپ کتاب و سنت سے بھی واقف ہیں' اگر آپ نے کتاب و سنت کی اتباع کی' اور شریعت کی متعین کردہ خطوط پر چلے تو آپ ان لوگوں کے یقینی طور پر شکرگزار ہوں گے جو کتاب و سنت کے حکم پر آپ کی اعانت کرتے ہیں' اور اگر آپ نے کتاب و سنت سے اعراض کیا' اور ان خطوط سے منحرف ہو کر چلنے کی کوشش کی جو شریعت نے آپ کے لئے متعین کردئے ہیں تب آپ یہ بات اچھی طرح سمجھ لیں کہ اللہ تعالیٰ کے بندے اپنی

ذمہ داری سے سبکدوش نہیں ہوں گے' اور وہ اس آیت میں کئے ہوئے وعدہ پر یقین کی روشنی میں اپنا عمل جاری رکھیں گے۔

اِنَّا لَا نُضِيْعُ اَجْرَ مَنْ اَحْسَنَ عَمَلًا (پ ۱۵ ر ۱۶ آیت ۳۰)

ہم ایسے شخص کا اجر ضائع نہ کریں گے جو اچھی طرح کام کو کرے۔

اب آپ اپنا حکم سنائیں' مامون اس مدلل اور شستہ تقریر سے بے حد متاثر ہوا' اور محتسب سے کہا کہ تم جیسے لوگ احتساب کریں تو کوئی مضائقہ نہیں ہے' اب تم جاؤ' اور ہماری اجازت سے یہ فریضہ انجام دو۔ ان واقعات سے ثابت ہوتا ہے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنے والا امام کی اجازت کا محتاج نہیں ہے۔

بیٹے کا باپ سے احتساب : اگر یہ کہا جائے کہ جس طرح باپ اپنے بیٹے کا' شوہر اپنی بیوی کا' استاد اپنے شاگرد کا' آقا اپنے غلام کا اور بادشاہ اپنی رعایا کا بہرصورت احتساب کرسکتا ہے کیا احتساب کی یہ ولایت باپ پر بیٹے کو' شوہر پر بیوی کو' استاد پر شاگرد کو' آقا پر غلام کو' اور بادشاہ پر رعایا کو بھی حاصل ہے یا نہیں' اس کا جواب یہ ہے کہ ہم ان افراد کے لئے بھی اصل ولایت ثابت کرتے ہیں' لیکن تفصیلات میں قدرے اختلاف ہے' مثلاً باپ پر بیٹے کے احتساب کی ولایت فرض کیجئے' ہم پہلے لکھ چکے ہیں کہ احتساب کے پانچ مراتب ہیں' لیکن بیٹے کے لئے صرف دو پہلے مرتبے جائز ہیں' یعنی تعریف (اگر باپ کسی چیز سے ناواقف ہو اسے واقفیت بہم پہنچانا) اور نرمی کے ساتھ وعظ و نصیحت آخری دو مرتبے جائز نہیں ہیں' یعنی برا بھلا کہنا' اور مارنا پیٹنا۔ تیسرے مرتبے میں کچھ تفصیل ہے' جیسا کہ بیان کیا گیا ہے احتساب کے اس مرتبے پر عمل کرنے والا منکرات کا ازالہ کردیتا ہے۔ مثلاً باجے اور ساز توڑ ڈالتا ہے' شراب کے برتن الٹ دیتا ہے' لباس کے ریشمی دھاگے نکال دیتا ہے' اگر گھر میں کوئی چیز غصب کی یا چوری کی ہوتی ہے اسے اس کے اصل مالک کو واپس کردیتا ہے بشرطیکہ وہ معلوم و متعین ہو' گھر کی دیواروں' اور چھت کی کڑیوں سے جاندار کے نقوش مٹا دیتا ہے' سونے چاندی کے برتن توڑ دیتا ہے' کچھ لوگ کہہ سکتے ہیں کہ احتساب کی اس صورت سے باپ کو تکلیف ہوگی' اور وہ بیٹے سے ناراض ہوجائے گا' ہمارے خیال میں یہ امور مار پیٹ' اور زجر و توبیخ کی طرح باپ کی ذات سے براہ راست متعلق نہیں ہیں' ڈانٹنے' برا بھلا کہنے' اور مارنے میں وہ براہ راست نشانہ بنتا ہے' یہاں اسکی متعلقہ چیزیں نشانہ بنائی گئی ہیں' اگرچہ وہ بیٹے کے اس فعل پر بھی ناراض ہوگا' لیکن کیوں کہ اسکا فعل حق ہے' اور باپ کی ناراضگی میں باطل کی محبت بھی شامل ہے اسلئے اسکے غصے کی پروا نہیں کی جائے گی۔ قیاس کا تقاضا یہی ہے کہ بیٹے کے لئے اس احتساب کا حق ثابت کیا جائے' بلکہ ضروری قرار دیا جائے کہ وہ ایسا کرے' اور باپ کی ناراضگی سے پریشان مت ہو' البتہ اسے یہ ضرور دیکھ لینا چاہیے کہ اس منکر میں جسے وہ دور کرنا چاہتا ہے' قباحت کتنی ہے' اور یہ کہ والد کو اس سے اذیت زیادہ ہوگی یا کم ہوگی۔ اگر منکر بدترین ہو' اور غصہ کا اندیشہ کم' ہو جیسے کسی ایسے شخص کی شراب بہا دینا جسے زیادہ غصہ نہ آتا ہو تب تو ظاہر ہے کہ اس منکر کا ازالہ بلا پس و پیش کردینا چاہیے' اور اگر منکر نسبتاً زیادہ فاحش نہ ہو اور غصے کا احتمال زیادہ ہو مثلاً بلور یا شیشے کے برتن پر کسی جاندار کی تصویر بنی ہوئی ہے' ظاہر ہے کہ اس منکر میں اس درجے کی قباحت نہیں ہے جس درجے کی قباحت شراب میں ہے' نیز شراب کے مقابلے میں شیشے اور بلور کے برتن زیادہ قیمتی' اور بسا اوقات نایاب ہوتے ہیں اس لئے ان کا نقصان انتہائی غیظ و غضب کا باعث بن جاتا ہے' اسطرح کی صورتوں میں تامل اور بحث و نظر کی گنجائش موجود ہے۔

یہ کہا جاسکتا ہے کہ کتاب و سنت میں امر بالمعروف کا حکم مطلق وارد ہوا ہے' اس میں کسی طرح کی کوئی تخصیص موجود نہیں ہے' اور والدین کو ایذا رسانی سے منع کرنے کا حکم مخصوص ہے' اور اس وقت کے لئے ہے جب کہ وہ کسی منکر میں مبتلا نہ ہوں' پھر کیا وجہ ہے کہ آپ نے بیٹے کو احتساب کے تین مراتب کا حق دیا' باقی دو مراتب سے محروم رکھا' یعنی اسے یہ حق نہیں ہے کہ اگر اسکا باپ کسی منکر میں مبتلا ہو تو وہ ڈانٹ ڈپٹ' یا مار پیٹ کے ذریعہ اسے اس منکر سے باز رکھ سکے' آخر اس عمومیت میں تخصیص اور تخصیص میں عمومیت کی کیا وجہ ہے؟ اسکا جواب یہ ہے کہ بعض صورتوں میں شریعت نے باپ کو مستثنیٰ کیا ہے' مثال کے طور پر

جلاد کے لئے حد زنا میں اپنے باپ کو قتل کرنا اور اجراء حد کی کاروائیوں میں براہ راست شریک ہونا جائز نہیں ہے' مسلمان بیٹے کا کافر باپ کے قتل میں شریک ہونا بھی جائز نہیں ہے' باپ کا حق یہاں تک ہے کہ اگر وہ اپنے بیٹے کا ہاتھ کاٹ دے تو اس پر قصاص نہیں ہوگا' بیٹے کے لئے تو یہ بھی جائز نہیں ہے کہ وہ اپنے باپ کو کٹے ہوئے ہاتھ کے بدلے میں کوئی ایذا پہنچائے' اس سلسلے میں متعدد روایات ہیں' اور بظاہر اس میں کسی کا اختلاف بھی نہیں ہے' (۱) جب پیش آمدہ جرم پر سزا کے ذریعہ باپ کو ایذا پہنچانا جائز نہیں ہے تو متوقع جرم پر عقوبت دے کر ایذا پہنچانا کیسے جائز ہوگا۔ یہی تخصیص آقا شوہر' اور بادشاہ کے احتساب میں رہے گی' جہاں تک غلام اور بیوی کا تعلق ہے یہ دونوں لزوم حق میں بیٹے کی بنسبت آقا اور شوہر سے زیادہ قریب ہوتے ہیں' اگرچہ ملک یمین ملک نکاح سے مؤکد ہے' لیکن حدیث میں ملک نکاح کو بھی بڑی اہمیت دی گئی ہے' چنانچہ فرمایا گیا کہ اگر کسی مخلوق کو سجدے کرنا جائز ہوتا تو میں عورت کو یہ حکم دیتا کہ وہ اپنے شوہر کو سجدہ کرے۔ (۲) بادشاہ اور رعایا کا معاملہ باپ بیٹے' میاں بیوی' اور آقا غلام کے رشتے سے نازک تر ہے' بادشاہ سے صرف دو ہی طریقوں سے احتساب کیا جاسکتا ہے' تیسرا طریقہ محل نظر ہے' کیوں کہ اس میں بادشاہ کے خزانے سے مال نکال کر اصل مالکین کو دینے' بادشاہ کے کپڑوں سے ریشمی دھاگہ نکالنے' اسکے گھر میں موجود لہو کے آلات اور شراب کے برتن توڑنے کا عمل پایا جاتا ہے' اس عمل سے بادشاہ کا وقار مجروح ہوگا' اور اس کی ہیبت متاثر ہوگی' اور بادشاہ کے وقار اور دبدبہ کے منافی کوئی کام کرنا ممنوع ہے جسطرح منکر دیکھ کر خاموش رہنا ممنوع ہے۔ (۳) یہاں کیوں کہ دو ممنوع امور میں تعارض ہے' اسلئے مبتلا بہ کی رائے کا اعتبار ہوگا' وہ اجتہاد کرے اور یہ دیکھے کہ وہ منکر زیادہ خطرناک ہے' یا اس منکر کا ازالہ زیادہ خطرناک ہے؟ اجتہاد کے بعد جس نتیجے پر پہنچے اس پر عمل کرے' شاگرد اور استاد کا معاملہ سہل ہے' کیونکہ حقیقت میں استاد وہی قابل احترام ہے جو علم دین کے لئے مفید ہو' اس عالم کے لئے کوئی احترام نہیں جو اپنے علم پر عمل نہ کرے' اس لئے شاگرد کو چاہیے کہ وہ استاد کے ساتھ اس علم کے مطابق سلوک کرے جو اس سے حاصل کیا ہو' حسن بصری سے کسی نے پوچھا کہ بیٹا اپنے باپ کا احتساب کیسے کرے؟ فرمایا! اسے نصیحت کرے' اگر وہ نصیحت سن کر ناراض ہوجائے تو خاموشی اختیار کرے۔

پانچویں شرط۔ قدرت : یہ بات واضح رہے کہ عاجز صرف دل سے احتساب کرسکتا ہے' وہ زبان اور ہاتھ کے احتساب پر قادر نہیں ہوتا' جو شخص اللہ سے محبت رکھتا ہے وہ اس کے معاصی سے بالیقین نفرت کرتا ہے اور انھیں دل سے برا سمجھتا ہے۔ حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ ارشاد فرماتے ہیں کہ کفار کے خلاف اپنے ہاتھوں سے جہاد کرو' اور اگر یہ ممکن نہ ہو تو اُنکے سامنے ایسا منھ ہی بنالیا کرو جس سے نفرت کا اظہار ہوسکے۔ یہاں یہ بات بھی سمجھ لینا چاہیے کہ وجوب کا ساقط ہونا حسی عجز ہی پر موقوف نہیں ہے' بلکہ وہ شخص بھی عاجز تصور کیا جائے گا جسے محتسب علیہ کی طرف سے ایذا پہنچنے کا خطرہ ہو' نیز وہ شخص بھی عاجز ہے جسے یہ یقین ہو کہ مخاطب اس کی نصیحت قبول نہ کرے گا' اور اس کی کوئی بھی تدابیر اسے منکر سے باز رکھنے میں مفید ثابت نہ ہوگی۔ ان دونوں امور کا لحاظ کیا جائے تو احتساب کی چار حالتیں ہوتی ہیں' ایک حالت یہ ہے کہ دونوں باتیں موجود ہوں' یعنی یہ بھی یقین ہو کہ مخاطب اس کی بات نہیں مانے گا' اور یہ بھی خیال ہو کہ اگر میں نے اسکی مرضی کے خلاف کوئی بات کہہ دی تو وہ مجھے مارنے سے بھی دریغ نہیں کرے گا۔ اس حالت میں احتساب واجب نہیں ہے' بلکہ بعض مواقع پر حرام بھی ہے' البتہ محتسب کے لئے ضروری ہے

---

(۱) عراقی " فرماتے ہیں کہ اس سلسلے میں صرف ایک روایت ملی ہے' "لا یقاد الوالد بالولد" یہ روایت ترمذی اور ابن ماجہ نے حضرت عمر سے نقل کی ہے' ترمذی فرماتے ہیں کہ یہ روایت مضطرب ہے (۲) یہ روایت کتاب النکاح میں گزر چکی ہے (۳) مستدرک حاکم میں عیاض ابن غنم اشعری کی روایت ہے کہ جس شخص کے پاس مسلمان بادشاہ کے لئے ناصحانہ پیغام ہو اسے چاہیے کہ وہ مجمع عام میں یہ پیغام نہ دے' بلکہ اس کا ہاتھ پکڑ کر خلوت میں لیجائے اور اسے نصیحت کرے' اگر قبول کرلے تو ٹھیک ہے' نہ کرے تو (کوئی حرج نہیں) اس نے اپنا فرض پورا کردیا ہے' ترمذی میں ابوبکرہؓ کی روایت ہے کہ جس شخص نے زمین میں اللہ تعالیٰ کے بادشاہ کی اہانت کی اس نے اللہ کی اہانت کی

کہ وہ ایسی جگہوں پر جانے سے احتراز کرے جہاں منکرات پر عمل ہو رہا ہے' بلکہ گھر میں رہے' اور کسی شدید ضرورت کے بغیر باہر نہ آئے تاہم ان حالات میں وطن چھوڑنا' اور ہجرت کرکے دوسری جگہ سکونت اختیار کرنا واجب نہیں ہے' ترک وطن کرنا اس وقت ضروری ہوتا ہے جب لوگ اسے منکرات کے ارتکاب پر اور ظلم میں سلاطین و حکام کی موافقت پر مجبور کریں' لیکن اس کے ساتھ یہ شرط بھی ہے کہ وہ ہجرت کرنے پر قادر ہو' جو شخص اکراہ و جبر سے بچنے کی طاقت رکھتا ہو اس کے حق میں اکراہ و جبر عذر نہیں ہوتا۔

دوسری حالت یہ ہے کہ یہ دونوں باتیں نہ ہوں' یعنی یہ کہ میرا قول یا فعل اسے منکر سے باز رکھنے میں مؤثر ثابت ہوگا' نیز یہ کہ وہ مجھے کوئی ایذا نہیں پہنچائے گا' یہ مطلق قدرت ہے اس صورت میں انکار مفید ثابت نہیں ہوگا لیکن اگر میں نے انکار کیا تو وہ مجھے ایذا نہیں پہنچائے گا۔ اس صورت میں احتساب واجب نہیں ہے' بلکہ شعائر اسلام کے اعلان و اظہار اور دینی دعوت و تذکیر کے نقطۂ نظر سے مستحب ہے چوتھی حالت تیسری حالت کے برعکس ہے' یعنی انکار کے فائدے کا یقین ہے لیکن ساتھ ہی یہ اندیشہ بھی کہ اگر انکار کیا گیا تو وہ ایذا پہنچانے سے باز نہیں رہے گا' مثلاً ایک شخص پتھر پھینک کر شراب کے برتن توڑ سکتا ہے شراب بہا سکتا ہے' ساز اور باجے بیکار کرسکتا ہے' لیکن وہ یہ بھی جانتا ہے کہ اگر میں نے ایسا کیا تو فاسق اس نقصان پر خاموش نہ رہے گا' اور شاید اسی پتھر سے میرے سر کے دو ٹکڑے کردے گا جس سے میں نے اسکے برتن پاش پاش کئے ہیں' اس صورت میں نہ احتساب واجب ہے' اور نہ حرام ہے' بلکہ مستحب ہے' اور اس استحباب پر وہ روایت دلالت کرتی ہے جو ہم نے ظالم امام کے سامنے کلمۂ حق کہنے کے سلسلے میں نقل کی ہے' اسمیں شک نہیں کہ یہ احتساب خطرات سے پر ہے' اس پر اقدام کرنے کا مطلب یہ ہے کہ محتسب نے اپنی جان کی بازی لگادی ہے' اور وہ کسی بھی لمحے یہ بازی ہار سکتا ہے۔ ابو سلیمان دارانیؒ فرماتے ہیں کہ ایک بار میں نے مسلمانوں کے ایک خلیفہ سے کچھ ایسی باتیں سنیں جو گمراہ کن تھیں' اور جن کا رد ضروری تھا' میں نے یہ ارادہ کیا کہ ان باتوں پر اپنی نفرت کا اظہار کروں' اور حقائق پیش کروں' مجھے یہ بھی یقین تھا کہ یہ اظہار جرم سمجھا جائے گا' اور اسکی سزا میں مجھے قتل کردیا جائے گا' لیکن کیونکہ یہ واقعہ ایسی مجلس میں پیش آیا تھا جہاں لوگوں کی اچھی خاصی تعداد موجود تھی' اسلئے مجھے یہ خوف ہوا کہ کہیں میں لوگوں کو مرعوب کرنے کی خاطر اپنے دلائل آراستہ کروں' اور میرے قتل میں اخلاص نہ رہے بلکہ نام و نمود کی خواہش شامل ہوجائے۔

ایک آیت کا مفہوم : یہاں یہ سوال کیا جاسکتا ہے کہ آپ کے نزدیک خوف قتل کے باوجود احتساب مستحب ہے' حالانکہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:۔

وَلَا تُلْقُوْا بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ (پ ۲ ر ۸ آیت ۱۹۵)

اور اپنے آپ کو اپنے ہاتھوں تباہی میں مت ڈالو۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ اپنے آپ کو جان بوجھ کر ہلاکت میں ڈالنا جائز نہیں ہے۔ اسکا جواب دینے سے پہلے ہم سائل سے پوچھنا چاہیں گے کہ کفار کے ہجوم پر تنہا ایک مسلمان کا حملہ آور ہونا کیسا ہے جب کہ اسے یہ یقین بھی ہو کہ میں دشمنوں کے نرغے سے زندہ واپس نہیں آسکتا؟ اگر جواب اثبات میں ہے تو کیا یہ آیت کے منشا کی مخالفت نہیں ہے؟ اگر تہلکہ کا مفہوم وہی ہے جو سائل نے سمجھا ہے تو یقیناً یہ آیت اس شخص کے لئے بھی مانع ہوگی جو اللہ کی راہ میں شہادت کا جذبہ لے کر دشمنوں کی صفوں پر حملہ کرے' اور موت کے یقین کے باوجود ان سے دست و گریباں ہو' لیکن ہم سائل سے اتفاق نہیں کرسکتے' ہمارے سامنے حضرت عبداللہ ابن عباسؓ کا یہ ارشاد موجود ہے کہ تہلکہ سے مراد صف اعداء پر تنہا حملہ کرنا نہیں ہے بلکہ باری تعالیٰ کی اطاعت میں کھانا پینا ترک کردینا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ کھانا پینا چھوڑ کر اپنی جانوں کو ہلاکت میں مت ڈالو' حضرت براء ابن عازبؓ فرماتے ہیں کہ تہلکہ یہ ہے کہ کوئی شخص گناہ کرے اور پھر یہ کہے کہ میری توبہ قبول نہیں کی جائے گی' اسلئے میں توبہ نہیں کرتا۔ حضرت ابو عبیدہؓ فرماتے ہیں کہ تہلکہ یہ ہے کہ کوئی شخص گناہ کرے' اور اسکے بعد کوئی نیکی نہ کرے یہاں تک کہ موت آجائے' جب موت کے یقین کے باوجود دشمنوں پر حملہ کرنا' اور انکی صفوں میں گھس کر داد شجاعت دینا جائز ہے تو احتساب بھی جائز ہونا چاہیے اگرچہ قتل

ہو جانے کا خوف ہو۔ البتہ اس صورت میں کفار پر حملہ کرنا درست نہیں ہے کہ یہ یقین ہو کہ میں انھیں کوئی نقصان نہ پہنچا سکوں گا۔ مثلاً نابینا یا معذور و اپاہج آدمی تنہا دشمنوں کی صفوں میں جا گھسے 'ظاہر ہے کہ آنکھوں سے محروم اور جسم سے معذور شخص میدان جنگ میں نقصان کے علاوہ کیا کر سکتا ہے۔ ایسے شخص کے لئے حملہ کرنا جائز نہیں ہے 'اگر اس نے کوئی اقدام کیا تو وہ اس آیت کے عموم میں داخل ہو گا لاَ تُلْقُوا بِأَيْدِيكُمْ إِلَى التَّهْلُكَةِ۔ تن تنہا صف اعداء پر حملہ کرنا اس وقت درست ہے جب کہ یہ یقین ہو کہ میں بہت سے دشمنوں کو موت کی نیند سلا کر قتل ہوں گا 'یا یہ جانتا ہو کہ اگرچہ میں کسی کو قتل نہیں کر سکتا لیکن میدان جنگ میں اس طرح کود پڑنے سے دشمن خوف زدہ ہو جائیں گے 'میری بہادری اور بے جگری انھیں مرعوب کردے گی 'اور وہ دوسرے مسلمانوں کے متعلق بھی یہ سوچنے پر مجبور ہوں گے کہ ان میں بھی شوق جہاد کا جذبہ اسی طرح جوان ہو گا جس طرح اس شخص میں ہے 'اور وہ بھی اللہ کی راہ میں شہادت حاصل کرنے کی خاطر کسی طاقت کی پروا نہیں کریں گے 'اگر احتساب سے بھی اسی طرح کے فوائد متوقع اور مقصود ہوں تو یہ بھی جہاد کی طرح ہے 'جس طرح قتل کے یقین کے باوجود جہاد جائز ہے اسی طرح احتساب بھی جائز ہے بلکہ اگر محتسب یہ محسوس کرے کہ اسکا احتساب فاسق کو منکر سے باز رکھنے میں 'یا اس کی جاہ و حشمت زائل کرنے میں یا دیندار مسلمانوں کے دلوں میں تقویت پیدا کرنے میں مفید ثابت ہو گا تو اس کے لئے مار پیٹ یا قتل کی پروا کئے بغیر احتساب کرنا مستحب ہو گا۔

اس سلسلے میں ایک اور شرط بھی پیش نظر رہنی چاہیے کہ وہ یہ کہ متوقع ایذا کا تعلق صرف محتسب کی ذات سے ہو 'دوسروں تک محتسب علیہ کی ایذا نہ پہنچے 'اگر یہ خیال ہو کہ احتساب سے نہ صرف مجھے ضرر ہو گا بلکہ میرے ساتھ میرے دوست احباب اور عزیز رشتہ دار بھی نقصان اٹھائیں گے 'اس صورت میں احتساب کرنا جائز نہیں ہے 'اسلئے کہ یہاں ایک منکر کا ازالہ دوسرے منکر سے ہو رہا ہے اور یہ قاعدہ ہونے کی علامت نہیں ہے 'بلکہ اگر یہ یقین ہو کہ میرے احتساب سے وہ منکر تو زائل ہو جائے گا جس کا ازالہ میرا مقصود ہے 'مگر نتیجے میں دوسرا منکر پیدا ہو گا 'اور محتسب علیہ کے علاوہ دوسرے لوگ اس میں مبتلا ہو جائیں گے اس صورت میں بھی ظاہر تر مذہب کی رو سے احتساب کرنا جائز نہیں ہے اس لیے کہ مقصود یہ ہے کہ منکرات مطلقاً "زائل ہو جائیں نہ زید سے ان کا صدور ہو 'اور نہ عمرو بکر انکا ارتکاب کریں یہ ایسا ہی جیسے کسی شخص کے پاس حلال شربت تھا 'اتفاقاً نجاست گرنے سے وہ ناپاک ہو گیا 'محتسب جانتا ہے کہ اگر میں نے یہ شربت گرا دیا تو محتسب علیہ یا اس کے متعلقین شراب پینے لگیں گے 'گویا ایک منکر ختم ہو گا اور دوسرا منکر پیدا ہو جائے گا 'اس صورت میں نجس شربت گرانے کی ضرورت نہیں ہے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ منکر زائل کر دینا ہی بہتر ہے اگر محتسب علیہ یا اسکے متعلقین نے شراب کا سہارا لیا تو اسکی ذمہ داری ان پر ہوگی 'محتسب کو اپنا فرض ادا کرنا چاہیے یہ رائے بھی صحیح ہو سکتی ہے 'ہمارے خیال میں یہ مسئلہ بھی ان مسائل سے تعلق رکھتا ہے جن میں گمان غالب کا اعتبار ہوتا ہے 'اور مبتلا بہ اپنے اجتہاد کے مطابق فیصلہ کرتا ہے۔ مثلاً ایک شخص کسی دوسرے کی بکری اپنے کھانے کے لئے ذبح کر رہا ہے محتسب جانتا ہے کہ اگر میں نے اسے روکنے کی کوشش کی تو وہ بکری کے بجائے کسی انسان کو ذبح کرکے کھا جائے گا 'اس صورت میں منع نہ کرنا ہی بہتر ہے۔ ایک شخص کسی انسان کو قتل کر رہا ہے 'اور محتسب یہ جانتا ہے کہ اگر میں نے اسکو منع کیا تو وہ قتل کے ارادے سے باز آجائے گا 'لیکن اسکا مال ضرور چھین لے گا۔ اس صورت میں منع کرنا بہتر ہے۔ یہ دقائق محل اجتہاد ہیں 'محتسب کو چاہیے کہ وہ اپنے اجتہاد کی اتباع کرے 'مسائل کی ان ہی باریکیوں کی وجہ سے ہم یہ کہتے ہیں کہ عام آدمی کو صرف ان امور میں احتساب کرنا چاہیے جو واضح اور معلوم ہوں 'مثلاً شراب پینے اور زنا کرنے پر یا نماز ترک کرنے پر 'بعض افعال جو کسی ظاہر قرینے کی بنا پر معصیت نظر آتے ہیں لیکن حقیقت میں معصیت نہیں ہوتے یا انکی معصیت کا فیصلہ مجتہد کی رائے اور اجتہاد کا محتاج ہوتا ہے 'اس طرح کے امور میں کسی عام آدمی کا احتساب درستی اور اصلاح کے بجائے بگاڑ پیدا کرے گا۔ یہی وجہ ہے کہ بعض لوگوں نے احتساب کے لئے حاکم کی اجازت کی شرط لگائی ہے 'کیونکہ اگر حاکم کی اجازت کی قید نہ رہے تو یہ ممکن ہے کہ بہت سے وہ لوگ بھی احتساب کرنے لگیں گے جو اپنے علم میں نقصان یا دیانت میں قصور کی بنا پر اس منصب کے اہل نہ ہوں 'اس نکتے کی وضاحت آنے

والے صفحات میں کی جائے گی۔" انشاء اللہ"۔

علم مراد ہے یا ظن: یہاں یہ سوال کیا جاسکتا ہے کہ آپ نے مطلق علم کی قید لگائی ہے کہ اگر احتساب کے غیر مفید ہونے اور محتسب علیہ کی طرف سے ایذا پہنچنے کا علم ہو تو احتساب نہ کیا جائے لیکن اگر محتسب کو علم کے بجائے ظن ہو اس صورت میں کیا حکم ہے' اسکا جواب یہ ہیکہ ان ابواب میں ظن غالب علم کے معنی میں ہے' فرق صرف اس جگہ ہے جہاں ظن اور علم ایک دوسرے کے متعارض ہوں' وہاں علم یقینی کو ظن پر ترجیح دی جائے گی۔ دوسری جگہوں میں علم اور ظن دونوں کا حکم الگ الگ ہوتا ہے مثلاً اگر کوئی محتسب قطعیت کے ساتھ یہ بات جانتا ہے کہ احتساب مفید نہ ہو گا تو اس کے ذمے سے وجوب ساقط ہو جائے گا' اور اگر ظن غالب غیر مفید ہونے کا ہو مگر افادیت کا احتمال بھی ہو' اور ساتھ ہی یہ بھی معلوم ہو کہ محتسب علیہ ایذا نہیں پہنچائے گا' اس صورت میں اختلاف ہے' لیکن ظاہر تر یہی ہے کہ اس صورت میں احتساب واجب ہونا چاہئے کیونکہ ضرر کا کوئی اندیشہ نہیں' اور فائدے کی توقع ہے' امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے سلسلے میں وارد نصوص عموماً وجوب پر دلالت کرتی ہیں اس عموم میں تخصیص اجماع اور قیاس سے کی گئی ہے' قیاس یہ ہے کہ امر یا نہی بذات خود مقصود نہیں ہیں' بلکہ مامور مقصود ہے اگر مامور کی جانب سے قبولیت کی قطعاً کوئی امید نہیں تو وجوب سے کیا حاصل؟ ہاں اگر ادنیٰ درجے کی بھی توقع ہے تو وجوب ساقط نہ ہونا چاہیے۔

اسی نوعیت کا ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر ایذا کا پہنچنا یقینی نہ ہو' اور نہ غلبۂ ظن سے معلوم ہو' بلکہ مشکوک ہو' یا نہ پہنچنے کے متعلق غلبۂ ظن ہو اور پہنچنے کا احتمال ہو' کیا اس احتمال سے وجوب ساقط ہو جائے گا' یا وجوب صرف اس صورت میں ساقط ہو گا جب کہ ایذا پہنچنے کا غالب گمان ہو؟ اسکا جواب یہ ہے کہ اگر ایذا پہنچنے کا گمان غالب ہو تو احتساب واجب نہیں ہے' اور اگر ایذا نہ پہنچنے کا گمان غالب ہو تو احتساب واجب ہے' ایذا کے ضعیف احتمال سے وجوب ساقط نہیں ہوتا' اس لئے کہ اس طرح کے احتمالات تو ہر احتساب میں ہو سکتے ہیں' البتہ وہ صورت محل نظر ہے جس میں شک ہو' اور کسی بھی طرف غلبہ ظن نہ ہو' اس میں یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ نصوص کی عمومیت کا مقتضی وجوب ہے' اور یہ وجوب ایذا پہنچنے سے ساقط ہوتا ہے' یہ ضروری نہیں ہے کہ جب ایذا پہنچنے لگے اس وقت وجوب ساقط ہو گا' بلکہ ایذا پہنچنے کا علم یقینی ہو یا غلبہ ظن ہو' اور کیونکہ اس صورت میں نہ ایذا کا علم ہے' اور نہ غلبہ ظن ہے اسلئے وجوب ساقط نہ ہونا چاہیے' نیز یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ احتساب اسی صورت میں واجب ہے جب کہ محتسب کو ضرر نہ پہنچنے کا علم یقینی ہو یا غلبہ ظن ہو' اور کیونکہ یہاں نہ یقینی علم ہے اور نہ غلبہ ظن ہے اسلئے وجوب ساقط ہونا چاہیے۔ ہماری رائے میں پہلا احتمال ظاہر تر اور نصوص کی عمومیت کے مطابق ہے۔

بزدلی اور جرأت کا معیار: یہ صحیح ہے کہ ضرر کی توقع جرأت سے اور بزدلی کے اعتبار سے مختلف ہوتی ہے' بزدل اور ضعیف القلب انسان تو دور کے ضرر کو بھی قریب تصور کرتا ہے' اور ڈرا سہما رہتا ہے' جب کہ بہادر اور جوانمرد کسی بھی ضرر کو اس وقت تک اہمیت نہیں دیتا جب تک وہ واقع نہ ہو جائے' بسا اوقات واقع ہونے کے بعد بھی ہمت نہیں ہارتا۔ یہاں اس مسئلے میں کس شخص کا اعتبار کیا جائے' آیا اس بزدل نامرد کا جو احتمالات سے خوف زدہ ہے یا اس جوانمرد و بہادر کا جو واقعات سے بھی ہمت نہیں ہارا؟ اسکا جواب یہ ہے کہ طبیعت کا اعتدال اور مزاج و عقل کی سلامتی معیار ہے' اس پر اعتماد کرنا چاہیے۔ نامردی یعنی قلب کا ضعف ایک مرض ہے جو قوت میں کمی کا باعث بنتا ہے' تہور یعنی احمقانہ بہادری بھی حد اعتدال سے خارج ہے' اور افراط کے درجے میں ہے' یہ دونوں صفتیں نقص پر دلالت کرتی ہیں' کمال صرف اعتدال میں ہے جسے شجاعت سے تعبیر کیا جاتا ہے' بزدلی اور تہور عقل میں کمی' طبیعت میں عدم سلامتی' اور مزاج میں افراط و تفریط کے باعث پیدا ہوتی ہیں۔ کبھی معتدل آدمی بھی غلطی کر جاتا ہے' اور مواقع شر کا ادراک نہیں کرپاتا' اور جرأت کر بیٹھتا ہے' اس جرأت کی وجہ جہالت ہی ہوتی ہے' اور کبھی دفع شر کے

مواقع نہیں سمجھتا' اور ہمت ہار بیٹھتا ہے اس بزدلی کا سبب بھی جہالت ہی ہوتی ہے' بسا اوقات آدمی شر کے موقع اور دفع شر کی تدابیر سے واقف ہوتا ہے' اور ان کا تجربہ بھی رکھتا ہے لیکن دل کا ضعف اسے اقدام نہیں کرنے دیتا' بعید الوقوع شر کے مفروضہ امکانات اس کے دل پر اتنا ہی اثر کرتے ہیں جتنا اثر بہادر کے دل میں قریب الوقوع شر کا ہوتا ہے۔ اسلئے ان دو طرفوں کا کوئی اعتبار نہیں ہے' اصل اعتدال ہے۔ بزدل کو چاہیے کہ وہ اپنے مرض بزدلی کا علاج کرے اور اس علت کا ازالہ کرے جس سے بزدلی پیدا ہوئی ہے' وہ علت یا جہالت ہے' یا ضعف قلب ہے' جہالت کا ازالہ تجربہ سے ہوتا ہے' اور ضعف کا ازالہ اس فعل کے تکرار و اعادے سے جو خوف اور کم ہمتی کے باعث ہو' تکرار سے عادت بنتی ہے' اور عادت سے قوت پیدا ہوتی ہے' یہی وجہ ہے کہ مبتدی طلباء عموماً مناظرے اور وعظ سے جی چراتے ہیں' اور عام لوگوں کے سامنے کہنے کی جرأت نہیں کرپاتے' لیکن جب مسلسل مشق سے مہارت ہوجاتی ہے اور زبان کی گرہیں کھل جاتی ہیں' تو ضعف ختم ہوجاتا ہے' اور ہزاروں لاکھوں کے مجمع میں بھی وعظ کرنے یا بحث و مناظرہ کرنے میں کوئی ڈر محسوس نہیں ہوتا' نہ زبان رکتی ہے' نہ الفاظ ساتھ چھوڑتے ہیں' اور نہ مضامین دھوکا دیتے ہیں۔

اب اگر کسی شخص کا ضعف اپنی انتہا کو پہنچ چکا ہو اور کوئی تدبیر بھی اسکے حق میں مؤثر نہ ہو تو اسکا حکم اسکی حالت کے تابع ہے' جس طرح بیمار بعض واجبات میں معذور تصور کیا جاتا ہے اسی طرح اس ضعیف القلب کو احتساب کے باب میں معذور خیال کیا جائے گا۔ اسی لئے ہم یہ کہتے ہیں کہ اگر کوئی شخص سمندر میں سفر کرنے پر قادر نہ ہو' اور بہت زیادہ خوف محسوس کرتا ہو اس پر حج فرض نہیں ہے' اور جس شخص کا خوف معمولی اور فطری ہو اس پر واجب ہے۔ احتساب کو بھی اس پر قیاس کرنا چاہیے۔

ضرر کی حد کیا ہے؟ : یہاں ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ زیر بحث ضرر یا ایذا کی حد کیا ہے' اس سلسلے میں مختلف حالات ہیں' بعض لوگ الفاظ سے ایذا پاتے ہیں اور بعض مار پیٹ سے۔ ایسے بھی لوگ ہیں جو یہ پسند نہیں کرتے کہ کوئی شخص انکی غیبت کرے' یا بادشاہ کے دربار میں ان کی چغلی کھائے' یا کسی ایسی مجلس میں ان پر زبان طعن دراز کرے جس میں طعن کرنا ان کے حق میں ضرر کا باعث ہو' آپ ضرر کا کوئی ایسا معیار یا کوئی ایسی حد مقرر کریں جو ان تمام لوگوں کے حال پر صادق آئے' اور وہ حد پائی جائے تو ان کے ذمے سے احتساب کا وجوب ساقط ہوجائے؟ ہم اس کے جواب میں عرض کریں گے کہ سوال میں اٹھائی گئی بحث بھی انتہائی دقیق ہے ضرر کی صورتیں بھی زیادہ ہیں' اور وقوع کے مقامات بھی بہت ہیں' پھر بھی ہم کوشش کریں گے کہ اس کی قسمیں حصر کے ساتھ لکھ دی جائیں' تاکہ مغالطہ نہ ہو۔

جاننا چاہیے کہ کہ ایذا مطلوب کے مخالف ہے' اور دنیا میں مخلوق کے مطالب چار ہیں' نفس میں علم مطلوب ہے' جسم میں صحت اور تندرستی مطلوب ہے' مال میں ثروت مطلوب ہے اور لوگوں کے دلوں میں عزت و جاہ مطلوب ہے۔ یہ کل چار مطالب ہوئے علم' صحت' ثروت' اور جاہ۔ جاہ کے معنی ہیں لوگوں کے دلوں کا مالک ہونا۔ جس طرح آدمی مال کا مالک ہوکر اسے اپنی اغراض میں استعمال کرتا ہے اسی طرح لوگوں کے دلوں کا اقتدار حاصل کرکے انھیں بھی اپنی اغراض کا وسیلہ بنا سکتا ہے۔ جاہ کی تحقیق' اور اسکی طرف انسانی طبائع کے میلان کا سبب "احیاء العلوم" کی تیسری جلد میں بیان کیا جائے گا۔ انشاء اللہ فی الحال ہم مذکورہ مطالب پر نظر ڈالتے ہیں۔

یہ چاروں مطالب نہ صرف یہ کہ آدمی اپنے لئے چاہتا ہے بلکہ اپنے اقارب و مخصوصین کے لئے بھی طلب کرتا ہے' اور ان چاروں میں دو امر ناپسند کرتا ہے' ایک یہ کہ جو چیز موجود اور حاصل ہو وہ فوت ہوجائے اور دوم یہ کہ جو چیز اپنے پاس نہ ہو بلکہ ہو وہ نہ ملے' معلوم ہوا کہ ایذا کی صرف دو ہی وجہیں ہیں' ایک حاصل کا فوت ہونا' اور دوسری متوقع چیز کا نہ ملنا۔ متوقع اس چیز کو کہا جاتا ہے جس کا حصول ممکن ہو' جو چیز ممکن الحصول ہے وہ گویا حاصل ہی ہے' اس کے امکان کا ختم ہونا گویا حصول کا فوت ہونا ہے' اس کا مطلب یہ ہے کہ ضرر کی صرف دو قسمیں ہیں' ایک متوقع چیز کے حاصل نہ ہونے کا اندیشہ۔ اس صورت میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ترک کرنے کی اجازت دینا کسی بھی طرح مناسب نہیں ہے' ہم مذکورہ بالا چاروں مطالب میں اس ضرر کے اندیشے کی مثال

بیان کرتے ہیں، علم کی مثال یہ ہے کہ کوئی شخص اپنے استاد کے کسی قریبی عزیز پر اس خوف سے نکیر نہ کرے کہ وہ استاذ سے میری برائی کرے گا' اور استاذ مجھ سے ناراض ہو جائیں گے' اور مجھے تعلیم نہ دیں گے' صحت کی مثال یہ ہے کہ کوئی شخص ریشمی لباس پہننے والے حکیم کے پاس جائے' اور اسے منع نہ کرے' محض اس خوف کی بنا پر کہ اگر کبھی میں بیمار ہوا تو یہ حکیم میرا علاج نہیں کرے گا' اور اس طرح میری متوقع تندرستی رک جائے گی۔ مال کی مثال یہ ہیکہ بادشاہ امراء اور اہل ثروت پر نکیر نہ کرے محض اس خوف سے کہ وہ مالی امداد کا سلسلہ بند کردیں گے' جاہ کی مثال یہ ہے کہ جس شخص سے مستقبل میں اعانت' تائید اور نصرت کی توقع ہو اس کی ہر برائی سے چشم پوشی کرے' اور اس ڈر سے اسکا احتساب نہ کرے کہ میں اس کی اعانت و تائید سے محروم ہو جاؤں گا' اور جو منصب مجھے حاصل ہونے والا ہے' وہ حاصل نہیں ہوگا۔ اس طرح کے اندیشوں سے احتساب کا وجوب ساقط نہیں ہوتا کیوں کہ مذکورہ بالا مثالوں میں زیارات کے عدم حصول کا خوف ہے' اور زائد چیزوں کا نہ ملنا مجازی ضرر ہے حقیقی ضرر نہیں ہے' حقیقی ضرر یہ ہے کہ کوئی چیز اپنی ملکیت میں ہو اور وہ ضائع ہو جائے۔ البتہ زیادات میں صرف وہ چیزیں مستثنیٰ ہیں جن کی ضرورت شدید ہو' اور جن کے نہ ملنے کا ضرر امر بالمعروف کا فریضہ ترک کرنے اور منکر پر خاموش رہنے کے مقابلے زیادہ ہو' مثلاً ایک شخص بیمار ہے' اور توقع ہے کہ حکیم کی تشخیص و تجویز سے اس کا مرض جاتا رہے گا اور وہ تندرست ہو جائے گا' ساتھ ہی یہ بھی جانتا ہے اگر حکیم کے پاس جانے میں دیر کی گئی تو مرض شدت اختیار کرلے گا' عجب نہیں کہ یہ مرض سنگین ہو جائے اور ہلاکت کی نوبت آجائے۔ جاننے سے ہماری مراد ظن غالب ہے' وہ ظن غالب جس کی بنا پر پانی کا استعمال ترک کرکے تیمم کی طرف رجوع کیا جاتا ہے۔ اگر ظن غالب اس درجے کا ہو تو ترک احتساب کی اجازت دی جاسکتی ہے' یہ صحت میں ضرورت کی مثال تھی' علم میں اس کی مثال یہ ہے کہ کوئی شخص دین کے بنیادی عقائد و احکام سے ناواقف ہو' اور پورے شہر میں صرف ایک عالم ایسا موجود ہے جو اسے ان احکام کی تعلیم دے سکتا ہے' دوسرے علماء موجود ہیں لیکن وہ انکے پاس جانے پر قادر نہیں ہے' اور وہ یہ جانتا ہے کہ محتسب علیہ اس عالم کا عزیز ہے' اور وہ عالم مذکور کو تعلیم نہ دینے پر مجبور کرسکتا ہے' یہاں دو ممنوعہ امور کا اجتماع ہے' مہمات دین سے ناواقف رہنا بھی ممنوع ہے' اور منکر پر سکوت اختیار کرنا بھی منع ہے۔ اس صورت میں قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ کسی ایک جانب کو ترجیح دی جائے' اگر امر منکر نہایت فحش اور قبیح ہو تو احتساب کو ترجیح ملنی چاہیے' اور امور دین کی حاجت زیادہ ہو تو عدم احتساب کو ترجیح دیجانی چاہیے' مال میں حاجت کی مثال یہ ہے کہ محتسب کمانے یا کسی کے سامنے دست سوال دراز کرنے سے عاجز ہے' اور توکل کی قوت سے بھی محروم ہے' صرف ایک شخص ایسا ہے' جو اس کے نان نفقہ کے مصارف برداشت کرتا ہے' اگر اس پر احتساب کیا گیا تو اندیشہ یہ ہے کہ وہ ناراض ہو جائیگا' اور محتسب کی امداد کا سلسلہ بند کردے گا' اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ محتسب کو اپنے نفقے کے لئے حرام مال کا سہارا لینا پڑے گا یا بھوک سے ہلاک ہو جائے گا۔ جاہ میں احتیاج کی مثال یہ ہے کہ کوئی شرپسند محتسب کے درپے آزار ہے' اسکی ایذا سے محفوظ رہنے کی صرف ایک ہی تدبیر ہے وہ یہ کہ بادشاہ کے دربار میں اسکی رسائی ہو لیکن اسکا وسیلہ ایک ایسا شخص ہے جو منکر میں مبتلا ہے' اب اگر اسے برا کہا جائے تو یہ خدشہ ہے کہ وہ بادشاہ تک پہنچنے کے لئے اسکا وسیلہ بننے سے انکار کردے گا' عجب نہیں کہ وہ دربار شاہی میں اسکی رسوائی کا سامان کردے' اس صورت میں بھی ترک احتساب کی اجازت دی جائے گی۔ اس طرح کی ضرورتیں اگر قوی ہوں انھیں مستثنیٰ کیا جاسکتا ہے مگر انکا مدار محتسب کے اجتہاد پر ہے جب بھی اس طرح کے حالات پیش آئیں وہ اپنے دل سے فتویٰ لے' اپنی ضرورت کی شدت اور منکر کی قباحت میں موازنہ کرے' اور ان دونوں میں سے کسی ایک کو دینی نقطۂ نظر سے ترجیح دے' نہ کہ اپنی خواہش سے۔ دینی نقطۂ نظر سے ان امور کو ترجیح دے کر سکوت کرنے کا نام مدارات ہے' اور خواہش نفس کی وجہ سے خاموش رہنے کا نام مداہنت ہے۔ یہ باطنی معاملات ہیں جن پر مطلع ہونا دقت نظر کے بغیر ممکن نہیں ہے۔ ہر دیندار صاحب ایمان کے لئے ضروری ہے کہ وہ ہر لحہ ہر آن اپنے قلب کا نگراں رہے' اور یہ یقین رکھے کہ اللہ تعالیٰ ہمارے ہر فعل کی حقیقت پر مطلع ہے اور یہ جانتا ہے کہ اسکا منبع رضاء الٰہی یا خواہش نفس ہے اللہ تعالیٰ کے یہاں ہر نیکی کا اجر اور ہر بدی کا بدلہ موجود

ہے خواہ وہ نیکی یا بدی دل کے التفات' اور نظر کے اشارے ہی کی صورت میں کیوں نہ ہو' اس کے یہاں ظلم وجور نہیں ہے' وہ اپنے بندوں پر زیادتی نہیں کرتا۔

ضرر کی دوسری قسم یعنی حاصل شدہ چیز کا فوت ہوجانا واقعتاً ضرر ہے' اور علم کے علاوہ باقی تینوں مطالب میں احتساب کے وجوب کو ساقط کرنے میں معتبر مؤثر ہے' علم میں اس لئے معتبر نہیں کہ یہ نعمت خداوندی ہے' اور کسی شخص کے اختیار میں نہیں ہے کہ وہ کسی دوسرے کا علم سلب کرلے اور اسے جہالت کے اندھیروں میں بھٹکنے پر مجبور کردے' ہاں اگر خود ہی اس نعمت کی ناقدری کرے اور اسے ضائع کردے تو اسکا کیا علاج ہے' یہ بھی علم کی فضیلت کا ایک سبب ہے' کہ جس طرح آخرت میں اس کا اجر وثواب دائمی ہے اسطرح دنیا میں بھی اسے زوال نہیں ہے' مار پیٹ سے صحت وتندرستی متاثر ہوتی ہے' اور بسا اوقات سخت ضرب سے کوئی ایسا مرض پیدا ہوجاتا ہے جو زندگی بھر کے لئے مفلوج بنادیتا ہے' اگر کوئی شخص یہ جانے کہ احتساب سے مجھ پر سختی کی جائے گی' اور میرے جسم کے نازک حصوں پر چوٹ پڑے گی جس کے نتیجے میں وہ عضو بیکار ہوجائیں گے' ایسے شخص پر احتساب واجب نہیں ہے' صرف مستحب ہے جیسا کہ اسطرح کے مواقع پر احتساب کے استحباب کا ذکر ہم پہلے بھی کرچکے ہیں۔ جب سخت مار پیٹ میں وجوب باقی نہیں رہتا زخمی کرنے' عضو کاٹنے' اور قتل کرنے میں بطریق اولیٰ یہ وجوب باقی نہیں رہے گا۔ ثروت کے ضائع ہونے کی صورت یہ ہے کہ سامان لٹ جائے' مکان گرادیا جائے' کپڑے چھین لئے جائیں' کھیتی کاٹ لی جائے یا جلادی جائے' ان صورتوں میں بھی وجوب ختم ہوجاتا ہے' صرف استحباب باقی رہتا ہے' ایمان کا تقاضا یہی ہے کہ آدمی دین پر دنیا کو نثار کردے' اور اللہ کے احکام کی بجاآوری میں اپنے کسی مالی یا جسمانی نقصان کی کوئی پروا نہ کرے۔

ضرب اور مال کے غصب میں سے ہر ایک کے کئی درجے ہیں' ایک درجہ کمی کا ہے' جس کی کوئی پروا نہیں کی جاتی' جیسے کوئی ایک دھیلا یا پائی چھین لے' یا ہلکا سا تھپڑ لگادے' ایک درجہ زیادتی کا ہے' واجب کے ساقط ہونے میں اسی کا اعتبار کیا جاتا ہے' ایک درمیانی درجہ ہے اس میں کوئی فیصلہ کرنا مشکل ہوتا ہے' اور مبتلا بہ پر یہ واضح نہیں ہوتا کہ وہ اس درجہ کو وجوب کا سبب قرار دے یا سقوط وجوب کا' دیندار اور متبع شریعت محتسب کو چاہیے کہ وہ ان حالات میں اپنی مجتہدانہ بصیرت کی رہنمائی حاصل کرے' اور جہاں تک ممکن ہو دین کو ترجیح دے۔ جاہ ختم ہونے کی صورت یہ ہے کہ محتسب عزت دار ہو' اور احتساب کے نتیجے میں اسے مجمع عام میں زدوکوب کیا جائے' یا گالیاں دی جائیں' یا خود اس کا رومال اس کے گلے میں ڈال کر شہر میں پھرایا جائے' یا چہرہ پر سیاہی مل دی جائے' اور گدھے پر سوار کراکے تماشا بنایا جائے' اگر ضرب شدید ہے تو یہ صحت کے ضائع جانے کی صورت ہے' لیکن اگر ضرب معمولی ہے تو اس سے صحت متاثر نہیں ہوتی' لیکن عزت پر حرف آتا ہے' بظاہر جسم کوئی تکلیف محسوس نہیں کرتا' لیکن دل غمگین اور مضطرب ہوجاتا ہے' اور اسی کے آثار جسم پر بھی ہویدا ہوتے ہیں' جاہ کے بھی کئی درجے ہیں' ایک درجہ وہ ہے جسے بے عزتی سے تعبیر کرتے ہیں جیسے ننگے سر' اور ننگے پاؤں شہر میں گشت کرانا' منھ پر سیاہی ملنا وغیرہ' اگر جاہ پر اس درجے میں حرف آتا ہو تو خاموش رہنے اور احتساب نہ کرنے کی اجازت ہے' اسلئے کہ شریعت نے اپنی عزت کے تحفظ کا حکم دیا ہے' نیز بے حرمتی' اور توہین کی تکلیف جسم اور مال کے سلسلے میں پہنچنے والی ہر تکلیف کے مقابلے میں زیادہ ہوتی ہے۔ دوسرا درجہ یہ ہے کہ صرف جاہ ختم ہو' بے عزتی اور اہانت نہ ہو' مثلاً ایک شخص بن سنور کر' عمدہ اور قیمتی کپڑے پہن کر اور گھوڑے پر سوار ہوکر نکلتا ہے' وہ یہ جانتا ہے کہ اگر میں نے احتساب کیا تو مجھے گھوڑے کی سواری ترک کرنی پڑے گی' اور شہر کی سڑکوں پر پیادہ پا ایسے لباس میں پھرنا ہوگا جس کا میں عادی نہیں ہوں' لباس کی عمدگی' اور گھوڑے کی سواری زیادتی جاہ کے امور ہیں جو شرعاً مطلوب نہیں ہیں' اسلئے اگر احتساب کے نتیجے میں یہ امور ترک ہوجائیں تو وجوب اپنی جگہ باقی رہے گا۔ عزت وحرمت کی پاسداری محبوب ہے زیادتی جاہ کی حفاظت پسندیدہ نہیں ہے' یہ امر بھی جاہ کی زیادتی ہی کے ہم معنی ہے کہ لوگ مجھے ہدف ملامت بنائیں گے' میری طرف جہالت' حماقت' نفاق اور ریاکاری کی نسبت کریں گے' یا میری غیبت کریں گے' اور میرے متعلق طرح طرح کے الزامات تراش کر میرے متعلقین

اور معتقدین کو مجھ سے بدظن کرنے کی کوشش کریں گے۔ ان حالات میں بھی وجوب ساقط نہیں ہوتا کیونکہ اس میں زیادتی جاہ کا زوال ہے جس کی زیادہ ضرورت نہیں ہے' اگر ملامت گر کی ملامت' غیبت کرنے والے کی غیبت' اور لوگوں کے دلوں سے قدر و منزلت نکل جانے کے خوف سے احتساب ترک کیا جانے لگے تو اسکا وجوب ہی باقی نہ رہے' کیوں کہ غیبت کے علاوہ ہر منکر میں اس کا امکان موجود ہے' غیبت میں اسلئے گنجائش ہے کہ اگر محتسب یہ جانے کہ غیبت کرنے والا میرے منع کرنے سے خاموش نہیں ہوگا بلکہ میری غیبت شروع کردے گا' اس صورت میں احتساب حرام ہے' کیونکہ احتساب معصیت کے لئے مانع بننے کے بجائے زیادتی کا باعث بن رہا ہے۔ البتہ اگر یہ جانے کہ میرے منع کرنے سے غیبت کرنے والا شخص اس شخص کی غیبت سے باز آجائے گا جس کی وہ غیبت کررہا ہے۔ اسکے بجائے میری غیبت شروع کردے گا' اسے صورت میں احتساب واجب کے بجائے مستحب ہوجاتا ہے' کیونکہ اپنی آبرو کی حفاظت سے زیادہ اہم اور لائق اجر یہ ہے کہ دوسرے کی آبرو کی حفاظت کی جائے' جذبۂ ایثار کا تقاضا بھی یہی ہے' شرعی نصوص کے عموم سے ثابت ہوتا ہے کہ احتساب واجب ہے' اور منکر پر خاموش رہنے میں زبردست خطرہ ہے' یہ احتساب اسی صورت میں ساقط ہوسکتا ہے جب کہ نفس' مال آبرو' اور جسم میں اسی طرح کے کسی خطرے یا نقصان کا خوف ہو' حشمت و جاہ کی زیادتی کی طلب اور لوگوں کی مدح سرائی کی خواہش شرع کی نظر میں پسندیدہ نہیں ہے اسلئے اس کا نقصان منکر پر خاموش رہنے کے نقصان کا مقابلہ نہیں کرسکتا۔

<u>اقارب کو ایذا پہنچنے کا خوف</u> : اسمیں شک نہیں ہے کہ دوسروں کو ایذا پہنچنے کی تکلیف اپنے آپ کو ایذا پہنچنے کی تکلیف سے بہت کم ہوتی ہے' اس لحاظ سے اگر محتسب علیہ محتسب کو تکلیف پہنچانے کے بجائے اس کے اقارب (ماں باپ اولاد وغیرہ) کو تکلیف پہنچائے تو وہ وجوب ساقط نہ ہونا چاہیے' کیونکہ دینی نقطۂ نظر سے دوسرے شخص کا حق اپنے حق سے زیادہ اہم اور موکد ہے' اسلئے محتسب خود اپنے حق میں تو تسامح سے کام لے سکتا ہے لیکن دوسرے کی حق تلفی کرنا اسکے لئے جائز نہیں ہے' اس صورت میں جب کہ اقارب کو ایذا پہنچنے کا اندیشہ ہو احتساب نہ کرنا چاہیے' اسلئے کہ اقارب کے حقوق کا ضیاع دو حال سے خالی نہیں ہے یا تو محتسب علیہ معصیت کے طور پر ان کے حقوق ضائع کرے گا جیسے مارنا' لوٹنا' وغیرہ' اس صورت میں احتساب جائز نہیں ہے' کیوں کہ یہاں ایک منکر سے باز رکھنے کے نتیجے میں دوسرا منکر پیدا ہورہا ہے' یا ان کی حق تلفی معصیت کی راہ سے نہیں ہوگی' اس صورت میں بھی احتساب درست نہیں ہے' کیونکہ اس میں بھی مسلمانوں کو ایذا پہنچانا ہے' اور کسی مسلمان کے لئے جائز نہیں کہ وہ دوسرے کی رضامندی کے بغیر کوئی ایسا کام کرے جس سے اسے ضرر لاحق ہو یا ایذا پہنچے۔ بہرحال اگر یہ خوف ہو کہ احتساب کا ضرر میرے بجائے میرے اقارب کو لاحق ہوگا تو احتساب نہ کرنا چاہیے' اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص تارک الدنیا ہے' نہ اسکے پاس مال و متاع ہے نہ جائداد ہے نہ منصب ہے' البتہ اسکے اقارب مالدار ہیں' وہ جائداد بھی رکھتے ہیں اور اعلیٰ مناصب پر بھی فائز ہیں' اس شخص کو اپنی بے سروسامانی کے پیش نظر اپنے کسی ذاتی نقصان کا کوئی اندیشہ نہیں ہے' ڈر ہے تو صرف اس بات کا اگر میں نے بادشاہ کا احتساب کیا تو وہ میرا غصہ میرے اقارب پر نکالے گا اور انھیں نقصان پہنچائیگا' انھیں زدوکوب کریگا' ان کا مال چھین لے گا' یا ان کو انکے عہدوں سے برطرف کردے گا' ان حالات میں احتساب نہ کرنا چاہیے' اسلئے کہ مسلمانوں کو ایذا پہنچانا ممنوع ہے جس طرح منکر پر خاموش رہنا ممنوع ہے' البتہ اگر اقارب کے جان و مال کے نقصان کا خوف نہ ہو بلکہ صرف یہ اندیشہ ہو کہ انھیں برا بھلا کہا جائے گا' اور گالیاں دی جائیں گی' اس صورت میں کچھ گنجائش ہے' لیکن یہ دیکھ لینا ضروری ہے کہ وہ گالیاں اتنی زیادہ سخت اور توہین آمیز تو نہیں کہ آبرو پر اثر انداز ہوں' اور دل میں انکی کوئی تکلیف زیادہ ہو۔

<u>معصیت کے خلاف قتال</u> : یہاں ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر کوئی شخص اپنے جسم کا کوئی عضو کاٹے ڈال رہا ہو اور یہ خیال ہو کہ زبان سے منع کرنا اسکے حق میں مؤثر نہیں ہوگا' بلکہ قتال کی ضرورت پیش آئے گی' یہ بھی ہوسکتا ہے کہ قتال میں وہ

شخص مارا جائے' کیا اس صورت میں اس سے قتال کرنا چاہیے یا نہیں؟ اگر جواب اثبات میں ہے تو یہ بات حیرت انگیز ہے کہ جس شخص کا عضو کٹنا گوارا نہیں اسے جان سے ماردیا جائے' کیا اس میں اس عضو کا اتلاف نہیں ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس شخص کو منع کرنا چاہیے جو اپنا عضو کاٹ رہا ہو' اگر وہ نہ مانے تو اس سے لڑنا بھی ضروری ہے' خواہ وہ اس جنگ میں ہلاک ہی کیوں نہ ہوجائے کیوں کہ مقصود اس کے اعضاء یا جان کی حفاظت نہیں ہے بلکہ منکر اور معصیت کا سدّباب کرنا مقصود ہے۔ احتساب کے نتیجے میں اس کا قتل ہوجانا معصیت نہیں ہے' بلکہ معصیت یہ ہے کہ وہ اپنا کوئی عضو کاٹ دے۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے کوئی شخص کسی مسلمان کے مال پر حملہ کرے' اور زبردستی چھیننے کی کوشش کرے' اگر مال کا مالک اپنے مال کی حفاظت یا مدافعت میں کوئی ایسا اقدام کربیٹھے جو حملہ آور کی ہلاکت کا سبب ہو تو ایسا کرنا درست ہے' نہ اس اقدام کو معصیت کہا جائے اور نہ اس کے معنی یہ ہوں گے کہ مال کے عوض ہم نے مسلمان کی جان لے لی ہے۔ بلکہ اس کا مطلب یہ ہوگا کہ مسلمان کا مال غصب کرنا معصیت ہے' اور اس معصیت سے باز رکھنے کے نتیجے میں غاصب کا ہلاک ہوجانا معصیت نہیں ہے' بلکہ معصیت کا قلع قمع کرنا ہے' تاہم کسی سے محض اس خیال کی بنا پر آمادہ قتال ہوجانا اور اسے ہلاک کردینا درست نہیں کہ وہ شخص اگر تنہا ہوگا تو اپنا ہاتھ یا کوئی دوسرا عضو کاٹ لے گا' اس لئے بہتر یہ ہے کہ اسے ہلاک کردیا جائے' تاکہ معصیت کا کوئی امکان ہی باقی نہ رہے' اسلئے کہ یہ بات یقین سے ثابت نہیں ہے کہ وہ تنہائی میں اس معصیت کا ارتکاب کرے گا' محض معصیت کے وہم کی بنا پر کسی کا خون بہانا جائز نہیں ہے' ہاں اگر اسے معصیت کا ارتکاب کرتا ہوا دیکھیں تو منع ضرور کریں گے' اور قتال کی ضرورت ہوگی تو اس سے بھی گریز نہیں کریں گے' خواہ یہ قتال اسکی زندگی کا خاتمہ ہی کیوں نہ کردے۔

معصیت کی تین قسمیں : جاننا چاہیے کہ معصیت کی تین قسمیں ہیں' ایک یہ کہ وجود میں آچکی ہو' اس معصیت پر سزا تعزیر اور حد کی صورت میں دی جائے گی' اس سزا کا تعلق حکام سے ہے' افراد سے نہیں ہے' دوسری قسم یہ ہے کہ فی الحال اس کا ارتکاب کیا جارہا ہو' مثلاً کوئی شخص ریشمی لباس پہنے ہوئے ہو' ساز بجارہا ہو' یا شراب کا جام ہاتھ میں لئے ہوئے ہو' ایسی معصیت کا ازالہ واجب ہے' خواہ اسکے لئے کوئی بھی طریقہ اختیار کیا جائے' البتہ یہ خیال ضرور رکھا جائے کہ وہ طریقہ نہ اس معصیت جیسی معصیت ہو' اور نہ اس سے زیادہ قبیح ہو' اس معصیت کا ازالہ رعایا کے افراد بھی کرسکتے ہیں' تیسری قسم میں وہ معصیت ہے جس کا عالم وجود میں آنا متوقع ہو' مثلاً ایک شخص کسی مکان کو آراستہ پیراستہ کرکے شراب نوشی پر آمادہ ہے' یہ معصیت مشکوک ہے' ضروری نہیں ہے کہ وہ شخص اپنے ارادے کو عملی جامہ پہنائے' یہ بھی ممکن ہے کہ کوئی رکاوٹ پیش آجائے' اور وہ اس معصیت کا ارتکاب نہ کرسکے' اس شخص کو صرف زبانی فہمائش اور وعظ و نصیحت کے ذریعہ منع کیا جاسکتا ہے' مار پیٹ اور لعنت ملامت کے ذریعہ منع کرنے کا اختیار نہ عام لوگوں کو حاصل ہے اور نہ بادشاہ اور اسکے نائبین کو۔ ہاں اگر اس طرح مجلس ترتیب دے کر' اور شراب پینے کی جگہ کو سجا کر معصیت کا ارتکاب کرنا اس کی دائمی عادت ہو تو منع کرنا چاہیے' کیوں کہ وہ عام لوازم مہیا کرچکا ہے' اب صرف شراب کا انتظار ہے' جس کا آنا یقینی ہے' ان حالات میں زدو کوب اور زجر و توبیخ سے بھی منع کیا جاسکتا ہے اگر زبانی فہمائش مفید نہ ہو۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے بہت سے سرپھرے اور آوارہ منش نوجوان زنانہ حماموں کے آس پاس کھڑے ہوجاتے ہیں' اور خواتین کو اندر جاتے ہوئے اور باہر نکلتے ہوئے' دیکھتے ہیں' اگرچہ وہ ان کا راستہ تنگ نہیں کرتے' نہ انھیں پریشان کرتے ہیں' اگر کوئی شخص انھیں وہاں کھڑے ہونے سے منع کردے' اور اسکے لئے تشدد کا راستہ اپنائے تو کوئی حرج نہیں ہے' اس لئے کہ ایسی جگہوں پر ٹھہرنا بجائے خود معصیت ہے' اگرچہ وہ معصیت کا ارادہ نہ رکھتے ہوں' یہ ایسا ہی ہے جیسے اجنبیہ کے ساتھ خلوت میں رہنا مظنۂ معصیت کی بنا پر معصیت ہے' اور اس سے منع کیا جاتا ہے' مظنۂ معصیت سے ہماری مراد وہ فعل ہے جس کے ارتکاب سے عموماً معصیت کو راہ ملتی ہے' اس صورت میں منع کرنا متوقع معصیت پر احتساب نہیں ہے بلکہ موجودہ معصیت کا سدّباب ہے۔

دوسرا رکن۔ منکر : احتساب کا دوسرا رکن وہ منکر ہے جو فی الحال موجود ہو' اور محتسب پر بغیر جستجو کے واضح ہو' اور اس کا

منکر ہونا کسی اجتہاد کے بغیر معلوم ہو۔ یہ چار شرائط ہیں۔ ذیل میں ہم ہر شرط کی الگ الگ تفصیل کرتے ہیں۔

پہلی شرط۔ کسی شئی کا منکر ہونا : اس سے مراد یہ ہے کہ از روئے شرع اس چیز کا واقع ہونا ممنوع ہو، ہم نے معصیت کے بجائے منکر کا لفظ استعمال کیا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ لفظ منکر معصیت کے مقابلے میں زیادہ عام ہے، چنانچہ بچے یا پاگل کو شراب پیتے ہوئے دیکھنے والے پر واجب ہے کہ وہ انھیں شراب پینے سے روک دے، اور ان کی شراب ضائع کردے، یہی حکم اس وقت ہے جب کوئی پاگل مرد کسی پاگل عورت یا چوپائے کے ساتھ صحبت کرتا ہوا پایا جائے، اس طرح کے منکرات سے روکنا اس لئے ضروری نہیں ہے کہ یہ زیادہ فحش اور قبیح ہیں، یا لوگوں کے سامنے ان کا ارتکاب کیا جارہا ہے، بلکہ اگر کوئی شخص تنہائی میں بھی ان کا مرتکب ہو تب بھی منع کرنا واجب ہے حالانکہ زنا مجنون کے حق میں معصیت قرار نہیں دیا جاسکتا کیونکہ وہ شرعی اوامر و نواہی کا پابند ہی نہیں ہے، ہم نے معصیت کے بجائے منکر کا لفظ اسلئے استعمال کیا ہے کہ یہ لفظ تمام برائیوں پر بھی دلالت کرتا ہے اور معصیت سے عام بھی ہے، اگر ہم معصیت کا لفظ استعمال کرتے تو مجنوں اور بچے کے فعل اس کے دائرے میں نہ آتے، علاوہ ازیں لفظ منکر کے عموم میں ہم نے کبیرہ اور صغیرہ کے گناہوں کو شامل کیا ہے۔ احتساب صرف کبیرہ گناہوں کے ساتھ مخصوص نہیں ہے، بلکہ صغیرہ گناہوں سے روکنا بھی واجب ہے، مثلاً حمام میں برہنہ جسم داخل ہونا، اجنبی عورت کے ساتھ خلوت میں جانا، یا نامحرم عورتوں کو تاکنا وغیرہ صغیرہ گناہ ہیں، اس کے باوجود محتسب کو چاہیے کہ وہ ان امور کا ارتکاب کرنے والوں کو منع کرے۔ صغیرہ اور کبیرہ گناہوں کے درمیان کچھ فرق ہے، مگر یہ بحث چوتھی جلد کی کتاب التوبہ میں آئے گی۔ انشاء اللہ۔

دوسری شرط۔ منکر کا فی الحال وجود : دوسری شرط یہ ہے کہ منکر فی الحال موجود ہو، یہ قید اسلئے ضروری ہے کہ جو شخص شراب پی کر فارغ ہوچکا ہے اس کے محاسبہ کا اختیار ہر شخص کو نہیں ہے، بلکہ اس نے حدود اللہ سے تجاوز کیا ہے اسلئے زمین میں اسکے نائبین اسے وہ سزا دیں گے جو اس جرم کے لئے متعین ہے، اس شرط سے متوقع منکر سے بھی احتراز ہوتا ہے، اسلئے کہ محاسبہ اسی منکر پر کیا جاسکتا ہے جس کا وجود یقینی ہو، متوقع منکر میں شک ہوتا ہے یہ بھی ہوسکتا ہے کہ واقع ہوجائے، اور یہ بھی ممکن ہے کہ واقع نہ ہو، مثال کے طور پر کسی قرینے سے یہ بات معلوم ہورہی ہے کہ فلاں شخص شراب پئے گا، یہ ضروری تو نہیں کہ وہ شراب پئے گا، یہ بھی ممکن ہے کہ کوئی رکاوٹ پیدا ہوجائے، اور یہ گناہ اس سے سرزد نہ ہو، اس صورت میں صرف زبانی وعظ کے ذریعہ احتساب کی اجازت ہے، یہ بھی اس وقت جب کہ وہ اپنے ارادے سے انکار نہ کررہا ہو، اگر انکار کردے تو زبانی وعظ کی بھی اجازت نہیں ہے، کیونکہ یہ مسلمان کے ساتھ بدگمانی ہے۔ ممکن ہے وہ سچ کہہ رہا ہو، یہ بھی ممکن ہے کہ عزم و ارادے کے باوجود اس گناہ سے محفوظ رہ جائے، اور کوئی ایسی رکاوٹ کھڑی ہوجائے جس کی بنا پر وہ اپنے ارادے کی تکمیل نہ کرسکے، البتہ اس حکم سے وہ صورتیں مستثنیٰ رہیں گی جو مظنۂ معصیت نہیں، جیسے اجنبیہ عورت کے ساتھ خلوت میں رہنا یا حمام کے قریب کھڑے ہونا وغیرہ۔ اس استثناء کی وجہ ہم پہلے رکن کی بحث میں بیان کرچکے ہیں۔

تیسری شرط۔ منکر کا جستجو کے بغیر اظہار : تیسری شرط یہ ہے کہ وہ منکر کسی تجسس کے بغیر محتسب پر ظاہر ہوجائے، چنانچہ اگر کوئی شخص اپنے گھر میں چھپ کر معصیت کا ارتکاب کرتا ہو تو اس کی ٹوہ میں لگنا جائز نہیں ہے، اللہ تعالیٰ نے کسی شخص کے عیوب تلاش کرنے سے منع فرمایا ہے، اس سلسلے میں حضرت عمرؓ اور حضرت عبدالرحمن ابن عوفؓ کا واقعہ مشہور ہے، ہم نے کتاب الصحبة میں یہ واقعہ نقل بھی کیا ہے، اس طرح کا ایک واقعہ یہ ہے کہ حضرت عمرؓ کسی شخص کی دیوار کے اوپر چڑھ گئے، اور مکان میں جھانکنے لگے، وہ شخص اس وقت کسی برائی میں مشغول تھا، آپ نے اسے تنبیہہ فرمائی، اس شخص نے عرض کیا کہ امیر المومنین! میں نے اللہ تعالیٰ کے حکم کی نافرمانی کی ہے، جبکہ آپ بیک وقت تین حکموں کو ماننے سے عملی طور پر انکار کررہے ہیں، آپ نے فرمایا وہ تین حکم کیا ہیں، اس نے عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :۔

وَلَا تَجَسَّسُوْا (پ۲۶ ر۱۴ آیت ۱۲)

اور سراغ مت لگایا کرو۔

حالانکہ آپ جاسوسی کررہے ہیں' اور میرے عیوب تلاش کررہے ہیں' اللہ تعالیٰ کا دوسرا حکم یہ ہے :-

وَأْتُوا الْبُيُوْتَ مِنْ أَبْوَابِهَا (پ۲ ر۷ آیت ۱۸۹)

اور گھروں میں انکے دروازوں سے آؤ۔

آپ اس حکم کے علی الرغم دیوار کے راستے تشریف لائے' قاعدے میں آپ کو دروازے سے آنا چاہیے تھا تیسرا حکم یہ ہے :-

لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا غَيْرَ بُيُوْتِكُمْ حَتّٰى تَسْتَأْنِسُوْا وَتُسَلِّمُوْا عَلٰٓى اَهْلِهَا۔ (پ۱۸ ر۱۰ آیت ۲۷)

تم اپنے (خاص رہنے کے) گھروں کے سوا دوسرے گھروں میں داخل مت ہو جب تک کہ (ان سے) اجازت حاصل نہ کرلو اور (اجازت لینے کے قبل) ان کے رہنے والوں کو سلام نہ کرلو۔

حالانکہ نہ آپ نے سلام کیا اور نہ اندر آنے کی اجازت چاہی' حضرت عمرؓ نے اسے سزا نہیں دی' اور اس وعدہ پر اسے معاف کردیا کہ وہ اس جرم سے توبہ کرلے گا اور آئندہ کبھی اس کا مرتکب نہیں ہوگا' اسی طرح کی ایک روایت یہ ہے کہ حضرت عمرؓ نے ایک دن منبر پر تقریر کرتے ہوئے صحابہ کرام سے دریافت کیا کہ اگر امام کسی منکر کا بچشم خود مشاہدہ کرے تو کیا وہ محض اپنے مشاہدے کی بنا پر مزید گواہی کے بغیر حد قائم کرسکتا ہے' حضرت علیؓ نے فرمایا کہ اقامت حد کے لئے تنہا امام کا مشاہدہ کافی نہیں ہے' بلکہ دو عادلوں کی گواہی ضروری ہے' اس طرح کی متعدد روایات ہم نے کتاب الصحبت کے اس باب میں ذکر کی ہیں جس میں مسلمانوں کے حقوق پر بحث کی گئی ہے' یہاں ہم ان روایات کے اعادے کی ضرورت محسوس نہیں کرتے۔

ظہور و خفا کی حد : یہ سوال اٹھ سکتا ہے کہ منکر کے ظاہر ہونے' اور مخفی ہونے کی حد کیا ہے' اس کا جواب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص اپنے گھر کا دروازہ بند کرلے یا دیواروں کی آڑ میں ہوجائے تو محض اس کی معصیت کا حال معلوم کرنے کے لئے اس کی مرضی و اجازت کے بغیر گھر میں داخل ہونا ممنوع ہے' یہ اس وقت ہے جبکہ گھر کے اندر ہونے والا منکر باہر والے پر ظاہر ہو' لیکن اگر آواز یا بو کے ذریعہ منکر کا پتا چل رہا ہو تو اجازت کے بغیر اندر داخل ہونا اور منکر کا ازالہ کرنا جائز ہے' مثلاً بانسری اور تار کے باجے بج رہے ہوں یا شراب کے جام کھنک رہے ہوں' اور انکی آواز باہر تک آرہی ہو' یا مکان کے مکین اس طرح گفتگو کررہے ہوں جو شراب پینے والوں کی عام عادت ہے' یہ اظہار احتساب کو واجب کرتا ہے' ان حالات میں گھر کے اندر اجازت کے بغیر داخل ہونا اور لہو کے آلات توڑ ڈالنا جائز ہے' گھر کے اندر ہونے والا منکر جس طرح آواز سے ظاہر ہوجاتا ہے اسی طرح بو سے بھی ظاہر ہوجاتا ہے' مثلاً شراب کی بو باہر محسوس کی جاسکتی ہے' اگر یہ احتمال ہو کہ یہ بو رکھی ہوئی شراب کی ہے تو اسے گرانے کا ارادہ نہ کرنا چاہیے' اور نہ اس ارادے سے اندر جانا چاہیے۔ ہاں اگر آواز کے قرینے سے یہ معلوم ہو کہ وہ رکھی ہوئی شراب کی بو نہیں ہے بلکہ مکین مے نوشی کا شغل کررہے ہیں' اس صورت میں احتساب جائز ہے' اور بلا اجازت اندر داخل ہوکر احتساب کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

بعض اوقات لوگوں کی نظروں سے پوشیدہ رکھنے کے لئے ساز کے آلات' اور شراب کے جام آستین میں' یا دامن کے نیچے چھپائے جاتے ہیں' اگر کوئی فاسق نظر پڑے اور اس کی آستین کے اندر یا دامن کے نیچے کوئی ابھری ہوئی شئی محسوس ہو تو اسے کھول کر دیکھنا اس وقت تک جائز نہیں ہے جب تک کوئی مخصوص علامت اس شئی کے منع ہونے پر دلالت نہ کرے' اسلئے کہ کسی شخص کا فاسق ہونا اس بات پر دلالت نہیں کرتا کہ وہ جو چیز بھی چھپا کرلے جائے گا' وہ حرام ہوگی' فاسق سرکہ یا کوئی دوسرا شربت بھی چھپا

کرلے جانے کی ضرورت محسوس کرسکتا ہے' کسی چیز کو محض اس کی حرمت کی بنا پر مخفی نہیں رکھا جاتا' مخفی رکھنے کے اسکے علاوہ بھی بہت سے اسباب ہوسکتے ہیں' اگر اسکے دامن کے نیچے رکھی ہوئی چیز سے ایسی بو آرہی ہو جیسی شراب میں آتی ہے تو یہ محل نظر ہے' ظاہر یہی ہے کہ اس صورت میں محتسب کو احتساب کی اجازت ہوگی' اسلئے کہ بو ایک علامت ہے' اور یہ علامت مفید ظن ہے' اور اس طرح کے امور میں ظن علم کے ہم معنی ہے' یہی حکم ساز کا ہے اگر اس کی شکل دامن کے باریک ہونے کی وجہ سے ظاہر ہوجائے شکل کی دلالت بھی بو اور آواز کی دلالت کی طرح ہے' جس کی دلالت ظاہر ہوجائے وہ چیز مستور یا پوشیدہ نہیں کہی جاسکتی' بلکہ وہ کھلی ہوئی اور واضح ہے۔ ہمیں اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ جس چیز کو اللہ تعالیٰ نے پوشیدہ رکھا ہو اسے ہم بھی پوشیدہ رکھیں' اور جو چیز ظاہر ہوچکی ہو اس پر نکیر کریں' اظہار محض دیکھنے ہی سے نہیں ہوتا' بلکہ سننے سے' سونگھنے سے اور چھونے سے بھی ہوتا ہے' مقصود علم ہے' اور علم آنکھ کی طرح دوسرے حواس سے بھی ہوتا ہے' چنانچہ اگر یہ ثابت ہوجائے کہ کپڑے کے نیچے شراب کی بوتل ہے تو اسے توڑنا جائز ہے' لیکن یہ کہنا درست نہیں کہ یہ بوتل مجھے دکھاؤ تاکہ معلوم ہو کہ اس میں شراب ہے یا نہیں؟ اسلئے کہ یہ تجسس ہے' اور تجسس کے معنی ہیں کہ ایسی علامت کی تلاش میں لگنا جو کسی چیز کا حال بتلائیں' ۔ہاں اگر یہ علامتیں خودبخود ظاہر ہوجائیں اور ان سے کسی چیز کا حال معلوم ہوجائے تو بلاشبہ اس کے مقتضی پر عمل کرنا جائز ہے۔

چوتھی شرط۔۔اجتہاد کے بغیر منکر کا اظہار: چوتھی شرط یہ ہے کہ اجتہاد کے بغیر کسی چیز کا منکر ہونا معلوم ہو' چنانچہ جو چیزیں بھی محل اجتہاد ہیں ان میں احتساب نہیں کیا جاسکتا' اس شرط کی رو سے کسی حنفی کے لئے یہ جائز نہیں کہ وہ گوہ' گفتار اور متروک التسمیہ (وہ جانور جس پر ذبح کے وقت تسمیہ نہ پڑھا گیا ہو) کے کھانے کے باب میں شافعی پر انکار کرے' نہ کسی شافعی کے لئے جائز ہے کہ وہ حنفی کو غیر مسکر (غیر نشہ آور) نبیذ پینے' ذوی الارحام کو ترکہ دینے' اور جوار کے حق شفعہ کے ذریعے حاصل کئے ہوئے مکان میں بیٹھنے کے سلسلے میں ہدف ملامت بنائے' کیونکہ یہ مجتہد فیہ مسائل ہیں' البتہ اگر ایک شافعی دوسرے شافعی کو اپنے امام کے مسلک کے خلاف عمل کرتے ہوئے دیکھے تو اس میں تردد ہے' مثلاً کوئی شخص نبیذ پی رہا ہو' یا ولی کی اجازت کے بغیر کسی عورت سے نکاح کرکے صحبت کررہا ہو' ظاہر تر یہی ہے کہ اگر وہ شافعی ہے تو اسے منع کیا جائے گا' کیوں کہ کوئی عالم بھی اسکا قائل نہیں کہ مجتہد کو دوسرے مجتہد کے اجتہاد کے مطابق عمل کرنا جائز ہے' اور نہ یہ کسی عالم کا مسلک ہے کہ کوئی مقلد اپنے امام کی پیروی ترک کرکے اس کو افضل اور افقہ سمجھنے کے باوجود دوسرے امام کی اتباع شروع کردے' یا سب مذاہب میں سے وہ باتیں منتخب کرلے جن میں سہولت ہو' اور اسے اچھی لگتی ہوں' ہر مقلد کے لئے ضروری ہے کہ وہ تمام مسائل میں ان مسائل کی تفصیل کے مطابق۔۔ اپنے امام کی پیروی کرے' اور اس کی تقلید سے باہر نہ جائے۔۔ اپنے امام کی مخالفت باتفاق علماء منکر ہے' اور اس منکر کا مرتکب گنہگار ہے' تاہم ایک شخص دوسرے شخص کا اسکے مذہب کی حدود میں رہ کر احتساب کرسکتا ہے۔ اور اسے اپنے امام کے خلاف عمل کرنے سے منع کرسکتا ہے مثلاً اگر کوئی شافعی کسی عورت سے اس کے ولی کی اجازت کے بغیر نکاح کرے تو حنفی اسے منع کرسکتا ہے' اور یہ کہہ سکتا ہے کہ اگرچہ مسئلہ فی نفسہٖ حق ہے' لیکن وہ تمہارے حق میں نہیں ہے' کیونکہ تم امام شافعی کے مقلد ہو' اور مذہب شافعی میں اذن ولی کے بغیر نکاح منعقد نہیں ہوتا' اس صورت میں تمہارا یہ فعل معصیت ہے' اگرچہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک درست ہو' اسی طرح کوئی حنفی کسی شافعی کے ساتھ گوہ' گفتار یا متروک التسمیہ مذبوحہ جانور کا گوشت کھانے میں شریک ہوجائے تو وہ شافعی اسے منع کرسکتا ہے اور یہ کہہ سکتا ہے اگر تم ان چیزوں کو کھانا چاہتے ہو تو اپنے امام کی تقلید ترک کرو' اور جملہ امور میں امام شافعی کی پیروی اختیار کرو' یہاں ایک ایسا مسئلہ زیر بحث آتا ہے جس کا تعلق محسوسات سے ہے' مثال کے طور پر ایک بہرا شخص کسی عورت سے زنا کے ارادے سے صحبت کررہا ہو' اور محتسب کو معلوم ہے کہ یہ عورت اسکی بیوی ہے' اس کے باپ نے بچپن ہی میں اس کا نکاح اس عورت سے کردیا تھا' لیکن اس شخص کو یہ معلوم نہیں کہ میں جس عورت سے زنا کررہا ہوں وہ میری بیوی ہے' محتسب اس موقع پر اپنی ذمہ داری ادا کرنے سے اسلئے قاصر ہے کہ زانی بہرا ہے' زبان سے کچھ کہنا بے سود ہے' یا

اس شخص کی قوت سماعت ٹھیک ہے لیکن محتسب کی زبان سے واقف نہیں ہے' اس صورت میں اسکا اقدام صحبت زنا ہے' کیونکہ وہ اس عورت کو اجنبیہ فرض کئے ہوئے ہے' اگرچہ وہ واقع میں اسکی بیوی ہے' وہ اپنے اس اعتقاد کی بناء پر عاصی ہوگا' اور آخرت میں سزا کا مستحق قرار پائے گا' محتسب کو چاہیے کہ وہ عورت کو منع کردے' حالانکہ یہ منع کرنا عجیب بھی معلوم ہوتا ہے کیونکہ وہ حقیقت میں اسکی منکوحہ ہے اور اس اعتبار سے حلال بھی ہے' یہی وجہ ہے کہ اگر کوئی شخص اپنی منکوحہ کی طلاق کو محتسب کے قلب کی کسی صفت مثلاً ناراضگی' خوشی' اور ارادہ و خواہش پر معلق کردے' اور وہ صفت پائی جائے تو طلاق واقع ہوجائے گی' اگرچہ محتسب جانتا ہے کہ جس صفت پر شوہر نے طلاق کو معلق کیا تھا' وہ پائی گئی تھی' نتیجے میں طلاق واقع ہوگئی تھی' یہ صحیح ہے کہ وہ دونوں صفت کے وجود سے اپنی ناواقفیت کی بناء پر گنہگار نہیں ہوں گے۔ لیکن اسے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ ان کا فعل منکر نہیں رہا۔ یہ فعل مجنوں کے زنا سے کسی بھی طرح کم نہیں ہے' ہم پہلے لکھ چکے ہیں کہ مجنوں اگر اس فعل میں مشغول پایا جائے تو اسے منع کیا جائے گا اگرچہ وہ شرعی اوامر کا پابند نہیں ہے۔

اس تفصیل کا حاصل یہ نکلا کہ ولی کی اجازت کے بغیر نکاح کے باب میں حنفی شافعی پر اعتراض نہ کرے' کیونکہ امام شافعی کے نزدیک نکاح کے انعقاد کے لئے اذن ولی شرط ہے' البتہ ایک شافعی دوسرے شافعی پر اعتراض کرسکتا ہے' اگر وہ دوسرا ولی کی اجازت کے بغیر نکاح کرلے۔ اسلئے کہ یہ یہاں محتسب اور محتسب علیہ دونوں اس فعل کے منکر ہونے پر متفق ہیں۔

یہ دقیق ترین فقہی مسائل ہیں' ان میں احتمالات کا تعارض بھی ہے' ہمارے فتاوی ان ہی احتمالات پر مبنی ہیں جنھیں ہم فی الحال راجح سمجھتے ہیں' ہم ہرگز یہ دعوی نہیں کرتے کہ ان مسائل میں ہماری رائے قطعی اور آخری ہے' نہ ہم یہ کہتے ہیں کہ جن لوگوں نے دوسرے احتمالات کو ترجیح دی ہے وہ غلطی پر ہیں' بہت سے لوگوں کی رائے یہ ہے کہ احتساب صرف ان چیزوں میں ہونا چاہیے جن کا منکر ہونا قطعی' جیسے شراب' خنزیر وغیرہ چیزیں جن کی حرمت یقینی ہے۔ ہمارے نزدیک صحیح بات یہ ہے کہ مجتہد کے حق میں اس کا اجتہاد مؤثر ہوتا ہے' یہ بات بہت عجیب اور بعید از عقل لگتی ہے کہ کوئی شخص قبلے کے سلسلے میں اجتہاد کرے اور ظنی دلالتوں کی مدد سے کوئی سمت متعین کرکے اس کے قبلہ ہونے کا اعتراف کرے' پھر اسکی طرف پشت کرکے نماز پڑھے اور اسے منع نہ کیا جائے' محض اسلئے کہ شاید دوسرے کا ظن صحیح ہو اور قبلہ کا رخ وہ نہ ہو جو میں نے متعین کیا ہے' ان لوگوں کی رائے ہرگز درست قرار نہیں دی جاسکتی جو یہ کہتے ہیں کہ ہر مقلد کو مختلف مذاہب کے مسائل کی تقلید کا اختیار حاصل ہے وہ کسی مسئلے میں جس مذہب کی چاہے تقلید کرسکتا ہے۔

<u>فرقۂ باطلہ پر انکار</u> : یہاں ایک اعتراض یہ ہوسکتا ہے کہ اگر حنفی کو ولی کی اجازت کے بغیر ہونے والے نکاح میں شافعی پر انکار کرنے کا کوئی حق نہیں ہے تو غیر معتزلی کو بھی معتزلی کے ان عقائد کے خلاف کچھ کہنے کی اجازت نہ ہونی چاہیے کہ آخرت میں باری تعالیٰ کا دیدار نہیں ہوگا' خیر کا منبع ذات حق ہے' اور شر کا تعلق غیر اللہ سے ہے' کلام اللہ مخلوق ہے۔ نہ حشوی فرقہ کے لوگوں پر اعتراض کا حق ملنا چاہیے جو اللہ تعالیٰ کے لئے جسم اور صورت ثابت کرتے ہیں' اور یہ دعوی کرتے ہیں کہ باری تعالیٰ کا مستقر عرش ہے' وہ فلسفی بھی اپنی فلسفیانہ موشگافیوں کے خلاف انکار کی کوئی آواز نہیں سنیں گے جو یہ کہتے ہیں کہ قیامت کے دن جسموں کی بعثت نہیں ہوگی' بلکہ روحیں اٹھیں گی' ان فرقوں کے عقائد کے خلاف اعتراض کی گنجائش اس لئے نہیں کہ یہ بھی مجتہدین کے اجتہاد کا نتیجہ ہیں' اور وہ بھی اپنے اجتہاد کے برحق ہونے کا دعوی رکھتے ہیں۔ اگر یہ کہا جائے کہ ان عقائد کا باطل ہونا ظاہر ہے تو یہ بات ان مسائل کے متعلق بھی کہی جاسکتی ہے کہ جو صحیح روایات کے مخالف ہیں' جسطرح ظاہری نصوص سے ثابت ہیں جن میں حنفیوں کا اختلاف ہے جیسے ولی کے بغیر نکاح اور شفعہ جوار کے مسائل۔ اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ مسائل دو طرح کے ہیں' کچھ وہ ہیں جن کے متعلق یہ کہا جاسکتا ہے کہ ان میں ہر مجتہد کا اجتہاد صواب ہوتا ہے' یہ مسائل حلت و حرمت سے تعلق رکھتے ہیں' ان مسائل میں مجتہدین پر اعتراض نہیں کیا جائے گا' کیونکہ انکی خطا یقینی طور پر معلوم نہیں ہوتی' بلکہ ظنی ہوتی ہے' کچھ

مسائل وہ ہیں جن میں حق صرف ایک ہوتا ہے جیسے آخرت میں باری تعالیٰ کی رویت' تقدیر' کلام الٰہی کی قدامت' اللہ تعالیٰ کے لئے جسم' صورت اور عرش پر استقرار کی نفی جیسے مسائل' ان مسائل میں حق ایک ہے' مخطئی کی خطا جو جہالت محض ہونے کی بنا پر غیر معتبر' اور ناقابل اعتنا بھی ہے ظنی نہیں بلکہ یقینی ہے' اور اسکا انکار کرنا واجب ہے۔ اس بحث سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ اہل بدعت پر انکی مبتدعانہ حرکات کا انکار کرنا چاہیے اگرچہ وہ اپنے حق پر ہونے کا دعویٰ کرتے ہوں' جس طرح یہود اور نصاریٰ کا کفر تسلیم نہیں کیا جاتا' حالانکہ وہ اپنی حقانیت کے مدعی ہیں' لیکن کیونکہ ان کا کفر واضح اور قطعی ہے اسلئے ان کے دعویٰ کو کوئی اہمیت نہیں دی جاتی' برخلاف اجتہادی مسائل میں واقع ہونے والی خطا کے کہ وہ ظنی ہوتی ہے یقینی نہیں ہوتی۔

اس گفتگو کے نتیجے میں ایک نئی بحث یہ پیدا ہوتی ہے کہ جس طرح تم قدریہ فرقہ پر اس کے اس عقیدے کی بنا پر نکیر کرسکتے ہو کہ شر کا منبع ذات باری تعالیٰ نہیں ہے' اسی طرح وہ تمہارے اس عقیدے پر انکار کریں گے کہ خیر و شر کا سرچشمہ باریٔ تعالیٰ کی ذات ہے' اور یہ کہ آخرت میں باری تعالیٰ کا دیدار ہوگا۔ کیونکہ مبتدعانہ خیالات رکھنے والے تمام فرقے اپنے معتقدات کی صداقت اور حقانیت کا یقین رکھتے ہیں' اور ان لوگوں کو بدعتی سمجھتے ہیں جن کے عقائد و خیالات ان کی عقائد و خیالات سے ہم آہنگ نہیں ہوتے۔ اگر یہ سلسلہ شروع ہوجائے کہ قدریہ غیر قدریہ پر' اور غیر قدریہ قدریہ پر اعتراضات کرنے لگیں تو احتساب کی تکمیل کس طرح ہوگی؟ اس تعارض کی بنا پر ہماری رائے یہ ہیکہ احتساب کرنے سے پہلے اس شہر کا جائزہ لے لیا جائے جہاں بدعت ظاہر ہوئی ہو' اگر بدعت کو معمولی پزیرائی ملی ہے' عام طور پر لوگ سنت پر قائم ہیں تو محتسب کو سلطان کے بغیر بھی احتساب کی اجازت ہے' اور اگر بدعتی تعداد میں زیادہ ہو تو سلطان کی اجازت کے بغیر احتساب نہ کرنا چاہیے۔ اسلئے کہ اعتراض کرنے میں اختلاف' اور محاذ آرائی کا اندیشہ ہے' اگر سلطان حق پر ہے' اور اس نے اہل بدعت کی سرکوبی کے لئے کسی شخص کو متعین کیا ہے تو اسی کو احتساب کرنا چاہیے اس کی اجازت سے فائدہ اٹھا کر دوسرے کو احتساب کرنے کا حق نہیں ہے۔ تمام منکرات کے مقابلے میں بدعت پر احتساب کرنا زیادہ اہم ہے' لیکن اس میں ان شرائط کی رعایت ضروری ہے جو ہم نے ابھی ذکر کی ہیں' تاکہ محاذ آرائی نہ ہو' اعتراض و انکار کے نتیجے میں فتنہ کی آگ نہ بھڑکے۔ ہاں اگر سلطان کی طرف سے ہر اس شخص کے خلاف انکار کی عام اجازت کا اعلان ہو جو باری تعالیٰ کی رویت کا انکار کرتا ہے' کلام الٰہی کو مخلوق بتلاتا ہے' اور باری تعالیٰ کے لئے صورت اور جسم ثابت کرتا ہے تو بلاشبہ عام لوگوں کو احتساب کرنا چاہیے' اس صورت میں محاذ آرائی کا امکان کم ہے۔

تیسرا رکن۔ محتسب علیہ : احتساب کا تیسرا رکن محتسب علیہ (جس پر احتساب کیا جائے) ہے' محتسب علیہ کے اندر ایسی صفت کا پایا جانا شرط ہے کہ فعل ممنوع اس کے حق میں منکر ہوجائے' اس صفت کا ادنیٰ معیار یہ ہے کہ وہ انسان ہو' مکلف ہونے کی شرط نہیں ہے' ہم پہلے بیان کرچکے ہیں' کہ اگر بچہ شراب پی لے تو اسے منع کیا جائے گا' اور اس کا احتساب کیا جائے گا' حالانکہ وہ ابھی تک بالغ نہیں ہوا' اور اسی اعتبار سے وہ مکلف بھی نہیں ہے' اسی طرح یہ بھی شرط نہیں ہے کہ محتسب علیہ کے اندر امتیاز کرنے اور اچھے برے میں فرق کرنے کی صلاحیت ہو' چنانچہ اگر کوئی پاگل مرد کسی پاگل عورت سے' یا کسی جانور سے زنا کرے تو اسے روکا جائے گا' حالانکہ پاگل قوت تمیز سے محروم ہوتا ہے' البتہ بعض افعال واقعۃً پاگل کے حق میں منکر نہیں ہوتے جیسے نماز' اور روزہ ترک کرنا۔ یہاں ہم ان تفصیلات میں نہیں جانا چاہتے جن کی رو سے مقیم مریض اور مسافر کے لئے نماز اور روزے کے متعلق تندرست اور مقیم سے مختلف احکام ثابت ہوتے ہیں۔ ہمارا مقصد تو صرف اس صفت کی طرف اشارہ کرنا ہے جس سے محتسب علیہ کو انکار سے سابقہ پڑسکتا ہے۔

حیوان کی شرط لگانے کی وجہ : یہاں یہ سوال کیا جاسکتا ہے انسان ہونے کے بجائے یہ شرط لگادی جاتی تو زیادہ بہتر تھا کہ وہ حیوان ہو' اسلئے کہ اگر کوئی جانور کھیتی باڑی کو تباہ کرے تو ہم اسے بھی منع کریں گے' جس طرح مجنون کو زنا' اور جانور کے ساتھ

جماع کرنے سے منع کرتے ہیں' اسکا جواب یہ ہے کہ جانور کو منع کرنے کا نام احتساب رکھنے کی کوئی وجہ نظر نہیں آتی' اسلئے کہ احتساب اللہ کے حق کی خاطر کسی منکر سے منع کرنے کا نام ہے تاکہ منع کیا جانے والا شخص اس امر منکر کے ارتکاب سے محفوظ ہو جائے' چنانچہ مجنون کو زنا سے اور بچے کو شراب سے منع کرنے کی وجہ حق اللہ ہی ہے۔ اگر انسان کسی کی کھیتی تلف کرے تو اسے کھیتی والے کے حق کی وجہ سے بھی منع کیا جائیگا اور اللہ کے حق کی بناء پر بھی۔ اللہ کے حق کی وجہ سے اسلئے کہ اس کا فعل معصیت ہے' اور کھیتی والے کے حق کی بناء پر اسلئے کہ وہ کھیتی اسکی ملکیت ہے' یہ دو حق دو ملتیں ہیں' اور ایک دوسرے سے جدا ہیں' یہی وجہ ہے کہ اگر کوئی شخص کسی کا ہاتھ اسکی اجازت سے کاٹ ڈالے تو یہ فعل حق اللہ کی وجہ سے معصیت ہوگا اور اسے منع کیا جائے گا' لیکن ہاتھ والے کا حق ساقط ہو جائے گا' کیونکہ اس نے اجازت دی ہے' جانور کو بھی منع کیا جائے گا۔ یہاں ایک قابل غور بات یہ ہیکہ جانور کو کھیت سے باہر نکالنے کا مطلب اسے منع کرنا نہیں ہے بلکہ مسلمان کے مال کی حفاظت ہے' اسلئے کہ اگر منع کرنا مقصود ہوتا تو اسے مردار کھانے یا شراب کے برتن میں منہ ڈالنے سے بھی منع کیا جاتا' کیونکہ یہ چیزیں بھی منکر ہیں' حالانکہ شکار کے کتوں کو مردار کا گوشت کھلانا جائز ہے' اگر ہم کسی مشقت کے بغیر مسلمان کے مال کی حفاظت کر سکتے ہیں' یا اسے ضائع ہونے سے بچا سکتے ہیں تو ہمیں ایسا ضرور کرنا چاہیے۔ چنانچہ اگر اوپر سے کسی شخص کا گھڑا گرے' اور نیچے عین گھڑے کے مقابل میں کسی دوسرے شخص کی بوتل رکھی ہوئی ہو تو بوتل کو پھوٹنے سے بچانے کے لئے گھڑے کو دفع کیا جاتا ہے۔ اس عمل کا مقصد بوتل کی حفاظت ہے نہ کہ گھڑے کو گرنے سے منع کرنا۔ اسی طرح ہم پاگل کو جانور سے زنا کرنے اور بچے کو شراب پینے سے روکتے ہیں' اسلئے نہیں کہ ہمارا مقصد اس جانور کو بچانا ہے' یا شراب کی حفاظت کرنی ہے بلکہ ہم پاگل اور بچے کی حفاظت کا قصد کرتے ہیں کہ یہ انسان ہیں' انسان محترم ہوتا ہے۔ یہ دقیق لطائف ہیں' انھیں اہل تحقیق ہی اچھی طرح سمجھ سکتے ہیں' لیکن دوسروں کو بھی غفلت نہ کرنی چاہیے۔ پاگل اور مجنوں کے سلسلے میں یہ سوال بھی اٹھتا ہیکہ کیا انھیں ریشم پہننے سے بھی روکا جائے گا؟ اس سوال کا جواب ہم اسی کتاب کے تیسرے باب میں دیں گے' انشاء اللہ۔

مسلمان کے مال کی حفاظت : مسلمان کے مال کی حفاظت کے سلسلے میں ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر کسی شخص کے کھیت میں جانور گھسے ہوئے ہوں' اور اس کی کھیتی کو نقصان پہنچا رہے ہوں تو دیکھنے والے پر ان جانوروں کو کھیت سے باہر نکالنا واجب ہے یا نہیں؟ اسی طرح اگر کسی کا مال ضائع ہو رہا ہو' اور دوسرا شخص اسے ضائع ہونے سے بچا سکتا ہو تو اس پر اپنے مسلمان بھائی کے مال کی حفاظت کرنا اور اسے ضائع ہونے سے بچانا واجب ہے یا نہیں؟ اگر جواب اثبات میں ہے تو یہ ایک سخت مشقت ہے' اس کا مطلب یہ ہے کہ انسان زندگی بھر کے لئے دوسروں کا اسیر ہو کر رہ جائے' اگر یہ کہا جائے کہ واجب نہیں تو ہم یہ کہیں گے کہ اس شخص پر بھی احتساب واجب نہ ہونا چاہئے جو کسی دوسرے شخص کا مال غصب کر رہا ہو' کیوں کہ جس طرح ضائع ہونے سے بچانے میں مسلمان کے مال کی حفاظت ہے' اسی طرح غاصب کو غصب سے روکنے میں بھی ہے۔ ہمارے خیال میں یہ ایک دقیق' اور غامض بحث ہے' مختصراً اتنا عرض کئے دیتے ہیں کہ اگر کوئی شخص جسمانی تعب اور مالی نقصان کے بعد اپنے وقار کو باقی رکھتے ہوئے مسلمان بھائی کا مال ضائع ہونے سے بچا سکتا ہے تو اس پر دوسرے کے مال کی حفاظت واجب ہے۔ ایک مسلمان کے دوسرے مسلمان پر بے شمار حقوق ہیں' ان میں ایک حق مسلمان کے مال کی حفاظت بھی ہے۔ جسمانی مشقت اور مالی نقصان کے بغیر حفاظت کرنا اس حق کا ادنیٰ درجہ ہے' کیا ایک مسلمان کا دوسرے مسلمان پر اتنا حق بھی نہ ہونا چاہئے کہ اگر اس کا کوئی نقصان نہ ہوتا تو وہ اپنے بھائی کے مال کی حفاظت کرلے۔ ہمارے نزدیک اس حق کا وجوب سلام کا جواب دینے کے وجوب سے زیادہ مؤکد ہے' کیونکہ سلام کا جواب نہ دینے سے اتنی ایذا نہیں ہوتی جتنی ایذا کسی کے مال کی حفاظت نہ کرنے سے ہوتی ہے' علماء تو یہاں تک کہتے ہیں کہ اگر کسی کا مال زبردستی چھین لیا گیا ہو اور کسی دوسرے کے پاس غاصب کے خلاف کوئی ایسی شہادت موجود ہو جس کے نتیجے میں چھینا ہوا مال واپس مل سکتا ہو تو اس پر شہادت دینا واجب ہے۔ اگر شہادت دینے سے گریز کرے گا تو گنہگار ہوگا۔ جس طرح شہادت

ضروری ہے' اسی طرح حفاظت بھی ضروری ہے بشرطیکہ شہادت دینے والے اور حفاظت کرنے والے کا کوئی جسمانی یا مالی ضرر نہ ہو۔ ہاں اگر حفاظت یا شہادت کے نتیجے میں اپنی جان' مال یا جاہ میں کسی ضرر کا اندیشہ ہو تو یہ وجوب ساقط ہو جاتا ہے' کیونکہ جس طرح دوسرے کے حق کی رعایت ضروری ہے اسی طرح اپنے نفس' جاہ اور مال کے منافع کی رعایت بھی ضروری ہے' اس سے ہرگز یہ مطالبہ نہیں کیا جائے گا کہ وہ دوسروں کی منفعت کے لئے اپنی منفعتیں قربان کردے' البتہ ایثار کر سکتا ہے ایثار مستحب ہے' اور مسلمانوں کی خاطر مشقتیں برداشت کرنا عبادت ہے۔ چنانچہ اگر جانوروں کو کھیت سے باہر نکالنے میں مشقت ہو تو اس سلسلے میں کسی قسم کی جدوجہد کرنا واجب نہیں ہے' البتہ اگر مالک کو جگادینے یا اسے آگاہ کردینے سے کام چل سکتا ہو تو اس میں بخل نہ کرنا چاہئے۔ اس لئے کہ اس میں بظاہر کوئی مشقت نہیں ہے' قدرت کے باوجود مالک کو آگاہ نہ کرنا' یا نیند سے بیدار نہ کرنا ایسا ہے جیسے کوئی شخص قاضی کے سامنے شہادت نہ دے۔

یہ کہنا صحیح نہ ہوگا کہ اس سلسلے میں کمی اور زیادتی کی بنیاد پر کسی ایک جانب کو ترجیح دی جانی چاہئے' مثلاً اگر جانور کو روکنے میں روکنے والے کا ایک درہم ضائع ہوتا ہے جب کہ نہ روکنے میں کھیت والے کا بہت کافی نقصان ہے تو روکنے کو ترجیح دی جائے گی۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ جس طرح کھیت والا اپنے ایک ہزار درہم کی حفاظت کا حق رکھتا ہے اس طرح روکنے والے کو بھی اپنے ایک درہم کی حفاظت کا حق حاصل ہے۔ اس صورت میں یہ کس طرح کہا جاسکتا ہے کہ زیادہ نقصان والے کو ترجیح ہوگی۔

البتہ اگر کسی کا مال معصیت کی راہ سے مثلاً غصب کے ذریعہ' یا کسی کے مملوک غلام کو قتل کرنے کی صورت میں ضائع جارہا ہو تو منع کرنا واجب ہے' اگرچہ اس میں کچھ مشقت بھی ہو' اس لئے کہ معصیت کی وجہ سے انسان کے لئے ضروری ہے کہ وہ معاصی اور منکرات کا راستہ مسدود کرنے کے لئے مشقت برداشت کرنے سے بھی گریز نہ کرے' اس لئے حقیقی اطاعت نفس کی مخالفت ہے' اور مشقت کا حاصل نفس کی مخالفت ہی ہے' تاہم یہ ضروری نہیں ہے کہ ہر طرح کی مالی اور جسمانی مشقت برداشت کرے' اس میں وہی تفصیل ہے جو اس باب کے آغاز میں ہم نے ذکر کی ہے۔

لقطے کی حفاظت کا مسئلہ : لقطہ یعنی پڑی ہوئی چیز کے اٹھانے کی بحث بھی ہمارے مدعا سے مناسبت رکھتی ہے' اسلئے ہم اسکا حکم بھی بیان کرتے ہیں' پڑی ہوئی چیز کا اٹھانا واجب ہے یا نہیں جب کہ اٹھانے میں مسلمان کے مال کی حفاظت ہے' اور نہ اٹھانے میں اتلاف ہے؟ ہمارے نزدیک اس سوال کا شافی جواب یہ ہے کہ اگر لقطہ کسی ایسی جگہ پڑا ہوا ہو کہ وہاں سے اٹھانے کی صورت میں ضائع یا مالک تک نہ پہنچنے کا خطرہ نہ ہو تو اٹھانا ضروری نہیں ہے مثلاً کسی مسجد یا رباط میں پڑا ہوا ہو' اور جو لوگ ان جگہوں پر مقرر ہوں وہ ایماندار ہوں' ہاں اگر اس کے ضائع ہونے کا احتمال ہو تو یہ دیکھنا چاہئے کہ اس کے اٹھانے میں مشقت ہے یا نہیں' اگر مشقت ہے مثلاً یہ کہ لقطہ کوئی جانور ہے جسے اٹھا کرلے جانے میں بھی دشواری ہے' اور اسکا دانہ چارہ کرنے' اور باندھنے میں بھی پریشانی ہے' اس صورت میں بھی اٹھانا ضروری نہیں ہے۔ اس لئے کہ لقطہ اٹھانا مالک کے حق کی وجہ سے ضروری ہوتا ہے' اور اس کا حق اس لئے ہے کہ وہ ایک انسان ہے' اور انسان محترم ہوتا ہے۔ مگر انسان ہونے کی خصوصیت تنہا مالک ہی کو حاصل نہیں ہے بلکہ ملتقط (لقطہ اٹھانے والا) بھی اس خصوصیت میں اس کا شریک ہے' جس طرح مالک کا حق یہ ہے کہ اس کے مال کی حفاظت ہو' اسی طرح ملتقط کا حق یہ ہے کہ وہ دوسرے کے مال کی حفاظت میں کوئی مشقت نہ اٹھائے۔

ایسے لقطے کے متعلق اختلاف ہے جس کے اٹھانے میں حفاظت' اور سال بھر تک مالک کی واپسی کے انتظار میں اعلان کرنے کے علاوہ کوئی مشقت نہ ہو' مثلاً وہ افتادہ چیز سکے' سونا یا قیمتی کپڑا' وغیرہ ہو' بعض لوگ کہتے ہیں کہ ایک سال تک اعلان کی شرط کی بجا آوری' اور امانت کے تقاضوں کی تکمیل کا مرحلہ بھی کچھ کم دشوار گزار نہیں ہوتا' اس صورت میں بھی لقطہ اٹھانا لازم نہ ہونا چاہئے' ہاں اگر کوئی شخص تبرع کرے اور بنیت ثواب اٹھالے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ مسلمانوں کے حقوق کی تاکید کے پیش نظر یہ مشقت انتہائی معمولی ہے' یہ ایسا ہی ہے جیسے گواہ قاضی کی مجلس میں گواہی دینے کی

مشقت برداشت کرتا ہے' اگر مجلس قضا کسی دوسرے شہر میں ہو تو گواہی کے لئے سفر کی مشقت برداشت کرنا اس لئے ضروری نہیں ہے' ہاں اگر مدعی پر احسان کرنا چاہے تو بات دوسری ہے لیکن اگر قاضی کی عدالت اسکے مسکن سے قریب واقع ہے تو اسے جانے سے گریز نہ کرنا چاہئے' ادائے شہادت اور ادائے امانت کے مقابلے میں چند قدم کی مسافت طے کرنے کی مشقت شمار نہیں ہوتی۔ ہاں اگر عدالت شہر کے دوسرے کنارے پر ہو اور دوپہر کے وقت سخت گرمی کے عالم میں اتنی دور جانا مشکل ہو تو یہ صورت اجتہاد اور غور و فکر کی محتاج ہے' کیونکہ غیر کے حقوق کی حفاظت سے ہونے والا ضرر کم بھی ہوتا ہے' اور زیادہ بھی۔ ان دونوں کا حکم الگ الگ بیان کیا جاچکا ہے۔ درمیانی درجے کے ضرر میں کشمکش رہتی ہے' اور مبتلا بہ شبہات میں گھرا رہتا ہے' یہ وہ قدیم شبہات ہیں جن کا ازالہ انسان کی طاقت سے باہر ہے' اسلئے کہ کوئی ایسا طریقہ نظر نہیں آتا جس کی مدد سے طرفین کے متشابہ اجزاء میں فرق کیا جاسکے اور درمیانی مدت کو کسی ایک طرف قلت یا کثرت سے ملحق کیا جاسکے البتہ اہل تقوٰی اس طرح کے امور میں اپنے نفس کا خیال رکھتے ہیں' وہ شکوک و شبہات کی خار دار وادی میں قدم رکھنے اور خود کو آزمائش میں مبتلا کرنے کے بجائے یقینی امور پر عمل کرتے ہیں۔

چوتھا رکن۔ احتساب : احتساب کا چوتھا رکن نفس احتساب ہے' اسکے کئی درجے' اور متعدد آداب ہیں' آنے والے صفحات میں پہلے احتساب کے درجات کا ذکر ہوگا' پھر آداب بیان کئے جائیں گے۔

احتساب کے درجات : ان درجات کی اجمالی ترتیب یہ ہے کہ اولاً امر منکر تلاش کرے' پھر آگاہ کرے' اس کے بعد وعظ و نصیحت کرے پھر برا بھلا کہے' بعد ازاں اس منکر کا ہاتھ سے ازالہ کرے' اس کے بعد مارنے کی دھمکی دے' پھر مار پیٹ سے کام لے' پھر ہتھیار اٹھالے' اور آخر میں اعوان و انصار کے خلاف متحد کردے' یہ نو درجات ہیں' اب ہم ہر درجے کا حکم الگ الگ بیان کرتے ہیں۔

پہلا درجہ۔ تعرف : تعرف سے ہماری مراد یہ ہیکہ منکر کی ٹوہ کی جائے' اور ایسی علامات تلاش کی جائیں کہ جن سے منکر کا وجود ثابت ہو' شریعت نے تعرف سے منع کیا ہے' کیونکہ تعرف درحقیقت تجسس سے عبارت ہے' کسی مسلمان کو یہ بات زیب نہیں دیتی کہ وہ دیواروں سے کان لگائے اور گھر کے اندر بجنے والے باجوں کی آوازیں سننے کی کوشش کرے' یا کسی راستے سے گزرتے ہوئے زور زور سے سانس لے' اور بتکلف سونگھنے کی کوشش کرے کہ کسی گھر سے شراب کی بو تو نہیں آرہی ہے' یا زیر دامن رکھی ہوئی چیز پر ہاتھ رکھ کر دیکھے کہ وہ ساز یا شراب تو نہیں ہے' یا کسی شخص کے متعلق اس کے پڑوسیوں سے معلومات حاصل کرے' البتہ اگر دو عادل و ثقہ افراد کسی استفسار کے بغیر خود یہ بتلائیں کہ فلاں شخص اپنے گھر میں شراب پیتا ہے' یا اس کے گھر میں شراب ہے جسے اس نے پینے کے لئے تیار کی ہے' تو محتسب کو بلا اجازت اندر داخل ہونا ایسا ہے جیسے منکر سے روکنے کے لئے کسی شخص پر ضرب لگانا۔ اور اگر دو غلام یا ایک عادل' یا وہ لوگ جن کی نہ شہادت قبول ہے اور نہ روایت یہ خبر دیں تو ان کی خبر پر اعتماد کرتے ہوئے کسی کے گھر میں اجازت کے بغیر داخل ہونے میں تأمل ہے بہتر یہی ہے کہ داخل نہ ہو' کیونکہ یہ اس کا حق ہے کہ کوئی شخص اس کی اجازت کے بغیر اس کے گھر میں قدم نہ رکھے' اور مسلمان کا حق ثابت ہونے کے بعد اس وقت تک ساقط نہیں ہوتا جب تک دو معتبر اشخاص اس کے خلاف گواہی نہ دیں' روایت ہے کہ حضرت لقمان علیہ السلام کی انگوٹھی پر یہ عبارت کندہ تھی کہ مشاہدات کا چھپانا ظنیات کی اشاعت سے بہتر ہے۔

دوسرا درجہ۔ تعریف : بعض اوقات منکر کا ارتکاب جہالت کی بنا پر ہوتا ہے' یعنی مرتکب یہ نہیں جانتا کہ میں جو کام کررہا ہوں اس سے شریعت نے منع کیا ہے اگر اسے اپنے فعل کی قباحت کا علم ہوجائے تو ہرگز اسکا اعادہ نہ کرے۔ جیسے بعض دیہاتی نماز تو پڑھتے ہیں لیکن اپنی جہالت اور لاعلمی کی بنا پر رکوع و سجود اچھی طرح نہیں کرتے' ایسے لوگوں کے متعلق یہ نہیں کہا جاتا کہ یہ نماز

نہیں پڑھنا چاہتے' اگر ایسا ہوتا تو سرے سے نماز ہی نہ پڑھتے' خواہ مخواہ وضو وغیرہ کی مشقت کیوں اٹھاتے۔ یہ سادہ لوح ہیں' اور علم سے محرومی کے باعث مسائل کا صحیح علم نہیں رکھتے' ایسے لوگوں کو نرمی کے ساتھ آگاہ کردینا چاہئے' نرمی کی ضرورت اسلئے ہے کہ کسی کو صحیح مسئلہ بتلانا دراصل اس کی طرف جہالت اور حماقت کی نسبت کرنا ہے' اور یہ نسبت انتہائی توہین آمیز تصور کی جاتی ہے' ایسے لوگ بہت کم ہوں گے جو جہالت کی طرف اپنی نسبت پر راضی ہوجائیں' خاص طور پر شرعی امور سے جہالت کا طعنہ انکے لئے نشتر سے کم نہیں ہوتا۔ جب انھیں خطاء سے آگاہ کیا جاتا ہے اور حق بات بتلائی جاتی ہے تو غصہ سے بھڑک اٹھتے ہیں' اور جان بوجھ کر حق کا انکار کردیتے ہیں' اس خوف سے کہ کہیں ان کی جہالت کا عیب عیاں نہ ہوجائے۔ انسانی طبائع جہالت کا عیب چھپانے پر ستر چھپانے سے زیادہ حریص ہیں۔ اسلئے کہ جہالت نفس کا عیب ہے' اور اس عیب کے حامل شخص کو مطعون کیا جاتا ہے' اور شرمگاہوں کی برائی جسم کا عیب ہے۔ نفس بدن سے اشرف ہے' اس لئے اس کا عیب بھی برا ہے' علاوہ ازیں بدن کے عیوب پر ملامت نہیں کی جاتی کیونکہ جسم باری تعالیٰ کی تخلیق ہے' بندے کے اختیار میں نہ حسن ہے نہ قبح۔ جب کہ جہالت کا عیب دور کرنا' اور نفس کو زیور علم سے آراستہ کرنا اختیاری ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب کسی کو اس کے جہل سے آگاہ کیا جاتا ہے تو وہ بڑی تکلیف محسوس کرتا ہے' اور جب اس کی طرف علم کی نسبت کی جاتی ہے' تو بہت زیادہ خوش ہوتا ہے اور دوسروں پر اپنے علم کے اثرات محسوس کرکے بڑی لذت پاتا ہے۔ بہرحال کسی شخص کو اس کے جہل سے آگاہ کرنا کیونکہ ایذا کا باعث ہے اسلئے محتسب کو چاہئے کہ وہ نرمی سے کام لے کر اس کی جہالت کا علاج کرے' مثلاً ان دیہاتیوں کو بتلایا جائے کہ کوئی شخص بھی ماں کے پیٹ سے پڑھا لکھا پیدا نہیں ہوتا' ہم خود بھی نماز کے مسائل و احکام سے ناواقف تھے' علماء نے یہ مسائل ہمیں بتلائے' شاید آپ لوگوں کے گاؤں میں کوئی عالم نہیں ہے' یا عالم تو ہے مگر صحیح مسائل بتلانے سے قاصر ہے' آپ ابھی نماز میں رکوع و سجود میں عجلت کررہے تھے' حالانکہ نماز کی شرط یہ ہے کہ رکوع و سجود اطمینان سے کئے جائیں۔ تعریف میں نرمی اس لئے بھی ضروری ہے کہ جس طرح کسی مسلمان کا امر منکر پر اصرار کرنا حرام ہے اسی طرح ایذا پہنچانا بھی حرام ہے' کسی عقلمند سے یہ توقع نہیں کی جاسکتی کہ وہ خون کو خون سے یا پیشاب سے دھونے کی کوشش کرے گا' منکر پر سکوت کے خطرے سے بچنے کے لئے مرتکب کو بلا ضرورت سختی سے آگاہ کرنا اور ایذا پہنچانا خون کو خون سے دھونے کے مترادف ہے حالانکہ خون کی نجاست خون سے زائل نہیں ہوتی' بلکہ پانی سے دور ہوتی ہے۔ اگر کوئی شخص دنیاوی امور میں غلطی کرے اور تم اس غلطی پر مطلع ہوجاؤ تو رد کرنے کی ضرورت نہیں' ایسا نہ ہو کہ وہ اپنی اہانت برداشت نہ کرپائے' اور تمہارا دشمن بن جائے' البتہ اگر کسی قرینے سے یہ بات معلوم ہو کہ وہ تمہاری رہنمائی کی قدر کرے گا تو کوئی حرج نہیں ہے' لیکن ایسے لوگ بہت کم ہیں جو غلطی کا اعتراف کرلیں' اور آگاہ کرنے والے کے شکر گزار ہوں۔

تیسرا درجہ۔ وعظ و نصیحت : تیسرا درجہ یہ کہ وعظ و نصیحت کی جائے' اور اللہ کے عذاب سے ڈرایا جائے۔ یہ درجہ ان لوگوں کے لئے ہے جو منکر کو منکر سمجھ کر کریں' اور یہ جاننے کے باوجود بھی کہ ہمارا عمل منکر ہے اس پر اصرار کریں۔ جیسے وہ شخص جو شراب' ظلم یا مسلمانوں کی غیبت پر مداومت کرتا ہو' حالانکہ اسے معلوم ہے کہ شریعت نے ان تینوں چیزوں کو حرام قرار دیا ہے' ایسے شخص کو اولاً وعظ و نصیحت کرنی چاہئے' اسے اللہ کے عذاب سے ڈرانا چاہئے' اور وہ روایات سنانی چاہئیں' جو اس کے فعل کی مذمت و وعید میں وارد ہوئی ہیں' نیز اسے اکابرین سلف اور بزرگان دین کی حسن سیرت اور مثالی کردار کے واقعات بھی سنانے چاہئیں تاکہ وہ ان سے عبرت حاصل کرے اور خود بھی ایسا ہی بننے کی کوشش کرے وعظ و نصیحت کا یہ عمل انتہائی شفقت اور نرمی کے ساتھ ہونا چاہئے' سختی اور ناراضگی اس کی افادیت کو نقصان پہنچاتی ہے عاصی کو رحم کی نظروں سے دیکھے اور اسکی معصیت کو اپنے حق میں مصیبت خیال کرے۔ اسلئے کہ تمام مسلمان یک جان واحد نفس ہیں۔

یہاں ایک بڑی مہلک آفت ہے' اس سے بچنا چاہئے' اور وہ آفت یہ کہ بہت سے اہل علم کسی کو برائی سے آگاہ کرنے کے عمل میں اپنے لئے علم کی عزت اور دوسرے کے لئے جہل کی ذلت کا احساس رکھتے ہیں' بلکہ بعض لوگ محض اس لئے غلطی پر متنبہ

کرتے ہیں' یا وعظ و نصیحت کرتے ہیں کہ اپنے لئے علم کے شرف کا اظہار ہو' اور دوسرے کے لئے جہالت کی ذلت ثابت ہو' اگر وعظ و نصیحت کا مقصد غرور علم ہو تو یہ منکر فی نفسہ اس منکر سے زیادہ قبیح ہے جس پر اعتراض کیا جارہا ہے۔ اس طرح کے احتساب کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص دوسرے کو بچانے کے لئے خود کو آگ میں جلا ڈالے۔ یہ جہالت کی انتہا ہے' بڑی لغزش اور زبردست گمراہی ہے' اسطرح کے لوگ شیطان کے جال میں پھنس جاتے ہیں' صرف وہی لوگ اسکے مکرو فریب سے محفوظ رہتے ہیں جنھیں اللہ تعالیٰ انکے عیوب کی معرفت عطا کردے' اور اپنے نور ہدایت سے ان کی چشم بصیرت واکردے۔ دوسروں پر حکم چلانے میں نفس کو دو وجہوں سے بڑی لذت ملتی ہے' ایک علم کے فخر کی وجہ سے اور دوسرے حکومت کے غرور سے۔ اس طرح کے مقاصد رکھنے والے لوگ ریا اور نام و نمود کے طالب ہوتے ہیں' یہ ایک مخفی خواہش ہے جس کا مقتضی شرک خفی ہے۔ یہاں ہم ایک معیار بتلاتے ہیں محتسب کو چاہئے کہ وہ اس معیار کے مطابق اپنے نفس کی آزمائش کرے' یعنی یہ دیکھے کہ اسے اپنے واسطے سے دوسرے کی اصلاح پسند ہے' یا وہ یہ چاہتا ہے کہ کوئی دوسرا اس نیک کام کے لئے آگے بڑھے' اور احتساب کرے' یا منکر خود بخود دور ہوجائے کسی احتساب کی ضرورت پیش نہ آئے' اگر احتساب کا عمل اس کے نفس پر شاق گزرتا ہو' اور وہ یہ چاہتا ہو کہ کوئی دوسرا اس منکر کا ازالہ کرے تو احتساب کرنا چاہئے' کیونکہ اس احتساب کا محرک دین ہے' لیکن اگر دل کے کسی گوشے میں یہ خواہش پوشیدہ ہو کہ اس منکر کا ازالہ میں کروں' اور گنہگار کو اس کے گناہ پر تنبیہہ کا فریضہ میں ادا کروں تو اس کے حق میں ترک احتساب بہتر ہے' کیونکہ وہ احتساب کو شہرت و عزت کے حصول کا ذریعہ بنانا چاہتا ہے' اسے اللہ سے ڈرنا چاہئے اور خود اپنے نفس کا احتساب کرنا چاہئے' ایسا نہ ہو کہ وہ ہلاکت میں پڑجائے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ذریعہ ایسے ہی دنیا دار محتسین کو خطاب ہوا ہے کہ "اے ابن مریم پہلے اپنے نفس کو نصیحت کر' اگر وہ تیری نصیحت قبول کرلے تو لوگوں کو نصیحت کر' ورنہ مجھ سے حیا کر" حضرت داؤد طائی سے کسی شخص نے دریافت کیا کہ آپ اس شخص کے بارے میں کیا فرماتے ہیں جو امراء و حکام کے پاس جائے اور انھیں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرے' فرمایا کہ مجھے ڈر ہے کہ کہیں اس کے کوڑے نہ لگیں' عرض کیا کہ وہ اسکی پروا نہیں کرتا۔ فرمایا : مجھے یہ بھی اندیشہ ہے کہ کہیں اس کی گردن پر تلوار نہ رکھ دی جائے' عرض کیا وہ اس اندیشے سے بے نیاز ہے' فرمایا مجھے اسکے بارے میں یہ خوف بھی ہے کہ کہیں اسکے قلب میں خفیہ مرض یعنی غرور و کبر نہ پیدا ہوجائے۔

چوتھا درجہ۔ لعنت ملامت : لعنت ملامت کی ضرورت اس وقت پیش آتی ہے جب نرمی اور شفقت سے کام نہ چلے' امر منکر پر اصرار کی علامات ظاہر ہوں' اور وعظ و نصیحت کے ساتھ تمسخر کیا جائے۔ جیسا کہ تعریف اور وعظ و نصیحت کے تمام مرحلوں سے گزرنے کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا تھا :۔

أُفٍّ لَّكُمْ وَلِمَا تَعْبُدُونَ مِن دُونِ اللَّهِ أَفَلَا تَعْقِلُونَ (پ ۱۷ ر ۵ آیت ۶۷)

تف ہے تم پر اور ان پر بھی جن کو تم خدا کے سوا پوجتے ہو' کیا تم اتنا بھی نہیں سمجھتے۔

سخت سست کہنے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ فحش گوئی پر اتر آئے' یا زنا اور مقدمات زنا کی تہمت لگادے' یا جھوٹ بولے۔ بلکہ عاصی کو ان الفاظ میں مخاطب کرے جو فحش نہ کہے جاتے ہوں' جیسے یہ کہنا کہ اے فاسق' اے احمق' اے جاہل کیا تجھے اللہ کا خوف نہیں ہے' یا یہ کہنا کہ اے گاؤدی' اے غبی وغیرہ جہاں تک عاصی کے فسق کا معاملہ ہے وہ واضح ہے' اسکی جہالت بھی محتاج بیان نہیں ہے کیونکہ اگر وہ احمق اور جاہل نہ ہوتا تو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اور اسکے احکام سے سرتابی کیوں کرتا۔ جو شخص عقل سے محروم ہے وہ احمق ہے' اور صاحب عقل وہ ہے جس کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا :۔

الکیس من دان نفسه وعمل لما بعد الموت والاحمق من اتبع نفسه هواها وتمنی علی اللّٰه (ترمذی' ابن ماجہ۔ شداد ابن اوسؓ)

عقلمند وہ ہے جس کا نفس مطیع ہو' اور جو آخرت کی زندگی کے لئے عمل کرتا ہو' اور احمق وہ ہے جو اپنے

نفس کی خواہش کا اتباع کرے' اور اللہ تعالیٰ پر بہتان باندھے۔
بہرحال اس درجے کے دو ادب ہیں' ایک یہ کہ سختی سے اسی وقت پیش آئے جب نرمی سے کام نہ چلے' دوسرا یہ کہ سچ کے علاوہ کچھ نہ کہے' اور زبان کو بے لگام نہ کرے کہ جو منہ میں آئے کہہ دے بلکہ بقدر ضرورت پر اکتفا کرے' اگر سخت کلامی کے باوجود منکر پر اصرار کا یقین ہو تب خاموش رہنا ہی بہتر ہے' البتہ اپنے طرز عمل سے ناراضگی کا اظہار ضرور کرے' اور دل میں بھی اس کی معصیت کو برا سمجھتا رہے' اور معصیت کے سبب اسے حقیر سمجھنے پر اکتفا کرے' اگر یہ یقین ہو کہ نصیحت کرنے پر مجھے مارا جائے گا' اور ناراض ہونے یا اظہار نفرت پر مار پیٹ سے محفوظ رہوں گا تو نصیحت کرنا ضروری نہیں ہے' البتہ دل سے برا سمجھنا اور عمل سے اس کا اظہار کرنا ضروری ہے۔

پانچواں درجہ۔ ہاتھ سے منکر کا ازالہ : اگر ممکن ہو تو ہاتھ سے منکر کا ازالہ کردے' مثلاً لہو و لعب کے آلات توڑ دے' شراب بہادے' ریشم کا لباس اتار لے' ریشم پر نہ بیٹھنے دے' دوسرے کا غصب کیا ہوا مال چھین لے' مغصوبہ مکان سے بے دخل کردے' بحالت جنابت مسجد میں داخل نہ ہونے دے' داخل ہو چکا ہو تو باہر نکال دے۔ لیکن ہاتھ سے تمام معاصی کا تغیر ممکن نہیں' مثلاً زبان اور دل کے معاصی کہ نہ انھیں ہاتھ لگایا جاسکتا ہے اور نہ کسی اور چیز سے دور کیا جاسکتا ہے' یہی حال ان معاصی کا ہے جن کا تعلق عاصی کے نفس اور باطنی اعضاء و جوارح سے ہو۔
اس درجے میں بھی دو ادب ہیں' ایک یہ کہ ہاتھ کو اسی وقت استعمال کرے جب مرتکب از خود ترک کرنے پر تیار نہ ہو' اگر وعظ و نصیحت یا لعنت و ملامت سے کام چل سکتا ہو تو ہاتھ سے دور کرنے کی ضرورت نہیں ہے' مثلاً ایک شخص غصب کے مکان میں ہے' یا جنابت کی حالت میں مسجد میں بیٹھا ہوا ہے' اگر اسے سختی سے منع کیا جائے تو یہ ممکن ہے کہ وہ غصب کے مکان سے اپنا قبضہ ختم کردے' یا مسجد سے نکل جائے' اس صورت میں یہ جائز نہیں کہ اسے دھکے دئے جائیں' یا ٹانگیں پکڑ کر باہر نکال دیا جائے۔ شراب بہانے' لہو و لعب کے آلات توڑنے' اور ریشمی کپڑے اتارنے کا عمل بھی اسی وقت کرنا چاہئے جب مجرم' ایسا کرنے سے انکار کردے' اور سختی کے باوجود اپنے منکرات پر اصرار کرتا رہے۔ محتسب کو چاہئے کہ وہ ہاتھ کے استعمال میں احتیاط کا پہلو مدنظر رکھے' یعنی اسی وقت توڑے (مثلاً لہو و لعب کے آلات) جب اس کے علاوہ کوئی دوسری صورت باقی نہ رہے۔ منکر کے ازالے میں دوسرا ادب یہ ہے کہ بقدر ضرورت پر اکتفا کرے' مثلاً اگر کسی اجنبی کو مسجد اور غاصب کو مغصوبہ مکان سے ہاتھ پکڑ کر نکالا جاسکتا ہو تو یہ جائز نہیں کہ اس کی ٹانگیں گھسیٹی جائیں' یا ڈاڑھی پکڑ کر کھینچی جائے' یا دھکے دئے جائیں' یا اٹھا کر پھینک دیا جائے' اس لئے کہ ہاتھ پکڑنے سے بھی مقصود حاصل ہو رہا ہے' ایذا میں زیادتی کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے' اسی طرح ریشمی کپڑا بالکل نہ پھاڑے' بلکہ اسکی سیون ادھیڑ دے تاکہ وہ پہننے کے قابل نہ رہے' لہو کے آلات نذر آتش نہ کرے بلکہ انھیں اس حد تک بگاڑ دے کہ وہ اس مقصد کو پورا نہ کرسکیں جس کے لئے وضع کئے گئے ہیں' اسی طرح وہ صلیب بھی نہ جلائے جسے نصاریٰ ظاہر کرتے ہیں بلکہ اسے توڑ دے۔

توڑنے کی حد : توڑنے کی حد یہ ہے کہ وہ چیز اس حد تک بیکار ہوجائے کہ اگر اسے از سرنو بنایا جانے لگے تو بنانے والے کو اسی قدر تعب اور مشقت برداشت کرنی پڑے جو ابتدا بنانے والے کو اٹھانی پڑی تھی۔ اگر برتن توڑے بغیر شراب بہائی جاسکتی ہو تو برتن نہ توڑے جائیں۔ مجبوری کی بات دوسری ہے' اس صورت میں محتسب پر برتنوں کا تاوان بھی نہ ہوگا' اور شراب کی وجہ سے ان کی قیمت بھی ساقط ہوجائے گی' کیونکہ شراب کے گرانے میں یہ برتن حائل تھے' اور انھیں توڑے بغیر یہ ممکن نہ تھا کہ شراب کا منکر دور کیا جائے۔ شراب گرانے کے لئے بدن بھی زخمی کیا جاسکتا ہے بشرطیکہ مجرم کا جسم شراب گرانے میں رکاوٹ بن رہا ہو' اور اسے زخمی کئے بغیر شراب بہانا ممکن نہ ہو' آدمی کا جسم بہرصورت برتنوں سے افضل ہے' جب بدن کو زخمی کرنے کی اجازت ہے تو

کیا برتن توڑنے کی اجازت نہ ہوگی' برتن توڑے بغیر شراب بہانے میں دشواری کی مثال یہ ہے کہ شراب اس قدر تنگ منہ کی صراحیوں میں ہو کہ اگر محتسب اسے بہانے بیٹھ جائے تو پینے والوں کی طرف سے مزاحمت کا خطرہ ہو' اسطرح کی صراحیاں توڑ دینی چاہئیں' خواہ وہ قیمتی شیشے ہی کی کیوں نہ بنی ہوئی ہوں' محتسب کوئی تاوان نہیں دے گا' کیونکہ خواہ مخواہ کسی کا مالی نقصان کرنا جائز نہیں ہے ہاں اگر تنگ منہ کی صراحیوں سے الٹنے میں محتسب کا وقت ضائع ہوتا ہے اور اس کاموں میں حرج واقع ہوتا ہے تو اسے بھی عذر سمجھا جائے گا' اور محتسب کو برتن توڑنے کی اجازت ہوگی۔ کیونکہ اس پر واجب نہیں ہے کہ وہ شراب کے برتنوں کی خاطر اپنے منافع ضائع کردے' اور اپنے کام کا نقصان کرے تاہم کسی عذر کے بغیر برتن ضائع کرنا تاوان کا موجب ہے' اس صورت میں محتسب برتنوں کی قیمت ادا کرے گا۔

<u>تغیر منکر' سزا اور زجر</u> : اس سلسلے میں یہ ضرور کہا جاسکتا ہے کہ شراب کے برتنوں کا توڑنا' اور مغصوبہ مکان سے غاصب کو گھسیٹ کر یا دھکے دے کر باہر نکالنا تنبیہہ اور زجر کے طور پر جائز ہونا چاہئے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ زجر آئندہ کے لئے ہوتا ہے اور سزا ماضی کے کسی فعل پر ہوتی ہے' اور تغیر کا تعلق حال کے منکر سے ہوتا ہے' عام رعایا کے افراد کو تغیر منکر کے علاوہ کسی چیز کا اختیار نہیں ہے' یعنی اگر منکر پائیں تو اسے دور کردیں' اسکے علاوہ ان کا جو بھی اقدام ہوگا یا ماضی کے فعل پر سزا ہوگا یا آئندہ کے لئے زجر و تنبیہہ ہوگی' اور زجر و سزا کا اختیار صرف حکام کو ہے' اگر وہ اس طرح کے کسی اقدام میں مصلحت دیکھیں تو انھیں ایسا کرنے کی اجازت ہے' چنانچہ اگر حاکم بطور زجر شراب کے ساتھ برتن بھی ضائع کرنے کا حکم دیدے تو اس پر عمل کیا جائے گا' جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے زجر کی تاکید کے لئے اس طرح کا حکم دیا تھا۔ ترمذی میں حضرت ابو طلحہؓ کی روایت ہے کہ آپؐ نے ارشاد فرمایا :-

اهرق الخمر وكسر الدنان

شراب بہادے اور برتن توڑدے۔

اس حکم کا منسوخ ہونا ثابت نہیں ہے' تاہم یہ معلوم ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دور مبارک میں بری عادتیں ترک کرانے کے لئے زجر کی شدید ضرورت تھی' چنانچہ اگر آج بھی کوئی حاکم' یا والی اپنے اجتہاد سے اس نتیجے پر پہنچے کہ زجر ہونا چاہئے تو اسے اپنے اجتہاد پر عمل کرنے کی اجازت ہے' لیکن کیونکہ اس طرح کے معاملات میں بہت زیادہ غور و فکر' اور تدبر کی ضرورت ہے اسلئے سزا اور زجر کے اختیارات عام لوگوں کو نہیں سونپے گئے۔

<u>زجر کی حدود</u> : لیکن حاکم کے لئے زجر کی اس اجازت کا یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ معاصی کا ارتکاب کرنے والوں کے اموال ضائع کردے' ان کے مکانوں کو آگ لگادے' اور جو چیزیں معصیت کا سبب بنتی ہوں انھیں پھونک دے۔ یہ مانا کہ شراب کے برتن توڑ ڈالنے میں مصلحت ہے' یہ بھی تسلیم کہ اسی طرح کی مصالح مال ضائع کرنے اور مکان کو آگ لگادینے میں بھی ہوسکتی ہیں' لیکن ہمیں اپنی طرف سے مصلحتیں ایجاد کرنے کی اجازت نہیں ہے' بلکہ یہ حکم ہے کہ ہم پچھلوں کا اتباع کریں' شدید ضرورت کے وقت شراب کے برتن توڑنے کا عمل حدیث سے ثابت ہے۔ بعد میں برتن نہ توڑنا اسکے لئے نسخ کا حکم نہیں رکھتا' بلکہ اس سلسلے میں یہ اصول پیش نظر رہنا چاہئے کہ حکم علت کے زائل ہوجانے سے ختم ہوجاتا ہے' اور جب علت پائی جاتی ہے تو حکم بھی واپس آجاتا ہے' امام کے لئے زجر کا اختیار بھی ہم نے اتباع ہی کے اصول کی رو سے دیا ہے' رعایا کے افراد کو منع کرنے کی وجہ یہ ہے کہ اس میں اجتہاد کے پہلو پوشیدہ ہیں' اور ان پر تمام لوگوں کی نظر مشکل ہی سے پڑتی ہے' ہم تو یہاں کہتے ہیں کہ اگر شراب بہادی گئی تو اب برتنوں کا توڑنا جائز نہیں رہا۔ کیونکہ برتن شراب کے ساتھ مخصوص ہوں' اور اس کے علاوہ کسی دوسرے کام میں ان کا استعمال نہ ہوتا ہو تو بلاشبہ ان کا توڑنا جائز ہے۔ دور صحابہ میں ضرورت کی شدت کے علاوہ ایک علت یہ بھی تھی کہ وہ لوگ جن برتنوں

میں شراب بنا... تھے یا پیتے تھے وہ اسی کے لئے خاص تھے' توڑنے کے عمل میں یہ دونوں علتیں مؤثر ہیں' ان دونوں کو یا ان میں سے ایک کو حذف نہیں کیا جاسکتا' عام رعایا کو اجازت نہ دینے میں ایک وجہ یہ بھی ہے کہ حاکم کو یہ معلوم رہتا ہے کہ زجر کی ضرورت کب پیش آتی ہے' یہ علت بھی مؤثر ہے اسلئے اسے بھی نظرانداز نہیں کیا جاسکتا۔ یہ دقیق فقہی نکات ہیں محتسب کے لئے ان نکات کی معرفت انتہائی ضروری ہے۔

چھٹا درجہ۔ تہدید و تخویف : یعنی ڈرانا' دھمکانا۔ مثلاً مجرم سے یہ کہنا کہ اگر تو نے یہ کام کیا کہ تو میں تیرا سر توڑ دوں گا' یا تیری مرمت کروں گا یا کسی کو تیری مرمت کرنے کا حکم دوں گا۔ اسی طرح کے دوسرے تہدیدی جملے۔ مناسب یہ ہے کہ مارنے سے پہلے دھمکیاں ضرور دیدے' بشرطیکہ ایسا کرنا ممکن ہو' اس سلسلے میں ادب یہ ہے کہ کوئی ایسی دھمکی ہرگز نہ دے جس پر عمل کرنا ممکن نہ ہو' مثلاً یہ نہ کہے کہ میں تیرا مکان لوٹ لوں گا۔ یا تیرے بیٹے کو ماروں گا یا تیری بیوی کو قید کرلوں گا۔ اس طرح کی دھمکیاں اگر عمل کی نیت سے دی جائیں تو حرام ہیں' اور عمل نہ کرنے کے ارادے سے دی جائیں تو جھوٹ ہیں۔ ہاں اگر عاصی اس طرح کی دھمکیوں سے متاثر نہ ہو تو محتسب کے لئے اس حد تک آگے بڑھنا جائز ہے' جو مقتضائے حال کے مطابق ہو اور باطن کے عزم پر ظاہر میں زیادتی کرنا بھی جائز ہے بشرطیکہ یہ یقین ہو کہ یہ زیادتی مؤثر ہوگی' اور منکر کا قلع قمع کردے گا۔ اسطرح کی زیادتی کذب نہیں ہے' بلکہ مبالغہ ہے' اور ان امور میں مبالغہ کرنا لوگوں کی عادت میں داخل ہے' یہ ایسا ہی ہے جیسے کوئی شخص دو دشمنوں کے درمیان صلح کرانے کے لئے' یا دو سوتنوں کے تالیف قلب کے لئے جھوٹ بولے' اس قدر مبالغہ اسلئے روا ہے کہ اس سے مجرم کی اصلاح مقصود ہے' اس لئے بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ اگر باری تعالیٰ کسی ایسی چیز کی وعید فرمائیں جسے کریں نہیں تو اسمیں کوئی قباحت نہیں ہے' کیونکہ وعید میں خلاف کرنا یعنی وعدہ عذاب کو پورا نہ کرنا کرم اور عفو ہے جو باری تعالیٰ کی شایان شان ہے' البتہ یہ بات بری ہے کہ کسی ایسی چیز کا وعدہ کیا جائے جسے پورا کرنے کا ارادہ نہ ہو' لیکن ہمارے نزدیک یہ رائے اچھی نہیں ہے' اس لئے کہ اللہ کا کلام قدیم ہے' اس میں خلاف کی گنجائش نہیں ہے خواہ وہ وعدہ سے متعلق ہو یا وعید سے۔ وعدہ و وعید میں خلاف کا تصور بندوں کے حق میں کیا جاسکتا ہے' کیونکہ وعید میں خلاف کرنا حرام نہیں ہے۔

ساتواں درجہ۔ زدو کوب : اس سے مراد ہاتھ پاؤں سے مارنا ہے' اگر ضرورت ہو تو رعایا کے افراد بھی اس طرح اقدام کرسکتے ہیں' لیکن اس سلسلے میں بھی بقدر ضرورت پر اکتفا کرنا چاہئے' اور اسی حد تک مارنا چاہئے جس سے منکر دور ہوجائے' مقصد پورا ہوجانے کے بعد مارنا جائز نہیں ہے اس کی مثال ایسی ہے جیسے قاضی کسی شخص کو ادائے حق تک قید کردے' اگر اس کے باوجود وہ شخص انکار حق پر مصر ہے اور قاضی یہ سمجھے کہ وہ ادا پر قادر ہے لیکن عناد اور ہٹ دھرمی کی وجہ سے وہ انکار کررہا ہے' تو اس صورت میں قاضی کو جائز ہے کہ وہ ادائے حق کا اعتراف کرنے تک مجرم کو بقدر ضرورت بتدریج زدو کوب کرائے' یہی حکم محتسب کا ہے' جتنی ضرورت ہو اتنا ہی مارے' اور بتدریج کی رعایت کرے۔ اگر ہتھیار اٹھانے کی ضرورت پیش آئے اور یہ یقین ہو کہ مجرم ہتھیار دیکھ کر گھبرا جائے گا یا زخمی ہوکر تائب ہوجائے گا تو اسے ہتھیار اٹھانے کی بھی اجازت ہے' بشرطیکہ کوئی فتنہ برپا نہ ہو۔ مثلاً ایک فاسق کسی عورت کو پکڑے ہوئے ہو' یا مزمار بجا رہا ہو' اور اس کے اور محتسب کے درمیان نہر حائل ہو کہ محتسب کے لئے اسے عبور کرکے مجرم تک پہنچنا ممکن نہ ہو' اس صورت میں محتسب اپنی بندوق اٹھا کر مجرم کو للکار سکتا ہے' اور اسے دھمکی دے سکتا ہے کہ وہ فوراً عورت کو چھوڑ دے یا مزمار بند کردے ورنہ میں گولی ماردوں گا' اگر وہ اس دھمکی کی پروا نہ کرے اور بدستور منکر میں مشغول رہے تو بندوق سے فائر کرنا بھی جائز ہے' مگر نشانہ کسی ایسی جگہ کو نہ بنائے جس سے اسکی موت فی الفور واقع ہوجائے' بلکہ پنڈلی ران یا ہاتھ وغیرہ اعضاء پر فائر کرے۔ تیر اور تلوار کا موقع ہو تو ان ہتھیاروں کا بھی یہی حکم ہے۔ بہرحال منکر کی تغییر جس طرح بھی ممکن ہو واجب ہے' اس میں یہ بھی قید نہیں کہ وہ منکر خاص طور پر اللہ تعالیٰ کے حق سے متعلق ہو' انسانوں کے حقوق سے

متعلق منکرات کا بھی یہی حکم ہے' فرقہ معتزلہ کا کہنا یہ ہے کہ جو امور اللہ تعالیٰ کے حقوق سے متعلق نہ ہوں ان میں صرف زبان اور ہاتھ سی مارپیٹ کی گنجائش ہے' اور اس احتساب کا حق بھی صرف امام کو حاصل ہے۔

آٹھواں درجہ۔ انصار و اعوان کو دعوت : یہ اس صورت میں ہے جب کہ محتسب تن تنہا منکر کی تغیر پر قادر نہ ہو' اور یہ ضرورت محسوس کرے کہ کچھ لوگ اسکی مدد کریں اور منکر کے خلاف جہاد میں اسکے شانہ بشانہ حصہ لیں' اس صورت میں اگر مجرم بھی اپنے انصار و اعوان کو آواز دے لے تو یہ امر حیرت انگیز نہ ہوگا' نتیجہ فریقین باہم دست و گریبان ہوں گے' اور کشت و خون کریں گے۔ اس درجے میں اختلاف ہے کہ امام کی اجازت کے بغیر یہ انتہائی قدم اٹھایا جاسکتا ہے یا نہیں؟ بعض لوگ کہتے ہیں کہ رعایا کے افراد کو اسطرح کے اقدام کی اجازت نہیں دی جاسکتی' کیونکہ آپس میں جنگ سے فتنے برپا ہوں گے' فسادات پھوٹیں گے' اور ملک میں تباہی پھیلے گی' بعض لوگوں نے امام کی اجازت ضروری نہیں سمجھی' یہی قول قرین قیاس بھی ہے' کیونکہ رعایا کو احتساب کے باقی تمام درجات تعریف' وعظ و نصیحت یہاں تک کہ زدو کوب اور ہتھیار اٹھانے کی بھی اجازت ہے' آخری درجہ فریقین کو اپنے اپنے طرفداروں اور حمایتیوں سے مدد لینے پر اکساتا ہے' اور یہ جنگ ہی کی صورت ہے۔ اس لئے بہتر یہی ہے کہ امر بالمعروف کے سلسلے میں خطرناک ترین نتائج کی بھی پروا نہ کی جائے' انصار و معاونین کو مدد کے لئے بلانے میں محتسب کا مقصد اس کے علاوہ کچھ نہیں کہ اللہ کی رضا و خوشنودی خاطر اسکی نافرمانیوں کا قلع قمع کرنے کے لئے کچھ لوگ اکٹھے ہوں' اور منکرات کے خلاف جہاد کریں' اس مقصد میں کیا قباحت ہوسکتی ہے۔ جس طرح یہ جائز ہے کہ غازی اور مجاہدین از خود جمع ہوکر اور اپنا لشکر ترتیب دے کر کفر کی بیخ کنی کے لئے کفار کے جس فرقے سے چاہیں جہاد کریں اسی طرح محتسب کے لئے بھی جائز ہے کہ وہ اپنے ہی جیسے کچھ لوگوں کو جمع کرکے اہل فساد کی بیخ کنی کرے' ان دونوں میں ہر طرح مناسبت ہے' جس طرح کافر کو مار ڈالنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے' اسی طرح اس فاسق کو بھی مار ڈالنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے جو اپنے فسق پر اصرار کی خاطر لڑتا ہے' جس طرح کفار کے خلاف جنگ میں مارا جانے والا مسلمان شہید ہے' اسی طرح وہ محتسب بھی شہید ہے جو حق پر ہو اور ظلماً مارا جائے۔

اگرچہ اس درجے تک پہنچنے کی نوبت بہت کم آتی ہے لیکن قیاس کا ضابطہ بدلنے کی ضرورت نہیں ہے' یہ اپنی جگہ درست ہے۔ اس سلسلے میں مختصراً اور اصولی بات یہ ہوگی جو شخص دفع منکر پر قادر ہو وہ اپنے ہاتھ سے دفع کرے یا ہتھیار سے' تنہا دفع کرے یا اعوان و انصار کی مدد سے ہر طرح جائز ہے۔

محتسب کے آداب : ان آداب کی تفصیل تو ہم نے ہر ادب کے ضمن میں بیان کی ہے' ذیل میں ہم ان تمام آداب کو بحیثیت مجموعی دیکھتے ہیں' اور ان کا منبع بیان کرتے ہیں۔ جاننا چاہیے کہ محتسب کے آداب کا منبع و مصدر تین صفتیں ہیں' ایک علم' دوسری ورع اور تیسری حسن اخلاق۔ علم اس لئے کہ محتسب احتساب کے مواقع' حدود' اسباب اور موانع جان لے' اور اس سلسلے میں شریعت کی متعین کردہ حدود پر اکتفا کرے۔ ورع اسلئے تاکہ جو کچھ اسے معلوم ہو اس کی مخالفت نہ کرے' بہت سے اہل علم اپنے علم کے مطابق عمل نہیں کرتے بلکہ یہ جان لینے کے باوجود کہ وہ احتساب میں شرعی حدود سے تجاوز کیئے ہوئے ہیں' باز نہیں آتے' اور اپنی کسی غرض۔۔ مثلاً اظہار علم یا حصول جاہ۔۔ کی وجہ سے احتساب کا عمل جاری رکھتے ہیں' اگر ان میں ورع ہوتا تو وہ اپنی زیادتی پر مطلع ہونے کے بعد ہرگز یہ عمل جاری نہ رکھتے' محتسب کسی ایسے آدمی کو ہونا چاہئے جس کی نصیحت مقبول اور تقریر مؤثر ہو' اور یہ وصف اہل ورع ہی میں ہوتا ہے' فساق کی نصیحتوں پر لوگ قہقہہ لگاتے ہیں' اور ظلم کا خوف نہ ہو تو گستاخی بھی کر بیٹھتے ہیں' حسن اخلاق کی صفت اسلئے ضروری ہے تاکہ احتساب کے عمل میں نرمی' اور لطف کے ساتھ پیش آئے' بعض اوقات منکر کو دیکھ کر غصہ آجاتا ہے' اور اس کی آگ اس قدر بھڑکتی ہے کہ علم اور ورع کے چھینٹوں سے ٹھنڈی نہیں ہوتی جب تک کہ طبیعت حسن اخلاق کی خوگر نہ ہو' کمال ورع بھی یہی ہے کہ آدمی ضبط نفس پر قادر ہو' اور اچھے اخلاق کا حامل ہو۔ محتسب کا یہی وصف اسکے عمل

کو اللہ تعالیٰ کے دین کی نصرت، اور اس کی قربت کا ذریعہ بنا تا ہے، جن لوگوں میں یہ وصف نہیں ہوتا وہ محتسب علیہ کی مزاحمت، دفاعی یا اقدامی کاروائی، گالی اور مار پیٹ سے سخت مشتعل ہو جاتے ہیں، اور احتساب کو بالائے طاق رکھ دیتے ہیں، اللہ کے دین سے غافل ہو کر اپنے نفس کے لئے انتقام کی فکر میں لگ جاتے ہیں، ایسے لوگ عموماً احتساب کرتے ہی اسلئے ہیں تاکہ شہرت ملے اور عزت حاصل ہو، چنانچہ جب بھی وہ کوئی ایسی بات دیکھتے ہیں جس سے انکی شہرت داغدار ہو، اور آبرو پر حرف آئے احتساب ترک کر دیتے ہیں، اور اپنی فکر میں مشغول ہو جاتے ہیں۔

مذکورہ تینوں صفتیں احتساب کو لائق اجر و ثواب عمل بنا دیتی ہیں، منکر کے دفع کرنے میں تینوں صفتیں مؤثر بھی ہیں، جو محتسب ان سے محروم ہوتا ہے، وہ منکر کا کما حقہٗ ازالہ نہیں کرپاتا بلکہ بعض اوقات خود اس کا احتساب شریعت کی حدود سے تجاوز ہونے کے باعث امر منکر بن جاتا ہے۔ ان تینوں صفتوں پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد مبارک دلالت کرتا ہے:۔

لا یامر بالمعروف ولا ینھی عن المنکر الا رفیق فیما یامر بہ فیما ینھی عنہ، حلیم فیما یامر بہ حلیم فیما ینھی عنہ، فقیہ فما یامر بہ فقیہ فیما ینھی عنہ (۱)

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر وہی شخص کرے جو امر کرنے میں بھی نرمی اختیار کرے اور منع کرنے میں بھی نرمی سے کام لے، امر کرنے میں بھی بردبار ہو اور منع کرنے میں بھی بردباری اختیار کرے، امر کرنے میں بھی سمجھداری سے کام لے اور منع کرنے میں بھی سمجھدار رہے۔

اس روایت سے ثابت ہوتا ہے کہ محتسب کے لئے مطلق فہیم یا سمجھدار ہونا شرط نہیں ہے بلکہ احتساب کے بارے میں فہیم ہونا شرط ہے، یہی حال علم اور نرمی کا ہے کہ مطلق علم اور نرمی کافی نہیں ہے، بلکہ محتسب کے لئے یہ شرط ہے کہ وہ احتساب کرنے میں بھی بردباری اور نرم خوئی کا مظاہرہ کرے۔ حضرت حسن بصریؒ ارشاد فرماتے ہیں کہ جب تم امر بالمعروف کرنے والوں کے زمرے میں شمولیت اختیار کرو تو اس معروف پر سب سے زیادہ تم خود عمل کرو، کسی شاعر کے یہ دو شعر کیا خوب ہیں۔

لا تلم المرء علی فعلہ وانت منسوب الی مثلہ
من ذم شیئا و اتی مثلہ فانما یزری علی عقلہ

(تم دوسرے کو اسکے کسی ایسے فعل پر ملامت نہ کرو جو تمہاری طرف بھی منسوب ہو، جو شخص کسی فعل کی مذمت کرتا ہے اور خود اس کا مرتکب ہوتا ہے، وہ اپنی بے عقلی کا ماتم کرتا ہے)

فسق کی بناء پر امر بالمعروف ممنوع نہیں ہوتا بلکہ لوگوں کے دلوں سے اس کی تاثیر ختم ہو جاتی ہے حضرت انس روایت کرتے ہیں کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا :۔

یارسول اللہ! لانامر بالمعروف حتّٰی نعمل بہ ولا ننھی عن المنکر حتّٰی نجتنبہ کلہ، فقال صلی اللہ علیہ وسلم : بل مروا بالمعروف وان لم تعملوا بہ وانھوا عن المنکر وان لم تجتنبوہ کلہ (طبرانی صغیر و اوسط)

یا رسول اللہ! کیا ہم امر بالمعروف نہ کریں جب تک معروف پر عمل پیرا نہ ہوں، اور منکر سے منع نہ کریں جب تک تمام منکرات سے اجتناب نہ کرلیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا نہیں، بلکہ امر

---

(۱) مجھے یہ روایت نہیں ملی، البتہ بیہقی میں عمرو ابن شعیب عن ابیہ عن جدہ سے یہ الفاظ منقول ہیں "من امرہ بمعروف فلیکن امرہ بمعروف"

بالمعروف کرو گو معروف پر تمہارا عمل نہ ہو' اور منکر سے منع کرو گو تم خود تمام منکرات سے اجتناب نہ کرتے ہو۔

بعض اکابرین سلف نے اپنے بیٹوں کو وصیت کی تھی کہ جب تم میں سے کوئی امر معروف کا ارادہ کرے تو اپنے دل کو صبر کرنے کا عادی بنالے' اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے اجر و ثواب کا یقین رکھے' اسلئے کہ جو شخص اجر و ثواب کے یقین کے ساتھ کوئی عمل کرتا ہے اسے ایذا کی تکلیف محسوس نہیں ہوتی' اس سے معلوم ہوا کہ حسبت کا ایک ادب صبر کرنا بھی ہے' یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے امر بالمعروف کے ساتھ ساتھ صبر کا ذکر بھی فرمایا۔ حضرت لقمان علیہ السلام کی زبانی ارشاد فرمایا :۔

يَا بُنَيَّ أَقِمِ الصَّلٰوةَ وَأْمُرْ بِالْمَعْرُوفِ وَانْهَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاصْبِرْ عَلٰى مَا أَصَابَكَ (پ ۲۱ ر ۱۱ آیت ۱۷)

اے بیٹے نماز پڑھا کرو' اور اچھے کاموں کی نصیحت کیا کر اور برے کاموں سے منع کیا کر' اور تجھ پر جو مصیبت واقع ہو اس پر صبر کیا کر۔

ایک ادب یہ بھی ہے کہ اپنے دنیاوی علائق کم کردے تاکہ احتساب کرنے میں کسی قسم کا خوف رکاوٹ نہ بنے مخلوق سے طمع منقطع کردے تاکہ مداہنت کا شائبہ بھی باقی نہ رہے' جیسا کہ ایک بزرگ کے بارے میں بیان کیا جاتا ہے کہ ان کے یہاں ایک بلی تھی جس کے لئے وہ اپنے پڑوس میں رہنے والے ایک قصائی سے چھیچھڑے لیا کرتے تھے' ایک روز چھیچھڑے لینے کے لئے اس کی دکان پر پہنچے تو قصائی کو منکر میں مشغول پایا' گھر واپس آئے اور بلی کو گھر سے باہر نکال دیا' اس کام سے فارغ ہونے کے بعد دکان پر پہنچے اور قصائی کو اس منکر پر سخت سست کہا' قصائی نے کہا کہ آئندہ میں آپ کو بلی کے لئے چھیچھڑے نہیں دوں گا' فرمایا کہ مجھے اسکی پروا نہیں ہے' میں نے احتساب کرنے سے پہلے بلی کو باہر نکال دیا ہے اور تجھ سے طمع منقطع کرلی ہے۔ یہ بزرگ اپنے موقف میں حق بجانب تھے کیونکہ جو شخص مخلوق سے طمع منقطع نہیں کرتا وہ احتساب پر قادر نہیں ہوتا' اور جس شخص کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ لوگوں کے دلوں میں اسکا اچھا اثر' اور ان کی زبانوں پر اس کے لئے تعریف کے الفاظ ہوں وہ اچھی طرح احتساب نہیں کرسکتا' کعب احبار نے ابو مسلم خولانی سے دریافت کیا کہ قوم میں تمہارا کیا مقام اور کیا حیثیت ہے؟ عرض کیا : مجھے بڑی اچھی حیثیت حاصل ہے' لوگ میرا اکرام کرتے ہیں' فرمایا : تورات میں ہے کہ جو آدمی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتا ہے قوم میں اس کی حیثیت گھٹ جاتی ہے' اور لوگ اسے برا کہنے لگتے ہیں' ابو مسلم نے کہا کہ تورات میں سچ ہے' ابو مسلم ہی جھوٹا ہے۔ احتساب کے عمل میں نرمی اور لطف پر یہ واقعہ بھی دلالت کرتا ہے کہ ایک واعظ مامون کے پاس آیا اور اسے کسی منکر پر سخت سست کہنے لگا مامون نے اس سے کہا کہ بڑے میاں ذرا نرمی اختیار کرو' اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جو تم سے بہتر تھے فرعون کے پاس بھیجا جو مجھ سے برا تھا تو انھیں یہ نصیحت فرمائی :۔

فَقُولَا لَهُ قَوْلًا لَيِّنًا لَعَلَّهُ يَتَذَكَّرُ أَوْ يَخْشٰى (پ ۱۶ ر ۱۱ آیت ۴۴)

پھر اس سے نرمی کے ساتھ بات کرنا شاید وہ نصیحت پکڑلے یا (عذاب الٰہی سے) ڈر جائے۔

محتسب کو چاہئے کہ وہ نرمی کے باب میں انبیاء علیہم السلام کے اسوۂ حسنہ کی پیروی کرے۔ حضرت ابو امامہؓ فرماتے ہیں کہ ایک نوجوان نے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا : یا نبی اللہ! کیا آپ مجھے زنا کی اجازت دیتے ہیں' یہ سن کر صحابہ کرام چیخ اٹھے اور اسے برا بھلا کہنے لگے' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں سے فرمایا کہ اسے قریب لاؤ' وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب آیا' یہاں تک کہ آپکے سامنے آکر بیٹھ گیا' آپ نے اس سے پوچھا کہ کیا تم اپنی ماں کے لئے زنا پسند کرسکتے ہو؟ اس نے عرض کیا : نہیں! یا رسول اللہ! میں آپ پر فدا ہوں' آپ نے فرمایا کہ لوگوں کا یہی حال ہے کہ وہ اپنی ماؤں کے لئے زنا پسند نہیں کرتے! پھر فرمایا کہ کیا تو اپنی بیٹی کے لئے زنا پسند کرتا ہے' عرض کیا : نہیں! یا رسول اللہ! میری جان آپ پر فدا ہو'

فرمایا : لوگوں کا یہی حال ہے کہ وہ اپنی بیٹیوں کے لئے زنا پسند نہیں کرتے' آپ نے اس کے بعد بہن کا' اور ابن عوف کی روایات کے مطابق خالہ اور پھوپھی کا بھی ذکر فرمایا' اس نے ہر بار یہی جواب دیا کہ میری جان آپ پر نثار ہو میں یہ پسند نہیں کرتا' اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا دست مبارک اس کے سینے پر رکھا اور یہ دعا کی :-

اللّٰھم طھر قلبہ واغفر ذنبہ وحصن فرجہ

(اے اللہ اسکا دل پاک کر' اسکے گناہ معاف فرما' اور اس کی شرمگاہ کو (زنا کی برائی سے) محفوظ رکھ)

راوی کہتا ہے کہ اس واقعہ کے بعد اس شخص کو زنا سے اس قدر نفرت ہو گئی کہ شاید ہی کسی دوسری چیز سے نفرت ہو (احمد)۔ فضیل ابن عیاض سے کسی شخص نے کہا کہ سفیان ابن عیینہ نے بادشاہ کے انعامات قبول کئے ہیں' فضیل نے جواب دیا کہ انھوں نے بادشاہ سے اپنا حق وصول کیا ہے' تمہیں کیا اعتراض ہے؟ جب معترض چلا گیا اور سفیان سے تنہائی میں ملاقات ہوئی تو فضیل نے انھیں تنبیہہ کی' اور بادشاہ کے ہدایا قبول کرنے سے منع کیا' سفیان نے کہا کہ اے ابو علی! بخدا اگرچہ ہم نیک نہیں ہیں' لیکن ہمیں نیکیوں سے بڑی محبت ہے (اس لئے ہم آپ کی بات کا برا نہیں مناتے اور جو نصیحت آپ کرتے ہیں اسے بلا تکلف قبول کرلیتے ہیں) حماد ابن سلمہؓ کہتے ہیں کہ صلۃ ابن اشیم کے پاس سے کوئی شخص گزرا' اس کا پاجامہ ٹخنوں سے نیچے لٹکا ہوا تھا' ہم نشینوں نے چاہا کہ اس شخص کے ساتھ سختی سے پیش آئیں' اور شدید مواخذہ کریں' لیکن ابن اشیم نے ان سے فرمایا کہ تم رہنے دو' اسکے لئے میں تنہا کافی ہوں۔ اس کے بعد آنے والے کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا بھتیجے! مجھے تم سے ایک کام ہے' اس نے عرض کیا : کیا کام ہے چچا جان' فرمایا : میری خواہش یہ ہے کہ تم اپنا پاجامہ تھوڑا سا اوپر کرلو' اس شخص نے کہا کہ بہت بہتر' اور پاجامہ اوپر کرلیا۔ جب وہ چلا گیا تو آپ نے رفقائے مجلس سے فرمایا کہ اگر تم اس پر تشدد کرتے' اور سختی سے پیش آتے تو وہ "بہت بہتر" اور "بسرو چشم" کہنے کے بجائے گالیوں سے نوازتا۔ محمد بن زکریا غلابی اپنا چشم دید واقعہ بیان کرتے ہیں کہ ایک رات مغرب کی نماز کے بعد عبداللہ ابن محمد ابن عائشہ مسجد سے نکل کر اپنے گھر جا رہے تھے' راستہ میں انھوں نے دیکھا کہ قبیلہ قریش کا ایک نوجوان نشہ کی حالت میں سرراہ موجود ہے' اور ایک عورت کو پکڑے ہوئے ہے وہ عورت چیخ کر لوگوں کو اپنی مدد کے لئے بلا رہی ہے' ابن عائشہ اس نوجوان سے واقف تھے' انھوں نے لوگوں سے کہا کہ تم میرے بھتیجے کو چھوڑ دو' لوگ الگ ہٹ گئے' آپ نے نوجوان کو اپنے پاس بلایا' وہ شرماتا ہوا آیا' ابن عائشہؓ نے اسے محبت اور شفقت سے گلے لگایا اور اپنے گھر لے گئے' اور خادم سے کہا کہ اسے اپنے پاس سلالے' جب اس کا نشہ اتر جائے تو اسے بتلادینا کہ وہ کیا حرکات کر رہا تھا' اگر وہ جانا چاہے تو جانے مت دینا' بلکہ پہلے میرے پاس لے کر آنا' چنانچہ جب اس کی حالت درست ہوئی' اور نشہ اترا تو خادم نے اسے رات کے واقعے سے مطلع کیا' نوجوان یہ سن کر سخت شرمندہ ہوا اور رونے لگا' جب اس نے واپسی کا ارادہ ظاہر کیا تو خادم نے اپنے آقا کے حکم سے آگاہ کیا' وہ نوجوان ابن عائشہ کے پاس لایا گیا' آپ نے اس سے کہا کہ تجھے شرم نہ آئی تو نے اپنے آباء و اجداد کی شرافت سربازار نیلام کردی اور ان کے لئے ذلت اور رسوائی کا سامان کردیا' تجھے نہیں معلوم کہ تو کس کا بیٹا ہے' اللہ سے ڈر' اور اپنی حرکتوں سے باز آ۔ نوجوان گردن نیچی کئے آنسو بہاتا رہا' جب ابن عائشہ خاموش ہوئے تو اس نے کہا کہ آج سے میں عہد کرتا ہوں کہ اب کبھی شراب نہ پیوں گا' اور نہ عورتوں کے ساتھ دست درازی کروں گا' میں اپنے گناہوں پر نادم ہوں' اور بارگاہ ایزدی میں توبہ کرتا ہوں' آپ بھی میرے لئے مغفرت کی دعا فرمائیں' آپ نے اسے اپنے قریب بلایا اور اس کے سر پر بوسہ دیا اور فرمایا : بہت خوب! بیٹے! تمہیں ایسا ہی کرنا چاہئے تھا' وہ نوجوان ان کی نرم لہجے اور لطف و مہربانی سے بھرپور نصیحتوں سے اس قدر متاثر ہوا کہ ان کی خدمت میں رہنے لگا' اور ان سے احادیث سیکھنے لگا۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ لوگ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتے ہیں' لیکن ان کا معروف منکر ہوتا ہے' اپنے تمام معاملات میں نرمی اختیار کرو' نرمی کے ذریعہ تم اپنا مقصد زیادہ بہتر طریقے پر پورا کرسکتے ہو۔

فتح ابن شخرفؒ کہتے ہیں کہ ایک شخص نے ایک عورت کو راستے میں پکڑلیا' اور اسکے ساتھ غلط حرکتیں کرنے لگا' اسکے ہاتھ میں

جاقو تھا' جس کے خوف سے لوگ قریب نہیں جارہے تھے' اور بے بسی سے تماشا دیکھ رہے تھے' طرفہ تماشا یہ کہ وہ شخص جوان اور نہایت قوی الجثہ تھا' لوگ اسلئے بھی خوفزدہ تھے' اسی اثناء میں جب کہ لوگ کھڑے ہوئے عورت کی چیخیں سن رہے تھے بشر ابن حارث ادھر سے گزرے آپ نے یہ منظر دیکھا تو مجرم کے قریب گئے اور اس کے شانے پر اپنا شانہ رگڑا' نہ جانے آپ کے شانے میں کیا چھپا تھا کہ وہ شخص زمین پر گر پڑا' عورت اسکے قبضے سے نکل گئی' اور صحیح سالم رخصت ہو گئی' لوگ اس کے قریب پہنچے' وہ زمین پر پڑا ہانپ رہا تھا' اور اسکا تمام جسم پسینے میں شرابور تھا' پوچھنے پر اس نے بتلایا کہ میں اس کے علاوہ کچھ نہیں جانتا کہ ایک بڑے میاں میرے پاس آئے' اور انھوں نے مجھ سے یہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تجھے اور تیری حرکتوں کو دیکھ رہا ہے' میں ان کی یہ بات سن کر لرز گیا' اور مجھ پر اس قدر ہیبت سوار ہوئی کہ میں اپنے بوجھ کا تحمل نہ رہ سکا' اور زمین پر آرہا' مجھے نہیں معلوم کہ وہ بڑے میاں کون تھے اور کہاں سے آئے تھے' لوگوں نے کہا کہ وہ بشر ابن حارث تھے' اس نے کہا : افسوس! میں کتنا بد قسمت ہوں اب وہ مجھے کس نگاہ سے دیکھیں گے' اور میرے متعلق کیا خیال فرمارہے ہوں گے' اسی غم میں وہ بیمار پڑ گیا اور ساتویں روز جاں بحق ہو گیا۔

احتساب کے سلسلے میں متقی اور پرہیزگاروں کا یہی طریقہ تھا۔ کتاب الصحبت میں ہم نے حبّ فی اللہ اور بغض فی اللہ کے متعلق جو روایات اور آثار ذکر کئے ہیں وہ بھی اس بحث میں مفید ہیں' طول کلام کے خوف سے ان روایات و آثار کو دوبارہ نقل کرنا مشکل ہے' فی الوقت اسی مختصر پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

تیسرا باب

رائج منکرات

یہاں ہم چند منکرات کی طرف اشارہ کرتے ہیں' باقی منکرات انہی پر قیاس کئے جاسکتے ہیں' یہاں ہمارا مقصود حصر اور منکرات کی قسموں کا استقصاء نہیں ہے۔

جاننا چاہئے کہ منکرات کی دو قسمیں ہیں' مکروہ اور ممنوع' جب ہم کسی منکر کو مکروہ کہیں تو اسکا مطلب یہ ہوا کہ اس منکر سے منع کرنا مستحب ہے' اور اس پر خاموش رہنا مکروہ ہے' حرام نہیں ہے' ہاں اگر مرتکب کو اپنے فعل کی کراہت کا علم نہ ہو تو اسے بتلا دینا واجب ہے' کیونکہ کراہت بھی شریعت ہی کا ایک حکم ہے' دوسرے احکام کی طرح ناواقفین تک اس حکم کا پہنچانا بھی واجب ہے' اگر ہم کسی منکر کو محظور کہیں یا مطلقاً منکر بولیں اور حرمت مراد لیں تو قدرت کے باوجود اس پر خاموش رہنا حرام ہوگا۔ منکرات ہر جگہ پھیلے ہوئے ہیں' مسجدوں میں بازاروں میں' راستوں پر' اور دوسری جگہوں پر بھی یہاں ہم ہر جگہ کے منکرات الگ الگ بیان کرتے ہیں۔

مساجد کے منکرات

مساجد کے اندر بہت سے منکرات پر لوگ عادتاً عمل پیرا ہیں۔

پہلا منکر : یہ کہ نماز میں رکوع و سجود اطمینان سے نہیں کرتے' حالانکہ رکوع و سجود میں عجلت کرنا منکر ہے' اور نماز کو فاسد کرتا ہے' جیسا کہ حدیث میں بھی وارد ہے' اسلئے اگر کسی کو اس عجلت میں مبتلا پایا جائے تو منع کرنا واجب ہے۔ البتہ احناف کے نزدیک یہ امر منکر نہیں ہے' کیونکہ وہ ترک طمانیت کو نماز کی صحت کے لئے مضر نہیں سمجھتے۔ دوسرے کو نماز میں غلطی کرتے ہوئے دیکھ کر چپ رہنے والا اس غلطی میں شریک تصور کیا جائے گا' جیسا کہ غیبت کے سلسلے میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے :۔

المغتاب والمستمع شريكان في الاثم (۱)

غیبت کرنے والا اور سننے والا دونوں گناہ میں شریک ہیں۔

ان تمام امور میں احتساب واجب ہے جو نماز کی صحت میں خلل پیدا کریں' مثلاً یہ کہ کپڑوں پر نجاست لگی ہوئی ہو' اور نمازی کو اس کا علم نہ ہو یا تاریکی یا نابینائی کی وجہ سے قبلہ سے منحرف ہو۔

دوسرا منکر : بعض لوگ قرآن کریم غلط پڑھتے ہیں' اس منکر سے روکنا' اور صحیح پڑھنے کی تلقین کرنا واجب ہے' اگر کوئی شخص مسجد میں معتکف رہنے کے باوجود ذکر اور نوافل پر مداومت نہیں کرتا تو اسے ایسے ہی منکرات سے منع کرنے کا مشغلہ اختیار کرلینا چاہئے' کیونکہ یہ عمل ذکر اور نوافل میں اشتغال کے مقابلے میں زیادہ فضیلت رکھتا ہے' کیونکہ نوافل کا فائدہ صرف اسی حد تک محدود رہتا ہے جب کہ نہی عن المنکر سے دوسرے لوگ بھی مستفید ہوتے ہیں' وہ خود بھی ثواب کماتا ہے اور دوسرے لوگوں کو بھی ثواب کمانے کا راستہ دکھلاتا ہے۔ اگر منکرات سے منع کرنے میں ذریعہ آمدنی کے متاثر ہونے کا خطرہ ہو تو یہ دیکھنا چاہئے کہ اسکے پاس مال کی کس قدر مقدار موجود ہے' اگر بقدر کفایت ہے تو اسے منکرات سے منع کرنے کا شغل اپنانا چاہئے' دنیا کی زائد چیزوں کی خاطر ترک احتساب جائز نہ ہوگا' ہاں اگر صرف اسی دن کا روزینہ ہو تو یہ عذر سمجھا جائے گا اور اس کے ذمے سے وجوب ساقط ہوجائیگا' قرآن کریم پڑھنے میں بہت زیادہ غلطیاں کرنے والا شخص اگر سیکھنے پر قادر ہے تو اسے سیکھنے تک قرأت نہ کرنی چاہئے' کیوں کہ غلط پڑھنے سے گنہگار ہوگا' البتہ اگر اس کی زبان ساتھ نہ دیتی ہو' اور کوشش کے باوجود قرأت غلط ہوجاتی ہو تو مجبوری ہے' اس صورت میں باقی تمام قرآن کی تلاوت ترک کرکے صرف سورہ فاتحہ پر اکتفا کرے اور اسے صحیح طور پر سیکھنے تک دوسری سورت نہ پڑھے' جب اسے صحیح پڑھنے لگے تب دوسری سورت سیکھنا شروع کرے۔ اگر اکثر قرأت صحیح ہو اور کہیں غیر اختیاری طور پر غلطی ہوجاتی ہو تو کوئی حرج نہیں ہے' اس صورت میں آہستہ آہستہ پڑھے تاکہ دوسرا شخص نہ سنے' اگرچہ اسے آہستہ آہستہ پڑھنے سے روکنے کی وجہ بھی موجود ہے لیکن ہمارے خیال میں اگر کوئی شخص اس سے زیادہ صحیح پڑھنے پر قادر نہ ہو اور اسے تلاوت کلام پاک سے انس اور شغفت ہو تو اس کے پڑھنے میں کوئی قباحت نہیں ہے' واللہ اعلم۔

تیسرا منکر : مؤذنوں کے سلسلے میں ہے' عام طور پر مساجد میں اذان کے کلمات غیر ضروری طوالت کے ساتھ ادا کئے جاتے ہیں' بہت سے مؤذن حیّ علی الفلاح اور حیّ علی الصلوٰۃ کہنے کے وقت اپنے سینے کو قبلہ کی جانب سے بالکل پھیر لیتے ہیں' ہر مؤذن اپنی اذان مستقل دیتا ہے' اور اتنا انتظار نہیں کرتا کہ دوسرا توقف کرے تو وہ اذان دے تاکہ جواب دینے والوں کو ہر ایک اذان کا جواب دینے میں سہولت ہو' یہ تمام امور مکروہ منکرات ہیں' ناواقف مؤذنین کو ان کی کراہت سے آگاہ کردینا ضروری ہے' اگر کوئی مؤذن واقفیت کے باوجود ان حرکات کا ارتکاب کرے تو ان سے منع کرنا' اور احتساب کرنا مستحب ہے' اگر کسی مسجد میں ایک مؤذن ہو' اور وہ عادتاً صبح سے پہلے اذان دیتا ہو تو اسے صبح کے بعد اذان نہ دینی چاہیے' اس لئے کہ دوسری اذان لوگوں کے لئے نماز اور روزے کے سلسلے میں تشویش پیدا کرسکتی ہے' البتہ اس صورت میں کوئی مضائقہ نہیں جب کہ دو مؤذن ہوں' اور ایک مؤذن کے بارے میں یہ شہرت عام ہو کہ وہ صبح سے پہلے اذان دیتا ہے اور دوسرا مؤذن صبح ہونے پر اذان کہتا ہے' اس واقفیت کے بعد لوگوں پر ان کے نماز اور روزے مشتبہ نہیں ہوں گے۔ طلوع فجر کے بعد ایک مسجد میں تھوڑے تھوڑے وقفے سے اذان دینا بھی مکروہ ہے' خواہ ایک شخص دے' یا چند افراد مل کردیں۔ کیونکہ یکے بعد دیگرے اذان دینے میں بھی کوئی فائدہ نہیں ہے' یہ امور مکروہ ہیں' اور صحابہ کرام واکابرین سلف کے طریقے کے خلاف ہیں۔

---

(۱) یہ روایت کتاب الصوم میں گزر چکی ہے

چوتھا منکر : خطیب کا سیاہ لباس پہننا جس پر ریشم غالب ہو' یا سنہری تلوار ہاتھ میں لینا وغیرہ یہ امور فسق کا موجب ہیں' ان پر نکیر کرنا واجب ہے' البتہ وہ لباس جو محض سیاہ ہو ریشمی نہ ہو مکروہ نہیں ہے' مگر اسے پسندیدہ بھی نہیں کہا جاسکتا' کیونکہ اللہ تعالیٰ کو کپڑوں میں سفید رنگ کے کپڑے زیادہ پسند ہیں۔ جن لوگوں نے سیاہ لباس کو مکروہ اور بدعت قرار دیا ہے ان کا منشا یہ ہے کہ قرون اولیٰ میں اسطرح کا لباس پہننے کی عادت نہیں تھی۔ لیکن کیونکہ اس لباس کے سلسلے میں کوئی ممانعت وارد نہیں ہے اسلئے اسے خلاف اولیٰ تو کہا جاسکتا ہے' مکروہ و بدعت نہیں کہا جاسکتا۔

پانچواں منکر : وہ مواعظ و قصص ہیں جن میں بدعت کی آمیزش ہو' اگر قصہ گو واعظ اپنے وعظ میں جھوٹ بولتا ہو تو وہ فاسق ہے' اس کا احتساب کرنا ضروری ہے' مبتدع واعظ کو بھی اپنے مبتدعانہ خیالات کے اظہار سے باز رکھنا چاہیے' ایسے واعظین کی مجلسوں میں شرکت نہ کی جائے' ہاں اگر ان کی بدعات پر رد یا نکیر کا ارادہ ہو تب کوئی حرج نہیں ہے' قدرت ہو تو تمام حاضرین یا جس قدر حاضرین کو منع کرنا ممکن ہو منع کرے' دروغ سننے کی ضرورت نہیں ہے' اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس طرح کے لوگوں سے اعراض کا حکم فرمایا ہے :

فَأَعْرِضْ عَنْهُمْ حَتّٰى يَخُوضُوا فِي حَدِيثٍ غَيْرِهِ (پ ۷ ر ۱۴ آیت ۶۸)

تو ان لوگوں سے کنارہ کش ہو جا' یہاں تک کہ وہ کسی اور میں لگ جائیں۔

اس واعظ کا وعظ بھی منکر ہے جس سے معاصی پر جرأت پیدا ہوتی ہو' یعنی وہ زیادہ تر رجاء کے مضامین بیان کرتا ہو' رحمت اور مغفرت کا یقین دلاتا ہو' اور دلوں سے گناہوں کی سنگینی کا احساس مٹاتا ہو اور خوف خداوندی زائل کرتا ہو' اس منکر سے روکنا بھی واجب ہے' اس طرح کے مضامین طبیعتوں میں شر اور فساد پیدا کرتے ہیں' آج کے دور میں رجاء کے بجائے خوف کے مضامین زیادہ بیان کرنے چاہئیں' کیونکہ حالات تخویف ہی کے متقضی ہیں' یوں اگر خوف اور رجاء دونوں کے پلڑے برابر رکھے جائیں اور موقع بہ موقع دونوں طرح کے مضامین بیان کئے جاتے ہیں تب بھی کوئی حرج نہیں ہے' چنانچہ حضرت عمر فاروقؓ ارشاد فرماتے ہیں کہ اگر قیامت کے روز یہ اعلان ہو کہ ایک کے علاوہ سب لوگ دوزخ میں داخل ہوں گے تو میں یہ امید کروں گا کہ وہ شخص جس کا استثناء کیا گیا ہے میں ہی ہوں' اسی طرح اگر یہ اعلان کیا جائے کہ تمام آدمی جنت میں جائیں گے' صرف ایک شخص دوزخ میں داخل کیا جائے گا تو میں اس تصور سے ڈر جاؤں گا کہ کہیں وہ شخص میں ہی تو نہیں جسے دوزخ میں داخل ہونا ہے۔

واعظ کا جواں سال ہونا' اور عورتوں کے لئے خوبصورت لباس پہننا' عشق و محبت کے اشعار پڑھنا' اور بہت زیادہ اشارات و حرکات کرنا' اور ان خصوصیات کی بنا پر مجلس وعظ میں عورتوں کا بکثرت آنا بھی منکر ہے اس سے منع کرنا واجب ہے' اسلئے کہ یہ وعظ صلاح سے زیادہ فساد کا باعث ہوگا۔ اور یہ امر واعظ کے حالات کے قرائن سے واضح ہوجاتا ہے کہ وہ منصب وعظ کے لائق ہے یا نہیں' نیز اس کے مواعظ سے لوگ نقصان اٹھائیں گے یا فائدہ؟ اس سلسلے میں تو یہاں تک احتیاط کرنی چاہیے کہ جو شخص نہ ظاہری ورع رکھتا ہو' نہ سکینت و وقار کا حامل ہو' اور نہ لباس میں بزرگوں اور امت کے نیک نفسوں کی پیروی کرتا ہو اسے وعظ کا کام ہی سپرد نہ کیا جائے' کیونکہ اس شخص سے لوگ گمراہ زیادہ ہوں گے۔ مجلس وعظ کا ایک ادب یہ ہے کہ عورتوں اور مردوں کے درمیان کوئی ایسی آڑ ضرور ہو جس سے وہ ایک دوسرے کو نظر نہ آسکیں۔ اسلئے کہ نظر بھی فساد کی موجب ہے' مشاہدات سے ان منکرات کا ثبوت ملتا ہے۔ اگر فتنہ کا خوف ہو تو عورتوں کو مساجد میں نماز کے لئے اور وعظ کی مجلسوں میں آنے سے منع کیا جائے' چنانچہ حضرت عائشہؓ عورتوں کو منع کیا کرتی تھیں۔ کسی نے ان سے عرض کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جماعتوں میں عورتوں کو شرکت کرنے سے منع نہیں فرماتے تھے' آپ کیوں منع فرماتی ہیں؟ حضرت عائشہؓ نے جواب دیا کہ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو وہ باتیں معلوم ہوتیں جو آپ کے بعد عورتوں نے ایجاد کی ہیں تو آپ انھیں منع فرمادیتے (بخاری و مسلم) ہاں اگر عورت اپنے

جسم کو ڈھانپ کر مسجد سے گزرے تو اسے روکا نہ جائے' لیکن بہتر یہ ہے کہ مسجد کو محض راستہ نہ بنایا جائے۔ واعظوں کے سامنے قرآن کی تلاوت اس طرح کرنا کہ نظم قرآن متاثر ہو' اور گانے کا شبہ ہونے لگے اور صحیح تلاوت کی حدود سے تجاوز کر جائے انتہائی سخت بدعت اور مکروہ ہے' اکابرین سلف نے اس بدعت پر نکیر کی ہے۔

چھٹا منکر: جمعہ کے روز دوائیں' کھانے پینے کی چیزیں' اور تعویز و گنڈے وغیرہ فروخت کرنے کے لئے مجمع لگانا یا سائلین کا کھڑے ہو کر قرآنی آیات اور اشعار پڑھنا وغیرہ امور بھی منکر ہیں۔ ان میں سے بعض چیزیں فریب اور کذب بیانی کی بنا پر حرام ہیں' جیسے جھوٹے اطباء کی فریب کاریاں نظر بندوں کے شعبدے' اور تعویزات کرنے والوں کے ڈھکوسلے۔ یہ لوگ اپنی اپنی چیزیں سادہ لوح دیہاتیوں اور بچوں کو فروخت کرکے پیسے بٹورتے ہیں' اس طرح کی خرید و فروخت خواہ مسجد کے اندر ہو یا باہر ہر جگہ منکر ہے' اس منکر سے روکنا واجب ہے' بلکہ ہر اس بیع سے منع کرنا ضروری ہے جس میں تلبیس' دروغ بیانی' اور خریدنے والے پر مبیع کے اخفاء کی کوشش شامل ہو' بعض امور جیسے کپڑے سینا' کتابیں اور کھانے پینے کی اشیاء فروخت کرنا۔ مسجد کے باہر مطلقاً مباح ہیں' اور داخل مسجد میں عوارض کی بنا پر حرام ہیں' مثلاً یہ کہ نمازیوں پر جگہ تنگ ہو جائے' انکی آوازوں یا خرید و فروخت کے عمل سے نمازیوں کا سکون درہم برہم ہو' اگر یہ عوارض نہ ہوں تو حرمت کی کوئی وجہ نہیں ہے' البتہ بہتر یہ ہے کہ اس طرح کے امور کے لئے مساجد استعمال نہ ہوں۔ اباحت بھی مطلق نہیں ہے بلکہ اس شرط کے ساتھ مشروط ہے کہ اس طرح کہ امور شاذ و نادر ہی ہوتے ہیں' یہ نہ ہو کہ مسجدوں کو دکانیں بنالیا جائے' اور لوگ نماز کے بجائے خرید و فروخت کے لئے آیا کریں۔ مسجدوں کو بازاروں میں تبدیل کرنا حرام ہے اس سے منع کیا جائے گا۔ بعض مباح چیزیں قلت سے مباح رہتی ہیں اور کثرت سے گناہ ہو جاتی ہیں' یہ ایسا ہی ہے کہ جیسے صغیرہ گناہ پر اصرار نہ ہو تو وہ صغیرہ رہتا ہے' اور یہ اصرار ہو جائے تو کبیرہ گناہ میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ چنانچہ اگر کسی قلیل سے کثیر تک نوبت پہنچنے کا خوف ہو تو اس قلیل سے بھی منع کیا جائے گا۔ مگر منع کرنے کا یہ اختیار حاکم' مسجد کے متولّی' یا حاکم کی طرف سے مقرر کردہ شخص کو حاصل ہے' کیونکہ قلت و کثرت میں فرق کرنا' اور قلت سے کثرت کے امکانات تلاش کرنا اجتہاد سے متعلق ہے' عام لوگ اجتہاد کی قوت سے محروم ہوتے ہیں' حالات پر ان کی نظر نہیں ہوتی اس لئے وہ قلیل سے کثیر کے خوف کی بنا پر منع نہیں کریں گے۔

ساتواں منکر: مساجد میں مجنونوں' بچوں' اور متوالوں کا داخل ہونا۔ بچے اگر مسجد میں آئیں تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے' بشرطیکہ وہ مسجد میں کھیل کود نہ کریں' یہ صحیح ہے کہ مسجد میں بچوں کا کھیلنا اور لوگوں کا ان کے کھیل پر خاموش رہنا حرام نہیں ہے' لیکن جب وہ مسجد کو کھیلنے کی جگہ کے طور پر استعمال کرنے لگیں' اور مسجد میں آکر کھیلنا ان کی عادت اور مشغلہ بن جائے تو انھیں منع کرنا واجب ہے مسجدوں میں بچوں کا کھیل اسی نوعیت کا ہے کہ کم ہو تو جائز ہے' اور زیادہ ہو تو حرام ہے' جواز کی دلیل وہ روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہؓ کو حبشیوں کا کھیل دکھلایا جو صحن مسجد میں کھیل رہے تھے۔ اگر حبشی مسجد کے صحن کو مستقل طور پر کھیل کا میدان بنالیتے تو بلاشبہ منع کئے جاتے' لیکن قلت کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے برا نہیں سمجھا' آپ نے خود بھی ان کا کھیل ملاحظہ فرمایا' اور حضرت عائشہؓ کو بھی دیکھنے کی اجازت دی' بلکہ حضرت عمر فاروقؓ کے منع کرنے پر آپ نے کھلاڑیوں سے فرمایا کہ اے بنی ارفدہ اپنا کھیل جاری رکھو۔ اس روایت کی تفصیل کتاب السماع میں گزر چکی ہے۔

مساجد میں دیوانوں کے داخلے میں بھی کوئی حرج نہیں ہے بشرطیکہ ان کی طرف سے مسجد کو نجاست سے آلودہ کرنے' گالی دینے' اور فحش کلامی کرنے اور برہنہ ہونے کا خطرہ نہ ہو' اگر کوئی پاگل آدمی بظاہر پُرسکون اور خاموش رہتا ہو اور اس کی طرف سے کسی ایسے فعل کا اندیشہ نہ ہو جس سے مسجد کے احترام پر حرف آئے تو اسے نہ مسجد میں جانے سے روکنا چاہیے اور نہ اسے باہر نکالنا چاہیے۔ نشہ کرنے والے کا بھی یہی حکم ہے کہ اگر قَے' یا فحش کلامی کا خطرہ ہو تو اسے باہر نکالنا واجب ہے' یہی حکم مخبوط الحواس

شرابی کا ہے کیونکہ ایسے شخص سے عام طور پر غلط حرکتیں سرزد ہو جاتی ہیں اگر کسی نے شراب پی ہو اور نشے کی کیفیت سے دوچار نہ ہوا ہو تاہم منہ سے بدبو آرہی ہو تو یہ سخت درجے کی کراہت کا حامل منکر ہے کیونکہ مساجد میں ان لوگوں کو جانے سے منع کیا گیا ہے جن کے منہ سے لہسن اور پیاز کی بدبو آتی ہو (یہ روایت بخاری و مسلم میں ہے) شراب کا معاملہ تو یوں بھی سخت ہے اس لئے کراہت بھی سخت ہوگی۔

اگر کوئی شخص یہ کہے کہ نشہ کرنے والے کو تنبیہہ کے لئے مارنا چاہیے اور اسے مسجد سے باہر نکال دینا چاہیے ہم اس شخص سے کہیں گے کہ اسے مسجد میں مارنے کے بجائے مسجد میں بٹھالو اور نصیحت کرو تاکہ وہ شراب نوشی ترک کر دے یہ اس صورت میں ہے جب کہ نشہ کرنے والا نشے سے مغلوب نہ ہو بلکہ اس کے ہوش و حواس ہوں۔ تنبیہہ کے لئے مارنے کا حق رعیت کے افراد کو حاصل نہیں ہے بلکہ یہ حکام کا کام ہے کہ وہ مجرم کے اقرار یا انکار کی صورت میں گواہوں کی گواہی کی بنیاد پر کوئی سزا تجویز کریں۔ محض منہ سے بُو کا آنا شرابی ہونے کی علامت نہیں ہے البتہ اگر اس کے حواس بحال نہ ہوں مثلاً بہک کر چلتا ہو یا ایسی حرکتیں کرتا ہو جو ہوش و حواس کی موجودگی میں نہیں ہوتیں اور صاف ظاہر ہو کہ وہ نشہ کئے ہوئے ہے اس صورت میں مسجد کے اندر یا باہر جہاں بھی ملے اسے زدوکوب کرنا چاہیے تاکہ آئندہ وہ اپنے نشے کے اثرات ظاہر نہ کرتا پھرے کیونکہ برائی کے اثرات کا اظہار کرنا بھی برائی ہی ہے جس طرح معاصی کا ترک واجب ہے اسی طرح ارتکاب کے بعد ان کا چھپانا بھی واجب ہے اگر کوئی شخص اپنا گناہ چھپائے تو تجسس نہ کرنا چاہیے۔ شراب کی بدبو پینے کی دلیل نہیں ہو سکتی۔ یہ بھی ممکن ہے کہ وہ شراب کی مجلس میں بیٹھا ہو یا اس نے شراب کا گھونٹ بھر لیا ہو اور حلق سے نیچے اتارے بغیر تھوک دیا ہو تنہا بدبو پر اعتماد کر کے کوئی اقدام نہ کرنا چاہیے۔

بازاروں کے منکرات

بازاروں میں بھی مختلف منکرات پر عمل ہوتا ہے۔

پہلا منکر: یہ ہے کہ زیادہ نفع کمانے کے لئے جھوٹ بولا جاتا ہے چنانچہ اگر کوئی شخص یہ کہے کہ میں نے یہ چیز اتنے میں خریدی ہے اور اتنے نفع پر بیچ رہا ہوں جب کہ حقیقت میں اسکے برخلاف ہو تو وہ فاسق ہے اگر کسی کو حقیقت معلوم ہو تو اس پر مشتری کو اسکے جھوٹ سے آگاہ کر دینا واجب ہے اگر اس نے دکاندار کے لحاظ میں خاموشی اختیار کی تو وہ بھی خیانت میں اسکا شریک سمجھا جائے گا اور سکوت کی وجہ سے گنہگار ٹھہرے گا۔

دوسرا منکر: یہ ہے کہ بائع اپنی مبیع کے عیوب چھپاتے ہیں تاکہ مشتری کو معلوم نہ ہو اور وہ عیب کی وجہ سے واپس نہ چلا جائے مبیع کے عیب سے واقف شخص کے لئے ضروری ہے کہ وہ مشتری کو آگاہ کر دے اگر اس نے ایسا نہ کیا تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اس نے اپنے مسلمان بھائی کے مال کی اضاعت گوارا کی حالانکہ یہ حرام ہے۔

تیسرا منکر: یہ ہے کہ پیمائش اور ناپ تول میں کمی کی جاتی ہے بعض دکاندار معروف وزن سے کم کے باٹ اور معروف پیمائش سے کم کے پیمانے رکھتے ہیں اگر کسی کو ان دکانداروں کے فریب کی اطلاع ہو تو اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ یا خود اس فرق کو دور کر دے یا حاکم کے پاس لے جائے تاکہ وہ فریب کار کو سزا دے اور اسے اپنے پیمانے اور اوزان درست کرنے کا حکم دے۔

چوتھا منکر: ایجاب و قبول کے بغیر محض تعاطی (عملاً لین دین پر) اکتفا کرنا بھی منکر ہے مگر یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے اس لئے صرف ان ہی لوگوں کو بیع تعاطی سے منع کیا جائے جو ایجاب و قبول کو ضروری اعتقاد کرتے ہیں۔

پانچواں منکر : بائع یا مشتری کی طرف سے فاسد شرطیں لگانا۔ اس منکر کا انکار بھی واجب ہے، کیونکہ فاسد شرطوں سے بیع و شراء کے معاملات میں فساد پیدا ہو جاتا ہے، ان معاملات سے بھی روکنا واجب ہے جو سودی لین دین کی بنیاد پر انجام پا رہے ہوں۔

چھٹا منکر : عید اور دیگر مواقع پر بچوں کے لئے لہو و لعب کے آلات اور جانداروں کی تصاویر فروخت کرنا بھی جائز نہیں، اس طرح کی چیزیں توڑ ڈالنی چاہئیں۔ اور ان کی بیع سے منع کرنا چاہیے، سونے چاندی کے برتن، ریشمی اور زرکشی کی ٹوپیاں اور مردوں کے لئے بنائے گئے ریشمی ملبوسات کا بھی یہی حکم ہے۔ مستعمل کپڑے دھو کر اور انہیں نئے کہہ کر بیچنا بھی جائز نہیں ہے، یہی حکم ان پھٹے ہوئے کپڑوں کا ہے جنہیں رفو کر دیا گیا ہو، اور مشتری کو صحیح سالم کہہ کر فروخت کیا جا رہا ہو۔ غرضیکہ ہر وہ بیع حرام ہے جس میں دھوکا اور فریب ہو۔ اس طرح کے معاملات بے شمار ہیں، ان کا احاطہ طوالت طلب ہے، جتنے امور ہم نے ذکر کر دئے ہیں باقی تمام معاملات کو انہی پر قیاس کیا جا سکتا ہے۔

راستوں کے منکرات : راستوں کے منکرات بھی بے شمار ہیں، اور لوگ عادتاً ان کا ارتکاب کرتے ہیں، مثلاً یہ کہ راستوں کی تنگی اور گزرنے والوں کی ایذاء کے احتمال بلکہ یقین کے باوجود اپنے مکانوں کے قریب چبوترے بنواتے ہیں، کھمبے گڑواتے ہیں، درخت لگواتے ہیں، چھجے، سائبان اور برآمدے بنواتے ہیں، غلوں کی تھیلیاں کھڑی کر دیتے ہیں، ہاں اگر راستے کشادہ ہوں اور اس طرح کی تعمیرات وغیرہ سے چلنے والوں کے ضرر کا کوئی احتمال نہ ہو تو منع نہ کرنا چاہیے، گھر کے باہر راستے میں وہ لکڑیاں ڈالنی درست ہیں جنہیں اٹھا کر اندر لے جایا جا سکتا ہو، کیونکہ یہ حاجت ہے، اور اس حاجت میں سب شریک ہیں، اس سے منع کرنا ممکن نہیں۔ گھر کے باہر راستے میں جانوروں کو اس طرح باندھنا کہ گزرگاہ تنگ ہو جائے اور ان کے پیشاب اور گوبر وغیرہ کی چھینٹوں سے گزرنے والوں کے کپڑے آلودہ ہو جائیں منکر ہے، اس سے منع کرنا واجب ہے، سواری سے اترنے، اور سوار ہونے کے بقدر وقت کے لئے جانوروں کا راستہ میں ٹھہرنا منکر نہیں ہے، کیونکہ سڑکیں مشترک منافع کے لئے بنائی جاتی ہیں، اور ضرورت کے لئے جانوروں کو راستوں اور سڑکوں پر باندھنا بھی ایک منفعت ہی ہے اس لئے اس منفعت کے حصول سے کسی شخص کو محروم نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن اگر وہ سڑک کے کچھ حصہ کو اپنے فائدے کے لئے مخصوص کرنا چاہے تو اسے منع کیا جائے گا۔ بہرحال اس طرح کے امور میں حاجت کا اعتبار کیا جائے گا، اور حاجت بھی وہ جس کے لئے راستے بنائے جاتے ہیں، اور سڑکیں تعمیر کی جاتی ہیں، تمام حاجتیں برابر نہیں ہیں۔ عام راستوں سے ان جانوروں کو ہنکانا بھی منکر ہے جن پر کانٹے لدے ہوئے ہوں، اور ان سے لوگوں کے الجھ کر آنے یا کپڑے پھٹنے کا اندیشہ ہو، ہاں اگر راستے کشادہ ہوں، اور لوگوں کو ایذا پہنچنے کا کوئی امکان نہ ہو تب کوئی حرج نہیں ہے۔ اسلئے کہ شہریوں کو اس طرح کا بوجھ اتنے وقت کے لئے ڈالے رکھنے کی گنجائش ہے جو باہر سے اندر منتقل کرنے میں صرف ہو، جانور پر اسکی طاقت سے زیادہ بوجھ لادنا بھی منکر ہے، اور منع کو واجب کرتا ہے، اسی طرح یہ بھی منکر ہے کہ قصائی دکان کے سامنے جانور ذبح کرے، اور تمام راستے کو خون اور غلاظت سے آلودہ کرے۔ قصائی کو چاہیے کہ وہ اپنی دکان میں مذبح قائم کرے، کیونکہ راستے میں ذبح کرنے سے گزرگاہ بھی تنگ ہوگی، گزرنے والوں کے کپڑے بھی خون اور غلاظت کی چھینٹوں سے آلودہ ہوں گے، اور انہیں کراہت بھی ہوگی، ایک منکر یہ بھی ہے کہ گھر کا کوڑا کرکٹ، خربوزے کے چھلکے اور غلاظت راستے میں پھینک دی جاتی ہے، نیز اتنا پانی بہا دیا جاتا ہے کہ گزرنے والوں کے پھسل کر گرنے کا خطرہ پیدا ہو جاتا ہے بعض اوقات راستے تنگ ہو جاتے ہیں، اور ان ہی پر پرنالے گرتے ہیں جس سے چلنے والے پریشانی اٹھاتے ہیں، اگر راستے کشادہ ہوں اور پرنالہ گرنے سے کپڑوں پر چھینٹے پڑنے، یا کوڑا کرکٹ ڈالنے سے کپڑوں کے نجس ہونے کا امکان نہ ہو تو منع نہیں کیا جائے گا، بارش کا پانی، کیچڑ اور برف راستے میں ڈالنا اور اسے صاف نہ کرنا منکر ہے، بارش کے پانی میں تو عذر ہے، کیچڑ بھی اگر وہ بارش کے پانی اور سڑک کی مٹی سے مل کر نہ بنا ہو بارش کے پانی ہی کے حکم میں ہے، لیکن برف شخص معین کے ساتھ مخصوص ہے اسکے ڈالے بغیر نہیں ڈال سکتا، چنانچہ اگر کسی نے اپنے گھر کے

سامنے شارع عام پر برف ڈال دیا ہو یا اس کی نالی کے پانی نے عام گزر گاہ سے ہٹ کر کیچڑ پیدا کردی ہو تو سڑک کی صفائی اسی کے ذمے ہے' اگر پانی بارش کا ہو' یا بہت سی نالیوں کا ہو تو یہ حاکموں کا کام ہے کہ وہ لوگوں سے کہیں اور صفائی کرائیں' عام افراد صرف وعظ و نصیحت ہی کر سکتے ہیں' اسی طرح اگر کسی کے دروازے میں کٹ کھنا کتا بیٹھا رہتا ہو اور آنے جانے والوں پر بھونکتا ہو یا ان پر حملہ کرتا ہو تو مالک مکان کو منع کرنا واجب ہے' ہاں اگر کتا ایذا نہ دیتا ہو' محض گندگی پھیلاتا ہو اور وہ گندگی ایسی ہو کہ اس سے بچ کر نکلنا ممکن ہو تو منع نہ کرنا چاہیے' اگر کتا راستے میں اس طرح بیٹھ جاتا ہو کہ راستہ چلنا دشوار ہو جائے تو کتے کے مالک سے کہا جائے گا وہ اسے گھر میں باندھ کر رکھے' یہ تو کتے کی بات ہے' اگر کتے کا مالک بھی یہ حرکت کرے اور راستہ تنگ کرکے بیٹھ جائے تو اسے بھی منع کیا جائے گا۔

حماموں کے منکرات: حماموں میں رائج منکرات بھی بہت ہیں۔ مثلاً یہ کہ حمام کے دروازے پر' یا اندرونی دیواروں پر ممنوعہ تصویریں بنادی جاتی ہیں' ان تصویروں کو مٹانا یا ہٹانا ہر اس شخص پر واجب ہے جو حمام میں جاکر انھیں ضائع کرنے پر قدرت رکھتا ہو' اگر وہ جگہ جہاں تصویریں بنی ہوئی ہوں اتنی بلندی پر ہو کہ ہاتھ نہ جاسکے تو حمام میں شدید ضرورت کے بغیر جانا جائز نہیں ہے' اس صورت میں دوسرے حمام کا رخ کرے' اس لئے کہ منکر کا مشاہدہ کرنا بھی حرام ہے' تصویروں کو مٹانے میں اتنا کافی ہے کہ ان کی شکل بگاڑ دے' یہ حکم جاندار کی تصویروں کا ہے' غیر جاندار مثلاً درختوں' پھولوں اور عمارتوں وغیرہ کی تصویریں اور دوسرے نقش و نگار حرام نہیں ہیں۔ حمام کا ایک منکر برہنگی ہے' اس میں کھولنا بھی شامل ہے اور دیکھنا بھی بعض شہروں میں حمامی ران اور زیر ناف بدن کو کھول کر ملتے' بلکہ بہت سے تو لنگی کے اندر ہاتھ بھی ڈالنے میں کوئی قباحت نہیں سمجھتے' حالانکہ جس طرح کسی کی شرمگاہ کو دیکھنا حرام ہے اسی طرح چھونا بھی حرام ہے' یہی حکم چت لیٹ کر رانیں یا سرین دبوانے کا ہے' اگرچہ یہ اعضاء مستور ہی کیوں نہ ہوں' مگر یہ حرمت اس وقت ہے جب کہ اس طرح لیٹنے سے شہوت پیدا ہونے کا خوف ہو۔ ایک منکر یہ ہے کہ نجس برتن اور ہاتھ تھوڑے پانی میں ڈال دئے جاتے ہیں' گندہ زیر جامہ اور ناپاک طشت حوض میں ڈال کر دھولئے جاتے ہیں' حالانکہ حوض میں اتنا پانی نہیں ہوتا کہ نجاست کا متحمل ہوسکے۔ اس صورت میں امام مالکؒ کے علاوہ سب کے یہاں پانی نجس ہوجاتا ہے' اسلئے کسی مالکی پر اس سلسلے میں اعتراض نہ کرنا چاہیے' البتہ شافعی اور حنفی کو منع کیا جائے گا' اگر کسی حمام میں مالکی اور شافعی جمع ہوجائیں تو شافعی کو چاہیے کہ وہ مالکی کو نرمی کے ساتھ سمجھادے' مثلاً اس سے یہ کہے کہ ہمارے لئے پانی میں ہاتھ دھو کر ڈالنے ضروری ہیں' جب کہ آپ اس زحمت سے مستغنی ہیں' اور نہ آپ کو اسکی ضرورت ہے کہ مجھے تکلیف پہنچائیں اور میرا پاک پانی خواہ مخواہ ناپاک کریں' اسلئے میری گزارش ہے کہ یا تو آپ توقف فرمائیں' یا میرے طریقے پر عمل کرکے مجھے زحمت سے بچالیں۔ نرمی کے ساتھ سمجھانا اسلئے ضروری ہے کہ مختلف فیہ مسائل میں زبردستی نہیں کی جاسکتی' اور کسی شخص پر اپنا مذہب مسلط نہیں کیا جاسکتا۔ حمام کے دروازوں یا اندرونی حصوں میں اس طرح کے چکنے پتھر نصب کرنا بھی منکر ہے جن پر سے پھسل کر گرنے کا اندیشہ ہو' اس طرح کے پتھر اکھاڑ دینے چاہئیں' اگر حمامی غفلت اور لاپروائی سے کام لے تو اسے بھی سختی سے منع کیا جائے' اور پتھر ہٹانے پر زور دیا جائے' کیونکہ حمام میں داخل ہونے والوں کے گرنے کا احتمال ہے' یہ بھی ممکن ہے کہ گرنے سے جسم کا کوئی عضو ٹوٹ جائے' یا کوئی ایسی ضرب پڑے جس سے وہ عضو بیکار ہوجائے۔ چکنے پتھر کی طرح صابون کے جھاگ یا بیری کے پتے بھی حمام کے فرش سے دور کردینے چاہئیں' اگر کسی شخص نے صابون یا بیری کے پتے استعمال کئے اور انھیں دور کئے بغیر چلا گیا اور کوئی شخص ان پتوں میں الجھ کر یا صابون کی چکناہٹ سے پھسل کر گر پڑا اور کوئی ہڈی ٹوٹ پھوٹ گئی تو جرمانے میں اختلاف ہے کہ نہانے والے پر واجب ہوگا یا حمامی پر کیونکہ حمام خانے کی صفائی اس کے فرائض میں شامل ہے۔ قیاس یہ کہتا ہے کہ پہلے دن گرنے والے کا تاوان نہانے والے پر واجب ہوگا' اور دوسرے دن حمامی پر' کیونکہ عادتاً حمامی ہر روز حماموں کی صفائی کرتے ہیں۔ البتہ اگر کسی شہر میں دستور مختلف ہو تو اس کا اعتبار کیا جائے گا۔ ان کے علاوہ بھی کچھ مکروہات اور منکرات ہیں' ہم نے کتاب الطہار میں ان کا ذکر کیا ہے'

طوالت کے خوف سے ہم اسی مختصر گفتگو پر اکتفا کرتے ہیں' جو تفصیل جاننا چاہیں وہ کتاب الطہارۃ میں حمام سے متعلق بحث دیکھ لیں۔

مہمان نوازی کے منکرات : مردوں کے لئے ریشمی فرش بچھانا حرام ہے' اسی طرح یہ بھی حرام ہے کہ چاندی یا سونے کی انگیٹھیوں میں لوبان وغیرہ خوشبوئیں سلگائی جائیں' یا سونے چاندی کے برتنوں میں پانی پیا جائے' یا ان میں عرق گلاب ڈال کر چھڑکا جائے۔ خواہ وہ برتن خالص سونے چاندی کے ہوں یا انکے سرے چاندی کے بنے ہوئی ہوں' جانداروں کی تصاویر سے مزین پردے آویزاں کرنا بھی حرام ہے' مجلس ضیافت میں ساز باجے سننے سنانے سے بھی منع کیا جائیگا' یہ بھی منکر ہے۔ عام طور پر ضیافتوں میں جب مرد پہنچتے ہیں تو عورتیں گھر کی چھتوں پر چڑھ کر انھیں دیکھتی ہیں' حالانکہ ان میں ایسے نوجوان بھی ہوتے ہیں جن سے فتنے کا خوف ہوتا ہے' یہ امر بھی منکر ہے۔ ان تمام منکرات سے منع کرنا' اور ان کا قلع قمع کرنا واجب ہے' اگر کوئی شخص ازالۂ منکرات سے عاجز ہو تو اسکے لئے جائز نہیں کہ وہ منکرات کے باوجود مجلس میں بیٹھا رہے۔ وہ تصویریں منکر نہیں ہیں جو صوفوں' بچھی ہوئی مسندوں' اور تکیوں پر بنی ہوئی ہوں' یا پلیٹوں اور پیالیوں پر نقش ہوں۔ البتہ وہ برتن حرام ہیں جو کسی جاندار کے مشابہ بنائے گئے ہوں' مثلاً انگیٹھیوں کا بالائی حصہ پرندے کے سر کی طرح بنایا گیا ہو' اسطرح کے برتن تصویر کے برابر توڑ دینے واجب ہیں۔ چاندی کی چھوٹی سرمہ دانی کے سلسلے میں اختلاف ہے۔ چنانچہ امام احمد ابن حنبل ایک تقریب سے محض اسلئے اٹھ کے چلے گئے تھے کہ انہوں نے وہاں چاندی کی سرمہ دانی دیکھ لی تھی۔ ضیافت کے تحت منکرات میں یہ بھی ہے کہ کھانا حرام ہو' یا وہ جگہ جہاں دعوت کی گئی ہے' مغصوبہ ہو' یا بیٹھنے کے لئے ریشم کا فرش بچھایا گیا ہو۔ اگر ضیافت میں کوئی شخص شراب پی رہا ہو تو اس کے ساتھ بیٹھ کر کھانا نہ کھائے۔ اس لئے کہ شراب کی مجلسوں میں جانا جائز نہیں ہے' البتہ اس میں اختلاف ہے کہ معصیت کے ارتکاب کے بعد بھی اس شخص کے پاس بیٹھنا جائز ہے یا نہیں یا اس سے بغض فی اللہ رکھنا' اور میل جول ترک کرنا ضروری ہے؟ اس اختلاف پر لباس پہنے ہوئے یا سونے کی انگوٹھی پہنے ہوئے ہو تو بلا ضرورت اسکے پاس نہ بیٹھنا چاہیے اس لئے کہ وہ فاسق ہے۔ اس میں اختلاف ہے کہ اگر کسی نابالغ لڑکے کے جسم پر ریشمی لباس ہو تو کیا کیا جائے' صحیح یہ ہے کہ تمیز رکھنے والے لڑکے کے جسم سے یہ لباس اتار دینا چاہیے' کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں۔

هذان حرامان علی ذکور امتی (ابوداؤد' نسائی' ابن ماجہ۔ علی)

یہ دونوں حرام ہیں میری امت کے مردوں پر۔

یہ حکم عام ہے کہ اس میں بالغ کی تخصیص نہیں ہے' اگر تخصیص مان لی جائے تب بھی لڑکوں کو ریشمی لباس پہننے سے روکنا چاہیے' جیسا کہ انھیں شراب پینے سے منع کیا جاتا ہے' حالانکہ جس طرح وہ اوامر کے مکلف نہیں ہیں اسی طرح نواہی کے مکلف بھی نہیں ہیں' لیکن شراب سے منع کرنے کی وجہ یہ نہیں ہوتی کہ وہ بالغ ہیں بلکہ اسلئے منع کیا جاتا ہے کہ کہیں وہ اس کے عادی نہ بن جائیں اگر عادت پڑگئی تو بالغ ہو کر ترک کرنا اور نہ ملنے پر صبر کرنا مشکل ہوگا یہی علت ریشمی لباس میں ہے کہ اگر نابالغی میں اسکی عادت پڑگئی اور جسم کو بھلا لگنے لگا تو بالغ ہونے کے بعد اس عادت سے پیچھا چھڑانا دشوار ہوگا۔ البتہ وہ بچہ جو ابھی تمیز کی قوت سے محروم ہے ریشمی لباس پہنے تو اسکے حق میں حرمت کے وجہ ضعیف ہے۔ اسلئے کہ نہ ابھی وہ عادت کے معنی سمجھتا ہے' اور نہ کسی لباس کی اچھائی یا برائی سے واقف ہے' مذکورہ بالا حدیث میں حرمت عام ہے اسلئے یہ احتمال بھی ہے کہ تمام بچوں کے لئے یکساں حکم ہو خواہ وہ شعور رکھتے ہوں یا نہ رکھتے ہوں۔ دیوانہ اس بچے کی طرح ہے جسے ابھی تمیز کی قوت میسر نہیں ہے۔

عورتوں کے لئے سونے کے زیورات اور ریشم کے ملبوسات جائز نہیں ہیں' بشرطیکہ استعمال میں اسراف نہ ہو' لیکن ہمارے نزدیک بالی اور بندے پہنانے کے لئے بچیوں کے کان بندھوانا جائز نہیں ہے' اس لئے کہ اس میں زخمی کرکے تکلیف پہنچانے کا عمل پایا جاتا ہے' اور اس طرح کا زخم قصاص کا موجب ہوتا ہے' جس طرح بغیر اجازت کے فصد کھلوانا اور پچھنے لگوانا جائز نہیں'

اسی طرح کان بندھوانا بھی جائز نہیں، یہی حکم ختنہ کا ہے کہ اگر کوئی بچہ پیدائشی مختون ہو تو ختنہ کرکے تکلیف نہ پہنچائی جائے، بالیوں سے زینت کرنا اتنا ضروری نہیں کہ اس کے لئے کان زخمی کئے جائیں، بلکہ اگر بندے کانوں میں دھاگے وغیرہ کے ذریعہ باندھ لئے جائیں تو بہت کافی ہے، اول تو ضرورت ہی کیا ہے کہ دوسرے زیورات مثلاً ٹیکہ، جھومر، گلوبند، اور کنگن وغیرہ کی موجودگی میں کانوں کے لئے بھی زیور ہوں، بہرحال بالیوں وغیرہ کے لئے کانوں میں سوراخ کرنا حرام ہے اگرچہ مسلم گھرانوں میں اس کا عام رواج ہے، اس رواج پر نکیر کرنا واجب ہے اور کان بندھنے پر اجرت لینا جائز نہیں ہے، ہاں اگر شریعت میں اسکی اجازت مل جائے تو ہم اسے بلا کراہت جائز کہیں گے، ہمیں ابھی تک اس طرح کی کوئی نص نہیں مل سکی جس سے کان بندھوانے کی اجازت ثابت ہوتی ہو، اسلئے ترک ہی شرعی حدود کے مطابق ہے۔

بعض تقاریب میں بدعتی اور بد عقیدہ لوگ اپنے افکار و خیالات کی اشاعت کے لئے پہنچ جاتے ہیں، اور لوگوں کو گمراہ کرتے ہیں، اگر کسی ضیافت میں اس طرح کے بد عقیدہ شخص کی موجودگی معلوم ہو اور یہ بھی یقین ہو کہ وہ خاموش نہیں رہے گا بلکہ زہر افشانی کرے گا تو وہاں جانے سے گریز کرے الا یہ کہ اسکے معتقدات پر انکار کرنے کی صلاحیت اور ہمت رکھتا ہو، اگر قرائن سے بدعتی کا خاموش رہنا معلوم ہو تب بھی اسی صورت میں جانا جائز ہے جب کہ بدعتی سے اعراض کرنے اور اظہار بیزاری کرنے پر قادر ہو نیز اس کے خیالات کا رد کرنے کا ارادہ ہو۔ بدعتی کے تئیں صحیح العقیدہ مسلمان کا کیا طرز عمل ہونا چاہیے اس موضوع پر ہم بغض فی اللہ اور حب فی اللہ کے باب میں گفتگو کرچکے ہیں۔

ضیافت میں مسخروں، قصہ گویوں اور لطیفہ بازوں کی موجودگی بھی منکرات میں داخل ہے بشرطیکہ ان کی گفتگو میں فحش اور جھوٹ کی آمیزش ہو، اگر انکے قصے، لطیفے اور چٹکلے محض ہنسنے ہنسانے کے لئے ہوں جھوٹے اور فحش نہ ہوں تو سننے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے، لیکن اس میں بھی یہ شرط ہے کہ اس طرح کا مواد مقدار میں کم ہو، اور سنانے والا اسے بطور عادت یا بطور پیشہ اختیار کئے ہوئے نہ ہو۔ ہر وہ کذب جس کا کذب ہونا ظاہر ہو اور اس سے کسی کو فریب دینا اور یا کسی پر تہمت تراشنا مقصود نہ ہو منکرات میں داخل نہیں ہے، مثلاً کوئی شخص کسی دوسرے سے یہ کہے کہ میں نے آج تمہیں سو مرتبہ تلاش کیا یا ہزار مرتبہ تم سے یہ بات کہی حالانکہ یہ دونوں جملے خلاف واقعہ ہیں مگر قرائن سے معلوم ہے کہ ان سے تعداد کی تحقیق مقصود نہیں ہے بلکہ بات کی تاکید مقصود ہے، اسطرح کے جھوٹ سے نہ عدالت مجروح ہوتی ہے، اور نہ شہادت رد کی جاتی ہے۔ زبان کی آفات کے باب میں ہم مباح اور جائز کذب کی حدود بیان کریں گے۔ انشاء اللہ۔

کھانے میں فضول خرچی کرنا بھی منکر ہے، اور شریک ضیافت کے لئے ضروری ہے کہ وہ میزبان کو اسراف سے منع کرے، بلند وبالا، اور طویل و عریض مکانات تعمیر کرنا بھی منکر ہے، مگر دعوت میں کھانوں کی کثرت میں اسراف کے علاوہ ایک منکر مال کی اضاعت بھی ہے، کیونکہ اضاعت کا حاصل ہی یہ ہے کہ کوئی چیز بلا کسی فائدہ کے کھودی جائے، مثلاً کپڑے جلادئے جائیں یا پھاڑ ڈالے جائیں، مکان گرادیا جائے، پیسہ دریا میں پھینک دیا جائے۔ نوحہ گر اور گوّے کو انعام دینے میں بھی مال کی اضاعت ہے، کیونکہ یہ فوائد شریعت میں مقصود نہیں ہیں، اس لئے ان میں خرچ کرنے کا مطلب اس کے علاوہ کچھ نہیں کہ خرچ کرنے والے نے کسی فائدے کے بغیر اپنا مال ضائع کردیا۔ اسراف عام ہے، منکرات میں صرف کو بھی اسراف کہتے ہیں، اور جائز امور میں ضرورت سے زیادہ خرچ کرنے پر بھی اسراف کا اطلاق ہوتا ہے۔ جہاں تک ضرورت کا تعلق ہے وہ ہر شخص کی یکساں نہیں ہے، اس سلسلے میں مختلف لوگوں کے مختلف احوال ہیں، بعض صورتوں میں اسراف سے منع کرنا واجب ہے، مثلاً ایک عیالدار شخص نے اپنی کل پونجی جو سو دینار پر مشتمل تھی دعوت ولیمہ کی نذر کردی، جب کہ وہ اپنے اہل و عیال کے لئے واحد ذریعۂ معاش کی حیثیت رکھتا ہے، دعوت ولیمہ اگرچہ مباح ہے لیکن اس میں ایسے شخص کا سو دینار خرچ کرنا اسراف ہے جس سے منع کرنا واجب ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُومًا مَّحْسُورًا (۱۵ر ۳ آیت ۲۹)

اور نہ بالکل ہی کھول دینا چاہیے' ورنہ الزام خوردہ' تہی دست ہو کر بیٹھ رہو گے۔

یہ آیت مدینہ منورہ کے ایک شخص کے متعلق نازل ہوئی تھی جس نے اپنا تمام مال راہ خدا میں خرچ کردیا تھا' اور اپنے بیوی بچوں کے لئے کچھ نہ چھوڑا تھا' جب اس سے گھر کے اخراجات کے لئے روپے مانگے گئے تو وہ کچھ نہ دے سکا۔ ایک آیت میں ہے :-

وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيرًا ۝ إِنَّ الْمُبَذِّرِينَ كَانُوا إِخْوَانَ الشَّيَاطِينِ (پ ۱۵ر ۳ آیت ۲۷-۲۶)

اور مال کو (بے موقع) مت اڑانا (کیونکہ) بے شک بے موقع اڑانے والے شیطانوں کے بھائی (بند) ہیں۔

ایک جگہ ارشاد فرمایا :-

وَالَّذِينَ إِذَا أَنفَقُوا لَمْ يُسْرِفُوا وَلَمْ يَقْتُرُوا وَكَانَ بَيْنَ ذَٰلِكَ قَوَامًا (پ ۱۹ر ۴ آیت ۶۷)

اور وہ جب خرچ کرنے لگتے ہیں تو نہ فضول خرچی کرتے ہیں اور نہ تنگی کرتے ہیں' اور ان کا خرچ اس (افراط تفریط) کے درمیان اعتدال پر ہوتا ہے۔

اس طرح کا اسراف جائز نہیں ہے' لوگوں کو چاہیے کہ وہ اس سے منع کریں' نیز قاضی پر واجب ہے کہ اس شخص کو مال میں اسطرح کا تصرف کرنے سے روک دے' ہاں اگر کوئی شخص تنہا ہو' بیوی بچوں' اور والدین وغیرہ کی کفالت کا بار اس کے کاندھوں پر نہ ہو' نیز وہ توکل اور قناعت کے اصلی درجے کا حامل ہو تو اس کے لئے اپنا تمام مال راہ خدا میں خرچ کرنا جائز ہے' ولیمہ کا ذکر بطور مثال کیا گیا ہے ورنہ ایسے شخص کے لئے یہ بھی جائز نہیں کہ وہ اپنا تمام مال گھر کی دیواروں کی تزئین میں صرف کردے' اور بیوی بچوں کے لئے کچھ نہ چھوڑے' گھر کے اخراجات سے زیادہ مال رکھنے والے شخص کے حق مکان کی تزئین و آرائش حرام نہیں ہے' اسلئے کہ تزئین بھی ایک صحیح مقصد ہے' اور مساجد کی چھتیں اور دیواریں ہمیشہ ہی سے آراستہ کی جاتی رہی ہیں' اگرچہ اس طرح کی آرائش میں بظاہر کوئی فائدہ نہیں ہے' مکانات کا بھی یہی حکم ہے' کپڑوں اور کھانوں کی خوبصورتی اور عمدگی کو بھی اسی پر قیاس کرنا چاہیے' کہ وہ فی نفسہ مباح ہیں' مگر افراد کے اختلاف کی بنا پر ان کا حکم بھی مختلف ہوجاتا ہے' یعنی دولت مند کے حق میں جائز اور کم مایہ شخص کے حق میں اسراف۔۔۔ اس طرح کے منکرات بے شمار ہیں' نہ ان کا احاطہ مقصود ہے نہ یہ ممکن ہے۔ ان منکرات کو ذہن میں رکھئے' اور قاضیوں کی عدالتوں' سلاطین کے درباروں' فقہاء کے مدرسوں' اور صوفیاء کے خانقاہوں پر نظر ڈالئے' ان میں کوئی جگہ ایسی نہیں ہے کہ جہاں ممنوع و مکروہ منکرات کا دور دورہ نہ ہو لیکن کیونکہ ان تمام مقامات کے منکرات کا استقصاء شرعی اصول و فروع کی تفصیل کا طالب ہے اسلئے ہم اسی بنا پر اکتفا کرتے ہیں۔

عام منکرات : جاننا چاہیے کہ گھر میں بیٹھا ہوا شخص بھی اس اعتبار سے منکر سے خالی قرار نہیں دیا جاسکتا کہ وہ لوگوں کی رہنمائی کرنے' انھیں تعلیم دینے' اور نیک کام پر ترغیب دینے سے دامن بچاتا ہے' دیہاتوں' اور بستیوں کی بات رہنے دیجئے بڑے اور ترقی یافتہ شہروں کا حال یہ ہے کہ بیشتر لوگ نماز کے شرعی طریقے سے ناواقف ہیں' ان میں اعراب بھی ہیں' کرد بھی ہیں اور ترکمان بھی۔ ان حالات کے پیش نظر شہر کے محلے اور ہر مسجد میں کسی ایسے فقیہ کا موجود رہنا ضروری ہے جو انھیں دین کی باتیں بتلائے' فقہاء پر اگر وہ فرض عین سے فارغ ہوچکے ہوں' اور فرض کفایہ پر عمل کرنے کی فرصت رکھتے ہوں واجب ہے کہ وہ اپنے قرب و جوار کے علاقوں میں رہنے والوں کے پاس جائیں اور انھیں دین کی باتیں سکھلائیں' اور شرعی فرائض سے آگاہ کریں۔ ارشاد و اصلاح کے اس سفر میں اپنا زادِ راہ اپنے ساتھ رکھنا چاہیے' تاکہ لوگوں کے کھانے کی ضرورت نہ ہو' کیونکہ ان کا مال عموماً غصب کا ہوتا ہے' اگر کسی بستی میں ایک عالم نے اپنی ذمہ داری پہنچانی اور لوگوں کو تعلیم دینے کا فرض ادا کیا تو باقی تمام علماء کے

ذمے سے اسکی فرضیت ساقط ہوجاتی ہے۔ بصورت دیگر علماء اور عوام سب ہی ماخوذ ہوں گے' علماء اسلئے کہ انھوں نے نکلنے میں کوتاہی سے کام لیا' اور اپنے منصبی فرض سے غفلت برتی' اور عوام اسلئے کہ انھوں نے احتیاج کے باوجود سیکھنے کی زحمت گوارا نہیں کی۔ ہر اس عام آدمی کے لئے جو نماز کی شرائط سے واقفیت رکھتا ہو یہ ضروری ہے کہ وہ دوسروں کو بھی ان شرائط سے آگاہ کردے' ورنہ وہ جاہل رہ جانے والے شخص کے گناہ میں شریک رہے گا۔ اتنی بات تو سب جانتے ہیں کہ کوئی بھی انسان عالم بن کر پیدا نہیں ہوتا۔ یہ علماء کا فرض ہے کہ وہ تبلیغ کریں' اور جاہلوں کو علم کی روشنی دکھلائیں' عالم ہونے کے لئے یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ فقہ کی تمام عبادیات و فروع پر کامل عبور رکھتا ہو بلکہ ایک مسئلہ جاننے والا اس مسئلے کا عالم کہلانے کا مستحق ہے۔ تاہم عوام الناس کے مقابلے میں علماء اور فقہا پر عذاب زیادہ ہوگا کیونکہ تبلیغ و تعلیم پر انھیں قدرت حاصل ہے' اور یہ منصب علماء کا ہی ہے ان ہی کو زیب بھی دیتا ہے' بلکہ یہ ان کا شیوہ ہے' اگر پیشہ ور اپنے پیشے اور کاریگر اپنی صنعتیں چھوڑ بیٹھیں تو معیشتیں تباہ ہوجائیں۔ علماء نے تو اپنے ذمے وہ کام لیا ہے جس میں مخلوق کی فلاح کا راز مضمر ہے فقیہوں کا پیشہ اور شان یہی ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات عام لوگوں تک پہنچائیں' اس لئے کہ وہ انبیاء کے وارث' اور انکی ودیعت کردہ امانتوں کے محافظ و امین ہیں۔

کسی شخص کے لئے اس عذر کی بنا پر مسجد میں آکر نماز نہ پڑھنا جائز نہیں ہے کہ لوگ اچھی طرح نماز نہیں پڑھتے بلکہ اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ گھر سے باہر نکلے اور لوگوں کو غلط طریقے پر نماز پڑھنے سے منع کرے' یہی حکم بازار کے منکرات کا ہے۔ چنانچہ اگر کسی شخص کو یقین ہو کہ بازار میں فلاں منکر پر دائمی طور پر یا کسی وقت معین میں عمل کیا جاتا ہے' اور وہ اس کے ازالے پر قادر بھی ہو تو اس پر واجب ہے کہ وہ بازار جائے اور اس منکر کا ازالہ کرے' اسکے لئے گھر میں بیٹھنا جائز نہیں ہے' اگر منکر کے تمام اجزاء دور کرنے پر قادر نہ ہو بلکہ کچھ دور کرسکتا ہو تب بھی گھر سے نکلنا ضروری ہے' خواہ بعض منکرات دیکھنے ہی کیوں نہ پڑجائیں' کیونکہ جتنا منکر دور کرسکتا ہے اسے دور کرنے کے ارادے سے باقی منکر کو دیکھنا مضر نہیں ہوتا' ضرر کسی صحیح مقصد کے بغیر دیکھنے کی صورت میں ہوتا ہے۔

اصلاح کا پہلا مرحلہ اپنی ذات ہے' ہر مسلمان کو چاہیے کہ وہ اپنے آپ سے اصلاح کی ابتدا کرے' اپنی اصلاح یہ ہے کہ فرائض کی بجا آوری اور محرکات سے اجتناب پر پابندی کرے' پھر اپنے گھر والوں کی طرف متوجہ ہو' گھر والوں کے بعد پڑوسیوں' محلے والوں' اور اپنے شہر کے باشندوں کی اصلاح کا بیڑا اٹھائے پھر ان لوگوں کی طرف توجہ دے جو اس شہر کے نواحی علاقوں میں مقیم ہیں' پھر دیہاتوں اور دوسری بستیوں کا رخ کرے' پھر پوری دنیا میں جہاں بھی ضرورت ہو جائے اور اصلاح کا فریضہ انجام دے' اگر قریب رہنے والے کسی شخص نے یہ فریضہ انجام دیا تو دور رہنے والے سے وجوب ساقط ہوجائے گا' ورنہ دور و نزدیک کے ہر اس شخص سے مواخذہ ہوگا جو یہ فریضہ انجام دینے پر قدرت رکھتا ہے' اور یہ وجوب اس وقت تک ساقط نہیں ہوگا جب تک زمین پر ایک جاہل بھی موجود ہے' اور اس تک پہنچ کر تبلیغ دین کرنا ممکن ہے' خواہ وہ خود پہنچے یا دوسرے شخص کو بھیجے۔ یہ ایک اہم ذمہ داری ہے خاص طور پر اس شخص کے حق میں جسے دین کی فکر ہو' اور جس نے اپنے تمام اوقات فقہی دقائق اور نکتہ سنجیوں کی نذر کررکھے ہوں' یا ان علوم میں لگا رکھے ہوں جو فرض کفایہ ہوں۔ یہ وہ اہم ذمہ داری ہے جس سے فرض عین مقدم ہے یا وہ فرض کفایہ جو اس سے زیادہ اہم ہو۔

امراء اور سلاطین کو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر

ہم نے امر بالمعروف کے چند درجات ذکر کئے ہیں' اول تعریف' دوم وعظ و نصیحت سوم سخت کلامی' چہارم زبردستی روکنا اور حق کیطرف واپس لانے کے لئے مار پیٹ اور عقاب و عتاب سے کام لینا۔ سلاطین و امراء کے ساتھ مندرجہ بالا درجات میں سے صرف پہلے دو درجے جائز ہیں' اور وہ ہیں تعریف اور وعظ و نصیحت' اور زبردستی روکنے کا اختیار رعایا کو نہیں ہے' کیونکہ اس طرح

فتنے برپا ہوں گے' اور شر پھیلے گا' اور اس کے نتائج معروف پر امر نہ کرنے کے مقابلے میں زیادہ خراب ہوں گے۔ البتہ سخت کلامی کرنا جائز ہے بلکہ مستحب ہے بشرطیکہ یہ یقین ہو کہ میری وجہ سے دوسرے لوگوں کو ایذا نہیں پہنچے گی' اپنی ذات کی کوئی اہمیت نہیں ہے' اکابرین سلف کا اسوہ یہی تھا کہ وہ پوری بے خوفی کیساتھ خطرات کا مقابلہ کیا کرتے تھے' اور برائی کا برملا انکار کرنے میں جان و مال کی تباہی و ہلاکت کی پروا نہیں کرتے تھے' کیونکہ وہ یہ بات اچھی طرح جانتے تھے کہ حق کی تائید و نصرت کے جرم میں ہلاکت کی پروا نہیں ہے بلکہ شہادت ہے' چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرماتے ہیں :۔

خیر الشھداء حمزۃ بن عبدالمطلب ثم رجل قام الی امام فامرہ ونھاہ فی ذات اللہ فقتلہ علی ذالک (حاکم۔ جابرؓ)

شہیدوں میں سب سے افضل حضرت حمزہ ابن عبد المطلب رضی اللہ عنہ ہیں' پھر وہ شخص ہے جو کسی حاکم کے سامنے کھڑا ہوا اور اس نے اللہ کے واسطے امر و نہی کی' جس کی پاداش میں حاکم نے اسے قتل کردیا۔

ایک حدیث میں ہے :۔

افضل الجھاد کلمۃ حق عند سلطان جائر (ابوداؤد' ترمذی' ابن ماجہ۔ ابوسعید خدریؓ)

بہترین جہاد ظالم بادشاہ کے سامنے حق بات کہنا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حق پسندی میں حضرت عمر ابن الخطاب کی شدت و صلابت کی ان الفاظ میں تعریف فرمائی ہے۔

قرن من حدید لا تاخذہ فی اللہ لومۃ لائم' وترکہ قولہ الحق مالہ من صدیق (ترمذی' طبرانی۔ علیؓ)

عمر لوہے کی طرح سخت ہیں کہ اللہ کے سلسلے میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت ان پر اثر انداز نہیں ہوتی' حق گوئی نے ان کا یہ حال کردیا ہے کہ ان کا کوئی دوست نہیں ہے۔

جادۂ حق پر ثابت قدم رہنے والے بزرگوں نے جب یہ بات معلوم کرلی کہ بہترین کلمہ وہ ہے جو ظالم بادشاہ کے سامنے کہا جائے نیز اگر بادشاہ حق گوئی کے جرم میں اسے قتل کی سزادے تو یہ شہادت کا اعلیٰ درجہ ہے تو انھوں نے حق گوئی کی جرأت کی' اور اس سلسلے میں جان کی ہلاکت' جسم کی عقوبت' اور مال و متاع کی تباہی و بربادی کی ذرا پرواہ نہیں کی' بلکہ اس طرح کے حالات پیش آئے تو انھوں نے اللہ کی رضامندی حاصل کرنے کی خاطر صبر سے کام لیا' اور اپنی جاں نثاری کا صرف یہ صلہ طلب کیا کہ انھیں آخرت میں سرخروئی حاصل ہو۔ سلاطین کو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنے کا طریقہ وہ ہے جو سلف سے منقول ہے' کتاب الحلال والحرام میں ہم اس طریقے پر روشنی ڈال چکے ہیں' ذیل میں کچھ واقعات درج کیے جارہے ہیں ان سے بھی معلوم ہوگا کہ اکابرین سلف اپنے اپنے زمانے کے ظالم اور گمراہ حکام و سلاطین کے ساتھ کس طرح پیش آتے تھے۔

سلف کی جرأت کے کچھ واقعات : ایک واقعہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کا ہے انھوں نے قریش مکہ کو ان کے اقتدار و اختیار اور اپنے ضعف کے باوجود منع کیا تھا۔ یہ واقعہ عروہ نے بیان کیا ہے کہ فرماتے ہیں میں نے حضرت عبداللہ ابن عمرؓ سے دریافت کیا کہ قریش مکہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو قیام مکہ کے دوران جتنی ایذا پہنچائیں ان میں سخت ترین ایذا کونسی تھی' ابن عمر نے جواب دیا کہ ایک دن سرداران قریش حجر اسود کے قریب جمع ہوئے اور انھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا تذکرہ کیا کہ اس شخص کے سلسلہ میں ہم نے بے انتہا صبر اور برداشت سے کام لیا ہے' اس نے ہمارے عقلمندوں کو بے وقوف کہا' ہمارے آباء و اجداد کو گالیاں دیں' ہمارے دین میں کیڑے نکالے' ہماری جماعت کا شیرازہ بکھیرا' ہمارے معبودوں کے متعلق توہین آمیز باتیں کہیں' واقعتاً ہم لوگوں نے ایک بہت بڑے معاملے پر صبر کیا ہے۔ اسی دوران آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے' آپ نے حجر اسود کو بوسہ دیا' اور خانہ کعبہ کا طواف کرتے ہوئے انکے قریب سے گزرے' اس موقع پر ان لوگوں نے آپ پر فقرے کسے

اور آپ کی شان میں گستاخانہ کلمات کہے، جن کا اثر آپ کے چہرۂ مبارک پر نمایاں ہوا، لیکن آپ طواف میں مشغول رہے، دوسری بار بھی قریش کے لوگوں نے اسی طرح کے توہین آمیز الفاظ کہے، اس دفعہ بھی آپ کے چہرہ کا رنگ متغیر ہوا، تیسری مرتبہ بھی قریش نے گستاخی کی، اس مرتبہ آپ ٹھہر گئے اور فرمایا : اے گروہ قریش! اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں محمدؐ کی جان ہے میں تمہارے لئے ذبح لایا ہوں (یعنی موت کا پیغام لایا ہوں) یہ سن کر حاضرین نے اپنی گردنیں نیچی کرلیں اور اس طرح خاموش ہوئے گویا انکے سروں پر پرندے بیٹھے ہوئے ہوں، اس تنبیہہ کے بعد قریش کے وہ لوگ جو طواف کے دوران آپ کو ایذا پہنچانے میں پیش پیش تھے آپ کی دلداری میں مصروف ہوگئے اور کہنے لگے کہ ابوالقاسم! آپ سلامتی کے ساتھ تشریف لیجائیں بخدا آپ نادان نہیں ہیں۔ دوسرے روز پھر اسی طرح لوگ جمع ہوئے، اور آپ کا تذکرہ شروع ہوا، میں بھی ان لوگوں کے ساتھ تھا، وہ لوگ کل کے واقعہ پر ایک دوسرے کو ملامت کرنے لگے اور کہنے لگے کہ کیا تمہیں یاد ہے کہ وہ کل ہمیں کیا دے گیا اور ہم نے اسے کیا دیا، اس نے وہ سب کچھ کہا جو ہمیں ناپسند ہے، اور ہم نے اسکے باوجود اسے جانے دیا، ابھی یہ ذکر ہو ہی رہا تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نمودار ہوئے، وہاں موجود لوگوں نے یکبارگی آپ پر یلغار کی اور آپ کو اپنے گھیرے میں لے لیا، اور آپ سے اس طرح کے استفسارات کرنے لگے کہ اے محمدؐ کیا تو ہمارے معبودوں کو برا کہتا ہے، کیا تو ہمارے دین کو غلط بتلاتا ہے؟ وغیرہ وغیرہ۔ آپ ان کے ہر سوال کے جواب میں ارشاد فرماتے کہ ہاں! میں یہی کہتا ہوں، ہاں میں نے یہی کہا ہے، آپ کے جواب سے وہ اور بھی برافروختہ ہوئے اور ایک قریشی نے آپ کی چادر پکڑ کر کھینچنی شروع کردی، حضرت ابوبکر صدیقؓ آپ کے پیچھے کھڑے ہوئے رو رہے تھے، اور قریش سے کہہ رہے تھے کہ تمہارا ناس ہو، بدبختو! کیا تم ایک شخص کو محض یہ کہنے پر مار ڈالنا چاہتے ہو کہ میرا رب اللہ ہے، اس پر قریش نے آپ کو چھوڑ دیا اور واپس چلے گئے۔ میں نے نہیں دیکھا کہ قریش نے اس سے قبل آپ کو اس قدر ایذا پہنچائی ہو۔ (۱)

حضرت عبداللہ ابن عمرؓ کی ایک روایت میں یہ واقعہ اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ جس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بیت المقدس کے صحن میں تھے عقبہ ابن معیط آپ کے نزدیک آیا اور اس نے آپ کا شانہ مبارک پکڑا اور اپنی چادر آپ کے گلے میں ڈال کر زور سے گلا گھونٹا، ابھی وہ یہ حرکت کر ہی رہا تھا کہ حضرت ابوبکر آگئے، انہوں نے عقبہ ابن معیط کا شانہ پکڑ کر دھکا دیا، اور فرمایا کہ کیا تم ایک شخص کو محض اس لئے قتل کردینا چاہتے ہو کہ اس نے اللہ کو اپنا رب کہا ہے اور یہ کہ وہ اپنے رب کی طرف سے تمہارے پاس کھلی نشانیاں لے کر آیا ہے۔ (بخاری)

بیان کیا جاتا ہے کہ حضرت معاویہؓ نے مسلمانوں کے عطایا روک لئے تھے، اس واقعہ کے بعد ایک روز جب وہ خطبہ دینے کے لئے منبر پر آئے تو ابو مسلم خولانی نے کھڑے ہو کر کہا کہ اے معاویہ! یہ مال جو تم نے روکا ہے نہ تمہاری محنت کا ہے نہ تمہارے باپ کی محنت کا اور نہ تمہاری ماں کی محنت کا۔ حضرت معاویہ ان کی یہ بات سن کر بے حد غضب ناک ہوئے اور منبر سے اتر کر اندر چلے گئے، ساتھ ہی لوگوں سے یہ بھی کہہ گئے کہ کہیں جانا مت، تھوڑی دیر کے بعد آپ نہا کر واپس آئے، اور فرمایا کہ ابو مسلم نے مجھ سے ایسی بات کہی تھی کہ جس سے مجھے غصہ آگیا تھا، میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد مبارک سنا ہے۔

الغضب من الشیطان والشیطان خلق من النار، وانما تطفأ النار بالماء فاذا غضب احدکم فلیغتسل (۲)

غصہ شیطان کی طرف سے ہے، اور شیطان کی خلقت آگ سے ہوئی ہے، اور آگ پانی سے بجھتی ہے،

---

(۱) یہ روایت بخاری میں اختصار کے ساتھ اور ابن حبان میں مفصل مذکور ہے (۲) یہ واقعہ اور اس میں وارد حدیث ابو نعیم نے حلیہ میں نقل کی ہے

اگر تم میں سے کسی کو غصہ آئے تو اسے غسل کرنا چاہیے۔
چنانچہ میں نے اندر جا کر اس حکم پر عمل کیا' اور غسل کر کے واپس آیا' اور اب میں ابو مسلم سے کہوں گا کہ انھوں نے جو کچھ کہا سچ کہا ہے' یہ مال نہ میری محنت کا ہے' اور نہ میرے باپ کی محنت کا ہے' اسلئے آؤ اور اپنے عطایا لے جاو۔
ضبغہ ابن محصن عنزی کہتے ہیں کہ بصرہ میں حضرت ابو موسٰی اشعری ہمارے امیر تھے' جب وہ خطبہ دیا کرتے تھے تو حمد و صلاۃ کے بعد حضرت عمر کے لئے دعا کرنے لگتے تھے' مجھے ان کا یہ طریقہ برا لگا' ایک روز جب وہ خطبہ دینے لگے تو میں نے ان سے کہا کہ حیرت کی بات ہے آپ صاحب رسول صلی اللہ علیہ وسلم ابوبکر پر عمر فاروق کو فوقیت دیتے ہیں اور خطبہ میں ابوبکر کا ذکر نہیں کرتے' چند جمعوں تک تو وہ برداشت کرتے رہے' اسکے بعد انھوں نے میری شکایت لکھ کر حضرت عمر کو بھیج دی کہ ضبغۃ ابن محصن عنزی میرے خطبے میں رکاوٹ ڈالتا ہے' حضرت عمر نے انھیں لکھا کہ ضبغۃ ابن محصن کو میرے پاس بھیج دیا جائے' چنانچہ میں نے امیر المومنین کے حکم کی تعمیل کی' اور بصرے سے مدینہ پہنچا' جس وقت میں مدینہ منورہ پہنچا آپ اپنے گھر میں تھے' میں نے دروازہ کھٹکھٹایا' آپ باہر تشریف لائے' اور پوچھا کہ تم کون ہو؟ میں نے اپنا نام بتلایا' فرمایا نہ تم نے مرحبا کہا اور نہ اہلاً (یعنی وہ کلمات نہ کہے جو ملاقات کے موقع پر ملنے والے ایک دوسرے سے کہتے ہیں) میں نے عرض کیا کہ مرحبا یعنی وسعت و کشادگی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے' اور اہل کے سلسلے میں عرض ہے کہ میں تنہا ہوں نہ میرے پاس اہل و عیال ہیں' اور نہ مال و منال ہے' آپ تو اتنا بتلایئے کہ آپ نے مجھے اتنے دور دراز علاقے سے کیوں بلا بھیجا' میرا جرم کیا ہے' جس کی یہ سزا دی گئی ہے' انھوں نے دریافت کیا کہ تمہارے اور ابوموسٰی اشعری کے درمیان وجہ نزاع کیا ہے' میں نے عرض کیا کہ جب وہ خطبہ دیتے ہیں تو حمد و صلاۃ کے بعد آپ کے لئے دعا شروع کر دیتے ہیں' میں یہ بات ناپسند کرتا ہوں کہ صاحب رسول خلیفہ اول ابوبکر صدیق پر آپ کو فوقیت دی جائے' میں نے انھیں منع کیا تو انھوں نے آپ کے پاس شکایت لکھ کر بھیج دی' میری یہ بات سن کر حضرت عمرؓ بے حد ملول ہوئے' انکی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے' اور مجھ سے فرمایا کہ ضبۃ تم مجھ سے زیادہ توفیق یاب اور ہدایت یافتہ ہو' خدا کے لئے مجھے معاف کر دو' میں نے کہا کہ امیر المومنین میں نے آپ کو معاف کر دیا ہے' انھوں نے فرمایا کہ خدا کی قسم ابوبکر صدیقؓ کا ایک دن رات عمرؓ اور آل عمرؓ سے بہتر ہے' کیا میں تمہیں اسکی وجہ نہ بتلا دوں؟ میں نے عرض کیا ضرور بتلائیں' فرمایا : ان کی رات تو اس لئے افضل ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مشرکین کے مظالم سے بچ کر مکہ مکرمہ سے باہر نکلنے کا ارادہ فرمایا تو حضرت ابوبکر آپ کے ہمراہ تھے اور اس شان سے تھے کہ آپ کی حفاظت کے لئے کبھی آپ کے آگے چلتے کبھی آپ کے پیچھے چلتے تھے' کبھی دائیں طرف ہو جاتے تھے اور کبھی بائیں طرف۔ ان کا یہ اضطراب دیکھ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت کیا کہ ابوبکر یہ تم کیا کر رہے ہو کبھی اِدھر ہو جاتے ہو کبھی اُدھر۔ عرض کیا یا رسول اللہ جب میں یہ خیال کرتا ہوں کہ کوئی گھات لگائے نہ بیٹھا ہو تو آگے آجاتا ہوں' اور جب یہ سوچتا ہوں کہ دشمن کے آدمی پیچھے نہ آرہے ہوں تو پیچھے آجاتا ہوں' دائیں طرف سے دشمن کے حملے کا خطرہ ہوتا ہے تو دائیں طرف آجاتا ہوں' بائیں طرف سے حملے کا خیال آتا ہے تو بائیں طرف آجاتا ہوں' غرضیکہ مجھے آپ کے سلسلے میں کسی پہلو سکون نہیں ملتا۔ اس رات کا سفر آپ نے پنجوں کے بل کیا' تاکہ آواز نہ ہو' طویل سفر کے باعث آپ کی انگلیاں زخمی ہو گئیں' حضرت ابوبکر نے یہ حالت دیکھی تو آپ کو اپنے کاندھوں پر بٹھا لیا اور غار ثور تک لے کر چلے' اور وہاں پہنچ کر عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا آپ اس غار میں داخل نہ ہوں تاوقتیکہ میں اندر جا کر نہ دیکھ لوں کہ اگر کوئی ایذا دینے والی چیز ہو تو وہ مجھے ایذا دے آپ کو نہ دے' چنانچہ ابوبکر اندر گئے غار میں کچھ نہ تھا' باہر آئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو گود میں اٹھا کر اندر لے گئے' غار کی دیوار میں ایک شگاف تھا جس میں سانپ اور بچھو تھے' حضرت ابوبکر نے اس شگاف کو اپنا پاؤں رکھ کر بند کر دیا اس خوف سے کہیں یہ کیڑے نکل کر آپ کو ایذا نہ پہنچائیں' ادھر ان کیڑوں نے حضرت ابوبکرؓ کے پاؤں میں ڈسنا شروع کر دیا' تکلیف کی شدت سے آپ کے آنسو بہنے لگے لیکن آپ نے اس شگاف سے اپنا پاؤں

نہیں ہٹایا، انھیں روتا ہوا دیکھ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اے ابوبکر
لَا تَحْزَنْ إِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا
غم نہ کرو اللہ ہمارے ساتھ ہے۔
اللہ تعالیٰ نے ابوبکر کے دل میں سکون ڈال دیا، اور باقی رات آپ نے اطمینان سے گزاری یہ ان کی رات تھی، دن کا حال یہ ہے کہ جس روز سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے پردہ فرمایا تو عرب کے بعض قبیلے مرتد ہوگئے بعض لوگوں نے کہا کہ ہم نماز پڑھیں گے لیکن زکوٰۃ نہیں دیں گے، حضرت ابوبکر نے انکے خلاف جہاد کا ارادہ کیا، میں ان کے پاس گیا تاکہ ان کے اس قصد و ارادے کی مخالفت کروں، اور انھیں جہاد کا اقدام کرنے سے روکوں میں نے ان سے کہا کہ اے نائب رسول صلی اللہ علیہ وسلم آپ لوگوں کے پاس جائیں اور انکے ساتھ نرمی کا معاملہ کریں، انھوں نے فرمایا : عمرؓ! مجھے حیرت ہے کہ تم کفر میں اتنے سخت تھے، اور اسلام میں اس قدر کمزور پڑگئے، میں ان کے پاس کیوں جاؤں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تشریف لے جانے کی بعد وحی کا سلسلہ منقطع ہوچکا ہے، خدا کی قسم اگر لوگوں نے مجھے وہ رسّی دینے سے بھی انکار کیا جو وہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا کرتے تھے تو میں ان سے قتال کروں گا، بہرحال ہم نے ان قبائل کے خلاف جنگ کی خدا کی قسم اس سلسلے میں ان کی رائے درست تھی، ان کا اقدام بجا تھا اس کے بعد حضرت عمرؓ نے ابو موسیٰ اشعری کو خط لکھ کر ایسا کرنے سے منع کیا۔ (۱)
اصمعی کہتے ہیں کہ حضرت عطاء ابن رباح عبدالملک ابن مروان کے پاس تشریف لے گئے، وہ اپنے زمانۂ خلافت میں حج کے ارادے سے مکہ مکرمہ حاضر ہوا تھا، جس وقت آپ اس کے دربار میں پہنچے مکہ اور اطراف مکہ کے اشراف کا ہجوم اس کے ارد گرد موجود تھا، آپ کو دربار میں آتا ہوا دیکھا تو استقبال کے لئے کھڑا ہوگیا، اور اپنے قریب تخت پر لے جاکر بٹھلایا، اور خود ان کے سامنے ادب سے بیٹھا اور عرض کیا کہ ابو محمدؒ! کس لئے تشریف لانا ہوا، فرمایا : امیر المومنین! حرم خدا اور حرم رسول کے سلسلے میں اللہ سے ڈرنا، اور ان میں آباد لوگوں کی خبرگیری کرتے رہنا۔ مہاجرین اور انصار کی اولاد کے سلسلے میں بھی اللہ سے ڈرنا اس کے لئے تم ان ہی کی بدولت تخت خلافت پر متمکن ہوئے ہو، ان مجاہدین کے سلسلے میں بھی اللہ سے ڈرنا جو سرحدوں پر متعین ہیں، اور مسلمانوں کی حفاظت میں معروف ہیں، نیز مسلمانوں کی مشکلات اور معاملات پر نظر رکھنا اسلئے کہ ان کے متعلق صرف تم سے باز پرس ہوگی، ان لوگوں کے سلسلے میں بھی اللہ سے ڈرنا جو تمہارے دروازے پر آئیں، نہ ان پر دروازہ بند کرنا، اور نہ ان کے معاملات سے غفلت برتنا، عبدالملک نے عرض کیا کہ آپ کے ارشادات بجا ہیں، میں ان پر عمل کروں گا، جب عطاء ابن رباح اٹھ کر چلے تو عبدالملک نے انھیں پکڑلیا، اور عرض کیا کہ آپ نے ہم سے دوسروں کی ضرورتوں سے متعلق فرمایا ہے، اپنی بھی کسی ضرورت کا اظہار کیجئے۔ فرمایا : مجھے کسی مخلوق کی ضرورت نہیں ہے، جب وہ چلے گئے تو عبدالملک نے حاضرین سے کہا کہ شرف اور بزرگی اسے کہتے ہیں۔
روایت ہے کہ ایک دن ولید ابن عبدالملک نے دربان سے کہ کہ تم دروازے پر ٹھہرو اور جو شخص ادھر سے گزرے اسے روک لو، ہم اس سے کچھ دیر گفتگو کریں گے، دربان دروازے پر کھڑا رہا، سب سے پہلے عطاء ابن رباح ادھر سے گزرے، دربان نے ان سے کہا کہ بڑے میاں آپ امیر المومنین کے پاس چلیں، یہ ان کا حکم ہے، وہ آپ سے کچھ دیر گفتگو کریں گے۔ آپ اندر پہنچے، اس وقت ولید کے پاس حضرت عمر ابن عبدالعزیزؒ بھی موجود تھے، آپ نے اندر جاکر فرمایا السلام علیکم یا ولید! ولید نے انھیں دیکھا تو

---

(۱) ضبۃ ابن محصن کی یہ روایت بیہقی نے دلائل النبوۃ میں ضعیف سند کے ساتھ نقل کی ہے، ہجرت کا واقعہ بخاری میں حضرت عائشہؓ سے بھی مروی ہے، مگر اس سیاق و سباق کے ساتھ نہیں ہے، خود حضرت ابوبکرؓ کی بھی ایک روایت بخاری و مسلم میں موجود ہے، مرتدین سے جہاد کی روایت صحیحین میں حضرت ابوہریرہؓ سے منقول ہے

دربان پر بے حد ناراض ہوا کہ میں نے تجھ سے یہ کہا تھا کہ کسی ایسے شخص کو روک لینا جو مجھے قصّہ کہانی سنائے' اس کے بجائے تو ایسے شخص کو لے آیا ہے جس نے میرا وہ نام بھی لینا گوارا نہیں کیا جو اللہ تعالیٰ نے میرے لئے پسند فرمایا ہے' دربان نے کہا کہ ان کے علاوہ کوئی شخص ادھر سے نہیں گزرا' ولید نے عطاء ابن رباح سے بیٹھنے کے لئے کہا اور عرض کیا کہ کچھ سنائیں' اس موقع پر انھوں نے جو باتیں کیں ان کا ماحصل یہ تھا کہ ہمیں معلوم ہوا ہے کہ دوزخ میں ایک وادی ہے جسے مہبب کہتے ہیں' یہ وادی اللہ تعالیٰ نے ان امراء و حکام کے لئے تیار کی ہے جو رعایا پر ظلم کرتے ہیں' یہ سن کر ولید چیخ اٹھا' اور خوف سے بے ہوش ہو کر گر پڑا' حضرت عمر ابن عبدالعزیزؒ نے فرمایا کہ تم نے امیرالمومنین کو قتل کر دیا' عطاء نے ان کا ہاتھ زور سے دبایا اور فرمایا اے عمرؓ حقیقت یہی ہے' حضرت عمرؓ ابن عبدالعزیز فرمایا کرتے تھے کہ اس واقعے کے بعد مدّتوں میرا ہاتھ دکھتا رہا۔

ابن ابی شمیلہ عقل و ادب میں جن کی بڑی شہرت تھی عبدالملک ابن مروان کے پاس گئے' عبدالملک نے ان سے کچھ کہنے کی درخواست کی' فرمایا : کیا کہوں' آپ کو معلوم ہے کہ اللہ کی رضا کے علاوہ کہی گئی ہر بات قابل مواخذہ ہے' اور کہنے والے کے لئے مضر ہے' عبدالملک یہ سن کر رونے لگا اور کہنے لگا کہ اللہ آپ پر رحم فرمائے لوگ ہمیشہ ہی سے ایک دوسرے کو وعظ و نصیحت کرتے رہے ہیں' (اس لئے آپ بھی مجھے نصیحت فرمائیں) فرمایا : امیرالمومنین! یہ بات یاد رکھیں کہ قیامت کی تلخی سے وہی لوگ چھٹکارا پائیں گے جنھوں نے اپنے نفس کو ناراض کر کے اللہ کو راضی کیا ہو گا۔ عبدالملک نے روتے ہوئے کہا کہ بلاشبہ میں زندگی بھر آپ کے ان قیمتی کلمات کو اپنے لئے مشعل راہ بنائے رکھوں گا۔ ابن عائشہؓ کہتے ہیں کہ حجاج نے کوفہ اور بصرے کے علماء اور فقہاء کو بلایا' ہم سب اس کے پاس پہنچے' حضرت حسن بصریؒ آنے والوں میں آخری تھے' حجاج نے ان کی تعظیم کی' اور اپنے قریب ایک کرسی پر عزت کے ساتھ انھیں بٹھلایا' گفتگو شروع ہوئی' حجاج سوال کرتا رہا ہم جواب دیتے رہے' حضرت علی ابن ابی طالبؓ کا ذکر آیا تو حجاج نے انکی شان میں نازیبا الفاظ کہے' ہم سب نے بھی اس کی تائید کی' ہم پر خوف غالب تھا' اور اس کی تائید و موافقت کے علاوہ ہمارے پاس کوئی دوسرا راستہ نہ تھا' حضرت حسن بصری دانتوں تلے انگلی دبائے خاموش بیٹھے رہے' حجاج نے ان سے پوچھا : ابوسعید : آپ کیوں خاموش ہیں' آپ بھی کچھ کہیں؟ آپ نے معذرت کی' اس نے حضرت علیؓ کے متعلق آپ کی رائے جاننے پر اصرار کیا' آپ نے فرمایا کہ میں نے اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد سنا ہے :-

وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِي كُنتَ عَلَيْهَا إِلَّا لِنَعْلَمَ مَن يَتَّبِعُ الرَّسُولَ مِمَّن يَنقَلِبُ عَلَىٰ عَقِبَيْهِ وَإِن كَانَتْ لَكَبِيرَةً إِلَّا عَلَى الَّذِينَ هَدَى اللَّهُ وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُضِيعَ إِيمَانَكُمْ إِنَّ اللَّهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوفٌ رَّحِيمٌ (پ ۲ ر ا آیت ۱۴۳)

اور جس سمت قبلہ پر آپ رہ چکے ہیں (یعنی بیت المقدس) وہ تو محض اس لئے تھا کہ ہم کو معلوم ہو جائے کہ کون رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع اختیار کرتا ہے اور کون پیچھے کو ہٹتا ہے اور یہ قبلہ کا بدلنا منحرف لوگوں پر بڑا ثقیل ہے (ہاں) مگر جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت فرمائی' اور اللہ تعالیٰ ایسے نہیں ہیں کہ تمہارے ایمان کو ضائع کر دیں' (اور) واقعی اللہ تعالیٰ تو (ایسے) لوگوں پر بہت ہی شفیق (اور) مہربان ہیں۔

اور علی ان لوگوں میں سے ہیں جنھیں اللہ تعالیٰ نے ہدایت کا نور عطا فرمایا ہے' نیز وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا زاد بھائی اور آپ کی صاحبزادی کے شوہر ہیں' آپ کو ان سے بہت زیادہ محبت تھی' اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے جو فضیلتیں لکھ دی تھیں وہ انھیں حاصل ہیں' تمہارے یا کسی اور شخص کے لئے یہ ممکن نہیں کہ ان فضائل سے روک دے' یا ان کے اور آپ کے درمیان رکاوٹ بن جائے' میری رائے یہ ہے کہ اگر ان سے کوئی غلطی سرزد بھی ہوئی ہے تو خداوند قدوس خود حساب لیں گے' ہم کون ہوتے ہیں ان کا مواخذہ کرنے والے۔ اس اظہار رائے پر حجاج بہت زیادہ چین بجبیں ہوا' غصّہ سے اسکے چہرے کا رنگ بدل گیا' اور وہ ناراض ہو کر تخت شاہی کے عقب میں واقع ایک کمرے میں چلا گیا' ہم سب لوگ باہر چلے آئے' عامر الشعبی کہتے ہیں کہ میں نے

حضرت حسن کا ہاتھ پکڑا اور کہا کہ آپ نے حجاج کو ناراض کردیا ہے' اور اس کے سینے میں کینے کی آگ جلادی ہے' انھوں نے کہا اے عامر! میرے قریب نہ آؤ' لوگ کہتے ہیں کہ عامر شعبی کوفے کا عالم ہے' میں یہ کہتا ہوں کہ تمہیں علم سے دور کا بھی واسطہ نہیں ہے' تم انسانوں کے ایک شیطان سے اسکی خواہش کے مطابق گفتگو کررہے تھے' اور اس کی ہاں میں ہاں ملارہے تھے' کتنی بری بات ہے کہ تم نے اللہ تعالیٰ کا خوف بالائے طاق رکھ دیا' اور اسکے سوال کا وہ جواب دیا جو اسے مطلوب تھا' اگر سچ کہنے کی ہمت نہ تھی تو خاموشی اختیار کرتے' میں نے کہا کہ اگرچہ میں نے وہی کہا ہے جو وہ چاہتا تھا لیکن مجھے اپنی غلطی کا احساس رہا ہے' فرمایا کہ یہ بات اور بھی زیادہ غلط ہے کہ تم جان بوجھ کر جھوٹ بول رہے تھے' عامر شعبی ہی کی روایت ہے کہ حجاج نے حسن بصری کو بلایا اور ان سے پوچھا کہ کیا آپ ان امراء و حکام کے لئے ہلاکت کی دعا کرتے ہیں جنھوں نے مال و دولت کے لئے اللہ کے بندوں کو قتل کردیا' نہ صرف یہ بلکہ آپ لوگوں کے سامنے ان امراء کی مذمت بھی کرتے ہیں فرمایا ہاں یہ صحیح ہے' پوچھا اس کی وجہ؟ جواب دیا کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے علماء سے عہد لیا ہے کہ لوگوں سے بیان کردینا' کتمان علم نہ کرنا۔

وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ لَتُبَيِّنُنَّهٗ لِلنَّاسِ وَلَا تَكْتُمُوْنَهٗ (پ ۴ ر ۱۰ آیت ۱۸۷)

اور جب کہ اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب سے یہ عہد لیا کہ اس کتاب کو عام لوگوں کے روبرو ظاہر کردینا اور اس کو پوشیدہ مت کرنا۔

حجاج نے انتہائی سختی کے ساتھ انھیں روک دیا اور کہنے لگا کہ اگر آئندہ میں نے تمہاری زبان سے یہ باتیں سنیں تو سر قلم کردوں گا۔ حطیط زیات کے متعلق بیان کیا جاتا ہے کہ ایک مرتبہ انھیں حجاج کے سامنے لایا گیا' حجاج نے ان سے دریافت کیا کہ کیا تو حطیط ہے؟ فرمایا : ہاں! جو بات تو پوچھنا چاہے پوچھ لے' میں نے مقام ابراہیم پر اللہ تعالیٰ سے تین عہد کئے ہیں ایک یہ کہ اگر مجھ سے کوئی سوال کیا جائے گا تو میں اس کے جواب میں حق بات کہوں گا' دوسرا یہ کہ اگر مجھ پر مصیبت نازل ہوئی تو میں صبر سے کام لوں گا' تیسرا یہ کہ اگر میں بعافیت رہا تو اللہ کا شکر ادا کروں گا۔ حجاج نے ان سے پوچھا کہ تو میرے متعلق کیا رائے رکھتا ہے؟ انھوں نے جواب دیا کہ تو زمین میں دشمن خدا ہے' محرمات کا ارتکاب کرتا ہے' اور لوگوں کو بلا کسی قصور کے قتل کرادیتا ہے' اس نے پوچھا کہ امیرالمومنین عبدالملک ابن مروان کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟ انھوں نے جواب میں کہا کہ عبدالملک تم سے زیادہ برا ہے' اسکے جرم بے شمار ہیں' اسکی ایک بڑی غلطی خود تیرا وجود ہے' حجاج اس صاف گوئی سے بے حد غضب ناک ہوا اور جلادوں کو حکم دیا کہ وہ حطیط کو دردناک سزا دیں' انھیں سزا دی گئی' یہاں تک کیا گیا کہ بانس کی کھپاچیں ان کے گوشت پر رکھ دیں اور انھیں رسّی سے باندھ دیا' پھر ایک ایک کھپاچ کھینچی یہاں تک کہ گوشت ادھڑ گیا' مگر وہ اس تمام تر تکلیف اور جان لیوا سزا پر خاموش رہے' نہ انھوں نے معافی مانگی' نہ تکلیف کا اظہار کیا' سزا دینے والوں نے حجاج سے کہا کہ اب "مجرم" عالم نزع میں ہے' حجاج نے حکم دیا کہ اسے باہر شارع پر ڈال دیا جائے تاکہ لوگ عبرت پکڑیں' جعفر کہتے ہیں کہ میں اور ان کا رفیق ان کے پاس پہنچے' اور دریافت کیا کہ اگر کوئی خواہش ہو تو بتلائیں' انھوں نے پانی مانگا' ہم نے پانی انھیں پلایا' وہ اس تکلیف اور جاں گسل زخموں کی تاب نہ لاکر چل بسے' اس وقت انکی عمر اٹھارہ برس کی تھی۔

روایت ہے کہ عمر ابن ہبیرہ نے بصرے' کوفے' مدینے اور شام کے علماء اور فقہاء کو بلایا اور ان سے سوالات شروع کئے' اس نے دیکھا کہ کہ عامر شعبی اور حسن بصری کے جوابات سے علم اور تفقہ جھلکتا ہے' اس لئے اس نے تمام علماء کو رخصت کردیا اور ان دونوں عالموں کو لے کر خلوت میں چلا گیا' پہلے اس نے عامر شعبی سے کہا اے ابو عمرو میں عراق میں امیرالمومنین کا والی' اور امین ہوں' ان کی اطاعت پر مامور ہوں' رعایا کی حفاظت و نگہبانی میرے فرائض میں شامل ہے' میں خود بھی یہی چاہتا ہوں کہ رعایا محفوظ رہے' یہی وجہ ہے کہ میں ہمیشہ ہی انکی بہتری اور خیر خواہی کا متلاشی رہتا ہوں' اس کے باوجود بعض اوقات مجھے غصہ آجاتا ہے' اور

میں ان کا کچھ مال بحق بیت المال ضبط کرلیتا ہوں' مستقل رکھنے کے ارادے سے نہیں بلکہ محض اس لئے تاکہ مجرم کو اپنی غلطی کا احساس ہو' میری نیت یہ ہوتی ہے کہ اگر وہ تائب ہوگیا تو میں اس کا مال واپس کردوں گا' لیکن جب امیر کو یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ میں نے فلاں شخص کا مال ضبط کرلیا ہے تو وہ مجھے یہ مال واپس نہ کرنے کا حکم دیتے ہیں' میں انکی حکم عدولی نہیں کرسکتا' لیکن یہ بھی ہمت نہیں ہوتی کہ ان کی ہدایت کے بموجب عمل کروں' لیکن امیرالمومنین کے حکم کو اپنی خواہش پر مقدم رکھنا پڑتا ہے' اب آپ یہ بتلائیں کہ کیا اس طرح کے امور میں مجھ پر کوئی ذمہ داری ہے یا میں قطعاً بری الذمہ ہوں' شعبی نے جواب دیا کہ خدا تعالیٰ آپ کو نیکی دے سلطان بمنزلہ والد کے ہے کہ غلط بھی کرتا ہے اور صحیح بھی کرتا ہے اس جواب سے عمرابن ہبیرہ بے حد خوش ہوا' اور کہنے لگا کہ خدا کا شکر ہے مجھ سے اسکا مواخذہ نہیں ہوگا' اس کے بعد اس نے حضرت حسن سے ان کی رائے دریافت کی' انھوں نے فرمایا کہ ابھی تم نے یہ کہا کہ میں عراق میں امیرالمومنین کا نائب اور امین ہوں۔ اور اطاعت گزاری پر مقرر ہوا ہوں' رعایا کی نگہبانی' ان کے حقوق کی حفاظت' انکی خیر خواہی اور ان کے مفادات کا تحفظ میرا فرض ہے' حقیقت بھی یہی ہیکہ تم پر رعایا کا حق لازم ہے' اور ان کی بھلائی کے لئے کام کرنا تمہارا فریضہ ہے۔ چنانچہ میں نے عبدالرحمٰن ابن سمرہ قرشی صحابی سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد گرامی سنا ہے۔

من استرعى رعية فلم يحطها بالنصيحة حرم الله عليه الجنة (۱)

جو شخص کسی رعیت کا حاکم ہوا اور اس نے ان کی حفاظت خیر خواہی سے نہ کی تو اللہ تعالیٰ اس پر جنت حرام کردیں گے۔

تم یہ بھی کہتے ہو کہ میں بعض اوقات کسی شخص کا مال محض اس لئے ضبط کرلیتا ہوں تاکہ اسکی اصلاح ہوجائے لیکن جب امیر المومنین کو یہ اطلاع ملتی ہے کہ میں نے کسی شخص کا مال ضبط کیا ہے تو وہ مجھے واپس نہ کرنے کی ہدایت کرتے ہیں' اور میں ان کے حکم پر عمل نہ کرنے کی جرأت نہیں رکھتا' اور یہ بھی ہمت نہیں ہوتی کہ ان کے فرمان کی تعمیل کروں' حالانکہ تم پر امیر کے حق کے مقابلے میں اللہ کا حق زیادہ ہے' تمہیں اس کی اطاعت کی بجائے اللہ کی اطاعت کرنی چاہیے' معصیت میں کسی مخلوق کی اطاعت کرنا جائز نہیں ہے' اگر تمہارے پاس امیر کا کوئی حکم آئے تو اس پر عمل کرنے سے پہلے یہ ضرور دیکھ لو کہ وہ حکم باری تعالیٰ کے حکم کے موافق ہے یا نہیں؟ اگر موافق ہو تو اس پر عمل کرو' ورنہ اسے پس پشت ڈال دو' اے ابن ہبیرہ تمہیں اللہ سے ڈرنا چاہیے' عنقریب تمہارے پاس اللہ کا قاصد آئیگا جو تمہیں اس تخت سے اتار دے گا جس پر تم بیٹھے ہو' اس وسیع محل سے باہر نکل دے گا جس میں تم رہتے ہو' اور تنگ و تاریک قبر میں پہنچادے گا' اس وقت نہ سلطنت و اقتدار رہے گا' نہ دنیاوی مال و متاع رہے گا' تم سب چیزیں اپنے پیچھے چھوڑ کر رب کریم کی طرف کوچ کرجاؤ گے' اس سفر میں تمہارا رفیق تمہارا عمل ہوگا۔ اے ابن ہبیرہ اللہ تعالیٰ تمہیں یزید سے بچا سکتا ہے' لیکن یزید کیلئے ممکن نہیں کہ وہ تمہیں اللہ کے عذاب سے نجات دلاسکے' یاد رکھو' اللہ کا حکم ہر حکم پر مقدم ہے' اسکی مرضی ہر مرضی پر فائق ہے' میں تمہیں اس عذاب خداوندی سے ڈراتا ہوں جو مجرموں پر نازل ہو کر رہے گا۔ ابن ہبیرہ نے اس صاف گوئی کا برا منایا' اور حضرت حسن سے کہا کہ آپ خاموش رہیں اور امیرالمومنین کے ذکر سے اعراض فرمائیں' اس لئے کہ وہ صاحب علم بھی ہیں اور صاحب حکم بھی اور صاحب فضل بھی' اللہ تعالیٰ نے انھیں مسلمانوں کی سربراہی اسی لئے تفویض کی ہے کہ وہ اسکے اہل ہیں' اور اس منصب کے لائق ہیں' حسن بصری نے فرمایا کہ اے ابن ہبیرہ! حساب کا مرحلہ درپیش ہے' وہاں کوڑے کا بدلہ کوڑے سے' اور غضب کا بدلہ غضب سے ملے گا' اللہ تعالیٰ گھات میں ہے' یہ بات یاد رکھو کہ جو شخص تجھے نصیحت کرے اور آخرت کی ترغیب دلائے وہ اس شخص سے بہتر ہے جو تجھے فریب دے اور دنیا کا طامع و حریص بنادے' ابن ہبیرہ بے حد

---

(۱) اس سند کے ساتھ یہ روایت بغوی نے معجم الصحابہ میں نقل کی ہے' اسی طرح کے الفاظ بخاری و مسلم میں حسن معقل بن یسار منقول ہیں

خفا ہوا' اور اسی عالم میں اٹھ کر چلا گیا' شعبی کہتے ہیں کہ میں نے حضرت حسن سے عرض کیا کہ اے ابو سعید! آپ نے امیر کو ناراض کردیا ہے' اور اسکے دل میں کینے کی آگ بھردی ہے' اب وہ ہمیں اپنے حسن سلوک سے محروم رکھے گا' انھوں نے مجھے جھڑک دیا اور فرمایا کہ اے عامر مجھ سے دور رہو۔ شعبی کہتے ہیں کہ اس واقعے کے بعد حضرت حسن کی خدمت میں تحائف اور نذرانے پیش ہوئے' اور ہمیں کچھ بھی نہ ملا' واقعتاً وہ اسی اعزاز کے اہل تھے جو انھیں ملا' اور ہم اسی حقارت کے مستحق تھے جو ہمیں نصیب ہوئی' میں نے حسن بصری جیسا عالم نہیں دیکھا' وہ ہم علماء میں ایسے تھے جیسے اسپ تازی دوغلی نسل کے گھوڑوں میں ممتاز رہتا ہے' انھیں جہاں بھی دیکھا' ممتاز ہی پایا' وہ ہر جگہ ہم پر غالب رہے اسلئے کہ ان کا ہر عمل اور ہر قول باری تعالیٰ کی خوشنودی کیلئے ہوتا تھا' جب کہ ہمارا مطمح نظر امراء کی قربت تھی' اس واقعے کے بعد میں نے اللہ تعالیٰ سے یہ عہد کیا کہ میں کسی حاکم یا والی کے پاس اس کی تائید و حمایت کے ارادے سے نہیں جاؤں گا۔

محمد بن واسع ابن ابی بردہ کے پاس گئے تو ان سے پوچھا گیا کہ وہ تقدیر کے سلسلے میں کیا کہتے ہیں' انھوں نے جواب دیا کہ تمہارے پڑوس میں اہل قبور ہیں' ان کے بارے میں سوچو اس طرح تم تقدیر کے سلسلے میں کسی سوال کی ضرورت محسوس نہیں کرو گے۔

امام شافعیؒ اپنے چچا محمد ابن علیؒ سے نقل کرتے ہیں کہ میں امیرالمومنین ابو جعفر منصور کی مجلس میں حاضر تھا' وہاں ابن ابی ذویب بھی تھے' اور مدینہ کا والی حسن ابن زید بھی موجود تھا' اتنے میں غفاری قبیلے سے تعلق رکھنے والے کچھ لوگ آئے' اور انھوں نے ابو جعفر سے حسن ابن زید کی شکایت کی' ابو جعفر نے حسن ابن زید سے پوچھا کہ تم ان لوگوں کے متعلق کیا کہتے ہو' اس نے کہا کہ آپ شکایت کرنے والوں کے بارے میں ابن ابی ذویب سے دریافت کرلیجئے' وہ آپ کو بتلائیں گے کہ یہ لوگ کیسے ہیں' اور انکے ساتھ کیا سلوک ہونا چاہیے' ابو جعفر نے ابن ابی ذویب سے دریافت کیا کہ آپ لوگوں کے متعلق کیا کہتے ہیں انھوں نے جواب دیا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ یہ قوم لوگوں کی اہانت کرتی ہے' اور انھیں ایذا پہنچاتی ہے۔ ابو جعفر نے غفاریوں سے پوچھا کہ تم نے اپنے بارے میں ابن ابی ذیب کا خیال سنا' انھوں نے کہا کہ امیرالمومنین آپ ان سے حسن ابن زید کے متعلق بھی دریافت کریں' ابو جعفر نے ابن ابی ذویب سے دریافت کیا کہ حسن ابن زید آپ کے خیال میں کیسا ہے انھوں نے جواب دیا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ وہ غیر منصفانہ فیصلے کرتا ہے' ابو جعفر نے حسن سے کہا کہ تم نے اپنے متعلق ابن ابی ذویب کی رائے سنی وہ نیک آدمی ہیں' ان کا خیال بدنیتی پر مبنی نہیں ہو سکتا' حسن نے جواب دیا : امیرالمومنین آپ ان سے اپنے متعلق بھی پوچھیں' خلیفہ نے اپنے بارے میں ان کی رائے جاننی چاہی تو انھوں نے جواب میں کہا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ نے یہ مال ناحق حاصل کیا ہے' اور غیر مستحقین میں صرف کیا ہے' اور میں اسکی گواہی بھی دیتا ہوں کہ ظلم آپ کے دروازے پر پھیلا ہوا ہے۔ یہ سن کر منصور اپنی جگہ سے اٹھا اور قریب پہنچ کر انکی گردن اپنے ہاتھ سے پکڑلی اور کہنے لگا کہ خدا کی قسم! اگر میں یہاں نہ بیٹھا ہوا ہوتا تو روم' فارس' دیلم اور ترک تم سے یہ جگہ چھین لیتے' ابن ابی ذویب نے فرمایا : امیرالمومنین! آپ سے پہلے منصب خلافت پر ابو بکر و عمر فائز رہ چکے ہیں' انھوں نے حق کیساتھ مال لیا' اور انصاف کے ساتھ تقسیم کیا' جب کہ روم و فارس کی گردنیں انکے ہاتھوں میں تھیں' منصور نے آپ کو سزا دینے کا ارادہ ترک کیا اور کہنے لگا کہ خدا کی قسم اگر مجھے تمہاری صداقت کا یقین نہ ہوتا تو میں تمہیں قتل کردیتا' ابن ابی ذویب نے کہا : بخدا! امیرالمومنین! میں آپ کے لئے آپ کے صاحب زادے مہدی سے زیادہ خیر خواہ ہوں۔ ہمیں یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ جب ابن ابی ذویب دربار سے باہر آئے تو سفیان ثوری سے ملاقات ہوئی' انھوں نے اس واقعہ پر مبارک باد دی اور فرمایا کہ مجھے اس ظالم کے ساتھ تمہاری صاف گوئی سے بے حد خوشی ہوئی' لیکن مجھے یہ بات بری معلوم ہوئی کہ تم نے اس کے لڑکے کو مہدی کہا' ابن ابی ذویب نے کہا کہ اللہ تعالیٰ تمہاری مغفرت کرے مہدی سے میرا اشارہ ہدایت کی طرف نہیں تھا بلکہ مہدؔ کی طرف تھا۔

عبدالرحمٰن ابن عمرو اوزاعی کہتے ہیں کہ جن دنوں میں ساحل میں تھا' مجھے خلیفہ ابو جعفر منصور نے بلایا' میں اس کے پاس گیا' اور اسے خلافت کے آداب کی رعایت کے ساتھ سلام کیا' اس نے میرے سلام کا جواب دیا اور مجھے اپنے قریب بٹھایا' اور تاخیر سے آنے کا سبب دریافت کیا' میں نے تاخیر کا سبب بتلانے کے بجائے بلانے کا مقصد دریافت کیا' خلیفہ نے کہا کہ ہم آپ سے اخذ و استفادہ کرنا چاہتے ہیں' میں نے کہا جب آپ نے اس مقصد سے بلایا ہے تو میں کچھ نصیحتیں کرتا ہوں' انھیں یاد رکھنا' بھول مت جانا۔ خلیفہ نے کہا بھولنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا جب کہ آپ میری درخواست پر نصیحت فرمائیں گے' بہرحال میں حاضر ہوں اور ہمہ تن متوجہ ہوں آپ ارشاد فرمائیں' میں نے کہا مجھے یہ ڈر ہے کہ آپ سننے کے بعد عمل نہیں کریں گے میری یہ بات سن کر ربیع چیخ اٹھا' اور اسنے تلوار کی طرف ہاتھ بڑھایا منصور نے اسے یہ کہہ کر جھڑک دیا کہ یہ ثواب کی مجلس ہے' عقاب کی نہیں ہے۔ منصور کے اس طرز عمل سے میرا دل مطمئن ہوگیا' اور گفتگو کرنے پر طبیعت آمادہ نظر آئی۔ میں نے کہا : امیرالمومنین! مجھ سے یہ حدیث مکحول نے' ان سے عطیہ ابن بشر نے بیان کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا :۔

ایما عبد جاءته موعظة من اللّٰه فی دینه فانها نعمة من اللّٰه سیقت الیه فان قبلها بشکر و الا کانت حجة من اللّٰه لیزداد بها اثما و یزداد اللّٰه بها سخطا علیه (ابن ابی الدنیا)

جس بندے کے پاس اللہ کی طرف سے کوئی نصیحت آئے وہ نعمت خداوندی ہے جو اسکے پاس آئی ہے' اگر اس نے یہ نصیحت یا نعمت شکریہ کے ساتھ قبول کرلی تو بہتر ہے ورنہ وہی نصیحت اس پر اللہ تعالیٰ کی حجت بن جاتی ہے تاکہ وہ اسکے گناہوں میں اور باری تعالیٰ کی ناراضگی میں زیادتی کا باعث ہو۔

امیرالمومنین! مجھ سے مکحول نے بیان فرمایا' ان سے عطیہ ابن یاسر نے یہ روایت نقل کی سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں :۔

ایما وال مات نماشا لرعیته حرم اللّٰه علیه الجنة (ابن ابی الدنیا' ابن عدی)

جو حاکم اپنی رعایا کے ساتھ خیانت کا رویّہ اختیار کرکے مرے گا اس پر اللہ تعالیٰ جنت حرام فرمادیں گے۔

امیرالمومنین! حق کو ناپسند کرنے کا مطلب باری تعالیٰ کو ناپسند کرنا ہے' کیونکہ باری تعالیٰ (حق مبین) ہیں اللہ تعالیٰ نے آپ کو خلافت کے منصب پر فائز کیا' اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ۔ جو امتیوں پر شفیق اللہ کے محبوب اور لوگوں کے نزدیک محمود تھے۔ آپ کی قرابت کے بنا پر لوگوں کے دلوں میں آپ کے لئے نرمی پیدا کی' اور جگہ بنائی' اسلئے مناسب یہ ہے کہ آپ بھی حق پر عمل پیرا رہیں' حق و انصاف کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑیں' لوگوں کی عیب پوشی کریں' انکی فریاد سنیں' اور دادخواہی کریں' مظلوموں پر اپنے دروازے کھلے رکھیں' رعایا کی خوشی سے آپ کو راحت ہو' اور اس کی تکلیف سے آپ کو دکھ ہو' پہلے آپ کو صرف اپنی ذات کی فکر تھی' اب اس ملک کا بار آپ کے کاندھوں پر ہے' اس میں عرب و عجم کے لوگ بھی ہیں' مسلمان بھی ہیں' اور کافر بھی' آپ کے عدل و انصاف میں ان سب کا حصہ ہے' اگر یہ سب کھڑے ہوجائیں' اور ہر شخص اپنی مصیبت اور حق تلفی کی شکایت کرنے لگے تو آپ کا عمل کیا ہوگا (بلاشبہ اگر آپ نے ظلم کیا تو قیامت کے روز یہ سب لوگ جو آج آپ کے محکوم ہیں ہجوم کی صورت میں باری تعالیٰ کے حضور اپنی اپنی حق تلفیوں کی شکایت پیش کریں گے) امیرالمومنین! مجھ سے مکحول نے' ان سے عروہ ابن رویم نے یہ روایت بیان کی کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک میں کھجور کی ٹہنی تھی جس سے آپ مسواک فرمارہے تھے' اور منافقین کو ڈرا رہے تھے' اتنے میں حضرت جبرئیل علیہ السلام آئے اور عرض کیا : یارسول اللہ! یہ کیسی شاخ ہے جس سے آپ نے اپنے امتیوں کے دل توڑ دئے اور ان میں خوف و ہراس بھر دیا (ابن ابی الدنیا) غور کیجئے ان لوگوں کا کیا حال ہوگا جو اللہ کے بندوں کے خون بہاتے ہیں' اور ان کے جسموں سے کھالیں اتار لیتے ہیں' انکے شہر ویران کردیتے ہیں' اور انھیں جلا

وطن کردیتے ہیں' اور انھیں مضطرب و بے چین کردیتے ہیں۔ امیر المومنین! مجھ سے مکحول نے' ان سے زیاد نے' ان سے حارثہ نے' ان سے حبیب ابن مسلمہ نے بیان کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے سے قصاص لینے کے لئے فرمایا۔ واقعہ یہ ہوا تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم (کے دست مبارک یا لکڑی سے) کسی اعرابی کے جسم پر نادانستگی میں خراش آگئی تھی' آپ کے پاس حضرت جبرئیل علیہ السلام آئے اور عرض کیا کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ نے آپ کو ظالم اور متکبر بنا کر نہیں بھیجا ہے' آپ نے اسی وقت اعرابی کو بلایا اور اس سے کہا کہ مجھ سے بدلہ لے لو' اعرابی نے عرض کیا یا رسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں' میرا جسم آپ کے لئے حاضر ہے' آپ مجھے جان سے بھی مار ڈالتے تب بھی میں بدلہ نہ لیتا' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس اعرابی کے لئے دعائے خیر فرمائی۔ (۱) اے امیرالمومنین! آپ نفس کو اسی کے نفع کی خاطر تربیت دیں' اور اس کے لئے اپنے پروردگار سے امان حاصل کریں' اور اس جنت کی رغبت کریں جسکی کشادگی زمین و آسمان کے برابر ہے' اور جس کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا :۔

لقید قوس احدکم من الجنة خیر لہ من الدنیا ومافیہا (۲)

تم میں سے کسی کے لئے جنت میں سے ایک کمان کی مقدار کے برابر جگہ کا ہونا دنیا ومافیہا سے بہتر ہے۔

اگر دنیا کی سلطنت پائدار ہوتی تو پہلے لوگوں کے پاس رہتی آپ تک نہ پہنچتی جس طرح یہ پچھلوں کے پاس نہ رہ سکی اسی طرح آپ کے پاس بھی نہیں رہے گی' امیرالمومنین! کیا آپ جانتے ہیں کہ آپ کے جد امجد حضرت عبداللہ ابن عباسؓ نے قرآن کریم کی اس آیت کی کیا تفسیر کی ہے :۔

لَا يُغَادِرُ صَغِيرَةً وَّلَا كَبِيرَةً إِلَّا أَحْصَاهَا (پ ۱۵ ر ۱۸ آیت ۴۹)

(اس کتاب نے) بے قلمبند کئے ہوئے نہ کوئی چھوٹا گناہ چھوڑا اور نہ بڑا۔

انھوں نے فرمایا تھا کہ صغیرہ سے تبسم مراد ہے اور کبیرہ سے ہنسی۔ جب تبسم اور ہنسی کا حال یہ ہے تو ان اعمال کا کیا حال ہوگا جو زبان اور ہاتھ سے سرزد ہوتے ہیں' یا امیرالمومنین! حضرت عمر ابن الخطابؓ فرمایا کرتے تھے کہ اگر بکری کا بچہ نہر فرات کے کنارے ضائع ہوجائے تو مجھے یہ اندیشہ ہے کہ قیامت کے روز مجھ سے اسکے ضائع جانے کا مواخذہ ہوگا' غور فرمائیں' جو لوگ آپ کے قریب آپ کے شہر میں' آپ کے در پر عدل سے محروم رہ جائیں' ان کے مواخذے سے آپ کس طرح بچیں گے۔ امیر المومنین! مجھے اس آیت کی وہ تفسیر معلوم ہے جو آپ کے دادا سے منقول ہے۔

يَا دَاوُدُ إِنَّا جَعَلْنَاكَ خَلِيفَةً فِي الْأَرْضِ فَاحْكُم بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوَىٰ فَيُضِلَّكَ عَن سَبِيلِ اللَّهِ (پ ۲۳ ر ۱۱ آیت ۲۶)

اے داؤد (علیہ السلام) ہم نے تم کو زمین پر حاکم بنایا ہے' سو لوگوں میں انصاف کے ساتھ فیصلہ کرتے رہنا' اور آئندہ بھی نفسانی خواہش کی پیروی مت کرنا (اگر ایسا کرو گے تو) وہ خدا کے راستے سے تم کو بھٹکادے گی۔

حضرت عبداللہ ابن عباسؓ ارشاد فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر حضرت داؤد علیہ السلام کو زبور میں اسی طرح خطاب

---

(۱) یہ روایت ابن ابی الدنیا نے نقل کی ہے' ابوداؤد اور نسائی میں حضرت عمرؓ کی روایت کے الفاظ یہ ہیں "رایت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اقص من نفسہ" حاکم عبدالرحمٰن ابن ابی لیلی نے اپنے والد سے روایت کی ہے کہ یہ واقعہ سید ابن حضیر کے ساتھ پیش آیا تھا جس پر آپ نے ان سے فرمایا تھا کہ مجھ سے قصاص لے لو (۲) ابن ابی الدنیا نے یہ روایت اوزاعی سے مفصل نقل کی ہے' اور بخاری نے کچھ اختلاف کے ساتھ حضرت انسؓ سے مختصراً نقل کی ہے۔

فرمایا کہ اے داؤد! جب تمہارے پاس مدعی اور مدعی علیہ آئیں' اور تمہارے قلب کا میلان ان میں سے کسی ایک کی طرف ہو تو تم ہرگز یہ تمنا مت کرنا کہ حق اسکی طرف ہو' اور وہ اپنے حریف پر غالب آجائے' اگر تم نے ایسا کیا تو میں اپنی نبوت تم سے چھین لوں گا' پھر تم زمین پر میرے خلیفہ نہیں رہو گے' اور نہ تمہیں پیغمبری کا شرف حاصل رہے گا۔ اے داؤد! بندوں کے لئے رسولوں کی حیثیت چرواہوں کی سی ہے کہ وہ حفاظت کے طریقوں سے واقف ہوتے ہیں' اور سیاست میں نرمی سے کام لیتے ہیں' ٹوٹے ہوئے کو جوڑتے ہیں' اور کمزور و لاغر کو دانہ پانی دیتے ہیں' امیر المومنین! آپ ایک ایسی امانت کا بار سنبھالنے کی آزمائش میں مبتلا ہوئے ہیں کہ اگر وہ امانت آسمانوں اور زمین پر پیش کی جاتی تو وہ اٹھانے سے انکار کردیتے' اور ڈر جاتے۔ مجھ سے یزید ابن جابر نے' اور ان سے عبدالرحمٰن ابن عمر انصاریؓ نے بیان کیا کہ حضرت عمر ابن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کسی انصاری کو صدقات کی وصول یابی کے لئے مقرر فرمایا' چند روز کے بعد اسے مدینہ منورہ میں مقیم دیکھا تو حضرت عمرؓ نے وصول یابی کے لئے نہ جانے کی وجہ دریافت کی اور فرمایا کیا تمہیں معلوم نہیں کہ تمہارے لئے اس عمل کا اجر اللہ کے راستے میں جہاد کرنے والے کے اجر کے برابر ہے؟ اس نے عرض کیا: یہ بات نہیں جو آپ فرما رہے ہیں حضرت عمر نے پوچھا اور کیا بات ہے؟ عرض کیا کہ مجھے یہ روایت پہنچی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ نے ارشاد فرمایا:۔

مامن وال يلي شيئا من امور الناس الا اتى به يوم القيامة مغلولة يده الى عنقه لا يفكها الا عدله فيوقف على جسر من النار ينتفض به ذالك الجسر انتفاضة تزيل كل عضو منه عن موضعه ثم يعاد فيحاسب' فان كان محسنا نجا باحسانه وان كان مسيئا انخرق به ذالك الجسر فيهوى به في النار سبعين خريفا (۱)

جو حاکم لوگوں کے معاملات میں سے کسی معاملے کا والی ہو گا وہ قیامت کے روز اس حال میں لایا جائے گا کہ اسکے ہاتھ گردن سے بندھے ہوئے ہوں گے اور انہیں اس کے عدل کے علاوہ کوئی چیز نہ کھول سکے گی' بہرحال وہ اسی حال میں جہنم کے پل پر کھڑا کیا جائے گا' وہ پل اسے اس قدر شدید جھٹکا دے گا کہ اسکا عضو عضو اپنی جگہ سے ہٹ جائے گا' پھر وہ اپنی اصلی حالت پر واپس آئے گا اور اس کا حساب لیا جائے گا اگر وہ نیکو کار ہو گا تو اپنے احسان کی وجہ سے نجات پائے گا' اور بدکار ہو گا تو پل اس جگہ سے پھٹ جائے گا اور وہ اس دوزخ میں ستر سال کی مسافت کی گہرائی میں جا پڑے گا۔

حضرت عمرؓ نے اس شخص سے دریافت کیا کہ تم نے یہ حدیث کس شخص سے سنی ہے' اس نے جواب دیا ابوذر اور سلمان سے۔ حضرت عمرؓ نے ان دونوں حضرات کو بلایا' اور تصدیق چاہی' ان دونوں حضرات نے اسکی تصدیق کی' حضرت عمرؓ نے فرمایا: آہ! جب حکومت کی یہ خرابی ہے تو اب کون اسے اختیار کریگا؟ حضرت ابوذرؓ نے کہا: وہ شخص اختیار کرے گا جس کی ناک کٹ جائے اور رخسار زمین سے جا لگے۔ اوزاعیؒ کہتے ہیں کہ یہ نصیحتیں سن کر منصور دھاڑیں مار مار کر رو دیا' اور اپنا چہرہ رومال میں چھپا لیا' اسے روتا دیکھ کر میں بھی رو پڑا' پھر میں نے کہا: امیر المومنین! آپ کے جد امجد حضرت عباس ابن عبدالمطلب نے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے مکہ معظمہ یا طائف یا یمن کی حکومت مانگی تھی' آپ نے ان سے فرمایا:۔

---

(۱) ابن ابی الدنیا۔ طبرانی نے سوید ابن عبدالعزیز سے' انھوں نے یسار ابوالحکم سے انھوں نے ابو واؤد سے نقل کیا کہ حضرت عمر نے بشر ابن عاصم کو صدقات کی وصولیابی کے کام پر متعین کیا تھا' طبرانی کی روایت مختصر ہے' اور بشر ابن عاصم نے یہ حدیث آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے براہ راست سنی ہے' سلمان فارسی یا ابوذر سے نہیں سنی'

یاعم النبی! نفس تحییھا خیر من امارة لا تحصیھا (۱)
چچا جان! اگر آپ ایک نفس کو زندہ رکھیں (عبادت و ریاضت سے) وہ اس حکومت سے بہتر ہے جس کا آپ احاطہ نہ کرسکیں۔

چچا کی خیر خواہی اور انکے ساتھ تعلق کا تقاضا بھی یہی تھا کہ آپ انھیں حکومت کی خار دار وادی میں قدم رکھنے سے منع فرماتے۔ حضرت عباسؓ کو آپ نے یہ بھی بتلادیا تھا کہ میں قیامت کے روز تمہارے کچھ کام نہ آوں گا۔ روایت میں ہے کہ جب آپ پر یہ آیت نازل ہوئی۔

وَأَنذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ (پ ۱۹ ر ۱۵ آیت ۲۱۴)
اور آپ (سب سے پہلے) اپنے نزدیک کے کنبے کو ڈرایئے۔

تو آپ نے حضرت عباسؓ حضرت صفیہؓ اور حضرت فاطمہؓ سے مخاطب ہو کر فرمایا :۔

انی لست اغنی عنکم من اللّٰہ شیئا ان لی عملی ولکم عملکم (۲)
اللہ تعالیٰ سے میں تمہارے کچھ کام نہ آوں گا' میرے لئے میرا عمل مفید ہوگا' اور تمہیں تمہارا عمل فائدہ دیگا۔

حضرت عمر ابن الخطابؓ ارشاد فرماتے ہیں کہ لوگوں پر وہی شخص حکومت کرسکتا ہے جو شعور کی پختگی' اور رائے میں اصابت رکھتا ہو' برائی سے دور ہو' اور اس کے بارے میں یہ اندیشہ نہ ہو کہ وہ قرابت داروں کی حمایت کرے گا' نیز اسے اللہ کے باب میں کسی ملامت کا خوف نہیں ہو' حضرت عمر فاروقؓ نے یہ بھی فرمایا کہ حاکم چار طرح کے ہوتے ہیں' ایک وہ جو خود بھی محنت کرے اور اپنے عمال سے بھی محنت کرائے' یہ اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے کے برابر ہے' اللہ کی رحمت کا سایہ اس پر دراز ہے' دوسرا حاکم وہ ہے جو خود تو محنت کرتا ہے' لیکن عمال کو محنت کی راہ پر لگانے کی قدرت نہیں رکھتا' یہ ضعیف حاکم ہے اور اپنے ضعف کی بنا پر ہلاکت کے قریب ہے' الا یہ کہ اللہ تعالیٰ اس پر رحم فرمائے اور وہ ہلاکت سے بچ جائے' تیسرا حاکم وہ ہے جو خود عیش کرے اور عمال سے محنت کرائے' یہ حطمہ ہے جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا :۔

شر الرعاة الحطمة (مسلم۔ عائذ ابن عمرؓ)
بدترین چرواہا حطمہ ہے۔ (۳)

چوتھا حاکم وہ ہے جو خود بھی عیش کرتا ہو' اور عمال کو بھی عیش کوشی میں مشغول رکھتا ہو' یہ حاکم اور عمال سب ہلاکت کے قریب ہیں۔ امیر المومنین! مجھے یہ روایت پہنچی ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے' اور عرض کیا کہ میں اس وقت آپ کے پاس آیا ہوں جب کہ قیامت کے لئے دوزخ کی آگ بھڑکائی جانے لگی ہے' (یعنی قیامت قریب ہے) آپ نے فرمایا اے جبرئیل! مجھے دوزخ کے بارے میں کچھ بتلاؤ' عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ دوزخ کی آگ بھڑکائی جائے' چنانچہ ایک ہزار سال تک یہ آگ جلائی گئی' یہاں تک کہ سرخ ہوگئی' پھر ایک ہزار برس تک جلائی یہاں تک کہ زرد ہوگئی' پھر ایک ہزار سال تک جلائی گئی یہاں تک کہ سیاہ ہوگئی' اب یہ آگ سیاہ اور تاریک ہے' نہ اسکے شعلے نظر آتے ہیں' اور نہ بجھتے ہیں' اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا کہ اگر دوزخیوں کا ایک کپڑا بھی دنیا والوں کو نظر آجائے تو

---

(۱) ابن ابی الدنیا نے بلاسند اور بیہقی نے جابر سے مرفوعاً نقل کی ہے۔ (۲) یہ روایت ابن ابی الدنیا نے بلاسند نقل کی ہے بخاری میں حضرت ابوہریرہؓ کی روایت ہے مگر اس میں الفاظ "لی عملی ولکم عملکم" نہیں ہیں۔ (۳) حطمہ اس چرواہے کو کہتے ہیں جو گلہ بانی کے طریقے سے ناواقف ہو' اور اپنے جانوروں پر ظلم کرتا ہو۔

سب کے سب مرجائیں' ان کے پانی کا ایک ڈول زمین کے پانیوں میں ڈال دیا جائے تو پینے والے ہلاک ہوجائیں' انکی زنجیر کی ایک کڑی پہاڑوں پر رکھ دی جائے تو وہ اس کی حرارت سے پگھل جائیں' اور اپنی جگہ برقرار نہ رہیں' کسی شخص کو دوزخ میں ڈالنے کے بعد باہر نکالا جائے تو دنیا کے لوگ اسکی بدبو سونگھ کر' اور اسکی بدروئی سے دہشت کھاکر مرجائیں' یہ سن کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم رونے لگے' حضرت جبرئیل علیہ السلام بھی رودیئے' حضرت جبرئیل نے عرض کیا : یا محمدؐ! آپ کیوں روتے ہیں آپؐ تو اگلے پچھلے تمام گناہ معاف کئے جاچکے ہیں' فرمایا : کیا میں شکر گزار بندہ نہ بنوں؟ اسکے بعد آپ نے جبرئیل سے دریافت کیا کہ تم کیوں روتے ہو؟ تم تو روح الامین اور اللہ کی وحی کے امانت دار ہو' عرض کیا! مجھے یہ ڈر ہے کہ کہیں میرا انجام ہاروت اور ماروت جیسا نہ ہو' اللہ تعالیٰ کے نزدیک میرا جو مرتبہ ہے میں اس پر بھروسا نہیں کرتا اور مجھے سوء عاقبت کا خوف برابر ستاتا ہے' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت جبرئیل علیہ السلام دونوں روتے رہے' یہاں تک کہ آسمان سے ندا آئی کہ اے جبرئیل' اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ تعالیٰ نے تمہیں اس بات سے مامون کردیا ہے کہ تم سے کوئی گناہ سرزد ہو' اور اس کی پاداش میں تمہیں عذاب دیا جائے' محمد صلی اللہ علیہ وسلم تمام انبیاء کے مقابلے میں اسی طرح افضل ہیں جس طرح جبرئیل تمام ملائکہ پر فضیلت رکھتے ہیں۔ (یہ روایت اس تفصیل کے ساتھ ابن ابی الدنیا نے بلا سند نقل کی ہے) امیر المومنین! میں نے سنا ہے کہ حضرت عمر ابن الخطاب نے بارگاہ ایزدی میں یہ دعا کی تھی کہ اے اللہ! اگر مدعی علیہ میرے سامنے ہوں اور میں ان میں سے کسی ایک کی طرف مائل ہوں اور اسکی رعایت کرنے لگوں خواہ وہ میرا قریب ہو یا بعید تو مجھے مہلت نفس نہ دینا۔ امیر المومنین! سب سے زیادہ دشوار گزار اور پر مشقت کام اللہ تعالیٰ کے حق کی بجا آوری ہے' اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے بڑی بزرگی تقویٰ ہے' اور جو شخص اطاعت الٰہی کے ذریعہ عزت طلب کرتا ہے اسکو عزت ملتی ہے' اور جو معصیت کی راہ سے عزت کا طالب ہوتا ہے' اسکے مقدر میں رسوائی اور ذلت لکھی جاتی ہے۔ یہ چند نصیحتیں ہیں جو میں نے آپ کی طلب پر آپ کے فائدے کے لئے کی ہیں' اب مجھے اجازت دیں۔ اوزاعی کہتے ہیں کہ اس گفتگو کے بعد میں اٹھ کر چلنے لگا' منصور نے پوچھا : کہاں کا ارادہ ہے؟ میں نے کہا اگر امیر المومنین اجازت دیں تو اہل وعیال کے پاس وطن جاؤں گا انشاء اللہ خلیفہ نے واپسی کی اجازت دی اور کہنے لگا کہ میں آپ کا انتہائی ممنون ہوں کہ آپ نے مجھے گرانقدر نصیحتوں کا خزانہ مرحمت فرمایا' میں آپ کی یہ نصائح قبول کرتا ہوں' اور ان پر عمل کرنے کا عزم رکھتا ہوں' اللہ خیر کی توفیق دینے والا اور خیر کے کام پر اعانت کرنے والا ہے' میں اسی سے مدد مانگتا ہوں' اور اسی پر بھروسا کرتا ہوں۔ وہ میرے لئے کافی ہے' اور بہترین کفیل ہے' مجھے امید ہے کہ آئندہ بھی آپ کی توجہات سے محروم نہیں رہوں گا' آپ کا کلام مؤثر اور مقبول مفید ہے' آپ کی نصیحت خود غرضی کے شائبے سے پاک ہے' محمد ابن مصعب کہتے ہیں کہ خلیفہ نے اوزاعی کے لئے زاد راہ تیار کرنے کا حکم دیا' مگر انھوں نے معذرت کردی' اور فرمایا کہ نہ میں اس کی ضرورت محسوس کرتا ہوں اور نہ مجھے یہ منظور ہے کہ دنیاوی مال ومتاع کے ذریعہ اپنی نصیحتیں فروخت کروں' خلیفہ کیونکہ آپ کا مزاج سمجھ گیا تھا اس لئے اس نے زاد راہ لینے پر اصرار نہیں کیا' اور انھیں بعد عزت وتکریم رخصت کیا۔

ابن مہاجر بیان کرتے ہیں کہ خلیفہ منصور حج کے ارادے سے مکہ مکرمہ حاضر ہوا تو اس نے اپنا معمول بنایا کہ دار الندوہ سے رات کے آخری حصے میں نکلتا' طواف کرتا' اور نوافل پڑھتا' لوگوں کو یہ معلوم ہی نہیں ہوتا کہ خلیفہ طواف کررہا ہے' یا نماز میں مشغول ہے' طلوع فجر کے بعد وہ دار الندوہ میں واپس آتا' مؤذن آتے' اسے سلام کرتے اور نماز کی اطلاع دیتے' نماز ہوتی اور وہ لوگوں کی امامت کرتا۔ ایک رات طواف کے دوران ملتزم کے پاس گزر ہوا تو اس نے کسی شخص کو یہ دعا مانگتے ہوئے سنا کہ اے اللہ! میں تیرے حضور یہ شکایت لے کر حاضر ہوا ہوں کہ زمین پر ظلم وفساد کا دور دورہ ہے' اور حقدار کے حق کے درمیان طمع اور ظلم حائل ہوگیا ہے' منصور تیزی سے اس طرف گیا' اور کان لگا کر اس کی بات سنی' پھر واپس آیا اور مسجد کے ایک گوشے میں جا بیٹھا' اور کسی خادم کو حکم دیا کہ وہ دعا مانگنے والے کو بلا کر لائے' خادم نے اسے امیر المومنین کا حکم پہنچایا' اس نے حجر اسود کا بوسہ دیا' اور

دو رکعت نماز ادا کی' اور قاصد کے ساتھ منصور کے پاس پہنچا' اور اسے سلام کیا' منصور نے اس سے پوچھا کہ تم یہ کیا کہہ رہے تھے' کہ زمین پر فساد پھیل گیا ہے' اور مستحقین کے حقوق طمع کے ذریعہ پامال ہو رہے ہیں' اس نے عرض کیا کہ اگر امیرالمومنین جاں بخشی کا وعدہ فرمائیں تو حقیقت حال عرض کروں' منصور نے کہا ہم وعدہ کرتے ہیں' تم صحیح بات بیان کرو جب سے ہم نے تمہارے الفاظ سنے ہیں' دل مضطرب ہے' اور طبیعت پریشان ہے' اس نے کہا جس شخص کو طمع ولالچ کی زنجیروں نے جکڑ رکھا ہے' اور جس نے حقداروں کو انکے حق سے محروم کردیا ہے' وہ آپ ہی ہیں' منصور نے کہا : کم بخت میں کیوں طمع کرنے لگا جب کہ میں سیاہ سفید کا مالک ہوں' اور ہر اچھی بری چیز میرے قبضے میں ہے۔ اس شخص نے کہا کہ جتنی طمع آپ کے اندر پیدا ہوگئی ہے کسی میں بھی نہیں ہے' اللہ تعالیٰ نے آپ کو مسلمانوں کا حکمران مقرر کیا ہے' اور انکے مال آپ کے قبضے میں دیئے ہیں' اور آپ کا حال یہ ہے کہ آپ ان سے غافل ہیں' اور اپنے مال کی افزائش میں مشغول ہیں' آپ نے اپنے اور مسلمانوں کے درمیان پتھر کی دیواریں' اور لوہے کے دروازے حائل کردیئے ہیں' اور ان دروازوں پر مسلح دربانوں کا ہجوم ہے' اندر آپ قید ہیں' لوگوں سے مال وصول کرنے پر آپ نے عمال متعین کررکھے ہیں' وزراء اور مددگاروں کی ایک بڑی فوج آپ کے اردگرد موجود ہے' حالانکہ یہ ایسے نہیں کہ اگر آپ کوئی بات بھول جائیں تو آپ کو یاد دلادیں' اور آپ کو یاد ہو تو عمل پر آپ کی مدد کریں۔ آپ نے خزانوں کے منھ کھول کر' سواریاں مہیا کرکے اور جسموں پر ہتھیار سجا کر ظلم پر انھیں جری کردیا ہے' باہر لوگ دندناتے پھرتے ہیں' انکے ظلم کی شنوائی ہیں' مظلوموں کی داد رسی نہیں' کیونکہ آپ نے لوگوں کی آمدورفت پر پابندی لگا رکھی ہے' چند مخصوص اور متعین لوگوں کے علاوہ کوئی شخص آپ تک نہیں پہنچ سکتا' آپنے اپنے دربانوں سے یہ نہیں کہا کہ اگر کوئی مظلوم پریشان حال' بھوکا ننگا' کمزور' اور مسکین وعاجز قصر خلافت کا دروازہ کھٹکھٹائے تو اسے اندر آنے دیا جائے۔ آپ کے حاشیہ نشین' مصاحب' اور وزراء واعوان نے جب یہ دیکھا کہ خود خلیفہ کسی حق کے بغیر بیت المال کی اس رقم کو اپنے ذاتی اغراض کی تکمیل میں صرف کررہا ہے جو مسلمانوں کے لئے ہے تو انہوں نے بھی خیانت شروع کردی' انہوں نے سوچا کہ جب خلیفہ اللہ کی خیانت کرسکتا ہے تو ہم خلیفہ کی خیانت کیوں نہیں کرسکتے؟ اس لئے انہوں نے باہمی اتفاق سے یہ بات طے کرلی کہ عوام کی کوئی بات' ملک کا کوئی مسئلہ آپ تک نہ پہنچے' صرف وہ باتیں آپ کے علم میں آئیں جنھیں وہ ضروری سمجھیں' اسی طرح اگر کوئی عامل آپ کی طرف سے کہیں جاتا ہے اور وہ ان کی مخالفت کرتا ہے تو وہ اسے رہنے دیتے' اس کی تذلیل کرتے ہیں' اور آپ کی نظروں میں اس کی قدر ومنزلت گرادیتے ہیں' آپ کے مقربین کا حال یہ ہے کہ لوگ ان سے ڈرتے ہیں' اور انہیں بڑا سمجھتے ہیں' خود آپ کے عمال اور کارکن ان کی عظمت کے معترف ہیں' اور وقتاً فوقتاً ان کی خدمت میں ہدایا پیش کرکے اس عظمت کا اعتراف کرتے ہیں' اور جب وہ ان مقربین کی قربت حاصل کرلیتے ہیں تو عوام پر ظلم کرنے میں کوئی خوف یا جھجک ان کی راہ میں رکاوٹ نہیں بنتی' یہ لوگ مالداروں اور خوش حال لوگوں سے رشوتیں لیتے ہیں' اور اس کے صلے میں انہیں کم حیثیت' غریب لوگوں پر ظلم کرنے کی آزادی دیتے ہیں۔ خدائے پاک کی یہ سرزمین شروفساد' حرص وہوس اور ظلم وجبر سے لبریز ہوگئی ہے' یہ تمام لوگ آپ کے اقتدار میں شریک ہیں' اور آپ ان سے غافل ہیں' جب کوئی مظلوم کسی ظالم کی شکایت لے کر آپ کے پاس آتا ہے تو اسے آپ کے پاس جانے نہیں دیا جاتا' اگر کوئی شخص یہ چاہے کہ وہ کسی ایسے موقع پر جب کہ آپ اپنی خلوت سے باہر آئیں تو آگے بڑھ کر ذرا بلند آواز سے آپ کو اپنی مظلومیت کی داستان سنادے تو اسے روک دیا جاتا ہے' آپ نے مظلوموں کی شکایات سننے کے لئے ایک ناظر مقرر کررکھا ہے' جب کوئی مظلوم اس کے پاس اپنی شکایت لے کر پہنچتا ہے تو آپ کے حاشیہ بردار اسے اس شکایت کو آپ تک پہنچانے سے روک دیتے ہیں' ناظر بے چارہ ان کے احکامات پر عمل کرنے پر مجبور ہے خواہ اسے آپ کے دربار میں عزت ومرتبہ ہی کیوں نہ حاصل ہو' مظلوم کی شنوائی نہیں ہوتی' اس کی شکایات کا ازالہ نہیں کیا جاتا' بلکہ اسے نکال دیا جاتا ہے' یا کوئی بہانہ کردیا جاتا ہے' اگر کوئی باہمت مظلوم آپ کی سواری نکلنے کے موقع پر باآواز بلند اپنی شکایت سنانا چاہتا ہے تو اس ے زدوکوب کیا جاتا ہے' یہاں تک کہ اس کے جسم کا جوڑ جوڑ ہل جاتا ہے' آپ اس دوران

خاموش تماشائی بنے رہتے ہیں، نہ انہیں منع کرتے ہیں' اور نہ ظالمین کو سزا دیتے ہیں' کیا اسلام نام کی کوئی چیز باقی رہ گئی' کیا ہمیں مسلمان کہلانے کا استحقاق ہے؟ پہلے بنوامیّہ کی حکومت تھی' جب کبھی کوئی مظلوم ان کے دربار میں پہنچا اس کی فوری شنوائی ہوئی' اور حق و انصاف کے ساتھ اس کی شکایت دور کی گئی' بارہا ایسا ہوتا کہ ملک کے آخری کناروں سے لوگ آتے اور قصر سلطانی کی بلند و بالا دیوار اور پُرشکوہ دروازوں سے مرعوب ہوئے بغیر اہل اسلام کو آواز دیتے تو لوگ انکی طرف لپکتے' اور ان سے پوچھتے کہ کیا بات ہے؟ تمہیں کیا شکایت ہے؟ وہ اپنے اوپر ڈھائے جانے والے ظلم کی کہانی سناتے اور انصاف پاتے۔ امیر المومنین میں نے ایک مرتبہ چین کا سفر کیا' ان دنوں اس ملک پر جو شخص حکومت کر رہا تھا' وہ نہایت خدا ترس اور نیک تھا۔ جب میں چین کی حدود میں داخل ہوا اور اس بادشاہ کے دربار میں پہنچا تو یہ قصہ سب کی زبانوں پر تھا کہ انکے بادشاہ کی سماعت میں خلل پیدا ہو گیا ہے اور اب وہ کوئی بات سن نہیں پاتا۔ قوت سماعت سے محرومی کے باعث بادشاہ حد درجہ ملول رہتا' اور بعض اوقات رونے لگتا' وزراء رونے کی وجہ دریافت کرتے تو وہ کہتا کہ میں اس مصیبت کی وجہ سے نہیں رو رہا ہوں' جو مجھ پر نازل ہوئی بلکہ اس مظلوم کی وجہ سے رو رہا ہوں جو میرے دروازے پر آئیگا' چیخ چیخ کر اپنی فریاد پیش کرے گا لیکن میں اس مظلوم کی آواز نہیں سن پاؤں گا۔ پھر اس نے یہ کہا اگرچہ میری سماعت باقی نہیں رہی لیکن بینائی تو باقی ہے تم لوگ پورے ملک میں اعلان کرادو کہ سرخ رنگ کا لباس صرف مظلوم پہنے مظلوم کے علاوہ کوئی نہ پہنے' چنانچہ وہ صبح و شام گشت لگایا کرتا تھا تاکہ سرخ لباس پہنے ہوئے کوئی مظلوم اسے نظر آجائے اور وہ اس کے ساتھ انصاف کر سکے۔ امیر المومنین! غور فرمائیں' چین کا شہنشاہ اپنے کفر و شرک کے باوجود اپنی رعایا کے ساتھ رحم و کرم' اور عدل و انصاف کا معاملہ کرتا ہے' جب کہ آپ اللہ پر ایمان رکھتے ہیں' اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا کی اولاد میں سے ہیں' اسکے باوجود آپ مسلمانوں پر رحم نہیں کرتے' اور اپنے نفس کو ملک پر ترجیح دیتے ہیں۔ آپ مال سمیٹنے میں منہمک ہیں' حالانکہ جن وجوہات کی بناء پر آپ مال جمع کر رہے ہیں وہ سب فانی ہیں' مثلاً اگر آپ یہ کہیں کہ میں اولاد کے لئے مال جمع کر رہا ہوں تو اللہ نے پہلے ہی بچے کے سلسلے میں عبرت کا مشاہدہ کرادیا ہے' جب بھی کوئی بچہ ماں کے پیٹ سے باہر آتا ہے خالی ہاتھ آتا ہے' زمین پر اس کے لئے کوئی مال نہیں ہوتا' اور کوئی مال ایسا نہیں ہوتا جس پر کسی کا قبضہ نہ ہو' مگر اللہ تعالیٰ کی عنایت اس کے شامل حال ہوتی ہے' اور وہ مال سے محروم نہیں ہوتا بلکہ جو کچھ اسکے مقدر میں ہوتا ہے حاصل کرلیتا ہے' یہ مال اسے آپ نہیں دیتے بلکہ اللہ تعالیٰ عطا فرماتے ہیں' اگر آپ یہ کہیں کہ میں اپنے اقتدار کے استحکام اور سلطنت کی پائداری کے لئے جمع کر رہا ہوں تو یہ مقصد بھی اہم نہیں ہے' آپ کے پیش روؤں نے سونے چاندی کے انبار لگائے' اور بے حد و حساب مال جمع کیا' لیکن کیا ان کا اقتدار مستحکم ہوا؟ جب موت آئی تو جاہ و حشم' عزت و رتبہ اور مال دولت کچھ کام نہ آیا' اسی طرح جب اللہ تعالیٰ کے اور آپ کے بھائیوں کے پاس مال دینے کا ارادہ کیا تو خوب دیا' اور یہ امر رکاوٹ نہ بنا کہ اس سے پہلے آپ کے اور آپ کے بھائیوں کے پاس مال کم تھا' اگر آپ یہ کہیں کہ میں موجودہ زندگی سے بہتر زندگی حاصل کرنے کے لئے مال جمع کرتا ہوں' تو یہ بات یاد رکھیں کہ اس سے بہتر زندگی اعمال صالحہ ہی کے ذریعہ حاصل ہو سکتی ہے۔ امیر المومنین! مجھے بتلائیں کیا آپ اپنے کسی محکوم کو قتل سے بڑھ کر کوئی سزا دے سکتے ہیں' منصور نے جواب دیا : نہیں' اس شخص نے کہا کہ پھر اس ملک کو لے کر کیا کریں گے جس کی حکومت آپ کو تفویض کی گئی ہے' اللہ تعالیٰ تو اپنے نافرمانوں کو قتل کی سزا نہیں دیتے' بلکہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے عذاب الیم میں مبتلا کر دیتے ہیں' اس دن کا تصور کیجئے جب بادشاہ حقیقی یہ سلطنت چھین لیں گے' اور آپ کو حساب کے لئے بارگاہ خداوندی میں پیش ہونا ہوگا' دنیاوی اقتدار و سلطنت کی یہ خواہش اللہ تعالیٰ کے یہاں کچھ کام نہ آئے گی' منصور یہ سن کر بہت رویا' یہاں تک کہ اسکی ہچکیاں بندھ گئیں' اور کہنے لگا' اے کاش میں پیدا ہی نہ ہوا ہوتا' اے کاش میں کچھ نہ ہوتا' پھر اس نے ناصح سے دریافت کیا کہ مجھے بتلاؤ میں اس سلطنت میں جو مجھے عطا ہوئی ہے کیا تدبیر کروں اور ان خیانت پیشہ لوگوں سے کس طرح نمٹوں جو میرے ارد گرد موجود ہیں' مجھے تو سب خائن ہی نظر آتے ہیں' ایسے لوگ کہاں سے لاؤں جو دیانت داری کے ساتھ میری اعانت کر سکیں؟ اس نے جواب دیا کہ آپ صالحین امت کو اپنے ساتھ

رکھیں' منصور نے پوچھا وہ کون لوگ ہیں؟ اس نے جواب دیا کہ یہ علماء ہیں' منصور نے کہا کہ علماء مجھ سے راہ فرار اختیار کئے ہوئے ہیں' اس نے کہا کہ علماء آپ سے اس لئے دور رہتے ہیں کہ کہیں آپ ان کے ساتھ بھی وہی رویہ اختیار نہ کریں جو عمال اور خدام کے ساتھ ہے' سب سے پہلے تو آپ کو اپنے دروازے ہر خاص و عام کے لئے وا کرنے چاہئیں' اور مسلح دربانوں کا ہجوم کم کرنا چاہیے' ظالم سے مظلوم کا انتقام لینا' ظالم کو ظلم سے روکنا' حلال ذرائع سے مال حاصل کرنا اور عدل کے ساتھ تقسیم کرنا آپ کا شیوہ ہونا چاہیے' اگر آپ نے ان تدابیر پر عمل کیا تو میں اس کی ضمانت لیتا ہوں کہ جو لوگ آج گریزاں ہیں وہ کل آپکے پاس آئیں گے' اور رعایا کی بہتری کے لئے آپ کی مدد کریں گے۔ منصور نے دعا کی اے خداوند کریم مجھے ان تدابیر پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرما۔ ابھی یہ گفتگو جاری تھی کہ حرم شریف کے مؤذنوں نے آکر نماز کی اطلاع دی' منصور نماز کے لئے اٹھ کھڑا ہوا۔ نماز سے فراغت کے بعد منصور نے شاہی محافظ کو حکم دیا کہ اس شخص کو بلا کر لائے' جو ابھی مجھ سے باتیں کر رہا تھا' اگر تو نے میرے حکم کی تعمیل نہیں کی تو میں تیری گردن قلم کردوں گا۔ بے چارہ محافظ افتاں لرزاں اس نامعلوم شخص کی تلاش میں نکلا' طویل اور صبر آزما تلاش کی بعد محافظ نے دیکھا کہ وہ شخص ایک گھاٹی میں نماز ادا کر رہا تھا' جب وہ شخص نماز سے فارغ ہوا تو محافظ نے اس سے پوچھا کہ کیا آپ اللہ تعالیٰ کو پہچانتے ہیں؟ جواب دیا : ہاں پہچانتا ہوں' محافظ نے کہا کہ' اگر آپ اللہ کی معرفت رکھتے ہیں اور اس سے ڈرتے ہیں تو میرے ساتھ چلئے' امیرالمومنین نے آپ کو طلب فرمایا ہے' اور انھوں نے قسم کھائی ہے کہ اگر میں آپ کو لے کر نہ پہنچا تو وہ مجھے قتل کردیں گے۔ اس نے کہا اب تو میں جاؤں گا نہیں' البتہ وہ میرے نہ جانے کی وجہ سے تجھے قتل نہیں کرے گا۔ محافظ نے پوچھا اسکی وجہ؟ اس نے کہا کہ میں تجھے ایک پرچہ دیتا ہوں' کیا تجھے پڑھنا آتا ہے؟ محافظ نے جواب دیا : نہیں۔ اس نے اپنے تھیلے سے ایک پرچہ نکال کر محافظ کو دیا اور کہا کہ اسے جیب میں رکھلے' اسمیں "دعائے کشادگی" لکھی ہوئی ہے' محافظ نے پوچھا "دعائے کشادگی" کسے کہتے ہیں' اس نے کہا کہ دعائے کشادگی صرف شہیدوں کو عطا کی جاتی ہے' محافظ نے عرض کیا کہ جب آپ نے مجھ پر اتنا کرم فرمایا ہے تو یہ بھی بتلادیں کہ اس دعا کی کیا فضیلت اور کیا خصوصیت ہے' اور اس دعا کے کیا الفاظ ہیں؟ اس نے جواب دیا کہ جو شخص اسے صبح و شام پڑھے گا اس کے گناہ معاف کردئے جائیں گے' اس کے لئے دائمی خوشی لکھ دی جائے گی' اس کی دعا قبول ہوگی' اسے رزق میں کشادگی عطا ہوگی' اس کی امیدیں پوری ہوں' دشمنوں پر فتح نصیب ہوگی' اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کا شمار صدیقین میں ہوگا' اور اسے شہادت کی موت نصیب ہوگی۔ وہ دعا یہ ہے :-

اَللّٰهُمَّ كَمَا لَطَفْتَ فِيْ عَظَمَتِكَ دُوْنَ اللُّطَفَاءِ' وَعَلَوْتَ بِعَظَمَتِكَ عَلَى الْعُظَمَاءِ' وَعَلِمْتَ مَا تَحْتَ أَرْضِكَ كَعِلْمِكَ بِمَا فَوْقَ عَرْشِكَ' وَكَانَتْ وَسَاوِسُ الصُّدُوْرِ كَالْعَلَانِيَةِ عِنْدَكَ' وَعَلَانِيَةُ الْقَوْلِ كَالسِّرِّ فِيْ عِلْمِكَ' وَانْقَادَ كُلُّ شَيْءٍ لِعَظَمَتِكَ' وَخَضَعَ كُلُّ ذِيْ سُلْطَانٍ لِسُلْطَانِكَ' وَصَارَ أَمْرُ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ كُلُّهُ بِيَدِكَ' اِجْعَلْ لِيْ مِنْ كُلِّ هَمٍّ أَمْسَيْتُ فِيْهِ فَرَجًا وَمَخْرَجًا' اَللّٰهُمَّ إِنَّ عَفْوَكَ عَنْ ذُنُوْبِيْ وَتَجَاوُزَكَ عَنْ خَطِيْئَتِيْ وَسَتْرَكَ عَلَى قَبِيْحِ عَمَلِيْ أَطْمَعَنِيْ أَنْ أَسْأَلَكَ مَا لَا أَسْتَوْجِبُهُ لِمَا قَصَرْتُ فِيْهِ' أَدْعُوْكَ آمِنًا' وَأَسْأَلُكَ مُسْتَأْنِسًا' وَإِنَّكَ الْمُحْسِنُ إِلَيَّ' وَأَنَا الْمُسِيْءُ إِلَى نَفْسِيْ فِيْمَا بَيْنِيْ وَبَيْنَكَ تَتَوَدَّدُ إِلَيَّ بِالنِّعَمِ وَأَتَبَغَّضُ إِلَيْكَ بِالْمَعَاصِيْ' وَلٰكِنَّ الثِّقَةَ بِكَ حَمَلَتْنِيْ عَلَى الْجُرْأَةِ عَلَيْكَ فَعُدْ بِفَضْلِكَ وَإِحْسَانِكَ عَلَيَّ' إِنَّكَ أَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ

اے اللہ! جیسے تو عظمت میں دوسرے لطیفوں کے سوا لطیف ہوا' اور اپنی عظمت کے تمام عظمتوں پر برتر ہوا' اور زمین کے نیچے کا حال تو نے اسی طرح جانا جس طرح تو عرش کے اوپر کا حال جانتا ہے' سینوں کے

وسوسے تیرے نزدیک کھلی بات کی طرح ہیں' اور کھلی بات تیرے علم میں چھپی بات کی طرح ہے' (یعنی تیرے لئے علانیہ اور سر میں کوئی فرق نہیں ہے) ہر چیز تیری عظمت کے سامنے سرنگوں ہے' اور ہر ذی اقتدار تیرے اقتدار کے سامنے پست ہے' دنیا و آخرت کے تمام امور تیرے ہاتھ میں ہیں' تو ہر اس غم سے جس میں میں مبتلا ہوں نجات عطا فرما۔ اے اللہ! تو نے میرے گناہ معاف کئے' میری غلطیوں سے درگزر کیا' اور میری بداعمالیوں کی پردہ پوشی کی' تیرے اس سلوک نے مجھے یہ طمع دلائی کہ میں تجھ سے ایسی چیز کی درخواست کروں جس کا میں اپنے قصور کے باعث مستحق نہیں ہوں' میں تجھ سے بے خوف ہو کر اور مانوس ہو کر سوال کرتا ہوں' تو مجھ پر احسان کرتا ہے اور میں اپنے نفس کے ساتھ برائی کرتا ہوں' تو نعمتوں سے نواز کر مجھے دوست بناتا ہے' اور میں گناہ کر کے تجھے ناراض کرتا ہوں۔ لیکن تیری ذات پر میرے اعتماد نے مجھے اس جرأت پر اکسایا ہے' تو مجھ پر اپنے فضل و احسان کا اعادہ فرما تو توبہ قبول کرنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔

محافظ کہتا ہے کہ میں نے وہ پرچہ لے کر اپنی جیب میں رکھ لیا' اور امیر المومنین کی خدمت میں حاضر ہوا' جب میں نے انھیں سلام کیا تو انھوں نے نظر اٹھائی' میری طرف دیکھ کر تبسم فرمایا' اور کہنے لگا کہ نالائق! تو جادو خوب جانتا ہے' میں نے عرض کیا : نہیں! یا امیر المومنین! بخدا میں سحر نہیں جانتا' پھر میں نے قصہ سنایا' خلیفہ نے مجھ سے وہ تعویز طلب کیا جو بڑے میاں نے مجھے دیا تھا' اور مجھ سے کہا کہ جا تو بچ گیا' ورنہ میں تجھے ضرور قتل کر دیتا۔ پھر اس تعویز کی نقل تیار کرائی' اور مجھے دس ہزار درہم دئے' پھر مجھ سے دریافت کیا کہ تم جانتے ہو وہ بڑے میاں کون تھے؟ میں نے عرض کیا : نہیں' انھوں نے کہا کہ وہ حضرت خضر علیہ السلام تھے۔

ابو عمران الجونیؒ کہتے ہیں کہ جب ہارون رشید منصب خلافت پر فائز ہوئے تو علماء اس سے ملنے کے لئے اور مبارک باد دینے کے لئے قصر خلافت پہنچے' ہارون رشید نے خزانوں کے منہ کھول دئے تھے' اور آنے والوں کو بڑے بڑے انعامات' اور فاخر نواز رہا تھا۔ تخت خلافت پر متمکن ہونے سے پہلے ہارون رشید علماء اور فقراء کی صحبت میں وقت گزار رہا تھا' خاص طور پر حضرت سفیان ثوریؒ سے گہرے روابط تھے' اور ان کے پاس بہت زیادہ اٹھنا بیٹھنا تھا۔ خلافت ملنے کے بعد سب ہی لوگ آئے' لیکن حضرت سفیان ثوریؒ نہیں آئے' جب کہ ہارون رشید کو ان سے ملنے' اور تنہائی میں باتیں کرنے کا بڑا اشتیاق تھا۔ اس موقع پر حضرت سفیان ثوری کا نہ آنا اس پر بڑا گراں گزر رہا تھا۔ مجبوراً اس نے ایک خط لکھا' خط کا مضمون یہ تھا "بسم اللہ الرحمٰن الرحیم! اللہ کے بندے ہارون رشید امیر المومنین کی طرف سے اپنے بھائی سفیان ابن سعید ابن المنذر کے نام' اما بعد! برادر محترم! آپ یہ بات اچھی طرح جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے مومن بندوں کے درمیان بھائی چارہ قائم فرمایا ہے اور اس رشتے کو اپنے لئے' اور اپنے باب میں قرار دیا ہے' واضح ہو کہ میں نے آپ سے اخوت کا جو رشتہ قائم کیا تھا اسے منقطع نہیں کیا' نہ آپ سے دوستی کی' بلکہ میرے دل میں آج بھی آپ کے لئے بہترین محبت' اور کامل ترین عقیدت ہے' اگر خلافت کا طوق میری گردن میں نہ ہوتا تو میں سر کے بل چل کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوتا' کیوں کہ میرے دل میں آپ کی بے پناہ محبت ہے۔ اے ابو عبداللہ! آپ کو یہ بات معلوم ہونی چاہیے کہ میرے اور آپ کے دوستوں اور بھائیوں میں سے کوئی ایسا نہیں ہے جو مجھے مبارک باد دینے نہ آیا ہو' میں نے ان سب کے لئے بیت المال کے دروازے کھول دئے' اور انھیں قیمتی انعامات دئے' جس سے مجھے قلبی مسرت حاصل ہوئی' لیکن کیونکہ آپ نے آنے میں تاخیر کی ہے اسلئے اپنے اشتیاق کی شدت کا اظہار اس خط کے ذریعہ کر رہا ہوں' اور یہ بات آپ کو معلوم ہی ہے کہ مومن سے ملاقات کرنے اور اس سے رشتۂ اخوت قائم کرنے اور اس رشتے کو برقرار رکھنے کے کتنے فضائل ہیں' جب میرا یہ خط آپ تک پہنچے تو آپ میرے پاس آنے میں ہر ممکن عجلت سے کام لیں" خط لکھنے کے بعد ہارون رشید نے حاضرین مجلس کی طرف دیکھا گویا اسے کسی ایسے شخص کی تلاش ہو جو اس خط کو مکتوب الیہ تک پہنچائے' لیکن کیونکہ وہ سب لوگ حضرت سفیان ثوریؒ کی سخت گیری

اور تند مزاجی سے واقف تھے اسلئے کسی نے بھی خط لے کر جانے کی حامی نہیں بھری' ہارون رشید نے حکم دیا کہ کسی دربان کو حاضر کیا جائے' عباد طالقانی نامی دربان آیا' اور اس کے سپرد یہ کام کیا گیا' ہارون رشید نے اس سے کہا کہ تم یہ خط لے کر کوفے جاؤ' اور وہاں پہنچ کر قبیلۂ ثور کا پتا معلوم کرو' اسی قبیلے کے ایک فرد سفیان ثوری ہیں' جب تم ان کے پاس پہنچ جاؤ تو انھیں یہ خط دے دینا' خبردار آنکھ اور کان کھلے رکھنا' جو کچھ دیکھو اور سنو وہ محفوظ کرلینا' اور مجھے آکر بتلانا۔ عباد نے خط لیا' اور کوفے کے لئے عازم سفر ہوا' منزل پر پہنچ کر قبیلہ ثور کا نشان و پتا معلوم کیا' اور قبیلے میں جاکر سفیان ثوریؒ کے متعلق پوچھا' لوگوں نے بتلایا کہ وہ مسجد میں تشریف رکھتے ہیں' قاصد کہتا ہے کہ میں نے مسجد کا رخ کیا' مجھے دیکھا تو سفیان ثوری اپنی جگہ سے اٹھ کھڑے ہوگئے' اور فرمایا کہ میں رب سمیع و بصیر کی پناہ مانگتا ہوں شیطان مردود سے' اے اللہ! میں تیری پناہ چاہتا ہوں ہر اس آنے والے سے جس کا آنا شر کا باعث ہو' خیر کا باعث نہ ہو' ان الفاظ سے میرے دل کو ٹھیس پہنچی' جب انھوں نے دیکھا کہ میری سواری مسجد کے دروازے پر ٹھہر گئی ہے اور اب میں اتر کر اندر آنا ہی چاہتا ہوں تو انھوں نے نماز شروع کردی' حالانکہ وہ وقت نماز کا نہیں تھا' بہرحال میں نے سواری کو مسجد کے دروازے سے باندھا اور اندر داخل ہوا' انکے رفقاء اس طرح سر جھکائے بیٹھے ہوئے تھے گویا وہ چور ہوں' اور کسی حاکم کے سامنے پابہ زنجیر لائے گئے ہوں' اور اب سزا کے خوف سے لرز رہے ہوں' میں نے انھیں سلام کیا' مگر انھوں نے زبان سے جواب دینے کے بجائے ہاتھ کے اشارے سے میرے سلام کا جواب دیا' میں ان کے قریب جاکر کھڑا ہوگیا' ان میں سے کسی نے بھی مجھ سے بیٹھنے کے لئے نہیں کہا' میری حالت عجیب تھی میں ان کی ہیبت سے لرز رہا تھا' بہرحال میں نے اندازے سے یہ بات معلوم کی کہ نماز پڑھنے والے ہی سفیان ثوری ہیں' چنانچہ میں نے امیرالمومنین کا خط انکی طرف پھینک دیا' جب انھوں نے خط دیکھا تو کانپ اٹھے' اور اس سے دور ہٹ گئے گویا وہ خط نہ ہوا زہریلا سانپ ہو' انھوں نے رکوع و سجود کئے' سلام پھیرا اور اپنے چغے کی آستین کے اندر ہاتھ ڈالا' اور ہاتھ کو کپڑے میں لپیٹ کر خط اٹھایا' اور اسے اپنے پیچھے بیٹھے ہوئے شخص کی طرف پھینک دیا' اور فرمایا کہ تم میں سے کوئی شخص اسے پڑھے' میں تو اللہ سے معافی چاہتا ہوں کہ کسی چیز کو ہاتھ لگاؤں جسے ظالم نے چھوا ہو' عباد کہتا ہے کہ حاضرین میں سے ایک نے وہ لفافہ اٹھایا اور اسے اس طرح ڈرتے کھولا گویا سانپ منہ کھولے ہوئے بیٹھا ہو' اسی عالم میں اس نے خط کا مضمون سنایا' سفیان اس دوران زیر لب مسکراتے رہے' پڑھنے والا خط پڑھ چکا تو انھوں نے فرمایا کہ اس خط کی پشت پر جواب لکھو' لوگوں نے عرض کیا : ابوعبداللہ! وہ خلیفہ ہیں آپ کو کسی صاف ستھرے کاغذ پر ان کے خط کا جواب لکھنا چاہیے' سفیان ثوری نے فرمایا نہیں! اسی طرح لکھو جس طرح میں کہہ رہا ہوں' ظالم کو اس کے خط کی پشت پر لکھنا چاہیے' اگر اس نے یہ کاغذ حلال ذرائع سے حاصل کیا ہوگا تو اسے اس کا اجر ملے گا' اور ناجائز طریقے سے حاصل کیا ہوگا تو اسکی سزا بھگتے گا' ہمارے پاس کوئی ایسی چیز باقی نہ رہنی چاہئے جسے ظالم نے ہاتھ لگایا ہو' ایسا نہ ہو کہ وہ چیز ہمارا دین فاسد کردے' ان سے پوچھا گیا کہ جواب میں کیا لکھا جائے' فرمایا : لکھو "بسم اللہ الرحمن الرحیم! گنہگار بندے سفیان ابن سعید ابن المنذر ثوری کی طرف سے مبتلائے فریب بندے ہارون رشید کے نام جس سے ایمان کی حلاوت سلب کرلی گئی ہے' میں تمہیں یہ اطلاع دینے کے لئے خط لکھ رہا ہوں کہ میں نے تم سے اخوت اور صداقت کا رشتہ منقطع کرلیا ہے' اور اب میں نے تم سے دشمنی اختیار کرلی ہے' کیونکہ تم نے یہ لکھ کر مجھے اپنے خلاف گواہ بنالیا ہے کہ میں نے بیت المال کے دروازے کھول دئے ہیں' اور غیر مستحقین میں خوب دل کھول کر خرچ کررہا ہوں' پھر تم نے اسی پر قناعت نہیں کی' بلکہ مجھے خط لکھ کر اپنے خلاف گواہ بنانے کی کوشش کی' حالانکہ میں تم سے دور ہوں' اور مجھے تمہاری بداعمالیوں کی اطلاع نہیں ہے' بہرحال اب حقیقت ہمارے سامنے آچکی ہے میں اور میرے وہ تمام رفقاء جنھوں نے تمہارا یہ خط پڑھا ہے قیامت کے روز باری تعالیٰ کے حضور تمہارے خلاف گواہی دیں گے' اے ہارون! تم نے بیت المال کا مال اسکے مستحقین کی رضامندی کے بغیر لٹایا ہے' کیا تمہارے اس فعل سے مؤلفۃ القلوب' عاملین صدقات' اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے' مسافر' حفاظ' علماء بیوائیں اور یتیم راضی ہیں' کیا تمہاری رعایا نے اس فعل کو پسندیدگی کی نظروں سے دیکھا ہے' اے ہارون! اکمر کس

لو' اور حساب دینے کے لئے تیار ہو جاؤ' اچھی طرح جان لو کہ تمہیں عادل حاکم کے سامنے حاضر ہونا ہے تم سے تمہارے نفس کے سلسلے میں محاسبہ ہوگا' کیونکہ تم نے علم عبادت قرآن کریم کی تلاوت اور نیک لوگوں کی صحبت کی حلاوت ضائع کردی ہے' اور اپنے لئے ظالموں کی امامت کا منصب اختیار کرلیا ہے۔ اے ہارون! تم تخت شاہی پر بیٹھے ہو' تمہارے جسم پر ریشم و کم خواب کا لباس ہے' تمہارے محل کے دروازوں پر پردے آویزاں ہیں' ان حجابوں سے تم رب العالمین کی مشابہت پیدا کرنا چاہتے ہو' ظالم سپاہی تمہارے دروازے پر نگرانی کررہے ہیں' یہ لوگ معصوم رعایا کو اپنے ظلم و ستم کا نشانہ بناتے ہیں' خود شراب پیتے ہیں اور دوسروں کو شراب پینے پر مارتے ہیں' خود زنا کرتے ہیں اور دوسرے زنا کرنے والوں پر حد جاری کرتے ہیں' خود چوری کرتے ہیں' اور دوسرے چوروں کے ہاتھ کاٹتے ہیں کیا تم اور تمہارے ساتھی ان احکام کے پابند نہیں ہیں' صرف وہی لوگ مکلف ہیں جو تمہارے محکوم ہیں اے ہارون! کل تم پر کیا گزرے گی جب باری تعالیٰ کی طرف سے یہ اعلان ہوگا۔

اُحْشُرُوا الَّذِينَ ظَلَمُوا وَأَزْوَاجَهُمْ (پ ۲۳ر ۶ آیت ۲۲)

جمع کرلو' ظالموں کو اور ان کے ہم مشربوں کو۔

تمہیں اور تمہارے معین و مددگار ظلم پیشہ لوگوں کو اس حال میں رب کریم کے سامنے پیش کیا جائے گا کہ تمہارے ہاتھ تمہاری گردنوں پر بندھے ہوئے ہوں گے' اور انھیں تمہارے عدل کے علاوہ کوئی چیز نہ کھول سکے گی' ظالموں کا ہجوم تمہارے ارد گرد ہوگا' اور تم دوزخ میں جانے کیلئے انکی قیادت کروگے' اے ہارون! تمہارا انجام میری آنکھوں کے سامنے ہے' میں دیکھ رہا ہوں کہ تمہاری گردن پکڑی گئی ہے' اور تمہیں اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش کیا گیا ہے' تم اپنی نیکیاں دوسروں کے پلڑے میں اور دوسروں کی برائیاں اپنے پلڑے میں دیکھ رہے ہو' اس پلڑے میں تمہاری اپنی بھی برائیاں ہیں' مصیبتوں کی یلغار ہے' اور بدترین تاریکی مسلط ہے' میں تمہیں وصیت کرتا ہوں' اس وصیت کو حرز جاں بنالو' اور میری نصیحتوں کو اپنے دل پر نقش کرلو' میری یہ وصیت تمہاری خیر خواہی کی آئینہ دار ہے' اے ہارون! رعایا کے سلسلے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرو' اور امت کے سلسلے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کو مشعل راہ بناؤ' اور ان پر اچھی طرح حکومت کرو' اور یہ بات ذہن نشین رکھو کہ اگر حکومت فانی اور غیر پائیدار نہ ہوتی تو تم تک نہ پہنچتی' جس طرح یہ دوسروں سے تمہیں ملی ہے' اسی طرح تم سے چھین کر دوسروں کو دیدی جائے گی' دنیا کا حال یہی ہے کہ وہ ایک سے دوسرے کے پاس اور دوسرے سے تیسرے کے پاس منتقل ہوتی رہتی ہے' ان میں سے بعض اس دنیا سے زاد راہ تیار کرلیتے ہیں' اور وہ انھیں مستقبل کے سفر میں نفع پہنچاتا ہے' بعض لوگ دنیا کے ساتھ ساتھ آخرت کا خسارہ بھی برداشت کرتے ہیں' اے ہارون! میں تمہیں ان ہی لوگوں میں شمار کرتا ہوں جنھوں نے دنیا بھی کھوئی اور آخرت بھی گنوائی' خبردار! اگر تم نے آئندہ مجھے کوئی خط لکھا' میں ہرگز تمہارے کسی خط کا جواب نہیں دوں گا۔ والسّلام" عباد طالقانی کہتا ہیکہ سفیان ثوری نے یہ خط لکھوا کر میری طرف پھینک دیا' انھوں نے اپنی مہر بھی نہیں لگائی۔ بہرحال میں نے خط لیا' اور کوفہ کے بازار میں پہنچا' سفیان ثوری کی نصائح میرے دل میں گھر کرچکی تھیں اور میں اپنا دل پگھلتا ہوا محسوس کررہا تھا' بازار میں پہنچ کر میں نے آواز لگائی : کون ہے جو اللہ سے بھاگ کر اللہ کی طرف آنے والے شخص کو خرید سکے۔ یہ سن کر لوگ دراہم و دنانیر لے کر میری طرف بڑھے' میں نے کہا مجھے ان چیزوں کی ضرورت نہیں ہے' میں ایک جبہ اور ایک کملی مانگتا ہوں' لوگوں نے مجھے یہ دونوں چیزیں دیدیں' میں نے یہ لباس پہنا' اور وہ لباس اتار دیا جو میں نے خلیفہ کے سامنے پہنا تھا' اپنے ہتھیار کھول کر گھوڑے کی پشت پر رکھ دئے' اور پاپیادہ دارالخلافت کے لئے روانہ ہوا۔ میری خستہ حالی کا خوب خوب مذاق اڑایا گیا' جاننے والوں نے فقرے کسے' تمسخر کیا' خلیفہ کو میری واپسی کی اطلاع کی گئی' میں حاضر ہوا' انھوں نے مجھے اس حال میں دیکھ کر اپنا منہ پیٹ لیا' اور یہ کہتے ہوئے کھڑے ہوگئے' افسوس! صد افسوس! قاصد نے موقع سے فائدہ اٹھایا' اور بھیجنے والا محروم رہ گیا' مجھے دنیا سے' دنیا کی حکومت اور جاہ و حشمت سے کیا کام' یہ تو ضائع ہوجانے والی چیزیں ہیں؟ میں نے سفیان ثوری کا خط جس طرح مجھے ملا تھا اسی طرح خلیفہ کی خدمت میں پیش کیا' خلیفہ نے وہ خط لیا' اور اسکا ایک

ایک لفظ اسکی کیفیت کے ساتھ پڑھا کہ آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے' اور دہشت و خوف سے جسم لرز رہا تھا' حاضرین مجلس میں سے کسی نے عرض کیا : امیرالمومنین! سفیان ثوری نے یہ خط لکھ کر آپ کی بڑی اہانت کی ہے' انھیں اس گستاخی کی سزا دی جانی چاہیے' آپ حکم دیں تاکہ انھیں پابہ زنجیر قصر خلافت میں حاضر کیا جائے اور دوسرے لوگ انکے انجام سے عبرت پکڑیں' اور امیر المومنین کی شان میں کسی گستاخی کے مرتکب نہ ہوں' ہارون رشید نے اپنے مصاحب کا مشورہ یہ کہہ کر ٹھکرا دیا کہ جو تمہارے فریب میں آئے وہ بڑا بدبخت ہے' تم نہیں جانتے کہ سفیان ثوری نہایت متشرع' منفرد اور یگانہ روزگار عالم ہیں' ہم ان سے مزاحم ہو کر اپنی عاقبت خراب کرنا نہیں چاہتے' راوی کہتا ہے کہ سفیان ثوری کا یہ مکتوب ہر وقت ہارون رشید کے پاس رہتا اور وہ ہر نماز کے وقت اسے پڑھ لیا کرتا تھا' یہ معمول انتقال کے وقت تک رہا۔ اللہ تعالیٰ اس شخص پر رحم فرمائے جو اپنے نفس پر نگاہ رکھے' اور اپنے ہر عمل میں اللہ سے ڈرتا ہے' اس لئے کہ ہر عمل کا محاسبہ ہوگا اور عامل جزا و سزا سے نوازا جائے گا۔

عبداللہ ابن مہران کہتے ہیں کہ ہارون رشید نے حج کیا تو واپسی میں چند روز کے لئے کوفے بھی ٹھہرا' جب ہارون نے رخصت سفر باندھا' اور دار الخلافت واپسی کے سفر کا آغاز کیا تو لوگ الوداع کہنے کیلیے ساتھ ساتھ چلے' اور شہر سے باہر آگئے' ان میں بہلول مجنون بھی تھے' وہ ایک کوڑی پر آکر بیٹھ گئے' بچے انھیں چھیڑ رہے تھے اور طرح طرح سے ستا رہے تھے جب خلیفہ کی سواری آئی تو بچے خاموش ہوگئے' اور ایک طرف ہٹ گئے' بہلول نے بآواز بلند کہا : امیرالمومنین! خلیفہ نے ہودج سے سر نکال کر دیکھا اور کہا : لبیک یا بہلول! بہلول نے کہا : امیرالمومنین ہم سے حدیث بیان کی ایمن ابن نائل نے' قدامہ بن عبداللہ عامری سے وہ کہتے ہیں کہ میں نے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو عرفہ سے واپس ہوتے ہوئے دیکھا' آپ اپنی ناقہ صہباء پر سوار تھے' نہ مار پیٹ ہو رہی تھی' نہ دھکّے دئے جا رہے تھے اور نہ ہٹو بچو کا شور تھا (ترمذی' ابن ماجہ' نسائی)۔ (لیکن اس روایت میں عرفہ سے واپسی کے بجائے رمی جمرہ کا ذکر ہے' اور یہی صحیح بھی ہے۔) اے امیرالمومنین! اس سفر میں تواضع کرنا آپ کے لئے تکبّر کرنے' اور شان و شوکت کا اظہار کرنے سے بہتر ہے۔ راوی کہتا ہے کہ ہارون یہ سنکر رونے لگا' اور کہنے لگا کہ اے بہلول! ہمیں کچھ اور نصیحتیں کرو' اللہ تم پر رحم فرمائے۔ بہلول نے کہا : بہت بہتر! امیرالمومنین! اس شخص کا نام اللہ کے خاص الخاص مقربین کی فہرست میں لکھا جائے گا جسے مال بھی عطا ہو اور جمال بھی اور وہ اپنا مال اللہ کی راہ میں خرچ کرے اور جمال میں پارسائی اختیار کرے' ہارون نے اس کلمۂ حکمت کی تحسین کی' اور انعام کے طور پر کچھ پیش کیا' بہلول نے کہا کہ یہ انعام ان لوگوں کو واپس کر دیجئے جن سے آپ نے لیا ہے' میں اسکی ضرورت نہیں سمجھتا' خلیفہ نے کہا کہ اگر تمہارے اوپر کچھ قرض ہو تو ہمیں بتلاؤ تاکہ ہم تمہارا قرض ادا کردیں' جواب دیا کہ کوفہ کے یہ علماء۔ جن کی یہاں بڑی کثرت ہے۔ اس امر پر متفق ہیں کہ قرض کے مال سے قرض ادا کرنا درست نہیں ہے' خلیفہ نے اپنی اس خواہش کا اظہار کیا کہ ہم تمہارے لئے اتنا مال مقرر کر دینا چاہتے ہیں جو تمہارے کھانے پینے کے مصارف کے لئے کافی ہو' بہلول نے اپنا سر آسمان کی طرف اٹھایا اور فرمایا کہ اے امیرالمومنین میں اور آپ دونوں خلیفہ کے عیال میں سے ہیں' اسلئے یہ محال ہے کہ وہ آپ کو تو یاد رکھے اور مجھے فراموش کردے' خلیفہ نے ہودج کے پردے گرائے اور اپنے سفر پر روانہ ہوگیا۔

ابو العباس ہاشمی صالح ابن مامون سے نقل کرتے ہیں کہ ایک دن حارث محاسبی کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا : کہ کبھی آپ نے اپنے نفس کا محاسبہ کیا ہے؟ فرمایا : ہاں پہلے کبھی ایسا کرلیا کرتا تھا میں نے عرض کیا : اب نہیں کرتے؟ فرمایا کہ اب تو میں اپنا حال چھپاتا ہوں قرآن کریم کی آیت پڑھتا ہوں اور اس میں بخل کرتا ہوں کہ میرا نفس نہ سنے' اگر مجھ پر اس آیت کے پڑھنے میں سرور غالب نہ آجایا کرے تو میں کبھی اس کا اظہار نہ کروں' ایک رات میں اپنے خلوت کدے میں بیٹھا ہوا تھا کہ ایک جوان رعنا خوشبوؤں میں رچا بسا لباس پہنے ہوئے آیا' سلام کرکے میرے سامنے بیٹھ گیا' میں نے اس سے پوچھا : نوجوان! تم کون ہو اور کہاں سے آئے ہو؟ اس نے جواب دیا کہ میں ایک سیاح ہوں اور ان لوگوں کی زیارت و ملاقات میرا مشغلہ اور شوق ہے جو اپنے خلوت کدوں میں عبادت کرتے ہیں' اب آپ کے پاس آیا ہوں تو بظاہر آپ پر محنت کی کوئی علامت نہیں پاتا' آپ کی عبادت

کس نوعیت کی ہے' آپ کا عمل کیا ہے؟ میں نے جواب دیا مصائب کی پردہ پوشی' اور منافع کا حصول۔ اس جوان نے یہ سن کر چیخ ماری اور کہنے لگا کہ مجھے نہیں معلوم کہ مغرب و مشرق کے مابین اس وسیع تر دنیا میں کوئی شخص اس صفت کا حامل بھی ہے یا نہیں؟ میں نے گفتگو جاری رکھی اور اسے بتلایا کہ اہل اللہ کا یہ شیوہ ہے کہ وہ اپنا حال چھپاتے ہیں' اپنے رازوں پر خود بھی پردہ ڈالتے ہیں' اور اللہ تعالیٰ سے بھی مخفی رکھنے کی درخواست کرتے ہیں' جب ان کا حال یہ ہے تو تم کس طرح انھیں جان پاؤ گے' اس بات کا اثر پہلی بات سے زیادہ ہوا اور وہ جوان چیخ مار کر بے ہوش ہوگیا' اسی بے ہوشی کے عالم میں وہ دو دن میرے پاس رہا' جب اسے ہوش آیا تو بول و براز سے اسکے کپڑے گندے ہو چکے تھے' میں نے اس سے کہا کہ یہ نیا کپڑا لو' میں نے اسے اپنے کفن کے لئے رکھ چھوڑا تھا' لیکن میں تمہیں اپنے نفس پر ترجیح دیتا ہوں' جاؤ غسل کرو اور یہ کپڑا اپنے جسم پر لپیٹ کر فوت شدہ نمازوں کی قضاء کرو' اس نے پانی منگوایا' غسل کیا' اور وہ کپڑا اوڑھ کر نماز پڑھی' نماز کے بعد اس نے باہر جانے کا ارادہ کیا تو میں نے پوچھا : کہاں چلے؟ اس نے کہا کہ آیئے! آپ بھی میرے ساتھ چلیں' میں بھی اٹھ کھڑا ہوا' وہ جوان خلیفہ مامون رشید کے پاس پہنچا' اسے سلام کیا' اور کہا کہ اے ظالم! اگر تجھے ظالم نہ کہوں تو میں خود ظالم ہوں' میں اس بات سے اللہ کی پناہ چاہتا ہوں اور اس کی مغفرت کا طالب ہوں کہ تیرے سلسلے میں کوتاہی سے کام لوں' کیا تو اسکے باوجود اللہ سے نہیں ڈرتا کہ اس نے تجھے زمین میں اپنی مخلوق کا حاکم بنایا ہے' اسی طرح کی چند نصیحتیں کرنے کے بعد اس نے باہر نکلنا چاہا۔ میں دروازے پر بیٹھا ہوا تھا' مامون نے اس سے پوچھا کہ تو کون ہے اور کس لئے آیا ہے؟ اس نے کہا کہ میں ایک سیاح ہوں میں نے پچھلے صدیقین کے احوال کا مطالعہ کیا' اور اس ارادے کو عملی جامہ پہنانے کے لئے یہاں آگیا' حارث محاسبی کہتے ہیں کہ اس جرأت نے مامون کے جسم میں غصے اور انتقام کی آگ بھردی' اس نے حکم دیا کہ اس گستاخ نوجوان کی گردن اڑادی جائے' چنانچہ وہ اسی لباس میں شہادت کا جام نوش کر کے واپس لوٹا' میں اس وقت تک دروازے پر بیٹھا ہوا تھا' مامون کے نوکروں نے شہر میں منادی کرائی کہ اگر اس لاش کا کوئی وارث ہو تو وہ اسے تدفین کے لئے لے جاسکتا ہے۔ میں نے یہ اعلان سنا' مگر یہ جرأت نہیں ہوئی کہ اس لاش کو اپنی تحویل میں لے لوں' وارث نہیں آیا تو علاقے کے غریب مسلمانوں نے باہمی تعاون سے میت کو دفن کردیا' تدفین کے تمام مراحل میں میں نے شرکت کی۔ دیگر لوگوں کو یہ نہیں بتلایا کہ یہ جوان ابھی چند گھنٹے تک میرے ہمراہ تھا' تدفین کے بعد میں قبرستان میں واقع مسجد میں چلا گیا' اس جوان کی موت کے صدمہ سے طبیعت بے حد پریشان تھی' تھوڑی دیر کے لئے لیٹا تو نیند آگئی' میں نے خواب میں دیکھا کہ وہ جوان انتہائی خوبرو اور حسین حوروں کے جھرمٹ میں ہے' اس نے مجھ سے کہا کہ اے حارث! خدا کی قسم! آپ ان لوگوں میں ہیں جو اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتے ہیں' اور اطاعت کے ثمرات مخفی رکھتے ہیں' میں نے کہا وہ لوگ کہاں ہیں؟ اس نے جواب دیا کہ بس آنے ہی والے ہیں' تھوڑی دیر گزری تھی کہ چند سواروں کا قافلہ میرے قریب آیا' میں نے ان سے پوچھا کہ تم کون ہو؟ انھوں نے جواب دیا کہ اپنے احوال چھپانے والے۔ اس نوجوان کا دل تیرے کلام سے متاثر ہوا اور وہ امرونہی کے ارادے سے نکلا' اس "جرم" میں اسے قتل کردیا گیا' اب یہ نوجوان ہمارے ساتھ ہے' اور قاتل کی بدبختی باری تعالیٰ کے غضب کو دعوت دے رہی ہے۔

احمد ابن ابراہیم مقری روایت کرتے ہیں کہ ابوالحسین نوری کم گو' اور فضولیات سے اجتناب کرنے والے تھے' وہ جب تک ضرورت نہ ہوتی نہ کسی چیز کے متعلق دریافت کرتے اور نہ کسی چیز کی ٹوہ میں رہتے' منکر کو زائل کرنا ان کے مزاج میں داخل تھا گو اس سے ان کا نقصان ہی کیوں نہ ہوتا ہو' چنانچہ ایک روز جب کہ وہ مشرعہ فحامین نامی ایک چشمہ کے پانی سے وضو کررہے تھے انھوں نے ایک کشتی دیکھی جس میں تیس مٹکے تھے' اور ہر مٹکے پر سیاہی سے لفظ "لطف" لکھا ہوا تھا' کیوں کہ تجارتی اشیاء میں کوئی چیز لطف سے معروف نہ تھی اسلئے انھوں نے کشتی بان سے پوچھا کہ ان مٹکوں میں کیا ہے؟ اس نے کہا کہ تمہیں کیا مطلب؟ تم اپنے کام میں لگو' ملاح کے جواب سے انکے دل میں شبہ پیدا ہوا اور انھوں نے ملاح سے کہا کہ یہ میری خواہش ہے' اور کچھ بھی نہیں' اگر تم مجھے بتلادو کہ ان مٹکوں میں کیا چیز ہے تو میری معلومات میں اضافہ ہوگا' اور تمہارا کوئی نقصان نہ ہوگا۔ ملاح نے کہا تمہیں ان

چیزوں سے کیا واسطہ' تم عجیب اور فضولیات سے دل چسپی رکھنے والے صوفی معلوم ہوتے ہو' ارے بھائی! ان میں شراب ہے' اور یہ معتضد کے لئے جارہی ہے' نوری نے کہا کیا واقعی یہ شراب ہے؟ ملاّح نے اثبات میں جواب دیا' اس پر نوری نے ملاّح سے وہ موگری طلب کی جو اس کے قریب رکھی ہوئی تھی' ملاّح یہ مطالبہ سنکر غضب ناک ہوگیا' اور اس نے اپنے نوکر سے کہا اس صوفی کو موگری دیدے' دیکھتے ہیں یہ کیا کرتا ہے' نوری نے موگری سنبھال لی اور کشتی پر چڑھ کر یکے بعد دیگرے ایک کے علاوہ تمام مٹکے توڑ دیئے' ملاّح ان کی یہ جرأت دیکھ کر گھبرا گیا' اور مدد کے لئے آوازیں دینے لگا' ساحل پر متعین افسر ابن بشر افلح نے یہ آواز سنی تو مدد کے لئے دوڑا آیا' اور صورت حال کی نزاکت و اہمیت کے پیش نظر نوری کو گرفتار کرکے خلیفہ معتضد کے سامنے پیش کردیا' خلیفہ کے بارے میں یہ شہرت عام تھی کہ اسکی تلوار پہلے چلتی ہے اور زبان بعد میں اس لئے لوگوں کو یقین تھا کہ نوری قتل کردیئے جائیں گے۔ ابو الحسین نوری کہتے ہیں کہ میں خلیفہ کے سامنے لے جایا گیا' وہ اس وقت لوہے کی ایک کرسی پر بیٹھا ہوا تھا' اور اسکے ہاتھ میں ڈنڈا تھا جسے وہ اِدھر اُدھر گھما پھرا کر دیکھ رہا تھا۔ مجھ سے اس نے پوچھا کہ تو کون ہے؟ میں نے جواب دیا : میں محتسب ہوں' اس نے پوچھا کہ تجھے یہ عہدہ کس نے دیا ہے؟ میں نے کہا اس ذات نے جس نے تجھے خلافت کا منصب عطا فرمایا۔ یہ جواب سن کر خلیفہ نے سر جھکالیا' چند لمحے خاموش رہ کر اس نے پوچھا کہ تم نے یہ حرکت کیوں کی؟ میں نے کہا : تمہاری بھلائی کے لئے' اور یہ سوچ کر کہ میں اس برائی کے ازالے پر قادر ہوں تو ایسا کرکے تمہاری حفاظت کیوں نہ کروں' خلیفہ تھوڑی دیر سر جھکائے کچھ سوچتا رہا۔ پھر اس نے سر اٹھایا اور ایک مٹکہ باقی رہنے دینے کی وجہ دریافت کی۔ میں نے کہا : امیر المومنین! جس وقت میں نے مٹکے توڑنے کا ارادہ کیا' اور اس ارادے کے مطابق عمل کا آغاز کیا تو میرا دل اللہ تعالیٰ کے جلال سے بھرا ہوا تھا' اور دل و دماغ پر آخرت میں باری تعالیٰ کے مطالبہ و احتساب کا خوف غالب تھا' مجھے یہ ڈر تھا کہ یہ مٹکے خلیفہ کے ہیں' اور خلیفہ اس حرکت پر ناراض ہوگا' میں نے ہر طرح کے خوف سے بے نیاز ہو کر محض اللہ کی رضا کے لئے اور اس کے حکم کی تعمیل میں مٹکے توڑنے کی جرأت کی' جب ایک مٹکہ باقی رہ گیا اور میں نے اسے توڑنے کے لئے موگری بلند کی تو معاً میرے دل میں تکبر اور فخر و غرور کا احساس ہوا کہ میں نے خلیفہ کے مٹکے توڑ دیئے' اس احساس کے ساتھ ہی میں نے اپنا ہاتھ روک لیا' اگر میرے دل کی وہ حالت ہوتی جو ابتدا میں تھی اور ساری دنیا مٹکوں سے بھری ہوئی ہوتی تو میں تمام مٹکے توڑ ڈالتا' اور کسی بھی انسانی طاقت کی پروا نہ کرتا' معتضد نے کہا : جاؤ' ہم نے تمہیں اس کا اختیار دے دیا ہے کہ تم جو منکر دور کردو' تمہیں کوئی منع کرنے والا نہیں ہوگا۔ میں نے کہا امیر المومنین! اب میں ایسا نہ کروں گا' کیونکہ پہلے میں رضائے الٰہی کے منکرات کا ازالہ کیا کرتا تھا' اور اب اس لئے کروں گا کہ آپ نے مجھے یہ خدمت تفویض کی ہے' خلیفہ نے پوچھا آخر تمہارا مطلب کیا ہے؟ تم کیا چاہتے ہو؟ میں نے کہا کہ صرف اتنا چاہتا ہوں کہ مجھے یہاں سے زندہ سلامت واپس جانے دیا جائے' خلیفہ نے حکم دیا کہ کوئی شخص ان سے مزاحمت نہ کرے' وہ جہاں چاہیں انھیں جانے دیا جائے۔ راوی کہتا ہے کہ ابو الحسین نوری دربار شاہی سے رخصت ہو کر بصرے پہنچے' اور وہیں رہنے لگے جب تک معتضد زندہ رہا اس خوف سے بغداد کا رخ نہ کیا کہ کہیں کسی ضرورت کے وقت خلیفہ سے سوال کرنے کی نوبت نہ آجائے' خلیفہ کے انتقال کے بعد بغداد واپس آئے۔

ان واقعات سے پتا چلتا ہے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے سلسلے میں علمائے کرام اور بزرگان دین کا اسوہ کیا تھا' وہ بے خوفی اور بے جگری کے ساتھ نفع و نقصان سے بے نیاز ہو کر شاہان وقت سے ٹکرا جایا کرتے تھے' ان کا بھروسا صرف اللہ کے فضل و کرم اور اسکی رحمت پر تھا' انھیں یقین تھا کہ انکا ایمان ان کا محافظ ہے' اگر ان کی زندگی پر آنچ بھی آئی تو یہ شہادت کی موت ہوگی' ان کے احتساب میں اخلاص تھا' اور اسی اخلاص کی وجہ سے انکے کلام میں تاثیر اور نفوذ کی قوت تھی' سخت سے سخت دل بھی انکی تقریروں سے لرز جاتے تھے' اب یہ حال ہے کہ حرص و ہوس کی زنجیروں نے علماء کی زبانیں قید کردی ہیں' وہ چپ رہنے میں عافیت سمجھتے ہیں' ان کی زبان ان کے حال سے مختلف ہے' اگر بولتے بھی ہیں تو مخاطب پر کوئی اثر نہیں ہوتا رعایا بادشاہوں کے بگڑنے سے

بگڑتی ہے' اور بادشاہ علماء کے بگڑنے سے بگڑتے ہیں' اور علماء اس وقت بگڑتے ہیں جب انکے قلوب پر جاہ و مال کی محبت غلبہ پالیتی ہے' جس شخص کا دل مال و جاہ کی محبت کا اسیر ہو وہ اپنے سے ادنیٰ درجوں کے لوگوں کا احتساب بھی نہیں کرسکتا' چہ جائیکہ بڑوں اور بادشاہوں کا احتساب کرسکے۔

کتاب آداب المعیشۃ واخلاق النبوۃ

آداب زندگی اور اخلاق نبوّت

جاننا چاہیے کہ ظاہری آداب باطنی آداب کا عنوان' اعضاء کی حرکات دلوں کے خیالات کا عکس' اعمال اخلاق کا نتیجہ' آداب معرفتوں کا نچوڑ' اور رازہائے دل اعمال کا منبع و محور ہیں' ظاہر باطن ہی کے نور سے اجالے حاصل کرتا ہے' اور اسی کی چمک دمک سے زینت پاتا ہے' باطن ظاہر کی برائیوں کو خوبیوں سے عیوب کو فضائل سے بدل دیتا ہے' جس کے دل میں خشوع نہیں ہوتا اس کے اعضاء بھی خشوع نہیں کرتے' اور جس کا دل انوار الہٰی کا منبع نہیں ہوتا اسکا ظاہر آداب نبوی کے جمال سے محروم رہتا ہے۔

میرا ارادہ یہ تھا کہ میں احیاء العلوم کی دوسری جلد کا اختتام زندگی کے ان آداب کے ذکر پر کروں جو جامعیت رکھتے ہیں' یہ آداب اگرچہ احیاء العلوم کی اول و دوم دونوں جلدوں میں بجا بکھرے ہوئی ہیں' لیکن میں طالب کو تلاش و جمع کی مشقت سے بچانے کے لئے ایسا کرنا چاہتا تھا۔ پھر میں نے سوچا کہ کہیں تکرار و اعادے سے پڑھنے والے اکتاہٹ محسوس نہ کریں کیونکہ کوئی بات کتنی ہی مفید و قیمتی کیوں نہ ہو سننے والا اس کا اعادہ پسند نہیں کرتا۔ اس لئے یہ رائے ہوئی کہ اس جلد کے آخری صفحات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ اخلاق اور آداب زندگی جمع کردئے جائیں جو سند کے ساتھ آپ سے منقول ہیں' اور ان اخلاق کے مطالعے سے ایمان کی تجدید ہو' اور اس میں استحکام پیدا ہو' آپ کی ہر عادت طیبہ ایک نمونہ ہے' قابل تقلید مثال اور منارۂ نور ہے' آپ کے اخلاق عالیہ سے پتا چلتا ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں سب سے افضل' سب سے اعلیٰ اور سب سے برتر ہیں' میں اخلاق طیبہ کے ساتھ ساتھ آپ کا سراپا بھی لکھنا چاہتا ہوں' اور ان معجزات کا ذکر بھی کرنا چاہتا ہوں جو صحیح روایات سے ثابت ہیں' اسطرح آپ کے اخلاق کریمانہ کا ذکر کامل ہوگا' اور ان لوگوں کے لئے ایک تنبیہہ ہوگی' جو آپ کی نبوت کے منکر ہیں' اور ان دلائل سے اپنے کان بند کئے ہوئے ہیں جن سے آپ کی نبوت ثابت ہوتی ہے' دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں سید المرسلین سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کی اتباع کرنے' آپ کے نقش قدم پر چلنے' اور آپ کی تعلیمات پر عمل کرکے آخرت کی زندگی سنوارنے کی توفیق عطا فرمائے' توفیق اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے' بلاشبہ وہ گم کردہ راہ لوگوں کا راہ نما' اور بے کس و درماندہ کی پکار کا جواب دینے والا ہے۔

پہلے ہم وہ قرآنی آیات بیان کریں گے جن سے ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو حسن ادب کی تعلیم دی ہے' اسکے بعد آپ کے چند جامع اوصاف و عادات بیان کئے جائیں گے' پھر گفتگو' ہنسی' کھانے پینے' لباس عفو و درگزر' جود و کرم' شجاعت و بہادری' تواضع و انکساری اور دیگر عنوانات کے تحت آپ کے اخلاق حمیدہ اور فضائل طیبہ کا ذکر ہوگا۔ پھر سراپائے اقدس بیان کیا جائے گا۔

آخر میں معجزات بیان کئے جائیں گے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن پاک کے ذریعہ حسن ادب کی تعلیم

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم باری تعالیٰ کی جناب میں بہت زیادہ گریہ وزاری کرتے' اور ہمیشہ یہ دعا کرتے کہ اے اللہ مجھے حسن

ادب اور کریمانہ اخلاق سے مزین فرما۔ کبھی آپ یہ دعا فرماتے۔

اَللّٰھُمَّ حَسِّنْ خَلْقِیْ وَخُلُقِیْ (۱)

اے اللہ میری صورت اور سیرت اچھی بنا۔

آپ یہ دعا بھی کرتے ہیں :۔

اَللّٰھُمَّ جَنِّبْنِیْ مُنْکَرَاتِ الْاَخْلَاقِ (۲)

اے اللہ مجھے بری عادت سے بچا۔

اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعا قبول فرمائی اور اپنے اس وعدے کا ایفا کیا جو اس آیت میں مذکور ہے :۔

ادْعُوْنِیْ أَسْتَجِبْ لَکُمْ (پ ۲۴ ر ۱۰ آیت ۶۰)

مجھ کو پکارو میں تمہاری درخواست قبول کروں گا۔

اور دعا کی قبولیت کا ثمرہ اس صورت میں ظاہر ہوا کہ آپ پر قرآن کریم نازل فرمایا اور اس کے ذریعہ آپ کو حسن ادب کی تعلیم دی، قرآنی تعلیمات اور اخلاق کا آپ مظہر اتم تھے جیسا کہ سعد ابن ہشامؓ کہتے ہیں کہ میں حضرت عائشہ صدیقہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور ان سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کے متعلق دریافت کیا، آپ نے پوچھا کہ تم قرآن کریم نہیں پڑھتے؟ میں عرض کیا : کیوں نہیں پڑھتا ہوں، فرمایا : آپ کا اخلاق قرآن کریم تھا (مسلم)۔ قران مجید کے ذریعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ادب کی تعلیم اس طرح دی گئی۔

خُذِ الْعَفْوَ وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ وَأَعْرِضْ عَنِ الْجَاهِلِيْنَ (پ ۹ ر ۱۴ آیت ۱۹۹)

سرسری برتاؤ کو قبول کرلیا کیجئے اور نیک کام کی تعلیم کردیا کیجئے اور جاہلوں سے ایک کنارہ ہو جایا کیجئے۔

اِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِيْتَآئِ ذِی الْقُرْبٰی وَيَنْهٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْیِ (پ ۱۴ ر ۱۸ آیت ۹۰)

بے شک اللہ تعالیٰ اعتدال اور احسان اور اہل قرابت کو دینے کا حکم فرماتے ہیں اور کھلی برائی اور مطلق برائی اور ظلم کرنے سے منع فرماتے ہیں۔

وَاصْبِرْ عَلٰی مَآ اَصَابَکَ اِنَّ ذٰلِکَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ (پ ۲۱ ر ۱۱ آیت ۱۷)

اور تجھ پر جو مصیبت واقع ہو اس پر صبر کیا کر یہ ہمت کے کاموں میں سے ہے۔

وَلَمَنْ صَبَرَ وَغَفَرَ اِنَّ ذٰلِکَ لَمِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ (پ ۲۵ ر ۵ آیت ۴۳)

اور جو شخص صبر کرے اور معاف کردے یہ البتہ بڑے ہمت کے کاموں میں سے ہے۔

فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاصْفَحْ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ (پ ۶ ر ۷ آیت ۱۳)

آپ ان کو معاف کیجئے اور ان سے درگزر کیجئے، بے شک اللہ تعالیٰ نیکو کاروں کو پسند کرتا ہے۔

وَلْيَعْفُوْا وَلْيَصْفَحُوْا اَلَا تُحِبُّوْنَ اَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَكُمْ (پ ۱۸ ر ۹ آیت ۲۲)

اور چاہیے کہ وہ معاف کردیں اور درگزر کریں، کیا تم یہ بات نہیں چاہتے کہ اللہ تعالیٰ تمہارے قصور

---

(۱) یہ روایت مسند امام احمد میں ہے، راوی حضرت ابن مسعودؓ اور حضرت عائشہؓ ہیں لیکن روایت کے الفاظ یہ ہیں اللّٰھُمَّ اَحسنتَ خَلقی فاحسن خلقی (اے اللہ تو نے میری صورت اچھی بنائی ہے میری عادت بھی اچھی بنادے) ابن مسعود کی روایت ابن حبان میں بھی ہے

(۲) ترمذی و حاکم میں بروایت قطبہ ابن مالک۔ مذکورہ الفاظ حاکم کے ہیں، ترمذی میں ہے "اللّٰھم انی اعوذ بک من منکرات الاخلاق"۔

معاف کردے۔

اِدْفَعْ بِالَّتِیْ ھِیَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِیْ بَیْنَکَ وَبَیْنَہٗ عَدَاوَۃٌ کَاَنَّہٗ وَلِیٌّ حَمِیْمٌ (پ ۲۴ ر ۱۹ آیت ۳۴)

آپ (مع اتباع) نیک برتاؤ سے (بدی کو) ٹال دیا کیجئے' پھر یکایک آپ میں اور جس شخص میں عداوت تھی وہ ایسا ہو جائے گا جیسا کوئی ولی دوست ہوتا ہے۔

وَالْکَاظِمِیْنَ الْغَیْظَ وَالْعَافِیْنَ عَنِ النَّاسِ وَاللّٰہُ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ (پ ۴ ر ۵ آیت ۱۳۴)

اور غصہ کے ضبط کرنے والے اور لوگوں سے درگزر کرنے والے اور اللہ تعالیٰ ایسے نیکوکاروں کو محبوب رکھتا ہے۔

اِجْتَنِبُوْا کَثِیْرًا مِّنَ الظَّنِّ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ وَّلَا تَجَسَّسُوْا وَلَا یَغْتَبْ بَّعْضُکُمْ بَعْضًا (پ ۲۶ ر ۱۴ آیت ۱۲)

بہت سے گمانوں سے بچا کرو کیوں کہ بعضے گمان گناہ ہوتے ہیں اور سراغ مت لگایا کرو اور کوئی کسی کی غیبت بھی نہ کیا کرے۔

جنگ احد میں جب آپ کی سامنے کے چار دندان مبارک شہید ہو گئے اور آپ کے چہرۂ انور پر خون بہنے لگا تو آپ خون پونچھتے جاتے تھے اور فرماتے جاتے تھے کہ وہ قوم کیسے فلاح پائے گی جو نبی کا چہرہ خون سے ترکردے محض اس جرم میں کہ وہ انھیں اللہ کی طرف بلاتا ہے' اس پر اللہ عزوجل نے بطور تادیب یہ آیت نازل فرمائی۔ (۱)

لَیْسَ لَکَ مِنَ الْاَمْرِ شَیْءٌ (پ ۴ ر ۴ آیت ۱۲۸)

آپ کو کوئی دخل نہیں۔

قرآن پاک میں تادیب کی بے شمار مثالیں ہیں' ان سب سے اولا جناب رسول اللہ کی ذات گرامی مقصود تھی' پھر آپ کا یہ فیضان امت کی طرف منتقل ہوا' اور آپ کے اخلاق و آداب کے اجالے پوری کائنات میں پھیلے قرآن کریم سے آپ کو ادب سکھلایا گیا' اور آپ کے ذریعہ مخلوق کو ادب کی تعلیم دی گئی' چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں :۔

بعثت لاتمم مکارم الاخلاق (۲)

میں مکارم اخلاق کی تکمیل کے لئے مبعوث کیا گیا ہوں۔

اسے کے بعد آپ نے لوگوں کو حسن ادب کی تلقین فرمائی' اور ان اخلاق فاضلہ کی رغبت دلائی جن کا ذکر ہم تہذیب اخلاق اور ریاضت نفس کے باب میں کریں گے۔ یہاں ہم ان کا اعادہ نہیں کرنا چاہتے' پھر جب اللہ تعالیٰ نے آپ کے اخلاق کامل کردئے تو ان الفاظ میں آپ کی تعریف فرمائی' ارشاد فرمایا :۔

وَاِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ (پ ۲۹ ر ۳ آیت ۴)

اور بے شک آپ اخلاق (حسنہ) کے اعلیٰ پیمانے پر ہیں۔

کتنی عظیم ہے وہ ذات' اور کتنا عظیم ہے اس کا کرم اور کتنی زیادہ ہیں اسکی عنایات کہ خود ہی اپنے نبی کو زیور اخلاق سے

---

(۱) مسلم میں حضرت انسؓ کی حدیث' بخاری نے یہ روایت تعلیقاً ذکر کی ہے۔ (۲) احمد' حاکم' بیہقی بروایت ابو ہریرہؓ۔ کتاب الصحبت میں بھی یہ روایت گزر چکی ہے۔

آراستہ کیا اور خود ہی تعریف فرمائی اور اسکا انتساب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کیا۔ یعنی یہ فرمایا کہ آپ بڑے اخلاق پر ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا :۔

ان اللہ یحب معالی الاخلاق و یبغض سفسافها

اللہ تعالیٰ اخلاق عالیہ کو پسند کرتے ہیں' اور برے اخلاق کو ناپسند کرتے ہیں۔

حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ اس مسلمان پر حیرت ہوتی ہے جس کے پاس اس کا مسلمان بھائی اپنی کوئی ضرورت لے کر آئے اور وہ اپنے آپ کو اس کی حاجت روائی کا اہل نہ سمجھے' اور اسکی دل شکنی کرے کیا اس سے یہ نہیں ہو سکتا تھا کہ وہ مکارم اخلاق سے پیش آتا' اور ثواب کماتا' مکارم اخلاق سے نجات کی راہ کا پتا ملتا ہے' کسی شخص نے دریافت کیا کہ کیا آپ نے یہ بات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہے فرمایا : ہاں! یہ بات بھی سنی ہے' اور اس سے بہتر بھی اور وہ یہ کہ جب آپ کی خدمت میں قبیلہ طی کے قیدی لائے گئے تو ان میں ایک لڑکی بھی تھی' اس لڑکی نے کھڑے ہو کر عرض کیا : یا محمدؐ! (صلی اللہ علیہ وسلم) اگر آپ مناسب سمجھیں تو مجھے رہا فرمادیں' اور قبائل عرب کو مجھ پر ہنسنے کا موقع نہ دیں' اس لئے کہ میں اپنی قوم کے سردار کی بیٹی ہوں' میرا باپ قوم کی حفاظت کرتا تھا' قیدی کو رہا کردیتا تھا' بھوکے کا پیٹ بھرتا تھا' کھانا کھلاتا تھا' اور سلام کو رواج دیتا تھا' اسکے در سے کبھی کوئی ضرورتمند محروم واپس نہیں گیا' یا محمدؐ! میں حاتم طائی کی بیٹی ہوں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا :۔

یاجاریة هذه صفة المومنین حقا لو کان ابوک مسلما لترحمنا علیه خلوا عنها فان اباها کان یحب مکارم الاخلاق' وان اللہ یحب مکارم الاخلاق

اے لڑکی یہ سچے مومنوں کے اوصاف ہیں' اگر تیرا باپ مسلمان تھا تو ہم اس پر رحم کرتے ہیں (یعنی تجھے آزاد کردیتے ہیں اسکے بعد لوگوں سے فرمایا) اس لڑکی کو آزاد کردو' اس لئے کہ اس کا باپ مکارم اخلاق کو محبوب رکھتا تھا' اور اللہ کو بھی مکارم اخلاق محبوب ہیں۔

ابو بردہ نے کھڑے ہو کر عرض کیا : یارسول اللہ! کیا اللہ تعالیٰ مکارم اخلاق پسند کرتے ہیں' فرمایا :

والذی نفسی بیده لا یدخل الجنة الا حسن الاخلاق (۱)

اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے' جنت میں صرف اچھے اخلاق والے داخل ہوں گے۔

حضرت معاذ سے منقول ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا :۔

ان اللہ حف الاسلام بمکارم الاخلاق و محاسن الاعمال ومن ذالک حسن المعاشرة وکرم الضیعة' ولین الجانب' وبذل المعروف واطعام الطعام' وافشاء السلام وعیادة المریض المسلم براکان او فاجرا وحسن الجوار لمن جاورت مسلما کان اوکافرا وتوقیر ذی الشیبة المسلم' واجابة الطعام' والدعاء علیه' والعفو والاصلاح بین الناس والجود والکرم و السماع والا بتداء بالسلام وکظم الغظ و العفو عن الناس' واجتناب ماحرمه الاسلام من اللهو والباطل والغناء والمعازف کلها وکل ذی وترو کل ذی دخل' والغیبة والکذب' والبخیل والشح والجفاء والمکر والحنیعة والنمیمة وسوء ذات

---

(۱) قبیلہ طیٔ کے قیدیوں کا واقعہ اس تفصیل کے ساتھ حکیم ترمذی نے نوادر الاصول میں ضعیف سند کے ساتھ نقل کیا ہے

البین و قطیعة الارحام' وسوء الخلق والتکبر والفخر والاختیال والاستطالة والبذخ والفحش والتفحش والحقد و الحسد والطیرة والبغی والعدوان والظلم (۱)

اللہ تعالیٰ نے مکارم اخلاق اور محاسن اعمال سے اسلام کا احاطہ کردیا ہے' اور ان مکارم اخلاق اور محاسن اعمال میں یہ باتیں شامل ہیں باہم اچھی طرح رہنا حسن سلوک کرنا' نرمی سے پیش آنا' صدقہ و خیرات کرنا' کھانا کھلانا' سلام کو رواج دینا' مسلمان مریض کی عیادت کرنا خواہ وہ نیک ہو یا بد مسلمان کے جنازے کے ساتھ چلنا' پڑوسی کے ساتھ اچھی طرح رہنا خواہ وہ مسلمان ہو یا کافر' مسلمان بوڑھے کی عزت کرنا' دعوت قبول کرنا' درگزر کرنا' لوگوں کے درمیان مصالحت کرانا' سخاوت کرنا' چشم پوشی کرنا' سلام کی ابتدا کرنا' غصہ پینا' اور لوگوں کی غلطیاں معاف کرنا' اور جو چیزیں اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دی ہیں ان سے اجتناب کرنا جیسے لہو و لعب' باطل' گانا' بجانا' اور لہو کے تمام آلات' غیبت' جھوٹ' بخل' کنجوسی' ظلم' مکر و فریب' چغلی' آپس میں اختلاف اور رنجش پیدا کرنا' قطع رحمی' بد خلقی' تکبر' فخر' شیخی' بڑائی کا اظہار' اترانا' فحش بکنا' فحش سننا' کینہ' حسد' بدفالی' سرکشی' زیادتی اور ظلم۔

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی عمدہ بات ایسی نہیں چھوڑی جس کی طرف ہمیں نہ بلایا ہو' اور کوئی بری بات ایسی نہیں چھوڑی جس سے ہمیں نہ ڈرایا ہو (۲) ان تمام امور کے لئے تنہا یہ آیت بہت کافی ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِيْتَآئِ ذِي الْقُرْبٰى وَيَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ (پ ۱۴ ر ۱۹ آیت ۹۰)

بے شک اللہ تعالیٰ اعتدال' اور احسان اور اہل قرابت کو دینے کا حکم فرماتے ہیں اور کھلی برائی' اور مطلق برائی اور ظلم کرنے سے منع فرماتے ہیں' اللہ تعالیٰ تم کو اس لئے نصیحت کرتے ہیں کہ تم نصیحت قبول کرو۔

حضرت معاذ ابن جبلؓ کہتے ہیں کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے ارشاد فرمایا :-

اوصیک باتقاء اللہ وصدق الحدیث والوفاء بالعھد واداء الامانة وترک الخیانة وحفظ الجار' ورحمة الیتیم' ولین الکلام و بذل السلام' وحسن العمل' وقصر الامل ولزوم الایمان' والتفقه فی القرآن وحب الآخرة والجزع من الحساب وخفض الجناح وانھاک ان تسب حکیما او تکذب صادقا او تطیع آثما او تعصی اماما عادلا او تفسد ارضا' واوصیک باتقاء اللہ عند کل حجر و شجر ومدر وان تحدث لکل ذنب توبة السر بالسر والعلانیة بالعلانیة (۳)

اے معاذ! میں تجھے اللہ سے ڈرنے کی' سچ بولنے کی' ایفائے عہد' ادائے امانت' ترک خیانت' پڑوسی کی حفاظت' یتیم پر رحم' نرم گفتاری' افشائے سلام' حسن عمل' قصر امل' ایمان پر ثبات' قرآن میں تفقہ' آخرت

---

(۱) یہ روایت ان الفاظ میں مجھے نہیں ملی' البتہ معاذ کی ایک روایت تقریباً اسی مضمون کی عنقریب آرہی ہے (۲) اس روایت کی سند مجھے نہیں ملی' البتہ یہ مضمون فی نفسہ صحیح ہے۔ (۳) ابو نعیم نے حلیہ میں اور بیہقی نے کتاب الزہد میں' یہ روایت کتاب آداب الصحبۃ میں بھی گزر چکی ہے

کی محبت ' حساب کے خوف ' اور تواضع کی وصیت کرتا ہوں ' اور اس بات سے منع کرتا ہوں کہ تو کسی عقل مند کو گالی دے ' کسی سچے کی تکذیب کرے ' کسی گنہگار کی اطاعت اور کسی عادل امام کی نافرمانی کرے ' یا کسی جگہ فساد پھیلائے ' میں تجھے ہر پتھر ' ہر درخت اور ہر ڈھیلے کے پاس (یعنی ہر جگہ) اللہ سے ڈرنے کی وصیت کرتا ہوں ' اور یہ وصیت کرتا ہوں کہ ہر گناہ سے توبہ کرنا ' پوشیدہ گناہ سے پوشیدہ توبہ اور اعلانیہ گناہ سے اعلانیہ توبہ۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بندگان خدا کو اسطرح ادب سکھلایا کرتے تھے ' اور انھیں اچھے اخلاق اور اچھے آداب اختیار کرنے کی تلقین فرمایا کرتے تھے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے محاسن اخلاق

ذیل میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ محاسن اخلاق ذکر کئے جارہے ہیں جو بعض علماء نے احادیث سے منتخب کئے ہیں۔

روایات میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں میں سب سے زیادہ حلیم تھے (۱) سب سے زیادہ بہادر تھے ' (۲) سب سے زیادہ انصاف کرنے والے تھے۔ (۳) سب سے زیادہ وہ پاکدامن تھے آپ نے کبھی کسی ایسی عورت کو ہاتھ نہیں لگایا جو آپ کی مملوکہ یا منکوحہ نہ ہو ' یا آپ کی محرم نہ ہو (۴) آپ لوگوں میں سب سے زیادہ سخی تھے ' (۵) آپ کے پاس درہم و دینار پر رات نہیں گزرتی تھی ' اگر رات ہونے سے پہلے کچھ مال بچ جاتا ' اور کوئی ایسا شخص نہ ملتا جسے وہ مال دیا جاسکے تو اس وقت تک گھر تشریف نہ لاتے تھے جب تک اس سے چھٹکارا نہ پالیتے (۶) اللہ تعالیٰ کے عطا

(۱) یہ روایت ابوالشیخ نے کتاب اخلاق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں عبدالرحمٰن ابن ابزیٰؓ سے نقل کی ہے یہ حدیث مرسل ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سلسلے میں ابوحاتم ابن حبان نے عبداللہ ابن سلامؓ کی اس روایت کی تخریج کی ہے جس میں یہودی عالم زید ابن شعنہ کے اسلام کا قصہ مذکور ہے ' انھوں نے حضرت عمر ابن الخطاب سے کہا تھا " یا عمر کل علامات النبؤۃ قد عرفتھا فی وجہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حین نظرت الیہ الا اثنتین لم اخبرھما منہ یسبق حلمہ جھلہ ولا یزیدہ شدۃ الجھل علیہ الا حلما فقد اخبرتھما۔ (۲) آپ کے اشجع الناس ہونے کی روایت حضرت انسؓ سے بخاری و مسلم میں ہے (۳) اعدل الناس ہونے پر شمائل میں حضرت علیؓ کی وہ طویل روایت دلالت کرتی ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف حسنہ پر مشتمل ہے ' اس روایت کے الفاظ ہیں " لا یقصر عن الحق ولا یجاوزہ۔۔۔قد وسع الناس بسطہ و خلقہ فصار لھم ابا اباوصاروا عندہ فی الحق سواء " اس روایت کی سند میں ایک راوی مجہول ہے۔

(۴) بخاری و مسلم میں حضرت عائشہؓ کی حدیث ان الفاظ میں " ما مست ید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ید امراۃ الا امراۃ یملکھا "۔

(۵) طبرانی اوسط میں حضرت انسؓ کی حدیث ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا " فضلت علی الناس باربع " ان چاروں میں سخاوت بھی ہے ' اس کے راوی ثقہ ہیں ' صاحب المیزان نے اسے منکر کہا ہے ' بخاری و مسلم میں حضرت انسؓ کی حدیث کے الفاظ ہیں " کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اجود الناس " یہ روایت بخاری و مسلم میں حضرت عبداللہ ابن عباسؓ سے بھی منقول ہے ' وہ کتاب الزکاۃ میں بھی گزر چکی ہے۔

(۶) یہ روایت بخاری و مسلم میں حضرت عبداللہ ابن عباسؓ سے بھی منقول ہے ' فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں غلّہ اور کپڑے کی شکل میں فدک سے کچھ ہدایا پیش ہوئے آپ اس وقت مسجد کے صحن میں تشریف فرما تھے ' آپ نے وہ تمام ہدایا مستحقین میں تقسیم کردئے ' آپ نے مجھ سے دریافت فرمایا : کیا کچھ باقی بچا ہے؟ میں نے عرض کیا : ہاں دو دینار بچے ہیں آپ نے فرمایا : کسی کو تلاش کرو تاکہ مجھے ان سے راحت ملے ' میں اپنے گھر والوں کے پاس اس وقت تک نہیں جاؤں گا جب تک ان دو دیناروں سے مجھے راحت نہ مل جائے ' لیکن کوئی شخص ہمارے پاس نہیں آیا ' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم گھر تشریف نہیں لے گئے ' بلکہ آپ نے مسجد ہی میں رات گزاری ' صبح ہوئی ' دوسرے دن بھی مسجد میں رہے ' شام کے وقت دو سوار آئے میں نے وہ دونوں دینار انھیں دیدئے ' آپ نے عشاء کی نماز پڑھ کر مجھے بلایا ' اور ان دیناروں کے متعلق استفسار فرمایا ' میں نے عرض کیا اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان سے راحت دیدی ہے ' اس پر آپ نے اللہ کی حمد وثنا بیان کی ' اور اس بات پر خدا تعالیٰ کا شکر ادا کیا کہ وہ مال مستحقین کو پہنچ گیا ' خدانخواستہ اس حال میں موت آجاتی کہ وہ مال آپ کے پاس ہوتا ' اس کے بعد میں آپ کے پیچھے پیچھے چلا یہاں تک کہ آپ اپنی ازواج محترمہ کے پاس تشریف لے گئے ' بخاری میں عقبہ ابن حارث کی مرفوع روایت بھی اسی طرح کے مضمون پر مشتمل ہے۔

کردہ رزق میں سے آپ صرف اتنی مقدار اپنے پاس رکھتے تھے جو آپ کے اور اہل خانہ کے سال بھر کی غذا کے لئے کافی ہو' اور غذا بھی وہ ہوتی جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں سب سے زیادہ ارزاں اور سہل الحصول تھی' یعنی جَو اور کھجور' باقی سب چیزیں اللہ کی راہ میں خیرات کردیا کرتے تھے (۱) اگر آپ سے کوئی چیز مانگی جاتی تو آپ عطا کردیا کرتے تھے۔ (۲) آپ اپنی سال بھر کی غذا میں سے ضرور تمندوں کو دے دیا کرتے تھے' اور اپنی ذات پر ان کو ترجیح دیا کرتے تھے بسا اوقات ایسا ہوتا کہ سال گزرنے سے پہلے ہی آپ کو غذائی اجناس کی ضرورت پڑ جاتی تھی بشرطیکہ اس دوران کوئی چیز آپ کے پاس نہ آجاتی (۳) آپ اپنے جوتے خود سی لیتے' کپڑوں میں پیوند لگالیتے' اور اپنے گھر کے تمام کام کرلیتے' (۴) اور ازواج مطہرات کے ساتھ مل کر گوشت بنالیتے' (۵) آپ لوگوں میں سب سے زیادہ حیادار تھے' حیا کی وجہ سے آپ کی نگاہ کسی شخص کے چہرے پر نہیں ٹھہرتی تھی (۶) آپ غلام اور آزاد کی دعوت یکساں طور پر قبول فرمایا کرتے (۷) آپ ہدیہ بھی قبول فرمالیتے اگرچہ وہ ایک گھونٹ دودھ یا خرگوش کی ران ہی کیوں نہ ہوتی' آپ معمولی ہدایا کا بدلہ بھی اتارتے' (۸) آپ ہدیہ کا

---

(۱) تقریباً اسی مفہوم کی روایت بخاری و مسلم میں حضرت عمر ابن خطاب سے منقول ہے' اور احیاء العلوم کی کتاب الزکوٰۃ میں بھی اس کا حوالہ گزر چکا ہے۔

(۲) طیالسی' داری اور بخاری بروایت سہل ابن سعد' بخاری میں ہے کہ ایک شخص نے آپ کا شملہ مانگا تو آپ نے اسے عطا کردیا' لوگوں نے اس شخص سے کہا کہ تونے ایسی چیز مانگی ہے جب کہ تو یہ جانتا ہے کہ آپ کسی مانگنے والے کو منع نہیں کرتے' مسلم میں حضرت انسؓ کی روایت ہے کہ جب بھی کسی نے اسلام کے نام پر آپ سے کوئی چیز مانگی آپ نے عطا فرمائی' صحیحین میں حضرت جابرؓ کی روایت ہے کہ آپ نے کسی سائل سے "نہیں" نہیں کہا۔

(۳) اس حقیقت پر حضرت ابن عباسؓ کی وہ روایت دلالت کرتی ہی جس کی تخریج ترمذی' نسائی اور ابن ماجہ نے کی کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی تو آپ کی زرہ بیس صاع غلّہ کے عوض رہن رکھی ہوئی تھی' یہ غلّہ آپ نے اہل خانہ کے لئے لیا تھا' ابن ماجہ میں تیس صاع جَو کا ذکر ہے' بخاری میں حضرت عائشہؓ کی روایت میں ہے کہ وفات کے وقت آپ کی زرہ تیس صاع غلّے کے عوض ایک یہودی کے پاس رہن رکھی ہوئی تھی یہ روایت بیہقی میں بھی ہے۔

(۴) مسند احمد میں بروایت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے جوتے گانٹھ لیا کرتے تھے' اپنے کپڑے سی لیتے تھے' اور اپنے گھر کا کام کرلیتے تھے جس طرح تم اپنے گھر کا کام کرلیتے ہو۔

(۵) مسند احمد میں حضرت عائشہؓ کی حدیث' فرماتی ہیں کہ ابوبکر کے گھروالوں نے ہمارے پاس رات کے وقت بکری کے گوشت کا ایک پارچہ بھیجا' میں نے وہ پارچہ پکڑا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسکی بوٹیاں بنائیں' یا یہ فرمایا کہ آپ نے پکڑا اور میں نے گوشت کاٹا

(۶) بخاری و مسلم میں حضرت ابوسعید الخدری کی روایت۔ الفاظ یہ ہیں کہ آپ کنواری پردہ دار لڑکی سے بھی شرمیلے تھے

(۷) ترمذی' ابن ماجہ اور حاکم میں حضرت انس کی حدیث ہے کہ آپ غلام کی دعوت قبول کرلیا کرتے تھے' دار قطنی میں حضرت ابو ہریرہؓ کی حدیث کے الفاظ ہیں "کان یجیب دعوۃ العبد الی طعام دعی ویقول لو دعیت الی کراع لاجبت" آخری جملہ آزاد کی دعوت قبول کرنے کے عموم پر دلالت کرتا ہے' یہ جملہ بخاری میں حضرت ابو ہریرہؓ سے منقول ہے' اور احیاء العلوم میں بھی ضیافت کے باب میں گزر چکا ہے' ابن سعد نے حمزہ ابن عبد اللہ ابن عتبہ سے نقل کیا ہے" کان یدعوہ احمر ولا اسود الا اجابہ" یہ حدیث مرسل ہے۔

(۸) بخاری میں حضرت عائشہؓ کی حدیث ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہدیہ قبول فرمالیتے تھے' اور اس کی مکافات کرتے تھے' دودھ کے گھونٹ اور خرگوش کی ران کا ذکر صحیحین میں ہے' حضرت اُمّ الفضلؓ کہتی ہیں کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں دودھ کا پیالہ پیش کیا' آپ اس وقت عرفہ میں تھے' آپ نے وہ دودھ نوش فرمایا' مسند احمد میں حضرت عائشہؓ کی روایت ہے کہ اُمّ سلمہؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت گرامی میں دودھ پیش کیا' بخاری و مسلم میں حضرت انسؓ کی روایت ہے کہ ابو طلحہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ران یا ران کے بالائی حصے کا گوشت بھیجا۔

کھانا کھالیا کرتے تھے، لیکن صدقہ کا کھانا تناول نہیں فرماتے' (۱) غلام اور غریب مسکین کی دعوت قبول کرنے میں غرور نہ فرماتے' (۲) آپ اپنے رب کی خاطر غصہ فرماتے' اپنے نفس کے لئے کسی سے خفا نہ ہوتے' (۳) حق کا نفاذ کرنا آپ کی عادت تھی' خواہ اس سے آپ کو یا آپ کے رفقاء کو پریشانی کا سامنا کرنا پڑتا' چنانچہ مشرکین نے آپ سے درخواست کی تھی کہ ہم دوسرے مشرکین کے خلاف آپ کی مدد کریں' اس وقت آپ کے ساتھ بہت کم لوگ تھے' اگر ان میں سے ایک بھی آجاتا تو وہ آپ کی جماعت میں زیادتی کا سبب بنتا' لیکن آپ نے یہ مدد قبول نہیں کی اور فرمایا کہ میں کسی مشرک سے مدد نہیں لینا چاہتا (۴) بڑے اور بزرگ صحابی کو یہودیوں کے یہاں مقتول پایا تو آپ نے ان پر ظلم نہیں کیا' اور نہ حق بات کی تلخی سے آگے بڑھے' بلکہ اس کی دیت سو اونٹ دی' حالانکہ اس وقت آپ کے رفقاء کو قوت حاصل کرنے کے لئے ایک اونٹ کی بھی سخت ضرورت تھی۔ (۵) بعض اوقات آپ بھوک کی وجہ سے اپنے پیٹ پر پتھر باندھ لیا کرتے تھے (۶) جو موجود ہوتا تناول فرمالیتے جو پاتے اسے واپس نہ کرتے حلال کھانے سے پرہیز نہ فرماتے' اگر خرما بغیر روٹی کے ملتا تو اسے ہی تناول فرمالیتے' اگر بھنا ہوا گوشت ملتا اسے ہی کھالیتے' گیہوں یا جَو کی روٹی ملی تو اسے کھالیتے' مٹھائی یا شہد ملتا تو اسے تناول فرمالیتے' دودھ بغیر روٹی کے ملتا تو اسی پر اکتفا فرمالیتے' اسی طرح اگر تر کھجوریں یا خربوزہ مل جاتا تو وہی تناول فرمالیتے' (۷) آپ ٹیک لگا کر کھانا نہ کھاتے (۸) نہ

---

(۱) ہدیہ قبول کرنے اور صدقہ کھانے کی روایت بخاری و مسلم میں حضرت ابو ہریرہؓ سے منقول ہے

(۲) نسائی اور حاکم میں عبداللہ ابن اوفیؓ کی حدیث' الفاظ ہیں "کان لا یستکبر ان یمشی مع مسکین" کتاب الصحبۃ کے دوسرے باب میں بھی یہ روایت گزری ہے' حاکم میں ابو سعید کی روایت کے الفاظ بھی یہی ہیں

(۳) شمائل ترمذی میں ہند ابن ابی ہالہ کی روایت میں ہے "کان لا تغضبه الدنیا وما کان منها فاذا تعدی الحق لم یقم لغضبه شئی حتی ینتصر له' ولا یغضب لنفسه ولا ینتصر لها"

(۴) اس کا ثبوت مسلم میں حضرت عائشہؓ کی روایت سے ملتا ہے کہ جب آپ حرۃ الوبرہ میں تھے تو ایک شخص آیا' اس کی جرأت و بہادری کی بڑی شہرت تھی' صحابہ کرام اسے اپنی جماعت میں دیکھ کر بے حد خوش ہوئے' اس شخص نے آپ سے عرض کیا کہ میں آپ کے پیچھے پیچھے رہوں گا' اور آپ کے ساتھ لڑوں گا' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے دریافت کیا کہ تو مسلمان ہے' اس نے کہا نہیں' فرمایا: "فارجع فلن استعین بمشرک" واپس جاؤ میں کسی مشرک سے ہرگز کوئی مدد نہیں لوں گا

(۵) بخاری و مسلم میں سہل ابن حثمہؓ اور رافع ابن خدیج کی روایات مقتول صحابی کا اسم گرامی عبداللہ ابن سہل انصاری تھا

(۶) (یہ واقعہ خندق کھودنے کے دنوں میں پیش آیا' جیسا کہ بخاری و مسلم میں حضرت جابرؓ کی روایت ہے' ترمذی میں ابو طلحہ کی روایت کے الفاظ ہیں "شکونا الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الجوع ورفعنا عن بطوننا عن حجر فرفع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن حجرین" یعنی ہم نے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے بھوک کی شکایت کی اور اپنے پیٹ پر بندھا ہوا پتھر دکھلایا اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے کرتے کا دامن اٹھا کر دکھلایا آپ کے شکم مبارک پر دو پتھر بندھے ہوئے تھے۔

(۷) آپ کی یہ تمام عادات طیبہ احادیث سے ثابت ہیں' ترمذی میں حضرت اُمّ ہانی کی روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس تشریف لائے اور دریافت کیا کہ کیا تمہارے پاس (کھانے کی) کوئی چیز ہے؟ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! صرف خشک روٹی اور سرکہ ہے' آپ نے فرمایا یہی لے آؤ۔ مسلم میں حضرت جابرؓ کی حدیث ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اہل خانہ سے سالن طلب کیا' عرض کیا گیا اس وقت صرف سرکہ موجود ہے' آپ نے وہی منگوالیا' مسلم ہی میں حضرت انسؓ کی روایت سے ثابت ہے کہ آپ نے خرما کھائے' ترمذی اور ابن ماجہ میں ابن عباسؓ کی حدیث ہے کہ آپ کا اکثر کھانا جَو کی روٹی پر مشتمل ہوتا تھا' بخاری و مسلم میں حضرت عائشہؓ کی حدیث ہے کہ آپ کو حلوہ اور شہد مرغوب تھا' صحیحین ہی میں حضرت ابن عباسؓ کی روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دودھ نوش فرمایا اور پانی منگوا کر کلی کی' نسائی میں حضرت عائشہؓ کی روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کھجوریں' خربوزے سے کھالیا کرتے تھے۔ (۸) یہ دونوں حدیثیں کھانے پینے کے آداب کے ضمن میں گزر چکی ہیں

اونچے خوان پر رکھ کر کھاتے (۱) کھانا کھانے کے بعد اپنے پیروں کے تلوؤں سے ہاتھ پونچھتے (۲) آپ نے زندگی بھر تین روز تک متواتر گیہوں کی روٹی نہیں کھائی' بخل اور مفلسی کی بنا پر نہیں بلکہ نفس کو مطیع اور مغلوب رکھنے کی خاطر (۳) آپ ولیمہ کی دعوت میں شرکت فرماتے (۴) مریضوں کی عیادت کے لئے تشریف لے جاتے اور جنازوں کی مشایعت فرماتے (۵) اپنے دشمنوں کی درمیان سے کسی محافظ کے بغیر تن تنہا گزر جاتے۔ (۶) آپ لوگوں میں سب سے زیادہ متواضع اور انتہائی باوقار تھے' آپ کے اندر تکبر کا شائبہ تک نہ تھا (۷) آپ سب سے زیادہ بلیغ گو تھے' لیکن کلام میں طوالت نہ تھی (۸) سب سے زیادہ خندہ پیشانی کے ساتھ ملنے والے تھے' (۹) دنیا کی کوئی چیز آپ کو تعجب میں نہیں ڈالتی تھی۔ (۱۰) جو کپڑا ملتا زیب تن فرمالیتے' کبھی شملہ' کبھی یمنی چادر' کبھی اونی جبّہ' (۱۱) آپ کی انگوٹھی چاندی

---

(۱) یہ دونوں حدیثیں کھانے پینے کے آداب کے ضمن میں گزر چکی ہیں

(۲) اس سلسلے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی عمل ثابت نہیں ہے' البتہ ابن ماجہ میں حضرت جابرؓ کی حدیث ہیکہ ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں کھانا بہت کم پاتے تھے' اگر کبھی مل جاتا تو ہمارے رومال ہماری ہتھیلیاں اور بازو ہوتے۔ یہ روایات کتاب الطہارۃ میں بھی گزر چکی ہے۔

(۳) تین دن تک متواتر گیہوں کی روٹی نہ کھانے کی روایت حضرت عائشہؓ سے بخاری و مسلم میں ہے' مسلم کے الفاظ یہ ہیں "ما شبع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ثلاث ایام تباعا خبز حتیٰ مضی لسبیلہ" مسلم ہی کی ایک روایت میں یہ ہے کہ آپ نے دو دن تک متواتر جو کی روٹی بھی نہیں کھائی۔

(۴) یہ سنت طیبہ معروف ہے' اور اس پر وہ روایت بھی دلالت کرتی ہے جو دعوت قبول کرنے کے سلسلے میں گزری ہے' طبرانی اوسط میں حضرت ابن عباسؓ کی روایت ہے کہ اگر کوئی شخص نصف شب میں بھی آپ کو جو کی روٹی کیلئے دعوت دیتا تو آپ اسکی دعوت قبول فرمالیتے۔

(۵) ترمذی' ابن ماجہ' حاکم بروایت انسؓ' حاکم بروایت سہل ابن حنیف' صحیحین میں بھی مریضوں کی عیادت اور جنازوں میں شرکت سے متعلق متعدد روایات ہیں۔

(۶) ترمذی' حاکم میں حضرت عائشہؓ کی روایت۔ فرماتی ہیں کہ آپ حفاظت کے لئے رفقاء کو اپنے ساتھ رکھتے تھے' جب یہ آیت نازل ہوئی "واللہ یعصمک من الناس" یعنی اللہ لوگوں سے آپ کی حفاظت کرتا ہے تو آپ نے لوگوں سے فرمایا واپس جاؤ اللہ تعالیٰ نے میری حفاظت کا وعدہ فرمایا ہے' ترمذی نے اسے غریب اور حاکم نے صحیح الاسناد کہا ہے۔

(۷) ابوالحسن ابن ضحاک نے شمائل میں حضرت ابوسعید الخدریؓ کی حدیث نقل کی ہے کہ آپ خوش خلق' شریف طبع خندہ رو اور متواضع تھے' لیکن آپ کی تواضع میں ذلت کا پہلو نہیں تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تواضع پر دلالت کرنے والی بے شمار روایات ہیں مثلاً نسائی میں ابن ابی اوفی کی حدیث ہیکہ آپ اس بات سے تکبّر نہ کرتے تھے کہ بیوہ یا مسکین کے ساتھ چلیں' باوقار ہونے پر داؤد میں براء ابن عازب کی روایت دلالت کرتی ہے' فرماتے ہیں کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرماتے' اور ہم لوگ آپ کے سامنے بیٹھے تھے گویا ہمارے سروں پر پرندے ہیں' یعنی آپ کے دبدبے کی وجہ سے ہم میں سے کسی کی حرکت نہ تھی' سنن میں اسامہ ابن شریک کی روایت ہے کہ کہتے ہیں کہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اس وقت آپ کے اصحاب اس طرح بیٹھے ہوئے تھے گویا ان سروں پر پرندے بیٹھے ہوتے ہیں۔

(۸) بخاری بروایت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ جب آپ بات کرتے تو سننے والے کے لئے یہ ممکن ہوتا کہ وہ آپ کے کلام کا ایک ایک لفظ شمار کرلے۔ ایک مرتبہ ارشاد فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس طرح تیز نہیں بولتے جس طرح تم بولتے ہو' بخاری نے تعلیقاً اور مسلم نے موصولاً اس روایت کی تخریج کی ہے' مسلم میں یہ زیادتی بھی ہے کہ آپ اتنے واضح اور جدا جدا جملے بولتے کہ سننے والا آپ کی بات آسانی سے یاد کرلیتا۔ شمائل ترمذی میں ابن ابی ہالہ کہتے ہیں کہ آپ جوامع الکلم ارشاد فرماتے جو واضح ہوتے نہ ان میں زیادتی ہوتی نہ کمی۔

(۹) شمائل ترمذی میں ابن ابی طالبؓ کی حدیث کے الفاظ "دائم البشر سہل الخلق جامع ترمذی میں عبداللہ ابن الحارث ابن جزء کہتے ہیں کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ متبسم کسی شخص کو نہیں دیکھا۔

(۱۰) احمد بروایت عائشہؓ الفاظ یہ ہیں "ما اعجب النبی صلی اللہ علیہ وسلم شی من الدنیا الا ان یکون فیہا ذو تقی"۔

(۱۱) ابن ماجہ میں عبادۃؓ ابن الصامت کی حدیث کہ آپ نے شملہ میں نماز پڑھی' بخاری و مسلم میں حضرت انسؓ کی روایت ہے کہ آپ کو کپڑوں میں سب سے زیادہ یمنی چادر پسند تھی' بخاری و مسلم میں مغیرہ ابن شعبہ کی حدیث کہ آپ نے اونی جبہ زیب تن فرمایا۔

کی تھی' (۱) اور آپ اسے دائیں اور بائیں ہاتھ کی چھوٹی انگلی میں پہنا کرتے تھے' (۲) آپ اپنی سواری کے پیچھے غلام کو یا کسی دوسرے کو بٹھالیا کرتے تھے' وقت پر جو سواری مہیا ہو جاتی اسے استعمال کرتے چنانچہ آپ نے گاہے گھوڑے پر گاہے اونٹ پر' کبھی خچر پر' اور کبھی گدھے پر سواری کی ہے' آپ چادر و عمامہ کے بغیر برہنہ سر اور برہنہ پا پیدل بھی چلے ہیں' (۳) مدینے کے آخری کنارے پر رہنے والے مریضوں کی عیادت کے لئے بھی آپ تشریف لے جاتے' (۴) آپ کو خوشبو بے حد پسند تھی' بدبو سے آپ کو سخت کراہت ہوتی' (۵) (آپ فقیروں کے ساتھ بیٹھ جاتے' (۶) مساکین کے ساتھ کھانا کھالیتے (۷) بہترین اخلاق کے حامل لوگوں کا اکرام فرماتے' قوم کے شرفاء اور روساء کے ساتھ انکے مقام و مرتبے کے مطابق سلوک کرتے (۸) صلہ رحمی فرماتے مگر اسطرح نہیں کہ اعزہ کو ان سے افضل لوگوں پر ترجیح دیں (۹) آپ کسی

---

(۱) بخاری و مسلم بروایت انسؓ (۲) مسلم میں حضرت انسؓ کی حدیث کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے دائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہنی' بخاری میں ان ہی کی روایت ہے کہ انگوٹھی کا نشان (سفیدی) آپ کی چھوٹی انگلی میں تھا۔ بائیں ہاتھ میں پہننے کی روایت بھی مسلم میں حضرت انسؓ سے ہے۔

(۳) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسامہ ابن زید کو اپنا ردیف بنایا جیسا کہ بخاری و مسلم میں حضرت ابن عباسؓ اور خود حضرت اسامہؓ کی حدیث سے ثابت ہوتا ہے۔ اسامہ آپ کے غلام ابن غلام تھے' مزدلفہ سے واپسی کے سفر میں فضل ابن عباس کو ردیف بنایا۔ یہ درست بھی ہے کہ صحیحین میں ہے' اور راوی ان دونوں کے علاوہ فضل ابن عباس بھی ہیں' آپ نے حضرت معاذ ابن جبلؓ اور ابن عمرؓ کو بھی اپنا ردیف بنایا۔

(۴) گھوڑے پر سواری کی روایات بخاری و مسلم میں حضرت انسؓ سے' مسلم میں حضرت جابر اور سہل ابن سعد سے مروی ہیں' بخاری و مسلم میں حضرت ابن عباس کی روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اونٹ پر بیٹھ کر طواف کعبہ کیا' صحیحین ہی میں براء کی حدیث میں ہے کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جنگ حنین کے موقع پر سفید رنگ کے خچر پر بیٹھے ہوئے دیکھا' اسامہ کی روایت کے بموجب آپ نے گدھے کو بھی بطور سواری اختیار فرمایا' یہ روایت بھی بخاری و مسلم میں ہے ان ہی دونوں کتابوں میں ابن عمرؓ کی روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قبا تشریف لاتے تھے' کبھی سوار ہو کر اور کبھی پیدل' مریضوں کی عیادت کے سلسلے میں مسلم نے سعد ابن عبادہ کی روایت نقل کی ہے کہ ہم دس بارہ افراد آپ کے ہمراہ اس طرح نکلے کہ ہمارے سروں پر ٹوپیاں اور پیروں میں جوتے نہیں تھے۔

(۵) نسائی بروایت انسؓ۔ فرمایا " حبب الی النساء والطیب " یعنی میرے لئے عورتیں اور خوشبو محبوب کردی گئی ہے' ابو داؤد اور حاکم نے حضرت عائشہؓ سے نقل کیا ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے صوف کا جبہ سیا آپ نے اسے زیب تن فرمایا' پسینہ کی وجہ سے صوف کی بدبو محسوس کی تو اسے اتار دیا' آپ کو خوشبو پسند تھی۔

(۶) ابو داؤد کی روایت کے بموجب حضرت ابو سعید الخدریؓ فرماتے ہیں کہ میں ناتواں اور ضعیف مہاجرین کی ایک جماعت میں تھا' اور اس جماعت کا حال یہ تھا کہ وہ عریانی کی وجہ سے ایک دوسرے کو ڈھانپ رہے تھے' اس مجلس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے درمیان موجود تھے۔

(۷) مساکین کو اپنے ساتھ کھلانے کی روایت بخاری میں حضرت ابو ہریرہؓ سے ہے کہ اہل صفہ اسلام کے مہمان تھے نہ ان کے عیال تھے' نہ انکے پاس مال تھا' جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس صدقہ آتا تو آپ انھیں بھجوا دیتے' خود نہ کھاتے' اور جب ہدیہ آتا تو خود بھی کھاتے اور انھیں بھی بھجواتے یا انھیں اپنے ساتھ شریک کرلیتے۔

(۸) شمائل ترمذی میں حضرت علیؓ کی طویل حدیث کہ آپ اہل فضل کو ترجیح دیتے' اور دین میں انکے مرتبے کی رعایت فرماتے' ہر قوم کے معزز اشخاص کا اعزاز فرماتے' اور اسے اس قوم کا سربراہ بنا دیتے' طبرانی میں حضرت جریرؓ نے اپنے اسلام لانے کے واقعہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ الفاظ نقل کئے ہیں " اذا جاءکم کریم قوم فاکرموہ "۔

(۹) حاکم میں ابن عباس کی روایت کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عباس کی والدین کی طرح عزت کرتے تھے' لیکن اسی کے ساتھ حاکم میں سعد ابن ابی وقاص کی روایت ہے کہ آپ نے حضرت عباس کو مسجد سے باہر کردیا' اور علی کو رہنے دیا' حضرت عباس نے اپنے چچا ہونے کا واسطہ دیا تو آپ نے فرمایا کہ اللہ نے آپ کو نکال دیا ہے اور علی کو ٹھہرا لیا ہے۔

پر ظلم نہ کرتے' عذر کرنے والے کی معذرت قبول فرمالیتے (۱) مزاح بھی فرماتے لیکن اس میں بھی حق بات ہی کہتے (۲) آپ مسکراتے آواز سے نہ ہنستے (۳) مباح کھیل خود بھی دیکھ لیتے اور دوسروں کو بھی دیکھنے سے منع نہ فرماتے۔ (۴)

اپنی ازواج مطہرات کے ساتھ دوڑ لگاتے (۵) آپ کے سامنے آوازیں بلند ہوتیں لیکن آپ صبر فرماتے (۶) آپ کے پاس دودھ دینے والی اونٹنی اور بکری تھی' آپ اور آپ کے گھر والے ان کا دودھ پیتے تھے (۷) کھانے پینے اور پہننے میں آپ اپنے غلام باندیوں سے فوقیت نہ لے جاتے' بلکہ جیسا خود کھاتے ایسا ہی انھیں کھلاتے اور جیسا خود پہنتے ایسا ہی انھیں پہناتے (۸) آپ کا کوئی وقت ایسا نہیں گزرتا جس میں آپ اللہ کے لئے' اور اپنے نفس کی بہتری کے لئے کام نہ کرتے ہوں' (۹) آپ اپنے اصحاب کے باغات میں بھی تشریف لے جاتے (۱۰) آپ کسی مسکین کو اسکی مفلسی اور مسکنت کی وجہ سے ذلیل نہ سمجھتے' اور نہ کسی بادشاہ سے اس کی بادشاہت کی وجہ سے ڈرتے بلکہ آپ دونوں کو یکساں طور پر اللہ کی دعوت دیتے (۱۱) اللہ تعالیٰ نے آپ کی ذات گرامی میں کردار کی بلندی' اور سیاست کی جامعیت رکھ دی تھی' ورنہ آپ اُمّی تھے' نہ لکھنا جانتے تھے اور نہ پڑھنا' جاہلوں کے ملک میں پیدا ہوئے' صحرائی ماحول میں پروان چڑھے' مفلس اور یتیم تھے' بکریاں چرایا کرتے تھے' نہ آپ کی والدہ حیات تھیں اور نہ والد کا سایہ تھا' مگر اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل و کرم سے آپ کو تمام اچھے اخلاق سکھلا دئے تھے' اور بہترین طریقوں سے آگاہ کردیا تھا' اگلوں اور پچھلوں کے تمام حالات و اوقات آپ کے علم میں تھے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں آپ کے نقش قدم پر چلنے اور آپ کے اسوۂ حسنہ کی اتباع کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

---

(۴۳) ابوداؤد' شمائل ترمذی میں انسؓ کی روایت فرماتے ہیں کہ آپ کبھی کسی سے ایسی بات نہ کہتے جسے وہ ناپسند کرتا ہو۔

(۴۴) بخاری و مسلم کعب ابن مالکؓ' احمد ترمذی۔ ابو ہریرہؓ ترمذی کے الفاظ ہیں "قالوا انک تداعبنا" قال انی ولا اقول الا حقا۔

(۴۵) بخاری و مسلم میں حضرت عائشہؓ اور ترمذی میں عبداللہ ابن الحارث ابن جزء کی روایات

(۴۶) کتاب السماع میں یہ روایت گزر چکی ہے۔

(۴۷) ابوداؤد' نسائی۔۔ عائشہؓ

(۴۸) بخاری میں حضرت عبداللہ ابن زبیر کی روایت یہ آوازیں اس وقت بلند ہوئیں جب بنو تمیم کا ایک وفد آیا تھا۔ اور کسی مسئلے میں حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمرؓ میں اختلاف رائے ہوگیا تھا' اسی موقع پر یہ آیت نازل ہوئی "یاایھاالذین آمنوالاتقدموابین یدی اللہورسولہ"

(۴۹) طبقات ابن سعد میں حضرت سلمہؓ کی روایت کہ ہمارا گھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دودھ پر ہوتا تھا

(۵۰) ابن سعد نے سلمیٰ سے اور ابوبکر ابن حزم نے نقل کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی تمام باندیاں اور غلام آزاد کردئے تھے' ابوبکر ابن الضحاک نے شمائل میں حضرت ابوسعید الخدری سے نقل کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے خادموں کے ساتھ کھانا کھایا کرتے تھے' مسلم میں ابو الیسر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کرتے ہیں " اطعموھم مما تاکلون والبسوھم مما تلبسون " (انھیں وہ کھلاو جو تم کھاتے ہو اور وہ پہناو جو تم پہنتے ہو۔

(۵۱) شمائل ترمذی میں حضرت علیؓ کی روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب گھر تشریف لاتے تو اپنے اوقات کے تین حصے فرمالیتے' ایک اللہ کے لئے' ایک اہل خانہ کے لئے اور ایک اپنی ذات کے لے' اپنی ذات کے لئے مخصوص وقت کو بھی اپنے اور لوگوں کے درمیان تقسیم فرمادیتے

(۵۲) کتاب آداب الاکل کے تیسرے باب میں گزر چکا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ابوالہیثم ابن التیہانؓ ور ابو ایوب انصاریؓ کے باغات میں تشریف لے گئے

(۵۳) بخاری میں سہل ابن سعدؓ کی روایت کہ ایک شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے گزرا آپ نے صحابہ سے دریافت فرمایا اس کے متعلق کیا کہتے ہو؟ عرض کیا یہ اس قابل ہے کہ اگر پیغام نکاح دے تو نکاح کردیا جائے ایک مفلس مسلمان گزرا تو اسکے متعلق بھی آپ نے یہی سوال کیا' صحابہ نے کہا کہ یہ اس قابل نہیں' فرمایا یہ شخص پہلے شخص سے بدرجہا بہتر ہے' مسلم میں حضرت انسؓ کی حدیث ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کسریٰ' قیصر اور نجاشی وغیرہ کو دعوت اسلام دی۔

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے کچھ اور اخلاق حسنہ

یہاں ابوالبختری کی مرویات درج کی جارہی ہیں صحابہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مومنین میں سے کسی کو برا نہیں کہا اگر کہا تو اسے اس کے حق میں رحمت اور کفارہ ہونے کی دعا قرار دی (۱) آپ نے نہ کبھی کسی عورت کو ملعون کہا' اور نہ کسی خادم کو (۲) بلکہ آپ کا مزاج تو یہ تھا کہ جب جنگ کے موقع پر عرض کیا گیا کہ یارسول اللہ آپ دشمنوں پر لعنت بھیجیں' اور ان کے خلاف بددعا کریں تو آپ فرماتے کہ مجھے رحمت بنا کر بھیجا گیا ہے نہ کہ لعنت کرنے والا' (۳) جب کبھی بھی آپ سے کسی مسلمان کے خلاف یا کسی مخصوص کافر یا عام کفار کے خلاف بددعا کیلئے کہا گیا تو آپ نے بددعا کے بجائے دعا فرمائی' (۴) آپ نے اپنے ہاتھ سے کسی کو نہیں مارا' الا یہ کہ جنگ کا موقع ہو' اور دشمن بر سرپیکار ہو' آپ نے کبھی کسی سے انتقام نہیں لیا' الا یہ کہ اس نے حرمت الٰہی کی اہانت کی ہو جب کبھی آپکو دو چیزوں میں سے ایک کو پسند کرنے کا اختیار دیا گیا تو آپ نے سہل تر کو پسند فرمایا' الا یہ کہ اسمیں کسی گناہ کی آمیزش ہو' یا قطع رحمی ہوتی ہو' آپ دونوں سے انتہائی اجتناب فرماتے تھے' (۵) آپ ہر آنے والے کی ضرورت کے لئے کھڑے ہو جاتے خواہ آنے والا آزاد یا غلام ہوتا اور باندی (۶) حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ اس ذات کی قسم جس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا آپ نے مجھے کبھی میری غلطی پر برا نہیں کہا' بلکہ اگر ازواج مطہرات نے ملامت کی تو آپ نے روک دیا اور فرمایا کہ تقدیر میں اسی طرح ہونا تھا اسے کچھ نہ کہو' (۷) آپ نے کبھی سونے کی جگہ میں برائی نہیں نکالی اگر آپ کے لئے بستر لگا دیا جاتا تو آپ اس پر لیٹ جاتے ورنہ زمین پر آرام فرماتے' (۸) اللہ تعالیٰ نے توراۃ کی پہلی سطر میں ۔۔ بعثت سے پہلے ۔۔ آپ کے یہ اوصاف بیان فرمائے ہیں کہ محمد رسول اللہ میرے برگزیدہ بندے ہیں' نہ وہ بدمزاج ہیں' نہ سخت گو ہیں' نہ بازاروں میں شور مچانے والے ہیں' نہ برائی کا بدلہ برائی سے دینے والے ہیں' بلکہ وہ عفو و درگزر سے کام لیتے ہیں' ان کا مقام پیدائش مکہ' مقام ہجرت طابہ' اور ملک شام میں ہے' وہ اور ان کے اصحاب جسم کے درمیانی حصے میں تہمند باندھتے ہیں' قرآن اور علم کے حافظ ہیں' وضو میں ہاتھ اور پاؤں دھوتے ہیں۔ اسی طرح کے اوصاف انجیل میں مذکور ہیں۔ آپ کی عادت طیبہ یہ تھی کہ ملنے والے کو سلام کرنے میں پہلے فرماتے (۹) اگر کوئی اپنی کسی ضرورت کے تحت آپ کو کھڑا کر لیتا تو آپ صبر فرماتے

---

(۱) بخاری و مسلم۔ ابوہریرہؓ فرمایا "فای المومنین لعنتہ شتمتہ جلدتہ فاجعلہا صلاۃ و زکوۃ و قربۃ"

(۲) بخاری و مسلم میں حضرت عائشہؓ اور صرف بخاری میں حضرت انسؓ کی روایات

(۳) مسلم۔ ابوہریرہؓ۔ فرمایا "انما بعثت رحما ولم ابعث لعانا"۔

(۴) بخاری و مسلم۔۔ ابوہریرہؓ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! دوس کے لوگ کافر ہو گئے ہیں اور حق کا انکار کرتے ہیں' آپ ان کے خلاف بددعا فرمادیں' آپ نے یہ دعا فرمائی کہ اے اللہ اس قوم کی ہدایت فرما

(۵) کچھ اختلاف کے ساتھ بخاری و مسلم میں حضرت عائشہؓ کی حدیث' یہ حدیث کتاب آداب الصحبۃ میں بھی گزر چکی ہے۔

(۶) بخاری نے تعلیقاً حضرت انسؓ کی یہ روایت نقل کی ہے کہ مدینہ کی کوئی بھی عورت آپ کا ہاتھ پکڑ لیتی اور جہاں چاہے لے جاتی آپ تشریف لیجاتے' یہ روایت ابن ماجہ میں بھی ہے' اسی مضمون کی حدیث پچھلے بیان میں ابن ابی اوفی سے نقل کی جاچکی ہے

(۷) بخاری و مسلم میں حضرت انسؓ کی روایت فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے کبھی یہ نہیں فرمایا کہ تم نے یہ کام کیوں نہیں کیا۔ گھر والوں کو ڈانٹنے سے منع کرنے کی روایت ابوالشیخ نے نقل کی ہے۔

(۸) یہ حدیث مجھے نہیں ملی' البتہ معروف یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی کسی کھانے میں عیب نہیں نکالا۔ یہ روایت تمام تر تفصیلات کے ساتھ شمائل ترمذی' طبرانی اور ابو نعیم نے نقل کی ہے' صحیحین میں حضرت عمرؓ سے نقل کیا ہے کہ آپ چٹائی پر لیٹے' ترمذی میں ابن مسعودؓ کی حدیث ہے کہ آپ نے چٹائی پر آرام فرمایا سو کر اٹھے تو چٹائی کا نشان آپ کے پہلو پر نمایاں تھا۔ (۹) یہ روایت ترمذی میں ہند ابن ابی ہالہ سے مروی ہے

یہاں تک کہ وہ شخص خود ہی چلا جاتا' (۱) اسی طرح اگر کوئی ہاتھ پکڑلیتا تو از خود نہ چھڑاتے' یہاں تک کہ وہ خود ہی چھڑالیتا' (۲) جب آپ اپنے اصحاب میں سے کسی سے ملتے تو اولاً اس سے مصافحہ فرماتے پھر اسکا ہاتھ پکڑلیتے' اور اسکی انگلیوں میں اپنی انگلیاں ڈال کر زور سے دباتے' (۳) بیٹھتے اور اٹھتے ہوئے آپ کی زبان مبارک پر اللہ کا ذکر رہتا' (۴) اگر آپ نماز میں مشغول ہوتے اور کوئی شخص آپ سے ملنے آبیٹھتا تو آپ نماز مختصر فرمادیتے' اور اس سے دریافت فرماتے کہ وہ کس مقصد سے آیا ہے' اس کی ضرورت پوری کرنے کے بعد نماز مکمل کرتے' (۵) آپ عموماً اس طرح بیٹھتے کہ دونوں پاؤں کھڑے کرلیتے اور ان کے گرد ہاتھوں کا حلقہ بنالیتے' (۶) آپ کی نشست آپ کے اصحاب کی نشست سے اعلیٰ اور ممتاز نہیں تھی' (۷) مجلس میں جس جگہ ملتی تشریف رکھتے' (۸) اگر جگہ تنگ ہوتی تو آپ اپنے اصحاب کے درمیان پاؤں پھیلا کر نہ بیٹھتے' تاہم جگہ کے کشادہ ہونے کی صورت میں پاؤں پھیلا لیتے' آپ عام طور پر قبلہ رخ ہو کر بیٹھتے' (۹) آپ آنے والے کی تعظیم کرتے' یہاں تک کہ بعض لوگوں کے لئے اپنی چادر بچھادیتے' جن سے آپ کی قرابت داری نہ تھی' اور نہ رضاعت کا رشتہ تھا' جو تکیہ آپ کے پیچھے رہتا آنے والے کی طرف بڑھادیتے' اگر وہ انکار کرتا تو اس حد تک اصرار کرتے کہ وہ تکیہ لگا کر بیٹھنے پر مجبور ہوجاتا (۱۰) آپ سے تعلق اور مخلصانہ محبت رکھنے والا ہر شخص یہی سمجھتا کہ آپ کا کرم اور آپ کی عنایت سب سے زیادہ مجھ پر ہے' آپ اپنی مجلس میں موجود ہر فرد کو اسکے حصہ کے مطابق توجہات سے نوازتے' آپ کی مجلس حیا' تواضع اور امانت کی مجلس تھی (۱۱) اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں :۔

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ

(پ ۴ ر ۸ آیت ۱۵۹)

بعد اس کے خدا ہی کی رحمت کے سبب آپ ان کے ساتھ نرم رہے اور اگر آپ تند خو سخت طبیعت

---

(۱) یہ الفاظ حضرت علی ابن ابی طالب سے منقول ہیں' اور ان کی تخریج طبرانی اور ابو نعیم نے دلائل النبوۃ میں بھی کی ہے' ابن ماجہ میں حضرت انسؓ کی روایت ہے کہ "کان اذا لقی الرجل فکلمہ لم یصرف وجہہ حتی یکون ھو المنصرف" ترمذی سے بھی اسی طرح کی روایت نقل کی ہے۔

(۲) ترمذی اور ابن ماجہ نے حضرت انسؓ سے نقل کیا ہے "اذا استقبل الرجل فصافحہ لا ینزع یدہ من یدہ حتی یکون الرجل ینزع"

(۳) ابوداؤد میں حضرت ابوذر کی روایت ہے' ان سے کسی نے پوچھا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مصافحہ فرمایا' انگلیوں میں انگلیاں ڈال کر زور سے دبانے کی روایت حاکم میں ہے' ابوہریرہؓ اس کے راوی ہیں۔ (۴) شمائل ترمذی بروایت علیؓ (۵) اس حدیث کی کوئی اصل مجھے نہیں ملی۔

(۶) ابوداؤد' ترمذی۔ ابو سعید الخدریؓ۔ اس کی سند ضعیف ہے' بخاری۔ ابن عمرؓ روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو صحن کعبہ میں اپنی پنڈلیوں کے گرد ہاتھوں سے حلقہ بنا کر بیٹھے ہوئے دیکھا۔

(۷) چنانچہ حضرت ابوہریرہؓ اور حضرت ابوذرؓ فرماتے ہیں کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اصحاب کے درمیان اسطرح بیٹھتے کہ اگر کوئی اجنبی آتا تو یہ نہ پہچان پاتا کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کون ہیں' یہ دونوں روایتیں ابوداؤد اور ترمذی میں ہیں (۸) شمائل ترمذی میں حضرت علیؓ کی طویل حدیث

(۹) دار قطنی نے غرائب مالک میں یہ روایت حضرت انسؓ سے نقل کی اور اسے ضعیف کہا ہے۔ ترمذی اور ابن ماجہ میں انہی کی روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کبھی اپنے ہم نشین کے آگے پاؤں پھیلائے ہوئے نہیں دیکھا گیا۔

(۱۰) حاکم میں حضرت انسؓ کی روایت ہے کہ جریر ابن عبداللہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے اپنی چادر مبارک ان کی طرف بڑھائی اور فرمایا اے جریر اس پر بیٹھو' اسی روایت میں آپ کا یہ حکم بھی ہے "اذا اتاکم کریم قوم فاکرموہ" یہ حدیث طبرانی اور ابو نعیم میں بھی ہے اور احیاء العلوم کی کتاب الصحبۃ میں بھی گزر چکی ہے۔

(۱۱) شمائل ترمذی میں حضرت علیؓ کی طویل روایت کے الفاظ ہیں کہ آپ اپنے پاس بیٹھنے والے ہر شخص کو اپنی توجہات سے نوازتے' اور کوئی ہم نشین یہ نہ سمجھتا کہ دوسرا آپ کی نظروں میں اس سے زیادہ معزز ہے' اسی حدیث میں یہ بھی ہے کہ آپ کی مجلس بردباری' حیا' صبر اور امانت کی مجلس تھی۔

ہوتے تو یہ آپ کے پاس سے سب منتشر ہو جاتے۔

آپ اپنے اصحاب کو ان کی تعظیم اور دلدہی کی خاطر ان کی کنیتوں کے ساتھ مخاطب فرماتے (۱) جس کی کنیت نہ ہوتی اسے کنیت عطا فرماتے، بعد میں لوگ اسے آپ کی عطا کردہ کنیت سے پکارتے (۲) عورتوں کو بھی کنیتیں دیتے ان کو بھی جن کے اولاد ہوتی اور انھیں بھی جو اولاد سے محروم ہوتیں (۳) بچوں کو بھی ان کی دلداری کے لئے کنیتیں دیتے (۴) آپ بہت کم ناراض ہوتے اور بہت جلد خوش ہو جاتے (۵) آپ لوگوں کے ساتھ بھلائی کرنے میں، ان پر مہربانی کرنے میں، اور انھیں نفع پہنچانے میں سب سے آگے تھے (۶) آپ کی مجلسوں میں آوازیں بلند نہ ہوتیں (۷) جب آپ مجلس سے اٹھتے تو یہ دعا پڑھتے:

سُبْحَانَکَ اللّٰھُمَّ وَبِحَمْدِکَ اَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اَنْتَ اَسْتَغْفِرُکَ وَاَتُوْبُ اِلَیْکَ

اے اللہ میں تیری پاکی بیان کرتا ہوں، تیری حمد بیان کرتا ہوں، میں گواہی دیتا ہوں کہ تیرے سوا کوئی معبود نہیں ہے، تجھ سے مغفرت چاہتا ہوں اور تیری ہی طرف رجوع کرتا ہوں۔

آپ نے فرمایا کہ مجھے یہ دعا جبرئیل علیہ السلام نے سکھلائی ہے (۸)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی گفتگو اور ہنسی

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سب سے زیادہ فصیح اور شیریں گفتار تھے، آپ کا ارشاد ہے:

انا افصح العرب (طبرانی۔ ابو سعیدؓ)

میں عرب میں زیادہ فصیح ہوں۔

ایک مرتبہ فرمایا کہ اہل جنت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان بولیں گے (۹) آپ کم گو اور نرم گفتار تھے، جب بولتے تو بہت

---

(۱) بخاری و مسلم میں وہ روایت جس میں غار ثور کا قصہ ہے، آپ نے حضرت ابوبکر سے فرمایا تھا "یا ابا بکر ما ظنک باثنین اللہ ثالثھما" حاکم میں حضرت ابن عباسؓ کی روایت کے مطابق آپ نے حضرت عمرؓ سے فرمایا تھا یا ابا حفص ابصرت وجہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم" بخاری و مسلم میں ہے کہ آپ نے حضرت علیؓ سے فرمایا "قم یا ابا تراب"۔

(۲) ترمذی میں انسؓ کی حدیث کے مطابق آپ نے انھیں ابو حمزہ کی کنیت دی، ابن ماجہ میں ہے کہ حضرت عمرؓ نے صہیب ابن مالکؓ سے دریافت فرمایا کہ تمہارے اولاد نہیں ہے اس کے باوجود تم کنیت رکھتے ہو، فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے ابو یحییٰ کی کنیت دی تھی۔

(۳) حاکم میں اُمّ ایمن کی روایت کہ آپ نے ان سے فرمایا تھا "یا ام ایمن قومی الی تلک الفخاری" ابن ماجہ میں حضرت عائشہؓ کی روایت ہے کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا آپ نے میرے علاوہ اپنی تمام بیویوں کو کنیتیں دی ہیں فرمایا تم ام عبداللہ ہو۔ بخاری میں ہے کہ آپ نے اُمّ خالد کو کنیت دی حالانکہ وہ اس وقت بچی تھیں۔

(۴) صحیحین میں حضرت انسؓ کی روایت میں ہے کہ آپ نے میرے چھوٹے بھائی سے فرمایا "یا ابا عمیر ما فعل النغیر"

(۵) آپکی سیرت طیبہ اس امر پر روشن دلیل ہے۔

(۶) یہ بات بھی آپ کے حالات زندگی کے مطالعے سے بخوبی سمجھ میں آجاتی ہے۔

(۷) شمائل ترمذی۔ بروایت علیؓ

(۸) نسائی عمل الیوم واللیلۃ میں اور حاکم نے مستدرک میں رافع ابن خدیج سے اس روایت کی تخریج کی ہے۔ احیاء العلوم کی کتاب الاذکار والدعوات میں بھی گزر چکی ہے۔

(۹) حاکم میں حضرت ابن عباس کی روایت "کلام اھل الجنۃ عربی"

زیادہ کلام نہ فرماتے' آپ کا کلام لڑی میں پروئے ہوئے موتیوں کی طرح مرتب اور مربوط ہوتا(۱) حضرت عائشہؓ لوگوں سے فرمایا کرتی تھیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم گفتگو کو طول نہیں دیتے تھے جس طرح تم دیتے ہو' آپ کا کلام مختصر ہوتا تھا' اور تم لوگ پھیلانے کی کوشش کرتے ہو'(۲) آپ کا کلام سب سے زیادہ مختصر تھا' چنانچہ جبرئیل علیہ السلام جو کلام آپ کے پاس لائے وہ بھی مختصر اور جامع ہے'(۳) آپ جامع کلمات ارشاد فرماتے نہ ان میں کمی ہوتی اور نہ زیادتی' جب آپ بولتے تو ایسا لگتا کہ موتی ایک دوسرے کے پیچھے چلے آرہے ہوں' آپ کلام کے دوران تھوڑی دیر کے لئے ٹھہر جاتے تاکہ مخاطب سمجھ لے اور محفوظ کرلے'(۴) آپ کی آواز بلند تھی' اور لہجہ میں نغمگی اور حلاوت تھی'(۵) آپ زیادہ تر خاموش رہتے' بلا ضرورت بات نہ کرتے(۶) کوئی غلط لفظ زبان پر نہ لاتے' ہر حال میں حق بات کہتے خواہ خوشی کے عالم میں ہوں یا غصے کے عالم میں'(۷) جو شخص گندی باتیں کرتا اس سے اعراض فرماتے'(۸) اگر کوئی ناپسندیدہ اور غلط لفظ بولنے کی ضرورت ہوتی تو اسکی صراحت نہ فرماتے' بلکہ اس بات کو بطور کنایہ ارشاد فرماتے'(۹) جب آپ خاموش ہوجاتے تو حاضرین مجلس اپنی بات کہتے' آپ کی مجلس میں کسی کا قطع کلام نہ کیا جاتا'(۱۰) آپ سنجیدگی سے نصیحت فرماتے'(۱۱) ارشاد فرماتے ہیں کہ قرآن کو قرآن سے مت ٹکراؤ

---

(۱) طبرانی بروایت امّ معبد۔ فرماتی ہیں "کان منطقه خرزات نظم یتحدرن حلو المنطق لا نزر ولا هذر" حضرت عائشہؓ کی روایت بخاری و مسلم کے حوالے سے پہلے ہی گزر چکی ہے کہ آپ کلام کرتے تو بولنے والے کے لئے آپ کے الفاظ کا شمار و احاطہ کرنا ممکن تھا۔

(۲) حدیث کے یہ الفاظ کہ "آپ گفتگو کو تم لوگوں کی طرح طول نہیں دیتے تھے" صحیحین میں ہیں' باقی حدیث خلعی نے کتاب الفوائد میں منقطع سند کے ساتھ روایت کی ہے۔

(۳) یہ روایت ان الفاظ میں عبد ابن حمید نے نقل کی ہے' حضرت عمر راوی ہیں' دار قطنی میں حضرت ابن عباس کی حدیث ہے "اعطیت جوامع الکلم واختصر لی الحدیث اختصارا" اس حدیث کا پہلا جز متفق علیہ ہے بخاری فرماتے ہیں کہ جوامع الکلم کے سلسلے میں مجھے یہ معلوم ہوا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے لئے ایک امر یا دو امروں میں بہت سے امور جمع کردیئے تھے۔

(۴) (شمائل ترمذی میں ہند ابن ابی ہالہ کی حدیث صحیحین میں حضرت ابو ہریرہ کی روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "بعثت بجوامع الکلم" ابوداؤد میں حضرت جابر کی روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام میں ترتیل یا ترسیل تھی' ترمذی میں حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام میں اتنا ٹھہراؤ اور فاصلہ ہوتا کہ سننے والا آسانی کے ساتھ سمجھ لیتا۔

(۵) ترمذی اور نسائی میں صفوان ابن عسال کی روایت کہتے ہیں کہ ہم ایک سفر میں تھے کہ راستے میں ایک اعرابی نے آپ کو با آواز بلند پکارا' آپ نے بھی اسکا جواب اتنی ہی زور سے دیا اس حدیث سے یہ ثابت ہو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جہوری الصوت تھے لیکن ہمیشہ اس آواز میں نہیں بولتے تھے' یا یہ کہ آپ جہوری الصوت نہیں تھے' لیکن آپ نے اعرابی کو بلند آواز میں اسلئے جواب دیا تاکہ اس کی آواز آپ کی آواز سے بلند نہ ہوجائے' اور یہ اس کے حق میں گستاخی ہو۔ صحیحین میں براء ابن عازب کی حدیث ہے کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ خوبصورت آواز کسی کی نہیں سنی۔

(۶) شمائل ترمذی۔۔ ہند ابن ابی ہالہ

(۷) ابوداؤد میں ابن عمر کی روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے منہ کی طرف اشارہ کیا' اور فرمایا اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے اس منہ سے حق کے علاوہ کچھ نہیں نکلتا۔

(۸) شمائل ترمذی میں حضرت علیؓ کی روایت۔

(۹) چنانچہ حضرت رفاعہ کی اہلیہ سے آپ نے فرمایا "حتیٰ تذوقی عسیلته ویذوق عسیلتک" یہ روایت بخاری میں حضرت عائشہ سے منقول ہے۔

(۱۰) (شمائل ترمذی بروایت حضرت علیؓ

(۱۱) مسلم میں حضرت جابرؓ راوی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خطاب فرماتے تو آپ کی آنکھیں سرخ ہوجاتیں' آپ کی آواز بلند ہوجاتی' اور شدید غضبناک ہوجاتے گویا وہ کسی لشکر کو للکار رہے ہوں۔

اسلئے کہ وہ کئی طرح پر نازل ہوا ہے'(۱) آپ اپنے اصحاب میں سب سے زیادہ تبسم فرماتے'ان کی باتوں پر سب سے زیادہ تعجب کا اظہار فرماتے' اور اپنے آپ کو ان میں گھلا ملا رکھتے'(۲) بعض اوقات آپ اتنا مسکراتے کہ آپ کی کچلیاں ظاہر ہو جاتیں'(۳) صحابہ کرام آپ کے پاس بیٹھ کر اتباع اور احترام کے طور پر تبسم پر اکتفا کرتے'(۴) ایک روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرۂ مبارک متغیر تھا (یعنی کچھ خفگی کے آثار تھے) اتنے میں ایک اعرابی آیا' اور آپ سے کچھ پوچھنے کا ارادہ کیا' صحابہ کرام نے اس سے کہا کہ اس وقت کچھ نہ پوچھو' ہم آپ کا چہرہ متغیر دیکھ رہے ہیں' مگر وہ اعرابی نہ مانا اور کہنے لگا کہ مجھے چھوڑو' اس ذات کی قسم جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نبی برحق بنا کر بھیجا ہے میں آپ کو ہنسائے بغیر نہ چھوڑوں گا' اس نے عرض کیا یا رسول اللہ! ہمیں بتلایا گیا کہ دجّال لوگوں کے لئے اس وقت ثرید لے کر آئے گا جب وہ بھوک کی وجہ سے ہلاکت کے قریب ہوں گے' ان حالات میں آپ مجھے کیا حکم فرماتے ہیں' آیا میں اس کا ثرید لینے سے انکار کردوں اور بھوک سے مرجاؤں۔ یا اس سے ثرید لے لوں' اور اچھی طرح شکم سیری کے بعد اللہ پر ایمان لے آؤں اور اس کا انکار کردوں' آپ یہ سن کر اتنا ہنسے کہ آپ کی کچلیاں ظاہر ہوگئیں آپ نے فرمایا :-

لا بل یغنیک اللہ بما یغنی بہ المومنین (۵)

نہیں! بلکہ اللہ تعالیٰ جس چیز سے دیگر مومنین کو بے پروا کرے گا اسی سے تمہیں بھی بے پروا کردے گا۔

آپ سب سے زیادہ خوش و خرم اور خنداں رہتے بشرطیکہ قرآن نازل نہ ہو رہا ہو' یا قیامت کا تذکرہ نہ ہو رہا ہو' یا آپ خطبہ اور وعظ نہ فرما رہے ہوں'(۶) جب آپ مسرور اور خوش ہوتے تو اس عالم میں لوگوں میں سب سے زیادہ اچھے ہوتے' جب وعظ فرماتے تو سنجیدگی سے فرماتے' ہنسی اور ٹھٹول نہ ہوتا' جب غصے ہوتے ۔۔۔ اور آپ کا غصہ صرف خدا کے لئے ہوتا۔ تو آپ کے غصے کے سامنے کسی کو ٹھہرنے کی مجال نہ تھی' آپ اپنے سب کاموں میں ایسے ہی تھے(۷) جب کوئی معاملہ درپیش ہوتا تو اسے

---

(۱) طبرانی میں ابن عمرؓ کی حدیث' فرمایا کہ قرآن کی بعض آیات بعض کی تصدیق کرتی ہیں' اسلئے بعض سے بعض کی تکذیب مت کرو۔ صحیحین میں حضرت عمر ابن الخطابؓ راوی ہیں کہ یہ قرآن سات لہجوں پر اتارا گیا ہے۔

(۲) ترمذی میں عبداللہ ابن حارث ابن جزءؓ کی روایت ہے کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ کسی شخص کو متبسم نہیں دیکھا۔ صحیحین میں حضرت جریرؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے جب بھی دیکھا تبسم فرمایا۔ شمائل ترمذی میں حضرت علیؓ کی روایت ہے کہ آپ ان باتوں پر ہنستے جن پر تم ہنستے ہو' اور ان باتوں پر تعجب کرتے جن پر تم تعجب کرتے ہو۔

(۳) آپ نے متعدد مواقع پر اس طرح تبسم فرمایا کہ آپ کے دانتوں کی کچلیاں ظاہر ہوگئیں جیسا کہ بخاری و مسلم میں ابن مسعودؓ اور ابو ہریرہؓ کی روایات ہیں۔ (۴) شمائل ترمذی بروایت ہند ابن ابی ہالہؓ

(۵) یہ حدیث منکر ہے' مجھے اس کی کوئی اصل نہیں ملی' اور اس حدیث کے مضمون کی تردید مغیرہ ابن شعبہ کی اس روایت سے ہوتی ہے کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا یا رسول اللہ لوگ کہتے ہیں کہ دجال کے ساتھ روٹی کے پہاڑ اور پانی کی نہریں ہوں گی۔ فرمایا یہ بات اللہ پر اس کے مقابلے میں زیادہ سہل ہے

(۶) طبرانی میں جابرؓ کی روایت۔ فرماتے ہیں کہ جب آپ پر وحی نازل ہوئی تو میں کہتا آپ قوم کو ڈرانے والے ہیں' حضرت جبرئیل کی آمد اور نزول قرآن کے وقت آپ کے تبسم نہ فرمانے کا ذکر مسند احمد میں حضرت علیؓ یا حضرت زبیر کی روایت میں ہے۔ اور حاکم میں جابر سے مروی ہے کہ جب قیامت کا ذکر ہوتا تو آپ کے رخسار سرخ ہوجاتے مسلم میں ہے کہ یہ کیفیت خطبے کے وقت ہوتی تھی۔

(۷) یہ تمام روایات ابو الشیخ ابن حبان نے نقل کی ہیں' ان کی تائید مسلم میں ابن عمرؓ' شیخین میں کعب ابن مالک اور شمائل میں ہند ابن ہالہ کی روایت سے ہوتی ہے۔

اللہ کے سپرد فرماتے' اپنی طاقت و قوت سے برأت کا اظہار کرتے' اور ہدایت و صواب کی دعا مانگتے' آپ کی دعا کے یہ الفاظ ہوتے۔

اَللّٰهُمَّ اَرِنِي الْحَقَّ حَقًّا فَاَتَّبِعَهُ وَاَرِنِي الْمُنْكَرَ مُنْكَرًا وَارْزُقْنِي اجْتِنَابَهُ وَاَعِذْنِي مِنْ اَنْ يَشْتَبِهَ عَلَيَّ فَاَتَّبِعَ هَوَايَ بِغَيْرِ هُدًى مِنْكَ وَاجْعَلْ هَوَايَ تَبَعًا لِطَاعَتِكَ وَخُذْ رِضَا نَفْسِكَ مِنْ نَفْسِي فِي عَافِيَةٍ وَاهْدِنِي لِمَا اخْتُلِفَ فِيهِ مِنَ الْحَقِّ بِاِذْنِكَ اِنَّكَ تَهْدِي مَنْ تَشَاءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ (۱)

اے اللہ! مجھے حق دکھلا تاکہ میں اسکا اتباع کروں' اور مجھے منکر دکھلا اور مجھے اس سے بچنے کی توفیق عطا فرما' اور مجھے اس امر سے بچا کہ مجھ پر حق مشتبہ ہو جائے' اور میں تیری ہدایت کے بغیر اپنی خواہش کا اتباع کرنے لگوں' اور میری خواہشات کو اپنی اطاعت کے تابع بنا' اور اپنی ذات پاک کی مرضی کا کام مجھ سے صحت اور تندرستی کی حالت میں لے' اور امر حق میں اختلاف کی صورت میں مجھے اپنے حکم سے صحیح راستہ دکھلا' تو جسے چاہتا ہے سیدھے راستے کی ہدایت کرتا ہے۔

کھانے پینے میں آپ کے اخلاق طیبہ و آداب حسنہ

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم جو چیز موجود پاتے اسے تناول فرما لیتے (۲) آپ کو سب سے زیادہ وہ کھانا پسند تھا جس پر زیادہ ہاتھ پڑتے (۳) جب دسترخوان بچھا دیا جاتا تو آپ یہ دعا پڑھتے۔

بِسْمِ اللّٰهِ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْهَا نِعْمَةً مَشْكُورَةً تَصِلُ بِهَا نِعْمَةَ الْجَنَّةِ (۴)

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے' اے اللہ! اسے نعمت مشکور بنادے کہ جس سے جنت کی نعمتوں تک پہنچنا نصیب ہو۔

جب آپ کھانے کے لئے بیٹھتے تو عموماً اپنے دونوں زانوں اور دونوں قدم ملا لیتے' جس طرح نمازی بیٹھتا ہے اسطرح بیٹھتے' زانو زانو کے اوپر پاؤں پاؤں پر ہوتا' اور ارشاد فرماتے :۔

انما عبد آکل کما یاکل العبد' واجلس کما یجلس العبد۔(۵)

میں بندہ محض ہوں' جس طرح بندہ کھاتا ہے اس طرح میں کھاتا ہوں جس طرح بندہ بیٹھتا ہے اسطرح میں بیٹھتا ہوں۔

آپ گرم کھانا نہ کھاتے' فرماتے کہ گرم کھانا برکت سے خالی ہوتا ہے' اللہ تعالیٰ نے ہماری غذا آگ سے نہیں بنائی۔(۶)

---

(۱) اس دعا کی کوئی اصل مجھے نہیں ملی۔ البتہ اس کے ٹکڑے احادیث کی مختلف کتابوں میں منقول ہیں۔

(۲) یہ حدیث پہلے بھی گزر چکی ہے

(۳) طبرانی اوسط اور کامل ابن عدی۔ جابرؓ ابو یعلی۔ انسؓ

(۴) کھانے سے پہلے بسم اللہ پڑھنے کا ثبوت نسائی کی روایت سے ملتا ہے' البتہ باقی دعا مجھے نہیں ملی۔

(۵) عبدالرزاق نے "مصنف" میں حضرت ایوب سے سمٹ کر بیٹھنا' ابن ضحاک نے شمائل میں حضرت انسؓ سے بائیں زانو پر بیٹھنا اور دایاں پاؤں کھڑا کرنا' اور ابن حبان نے ابی ابن کعب سے دونوں زانوں پر بیٹھنا نقل کیا ہے' باقی روایت متعدد طرق سے مروی ہے۔

(۶) طبرانی اوسط میں حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "ابردوا الطعام فان الطعام الحار غیر ذی برکۃ" طبرانی صغیر میں ہے کہ ایک مرتبہ آپ کے سامنے پلیٹ لائی گئی اس میں سے بھاپ اٹھ رہی تھی' آپ نے اپنا ہاتھ اٹھالیا' اور فرمایا "ان اللہ لم یطعمنا نارا۔"

آپ اپنے سامنے سے کھاتے (۱) کھانے میں تین انگلیاں استعمال کرتے (۲) بعض اوقات چوتھی انگلی سے بھی مدد حاصل کرلیتے (۳) دو انگلیوں سے نہ کھاتے، فرماتے تھے کہ دو انگلیوں سے شیطان کھاتا ہے (۴) ایک مرتبہ حضرت عثمان ابن عفان آپ کی خدمت میں فالودہ لے کر آئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے دریافت فرمایا : اے ابو عبداللہ! یہ کیا چیز ہے عرض کیا : یا رسول اللہ! آپ پر میرے ماں باپ فدا ہوں، ہم شہد اور گھی دیگچی میں ڈال کر اسے آگ پر رکھ دیتے ہیں، اور ان دونوں چیزوں کو پکاتے ہیں، پھر اس میں گیہوں کا مغز (میدہ) ڈال دیتے ہیں، اور تینوں چیزوں کو خوب اچھی طرح ملادیتے ہیں، یہاں تک کہ وہ ایسی شکل اختیار کرلیتا ہے جیسی آپ ملاحظہ فرمارہے ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ بہترین غذا ہے (۵) سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم بلا چھنے آٹے کی روٹی کھایا کرتے تھے، (۶) ککڑی کھجور اور نمک کے ساتھ تناول فرماتے (۷) پھلوں میں آپ کو خربوزے اور انگور بہت پسند تھے خربوزے روٹی اور شکر کے ساتھ کھالیتے (۸) بعض اوقات کھجوروں کے ساتھ کھاتے، (۹) پھل وغیرہ کھانے میں دونوں ہاتھوں سے مدد لیتے، چنانچہ ایک روز آپ دائیں ہاتھ سے کھجوریں کھارہے تھے، اور بائیں ہاتھ میں گٹھلیاں جمع کررہے تھے، اتنے میں ایک بکری گذری، آپ نے اسے گٹھلیاں دکھائیں، وہ آئی، اور آپ کے دست مبارک پر رکھی ہوئیں گٹھلیاں کھاکر واپس ہوگئی، آپ اس عرصے میں دائیں ہاتھ سے کھاتے رہے (۱۰) کبھی آپ انگوروں کا خوشہ منہ میں رکھ لیتے، (یعنی ایک ایک مرتبہ کئی کئی دانے کھالیتے) اور انگوروں کا رس آپ کی داڑھی کے بالوں پر سے موتیوں کی طرح ٹپکتا (۱۱) آپ کی عام غذا پانی اور خرما پر مشتمل ہوتی تھی (۱۲) کبھی آپ دودھ اور خرما یکجا کرکے تناول

---

(۱) یہ روایت ابن حبان اور بیہقی میں ہے، اول الذکر کی راویہ حضرت عائشہؓ اور ثانی الذکر کے راوی عبید ابن القاسم ہیں۔

(۲) یہ روایت کعب ابن مالک سے مسلم میں مروی ہے۔

(۳) چوتھی انگلی سے مدد لینے کی روایت ہمیں غیلانیات میں عامر ابن ربیعہ سے پہنچی ہے۔ ابن ابی شیبہ میں زہری سے مرسل روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پانچوں انگلیوں سے کھانا تناول فرماتے تھے۔

(۴) دار قطنی میں ابن عباس کی روایت ہے۔ فرماتے ہیں کہ ہم ایک انگلی سے نہیں کھاتے اس لئے کہ یہ بادشاہوں کا طریقہ ہے، اور دو انگلیوں سے نہیں کھاتے اسلئے کہ یہ شیاطین کا طریقہ ہے۔

(۵) مشہور یہ ہے کہ حضرت عثمانؓ نے خبیص بنایا تھا نہ کہ فالودہ جیسا کہ بیہقی میں لیث ابن سلیم کی روایت ہے البتہ طبرانی کی روایت میں فالودہ کا ذکر ہے۔

(۶) بخاری و مسلم میں عبداللہ ابن جعفرؓ کی روایت سے کھجوروں کے ساتھ کھانے کا، اور ابن حبان میں حضرت عائشہؓ کی حدیث سے نمک کے ساتھ کھانے کا ثبوت ملتا ہے۔

(۷) اس سلسلے میں ابو نعیم نے طب نبوی میں امیہ بن زید عیسٰی کی روایت، ابن حبان، ابن عدی، طبرانی، اور بیہقی نے حضرت انسؓ کی روایت نقل کی ہے، حضرت انسؓ کے الفاظ ہیں کہ آپ دائیں ہاتھ میں کھجوریں، اور بائیں ہاتھ میں خربوزے لے لیتے اور کھجوروں کو خربوزے کے ساتھ تناول فرماتے، آپ کو تر میووں میں یہ دونوں چیزیں زیادہ پسند تھیں۔

(۸) یہ روایت مجھے نہیں ملی، البتہ انگور سے روٹی کھانے کی روایت حضرت عائشہؓ سے ابن عدی نے کامل میں نقل کی ہے۔)

(۹) خربوزے کے ساتھ کھجور کھانے کی روایت ترمذی اور نسائی میں حضرت عائشہؓ سے ترمذی، ابن ماجہ، اور دارمی میں سہل ابن سعد سے مروی ہے۔

(۱۰) ایک ہاتھ سے خربوزہ اور دوسرے سے کھجور کھانے کی روایت احمد میں عبداللہ ابن جعفر سے منقول ہے ابھی گذشتہ سطروں میں حضرت انسؓ کی حدیث کا حوالہ بھی دیا گیا ہے بکری کا قصہ فوائد ابی بکر الشافعی میں حضرت انسؓ سے مروی ہے۔

(۱۱) ابن عدی نے کامل میں عباسؓ سے، اور عقیلی نے کتاب الضعفاء میں ابن عباسؓ سے، یہ دونوں روایتیں ضعیف ہیں۔

(۱۲) بخاری میں حضرت عائشہؓ کی روایت کے الفاظ ہیں "توفی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم وقد شبعنا من الاسودین التمر والماء"

فرماتے اور اسے أطيبين (دو عمدہ چیزیں) فرماتے (۱) آپ کو کھانے میں گوشت بہت زیادہ مرغوب تھا' فرمایا کرتے تھے کہ گوشت سے قوت سماعت میں اضافہ ہوتا ہے' گوشت دنیا و آخرت میں کھانوں کا سردار ہے' اگر میں اپنے پروردگار سے درخواست کرتا کہ مجھے ہر روز گوشت عطا کیا جائے تو میری درخواست قبول کی جاتی (۲) آپ ثرید کو گوشت اور کدو کے ساتھ کھاتے (۳) آپ کو کدو بہت اچھا لگتا تھا' فرماتے تھے کہ یہ میرے بھائی یونس علیہ السلام کا درخت ہے (۴) حضرت عائشہؓ سے فرمایا کہ عائشہؓ! جب تم ہانڈی پکاؤ تو اس میں کدو زیادہ ڈال دیا کرو اسلئے کہ وہ غمگین دل کو تقویت پہنچاتا ہے' (۵) آپ شکار کئے ہوئے پرندے کا گوشت کھالیتے نہ آپ شکار کا پیچھا کرتے اور نہ خود کسی جانور کا شکار کرتے لیکن آپ کو یہ بات پسند تھی کہ کوئی شخص شکار کرکے لائے اور آپ اس کا گوشت تناول فرمائیں (۶) جب آپ گوشت کھاتے تو بوٹی کاٹنے کے لئے سر مبارک نہ جھکاتے بلکہ بوٹی کو منھ کے قریب لے جاکر دانت سے نوچتے (۷) آپ گھی کے ساتھ بھی روٹی کھاتے (۸) آپ کو بکری کے سری پائے اور شانے کا گوشت سالنوں میں کدو کا سالن' پسند تھا' (۹) اور روٹی پر مل کر کھانے کی چیزوں میں سرکہ اور کھجوروں میں عجوہ پسند تھا (۱۰) آپ نے عجوہ میں برکت کی دعا فرمائی' نیز یہ بھی فرمایا کہ عجوہ جنت کا پھل ہے (۱۱) اللہ تعالیٰ نے اس میں زہر کے

---

(۱) مسند احمد میں اسمٰعیل بن ابی خالد نے اپنے والد سے نقل کیا ہے کہ میں ایک شخص کے پاس گیا جو دودھ میں چھوارے ڈال رہا تھا' میں نے کہا کہ قریب لاؤ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں دو عمدہ چیزیں کہا ہے۔

(۲) یہ روایت اس تفصیل کے ساتھ ابن حبان نے ابن سمعان سے اور انھوں نے اپنے اساتذہ کے حوالے سے بیان کی ہے' گوشت آپ کو بے حد مرغوب تھا جیسا کہ شمائل ترمذی میں حضرت جابرؓ کی روایت ہے کہ ابن ماجہ میں حضرت ابوالدرداءؓ سے مروی ہے کہ آپ نے گوشت کو اہل دنیا اور اہل جنت کے کھانوں کا سردار کہا ہے۔ (۳) مسلم۔ انسؓ

(۴) نسائی' ابن ماجہ میں حضرت انسؓ کی حدیث' نسائی اور مسلم میں قرع اور دبا کا لفظ ہے' ابن مردویہ نے یہ روایت اپنی تفسیر میں بھی نقل کی ہے۔

(۵) یہ روایت فوائد ابی بکر الشافعی میں ہے۔

(۶) ترمذی میں حضرت انسؓ کی روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پرندے کا گوشت تھا' آپ نے دعا فرمائی کہ اے اللہ! اپنے کسی محبوب ترین بندے کو میرے پاس بھیجئے تاکہ وہ اس پرندے کو میرے ساتھ کھاسکے' چنانچہ حضرت علیؓ آئے اور انھوں نے آپ کے ساتھ پرندے کا گوشت کھایا' پرندوں کا شکار نہ کرنے کا ثبوت آپ کے ظاہر احوال سے ملتا ہے' ابوداؤد' نسائی اور ترمذی میں ابن عباسؓ کی روایت ہے "من تبع الصيد فقد غفل"

(۷) ابوداؤد میں صفوان ابن امیہؓ کی روایت ہےکہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کھانا کھارہا تھا' میں نے سوچا کہ ہڈی کے اوپر سے گوشت اتارلوں' آپ نے فرمایا کہ ہڈیوں کو منھ کے قریب لے جاؤ' اس صورت میں گوشت زیادہ لذیذ اور مزیدار ہوتا ہے۔ (۸) بخاری و مسلم۔ بروایت انسؓ

(۹) سری پائے کی روایت بخاری و مسلم میں حضرت ابوہریرہؓ سے' شانے کے گوشت کی روایت ابن حبان میں ابن عباسؓ سے منقول ہے۔ کدو کے متعلق حضرت انسؓ کی روایت پہلے بھی گزری ہے' ابن حبان نے ابن عباس کی حدیث نقل کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سرکہ زیادہ پسند تھا' اسی روایت میں عجوہ کی پسندیدگی کا ذکر بھی ہے۔

(۱۰) مسند بزار اور طبرانی کبیر نے عبداللہ ابن مسعودؓ کی روایت عجوہ میں برکت کی دعا کے سلسلے میں نقل کی ہے' ترمذی' نسائی اور ابن ماجہ میں حضرت ابوہریرہؓ کی حدیث ہے کہ عجوہ جنت کا میوہ ہے' اور زہر کا تریاق ہے' صحیحین میں سعد ابن ابی وقاصؓ کی روایت ہے کہ جو شخص صبح کو عجوہ کھجور کے سات دانے کھالے اسے اس دن سحر اور زہر ضرر نہیں پہنچائیں گے' عجوہ عمدہ قسم کی سرخ کھجوروں کو کہتے ہیں۔

(۱۱) کاسنی کے سلسلے میں ابن عباسؓ کی روایت ہے کہ کاسنی کھایا کرو اس پر ہر روز جنت کے قطرات ٹپکتے ہیں' ابونعیم نے طب نبوی میں یہ روایت ابن عباسؓ کے علاوہ حسن ابن علیؓ اور انس ابن مالکؓ سے بھی نقل کی ہے' لیکن یہ سب ضعیف حدیثیں ہیں' ریحان کے سلسلے میں مجھے کوئی روایت نہیں ملی' عرفہ کے ساگ کے بارے میں بھی ابونعیم نے حضرت ثورؓ سے نقل کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاؤں میں زخم تھا آپ نے عرفہ کا ساگ استعمال کیا جس سے وہ زخم مندمل ہوگیا' آپ نے اسے ستر امراض کا علاج قرار دیا ہے۔

لئے تریاق' اور امراض کے لئے شفا رکھ دی ہے' آپ کو سبزیوں میں کاسنی' ریحان اور خرفہ کا ساگ۔ جسے اجلہ بھی کہتے ہیں پسند تھا' گردوں سے آپ کو نفرت تھی اسلئے کہ یہ پیشاب کی جگہ سے قریب رہتے ہیں (۱) آپ بکری کی سات چیزیں نہیں کھاتے تھے ذکر' خصیتین' مثانہ' پتا' غدے' فرج' اور خون' (۲) آپ کچا لسن' پیاز اور گندنا (ایک ترکاری جس میں بدبو آتی ہے) بھی نہیں کھاتے تھے (۳) آپ نے کبھی کسی کھانے کو برا نہیں کہا' اگر وہ کھانا آپ کو اچھا لگتا تناول فرماتے' اچھا نہ لگتا چھوڑ دیتے' اگر کسی وجہ سے آپ کو کوئی چیز اچھی معلوم نہ ہوئی تو دوسرے کے لئے اسے ناپسند نہ فرمایا' (۴) چنانچہ آپ کو گوہ اور تلی سے نفرت تھی لیکن آپ نے انھیں حرام نہیں کہا (۵) آپ پلیٹ انگلیوں سے صاف کر لیتے تھے' اور فرماتے تھے کہ بچے ہوئے کھانے میں برکت ہوتی ہے (۶) کھانے کے بعد آپ اپنی انگلیاں اتنی چاٹتے کہ سرخ ہو جاتیں (۷) جب تک ایک ایک کر کے تمام انگلیاں نہ چاٹ لیتے رومال سے ہاتھ صاف نہ کرتے' فرماتے کہ معلوم نہیں کونسے کھانے میں برکت ہے (۸) کھانے سے فراغت کے بعد یہ دعا پڑھتے :-

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ لَکَ الْحَمْدُ اَطْعَمْتَ فَاَشْبَعْتَ' وَسَقَیْتَ فَاَرْوَیْتَ' لَکَ الْحَمْدُ غَیْرُ مَکْفُوْرٍ وَلَا مُوَدَّعٍ وَلَا مُسْتَغْنًی عَنْہُ (۹)

تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں اے اللہ تیرا شکر ہے کہ تو نے پیٹ بھر کھانا کھلایا' اور پانی پلا کر سیراب کیا' حمد تیرے ہی لئے ہے اس حال میں کہ نہ ہم ناشکری کرتے ہیں نہ تیری نعمتوں سے توقع ختم کرتے ہیں اور نہ تجھ سے بے نیاز ہوتے ہیں۔

جب گوشت اور روٹی کھاتے تو ہاتھوں کو خوب اچھی طرح دھوتے' اور گیلے ہاتھ منہ پر پھیر لیتے (۱۰) پانی تین سانس میں

---

(۱) ابوبکر ابن محمد عبید اللہ ابن الشخیر کی روایت حضرت عبداللہ ابن عباسؓ سے۔ اسکی سند ضعیف ہے' اور اس میں ایک کذاب راوی ابوسعید الحسن بن علی العدوی ہے۔

(۲) ابن عدی اور بیہقی نے ابن عباسؓ سے ضعیف سند کے ساتھ مرفوعاً اور بیہقی نے مجاہد سے مرسلاً۔

(۳) یہ روایت امام مالکؒ نے مؤطا میں زہری سے انھوں نے سلیمان ابن یسار سے مرسل' اور دار قطنی نے حضرت انسؓ سے مرفوع نقل کی ہے' بخاری و مسلم میں حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں سبزی کا سالن لایا گیا آپ نے اس میں بو محسوس کر کے اسے چھوڑ دیا' مسلم میں ابوایوبؓ سے مروی ہے کہ آپ کی خدمت میں کھانا لایا گیا جس میں لسن ڈلا ہوا تھا' آپ نے وہ کھانا نہیں کھایا۔

(۴) یہ حدیث ابھی گزری ہے۔

(۵) صحیحین میں ابن عمرؓ کی حدیث ہے کہ آپ نے ضب کے متعلق ارشاد فرمایا کہ تم لوگ کھاؤ' یہ حرام نہیں ہے' اور نہ اس میں کوئی حرج ہے' البتہ یہ میری قوم کے کھانوں میں سے نہیں ہے' اسی طرح کی روایت ابن عباسؓ سے بخاری و مسلم میں ہے' طحال (تلی) حلال ہے' جیسا کہ بخاری و مسلم میں ابن عمرؓ کی روایت سے ثابت ہوتا ہے اور بیہقی میں زید ابن ثابتؓ سے موقوفاً مروی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ میں ضرورت نہ ہونے کی باوجود تلی کھاتا ہوں محض اسلئے تاکہ میرے گھر والے جان لیں کہ اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

(۶) بیہقی میں جابرؓ کی حدیث ہے' الفاظ یہ ہیں "لا ترفع القصعة حتی تلعقها فان آخر الطعام فيه البركة" اسی طرح کا مضمون مسلم میں انسؓ سے منقول ہے۔

(۷) مسلم میں کعب ابن مالک کی روایت۔ لیکن اس میں چاٹنے کی وجہ سے انگلیوں کے سرخ ہو جانے کا ذکر نہیں ہے۔

(۸) مسلم بروایت کعب ابن مالکؓ وجابرؓ' بیہقی بروایت جابرؓ

(۹) "الحمد لله الذی کفانا و آوانا غیر مکفی ولا مکفور"

(۱۰) ابو یعلی بروایت ابن عمرؓ

پیتے، ہر مرتبہ ابتدا میں بسم اللہ پڑھتے اور آخر میں الحمد للہ کہتے (۱) پانی تھوڑا تھوڑا چوس چوس کر پیتے، بڑے بڑے گھونٹ نہ لیتے (۲) اپنا جھوٹا پانی دائیں طرف بیٹھے ہوئے شخص کی طرف بڑھا دیتے، اگر بائیں جانب بیٹھا ہوا شخص رتبے میں بڑا ہوتا تو دائیں جانب والے سے فرماتے کہ سنّت تو یہی ہے کہ یہ پانی تجھے دیا جائے لیکن اگر ایثار کرے تو میں یہ پانی انھیں دیدوں (۳) آپ کبھی ایک ہی سانس میں پانی پی لیتے (۴) برتن میں سانس نہ لیتے، بلکہ سانس لینا ہوتا تو برتن ہٹا لیتے (۵) ایک بار آپ کے سامنے ایک ہی برتن میں دودھ اور شہد دونوں پیش کئے گئے، آپ نے پینے سے انکار کردیا اور فرمایا کہ دو پینے کی چیزیں ایک دفعہ میں، اور دو سالن ایک برتن میں، میں انھیں حرام نہیں کرتا، لیکن مجھے یہ پسند نہیں کہ اس طرح کی چیزوں پر فخر کروں، اور قیامت کے دن فضولیات کے حساب کا خطرہ مول لوں، مجھے تواضع پسند ہے اسلئے کہ جو شخص اللہ کے لئے تواضع کرتا ہے اللہ اسے سربلندی عطا فرماتا ہے (۶) آپ اپنے گھر کی اندر کنواری لڑکی سے بھی زیادہ شرمیلے تھے نہ گھر والوں سے کھانا مانگتے، اور نہ ان سے کسی کھانے کی فرمائش کرتے، جو وہ کھلا دیتے کھا لیتے، جو دیتے قبول کرلیتے، جو پلا دیتے پی لیتے (۷) بعض اوقات اپنے کھانے یا پینے کی چیز خود کھڑے ہو کر لے لیا کرتے (۸)

لباس کے سلسلے میں آپؐ کی سنّت طیبہ

آپ تہمند، چادر، کرتہ، جبّہ جو بھی ملتا زیب تن فرما لیتے آپ کو سبز کپڑے پسند تھے (۹) آپ کا لباس عام طور پر سفید رنگ کے کپڑے کا ہوتا تھا، فرمایا کرتے تھے :۔

---

(۱) طبرانی اوسط بروایت ابوہریرہؓ۔ مسلم سے مروی ہے کہ آپ تین سانس میں پانی پیا کرتے تھے۔

(۲) بغوی، طبرانی، ابن عدی، ابن قانع، ابن مندہ اور ابو نعیم نے بہز ابن حکیم سے نقل کیا ہے "کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یستاک عرضا ویشرب مصا" طبرانی میں ام سلمہؓ سے مروی ہے "کان لا یعب" ابن حبان نے حضرت میمونہؓ سے روایت کیا ہے "لا یعب ولا یلہث"۔

(۳) بخاری و مسلم بروایت انسؓ۔

(۴) بخاری و مسلم میں سہل ابن سعدؓ کی روایت

(۵) ابن حبان بروایت زید ابن ارقمؓ۔ حاکم میں ابو قتادہ کی صحیح روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "اذا شرب احدکم فلیشرب بنفس واحد" غالباً اس روایت کا حاصل یہ ہے کہ برتن میں سانس نہ لیا جائے۔

(۶) حاکم میں ابوہریرہؓ کی روایت کے الفاظ یہ ہیں "ولا یتنفس احدکم فی الاناء اذا شرب منہ ولکن اذا اراد ان یتنفس فلیؤخرہ عنہ ثم لیتنفس"۔

(۷) مسند بزار میں طلحہ ابن عبید اللہ کی روایت ہے جس سے پتا چلتا ہے کہ آپ نے پانی اور شہد یکجا دیکھ کر انکار فرمایا، لیکن اس روایت میں یہ الفاظ نہیں ہیں "دو پینے کی چیزیں ایک دفعہ میں اور دو سالن ایک برتن میں"۔

(۸) آپ کے کنواری پردہ دار لڑکی سے زیادہ شرمیلے ہونے کی روایت بخاری و مسلم کے حوالے سے پہلے بھی گزر چکی ہے، کھانا نہ مانگنے سے مراد یہ ہے کہ آپ کوئی مخصوص اور متعین کھانا نہیں مانگتے تھے، چنانچہ غیر متعین اور غیر مخصوص کھانا طلب فرمانے کی متعدد روایات موجود ہیں، نسائی میں ہے کہ آپ نے حضرت عائشہؓ سے فرمایا "اعندکم شئی تطعمینیہ" ابوداؤد میں ہے "ھل عندکم طعام" ترمذی میں ہے "اعندک غداء"۔

(۹) حضرت عائشہؓ کی روایت ہے کہ آپ نے یمنی تہمند اور یمنی چادر میں وفات پائی، یہ روایت بخاری و مسلم میں ہے، حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ چل رہا تھا، اور آپ کے جسد اطہر پر دبیز حاشئے والی نجرانی چادر تھی، یہ روایت بھی صحیحین میں ہے۔ ابن ماجہ میں حضرت ابن عباسؓ کی حدیث ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم چھوٹی، اور بڑی دونوں طرح کی آستینوں والی قمیص پہن لیتے تھے، ابوداؤد، ترمذی، اور نسائی میں حضرت اُمّ سلمہؓ سے مروی ہے کہ آپ کو لباس میں قمیص زیادہ پسند تھی، ابوداود میں اسماء بنت یزید روایت کرتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قمیص کی آستینیں گٹوں تک ہوتی تھیں، جبّہ، شملہ اور حبرہ وغیرہ کی روایات گذر چکی ہیں۔

البسوھا احیاءکم وکفنوا فیہا موتاکم (۱)

سفید رنگ کے کپڑے اپنے زندوں کو پہناؤ' اور ان میں اپنے مردوں کو کفناؤ۔

جنگ کے مواقع پر آپ روئی بھری ہوئی قبا بھی پہنتے اور بلا روئی کی بھی پہن لیتے (۲) آپ کے پاس دیبا کی ایک قبا تھی جس کا رنگ سبز تھا' جب آپ یہ قبا پہنتے تو اس کی سبزی آپ کے جسم کی سفیدی پر کھل اٹھتی' اور اچھی معلوم ہوتی (۳) آپ کے تمام کپڑے ٹخنوں سے اوپر رہتے' لنگی اس سے بھی اوپر پنڈلی کے نصف حصے پر رہتی (۴) آپ کی قمیص کے بند بندھے رہتے' بعض اوقات نماز یا غیر نماز کی حالت میں یہ بند کھل جاتے (۵) آپ کے پاس زعفرانی رنگ کی چادر تھی کبھی آپ تنہا اس چادر کو اوڑھ کر امامت فرماتے (۶) آپ صرف چادر اوڑھتے' جسم پر کوئی دوسرا کپڑا نہ ہوتا آپ اسی چادر میں نماز پڑھا دیتے (۷) آپ کے پاس ایک پرانی چادر تھی جس میں جابجا پیوند لگے ہوئے تھے' اسے پہن کر فرماتے کہ میں بندہ ہوں' وہ لباس پہنتا ہوں جو بندہ پہنتا ہے (۸) آپ کے پاس جمعہ کے لئے مخصوص دو کپڑے بھی تھے' آپ یہ کپڑے جمعہ کے علاوہ دنوں میں نہیں پہنتے تھے (۹)

---

(۱) ابن ماجہ' اور حاکم میں ابن عباسؓ کی روایت' اس روایت کے مطابق آپ نے یہ بھی فرمایا "خیر ثیابکم البیاض" سنن میں یہ روایات سمرہ سے منقول ہے۔ (۲) یہ روایت نہیں ملی۔

(۳) بخاری و مسلم میں مسور بن مخرمہ کی روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں دیباج کی چند قبائیں پیش کی گئیں جن میں سونے کے بٹن لگے ہوئے تھے' اس حدیث میں ان میں سے کسی قبا کا پہننا مذکور نہیں ہے' بلکہ بخاری نے تعلیقاً نقل کیا ہے کہ آپ دیباج کی قبا پہن کر باہر تشریف لائے' مسلم میں حضرت جابر کی روایت ہے کہ آپ نے ایک روز دیباج کی قبا پہنی اور تھوڑی دیر بعد اتار ڈالی۔ احمد میں حضرت انسؓ کی روایت ہے کہ سندس اور دیباج کا پہننا ریشم کی حرمت سے پہلے کا واقعہ ہے۔

(۴) ابوالفضل محمد بن طاہر نے "صفوۃ التصوف" میں عبداللہ ابن بسر کی یہ روایت نقل کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا تہمند ٹخنوں سے اوپر' قمیص اس سے اوپر' اور چادر اس سے اوپر رہتی تھی' اس روایت کی سند ضعیف ہے' حاکم میں حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ آپ ٹخنوں سے اوپر تک قمیص پہنتے تھے' شمائل ترمذی میں اشعث کی روایت ہے کہتے ہیں کہ میں نے اپنی پھوپھی سے سنا وہ اپنے چچا سے یہ حدیث نقل کرتی ہیں کہ آپ کا تہمند نصف پنڈلی تک رہتا تھا۔

(۵) معاویہ بن قرۃ بن ایاس' وہ اپنے باپ سے نقل کرتے ہیں کہ میں چند لوگوں کے ہمراہ مزینہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا' اس وقت آپ کی قمیص کے بند کھلے ہوئے تھے' اسی طرح کی روایات بیہقی میں زید ابن اسلم سے' اور طبرانی میں ابن عباس سے منقول ہیں۔

(۶) ابوداؤد' ترمذی بروایت قیلہ بنت مخرمہ' اور ابوداؤد' و بروایت قیس ابن سعد' مؤخر الذکر کی روایت میں ہے کہ آپ نے غسل فرمایا' پھر میرے والد نے آپ کو زعفران سے رنگی ہوئی ایک چادر پیش کی۔

(۷) ابن ماجہ' ابن خزیمہ بروایت ثابت بن الصامت۔ الفاظ روایت ہیں "ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم صلی فی بنی عبدالاشھل وعلیہ کساء متلفف بہ"۔

(۸) بخاری و مسلم کی روایت' ابوبردہؓ سے' کہتے ہیں کہ حضرت عائشہؓ نے ہمیں پیوند لگی ہوئی چادر اور سخت کھردرے کپڑے کا تہمند نکال کر دکھلایا کہ ان دو کپڑوں میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی' بخاری میں بروایت عمرؓ "انما انا عبد" کے الفاظ ہیں۔

(۹) طبرانی صغیر اور طبرانی اوسط میں حضرت عائشہؓ کی روایت کے مطابق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جمعہ کے لئے دو کپڑے مخصوص کر رکھے تھے' اسی روایت میں یہ بھی ہے جمعہ کی نماز پڑھ کر تشریف لاتے تو ہم یہ دونوں کپڑے اسی طرح لپیٹ کر رکھ دیتے جسطرح رکھے ہوئے تھے' لیکن اس زیادتی کی تردید ابن ماجہ میں حضرت عائشہؓ کی اس حدیث سے ہوتی ہے کہ میں نے نہیں دیکھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کو گالی دی ہو یا آپ کے لئے کپڑا طے کیا گیا ہو۔

کبھی آپ ایک چادر اس طرح پہنتے کہ اس کے دونوں کناروں کو شانوں کے درمیان لاکر باندھ دیتے (۱) کبھی آپ یہ لباس پہن کر جنازے کی نماز بھی پڑھا دیتے (۲) بعض اوقات آپ گھر کے اندر ایک ہی چادر میں اپنا جسم ڈھانپ کر اور اس کے دونوں کناروں کو مخالف شانوں پر ڈال کر نماز پڑھتے' اور یہ وہ کپڑا ہوتا جس میں رات کو صحبت کی ہوتی (۳) کبھی تہجد کی نماز چادر کے ایک پلو کو اپنے جسم پر لپیٹ کر اور دوسرے پلو کو کسی زوجہ محترمہ کے جسم پر ڈال کر ادا فرماتے (۴) آپ کے پاس ایک سیاہ رنگ کی چادر تھی' وہ آپ نے ایک شخص کو ہدیہ کردی' جب آپ گھر تشریف لے گئے تو حضرت ام سلمہؓ نے دریافت کیا : میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں وہ سیاہ چادر کیا ہوئی فرمایا : میں نے ایک کو اڑھادی' عرض کیا آپ کے سفید رنگ پر وہ سیاہ چادر خوب بجتی تھی (۵) حضرت انسؓ روایت کرتے ہیں کہ میں نے آپ کو ظہر کی نماز ایک ایسی چھوٹی چادر میں پڑھاتے ہوئے دیکھا ہے جس کے دونوں کناروں پر آپ نے گرہ لگا رکھی تھی (۶) آپ انگوٹھی بھی پہنتے تھے (۷) بعض اوقات آپ اس حال میں باہر تشریف لاتے کہ آپ کی انگوٹھی میں یادداشت کے طور پر دھاگا بندھا ہوا ہوتا (۸) آپ اپنی انگوٹھی سے خطوط پر مہریں بھی لگاتے' فرماتے کہ خطوط پر مہر لگانا تہمت سے بہتر ہے (۹) آپ عمامے کے نیچے' اور عمامے کے بغیر بھی ٹوپی پہنتے' بعض اوقات ٹوپی اتار کر اسکا سترہ بنا لیتے' اور نماز پڑھتے (۱۰) عمامہ نہ ہوتا تو اپنے سر اور پیشانی پر پٹی باندھ لیتے (۱۱) آپ کے عمامہ کا نام

---

(۱) آنحضرتؐ کے اس طرح لباس پہننے کی کیفیت حضرت عمرؓ کی اس حدیث میں مذکور ہے جس میں انہوں نے حضرت امہات المومنین سے آپکی علیحدگی کا واقعہ بیان کیا ہے' بخاری میں محمد بن المنکدر کی روایت ہے کہ میں نے حضرت جابرؓ نے ایک چادر پہنا کر نماز پڑھائی جسکے دونوں پلو انہوں نے اپنی گدی پر باندھ لئے تھے اور آپ کے کپڑے کھونٹی پر ٹنگے ہوئے تھے' اس روایت میں اس طرح چادر پہن کر نماز پڑھنے کی نسبت سرکار دو عالمؐ کی طرف کی گئی ہے۔ (۲) اس روایت کی کوئی اصل مجھے نہیں ملی۔ (۳) ابو یعلیٰ نے اسناد حسن کے ساتھ حضرت معاویہؓ سے نقل کیا ہے کہ میں ام المومنین حضرت ام حبیبہؓ کی خدمت میں حاضر ہوا' میں نے دیکھا کہ سرکار دو عالمؐ ایک کپڑے میں نماز پڑھ رہے ہیں میں نے ام حبیبہؓ سے دریافت کیا کہ کیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک کپڑے میں نماز پڑھ رہے ہیں؟ انہوں نے جواب دیا ہاں' اور یہ وہ کپڑا ہے جس میں آپؐ اس حالت میں بھی تھے (حضرت ام حبیبہؓ نے اس حالت سے جماع کی حالت مراد لی) اس روایت کی تخریج طبرانی اوسط نے بھی کی ہے۔

(۴) ابو داؤد میں حضرت عائشہؓ کی روایت ہے کہ آپ نے ایک ایسے کپڑے میں نماز پڑھی جس کا کچھ حصہ میرے جسم پر پڑا ہوا تھا۔ مسلم میں ہے کہ آپ رات کے وقت نماز پڑھتے اور میں بحالت حیض آپ کے پہلو میں ہوتی' اور اس چادر کا کچھ حصہ جس میں آپ نماز پڑھ رہے ہوتے میرے جسم پر پڑا ہوا ہوتا' طبرانی اوسط میں ابو عبدالرحمٰن نے نقل کیا ہے کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور عائشہؓ کو ایک کپڑے میں نماز پڑھتے ہوئے دیکھا اس کا نصف حصہ آپ کے جسم پر تھا اور نصف حصہ حضرت عائشہؓ کے اوپر تھا۔

(۵) مجھے یہ حدیث نہیں ملی' البتہ سیاہ چادر پہننے کی روایت ابو داؤد اور نسائی میں حضرت عائشہؓ سے مروی ہے' فرماتی ہیں کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے سیاہ رنگ کی ایک اونی چادر تیار کی' آپ نے اسے پہنی' اس پر ابن سعد نے طبقات میں یہ اضافہ کیا ہے کہ جب آپ نے یہ چادر پہنی تو میں نے آپ کے جسم کی سفیدی اور چادر کی سیاہی کا ذکر کیا (ان دونوں رنگوں کی آمیزش کتنی دل آویز ہے) حاکم نے چادر کے بجائے جبہ کہا ہے۔

(۶) ابو یعلیٰ کے الفاظ ہیں کہ آپ نے ایک ایسے کپڑے میں نماز پڑھائی جس کے دونوں پلو ایک دوسرے کے مخالف تھے' مسند بزار میں ہے کہ آپ مرض الوفات کے دوران ایک سوتی لباس زیب تن کئے ہوئے تشریف لائے اور لوگوں کو نماز پڑھائی' عبادہ بن الصامت کی روایت میں شملہ (چادر) کا لفظ ہے' اور اس کے دونوں پلوؤں کے باندھنے کا ذکر بھی ہے' یہ روایت ابن ماجہ میں ہے' ابن عدی نے گردن پر باندھنے کا ذکر کیا ہے۔

(۷) بخاری و مسلم میں ابن عمرؓ اور انسؓ کی روایت۔

(۸) ابن عدی نے ضعیف سند کے ساتھ حضرت واثلہ سے نقل کیا ہے کہ جب آپ کو کوئی بات یاد رکھنی ہوتی تو اپنی انگوٹھی میں ایک دھاگا باندھ لیتے۔

(۹) بخاری و مسلم میں حضرت انسؓ کی روایت۔ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بادشاہ روم کو خط لکھنے کا ارادہ کیا تو لوگوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! روم کے لوگ صرف وہ خط پڑھتے ہیں جن پر مہر لگی ہوئی ہوتی ہے' اس پر آپ نے چاندی بنوائی (الی آخر الحدیث) نسائی اور شمائل ترمذی نے حضرت ابن عمرؓ کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ آپ نے چاندی کی انگوٹھی بنوائی اس انگوٹھی سے آپ مہر لگاتے تھے اسے پہنتے تھے' اس روایت کے یہ الفاظ "خط پر مہر لگانا تہمت سے بہتر ہے" مجھے کسی روایت میں نہیں ملے۔

(۱۰) بیہقی نے ابن عمرؓ سے نقل کیا ہے کہ آپ سفید رنگ کی ٹوپی پہنا کرتے تھے' ابن حبان میں حضرت ابن عباسؓ کی روایت کے مطابق آپ کے پاس تین ٹوپیاں تھیں ان میں سے ایک جو کانوں والی تھی سفر کے لئے مخصوص تھی' اسے کبھی کبھی اپنے سامنے رکھ کر نماز بھی پڑھ لیتے تھے' ابو داؤد اور ترمذی میں رکانہ کی حدیث ہے کہ ہمارے اور مشرکین کے درمیان یہ فرق ہے کہ ہم ٹوپیوں کے اوپر عمامہ باندھتے ہیں۔ (۱۱) بخاری میں ابن عباسؓ کی روایت ہے۔

سحاب تھا' یہ عمامہ آپ نے حضرت علیؓ کو دیدیا تھا' جب بھی حضرت علیؓ عمامہ پہن کر آتے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں سے ارشاد فرماتے کہ تمہارے پاس علیؓ اصحاب میں آئے ہیں (۱) جب آپ کپڑا پہنتے تو دائیں جانب سے آغاز فرماتے (یعنی اگر قمیص پہنی ہوتی تو پہلے دایاں ہاتھ آستین میں ڈالتے پھر بایاں' اسی طرح پاجامہ پہنتے) کپڑا پہننے کے وقت یہ دعا فرماتے:۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ كَسَانِيْ مَا اُوَارِيْ بِهٖ عَوْرَتِيْ وَاَتَجَمَّلُ بِهٖ فِي النَّاسِ (۲)

تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جس نے مجھے وہ چیز پہنائی جس سے میں ستر ڈھانپوں اور لوگوں میں تجمل کروں

جب آپ کپڑے اتارتے تو بائیں جانب سے شروع کرتے (۳) نیا کپڑا پہننے کے بعد پرانا کپڑا کسی مسکین کو دیتے اور فرماتے:۔

مامن مسلم یکسو مسلما من سمل ثیابه لا یکسوه الا اللّٰه الا کان فی ضمان اللّٰه و حرزه و خیره ما واراه حیا و میتا (۴)

جو مسلمان کسی مسلمان کو اپنے پرانے کپڑے محض اللہ کے لئے پہنائے تو وہ زندگی میں بھی اور مرنے کے بعد بھی اللہ کی امان' اور حفاظت میں رہے گا اور خیر پائے گا۔

آپ کے پاس چمڑے کا ایک بستر تھا جس میں کھجور کی چھال بھری ہوئی تھی' اس گدّے کی لمبائی دو ہاتھ' اور چوڑائی ایک ہاتھ اور ایک بالشت تھی' (۵) آپ کے پاس ایک کمبل تھا' جہاں کہیں تشریف رکھتے وہ کمبل دو تہہ کرکے آپ کے بیٹھنے کی جگہ پر بچھا دیا جاتا (۶) آپ چٹائی پر کچھ بچھائے بغیر آرام فرماتے (۷) آپ کی عادت مبارکہ یہ تھی کہ اپنے جانوروں ہتھیاروں اور دوسری چیزوں کے نام رکھتے' مثلاً آپ کے جھنڈے کا نام عقاب تھا' اور اس تلوار کا نام ذوالفقار تھا جسے لے کر آپ جنگوں میں تشریف لے جایا کرتے تھے' ایک تلوار کا نام مخذوم تھا' ایک کا نام رسوب اور ایک کا قضیب تھا' آپ کی تلوار کا دستہ چاندی کا تھا

---

(۱) یہ روایت ابن عدی' اور ابن حبان نے جعفر بن محمد سے انھوں نے اپنے والد سے اور انھوں نے اپنے والد سے نقل کی ہے' ابو نعیم نے دلائل النبوۃ میں حضرت عمرؓ سے سحاب نامی عمامے کا قصہ نقل کیا ہے۔

(۲) دائیں طرف سے پہننے کی روایت ترمذی میں ابوہریرہؓ سے اور دعا ترمذی' ابن ماجہ اور حاکم میں عمر ابن الخطابؓ سے منقول ہے۔

(۳) حضرت عبداللہ ابن عمرؓ سے منقول ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کوئی کپڑا پہنتے تو دائیں طرف سے پہنتے' اور بائیں طرف سے اتارتے' حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ جب آپ کوئی کپڑا' یا جوتا پہنتے تو دائیں طرف سے شروع کرتے' اور بائیں جانب سے اتارتے' یہ دونوں روایتیں ابن حبان میں ہیں' صحیحین میں حضرت ابوہریرہؓ کی روایت جوتے پہننے کے ساتھ مخصوص ہے' اور اس میں آپ کا قول مذکور ہے نہ کہ فعل۔

(۴) حاکم نے مستدرک میں اور بیہقی نے شعب میں حضرت عمر کی یہ روایت نقل کی ہے کہ میں نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے کپڑے منگوا کر پہنے اور یہ دعا پڑھی "الحمد للہ الذی کسانی ما اتجمل بہ فی حیاتی واواری بہ عورتی" اس کے بعد یہ فرمایا "مامن مسلم یلبس ثوباً جدیداً الخ" اس میں صدقہ کا ذکر نہیں ہے۔

(۵) بخاری و مسلم میں حضرت عائشہؓ کی روایت۔ اس میں کھجور کی چھال سے بھرے ہوئے بستر کا ذکر ہے' لمبائی اور چوڑائی کا کوئی ذکر نہیں ہے' البتہ ابن حبان نے حضرت ام سلمہؓ سے نقل کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا بستر اتنا (بڑا) تھا جتنی (بڑی جگہ) میں انسان قبر کے اندر رکھا جاتا ہے۔

(۶) ابن سعد نے طبقات میں اور ابو الشیخ ابن حبان نے حضرت عائشہؓ سے نقل کیا ہے کہ میرے پاس ایک انصاریہ آئی اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا بستر تہہ شدہ کمبل کی صورت میں دیکھا' اسی طرح کی روایت ابو سعید سے منقول ہے' لیکن یہ دونوں ہی روایتیں صحیح نہیں ہیں' کیونکہ آپ کا بستر ٹاٹ کا ہوتا تھا جس کی دو تہہ کردی جاتی تھیں' جیسا کہ شمائل ترمذی میں حضرت حفصہؓ کی روایت سے ثابت ہوتا ہے

(۷) بخاری و مسلم۔ عمر ابن الخطابؓ

(۱) آپ چمڑے کی پٹی باندھتے، اس میں تین کڑیاں چاندی کی تھیں (۲) آپ کی کمان کا نام کتوم تھا (۳) اور ترکش کو کافور کہا جاتا تھا، آپ کی اونٹنی کا نام قصویٰ تھا، اسے عضباء بھی کہتے تھے، خچر کا نام دُلدُل تھا، اور گدھے کا نام یعفور اور اس بکری کا نام جس کا دودھ آپ نوش فرماتے تھے عینیہ تھا (۴) آپ کے پاس مٹی کا ایک لوٹا تھا جس سے آپ وضو فرماتے، اور پانی پیتے، لوگ اپنے ان بچوں کو جو ذرا سمجھدار ہو چکے ہوتے آپ کی خدمت میں بھیج دیتے، وہ بچے آپ کے پاس سے اس وقت تک واپس نہ جاتے جب تک آپ کے لوٹے میں بچا ہوا پانی نہ لے لیتے، یا اس کا پانی اپنے چہروں اور جسموں پر نہ انڈیل لیتے، ان کا یہ عمل برکت کیلئے ہوتا ہے، (۵)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قدرت کے باوجود عفو و درگذر

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں میں سب سے زیادہ حلیم تھے، (۶) اور سزا دینے کی قدرت کے باوجود غلطی معاف کرنے اور عفو و درگذر سے کام لینے کی طرف زیادہ راغب تھے، چنانچہ ایک بار آپ کی خدمت میں سونے اور چاندی کے ہار آئے، آپ نے انھیں صحابہ میں تقسیم فرمادیا، مجمع میں ایک اعرابی نے اٹھ کر کہا اے محمدؐ! خدا کی قسم! اللہ تعالیٰ نے آپ کو عدل کا حکم فرمایا ہے حالانکہ میں آپ کو عدل کرتا ہوا نہیں دیکھ رہا ہوں۔ آپ نے فرمایا : کم بخت! میرے بعد تیرے ساتھ عدل کا معاملہ کون کرے گا، جب وہ واپس چلا گیا تو آپ نے صحابہ سے فرمایا کہ اسے نرمی کے ساتھ میرے پاس لے کر آؤ، (۷) حضرت جابر روایت کرتے ہیں کہ حنین کے دن سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت بلالؓ کے کپڑے دامن یا چادر وغیرہ) میں چاندی جمع کر رہے تھے، ایک شخص نے عرض کیا : یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عدل فرمائیے! آپ نے فرمایا : کم بخت! اگر میں نے عدل نہ کیا تو اور کون کرے گا، اگر میں عدل نہ کروں تو تو محروم رہے گا اور خسارہ اٹھائے گا، حضرت عمرؓ نے کھڑے ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ! یہ شخص منافق ہے۔ کیا میں اس کی گردن نہ اڑا دوں، آپ نے فرمایا : عمر توبہ کرو، کیا تم لوگوں سے یہ کہلوانا چاہتے ہو کہ محمدؐ اپنے رفقاء اور اصحاب کو قتل کر دیتے ہیں (۸) ایک مرتبہ آپ کسی جنگ میں تھے، کفار نے دیکھا کہ مسلمانوں میں کچھ

---

(۱) طبرانی میں حضرت عبداللہ ابن عباسؓ کی ایک طویل حدیث ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بہت سی چیزوں کے نام بتلائے گئے ہیں، اس میں قصویٰ، دلدل اور یعفور کا ذکر ہے، تلوار کا نام ذوالفقار بھی مذکور ہے۔ ابن عدی نے حضرت ابو ہریرہؓ سے نقل کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا جھنڈا سیاہ رنگ کا تھا، اور اسے عقاب کہتے تھے، طبقات ابن سعد میں مروان بن ابی سعید بن المعلی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تلواروں مخذوم رسوب اور قضیب کا ذکر کیا ہے، نسائی میں حضرت انسؓ کی روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تلوار کا دستہ چاندی کا بنا ہوا تھا۔

(۲) اس روایت کی کوئی اصل مجھے نہیں ملی، البتہ ابن سعد ابن اور ابن حبان نے محمد بن علی بن الحسین کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زرہ میں دو کڑیاں چاندی کی تھیں۔

(۳) اس کی اصل مجھے نہیں ملی۔ طبرانی میں حضرت ابن عباس کے حوالے سے آپ کی کمان کا نام سداد اور ترکش کا نام جمع بتلایا گیا ہے۔

(۴) اونٹنی خچر اور گدھے کا ذکر طبرانی کی روایت میں ہے بخاری میں حضرت انسؓ کی روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک اونٹنی تھی جسے عضباء کہتے تھے، مسلم میں جابر کی حدیث بسلسلہ حجۃ الوداع وارد ہوئی ہے، اس روایت کے مطابق آپ نے قصویٰ نامی اونٹنی پر سفر کیا، فوائد ابن الدحداح ہے کہ آپ کے گدھے کا نام یعفور اور بکری کا نام برکہ تھا، بخاری میں معاذؓ کی روایت ہے کہ میں عفیر نامی گدھے پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ سوار ہوا۔ طبقات ابن سعد میں سات بکریوں کا ذکر ہے جن کے نام یہ ہیں عجوہ، زمزم، سقیا، برکہ، ورشہ، اطلال، اطراف۔ ایک روایت میں قمر نامی بکری کا ذکر بھی ہے۔ (۵) اس روایت کی کوئی اصل مجھے نہیں ملی۔ (۶) یہ روایت پہلے بھی گزر چکی ہے

(۷) سونے چاندی کے ہاروں کی تقسیم، اور اس پر ایک اعرابی کے دل شکن اعتراض کا واقعہ ابن عمرؓ سے ابو الشیخ ابن حبان نے نقل کیا ہے۔

(۸) حضرت جابرؓ کی روایت انہی تفصیلات کے ساتھ مسلم میں ہے

غفلت سی ہے' انھوں نے اس غفلت سے فائدہ اٹھایا' اور ایک کافر شمشیر برہنہ لے کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب کھڑا ہوا اور کہنے لگا کہ اب بتلایئے آپ کو مجھ سے کون بچائے گا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : اللہ میری حفاظت کرنے والا ہے۔ راوی کہتا ہے کہ یہ سن کر کافر کے حوصلے پست ہوگئے' اور تلوار اسکے ہاتھ سے چھوٹ کر نیچے گر پڑی' آپ نے آگے بڑھ کر وہ تلوار اٹھالی' اور دشمن سے کہا کہ اب تو بتلا' تجھے کون بچائے گا۔ عرض کیا : آپ بچائیں گے' آپ نے مجھے قید کیا آپ بہتر قید کرنے والے ہیں' آپ نے فرمایا : "اشهد ان لآ الٰہ الّا اللہ واشهد انّ محمّدً رّسول اللہ" کہہ اس نے کہا میں یہ کلمہ تو نہیں کہوں گا' البتہ یہ وعدہ کرتا ہوں کہ نہ آپ کے ساتھ جنگ کروں گا اور نہ ان لوگوں کے ساتھ رہوں گا جو آپ سے جنگ کرتے ہیں' آپ نے اسے رہا کردیا' وہ شخص اپنے ساتھیوں میں واپس چلا گیا' اور انھیں بتلایا کہ میں ایک بہترین آدمی کے پاس سے آرہا ہوں (۱) حضرت انسؓ روایت کرتے ہیں کہ ایک یہودی عورت بکری کا بھنا ہوا زہر آلود گوشت لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئی' اس کا مقصد یہ تھا کہ آپ زہریلا گوشت تناول فرمالیں۔ جب آپ کو اس کی اطلاع ہوئی کہ گوشت میں زہر ملا ہوا ہے تو اس یہودیہ کو بلا کر لایا گیا' آپ نے اس سے پوچھا کہ اس نے ایسا کیوں کیا' یہودیہ نے عرض کیا کہ میں آپ کو قتل کرنا چاہتی تھی' آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کو تجھے اس ارادے کی تکمیل پر قدرت دینا منظور نہیں تھا۔ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ہمیں اس عورت کو قتل کردینا چاہیے' فرمایا : نہیں (۲) ایک یہودی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر سحر کردیا تھا۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے آپ کو اس جادو کی اطلاع دی' آپ نے اسکا علاج کیا اور افاقہ پایا' لیکن کبھی اس یہودی سے اس کا تذکرہ نہیں فرمایا کہ تو نے فلاں وقت مجھ پر سحر کیا تھا (۳) حضرت علیؓ روایت کرتے ہیں کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے' زبیر اور مقداد کو یہ حکم دیا کہ روضہ خاخ جاؤ' وہاں ایک عورت ٹھہری ہوئی ہے' اسکے پاس ایک خط ہے' تمہیں وہ خط لے کر یہاں آنا ہے' ہم نے سفر کیا اور روضہ خاخ پہنچے' مطلوبہ عورت موجود تھی' ہم نے اس سے کہا کہ وہ خط نکالو جو تمہارے پاس ہے' اس نے اپنے پاس کسی خط کی موجودگی سے انکار کیا' ہم نے سختی سے کہا کہ یا تو وہ خط نکال کر ہمیں دیدو' یا کپڑے اتارو تاکہ ہم تلاشی لے لیں' ہماری سختی سے ڈر کر اس نے چوٹی کے اندر سے ایک خط نکال کر ہماری طرف بڑھایا' ہم وہ خط لے کر سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے' یہ خط مدینے سے مکے بھیجا گیا تھا' حاطب ابی بلتعہ نے مکے کے مشرکین کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات لکھ کر بھیجے تھے' آپ نے اس سے پوچھا اے حاطب! تم نے ایسا کیوں کیا؟ اس نے عرض کیا! یا رسول اللہ! آپ کوئی رائے قائم کرنے میں جلدی نہ فرمائیں' واقعہ یہ ہے کہ میں اپنی قوم میں مل گیا ہوں' آپ کے ساتھ مکہ سے جو مہاجرین آئے ہیں ان کے رشتے دار ابھی وہاں باقی ہیں اور قرابت نسبی کی وجہ سے محفوظ ہیں' لیکن میری کیوں کہ نسبی قرابت نہیں ہے اس لئے میں نے سوچا کہ میں ان پر کوئی احسان ہی کردوں تاکہ وہ اس سے متاثر ہو کر میرے قرابت داروں کو بچائیں' یہ کام میں نے کفر کی بناء پر' یا ارتداد کی راہ سے نہیں کیا ہے' بلکہ میرا مقصد دوسرا تھا' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ یہ شخص سچ کہتا ہے' حضرت عمر فاروقؓ نے عرض کیا! یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! مجھے اجازت دیجئے تاکہ میں اس منافق کا سر قلم کردوں' آپ نے فرمایا : نہیں! اس شخص نے بدر کی جنگ میں حصہ لیا ہے' کیا معلوم اللہ تعالیٰ نے اس جنگ میں شرکت کرنے والوں کو یہ صلہ دیا ہو کہ وہ جو چاہیں کریں ان کی ہر غلطی معاف ہے (۴) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مال غنیمت تقسیم فرمایا۔ ایک انصاری کو اس تقسیم

---

(۱) بخاری و مسلم میں حضرت جابرؓ کی روایت سے یہ واقعہ بعینہ ان الفاظ میں تو نہیں البتہ ان سے ملتے جلتے الفاظ میں آیا ہے' مصنف کے الفاظ سے قریب تر روایت مسند احمد میں ہے' اور اس میں اس شخص کا نام غوث ابن الحارث بتلایا گیا ہے جسنے آپ پر تلوار اٹھائی تھی۔

(۲) یہودیہ کا بکری کے گوشت میں زہر ملانے کا قصہ مسلم میں حضرت انسؓ سے اور بخاری میں حضرت ابو ہریرہؓ سے منقول ہے۔

(۳) نسائی بروایت زید ابن ارقم۔ آپ پر سحر کرنے کا قصہ بخاری و مسلم میں حضرت عائشہؓ سے ذرا مختلف الفاظ میں منقول ہے۔

(۴) بخاری و مسلم۔۔ روضہ خاخ مکہ اور مدینہ کے درمیان ایک مقام کا نام ہے۔

پر اعتراض ہوا اور کہنے لگا کہ اس تقسیم سے اللہ کی رضامندی مقصود نہیں ہے' جب انصاری کے اس تبصرے سے آپ کو مطلع کیا گیا تو غصہ کی وجہ سے آپ کا چہرۂ مبارک سرخ ہوگیا' اور فرمایا : اللہ! میرے بھائی موسیٰ علیہ السلام پر رحم کرے انھیں ان کی قوم نے اس سے کہیں زیادہ تکلیفیں پہنچائیں ہیں' لیکن انھوں نے ہر تکلیف پر صبر کیا (۱) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں :-

لا یبغلنی احد منکم عن احد من اصحابی شیئاً فانی احب ان اخرج الیکم وانا سلیم الصدر (۲)

تم میں سے کوئی شخص میرے کسی ساتھی کے متعلق کوئی بات نہ کہا کرے' اسلئے کہ میں یہ چاہتا ہوں کہ تمہارے پاس صاف دل لے کر آؤں۔

چشم پوشی اور صرف نظر کرنے کے سلسلے میں عادت رسول صلے اللہ علیہ وسلم

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جلد رقیق' اور ظاہر و باطن لطیف تھا' غصہ اور خوشی کے آثار چہرۂ مبارک پر نمایاں ہوجاتے تھے (۳) جب آپ بہت زیادہ ناراض ہوتے تو بار بار داڑھی پر ہاتھ پھیرتے (۴) کسی شخص سے براہ راست وہ بات نہ کہتے جو اسے ناگوار ہو' چنانچہ ایک شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اس نے زرد رنگ کی خوشبو لگا رکھی تھی' یہ رنگ آپ کو ناپسند تھا' لیکن آپ نے اس سے کچھ نہ کہا' جب وہ چلا گیا تو لوگوں سے فرمایا کہ اگر تم اس سے یہ بات کہہ دو تو اچھا ہے کہ اس خوشبو کا استعمال نہ کرے (۵) ایک اعرابی نے مسجد میں پیشاب کردیا' اس حرکت سے مشتعل ہو کر صحابہ اسکی طرف لپکے' اور اسے باز رکھنا چاہا' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اس کا پیشاب مت روکو' اسے فراغت پانے دو' جب وہ فارغ ہوگیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مسجدیں اسلئے نہیں ہیں کہ ان میں گندگی ڈالی جائے' پاخانہ اور پیشاب کیا جائے' ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ اسے قریب بلاؤ' متنفر نہ کرو' (۶) ایک اعرابی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی چیز مانگی آپ نے اس کی درخواست قبول فرمائی' اور اس کی مطلوبہ چیز عطا کردی' اور اس سے فرمایا کہ میں نے یہ چیز دے کر تجھ پر احسان کیا ہے؟ اسنے جواب دیا کہ نہ آپنے احسان کیا ہے' اور نہ کوئی نیک کام کیا ہے۔ اس کی یہ بات سن کر مسلمان بہت زیادہ مشتعل ہوئے' اور اسے مارنے کے لئے اٹھے' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اشارے سے انھیں روک دیا' اور خود اٹھ کر اندر چلے گئے اور سائل کو بلوا کر وہ چیز کچھ زیادہ مقدار میں عطا فرمائی اور اس کے بعد دریافت فرمایا کیا اب تو میرا احسان مانتا ہے؟ اس نے عرض کیا بلاشبہ یا رسول اللہ! یہ آپ کا احسان ہے' اللہ تعالیٰ آپ کو اور گھر والوں کو جزائے خیر دے' آپ نے فرمایا کہ پہلے تم نے جو کچھ کہا تھا اس سے میرے صحابہ ناراض ہیں' اور تمہارے الفاظ کو برا سمجھ رہے ہیں' کیا یہ بہتر نہ ہوگا کہ تم یہ الفاظ جو میرے سامنے کہہ رہے ہو میرے اصحاب کے سامنے بھی دہرا دو' اس نے عرض کیا : بہت بہتر یا رسول اللہ! دوسرے روز صبح کو یا شام کو وہ

---

(۱) بخاری و مسلم میں بروایت عبداللہ ابن مسعودؓ

(۲) ابوداؤد' ترمذی بروایت ابن مسعودؓ۔ لیکن اس سند کے ساتھ یہ روایت غریب ہے

(۳) ابن حبان بروایت ابن عمرؓ یہ حدیث پہلے بھی گزر چکی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رضامندی اور ناراضگی کا پتا آپ کے چہرے سے چل جاتا تھا۔

(۴) یہ حدیث بھی گزر چکی ہے' اس کی روایت عائشہؓ اور تخریج ابن حبان نے کی ہے۔

(۵) ابوداؤد' شمائل ترمذی' نسائی۔ انسؓ

(۶) یہ واقعہ حضرت انسؓ نے روایت کیا ہے' بخاری و مسلم دونوں نے اس کی تخریج کی ہے۔

اعرابی آیا' آپ نے صحابہ کرام سے فرمایا کہ کل اس نے کچھ کہا تھا اس سے اس کی ناراضگی ظاہر ہوتی تھی' پھر ہم نے اسے کچھ زیادہ دیا تو اس نے وہ بات کہی جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اب یہ شخص راضی ہے' اس کے بعد آپ نے اعرابی سے اس کی تصدیق چاہی' اعرابی نے اس کی تصدیق کی اور وہ دعائیہ کلمات دوبارہ کہے جو اس نے کل کہے تھے' آپ نے فرمایا کہ اس اعرابی کی اور میری مثال ایسی ہے جیسے اونٹنی اور اونٹنی والے کی مثال ہے کہ ایک شخص کی اونٹنی بدک گئی' اور بھاگ کھڑی ہوئی لوگ اسکے پیچھے دوڑے لیکن وہ اونٹنی ہاتھ نہ لگی بلکہ کچھ زیادہ ہی مشتعل ہوگئی اونٹنی کے مالک نے پیچھے دوڑنے والوں سے کہا کہ آپ سب لوگ واپس جائیں اور میرے اور اونٹنی کے درمیان رکاوٹ نہ بنیں' میں اس پر زیادہ شفیق ہوں' اور اس کے حال سے زیادہ واقف ہوں' بہرحال اونٹنی کا مالک اپنے ہاتھوں میں خشک گھاس لے کر سامنے کی طرف سے آیا' اور نہایت نرمی اور آہستگی کے ساتھ اسے پیچھے ہٹانا شروع کیا' یہاں تک کہ وہ قریب آگئی' مالک نے اسے بٹھلایا' اور کجاوہ کس کر اس پر سوار ہوگیا' اگر میں تمہیں وہ کام کرنے دیتا جو تم کرنا چاہتے تھے' تو تم اسے قتل کردیتے اور وہ دوزخ میں جاتا(۱)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سخاوت

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں میں سب سے زیادہ سخاوت اور جودو کرم والے تھے' رمضان المبارک میں آپ آندھی کی طرح ہوجاتے کہ کوئی چیز اپنے پاس باقی نہ رکھتے' سب فقراء اور مساکین کو صدقہ فرمادیتے(۲) حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے ان الفاظ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف حسنہ کی تصویر کشی کی ہے۔

كان اجود الناس كفا واوسع الناس صدرا واصدق الناس لهجة واوفاهم ذمة والينهم عريكة واكرمهم عشيرة من رآه بديهة هابه ومن خالطه احبه' يقول ناعته لم ار قبله ولا بعده مثله(۳)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں میں سب سے زیادہ کشادہ دست تھے' آپ کا سینہ سب سے زیادہ فراخ تھا' آپ کی گفتگو سب سے زیادہ راست ہوتی تھی' آپ سب سے زیادہ عہد کو پورا کرنے والے تھے' آپ کی طبیعت انتہائی نرم تھی' خاندان میں سب سے زیادہ بزرگ تھے' جو آپ کو اچانک دیکھتا ڈر جاتا' اور گھلا ملا رہتا تو محبت کرنے لگتا' آپ کا وصف کرنے والا کہتا ہے کہ نہ میں نے آپ سے پہلے آپ جیسا دیکھا اور نہ آپ کے بعد۔

جس شخص نے بھی اسلام کے نام پر کبھی کچھ مانگا آپ نے عطا فرمایا' ایک شخص نے سوال کیا تو آپ نے اسے اتنی زیادہ بھیڑیں اور بکریاں عطا فرمائیں کہ دو پہاڑوں کے درمیان کا خلا ان بکریوں کے ہجوم سے پر ہوگیا' وہ شخص اپنی قوم میں واپس گیا اور کہنے لگا: لوگوں! اسلام لے آو' محمدؐ اس شخص کی طرح دیتے ہیں جسے مفلسی اور فقرو فاقے کا خوف نہ ہو(۴) آپ نے کبھی کسی

---

(۱) یہ روایت ان تمام تر تفصیلات کے ساتھ بزار اور ابن حبان میں حضرت ابو ہریرہؓ سے منقول ہے۔

(۲) بخاری و مسلم میں حضرت انسؓ کی روایت کے الفاظ یہ ہیں "كان رسول الله صلى الله عليه وسلم احسن الناس واجود الناس" بخاری و مسلم میں ہی حضرت عبداللہ ابن عباسؓ کی روایت ہے کہ "كان اجود الناس بالخير وكان اجود ما يكون في شهر رمضان" اس روایت میں یہ بھی ہے "فاذا لقيه جبرئيل كان اجود بالخير من الريح المرسل"۔

(۳) یہ روایت ترمذی نے شمائل میں نقل کی ہے اور اس کی سند کو غیر متصل کہا ہے۔

(۴) بخاری و مسلم۔۔ انسؓ

سائل کو انکار نہیں کیا (۱) ایک مرتبہ آپ کی خدمت میں نوے ہزار درہم پیش کئے گئے، آپ نے وہ سب درہم چٹائی پر رکھ دیئے اور لوگوں کو دینا شروع کردیئے، آپ نے اس وقت تک کسی سائل کو نامراد واپس نہیں کیا جب تک چٹائی پر رکھے ہوئے تمام درہم ختم نہیں ہوگئے (۲) ایک شخص اپنی مالی ضرورت کے لئے آپ کی خدمت میں حاضر ہوا، اس وقت آپ کے پاس کچھ نہیں تھا، آپ نے اس شخص سے کہا کہ اس وقت ہمارے پاس تمہیں دینے کے لئے کچھ نہیں ہے، البتہ تم ہمارے نام پر کسی سے قرض لے لو، جب ہمارے پاس کہیں سے آئے گا ہم یہ قرض ادا کردیں گے، حضرت عمرؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ! اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس امر کا مکلّف نہیں بنایا جس کی آپ کو قدرت نہیں ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات پر کچھ ناگواری محسوس کی، اس شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ مفلسی کے خوف کے بغیر خرچ کرتے رہیں، یہ سن کر آپ کے ہونٹوں پر مسکراہٹ نمودار ہوئی، اور چہرۂ مبارک پر خوشی نظر آئی (۳) جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ حنین سے واپس تشریف لائے تو اعراب نے حاضری دی، اور اپنی ضرورتیں سامنے رکھیں، درخواستیں پیش کیں، یہاں تک کہ آپ (ان مطالبوں سے تنگ آکر) ببول کے ایک درخت کی طرف جانے پر مجبور ہوئے، ببول کے کانٹوں میں آپ کی چادر مبارک الجھ گئی، آپ ٹھہر گئے اور لوگوں سے فرمایا کہ مجھے میری چادر دیدو بخدا اگر اس درخت کے کانٹوں کے بقدر میرے پاس اونٹ ہوتے تو میں وہ سب اونٹ تم لوگوں میں تقسیم کردیتا پھر تم مجھے بخیل، دروغ گو، اور کم حوصلہ نہ سمجھتے (۴)

سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی شجاعت

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں میں سب سے زیادہ بہادر اور طاقتور تھے (۵) حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جنگ بدر میں ہم لوگ آپ کی پناہ پکڑتے تھے، اور آپ سب کی بہ نسبت دشمنوں سے زیادہ قریب تر تھے، اس روز آپ لوگوں میں سب سے زیادہ طاقتور اور سخت مقابلہ کرنے والے تھے (۶) ایک مرتبہ حضرت علیؓ نے فرمایا کہ جنگ کے شعلے بھڑک اٹھتے، اور دونوں طرف کی فوجیں برسرپیکار ہوجاتیں تو ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو آڑ بناکر بچنے کی کوشش کرتے، اور ہم تمام لوگوں کے مقابلے میں آپ دشمن سے زیادہ قریب رہتے (۷) روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کم سخن اور کم گو تھے، جب لوگوں کو جہاد کا حکم دیتے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خود بھی مستعد ہوجاتے، اور سخت تر مقابلہ کرنے والے ہوتے (۸) صحابہ کے نزدیک بہادر وہی شخص ہوتا تھا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب رہتا، کیوں کہ آپ دشمن سے قریب رہتے تھے (۹) عمران ابن حصین فرماتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جس لشکر سے بھی جنگ کی ہے اس پر پہلی ضرب آپ ہی نے لگائی (۱۰) آپ جنگ میں نہایت باحوصلہ اور نڈر تھے (۱۱) جب آپ کو مشرکین نے گھیر لیا تو آپ اپنے خچر سے یہ کہتے ہوئے اتر پڑے۔

---

(۱) یہ روایت ابو الحسن ابن الضحاک نے شمائل میں حسن سے مرسلاً بخاری نے انسؓ سے معلقاً اور محمد بن محمد البحری نے اپنی صحیح میں موصولاً نقل کی ہے۔ (۲) شمائل ترمذی۔ عمر ابن الخطاب رضی اللہ عنہ۔ (۳) شمائل ترمذی۔ عمر ابن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ
(۴) بخاری۔ جبیر بن مطعم رضی اللہ تعالیٰ عنہ
(۵) دارمی۔ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما، اسی مضمون کی ایک روایت بخاری و مسلم میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔
(۶) ابن حبان (۷) نسائی۔ اسی طرح کی ایک روایت براءؓ سے مسلم نے نقل کی ہے۔
(۸) ابن حبان بروایت سعد ابن عیاض مرسلاً۔
(۹) مسلم۔ براء بن عازبؓ۔
(۱۰) ابن حبان۔ (۱۱) ابن حبان بروایت ابو جعفر مرسلاً، طبرانی اوسط میں عبد اللہ ابن عمرؓ کی حدیث ہے کہ مجھے چالیس آدمیوں کی قوت دی گئی ہے۔

انا النبی لا کذب انا ابن عبدالمطلب
میں نبی ہوں جھوٹا نہیں ہوں، میں عبدالمطلب کا بیٹا ہوں۔
اس دن آپ سے زیادہ باہمت اور مضبوط اعصاب کا مالک کوئی دوسرا نظر نہیں آتا تھا (۱)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تواضع

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے منصب کی انتہائی بلندی کے باوجود نہایت متواضع تھے (۲) ابن عامرؓ کہتے ہیں کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ سرخ اونٹنی پر سوار ہیں، اور جمرہ پر کنکریں مار رہے ہیں نہ وہاں (راستہ بنانے کے لئے) کوڑے مارے جارہے ہیں، اور نہ ہٹو بچو کا شور ہے (۳) آپ چادر کی زین ڈال کر گدھے پر سوار ہو جاتے، اور دوسرے کو بھی اپنے (پیچھے یا آگے) بٹھلا لیتے (۴) آپ مریض کی عیادت کرتے، جنازے کی مشایعت فرماتے، اور غلام کی دعوت کو شرف قبولیت سے نوازتے، (۵) آپ جوتے سی لیتے، کپڑوں میں پیوند لگالیتے، اور گھریلو امور میں اہل خانہ کا ہاتھ بٹاتے (۶) صحابہ کرام آپ کے آنے یا جانے پر احتراماً کھڑے نہیں ہوتے تھے، کیونکہ وہ جانتے تھے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس طرح کھڑا ہونا پسند نہیں ہے (۷) آپ بچوں کے پاس سے گزرتے تو سلام کرتے (۸) ایک شخص کو آپ کی خدمت میں لایا گیا تو وہ دہشت سے کانپنے لگا، آپ نے فرمایا : ڈرومت، میں بادشاہ نہیں ہوں، میں تو قریش کی ایک ایسی عورت کا بیٹا ہوں جو خشک گوشت کھایا کرتی تھی، (یعنی غریب تھی) (۹) آپ اپنے رفقاء و اصحاب میں اسطرح گھل مل کر بیٹھتے کہ آنے والا اجنبی یہ نہ سمجھ پاتا کہ محمدؐ صلی اللہ علیہ وسلم کون ہیں، مجبوراً اسے معلوم کرنا پڑتا۔ اس صورت حال کی بناء پر صحابہ کرامؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ مجلس میں کسی ایسی جگہ تشریف رکھا کریں کہ آنے والا اجنبی پہچان لے، چنانچہ آپ کے لئے مٹی کا ایک چبوترہ بنایا گیا، بعد میں آپ اس پر بیٹھنے لگے (۱۰) حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! میں آپ پر قربان جاؤں آپ تکیہ لگا کر کھانا کھایا کیجئے، اس میں آپ کو سہولت رہے گی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سرمبارک اتنا جھکایا قریب تھا کہ زمین سے جا لگے، پھر فرمایا : بلکہ میں اس طرح کھاؤں گا جس طرح بندہ کھاتا ہے، اور اس طرح بیٹھوں گا جس طرح بندہ بیٹھتا ہے (۱۱) آپ نے عمر بھر خوان اور طشتری (ٹرے) میں رکھ کر کھانا نہیں کھایا (۱۲) اگر کوئی شخص آپ کو آواز دیتا تو آپ لبیک کہتے (۱۳) جب آپ لوگوں کے

(۱) بخاری و مسلم۔ بروایت براء بن عازب۔ آخری الفاظ ابن حبان میں ہیں۔
(۲) ابوالحسن بن الضحاک فی الشمائل۔ ابوسعید الخدریؓ۔
(۳) ترمذی، نسائی، ابن ماجہ۔ قدامہ بن عبداللہ بن عمار۔
(۴) بخاری و مسلم۔ اسامہ ابن زید
(۵) ترمذی، حاکم۔ انسؓ۔ یہ روایت پہلے بھی گزر چکی ہے۔
(۶) اس کا حوالہ کتاب آداب الکسب میں گزر چکا ہے۔
(۷) ترمذی۔ انسؓ۔ کتاب الصحت میں بھی گزر چکی ہے۔
(۸) بخاری و مسلم بروایت انسؓ
(۹) حاکم۔ جریرؓ حاکم نے اسے صحیحین کی شرطوں کے مطابق قرار دیا ہے۔
(۱۰) ابوداؤد، نسائی۔ ابوہریرہؓ، ابوذرؓ۔ یہ روایت پہلے بھی گزر چکی ہے۔
(۱۱) ابن حبان بروایت عبداللہ بن عبید بن عمیر
(۱۲) بخاری۔ انسؓ یہ روایت کتاب الاکل میں بھی گزر چکی ہے۔ (۱۳) ابو نعیم بروایت عائشہؓ اور طبرانی کبیر بروایت محمد ابن حاطب

ساتھ بیٹھتے تو ان کی گفتگو میں حصہ لیتے' خواہ ان کی گفتگو آخرت کے بارے میں ہوتی' یا کھانے پینے کے سلسلے میں' یا دنیا کے متعلق آپ انکے ساتھ نرمی اور تواضع کا معاملہ رکھتے تھے (۱) صحابہ کرام آپ کی موجودگی میں اشعار بھی پڑھتے تھے' بعض اوقات دور جاہلیت کے واقعات سناتے' وہ لوگ ہنستے اور آپ بھی مسکراتے' آپ انھیں صرف حرام امور سے منع فرماتے (۲)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا سراپا

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نہ بہت زیادہ طویل القامت تھے' اور نہ پستہ قد تھے' اگر تنہا چلتے تو لوگ میانہ قد کہتے' اسکے باوجود اگر کوئی لمبا شخص آپ کے ساتھ چلتا تو آپ کا قد اس سے نکلتا ہوا ہوتا' بعض اوقات آپ کے دائیں بائیں دو ایسے آدمی چلتے جو طول قامت میں مشہور ہوتے لیکن ان دونوں کے مقابلے میں آپ کا قد ابھرا ہوا ہوتا' جب وہ آپ سے الگ ہوتے تو لمبے کہلاتے' اور آپ کو میانہ قد کہا جاتا' آپ کا ارشاد ہے کہ اعتدال میں خیر ہے' (۳) آپ کا رنگ گورا کھلتا ہوا تھا' نہ آپ گندمی رنگ کے تھے' اور نہ انتہائی سفید تھے' کھلتا ہوا رنگ وہ کہلاتا ہے جس میں زردی' یا سرخی یا کسی دوسرے رنگ کی آمیزش نہ ہو' آپ کے چچا ابو طالب نے آپ کے حسن و جمال کی تعریف میں یہ شعر کہا ہے۔

وابیض یستسقی الغمام بوجهه ثمال الیتامی عصم للارامل

ترجمہ (وہ حسین جس کے صدقے میں بادلوں سے پانی ملتا ہے' جو یتیموں کا ملجا اور بیواؤں کی پناہ گاہ ہے'۔)

بعض لوگوں نے آپ کا رنگ سرخی مائل بتلایا ہے ان دونوں روایتوں میں اس طرح تطبیق ہو سکتی ہے' کہ آپ کے جو اعضاء دھوپ اور ہوا میں کھلے رہتے تھے' جیسے چہرہ ہاتھ پاؤں اور گردن وہ سرخی مائل سفید تھے' اور جو اعضاء کپڑوں کے نیچے رہتے تھے' وہ کھلتے ہوئے سفید رنگ کے تھے' (۴) آپ کے چہرۂ انور پر پسینہ کے قطرات موتی کی طرح دمکتے تھے' اور ان میں خالص مشک کی خوشبو آتی تھی' آپ کے بال نہ بالکل سیدھے تھے' نہ بالکل مڑے ہوئے گھونگر والے' جب آپ سر کے بالوں میں کنگھی کرتے تو اس طرح لہریں پڑ جاتیں جس طرح ہوا سے ریت میں لہریں پڑ جاتی ہیں' بعض روایات میں ہے کہ آپ کے بال شانوں پر لٹکے ہوئے تھے' بیشتر روایات کے مطابق آپ کے بال کانوں کی لوؤں تک تھے' کبھی آپ بالوں کے چار حصے کر لیتے' اور آپ کا کان دو لچھوں کے درمیان ظاہر رہتا' کبھی آپ بالوں کو کانوں سے اوپر کر دیتے' اس صورت میں آپ کی گردن کے کنارے چمکتے رہتے تھے' آپ کے سر مبارک اور داڑھی شریف میں سترہ بال سفید تھے' اس سے زیادہ بال آخر عمر تک سفید نہیں ہوئے' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ مبارک سب سے زیادہ حسین اور روشن تھا' جن لوگوں نے آپ کا وصف بیان کیا ہے انھوں نے آپ کے چہرۂ مبارک کو چودھویں رات کے چاند سے تشبیہ دی ہے' کیوں کہ آپ کا رنگ انتہائی صاف تھا اس لئے خوشی اور ناراضگی کے آثار ظاہر ہو جاتے تھے' آپ کے نعت خواں حضرت ابو بکرؓ کے اس شعر کی تصدیق کرتے ہیں جو انھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح میں کہا ہے۔

---

(۱) شمائل ترمذی۔ زید ابن ثابت' مگر اس میں کھانے کی چیزوں کا ذکر ہے' پینے کا نہیں ہے۔

(۲) مسلم' جابر ابن سمرہؓ۔ اس میں "لایزجرھم الا عن حرام" کے الفاظ ہیں۔

(۳) یہ طویل حدیث ابو نعیم نے دلائل النبوۃ میں قدرے کمی بیشی کے ساتھ نقل کی ہے' حضرت عائشہؓ اس کی راویہ ہیں' آپ کے سراپا کے سلسلے میں جو کچھ یہاں بیان کیا گیا ہے اسکے حوالے کے لئے ملاحظہ کیجئے بخاری و مسلم میں حضرت براء ابن عازب کی روایت' ترمذی' ابو داؤد اور ابن ماجہ میں اُم ہانی کی حدیث' اور شمائل ترمذی میں حضرت علیؓ کی روایت۔

(۴) یہ شعر ابن اسحاق نے کتاب المغازی میں ذکر کیا ہے' بخاری نے ابن عمرؓ سے تعلیقاً اس کی روایت کی ہے۔

امین مصطفی للخیر یدعو کضوء البدر زایله الظلام

(آپ امین ہیں مصطفیٰ ہیں' اور خیر کے داعی ہیں' آپ چودھویں رات کے چاند کی طرح تھے' جس سے تاریکی دور ہوتی تھی)۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشانی کشادہ تھی' آپ کی بھنویں باریک اور مکمل تھیں' دونوں بھوؤں کے درمیان کا حصہ انتہائی روشن تھا گویا وہ حصہ خالص چاندی سے ڈھلا ہوا ہو۔ آپکی دونوں آنکھیں کشادہ اور خوبصورت تھیں' ان کی سیاہی گہری تھی' اور ان میں سرخی کی کچھ آمیزش تھی' آپکی پلکیں طویل اور گھنی تھیں' آپ کی ناک پتلی لمبی' اور برابر تھی' آپ کے دندان مبارک میں معمولی ساخلا تھا' جب آپ مسکراتے تو دندان مبارک بجلی کی طرح چمکتے' آپ کے لبہائے مبارک انتہائی لطیف اور خوبصورت تھے۔ آپ کے رخسار مبارک اٹھے ہوئے نہ تھے' آپ کا چہرہ مبارک نہ بہت زیادہ لمبا تھا اور نہ انتہائی گول' بلکہ چہرہ میں کسی قدر گولائی تھی' آپ کی داڑھی شریف گھنی تھی' آپ اسے کٹواتے نہیں تھے' بلکہ مونچھیں کٹواتے تھے' آپ کی گردن مبارک سب لوگوں سے زیادہ خوبصورت تھی' نہ لمبی تھی اور نہ چھوٹی تھی۔ گردن مبارک کا کھلا ہوا حصہ چاندی کی اس صراحی کیطرح ہو تا جس میں سونے کی آمیزش ہو' اس میں چاندی کی دمک بھی تھی' اور سونے کی چمک بھی تھی' آپ کا سینہ مبارک وسیع تھا' کسی جگہ کا گوشت دبا ہوا' اور کسی جگہ کا ابھرا ہوا نہیں تھا' آئینے کی سطح کی طرح برابر اور سفید چاندی کی طرح روشن تھا' بالوں کا ایک باریک خط آپ کے سینہ مبارک کے بالائی حصے سے ناف تک تھا' پیٹ اور سینے کے باقی حصوں پر بال نہیں تھے۔ آپ کے پیٹ پر تین شکنیں تھیں' جن میں سے ایک تہبند کے نیچے چھپ جاتی تھی' اور دو باقی رہتی تھیں' آپ کے شانے بڑے بڑے تھے' اور ان پر بکثرت بال تھے' شانوں' کہنیوں' اور ران کے بالائی حصے گوشت سے پر تھے' آپ کی پشت مبارک فراخ تھی' دونوں شانوں کے درمیان مہرِ نبوّت تھی' اس میں ایک زردی مائل سیاہ داغ تھا' اس مہر نبوت کی طرف کچھ بال قریب قریب واقع تھے' آپ کے دونوں بازو' اور ہاتھ بھرے بھرے تھے' پنجے لمبے' اور ہتھیلیاں کشادہ تھیں' انگلیاں لمبی' اور چاندی میں ڈھلی ہوئی تھیں' آپ کی ہتھیلی ریشم سے زیادہ ملائم اور عطر فروش کی ہتھیلی کی طرح معطر تھی' خواہ آپ اس پر خوشبو لگاتے یا نہ لگاتے' اگر کوئی شخص آپ سے مصافحہ کرتا تو دن بھر اسکے ہاتھوں میں آپ کے ہاتھوں کی خوشبو بسی رہتی' کسی بچے کے سر پر ہاتھ رکھ دیتے تو وہ دوسرے بچوں میں اپنے سر کی خوشبو سے پہچانا جاتا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زیریں اعضاء بدن یعنی رانیں اور پنڈلیاں بھری بھری تھیں' آپ کا جسم مبارک معتدل تھا' آخر عمر میں کچھ فربہ ہو گئے تھے' مگر فربہی سے بدن کا توازن اور چستی متاثر نہیں ہوئی تھی۔

آپ اس طرح چلتے گویا ڈھلان سے نیچے تشریف لا رہے تھے' قدم آگے کو جھکا کر اور اٹھا کر رکھتے' قدموں کے درمیان فاصلہ تھوڑا ہوتا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے تھے کہ میں حضرت آدم علیہ السلام سے زیادہ مشابہت رکھتا ہوں' اور میرے باپ ابراہیم علیہ السلام صورت و سیرت میں مجھ سے زیادہ مشابہ ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ رب کریم کے یہاں میرے دس نام ہیں میں محمد ہوں' احمد ہوں' میں ماحی ہوں۔ میرے ذریعہ اللہ تعالیٰ کفر کی تاریکی مٹائیں گے' میں عاقب ہوں یعنی میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے' میں حاشر ہوں یعنی اللہ تعالیٰ بندوں کو میرے آنے کے بعد اٹھائے گا' میں رسول رحمت' رسول توبہ' رسول ملاحم اور مقفی ہوں یعنی تمام انبیاء کے آخر میں آنے والا ہوں' میں قثم ہوں۔ (۱) ابوالبختر کہتے ہیں کہ قثم کے معنی ہیں کامل اور اوصاف حسنہ کا جامع شخص۔

---

(۱) یہ روایت ابن عدی نے علی' جابر' اسامہ' ابن زید' ابن عباس اور عائشہؓ سے نقل کی ہے' بخاری و مسلم میں جبیر بن مطعم کی روایت ہے کہ میرے نام ہیں احمد' محمد' حاشر' ماحی' عاقب' مسلم میں ابوموسیٰ کی روایت میں مقفی' نبی الرحمۃ' نبی التوبہ کا اضافہ ہے' مسند احمد میں ابوحذیفہ کی حدیث میں نبی الرحمۃ کی زیادتی ہے۔

معجزات اور علامات نبوی

جاننا چاہئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے احوال کا مشاہدہ کرنے والا' اور ان اخبار و روایات کا سننے والا جو آپ کے اخلاق' افعال' احوال' عادات' خصائل' سیاسی معاملات انتظامی امور میں اور دعوت الی اللہ کے سلسلے میں آپ کی حکیمانہ تدابیر پر مشتمل ہیں' اور ان احادیث کا علم رکھنے والا جن سے ثابت ہوتا ہے آپ نے دقیق و پیچیدہ مسائل کا بہترین حل ارشاد فرمایا' مخلوق کی فلاح کے لئے عجیب تدابیر اختیار کیں' اور شریعت کے ظاہر کی تفصیل کیلئے عمدہ ارشادات فرمائے' انکی وقت اور جامعیت کا یہ عالم ہے کہ علماء اور فقہاء انھیں ہمیشہ سے اپنی غور و فکر کا مرکز بنائے ہوئے ہیں' اور رہتی دنیا تک بنائے رہیں گے' وہ اس سلسلے میں کسی شک و شبہ کا شکار نہیں ہے کہ یہ اور محض انسانی قوت کا عمل ہیں' اور کسی غیبی تائید و نصرت کے بغیر وجود میں آگئے ہیں' کسی دروغ گو اور فریب کار سے یہ ممکن نہیں کہ وہ اس طرح کے محیّر العقول کارنامے انجام دے۔ آپ کے احوال و اخلاق آپ کے دعویٰ نبوت کی صداقت کی علامات ہیں' عرب کے لوگ آپ کا چہرہ مبارک دیکھتے ہی کہہ دیا کرتے تھے کہ یہ کسی جھوٹے کا چہرہ نہیں ہو سکتا' یعنی وہ محض آپ کی ظاہری حالات دیکھ کر ہی صداقت کی شہادت دیدیتے' جن لوگوں نے آپ کی عادات حسنہ کا مشاہدہ کیا ہو' عملی زندگی میں آپ کے سیرت و کردار کے ہر پہلو کا مطالعہ کیا ہو وہ بھلا اس کی شہادت کیسے نہ دیں گے۔

گزشتہ صفحات میں ہم نے چند اخلاق حسنہ اور عادات طیبہ کا ذکر کیا ہے' محض اس لئے کہ معلوم ہو سکے کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں آپ کا درجہ نہایت بلند تھا' آپ تمام انبیاء کے سردار تھے' کائنات کی ہر چیز سے افضل و اشرف تھے' یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ہر ہر پہلو سے کمال عطا کیا' اور آپ کی زندگی کو ساری کائنات کے لئے نمونہ بنایا' حالانکہ آپ اُمّی محض تھے' نہ آپ نے کسی مدرسے میں سبق پڑھا' نہ کتابوں کا مطالعہ کیا' نہ علم کی طلب کے لئے اسفار کئے' دور جاہلیت میں آنکھیں کھولیں' جہلاء میں نشوونما پائی' یتیم اور بے سہارا تھے' اس کے باوجود آپ کو محاسن اخلاق حاصل ہوئے' شریعت کے ظاہر و باطن کا علم ملا' علوم الٰہی کی معرفت حاصل ہوئی' کیا یہ چیزیں خود بخود مل گئیں' ہرگز نہیں' اگر وحی نہ ہوتی تو آپ کو یہ علوم اور آداب حاصل نہ ہوتے' انسان اپنے ضعف' عجز اور محدود اختیارات کی بناء پر اس کا اہل نہیں کہ وہ ان عجائبات کا مرکز بن سکے' اور کمالیت کا جامع قرار پائے۔ یہ وہ امور ہیں جو آپ کی نبوّت پر شاہد عدل کی حیثیت رکھتے ہیں' اگر تنہا یہی امور ہوتے تو بہت کافی تھے' لیکن اللہ تعالیٰ نے آپ کے دعوئ نبوّت کے اثبات کے لیے آپ کے دست حق سے بے شمار معجزات ظاہر فرمائے' تاکہ ادنیٰ درجہ میں بھی کوئی شبہ باقی نہ رہے' ہم ذیل میں وہ مشہور معجزات ذکر کر رہے ہیں جو صحیح روایات سے ثابت ہیں' معجزات کا یہ تذکرہ اجمالی ہے' ان سے متعلق واقعات کے لیے سیرت کی کتابیں دیکھیں۔

مکہ مکرمہ میں قریش نے معجزہ طلب کیا تو آپ کے اشارے پر چاند کے دو ٹکڑے ہو گئے (۱) حضرت جابرؓ کے گھر میں بے شمار لوگوں کو کھانا کھلایا' جب کہ جَو کی مقدار سیر بھر تھی (۲) اسی طرح کا ایک واقعہ حضرت جابرؓ کے مکان پر پیش آیا (۳) ایک مرتبہ ایک صاع جَو اور ایک بکری کے بچے کے گوشت سے اسّی آدمیوں کو کھانا کھلایا (۴) ایک مرتبہ حضرت انسؓ جَو کی چند روٹیاں لے کر آئے' آپ نے ان چند روٹیوں سے اسّی افراد کو شکم سیر کیا (۵) ایک مرتبہ آپ نے تھوڑی سی کھجوروں میں پورے لشکر کو شکم سیر کیا' یہ کھجوریں بنت بشیر لے کر آئیں تھیں' روایات میں ہے کہ یہ کھجوریں کھانے کے باوجود بچ رہیں (۶) ایک تنگ منھ کے چھوٹے سے برتن میں آپ نے اپنا دست مبارک رکھا' انگلیوں کے درمیان سے

---

(۱) بخاری و مسلم۔ ابن مسعودؓ' ابن عباسؓ' انسؓ (۲) بخاری و مسلم۔ جابرؓ۔ (۳) بخاری و مسلم۔ انسؓ
(۴) بیہقی فی دلائل النبوۃ بروایت جابرؓ' بخاری میں بھی یہ روایت ہے مگر اس میں عدد کا ذکر نہیں ہے
(۵) مسلم میں انسؓ کی روایت' فرماتے ہیں اسی آدمیوں کے کھانے کے بعد آپ نے اور آپ کے گھر والوں نے کھانا کھایا' اور بچ رہا
(۶) بیہقی فی دلائل النبوۃ بنت بشیر بن سعد

پانی کا چشمہ پھوٹا اور اتنی مقدار میں پانی نکلا کہ لشکر کے پیاسے فوجی اچھی طرح سیراب ہوئے، اور سب نے وضو کیا (۱) ایک مرتبہ آپ نے تبوک کے خشک کنویں میں وضو کا بچا ہوا پانی ڈال دیا، جس کے نتیجے میں اتنا پانی نکلا کہ لشکر میں شامل ہزاروں صحابہ نے سیراب ہو کر پانی پیا (۲) اسی طرح کا واقعہ حدیبیہ میں پیش آیا کہ وہاں کے خشک کنویں میں وضو کا باقی ماندہ پانی ڈالا تو اتنا پانی اُبل کر آیا کہ پندرہ سو آدمیوں نے اپنی پیاس بجھائی (۳) حضرت عمر فاروقؓ کو حکم دیا کہ وہ چھواروں کی اس مقدار سے چار سو افراد کے لئے زاد راہ کا انتظام کریں جو ایک اونٹ کا بوجھ بھی نہیں ہے، آپ نے ان چھواروں سے مذکورہ افراد کو زاد راہ دیا اور اسکے باوجود وہ بچ رہے (۴) آپ نے مٹھی بھر مٹی کفار کے لشکر کی طرف پھینکی یہ مٹی ان کی آنکھوں میں پڑی اور انھیں بیکار کر گئی، اس کا ذکر قرآن کریم میں بھی ہے۔

وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى (۵)

آپ نے نہیں پھینکی تھی جس وقت پھینکی تھی بلکہ اللہ نے پھینکی تھی۔

آپ کی بعثت کی وجہ سے کہانت عملاً "باطل ہو کر رہ گئی، حالانکہ آپ سے پہلے اس کا وجود تھا عقیدے کی رو سے بھی اور عملاً" بھی (۶) جب آپ نے نئے منبر پر خطبہ شروع فرمایا تو لکڑی کا وہ ستون گریہ کرنے لگا جس سے کمر لگا کر آپ خطبہ دیا کرتے تھے، اس کے رونے کی آواز اونٹ کی آواز کی طرح مسجد میں موجود تمام لوگوں نے سنی، جب آپ نے اسے سینے سے لگایا تو اس کا گریہ ختم ہوا (۷) سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہودی کو چیلنج دیا تھا کہ تم اگر با ہمت ہو، اور اپنے دعوئی میں سچے ہو تو موت کی تمنا کرو، لیکن وہ بول ہی نہ سکے، اور تمنائے موت سے عاجز رہ گئے، یہ قصہ سورۂ جمعہ میں مذکور ہے، سورۂ جمعہ شمال سے جنوب اور مشرق سے مغرب تک ہر مسجد میں جمعہ کے روز اسی آیت کی صداقت کے اظہار کے لئے پڑھی جاتی ہے۔ (۸)

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے غیب کی خبریں بھی دیں۔ چنانچہ حضرت عثمانؓ کو آگاہ فرمایا تھا کہ وہ فتنے میں مبتلا ہوں گے جس کے نتیجے میں انھیں شہادت اور انجام کار جنت ملے گی (۹) حضرت عمارؓ کو بتلایا کہ تمہیں باغی گروہ قتل کردے گا (۱۰) حضرت حسنؓ کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ان کے ذریعہ مسلمانوں کے دو عظیم گروہوں میں مصالحت کرا دے گا (۱۱) ایک شخص کے متعلق جس نے راہ خدا میں جہاد کیا تھا فرمایا کہ یہ دوزخ میں جائے گا، چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ اس نے خودکشی کی، اور دوزخ کا کندہ بنا (۱۲) جب آپ نے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کا سفر فرمایا تو سراقہ ابن جعشم نے آپ کا

---

(۱) بخاری و مسلم۔ انسؓ (۲) مسلم۔ معاذؓ (۳) مسلم سلمۃ ابن الاکوعؓ

(۴) احمد بروایت بن مقرن مفصلاً و ابو داؤد بروایت وکیع بن سعید مختصراً۔

(۵) مسلم میں سلمۃ بن الاکوع کی حدیث۔ اس میں آیت کے نزول کا تذکرہ نہیں ہے۔

(۶) خرائطی نے اس سلسلے میں مرداس بن قیس الدوسی سے تفصیلی روایت نقل کی ہے، اس کی اصل اختصار کے ساتھ بخاری میں بھی موجود ہے۔

(۷) بخاری میں جابر سہل بن سعد کی روایت۔

(۸) بخاری۔ ابن عباسؓ

(۹) بخاری و مسلم ابو موسیٰ الاشعریؓ

(۱۰) مسلم میں ابو قتادہ اور سلمۃ بن الاکوع کی اور بخاری میں ابو سعید الخدری کی روایت

(۱۱) بخاری بروایت ابو بکرۃ

(۱۲) بخاری و مسلم۔ ابو ہریرہؓ، سہل بن سعدؓ۔

تعاقب کیا' جب وہ آپ کے نزدیک پہنچا تو اس کے گھوڑے کا نصف حصہ زمین میں دھنس گیا' اور پشت کی طرف سے دھویں کا ایک زبردست ریلا آیا اور وہ حواس باختہ ہو کر سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد لینے پر مجبور ہوا آپ نے اس کے لئے دعا فرمائی' اور گھوڑا اپنی سابقہ حالت پر واپس آگیا' آپ نے اس سے یہ بھی فرمایا کہ تجھے کسریٰ کے کنگن پہنائے جائیں گے' چنانچہ ایسا ہی ہوا (۱) مدعی نبوت اسود عنسی کے قتل کی خبر آپ نے اسی رات دی جس رات وہ مارا گیا' آپ نے اس کے قاتل کا نام بھی بتلایا حالانکہ وہ یمن کے شہر صنعاء میں مارا گیا تھا (۲) آپ ان سو افراد کی آنکھوں میں خاک ڈال کر باہر نکل آئے جو آپ کی تاک لگائے بیٹھے تھے' وہ سب تھوڑی دیر کے لئے اندھے ہو گئے اور آپ کو نہ دیکھ سکے (۳) صحابہ کی موجودگی میں ایک اونٹ نے آپ سے شکوہ کیا' اور اپنی اطاعت کا عملی مظاہرہ کیا (۴) چند لوگ آپ کی خدمت میں حاضر تھے' آپ نے ان سے فرمایا کہ تم میں سے ایک شخص دوزخ میں جائے گا' چنانچہ ایسا ہی ہوا' ایک شخص مرتد ہو گیا' اور اسی حالت میں مارا گیا (۵) چند لوگوں سے فرمایا کہ تم میں سے جو شخص آخر میں مرے گا وہ آگ میں ہو گا' ایسا ہی ہوا' آخری شخص آگ میں جل کر مرا (۶) آپ نے دو درختوں کو آواز دی وہ آپ کے قریب چلے آئے' آپ نے جانے کے لئے کہا وہ دونوں اپنی اپنی جگہ واپس چلے گئے (۷) آپ نے نصاریٰ کو مباہلے کی دعوت دی' مگر وہ لوگ نہیں آئے' کیونکہ آپ نے ان سے فرمایا تھا کہ اگر تم نے مباہلہ کیا تو ہلاک ہو جاؤ گے' وہ لوگ آپ کی صداقت پر ایمان رکھتے تھے اس لئے انھوں نے دعوت قبول نہ کرنے ہی میں عافیت سمجھی (۸) عرب کے دو مشہور شہسوار اور بہادر عامر ابن طفیل اور اربد ابن قیس آپ کے قتل کے ناپاک ارادے کے ساتھ پہنچے مگر ناکام واپس گئے' آپ نے ان کے لئے بددعا فرمائی' نتیجۃً عامر ابن طفیل طاعون میں ہلاک ہوا' اور اربد کے لئے آسمانی بجلی موت کا پیغام بن کر آئی (۹) آپ کو زہر کھلایا گیا' لیکن اللہ نے آپ کو محفوظ رکھا' اور جو شخص آپ کے ساتھ کھانے میں شریک تھا وہ ہلاک ہو گیا' آپ اس کے بعد بھی چار سال تک بقید حیات رہے' بکری کے گوشت میں بھی زہر ملایا گیا تھا' لیکن یہ گوشت خود بول پڑا تھا کہ مجھے نہ کھایئے' مجھ میں زہر ملا ہوا ہے (۱۰) جنگ بدر کے روز آپ نے سرداران قریش کے نام لے لے کر وہ جگہیں بتلائیں جہاں انھیں ہلاک ہو کر گرنا تھا' چنانچہ جنگ ہوئی تو ہر شخص اسی جگہ گرا جس کی آپ نے نشاندہی فرمائی تھی (۱۱) آپ نے صحابہ سے فرمایا تھا کہ میری اُمّت کے چند لوگ سمندر میں جہاد کریں گے' یہ پیشن گوئی بھی سچی نکلی (۱۲) آپ کے لئے زمین لپیٹ دی گئی تھی' اور مغرب و مشرق کے دور دراز علاقے دکھلا دیئے گئے تھے' آپ نے فرمایا تھا کہ میری امت عنقریب وہاں تک جا پہنچے گی جہاں تک کی زمین مجھے لپیٹ کر دکھلائی گئی چنانچہ ایسا ہی ہوا' مسلمانوں کی حکومت مشرق میں ترک تک مغرب میں اندلس تک وسیع ہوئی' حضرت فاطمہؓ سے فرمایا تھا کہ خاندان کے تمام افراد سے پہلے تم

---

(۱) بخاری و مسلم۔ ابوبکر الصدیقؓ

(۲) یہ واقعہ سیر کی کتابوں میں منقول ہے قاتل کا نام فیروز الدیلمی ہے' بخاری و مسلم میں ابو ہریرہؓ کی حدیث سے بھی اس واقعے پر روشنی پڑتی ہے

(۳) ابن مردویہ۔ ابن عباسؓ

(۴) ابو داؤد۔ عبداللہ ابن جعفرؓ۔ اس روایت کا ابتدائی حصہ مسلم میں ہے' اونٹ کا قصہ مذکور نہیں ہے۔

(۵) دار قطنی نے یہ روایت ابو ہریرہؓ سے "المؤتلف والمختلف" میں بلا سند نقل کی ہے۔

(۶) طبرانی' بیہقی۔ ابن محذورۃؓ۔ بیہقی کی روایت کے مطابق آخر میں انتقال کرنے والے صحابی کا نام سمرۃ بن جندبؓ ہے

(۷) احمد۔ علی بن مرؓ۔ (۸) بخاری۔ ابن عباسؓ (۹) طبرانی فی الاوسط والاکبر من حدیث ابن عباسؓ

(۱۰) ابو داؤد بروایت جابرؓ' بخاری و مسلم بروایت

(۱۱) مسلم۔ عمر بن الخطابؓ (۱۲) بخاری و مسلم۔ اُمّ حرامؓ

مجھ سے آملوگی (۱) چنانچہ ایسا ہی ہوا' ازواج مطہرات سے فرمایا وہ عورت مجھ سے جلد ملے گی جو خیرات زیادہ کرتی ہے (۲) چنانچہ ایسا ہی ہوا حضرت زینب کا انتقال پہلے ہوا کیوں کہ وہ خیرات زیادہ کرتی تھیں' آپ نے ایسی بکری کے تھنوں کو ہاتھ لگایا جس میں دودھ نہیں تھا' آپ کی برکت سے ان تھنوں میں دودھ آگیا' یہ معجزہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے قبول اسلام کا سبب قرار پایا (۳) ایسا ہی ایک واقعہ اُمّ معبد خزاعیہ کے خیمے میں بھی پیش آیا تھا' کسی صحابی کی آنکھ نکل گئی تھی' آپ نے وہ آنکھ اپنے دست مبارک سے اس طرح جمائی کہ دوسری آنکھ کے مقابلے میں زیادہ روشن اور خوبصورت ہوگئی (۴) خیبر کی جنگ کے موقع پر حضرت علیؓ آشوب چشم کے مرض میں مبتلا تھے۔ آپ نے اپنا لعاب مبارک لگایا جس سے آنکھیں بالکل صحیح ہو گئیں' آپ نے انھیں اسلامی جھنڈا دے کر روانہ کیا (۵) صحابہ کرام آپ کی موجودگی میں کھانے کی تسبیح سنا کرتے تھے (۶) ایک صحابی کی ٹانگ زخمی ہوگئی تھی' آپ نے اپنا دست مبارک پھیرا اور وہ ٹانگ صحیح ہوگئی (۷) ایک مرتبہ لشکر کے زاد راہ میں کمی واقع ہوئی تو آپ نے لوگوں سے فرمایا کہ جس کے پاس جتنا زاد راہ ہو لے کر آئے' سب لوگ اپنا زاد راہ لائے اور ایک جگہ جمع کردیا' یہ ایک معمولی مقدار تھی' آپ نے اس میں برکت کی دعا کی' اور لوگوں سے فرمایا کہ اس میں سے جتنا چاہیں لے جائیں' سب لوگوں نے اپنے برتن بھر لئے' یہاں تک کہ کوئی برتن ایسا باقی نہیں رہا جو بھرا نہ گیا ہو (۸) حکم ابن ابی العاص نے ازراہ تمسخر آپ کے چلنے کی نقل کی' آپ نے اس کے لئے بددعا فرمائی کہ تو ہمیشہ اسی طرح چلتا' چنانچہ وہ زندگی کی آخری سانس تک اسی طرح لنگڑاتا ہوا چلا (۹) ایک عورت سے آپ نے نکاح کا پیغام دیا' اس کے باپ نے برص کا بہانہ بنا کر یہ پیغام رد کردیا' حالانکہ وہ عورت برص میں مبتلا نہیں تھی' آپ نے فرمایا جب تم کہہ رہے ہو تو ایسی ہی ہوگی' اس کے بعد وہ واقعتہً برص کی شکار ہوگئی (۱۰) یہ عورت شبیب ابن برصا کی ماں تھی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات بے شمار ہیں' ہم نے صرف چند مشہور معجزات کے ذکر پر اکتفا کیا ہے' ان معجزات کی صداقت میں شبہ کرنے والا اور اپنے شبہ کی یہ دلیل دینے والا کہ یہ معجزات نہ قرآن سے ثابت ہیں اور نہ متواتر روایات سے ایسا ہے جیسے کوئی شخص حضرت علیؓ کی شجاعت اور حاتم طائی کی سخاوت میں شبہ کرے' حالانکہ یہ دونوں امر تواتر سے ثابت نہیں ہیں' لیکن ان کی روایات اتنی زیادہ ہیں کہ ان کی مجموعے سے شجاعت اور سخاوت کا بدیہی علم حاصل ہوتا ہے۔

اس کے علاوہ قرآن کریم آپ کا سب سے بڑا معجزہ ہے' اس کے تواتر میں کسی قسم کے شک وشبہ کی گنجائش نہیں ہے' یہ معجزہ اسی طرح باقی ہے جس طرح ظاہر ہوا' اور رہتی دنیا تک اسی طرح باقی رہے گا' کسی بھی نبی کا معجزہ باقی نہیں رہا۔ قرآن کریم نازل ہوا تو

---

(۱) مسلم۔ عائشہؓ' فاطمہؓ

(۲) مسلم۔ عائشہؓ۔ بخاری و مسلم کے مطابق سب سے پہلے حضرت سودہؓ کا انتقال ہوا۔

(۳) احمد۔ ابن مسعودؓ۔

(۴) ابو نعیم۔ بیہقی بروایت قتادۃ بن النعمانؓ

(۵) بخاری و مسلم میں حضرت علی اور سہل بن سعد کی حدیث

(۶) بخاری و مسلم۔ ابن مسعودؓ

(۷) بخاری نے اس معجزہ کا ذکر ابو رافع کے قتل کے قصے میں کیا ہے

(۸) بخاری و مسلم۔ سلمۃ الاکوع

(۹) بیہقی میں ہند بن خدیجہ کی اور حاکم میں عبدالرحمٰن بن ابی بکر کی روایت

(۱۰) یہ روایت ابن جوزی نے التلقیح میں بیان کی ہے' اور اس عورت کا نام جمرۃ بنت الحرث بن عوف المزنی بتلایا ہے۔

عرب میں ہزاروں فصحاء اور بلغاء موجود تھے' بلاغت ان کی لونڈی تھی اور فصاحت ان کا پیشہ تھا۔ وہ اپنے اس پیشے پر نازاں تھے' اور فصاحت و بلاغت کے دریا بہا کر شہرت کماتے تھے' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان تمام لوگوں کو چیلنج دیا کہ اگر وہ قرآن کریم کی حقانیت میں شک کرتے ہیں تو اس جیسا قرآن' کامل نہیں تو دس سورتیں لے آئیں نہیں تو ایک ہی سورت بنا کر لائیں' اللہ تعالیٰ نے زبان نبوت سے اعلان کرایا :-

قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰٓى اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا۔

آپ فرما دیجئے کہ اگر تمام انسان اور جنّات اس بات کے لئے جمع ہو جائیں کہ ایسا قرآن بنا لاویں تب بھی ایسا نہ لاسکیں گے اگرچہ ایک دوسرے کا مددگار بھی بن جائے۔

(پ ۱۵ ر ۱۰ آیت ۸۸)

چنانچہ وہ لوگ یہ چیلنج قبول نہ کرسکے' اپنی جانوں سے ہاتھ دھوئے' اپنے بچوں اور عورتوں کو قید کرایا لیکن وہ قرآن کا جواب نہ لاسکے' اس کا معارضہ نہ کرسکے' اس کی فصاحت و بلاغت مجروح نہ کرسکے' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں بھی اور آپ کے پردہ فرمانے کے بعد بھی قرآن کریم مغرب و مشرق میں پھیلا' صدیاں گزر گئیں لیکن آج تک یہ چیلنج قبول نہ کیا جاسکا جو شخص آپ کے احوال کے مشاہدے' اقوال کے مطالعے' اور معجزات کا علم حاصل کرنے کے بعد بھی آپ کی نبوّت میں شک کرے وہ بڑا ہی کند ذہن' بلید الطبع اور بدبخت ہے۔ اس شخص کی سعادت میں کیا شبہ ہو سکتا ہے جو دل سے آپ کی تصدیق کرے' آپ کی زندگی کو اپنے لئے نمونۂ عمل بنائے' اور آپ کے قدم بقدم چلے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق' افعال اور اعمال میں کامل اتباع کی توفیق سے نوازے۔ (آمین)

کتبِ تصوّف وسُلوک

		قیمت
احیاء العلوم کا اردو ترجمہ مذاق العارفین حجۃ الاسلام امام غزالیؒ	احیاء علوم الدین امام غزالیؒ کسی تعارف کی محتاج نہیں ہے۔ تصوف و سلوک اور اسلامی فلسفے کی زندہ جاوید کتاب۔ ترجمہ: مولانا محمد احسن نانوتوی (چار جلد کامل) مجلد اعلیٰ	
کیمیائے سعادت کا اردو ترجمہ اکسیر ہدایت حجۃ الاسلام امام غزالیؒ	اسرار تصوف تزکیۂ نفس اور اصلاح ظاہر و باطن میں بے نظیر کتاب کا نہایت مستند اردو ترجمہ۔ کتابت، طباعت اعلیٰ، مضبوط و حسین جلد	
مجموعۂ رسائل امام غزالیؒ اردو ۳ جلد	اس مجموعے میں تصوف، عقائد، کلام اور فلسفہ پر امام غزالیؒ کی ۱۶ وہ مستقل کتابیں شامل ہیں جو عرصے سے نایاب تھیں۔	
مکاشفۃ القلوب	تصوف کی مشہور کتاب	
بیاض یعقوبی مولانا محمد یعقوب نانوتویؒ	مولانا کی قلمی بیاض جس میں تصوف و سلوک کے مسائل کے علاوہ عملیات، وظائف، تعویذات اور طبی نسخہ جات درج ہیں۔ مجلد	
تربیت السالک حکیم الامت مولانا اشرف علی	اصلاح ظاہر و باطن اور تزکیۂ نفس اور راہ طریقت کی مشکلات کا حل اور روحانی علاج کی قرابادین۔ تین جلد کامل	
حجۃ اللہ البالغہ (اردو) شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ	اسلامی شریعت کے حقائق و اسرار اور تمام علوم اسلامی پر محققانہ کتاب کا مستند اردو ترجمہ۔ مجلد اعلیٰ	
مجالسِ الابرار شیخ احمد رومی	وعظ و تقریر اور نصیحت میں بلند پایہ کتاب جس میں احادیث سے شرک و بدعت کا رد اور صوفیائے متقدمین کے حالات ہیں۔ مجلد	
مجالسِ حکیم الامت	مولانا تھانویؒ کے ملفوظات جمع کردہ مفتی محمد شفیع	
کلیاتِ امدادیہ	حضرت حاجی امداد اللہؒ کی جملہ دس تصانیف کا مجموعہ مجلد	
شریعت وطریقت کا تلازم	اس موضوع پر بہترین کتاب۔ شیخ الحدیث مولانا محمد ذکریا صاحب	
نور الصدور فی شرح القبور	امام جلال الدین سیوطی کی کتاب کا ترجمہ۔ مولانا محمد عیسیٰؒ	
تعلیم الدین مدلل	حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی (تصوف و اخلاق)	
فیوض یزدانی	شیخ عبد القادر جیلانیؒ کے مواعظ کا عام فہم ترجمہ۔ ترجمہ مولانا عاشق الٰہی میرٹھی	
غنیۃ الطالبین	شیخ عبد القادر جیلانیؒ کی عقائد اسلام و تصوف پر بے نظیر کتاب۔ ترجمہ عبد الدائم جلالی	